معارف شارح بخاری

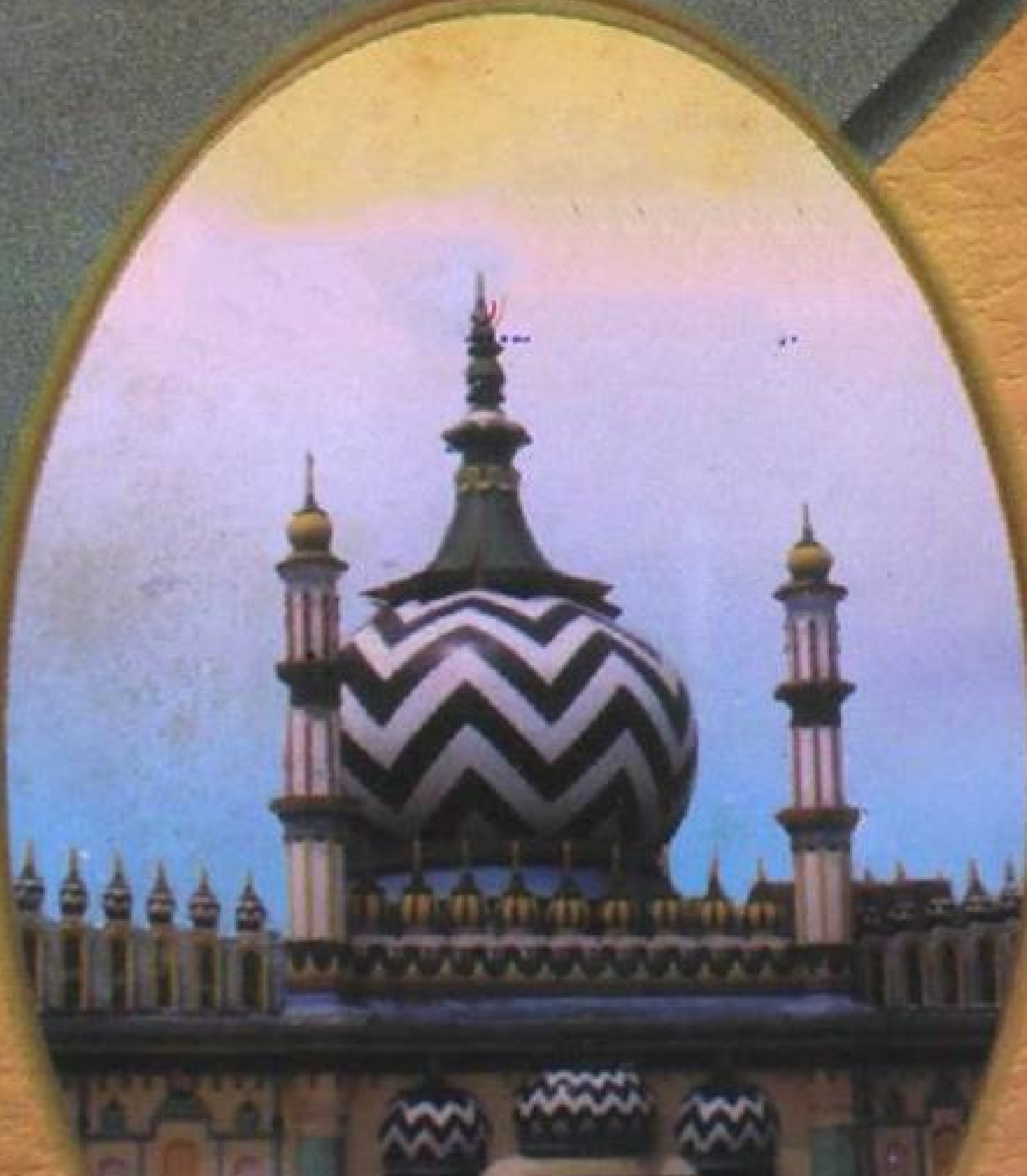
ترتیب

محمد احمد مصباحی   یٰس اختر مصباحی

عبد الحق رضوی   مبارک حسین مصباحی

رضا اکیڈمی ۲۶ کامبیکر اسٹریٹ ممبئی ۳

معارف شارح بخاری



ترتیب

محمد احمد مصباحی
عبد الحق رضوی

یٰس اختر مصباحی
مبارک حسین مصباحی

رضا اکیڈمی ۲۶ کامبیکر اسٹریٹ ممبئی ۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شارح بخاری فقیہ اعظم حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ العالی کے احوال و آثار، افکار و خیالات، اوصاف و کمالات، علمی افادات، دینی و تبلیغی کارنامے، بالخصوص آپ کی شہکار خدمت "نزھۃ القاری شرح بخاری" کے معارف و محاسن اور اس کے مختلف گوشوں پر مشتمل مشاہیر علما و مشائخ کرام و اصحاب قلم کے تاثرات و نگارشات و مقالات کا گراں قدر مجموعہ

حسن تفہیمات و اسلوب سخن کا آئینہ || نزھۃ القاری ہے تیرے فکر و فن کا آئینہ
ہے یہ الفاظ و معانی کے چمن کا آئینہ || اس میں تشریحات فرمان رسالت کے ہیں پھول

معارفِ شارحِ بخاری

مرتبین

محمد احمد مصباحی || یٰس اختر مصباحی
عبدالحق رضوی || مبارک حسین مصباحی

بفیض روحانی

شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ مصطفےٰ رضا قادری برکاتی نوری بریلوی قدس سرہٗ

باہتمام
دائرۃ البرکات، قصبہ گھوسی، ضلع مئو، یوپی (انڈیا)

نشر و اشاعت

رضا اکیڈمی، ۲۶ کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی-۳

نام کتاب .... معارف شارح بخاری

مرتبین .... محمد احمد مصباحی، یٰسٓ اختر مصباحی، عبدالحق رضوی، مبارک حسین مصباحی

باہتمام .... دائرۃ البرکات گھوسی، ضلع مئو، یوپی

ناشر .... رضا اکیڈمی، ۲۶ کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی-۳

طبع اول .... شوال المکرّم ۱۴۲۰ھ جنوری ۲۰۰۰ء

تعداد .... ایک ہزار (۱۰۰۰)

ملنے کے پتے

۱- رضا اکیڈمی، ۲۶، کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی-۳

۲- دائرۃ البرکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی-۲۷۶۴۰۴

۳- المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی-۲۷۶۴۰۴

۴- المجمع المصباحی، مباک پور، اعظم گڑھ، یوپی-۲۷۶۴۰۴

۵- حق اکیڈمی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی-۲۷۶۴۰۴

۶- رضوی کتاب گھر، ۴۲۳، مٹیا محل جامع مسجد دہلی-۶

۷- فاروقیہ بکڈپو، C/۴۲۲ مٹیا محل جام مسجد دہلی-۶

۸- مکتبہ جام نور، B/۴۲۲ مٹیا محل جامع مسجد دہلی-۶

۹- مکتبہ نعیمیہ، مٹیا محل جامع مسجد دہلی

۱۰- قادری کتاب گھر، اسلامیہ مارکیٹ بریلی

۱۱- مکتبہ نور، نور اللہ روڈ، الہ آباد

۱۲- نیو سلور بک ایجنسی، محمد علی بلڈنگ، بھنڈی بازار، ممبئی-۳

انتساب

استاذ العلما جلالۃ العلم حافظ ملت حضرت علامہ الشاہ ابوالفیض

عبدالعزیز محدث مرادآبادی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

وصال ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء

اور آپ کی شہرۂ آفاق دینی و علمی یادگار

الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

کے نام

•

جس نے پیدا کئے کتنے لعل و گہر
حافظ دین و ملت پہ لاکھوں سلام

عقیدت کیش
محب الحق رضوی
عبدالحق رضوی

تہدیہ

(۱) صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت مولانا الشاہ محمد امجد علی اعظمی رضوی

(وصال ۱۹۴۸ء)

(۲) تاجدار اہلسنّت مفتی اعظم ہند حضرت مولانا الشاہ محمد مصطفےٰ رضا قادری بریلوی

(وصال ۱۹۸۱ء)

(۳) سید العلما حضرت مولانا الشاہ سید آل مصطفےٰ قادری برکاتی مارہروی

(وصال ۱۹۷۴ء)

(۴) احسن العلما حضرت مولانا الشاہ سید مصطفےٰ حیدر حسن قادری برکاتی مارہروی

(وصال ۱۹۹۵ء)

علیہم الرحمۃ والرضوان

کی

خدمات عالیہ میں

•

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضاؔ
بول بالے مری سرکاروں کے

نیاز کش

محبّ الحق رضوی

عبد الحق رضوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین معارف شارح بخاری

باب دوم آئینہ حیات ۶۳ — ۲۷۲

باب سوم : مشاہدات و تاثرات ۲۷۷ — ۳۴۲

باب چہارم : اوصاف و خدمات ۳۴۳ — ۵۰۸

باب پنجم — نزہۃ القاری شرح بخاری ۵۰۹ — ۸۱۲

باب ششم — فقہ وافتا ۸۱۳ — ۹۲۲

باب ہفتم تصنیفات ۹۲۳ —— ۱۰۰۴

باب ہشتم خراج عقیدت ۱۰۰۵ —— ۱۰۳۲

فارسی

اردو

باب نہم　غیر اردو مضامین　۱۰۳۳-۱۰۹۷

عربی

انگریزی

ہندی

گجراتی

شرفِ آغاز

یٰسٓ اختر مصباحی
دار القلم ذاکر نگر - نئی دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقوشِ شارح بخاری

شیر از ہند جون پور کے ملحقات میں اعظم گڑھ اور اس کے مردم خیز قصبات اپنے باطنی جذب و کشش اور معنوی حسن جمال میں ممالک متحدہ اودھ و آگرہ کے نقشہ پر ماہ و نجوم کی طرح درخشاں و تاباں ہیں۔ غازیپور، بنارس، فیض آباد، اور گورکھپور کے قلب میں واقع اس سرزمین کو مشرقی اتر پردیش میں آج بھی ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ اور اس خطہ کے دینی و علمی افراد ورجال دہلی و بمبئی و دیگر بلاد ہند ہی نہیں بلکہ بیرون ہند بھی اپنا ایک امتیاز و تشخص رکھتے ہیں انھیں علمی و فکری و ادبی حلقوں میں قابل رشک اعتبار و وقار اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور مسند اعزاز و افتخار سے نوازا جاتا ہے۔

مشرقی اعظم گڑھ کا قصبہ چریاکوٹ اور موضع بھیرہ اپنی تاریخی عظمت و اہمیت کے لحاظ سے زمانہ قدیم ہی سے اہل علم کے درمیان متعارف و مشہور ہیں۔ جب کہ قصبہ گھوسی و قصبہ مبارک پور دور حاضر میں اپنی شہرت و سربلندی کے نصف النہار پہ ہیں۔ اور ان دونوں قصبات کے آفاق سے پھوٹنے والی دینی و علمی شعاعوں سے ہند و پاک کے بیشتر علاقے متنیر اور ضیابار ہو رہے ہیں۔ بفضلہٖ تبارک و تعالیٰ و بکرم حبیبہ الاعلیٰ قصبہ گھوسی و مبارک پور کی غالب آبادی سنی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔

قصبہ گھوسی کی جدید تاریخ کا آغاز صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی مؤلف بہار شریعت (ولادت ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء وصال ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء) سے ہوتا ہے۔ جو (۱) استاذ الاساتذہ حضرت علامہ ہدایت اللہ رام پوری ثم جون پوری (وصال ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) تلمیذ رشید امام الحکمۃ والکلام علامہ فضل حق خیر آبادی (ولادت ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء وصال ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) (۲) شیخ المحدثین حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی (ولادت ۱۸۳۶ء وصال ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء) کے قابل فخر

شاگرد (۳) فقیہ اسلام امام اہل سنت حضرت مولانا الشاہ احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی (ولادت ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء، وصال ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) کے ممتاز خلیفہ (۴) حاذق الملک حکیم محمد عبدالوالی لکھنوی کے محبوب شاگرد، ماہر منقول و معقول حادی اصول و فروع، اور جامع شریعت و طریقت تھے۔ بلا واسطہ و بالواسطہ جون پور، و لکھنؤ و خیر آباد، و بریلی، و مارہرہ، و دہلی کی مذہبی و علمی وراثتوں کے حامل و امین تھے۔

صدر الشریعہ کے چشمۂ دین و دانش اور سحابِ علم و حکمت کا "امجدی فیضان" مدارسِ اسلامیہ کے توسط سے ہندو پاک کے بیشمار تشنگانِ علومِ نبوت اور اکثر مسلم آبادیوں کو سیراب کر رہا ہے۔ محدثِ اعظمِ پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد قادری رضوی گورداس پوری ثم لائل پوری (ولادت ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء وصال ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء) اور حافظ ملت مولانا الشاہ عبدالعزیز مراد آبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ (ولادت ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء وصال ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء) سر زمین ہند و پاک پہ جاری "دریائے امجدی" کے کوثر و سلسبیل ہیں۔ جن کے آبشار اور رشحاتِ کرم سے آج اہل سنت کا ہر طبقہ فیضیاب و شاداب اور نہال و شاد کام ہو رہا ہے۔

شارح بخاری فقیہ اعظم ہند حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ العالی (ولادت ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) کو صدر الشریعہ کی نسبی قرابت، توجہ و عنایت اور حافظ ملت و محدث اعظم پاکستان سے خصوصی شرف تلمذ نے معدن علوم و فنون بنا دیا۔ مفتی اعظم ہند مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری بریلوی (ولادت ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۳ء وصال ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۱ء) کے ساتھ بریلی شریف میں گیارہ سالہ استفادہ و رفاقت نے مخزنِ فقاہت و بصیرت اور سید العلما حضرت مولانا سید آل مصطفیٰ قادری برکاتی مارہروی (وصال ۱۹۷۴ء) و احسن العلما حضرت سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن قادری برکاتی مارہروی (وصال ۱۹۹۵ء) کی تاحیات مسلسل نوازش و کرم طرازی نے آپ کو منبعِ معارف و برکات بنا دیا ہے۔

اَسّی (۸۰) سال سے متجاوز عمر میں شارح بخاری کے دریائے علم و فضل کا یہ حال ہے کہ تحریر و تقریر میں جب ان کا قلم جوش پہ آتا ہے اور زبان رواں ہوتی ہے تو فکر و فن، معانی و مفاہیم، مطالب و حقائق، اور اسرار و دقائق کی موجیں نوکِ زبان و قلم سے امنڈ امنڈ کر سیلاب کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ جو قبولِ حق کی صلاحیت رکھنے والے زرخیز اذہان و قلوب کے لئے باعثِ رحمت ثابت ہوتی ہیں۔ اور شوریدہ سروں و مردہ دلوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جاتی ہیں۔

تحصیل درس نظامی و تکمیل علوم اسلامیہ کے بعد اتر پردیش، بہار، مہاراشٹر کے متعدد

مدارس عربیہ میں شارح بخاری نے تدریسی فرائض انجام دیئے۔ پینتیس (۳۵) سال تک تسلسل کے ساتھ منقولات و معقولات کی سبھی چھوٹی بڑی کتابیں آپ کے زیر درس رہیں۔ محنت و مطالعہ اور کمال مہارت کے ساتھ اسباق کی تفہیم اور دفعِ اعتراض ورفعِ اشکال آپ کا طرۂ امتیاز رہا۔ منتہی کتابوں کے مغلق مباحث کو ضبط و ترتیب کے ساتھ طلبہ کے ذہن میں اتار دینا آپ کی نمایاں خصوصیت تھی۔ آپ کی درسگاہِ علم و حکمت سے مستفید ہونے والے ہزاروں طلبہ میں سے آج سیکڑوں علما مختلف دینی مدارس کے ممتاز مدرسین ہیں۔ تدریسی دور میں بڑے بڑے ادارے معقول مشاہرہ کی پیشکش کر کے آپ کی خدمات حاصل کرنے کے مشتاق و متمنّی ہوا کرتے تھے، کیونکہ کتاب وفنِ کتاب کے سمجھنے سمجھانے کا طلبہ کے اندر شوق پیدا کرنے، ان کی تربیت کا خیال رکھنے، عوام اہل سنت کو ادارہ کے ساتھ وابستہ رکھنے اور اس کی تعمیر و ترقی میں دلچسپی لے کر اپنی ذمہ داری نبھانے میں شارح بخاری اپنی مثال آپ تھے۔

تحریر و تصنیف کی طرف شروع ہی سے آپ کا میلان رہا، سنی رسائل میں دینی و علمی موضوعات پر آپ کے وقیع مضامین و مقالات تقریباً ہر دور میں چھپتے رہے، اور علمائے کرام ان نگارشات کو تحسین و آفرین سے نوازتے رہے۔ اشرف السیر مطبوعہ ۱۹۶۸ء کے بعد سے تحریر کی طرف آپ کی رغبت میں کافی اضافہ ہوا۔ ان تحریروں اور آپ کے قلم سے نکلی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کیجئے تو وسعتِ مطالعہ اور کثرتِ مواد دیکھ کر زبان سے بے ساختہ مَرْحَبًا و اَحْسَنْتَ کی صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ "اسلام اور چاند کا سفر" قدیم و جدید معلومات و تحقیقات کا اتنا قیمتی خزانہ اور مستند دستاویز ہے کہ اہل علم اسے پڑھ کر عش عش کر اٹھتے ہیں۔ تفاسیر واحادیث اور علم الافلاک کی روشنی میں ذہن و دماغ کو اتنی قوتِ پرواز مل جاتی ہے کہ چاند پر کمند ڈالنے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ "مقالاتِ شارح بخاری" اپنے نوع بہ نوع موضوعات کے اعتبار سے گلہائے رنگارنگ کا پُرکشش اور خوبصورت گلدستہ ہے۔ درجنوں اہم و پیچیدہ مذہبی و علمی و تاریخی مسائل کی تحقیق اور ان کے حل کا گراں قدر مجموعہ ہے۔ جو شارح بخاری کے ہمہ جہت مطالعہ، طبع اَخّاذ، ذہن وَقّاد، و نظر ثاقب، فکر صائب اور قلم سیال کا ایک بے مثال نمونہ اور روشن آئینہ ہے۔ "تحقیقات" یا "منصفانہ جائزہ" پر نظر ڈالئے تو احقاقِ حق و اثباتِ مسلکِ اہل سنت کے دلائل و براہین کا انبار دیکھ کر اہلِ حق و صداقت کے چہرے کھل اٹھیں گے اور مخالفین و دیابنہ کی پیشانی عرق آلود اور ناک خاک آلود ہو جائے گی۔ تعاقب و محاصرہ، اسکات و استیصال، اور قہر و جلال کی صفت ان دونوں کتابوں میں اپنے پورے شباب پر ہے۔ "اشرف السیر در سیرت خیر البشر" اور "نزہۃ القاری شرح بخاری" کے اوراق پلٹئے تو نور بصیرت کی تابانی سے اسرار سیرت و علوم نبوت کے آفاق جگمگا اٹھتے ہیں۔ تصورات کا قافلہ حجازِ مقدس کی پُرنور وادی میں اتر کر روحانی

جلوؤں سے سرشار ہو اٹھتا ہے۔ مکہ مکرمہ و مدینہ امینہ کی مشک بار فضاؤں سے روح ایمان معطر ہو جاتی ہے۔ عالم قدس کے انوار و تجلیات قلب کی تطہیر و تزکیہ کا سامان بن جاتے ہیں۔ اور رسول کونین سلطان دارین پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول ﷺ کی مکی و مدنی زندگی، آپ کی عائلی و اجتماعی سیرت، دینی و دنیوی امور و معاملات، ظروف و احوال، اخلاق و عادات، ارشادات و فرمودات، اور احادیث و آثار کا ایک ایسا دفتر کھل جاتا ہے، جو صحیفۂ علم بھی ہے، ذخیرۂ حکمت بھی ہے، وسیلۂ ہدایت بھی ہے اور ذریعۂ نجات بھی ہے۔

تعلیمِ کتاب و سنت، تبلیغِ سنیت، اصلاحِ امت اور فلاحِ قوم و ملت کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں تقریر و خطابت کے ذریعہ شارح بخاری نے اپنی خدمات کے تابندہ نقوش چھوڑے ہیں۔ خطابت میں آپ کی زبان سادہ و سلیس اور رواں دواں ہے، تکلف نہیں بلکہ برجستگی ہے۔ مواد و مضامین کی آورد نہیں بلکہ آمد آمد ہے۔ قصے کہانیاں نہیں بلکہ آیات و احادیث و اقوالِ علما و ائمہ و مشائخ کا تسلسل و ہجوم ہے۔ جو بولنے پر آتے ہیں تو اہل حق کے چہروں پر انبساط و مسرت کی روشنی پھیل جاتی ہے اور اہلِ باطل کے چہرے سیاہ ہونے لگتے ہیں۔ خطابت میں شیر کی چنگھاڑ اور چیتے کا ساوار ہوتا ہے۔ جس سے مخالف کیمپ میں کھلبلی مچ جاتی ہے۔ عام فہم الفاظ کی گھن گرج اور دل و دماغ کو جھنجھوڑ دینے والے حقائق و معانی کی کثرت ہوتی ہے۔ جس موضوع کو ہاتھ لگاتے ہیں اس کا حق ادا کر دیتے ہیں علما و طلبہ اور عوام و خواص یکساں طور پر آپ کی تقریر سننے کے مشتاق ہوتے ہیں۔ اور ان کی دلچسپی اول سے آخر تک برقرار رہتی ہے۔ کبر سنی کے باوجود آپ کی خطابت کا رنگ و آہنگ جوانی کا سا ہے جلسوں کی صدارت اور صرف رونق منبر ہو کر شہ نشیں بننے کے آپ خواہش مند نہیں رہتے، بلکہ اپنی خطابت کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے اپنے دل و دماغ میں امنڈنے والے خیالات و افکار کو قوم و ملت تک پہنچانا اور اس کی ضرورت کے مطابق اسے کلمات ارشاد و نصیحت سے تازہ دم کرتے رہنا آپ کی اولین ترجیح ہوتی ہے۔

مناظرہ کے میدان میں آپ اپنے حریف و مد مقابل کو مبہوت و بدحواس کر کے اس پر اس طرح غالب آجاتے ہیں کہ وہ "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن" کی ذہنی و فکری کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تقریباً ایک درجن زبانی و تحریری مناظروں میں آپ نے شرکت کی ہے۔ مناظرین اہل سنت کا علمی تعاون بھی کیا ہے اور خود مناظر کی حیثیت سے بھی وہابیہ و دیابنہ کو شکست فاش دے کر اہل سنت و مسلک اہل سنت کا سر فخر سے اونچا کیا ہے۔ فن مناظرہ کے نکات ولوازم سے آپ پوری طرح آراستہ اور اس کے اسلحہ سے مسلح ہیں۔ شیر بیشۂ اہلِ سنت حضرت مولانا حشمت علی لکھنوی ثم پیلی بھیتی (وصال ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۰ء) محدثِ اعظم

پاکستان حضرت مولانا سردار احمد لائل پوری (وصال ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء) اور مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن قادری اڑیسوی (وصال ۱۴۰۱ھ /۱۹۸۱ء) کے آپ اپنے اس دور میں عکس اور پرتو ہیں، جن کی مناظرانہ صلاحیت ومہارت سے پورا بر صغیر ہندوپاک اچھی طرح واقف ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جہاں کوئی بدعقیدہ مولوی ہرزہ سرائی ودریدہ دہنی کرتے ہوئے مناظرہ کا چیلنج دیتا ہے شارح بخاری کو وہاں کے سنی حضرات مدعو کرتے ہیں اور آپ اپنے پُر جلال خطاب میں اس کے ہفوات وضلالات کے اس طرح پرخچے اڑا دیتے ہیں کہ اسے سامنے آنے کی ہمت ہی نہیں ہوپاتی اور وہ بھولے سے بھی دوبارہ وہاں کارخ نہیں کرتا۔

آپ کی شخصیت کثیر الجہات ہے اور آپ کے علمی کشکول میں یوں تو بہت کچھ ہے لیکن فقہ وافتا کارنگ ان سب پر غالب ہے۔ فقہ واصول فقہ کے اصول ومتون پر آپ کی گہری نظر ہے۔ اکثر متداول جزئیاتِ فقہ آپ کے ذہن میں مستحضر ہیں۔ ہندوپاک کے موجودہ فقہاو مفتیان کرام کے درمیان آپ امتیازی حیثیت کے مالک ہیں۔ تقریباً ستر ہزار فتاویٰ واحکام دینیہ آپ اپنے قلم سے لکھ چکے ہیں۔ پیچیدہ ولاینحل فقہی مسائل کی عقدہ کشائی کے لئے آپ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور آپ اپنی فقہی بصیرت سے ان کا حل پیش کردیتے ہیں۔ ملک کی عظیم اور شہرۂ آفاق درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے دارالافتا کی زینت اور اس شعبہ کے صدر آپ ہی ہیں۔ سالانہ فقہی سمینار منعقد کرنے والی مجلس شرعی مبارک پور کے بھی آپ سرپرست ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ وسیع النظر فقیہ اور معتمد مفتی کی اس قابل رشک حیثیت کا اعزاز فقیہ اسلام امام اہل سنت فاضل بریلوی کے خلف اصغر سیدی ومرشدی حضور مفتی اعظم ہند کی بارگاہ سے آپ کو حاصل ہے۔ جن کی سرپرستی میں گیارہ سال تک آپ نے فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دی ہے۔ اور جس کی مشق وممارست فقیہ اسلام امام اہل سنت کے مقرر کردہ قاضی شرع برائے متحدہ ہندوستان حضرت صدرالشریعہ مولف بہار شریعت کی کفش برداری میں ہوئی ہے۔

قوم کی طرف سے نائب مفتی اعظم ہند کا خطاب تو ایک مدت سے شارح بخاری کو حاصل ہے۔ لیکن آپ کی زندگی کا بڑا ہی یادگار اور مبارک ومسعود لمحہ وہ تھا جب عرس قاسمی مارہرہ مطہرہ (بتاریخ ۲۰/رجب ۱۴۲۰ھ / ۳۱/اکتوبر ۱۹۹۹ء) میں امینِ ملت سید شاہ ڈاکٹر محمد امین میاں قادری برکاتی سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ نے سیکڑوں علماء ومشائخ اور ہزاروں سامعین وزائرین کے سامنے برکاتی منبر سے آپ کو ''فقیہ اعظم ہند'' کا خطاب عطا فرماتے ہوئے بحیثیت سجادہ نشین اس کا پرجوش اور پرزور اعلان بھی فرمایا۔ فالحمد للہ علی ذلک.

پیرانہ سالی میں تقریباً اٹھارہ سال کی جاں گسل محنت کے بعد نو ضخیم جلدوں میں نزھۃ القاری شرح بخاری لکھ کر آپ نے ملتِ اسلامیۂ ہند اور طالبانِ علم حدیث پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ اس ترجمہ و تشریح و کتابت و طباعت کے صبر آزما مراحل سے سرخ رو ہو کر آپ تکمیل کی منزل تک پہنچے ہیں اور اب قوم اسے ہاتھوں ہاتھ لے رہی ہے۔ آنکھوں سے لگا رہی ہے۔ اہل علم اس کی تعریف و منقبت میں رطب اللسان ہیں اور اپنے انداز سے اسے منظوم و منثور خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

نزھۃ القاری کا مقدمہ بڑے معرکہ کی چیز ہے جسے ہو سکتا ہے کہ جلد ہی الگ سے کتابی شائع کیا جائے۔ اس کے اندر مسامحات بخاری، امام اعظم کی مختصر سوانح، اور فقہ حنفی کا تعارف خصوصی مطالعہ کے لائق ہیں۔ متن احادیث لکھتے وقت مکرر احادیث کو شارح بخاری نے حذف کر دیا ہے ابواب کا بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن شرح میں ان پر کلام کر کے اور احکام متتخرجہ تحریر کر کے ان کی تلافی کر دی گئی ہے۔ اور یہ طریقہ آپ نے اس لئے اپنایا ہے کہ نزھۃ القاری کے صفحات غیر ضروری طور پر زائد نہ ہوں۔ وہ صحابہ کرام جن سے احادیث مروی ہیں ان کے حالات بیان کر دئے گئے ہیں۔ احادیث پر نمبر لگا کر عنوانات قائم کر دئے گئے ہیں۔ احادیث کے متعدد حوالے بھی درج کر دئے گئے ہیں ترجمہ و تشریح نہایت مستند ہے۔ عقائد و اعمال میں مذہب اہل سنت کی تائید ہے۔ فقہی اختلافات بھی کہیں اجمال کہیں تفصیل کے ساتھ زیر بحث آئے ہیں جن میں مسلک حنفی کا اثبات ہے۔ جابجا باطل و اہل باطل کی تردید ہے۔ مترجمین بخاری کے غلط ترجمہ و تشریح پر تنقید و تعاقب ہے۔ حدیث میں مذکور مقامات و اماکن کا جغرافیائی تعارف بھی ہے۔ الغرض نزھۃ القاری میں شارح بخاری نے اپنے علم و تحقیق اور فکر و مطالعہ کے خزانے انڈیل دیئے ہیں اور معارف و حقائق کے جواہر پارے بکھیر دیئے ہیں۔ راقم السطور یٰسین اختر مصباحی اور صدیق مکرم مولانا افتخار احمد قادری مصباحی کی تحریک اور مسلسل اصرار کے بعد شارح بخاری نے جس عظیم کام کا آغاز کیا تھا وہ بفضلہ تعالیٰ نزھۃ القاری کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ یہ ہم سب کے لئے بڑی سعادت و ارجمندی کی بات ہے۔

شارح بخاری کی دینی و علمی خدمات کا ایک روشن پہلو یہ بھی ہے کہ مسلم معاملات اور ملکی حالات کا باریک بینی سے جائزہ لے کر وہ اپنی ایک مستقل صائب رائے رکھتے ہیں۔ احوال زمانہ سے ہر وقت باخبر رہتے ہیں۔ ملک کے طول و عرض میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں اور اٹھنے والی تحریکوں اور تنظیموں سے آگاہی رکھتے ہیں۔ تحریک تحفظ شریعت ہو یا تحریک تحفظ بابری مسجد یا اس سے پہلے اور بعد کی تحریکیں ہوں ان سب مواقع پر آپ نے بصیرت و دانش مندی کے ساتھ مسلمانوں کی مخلصانہ قیادت کی ہے جس کا صحیح

مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کو صحیح شرعی احکام سے آگاہ کیا جائے اور بحیثیت ملت و جماعت اپنے حقوق کے حصول و تحفظ کی حکیمانہ ترغیب دی جائے۔ صوبہ اتر پردیش میں کئی بار ایسا ہوا کہ کسی شر پسند نے اپنے اخبار یا کتاب کے ذریعہ رسول کونین ﷺ کی شان میں گستاخی کی اور مسلمان وہ تحریر پڑھ کر مشتعل ہو گئے۔ آپ نے ایسے نازک وقت میں عملی طور پر تحریک تحفظ ناموس رسالت کو منظم کر کے اس کی قیادت کی، انھیں خطرات سے بچایا بھی اور حکومت کے اعلیٰ ذمہ داروں تک اپنا احتجاج و مطالبہ بھی پہنچایا۔ کئی احتجاجی جلسہ و جلوس کی بے خوف و خطر صدارت و قیادت کی اور غیرت و حمیت اسلامی کا مظاہرہ بھی کیا۔ ملی و اسلامی مفادات، رفتار زمانہ مقتضائے احوال پر نظر اور بیک وقت ان سب کی رعایت کرتے ہوئے صحیح نتیجہ تک پہنچنا آپ کی شخصیت کا ایک بے نظیر وصف ہے۔

اسی وصف کا ایک عنصر یہ بھی ہے کہ آپ نے وقت کی نباضی کرتے ہوئے اور دیابنہ کی چالوں کو سمجھتے ہوئے ان کے اعتراضات اور حملوں کے زبردست اور دندان شکن تحقیقی والزامی جوابات دیئے۔ جنھیں ”تحقیقات“ کے صفحات پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے اور عام افراد سے دانشور طبقہ تک کے ذہنوں میں ابھرنے والا یہ سوال کہ آخر سنی دیوبندی اختلافات کی حقیقت کیا ہے؟ اور ان کے درمیان بنیادی اختلافات کیا ہیں؟ اس سوال کو آپ نے قابل التفات سمجھ کر ایسے اذہان کی خلش دور کرنے کے لئے ایک نہایت معرکۃ الآرا کتاب ”سنی دیوبندی اختلافات کا منصفانہ جائزہ“ کے نام سے لکھی جس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ تفصیل و تحقیق کے ساتھ آپ نے اختلافات کی نوعیت اور بعض علما دیوبند کی کفری عبارات کی شرعی حیثیت کو علمی اسلوب میں سنجیدگی کے ساتھ قارئین کے سامنے دو دو چار کی طرح واضح کر دیا ہے۔ چنانچہ اس کا مطالعہ کر کے ایک مشہور دیوبندی عالم نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس موضوع پر ہمارے خلاف لکھی جانے والی کتابوں میں منصفانہ جائزہ نامی یہ کتاب سب سے خطرناک ہے۔ اس مخالفانہ تبصرہ سے اس کتاب کی اہمیت اور اس کی افادیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ضعف پیری کا غلبہ ہوتے ہوئے بھی شارح بخاری کا علم متحضر ہے اور مطالعہ اتنا وسیع ہے کہ جس موضوع پر گفتگو چھڑ جاتی ہے اور جو دینی و علمی مسئلہ موضوع سخن بن جاتا ہے اس پر آپ بے تکان بولتے اور لکھتے چلے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی کوئی فقہی مسئلہ بغیر مراجعت کتب کے ارتجالا املا کراتے ہیں تو اپنے حافظہ کی مدد سے فقہی عبارتیں اور اقوال ائمہ اکابر پیش کر دیتے ہیں۔ اور جب ان کی مطابقت کی جاتی ہے تو وہ عبارتیں صحت کے ساتھ کتابوں میں مل جاتی ہیں۔ اسی (۸۰) سال سے متجاوز عمر میں بھی آپ کا ذہن اور

اس کی جولانی تقریباً اصل حالت میں ہے۔

اپنے اساتذہ و شیوخ بالخصوص صدر الشریعہ و مفتی اعظم ہند و محدث اعظم پاکستان و حافظ ملت کا نام جب آپ کی زبان پر آجاتا ہے تو نہایت والہانہ انداز سے ان کے محامد و محاسن اور فضائل و کمالات کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کی صفات و خصوصیات ایک ایک کر کے شمار کرنے لگتے ہیں۔ ان کے احسانات اور شفقت و محبت کو یاد کر کے کبھی کبھی اشک بار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اپنے اکابر علما میں شیر بیشہ اہل سنت اور مجاہد ملت کی علمی جلالت اور مناظرانہ صلاحیت بیان کرتے وقت بھی آپ کے اوپر ایک عجیب روحانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ مسلک اہل سنت کے تحفظ وبقاء کے لئے ان سبھی حضرات کی خدمات اور وہابیہ و دیابنہ کے حملوں سے اس کے دفاع کے سلسلہ میں ان کے اخلاص اور تڑپ، ان کی شبانہ روز محنتوں، کاوشوں، اور ان کی ذہانت و حاضر دماغی کے واقعات پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں۔

تلامذہ و مستفیدین کی اصلاح و ترقی، ان کے مزاج و رجحان کے مطابق ان کے مفاد اور کامیاب مستقبل کی طرف نہایت پیار و اپنائیت اور ہمدردی و غم گساری کے ساتھ آپ رہنمائی فرماتے ہیں۔ حسب ضرورت ان کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔ ان کے لئے مناسب جگہ اور میدان عمل کے انتخاب میں مدد دیتے ہیں۔ اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں انھیں مفید ہدایات اور مشوروں سے نوازتے ہیں۔ اسی طرح اہل تعلق مخلصین پر بھی آپ کی شفقتیں اور نوازشیں ہوتی ہیں۔ ان کا خصوصی خیال رکھتے ہیں۔ ان کی گھریلو پریشانیوں اور الجھنوں میں ان کی ڈھارس بندھاتے ہیں۔ ان کی دعوت پر ان کے گھر تشریف لے جاتے ہیں اور ان کے حق میں دعاے خیر کرتے ہیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے عملی وابستگی (از ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء) کے بعد سے اب تک آپ جہاں مسند افتا کی زیب و زینت اور اس کا وقار بنے ہوئے ہیں وہیں اس شہرۂ آفاق ادارہ کی عظمت میں بھی آپ کی قابل افتخار شخصیت سے شب و روز اضافہ ہو رہا ہے، اس کی تعمیر و توسیع میں آپ کی مخلصانہ مساعی کا بھی کافی دخل ہے۔ اس کا تعلیمی معیار بلند کرنے اور نظم و نسق کو مزید بہتر بنانے کے لئے بحیثیت ناظم تعلیمات آپ خصوصی دلچسپی لیتے ہیں۔ انتظامی امور سے لے کر علمی معاملات تک آپ اساتذۂ کرام کی مشکلات حل کرتے ہیں اور ان کی سرپرستی فرماتے ہیں۔ استاذ گرامی جلالۃ العلم حافظ ملت سے تعلق خاطر اور غایت عقیدت آپ کے دل میں ہے۔ اسی لئے آپ کے چمنستان علم کی آبیاری کے لئے اپنا خون جگر جلانا آپ اپنا فریضہ ہی نہیں بلکہ اسے اپنی سعادت بھی سمجھتے ہیں۔

مسلک اہل سنت کی تبلیغ واشاعت کا جذبہ آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ ابتدا ہی سے یہی خدمت انجام دیتے چلے آرہے ہیں۔مذہب و مسلک کے معاملہ میں کسی قسم کی مداہنت گوارہ نہیں۔ تصلب واستقامت کی چلتی پھرتی تصویر ہیں۔اپنے اکابر واسلاف کی روش پر قائم اور اس کے مبلغ و ترجمان ہیں۔بد عقیدہ و گمراہ فرقوں سے دور و نفور رہنے کی ہمہ وقت ہدایت و تلقین کرتے ہیں۔وہابیہ و دیابنہ سے آپ کو سخت تنفر ہے۔ان کی تردید و بیخ کنی کے لئے حتی المقدور کوشاں رہتے ہیں۔ان کے اعیان واساطین اور صنادید وطواغیت کا نام لیتے وقت البغض للہ کی عملی تشریح بن جاتے ہیں۔

شیخ الاسلام والمسلمین فقیہ الاسلام امام اہل سنت فاضل بریلوی کی بے کراں محبت سے آپ کا دل لب ریز ہے۔ جن کا ذکر آپ جب بھی کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر بُنِ مُو سے ادب و احترام اور شیفتگی و وارفتگی کے قطرات ٹپک رہے ہیں۔اور دل عقیدتوں کا آبشار بنا ہوا ہے۔علم و فضل، کمال تفقہ، کارہائے تجدید، ژرف نگاہی و دیدہ وری، عشق و محبت رسول، سنیت و حنفیت کی مدت العمر تائید و حمایت، اتباع سنت و شریعت، استیصال بدعت و ضلالت، طرد و تعاقب نجدیت و وہابیت و فرق باطلہ، نصرت و اعانت اہل حق، سرعت تحریر، لطافت طبع، مکارم اخلاق و کردار، مجتہدانہ فکر و نظر، اور کثرت افادات و افاضات کے باریک گوشے بیان کرتے کرتے خود آپ کی زبان چشمۂ فیوض و برکات، دماغ آئینہ علوم و فنون اور سینہ گنجینۂ اسرار و معارف بن جاتا ہے۔اور جذب باطن و سوز دروں کا حال یہ ہو چکا ہے کہ نگاہ غور سے دیکھنے سننے والوں کو آپ "دم ز شیخ احمد رضا خاں قطب عالم می زنم" کا پیکر محسوس نظر آنے لگتے ہیں۔

رضوی فیضان سے شارح بخاری کا قلب عنفوان شباب ہی سے معمور و مزکی ہے۔خلیفہ امام احمد رضا حضرت صدر الشریعہ سے شرف بیعت و ارادت حاصل ہے۔اجازت و خلافت بھی آپ سے حاصل ہے۔ شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند کی بھی خصوصی نگاہ کرم آپ پر ہے۔ان کی اجازت و خلافت سے بھی آپ سرفراز ہیں۔اور اب آپ کے توسط سے یہ فیضان رضویت محبین و مخلصین و معتقدین کے درمیان تقسیم ہو رہا ہے۔ بحیثیت شیخ و مرشد طریقت اپنے ہزاروں مریدین و متوسلین کی آپ روحانی تربیت فرما رہے ہیں۔

یہ سلسلۂ رضویہ بریلی شریف سے ہوتا ہوا مارہرہ مطہرہ تک پہنچتا ہے۔ جس کا مقدس سلسلۂ برکاتیہ نسبت قادریت سے متصل و منسلک اور واسطہ در واسطہ مدنی تاجدار محبوب کردگار ﷺ کے دامن کرم سے وابستہ ہے۔اس بارگاہ عالی وقار میں شارح بخاری اپنے آقاؤں کے روحانی جھرمٹ میں ایک

کفش بردار کی طرح پہنچ کر اس سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی بن جاتے ہیں۔ سعادت وخوش بختی کی یہ باطنی نعمت تو حاصل ہی ہے۔ ظاہری طور پر بھی دیار قدس کے جلووں سے آپ اپنے قلب و روح کو پرانوار و سرشار کر چکے ہیں اور کئی بار حج و عمرہ وزیارت حرمین طیبین کی دولت سے نہال ومالامال ہو چکے ہیں۔

زندگی کے بالکل آخری حصہ میں حدیث رسول علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی ایمان افروز و روح پرور علمی خدمت نے آپ کے ستارۂ اقبال کو اوج ثریا تک پہنچا دیا ہے۔ نزہۃ القاری شرح بخاری نے آپ کی حیثیت کو شہرہ آفاق بنا دیا ہے اور آپ کی عظمت کو چار چاند لگا دیا ہے۔ اس وقت آپ علما و عوام اہل سنت کے مرکز توجہ اور مرجع بن چکے ہیں۔ اور غالباً اسی خدمت حدیث نے آقایان مارہرہ مقدسہ کی نظر میں آپ کا درجہ اعتبار و محبوبیت اس حد تک فزوں اور برتر و بالا بنا دیا ہے کہ بریلی شریف و مبارک پور و دیگر مراکز اہل سنت کے اس مرکز عقیدت سے آپ کو "برکاتی مفتی" اور "فقیہ اعظم ہند" کا معزز و محترم خطاب ملا۔ اور اب آپ ہند و پاک میں مرجع علما و فقہا اور فخر اَفاضل و اماثل بن چکے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

معارف شارح بخاری

سوانح نگاری و تذکرہ نویسی کی رسم بہت قدیم ہے ہر قوم اور جماعت اپنے ممتاز و نمائندہ افراد، اپنی محترم شخصیات، اپنے قائدین و مصلحین اور اپنے اصحاب علم و فضل کی حیات و خدمات کو صفحات تاریخ پہ محفوظ رکھنے اور ان سے قومی و اجتماعی رہنمائی حاصل کرنے کے ساتھ انھیں خراج تحسین و عقیدت پیش کرنے کو اپنا اہم فرض سمجھتی ہے۔ اور بیدار مغز قومیں و جماعتیں اپنی بساط بھر کوشش کر کے اپنے محسنین کے کارناموں کو دنیا کے سامنے پیش بھی کر رہی ہیں۔ جن کی نشاندہی اور تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔

جماعتی سطح پر متحدہ ہندوستان کے اہل سنت کی تاریخ کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں۔ تو اس وقت سخت اضطراب و مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب بیسویں صدی عیسوی کے اکابر علمائے اہل سنت کے تذکرہ و تاریخ کا باب ہمیں عموماً خالی اور سونا سونا نظر آتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ ان کی دینی و علمی اور تبلیغی و اصلاحی خدمات کسی دوسری جماعت سے کم ہیں۔ بلکہ صرف اس لئے کہ منظم انداز سے تحریری طور پر ان کی حیات و خدمات کی طرف اصحاب قلم کی خاطر خواہ توجہ نہیں ہو سکی۔ اور ایک بڑی وجہ یہ بھی رہی ہے کہ ہمارے مخلص علما اپنی مذہبی مساعی جمیلہ کے ذکر و بیان اور ان کی تشہیر سے اجتناب کیا کرتے تھے۔ اور خود نمائی کو

اخلاص کے منافی تصور کرتے تھے۔ ان کے تلامذہ و اصحاب نسبت و عقیدت بھی اپنے ان اکابر کے اس مزاج اور افتاد طبع کی وجہ سے اخفائے حال اور عدم تشہیر ہی کو زیادہ مناسب خیال کرتے تھے۔ یہ کوئی کلیہ تو نہیں مگر اسلاف کا رجحان عام یہی تھا۔

تقریباً ۱۹۷۰ء سے ہندو پاک کے علمائے اہل سنت کے قلم میں تذکرہ و تاریخ کے باب میں کچھ تبدیلی آئی ہے۔ قلم حرکت میں آیا ہے۔ اور علمائے اہل سنت کی حیات و خدمات کی ترتیب و تدوین کے کام کا رفتہ رفتہ آغاز ہوا ہے ساتھ ہی تحریری و قلمی ذوق اور رجحان میں خاصا اضافہ ہوا، تصنیف و تالیف اور اشاعت کتب و رسائل کی رفتار میں بھی تیزی آئی ہے۔ قارئین کا شوق مطالعہ بھی بڑھا ہے۔ اور اب بیشتر سنی کتابیں تقریباً ہر شہر کے بڑے تجارتی کتب خانوں میں موجود اور بآسانی دستیاب ہیں۔

تذکرہ و تاریخ کا مسئلہ تا ہنوز باقی اور اصحاب قلم کی خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ مرحوم علما اہل سنت کی تابناک زندگی اور جلیل القدر کارنامے مرتب کر کے ہی ہم صحیح معنوں میں اپنا جماعتی وقار بلند کر سکتے ہیں۔ نئی نسل کی ضرورت اور پھر وقت کا شدید تقاضا ہے کہ منتشر اوراق حیات کو یکجا کیا جائے۔ مدفون خزانوں کو کد و کاوش کے ساتھ باہر نکالا جائے اور جدید طریق تحقیق و اسلوب تحریر میں انھیں سلیقہ کے ساتھ سجا سنوار کر قوم و ملت کے سامنے پیش کیا جائے۔

ہندوستان کی موجودہ سنی تاریخ کا یہ پہلا اتفاق ہے کہ کسی زندہ و موجود شخصیت پر کوئی سیمنار کیا جائے اور اس کی حیات و خدمات کے مختلف گوشوں پر محیط کوئی ضخیم کتاب لکھی جائے اور اسے اہتمام کے ساتھ شائع کیا جائے۔ اسی طرح یہ بھی پہلا ہی اتفاق ہے کہ کسی سنی عالم کی خدمات کے اعتراف میں شایان شان جشن منایا جائے اور اسے عدیم المثال اعزاز و اکرام سے نوازا جائے۔

یہ اتفاقات یوں ہی نہیں جمع ہو گئے ہیں۔ بلکہ ان کے پیچھے ایک طویل سلسلۂ خدمات ہے اور دماغ سوزی و جاں کاہی کی لمبی داستان ہے۔ جس کا ہر عنوان علم و فضل سے شروع ہو کر دین و مذہب کی منزل تک پہنچ کر اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ مختصر طور پر ان اتفاقات کو اس حسن اتفاق کا ثمرہ کہا جا سکتا ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری کے مکمل اردو ترجمہ و تشریح کی موجودہ ہندستان میں جسے سعادت میسر آئی ہے۔ اور اس عظیم الشان دینی و علمی خدمت کو نزہۃ القاری کے نام سے جس سنی عالم دین نے پہلی بار قوم کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ اسے سنی علما و عوام سبھی تکریم و تحسین سے نواز رہے ہیں اور جذبہ امتنان و تشکر کے ساتھ اسے شکر گذار نگاہوں سے دیکھ کر اس کی اس تاریخ ساز خدمت کو ہر طرف سے آفرین و مبارک

باد کی سوغات پیش کر رہے ہیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے طلبہ نے سب سے پہلے شارح بخاری سمینار (۱۹۹۴ء) میں منعقد کیا۔ پھر رضا اکیڈمی ممبئی نے شارح بخاری کو امام احمد رضا ایوارڈ (۱۹۹۸ء) پیش کیا۔ اب اس "معارف شارح بخاری" (۱۹۹۹ء) کے ذریعہ ہند و بیرون ہند کے علمائے کرام آپ کی حیات اور علمی خدمات بالخصوص نزہۃ القاری کے علمی و فنی کمالات و خصوصیات کو اجاگر کر رہے ہیں۔ اور ۲۰۰۰ء کے آغاز میں رضا اکیڈمی بمبئی کی طرف سے نہایت شان و شوکت کے ساتھ جشن شارح بخاری منایا جائے گا۔

رضا اکیڈمی ممبئی اہل سنت کی ایک متحرک و فعال تنظیم ہے۔ جو تقریباً بیس سال سے بمبئی میں اخلاص و لگن کے ساتھ قابل قدر خدمات انجام دے رہی ہے۔ بارہ جلدوں پر مشتمل فتاویٰ رضویہ کو اس نے ایک سائز میں پہلی بار شائع کیا۔ جد الممتار حصہ دوم (عربی) کے طبع اول کا سہرا اسی کے سر ہے۔ خوبصورت جدید کتابت اور اعلیٰ معیار طباعت کے ساتھ حدائق بخشش کو اہل ذوق تک اس نے پہنچایا ہے۔ فقیہ اسلام امام اہل سنت فاضل بریلوی کی سو سے زیادہ اور دیگر علماء اہل سنت کی بھی سو سے زیادہ کتابوں کی اس نے اشاعت کی ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند کے نام سے منسوب محفل نوری کے بلاناغہ انعقاد در شب پنجشنبہ کا سلسلہ اس نے عرصہ دراز سے جاری کر رکھا ہے۔ چند سال پہلے تقریباً بیس ہزار کی تعداد میں کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن شائع کر کے اس نے حجاج کرام کے درمیان بلاقیمت تقسیم کیا ہے۔ عقائد اہل سنت پر مشتمل عربی کی اہم کتاب "**من عقائد أهل السنة**" طبع کرا کے علمائے عرب اور عربی داں حضرات کی خدمت میں اس نے تحفۃً پیش کیا ہے۔ ناشر رضویت عالیجناب الحاج محمد سعید نوری اس کے روح رواں ہیں۔

زیر نظر **معارف شارح بخاری** کی طباعت و پیش کش کا انتظام و اہتمام رضا اکیڈمی ممبئی ہی نے کیا ہے۔ معارف شارح بخاری کی فہرست عنوانات پر ایک طائرانہ نظر ڈالئے اور پھر مشمولہ مضامین و مقالات اور منقبتوں کا مطالعہ کیجئے تو شارح بخاری کے مولد و مسکن، آپ کی تعلیم و تربیت، اساتذہ و شیوخ، تقریر و خطابت، تصنیف و تالیف، مباحثہ و مناظرہ، ذہانت و فطانت، فقاہت و فتوی نویسی، تبحر و تعمق نظر اور دیگر اوصاف و کمالات کا ایک جامع و پرکشش خاکہ آپ کے پردۂ ذہن پر ابھر آئے گا۔ شخصیت کے مختلف پہلو آپ کے سامنے اجاگر ہو جائیں گے۔ نو ضخیم جلدوں پر مشتمل نزہۃ القاری شرح بخاری کے ترجمہ و تشریح میں شارح بخاری کی زہرہ گداز محنت و کدوکاوش کا ذکر، ترجمہ و تشریح کی علمی و فنی خوبیاں، اسلوب

تحریر و تفہیم، منہج تحقیق و تخریج، اور طرز استنباط و استخراج کے بیشمار نمونے آپ کو مل جائیں گے۔ اور ہر تحریر اس حقیقت کی گواہی دے گی کہ مضمون نگاروں و مقالہ نویسوں نے اپنے موضوعات کے ساتھ انصاف کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔ تحقیق و مطالعہ کے بعد اپنے خلاصۂ افکار کو سپرد قلم کیا ہے۔ اپنی تحریر کو دلائل و براہین و امثال و نظائر سے آراستہ کرنے کا التزام کیا ہے۔ اور جو کچھ لکھا ہے اسے وقیع و مستند بنانے کی بھرپور سعی کی ہے۔ اکثر مضامین عمدہ اور معیاری ہیں۔ کچھ اوسط درجہ کے اور بعض گوارہ کی حد تک ہیں۔ یہ سبھی کوششیں لائق تحسین اور مستحق حوصلہ افزائی ہیں۔

تبرکات و تاثرات کے باب میں تقریباً ایک درجن مشاہیر علما و مشائخ اہل سنت کے نہایت گراں قدر خیالات زینت کتاب ہیں۔ یہ شخصیات ہمارے آپ کے لئے اتنی متعارف و معروف ہیں۔ اور اہل سنت کے حلقہ میں اتنی معزز و محترم ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک شخصیت بھی جس سنی آبادی میں پہنچ جائے۔ وہاں جوش و خروش کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے اور لوگ پروانوں کی طرح ٹوٹنے لگتے ہیں۔ ایسے عظیم المرتبت اور مؤقر حضرات کے قلم سے شارح بخاری کے بارے میں مدح و ستائش کے یہ کلمات عالیہ جماعت اہل سنت کے لئے سند کا درجہ رکھتے ہیں۔

اشرفیہ مبارک پور کے لئے اعزاز و افتخار کی بات ہے کہ اس کے ایک باکمال فرزند کی اتنی رشک آمیز پذیرائی ہو رہی ہے۔ اسے اصحاب علم و فضل سلام محبت اور خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں۔ اس کی خدمات کا اعتراف و اعلان اور ایک عالم میں اس کا شہرہ ہو رہا ہے۔ نزہۃ القاری نے صرف شارح بخاری کو قد آور شخصیت نہیں بنایا ہے۔ بلکہ اشرفیہ کے پرچم اقبال کو بھی کچھ اور اونچا کر دیا ہے اور اس کی کارکردگی و نیک نامی کی تاریخ میں ایک نئے زریں باب کا اضافہ کیا ہے۔ حافظ ملت کی روح یقیناً فرط مسرت سے جھوم رہی ہو گی اور اپنے اس عزیز معنوی و روحانی فرزند کو اپنی مستجاب دعاؤں سے نواز رہی ہو گی۔

شارح بخاری کے چہیتے شاگرد مولانا حافظ عبد الحق رضوی مصباحی تکمیل نزہۃ القاری اور اس کی طباعت و اشاعت کے اہم ترین محرک و منتظم ہیں۔ معارف شارح بخاری و جشن شارح بخاری کے پیچھے انھیں کا ذہن کار فرما ہے۔ تقریباً پچیس سال سے آپ حضرت شارح بخاری کے ساتھ رہتے ہیں۔ شارح بخاری کی جاری خدمات کے انتظام و تسلسل میں مولانا عبد الحق رضوی کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ انھیں شارح بخاری اپنا عصائے پیری سمجھتے ہیں۔ اور اپنی اولاد کی طرح انھیں عزیز رکھتے ہیں۔

معارف شارح بخاری آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے اسے منظر عام پر لانے کے لئے

مولانا عبدالحق رضوی اور پھر مولانا محمد نسیم مصباحی نے کافی تگ و دو کی ہے۔ تصحیح مضامین و دیگر مختلف مراحل میں مولانا بدر عالم مصباحی، مولانا ناظم علی مصباحی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا صدر الوریٰ مصباحی اور مولانا محمد مرتضیٰ نعیمی مصباحی نے قابل قدر تعاون کیا۔

سبھی مخلصین و محبین شارح بخاری و معاونین معارف شارح بخاری، جماعت اہل سنت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں اور بجاطور پر ان سے توقع ہے کہ وہ اس مثبت و تعمیری سلسلۂ اخلاص و تعاون کو جاری رکھتے ہوئے مستقبل میں اسی طرح مفید اور یادگار خدمت انجام دیں گے اور مسلک اہل سنت کی ترویج و اشاعت کے ساتھ علمائے اہل سنت کے کارناموں کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے اسی جذبہ عقیدت کا مظاہرہ کریں گے۔

دعا ہے کہ رب کائنات اپنے حبیب پاک صاحب لولاک ﷺ کے صدقہ و طفیل میں شارح بخاری کو عمر خضر عطا فرمائے۔ معارف شارح بخاری کے منثور و منظوم اصحاب قلم کو ان کی مخلصانہ و فاضلانہ کاوشوں کے اجر و صلہ سے نوازے۔ الجامعۃ الاشرفیہ کو مزید عروج و ترقی بخشے۔ رضا اکیڈمی بمبئی و دیگر سبھی تنظیموں اور مدارس اہل سنت کو بیش از بیش خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے۔ اور مسلمانان اہل سنت کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

یٰسٓ اختر مصباحی
بانی و مہتمم دار القلم، قادری مسجد، ذاکر نگر
نئی دہلی نمبر ۲۵
فون: 3283182, 3264524

یکم شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ
مطابق ۱۰ر نومبر ۱۹۹۹ء
نزیل حال الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور

☆☆☆

فضيلة الشيخ فضل الرحمن بن الشيخ ضياء الدين المدني
(المدينة المنورة)
سماحة الشيخ افتخار أحمد القادري (المدينة المنورة)

كلمة الترحيب

الحمد لله الذي خلقنا و علمنا ما كنا نجهل من العلوم والمعارف و علمنا بالقلم، والصلاة والسلام على من أعطي علوم الأولين والآخرين، الذي قال قيدوا العلم بالكتابة و على آله الطيبين الذين تأسوا بأسوته و على أصحابه الذين اقتدوا بهديه و على كل من حذا حذوهم بإحسان إلى يوم الدين.

أعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم:

"اقرأ باسم ربك الذي خلق * خلق الإنسان من علق * اقرأ و ربك الأكرم * الذي علم بالقلم علم الإنسان ما لم يعلم".

أما بعد ! يسعدنا و يبهجنا أن نحتفل بهذه المناسبة و نرحب في هذا الحفل العظيم بالشخصية التاريخية العظيمة الخالد ذكرهاإن شاء الله إلى يوم القيامة، و هي شخصية فضيلة الشيخ العلامة فقيه الإسلام المفتي شريف الحق الأمجدي، أطال الله ظله السامي، هي شخصية نسميها فقيه الإسلام، ألا و هو يستحق هذا اللقب، فإنه قد اشتغل في مجال الفقه و الإفتاء أكثر من نصف قرن و خلال هذه المدة الطويلة قد عمل في معاهد العلم المركزية، كدار العلوم ببريلي الشريفة و الجامعة الأشرفية في مبارك فور و هو على رأس العمل في هذه الجامعة مد الله عمره السامي على أهل السنة والجماعة.

و قد أصدر أثناء إقامته ببريلي الشريفة فتاوى هامة كـبرى و عددهـا أربـع و عشرون ألف فتـوى.

و من هذا المكان العظيم الذي يحمل و زنـا و قيمـة في كـل العـالم و مـن هذه دار الإفتاء الجليلة التي كان مجدد الإسلام الإمام أحمـد رضـا القـادري قـدس سره العزيز، يصدر بها فتاواه الكبرى التي احتلـت في دنيـا الفتـاوى مركـزا هامـا جدا في كل العالم و لها رنة و ضجة في كل الدنيا، فـإصدار هـذه الفتـاوى و بهـذا القدر العظيم و من هذه دار الإفتاء إنجاز عظيـم تـاريخي. و علـى رغـم واجباتـه التدريسية يعني لم يكن متفرغا لإصدار الفتاوى فقـط بـل كـان مدرسـا في نفـس الوقت و كان خطيبا في نفس الوقـت فـإصدار هـذه الفتـاوى علـى رغـم الأعمال الأخرى إنجاز مهم جليل قيم. ثم انتقل إلى جامعـة أنـوار القـرآن في بلـرام فور و هناك استمر في إصدار الفتاوى و كان مرجـع الخلائـق في المسـائل الشرعيـة ثم انتقل إلى دار العلوم في جلال فور و هنـاك أيضـا مـا انفـك يواصـل مشـوار الفتاوى والناس يراجعون إليه في أحكام الشرع المتـين ----- و كـان هنـاك أيضا مرجع الناس في المسائل الشرعيـة.

حتى وصل إلى أرض مبارك فور و عزز الجامعـة الأشرفيـة بقدومـه الميمـون و أصبح رئيس قسم الإفتاء بالجامعة و مازال رئيسا فيها، إضافـة إلى مديـر التعليـم والمناهج، أبقاه الله تعالى لخدمة الإسـلام والمسـلمين.

فنرحب بك يا فقيه الإسـلام !

ونرحب بك يا فاضل العلوم الإسـلامية !

ونرحب بك يا مضطلعا من العلـوم والمعـارف !

ونرحب بك يا عبقري الفقه الإسـلامي !

ونرحب بك يا كبير علماء أهل السنة !

ونرحب بك يا خطيب أهل السنة !

كما نرحب بك يا شارح البخاري !

و يا صاحب نزهة القاري .

فإنك بهذا الشرح قد رفعت رؤوسنا أمام الدنيا و نصرت الحق بالحق و فتحت لما أغلق، فمرحبا بك أيها الشارح الجليل.

و قد يحتوي هذا الشرح على تسع مجلدات كبيرات، فيها علوم و معارف و فيها تحقيقات أنيقة رصينة و بحوث رائعة جميلة، و فيها لمعة الإمام الرازي و فيها نور الإمام الغزالي و فيها منهج الإمام العسقلاني و فيها أسلوب الإمام القسطلاني، و فيها روعة الإمام العيني، و فيها لون الإمام السبكي و فيها وسعة دراسة الإمام السيوطي و فيها حسن عقيدة الإمام الدهلوي و فيها بحوث الإمام أحمد رضا القادري و فيها عطايا و مواهب للعلماء والفقهاء والمحدثين فلا نعدوالحق إذا نستقبله بكلمة

أهلا بك يا فقيه الإسلام ،

و مرحبا بك يا محدث السنة النبوية و يا عالم الشريعة المحمدية،

و نحتفل بك يا شارح البخاري، فإنك قد جاهدت لإعلاء كلمة الحق و بذلت جهودك الجبارة في سبيل هذا الشرح القيم، فمرحبا بك يا صاحب المجهودات الكبيرة،

ومرحبا بك يا صاحب المواهب العظيمة ،

ومرحبا بك يا تاج علماء أهل السنة ،

ومرحبا بك يا عمدة العباقرة والفطاحل ،

ومرحبا بك يا من يأوي إليك العلماء في مهمات المسائل والفتاوى،
و أهلا بك يا شريف الإسلام ،
و لا ريب أنك شرف لنا بل أنت شرفتنا بهذا العمل التاريخي الخالد، و كرمتنا بهذه المأثرة العظيمة، فأنت ممثلنا و ترجماننا في المجتمع العلمي العالمي، و أنت نقيبنا في المجتمعات الثقافية الدولية، و أنت مندوبنا في الجامعات العالمية، و أنت كليمنا في المجالس الثقافية العالمية و أنت قد نجحت في اختبار صعب نجاحا تاريخيا و فزت في مجال علمي ثقافي فوزا عظيما فهنيئا لك هذا النجاح و هنيئا لك هذا الفوز.

فبارك الله فيك و في علمك و عملك و فضلك ، و مد عمرك الشريف لخدمة الإسلامة و المسلمين و يوفقك و إيانا لما يحب و يرضى، إنه و لي التوفيق، بجاه حبيبه و نبيه سيد المرسلين صلى الله عليه و آله و صحبه و سلم.

فضل الرحمن بن الشيخ ضياء الدين المدني رحمه الله تعالى
{المدينة المنورة}

إفتخار أحمد القادري الأعظمي {المدينة المنورة}

21 جمادى الآخرة 1420

عبد الحق رضوی مصباحی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

مارہرہ مطہرہ سے "فقیہ اعظم ہند" کا خطاب

چودھویں صدی ہجری کے عبقری فقیہ اعلیٰ حضرت مجدد دین ملت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تفقہ ان کے دیگر علمی کمالات وخدمات پر حاوی ہے۔ بارہ ضخیم مجلدات پر مشتمل فتاویٰ رضویہ اور دو جلدوں میں مطبوع جد الممتار اس کے بہترین شاہد عدل ہیں۔ عرب و عجم سے آئے ہوئے ہزاروں سوالات کے آپ نے مدلل فقہی جوابات دئے۔ ایسے ایسے باریک نکات آپ نے اپنے فتاویٰ میں تحریر فرمائے اور مستند حوالوں سے مزین ایسی دقیق وانیق تحقیقات آپ نے پیش فرمائی ہیں کہ علماے عصر انھیں پڑھ کر انگشت بدنداں رہ گئے اور اس مقلد و مؤید فقہِ حنفی کو اپنے عہد کا امام اعظم ابو حنیفہ قرار دینے لگے۔

ایسے عظیم و جلیل فقیہ اسلام نے ایک دن بریلی شریف میں اپنے مکان پر ایک تخت اور اس پر مُرصّع قالین بچھانے کا حکم دیا۔ پھر ایک کرسی پر خود تشریف فرما ہوئے اور صدر الشریعہ حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ آج میں دار القضاء بریلی کی بنیاد رکھتا ہوں۔ اس کے بعد صدر الشریعہ کا داہنا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر انھیں اپنے قریب بٹھاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ میں ہندوستان کے لئے آپ کو قاضیِ شرع مقرر کرتا ہوں۔ پھر آپ نے دعا پڑھ کر کچھ کلمات کہے جن کا صدر الشریعہ نے اقرار کیا۔ اسی مبارک نشست میں آپ نے مفتیِ اعظمِ ہند حضرت مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا بریلوی اور برہانِ ملت حضرت مولانا مفتی محمد عبد الباقی برہان الحق جبل پوری کو صدر الشریعہ کا نائب اور معاون قاضی و مفتی متعین فرمایا۔

مذکورہ اعزاز سے بہت پہلے اعلیٰ حضرت نے صدر الشریعہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ "موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی میں زیادہ پایئے گا"۔ اسی طرح حضور مفتیِ اعظمِ ہند کے پہلے تحریر کردہ مسئلہ رضاعت سے خوش ہو کر اعلیٰ حضرت نے مفتی اعظم ہند کے نام کی ایک مہر بنوا کر انھیں مرحمت فرماتے ہوئے انھیں کارِ افتا پر مامور فرمایا تھا۔ نائب قاضی مقرر کرنے سے برہان ملت کی شخصیت اور ان کی فقہی صلاحیت اچھی طرح ظاہر وباہر ہے۔

شارح بخاری فقیہِ اعظم ہند سیدی و استاذی حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی صدر شعبہ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ نے قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں صدر الشریعہ کو چودہ ماہ تک اور بریلی شریف میں مفتی اعظم ہند کو گیارہ سال تک فتویٰ سنایا ہے۔ افتا کی مشق کی ہے۔ تربیت حاصل کی ہے اور فقہ و افتا کا پورا فیض اٹھایا ہے۔ جس کی برکت سے اس فن میں اتنا درک و کمال اور اتنی مہارت و دقّتِ نظر آپ کے اندر پیدا ہو گئی کہ تلامذۂ صدر الشریعہ و فیض یافتگانِ مفتیِ اعظم کے درمیان آپ رفتہ رفتہ بحیثیت معتمد مفتی کے متعارف ہو گئے اور حافظِ ملت اور مجاہدِ ملت جیسے علما آپ کے فتاویٰ کی تائید و تصدیق ہی نہیں بلکہ ان کی گہرائی و گیرائی اور جامعیت کی تعریف و تحسین فرمانے لگے۔

اعلیٰ حضرت و مفتی اعظم کے پیر خانہ اور اہلِ سنت کے مرکزِ عقیدت مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشین سید العلماء حضرت سید شاہ آل مصطفیٰ برکاتی و احسن العلماء سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن برکاتی نے آپکی دینی وعلمی خدمات کے ساتھ آپ کی فقہی صلاحیت کو جس طرح شرف قبول اور تائید و استقبال سے نوازا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔

سید العلما نے ایک بار ضلع بستی کے جلسہ عام میں اپنی تقریر کے دوران ارشاد فرمایا: "اعلیٰ حضرت نے صدر الشریعہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجدی علی میں زیادہ پایئے گا۔ اور میں کہتا ہوں کہ موجوہ دور میں تفقہ جس کا نام ہے وہ چند اکابر کو چھوڑ کر مفتی محمد شریف الحق امجدی میں زیادہ پاؤ گے"۔

احسن العلماء فرمایا کرتے تھے کہ: "انسان کے لئے لازم ہے کہ جس طرح چھان بین کے بعد اپنے معالج کا انتخاب کرتا ہے اسی طرح غور و فکر اور تحقیق کے بعد کسی کو اپنا مفتی بنائے، مفتیِ اعظم ہند کے بعد بہت سوچ سمجھ کر ہم نے نائبِ مفتیِ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی کو اپنا مفتی بنایا ہے۔ یہ برکاتی مفتی ہیں"۔

برکاتی بارانِ کرم جھوم جھوم کر برس رہا ہے اور شارح بخاری کا وجود اس سے نہال و سرسبز و شاداب ہو رہا ہے۔ ان کی شخصیت نکھرتی اور ابھرتی جا رہی ہے اور اسے یوماً فیوماً قبولِ عام کا اعزاز ملتا جا رہا ہے۔ شہزادۂ احسن العلماء امینِ ملت حضرت مولانا سید شاہ ڈاکٹر محمد امین میاں قادری برکاتی سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف کی خصوصی عنایت و توجہ اس وقت آپ کے شاملِ حال ہے اور وہ اپنے اس برکاتی مفتی کو اپنے کرم و نوازش سے خوب خوب بہرہ ور فرما رہے ہیں۔

ماہنامہ کنزالایمان دہلی شمارہ اکتوبر ۱۹۹۹ء میں شارح بخاری کو "فقیہ اعظم ہند" کا خطاب

دینے کی ایک تجویز از ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی و تائید و تصدیق از علامہ ارشد القادری و مفتی محمد میاں ثمر دہلوی و مفتی محمد مکرم احمد نقشبندی دہلوی کی اشاعت ہوئی تھی۔ جس کا اشاراتی حوالہ دیتے ہوئے عرس قاسمی مارہرہ مطہرہ (بتاریخ ۲۰/رجب ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱/اکتوبر ۱۹۹۹ء) میں قل شریف سے چند منٹ قبل شارح بخاری کو مختصر تقریر کی دعوت دیتے ہوئے حضرت امین ملت نے) ارشاد فرمایا:

"حضرت شارح بخاری کو "فقیہ اعظم ہند" کا خطاب دینے کی ایک تجویز اور اس کی تائید ایک سنی ماہنامہ میں شائع ہوئی ہے۔ میں آج اس برکاتی منبر سے سیکڑوں علما و مشائخ اور ہزاروں سامعین و زائرین کی موجودگی میں خادمِ آستانۂ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کی حیثیت سے حضرت شارح بخاری کو "فقیہ اعظم ہند" کا خطاب دیتا ہوں اور ان سارے مشاہیر علما کے سامنے اس خطاب کا اعلان کرتا ہوں اور بمبئی میں ہونے والے جشن شارح بخاری کے موقع پر انشاء اللہ میں برکاتی فاؤنڈیشن کراچی پاکستان کی طرف سے حضرت شارح بخاری کو خطاب فقیہ اعظم ہند کے ساتھ اعزاز و انعام پیش کروں گا"۔ (مفہوم و خلاصہ تقریر)

اس اعلان سے سامعین و حاضرین کے درمیان انبساط و مسرت کی ایک بجلی کوند گئی، خوشی کی لہر دوڑ گئی، وفورِ جذبات کے ساتھ لوگ پے در پے نعرے لگانے لگے۔ نعرۂ تکبیر، نعرۂ رسالت، برکاتی مفتی، برکاتی دولہا، نائب مفتی اعظم ہند، فقیہ اعظم ہند، اور ان فلک شگاف نعروں سے مارہرہ مطہرہ کی مقدس سرزمین گونج اٹھی۔

شہزادگان خانوادۂ برکاتیہ کے علاوہ اس اعلان کے وقت موجود چند مشاہیر علما و مشائخ اہل سنت کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی (۲) محدثِ کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری (۳) فقیہِ ملت حضرت مفتی محمد جلال الدین احمد امجدی (۴) نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت منان رضا خاں منانی میاں (۵) حضرت مولانا سید وجاہت رسول قادری (کراچی) (۶) حضرت مولانا سید محمد عارف بہرائچی (۷) حضرت مفتی محمد مظفر احمد بدایونی (۸) حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی (۹) حضرت مولانا لطف اللہ برکاتی مارہروی (۱۰) حضرت مولانا صوفی سخاوت علی برکاتی بستوی (۱۱) حضرت مولانا قاری عبد السمیع کانپوری (۱۲) حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن مضطر رضوی (۱۳) حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی (۱۴) حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی (۱۵) حضرت مولانا بشیر احمد برکاتی جالونی وغیرہم۔

☆☆☆

فقیہ اعظم ہند کا خطاب

محقق دوراں فقیہ عصر حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ العالی دور حاضر میں اہل سنت و جماعت کے قائد اور مسلک اعلیٰ حضرت کے ترجمان ہیں۔ آپ کی تدریسی تحریری اور تصنیفی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے جن میں دو کارنامے ملت اسلامیہ پر احسان عظیم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۱) نو ضخیم جلدوں میں صحیح البخاری کی شرح نزہۃ القاری

(۲) بے شمار مسائل و فوائد پر مشتمل آپ کے فتاوے

بخاری شریف کی شرح لکھنے کے لئے جس وسعت علم، دقت نظر، حسن تدبر اور احتیاط کی ضرورت ہے اس کی حقیقت اجلہ علماء ہی سمجھ سکتے ہیں اور ایک ایک حدیث کے صحیح معنی اور مفہوم مراد کو سمجھنے کے لئے کس قدر خون جگر جلانا پڑا ہوگا اسے مصنف علام ہی بتا سکتے ہیں۔ مختصر لفظوں میں کہا جاسکتا کہ نزہۃ القاری کی شکل میں حضرت مصنف نے اہل سنت کو علوم دینیہ کا انمول تحفہ عطا کیا ہے اگر آپ کو عصر حاضر کا محدث اعظم ہند کہا جائے تو یہ محض روایتی عقیدت کی کار فرمائی نہیں ہوگی بلکہ حقیقت کا برملا اظہار ہوگا اور حضرت صدر الشریعہ و حضور مفتی اعظم ہند کی صحبت بابرکت میں کار افتاء انجام دے کر فقاہت میں آپ نے زبردست کمال حاصل کیا ہے اگر آپ کو عہد حاضر کا **فقیہ اعظم ہند** کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ علم و فن کی دونوں شاخوں میں آپ کا کمال تبحر ظاہر و باہر ہے تاہم جیسا کہ حضرت اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عزیز ترین شاگرد حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

یا معشر الفقہاء انتم الاطباء ونحن الصیادلہ جس سے محدثین پر فقہاء کی فی الجملہ فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے میں محمد فضل الرحمٰن شرر مصباحی رکن الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، علماء کرام سے اپیل کرتا ہوں کہ حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ العالی کو **فقیہ اعظم ہند** کے خطاب سے سرفراز کیا جائے اور بمبئی عظمیٰ میں جشن شارح بخاری کے موقع پر اس کا اعلان کر دیا جائے۔

محمد فضل الرحمٰن شرر مصباحی

تصدیقات

فقیر اس حقیقت کا معترف اور اس تجویز سے متفق ہے کہ حضرت ممدوح کو فقیہ اعظم ہند کے خطاب سے سرفراز کیا جائے۔ محمد میاں ثمر خادم سجادہ و منصب افتاء خانقاہ مسعودیہ مظہریہ مسجد شاہی فتح پوری، دہلی مہر	میں اس مبارک تجویز کی تصدیق اور توثیق کرتا ہوں ارشد القادری خادم جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، دہلی ۲۶؍ اگست ۱۹۹۹ء	محمد مکرم احمد نقشبندی چشتی قادری سہروردی شاہی امام و خطیب جامع مسجد فتح پوری دہلی ۱۶؍ جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ مہر

نوٹ: ادارہ کنزالایمان اس مبارک تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے علمائے ملت سے اپیل کرتا ہے کہ حضرت ممدوح کو فقیہ اعظم ہند کے خطاب سے سرفراز کیا جائے۔

محمد قمر الدین رضوی

ـــــ ایڈیٹر

باب اول

اعلیٰ حضرت، صدرِ شریعت، مفتی اعظم، حافظ ملت
توان سب کے وصف کا سنگم نائب مفتی اعظم ہند

تبرکات و پیغامات

محبتوں شفقتوں کا مرکز مرحمتوں کا مہِ درخشاں   محبِ علما معینِ طلبا منارِ علم و عمل فرزاں
شرافتوں کا شفیق پیکر، شعارِ سنت، شعور مدحت   شمامۂ گلستانِ امجدؔ شگفتگی رضاؔ بہاراں
ریاضِ راحت بہ سوخِ رحمت رفیقِ نزہت رئیس رفعت   رہِ شریعت کا رکن اعلیٰ رضاؔ کی فکر و نظر کا احساں
قسیمِ علمِ شہِ مدینہ قناعتوں کا حسیں قرینہ   قلم کی مشعل قرار بیکلؔ قبول و قیمت پہ صدقے جاواں

(بیکلؔ اتساہی)

ہمارے مفتی صاحب

تاجدار مسند غوثیہ حضرت امین ملت ڈاکٹر سید محمد امین میاں قبلہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ برکاتیہ، مارہرہ شریف

ہمارے گھرانے میں جب ''مفتی صاحب'' کہا جاتا ہے تو اس سے مراد حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی ہوتے ہیں۔ میں نے جب ہوش سنبھالا تو اعراس میں مفتی صاحب کو دیکھا اور بڑی علمی وجاہت کے ساتھ دیکھا۔ میرے مرشد برحق سیدی تاج العلما علیہ الرحمہ مفتی صاحب سے محبت فرماتے تھے۔ وجہ تھی مفتی صاحب کی ''استقامت فی الدین''۔

بڑے ابا حضور سید العلما علیہ الرحمہ اور والد ماجد حضور احسن العلما علیہ الرحمہ بھی مفتی صاحب سے حد درجہ مانوس تھے۔ عرس قاسمی میں کبھی مفتی صاحب کی آمد میں تاخیر ہوتی تو والد صاحب فکر مند ہو جاتے اور احباب کی ڈاک اسٹیشن سے گھر تک لگا دی جاتی کہ جیسے ہی حضرت مفتی صاحب تشریف لائیں انھیں مطلع کیا جائے۔ مفتی صاحب آجاتے تو میاں فرماتے کہ ''عرس شریف مکمل ہو گیا''۔ مفتی صاحب کا تفقہ، حدیث دانی، عربی زبان وادب کی مہارت اپنی جگہ مسلم مگر والد صاحب ان کی سوجھ بوجھ اور خلوص کے قائل تھے۔ ہم بھائیوں سے فرماتے تھے کہ مفتی شریف الحق صاحب ''برکاتی مفتی'' ہیں اور بڑے دور اندیش ہیں۔ بڑے ابا حضور سید العلما علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد جب مفتی صاحب تعزیت کرنے مارہرہ شریف آئے اور والد ماجد قبلہ علیہ الرحمہ سے مل کر جو گفتگو فرمائی وہ آج بھی یادوں کے خزانے میں محفوظ ہے۔ والد ماجد علیہ الرحمہ کے وصال پر مفتی صاحب نے ہم بھائیوں کی بڑی دلداری کی اور حوصلہ دیا۔

مفتی صاحب نے ایک طویل عرصے تک حدیث شریف کی خدمت انجام دی، برسوں سے فتوے لکھ رہے ہیں، علمی اور ادبی خدمات کا سلسلہ جاری ہے۔ مختلف مدارس میں ممتحن بن کر جاتے ہیں اور مختلف مواقع پر تقاریر بھی کرتے ہیں، بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ علاوہ ازیں معتبر ذرائع سے علم ہوا کہ بڑے مؤثر تعویذ بھی لکھتے ہیں گویا ان کی زندگی ہمہ جہت ہے۔

کسی شخص کے بارے میں صحیح جانکاری کرنا ہو تو اس کے ساتھ چند روز قیام کیا جائے یا سفر کیا

جائے ساری اچھائیوں، برائیوں کا علم ہو جاتا ہے مجھے مفتی صاحب کے ساتھ عمرہ کا موقع ملا۔ افریقہ کے سفر میں ساتھ رہا، کراچی میں بارہا ملاقاتیں ہوئیں۔ مفتی صاحب کا میرے بارے میں کیا تاثر ہے۔ میں نہیں جانتا مگر میرا تجربہ ہے کہ مفتی صاحب "مرد مومن" ہیں۔ بقول ڈاکٹر اقبال ؎

آئین جواں مردی حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

سیکڑوں علما کے استاد، دسیوں مفتیوں کے رہنما، ہزاروں مریدوں کے پیر، اپنے مرشدان کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ان کی اولاد سے بے پناہ عقیدت اور محبت کرنے والے مفتی محمد شریف الحق صاحب برکاتی رضوی امجدی کے بارے میں لکھنے کے لئے وقت درکار ہے جو فی الحال عنقا ہے مگر مجموعی طور سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مفتی صاحب جیسے لوگ کم ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ بطفیل سید کونین ﷺ مفتی صاحب قبلہ کو صحت و سلامتی کے ساتھ بہت دن تک زندہ رکھے اور وہ اسی طرح دین و سنیت کی خدمت انجام دیتے رہیں آمین۔ بجاہ الحبیب الامین ﷺ و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین۔

فقط

سید محمد امین (قادری)
(سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ)
(ضلع ایٹہ، یوپی، انڈیا)

۹؍شعبان ۱۴۲۰ھ
۱۸؍نومبر ۱۹۹۹ء

قابل فخر کارنامہ

شہزادہ حضور حافظ ملت **عزیز ملت** حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ

سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

محبّ محترم مولانا عبد الحق صاحب زید مجد کم سلام مسنون!

یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی کہ جماعتی ضرورت اور دیرینہ خواہش شرح بخاری، نزھۃ القاری کی شکل میں منظر عام پر آچکی ہے اس کارنامہ کو جتنا سراہا جائے کم ہے۔ حضرت فقیہ العصر قبلہ نے اس کے ذریعہ جماعت اہل سنت کا وقار محفوظ رکھا اور سر بلند کیا۔ ارباب اشرفیہ کو اس پر فخر ہے کہ یہ کارنامہ اشرفیہ کے ایک لائق فرزند نے اشرفیہ میں رہ کر انجام دیا۔ حضرت کی خدمات بہت ہیں۔ لیکن نزھۃ القاری کو امتیازی شان حاصل ہے۔ اس موقع پر جشن کا انعقاد اپنی خوشی و مسرت کا اظہار اور حضرت کی خدمات سے عوام و خواص کو روشناس کرانے کا بہتر ذریعہ ہے۔ آپ حضرات اس کے لئے قابل مبارکباد ہیں۔ میری دعائیں جشن کی کامیابی کے لئے ہیں۔ رب تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نوازے بانیان جشن کو جزائے خیر عطا کرے آمین۔ بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

فقط

عبد الحفیظ عفی عنہ

سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڈھ

۵؍شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ

کمال علم و فضل کا فقید المثال نمونہ

رئیس التحریر علامہ ارشد القادری، بانی جامعہ فیض العلوم جمشید پور، بہار

مرجع العلما فرید العصر حضرت شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی دامت برکاتہم السامیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کل سہارن پور میں سید محمد حکیم احمد صاحب قادری کے زیر علاج ہوں دعا فرمائیں کہ میری صحت واپس آجائے تاکہ میں اپنا قلمی منصوبہ مکمل کر سکوں۔ جشن شارح بخاری کے سلسلے میں پچھلے دنوں کئی دعوت نامے مجھے موصول ہوئے۔ اس انتظار میں کئی مہینے گذر گئے کہ طبیعت سنبھل جائے تو ہونے والے مقدس جشن میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے قلم اٹھاؤں اب بھی میں خود اپنے قلم سے لکھنے کے بجائے املا کرا رہا ہوں۔ آپ نے اپنے معاصرین ہی میں نہیں بلکہ اپنے بہت سے سابقین میں بھی جیتے جی اپنی محنتوں کا صلہ دیکھ لیا۔ اس سرائے فانی سے کوچ کرنے کے بعد نہایت جوش و خروش کے ساتھ لوگوں کا عرس منایا جاتا ہے اور آپ کا بھی منایا جائے گا۔ لیکن اس خصوص میں آپ منفرد ہیں کہ آپ کا جشن آپ کی زندگی ہی میں منایا جا رہا ہے۔

کاش نزہۃ القاری کی زبان اردو کے بجائے عربی ہوتی تو آپ کی شرح کو سلف کی مجلدات کے ساتھ الماریوں میں جگہ ملتی۔

نزہۃ القاری کے علاوہ آپ نے اپنے پیچھے جو گراں قدر علمی اور فکری ذخائر چھوڑے ہیں وہ آپ کی زندہ جاوید یادگار ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ فقہ اور اعتقادی مسائل پر آپ کے بیانات اور باوقار تحریریں اہل سنت کے لٹریچر میں قیمتی اضافہ ہیں۔ کتابی مباحث سے ہٹ کر آپ نے میدان مناظرہ میں اہل سنت کی جو رہنمائی کی ہے وہ آپ کی ذہانت، علمی استحضار اور قوت حافظہ کے کمال کا فقید المثال نمونہ ہے جس کا ذاتی تجربہ خود مجھے بھی ہے اور محاذ پر جانے والے دوسرے، بہت سے لوگوں کو بھی ہوگا۔ آپ کی قد آور شخصیت علمی اعتبار سے اتنی اونچی ہوگئی ہے کہ اب آپ ملک کے ہر حصے سے نظر آتے ہیں۔

آپ کی صحت و سلامتی اور ترقی و کامرانی کے لئے دعا گو ہوں مولیٰ تعالیٰ آرزوؤں کی تکمیل فرمائے۔ سفر کے قابل رہا تو جشن میں شرکت کی سعادت حاصل کروں گا والسلام۔

آپ کا مخلص

ارشد القادری

۱۴ نومبر ۱۹۹۹ء

بانی و مہتمم جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، ذاکر نگر، نئی دہلی-۲۵

جماعت اہل سنت کے بقیۃ السلف

محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور اعظم گڈھ، یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی حبیبہ الکریم

فقیہ العصر حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی مد ظلہ السامی کے مختلف کوائف زندگی سے متعلق علمائے اہل سنت کے مضامین و تاثرات شائع ہونے جارہے ہیں اور شاندار جشن بھی منایا جانے والا ہے میں اپنی علالت اور مصروفیات کی بنا پر کوئی تاثر قلمبند نہ کرسکا جس کا افسوس ہے۔ اکابر علمائے اہل سنت کے تعارف کا یہ طریقہ بہتر ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ رب قدیر اس کے مقاصد حسنہ میں خوب کامیابی عطا فرمائے اور عامۂ اہل سنت کی عقیدت میں پختگی پیدا فرمائے۔

حضرت مفتی صاحب مد ظلہ جماعت کے ممتاز ترین صاحب علم و بصیرت بقیات صالحات میں سے ایک ہیں۔ ذکاوت طبع اور قوت اتقان، وسعت مطالعہ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ تعمق نظر، قوت فکر، زور استدلال اور حسن بیان، زود نویسی میں بھی آپ انفرادی حیثیت رکھتے ہیں۔ معلومات کی گیرائی و گہرائی میں بھی بلند رتبہ ہیں۔ خطابت، جدل و مناظرہ میں بھی آپ کو امتیاز حاصل ہے۔ کئی موضوعات پر آپ کی معلومات افزا تصانیف آپ کی تصنیفی خوبیوں کی مظہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی برکتوں سے جماعت کو مالا مال فرمائے۔ (آمین)

ضیاء المصطفیٰ قادری عفی عنہ

خادم دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

۲۹؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ

فقاہت وبصیرت کے مظہر اتم

مفتی اعظم راجستھان مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی شیخ الحدیث دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور

رئیس المحققین سند المفتیین حضرت شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی کی مساعی جمیلہ عصر حاضر میں سنیت کے لئے ایک روشن مینار ہیں۔ ایسا روشن مینار جس کی کرنیں از ہند تا امریکہ پھیلی ہوئی ہیں۔ حضرت شارح بخاری نے مذہب اہل سنت و جماعت و مسلکِ اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت کے لئے مختلف دینی و علمی موضوعات پر اہم کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً اشرف السیر، سنی دیوبندی اختلافات کا منصفانہ جائزہ، تحقیقات، اثبات ایصال ثواب اور مقالات امجدی وغیرہ خصوصاً حضرت موصوف نے نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری تصنیف کر کے دنیائے سنیت پر احسان عظیم کیا۔ نزھۃ القاری میں حضرت شارح بخاری نے اپنی علمی جلالت و تبحر علمی اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کی لاجواب تشریحات سے مسلک احناف کو بطریق احسن اجاگر کیا۔ نیز یہ بھی ثابت کر دکھایا کہ احناف ہی عامل بالحدیث ہیں جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ احناف کے نزدیک حدیث مرسل کی موجودگی میں قیاس متروک العمل ہو جاتا ہے۔ اس عظیم شرح کو دیکھنے کے بعد نتیجتاً یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ حضرت شارح بخاری علم و حکمت اور فقاہت وبصیرت کے مظہر اتم ہیں۔ بآں جلالت شان آپ کے فتاوے بھی آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ واقوال صحابہ و تابعین و مجتہدین سے مبرہن ومدلل ہوتے ہیں۔ جابجا فقہ کی کتبِ معتمدہ کی تصریحات سے مسائل شرعیہ محقق و منقح ہوتے ہیں۔ سائل اور مستفتی کے معیار اور اس کے انداز بیان و تحریر کے مطابق ہر فتویٰ اور ہر جواب میں بالغ نظری کے جلوے نظر آتے ہیں۔ فتاویٰ دیتے وقت مصالحِ شریعت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کہیں محاکمہ فرماتے ہوئے، کہیں احادیث واقوال ائمہ میں توفیق و تطبیق دیتے ہوئے، کہیں کسی سوال مقدر کا جواب دیتے ہوئے اور کہیں ہدایت وتنبیہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بآں محاسن و کمالات کے ہر ہر سطر اور ہر ہر تحریر میں رسم مفتی کے طرق و آداب کی مکمل رعایت بھی ہوتی ہے۔

لہٰذا انھیں خصوصیات وامتیازات اور فقہ وافتا میں نصف صدی کی مشق وممارست اور مہارت و حذاقت اور نظر دقیق وفکر عمیق کی بنا پر حضرت صدر الشریعۃ، حضرت مفتیِ اعظمِ ہند، حضرت حافظِ ملت، حضرت سید العلماو حضرت احسن العلما علیہم الرحمۃ والرضوان اور دیگر اکابر اہلِ سنت نے آپ کی ذات ستودہ صفات پر اعتماد کیا اور آپ کے فتاویٰ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاگو ہوں کہ اللہ رب العزت آپ کی دینی وعلمی وتبلیغی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور آپ کے علم وعمر میں برکت عطا فرمائے آمین۔

بجاہ سیدالمرسلین علیہ وآلہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات.

آپ کا

اشفاق حسین نعیمی

شیخ الحدیث وصدر مدرس دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور، راجستھان

۹/اکتوبر ۱۹۹۹ء

اہل سنت کا ایک عظیم سرمایہ

فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین احمد امجدی صاحب قبلہ ،بانی مرکز تربیت افتا، دار العلوم امجدیہ ارشد العلوم، او جھا گنج (بستی)

ملت اسلامیہ کے ہر دور میں متبحر علما گذرے جو خداداد صلاحیت اور استعداد سے مذہب حق اہل سنت و جماعت کی تبلیغ اور اس کی ترویج واشاعت ہر طرح سے بروئے کار لاتے رہے۔ اور حضرات صحابہ کرام وائمۂ عظام کے اسوۂ حسنہ کے پیش نظر شب وروز دینِ متین کی خدمت میں مشغول رہے۔

اسی مبارک گروہ کے ایک فرد اس دور میں عالم اسلام کے عظیم مفتی، فخر ملت سرمایۂ اہل سنت فقیہ عصر شارح بخاری حضرت علامہ شاہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی مد ظلہ العالی ہیں، جن پر خدائے عز وجل کا یہ فضلِ عظیم اور حضور سید عالم ﷺ کا کرمِ عمیم ہے اور پھر پیر و مرشد فقیہ اعظم ہند صدر الشریعہ مصنفِ بہار شریعت علیہ الرحمۃ والرضوان کا خصوصی فیضان ہے کہ حضرت مفتی صاحب کو تدریس و تقریر اور تصنیف و تالیف اور افتا و مناظرہ ہر طرح سے اسلام و سنیت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کی تبلیغ واشاعت کی بیش از بیش توفیق رفیق ملی۔

آپ اہل سنت و جماعت کی ایک اہم علمی شخصیت ہیں۔ قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر اور دیگر تمام علوم و فنون اسلامیہ کے ایک ممتاز عالم دین اور ملک کے عظیم دار الافتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے صدر ہیں۔ مسائل کلامیہ وفقہیہ پر گہری نظر و بصیرت کے حامل ہیں۔ جید علمائے کرام نہایت اہم اور دقیق مسائل میں حضرت مفتی صاحب قبلہ سے استفادہ و استفاضہ کرتے ہیں اور کثیر التعداد علما آپ کے بحر علم سے اپنی علمی و تحقیقی پیاس بجھاتے ہیں۔ غرضیکہ حضرت مفتی صاحب قبلہ اہلِ سنت کے عظیم سرمایہ ہیں کہ ایسے لوگ مدتوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔

آپ کی زندگی تصنیف وافتا اور تبلیغ واشاعتِ دین کے لئے وقف ہے۔ عدیم الفرصتی کے باوجود اہم موضوعات پر آپ نے نہایت مفید کتابیں تحریر فرمائی ہیں جن سے ایک عالم فائدہ اٹھا رہا ہے۔ ان میں آپ کی سب سے عظیم تصنیف نزھۃ القاری شرح بخاری ہے جس سے ان شاء اللہ تعالیٰ رہتی دنیا تک لوگ مستفید ہوتے رہیں گے۔ بہتر ہو تاکہ آپ کے فتاوے بھی طبع ہو جاتے۔

خدائے عز وجل آپ کی عمر کو صحت و عافیت کے ساتھ دراز تر فرمائے۔ آپ کو دونوں جہاں

میں زیادہ سے زیادہ بلندیاں عطا فرمائے۔ آپ کے علمی فیوضات و برکات آپ کی تصنیفات اور تلامذہ کے ذریعہ قیامت تک جاری رکھے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہ و علیہم اجمعین۔

آپ کا

جلال الدین احمد امجدی

مرکز تربیت افتاء دار العلوم امجدیہ ارشد العلوم،
اوجھاگنج، ضلع بستی، یوپی
۲۸/ جمادی الاولیٰ ۲۰ھ

دنیائے سنیت پر احسان عظیم

شیخ طریقت حضرت مولانا سید محمد اکبر چشتی مودودی، پھپھوند شریف، ضلع اٹاوہ

گرامی قدر حضرت مولینا عبد الحق صاحب مد ظلہ　　　　سلام مسنون

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ شارح بخاری حضرت مفتی صاحب قبلہ کی ذات علمائے اہل سنت کے درمیان ایک اہم اور ممتاز شخصیت کی حامل ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے بخاری شریف کی شرح فرما کر دنیائے سنیت پر احسان عظیم فرمایا ہے۔

یہ جان کر بے پناہ مسرت ہوئی کہ آپ "جشن تکمیل شرح بخاری" کے موقع پر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی دام ظلہ العالی کی حیات اور کارناموں پر مشتمل ایک وقیع مجموعہ مضامین شائع کرنے جارہے ہیں۔ اپنے اکابر کے کارناموں سے دنیا کو روشناس کرانا انتہائی مستحسن اقدام ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت آپ کے اس نیک ارادہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے اور حضرت مفتی صاحب قبلہ کے علم و فضل اور عمر میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے اور ان کی تصانیف کو مقبول خاص و عام فرمائے۔

آپ کا مخلص

سید محمد اکبر چشتی مودودی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ صمدیہ و سرپرست جامعہ صمدیہ،
پھپھوند شریف، ضلع اوریا، یوپی

دوشنبہ مبارکہ
۲۱ر رجب ۱۴۲۰ھ / یکم نومبر ۱۹۹۹ء

قائم مقام مفتی اعظم ہند

پیر طریقت حضرت علامہ صوفی نظام الدین صاحب قبلہ شیخ الحدیث مدرسہ تنویر الاسلام، امر ڈوبھا، بستی

گردش لیل و نہار سے افق انسانیت پر کچھ ایسی عبقری اور یگانۂ روزگار شخصیتیں جلوہ گر ہوتی ہیں جن کے علمی و فکری و علمی کارنامے تاریخ انسانیت کے لئے رہنما اصول اور آنے والی نسلوں کے لئے قابل فخر اور لائق تقلید ہوتے ہیں۔ انھیں نابغہ روزگار ہستیوں میں شارح بخاری فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب قبلہ امجدی ناظم تعلیمات و صدر شعبہ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ یوپی کی بھی ذات گرامی ہے جن کا تعلق صوبہ اتر پردیش کے اس مردم خیز علاقہ قصبہ گھوسی اعظم گڑھ یوپی سے ہے جس کے دامن میں علم و فضل کے ایسے ایسے آفتاب و ماہتاب پائے جاتے ہیں جن کی علمی و فکری درخشندگی سے ملک و بیرون ملک میں شعور و آگہی کی شمعیں روشن نظر آتی ہیں۔ آج ملک کی عظیم دانش گاہیں جن کے فیضان نظر کی رہین منت ہیں۔ جن کے آغوش تربیت کے پروردہ بین الاقوامی سطح پر دین و دانش کا اجالا یورپ و ایشیا میں پھیلانے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

شارح بخاری فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی (قائم مقام مفتی اعظم ہند) خانوادہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے وہ گل سر سبد ہیں جنھوں نے عروس علم و دانش کے گیسوئے برہم کو سنوارنے میں اپنی خداداد صلاحیتوں و فکری کاوشوں کو اس قدر پروان چڑھایا کہ جملہ علوم و فنون متداولہ میں بخوبی مہارت تامہ حاصل کر لیا۔ آپ کی تصانیف جلیلہ اور وقیع مضامین اور مستند فتاوے اس پر شاہد عدل ہیں۔

حضرت شارح بخاری مد ظلہ العالی نے جس وقت مسند تدریس کو زینت بخشا تو اقلیم درس و تدریس اور افہام و تفہیم کے شہنشاہ بن گئے۔ جب حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچنے کے لئے وہابیہ، دیابنہ، غیر مقلدین سے مناظرہ کی کمان سنبھالی تو شیر رضا کی چنگھاڑ اور گلشن صدر الشریعہ کے خوشہ چین کے علمی و فکری کلمات سے باطل کا کلیجہ دہل گیا اور اس مہکتے پھول کی خوشبو سے اہل سنن

کی مشامِ جان معطر ہو گئی۔ میدانِ تصنیف و تالیف میں قدم رکھا تو نوکِ قلم سے نکلے ہوئے گوہرِ آبدار شمشیر و سنان بن کر دشمنانِ خدا اور سول کے سینوں میں غار بناتے نظر آئے۔ تو دوسری جانب احبابِ اہلِ سنت دلائل و براہین سے مزین مضامین کو دیکھ کر شاداں و فرحاں ہو کر حضرت شارحِ بخاری کی علمی عبقریت کا خطبہ پڑھنے لگے۔ آپ کے علمی و فکری شہ پارے جو ہزاروں کی تعداد میں صفحۂ قرطاس پر جگمگا رہے ہیں آپ کی ان مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہیں جن کے لئے آپ نے اپنی گراں مایہ حیات کو وقف فرما دیا۔

یوں تو حضرت شارح بخاری صاحب قبلہ امجدی گوناگوں خوبیوں کے مالک ہیں۔ لیکن فی الوقت جو شہرت و مقبولیت آپ کو بحیثیت مفتی اور شارح بخاری حاصل ہوئی وہ آپ کی ہمہ جہت شخصیت کے شعبہ ہائے حیات میں سے کسی کو بھی نہ حاصل ہوئی۔ آج علمی سطح پر آپ کے فتاوے قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ صرف ہندوپاک ہی نہیں بلکہ بیشتر ممالک سے آپ کے پاس استفتا آتے ہیں اور حضرت شارح بخاری اپنی کثیر مصروفیات کے باوجود انھیں احکامِ شرع سے آگاہ کرتے ہیں۔ آپ کی ذات عوام وخواص سب کے لئے مرجع ہے۔ ایسا عظیم فقیہ اور مستند مفتی ہونا جو سب کے لئے مسلّم ہو آسان نہیں ہے بلکہ خون جگر نچوڑ دینے کے بعد ہی کوئی مسلّم اور مستند مفتی ہوتا ہے اور فقیہ کہلاتا ہے۔

فقاہت کے کیا معنی ہیں اسے جاننے کے لئے امامِ اہلِ سنت کی یہ تحریر سماعت فرمایئے:

"فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے یوں تو ہر اعرابی ہر بدو فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے۔ بلکہ فقہ بعد ملاحظۂ اصولِ مقررہ وضوابطِ محررہ ووجوہِ تکلم وطرقِ تفاہم وتنقیحِ مناط ولحاظِ انضباط و مواضعِ یُسر واحتیاط وتجنبِ تفریط وافراط وفرقِ روایاتِ ظاہرہ ونادرہ وتمیزِ درایاتِ غامضہ وظاہرہ ومنطوق ومفہوم صریح ومحتمل وقول بعض وجمہور ومُرسَل ومعلل ووزن الفاظ مفتیین ونشر مراتب ناقلین وعرفِ عام وخاص وعاداتِ بلاد واشخاص وحالِ زمان ومکان واحوالِ رعایا وسلطان وحفظِ مصالح دین ودفع مَفاسدِ مُفسِدین وعلم وُجوہِ تجریح واسبابِ ترجیح ومناہجِ توفیق ومدارکِ تطبیق ومسالکِ تخصیص ومناسکِ تقلید و مشارعِ قیود وشوارعِ مقصود وجمعِ کلام ونقدِ مرام وفہمِ مراد کا نام ہے۔"

(ماہنامہ اشرفیہ صدر الشریعہ نمبر بحوالہ ص ۱۴ اباتہ التواری فی مصالحۃ عبد الباری)

اس عبارت کی روشنی میں یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ فقیہ و مفتی کے لئے کتنے اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے۔ حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی کو اکابرین اہل سنت نے نائب مفتیِ اعظم اور قائم مقامِ مفتیِ اعظم ہند جیسے القاب و خطاب سے یاد فرما کر انھیں مذکورہ علوم وفنون کا ماہر اور اس جیسے القاب و خطاب کا مستحق قرار دیا۔

مجھے وثوق سے یاد ہے کہ جب مورخہ ۲۰ر صفر المظفر ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۵ر نومبر ۱۹۸۴ء کو عرس قاسمی کے موقعہ پر خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ میں حضور تاجدار اہل سنت گلِ گلزار برکاتیت سیدی سرکار احسن العلما قدس سرہٗ نے میری خلافت کا اعلان فرما کر مجھے خلافت و اجازت سے نوازا اس وقت حضرت شارحِ بخاری مدظلہ العالی بھی تشریف فرما تھے اور وعظ فرما رہے تھے۔ عوام و خواص ہمہ تن گوش تھے۔ کبھی کبھی آپ کے خطاب سے متاثر ہو کر سامعین نائبِ مفتیِ اعظم ہند کے نعرے بھی لگا رہے تھے۔ اس وقت حضور تاجدار اہل سنت نے کئی بار اپنی زبانِ فیض ترجمان سے قائم مقام مفتی اعظم ہند ارشاد فرما کر حضرت شارح بخاری کے علوئے مرتبت اور ان کے تبحر علمی کو اجاگر فرما دیا۔

ایسے ہی "کتاب شارح بخاری" مولفہ علامہ یٰسین اختر مصباحی بانی دار القلم دلی نے بھی حضور سید العلما قدس سرہٗ مارہرہ مطہرہ کا قول نقل کیا ہے جس سے حضرت شارح بخاری کے تفقہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

ایک بار فرمایا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے حضرت صدر الشریعہ کے بارے میں فرمایا کہ تفقہ جس کا نام ہے وہ موجودہ علما میں مولوی امجد علی میں زیادہ پایئے گا اور اب میں کہتا ہوں کہ چند بزرگوں کو چھوڑ کر تفقہ جس کا نام ہے وہ ہمارے مفتی شریف الحق صاحب میں زیادہ پایئے گا۔

محمد نظام الدین قادری رضوی

شیخ الحدیث مدرسہ تنویر الاسلام، امرڈوبھا، بستی

نزھۃ القاری! اپنی مثال آپ

مناظر اہل سنت علامہ محمد حسن علی قادری رضوی بریلوی، بانی و سرپرست بزم انوار رضا اہل سنت،
خطیب جامع مسجد فریدیہ میلسی، پنجاب (پاکستان)

مفتیِ شریعت، فقیہ الامت، فقیہِ کبیر، محدثِ شہیر مولانا علامہ الحاج مفتی محمد شریف الحق صاحب القادری الرضوی الامجدی دامت برکاتہم

ہدیہ سلام مسنون۔ ادعیہ خلوص مشحون۔ نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری کی مقدس تکمیل پر پُر خلوص و پُر سرور مبارک باد و صد ہزار مبارک باد مولیٰ تبارک تعالیٰ اپنے حبیب و محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقۂ عظمیٰ اور مشائخ سلسلہ کی برکت سے دنیا و آخرت میں آپ کو بہتر سے بہتر جزائے خیر مرحمت فرما کر ممنون کرم و احسان فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

سبحان اللہ، ماشاء اللہ، بارک اللہ نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری اپنی مثال آپ ہے۔ کسی بھی حیثیت سے اس میں تشنگی اور کسی بھی قسم کی کمی محسوس نہیں کی جاتی۔ ہر جہت سے قابلِ فخر جامعیت ہے۔ مختلف عنوانات و موضوعات پر دلائل و شواہد سے بھرپور حوالہ جات کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آتا ہے۔ فقیر کے پیشِ نظر حضرت مولانا محمود احمد رضوی مرحوم خلف اکبر مفتی اعظم پاکستان علامہ ابو البرکات سید احمد صاحب قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی فیوض الباری، شیخ المعقول علامہ غلام رسول (دامادِ محترم سیدنا محدثِ اعظمِ پاکستان علیہ الرحمۃ والرضوان) کی تفہیم البخاری، حضرت صدر العلما علامہ سید غلام جیلانی امجدی اشرفی علیہ الرحمہ کی بشیر القاری شرحِ صحیح بخاری وغیرہ بھی ہیں۔ مگر قطعاً کوئی مبالغہ نہیں کہ اردو زبان میں نزھۃ القاری اپنی مثال آپ ہے۔ آپ پر آقاؤں کا کرم ہے آپ نے بفضلہٖ تعالیٰ اہل سنت کا سر فخر سے بلند فرمادیا۔ سیدنا صدر الصدور صدر الشریعت، سیدنا مفتی اعظم، نائب اعلیٰ حضرت، مظہر صدر الشریعہ محدث اعظم پاکستان، اور حافظِ ملت قُدِّسَتْ اسرارہم کی خوشہ چینی کا حق ادا کردیا۔ جامعہ اشرفیہ کا نام روشن فرمادیا۔ فقیر نزھۃ القاری سے بلا تردد و بلا تکلف حوالہ نقل کردیتا ہے۔ آپ نے مسلمانان اہل سنت کو ہزاروں کتب کی ورق گردانی سے بے نیاز کردیا۔ انشاء اللہ یہ

عظیم الشان شرح محدثین، محققین اور مصنفین کے لئے مشعل راہ ہوگی اور بفضلہٖ تعالیٰ آپ کا فیض صبح قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔ یہ فقیر قادری گدائے رضوی نہ صرف جناب کو بلکہ جامعہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ، ارباب اہتمام کو اور نزہۃ القاری کی تدوین میں آپ کے جانثار معاونین کو اور نزہۃ القاری شائع کرنے والے احباب کو پرخلوص مبارک باد وہدیہ تبریک پیش کرتا ہے۔

والسلام والدعا

الفقیر **محمد حسن علی** الرضوی البریلوی غفرلہ الولی

میلسی (پاکستان)

۱۱؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ

گلشن اہلِ سنّت کا شگفتہ پھول

مرشد طریقت حضرت مولانا سید کمیل اشرف الاشرفی الجیلانی جانشین حضور مخدوم ثانی
رسولپور، درگاہ کچھوچھہ مقدسہ، امبیڈکر نگر (یوپی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

آج میں اپنے ایک عظیم محسن اور وقت کے جلیل القدر عالم دین کی دینی خدمات اور ان کی پاکیزہ و مقدس تصنیف ''نزھۃ القاری شرح بخاری'' کی تکمیل پر انتہائی عالم مسرت میں دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ یہ پروردگار عالم کا بے پایاں کرم اور اس کے محبوب سید عالم ﷺ کی نگاہِ رحمت اور میرے بزرگوں کا روحانی فیضان ہے کہ حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب کو شرح بخاری لکھنے کی سعادت عظمیٰ حاصل ہوئی۔ حضرت علامہ بہت سی خوبیوں کے جامع ہیں آپ بہترین عالم، عظیم مفکر، بے مثل مورخ، بے نظیر محقق، صاحب تصانیف کثیرہ، رئیس المناظرین اور فقیہ عصر ہیں مسائل شرعیہ میں عمیق نظر رکھتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بریلی شریف کے دارالافتاء میں ایک طرف استفتا کی بھر مار دیکھی اور دوسری طرف جواب دینے میں آپ کی انتہائی مصروفیت دیکھی۔ آپ کا خطاب نائب مفتیٔ اعظم کا تھا.. مگر.. تبحر علمی اور فتاویٰ نویسی کی عظیم صلاحیت کی بنیاد پر آپ کے ہاتھوں سارا کام حضور مفتی اعظم کا ہو رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے اور آپ کے نوشتہ فتاویٰ پر حضرت کو اعتماد کلی حاصل تھا اور اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت علامہ کا قلم ایک محتاط قلم ہے۔

میدان خطابت میں بھی آپ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ مجھے اپنی زندگی کا وہ سنہری دور یاد آرہا ہے جب ہندوستان کے مختلف جلسوں اور کانفرنسوں میں اکابر علما کرام کے ساتھ میری شرکت ہوا کرتی تھی، لیکن حضور والد محترم شیخ طریقت سید طفیل احمد الاشرفی الجیلانی المعروف حضور مخدوم ثانی کے وصال کے بعد خانقاہ مخدوم ثانی کی تعمیر، دارالعلوم محبوب یزدانی کی ترقی، اور عزیزہ مسلم گرلس اسکول کی بقا کے لئے میں مصروف ہو گیا۔ پھر احباب طریقت کی ذمہ داریوں اور حضور مخدوم ثانی کے عطا کردہ وظائف کی پابندیوں نے مجھے خانقاہ کی طرف متوجہ کر دیا۔ اور میری زندگی ایک خانقاہی زندگی ہو گئی۔ اور خدمت دین کا جذبہ ہمیشہ کار فرما رہا۔ اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری

رہا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہندوستان کے اکثر و بیشتر جلسوں میں اور خصوصیت سے اُورئی، جھانسی، جالون اور اس کے مضافات میں کبھی کبھی مستقل مہینوں تک جلسوں کا پروگرام ہوتا تھا۔ جس میں حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب اور مفتیٔ نان پارہ حضرت مولانا مفتی رجب علی صاحب علیہ الرحمہ کے ساتھ ہماری بھی شرکت ہوتی رہی۔ ہم جس جلسے میں پہونچے اس میں حضرت نائب مفتیٔ اعظم کی ایک امتیازی شان دیکھی۔ اور الحمد للہ آپ نے وہاں سنّیت کا پرچم لہرایا اور جاں نثارانِ مصطفیٰ نے نعرۂ تحسین بلند کیا۔

آپ نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے نشیب و فراز دیکھے بعض مسائل کی تحقیقات کے جزوی اختلافات بھی دیکھے لیکن آپ نے اپنے قلم سے کبھی اپنوں کی دل آزاری نہیں کی اور نہ کبھی انھیں تعصب کی ایسی نگاہ سے دیکھا جس سے ہزاروں علمائے اہلسنّت کی عقیدت کا نورانی محل مسمار ہو جائے۔ اور آپس میں باہمی تعلقات شیر و شکر کے بجائے ناساز گار ہو جائیں۔ حضرت علامہ موصوف اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ علم و معرفت، فکر و تدبر کی بنیاد پر فقہ کے کسی بھی جزوی مسئلہ میں اگر ہمارے اسلاف کرام کا اختلاف رہا تو وہ محض دلائل و براہین تک محدود رہا اور باہمی عزت و احترام کی ہمیشہ پاسداری کی گئی۔ ہم سب کیلئے ان بزرگوں کی زندگی مشعل راہ ہے۔ حضرت سیدنا امام شافعی علیہ الرحمہ کو جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو اکثر امام اعظم ابو حنیفہ کے مزار اقدس پر حاضر ہو کر امام اعظم کے وسیلہ سے خدا سے دعا مانگتے تھے اور آپ کی دعا بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوتی تھی۔

بزرگانِ دین کی بارگاہوں سے بھی آپ کا خاص تعلق ہے کبھی بریلی شریف کے عرس میں آپ کمالِ عقیدت سے حاضر ہوئے اور کبھی مارہرہ شریف کے عرس مبارک میں علمائے کرام کے ساتھ سالار قافلہ نظر آئے یہی وجہ ہے کہ جہاں آپ بریلی شریف اور مارہرہ شریف کے آستانوں پر عقیدت مندانہ حاضر ہوئے وہیں اجمیر شریف خواجہ غریب نواز اور کچھوچھہ مقدسہ حضور غوث العالم کی بافیض بارگاہ میں بھی نیاز مندانہ نظر آئے۔ حضرت والد محترم حضور مخدوم ثانی علیہ الرحمہ کے عرس پاک کے موقع پر جب بھی آپ کو یاد کیا گیا علمائے کرام کی ایک جماعت لئے ہوئے آئے جس میں حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اور خصوصاً فاضل جلیل محبی جناب مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری بھی بڑی والہانہ محبت سے حاضر ہوئے۔ اور اس موقع پر ہم محب محترم مفسر قرآن حضرت مولانا عبد اللہ صاحب عزیزی کو نظر انداز نہیں کر سکتے جو ہمیشہ عقیدت و محبت کے ساتھ الجامعۃ الاسلامیہ روناہی ضلع فیض آباد کے علمائے کرام کو ساتھ لیکر حاضر آستانہ ہوئے ہیں۔ اللہ والوں کے آستانوں سے شارح بخاری کی یہ حسن عقیدت اس بات کی آئینہ دار ہے کہ آپ بہت سی خوبیوں کے جامع ہیں۔ اور دوسرے الفاظ میں اسے میں یوں کہوں کہ یہ گلشن اہلسنّت کے ایک ایسے پھول ہیں جس میں شریعت و طریقت دونوں کی خوشبو پائی جاتی ہیں۔

اس عین حقیقت کو فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ پیکر عقیدت و محبت بن کر حضور محدث اعظم ہند کی خدمت میں آپ کی حاضری اکتساب فیض کا ذریعہ بنی۔ اور آپ حضرت کی پُر خلوص دعاؤں سے سرفراز ہوئے۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں نیاز مندانہ آپ کی حاضری جہاں آپ کی حسن عقیدت کی نشان دہی ہے وہیں حضرت کی پُر خلوص دعاء آپ کی سرفرازی کی روشن دلیل ہے۔ حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب رضوی اعظمی علیہ الرحمہ اور میرے محترم اور کرم فرما استاذ جلالۃ العلم حضرت حافظ ملت کی بارگاہ میں کمال عقیدت و محبت سے آپ کا قیام اور آپ کی نشست کا نتیجہ یہ رہا کہ آپ علم شریعت اور علم طریقت سے ایسا فیضیاب ہوئے کہ بریلی شریف پہونچے تو وہاں نائب مفتی اعظم بن گئے اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور پہونچے تو شارح بخاری بن گئے۔

جمال ہم نشین درمن اثر کرد

"انھیں علمائے دین اور ہمارے اولیائے کاملین کا یہ فیض روحانی ہے کہ آج نزھۃ القاری شرح بخاری ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ مولائے کریم اسے مقبول خاص وعام فرمائے۔ اور امت رسول کریم ﷺ اس سے ہمیشہ مستفید ہوتی رہے اور شارح بخاری کے لئے یہ سرمایۂ آخرت اور ذریعۂ نجات ہو اور گلشن اہلسنت کا یہ شگفتہ پھول ہمیشہ رونق بزم رہے اور سدابہار رہے۔"

سید کمیل اشرفی جیلانی

☆☆☆☆☆

قابل فخر ولائق تقلید کارنامہ

پیر طریقت حضرت مولانا سید شاہ فخر الدین اشرف صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین آستانہ عالیہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف

باسمہٖ تقدس و بحمدہٖ تعالیٰ

والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ

علم وفضل کے تاجدار قابل صد افتخار صاحب وقار شارح بخاری حضرت علامہ ومولانا مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی مدظلہٗ کی ہمہ گیر شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ دینی وملی خدمات کے سلسلے میں فروغ سنّیت ومسلک اعلیٰحضرت کیلئے زندگی بھر جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ تحریر وتقریر، تدریس وافتا، کے ذریعہ حق گوئی وبے باکی وغیرہ کی اس دورِ اخیر میں قابل تقلید مثال قائم کی ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں شریعت مطہرہ کا پاس ولحاظ اور رسول گرامی وقار مختار کل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم کی پاکیزہ سنتوں سے بے پناہ قلبی لگاؤ۔ احقاق حق وابطال باطل اور زہد وتقویٰ جیسی عظیم صفات سے متصف شخصیت کا نام ہے مفتی محمد شریف الحق۔ جو اپنے ہم عصروں میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ ایک انسان کی عظمت ورفعت اور فلاح وبہبود کے لئے مذکورہ صفات سے مزین ہونا ہی کافی ہے۔ ان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم ۔ قد افلح من تزکّی۔ عام طور پر مدارس میں درس وتدریس سے شغف رکھنے والے علمائے کرام کو لوگ صرف ایک مدرس کی حیثیت سے جانتے پہچانتے ہیں اس سے آگے عوام الناس انہیں کوئی دوسرا بلند وبالا مقام دینے کیلئے کچھ سوچ بھی نہیں سکتے یہ ان کی کم علمی ونافہمی کی دلیل تو کہی جاسکتی ہے لیکن حقیقت سے اس کا کوئی لگاؤ نہیں۔ قدر جوہر جوہری بداند، کے مصداق۔ اہل علم کی قدر شناس نگاہیں خوب جانتی ہیں کہ اسی درس وتدریس کے لباس میں ایسے ایسے لعل وجواہر اور ایسی ایسی عظیم الشان قد آور شخصیتیں بھی نظر آتی ہیں جن کے سامنے ہمالہ کی چوٹی اور ثریا کی بلندی بھی سرنگوں دکھائی پڑتی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اولیاے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سلسلۃ الذہب میں زیادہ تر ایسے ہی اولیا کرام علیہم الرحمۃ والرضوان گذرے ہیں جو درس وتدریس کی مقدس مسندوں پر جلوہ افروز رہ کر ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے اور ایک عالم کو منور ومجلّٰی فرماتے رہے قرآن وحدیث کی روشنی میں اور بزرگان دین کے فرمودات کے آئینے میں شخص بھی اپنے آپ کو شریعت مطہرہ اور سنت نبوی ﷺ کے سانچہ میں جتنا ہی زیادہ ڈھالتا جائے گا اتنی ہی زیادہ اسے مقام ولایت وقرب خداوندی کی سربلندی حاصل ہوتی جائیگی۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ.

قرآن وحدیث کی روشنی اور بزرگانِ دین کے فرمودات و معمولات کی میزان میں جب ہم ممدوح موصوف حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ کو رکھ کر دیکھتے ہیں تو ہر پہلو سے آپ کا پلہ بھاری بھرکم ہی دکھائی پڑتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

شارح بخاری حضرت مفتی صاحب قبلہ کی عظیم تر دینی خدمات کے سلسلے میں بخاری شریف کی شرح ہے جو حدیث پاک کی سب سے زیادہ عظیم الشان کتاب ہے جسے یہ شرف حاصل ہے کہ "اصح الکتب بعد کتاب اللہ، صحیح البخاری" قرآن شریف کے بعد سب سے زیادہ صحیح تر کتاب بخاری شریف ہے۔

اس صحیح البخاری شریف کی شرح نزھۃ القاری فی شرح البخاری کے نام سے حضرت شارح بخاری نے حدیث پاک کی جو عظیم خدمت انجام دی ہے صبح قیامت تک انشاء اللہ العزیز ان کا فیضان جاری و ساری رہے گا۔

اردو زبان میں اپنی گوناگوں خصوصیات کے باعث یہ شرح بے نظیر و بے مثل ہے۔ زبان شستہ، سلیس، عام فہم ایسی کہ عوام و خواص سب کے لئے یکساں مفید، انداز بیان انوکھا، صاف ستھرا، پیچیدگیوں سے مبرا، دلائل و براہین کا مرقع، بدمذہبوں کے گندے و گھناؤنے عقائد کی بیخ کنی کے لئے شمشیر بُراں، احقاق حق و ابطال باطل کا بے نظیر مرصع جو یقیناً حدیث پاک کی کتاب صحیح البخاری شریف کی اردو زبان میں سب سے عظیم تر شرح ہے جو مستند ہونے کے ساتھ عوام و خواص سبھی کیلئے بے حد مفید اور کار آمد بھی ہے۔

یہ مفتی صاحب قبلہ کا اردو داں طبقہ پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں بے پناہ محنت شاقہ کے بعد حدیث پاک کا یہ عظیم ترین ذخیرہ قوم کو عطا فرمایا جس سے رہتی دنیا تک لوگ مستفید ہوتے رہیں گے۔ رب کریم اپنے پیارے نبی رؤف رحیم کے صدقے و طفیل اس شرح کو مقبول عام و خاص فرمائے اور شارح بخاری کو اجر جزیل و ثواب عظیم عطا فرما کر انکے درجات میں مزید ترقی مرحمت فرمائے اور انکے مقدس سایہ کو جمیع اہلسنت پر دراز فرمائے آمین ثم آمین بجاہ طٰحٰہ و یٰسٓ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

بخاری شریف کی یہ عظیم الشان شرح نزھۃ القاری جن حالات و کوائف میں اپنے ابتدائی مراحل سے لے کر تا دمِ تکمیل منصہ شہود پر جلوہ افگن ہوئی ہے ان حالات و کوائف کو سامنے رکھکر جب ہم غور و خوض کرتے ہیں تو ہمیں یقین کے ساتھ ماننا پڑتا ہے کہ یہ شارح بخاری جناب مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ مد ظلہ کی زندہ و تابندہ کرامت بھی ہے۔

اس پیرانہ سالی میں جس پر پے در پے مسلسل مختلف بیماریوں کا حملہ بھی ہوتا ہے مزید بر آں بے پناہ مصائب و آلام کا سامنا بھی۔ ساتھ ہی الجامعۃ الاشرفیہ کی ذمہ داری بھی۔ نیز ملک و بیرون ملک کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے سیکڑوں استفتا کا معمول کے مطابق جواب دیتے رہنے کی اہم ذمہ داری اپنی جگہ۔ مزید تقریر و مناظرے

وغیرہ کے اندر بھی برابر شرکت کرتے رہنااور وقت کے اہم تقاضوں کے مطابق مختلف عنوانات پر مشتمل کتابوں کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی قائم رہناوغیرہ وغیرہ یہ ایسے حالات و کوائف ہیں کہ ایسے میں بڑے بڑے جواں سال صاحب صحت و قوت علماو فضلا بھی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں،اور تھک ہار کر خاموش بیٹھ جاتے ہیں۔ لیکن قربان جایئے مفتی صاحب قبلہ کے عزم و حوصلہ پر اور آپکی ہمت و محنت کی داد دیجئے کہ اس مرد مجاہد نے تمام تر حوصلہ شکن مراحل سے خندہ پیشانی کے ساتھ نبرد آزمائی کرتے ہوئے اپنی منزل مقصود کی طرف ایک جواں سال شیر دل مرد مجاہد کی طرح اس وقت تک قدم آگے بڑھاتے ہی رکھاجب تک کہ آخری منزل تک قدم پہونچ نہیں گیا۔ جسکے نتیجے میں حدیث رسول پاک کاایک عظیم سرمایہ اردوزبان میں منتقل ہوکر قوم کے ہاتھوں میں آگیا۔ جو شارح بخاری کاپوری قوم پراحسان عظیم ہے اور آپکی کھلی ہوئی زندہ کرامت بھی۔ جسکے لئے پوری قوم اپنے اپنے انداز میں مفتی صاحب قبلہ کی بارگاہ میں ہدیہ تشکر و تہنیت پیش کرنے کے لئے مجبور و مقروض ہے۔

میں نہایت ہی خلوص و محبت کے ساتھ حضرت مفتی صاحب قبلہ کا شکریہ اداکرتاہوں اور بصمیم قلب بارگاہ رب العزت جل مجدہ میں دعاگوہوں کہ قادر قیوم ارحم الراحمین اپنے پیارے نبی رحمت محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ واصحابہ وبارک وسلم کے صدقے اپنے فضل و کرم کی شان کریمی کے مطابق حضرت مفتی صاحب قبلہ پر رحمت و نور کی بارش نازل فرمائے اور دونوں جہان میں کامیاب و سرخرو فرمائے۔ مزید وقت و حالات کے تقاضوں کے مطابق مسلک حق اہلسنت وجماعت بالفاظ دیگر مسلک اعلیٰحضرت کی خدمت واشاعت کازیادہ سے زیادہ شرف عطافرماتارہے۔

آمین ثم آمین بجاہ حبیبك سید المرسلین علیه افضل الصلوٰة واکمل التسلیم

دعاگو

خاکپاے اولیا سید فخرالدین اشرف الاشرفی الجیلانی

متولی وسجادہ نشین آستانہ عالیہ مقدسہ سید شاہ سلطان مخدوم اشرف السمنانی۔

کچھوچھہ شریف درگاہ رسول پور بسکھاری ضلع امبیڈکر نگر (یوپی) انڈیا

☆☆☆☆☆

احترام نسبت

محبوب المشائخ حضرت محمد محبوب میناشاہ سجادہ نشین آستانۂ عالیہ مینائیہ مینانگر۔ کربلا روڈ، گونڈہ (یوپی)

بسم اللہِ الرحمٰنِ الرّحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلّی علیٰ رسُولہِ الکریم

شارح بخاری نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ دام بالمواہب ہندوپاک میں طبقاتِ علما کے سرخیل ومرجع اور مشائخ کرام کی بہترین خوبیوں کے امین ہیں غوثِ زمن حضور سیدنا مصطفیٰ رضاخاں مفتیٔ اعظم ہند جنکے شعبۂ حیات کی ہر ہر ادا میزانِ شریعت پر تلی ہوئی۔ نیز قسطاسِ طریقت پر نپی ہوئی تھی۔ یہ شعر حقیقتِ واقعہ کا اعلامیہ ہے ؎

جن کی ہر ہر ادا سنّتِ مصطفیٰ

انکی نورانی صورت پہ لاکھوں سلام

دراصل مفتیٔ اعظم ہند کی محبت کیمیااثر سے حضرت شارح بخاری بے ریاصوفی کی حیثیت سے بھی ممتاز نظر آتے ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ "الحب للہ والبغض للہ" اللہ کیلئے دوستی کرنا اللہ کیلئے دشمنی کرنا۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور مومنین مخلصین کا طرۂ امتیاز رہا ہے بلکہ یہی وصف عشق و محبت کی بنیاد ہے یہ نہیں تو آدمی محض جوگی ہے جو نفعِ عاجل کی خاطر مزاج وطبع کے مطابق عمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔

مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت یہ تھی کہ کوئی اُن سے پوچھتا کہ آپ کا حسب ونسب کیا ہے تو آپ جواب دیتے اسلام پھر پوچھتا آپ کے باپ کا نام کیا ہے تو آپ ارشاد فرماتے۔ اسلام

یہ نظریہ ارباب تعلق کا نہیں ہے بلکہ اصحاب عشق کا ہے یہی نظریہ ریا سے خالی ہے۔ حضور سیدنا مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ الجامعۃ الاشرفیہ کی تاسیسی کانفرنس میں مبارکپور تشریف لے گئے۔ اس کانفرنس میں اتفاق سے خانوادۂ خواجہ سمناں شاخ بسکھاری کے سجادہ نشین بابو میاں صاحب بھی موجود تھے۔ مفتیٔ اعظم ہند سے بات وملاقات چاہتے تھے مگر ان کے آباء واجداد کے بارے میں مشہور تھا کہ دیوبندیوں کے کفریات مبینہ ومتعینہ کے باوجود اُن سے

دور و نفور نہیں رہتے تھے یا حامیوں میں سے تھے۔ الحب للہ البغض للہ کے پیش نظر آپ نے بابو میاں سے سلام و کلام کرنے سے انکار فرمادیا مگر بابومیاں آہی گئے آگے کی سرگزشت بحر العلوم علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ اعظمی کی زبانی سنئے۔

"بابو میاں نے کہا میں کبرائے دیوبند کی تکفیر میں ساری دنیا کے اہل اسلام کا ساتھی ہوں چنانچہ انھوں نے اس مضمون کی دستخطی تحریر مفتی اعظم ہند کے حضور پیش کی اس وقت لوگوں نے عجیب و غریب منظر دیکھا حضور مفتی اعظم ہند نے بابو میاں سے فرمایا صاحبزادے! آپ ذرا کھڑے ہو جائیں۔ نہ تو بابو میاں نے یہ سمجھا کہ یہ حکم کیوں ہو رہا ہے نہ مجلس میں بیٹھنے والے ہی کچھ سمجھ سکے مگر جب حکم پا کر بابو میاں کھڑے ہوئے تو حضور مفتی اعظم ہند نے باآں شان و جلال و باآں عظمت و تقدس و باآں ریش سفید و رفعت پیری ایک سبزہ آغاز نوجوان (بابو میاں) کا پیر دونوں ہاتھ سے پکڑ لیا ڈبڈبائی آنکھیں ان کے چہرے کیطرف اٹھا کر فرمایا صاحبزادے! ہم تو آپ کے خانہ زاد غلام ہیں ہمارے پاس جو کچھ ہے آپ کے جد مکرم ہی کا دیا ہوا ہے ہم نے شروع میں جو کیا آپ ہی کے جد کریم کے حکم کی بجا آوری اور انھیں کے دین کا پرچم بلند کرنے کیلئے کیا۔ (مفتی اعظم نمبر رضا دار المطالعہ پوکھریرا)

اسی سے ملتا جلتا واقعہ حضور شارح بخاری کا خود میرے ساتھ گذرا ہے، جسکی سرگزشت اس طرح ہے کہ اس ناچیز کو بیعت و خلافت شیخ وقت حضرت سیدنا مخدوم اکرام میناشاہ علیہ الرحمہ گونڈہ شریف سے حاصل ہے پیر کی مقناطیسیت نے مجھے گھر بار سب کچھ تج دینے پر مجبور کر دیا۔ میں عالم جوانی ہی میں وطن سے دور پیر و مرشد کی خدمت میں رہنے لگا جب آپکا وصال ہو چکا تب بھی شیخ کے تصرف نے مجھے اپنی چوکھٹ کا اسیر بنائے رکھا چونکہ مزار شریف کی دیکھ ریکھ کے سوا میرا دوسرا کام نہیں تھا ہاں شیخ اپنی زندگی ہی میں ایک دار العلوم کے قیام کا اشارہ فرما چکے تھے۔ مزار شریف کے متصل کافی زمینیں بھی تھیں میں نے مدرسہ امیر العلوم مینائیہ کی بنیاد ڈالدی تھوڑے ہی دنوں میں ادارہ کی نمایاں ترقی ہونے لگی۔ بعض علمائے ظاہر کو میرا یہ اقدام کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا اور خود ساختہ فکر و اعتقاد کو میری جانب منسوب کرنے لگے حتیٰ کہ حضرت شارح بخاری اس کانوں پڑی آواز سے شدید برہمی کا اظہار فرمانے لگے جو الحب للہ و البغض للہ کا تقاضا تھا۔ بے ریا زندگی کا تمغۂ امتیاز تھا مگر شدہ شدہ بعض علمائے کرام جو مجھ سے واقف تھے انھوں نے حضور شارح بخاری سے عرض کیا کہ حضور بابا صاحب کا موقف وہی ہے جو علمائے اہلسنت کا ہے اور ماشاء اللہ حضرت بابا صاحب حضرت سید العارفین قدوۃ السالکین سیدنا قاضی ضیاء الدین عرف شیخ ضیا میاں علیہ الرحمہ کی اولاد میں سے ہیں جو سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ کے عظیم و جلیل شیخ طریقت ہیں۔

۲

خانۂ دل کو ضیا دے روئے ایماں کو جمال
شہ ضیا مولیٰ جمال الاولیا کے واسطے

....

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضا
بول بالے مری سرکاروں کے

یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ میں سنّی اور خادم سنیت ہوں اور ان کے سلسلے کے بزرگ کی اولاد میں سے ہوں۔ حضرت شارح بخاری مدظلۂ العالی کا عشق بڑھا اور مجھے وہ عزت عطا فرمائی کہ شاید تادمِ زیست نہ بھول سکوں۔ میں اکثر سوچتا رہتا ہوں کہ حضرت شارح بخاری کے قلبِ طاہر میں جب نسبتِ شیخ کی یہ وقعت ہے تو نسبتِ رسول پر یہ کس قدر پروانہ وار نثار ہوتے ہوں گے۔ اخیر میں اس جملۂ حسرت سے رخصت ہوتا ہوں کہ ؎

بہت روئے گی ترے بعد میری شامِ تنہائی

☆☆☆☆☆

محمد محبوب میناشاہ
سجادہ نشین آستانہ مینائیہ
کربلا روڈ، مینانگر، گونڈہ

صدر الشریعہ اور حافظ ملت کی امانت

پیر طریقت حضرت مولانا الحاج مفتی عبد الحلیم رضوی اشرفی ناگپوری

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

ذو المجد والکرم حضرت مولانا عبد الحق صاحب قبلہ زید مجد کم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عوافی مطلوب! آپ کے مبارک ہاتھوں سے شارح بخاری کا تحفہ میرے لئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھا۔ عدیم الفرصتی کے سبب بالاستیعاب مطالعہ نہ کر سکا البتہ کہیں کہیں سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ طرز بیان عمدہ انداز تحریر دلنشیں ہے اور کیوں نہ ہو سوانح حیات شارح بخاری کی اور قلم سکہ رائج الوقت ادیب شہیر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی کا۔

خیال آیا تھا کہ میں بھی حضرت شارح بخاری کے تعلق سے کوئی مقالہ قلم بند کروں لیکن افسوس اس سعادت سے محروم رہا۔ عرس حافظ ملت اور جلسہ دستار بندی کی واپسی کے چند دنوں بعد ہارٹ کی تکلیف پھر عود کر آئی اور چند دنوں کے لئے ہوسپٹل میں بھرتی ہونا پڑا۔ ڈاکٹر کی پابندیوں کے ساتھ ساتھ گرانی کا انتظار ہے دعا فرمائیں ڈاکٹروں کے شکوک وشبہات سے مولیٰ تعالیٰ مامون ومحفوظ رکھے۔

اس دور قحط الرجال میں فقیہ عصر شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی مد ظلہ العالی کی ذات بابرکات اہل سنت کے لئے بڑی غنیمت ہے۔ موصوف اپنے حسن گفتار، اعلیٰ کردار اور بلند اخلاق میں اپنے بزرگوں کا نمونہ ہیں۔ زیارت کیجئے تو دیکھتے رہئے، تکلم ریز ہوں تو سنتے رہئے، ان کی بافیض مجلس میں بیٹھئے تو اٹھنے کا جی نہ چاہے۔ عبادت وریاضت، تقویٰ وطہارت، جود وسخاوت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ نہ جانے کن کن گلستان علم وفضل سے اپنے دامن میں پھولوں کو سمیٹا، نہ جانے کن کن خرمن طریقت سے رموز واسرار کے ذخیرے جمع کئے، شریعت وطریقت کا سنگم، سیدی سرکار مفتی اعظم ہند کی یادگار حضور صدر الشریعہ اور حضور حافظ ملت کی امانت، نہ جانے کیسی کیسی خوبیاں ہیں شخص واحد میں۔

آپ حضرات قابل صد افتخار اور لائق صد رشک ہیں جنھوں نے اس عظیم امانت کو سنبھال رکھا

ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے بخاری شریف کی شرح لکھ کر سنیت کا سر اونچا کر دیا ہے۔ یہ ایسی حسین یادگار ہے جسے دنیا ہمیشہ یاد رکھے گی۔

زمانہ کس طرح سے بھول جائے گا بھلا ان کو　　　شرح لکھ کر بخاری کی جنھوں نے زندگی پالی

میرا وجدان عقیدت کہہ رہا ہے اگر اس دور میں علم دوست سلاطین ہوتے تو انھیں چاندی سے نہیں سونے سے تولتے۔ قابل تحسین اور لائق مبارکباد ہیں رضا اکیڈمی ممبئی والے جنھوں نے شارح بخاری کو ان کی خدمات دینی سے متاثر ہو کر خصوصی اعزاز دینے کا عزم مصمم کیا ہے۔ اس حسین کارنامے سے جہاں حضرت شارح بخاری کی حوصلہ افزائی ہوگی وہیں بعد والوں کے لئے ترغیب کا سبب بنے گا۔

میں حضرت شارح بخاری کے لئے قلب کی گہرائیوں سے دعاگو ہوں مولائے کریم حضرت شارح بخاری دام ظلہ العالی کو عمر خضر عطا فرمائے تاکہ دنیائے سنیت ان کے زیر سایہ پروان چڑھتی رہے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

حضرت شارح بخاری کی خدمت میں نیک تمناؤں کے ساتھ سلام عقیدت و محبت پیش فرمادیں۔

آپ کا

محمد عبد الحلیم

رضا کالونی، شانتی نگر ناگپور

۹/ اکتوبر ۱۹۹۹ء

نذرِ عقیدت

(ح) حاجی الحرمین نقیب عشق سرور کونین
(ض) ضیغم سنیت ضر غام غوث الثقلین
(و) وقف مسلک رضویت سفیر مملکت قادریت
(ر) راقم نزہت القاری وارفتہ سیرت حسنین

شارح بخاری فقیہ اعظم ہند علامہ **مفتی محمد شریف الحق** صاحب امجدی مدظلہ العالی

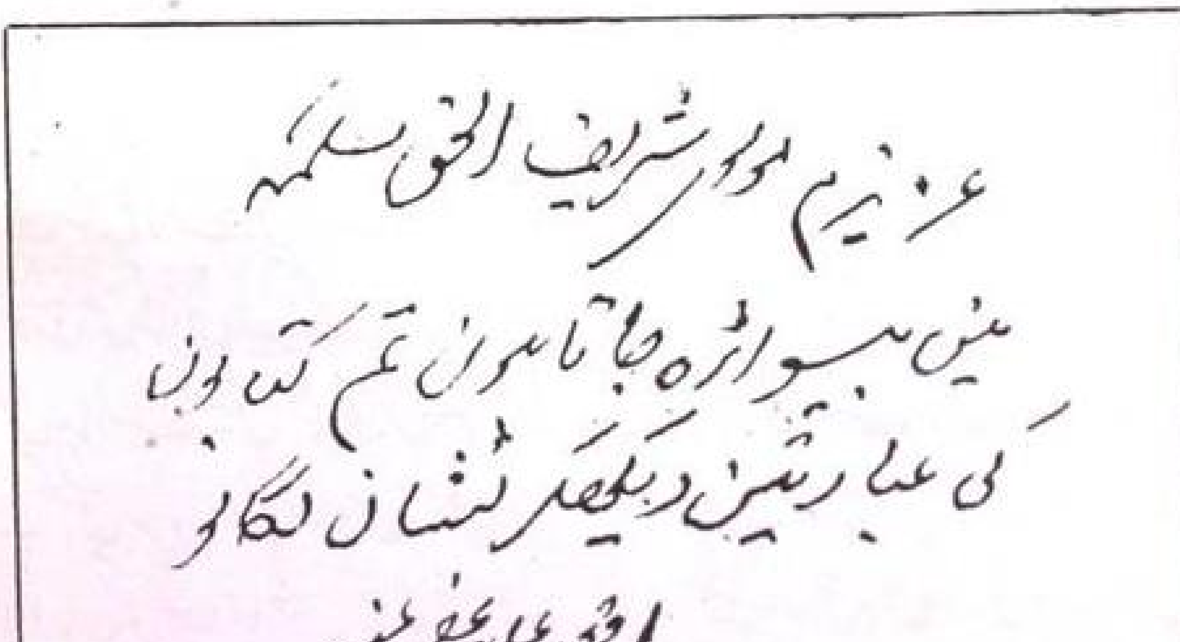
(م) محبتوں شفقتوں کا مرکز مرحمتوں کا مہِ درخشاں — محبِ علما معینِ طلبا منارِ علم و عمل فروزاں
(ف) فراستِ فکر و فنِ رازی فہیمِ افہام، فقر ساماں — فقیہِ افتا فروز و فرحاں، فقیرِ طیبہ فصیحِ دوراں
(ت) تفاخرِ درس علم نبوی، تجملِ معقولات شرعی — تحملِ تفقہِ بخاری تحفظِ لفظیات تاباں
(ی) یقینِ عظمت، یدِ سخاوت، یمِ عنایت یمینِ یاور — یگانۂ ارمغانِ دانش، وبکہ یاسمونِ یاراں
(ش) شرافتوں کا شفیق پیکر، شعار سنت شعور مدحت — شمامۂ گلستانِ امجد شگفتگیِ رضا بہاراں
(ر) ریاضِ راحت رسوخِ رحمت رفیقِ نزہت رئیسِ رفعت — رہِ شریعت کا رکنِ اعلیٰ رضا کی فکر و نظر کا احساں
(ی) یہ یادِ غوث الوریٰ میں شاداں، یہ یا کوئے نبی پہ نازاں — یہی مسرت یہی رفاقت یہی ہے بزمِ وفا کا نگراں
(ف) فضائے فصلِ بہار نسبت فصیلِ شہر فیوض و برکت — فضیلتوں کا فروغ و فائق فطانتوں میں فزوں فراواں
(ا) اسیرِ آدابِ عشقِ سرور امیرِ احساس و فکرِ اطہر — ادیب ارفع امینِ ارشد ارادۂ التفات نظراں
(ل) لطافتوں کا لسان و لہجہ لیاقتوں کا لحاظ و لمعہ — لئیق و لائق لوائح نوری لطیف لطف و کرم بداماں
(ح) حدیقۂ حزم بو حنیفہ حصول بوالفیض دین و ملت — حریف بدعت حلیف سیرت حنیف و حامی حصین ایماں
(ق) قسیمِ علمِ شہِ مدینہ قناعتوں کا حسیں قرینہ — قلم کی مشعل قرار بیکل قبول قیمت پہ صدقے جاواں

●

پیش کش: حسان الہند، پدم شری حضرت بیکل اتساہی سابق ایم پی، (بلرام پور

عکس تحریر مبارک
حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ

یہ تحریر مبارک ان دنوں کی ہے جب کہ شارح بخاری، حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ العزیز کے زیر سایہ اپنے وطنِ مبارک، قصبہ گھوسی میں فتوی نویسی کی تربیت حاصل کر رہے تھے۔ غالباً یہ تحریر حضرت صدر الشریعہ کی آخری تحریر ہے :



عزیزم مولوی شریف الحق سلمہ

میں سو اٹھ جاتا ہوں تم کتب لغہ کی عبارتیں دیکھ کر نشان لگا لو

امجد علی عفی عنہ

سلامی جا بجا ارض و سما دیں ؛ مہ و خورشید پیشانی جھکا دیں
ترے خُدّام اے صدرِ شریعت ؛ جدھر جائیں فرشتے پر بچھا دیں

باب دوم

تجھ میں خو، اور بو، شبِ دوشیں کے میخواروں کی ہے
صالحیں اسلاف کا تو جامع اطوار ہے

آئینۂ حیات

قادری، رضوی، مصطفوی تو، امجدی اور عزیزی بھی تو　　برکاتی برکات کا حامل، مفتی دوراں زندہ باد

نور کی کڑیاں شجرہ تیرا، عرب و عجم میں شہرہ تیرا　　آل نبی کی آل سے واصل مفتی دوراں زندہ باد

گنجِ حقائق تیرا فتویٰ، اور مثالی تیرا تقویٰ　　کہتے یہی ہیں عالم و فاضل مفتی دوراں زندہ باد

عابد و زاہد تیرا گھرانا، اطیب و اکمل شانہ بشانہ　　روشن ہے تیرا مستقبل، مفتی دوراں زندہ باد

(اوجؔ اعظمی)

باسمہ عزوجل

مفتی محمد نسیم احمد مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی ماہ وسال کے آئینے میں

واقعات		ماہ قمری سنہ ہجری			ماہ شمسی سنہ عیسوی		
		تاریخ	مہینہ	سنہ ہجری	تاریخ	مہینہ	سنہ عیسوی
ولادت		۱۱	شعبان	۱۳۳۹	۲۰	اپریل	۱۹۲۱
دار العلوم اشرفیہ میں داخلہ [۱]		۱۴	شوال	۱۳۵۳	۱۶	جنوری	۱۹۳۵
بیعت۔ بدست حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ			صفر	۱۳۵۹		مارچ	۱۹۴۰
داخلہ مدرسہ اسلامیہ اندر کوٹ میرٹھ		۱۳	محرم	۱۳۶۱	۲۱	جنوری	۱۹۴۲
داخلہ مدرسہ مظہر اسلام مسجد بی جی بریلی شریف			شوال	۱۳۶۱		اکتوبر	۱۹۴۲
تقریب ختم بخاری شریف		۲۹	جمادی الآخرہ	۱۳۶۲	۳	جولائی	۱۹۴۳
دستار بندی		۱۴	شعبان	۱۳۶۲	۱۶	اگست	۱۹۴۳
خلافت سلسلہ رضویہ بدست حضرت صدر الشریعہ		۲۱	شوال	۱۳۶۷	۲۶	اگست	۱۹۴۸
مسند افتاء پر رونق افروزی [۲]		۲۰	شوال	۱۳۷۸	۲۹	اپریل	۱۹۵۹
خلافت سلسلہ رضویہ اوران تمام سلاسل کی جو النور والبہا میں مذکور ہے		۱۷	رمضان	۱۳۸۱	۱۲	فروری	۱۹۶۲
تدریسی خدمات							
مدرسہ بحر العلوم مئو	از	۱۴	ذیقعدہ	۱۳۶۲	۱۳	دسمبر	۱۹۴۳
....	تا	۸	جمادی الآخرہ	۱۳۶۳	۳۱	مئی	۱۹۴۴
مدرسہ خیر الاسلام حسین آباد جپلہ ضلع پلاموں بہار	از	۱۵	جمادی الآخرہ	۱۳۶۳	۷	جون	۱۹۴۴
....	تا	۱۶	ربیع الآخر	۱۳۶۴	یکم	اپریل	۱۹۴۵

[۱] اس کے قبل ۱۰ر شوال کو دار العلوم اشرفیہ مدرسہ مصباح العلوم کی بنیاد رکھی گئی۔
[۲] حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے دستار باندھ کر شعبۂ افتا سپرد فرمایا۔

واقعات		تاریخ	مہینہ	سنہ ہجری	تاریخ	مہینہ	سنہ عیسوی
		ماہ قمری سنہ ہجری			**ماہ شمسی سنہ عیسوی**		
مدرسہ حنفیہ مالیگاؤں ضلع ناسک	از	۲۲	ربیع الآخر	۱۳۶۴	۶	اپریل	۱۹۴۵
	تا	۹	شوال	۱۳۶۴	۱۷	ستمبر	۱۹۴۵
مدرسہ عین العلوم بیت الانوار گیا بہار	از	۱۰	شوال	۱۳۶۴	۱۸	ستمبر	۱۹۴۵
	تا	۹	شوال	۱۳۶۶	۲۶	اگست	۱۹۴۷
مدرسہ شمس العلوم قصبہ گھوسی، ضلع مئو	از	۱۴	ذی الحجہ	۱۳۶۶	یکم	اکتوبر	۱۹۴۷
	تا	۱۸	ذیقعدہ	۱۳۷۳	۶	جولائی	۱۹۵۴
مدرسہ فضل رحمانیہ، پچپڑوا ضلع گونڈہ	از	۲۰	ذیقعدہ	۱۳۷۳	۲۱	جولائی	۱۹۵۴
	تا	۱۰	شعبان	۱۳۷۵	۲۴	مارچ	۱۹۵۶
مدرسہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی بریلی شریف	از	۲۴	شوال	۱۳۷۵	۴	جون	۱۹۵۶
	تا	۲۷	ذی الحجہ	۱۳۸۶	۸	اپریل	۱۹۶۷
جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور	از	۲۷	محرم	۱۳۸۶	۸	مئی	۱۹۶۷
	تا	۸	ربیع الآخر	۱۳۹۵	۲۰	اپریل	۱۹۷۵
مدرسہ ندائے حق جلال پور ضلع امبیڈکر نگر	از		ربیع الآخر	۱۳۹۵		اپریل	۱۹۷۵
	تا	۶	ذی الحجہ	۱۳۹۶	۲۷	نومبر	۱۹۷۶
جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ میں بحیثیت صدر شعبۂ افتا	از	۲۳	ذی الحجہ	۱۳۹۶	۱۳	دسمبر	۱۹۷۶
	تا		حال			حال	
گورنر اتر پردیش کے ایم منشی کی کتاب [1] "لیجسلیٹیو لیڈرز" کے خلاف احتجاج			محرم	۱۳۷۶		ستمبر	۱۹۵۶
"اشرف السیر" کی تصنیف		۲۷	محرم	۱۳۸۸	۲۶	اپریل	۱۹۶۸
"اسلام اور چاند کا سفر" کی تصنیف		۱۶	شوال	۱۳۹۱	۵	دسمبر	۱۹۷۱
قید [2] گونڈہ جیل میں		۲۱	صفر	۱۳۹۳	۲۷	مارچ	۱۹۷۳
آغاز شرح بخاری		۲۱	ذی الحجہ	۱۴۰۲	۱۰	اکتوبر	۱۹۸۲

[1] مذکورہ کتاب میں گورنر نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سخت توہین کی تھی۔

[2] بھنگا بازار ضلع بہرائچ میں ایک پنڈت نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی، جس کے جواب میں حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی نے تقریر فرمائی۔ دیوبندیوں نے ہندوؤں کو بھڑکا کر مقدمہ کروادیا، جس کی سزا میں ۳ روز جیل خانے میں مقید رہے۔

واقعات	ماہ قمری سنہ ہجری			ماہ شمسی سنہ عیسوی		
	تاریخ	مہینہ	سنہ ہجری	تاریخ	مہینہ	سنہ عیسوی
خلافت بدست حضرت احسن العلماء قدس سرہٗ مارہرہ شریف بموقع عرس قاسمی			۱۴۰۴			۱۹۸۴
پہلا حج		ذی الحجہ	۱۴۰۵		ستمبر	۱۹۸۵
"سنی دیوبندی اختلافات کا منصفانہ جائزہ" کی تصنیف	۲۹	ربیع الآخر	۱۴۰۹	۱۱	نومبر	۱۹۸۸
"فتنوں کی سرزمین کون — نجد یا عراق؟" کی تصنیف	۷	جمادی الاولیٰ	۱۴۱۱	۲۶	نومبر	۱۹۹۰
کولمبو (لنکا) کا پہلا تبلیغی سفر	۲۰	ربیع الآخر	۱۴۱۳	۱۸	اکتوبر	۱۹۹۲
کولمبو (لنکا) کا دوسرا تبلیغی سفر	۸	صفر	۱۴۱۶	۷	جولائی	۱۹۹۵
افریقہ کا تبلیغی سفر	۱۷	صفر	۱۴۱۷	۴	جولائی	۱۹۹۶
پہلا عمرہ	۸	ربیع الاول	۱۴۱۷	۲۵	جولائی	۱۹۹۶
پاکستان کا تبلیغی سفر	۱۷	ربیع الاول	۱۴۱۷	۳	اگست	۱۹۹۶
شیخ عبد الواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ (ایوارڈ پاکستان)	۱۸	ربیع الاول	۱۴۱۷	۴	اگست	۱۹۹۶
امام احمد رضا ایوارڈ	۱۰	شوال	۱۴۱۷	۱۹	فروری	۱۹۹۷
دوسرا عمرہ		رمضان	۱۴۱۸		جنوری	۱۹۹۸
دوسرا حج		ذی الحجہ	۱۴۱۸		اپریل	۱۹۹۸
پاکستان کا دوسرا تبلیغی سفر (بسلسلۂ شرکت جلسہ دار العلوم امجدیہ کراچی، بموقع گولڈن جبلی)		صفر	۱۴۱۹		جون	۱۹۹۸
تکمیل شرح بخاری	۱۱	رمضان	۱۴۱۹	۳۰	دسمبر	۱۹۹۸
خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشین کی طرف سے "فقیہ اعظم ہند" کا خطاب بموقع عرس قاسمی	۲۰	رجب	۱۴۲۰	۳۱	اکتوبر	۱۹۹۹
شاہ برکت اللہ گولڈ میڈل	۹	شعبان	۱۴۲۰	۱۸	نومبر	۱۹۹۹
جشن تکمیل شرح بخاری	۲۱	شوال	۱۴۲۰	۲۹	جنوری	۲۰۰۰ء

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا محمد عاصم اعظمی
مدرسہ شمس العلوم قصبہ گھوسی ضلع مئو۔ یوپی

شارح بخاری کے قصبہ گھوسی کا ایک تاریخی جائزہ

قصبہ گھوسی ضلع مئو یوپی جو صدیوں سے علماو مشائخ، شعرا و ادبا اور صاحب بصیرت سیاست دانوں اور ماہر فن صنعت کاروں کا گہوارہ رہا ہے۔ جس کی کوکھ سے ان گنت ارباب کمال پیدا ہوئے۔ جو اپنے اپنے میدانوں میں گوئے سبقت لے گئے اور انہوں نے علم وفن میں اپنی شناخت قائم کی۔ اس خاک سے اٹھنے والے ذرے علم وفن کے افق پر کہکشاں بن کر چمکے۔ مولد و وطن کی عظمت وشان میں چار چاند لگاتے رہے۔ انھیں ممتاز ہستیوں میں نقیہ عصر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی مدظلہ العالی کی برگزیدہ علمی شخصیت بھی ہے۔ اور گھوسی کے محلہ کریم الدین پور کو آپ کے مولد و وطن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

جغرافیہ : گھوسی دریائے گھاگھرا اور دریائے ٹونس کے دو آبہ میں ایک ہموار اور سر سبز و شاداب زرخیز مقام ہے۔ جس کے شمال میں تقریباً اٹھارہ کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے گھاگھرا بہتا ہے۔ اور اس کے جنوبی کنارے پر قدیم تجارتی قصبہ "دوہری گھاٹ" آباد ہے۔ جہاں ساحل پر مغل دور کی ایک شاندار شاہی مسجد موجود ہے۔ جنوب میں تقریباً بیس کلومیٹر کی دوری پر ٹونس ندی بہتی ہے۔ جس کے کنارے ضلع کا صدر مقام قدیم شہر "مئوناتھ بھنجن" آباد ہے۔ جسے کپڑوں کی صنعت اور تجارت میں ہندوستان گیر شہرت حاصل ہے۔ گھوسی کی حدود اربعہ شمال میں آٹھ کلومیٹر کے فاصلہ پر امِلا، جنوب میں دس کلومیٹر کے فاصلہ پر کوپاگنج، مغرب میں دس کلومیٹر کی دوری پر ندوہ سرائے اور مشرق میں آٹھ کلومیٹر کی دوری پر سپاہ ابراہیم آباد، آباد ہے۔

قصبہ گھوسی کا طول البلد مشرقی ۸۳ درجہ ۳۵ دقیقہ عرض البلد شمالی ۲۶ درجہ ۷ دقیقہ ہے۔ گھوسی سے شیر شاہ سوری کی بنوائی ہوئی سڑک بھی گذرتی ہے۔ جو گورکھپور سے گھوسی، مئو، غازی پور ہوتے ہوئے بنارس میں گرانٹ روڈ (شیر شاہ سوری مارگ از سونار گاؤں کلکتہ تا پشاور) سے ملتی ہے۔ اس سڑک کے متوازی اندارا، دوہری گھاٹ ریلوے لائن بھی گھوسی سے گذرتی ہے۔ جس پر تقریباً ۱۹۰۳ء سے ریل گاڑی کی آمد و رفت جاری ہے۔ گھوسی ایک زرعی اور صنعتی خطہ ہے۔ کسی دریا کے ساحل پر آباد نہ ہونے کی وجہ سے قدامت کے باوجود اس شہر کو

تجارتی مرکزیت حاصل نہ ہو سکی۔ پارچہ بافی، کاشت کاری اور تجارت یہاں کے باشندوں کا پیشہ ہے۔

گھوسی کی تاریخ: ہندوؤں کی دھارمک کتابوں کے حوالہ سے۔

کہا جاتا ہے کہ ستیہ جگ میں اجودھیا کے سُریہ ونشی راجاؤں کے خاندان کا ایک باعظمت راجہ نُہش گذرا ہے۔ جس نے گھوسی آباد کیا اور یہاں کوٹ بنوایا۔ اور اپنے نام پر اس شہر کا نام نہش نگری یا نہوشی رکھا۔ جو بعد میں گھوسی ہو گیا۔ راجہ بڑا بہادر اور سخی تھا جس کی بنا پر اس کو اندر کا دیوندر پد حاصل ہوا۔ سری مدبھاگوت گیتا کے پانچویں باب میں ہے۔

> "سر یہ راجہ نہش کو شجاعت کی وجہ سے اندر کا پد ملا تھا۔ جب راجہ نہش اندر اوڑی شچی پر فریفتہ ہو گیا تو محبت کی کشش نے شچی کو نہش کی طرف مائل کیا۔ اس نے راجہ سے کہا کہ دیوراج اندر میرے پاس ایراوت ہاتھی اور دوسری سواریوں پر سوار ہو کر شان سے آتے تھے۔ جب آپ مہان رشیوں کے کندھوں پر ڈھوئی جانے والی پالکی پر سوار ہو کر آئیں گے تو میں آپ کو خود بخود حاصل ہو جاؤں گی۔ راجہ نے رشیوں سے مشورہ لیا۔ اور وہ راجہ کی مدد کو تیار ہو گئے۔ دیوندر نہش اس پالکی پر سوار ہوا جسے رشیوں نے کاندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ رشی نہش کی پالکی کو اپنے کاندھے پر اٹھائے چلے جا رہے تھے۔ نہش کی آتش اشتیاق تیز تھی۔ وہ جلد سے جلد اندر اوڑی تک پہونچ جانا چاہتا تھا اس لئے وہ سرپ سرپہ کی مالا جب رہا تھا تاکہ رشی تیز تیز چلیں رشی چونکہ کمزور تھے ان میں تیز رفتاری نہ آسکی۔ نہش کو جلال آگیا۔ اس نے رشی اگست کو ایک لات مار دیا۔ جس پر تمام رشی غصہ ہوئے۔ اور انہوں نے راجہ کو سانپ بن جانے کی بد دعا دی۔ اس سراپ کی وجہ سے نہش کو اندر کا منصب چھوڑنا پڑا، اور وہ سانپ ہو گیا۔"

کہا جاتا ہے کہ راجہ نہش سانپ بننے کے بعد اپنے کوٹ اور اس کے اطراف میں رہتا تھا۔ ہزاروں سال گذر جانے کے بعد دواپر یگ میں (جب پانڈو اپنی صحرانوردی کے زمانہ میں یہاں آئے تو) یودھسٹر کی وجہ سے نہش کو سیراپ سے نجات ملی۔

یہ دیومالائی کہانی ایک داستان باستاں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ جس پر کسی تاریخی حقیقت کی بنیاد قائم کرنا درست نہیں۔ ممکن ہے کہ ستیہ یگ میں راجہ نہش نام کا کوئی راجہ گذرا ہو۔ اسے تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر کوٹ اس راجہ کی تعمیر ہے یہ درست نہیں۔ ہندو روایت کی رو سے ستیہ یگ کے ہزاروں سال گذر جانے کے بعد دواپر یگ شروع ہوا۔ جسمیں پانڈو یہاں آئے تھے۔ اور راجہ نہش کو سراپ سے چھٹکارا دلایا۔ ان کا زمانہ مورخین کے مطابق اب سے پانچ ہزار سال قبل کا ہے۔ جن کی حکومت ہستناپور میں قائم ہوئی۔ پھر انہوں نے

اندر پت (دہلی) کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ اسی دور میں اجودھیا کے اندر کوشل قوم کی حکمرانی تھی اور بنارس میں کاشی راج کررہے تھے۔ مگر آج تک ہستنا پور، اندرپت، اجودھیا، بنارس میں ان راجاؤں کے قلعوں، محلوں اور ان کی شہر پناہوں کے آثار دریافت نہ ہوسکے۔ تو پھر دواپریگ سے ہزاروں سال قبل ستیہ جگ کے راجہ نہش کے کوٹ کا ملبہ باقی رہ جائے کسی طرح قرین قیاس نہیں۔

بڑی حیرت کی بات ہے کہ راجہ نہش کے کوٹ اور اس کے سانپ بن جانے کے واقعہ کو عام طور سے لوگ ایک تاریخی حقیقت سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور بلا خوف تردید اسکو سچ سمجھ کر بیان کرتے ہیں۔

مذہبی کتاب کے حوالہ سے اس واقعہ کے بیان نے بحث و تحقیق کے تمام راستے بند کردیئے ہیں۔ اور حقیقت کی دریافت کی راہیں مسدود ہوگئی ہیں۔ جس کی بناپر مذکورہ بالا روایت کو حقائق کی کسوٹی پر پرکھنے کی اب تک کوشش نہیں کی گئی ہے۔ ایسے ہی مہمل تاریخی حالات کی طرف علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں اشارہ کیا ہے۔

"انسان کی فطرت ہے کہ سادہ ذہنی میں جب کوئی خبر سنتا ہے تو اسکو اپنی ناقدانہ کسوٹی پر کستا اور پرکھتا ہے۔ تا آں کہ سچ جھوٹ سے ممتاز ہوجائے۔ جب وہ کسی رائے یا عقیدہ کا پہلے سے پیرو ہوتا ہے تو اپنی رائے اور عقیدہ کے موافق خبر کو ایک دم قبول کرلیتا ہے۔ گویا جانبداری اور پا : ا ی کی پٹی اس کی چشم بصیرت پر بندھ جاتی ہے۔ اور وہ سنی ہوئی باتوں کی چھان بین اور تحقیقات سے باز رہتا ہے۔ چنانچہ وہ جھوٹی خبر کو بلا تامل قبول کرلیتا ہے اور بے دھڑک اس کو نقل بھی کرتا ہے۔" (مقدمہ علامہ ابن خلدون ص ٥٧)

موریہ سلطنت کے قیام ۳۲۱ ق۔م سے ہندوستان کا تاریخی دور شروع ہوتا ہے۔ جہاں سے ہندوستانی سلطنت اور تہذیب و تمدن کی مسلسل اور منضبط شیرازہ بندی کی جاتی ہے۔ اور اس سے قبل کے عہد کو تاریک دور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قبل تاریخ کے عمرانی آثار ۱۹۲۳ء میں موہن جوداڑو (سندھ) اور ہڑپا (پنجاب) میں زیرزمین دریافت ہوئے۔ جو تین سے ساڑھے تین ہزار قبل مسیح کے شہر تھے۔

سید یحیٰ حسن نقوی لکھتے ہیں۔

"ہندوستان کی باقاعدہ تاریخ موریہ عہد سے شروع ہوتی ہے۔ جسکی تاریخی شہادتیں کچھ نہ کچھ کسی نہ کسی صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ اس لئے اس زمانہ کو ہندوستان کی تاریخ میں تاریک دور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ البتہ زمین کی کھدائی کے سلسلہ میں کچھ نشانیاں ایسی ضرور دستیاب ہوگئیں جنکی مدد سے ہم بڑے اہم تاریخی نتائج تک پہونچ سکتے ہیں۔ ان میں ہڑپا اور موہن جوداڑو خاص طور سے اہم ہیں ان دونوں مقامات کے کھنڈرات ایک ایسے تہذیب

وتمدن کی نشاندہی کرتے ہیں جو سندھ کی وادی میں حضرت عیسیٰ سے تقریباً ۳۵۰۰ برس پہلے جاری وساری تھا۔

قدیم گھوسی کی تاریخ کے بارے میں اب تک کوئی مستند تاریخی ثبوت دستیاب نہ ہو سکا۔ جس کی روشنی میں کوئی قطعی رائے قائم کی جاسکے۔ ہاں منہدم کوٹ کے وسیع طول وعرض بلندی اور اس کے گرد گہری خندقوں کے آثار دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ گھوسی کی آبادی بڑی پرانی آبادی ہے۔ اور عہد قدیم میں اسکو سیاسی، فوجی اہمیت حاصل رہی ہوگی۔ مگر اس دور کا تعین معاصر کتب تاریخ کے حوالے سے کرنا دشوار ہے۔ ہاں محکمۂ آثار قدیمہ کی توجہ سے اس کوٹ کی کھدائی کی جائے اور اس سے بر آمد ہونے والے سکوں، اسلحوں، برتنوں، اینٹوں، تختیوں اور دوسری اشیا کی سائنٹفک طریقہ پر جانچ کی جائے تو یقیناً موہن جوداڑو اور ہڑپا کے آثار کی طرح یہاں کے آثار بھی گھوسی کی عظمت رفتہ اور اس کے دور عروج کا پتہ دے سکتے ہیں۔

کوٹ کی اینٹوں اور اس کے گرد گہری خندقوں (جو کافی حد تک پٹ چکی ہیں) اور بیرون قلعہ خشت ریزوں سے پٹی ہوئی زمین اس امر کا پتہ ضرور دیتی ہے کہ قلعہ اور اس کے قریب کے مکانات پختہ اینٹوں سے تعمیر کئے گئے تھے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کوٹ اور اس کے گردوپیش کی آبادی زیادہ سے زیادہ آج سے دوڈھائی ہزار سال قبل کی ہے۔ جب مشرقی ہند میں اسی انداز کے قلعے اور پختہ اینٹوں کے مکانات تعمیر کئے جاتے تھے۔

پروفیسر محمد مجیب نے بدھ متی ہند میں مشرقی ہندوستان کے مرکزی شہروں کے بارے میں تحریر کیا ہے۔

"جن بڑے شہروں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ سب راجدھانیاں تھیں۔ ان کی حفاظت کے لئے چاروں طرف خندق اور فصیل ہوتی تھی۔" (تاریخ تمدن ہند ص ۸۰)

قلعہ سہسوان کے آثار جو گھوسی کوٹ کے مانند اونچے ٹیلوں کی شکل میں آج بھی موجود ہیں۔ اسکی تعمیر کا زمانہ تقریباً دو ہزار سال قبل بتایا جاتا ہے جس کی تعمیر پختہ اینٹوں سے کی گئی تھی۔ جس کی اینٹوں کا سائز لمبائی ۱۸ انچ چوڑائی ۹ انچ اور موٹائی ساڑھے تین انچ ہے۔ جب کہ گھوسی کوٹ سے بر آمد ہونے والی اینٹوں کا سائز یہ ہے۔

(۱) ۱۶×۸×۳ ½ انچ (۲) ۱۶×۱۲×۳ ½ انچ (۳) ۱۰×۸×۳ ½ انچ

کوٹ کی تعمیر میں مختلف پیمانوں کی یہ اینٹیں غالباً اسلئے استعمال کی گئیں تاکہ ضرورت کے وقت اینٹوں کو کاٹنا نہ پڑے۔ بعد کے زمانوں میں راجاؤں اور امیروں کے خشتی محلوں اور حویلیوں کے لئے بھی اسی غرض سے مختلف پیمائش کی اینٹیں استعمال کی جاتی تھیں۔ اس طرح گھوسی کوٹ کی بڑی اینٹ قلعہ سہسوان کی اینٹوں کی قریبی مماثلت اس بات کو واضح کرتی ہے کہ دونوں قلعوں کی تعمیر کا زمانہ قریب ہی قریب ہے۔ اس طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ گھوسی کوٹ تقریباً دو ہزار سال قبل تعمیر ہوا ہوگا۔

منہدم قلعہ کے شمالی دروازہ پر ایک پتھر صدیوں تک موجود رہا۔ جس پر قلعہ کی تعمیر سے متعلق سنسکرت زبان میں کچھ تحریریں تھیں۔ ۱۸۳۴ء میں ضلع اعظم گڈھ کا کلکٹر اس پتھر کو لے گیا، اور کلکتہ بھیج دیا۔ مگر اب وہ پتھر کلکتہ میں بھی نہیں ہے۔ یہ پتھر ہاتھ آجاتا تو قلعہ کے بارے میں بہت سے حقائق پردۂ خفا سے روشنی میں آجاتے۔

ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی اس سلسلہ میں تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ اور انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں ذکر کیا کہ

۱۸۳۴ء میں کلکٹر اعظم گڈھ کو کوٹ سے متعلق سنسکرت زبان کا ایک کتبہ دستیاب ہوا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس کوٹ کی تعمیر کا تعلق راجہ "دھرنی واہا" سے ہے۔ اس کتبہ سے متعلق کسی انگریز نے ایک مضمون ۱۸۳۸ء میں شائع کیا تھا۔ میں اس کو حاصل کرنے کی فکر میں ہوں۔ لیکن یہ ابھی نہیں مل سکا ہے۔ مذکورہ بالا کتبہ کا جو زمانہ بتایا جاتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً "دھرنی واہا" کا زمانہ محمود غزنوی کے زمانہ کے آس پاس کا ہے۔

(مکتوب ۲۱/ جولائی ۱۹۹۹ء)

۷۸۴ھ بمطابق ۱۱۵۲ء سے قبل گھوسی اور اطراف گھوسی میں راج بھروں کی حکومت تھی۔ ممکن ہے راجہ "دھرنی واہا" کوئی راج بھر راجہ گذرا ہو اور اس نے اس کوٹ کو تعمیر کرایا ہو۔ جو محمود غزنوی کے زمانہ سے قریب ہے۔

مسلم دور اقتدار سے آج تک گھوسی کن کن ریاستوں اور ضلعوں کے زیر انتظام رہا۔ اسکا اجمالی نقشہ درج ذیل ہے۔

صوبہ اودھ ۶۰۳ھ مطابق ۱۲۰۶ء تا ۷۷۲ھ مطابق ۱۳۷۰ء (غلام خلجی، تغلق بادشاہوں کے عہد میں)

جونپور کے ماتحت ۷۹۶ھ مطابق ۱۳۹۳ء تا ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۷۱۷ء (شرقی، لودھی، مغل سلاطین کے عہد میں)

اودھ کے ماتحت ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۷۱۷ء تا ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ء (نوابان اودھ کے دور میں)

ضلع گورکھپور کے ماتحت ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ء تا ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۰ء (برطانوی دور اقتدار میں)

ضلع غازیپور کے ماتحت ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۰ء تا ۱۲۴۸ھ ۱۸۳۲ء (" " ")

ضلع اعظم گڈھ کے ماتحت ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۳ء تا ۱۳۶۷ھ ۱۹۴۷ء (برطانوی دور اقتدار میں)

ضلع اعظم گڈھ کے ماتحت ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۷ء تا ۱۴۰۹ھ ۱۹۸۸ء (آزاد ہندوستان میں)

ضلع مئو کے ماتحت ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۸ء تا حال ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹۹۹ء (" ")

گھوسی میں اسلام کی اشاعت اور فروغ علم : قصبہ گھوسی محلہ کریم الدین پور میں مسلمان بہت قدیم زمانے سے آباد ہیں اس کے بہت سے شواہد ہیں۔

اوّل : کریم الدین پور کے قبرستان مین جس کو بگہی کہتے ہیں ایک پختہ مزار ہے اب تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ کس بزرگ کا مزار ہے لیکن بہت بافیض مزار ہے اس کا بارہا تجربہ کیا گیا ہے یہاں حاضر ہو کر جو دعائیں کی جاتی ہیں قبول ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مزار جب بنا ہو گا اس کا چبوترہ سطح زمین پر بنا ہو گا اور اب مزار شریف کے تین طرف اتر، پورب، دکھن قد آدم سے بھی زیادہ گہرائی ہے پچھم طرف بھی گہرائی ہے مگر اور اطراف کی بہ نسبت، یہ گہرائی اسی بنا پر ہے کہ بارش سے زمین دھل دھل کر مٹی بہہ گئی اب آپ اندازہ لگائیں کہ بارش سے قد آدم مٹی بہنے میں کتنا زمانہ صرف ہوا ہو گا۔

نیز اسی قبرستان میں آج سے پچاس سال قبل بارش سے مٹی بہہ جانے کی وجہ سے کچھ مردوں کی ریڑھ کی ہڈیاں اور کھوپڑی کے ٹکڑے ظاہر ہوئے تھے۔ قبر کم از کم قد آدم گہری ہوتی ہے۔ اب اس سے اندازہ لگائیں یہ مردہ کتنی صدی پہلے دفن ہوا ہو گا۔

ثانی : کریم الدین پور سے پورب ڈیہہ کے باغ میں املی کے بہت بڑے بڑے درخت تھے۔ بارش سے مٹی دھل جانے کی وجہ سے انکی جڑیں چار چار فٹ اوپر آگئی تھیں۔ صحیح یاد نہیں مگر اندازہ ہے کہ ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ ایک زبردست آندھی آگئی۔ جس کے اثر سے اس باغ کے سات یا نو بڑے بڑے املی کے پیڑ اکھڑ گئے۔ ان میں سے ایک درخت کی جڑ کے پینڈے میں ہڈیوں کا ڈھانچہ ملا جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس جگہ درخت کے اگنے سے پہلے کوئی قبر تھی جس پر یہ درخت اگا۔ جس سے ثابت ہوا کہ اس کے درخت کے اگنے سے پہلے کریم الدین پور میں مسلم آبادی موجود تھی۔ ماہرین کا اندازہ یہ ہے کہ املی کے یہ بڑے بڑے درخت کم از کم پانچ سو برس کے ضرور ہونگے۔ جس کا حاصل یہ نکلا کہ کریم الدین پور میں اس آندھی سے پانچسو برس پہلے مسلمان آباد تھے۔ اس آندھی کو آئے ہوئے ستر ۷۰ سال ہو گئے۔ تو ثابت ہو گیا کہ کریم الدین پور میں مسلم آبادی چھ سو سال پہلے موجود تھی۔

ثالث : مشہور ہے کہ خواجۂ خواجگاں خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ کے خلیفہ حضرت مفتی محمد حسین اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ گھوسی تشریف لائے۔ اور گھوسی میں ان کا مزار پاک بھی ہے۔ اندازہ ہے کہ ان کی آمد گھوسی میں آٹھویں صدی کے اخیر میں ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ چھ سو سال قبل گھوسی میں مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادی موجود تھی ان بزرگ کا تذکرہ آگے آتا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت شواہد ہیں کہ گھوسی اور کریم الدین پور کی آبادی بہت قدیم ہے اور یہاں مسلمان بہت قدیم زمانے سے آباد ہیں۔ ہم نے یہ جو کچھ لکھا ہے۔ علامت و آثار کے قرائن سے لکھا ہے لیکن بعض تذکروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کے رفقا میں ملک طاہر، ملک قاسم، ملک شدنی اور

دیگر مجاہدین کو لیکر مئو آئے۔اسی زمانے میں گھوسی میں بھی اسلام پھیلا اور مسلمان آباد ہوئے۔اس تقدیر پر گھوسی میں تقریباً ۹ سو سال سے مسلمان آباد ہیں۔اس لئے کہ حضرت غازی میاں کا زمانہ پانچویں صدی ہجری مطابق گیارہویں صدی عیسوی کا ہے۔

گھوسی میں مسلمان کب آئے اور یہاں انہوں نے کب بودوباش اختیار کی۔اس علاقہ کے غیر مسلموں نے اول اول کس دور میں اسلام کے پیام رحمت کو سینے سے لگایا تاریخ وسیر کی کتابیں خاموش ہیں۔ہاں اس قدر ضرور کہہ سکتے ہیں کہ حضرت سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کے ورود ہند کے زمانہ میں یہ علاقہ اسلام کی تجلیوں سے آشنا ہوا۔

حضرت سالار غازی میاں رحمۃ اللہ علیہ اپنے لشکر کے ساتھ غزنی سے دلی، میرٹھ، قنوج میں تبلیغ دین اور جہاد کرتے ہوئے ستر کھ ضلع بارہ بنکی، پہونچے اور اس کو اپنا صدر مقام بنا کر مختلف علاقوں میں رفقا کو روانہ کیا۔ دائرہ معارف اسلامی میں مرقوم ہے۔

> ”ستر کھ (بارہ بنکی) کو اپنا فوجی مرکز بنا کر انہوں نے اطراف میں اپنے ماتھوں کو فتوحات اور اشاعت اسلام کیلئے بھیجا۔سید یوسف الدین اور رجب میاں بہرائچ کی طرف گئے۔ لیکن انھیں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔اس پر سالار مسعود خود جنگ کیلئے نکلے۔“

(بحوالہ مسلمان اور ہندوستان ص ۲۰۵)

حضرت سالار مسعود کے انھیں باعظمت رفقا میں حضرت سالار ملک طاہر بھی تھے۔جو ملک قاسم، ملک شدنی و دیگر مجاہدین کو لے کر مئو آئے۔جہاں حاکم نٹ بھنجن سے آپ کا مقابلہ ہوا۔اسے شکست فاش ہوئی۔اور وہ قتل کر دیا گیا۔تاریخ المنوال میں مذکور ہے۔

> ”بزمانہ سید سالار مسعود غازی ملک افضل بغرض فتح بنارس ملک علوی نائب انکے وملک طاہر بمقام مئو و مردان بمقام شادی آباد و غازی پور آئے۔مزارات ان کے ان مقامات پر ہیں۔ستر کھ (ملک اودھ) سے ملک حاجی بمقام ٹانڈہ متعین ہوئے تھے۔ملک سالار مسعود ستر کھ سے پورب نہیں آئے ملک طاہر کے ساتھ جتنے سپاہی تھے سب غزنی و اطراف تیراہ کے تھے۔

(بحوالہ دیار پورب میں علم وعلماء ص ۲۳)

ملک طاہر اور ان کے ہمراہی مئو اور اس کے اطراف وجوانب میں اشاعت و تبلیغ کی کوشش کرتے رہے۔ قصبہ گھوسی بھی ان کے ورود سے محروم نہ رہا۔گھوسی میں چند مزارات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ غازی میاں کے ہمراہیوں کے ہیں۔

سلطان شہاب الدین غوری : سلطان شہاب الدین غوری ۵۸۹ھ مطابق ۱۱۹۳ء تا ۶۰۲ھ مطابق

۱۲۰۵ء جس نے بڑی اولوالعزمی کے ساتھ ہندوستان میں فتوحات کا آغاز کیا۔ وہ ہمت شکن حالات اور شکستوں سے بھی دوچار ہوتا رہا لیکن اس کے حوصلے پست نہ ہوئے۔ چنانچہ اس نے ترائن کی دوسری لڑائی میں ۵۸۸ھ مطابق ۱۱۹۲ء میں پرتھوی راج اور اس کے سیکڑوں حلیف راجاؤں کے فوجی متحدہ محاذ کو شکست فاش دے کر شمالی و مشرقی ہندوستان میں فتوحات کا راستہ صاف کر لیا۔ پھر غوری اور اس کے سپہ سالار قطب الدین ایبک نے علی گڑھ، قنوج، بدایوں، بنارس، بہار کو فتح کر کے نوزائیدہ دلی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد ۵۹۲ھ مطابق ۱۱۹۵ء میں قطب الدین ایبک کے ایک فوجی افسر نے اودھ کا پورا علاقہ فتح کر کے دہلی سلطنت کے ماتحت کر لیا۔ اور اس علاقہ سے راج بھر قوم کا اقتدار ختم ہو گیا۔ بنارس سے لے کر نیپال کی ترائی تک پورا علاقہ مسلم سلطنت کے زیر نگیں آ گیا۔ اس علاقہ میں بکثرت لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ پھر عرب و ایران کے مسلم خانوادے بھی یہاں آ آکر آباد ہونے لگے۔

قطب الدین ایبک ۶۰۲ء مطابق ۱۲۰۶ء سلطان فیروز شاہ تغلق ۷۷۱ھ ۱۳۵۱ء تک اودھ کے علاقہ میں اسلام کی اشاعت بڑے پیمانہ پر ہوئی۔ اور علوم و فنون کے فروغ کیلئے یہاں کی فضا سازگار ثابت ہوئی۔ سید غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں۔

> "سرزمین پورب قدیم زمانہ سے علم و علما کا گہوارہ رہی ہے۔ سید محمد کرمانی مصنف سیرالاولیاء اور مرید حضرت نظام الدین کا قول ہے کہ مولانا فرید الدین شافعی اودھ کے شیخ الاسلام تھے۔ مولانا علاء الدین نیلی اودھی ان کے سامنے تفسیر کشاف پڑھتے تھے۔ اور مولانا شمس الدین یحیٰ اور دوسرے علماء اودھ سنتے تھے۔ اگرچہ ہندوستان کے تمام صوبے حاملین علم پر فخر کرتے ہیں۔ خاص طور سے دار السلطنت دلی کہ یہاں ہر قسم کے اہل کمال جمع ہیں۔ اور ہر زمانہ کے افکار و عقول انبوہ در انبوہ پائے جاتے ہیں۔ اور علما علم نقلی و عقلی کا پایہ بلند کئے ہوئے ہیں۔ مگر صوبۂ اودھ اور صوبہ الٰہ آباد اس بارے میں وہ خصوصیت رکھتے ہیں جو کسی اور صوبہ میں نہیں مل سکتی۔

(مآثر الکرام ص ۲۲۱ ذکر ملا نظام الدین)

یہ عمومی تبصرہ علاقہ اودھ کے بارے میں ہے۔ مگر خاص کر اس وقت گھوسی میں کوئی علمی شخصیت پیدا ہوئی یا نہیں۔ اس بارے میں تذکرے خاموش ہیں۔

جونپور : سلطان فیروز شاہ تغلق نے ۷۷۲ھ میں اپنے مشرقی مقبوضات پر نگاہ رکھنے کے لئے شہر جونپور آباد کیا۔ جہاں ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ اور امراو عمال کے ساتھ علما و فضلا کی ایک بڑی جماعت جونپور روانہ کی اس طرح جونپور اور اس کے اطراف ابتداء ایام ہی سے علم و فضل کا گہوارہ بننے لگے۔

دہلی کی تغلق حکومت کے انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے۔ سلطان الشرق خواجہ ملک سرور نے ۷۹۶ھ

میں خود مختار شرقی سلطنت جون پور میں قائم کی۔ یہ حکومت ۷۹۶ھ تا ۸۸۳ھ تقریباً ستاسی برس قائم رہی۔ جس کے حدود سلطنت مغرب میں کول (علی گڑھ) مشرق میں بنگال شمال میں ترہت اور جنوب میں بندیل کھنڈ تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے لائق فرمانرواؤں کی معارف پروری علمانوازی اور اشاعت اسلام سے گہری دلچسپی نے جون پور کو رشک شیراز بنادیا۔ عرب و عجم سے آنے والے ہزاروں علماو صوفیا نے جونپور اور اس کے اطراف کو اپنے ورود مسعود سے مالامال کیا اور ان کی علمی وروحانی سرگرمیوں سے سارا علاقہ علوم وفنون کی تجلیوں سے معمور ہوگیا۔ محمد قاسم فرشتہ سلطان ابراہیم شاہ شرقی کے تذکرہ میں رقم طراز ہے۔

''اسکے عہد حکومت میں ہندوستان کے نامور فاضلوں کے علاوہ ایران و توران کے علماء بھی جونپور آئے۔ ابراہیم شاہ نے ہر طرح ان کی دلجوئی کی۔ اور انھیں اطمینان سے زندگی گذارنے کا سامان بہم پہونچایا۔ بادشاہ کے دربار میں علماو فضلا کی ایک ایسی جماعت جمع ہوگئی کہ جون پور ایک اہم علمی مرکز بن گیا۔ (تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۸۷۴)

طبقات اکبری کا مؤلف لکھتا ہے۔

''جو علماء و مشائخ آشوب جہاں سے پریشان خاطر تھے جونپور آگئے۔ جو اسوقت دار الامان تھا۔ دار السلطنت جونپور علما کی آمد سے دار العلوم بن گیا۔ (طبقات اکبری ص ۵۲۹)

مفتی محمد حسین عثمانی اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ : سلاطین شرقیہ کے ابتدائی عہد میں ایک مایہ ناز عالم و فقیہ حضرت مفتی محمد حسین اصفہانی علیہ الرحمہ اصفہان سے لاہور، دہلی، جون پور ہوتے ہوئے گھوسی تشریف لائے۔ یہ بزرگ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمہ متوفی ۷۹۱ھ کے خلیفہ اور معاصر تھے۔ جنہوں نے گھوسی میں بساط علم بچھائی۔ جن کا مزار موجودہ مویشی اسپتال کے عقب میں جانب غرب واقع ہے۔

مفتی صاحب کے خاندان نے مستقل گھوسی میں قیام کیا۔ اور اسلام کی اشاعت اور علم دین کی ترویج میں ہمہ تن مصروف رہا۔ اسی خانوادہ کے ایک بزرگ مولانا احمد بن ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے گھوسی کے مضافات میں اسلام کی اشاعت خوب ہوئی۔ اور اجتماعی طور پر اسنا بزرگ مانکپور اور اسنا خرد کے باشندوں نے اپنا آبائی دھرم ترک کر کے حضرت مولانا احمد کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ انھیں کے نام پر اسنا بزرگ کو احمد پور اسنا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

خواجہ محمود بیرنگ رحمۃ اللہ علیہ : لودھیوں یا مغلوں کے ابتدائی دور اقتدار میں گھوسی میں ایک صاحب کرامت مجذوب حضرت خواجہ محمود بیرنگ رحمۃ اللہ علیہ گذرے ہیں۔ جن کی بہت سی کرامتیں آج بھی عوام میں

مشہور ہیں، ایک کرامت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ زمانۂ قدیم سے خواجہ صاحب کے عہد تک چھوٹی سرجو (ندی) کوٹ کے قریب سے بہتی تھی۔ برسات کے ایام میں جس کی طغیانی سے گھوسی کا یہ علاقہ زیر آب رہتا۔ فصلیں تباہ ہوتیں۔ مکانات منہدم ہوتے، جانیں ضائع جاتیں۔ ایک سال جب سیلاب شباب پر تھا دریا نے اچانک اپنا رخ آبادی کی طرف موڑنا شروع کر دیا۔ قریب تھا کہ ساری آبادی غرقاب ہو جائے۔ حضرت خواجہ صاحب کو جلال آیا۔ اپنا عصا لے کر ندی کے کنارے پہونچے، اور پانی پر ضرب لگاتے ہوئے فرمایا "اے گنگیا تو ادھر کہاں آرہی ہے۔ اب بھلائی اسی میں ہے کہ اپنا رخ موڑ لے اور جوار گھوسی کو ترک کر دے۔"

بیان کیا جاتا ہے کہ سیلاب ختم ہو گیا۔ اور ندی نے اپنا رخ بدل دیا۔ اور گھوسی سے تقریباً چار کلو میٹر دوری پر ایک نہر کی شکل میں بہنے لگی۔ ندی کے رخ موڑنے کے بعد سے آج تک گھوسی سیلاب سے محفوظ و مامون ہے۔

حضرت خواجہ صاحب موصوف کا مزار گھوسی کے ایک قدیم قبرستان میں آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔ مقبرہ کی عمارت ایک بدخشی تاجر شیخ اسماعیل نے اپنے سرمایہ سے تعمیر کرائی۔ جس کی قبر بیرونی دروازہ کے پورب احاطہ کی دیوار سے متصل ہے۔

خواجہ صاحب کا یہ مقبرہ اسوقت گھوسی کی سب سے پرانی عمارت ہے۔ پختہ اینٹوں کا بنا ہوا روضہ جس کا بیرونی رقبہ ۲۲×۲۲ دیواروں کی موٹائی ۴فٹ ۳/انچ ہے۔ جس کا شاندار گنبد دور سے نظر آتا ہے۔ مرور زمانہ سے روضہ کے کتبے ضائع ہو چکے ہیں۔ ورنہ اس کی مدد سے تعمیر کے ماہ و سال کا تعین آسان ہو جاتا۔

حضرت پرہیزی شاہ رحمۃ اللہ علیہ : شرقی عہد میں عرب سے ایک بزرگ حضرت سید نور محمد علیہ الرحمہ معروف بہ پرہیزی شاہ اپنے معتقدین کی ایک جماعت کے ساتھ گھوسی سے تقریباً بیس کلو میٹر مشرق میں ضلع مئو کے سب سے بڑے تال رتوئے کے ساحل پر فروکش ہوئے۔ اور اس علاقہ میں دین حق کی اشاعت و تبلیغ کرنے لگے۔ ان کے اثر سے گردونواح میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ اور اسی مقام پر وصال فرمایا۔ ان کا مزار مدھوبن سے بلتھرا روڈ جانے والی سڑک کے شمالی کنارے پر واقع ہے۔ جہاں بلا تفریق مذہب و ملت لوگ زیارت کیلئے آتے اور اپنی مرادپاتے ہیں۔

حضرت سید احمد بادپار رحمۃ اللہ علیہ : شرقی عہدِ حکومت میں گھوسی سے تقریباً دس کلو میٹر دور شمال مشرقی سمت کولھوابن (درگاہ) میں حضرت سید احمد بادپار رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ آپ کے روحانی فیوض و برکات سے گھاگھرا کے جنوبی دیوارہ پر آباد لوگوں نے اسلام کی دولت کو سینے سے لگایا۔ اور جو لوگ مشرف بہ اسلام نہ ہو سکے وہ بھی آپ کے ارادت مندوں میں شامل ہو گئے۔ حضرت سید احمد کی زندگی میں موسم باراں میں مسلسل سات جمعرات کو آپ

کی زیارت کیلئے مسلمان اور ہندو آستانۂ عالیہ پر حاضری دیتے۔ جسے بار عام کہا جاتا تھا۔ میر ابابا کے پردہ فرمانے کے بعد آج بھی وہ روایت باقی ہے۔ اور لوگ جوق در جوق بلا تفریق مذہب وملت حضرت کی چلہ گاہ کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ اور فیوض وبرکات ے۔ امال ہوتے ہیں۔ ہاں بار عام کثرت استعمال سے "برام" ہو گیا۔

سید احمد بادپا حضرت شاہ مدار رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ ہندوستان آئے۔ مشہور ہے کہ بغداد شریف کے باشندے تھے۔ یہ حضرت مدار قدس سرہٗ کے معتمد علیہ مخصوص رفقا میں تھے۔ مدت العمر حضرت مدار کی خدمت میں حاضر رہے۔ ان کے وصال کے بعد ۸۴۴ھ میں حضرت مدار صاحب کی وصیت کے مطابق گھوسی کو لھوابن درگاہ آئے۔

گھوسی واطراف میں میران بابا اور میر بابا کے نام سے مشہور ہیں۔

شاہ مدار نے اپنی وفات سے قبل اپنے ستر مخصوص ہمراہیوں کو تنہا تنہا بلا کر وصیت ونصیحت کی اور ہر ایک کیلئے اس کے مقام ولایت کو متعین کر کے رشد وہدایت کی خدمت سپرد کی۔ چنانچہ شاہ مدار کے وصال کے بعد ان کے تمام ہمراہی اپنے مقام ولایت پر جا کر مصروف رشد وہدایت ہوئے۔ اور وہیں فوت ہوئے۔ حضرت سید احمد بادپا بھی حضرت مدار کی وفات ۸۴۴ھ کے بعد اپنے مقام ولایت کو لھوابن میں وارد ہوئے۔ اور اپنی جد وجہد سے اسلام کا اہم فریضہ انجام دیا۔ اسلام دشمن عناصر کو زیر کر کے اس دیار کو اسلام اور مسلمانوں کیلئے سازگار بنا دیا۔

شیر شاہ سوری کو بشارت : فرید خاں سوری اپنے زمانہ طالب علمی میں جون پور کے اندر حضرت سید احمد بادپا کی عظیم روحانی شخصیت کا ذکر سن چکا تھا۔ جب اس کے باپ حسن سور نے سہسرام کی جاگیر کے انتظام سے اس کو بے دخل کر دیا تو وہ حیرانی وپریشانی کے عالم میں کو لھوابن حاضر ہوا۔ حضرت نے حالات دریافت کئے۔ اور فرمایا "آزردہ وپریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمت سے کام لو۔ جلد ہی تمہیں جاگیر مل جائے گی۔ اور ہندوستان کی بادشاہت بھی حاصل ہو گی۔ اس وقت رعایا کی بھلائی کے کام انجام دینا۔ عدل وانصاف پر قائم رہنا۔" شیر شاہ سوری رخصت ہو کر سہسرام آگیا۔ اس نے متعدد حاکموں اور امیروں کی ملازمت اختیار کی۔ اور اپنی قوت مجتمع کرتا رہا۔ یہاں تک کہ بہار کا حاکم بن گیا۔

جب بادشاہ ہمایوں بنگال سے آگرہ جا رہا تھا چوسہ کے مقام پر شیر شاہ سوری نے اس پر حملہ کر دیا۔ اور صفر ۹۴۶ھ مطابق ۱۵۳۹ء میں اس کو شکست فاش دے دی۔ اور اسے ہندوستان سے نکال کر دوبارہ پٹھانوں کی حکومت قائم کر دی۔ اس طرح سید احمد بادپا کی پیشین گوئی سے وہ ہندستان کا بادشاہ بن گیا۔ جن کا نام اپنی عدل گستری اور بے پناہ تنظیمی صلاحیتوں اور عوامی فلاح وبہبود کے کارناموں کی وجہ سے آج بھی تاریخ ہند کے صفحات پر زریں حروف میں لکھا جاتا ہے۔

شیر شاہ سوری نے اپنی حکومت کے زمانہ میں دوسری بار کولھوابن کا سفر کیا۔ حضرت سید احمد بادپا کی زیارت سے مشرف ہوا۔ ان کے لئے ایک وسیع قلعہ نما احاطہ تعمیر کرایا۔ جس کے وسط میں ایک چہار دیواری کے اندر ایک چبوترہ بنوایا۔ جسے حضرت سید احمد بادپا کی نشست گاہ یا چلہ گاہ بتایا جاتا ہے۔ شیر شاہ کی بڑی بیٹی شہزادی ''ماہ بانو'' کولھوابن میں مقیم ہو گئی تھی۔ روضہ اور ماہ بانو کے اخراجات کیلئے شیر شاہ نے بارہ گاؤں کی معافی کا پروانہ دیدیا۔ اور ماہ بانو کے نام ایک گاؤں آباد کیا۔ جس کا نام چک بانو عرف درگاہ ہے۔ اسی نام پر کولھوابن کو اب درگاہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ماہ بانو نے بہتر سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور اندرون احاطہ مدفون ہوئی۔ شیر شاہ کے بعد جتنے بادشاہ تخت نشین ہوئے انہوں نے نہ صرف بارہ گاؤں کی معافی کو قائم رکھا۔ بلکہ اس میں مزید اضافہ کیا۔

حضرت سید احمد بادپار رحمۃ اللہ علیہ کے مدفن کے بارے میں تذکرہ نگار مختلف الرائے ہیں۔ مگر اکثر کا بیان ہے کہ ان کا مزار کولھوابن ہی میں ہے۔ شیر شاہی احاطہ کے اندر آج بھی متعدد قبریں موجود ہیں۔ مگر ان میں حضرت کی قبر کونسی ہے کسی کو معلوم نہیں۔ ممکن ہے کہ حضرت سید احمد بادپار رحمۃ اللہ علیہ نے بوقت وصال اپنے اصحاب کو ہدایت فرمادی ہو کہ وہ ان کے مدفن کا کسی کو نشان نہ بتائیں۔ یا پھر ان کی وفات اثناء سفر کسی گمنام مقام پر ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے ہوں۔

حضرت مولانا غلام نقشبند گھوسوی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ : سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی معارف پروری اور علم دوستی کی وجہ سے سرزمین مشرق علم و علما کا گہوارہ بنی ہوئی تھی۔ اس وقت کے اکابر علما فضلا حافظ امان اللہ بنارسی، قاضی محب اللہ بہاری، ملا قطب الدین شمس آبادی، ملا جیون، سعد اللہ سلونی، شیخ غلام محمد لکھنوی اور شیخ غلام نقشبند گھوسی ثم لکھنوی تھے۔ جن کی تدریسی کوششوں سے دیار مشرق رشک بغداد بنا ہوا تھا۔ ان میں حضرت غلام نقشبند کی علمی و روحانی ذات منفرد و ممتاز تھی۔

حضرت شیخ غلام نقشبند گھوسوی علیہ الرحمہ حضرت مفتی محمد حسین اصفہانی کے علمی و روحانی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ دادا قاضی حبیب اللہ گھوسی کے قاضی تھے۔ وہ عالم، نقیہ اور ادیب تھے۔ حضرت میر علی عاشقاں سرائمیری رحمۃ اللہ علیہ م (۹۵۰ھ) سے بیعت و خلافت رکھتے تھے۔

والد قدوۃ العلما شیخ عطاء اللہ نے اپنے وقت کے مشہور عالم ملا محمود بھیروی جونپوری م ۱۰۶۲ھ اور دوسرے اکابر علما سے علم حاصل کیا۔ اور شاہ عبد القدوس جونپوری سے بیعت و خلافت حاصل کی۔ شیخ عطاء اللہ اپنے والد کی طرح علم ظاہر و باطن کے رمز شناس تھے۔ آپ کے ارشد تلامذہ میں میر محمد شفیع دہلوی م ۱۱۰۹ھ مشہور عالم گذرے ہیں۔ شیخ عطاء اللہ نے آخری عمر میں لکھنؤ جا کر قیام کیا۔ ۵ ربیع الثانی ۱۰۶۳ھ میں وصال فرمایا۔ (نزہۃ

الخواطر جلد پنجم ص ۲۷۴)

حضرت شیخ غلام نقشبند کی ولادت ۱۹؍ذی الحجہ ۱۰۵۲ھ میں بمقام گھوسی ہوئی۔ والد بزرگوار نے حضرت شیخ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی اشارہ سے آپ کا نام غلام نقشبند رکھا۔ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں۔

علامہ ایست جامع عجائب وغرائب علوم وخدارسی است خازن اسرار معلوم ومکتوم آباء کرام آنجناب متوطن قصبہ گھوسی تابع بلدہ جونپور وازعظماء آں مکان اند. پدربزرگوار او شیخ عطا ء اللہ باشارہ روحانیت شاہ نقشبند قدس سرہٗ غلام نقشبند نام گذاشت آنجناب از ابتدا تا انتہا در ظل تربیت میر محمد شفیع قدس سرہٗ کہ برخے نزد شیخ عطا ء اللہ والد شیخ غلام نقشبند تلمذ کردہ بود جا گرفت۔ (مآثر الکرام ص ۲۱۳)

شیخ غلام نقشبند عجیب وغریب قسم کے ظاہری وباطنی علوم وفنون کے منبع ومخزن ہیں۔ آپ کے آباواجداد کا وطن مالوف قصبہ گھوسی ہے۔ جو توابع جونپور میں ہے۔ یہ حضرات یہاں باعزت اور عالی مقام لوگوں میں ہیں۔ آپ کے والد ماجد شیخ عطاء اللہ نے حضرت شاہ نقشبند قدس سرہٗ کے روحانی اشارہ پر آپ کا نام غلام نقشبند رکھا۔ آپ نے میر محمد شفیع قدس سرہٗ کے سایہ عاطفت میں رہ کر علوم متداولہ میں کمال حاصل کیا۔ میر محمد شفیع شیخ غلام نقشبند کے والد ماجد کے شاگرد رشید تھے۔

گیارہ سال کی عمر میں والد بزرگوار کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ اور وہ اپنے والد کے شاگرد رشید میر محمد شفیع کی خدمت میں رہ کر علوم وفنون کی تکمیل کرنے لگے زمانہ طالب علمی کی ابتدا میں ایک رات خواب میں حضور پرنور سید عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ دیکھا کہ آنحضور اپنے دست مبارک سے میرے سینے کا بٹن کھول رہے ہیں۔ اور خواب ہی میں اس کی تعبیر یوں سمجھ میں آئی کہ آنحضور شرح صدر فرما کر مجھ پر علم کا دروازہ کھول رہے ہیں۔ (ایضاً ص ۲۱۳)

شیخ غلام نقشبند اٹھارہ سال کی عمر میں تمام مروجہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوگئے۔ اور اکیس ۲۱ سال کی عمر میں آپ نے اپنے استاذ کے پیر طریقت شیخ پیر محمد علیہ الرحمہ کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہر وباطن کی تکمیل اور ان سے سند فراغت حاصل کی۔

غلام نقشبند کی سجادہ نشینی : شیخ پیر محمد ابن اولیاء ۱۰۲۷ھ میں بمقام منڈیاہو ضلع جونپور پیدا ہوئے۔ مانک پور کڑہ میں تعلیم پائی۔ وہیں شیخ عبداللہ سیاح دکنی سے ملاقات ہوئی۔ اور طریقت وروحانیت کی تعلیم حاصل

کر کے ان کے مرید ہو گئے۔ مرشد کے حکم سے لکھنؤ اور دہلی میں رہ کر کتب درسیہ کی تکمیل کی۔ دلی میں شیخ عبداللہ سیاح سے پھر شرف نیاز حاصل ہوا۔ اور مرشدِ طریقت نے تمام طرق و سلاسل اور عوارف و معارف اور جواہر خمسہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ علوم ظاہر و باطن سے بہرہ یاب ہونے کے بعد شیخ پیر محمد نے لکھنؤ میں قیام کیا۔ اور تعلیم و تدریس اور ارشاد و تلقین کا مشغلہ اختیار کیا۔ اپنے وقت کے نامور علما و صوفیہ میں شمار کئے جانے لگے۔ آپ نے حاشیہ ہدایہ، مجموعہ فتاویٰ، سراج الحکمت حاشیہ ہدایت الحکمت اور منازل اربعہ تصنیف کیں۔ آپ کی وفات ۱۰۸۵ھ میں لکھنؤ میں ہوئی۔

شیخ پیر محمد کی وفات کے بعد ان کے تمام خلفا اور مریدوں نے باتفاق رائے میر محمد شفیع کو ان کا سجادہ نشین منتخب کیا۔ اور دلی سے ان کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ شیخ محمد شفیع جب لکھنؤ آئے اور ان کی رسم سجادگی کیلئے ایک مجلس منعقد کی گئی اور خانقاہ کے سارے متعلقین جمع ہوئے تو شیخ میر محمد شفیع نے اپنے مرشد پیر محمد کا سجادہ بچھایا۔ اور اپنے ہونہار شاگرد شیخ غلام نقشبند کا ہاتھ پکڑ کر سجادہ پر بٹھادیا۔ اور خود مؤدب ہو کر ان کے روبرو بیٹھ گئے۔ تمام حاضرین نے ان کی تقلید کی۔ مولانا آزاد علی بلگرامی لکھتے ہیں۔

> ”حضرت شیخ غلام نقشبند کے بلند مرتبہ کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت میر محمد شفیع نے ان کو خلافت کے لائق دیکھ کر اپنے پیر کی گدی (سجادہ) پر بٹھادیا۔ اور خود مریدانہ آداب بجالا کر ان کی قدم بوسی کی۔ درحقیقت غلام نقشبند نے اس سجادہ کو ایک عجیب قسم کی رونق دی اور اس کی شان بڑھادی۔ آپ کی ذات گرامی ظاہری و باطنی علوم کے طلب گاروں کی زیارت گاہ اور مرکز بن گئی۔ آپ نے اپنی توجہ اور فیوض و برکات سے ایک عالم کو ظاہری و باطنی کمالات سے مالا مال کر دیا۔ اس زمانہ کے اکثر علما و فضلا کا سلسلہ تحصیل کمالات آپ ہی کی ذات گرامی پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔“ (مآثر الکرام ص ۲۱۴)

میر محمد شفیع نے اپنے استاذ زادے کی تعلیم و تربیت اور جو عزت افزائی کی شاگرد نے استاذ کے عظیم احسانات کو ہمیشہ یاد رکھا۔ اور جب بھی دلی جاتے نیاز مندانہ حاضری دیتے۔

شیخ غلام نقشبند نے اپنے معاصر علما میں تعلیمی خدمات طلبہ کی کثرت اور علمی سلاسل کی افادیت و وسعت میں امتیازی و انفرادی شان قائم کرلی تھی۔ آپ سے خلق کثیر نے علمی و روحانی فیض پایا۔ آزاد بلگرامی نے تحریر کیا۔

> ونفع خلقا كثيرا بالتدريس والتلقين وسلسلة الاكثرين من علماء العصر تنتهى اليه۔
>
> (سبحۃ المرجان ص ۲۰۱)

آپ نے تدریس و تلقین کے ذریعہ خلق کثیر کو نفع پہونچایا۔ اور اکثر علمائے عصر کا سلسلہ آپ پر منتہی ہوتا ہے۔

مولانا سطر رحمان علی لکھتے ہیں :

وتمام عمر گرامی خودبافادہ و تدریس طلبۂ علوم سر بردہ جمع کثیر از افاضل نامدار بسایہ تربیتش بہ مراد خود رسیدند. وسلسلۂ تعلیم اکثر علمائے ہند بدو می پیوندد۔ (تذکرۃ علمائے ہند ص ۱۵۸)

شیخ صاحب نے اپنی پوری زندگی طالب علموں کے افادۂ تدریس میں بسر کی اور فضلا کی ایک بڑی جماعت ان کے زیر تربیت رہ کر بامراد ہوئی۔ ہندوستان کے اکثر علما کا سلسلۂ تعلیم ان پر منتہی ہوتا ہے۔

شیخ غلام نقشبند جامع کمالات عالم تھے۔ تفسیر، فقہ، حدیث، عربی ادب اور حکمت و فلسفہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ عربی زبان کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ اس ہمہ گیر علمی شخصیت کی بارگاہ سے ہزاروں تشنگان علوم و معارف نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق فیض پایا۔ ۱۰۸۵ھ سے ۱۱۲۶ھ تک تقریباً چالیس سال تک تعلیم و تربیت کی بزم آراستہ رہی۔ تلامذہ کا ہجوم دیکھ کر شیراز ہند کی علمی بہار کا زمانہ یاد آتا تھا۔ آپ سے ہزاروں نے فیض پایا۔ اور سیکڑوں تلامذہ اپنے اپنے حلقوں میں امتیازی شان کے مالک بنے۔ مگر ان میں سب سے ممتاز بانی درس نظامی ملا نظام الدین سہالوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۱۶۱ھ ہیں۔ جنہوں نے شیخ صاحب کے تعلیمی سلسلہ کو پورے ہندوستان میں پھیلا دیا۔ مولانا آزاد علی بلگرامی ملا صاحب کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ابتدائے حال بطلب علم گرد قصبات پورب برآمد واز علماء عصر فنون درسی اکتساب نمود. آخربجناب شیخ غلام نقشبند لکھنوی قدس سرہ پیوست . وبقیہ کتب تحصیلی گذرانید وفاتح فراغ خواند وھم در لکھنو حل اقامت افگند وتمام عمر بتدریس اشتغال ورزید. واعتبار واشتہار عظیم یافت." (مآثر الکرام ص ۲۲)

(ملا نظام الدین) زندگی کے ابتدائی دور میں آپ نے علم کی تلاش میں مشرق کے بہت سے قصبات کا سفر کیا۔ اور اس زمانہ کے اہل فن اور علمائے متبحرین سے درسی کتابیں پڑھیں آخر میں شیخ غلام نقشبند لکھنوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بقیہ تمام درسی کتابیں ان سے پڑھیں۔ اور فارغ التحصیل ہو کر لکھنؤ ہی میں قیام پذیر ہوگئے۔ ساری زندگی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گذاری۔ اور بڑی عزت و شہرت کے مالک ہوگئے۔

وہ آفتاب علم و فن جس نے بانی درس نظامی کے آئینہ ذات و صفات کو رشک ماہتاب بنایا اسکی نمود گھوسی ہی کے افق سے ہوئی تھی۔

شیخ غلام نقشبند کے چند اہم شاگرد یہ ہیں۔ میر عبدالجلیل بلگرامی، سید فرید الدین بلگرامی، شیخ محمد قاسم کاکوروی سید قادری بلگرامی، شیخ نور الھدیٰ امیٹھوی، مفتی نقیب اشرف لکھنوی۔

تدریس و تلقین کے علاوہ شیخ صاحب نے تصنیف و تالیف کا شغل بھی جاری رکھا۔ اور علمی و دینی موضوعات پر گرانقدر مصنفات یادگار چھوڑیں۔

(۱) تفسیر انوار القرآن (ربع قرآن) (۲) تفسیر سورۂ اعراف (۳) تفسیر سورۂ مریم (۴) تفسیر سورہ طٰہٰ (۵) تفسیر سورۂ محمد (۶) تفسیر سورۂ یوسف (۷) تفسیر سورۂ رحمٰن (۸) تفسیر سورہ عم (۹) تفسیر سورۂ کوثر (۱۰) تفسیر سورۂ اخلاص (۱۱) کتاب الفرقان (۱۲) انوار لامعہ عرشیہ در مسئلہ وحدۃ الوجود (۱۳) شرح قصیدہ خزرجیہ۔

حضرت شیخ غلام نقشبند نے رجب ۱۱۲۶ھ میں بمقام لکھنؤ ۷۵ برس کی عمر میں وفات پائی۔ اور اپنے استاذ مرشد حضرت پیر محمد لکھنوی کے مزار کے قریب ٹیلہ پیر محمد شاہ میں مدفون ہوئے۔

خانوادۂ مولانا خیر الدین علیہ الرحمۃ : گھوسی کی آبادی کے سروے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے اکثر مسلم خانوادے دوسرے مقامات سے آ آکر آباد ہوئے۔ اور قصبہ کی اجتماعی تمدنی علمی و صنعتی زندگی کا جز لاینفک بن گئے۔ ان واردین میں متعدد علمی و روحانی خاندان بھی یہاں اقامت گزیں ہوئے۔ جن میں بڑے بڑے صاحب علم و فن بزرگ پیدا ہوئے۔ اور ان کی ذات سے یہاں کی علمی و دینی سرگرمیوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ ان علمی و دینی خانوادوں میں حضرت مولانا خیر الدین علیہ الرحمہ کا خاندان سب سے ممتاز ہے۔ یہ خاندان "نوآپار" ضلع گورکھپور سے ترک وطن کر کے گھوسی میں مقیم ہوا۔ اس خاندان کے ترک وطن کی قطعی تاریخ تو معلوم نہیں۔ ہاں قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ مغلوں کے آخری دور میں برادران وطن کی چیرہ دستیوں سے تنگ آکر دریائے گھاگھرہ کے شمالی ساحلی خطہ کو خیر آباد کہہ کر گھوسی کا رخ کیا۔

حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ رامپوری : یہ گھوسی کے مضافات میں واقع مشہور گاؤں عطر ساواں کے باشندے تھے۔ طلب علم کے شوق میں رام پور گئے وہاں مولانا شاہ ارشاد حسین صاحب مجددی قدس سرہٗ کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے۔ اور جملہ علوم و فنون کی تکمیل کی، اور انھیں سے مرید بھی ہوئے۔ اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت مولانا خواجہ احمد قاری رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے میں مدرس تھے۔ پندرہ روپئے تنخواہ تھی۔ نہایت قانع، متورع، متوکل، برگزیدہ متواضع صاحب وقعت بزرگ تھے۔ ہمیشہ بے تکیہ بستر کے سوئے۔ بازار سے سودا خود لاتے دوکاندار سامان اچھا دے یا خراب کبھی شکایت نہ کی۔ محلّہ کے غربا مساکین کی دستگیری فرماتے۔ غرباء سے خاص تعلق و ربط رکھتے۔ رؤسا امراء سے دور رہتے۔ رام پور کے نواب حامد علی

خاں نے بہت کوشش کی کہ ان سے ملاقات کریں مگر مولانا نے کبھی ملاقات نہ کی۔ داڑھی منڈانے والوں سے مصافحہ اور سلام نہیں کرتے تھے۔ وہابی دیوبندیوں کا ہمیشہ رد فرماتے۔ اُن کے رد میں ان کے متعدد رسالے بھی ہیں "اعلام الاذکیاء" مسئلہ "علم غیب" "بلوغ المرام، غیر مقلدین کے رد میں۔ قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی اردو زبان میں ہے۔ جس کا ایک نسخہ ماہر ہفت لسان حضرت مولانا عاشق الرحمٰن شیخ الحدیث جامعہ حبیبیہ الہٰ آباد کے پاس ہے۔ گراموفون کے بارے میں بھی ایک رسالہ ہے۔ جس کی تقریظ میں مجدد اعظم اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے الکشف شافیا تصنیف فرمائی ہے۔ آٹھ جمادی الاولیٰ کو ۱۳۳۸ھ میں وصال فرمایا اور اپنے پیرومرشد کے حظیرے میں دفن ہوئے۔

(تذکرہ کاملان رامپور)

مولانا نذیر احمد صاحب، برکاتی : ہمارے گھوسی میں قابل ذکر شخصیت مولانا نذیر احمد صاحب مرحوم کی ہے یہ تو نہیں معلوم ہو سکا کہ انہوں نے تعلیم کہاں سے حاصل کی تھی البتہ اتنا معلوم ہے کہ یہ وارث الاکابر سراج السالکین حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ تاجدار مسند غوثیہ برکاتیہ مارہرہ سے مرید اور خلیفہ تھے یہ بہار مدھوبنی میں رہتے تھے اسی اطراف میں ان کے اچھے خاصے مرید تھے۔ وہیں ان کا انتقال ہوا ہے وہیں انکا مزار شریف ہے تذکرہ نوری میں حضرت سیدنا نوری میاں صاحب کے خلفا کی جو فہرست ان کے رجسٹر میں تھی اسی سے نقل کر کے خلفاء میں انکا نام بھی درج ہے۔

بہت درجہ بلند وبالا قد کے بزرگ تھے آواز بہت بلند اور عمدہ تھی۔ شاعر بھی تھے۔ نوشہ ان کا تخلص تھا جب گھوسی تشریف لاتے تو اکثر بعد نماز مغرب وہ مزار شریف پر جا کر اوراد و ظائف پڑھتے اور کبھی کبھی نعت بھی بلند آواز سے پڑھتے آواز اتنی بلند تھی کہ کریم الدین پور محلے میں دور دور تک پہنچتی ان کے والد بھی عالم تھے جن کا نام محمد یعقوب دلی تعلیم کے لئے گئے اور مشہور غیر مقلد میاں نذیر حسن سے دورہ حدیث پڑھا جس کی وجہ سے غیر مقلدیت آگئی اپنے وطن گھوسی آکر عوام کو رفع یدین بلند آواز سے آمین کہنے کا حکم دینے لگے اور غیر مقلدین کی مستند حدیثیں پڑھ پڑھ کر عوام کو سناتے اس وقت کے لوگوں کا ایمان بہت مضبوط تھا کسی پر ان کی باتوں کا اثر نہ ہوا لیکن مولانا برابر لوگوں کو ٹوکتے رہتے اس سے تنگ آکر لوگ کوپا گنج گئے۔ کوپا میں اس وقت سب سے مشہور اور بڑے عالم مولانا خدا بخش تھے ان سے جا کر لوگوں نے سارا قصہ بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں جمعہ کو آؤنگا تو ان سے بات کروں گا۔

حسب وعدہ جمعہ کو مولانا تشریف لائے جمعہ کے بعد مولانا خدا بخش صاحب نے مولانا یعقوب سے گفتگو کی مولانا یعقوب صاحب نے حسب عادت غیر مقلدین کی مستند حدیثیں پڑھیں اور کہا ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آمین زور سے پڑھنی چاہئیے۔ مولانا خدا بخش صاحب نے کہا کہ آپ نے جو کچھ کہا میں نے سن لیا آپ مجھے پہلے یہ بتایئے کہ آہستہ آمین کہنے سے نماز ہو جاتی ہے؟ یا نہیں مولانا یعقوب صاحب چونکہ ابھی پکے غیر مقلد نہیں ہوئے تھے ان

کے منھ سے نکل گیا کہ آہستہ آمین کہنے پر بھی نماز ہو جاتی ہے اسی پر مولانا خدا بخش صاحب نے کہا کہ جب آہستہ کہنے سے بھی نماز ہو جاتی ہے تو پھر کیوں آپ لوگوں سے کہتے پھرتے ہیں اس پر مولانا یعقوب صاحب خاموش ہو گئے۔

حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس کے بعد انھوں نے غیر مقلدیت سے توبہ کرلی اور سچے پکے حنفی ہو گئے تھے بلکہ ولی کامل ہو گئے تھے انتقال کے بعد بہت سے لوگوں نے ان کو رات میں گلیوں میں چلتے پھرتے دیکھا ہے۔

ان چند بزرگوں کے حالات اس لئے درج کر دئے گئے۔ کہ ان کے حالات سے خود گھوسی کے لوگ ناواقف ہیں۔ ماضی قریب کے علما سے سب لوگ واقف ہیں اسلئے ان کے تذکرے کی ضرورت ہم نے محسوس نہیں کی۔

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے اپنے بڑے صاحبزادے جناب مولانا حکیم شمس الھدی مرحوم کی پیدائش کے موقع پر فرمایا تھا اگر یہ میرا بیٹا عالم ہو جائے گا تو ہمارے آباء و اجداد میں دس پشت سے مسلسل عالم ہو جائیں گے۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ایک پشت قریب قریب پچاس سال کی ہوتی ہے۔ جناب مولانا حکیم شمس الھدیٰ کی ولادت چودھویں صدی کے شروع میں ہوئی تھی جس کو ایک صدی گذر چکی ہے اس کا حاصل یہ نکلا کہ یہ خاندان چھ سو ۶۰۰ سال سے مسلسل علم و فضل کی دولت سے مالامال ہے۔

بعض قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خاندان کریم الدین پور میں دیگر خاندانوں سے پہلے آکر آباد ہوا تھا۔

محلہ کریم الدین پور کے پورب بہت پرانا ایک املی کا باغ ہے جو پہلے بہت بڑا تھا یہ باغ بہت پرانا تھا مٹی ڈھلتے ڈھلتے اس کی جڑیں چار چار فٹ اوپر آگئیں تھیں اس باغ کے مالک ہمیشہ سے اسی خاندان والے رہے اور اب بھی ہیں۔ اس باغ کے جو کاغذات ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا خیر الدین صاحب کے اوپر پانچ پشت سے یہ باغ اسی خاندان کی ملکیت ہے مگر ان کے حالات معلوم نہیں۔ البتہ حضرت مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ حالات معلوم ہیں جو تحریر کئے جاتے ہیں۔ یہ حالات خاندان میں قریب قریب متواتر ہیں۔ موصوف علم ظاہر علم باطن دونوں سے آراستہ تھے اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے خود حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے ان کے یہ حالات بارہا بیان فرمایا ہے۔

جب قصبہ میں کوئی بلا نازل ہونے والی ہوتی مثلاً طاعون ہیضہ وغیرہ تو لوگوں سے کہتے بھیا لوگ گناہوں سے توبہ کرو پابندی سے نمازیں پڑھو اس کے بعد کوئی نہ کوئی وبا آجاتی اور جب یہ وبا چلی جاتی تو لوگوں سے کہتے بھیا لوگ گھبراؤ نہیں اللہ کا فضل ہو گیا ہے اس کے بعد وبا ختم ہو جاتی لوگوں نے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی وبا آنے والی ہے اور کیسے معلوم ہو جاتا ہے کہ چلی گئی تو فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ گلیوں میں خنزیر آوارہ پھرتے ہیں تو سمجھ جاتا ہوں کہ کوئی وبا آگئی ہے اور جب دیکھتا ہوں کہ خنزیر چلے گئے تو جان لیتا ہوں کہ وہ وبا چلی گئی ان کا معمول

یہ تھا کہ روزانہ بلاناغہ کوئی بھی موسم ہو گرمی ہو جاڑا ہو برسات ہو باغ والی مسجد میں جاکر تہجد پڑھتے ذکر مراقبہ کرتے اور اشراق کی نماز پڑھ کر گھر واپس آتے۔

ان کے تین صاحبزادے تھے (ا) مولوی خدا بخش ایک صاحب اور تھے جن کا نام یاد نہیں مگر میاں جی بچپن کے نام سے مشہور تھے تیسرے لعل محمد۔

پہلے صاحبزادے مولوی خدا بخش کے صاحبزادے حکیم جمال الدین صاحب مرحوم تھے بہت پایہ کے طبیب تھے عظمت گڑھ راجہ کے طبیب خاص تھے انھیں کے صاحبزادے حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ ہیں۔

دوسرے صاحبزادے میاں جی بچپن کے بیٹے مولوی یار محمد صاحب تھے جن کے فرزند حضرت مولانا محمد صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں مولانا محمد صدیق صاحب مدرسہ حنفیہ جونپور سے فارغ تھے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب کے تلمیذ خاص تھے ان کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ نے بھی ان سے کچھ کتابیں پڑھی ہیں۔ مدۃ العمر مبارکپور میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے دیگر بستیوں کی طرح مبارکپور میں بھی پہلے دیوبندیت نام کو بھی نہیں تھی پورہ قصبہ سنی تھا۔ پورہ معروف ضلع مئو کا ایک دیوبندی مولوی محمود نامی جو طبیب بھی تھا یہاں تقیہ کرکے آیا اور مدرسہ میں مدرس ہو گیا چپکے چپکے اس نے دیوبندیت کا بیج بویا اور قصبہ کے بااثر ذمہ داروں کو اپنے پھندے میں پھنسایا جب اس کا حال کھلا اور مولانا محمد صدیق صاحب وغیرہ نے اس کا پردہ فاش کیا تو جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا جس کے نتیجہ میں مدرسہ پر تالا چڑھ گیا۔ اہلسنت نے دوسرا مدرسہ قائم کر لیا جو پہلے پورہ صوفی کے ایک مسجد میں تھا اور بعد میں وہی مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کے نام سے پرانی بستی میں منتقل ہوا جسمیں حضور حافظ ملت قدس سرہٗ رہتے تھے اور اب عزیز ملت مولانا عبد الحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ اس میں رہتے ہیں ان کے دو صاحبزادے تھے شیخ العلما مولانا غلام جیلانی صاحب اور خیر الاذکیا جناب مولانا غلام یزدانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ،

مولانا خیر الدین صاحب کے تیسرے صاحبزادے لعل محمد صاحب حضرت شارح بخاری کے پرداداہیں ان کے بیٹے ثناء اللہ دلال اور ان کے فرزند جناب عبد الصمد دلال صاحب ہیں جو شارح بخاری کے والد ماجد ہیں۔

اس شاخ میں شارح بخاری سے پہلے علم و فضل نہیں تھا۔ مگر دنیوی دولت تھی شارح بخاری کے دادا ثناء اللہ دلال صاحب قصبہ کے بہت بڑے تاجر تھے کپڑا بننے کے سیکڑوں کارخانے چلاتے تھے سوت کی سب سے بڑی دوکان تھی ان کا مال بہار بنگال کے بڑے بڑے شہروں میں جاتا تھا مثلاً گلاب باغ، پورنیہ، کھگوا، کشن گنج، سلی گوڑی، جلپائی گوڑی، دیناج پور، ناگ پور وغیرہ۔

لیکن ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے بعد کاروبار پر ایسا زوال آیا کہ سب تہس نہس ہو گیا شارح بخاری کے والد ماجد انتہائی افلاس اور تنگ دستی میں گذر بسر کرتے تھے اسی افلاس کی گود سے حضرت شارح بخاری جیسا نابغۂ روزگار

فرد پیدا ہوا۔

حضرت شارح بخاری کے والد ماجد بہت بڑے متقی خدا ترس عبادت گذار شخص تھے۔ فجر کی نماز پڑھ کر ایک گھنٹہ دن نکلنے تک مستقل اوراد و وظائف میں مصروف رہتے ایک سو چار سال کی عمر میں وصال فرمایا مگر بینائی ایسی تھی کہ قرآن مجید کی تلاوت ایک پارہ روزانہ کیا کرتے تھے۔ جمعہ کے دن ٹھیک نماز جمعہ کے وقت وصال فرمایا جن کا مزار پاک حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ کے مزار پاک کے دکھن جانب ہے۔

والدہ ماجدہ کا نام سکینہ تھا جو قصبہ مدن پور دیوریا کی تھیں۔ یہ گھرانہ بہت دیندار تھا ان کے بھائی حافظ قرآن تھے جن کا نام حافظ عبد الستار تھا حضرت کی والدہ ماجدہ کا انتقال حضرت کی کم سنی میں ہوا تھا ابھی شعور بھی پوری طرح سے نہیں آیا تھا۔ حضرت کی پرورش ان کی دادی صاحبہ نے کی تھی جن کا نام سلمہ تھا۔ یہ خاتون پنج وقتہ نمازوں کی پابند تھیں اور روزانہ ایک پارہ قرآن مجید کی تلاوت کرتی تھیں ان کی تلاوت کے سلسلہ میں ایک واقعہ شارح بخاری کو یاد ہے وہ جس قرآن مجید میں تلاوت کرتی تھیں اس میں طباعت کی غلطیاں بہت تھیں تیسرے پارہ کے دوسرے رکوع میں آیۃ کریمہ یوں ہے قال کم لبثت قال لبثت یوما اوبعض یو م مگر ان کی دادی صاحبہ جس مصحف میں تلاوت کرتی تھیں اس میں چھپ گیا تھا لثت جب شارح بخاری مبارکپور میں پڑھ رہے تھے ایک دن ان کی دادی صاحبہ اسی آیۃ کریمہ کی تلاوت کر رہی تھیں اور وہی پڑھا جو اس میں چھپا ہوا تھا حضرت شارح بخاری کو یہ رکوع زبانی یاد تھا انھوں نے دادی صاحبہ کو ٹوکا اور یہ کہہ دیا کہ آپ غلط پڑھ رہی ہیں پہلے تو انہوں نے سنا ہی نہیں تلاوت کرتی رہیں مگر جب شارح بخاری نے دوبارہ ٹوکا تو انھوں نے پلٹ کر پھر آیۃ کریمہ دیکھا اور فرمایا کہ دیکھ لے اس میں لثت ہی لکھا ہے تم مجھ کو چڑھاتے ہو جب شارح بخاری نے دیکھا تو واقعی اس میں لثت ہی چھپا ہوا تھا عرض کیا کہ دادی یہ غلط لکھا گیا ہے ڈانٹ کر فرمایا کہ چل دو دن سے مبارکپور پڑھنے چلا گیا ہے تو بڑا ملا بنا ہوا ہے اس کے بعد شارح بخاری نے دوسرے قرآن مجید کو نکال کر دکھایا تو ان کے چہرہ پر عجیب رنگ آ گیا تلاوت سے فارغ ہو کر ایک حافظ جی کے پاس گئیں اُن سے پوچھا تو ان کو اطمینان ہوا۔ اس کے بعد شارح بخاری پر ان کی شفقت بہت زیادہ بڑھ گئی ایک دن رات میں سوتے ہوئے فرمایا "شریفل میری نماز کی دعائیں سن لے کہیں اس میں بھی کوئی غلطی نہ ہو" حضرت شارح بخاری نے انکی مبارک زبان سے نیت سے لے کر سلام سے پہلی والی دعا تک سنا اس وقت ان کی عمر مبارک ستر ۷۰ سے متجاوز تھی مگر سب دعائیں صحیح یاد تھیں کہیں کوئی غلطی نہیں تھی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا۔

ازواج و اولاد : شارح بخاری کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی شادی شاردا ایکٹ کے خلاف احتجاج کے طور پر والدہ ماجدہ کی حیات میں اسوقت ہوئی تھی۔ جب شارح بخاری نا سمجھ تھے۔ یہ مدنپور ضلع دیوریا کی تھیں۔ ان کا نام زینب تھا۔ یہ حضرت کے ماموں جناب حافظ عبد الرحمٰن کی صاحبزادی تھیں۔ ان سے ایک صاحبزادے محمد حبیب الحق تھے جو اپنی

والدہ کے بعد بارہ سال کی عمر میں وفات پاگئے۔ ان کا انتقال ۱۲ر شعبان ۱۳۷۶ھ میں ہوا۔

انکے بعد انھیں کی حقیقی بہن سے نکاح ہوا۔ جن کا نام نور النساء تھا۔ یہ عقد ۲۲ر رجب ۱۳۷۰ھ میں ہوا۔ ان سے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی۔ مولانا ڈاکٹر محب الحق، مولوی وحید الحق، مولانا حافظ حمید الحق، ظہیر الحق یہ چاروں باحیات اور صاحب اولاد ہیں۔ ایک صاحبزادے ڈاکٹر صاحب سے چھوٹے اور مولوی وحید الحق سے بڑے تھے جن کا نام محمد مطیع الحق تھا۔ طفولیت ہی میں لو لگنے سے بعمر چھ سال انتقال ہو گیا۔

صاحبزادی صاحبہ کا نام طلعت فاطمہ ہے انکا عقد بگھی پر مولانا محمد خورشید کے ساتھ ہوا ہے۔ صاحب اولاد ہیں۔

☆☆☆☆☆

صاحبزادہ مولانا ڈاکٹر محب الحق قادری برکاتی رضوی
بی.یو.ایم.ایس (علیگ)، دار الشفاء، گھوسی، مئو

شارح بخاری کی عائلی زندگی

جب میرا شعور بیدار ہونے لگا تو میں نے گھر میں ان افراد کو دیکھا۔ دادا صاحب جناب عبد الصمد دلال مرحوم، والدہ صاحبہ نور النساء مرحومہ، بڑے بھائی حبیب الحق مرحوم جو میری بڑی خالہ کے بطن سے تھے اور چھوٹا بھائی مطیع الحق مرحوم جو ابھی دودھ پیتا تھا۔

ابا حضور ان دنوں مدرسہ شمس العلوم قصبہ گھوسی، ضلع مئو، یوپی میں پڑھاتے تھے۔ میں روز دیکھتا تھا کہ ناشتہ کر کے کہیں چلے جاتے ہیں پھر بہت دیر کے بعد آتے ہیں۔ آتے ہی گھر کے کام میں لگ جاتے اور والدہ کھانا پکاتی ہوتیں۔ کھانا کھا کر ابا حضور پھر چلے جاتے ہیں اور شام کو واپس آتے میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ کیا ہے؟ میں اپنے کھیل کود میں رہتا اور اکثر ڈانٹ ڈپٹ پڑتی کبھی والدہ کی، کبھی ابا حضور کی، کبھی دادا صاحب کی۔ میں کبھی کبھی چھوٹے بھائی کو گود میں لینے کی کوشش کرتا تو وہ گر پڑتا، رونے لگتا جس پر ہمیشہ ڈانٹ سننی پڑتی اور کبھی کبھی اماں کے دھپا کے بھی کھانے پڑتے۔

اس وقت ہم لوگ پرانے مکان میں رہتے تھے جس میں اب برادرم مولوی وحید الحق سلمہ رہتے ہیں۔ اس وقت وہ مکان بہت چھوٹا، کچا، سفالہ پوش تھا۔ دو چھوٹے چھوٹے کمرے تھے اور ایک کوٹھری تھی۔ بہت چھوٹا سا آنگن۔ اس وقت باہر کا بیٹھک نہیں بنا تھا۔ دادا صاحب، بڑے ابا محمد مرحوم کی بیٹھک میں رہتے تھے جو دکھن رخ واقع تھی۔ ابا جی کے مہمان بھی اسی میں ٹھہرتے، ملاقاتیوں سے بھی ابا حضور وہیں ملتے جلتے، کچھ اور شعور پختہ ہوا تو معلوم ہوا کہ ابا حضور مدرسہ میں پڑھاتے ہیں۔

دادا صاحب کو دیکھتا کہ وہ کافی دن نکلنے تک وظیفہ پڑھتے پھر گھر میں آتے اور بہت دیر تک مسواک کرتے پھر حقہ تازہ کرتے۔ حقہ تازہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ فرشی کا پرانا پانی پھینکتے اور اسے دو تین مرتبہ پانی ڈال کر خوب ہلا ہلا کر صاف کرتے پھر اس میں نیا پانی ڈالتے۔ حقہ کی نے کے اندر پانی ڈالتے، اس کے اوپر کے غلاف کو پانی سے خوب تر کرتے پھر اس کو فرشی میں ڈال کر منہ سے کھینچتے، کبھی پھونک کر اس کا پانی باہر نکالتے، پھر چلم لے کر اندر تشریف لے جاتے، چلم ایک طرف رکھ کر

ہاتھ دھو کر مٹی کے ایک برتن میں جس کو ہمارے یہاں ''ملسی'' کہتے تھے اس میں دوروٹیاں توڑتے اور پھر دیگچی سے چائے انڈیل کر ملسی کو بھر دیتے اور کسی برتن سے ڈھک دیتے اس کے بعد بڑے اہتمام سے چلم بھرتے، تمباکو کو ہتھیلی پر لے کر بہت دیر تک ملتے پھر بہت سلیقہ سے چلم میں سجاتے اور اس پر مٹی کا چھوٹا سا ٹکڑا رکھ کر بہت عمدگی کے ساتھ اس میں آگ بھرتے اور پھر اسے کنارے رکھ دیتے۔ اس کے بعد چمچہ سے روٹی کھاتے۔ جب ملسی خالی ہو جاتی تو گرم چائے انڈیل کر پیتے۔ یہ دادا صاحب کا ناشتہ تھا۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر چلم لے کر بیٹھک میں جاتے اور بہت دیر تک حقہ پیتے جب چلم کا تمباکو جل جاتا تو پھر گھر میں آکر والدہ سے پیسہ لے کر گوشت خرید نے چلے جاتے۔ یہی تماشہ میں روز دیکھتا تھا۔

جب شعور کچھ اور پختہ ہوا تو والد صاحب مجھ کو مدرسہ لے جانے لگے دو تین دن تک مدرسہ عذاب معلوم ہوتا رہا۔ کہاں آزادوں کی طرح سے گھرمین رہنا، کھیلنا، دوڑنا، دھوپنا، آپس میں مار پیٹ کرنا، والدہ اور دادا صاحب ڈانٹتے یا کبھی کبھار مار دیتے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا اور کہاں مدرسہ میں آکر اجنبیوں میں گم سم بیٹھے رہنا اور ماسٹروں کا چھڑی لے کر گھومنا اور ماسٹروں کا بچوں کو ڈانٹنا اور کبھی کبھی اس طرح مارنا جیسے دھوبی بھولے گدھے کو مارتا ہے۔ میں سہما سہما رہتا مگر دو تین دن کے بعد کچھ لڑکوں سے دوستی ہو گئی تو گھر سے زیادہ مدرسہ میں مزہ آنے لگا۔ وہاں پڑھنا لکھنا تو کچھ تھا نہیں۔ بیٹھے ہوئے طرح طرح کی شرارتیں کرتا رہتا تھا۔ جب کبھی ماسٹر صاحب چھڑی تپائی پر بجاتے یا چھڑی لے کر کھڑے ہو جاتے تو ہم لوگ زور زور سے الف ب پڑھتے اور خوب جھومتے مگر گردن اٹھا کر بار بار دیکھتے کہ ماسٹر صاحب کہیں ہم کو مارنے تو نہیں آرہے ہیں۔ کبھی کبھی ماسٹر صاحب اگر مارنے آتے تو چھڑی پڑنے سے پہلے ہی ہم اس طرح چیختے گویا ہمیں ذبح کرنے والے ہیں۔ اور چھڑی پڑنے کے بعد اتنا چیختے چلاتے کہ مت پوچھو۔

سال بھر تک ہم نے کچھ نہیں پڑھا صرف حروف تہجی یاد کر لئے اور دس بارہ قاعدے پھاڑ لئے گویا ہم مکتب پڑھنے نہیں جاتے تھے قاعدہ پھاڑنے جاتے تھے۔

ایک دفعہ کسی مہمان نے مجھے دیکھ کر ابا حضور سے پوچھا کیا پڑھتا ہے۔ فرمایا پڑھتا نہیں ہے قاعدہ پھاڑتا ہے۔

جب شعور کچھ اور بیدار ہو گیا تو میں نے محسوس کیا کہ ہمارے گھر بہت عسرت اور تنگ دستی ہے۔ اس کے باوجود اوسط درجے کی زندگی ہم لوگ گذارتے تھے۔ روزانہ دوپہر کو گوشت روٹی رہتا،

دو بوٹی سے زیادہ کبھی گوشت نہیں ملتا اور رات میں دال چاول اور صبح کو رات کے بچے ہوئے دال چاول کا ناشتہ ہوتا۔ جسے ہم لوگ باسی کھانا کہتے تھے یعنی اس وقت ہمارے یہاں ناشتہ کی تعبیر یہ تھی کہ باسی کھالیا۔

ایک مرتبہ والد صاحب نے آکر دال بھات کو دیکھا تو سڑا ہوا پایا۔ تو والدہ صاحب کو بہت ڈانٹا اور فرمایا ان بچوں کو سڑا ہوا کھانا کھلا کر مار ڈالے گی۔ آج سے باسی کھانا کھلانا بند۔ بچوں کو روزانہ تازہ روٹی پکا کر چائے بنا کر کھلایا کرو۔ اس دن سے پرانا متوارث ناشتہ بند ہو گیا اور ہم لوگوں کو تازہ روٹی اور چائے ناشتہ میں ملنے لگی۔ کبھی کبھی رات کی بچی ہوئی باسی روٹیاں بھی ملتیں۔ چائے ملنے کی خوشی میں اس کا کوئی ملال نہ ہوتا۔ اگرچہ یہ چائے کیا ہوتی تھی بس بقدر خرچ والدہ ماجدہ پانی کھولاتیں اس میں گڑ ڈالتیں اور کچھ دودھ ڈال کر دیتیں اور برائے نام چائے کی پتی ڈال دیتیں گویا یوں کہئے کہ چائے کی پتی نہیں ڈالتی تھیں بلکہ چائے کی پتی ڈالنے کی نیت کر لیتی تھیں۔ یہ احساس تو اب ہو رہا ہے۔ اس وقت ہم لوگوں کے لئے یہ چائے نعمت غیر مترقبہ تھی۔ ہم دونوں بھائی زمین پر پالتی مار کر پیالہ لے کر بیٹھ جاتے اور بڑی شدت سے انتظار کرتے کہ کب چائے تیار ہو۔ اس درمیان میں والدہ ماجدہ کے بہت سے تلخ و ترش کلمات طیبات سنتے رہتے مگر چائے روٹی ملنے کی امید میں ہم پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا۔

غرض کہ میں نے اپنے شعور کے پختہ ہونے سے پہلے گھر کا جو ماحول دیکھا تھا وہ قلم بند کر دیا۔ والد صاحب اس کی بھی بہت سختی سے تاکید کرتے تھے کہ بچے صاف ستھرے رہیں۔ آج ہم نے جو محسوس کیا وہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کا لباس بھی اوسط درجہ کا ہوتا تھا اور کھانا بھی۔ آج جو کھانے پینے کا معیار ہے وہ بھی اوسط درجے میں قریب قریب وہی ہے جو میں نے اوپر شمار کرایا۔ لیکن کبھی کبھی ایسا وقت بھی آ گیا کہ ہم لوگوں کو اللہ کا نام لے کر سونا پڑا۔ ایسے موقع پر والد صاحب سخت مغموم اور محزون رہتے۔ والدہ کو سخت تاکید تھی کہ دادا صاحب کو کبھی بھوکا مت رکھنا۔ ان پر یہ بات منکشف نہ ہونے پائے کہ گھر میں کچھ نہیں۔ چنانچہ اس کی پوری پابندی ہوئی۔ ایسے موقع پر پڑوسیوں سے ادھار آٹا لے کر دادا صاحب کے لئے کھانے کا انتظام کیا جاتا اور صبح کو ان کی چائے روٹی کا۔ ایک بار ایسی عسرت و تنگ دستی ہوئی کہ عید کے موقع پر نہ ہم لوگوں کے لئے نیا کپڑا بنا اور نہ ٹوپی خریدی گئی نہ جوتا۔ بھرم قائم رکھنے کے لئے عید کے لئے تھوڑی سیویوں کا انتظام ہو گیا حتی کہ ہم لوگوں کو عید کے دن عیدی بھی نہیں ملی۔ عزیز و اقربا کی طرف سے جو عیدیاں آئیں انھیں کو الٹ پھر کر ان میں

بانٹ دی گئیں۔ اس عید کے موقع پر ہم لوگوں پر بھی کافی اثر پڑا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار عید کے موقع پر میرے بھائی مطیع الحق مرحوم نے عید کے دن نئے کپڑے کے لئے ضد کیا، مچل گیا۔ والدہ نے اس کو ڈانٹا ابا حضور نے دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور پھر والدہ سے کہا کہ یہ نا سمجھ ہے نہیں جانتا کہ ہم کس حال میں ہیں؟ ضد کر رہا ہے تو اسے پیار سے سمجھانا چاہئے۔ الٹے اسے ڈانٹتی ہو۔ وہ بھی عید کے دن۔ پھر اس کو گود میں لیا، پیار کیا، چمکار کر فرمایا بیٹا! آج اس کو پہن لو پھر میں تم کو ملا سلا دوں گا۔ پھر اپنے ہاتھ سے اس کو کپڑے پہنائے۔ مجھے یاد ہے کہ صرف پاجامہ اور کرتا تھا ٹوپی بھی نہیں تھی جوتے کا کیا سوال؟

اس زمانہ میں والد صاحب کی تنخواہ پچاس روپۓ تھی۔ والدہ ماجدہ گھر کا کام کرتی تھیں۔ مگر جس وقت کی میں بات کر رہا ہوں ہمارے گھر سات آدمیوں کا خرچہ تھا مجھے یاد ہے جب تک ابا حضور شمس العلوم میں رہے عسرت و تنگدستی ہی رہی پھر جب فضل رحمانیہ پچپیڑوا گئے تو کچھ فراخی پیدا ہوئی پھر بریلی شریف جانے کے بعد کچھ اور کشادگی بڑھی لیکن پسماندہ کچھ نہیں بچتا تھا۔

مکان انتہائی خستہ ہو چکا تھا۔ دیواریں بھی کمزور ہو گئی تھیں۔ چھت سفالہ پوش تھی۔ اس کی کڑیاں بھی گھن گھن کر لچک گئی تھیں اور کچھ کا کچھ حصہ ٹوٹ بھی چکا تھا۔ ہم لوگوں کو ہمیشہ ڈر لگا رہتا تھا خصوصاً برسات میں کہ کہیں چھت بیٹھ نہ جائے اور ہم لوگ اس میں دب جائیں۔ ابا حضور بھی جب گھر آتے تو اکثر چھتوں کو تکتے رہتے۔ لیکن بس نہیں چلتا کہ اس کی نئی تعمیر کرا دیں ایک بار فرمانے لگے کہ برسات میں کبھی کبھی راتوں کو نیند نہیں آتی ہے اس اندیشے سے کہ کہیں چھت بیٹھ نہ گئی ہو۔ فرماتے روزانہ ڈاک آنے کے وقت کھٹکا رہتا کہ کہیں یہ نہ خبر ہو کہ مکان کی چھت بیٹھ گئی۔ لیکن بریلی شریف کی ملازمت کے صدقے میں یہ پرانہ مکان ڈھا کر نئے سرے سے اس کی تعمیر ہوئی جس سے ہم لوگوں کو سکون ہوا۔ لیکن کافی قرض لینا پڑا۔ جب ابا حضور بلرام پور پہنچے تو اگرچہ وہاں تنخواہ اتنی زیادہ تھی کہ اس وقت اہل سنت کے مدارس میں کسی کی نہیں تھی یعنی تین سو روپۓ ماہانہ تو امید ہو چلی کہ اب کچھ کشائش ہو گی لیکن ابا حضور کی فطری فیاضی اور سخاوت نے ہماری عسرت میں کوئی کمی نہیں کی۔ ابا حضور کی عادت تھی اور اب بھی ہے کہ جو بھی ملاقات کے لئے آتا تو اسے چائے ضرور پلاتے، پان وغیرہ کا عادی ہوتا تو اسے بھی پیش کرتے، بیرونی مہمانوں کی ان کی شایان شان ضیافت کرتے اور اب بھی یہی عادت ہے جو سب کو معلوم ہے۔ جامعہ اشرفیہ میں یہ دستور ہے کہ مہمانوں پر جو صرفہ ہو تو بل بنا کر مدرسہ سے وصول کر لیا جائے۔ اس کے مطابق اشرفیہ کے ابتدائی

دنوں میں اہم خراجات اشرفیہ سے وصول کرتے چھوٹے موٹے چھوڑ دیتے مگر برسہا برس سے اب اسے بھی بند کر دیا ہے۔ کبھی کبھی مہمانوں کی آمد پر سینکڑوں روپے خرچ کر دیتے ہیں لیکن مدرسہ سے ایک پیسہ وصول نہیں کرتے۔ جامعہ اشرفیہ کے سابق ارباب حل وعقد نے یہ دستور بنا رکھا ہے کہ شام کا کھانا عصر کے وقت تک تقسیم ہو جائے۔ مدرسین کو بھی اور طلبہ کو بھی۔ مغرب سے پہلے پہلے مطبخ کے داروغہ صاحب اور سارے باورچی اس طرح غائب ہو جاتے ہیں کہ ڈھونڈھنے پر بھی نہیں ملتے اور مہمانوں کی آمد کا معاملہ یہ ہے کہ وہ کسی وقت بھی آسکتے ہیں۔ اب اگر کچھ مہمان مغرب کے وقت یا مغرب کے بعد سے لے کر رات کے کسی حصہ میں آئے اور اخلاقی طور پر اپنی اور مہمان کی شان کے لائق ضیافت ضروری ہے تو اس کا سارا بار ابا حضور اپنی جیب پر ڈالتے ہیں مگر اب اللہ کا فضل ہے اب ہماری معاشی حالت بھی قابل اطمینان ہے۔

اپنی معاشی تنگی کو دیکھتے ہوئے ابا حضور نے مجھ کو اپنی منشا کے خلاف طب پڑھنے کا حکم دیا اور میرا داخلہ بہت کوششوں سے علی گڈھ طبیہ کالج میں کرا دیا اور اس کی پوری کوشش فرمائی کہ مجھے علی گڈھ میں کوئی تنگی محسوس نہ ہو۔ بڑے باپ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے میرے دماغ میں بڑائی کا احساس تھا اور میری راہ ورسم مالداروں کے لڑکوں سے تھی جس کی وجہ سے اخراجات غیر معمولی ہو جاتے۔ اس کا احساس ابا حضور کو تھا۔ کبھی کبھی مجھے تنبیہ فرماتے کہ تم کو سوچنا چاہئے کہ تم ایک غریب مولوی کے بیٹے ہو۔ غریبوں کی طرح زندگی گذارو، غریبوں سے میل مروت رکھو مالداروں سے دور رہو۔ لیکن میں کہاں سنتا اس کے باوجود کبھی مجھے ابا حضور سے پیسے مانگنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ خود ہی اندازہ لگا کر زیادہ سے زیادہ بھیج دیا کرتے تھے۔

ابا حضور کے بارے میں اگرچہ مشہور ہے کہ جلالی بزرگ ہیں اور یہ ایک حد تک صحیح بھی ہے لیکن یہ وقتی ہوتا ہے۔ شفقت، مرحمت، بے پایاں ہے۔ ہم لوگوں کی ذرا سی تکلیف کو برداشت نہیں کر پاتے۔ ہم لوگوں کو ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کرتے، ہماری ہر فرمائش کو پوری کرتے۔ ہم میں کوئی بیمار پڑ جاتا تو بے چین ہو جاتے۔

ابا حضور کی شفقت و محبت کا وہ نقش اب تک میرے دل پر کالجر ہے جس کا ظہور میرے ساتھ ہوا تھا۔ ابا حضور بریلی شریف تھے وہاں حکومت نے ان پر مقدمہ قائم کر دیا تھا جس کی تاریخ ۱۹۵۷ء کے مارچ میں تھی۔ یہ شعبان ۱۳۷۶ھ تھی۔ بریلی شریف مدرسہ مظہر اسلام میں تعطیل کلاں کے بعد بھی ابا حضور گھر تشریف نہیں لائے کیوں کہ تاریخ کے لئے پھر بریلی شریف جانا پڑتا اور زیر باری

ہوتی۔ میرے بڑے بھائی حبیب الحق مرحوم اوائل شعبان میں سخت بیمار ہوئے۔ ابتدا میں اطلاع نہیں کی گئی کہ اب تعطیل کلاں میں آئیں گے ہی۔ ابتدا میں بھائی جان کو ٹائیفائد ہوا پھر شدید قسم کا نمونیہ ہوگیا۔ جب حالت بہت نازک ہوگی تو تار کیا گیا۔ مگر والد صاحب کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ اس کا صدمہ ابا حضور کو بہت سخت ہوا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ وہ پہلی اولاد تھے اور انتقال کے وقت ان کی عمر بارہ سال ہو چکی تھی۔ دوسرے اس وجہ سے کہ وہ اپنی والدہ مرحومہ کی تنہا یادگار تھے۔ ان کے انتقال سے ان کی والدہ کی نسل منقطع ہو گئی اس تصور سے ابا حضور کو سخت اذیت تھی۔

سوء اتفاق اسی سال رمضان میں مجھے بھی ٹائیفائڈ ہو گیا اور سخت قسم کا مسلسل علاج ہو تا رہا۔ لیکن مرض بڑھتا گیا۔ گھوسی میں جتنے اچھے سے اچھے معالج میسر تھے سب کا علاج کرایا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ میری چارپائی کے پاس ابا حضور رات رات بھر بیٹھے رہتے۔ اکثر آنکھیں ڈبڈبائی رہتیں۔ ہمیشہ اداس رہتے۔ بڑی مشکل سے کچھ کھاتے پیتے بالآخر مئو کے ایک طبیب کے علاج سے پندرہ بیس شوال تک شفا ہوئی تو ابا حضور کا چہرہ کھل اٹھا۔ پانی گرم کرا کے اپنے ہاتھوں سے مجھے نہلایا دھلایا، بدن تولیہ سے پونچھا، کپڑا، پہنایا، اپنے ہاتھ سے چائے پلائی۔ پیار سے پوچھا بیٹا کیا کھاؤ گے؟ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کیا خواہش کی تھی۔ اسے تیار کرایا سامنے بٹھا کر کھلایا پھر شام کو بریلی شریف تشریف لے گئے۔

ان ایام میں ابا حضور کا کرب بے چینی، اداسی اب تک میرے دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہے۔

اس حالت میں بھی اعتکاف

ساتھ ہی ساتھ ابا حضور کا اللہ عزوجل سے جو تعلق ہے اس کا بھی ایک نظارہ کرتے چلئے۔

ابا حضور کا ہمیشہ سے معمول تھا کہ رمضان المبارک اخیر عشرے میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ امسال رمضان میں میری شدید علالت کے باوجود اعتکاف نہیں چھوڑا البتہ روزانہ استنجے کے لئے جب گھر آتے تو کلوخ لئے ہوئے میرے پاس آتے سر پر ہاتھ رکھتے میرا حال چال پوچھتے مگر اعتکاف نہیں چھوڑا۔

اعتکاف کے ایام ہی میں مجھے دست آنے لگا۔ ٹائیفائڈ میں دست آنا بڑی ردی علامت ہے۔ ایک دن زیادہ دست آنے کی وجہ سے میرے اوپر غشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اماں نے کسی کے ذریعہ سے اطلاع بھجوائی مگر پھر بھی اعتکاف نہیں توڑا۔ غالباً ان کی دعاؤں ہی نے مجھے نئی زندگی عطا کی۔

ابا حضور بال بچوں کی کماحقہ خبر گیری اور حتی المقدور انہیں اچھے سے اچھا کھانا کھلانے پلانے اور

رکھنے کے شوق کے ساتھ ساتھ اپنے اعزا و اقربا اور پڑوسیوں کا بھی بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔
ہمارے پڑوس میں دونوں طرف ہمارے بڑے ابا کے مکانات ہیں۔ بڑے ابا محمد کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کے سب بچوں کی پرورش کا بار تقریباً ابا حضور رپر تھا۔ بڑے ابا کو سنگرہنی ہو گئی تھی۔ مقامی علاج سے جب کوئی فائدہ نہیں ہوا تو خیر آباد کے ایک طبیب کا علاج شروع ہوا۔ ہفتہ میں ایک بار خیر آباد جانا پڑتا۔ آج کی طرح اس وقت سواریاں اتنی زیادہ نہیں تھیں۔ خیر آباد جانے کے لئے صرف ٹرین تھی۔ وہ بھی بے تکی۔ صبح ایک ٹرین سے ادری جاتے۔ ادری میں بلیا سے شاہ گنج جانے والی دوسری ٹرین ملتی پھر وہ ٹرین مئو جا کر ایک گھنٹہ قیلولہ کرتی۔ ڈھائی تین بجے محمد آباد پہنچتی۔ محمد آباد سے پیدل چل کر خیر آباد جاتے۔ خیر آباد میں ان کی ایک چچازاد پھوپھی تھیں۔ ان کے یہاں رات گذارتے پھر صبح کو دوا لے کر دس بجے مئو کے لئے ٹرین ملتی اس سے چل کر چار بجے گھوسی پہنچتے۔ اس طرح دو دن مدرسہ کا نقصان ہوتا اور مدرسہ کے ناظم بہر حال ناظم ہیں ہر قانون کی طرح ان کا قانون بھی اندھا ہوتا ہے۔ مدرسہ کے دستور کے مطابق پندرہ دن سے زیادہ چھٹی لینے پر تنخواہ کٹ جاتی جس سے ناظم صاحب کو تو بہت خوشی حاصل ہوتی۔ لیکن جس کی تنخواہ کٹتی اس پر کیا گذرتی؟ ڈھائی مہینے تک یہی چکر رہا۔ جب ابا حضور نے محسوس کر لیا کہ یہ مرض لا علاج ہے تو ڈھائی مہینے کے بعد حکیم جی سے پوچھا کہ صاف صاف بتایئے کہ کیا میرے بھائی اچھے ہو سکتے ہیں۔ حکیم جی نے صفائی سے بتا دیا کہ مولانا وہ اچھے نہیں ہو سکیں گے۔ مرض لا علاج ہو چکا ہے۔ چنانچہ ایک ہفتہ کی دوا لے کر آئے اور پھر بڑے ابا کو حکیم جی کی یہ سب بات سنادی۔ بڑے ابا خود مفلوک الحال تھے ان کی ایک صاحب کی شرکت میں آٹا کی ایک چکی چلتی تھی۔ جب بڑے ابا صاحب فراش ہو گئے تو شریک نے ان کے حصے کا پیسہ دینا بند کر دیا۔ علاج کے اخراجات خیر آباد آنے جانے کے اخراجات سب ابا حضور برداشت کرتے۔ جب کہ حال یہ تھا کہ ابا حضور کی پچاس روپئے ماہانہ مدرسہ کی تنخواہ کے علاوہ اور کوئی آمدنی نہیں تھی۔ علاج بند کر دیا گیا۔ اس کے تین دن بعد بڑے ابا کا انتقال ہو گیا۔

اسی طرح دوسرے بڑے ابا محبوب حسین صاحب بھی کثیر العیال، مفلوک الحال تھے ان کی سات لڑکیاں اور تین بیٹے تھے۔ بہت عسرت سے گذر بسر ہوتی تھی، ابا حضور ان کی بھی بہت کچھ مدد کیا کرتے تھے جس کی کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی تھی۔

میری نانی صاحبہ مریم خاتون ایک مصیبت زدہ بیوہ خاتون تھیں۔ ان کی پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹے غلام یٰسین مرحوم تھے۔ جو عین جوانی میں انتقال کر گئے۔ پھر نانی صاحبہ نے میری والدہ کے سابق

شوہر محمد مرتضیٰ حسین خالو کو داماد بنالیا۔ مگر اللہ کی شان بے نیازی دو ہی سال کے بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ نانی صاحبہ میری والدہ کو لے کر گذر بسر کرتی تھیں۔ جب میری بڑی خالہ کا انتقال ہو گیا تو ان کے خاندان کے لوگوں نے بھی اور گاؤں کے سب متعلقین نے نانی صاحبہ کو سمجھا بجھا کر والد صاحب کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ اب نانی صاحبہ اپنے گھر میں اکیلی رہ گئیں۔ ان کے پاس جو پسماندہ رقم تھی اسی سے گذر بسر کرتی تھیں۔ دوسرے تیسرے مہینے ابا حضور ان کے یہاں جاتے اور ان کی ضروریات کو مہیا فرماتے۔ نانی صاحبہ سے بار بار عرض کیا کہ آپ چلئے ہمارے یہاں رہئے۔ مگر وہ بہت غیور خاتون تھیں اس پر راضی نہیں ہوئیں۔ ایک بار وہ سخت بیمار ہوئیں، تیمارداری کے لئے ہماری چھوٹی خالہ زیب النساء کو گھر بار چھوڑ کر ان کے یہاں آنا پڑا۔ ابا حضور کو خبر ہوئی تو والدہ کو لے کر یہ بھی پہنچے ابا حضور جب پہنچے تو نانی صاحبہ نے اپنی بے کسی اور تکلیف کی روداد سنائی اس پر ابا حضور نے ان سے کہا کہ میں آپ سے بار بار کہتا ہوں کہ آپ میرے گھر چلئے۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ آپ کسی دن اکیلے اسی گھر میں چل بسیں گی۔ کوئی آگے پیچھے نہیں ہوگا۔ تو نانی صاحبہ نے کہا بابو! دعا کرو اسی بیماری میں میرے دن پورے ہو جائیں اور اگر میں اس بیماری سے بچ گئی تو اب آپ کے یہاں چل کر رہوں گی۔ خدا کی مرضی کہ وہ ٹھیک ہو گئیں۔ سفر کے قابل ہو گئیں تو والد صاحب انھیں گھر لے آئے اور حقیقی ماں کی طرح ان کی خدمت کی۔ پہلی بار جب حج سے واپس آئے تو گلاس میں زمزم بھر کر اور کھجوریں لے کر نانی صاحبہ کی خدمت میں پہنچے اور کھجوروں کے نام بتا بتا کر ان کو کھلایا اور پھر زمزم شریف پلایا۔ اس وقت کا منظر میں نہیں بھولتا۔ ابا حضور کا چہرہ خوشی سے جگمگا رہا تھا، کھجوریں توڑ کر بیجیں نکال کر نانی صاحبہ کو دیتے اور بتاتے یہ فلاں کھجور ہے یہ فلاں کھجور ہے۔ نانی صاحبہ ان سے مختلف سوالات کرتیں۔ مکہ کیسا ہے؟ کعبہ کیسا ہے؟ مدینہ کیسا ہے؟ حضور کا مزار کیسا ہے؟ کدھر ہے؟ بی بی فاطمہ کا مزار کہاں ہے؟ ابا سب باتیں تفصیل سے بتاتے رہے۔ غرض کہ ان کو حقیقی ماں کی طرح رکھا۔ نانی صاحبہ خود فرماتی تھیں کہ مفتی صاحب نے میرے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ اگر ہمارے بابو لیٰسین ہوتے تو وہ بھی اس سے زیادہ نہ کرپاتے۔

دادا کے ساتھ برتاؤ

دادا صاحب نے طویل عمر پائی ایک سو چار سال کی عمر ہوئی۔ لیکن قُویٰ بہت اچھے تھے۔ اخیر وقت تک بینائی بھی اتنی اچھی تھی کہ بعد ظہر بغیر چشمے کے تلاوت کر لیا کرتے تھے۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند،

بہت بڑے وظیفہ گذار اور مرتاض بزرگ تھے۔ معمولات کے سخت پابند، اس میں ذرہ برابر فرق نہیں آنے دیتے تھے۔ روزانہ نماز فجر کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ وظیفہ کرتے اور والدہ ماجدہ سے میٹھا مانگ کر پانی پیتے پھر چلم بھرتے پھر بیٹھک میں جاکر آرام فرماتے۔

میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ابا حضور نے کبھی دادا صاحب کو الٹ کر جواب دیا ہو یا ان کی کسی خواہش کو رد کیا ہو۔ چونکہ دادا صاحب کا بچپنا اور جوانی بہت عیش و تنعم میں گذرا تھا۔ اس لئے وہ کچھ زودرنج بھی تھے۔ ذرا سی بات پر خفا ہو جاتے۔ لیکن ابا حضور ہمیشہ ان کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے۔

دیگر رشتہ داروں سے تعلقات

ابا حضور ہمیشہ سارے رشتہ داروں کا حسب مراتب لحاظ اور خیال رکھتے تھے۔ ہمارے چھوٹے دادا یعنی ابا حضور کے حقیقی چچا جناب عبدالاحد صاحب مرحوم کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کرتے تھے۔ جو دادا صاحب کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ کوئی تفریق نہیں کرتے۔ چچازاد بھائیوں کے ساتھ حقیقی بھائیوں جیسا سلوک کرتے، سب کے دکھ درد میں شریک ہوتے، سب کے کام آتے۔ میری بڑی خالہ کو حقیقی بہن کی طرح مانتے تھے۔ ان کے سب بچوں پر حقیقی بھانجوں کی طرح کرم فرماتے۔ خاندان اور رشتہ داروں میں اتفاق واتحاد کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے اس کو پسند نہیں فرماتے کہ آپس میں اختلاف رہے۔

جب معاشی حالت کچھ سدھر گئی تو عزیز واقربا کے حالات پر پوری نظر رکھتے اگر کسی کے بارے میں معلوم ہو جاتا تو اس کی ضرورت پوری فرماتے جس کی کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی، مختصر یہ ہے کہ ابا حضور باپ کے لئے انتہائی سعادت مند فرزند، اور بچوں کے لئے انتہائی شفیق مہربان باپ، رشتہ داروں کے لئے خدا کی رحمت ہیں، اگر میں جزئی واقعات لکھوں تو ایک دفتر تیار ہو جائے گا۔ میں اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ ابا حضور جیسا باپ اللہ تعالیٰ ہر اولاد کو عطا فرمائے۔

☆☆☆

مولانا محمد اختر کمال قادری مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڈھ

شارح بخاری کے ابتدائی حالات زندگی

پیدائش اور خاندان : نائب مفتی اعظم ہند شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ العالی قصبہ گھوسی ضلع مئو (سابق ضلع اعظم گڈھ) کی ایک منفرد نادر روزگار دینی علمی شخصیت ہے۔ گھوسی جسے مدینۃ العلماء کہا جاتا ہے موصوف اسی کے ایک مشہور محلہ کریم الدین پور کے ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں جس خاندان میں گھوسی کے مشہور عالم دین متبع سنّت صاحب کرامت بزرگ خلیفۂ اعلیٰحضرت فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی رضوی مصنف بہار شریعت تولد ہوئے۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ اسی خانوادے میں ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوئے۔ یہ خاندان ہمیشہ علم و فضل کا معدن اور اہل گھوسی کا دینی مقتدا و پیشوا رہا ہے۔ حضرت کے مورث اعلیٰ مولانا خیر الدین صاحب علم ظاہر و باطن کے جامع صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ ان کے تین صاحبزادے، مولوی خدا بخش، مولوی یار محمد اور لعل محمد تھے۔ دو اول الذکر زیور علم سے آراستہ تھے۔ مولوی خدا بخش ایک متدین عالم اور خدارسیدہ بزرگ تھے آپ ہی حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے جد امجد ہیں۔ حضرت شارح بخاری کے جد اعلیٰ تیسرے صاحبزادے لعل محمد صاحب ہیں۔ ان کے فرزند جناب ثناء اللہ دلال صاحب اور انکے فرزند حضرت کے والد ماجد عبد الصمد دلال صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔ حضرت کے والد عابد صفت صوم و صلوٰۃ کے نہایت پابند بڑے نیک بزرگ تھے۔ بچپن میں ہم لوگ دیکھا کرتے تھے کہ نوّے سالہ نحیف و ناتواں شخص ٹھنڈیوں میں بھی بلا تکلف تازہ پانی سے وضو کرتے تھے۔ گاؤں کے بچے روزانہ بچوں کو دعا کرانے آپ کے یہاں جایا کرتے تھے۔

مالی حالت : حضرت کے دادا ثناء اللہ دلال صاحب کپڑوں کے بہت بڑے تاجر تھے، خود مال تیار کراتے اور اس کی سپلائی رنگ پور (بنگلہ دیش) سلی گوڑی، جلپائی گوڑی، دیناجپور، گلاب باغ، پورنیہ، کھگڑہ، کشن گنج کے بازاروں تک کرتے تھے۔ اس وقت مالی پوزیشن خوب تھی مگر دولت و حکومت ہمیشہ کسی کے ساتھ وفا نہیں کرتی۔ حالات نے کروٹ لی اور آپ کے والد زبوں حالی کا شکار ہو گئے اور غربت و افلاس میں زندگی گزرنے لگی۔ مگر اس تنگدستی کے

باوجود انھوں نے بیٹے کی تعلیم کا عزم کرلیا۔ خود مشقتیں جھیلیں فاقہ کی بھی نوبت آجاتی مگر آپ کو پڑھاتے رہے اور ان کے استقلال وہمت میں کوئی فرق نہیں آیا اور آپ کی تعلیم برابر جاری رکھی۔ صاحبزادے بھی صبر ورضا کے ساتھ اطاعت شعاری کے جذبے سے سرشار محنت ولگن کے ساتھ تحصیل علم وفن میں کوشاں رہے۔ حضرت شارح بخاری فرماتے ہیں کہ عہد طالب علمی میں نہ پہننے کے کپڑے ٹھکانے کے تھے اور نہ ڈھنگ کا بستر، جوتے تو کبھی نصیب نہ ہوئے اس زمانے میں کھٹ پٹی رائج تھی لکڑی کے تلوے پر چمڑے کی پٹی کیل سے ٹھونک کر بنائی جاتی تھی۔ جوتے کے بجائے اکثر وہی میسر آتی۔ جاڑے کا لباس بھی معمولی ہی ہوتا۔ ایک کمبل نما چادر میں پورا جاڑا گذر بسر کرلیتے۔ مدرسوں میں اکثر بغیر ناشتہ کے رہتے گھر سے لایا ہوا ستو اور بھونا چنا جبتک رہتا ناشتہ کرتے کبھی کبھار والد صاحب بھی بھیج دیتے۔ آپ گھر بہت کم جاتے تھے کسی مناسب موقعہ پر جس میں تعلیمی نقصان نہ ہوتا گھر تشریف لے جاتے۔ زیادہ دن ہو جاتے تو والد صاحب کے بلانے پر چلے جاتے۔ آپ کی والدہ کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا آپ کی دیکھ بھال ضعیف العمر دادی کے سر تھی۔ مبارک پور عہد طالب علمی میں کرایہ نہ ہونے پر کبھی پیدل ہی گھوسی چلے جاتے۔ گھر سے جو کچھ اس زمانہ میں صرفہ کے لئے ملتا اسے بڑی احتیاط کے ساتھ ضروری اخراجات میں صرف کرتے اور کسی قسم کی فضول خرچی نہ کرتے تھے اسطرح آپ نے اپنا پورا زمانۂ طالب علمی صبر ورضا اور قناعت کے ساتھ گذارا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج شانِ استغنا کے ساتھ منکسرانہ متوسط زندگی گذار رہے ہیں۔

تعلیم وتربیت : آپ کے والد ماجد آپ کی عمدہ تعلیم وتربیت کے خواہش مند تھے اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ آپ کے دادا بہت بڑے دولت مند تھے اور دولت دنیوی کا انجام زوال آپ کے والد محترم دیکھ چکے تھے۔ اس لئے صاحبزادے کو ایسی دولت سے مالامال کرنے کا عزم کیا جو کبھی زوال پذیر نہ ہو اور الحمد للہ وہ اپنے اس عزم وحوصلے میں پوری طرح کامیاب ثابت ہوئے اور بیٹے کو علم وفن کا درشاہوار بنادیا۔

اس زمانے میں قصبہ گھوسی میں اچھی تعلیم کا باقاعدہ کوئی انتظام نہ تھا۔ انفرادی کوششوں سے گھریلو انداز کی تھوڑی بہت تعلیم ہوتی تھی، ایک دو مکتب تھے۔ ایک مکتب محلہ بڑا گاؤں باغیچہ میں تھا۔ جس کی دیکھ بھال حضرت صدر الشریعہ کے منجھلے بھائی جناب حکیم احمد علی کرتے تھے۔ اس مکتب میں پانچ سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا جس میں قرآن مجید ناظرہ اور درجۂ چہارم تک اردو حساب وغیرہ پڑھی۔ پھر آمد نامہ فارسی اوّل دوم تک تعلیم ہوئی کہ عوام کی عدم تعاون کی وجہ سے وہ مدرسہ نہ چل سکا اور بند کردیا گیا۔ پھر جناب حکیم احمد علی صاحب نے کرم فرمائی کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب کو اپنے گھر پر کچھ دنوں تک پڑھایا جہاں گلستاں وغیرہ کی تعلیم ہوئی۔

مبارک پور آمد : حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے حکم پر حضرت حافظ ملت مولانا الشاہ عبد العزیز قدس سرہ جب شوال ۱۳۵۲ھ میں مبارک پور تشریف لائے اور آپ کی شبانہ روز کاوش ومحنت اتنی جلد بار آور ہوئی کہ تشنگانِ

علوم نبوت اطراف ملک سے مبارکپور پہنچنے لگے تو حضرت شارح بخاری بھی اپنی کم سنی ہی میں ۱۰ر شوال ۱۳۵۳ھ مطابق جنوری ۱۹۳۵ء مدرسہ مصباح العلوم مبارک پور اعلیٰ تعلیم کی تحصیل کیلئے حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے ہمراہ تشریف لے آئے۔ یہاں ۱۰ر ۱۱ر ۱۲ر شوال المکرم ۱۳۵۳ھ کو باغ فردوس (۵۳ھ ۱۳) دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم کی نئی عمارت کے سنگ بنیاد کا جلسہ تھا جس میں شرکت کیلئے حضرت صدر الشریعہ مبارک پور تشریف لا رہے تھے۔ جلسے کی مصروفیات سے فراغت کے بعد ۱۴ر شوال کو حضرت حافظ ملت قبلہ نے حضرت مفتی صاحب کے داخلے کا امتحان لیا حضرت فرماتے ہیں کہ مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے کہ حافظ صاحب قبلہ نے گلستاں کے دیباچہ کا اخیر حصہ پڑھوایا تھا۔ شارح بخاری نے تمام جگہ فارسی عبارات کا بخوبی ترجمہ کر دیا عربی جملوں کا ترجمہ نہ کر سکے اور خاموش رہے جب کہ حافظ ملت قبلہ نے متعدد جگہ عربی جملوں کا ترجمہ معلوم کیا۔ آپ فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ معلم حکیم احمد علی صاحب مرحوم گلستاں کی صرف فارسی عبارات کا ترجمہ کراتے تھے۔ عربی جملوں کے ترجمہ سے مبتدی طلبہ کے ذہن کو پریشان نہ کرتے اس لئے خاموش رہے اور یہ کہنا سوءِ ادبی جانا کہ ہمارے استاذ نے ترجمہ نہیں کرایا ہے۔ حضرت شارح بخاری کی یہ فراست قابل تعریف ہے جب کہ اس وقت آپ کی عمر صرف بارہ سال کی تھی۔

بہر حال حضرت حافظ ملت قبلہ نے داخلے کے بعد آپ کی تعلیم کے لئے گلستاں، بوستاں، میزان اور بہار شریعت دوم تجویز کی۔ یہ چاروں کتابیں آپ مولانا سید شمس الحق گجھڑوی مبارکپوری کے یہاں پڑھتے تھے آپ فارسی زبان و ادب کے ایک تجربہ کار ماہر استاذ تھے۔ جنہیں مصباحی حلقوں میں شیخ سعدی کہا جاتا تھا۔ انھیں سے مزید یوسف زلیخا، سکندر نامہ، کبریٰ اور نحو صرف میں ھدایۃ النحو اور پنج گنج پڑھی۔

فارسی زبان و ادب کی تکمیل کے بعد باقاعدہ فنون عربیہ کی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے اور سات سال سے زیادہ کے طویل عرصہ میں حضرت شارح بخاری کی کتابیں دار العلوم اشرفیہ کے مختلف اساتذۂ علم و فن کے یہاں ہوتی رہی اور آپ ان سے اکتساب فیض کرتے رہے مگر جس بحر فیض نے انھیں فیض کا سرچشمہ بنا دیا وہ جلالۃ العلم استاذ العلما مولانا الشاہ ابو الفیض عبد العزیز مراد آبادی ثم مبارک پوری بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی ذات ہے۔

ممتاز طالب علم : حضرت شارح بخاری غیر ضروری مصروفیات سے کنارہ کش رہ کر تندہی سے اپنے فرائض کی تکمیل میں لگے رہتے۔ صبح سویرے اٹھ کر نماز باجماعت سے فراغت کے بعد بلاناغہ ایک پارہ کی تلاوت کرتے پوری پابندی کے ساتھ ہمیشہ اسباق میں حاضر رہتے صرف عصر بعد کا وقت کچھ ساتھیوں کے اصرار پر سیر و تفریح میں گذارتے۔ چوبیس گھنٹہ میں پانچ چھ گھنٹہ آرام کرتے اور آج بھی یہی عادت ہے۔ خورد و نوش اور اس کیلئے آمد و رفت اور دیگر ضروریات کے علاوہ سارا وقت درس و مطالعہ میں صرف کرتے جب تک ساری کتابوں کا مطالعہ نہ کر لیتے سوتے نہ تھے۔ بسا اوقات رات رات بھر مطالعہ میں گذار دیتے پھر بھی اسباق سے غیر حاضر نہ رہتے۔ آپ کے

قریبی ساتھی آپ کی محنت و مشقت انہماک فی الکتب اور ٹھوس علمی لیاقت کے بڑے معترف تھے۔

بفضلہٖ تعالیٰ اس سچی محنت و لگن کی وجہ سے آپ ہمیشہ تمام امتحانات میں اوّل پوزیشن سے کامیاب ہوتے فارسی اور عربی زبان میں بلا تکلف بول لیتے یہی وجہ ہے کہ گلستاں بوستاں پڑھنے کے زمانہ میں فارسی زبان بولنے پر قادر تھے اور جب شرح جامی اور ادب میں سبعہ معلقہ پڑھ رہے تھے تو بلا جھجک عربی میں لکھ اور بول لیتے تھے۔ جب جامعہ اشرفیہ میں دوسرا عظیم الشان جلسۂ دستار بندی ہوا جس میں حضرت صدر الشریعہ، محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی اور صدر الافاضل مولانا شاہ محمد نعیم الدین مراد آبادی بھی شریک اجلاس تھے حضرت شارح بخاری نے اشرفیہ کی تاریخ میں پہلی بار عربی میں پچیس منٹ تقریر فرمائی تھی جس میں بزرگوں کی جانب سے چھ ۶ روپے انعام بھی ملے تھے۔ آپ اعلیٰ درجہ کے ذہین ہیں اور حافظہ بھی قوی ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ ہزارہا عبارتیں صدہا اشعار عہد طالب علمی ہی سے ازبر ہیں حسب موقعہ برجستہ فارسی عربی اشعار پڑھ دینا آپ کی فطرت ثانیہ ہے۔ اور آج بھی تحریر و تقریر اور تفریحی مجالس میں بات بات میں اردو عربی فارسی اشعار پڑھ کر سامعین کو محوِ حیرت کر دیتے ہیں۔ ایسی بے شمار مجلسوں میں خود راقم سطور کا بھی تجربہ ہے۔ بہر حال اس شان سے دار العلوم اشرفیہ میں تاریخ ساز عہد طالب علمی گزرا اور آپ نے یہاں ترمذی شریف، ھدایہ اخیرین، حمد اللہ اور ہمدرہ تک کی تعلیم حاصل کی۔

مدرسہ اسلامیہ اندر کوٹ میرٹھ : محرم الحرام ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے آپ اشرفیہ چھوڑ کر مدرسہ اسلامیہ اندر کوٹ میرٹھ چلے گئے اور وہاں سات آٹھ ماہ رہ کر حضرت صدر العلما سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی سے شرح جامی کا حاشیہ عبد الغفور اور شمس بازغہ وغیرہ پڑھا اور خیر الاذکیا حکیم غلام یزدانی اعظمی گھوسی سے شرح عقائد خیالی اور قاضی مبارک وغیرہ پڑھی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ پھر دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ دورۂ حدیث حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ سے پڑھوں اس کے لئے مدرسہ سعیدیہ دار العلوم دادوں علی گڑھ درخواست بھیجی لیکن مجھے وہاں سے کوئی جواب دستیاب نہ ہوا۔

بریلی شریف میں دورۂ حدیث : شوال ۱۳۶۱ھ میں مدرسہ مظہر اسلام محلّہ مسجد بی بی جی بریلی شریف میں داخلہ لیا اور دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ آپ نے محدث اعظم پاکستان مولٰنا ابو الفضل سردار احمد صاحب قادری رضوی لائل پوری (پاکستان) سے پوری صحاح ستہ سبقا سبقا پڑھی علاوہ ازیں توضیح تلویح اور امور عامہ کے اسباق میں بھی شریک درس ہوئے۔ حضرت شارح بخاری کی مکمل تعلیم تقریباً اشرفیہ مبارکپور میں ہو چکی تھی۔ بعض کتب فن کی تعلیم باقی تھی۔ جسے مدرسہ اسلامیہ میرٹھ اور مظہر اسلام بریلی میں پوری کر لی۔ اصل کتب احادیث کی تعلیم و دورہ رہ گیا تھا جسے حضرت صدر الشریعہ کے فیض یافتہ مایہ ناز تلمیذ مولانا سردار احمد صاحب محدث اعظم پاکستان کے پاس حرفاً

حرفاً نہایت شرح وبسط کے ساتھ پڑھی۔ اوقات درس کے علاوہ آپ شب میں بھی ۱۲/۱ر بجے تک پڑھاتے تھے۔ چھٹی کے دنوں میں چار پانچ گھنٹے بخاری شریف کا درس دیتے درمیان میں جب طلبہ کی اکتاہٹ محسوس کرتے دس، پندرہ منٹ کا وقفہ دیدیتے، جس میں طلبہ دوبارہ ہشاش بشاش تازہ دم ہو کر پھر درس میں شریک ہو جاتے۔ اس طرح خصوصی طور پر حضرت شارح بخاری اساطین علم وفن سے ساغرمئے علم وعرفان نوش فرما کر سراپا منبع علم وحکمت ہو گئے۔

فراغت : خلف اکبر حجۃ الاسلام حضرت علامہ الشاہ محمد حامد رضا خانصاحب بریلوی قدس سرہٗ کے عرس چہلم کے موقع پر ۲۹/ جمادی الآخرہ ۱۳۶۲ھ مطابق ۶/ مئی ۱۹۴۳ء بروز یکشنبہ بوقت پانچ بجے حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ نے حضرت مفتی صاحب قبلہ کی جماعت کو بخاری شریف کی آخری حدیث پڑھائی اور شرف تلمذ بخشا۔ اس مبارک محفل میں مشاہیر علمائے کرام صدر الافاضل حضرت مولانا شاہ محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی، حضرت مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں، ملک العلماء حضرت مولٰینا ظفر الدین بہاری، پیر طریقت سیاح عالم حضرت مولٰینا عبد العلیم صاحب میرٹھی ودیگر اجلہ علما بھی موجود تھے۔ حضرت فقیہ اعظم ہند صدر الشریعہ قدس سرہٗ نے نہایت شرح وبسط کے ساتھ ایک گھنٹہ تک بڑی دقیق علمی تقریر فرمائی۔ پھر تعلیمی سال کے اختتام ۱۵/ شعبان المعظم ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء کی مبارک نورانی شب میں حضرت صدر الشریعہ، حضرت صدر الافاضل اور حضرت مفتی اعظم ہند، اور حافظ ملت قبلہ علیہم الرحمہ ودیگر جلیل القدر علماء ومشائخ اہل سنّت نے آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی۔ اور جبہ سے نوازا۔ حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ نے غایت فضل وکرم سے مدرسہ کی عام سند فضیلت کے علاوہ اپنی خصوصی سند سے بھی نوازا اور حضرت حافظ ملت قبلہ نے حضرت کی سند پر خصوصی عبارت لکھ کر دستخط فرمایا۔ ''ایں سعادت بزور بازو نیست''۔ تانہ بخشد خدائے بخشندہ''

اساتذہ کی خدمت : حضرت شارح بخاری چونکہ بڑے ذہین وفطین طباع اور محنتی طالب علم تھے اس لئے سبھی اساتذہ کرام حضرت سے بہت محبت کرتے تھے اور آپ بھی باادب خلوص وعقیدت کے ساتھ ان کی خدمت وکفش برداری کو سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے۔ حضور حافظ ملت قبلہ کی خدمت کا تھوڑا بہت موقعہ ملا لیکن حضرت کے کچھ گھریلو کام بازار کرنا، دوکان سے سودا خرید لانا وغیرہ انجام دیتے تھے۔ اور شیخ المعقولات حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب بھاگلپوری علیہ الرحمہ کی بھی خدمت کی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب کی خدمت کا بہت زیادہ موقع ملا۔ شب وروزان کی خدمت کا حاضر باش تھا اوران کے برتن وکمرے وغیرہ کی صفائی بھی کرتا تھا۔

اور بریلی شریف مختصر زمانہ طالب علمی میں جبکہ آپ دورۂ حدیث کے طالب علم تھے اپنے استاذ محترم محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب قادری کی خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ کمرے کی صفائی

ستھرائی کے علاوہ روزانہ شام کو لالٹین صاف کر کے تیل ڈالکر درست رکھنا اور کوئی خدمت ہوتی بجالاتے ایسے ہی دیگر اساتذہ کے حکم کی تعمیل میں کبھی بھی لیت ولعل نہ کیا اور نہایت ذوق وشوق سے انجام دیتے۔

صدرالشریعہ سے شرفِ تلمذ : حضرت شارح بخاری کو اپنے جذبہ روحانی کے سبب ہمیشہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے عقیدت و محبت اور قلبی لگاؤ رہا ہے اسی لئے آپ کو حضرت سے شرف بیعت حاصل ہے۔ مگر بعض مجبوریوں کی وجہ سے آپ طلب علم کیلئے انکے ہمراہ نہ جاسکے اور گھر سے قریب مبارکپور میں تعلیم حاصل کی۔ دورۂ حدیث حضرت سے پڑھنا چاہ رہے تھے جیسا کہ ابھی گزرا۔ مگر وہ بلاواسطہ مقدر میں نہ تھا۔ ہاں بخاری شریف کی آخری حدیث حضرت صدر الشریعہ نے بڑے محققانہ انداز میں پڑھائی اور آپ کی جماعت کو شرف تلمذ بخشا۔ پھر جب حضرت اخیر عمر میں بینائی کمزور ہو جانے کے سبب مستقل گھوسی قیام پذیر ہوگئے۔ اس وقت حضرت مفتی صاحب مدرسہ شمس العلوم گھوسی میں مدرس تھے۔ تقریباً چودہ مہینے تک روزانہ دوپہر کھانے کے بعد سے ظہر تک حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر فتویٰ نویسی کی مشق کرتے حضرت کی ڈاک سنا کر اس کے جوابات املا کرتے۔ آئے ہوئے استفتاء سناتے۔ حضرت جو جواب ارشاد فرماتے آپ اسے املا کرتے تھے اور وقت بچتا تو مجموعہ فتاویٰ قلمی کی تہذیب و تبویب کا کام ہوتا تھا۔ جس میں بہت سی فقہی عبارتیں اور جزئیات نکالنے اسے پڑھکر سنانے کا موقع ملا۔ اس طرح بے شمار لاینحل اشکالات کا حل بھی نکل آتا۔ بہت ساری عبارتوں کے سمجھنے کا موقعہ بھی ہاتھ آیا، اور آپ فتویٰ نویسی کے رموز و آداب سے بھی خوب اچھی طرح آشنا ہوگئے۔ آپ حضرت صدر الشریعہ کے سبقاسبقا شاگرد نہ سہی مگر اس خصوصی اکتسابِ فیض کے سبب بلاشبہ شاگرد ہیں، اور کیوں نہ ہو کہ وہی تو آقائے نعمت ہیں۔ انھیں کا فیضان ہے، جو ہر طرف سے سیراب کر رہا ہے۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے سبھی اس زلف کے اسیر ہوئے

حضرت مفتیٔ اعظم ہند سے اکتسابِ فیض : حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی حضرت مفتی اعظم ہند مولینا مصطفیٰ رضا قادری دامت برکاتہم العالیہ کے حکم پر دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں تدریسی خدمات انجام دینے کے لئے شوال ۱۳۷۵ھ میں حاضر خدمت ہوئے ایک سال کی قابل ستائش تدریسی خدمات کے بعد حضرت مفتیٔ اعظم قبلہ نے آپ کو اپنی مسند افتاء کی غیر معمولی ذمہ داری بھی سونپ دی اور خصوصی طور پر آپ کے قیام وطعام کا انتظام اپنے یہاں کیا۔ حضرت شارح بخاری بعد دوپہر فتاویٰ لکھتے اور عشا بعد دیر گئے رات تک حضرت مفتیٔ اعظم ہند قبلہ کی خدمت میں حاضر رہ کر اسے سناتے، حضرت بغور سنتے اسکی اصلاح کی طرف نشاندہی کرتے۔ پھر بعد تصحیح بھی بغور پڑھ کر مہر تصدیق ثبت فرماتے۔ درمیان میں سوال وجواب کا سلسلہ بھی چلتا۔ بیشمار علمی وفقہی

عبارات و جزئیات بھی زیر بحث آتی اسطرح شارح بخاری نے حضرت سے استفادہ و استفاضہ کیا اور دس سال سے زیادہ عرصہ تک فتوی نویسی کی خوب مشق کی اور نائب مفتی اعظم ہند کے لقب سے نوازے گئے۔ بلاشبہ آپ حضرت مفتی اعظم ہند کی بارگاہ کے خوشہ چینوں اور فیض یافتگان میں ہیں۔ لہٰذا انھیں آپ کے اساتذہ میں شمار کرنا بے جانہ ہوگا۔ آپ کے اساتذہ کرام کی فہرست میں درج ذیل اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

(۱) خلیفۂ اعلیٰحضرت صدر الشریعہ حضرت مولٰینا حکیم محمد امجد علی اعظمی رضوی مصنف بہار شریعت مولد و مدفن گھوسی

م ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء۔

(۲) شہزادۂ اعلیٰحضرت حضور مفتی اعظم ہند مولٰینا مصطفیٰ رضا خانصاحب بریلوی قدس سرہٗ ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۱ء۔

(۳) حافظ ملت حضرت مولٰینا الشاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور م ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء۔

(۴) محدث اعظم پاکستان حضرت مولٰینا محمد سردار احمد صاحب قادری رضوی گورداس پوری ثم لائلپوری

م ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء۔

(۵) صدر العلما حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی سابق صدر المدرسین مدرسہ اسلامیہ عربیہ میرٹھ۔

م ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء۔

(۶) خیر الاذکیا مولٰینا غلام یزدانی اعظمی گھوسوی بانی مدرسہ شمس العلوم گھوسی۔ مئو۔

م ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۴ء مدفن بریلی شریف۔

(۷) شیخ المعقولات مولٰینا محمد سلیمان صاحب بھاگلپوری سابق استاذ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور۔

م ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء۔

(۸) مولانا سید شمس الحق گجھڑوی مبارک پوری سابق استاذ دار العلوم اشرفیہ مبارکپور م ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء۔

(۹) برادر حضرت صدر الشریعہ حکیم احمد علی اعظمی گھوسی مئو۔ مولد و مدفن گھوسی۔

یہ حضرات علم و فن اور شریعت و طریقت کے آفتاب و ماہتاب تھے جنھوں نے حضرت شارح بخاری کی علمی و دینی شخصیت کی تربیت فرمائی اور آپ کو علم و معرفت کا تناور درخت بنا دیا جس کے صدقے میں آپ عمدۃ المحققین والمصنفین مناظر اہلسنت، فقیہ عصر شارح بخاری جیسے گوناگوں خطابات سے نوازے جارہے ہیں۔ مولی تعالیٰ ہم سب کو آپ کی تحریر و تقریر سے بیش از بیش مستفید و مستفیض کرے۔ آمین

☆☆☆☆☆

مولانا مبارک حسین مصباحی
چیف ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

شارح بخاری کا کاروان حیات
دار العلوم اشرفیہ سے الجامعۃ الاشرفیہ تک

انسانی تاریخ کے ہر دور میں کچھ برگزیدہ اور نادرۂ روزگار شخصیتیں ابھرتی رہتی ہیں، جو اپنے پرکشش کردار و عمل اور پرشکوہ علم و فن کی تابناکیوں سے اپنے پورے عہد پر چھا جاتی ہیں اور اپنی وقیع خدمات اور بلند پایہ صلاحیتوں کی جلوہ سامانیوں سے نگار خانہ تاریخ کا ایک حصہ بن جاتی ہیں وہ اپنی شہرت و مقبولیت کے اس آفاق پر پہنچ جاتی ہیں کہ اپنے اساتذہ کی زندہ جاوید یادگاریں بن جاتی ہیں۔ وہ گوشہ گم نامی میں کام اور صرف کام کرنا چاہتی ہیں مگر ان کے کارناموں کی خوشبوؤں سے جہاں در جہاں مہکنے لگتے ہیں۔ وہ زمانے کی نظروں سے اوجھل رہنا چاہتی ہیں مگر ان کے فکر و فن کے اجالے انھیں ہر بزم دین و دانش تک پہنچا دیتے ہیں۔

انھیں یگانۂ روزگار شخصیتوں میں ایک انتہائی قد آور اور آفاقی شخصیت شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مصباحی کی ہے۔ جن کی گراں قدر دل آویز علمی اور دینی خدمات بیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر پر چھائی ہوئی ہیں۔ جن کی تحقیقات سے دانش کدے روشنی حاصل کر رہے ہیں۔ جن کی نزہۃ القاری شرح بخاری سے محدثین عصر استفادہ کر رہے ہیں۔ جن کے فکر انگیز مقالات و مضامین پر اہل علم و بصیرت سر دھن رہے ہیں۔ جن کی فلسفیانہ موشگافیوں پر اہل تحقیق ریسرچ کر رہے ہیں۔ جن کے بلند پایہ فتاویٰ کی دار الافتاؤں میں دھوم مچی ہوئی ہے۔ پیچیدہ مسائل میں جن کی رائے سند کا درجہ رکھتی ہے۔ جن کے خطبات کی اثر انگیزیوں اور نکتہ آفرینیوں کا پورا ہندوستان رسیا ہے۔ جن کی مناظرانہ گرفتوں سے اہل باطل لرزہ براندام نظر آتے ہیں۔ جن کے تلامذہ کی خدمات سے ایک عالم جگمگا رہا ہے۔ جن کے دم قدم کی برکتوں سے جہان سنیت میں جشن چراغاں ہے۔ جن کی باران کرم سے چمن اشرفیہ میں بہاراں ہی بہاراں ہے۔

قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڈھ (مئو) کے ایک دیندار خاندان میں ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں جنم

لیا۔ حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی کی شفقتوں نے سر فراز کیا، عالم اسلام کی مرکزی درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ میں خصوصی تعلیم و تربیت حاصل کی حضرت حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ کی شخصیت ساز سرپرستی نے کردار و عمل کی تابنا کی عطا فرمائی اور انھیں کی نگاہ کیمیا اثر نے شہرت و مقبولیت کے اوج ثریا تک پہنچا دیا۔ والد گرامی نے ان کا نام "محمد شریف الحق" تجویز کیا۔ "امجدی" نسبت کا بقلم خود اضافہ کیا۔ مگر

ان کے عہد نے ______ انھیں نائب مفتی اعظم ہند کا منصب جلیل عطا کیا

اہل علم و بصیرت نے ______ انھیں فقیہ العصر اور فقیہ اعظم ہند کا خطاب دیا۔

ان کی قلمی خدمات نے ______ انھیں شارح بخاری کا سرنامہ امتیاز عطا کیا

اہل دل نے ______ انھیں اشرف العلماء اور شیخ طریقت کہہ کر پکارا۔

تلامذہ نے ______ انھیں اپنے مشفق استاذ کے نام سے پکارا۔

مشائخ برکاتیہ نے ______ انھیں برکاتی مفتی کا مقام افتخار عطا کیا

علمائے بریلی نے ______ انھیں مسلک اعلیٰ حضرت کا محافظ و پاسبان مانا۔

اہل اشرفیہ نے ______ انھیں اپنا مربی و سرپرست تسلیم کیا۔

دعوت اسلامی نے ______ انھیں اپنی تحریک کا بے لوث معاون و مددگار سمجھا۔

مگر حق یہ ہے کہ ان کے تعارف کا حق ادا نہ ہو سکا۔ حضرت شارح بخاری کی ہمہ گیر اور ہشت پہلو شخصیت پر روشنی ڈالنا مجھ ہیچ مداں کے قلم کی دسترس سے بالاتر ہے۔ وہ علم و فضل کے بحر ناپیدا کنار ہیں۔ فکر و فن کے دبستاں ہیں۔ کردار و عمل کے پر بہار گلستاں ہیں۔ وہ درجنوں مدارس اور تنظیموں کے سرپرست ہیں اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے روح رواں ہیں۔ وہ اپنی کبر سنی اور علمی جلالت کی وجہ سے کاروان اشرفیہ کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔ اس وقت پورے اخلاص وللّٰہیت اور ولولہ و ترنگ کے ساتھ جامعہ میں علمی، فقہی اور تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جامعہ کی تعمیر و ترقی کے لئے شب و روز کوشاں رہتے ہیں۔ حضرت شارح بخاری اس وقت جامعہ اشرفیہ کے مندرجہ ذیل اہم عہدوں پر فائز ہیں اور تمام ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

۱- صدر شعبہ افتا ______ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

۲- ناظم تعلیمات ______ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

۳- رکن مجلس شوریٰ ______ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

۴- سرپرست مجلس شرعی ـــــ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور
۵- مشیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ ـــــ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

حضرت شارح بخاری آج نہ صرف الجامعۃ الاشرفیہ کی آبرو ہیں بلکہ پوری جماعت اہلسنت کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں۔ حضرت شارح بخاری آج جس عظیم منصب پر فائز ہیں اور شہرت و مقبولیت کے جس بام عروج پر پہنچ چکے ہیں یہ ان کی ذاتی محنت و لگن، جہد مسلسل، عمل پیہم، دماغ سوزی اور جگر کاوی کا نتیجہ ہے اور ساتھ ہی حافظ ملت کے مکتب کی کرامت اور فیضان نظر کی تاثیر بھی۔ حضرت شارح بخاری ہمیشہ خود اعتمادی اور خدا اعتمادی کے سہارے مرد میداں کی طرح علمی معرکہ آرائیوں کے مرحلے طے کرتے ہوئے منزلیں پاتے رہے اور اس عزم و حوصلے کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔

چیتے کا جگر چاہئے شاہیں کا تجس
دنیا نہیں مردان جفاکش کے لئے تنگ

یہ ایک سچائی ہے کہ حضرت شارح بخاری کی اس پر شکوہ اور بلند پایہ شخصیت کی تعمیر میں حضور حافظ ملت اور دارالعلوم اشرفیہ کا بنیادی کردار رہا ہے۔ حضرت شارح بخاری رقم طراز ہیں:

”میں خود اپنی بات بتارہا ہوں کہ اگر حافظ ملت مبارک پور نہ آئے ہوتے تو میں علم دین حاصل نہیں کرپاتا“۔

آیئے اب ہم ذیل میں حضرت شارح بخاری کی حیات و خدمات کا تفصیلی جائزہ حافظ ملت اور تحریک اشرفیہ کے حوالے سے سپرد قلم کرتے ہیں یعنی ”حضرت شارح بخاری کا کاروان حیات دارالعلوم سے الجامعۃ الاشرفیہ تک“۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی تحریک اشرفیہ دو عہدوں پر مشتمل ہے: پہلا عہد دارالعلوم اشرفیہ سے شروع ہو کر الجامعۃ الاشرفیہ کے سنگ بنیاد پر ختم ہو جاتا ہے۔ جبکہ دوسرا عہد الجامعۃ الاشرفیہ کے سنگ بنیاد سے آج تک جاری ہے۔ حضرت شارح بخاری کی زندگی تحریک اشرفیہ کے دونوں عہدوں سے وابستہ ہے۔ پہلے دور کے پہلے دہے میں وہ ایک طالب علم کی حیثیت سے اکتساب فیض اور طلب کمال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جبکہ دوسرے دور میں وہ صدر مفتی کے منصب پر فیضان کا دریا بہاتے ہوئے نظر آتے ہیں جس کا مشاہدہ آج زمانہ اپنے سر کی آنکھوں سے کررہا ہے۔ اب سردست ذیل میں پہلے عہد کی سرگذشت ملاحظہ فرمایئے۔

اشرفیہ میں شارح بخاری کا عہد طالب علمی

مبارکپور آج الجامعۃ الاشرفیہ کی دینی اور علمی خدمات کی وجہ سے ملک و بیرون ملک میں محتاج تعارف نہیں۔ ایک دور تھا یہ آبادی بھی عام آبادیوں کی طرح گم نام تھی، ہر طرف جہالت کی تاریکیاں پھیلی ہوئی تھیں، معاشی بحران عام تھا، بد عقیدگی کی وبائے عام خوش عقیدہ مسلمانوں کے دروازوں پر دستک دے رہی تھی، مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کے نام سے ایک چھوٹا سا ادارہ تھا جس کی حیثیت ایک مکتب سے زیادہ نہیں تھی۔

۲۹ر شوال المکرم ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۴ر جنوری ۱۹۳۴ء میں حضور حافظ ملت محدث مراد آبادی مبارکپور تشریف لائے اور مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم میں تعلیمی صدارت کی باگ ڈور سنبھالی۔ آپ کے جہد مسلسل اور حسن تدبر سے مدرسہ میں ایک نئی زندگی پیدا ہوئی، قصبہ کے ماحول میں دینی بیداری آئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پوری فضا دین و دانش کی خوشبوؤں سے مہک اٹھی اور مدرسہ کی تعلیمی شہرت بوئے گل کی طرح ملک کے گوشے گوشے میں پھیلنے لگی، طالبان علوم نبویہ کشاں کشاں حافظ ملت کی شمع علم کے گرد پروانوں کی طرح ٹوٹنے لگے اور کچھ ہی دنوں میں قدیم مدرسہ مہمانان رسول سے کھچا کھچ بھر گیا۔ دوسری جانب بد مذہبوں کی مہم بھی تیز تر ہو گئی وہ مدرسے کی بڑھتی ہوئی مقبولیت و افادیت سے خوف زدہ ہو کر سادہ لوح مسلمانوں کو ورغلانے لگے اور خوش عقیدگیوں کے قلعوں پر شب خون مارنے لگے۔ حالات کے ان چیلنجوں کو حافظ ملت نے قبول کیا اور دور اندیش، مدبر، پر عزم مجاہد اور اخلاص پیشہ قائد کی حیثیت سے تعمیری فکر و عمل کے میدان میں اتر پڑے۔ اب حافظ ملت ایک طرف بد مذہبوں کی ریشہ دوانیوں کا جوب دے رہے تھے تو دوسری جانب فکر و عمل کی تمام تر توانائیوں کو سمیٹ کر علم و حکمت کے باغ فردوس کو پروان چڑھانے کے لئے سعی پیہم کر رہے تھے۔ حافظ ملت کو اس دو رخا محاذ پر صد فیصد کامیابی حاصل ہوئی۔ انھوں نے اپنے مناظرانہ طرز عمل سے باطل پرستوں کو دھول چاٹنے پر مجبور کر دیا اور ''اتفاق زندگی ہے اختلاف موت'' کی صدائے دلنواز سے پورے قصبے کو اپنی فکر و شخصیت کا گرویدہ بنالیا اور ایک سال کی قلیل مدت میں ایک عظیم دار العلوم کی تعمیر کا خاکہ قوم کے سامنے پیش کر دیا، قلب مبارکپور میں انتہائی موزوں خطہ زمین حاصل کر کے عظیم الشان جلسہ سنگ بنیاد کا پروگرام مرتب کیا، سنگ بنیاد کی تاریخ ۱۲ر شوال ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۸ر جنوری ۱۹۳۵ء طے پائی۔

حضور حافظ ملت نے اس تقریب سعید کے لئے شیخ المشائخ حضور اشرفی میاں

علیہ الرحمہ اور صدر الشریعہ حضرت علامہ شاہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کو مدعو کیا۔

حضرت صدر الشریعہ ان دنوں اجمیر شریف میں تھے رمضان المبارک کی تعطیل کلاں میں گھر تشریف نہیں لائے تھے دار العلوم اشرفیہ کے جلسہ سنگ بنیاد میں شرکت کے لئے دو روز قبل اپنے وطن گھوسی تشریف لائے حضرت شارح بخاری ان دنوں گھوسی میں تعلیم حاصل کررہے تھے لیکن حضور حافظ ملت کے زیر سایہ تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ شوق ہر پل مضطرب کئے ہوئے تھا، جب یہ علم ہوا کہ حضرت صدر الشریعہ جلسہ سنگ بنیاد میں شرکت کے لئے مبارکپور جانے والے ہیں تو چمن آرزو میں بہار آگئی۔ بارہ سال کے اس کم سن بچے نے جب اپنے دل کا مدعا حضرت صدر الشریعہ کی بارگاہ میں پیش کیا تو حضرت صدر الشریعہ فرط مسرت سے جھوم اٹھے اور اپنے ساتھ مبارکپور لاکر حافظ ملت کے حوالے کردیا۔ حضرت حافظ ملت نے اپنے استاذ گرامی کے خاندانی بچے کو کتنے پیار و محبت کے ساتھ اپنے سایہ کرم میں داخل کیا ہوگا ان فیروز بخت لمحات و کیفیات کی حسن تعبیر کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔

انتہائی خوشگوار ماحول میں پورے ولولہ و ترنگ کے ساتھ ۱۲؍شوال ۱۳۵۳ھ کو دار العلوم اشرفیہ (باغ فردوس) کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور اسی مناسبت سے ایک عظیم الشان جلسہ عام کا انعقاد بھی ہوا۔ تاریخ اشرفیہ کے اس حسن اتفاق پر تو قارئین بھی جھوم اٹھیں گے کہ جس دن دار العلوم اشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا اسی دن حضرت شارح بخاری ایک طالب علم کی حیثیت سے اشرفیہ میں داخل ہوئے۔ گویا دار العلوم اشرفیہ کا سنگ بنیاد ہی حضرت شارح بخاری کی شخصیتی تعمیر کا روز اول قرار پایا۔ اور پھر دونوں ایک ہی معمار کی فکر رسا اور دست محنت کے زیر سایہ پروان چڑھنے لگے۔

سنگ بنیاد کی تقریبات سے فراغت کے بعد حضرت حافظ ملت نے حضرت شارح بخاری کو داخلہ کے امتحان کے لئے طلب کیا اور بطور امتحان گلستاں کے دیباچہ کا آخری حصہ پڑھوایا۔ حضرت شارح بخاری نے فارسی عبارتوں کا ترجمہ بڑی تیزی سے کردیا اور عربی عبارتوں کو ترک کردیا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے استاذ گرامی حکیم مولوی احمد علی صاحب نے صرف فارسی پڑھائی تھی لیکن حافظ ملت سے آپ نے یہ بیان نہیں کیا کہ ان کے استاذ گرامی نے صرف فارسی عبارتوں کو پڑھایا ہے۔ حافظ ملت نے مختصر سے وقت میں تعلیمی لیاقت، ذہانت اور شوق علم کا اندازہ لگاکر داخلہ کی

کارروائی مکمل فرمادی۔

داخلہ کے بعد حافظ ملت نے پڑھنے کے لئے ان چار کتابوں کا انتخاب کیا، گلستاں، بوستاں، میزان اور بہار شریعت حصہ دوم۔

حضرت شارح بخاری نے حضرت حافظ ملت کے زیر سایہ تعلیمی سفر کا آغاز کر دیا۔ آپ نے اپنے پورے عہد طالب علمی میں اشرفیہ میں کس استاذ سے کیا پڑھا اس کا اجمالی خاکہ ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

۱- حضرت مولانا سید شمس الحق گجہڑوی سے

گلستاں، بوستاں، میزان منشعب، بہار شریعت حصہ دوم، ہدایۃ النحو، کبریٰ، یوسف زلیخا، سکندر نامہ، نحو میر، پنج گنج اور صرف میر۔

۲- قاری اسید الحق بھوپالی سے

علم الصیغہ اور فصول اکبری۔

۳- مولانا غلام محی الدین بلیاوی سے

منیۃ المصلی اور قدوری۔

۴- مولانا ثناء اللہ سے

قلیوبی، نفحۃ الیمن، شرح وقایہ، اصول الشاشی، مرقات، شرح تہذیب، نو الانوار، دیوان متنبی، سبعہ معلقہ، مقامات حریری اور مشکوٰۃ شریف۔

۵- مولانا عثمان بمبئی (معین المدرسین) سے

کافیہ۔

۶- مولانا محمد سلیمان بھاگلپوری سے

ہدایہ اولین، ہدایہ آخرین، مختصر المعانی، مطول، تصریح، قطبی تصدیقات، قطبی مع المیر اور رسالہ قطبیہ۔

۷- جلالۃ العلم حضور حافظ ملت سے:

شرح جامی، جلالین، مدارک شریف، ترمذی شریف، ملاحسن، حمد اللہ صدرا اور سراجی۔

درج بالا تفصیل سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ حضرت شارح بخاری نے دار لعلوم اشرفیہ کے

متعدد اساتذہ سے درس لیا لیکن بقول شارح بخاری "حضرت حافظ ملت کی نگاہ تربیت پورے عہد طلب علمی میں سایۂ کرم بن کر جلوہ فگن رہی"۔ آپ کی شخصیت سازی میں حضرت حافظ ملت کا خصوصی کردار رہا۔ آپ نے حافظ ملت سے علم بھی پڑھا اور عمل بھی۔ حافظ ملت کی نگاہ بصیرت دیکھ رہی تھی کہ یہ ہونہار طالب علم مستقبل کے افق پر علم و فضل کا نیر تاباں بن کر چمکے گا۔ اس لئے حافظ ملت کا فیضان کرم درسی اور غیر درسی اوقات میں آپ پر ساون کی طرح برستا رہا اور آپ چمن اشرفیہ کی علمی فضاؤں میں پروان چڑھتے رہے۔

حضور حافظ ملت کی نگاہ کرم اور خصوصی توجہات کی یہ دل آویز داستان حضرت شارح بخاری سے سنئے۔ آپ فرماتے ہیں:

> "جب حضرت صدر الشریعہ جلسۂ سنگ بنیاد میں شرکت کے لئے گھوسی سے مبارکپور آئے تو مجھے بھی اپنے ساتھ لائے اور مبارکپور پہنچ کر مجھے حافظ ملت کے حوالے کر دیا، اس وقت میری عمر لگ بھگ بارہ سال تھی، تین برس تک حافظ ملت کی درسگاہ میں میں نے کوئی کتاب نہیں پڑھی مگر ان تین سالوں میں حضور حافظ ملت کی نگرانی، سرپرستی اور نوازشات کرم کا سلسلہ برابر میری رہبری اور دستگیری کرتا۔ کبھی کبھی عصر کے بعد سیر و تفریح کے لئے جاتے تو مجھے اپنے ساتھ لے جاتے اور دوران تفریح زیر درس کتابوں کے حوالے سے سوالات کرتے جواب میں کوتاہی ہوتی تو اصلاح و ہدایت فرماتے اور زیر بحث مسائل کی تفہیم فرماتے ہوئے انتہائی اہم نکات بھی بیان فرماتے"۔

حضور حافظ ملت عام علماء کی طرح صرف مدرس ہی نہیں تھے بلکہ آپ کی برگزیدہ شخصیت، کردار و عمل، حسن اخلاق اور تقویٰ و پرہیز گاری کی مرقع تھی۔ پورا علاقہ ان کی پرکشش شخصیت کا گرویدہ تھا۔ غم کا عالم ہو یا خوشی کی تقریب ہر موقع پر آپ کی شرکت کو لوگ متبرک سمجھتے تھے، عقیدت مندان حافظ ملت اپنی دوکانوں، مکانوں، فیکٹریوں اور اینٹ کے بھٹوں وغیرہ میں دعاؤں اور برکتوں کے لئے بلا کر لے جاتے تھے ایسے مواقع پر حافظ ملت اپنے خاص تلامذہ کو بھی ساتھ لے جاتے، کتنی ہی بار حضرت شارح بخاری کو بھی حضرت کی خادمانہ معیت نصیب ہوئی اس سے بھی حافظ ملت کی خصوصی عنایتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت شارح بخاری فرماتے ہیں:

"کتنی ہی بار ایسا ہوا کہ حافظ ملت اپنے ساتھ میلاد کی محفلوں، دکانوں اور اینٹ کے بھٹوں کے افتتاح کے مواقع پر ساتھ لے گئے، بھٹے کے مالک حاجی انوار صاحب حضور حافظ ملت کی بارگاہ میں حاضر ہوتے کہ بھٹے کا افتتاح ہونے والا ہے حضور تشریف لے چلیں اور دعا فرمادیں۔ اس موقع پر بھی کئی بار مجھے حافظ ملت اپنے ہمراہ لے گئے ایسے مواقع پر مجھے ہدایت فرماتے کہ فلاں فلاں دعائیں پڑھتے ہوئے چلو"۔

حافظ ملت آپ پر حد درجہ شفقت فرماتے آپ کبھی کبھی حافظ ملت کی قیام گاہ (پرانے مدرسہ) پر حاضر ہوتے اور حافظ ملت کی خدمت گذاری کو اپنی سعادت مندی اور خوش بختی تصور کرتے، حافظ ملت یہ وقت بھی ضائع نہیں ہونے دیتے کبھی اسباق کے بارے میں سوالات کرتے، کبھی مخالفین اہلسنت کے اعتراضات کے جوابات سمجھاتے کبھی اصلاح حال اور صدق مقال کے حوالے سے پند و نصائح فرماتے حافظ ملت کا یہ طرز عمل آپ کی پوری طالب علمانہ زندگی میں شامل حال رہا۔

درسگاہ حافظ ملت کا فیضان

حافظ ملت کی درسگاہ میں آپ نے پہلی کتاب شرح جامی بحث اسم پڑھی، پھر جلالین وغیرہ؛ جن کی تفصیل گذر چکی۔ حضور حافظ ملت کا طرز تدریس بڑا منفرد اور نتیجہ خیز تھا، آپ اس طرح پڑھاتے کہ طلبہ محنت و مطالعہ کرنے پر مجبور ہوتے اور ان کے اندر کتب فہمی کی صلاحیت خود پیدا ہو جاتی اور درس کے دوران کردار و عمل کی اصلاح اور شخصیت سازی کا سبق بھی پڑھاتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی درسگاہ کے طلبہ یگانۂ روزگار ہوتے اور جس میدان میں بھی جاتے فتحیاب اور سربلند ہوتے۔

حضرت شارح بخاری حضور حافظ ملت کے انداز تدریس پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حافظ ملت کے پاس میری پہلی کتاب شرح جامی بحث اسم شروع ہوئی، ابتدا میں شرح جامی اور جلالین میں خصوصاً شرح اور تفسیر کے رموز و نکات بتاتے اور کچھ دنوں بعد ہم لوگوں سے معلوم کرتے اس طرز تدریس کی وجہ سے ہم مجبور ہوتے کہ مطالعہ پوری دقت نظر اور محنت سے کریں اس کا فائدہ یہ ہوا کہ کچھ ہی دنوں میں ہم لوگوں کے اندر اتنی استعداد پیدا ہو گئی کہ شرح و تفسیر کے دفع دخل مقدر کو از خود نکال لیا کرتے"۔

حضرت شارح بخاری اپنے عہد طالب علمی کا ایک واقعہ رقم فرماتے ہیں:

''اپنی طالب علمی کے زمانے کا ایک واقعہ اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دفعہ حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی قدس سرہٗ کے بڑے صاحبزادے مولانا حکیم شمس الھدیٰ مرحوم جنھیں ہم لوگ بڑے بھائی جان کہتے تھے۔ حضرت حافظ ملت قدس سرہ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے تھے، ان دنوں ان کے ایک عزیز جلالین شریف پڑھتے تھے اس زمانے میں یہ التزام تھا کہ جلالین حضرت حافظ ملت خود اپنے یہاں رکھتے تھے دوسرا پارہ ہو رہا تھا بھائی جان کے عزیز نے عبارت پڑھی ترجمہ کیا۔ تقریر کا جب وقت آیا تو حضرت آج تقریر کے بجائے اس طالب علم سے سوالات کرنے لگے مفسر نے یہ کیوں نکالا، یہ کیوں نکالا۔ غالبًا نصف صفحہ کا سبق تھا اسی طالب علم نے ہر جگہ بتادیا۔ حضرت بے حد مسرور ہوئے اور بھائی جان مرحوم حیران و ششدر۔

سبق کے بعد متعدد طلبہ اور بعض مدرسین سے انھوں نے یہ واقعہ بار بار بیان فرمایا اور اس طالب علم کی بہت تعریف کی۔ مگر انھیں کیا معلوم تھا کہ یہ سب فیض ہے اس کیمیا صفت مرد حق آگاہ کا جو مس خام کو کندن بنانے میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ کیا جلالین و بیضاوی کے شروح و حواشی دیکھ کر سب پڑھانے والوں میں یہی تاثیر ہے کہ صرف ایک پارہ کی تفسیر پڑھا کر متعلم میں اتنی صلاحیت پیدا کردے''۔(۱)

حضرت شارح بخاری بھی حضرت حافظ ملت کے مایۂ ناز تلمیذ ہیں آپ نے بھی جلالین شریف حضرت حافظ ملت سے پڑھی تھی۔ حافظ ملت کی نگاہ کیمیا صفت کی تاثیر نے اس مس خاک کو بھی کندن بنایا تھا، حافظ ملت سے جلالین شریف پڑھے ہوئے برسوں کا زمانہ بیت گیا مگر حافظ ملت کے درسی اسباق کی تقریریں آج تک آپ کے لوح حافظہ پر نقش ہیں۔ اسے مکتب کی کرامت کہیے یا فیضان نظر کی تاثیر لیکن حضرت شارح بخاری کی جودت طبع، ذہانت ولیاقت اور قوت حافظہ کو داد دیے بغیر قلم آگے نہیں بڑھ سکتا۔

حضرت حافظ ملت جلالین شریف کے درس کے دوران جو تقریر فرماتے تھے ان میں سے چند اقتباسات حضرت شارح بخاری کے قلم سے پڑھیے یہ اقتباسات آپ نے پڑھنے کے بیسوں برس بعد قلم بند فرمائے تھے:

جلالین شریف کا پہلا سبق: (الف) اللّٰہ اعلم بمرادہ بذالک الٓمٓ سے اللہ کی جو

(۱) مفتی محمد شریف الحق امجدی، ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ۱۹۷۸ء صفحہ ۱۱۵

مراد ہے وہ خوب جانتا ہے۔ فرماتے مقطعات قرآنیہ میں سے ہے۔ مقطعات قرآنیہ متشابہات میں ہیں۔ متشابہات کے بارے میں تین مذہب ہیں اسلم، سالم، زائغ۔

مذہب اسلم یہ کہ ان کی تاویل نہ کی جائے اور ان کے معنی کو علم الٰہی پر محول کیا جائے۔

مذہب سالم یہ کہ حقیقی مراد علم الٰہی پر محول کی جائے اور ایسی تاویل کی جائے جو محکمات کے منافی اور معارض نہ ہو۔ جیسے کہ یداللہ میں ید بمعنی قدرت۔

مذہب زائغ یہ کہ ان کی ایسی تاویل کی جائے جو محکمات کے منافی و معارض ہو جیسے ید اللہ میں ید بمعنی ہاتھ عضو مراد لیا جائے۔

یہ تینوں مذاہب سورہ آل عمران کی اس آیت میں مذکور ہیں:

﴿فاماالذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ ومایعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون آمنابہ کل من عند ربنا﴾ (آل عمران/۳)

وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں، گمراہی چاہنے اور اس کی تاویل ڈھونڈنے کو اور اس کی تاویل اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔

اس آیت سے دو مذہب بالکل ظاہر ہیں زائغ اور اسلم مگر آگے ومایعلم تاویلہ الا اللہ پر اگر وقف کیا جائے تو مذہب اسلم ظاہر ہے اور اگر اللہ پر والرسخون فی العلم کو معطوف مانا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ متشابہات کی تاویل صرف اللہ اور علم میں پختہ کار علماء جانتے ہیں۔ یہ مذہب سالم ہے۔ مفسر نے "اللہ اعلم بمرادہ بذالک" کی تفسیر فرما کر مذہب اسلم کو اختیار فرمایا ہے۔

(ذالک) ھذا (الکتاب) الذی یقرئہ محمد ﷺ۔ ذالک کی تفسیر ھذا سے اس لئے کہ ذالک دور کے اشارے کے لئے آتا ہے اور ھذا قریب کے لئے ذالک سے شبہ ہوتا ہے کہ اس سے قرآن کے علاوہ کسی اور کتاب مثلاً توراۃ یا انجیل کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے ذالک جزو قرآن ہے جزو شی شی سے قریب ہوتا ہے۔ مفسر نے ھذا نکال کر بتایا کہ مراد قرآن ہی ہے جس کا جزیہ ذالک بھی ہے۔

والاشارۃ بذالک للتعظیم کہ کر یہ نکتہ بتایا کہ مراد بعد پر رہی ہے یعنی یہ کتاب ہے

(۱) مفتی محمد شریف الحق امجدی، ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر جون، جولائی، اگست ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۱۵

قریب مگر اتنی عظیم المرتبت کہ اس سے عظیم تر کوئی دوسری کتاب نہیں۔ الذی یقرئہ محمد ﷺ سے اشارہ کیا کہ الکتاب میں الف لام عہد کا ہے اس سے مراد یہ مخصوص کتاب ہے جسے محمد ﷺ پڑھتے ہیں جس کا علم مخاطبین کو بخوبی ہے۔

﴿الذین یومنون بالغیب﴾ کی تفسیر میں "یومنون" کی تفسیر "یصدقون" سے کر کے یہ بتایا کہ صحیح یہی ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے، علماء کے ایمان کے بارے میں مختلف مذاہب ہیں، بعض محدثین و شوافع جن میں امام بخاری بھی ہیں اس کے قائل ہیں کہ ایمان "تصدیق بالقلب اقرار باللسان اور عمل بالارکان" کے مجموعے کا نام ہے۔ بعض حضرات تصدیق اور اقرار کے مجموعے کو ایمان کہتے ہیں۔

احناف اور محققین اس کے قائل ہیں کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے اور اقرار باللسان اجراء احکام کی شرط ہے اس لئے قرآن مجید میں متعدد جگہ ایمان کا عمل پر عطف ہے اور عطف میں اصل مغائرت ہے۔ خود اسی آیت میں "یومنون با لغیب" پر "یقیمون الصلواۃ و مما رزقناھم ینفقون" کا عطف ہے اس سے ظاہر ہے کہ ایمان اور عمل دو مغائر چیزیں ہیں۔ نیز اگر اعمال جزء ایمان ہوں تو محض تصدیق کرنے والے مومن نہ ہوں گے کافر ہوں گے۔ پھر اس آیت کریمہ ﴿ان اللہ لایغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذالك﴾ کا محمل کیا ہوگا۔

اس طرح کے چند عام فہم استدلالات بیان فرما کر بڑے مزے سے فرماتے۔ علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ شافعی مذہب ہیں مگر مذہب احناف کو یہاں اختیار فرمایا یہ مذہب احناف کی حقانیت کی دلیل ہے (۲)۔

یہ تھا حضور حافظ ملت کی تقریر جلالین کا ایک اقتباس حضرت شارح بخاری نے اس کے علاوہ بھی کچھ اقتباسات نوٹ فرمائے ہیں جنھیں طوالت کے خوف سے ترک کر رہا ہوں۔ حضرت شارح بخاری کے بقول حضرت حافظ ملت صرف کتاب کے نفس مضمون ہی کی تفہیم نہیں فرماتے تھے بلکہ جہاں مصنف کا قلم لغزش کھاتا اس پر بھی بھرپور تنبیہ فرماتے ہوئے قرآن کی حقیقی مراد واضح فرما دیتے اور پورا مضمون آسان تر پیرایۂ بیان میں دلوں میں اتار دیتے۔ اس سلسلہ کی بھی ایک مثال

---

(۲) مفتی محمد شریف الحق امجدی، ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ۱۹۷۸ صفحہ ۱۱۸-۱۱۹

جلالین کی تقریر کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت شارح بخاری رقم طراز ہیں:

''جہاں جہاں مفسر سے لغزش ہوئی ہے وہاں تنبیہ فرمائے۔ مثلاً آیت کریمہ ﴿لقد همت به وهم بها لولا ان را برهان ربه﴾ اس کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف کا ارادہ کیا اور حضرت یوسف بھی زلیخا کا ارادہ کرتے اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے۔

اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حضرت یوسف نے ارادہ معصیت کیا ہی نہیں۔ مگر مفسر نے لکھا ہے: وجواب لولا لجا معا اس تقدیر پر مطلب یہ ہوا کہ حضرت یوسف نے بھی معصیت کا ارادہ کر لیا تھا۔ اگر برہان الٰہی نے دیکھتے تو معصیت کے مرتکب ہو جاتے۔

حافظ ملت فرماتے: کہ گناہ کا ارادہ انبیاء کرام کے شایان شان نہیں اس لئے یہ تفسیر صحیح نہیں لولا کا جواب محذوف ضرور ہے مگر ''وهم بها مقدم'' اس جواب محذوف پر دال ہے اور ''لجامعا'' محذوف ماننے پر شرعی قباحت کے علاوہ ایک شناعت یہ بھی ہے کہ محذوف پر دال کوئی نہ ہوگا زیادہ سے زیادہ یہ کہیں گے کہ اس حذف پر قرینہ عقلیہ قائم ہے یہ قرینہ عقلیہ دلیل شرعی کے مزاحم ہو کر ساقط ہو گیا۔ نیز قرینہ ملفوظہ جب موجود ہے تو عقلی قرینہ لینے کی کیا حاجت خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ ایسی شناعت لازم آتی ہو۔(۳)۔

جلالین شریف کی تقریروں کے ان اقتباسات سے اندازہ لگایئے حضرت شارح بخاری نے جلالین شریف کتنی محنت سے پڑھی تھی اور کتنی مضبوط قوت حافظہ پائی ہے برسوں پہلے کے سنے ہوئے علمی نکات آج بھی ذہن پر اس طرح نقش ہیں گویا کل کی بات ہے اور یہ معاملہ کسی ایک کتاب کا نہیں ہے بلکہ دیگر کتب کا بھی قریب قریب یہی معاملہ ہے۔

حضرت شارح بخاری فرماتے ہیں:

''درس نظامی کی جن کتابوں کو میں نے پڑھا ہے اگر آج بھی میرے سامنے آئیں د بلا تکلف بتادوں گا کہ یہ مضمون دائیں صفحہ پر ہے کہ بائیں پر اوپر ہے کہ نیچے۔ عرصہ ہوا گلستاں بوستاں پڑھیں تھیں مگر ان کے اشعار اور عبارتیں اتنی زیادہ یاد ہیں

(۳) مفتی محمد شریف الحق امجدی، ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ۱۹۷۸ صفحہ ۱۱۹

کہ مجھے خود حیرت ہے۔ کتب فتاویٰ کی ہزاروں عبارتیں زبانی یاد ہیں اور احادیث کا تو شمار نہیں۔ مگر اب بتقاضائے عمر نسیان کا غلبہ ہوتا جارہا ہے"۔

حضرت شارح بخاری عہد طالب علمی میں بھی انتہائی ذہین، محنتی، جفاکش اور قوی الحافظہ تھے خوش خلق، نیک سیرت، اور پابند شریعت تھے۔ آپ دوران طالب علمی میں کثرت سے قرآن عظیم کی تلاوت فرماتے درسی کتابوں پر حد درجہ محنت کے باوجود روزانہ سات سات پاروں کی تلاوت فرمالیتے حافظ نہ ہونے کے باوجود کثیر آیات اور سورتیں آپ کو حفظ ہوگئیں تھیں تراویح میں حافظوں کو لقمہ دیتے بوقت ضرورت آیات کی تلاش میں حافظوں کو تردد ہوتا تو آپ نشاندہی فرمادیتے۔

خداداد صلاحیتوں کے ساتھ محنت، لگن اور جہد مسلسل ہو تو طالب علم کی زندگی میں حیرت انگیز انقلابات رونما ہوتے ہیں۔ اور اساتذہ کا فیضان موسلادھار بارش کی طرح برسنے لگتا ہے۔

حضرت حافظ ملت دوران درس فرمایا کرتے تھے:

"میں جب تم کو پڑھانے لگتا ہوں تو میرے علم میں جوش آجاتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ جو کچھ حضرت صدر الشریعہ نے عطا فرمایا ہے سب تمہارے سینے میں انڈیل دوں"۔

آپ عہد طالب علمی میں رات رات بھر مطالعہ کرتے کتنی ہی بار ایسا ہوا کہ جب مؤذن نے فجر کی اذان دی تو آپ حیرت زدہ رہ گئے کہ کہیں مؤذن کو دھوکا تو نہیں ہوگیا کہ وقت سے پہلے اذان دے دی جس کی وجہ سے آپ کی صحت بھی خراب ہوگئی تھی اس پر بھی حافظ ملت نے تنبیہ فرمائی کہ رات رات بھر مت جاگا کرو صحت کا خیال رکھو۔

حضرت شارح بخاری فرماتے ہیں:

"میں ملاحسن وغیرہ پڑھ رہا تھا اس کے ساتھ دیگر کتابیں بھی بہت تھیں اسباق بھی کافی ہوتے تھے اس کی وجہ سے میں راتوں کو بہت دیر دیر تک مطالعہ کرتا جس سے میری صحت خراب ہوگئی جسم میں صرف ہڈی اور چمڑا رہ گیا، یہ دیکھ کر حافظ ملت نے بہت سختی کے ساتھ حکم دیا کہ تم بارہ بجے کے بعد مطالعہ نہیں کرسکتے ابتدا میں میں نہیں مانا پھر بہت سختی سے ڈانٹا"۔

عہد طالب علمی کے چند یادگار واقعات

مدرسہ اشرفیہ میں تحریری امتحان ہو رہا تھا آپ کا ملا حسن کا پرچہ تھا ان دنوں مدرسہ کے صدر محمد امین انصاری صاحب تھے امتحان کے دنوں میں وہ بھی مدرسہ آکر نگرانی کرتے حضرت شارح بخاری امتحان کا وقت ختم ہونے کے بعد بھی لکھتے رہے جب ۱۵ ار منٹ وقت زیادہ ہو گیا تو انھوں نے حافظ ملت سے کہا ان کی کاپی لے لی جائے۔ اس پر حافظ ملت نے فرمایا انھیں ابھی رہنے دیجئے اور ان کے کان میں کچھ کہا اس کے بعد انھوں نے حضرت شارح بخاری کو بغور دیکھا جب آپ کاپی جمع کرنے لگے تو حضور حافظ ملت نے فرمایا ٹھہر جایئے پھر امین صاحب اور دیگر اراکین کو متوجہ کر کے فرمایا ان کی صورت دیکھئے اور کاپی دیکھئے اور ورق الٹ الٹ کر کاپی دکھانے لگے کاپی دیکھ کر اراکین حیرت زدہ رہ گئے پھر حضور حافظ ملت نے ارشاد فرمایا: انھوں نے اتنی محنت کی ہے کہ اپنی صحت بھی خراب کرلی ہے۔ پھر دعائیہ کلمات ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ انھیں نظر بد سے محفوظ فرمائے یہ انشاء اللہ زبردست عالم دین بنیں گے۔

آج زمانہ سر کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ حضور حافظ ملت کی پیشین گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔

اسی سال تقریری امتحان لینے کے لئے خیر الاذکیاء حضرت مولانا غلام یزدانی علیہ الرحمہ تشریف لائے تھے جب وہ امتحان سے فارغ ہو گئے تو حافظ ملت اُن کے پاس تشریف لے گئے پھر حضرت شارح بخاری کو ان کے پاس بلا کر ارشاد فرمایا:

> ''اس نے اتنی زیادہ محنت اور شب بیداری کی ہے کہ اپنی صحت بھی خراب کرلی ہے اس کو دیکھئے کیا ہو گیا ہے۔ حضرت مولانا غلام یزدانی صاحب طبیب بھی تھے ارشاد فرمایا رمضان میں اس کا علاج آپ ہی فرمادیں۔

ایک بار حضرت صدر الشریعہ دار العلوم اشرفیہ میں امتحان لینے کے لئے تشریف لائے حضرت شارح بخاری نے آپ کے پاس ''نور الانوار'' کا امتحان دیا۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ آپ کی تعلیمی لیاقت سے بے پناہ متاثر ہوئے اور خوش ہو کر سو میں پچانوے نمبر عطا فرمائے حضرت صدر الشریعہ نمبر دینے میں انتہائی محتاط تھے پھر بھی اتنے زیادہ نمبر دیئے، اس سے حضرت شارح بخاری کی محنت و مطالعہ اور عہد طالب علمی میں صلاحیت و لیاقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

جس دور میں حضرت شارح بخاری پڑھتے تھے درسگاہوں میں ادب وانشاء کی طرف خاص توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ دینیات و معقولات ہی محنت و مطالعہ کی خاص جولانگاہیں ہوتی تھیں لیکن حضرت شارح بخاری کو فارسی اور عربی ادب وانشاء کا بھی ذوق تھا فارسی اور عربی بولنے کی مشق کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ فارسی پڑھتے تھے تو فارسی بولنے پر قدرت حاصل ہوگئی تھی اور جب عربی ادب کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں تو عربی بولنے اور لکھنے پر قدرت حاصل ہوگئی تھی اس میں اساتذہ کی دلچسپی سے زیادہ اپنے ذوق و شوق اور مشق و ممارست کا دخل تھا۔

جب دارالعلوم اشرفیہ کا دوسرا جلسۂ دستار بندی ہونے والا تھا اور اس کے لئے بڑے زور وشور سے تیاریاں ہو رہی تھیں تو حضرت حافظ ملت نے ارشاد فرمایا: میں چاہتا ہوں کوئی طالب علم جلسہ میں عربی زبان میں تقریر کرے۔ پہلے تو متعدد طلبہ نے کمر ہمت باندھی مگر پھر ہمت ہار گئے قرعہ فال حضرت شارح بخاری کے نام نکلا اور آپ نے عربی تقریر کے لئے بھرپور تیاری کی۔

جلسے کی طے شدہ تاریخ آئی جلسہ گاہ دیوانگان مصطفیٰ اور طالبان علوم نبویہ سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی حضرت صدر الشریعہ حضرت حافظ ملت اور دیگر اساتذہ علم و فن اسٹیج پر جلوہ افروز تھے اعلان ہوا اور حضرت شارح بخاری بالکل پہلی بار تقریر کرنے کے لئے علماء کے اسٹیج پر آئے اور ۲۵ منٹ کی عربی زبان میں ایک کامیاب تقریر کی دوران تقریر سامعین ورطۂ حیرت میں ڈوبے ہوئے تھے علماء کرام فرط مسرت سے جھوم رہے تھے حافظ ملت کی خوشی کا عالم دیکھنے کے لائق تھا چہرہ بشاشت سے کھل رہا تھا اور بار بار سبحان اللہ، ماشاء اللہ کی صدائے دلنواز لگا رہے تھے تقریر کے بعد داد وتحسین کی گونج میں حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے دو روپیہ بطور انعام عطا فرمائے حضرت حافظ ملت حضرت مولانا سلیمان بھاگلپوری، حضرت مولانا شمس الحق گجہڑوی اور صدر مدرسہ جناب امین انصاری وغیرہ نے بھی انعامات سے نوازا۔ اس طرح کل چھ روپیہ ہوگئے حضرت شارح بخاری کے لئے عہد طالب علمی میں یہ بہت بڑا اعزاز واکرام تھا۔ آج بھی جب وہ اس واقعہ کو سناتے ہیں تو فخر وانبساط سے پیشانی چمک اٹھتی ہے۔

جلسہ کے بعد حضرت صدر الشریعہ قیام گاہ پر تشریف لائے تو ارشاد فرمایا: شریف الحق نے بڑی عمدہ اور فصیح وبلیغ تقریر کی انداز بیان بھی بڑا اچھا تھا۔ اس پر حافظ ملت نے ارشاد فرمایا

حضور! تقریر کا موضوع بھی اس نے خود ہی منتخب کیا تھا اور اپنے ہی قلم سے لکھی بھی تھی اور دوران تقریر موافق حال بہت سی باتوں کا اضافہ بھی کیا۔ یہ سن کر حضرت صدر الشریعہ بہت خوش ہوئے، ڈھیر ساری دعائیں دیں اور حضرت حافظ ملت سے ارشاد فرمایا: یہ آپ کا نام روشن کرے گا۔

زمانہ طالب علمی میں جب آپ جلالین شریف اور مختصر المعانی وغیرہ پڑھ رہے تھے حضرت حافظ ملت نے آپ کو معین المدرسین منتخب کیا اور شرح تہذیب اور نفحۃ الیمن وغیرہ کتابیں پڑھانے کو دیں آپ عہد طالب علمی کے ہر دور میں ایک کامیاب طالب علم رہے ہر امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کرتے رہے اور اپنے اساتذہ کی شفقتوں کے مرکز توجہ بنے رہے۔

عہد طالب علمی کی تنگ دستیاں

یہ جان کر آپ کو حیرت ہوگی کہ آپ دوران طالب علمی انتہائی تنگ دستی اور جفاکشی کی زندگی بسر کرتے تھے اس کے باوجود اس قدر محنت و مطالعہ، دماغ سوزی اور جگر کاوی فرماتے کہ دیکھنے والے انگشت بدنداں نظر آتے۔

حضرت شارح بخاری کے والد گرامی کی معاشی حالت انتہائی ابتر تھی، حالات قطعاً اس لائق نہیں تھے کہ وہ اپنے لخت جگر کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے مبارکپور بھیج سکیں مگر والد گرامی کی قلبی امنگوں اور بیٹے کے اندر امنڈتے ہوئے طلب علم کے ذوق فراواں نے مجبور کیا اور موانع کی تمام زنجیریں ٹوٹ کر بکھیر گئیں اور شارح بخاری خود اعتمادی اور خدا اعتمادی کا سہارا لے کر کشاں کشاں مبارکپور چلے آئے۔

دوران تعلیم نہ اچھے کپڑے تھے، نہ بستر اور نہ جوتے لکڑی کی بنی ہوئی کھٹ پٹ سے کام چلاتے تھے دو وقت کا کھانا جاگیر پر کھاتے ناشتہ ملتا ہی نہ تھا اپنے پلے میں اتنا کچھ رہتا ہی نہ تھا کہ ناشتہ کر لیتے کبھی کبھی والد صاحب ستو وغیرہ بھجوا دیا کرتے اسی کو ناشتے کے طور پر استعمال کرتے عام طور پر بغیر ناشتے کے کام چلاتے سردیوں میں چائے میسر نہیں ہوتی تھی۔ سردیوں میں آپ کے پاس نہ سوئٹر رہتا نہ مفلر صرف ایک بنیائن اور قمیض اور سر پر لپیٹنے کو گمچھا تھا۔ زمانہ دراز تک لحاف بھی نصیب نہیں ہوا ایک گزی کی چادر تھی اور پرانا کمبل۔ اسی سے کسی طرح گزر بسر کرتے۔

حضرت شارح بخاری جب گھر سے آتے تو والد صاحب ایک روپیہ عنایت فرماتے شروع شروع میں آپ کا آدھا ٹکٹ لگتا تھا گھوسی سے سٹھیاؤں تک کا کرایہ بذریعہ ٹرین چار آنہ تھا، مبارکپور پہنچ کر ساڑھے چار آنہ پیسے کپڑوں میں چھپا کر رکھ دیتے باقی پیسوں سے صابن وغیرہ خرید لیتے کبھی کبھی ایک ڈیڑھ پیسے کا گڑ اور ستو خرید کر کھا لیتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ واپسی کے لئے پیسے ختم ہو جاتے تو مبارکپور سے گھوسی تک پیدل جاتے اور جلد ہی واپس آکر اپنا تعلیمی سفر شروع کر دیتے۔

ان حالات کے باوجود حضرت شارح بخاری نے صبر و شکر اور عزم و استقلال کا دامن ایک لمحے کے لئے نہیں چھوڑا اور پورے وفور شوق اور جہد مسلسل کے ساتھ اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھا۔ آج جو حضرت شارح بخاری کی فلک پیما اور ہمہ گیر شخصیت نظر آرہی ہے اس کے پس پشت نہ پدرم سلطان بود کا زعم باطل ہے نہ نمائشی جلوہ سامانیاں، نہ خاندانی جاہ و جلال ہے نہ پر فریب شعبدے بازیاں بلکہ سب عطائے الٰہی، بزرگوں کی نگاہ کرم اور اپنی محنت و لگن دماغ سوزی اور جگر کاوی کے حیرت انگیز ثمرات ہیں۔ ان کی پوری زندگی ان اشعار کا آئینہ دار نظر آتی ہے۔

چشم حسرت سے کسی محل کی تعمیر نہ دیکھ
دست محنت سے بنا تو بھی کوئی قصر عظیم

یا بقول شخصے۔

محبت کی نظر اہل وفا کی شان پیدا کر
بلندی اور پستی میں ذرا پہچان پیدا کر
نہ ہو ماحول سے مایوس دنیا خود بنا اپنی
نئی کشتی، نئی آندھی، نئے طوفان پیدا کر

ترک اشرفیہ کے بعد بھی چراغ محبت جلتا رہا

بعض ناگزیر حالات کے پیش نظر آپ ۱۰ ر محرم الحرام ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں مدرسہ اسلامیہ میرٹھ چلے گئے۔ یہاں امام النحو حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ سے شرح جامی کا حاشیہ عبد الغفور، ہدایہ آخرین، صدرا، اور شمس بازغہ کا درس لیا۔ مولانا غلام

یزدانی علیہ الرحمہ سے شرح عقائد، خیالی اور قاضی مبارک پڑھیں۔ میرٹھ میں قریب آٹھ ماہ تک قیام رہا۔

شوال المکرم ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں میرٹھ سے بریلی شریف تشریف لے گئے یہاں مظہر اسلام میں حضرت مولانا سردار احمد محدث اعظم پاکستان سے صحاح ستہ کا سبقاً سبقاً درس لیا اسی کے ساتھ توضیح تلویح اور امور عامہ کے اسباق بھی جاری رہے۔ بیضاوی شریف کے کچھ اسباق حضرت مولانا عبدالعزیز خان بنگوری سے پڑھے اور ۱۵ر شعبان المعظم ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء کو مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف میں اکابر علماء اہلسنت کے ہاتھوں رسم دستار بندی ادا کی گئی اور سند فراغ حاصل کی۔

آپ نے طالب علمی کے آخری ایام میں مبارکپور چھوڑ دیا حالات و اسباب جو بھی رہے ہوں مگر یہ ایک سچائی ہے کہ اس کا قلق آپ کو آج تک ہے آپ کے جانے کا حضرت حافظ ملت کو بھی سخت افسوس رہا مگر نوازشات کا سلسلہ ایک لمحے کے لئے بھی نہیں ٹوٹا۔ ان حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت شارح بخاری فرماتے ہیں:

> جب میں کسی وجہ سے اشرفیہ چھوڑا میرٹھ چلا گیا اور حافظ ملت کو اطلاع ہوئی تو اس وقت آپ کچھ لکھ رہے تھے لکھنا چھوڑ کر سخت افسردہ ہو گئے اور فرمایا شریف الحق چلا گیا۔ پھر بہت دیر تک خاموش رہے۔

مزید فرماتے ہیں:

> ”میں جانے کو تو میرٹھ چلا گیا مگر وہاں دل نہیں لگتا تھا سخت بے چین تھا دو تین دن کے بعد میں نے معذرت کا خط لکھا، دوسرا کوئی ہوتا تو جواب ہی نہیں دیتا یا پھر ایسے کچوکے لگاتا کہ زندگی بھر اس کی کسک محسوس کرتا۔ لیکن قربان جاؤں میں اپنے حافظ ملت پر انھوں نے جواب دیا اور پیار و محبت کے ساتھ دیا۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:
>
> آپ کے چلے جانے کا بے حد افسوس ہے میں خدمت سے محروم ہوں مگر دعائے خیر کرتا ہوں آپ جہاں کہیں بھی رہیں، حسب عادت محنت و لگن سے پڑھیں۔
>
> ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

فراغت کے بعد حضرت حافظ ملت نے اپنے توسط سے پہلی ملازمت دلوائی اور پھر

نوازشات اور کرم فرمائیوں کا سلسلہ تاحیات جاری رہا۔

حسن عقیدت اور غیرت محبت

حضرت شارح بخاری بھی اپنے استاذ گرامی کو ٹوٹ کر چاہتے ہیں وہ خود تو تیر و نشتر برداشت کر سکتے ہیں مگر حافظ ملت کے خلاف ایک لفظ سننا گوارا نہیں کر سکتے۔

جب حضرت شارح بخاری نے ''اسلام اور چاند کا سفر'' تصنیف فرمائی تو دار العلوم اشرفیہ کی نشأۃ ثانیہ یعنی الجامعۃ الاشرفیہ کی تاسیس کی مناسبت سے اس کا انتساب بڑی امنگوں کے ساتھ حضرت حافظ ملت اور مبارکپور کے زندہ دل مسلمانوں کے نام فرمایا جس کی دل آویز اور ولولہ انگیز عبارت یہ ہے۔

انتســـاب

اپنے گہوارۂ تعلیم و تربیت ''دار العلوم اشرفیہ'' کی نشأۃ ثانیہ اور عظیم عمارت کے سنگ بنیاد رکھنے کی اس مبارک تقریب پر میں اپنی یہ حقیر تالیف ''اسلام اور چاند کا سفر'' استاذی، سیدی، سندی، استاذ العلماء، تاج العرفاء جلالۃ العلم حافظ ملت حضرت مولانا الحاج الشیخ حافظ عبد العزیز صاحب قبلہ دام ظلہم العالی کی خدمت میں نذر کرتے ہوئے:

غنائے عثمانی، فقر حیدری کے وارثین ''مبارکپور'' کے ان باحوصلہ اولوالعزم ملت کے دیوانوں کے نام سے معنون کرتا ہوں۔ جن کے ایثار و قربانی، خلوص و للّٰہیت اور انفاق فی سبیل اللہ کے عدیم المثال کردار سے کروڑوں مسلمانان اہل سنت کے دھڑکتے ہوئے دلوں کی تکمیل کا سامان پیدا کر دیا۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

محمد شریف الحق امجدی

جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور گونڈہ، یوپی

۵/دسمبر ۱۹۷۱ء

اس انتساب میں حضور حافظ ملت اور مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ سے حضرت شارح بخاری کی جو محبت اور وارفتگی پھوٹی پڑتی ہے وہ کسی حساس دل پر مخفی نہیں ہوگی۔ اس کتاب کے مندرجات میں بھی حضور حافظ ملت کا تذکرہ آیا ہے اس کی سطر سطر پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے

مگر اس کے مطالعہ سے قبل اس کا پس منظر ملاحظہ فرمایئے:

جب اپولو نمبر ۹ کی تفصیل اخباروں میں چھپی تو پورے ملک میں ایک سوال کھڑا ہو گیا کہ آیا انسان کا چاند پر پہنچنا ممکن ہے یا نہیں۔ اس موضوع پر مطالعہ و تحقیق کے بعد ایک مضمون بعنوان ''قرآن اور خلائی سفر'' تحریر فرمایا جو نوری کرن بریلی میں چھپا اس کا حاصل تھا کہ انسان کا چاند پر پہنچنا ممکن ہے۔ اس کے بعد طویل مدت تک اس کے خلاف کوئی تحریر منظر عام پر نہیں آئی۔

اس کے بعد جب اپولو نمبر ۱۱ کے بارے میں یہ خبر چھپی کہ اس کے ذریعہ دو آدمی چاند پر پہنچ گئے تو حضرت شارح بخاری کا وہی مضمون نوری کرن نے دوبارہ چھاپ دیا۔

پھر کئی برس کے بعد اس کے رد میں امام النحو حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کا ایک رسالہ ''صحیح النظر'' منظر عام پر آیا جس میں حضرت شارح بخاری کے مضمون کی تردید بھی تھی۔ پھر حضرت شارح بخاری نے احباب کے اصرار پر مزید تحقیق کے ساتھ ایک مقالہ بعنوان ''اسلام اور چاند کا سفر'' تحریر فرمایا۔ اس کی تردید میں حضرت امام النحو علیہ الرحمہ نے ''صحیح المسلک'' نامی کتابچہ تحریر فرمایا جس میں نہ صرف اپنے تلمیذ حضرت شارح بخاری کو اپنے قلم کے تیر و نشتر کا نشانہ بنایا بلکہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کو بھی اپنی معاصرانہ چشمک کا تختۂ مشق بنایا اس کے جواب میں ''اسلام اور چاند کا سفر'' نامی کتاب مزید تحقیق اور معروضات کے اضافہ کے ساتھ منظر عام پر آئی اس میں حضرت شارح بخاری نے ادب کے دائرے میں زیر بحث مسئلہ پر جس خوش اسلوبی سے گفتگو کی اس کا ہر پہلو ''کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است'' کی دل آویز تصویر ہے لیکن حضور حافظ ملت پر کیے گئے حملوں پر قلم کا غضبناک تیور دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے مگر ہوش اور ادب کا دامن یہاں بھی ہاتھوں سے نہیں چھوٹا۔ حضور حافظ ملت کی محبت کا غلبہ سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے۔ حضرت شارح بخاری اپنے استاذ گرامی حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ سے خطاب کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> اس مسئلہ میں میرا حضور والا کی ذاتی تحقیق سے اختلاف بلادلیل اتباع نفس کی وجہ سے ہے یا دلیل شرعی کی روشنی میں اتباع حق کی وجہ سے۔ اس کا اندازہ ہر اس شخص کو ہو گیا ہے جس نے دونوں فریق کی تحریریں پڑھی ہیں۔ اور ''صحیح المسلک'' کی وجہ سے

جو اشتباہ پیدا ہو گیا ہے وہ انشاء اللہ تعالیٰ اب دور ہو جائے گا۔

میرے اوپر جو عنائتیں ہوئی ہیں اس کا نہ تو جواب دینا ہے نہ دوں گا اور نہ وہ میرے لئے کسی تکلیف کا باعث۔ البتہ جہاں جہاں جلالۃ العلم استاذ العلماء حضور حافظ ملت دامت برکاتہم العالیہ پر طعن کیا گیا ہے وہ میرے لئے ضرور انتہائی تکلیف دہ اور اذیت ناک ہے۔ آپ کی عدالت میں مجرم تھا تو میں تھا اس کی سزا مجھے ملنی چاہئے تھی اور میرے سرکار نے سزا دینے میں کوئی کسر نہیں رکھی۔ مگر میرے جرم پر حضور حافظ ملت دامت برکاتہم القدسیہ کو مورد طعن بنانا، ان کو غیظ و غضب کا نشانہ ٹھہرانا کبھی بھی کسی منصف کے نزدیک لائق ستائش کام نہیں''۔(۴)

اسلام اور چاند کے سفر میں حضور حافظ ملت کے لئے ''دام ظلہ العالی'' کے بجائے کتابت کی غلطی سے ''دامت ظلہ العالی'' چھپ گیا تھا اس پر حضرت مولانا سید غلام جیلانی علیہ الرحمہ نے خوب مضحکہ خیزی کی اور حافظ ملت کو بھی ''مدح بمایشبہ الذم'' کا نشانہ بنایا اس پر حضرت شارح بخاری کے قلم کا فکر انگیز تیور اور مسکت جواب ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت شارح بخاری رقم طراز ہیں:

''کس قدر تکلیف دہ بات ہے کہ کاتب نے ''دام ظلہ العالی''میں ''دامت'' لکھ دیا اس پر یہ تحریر فرمایا:

اپنے استاذ دوم جناب مولانا حافظ عبد العزیز صاحب شیخ الحدیث دار العلوم اشرفیہ مبارکپور کی خدمت میں اس کتاب کو بطور نذر پیش کیا ہے ان کے حق میں ''دامت ظلہ العالی''لکھ کر ان کے ظل عاطفت کو جامہ انوثیت پہنا دیا''۔

اب یہ فیصلہ ناظرین پر ہے کہ اس کو ''مدح بمایشبہ الذم'' کے قبیل سے کہا جا سکتا ہے یا نہیں۔

اتنی اونچی مسند سے ایسی بات ۔

ایں چہ شوریست کہ در دور قمری بینم

کاتبوں سے اس قسم کی حرکتیں ہمیشہ ہوتی آئی ہیں اور اب بھی ہوتی رہتی ہیں۔ اگر حضور والا اجازت دیں تو سرکار کی مطبوعات میں سے سیکڑوں غلطیوں کی فہرست

(۴) مفتی محمد شریف الحق امجدی، اسلام اور چاند کا سفر، مطبوعہ دائرۃ البرکات گھوسی ص ۱۰

حاضر خدمت کر دوں اور جانے دیں اسی "صحیح المسلک" کے صفحہ ۳۳ پر آیت کریمہ "اِناللہ و انا الیہ رٰجعون" کو تحریر فرمایا ہے رٰجعون کا رسم الخط بغیر الف ہے مگر کاتب نے الف کے ساتھ راجعون لکھا ہے۔ کیا قرآن مجید کو اس کے مخصوص رسم الخط کے علاوہ اپنے جی سے جیسے چاہیں ویسے لکھنا جائز ہے؟ کیا یہ کاتب کا نہیں حضور والا کے قلم کا کرشمہ ہے؟ الخ

آگے چل کر حضور حافظ ملت کی خدمات پر قلم کا نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضور حافظ ملت دامت برکاتہم القدسیہ نے مسلسل چالیس اکتالیس سال سے اسلام و سنت کی جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور اپنے فیض سے ہزاروں علماء کا ایسا عظیم قافلہ تیار فرمادیا ہے جو ملک کے گوشے گوشے میں تو پھیلا ہی ہے۔ بیرون ملک حتی کہ انگلینڈ تک چھایا ہوا ہے۔ حضور حافظ ملت دامت برکاتہم العالیہ ہی کا کارنامہ ہے کہ دارالعلوم اشرفیہ جیسی عظیم دینی درسگاہ اہلسنت کو ملی اور اب الجامعۃ الاشرفیہ کی بنیاد ڈال کر تین لاکھ کی لاگت سے فلک بوس دو منزلہ درسگاہ کا حصہ مکمل کر کے دارالاقامہ کی بنیاد ڈال کر جملہ اہلسنت پر جو احسان عظیم فرمایا ہے وہ اس قابل ہے کہ ہر سنی مسلمان خصوصاً علماء اس پر حضور حافظ ملت دامت برکاتہم العالیہ کی قدر کرتے ان کو سراہتے بلکہ ان کا احسان مانتے۔

اگر ایسا نہیں کرتے تو کم از کم اگر معاصرانہ تناؤ یا کسی اور وجہ سے ان سے حضور والا کو کوئی کد و عناد تھا تو بھی اس کو یوں بے محابا شائع کرنے سے تو گریز فرماتے اور ان کو بلاوجہ محض کاتب کی غلطی کا بہانہ بنا کر یوں اپنے دلی تاثر کا نشانہ نہ بناتے۔ اور اگر یہاں پر یہ ایراد حضور حافظ ملت دامت برکاتہم القدسیہ سے دلی کدورت کی وجہ سے نہیں تو اس رسالہ میں دوسری اہم کتابت کی غلطیوں پر ایرادات کے ترک کی وجہ کیا ہے؟(۵)

حضرت شارح بخاری کی معروضاتی تحریر میں جو غم و غصے کا خاموش تیور ہے وہ کسی اہل دانش پر مخفی نہیں، یہ صحیح ہے کہ لب و لہجہ میں ادب و احترام کی سرحدوں کو ہر چند باقی رکھا گیا ہے لیکن حضرت حافظ ملت کی عقیدت و محبت اور ان کی خدمات کے اعتراف کا سمندر اتنا

(۵) مفتی محمد شریف الحق امجدی، اسلام اور چاند کا سفر، مطبوعہ دائرۃ البرکات گھوسی ص ۱۱-۱۲

موجزن ہے کہ قلبی احساسات کی برہمی غیر اختیاری طور پر الفاظ کے پیکر میں اتر آئی ہے۔

کسی کا راز رکھنے کو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
کہ آنسو جھلملا جاتے ہیں دامن تر نہیں ہوتا

حضرت حافظ ملت کی محبت سے شارح بخاری کے دل و دماغ ہمیشہ سرشار رہتے ہیں، جب بھی ان کی محفل میں ذکر حافظ ملت چھڑ جاتا ہے تو نوازشات حافظ ملت کی یادوں سے آنکھیں نم ہو جاتی ہیں اور اہل محفل پر ایک رقت انگیز کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

تصور سے کسی کے جگمگاتی ہے سحر میری
کسی کی یاد سے روشن چراغ شام کرتا ہوں

حافظ ملت کا سلسلۂ کرم اور کمال اعتماد

حضرت شارح بخاری بلا شبہ حافظ ملت کے تلمیذ رشید اور ان کی زندہ جاوید یادگار ہیں حافظ ملت آپ کو دل کی گہرائیوں سے مانتے تھے اور آپ کے علم و فن، فکر و تدبر کے قائل تھے آپ کی خطیبانہ اور مناظرانہ صلاحیتوں کی معترف تھے اور آپ کے فقہی تبحر پر اعتماد فرماتے تھے۔ حافظ ملت آپ کو دار العلوم اشرفیہ کے سالانہ امتحانوں اور سیرت النبی کے جلسوں میں مدعو فرماتے تھے۔ حضرت شارح بخاری بھی حضور حافظ ملت کی دعوتوں کو بسر و چشم قبول فرماتے اور اپنے مادر علمی کے پروگراموں میں شرکت کو باعث صد افتخار سمجھتے تھے۔

ایک بار حضرت شارح بخاری گھوسی میں موجود تھے، جب دار العلوم اشرفیہ کے جلسہ کا علم ہوا تو اپنے مادر علمی کی محبت میں بغیر دعوت کے ہی تشریف لے آئے، حضرت حافظ ملت نے دیکھا تو فرط مسرت سے جھوم اٹھے، عجب اتفاق کہ جلسہ میں وہ خطیب بھی تشریف نہیں لائے جن کو مدعو کیا گیا تھا، حضرت کے حکم پر آپ نے خطاب فرمایا اور جلسہ امید سے زیادہ کامیاب ہوا، جب حضرت شارح بخاری گھوسی واپس ہو گئے تو حضور حافظ ملت کو معلوم ہوا کہ ناظم ادارہ نے آپ کو زاد راہ بھی نہیں دیا ہے، حافظ ملت یہ جان کر مضطرب ہو گئے اور اسی وقت کسی کے ہاتھ زاد راہ اور نذرانہ روانہ کرایا۔

اس واقعہ میں حضرت حافظ ملت کی نوازش بے پایاں اور حضرت شارح بخاری کے ایثار و محبت دونوں ہی کے جلوے نمایاں ہیں۔

حضرت حافظ ملت اپنے زیر اثر ہونے والی ملک کی دیگر کانفرنسوں اور سیرت کے جلسوں میں بھی مدعو کراتے اور جب کوئی مناظرہ کے لئے علماء اشرفیہ کو مدعو کرتا تو آپ زور دے کر حضرت شارح بخاری کی شرکت کا مشورہ دیتے اور بعض مواقع پر تو خود حضرت حافظ ملت نے آپ کو مدعو کیا۔ مثلاً غیر مقلدین کے مقابلے کے لئے مدھوبنی بہار میں، دریاپور ضلع مالدہ میں اور باندو چترا ضلع پلاموں کے مناظرہ میں۔

ماندو چترا ضلع پلاموں کے مناظرے میں حافظ ملت خود بھی شریک ہوئے تھے، حضرت شارح بخاری نے انتہائی کامیاب مناظرہ فرمایا اور حافظ ملت نے پورا مناظرہ اپنی قیام گاہ پر بیٹھ کر سماعت فرمایا، مناظرہ کے بعد بزرگانہ دعاؤں اور داد و تحسین کے پرزور حوصلہ افزا جملوں سے سرفراز فرمایا۔

اس مناظرے کی روداد حضرت شارح بخاری نے راقم سے اس طرح بیان فرمائی:

"ماندو چترا ضلع پلاموں میں دیوبندیوں نے نور محمد ٹانڈوی کو مدعو کیا تھا اور اہلسنت کی جانب سے حضرت حافظ ملت، مولانا کامل سہسرامی اور یہ خادم تھا، نور محمد ٹانڈوی دیوبندی جماعت کا مایۂ ناز مناظر، چرب زبان اور بے حیا مولوی تھا، حضرت شیر بیشہ اہلسنت کے مقابلے میں کئی بار آچکا تھا، مجھ سے کبھی اس کا سابقہ نہیں پڑا تھا، لیکن بلرام پور اور سربیلا ضلع سہرسہ میں مقابلے کی تقریریں ہو چکی تھیں، میں نے اس کی لیاقت کو معلوم کرلیا تھا کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ حضرت حافظ ملت سے میں نے اجازت لی کہ مناظرہ میں کروں گا، لہٰذا میں نے جماعت اہلسنت کی جانب سے خود کو مناظر کی حیثیت سے پیش کیا، نور محمد ٹانڈوی تو نہیں آیا اس نے طاہر گیاوی کو بھیجا، اس سے مناظرہ کرنے کو میں اپنی توہین سمجھ رہا تھا لیکن مجبور تھا۔

جب مناظرہ کا وقت آیا تو دیوبندیوں نے راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کی، لیکن منتظمین مناظرہ کے درمیان یہ پہلے سے طے تھا کہ جو مناظرہ سے راہ فرار اختیار کرے گا سارے اخراجات اسی کو ادا کرنے ہوں گے۔ اہلسنت کی عوام نے اس کا مطالبہ کیا تو دیوبندی طوعاً و کرہاً اپنے مناظر کو مناظرہ گاہ میں لے آئے، لیکن زبردستی والا معاملہ کب تک چلتا دیوبندی مات کھا کر بھاگ گئے اور علماء اہلسنت کو فتح و کامیابی ملی جیسا کہ آج تک تمام مناظروں میں ہوتا آیا ہے۔ دیوبندیوں کے شامیانے میں جتنے عوام بیٹھے

تھے وہ سب بھی دیوبندی علماء کی طرف پشت کر کے ہمارے ساتھ صلوٰۃ و سلام میں کھڑے ہو گئے اور ہمارے ساتھ دعا مانگی اور تکبیر و رسالت کے فلک شگاف نعروں سے پورا ماحول گونج اٹھا''۔

ٹائی ڈیہری موضع میں جشن فتح منایا گیا تو حضرت حافظ ملت نے پوری تقریر میں حضرت شارح بخاری کی خوب خوب تعریف کی اور بڑے جوش و ولولہ سے مناظرہ کی روداد سنائی۔

ایک بار امر ڈوبھا ضلع بستی میں کسی نے حضرت حافظ ملت کی بارگاہ میں استفتاء پیش کیا تو حضرت نے شارح بخاری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا انھیں دیدو حضرت شارح بخاری نے فتویٰ لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو حافظ ملت نے تصدیق فرمادی شارح بخاری نے عرض کیا حضرت پڑھا نہیں اور تصدیق فرمادی اس پر حافظ ملت نے ارشاد فرمایا آپ کا فتویٰ پڑھ کر تصدیق کی جائے گی؟ پھر فتویٰ پڑھا اور بہت خوش ہوئے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حافظ ملت شارح بخاری کی فتویٰ نویسی پر کامل اعتماد فرماتے تھے۔

جب حضرت شارح بخاری مدرسہ انوار القرآن بلرام پور میں شیخ الحدیث تھے تو ختم بخاری شریف کی تقریب اور جلسۂ دستار بندی میں حضرت سید العلماء مارہروی اور حضور حافظ ملت محدث مراد آبادی کو مدعو کیا تھا، حضرت شارح بخاری نے حضرت حافظ ملت کی بارگاہ میں عرض کیا حضور آپ دورۂ حدیث کے فارغین کو بخاری شریف کی آخری حدیث پڑھادیں، اس پر حافظ ملت نے ارشاد فرمایا آپ نے پوری بخاری شریف پڑھائی ہے یہ بھی آپ ہی پڑھائیں گے، حضرت شارح بخاری نے بہت اصرار کیا لیکن آپ یہی فرماتے رہے کہ آپ پڑھائیں یہ آپ کا حق ہے۔ پھر حضرت شارح بخاری نے حضرت سید العلماء سے عرض کیا کہ آپ پڑھادیں۔ انھوں نے بھی یہی فرمایا حضرت حافظ ملت نے فیصلہ فرمادیا ہے اب اس میں ترمیم نہیں ہو سکتی۔ اپنے بزرگوں کے حکم پر حضرت شارح بخاری نے ختم بخاری شریف کی تقریب میں طلبہ کو آخری حدیث پڑھائی اور اس کے حوالے سے انتہائی پر مغز اور محد ثانہ تقریر فرمائی۔ پھر رات کے جلسہ میں حضرت حافظ ملت نے شارح بخاری کی اس تقریر کی بے پناہ تعریف فرمائی۔

اس یادگار واقعہ سے آپ اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہوں گے کہ حضرت شارح بخاری اپنی گونا

گوں خوبیوں کے ساتھ ایک متبحر استاذ اور مدرس بھی ہیں اور حافظ ملت بھی آپ کی تدریسی صلاحیتوں کے معترف تھے جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے حضرت شارح بخاری نے فراغت کے بعد مبارکپور آنے سے قبل ملک کی مختلف درسگاہوں میں صف اول کے مدرس کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیں اور ساتھ ہی فتویٰ نویسی کا سلسلہ بھی جاری رکھا، آپ الجامعۃ الاشرفیہ میں آنے سے قبل ہی ملک بھر میں نائب مفتی اعظم ہند کی حیثیت سے متعارف اور مقبول انام ہو چکے تھے۔

شیخ الحدیث کے منصب کے لئے حافظ ملت کی نگاہ انتخاب

حضرت حافظ ملت کے تلمیذ رشید اور تحریک اشرفیہ کے روح رواں حضرت مولانا عبد الرؤف نائب شیخ الحدیث دار العلوم اشرفیہ بڑی خوبیوں کے حامل تھے وہ ایک متبحر، باعمال اور بافیض استاذ بھی تھے اور فلک پیما محقق بھی، علوم وفنون پر کامل دستگاہ بھی رکھتے تھے اور انتظامی امور پر گہری نظر بھی، فتاویٰ رضویہ کی ترتیب و تحقیق آپ کا یادگار تاریخی کارنامہ ہے۔ وہ حضور حافظ ملت کے دست بازو، انتہائی معتمد رفیق کار اور بے لوث معاون تھے، تحریک اشرفیہ کی منصوبہ سازی اور اس کی عملی پیش رفت میں وہ قدم قدم پر حافظ ملت کے ہم دم ودم ساز رہے۔

حضرت شارح بخاری تحریر فرماتے ہیں:

> ”جب تک وہ حیات رہے حضور حافظ ملت قدس سرہ نے اشرفیہ کا سارا نظم ونسق اور اصلاح وتربیت ان کے سپرد کر دی تھی، اس خصوص میں ان کے امتیاز اور تفرد کی دلیل وہ اجلہ علماء کرام ہیں جو ملک ہی نہیں پوری دنیائے سنیت کے آفتاب وماہتاب ہیں۔ آج دار العلوم جامعہ ہو گیا اسے دار العلوم سے جامعہ تک پہنچانے میں موصوف کی ذات گرامی کا اتنا دخل ہے جتنا انسان کو انسان بنانے میں دل ودماغ کا ہوتا ہے۔
> اشرفیہ کی تاریخ کے زریں عنوان ہیں حافظ عبد الرؤف علیہ الرحمہ“۔(۶)

کون جانتا تھا کہ یہ علم وحکمت کا آفتاب اپنے استاذ گرامی کی حیات ہی میں ڈوب جائے گا مگر قدرت کے فیصلہ میں کسی کو مقام دم زدن نہیں، حیات مستعار کے دن پورے ہو گئے اور حضرت مولانا عبد الرؤف علیہ الرحمہ ۱۴ر شوال المکرم ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۱ء بروز جمعہ ۱۱ر بجے دن اس

(۶) مفتی محمد شریف الحق امجدی، تذکرہ مولانا عبد الرؤف علیہ الرحمہ، مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارکپور ص ۵۵

دار فانی سے رحلت فرماگئے۔

آپ کے وصال پر ملال کا سب سے زیادہ اثر حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے دل و دماغ پر پڑا لوگوں کا بیان ہے کہ ان کے انتقال کی خبر سے حافظ ملت پر بڑھاپا طاری ہو گیا۔

حضرت حافظ ملت کو ان کی جگہ پر کرنے کی فکر لاحق ہوئی ہر طرف نظر دوڑائی مگر نگاہ انتخاب حضرت شارح بخاری پر پڑی حضرت مولانا عبدالرؤف علیہ الرحمۃ کی جگہ انھیں جیسی گوناگوں خصوصیات والی شخصیت کی ضرورت تھی اور حضرت شارح بخاری بلا شبہ ان تمام اوصاف کے حامل تھے حسن اتفاق انھیں دنوں حضرت شارح بخاری مبارک پور تشریف لے آئے حضرت حافظ ملت نے الجامعۃ الاشرفیہ کے شیخ الحدیث کے لئے پیش کش کی حضرت شارح بخاری نے اپنے مشفق استاذ کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیا اور باضابطہ تقرر عمل میں آگیا۔

لیکن جب حضرت شارح بخاری مدرسہ انوار القرآن بلرام پور پہنچے اور بلرام پور چھوڑنے کا اظہار کیا تو پورے بلرام پور میں غم و اندوہ کی لہر دوڑ گئی، محبان شارح بخاری اشکبار آنکھوں سے آپ کی جدائی کا ماتم کرنے لگے اور کہنے لگے ہم کسی بھی صورت میں آپ کو بلرام پور سے جانے نہیں دیں گے۔ لیکن حضرت حافظ ملت کے حکم کے سامنے حضرت شارح بخاری نے ان تمام آرزوں اور گذارشوں کو نظر انداز کر دیا اور رخت سفر باندھ کر خاموشی سے مبارکپور چلے آئے لیکن اہل بلرام پور اس جدائی کو برداشت نہ کر سکے اور چند افراد پر مشتمل ایک مختصر قافلہ حضور حافظ ملت کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا اور اپنے دل کا مدعا بیان کیا حضرت حافظ ملت اہل بلرام پور کے اخلاص و محبت کے جذبات کو ٹھکرا نہ سکے اور حضرت شارح بخاری کو بلرام پور جانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء میں جب حضرت حافظ ملت کا وصال ہوا تو حضرت شارح بخاری مدرسہ ندائے حق جلال پور میں تھے جب آپ کے سانحۂ ارتحال کی خبر ملی تو بے حال ہو گئے اور کمرہ بند کر کے قریب دو گھنٹے تک دہاڑیں مار مار کر روتے رہے جب کچھ طبیعت سنبھلی تو نماز جنازہ میں شرکت کے لئے مبارکپور کی طرف چل پڑے، نماز جنازہ کے بعد عزیزی ہال میں تعزیتی مجلس کا انعقاد ہوا اہل محفل تصویر غم بنے بیٹھے تھے ہر فرد بجائے خود یتیمی کے احساس میں ڈوبا ہوا تھا پُرسا دے تو کون دے۔ کسی طرح حضرت شارح بخاری تیار ہوئے جب شارح بخاری نے دردناک اور غم انگیز لب و لہجہ میں تعزیتی کلمات ارشاد فرمائے تو پورا مجمع آہ و بکا میں ڈوب گیا حضرت کے یہ چند کلمات آج بھی ماہنامہ اشرفیہ میں

محفوظ ہیں:

"حضرت صدر الشریعہ کے وصال کے بعد حافظ ملت ہی ہمارے ماویٰ و ملجا تھے افسوس آج ہم دوبارہ یتیم ہو گئے"۔

کاروان حیات کا دوسرا دور الجامعۃ الاشرفیہ

حضرت حافظ ملت کے وصال کے بعد الجامعۃ الاشرفیہ میں ایک تبحر، تجربہ کار اور علمی جلالت کی حامل شخصیت کی ضرورت کا شدید احساس پیدا ہوا جو اپنے علمی اور بزرگانہ جاہ و جلال کے ساتھ علم و فن کی گتھیاں بھی سلجھائے اور حالات کے مد و جزر پر مخلصانہ اور مدبرانہ نگاہ بھی رکھ سکے۔ ارباب حل و عقد نے جماعت اہلسنت کی علمی بساط پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی تو مختلف حضرات کی جانب سے تین بزرگ علماء کے نام پیش کئے گئے:

۱- غزالیٔ دوراں حضرت علامہ الحاج صوفی مبین الدین محدث امروہوی علیہ الرحمہ
۲- شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم العالیہ
۳- رئیس الخطبا والمدرسین حضرت علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ

حضرت علامہ مبین الدین علیہ الرحمہ نے معذرت کرلی، علامہ اعظمی علیہ الرحمہ پر اتفاق نہ ہو سکا۔ باہم تبادلۂ خیالات کے بعد حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب کے نام پر سب متفق ہو گئے اور یہ بلا شبہ ایک خوبصورت انتخاب تھا۔ حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی ان دنوں مدرسہ ندائے حق جلال پور ضلع فیض آباد میں صدر مدرس کی حیثیت سے تدریسی اور فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ حضرت مولانا عبد اللہ خاں عزیزی جو ان دنوں الجامعۃ الاشرفیہ میں استاذ تھے تقرری کا دعوت نامہ لے کر جلال پور پہنچے۔ حضرت شارح بخاری ان کے ساتھ مبارکپور تشریف لائے اور انتظامیہ سے باہم گفت و شنید کے بعد آپ کا تقرر بحیثیت مفتی اشرفیہ عمل میں آیا۔

۲۲/ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۶ء میں حضرت شارح بخاری باضابطہ الجامعۃ الاشرفیہ میں تشریف لائے آپ کی آمد سے قبل دار الافتاء کے لئے نہ کوئی مخصوص ہال تھا اور نہ کوئی مستقل مفتی۔ حضور حافظ ملت، حضرت مولانا عبد الرؤف اور حضرت مفتی عبد المنان اعظمی تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ درسگاہوں میں فارغ اوقات میں کچھ فتاوے لکھ دیا کرتے تھے۔ اشرفیہ میں مستقل

مفتی کی حیثیت سے سب سے پہلی تقرری حضرت شارح بخاری کی ہوئی۔ مرکزی درسگاہ کی بالائی منزل میں ایک ہال ہے جس میں اشرفیہ کی بڑی لائبریری ہے، اس لائبریری میں جانب شمال دو تخت ڈال دیئے گئے جس پر بیٹھ کر حضرت شارح بخاری نے فتویٰ نویسی کا آغاز کیا۔ لائبریری کی وجہ سے حسب ضرورت کتابوں کی فراہمی میں بڑی آسانی تھی اس وقت حضرت شارح بخاری تن تنہا پورا دارالافتاء تھے نہ کوئی معاون مفتی تھا اور نہ کوئی محرر۔ طلبہ سے رجسٹر پر فتاوے نقل کرائے جاتے تھے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سائلین کی عجلت کے پیش نظر فتاویٰ رجسٹر پر نقل کئے بغیر ہی دے دیئے جاتے جس کی وجہ سے بہت سے فتاویٰ ریکارڈ میں محفوظ نہ رہ سکے ان دنوں حضرت شارح بخاری کو اشرفیہ میں بڑے آزمائش کے مراحل سے گذرنا پڑا جب ہم نے آپ سے ان دنوں کے حالات دریافت کئے تو ایک سرد آہ بھر کر اپنی سرگذشت اس طرح بیان فرمائی:

”میں جب دارالافتاء میں آیا تو استفتاء کی ڈاک کا اوسط بمشکل چار لفافے کا تھا، مجھے فتویٰ لکھنے کے لئے جو ڈیسک دیا گیا تھا اس میں کئی سال کے پرانے لفافے بھی تھے۔ بہر حال میں نے ۹ر شعبان تک جتنے استفتاء نئے آئے تھے اور جو پرانے رکھے تھے سب کے جوابات لکھ کر بھیج دیئے، دو سال تک یہی سلسلہ رہا دن بدن سوالات کی ڈاک بڑھتی رہی اور ساتھ ہی ساتھ رجسٹر پر نقل کرانے کا مسئلہ بھی دشوار ہوتا گیا۔

میری بار بار کی درخواست پر ایک صاحب کو رکھ لیا گیا جو قریب قریب معتوہ تھے ان کو صرف نقل فتویٰ کے لئے رکھا گیا تھا کچھ دنوں تو انھوں نے نقل پر اکتفا کیا لیکن کچھ دنوں کے بعد میرے برابر کے مفتی ہو کر بیٹھ گئے۔ میری دشواری پھر اپنی جگہ آگئی لیکن نہ تو وہ خود ہٹنے کے لئے تیار تھے اور نہ اس وقت کے ارباب حل و عقد ان سے معذرت کر سکتے تھے وہ تو خیر اپنی دماغی حالت کی وجہ سے مجبور تھے۔ لیکن ارباب حل و عقد نے ان کو کیوں مجھ پر مسلط کیا تھا یہ میں اب تک نہ سمجھ سکا۔ وہ کئی برس تک رہے لیکن پھر مکمل مجنون ہو گئے تو ان سے نجات ملی۔ لیکن ارباب حل و عقد نے اس کے بعد بھی کسی ناقل کا انتظام نہیں کیا۔ ادھر دارالافتاء کی ڈاک دن بدن بڑھتی رہی یہاں تک کہ دس لفافے یومیہ آنے لگے پھر پورے قصبے کے اور مضافات کے دستی مسائل الگ تھے۔ اب میں پورا کام نہیں کر سکتا تھا اس لئے میں نے درخواست کی کہ ایک مفتی کا اضافہ کیا جائے لیکن وہ قبول نہ ہوئی۔ مولانا نظام الدین صاحب کا تقرر

بحیثیت مدرس ہوا تھا میں نے چاہا کہ انھیں دار الافتاء میں رکھ دیا جائے لیکن اس گذارش کو بھی ارباب حل و عقد نے نظر انداز کر دیا پھر میں نے حضرت عزیز ملت سربراہ اعلیٰ صاحب سے عرض کیا انھوں نے حالات کی نزاکت کو محسوس کیا اور بیچ میں پڑ کر معاملہ اس طرح طے کیا کہ وہ دو گھنٹیاں پڑھائیں گے اور چار گھنٹیوں میں فتویٰ لکھیں گے ۹؍ شوال ۱۴۰۰ھ ۱۰؍ اگست مطابق ۱۹۸۰ء سے انھوں نے کام شروع کیا''۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب کی تقرری کے بعد حضرت شارح بخاری کو اطمینان خاطر ہوا اور دار الافتاء کا بڑھتا ہوا کام کنٹرول میں آگیا اسی دوران حضرت شارح بخاری کی آنکھ میں گلا کو مہ (سنبل بائی) ہوگئی علاج کے سلسلہ میں پندرہ بیس روز تک علی گڈھ رہنا پڑا اور پھر علاج کے سلسلہ میں برابر الہ آباد جانا پڑتا تھا، گلا کو مہ پہلے حضرت کی داہنی آنکھ میں ہوا جس میں علاج ناکام رہا، پھر بائیں آنکھ میں ہوا جس کی وجہ سے ڈاکٹر نے لکھنے پڑھنے سے روک دیا، مجبوراً حضرت شارح بخاری مفتی نظام الدین صاحب کو املا کرانے لگے، بائیں آنکھ کے علاج میں چھ ماہ سے زائد صرف ہوئے، بفضلہ تعالیٰ داہنی آنکھ کی روشنی محفوظ رہی حضرت اب لکھ بھی لیتے ہیں اور پڑھ بھی لیتے ہیں لیکن معالجین کے سخت ممانعت کی وجہ سے سوالات کے جوابات کا املا کراتے ہیں۔

جامعہ اشرفیہ میں شعبۂ تحقیق قائم ہوا اس کے تین درجے بنے تحقیق فی المعقولات، تحقیق فی الادب، تحقیق فی الفقہ، تحقیق فی الفقہ کے طلبہ کی دو گھنٹیاں فتویٰ نویسی کی مشق کے لئے حضرت شارح بخاری کے یہاں رکھی گئیں تو حضرت کی درخواست پر ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء میں حضرت مفتی معراج القادری کی چار گھنٹیاں دار الافتاء کے لئے خالی کر دی گئیں۔ ملک و بیرون ملک میں دار الافتاء کی شہرت و مقبولیت دن بدن بڑھتی رہی اور سوالات کی ڈاک میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ ضرورت کے پیش نظر کے بعد دیگرے دار الافتاء میں حسب ذیل مفتیان کرام کا اضافہ ہوا:

۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۹۰ء میں مولانا جمال مصطفیٰ صاحب

۱۴۱۱ھ مطابق ۱۹۹۱ء میں مولانا مفتی نسیم صاحب

۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۳ء میں مولانا مفتی بدر عالم مصباحی صاب

۱۴۱۵ھ مطابق ۱۹۹۵ء میں مولانا ارشاد احمد مصباحی صاحب

یہ تمام حضرات دار الافتاء میں فتویٰ نویسی کے ساتھ تدریسی فرائض بھی انجام دیتے ہیں اس

طرح آج کا دار الافتاء سنی دنیا کا انتہائی معتمد اور صد قابل افتخار دار الافتاء بن گیا ہے۔

امین المفتی کی حیثیت سے مولانا غلام نبی صاحب بحسن و خوبی خدمت انجام دے رہے ہیں اس سے قبل رجسٹر پر نقل فتاویٰ کے سلسلہ میں جو دشواریاں تھیں وہ بھی ختم ہو گئیں۔ دار الافتاء کی مستقل لائبریری بھی ہے جس میں بڑی تیزی سے اہم کتب کی فراہمی کا سلسلہ جاری ہے حضرت شارح بخاری کے فتاویٰ کی ترتیب کا کام بھی شروع ہو چکا ہے امید کی جاتی ہے کہ مستقبل قریب میں حضرت شارح بخاری کے فتاویٰ کی دستاویزی جلدیں منظر عام پر آئیں گی جو انشاء اللہ اردو زبان میں فقہ حنفی کا عظیم سرمایہ ہو گا۔

حضرت شارح بخاری ایک عام مفتی کی طرح صرف فتویٰ نویسی ہی نہیں فرماتے ہیں بلکہ صدر شعبۂ افتاء کی حیثیت سے پورے شعبے پر عقابی نگاہ رکھتے ہیں اور فتویٰ نویسی کے اصول اور آداب کی روشنی میں ایک تبحر اور تجربہ کار استاذ کی حیثیت سے فتویٰ نویسی کا فن بھی سکھاتے ہیں۔ اہم اور پیچیدہ مسائل کے جوابات خود لکھواتے ہیں اسی کے ساتھ تمام مفتیان کرام کے فتاویٰ سن کر ان کی تصدیق بھی فرماتے ہیں۔ یہ سماعت محض خانہ پری کے لئے نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کے دوران اصلاح جواب، مآخذ کی نشاندہی، دلائل کی فراوانی، الفاظ کی کاٹ چھانٹ اور تربیت افتاء کا عمل بھی پوری شدت سے جاری رہتا ہے۔

فتویٰ نویسی انتہائی مشکل فن ہے عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ فتویٰ لکھنا بہت آسان ہے بہار شریعت اور فتاویٰ رضویہ سامنے رکھ کر ہر عالم فتویٰ لکھ سکتا ہے؛ یہ تصور غلط ہے۔ بڑے بڑے مدرسین اور بڑے بڑے مشائخ بھی فتاویٰ رضویہ اور بہار شریعت سامنے رکھ کر فتویٰ نہیں لکھ سکتے مفتی ہونے کے لئے ذہانت و فطانت، خدا ترسی اور کثیر علوم کے استحضار کے باوجود باضابطہ سالہا سال کی مشق و تمرین کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت شارح بخاری فرماتے ہیں:

"میں نے مکمل درس نظامی حاصل کیا اور اللہ کے فضل سے ہمیشہ اعلیٰ درجہ سے کامیاب ہوا اس کے بعد برسہا برس تک پڑھایا اور سیکڑوں کتابوں کے ہزاروں صفحات کا مطالعہ کیا مگر جب حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو ایسا محسوس ہوا گویا میں طفل مکتب ہوں ۱۴ر مہینے حضرت صدر الشریعہ کی خدمت میں اور ۱۱ر سال حضرت مفتی اعظم ہند کی خدمت میں مسلسل مشق و تمرین کے بعد مجھے فتویٰ نویسی کی سوجھ بوجھ حاصل ہوئی"۔

الجامعۃ الاشرفیہ کے شعبۂ افتاء میں جن علماء کرام کی تقرری ہوئی ان سب کو رفتہ رفتہ مشق و تمرین کے بعد اس درجہ تک پہنچادیا ہے کہ وہ دار الافتاء کی زینت ہیں۔

میرا ذاتی تجربہ ہے کہ ایک ماہر مفتی کو فتویٰ لکھنا آسان ہے مگر کسی عالم کو مفتی بنانا بہت مشکل ہے۔

حضرت شارح بخاری کی صدارت و رہنمائی میں آج الجامعۃ الاشرفیہ کا دار الافتاء دنیائے اسلام کا مرجع فتاویٰ بن گیا ہے۔ بر صغیر سے تو مسلسل سوالات کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ گاہے گاہے بر اعظم افریقہ، یورپ و برطانیہ اور عالم عرب تک سے بھی سوالات آتے رہتے ہیں۔ اگر کسی اہم مسئلہ میں مفتیان کرام کے فتاویٰ مختلف ہو جاتے ہیں تو ان کے تصفیہ کے لئے اشرفیہ کے فتویٰ کو حکم مانا جاتا ہے۔ بہت سے جدید مسائل ایسے آئے جن کے بارے میں قدیم کتب فتاویٰ میں کوئی تشریح مذکور نہیں بفضلہ تعالیٰ جامعہ کے دار الافتا نے انتہائی غور و فکر اور تحقیق و مطالعہ کے بعد اپنا موقف واضح کیا اور ناقابل شکست دلائل و شواہد کی روشنی میں فتویٰ صادر کیا وقتی طور پر دیگر مفتیان عظام نے چہ می گوئیاں کیں لیکن پھر سب کو تسلیم کرنا پڑا۔ مثلاً بیمہ کے احکام، اسپرٹ آمیز انگریزی دواؤں کا حکم، بینک کے منافع اور منافع پر زکوٰۃ کا حکم، مشینی ذبیحہ کا حکم وغیرہ۔ اس قسم کے بے شمار مسائل ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

ماہنامہ اشرفیہ اور شارح بخاری

"ماہنامہ اشرفیہ" الجامعۃ الاشرفیہ کا علمی، دینی، اخلاقی اور ادبی ترجمان ہے۔ صفر ۱۳۹۶ھ مطابق فروری ۱۹۷۶ء میں حضور حافظ ملت نے اسے جاری فرمایا تھا یہ مختلف ادوار سے گزرتے ہوئے آج جماعت اہل سنت کا سب سے اہم اور مقبول ترین ماہنامہ بن گیا ہے ملک اور بیرون ملک میں بڑے اہتمام اور شوق سے پڑھا جاتا ہے، حالیہ سروے کے مطابق کسی بھی مکتب فکر کا دینی ترجمان اتنی بڑی تعداد میں شائع نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا عبد المبین نعمانی صاحب جب اس کے مدیر ہوئے تو شرعی مسائل کا مختصر سلسلہ شروع ہوا یہ سلسلہ گاہے گاہے ٹوٹا ہوا بھی نظر آتا ہے۔

جولائی ۱۹۹۰ء میں ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت میرے حوالے ہوئی اس کے بعد اس کی توسیع اشاعت میں تین گنا اضافہ ہو گیا اور اس کی مقبولیت اور کثرت اشاعت کا سلسلہ آج بھی روز افزوں

ہے، اس میں حضرت شارح بخاری کے مفید مشوروں اور قلمی نوازشات کا بھی بڑا دخل ہے۔ میں نے اپنے عہد ادارت میں "فتاوائے اشرفیہ" کا سلسلہ شروع کیا اس کالم کے جاری ہوتے ہی ملک اور بیرون ملک سے بڑی مقدار میں سوالات کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا، ان میں دینی، ملی، سیاسی، عصری، نزاعی اور مسلکی ہر قسم کے سوالات ہوتے ہیں حضرت شارح بخاری ان سوالات کے جوابات بڑی جامعیت اور تحقیق کے ساتھ رقم فرماتے ہیں جو فکر و دانش، تدبر و تفقہ اور حکمت و بصیرت کا گرانقدر ذخیرہ ہوتے ہیں۔ "فتاوائے اشرفیہ" کا کالم قارئین اشرفیہ بڑے ذوق و شوق اور کمال دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اس کالم کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ احمد آباد و گجرات، بنگلور اور ممبئی اور پاکستان وغیرہ کے رسائل و جرائد اسے نقل کرتے ہیں قند مکرر کے طور فتاوائے اشرفیہ کے چند نمونے ملاحظہ فرمایئے:

اشرفیہ کی رسید پر ایک اعتراض کا جواب

اعتراض: آپ کی روانہ کردہ رسید موصول ہوئی لیکن رسید پر گنبد خضریٰ کی تصویر دیکھ کر طبیعت ملول ہوئی، کم از کم اب تو اس سلسلہ کو بند کریں بالکل سادہ رسید بنوائیں۔ آپ کے ادارے کا پتہ نیز دیگر تفصیل ہو، مقامات مقدسہ کی تصویر یا آیت قرآنی یا حدیث شریف کی روایتیں چھپوانے سے اجتناب کریں تو بہتر ہوگا، عموماً رسیدیں پھینک دی جاتی ہیں اس کا گناہ کس پر جائے گا تقریباً ہر ادارے کا یہی حال ہے۔

اس اعتراض کا انتہائی تسلی بخش جواب حضرت مفتی صاحب نے دیا جواب کا تیور اتنا دلنشیں اور مؤثر ہے کہ بڑے سے بڑا مخالف اور معترض بھی سر تسلیم خم کئے بغیر نہیں رہ سکتا اب ذیل میں ملاحظہ فرمایئے حضرت مفتی صاحب کا جواب۔

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ عوام پر فرض ہے کہ از خود اپنے جی سے فتویٰ نہ دیں یہ حرام اور گناہ ہے حدیث میں فرمایا گیا:

من افتیٰ بغیر علم لعنتہ ملائکۃ السمٰوات والارض. (کنز العمال)

جس نے بغیر علم فتویٰ دیا اس پر آسمان و زمین کے تمام فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

قرآن کا ارشاد ہے:

﴿فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون﴾ اگر تمہیں علم نہیں تو اہل علم سے پوچھو۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے: بے علم کی شفا سوال کرنا ہے۔

آپ نے بجائے سوال کرنے کے ہم پر اعتراض بھی کر دیا اور ہدایت بھی دیدی ہے اب اصل حال سنئے۔

جامعہ اشرفیہ کی رسید پر گنبد خضراء کی شبیہ ہرگز نہیں بلکہ کسی مقدس مقام کی شبیہ بھی نہیں بلکہ یہ زینت کے لئے ایک فرضی گنبد بنا ہوا ہے، آپ گنبد خضراء کی صحیح شبیہ سے اسے ملالیں آپ کو زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ اب اگر اس کو کوئی گنبد خضراء سمجھ رہا ہے تو اس کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔ منوگرام میں منارے کے ساتھ جو گنبد بنا ہوا ہے اس کے بارے میں کسی کو دھوکا ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر اسے بھی گنبد خضراء کی صحیح شبیہ کے ساتھ ملائیں گے تو بین فرق معلوم ہوگا۔ ہر گنبد گنبد خضراء نہیں، واجب الاحترام اسی گنبد کی شبیہ ہے جو گنبد خضراء کی صحیح شبیہ ہو۔

پھر آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کے ناموں میں اللہ عزوجل یا حضور اقدس ﷺ کے اسمائے ہوتے ہیں اور بزرگوں کے اسمائے گرامی پر بھی نام رکھے جاتے ہیں۔ مثلاً عبداللہ اور عبدالرحمٰن میں اللہ اور رحمٰن۔ محمد احمد، غلام محمد، غلام نبی وغیرہ میں محمد' احمد نبی ﷺ کے اسماء ہیں۔ غلام غوث، غلام خواجہ میں غوث اور خواجہ اولیاء کرام کے اسماء ہیں۔ رسید پر دینے والے اور محصل اور ناظم کے دستخط ہوتے ہیں۔

ان اسماء الٰہیہ، اسمائے نبی ﷺ اور اسماء بزرگان دین کی بھی تو تعظیم واجب ہے۔ اب آپ کے فتوے سے لازم آیا کہ رسید پر نہ ناظم کے دستخط ہوں نہ محصل کے اور نہ دینے والے کے نام ہوں پھر آپ بتائیے کہ رسید کیسے دی جائے۔

اس سے بھی اہم یہ ہے کہ اردو، عربی رسم الخط کے سارے حروف واجب التعظیم ہیں یہ منزل من اللہ ہیں اور قرآن کا جزء۔ اردو یا عربی میں کچھ بھی لکھا ہو ان سب کی تعظیم واجب اور بے حرمتی گناہ پھر آپ ہی بتائیے کیا اردو میں رسیدیں لکھنا بند کر دیا جائے۔

اردو میں جو کچھ بھی لکھا ہو یا چھپا ہوا موجود ہو اور بے کار ہو جائے اسے بہ حفاظت کسی ایسی جگہ دفن کر دینا چاہئے جہاں بے حرمتی نہ ہو اس میں تھوڑی سی توجہ اور مشقت کی ضرورت ہے، جس کے دل میں شرعی احکام کا احترام ہوگا اس کو اس پر عمل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔ (۷)

حضرت مفتی صاحب کے اس جواب سے شکوک و شبہات کے تمام بادل چھٹ گئے اور حق روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا اور اس عقل و نقل سے لبریز استدلال سے معترض پورے طور پر مطمئن

(۷) مفتی محمد شریف الحق امجدی، ماہنامہ اشرفیہ اگست ۱۹۹۰ء

ہو گیا۔

ماہنامہ اشرفیہ مسلک اعلیٰ حضرت کا عالمگیر ترجمان ہے اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف جب بھی کوئی آواز بلند ہوتی ہے تو ماہنامہ اشرفیہ بروقت اس کا نوٹس لیتا ہے اور اعتراضات کا مدلل اور مسکت جواب دیا جاتا ہے اعتراضات کے جوابات حضرت مفتی صاحب اپنے قلم سے رقم فرماتے ہیں جو فتاوائے اشرفیہ کے کالم میں چھپتے ہیں۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

اعلیٰ حضرت اور سرکار غریب نواز

سوال: زید سائل ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو سرکار غریب نواز رضی اللہ سے تعلق خاطر تھا یا نہیں بر صورت اول بارگاہ خواجہ میں موصوف کی کبھی حاضری کیوں نہیں ہوئی، نیز سرکار خواجہ کی مدح سرائی ان کی کسی تصنیف میں کیوں نہ آئی جیسا کہ سرکار غوثیت مآب کی تعریف و توصیف سے ان کی تصنیفات گونج رہی ہیں بر صورت دیگر کیوں کیا سبب ہے؟

جواب: مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کو جس طرح تمام اولیاء کرام سے عقیدت و محبت تھی اسی طرح حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند رضی اللہ عنہ سے بھی تھی۔ اور الملفوظ میں حضرت غریب نواز قدس سرہٗ کا ذکر بھرپور عقیدت کے ساتھ ہے۔(۸) اور اجمیر شریف دربار خواجہ میں حاضری بھی دی ہے۔ جناب سید حسین علی رضوی وکیل جاورہ نے خود مجھ سے بیان کیا ہے اعلیٰ حضرت انھیں کے یہاں مقیم بھی تھے۔

رہ گیا حضرت خواجہ غریب نواز کا ذکر اتنی کثرت سے نہیں جتنی کثرت سے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نسبت کے غلبہ کا اثر ہے، چونکہ اعلیٰ حضرت پر نسبت قادریہ حاوی تھی اس لئے اس کے جلوے جگہ جگہ نظر آتے ہیں اور نسبت کا غلبہ ہمارے اور آپ کے بس کی بات نہیں، باطنی طور پر جو بزرگ جس کا منظور نظر ہو جائے پس وہ اس کا ہو گیا۔ قاعدہ یہی ہے جس کو نعمتیں جہاں سے ملتی ہیں وہ اسی کے گن گاتا ہے۔ خود چشتی حضرات کا حال یہ ہے کہ وہ خود سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا ذکر بہت ہلکے انداز میں کرتے ہیں۔

بہر حال یہ افترا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو خواجہ غریب نواز سے لگاؤ نہیں تھا اور وہاں حاضری نہیں دی، ہاں یہ بات صحیح ہے کہ جو والہانہ عقیدت سرکار غوث اعظم رضی اللہ سے تھی کسی سے نہیں تھی

(۸) امام احمد رضا الملفوظ حصہ دوم ص ۷۴

اس کا سبب نسبت قادریہ کا غلبہ ہے اور یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔

نقشبندی حضرات خواجہ خواجگان خواجہ بہاؤالحق والدین نقشبندی قدس سرہ اور سہروردی حضرات شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کا ذکر دیگر اولیاء کرام سے زیادہ کرتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انھیں دوسرے اولیاء کرام سے عقیدت نہیں یا ان کے دل میں دوسرے اولیاء کرام کی طرف سے سوء عقیدت ہے بلکہ یہ اسی باطنی سلسلہ کی نسبت کا اثر ہے۔

اب اگر کوئی چشتیوں سے یہ کہے کہ آپ لوگوں کو خواجہ نقشبندی سے یا حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے قلبی لگاؤ نہیں تو وہ کیا جواب دیں گے۔ جو جواب ان کا ہوگا وہی جواب ہمارا ہوگا۔ اس قسم کی مہمل مہمل باتیں آج کل کے بے پڑھے لکھے علم ظاہر اور علم باطن سے کورے بطور پیشہ پیری مریدی کرنے والے کیا کرتے ہیں۔ اگر انھیں علم باطن ہوتا تو اس قسم کی باتیں زبان پر لاتے ہی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۹).

کیا امام احمد رضا کی وصیت حق ہے

ایک بار جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کے ایک دیوبندی مدرس نے امام احمد رضا کی وصیت پر اعتراض لکھ کر بھیجا۔ اس کا انتہائی محققانہ اور دنداں شکن جواب حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا سوال اور جواب ذیل میں ملاحظہ فرمیئے۔

سوال: کیا واقعی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو۔ اور میرا دین ومذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ اللہ توفیق دے، بفضلہ وصایا شریف ص ۸۔ کیا یہ عبارت و وصیت قرآن اور حدیث سے ملتی جلتی ہے؟

از محمد جہانگیر مظاہری خام اللہ رئیس جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ

امام احمد رضا کی وصیت پر اس اعتراض کی سطر سطر سے بغض وعناد اور مضحکہ خیزی کسی اہل دانش پر مخفی نہیں۔ اب اس بے سروپا اعتراض کا جواب حضرت شارح بخاری کے قلم سے پڑھئے یہ جواب جب ماہنامہ اشرفیہ میں شائع ہوا تو اس دشمن اعلیٰ حضرت کا ناطقہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا اور عاشقان رضا میں مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی جواب کی عبارت ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

---

(۹) مفتی محمد شریف الحق امجدی، ماہنامہ اشرفیہ فروری ۱۹۹۳ء صفحہ ۷-۸

جواب: بیشک مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ میرا دین ومذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے اللہ توفیق دے۔ مگر بلی تھیلے سے باہر نہیں آئی اس جامعۃ الرشاد کے مدرس کو کیا اعتراض ہے اس کو کھل کر لکھتا تو ہم اسے اس کے گھر تک پہنچا دیتے۔

انسان جس دین ومذہب پر ہوتا ہے جب اس سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا دین ومذہب کیا ہے تو وہ یہی کہے گا میرا دین ومذہب فلاں ہے۔ مسلمان کہے گا میرا دین ومذہب اسلام ہے۔ اس مسئلہ میں مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کی ناکام کوشش کرنے والے جامعۃ الرشاد کے اس نوکر سے پوچھئے کوئی کیا وہ یہ نہیں کہے گا میرا دین ومذہب اسلام ہے ہو سکتا ہے اپنی بات کے پیچ میں اقرار نہ کرے لیکن قبر میں جب نکیرین سوال کریں گے تمہارا دین کیا ہے تو ہر سنی کہے گا کہ میرا دین اسلام ہے۔ مسلمانوں کو لڑانے والے اس جامعۃ الرشاد کے نوکر سے پوچھو اس کا کیا مطلب ہے وہ شاید چپ سادھ لے لیکن ہر مسلمان جانتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا پسندیدہ مذہب اسلام ہے۔

اس سے پوچھئے کہ اس کے دیوبندی مولویوں نے اپنی کتابوں میں جو لکھا ہے یہ ان کا دین ہے یا نہیں؟

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنی کتابوں میں مذہب حق ''اسلام'' اور مذہب اہل سنت وجماعت کو اپنی کتابوں میں شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے اس پر دلائل وبراہین قائم کئے ہیں، بدمذہبوں کا رد لکھا ہے اور وہ سب باتیں اسلام کے عقائد کے مطابق ہیں۔ نیز حضور ﷺ کے زمانے سے آج تک دنیا کے تمام اہل سنت وجماعت اس پر قائم ہیں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا عقیدہ ایک بھی ایسا نہیں جو مذہب اہل سنت وجماعت کے خلاف ہو۔ اب وصیت کا مطلب یہ ہوا کہ میرا دین ومذہب جو دین اسلام اور مذہب اہل سنت ہے جو میری کتابوں میں مذکور ہے اس پر قائم رہنا۔

اب آیئے میں بتاتا ہوں کہ دیوبندی مذہب قاسم نانوتوی صاحب اور رشید احمد گنگوہی کا ایجاد کردہ اور قائم کیا ہوا ہے۔ نانوتوی صاحب کے سوانح نگار مولانا احسن گیلانی نے لکھا ہے:

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ نظریۂ عدم تقلید کے امام الائمہ (نذیر حسین) اس وقت جوان تھے جب کہ دیوبندی تحریک کے بانی (نانوتوی صاحب) ابھی بارہ ساڑھے بارہ برس کی عمر سے متجاوز نہ ہوئے تھے''۔ (سوانح قاسمی اول ص:۲۱۹)

قاری طیب صاحب نے لکھا ہے:

''حقیقی سوانح عمری یہ ہے کہ انھوں (نانوتوی صاحب) نے اپنے علم لدنی اور وہبی علوم سے حکمت کی بنیاد ڈالی وہ کیا ہے کن اصولوں پر مبنی ہے دار العلوم کی اس معنوی اور علمی تاسیس میں جو کام ہوا وہ یقیناً بلا شرکت غیر تھا جس کا نام دیوبندیت ہے''۔ (خاتمہ سوانح قاسمی ص:۱۶۷)

مولوی زکریا فرماتے ہیں:

''حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی نے جو دین قائم کیا تھا اس کو مضبوطی سے تھام لو اور اب قاسم و رشید پیدا ہونے سے رہے بس ان کی اتباع میں لگ جاؤ''۔ (صحبتے با اولیار ص:۱۲۶)

ان عبارتوں سے ثابت ہوا کہ دیوبندیت، دیوبندی مذہب ایک نئی تحریک ہے جس کے بانی قاسم نانوتوی صاحب ہیں اور دیوبندی مذہب کو نانوتوی اور گنگوہی صاحبان نے قائم کیا اب اس دیوبندی مدرس سے پوچھئے کیا کہتا ہے''(۱۰)۔

اس جواب کے بعد جامعۃ الرشاد کے دیوبندی مدرس کی کوئی تحریر موصول نہیں ہوئی۔ ایسا لگتا ہے اس سے قبل اسے اس حقیقت کا علم ہی نہ تھا کہ دیوبندیت قاسم نانوتوی اور رشید احمد گنگوہی کی ایجاد کردہ ہے۔

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوار آہنی پہ حماقت تو دیکھئے

اسی طرح ایک صاحب نے اعلیٰ حضرت کی ایک دوسری وصیت پر جاہلانہ اعتراض لکھ کر بھیجا جو اعلیٰ حضرت کی قبر کی گہرائی کے تعلق سے ہے اب ذیل میں بلا تبصرہ اعتراض و جواب کی عبارتیں ملاحظہ فرمایئے۔

کیا اعلیٰ حضرت کی قبر شریعت کے خلاف ہے؟

سوال: قول خالد کہ ''اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے اپنی قبر اتنی گہری کرنے کو کہا کہ میں اس میں بخوبی کھڑا ہو کر سلام پڑھ سکوں'' تو گویا یہ اعلیٰ حضرت نے شریعت کے خلاف کام

(۱۰) مفتی محمد شریف الحق امجدی، ماہنامہ اشرفیہ دسمبر ۱۹۹۵ء صفحہ ۴-۵

کیا۔ یہ کام نہ غوث نے کیا تھا اور نہ خواجہ نے، نہ کسی مخدوم نے گویا انھوں نے ایک ناجائز کام کا ارتکاب کیا۔ اس کا مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

جواب: اولاً تو یہی غلط ہے کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے وہ فرمایا ہو جو اس معاند، بد باطن نے کہا ہے۔

علماء نے تصریح فرمائی کہ بہتر ہے کہ قبر کی گہرائی قد آدم ہو، عالمگیری میں ہے:

وروی الحسن بن زیاد عن ابی حنیفة رحمهما الله تعالیٰ طول القبر علیٰ قدر طول الانسان. وعرضه قدر نصف قامته (جلد اول ص ۱۶۶).

درمختار میں ہے:

و حفر قبره مقدار نصف قامة فان زاد حسن.

اسی کے تحت شامی میں ہے:

او الیٰ حدالصدر وان زاد الیٰ مقدار قامة فهو احسن کما فی الذخیرة، فعلم ان الادنی نصف القامة والاعلیٰ القامة و مابینهما وهذا حدالعمق، والمقصود منه المبالغه فی الرائحة و نبش السباع.

اسی کے مطابق مجدد اعظم اعلیٰ حضرت نے وصیت فرمائی کہ میری قبر قد آدم تک گہری کردی جائے اور جب یہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے تو امید یہی ہے کہ بزرگوں نے اس پر عمل کیا ہوگا۔ لیکن ہر بات کا منقول ہونا کیا ضروری! اس جاہل سے پوچھئے کہ وہ کہیں لکھا ہوا دکھائے کہ سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سرکار غریب نواز رضی اللہ عنہ کی قبریں کتنی گہری تھیں؟

پھر یہ جو فرمایا گیا کہ قبر آدمی کے قد کے برابر گہری ہو اس سے مراد لحد کی گہرائی نہیں اور نہ صندوق کی اس سے صندوق اور لحد کے اوپر جو گڑھا ہوتا ہے وہی مراد ہے وہی حقیقت میں قبر ہے۔

عالمگیری میں ہے:

وصفة اللحد ان یحفر القبر بتمامه ثم یحفر فی جانب القبلة منه حفیرة فیوضع فیه المیت.

ابھی شامی کی عبارت گزری کہ قبر کی گہرائی سے مقصود یہ ہے کہ بو باہر نہ آئے اور اس کا

اندیشہ نہ رہے کہ درندے قبر کو ادھیڑ دیں گے۔ اگر اوپر کا گڑھا مختصر ہو اور لحد اور صندوق گہری ہو تو یہ مقصود پورا نہ ہوگا۔ یہ مقصود اسی وقت پورا ہوگا کہ قبر کے اوپر کا حصہ قد آدم گہرا ہو۔

بندہ اگر مومن صالح ہے تو اس کی قبر حد نظر تک وسیع کر دی جائے گی اگرچہ کتنی ہی تنگ ہو اور کافر ہے تو قبر اسے دبوچے گی خواہ کتنی ہی وسیع ہو۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقیناً عارف باللہ، نائب رسول، قطب وقت تھے ان کی قبر یقیناً حتماً حد نظر تک وسیع کی گئی ہوگی۔ اس کی حاجت نہیں کہ ان کی قبر اگر وسیع بنائی گئی ہے تو کھڑے ہو سکیں۔ یہ روایت کہ کھڑے ہو کر صلاۃ و سلام پڑھوں جاہلوں نے گڑھ لی ہے ہاں اتنا صحیح ہے کہ وصیت فرمائی کہ میری قبر قد آدم ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱).

ماہنامہ اشرفیہ میں اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے حوالے سے حضرت شارح بخاری کے کثیر فتاویٰ ستاروں کی مانند جگمگا رہے ہیں جن میں مخالفین کے بے بنیاد اعتراضات کے دنداں شکن اور مسکت جوابات بھی ہیں اور اثبات حق کے دل آویز دلائل بھی۔ اگر ان تمام تحریروں کو باضابطہ مرتب کر دیا جائے تو اپنے موضوع پر ایک گرانقدر ذخیرہ اور رضویات پر انتہائی قیمتی سرمایہ تیار ہو جائے۔

فتاوائے اشرفیہ اور بساط سیاست

حضرت شارح بخاری کی نظر ملکی اور عالمی سیاست پر بھی رہتی ہے۔ ماہنامہ اشرفیہ کے دفتر میں بعض اس قسم کے سوالات بھی آتے ہیں جن میں عہد حاضر کے بعض ابھرتے ہوئے سیاسی مسائل کا شرعی حل دریافت کیا جاتا ہے حضرت شارح بخاری ان سوالات کے جوابات بھی رقم فرماتے ہیں جو بر وقت بڑے اہم ہوتے ہیں اور ایک عالم ان کی روشنی سے گمراہیت کی تاریکیوں سے نکل آتا ہے۔ فتاویٰ میں کسی سیاسی دباؤ کا لحاظ ہر گز نہیں کیا جاتا ہے بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں جو حق ہوتا ہے اسے بلا خوف و خطر سپرد قلم فرمادیتے ہیں۔ اس قسم کی تحریروں سے حضرت شارح بخاری کی سیاسی بصیرت اور قلمی جہاد کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے ذیل میں اس کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں:

---

(۱۱) مفتی محمد شریف الحق امجدی، ماہنامہ اشرفیہ جون ۱۹۹۷ء

ہمارے یہاں گاندھی جینتی کے موقع پر ہر مذہب کے ذمہ داروں کو سرکاری طور پر بلایا جاتا ہے اور مساجد کے اماموں کو بھی مدعوا کیا جاتا ہے سبھی لوگ اپنے اپنے مذہب کی کتاب پڑھتے ہیں امام صاحبان بھی قرآن پاک کی تلاوت گاندھی کے پتلے کے پاس مجبوراً کرتے ہیں اس لئے کہ نہ پڑھیں تو انھیں مسجد کمیٹی والے امامت سے ہٹادیں گے۔ ایسی صورت میں امام حضرات کیا کریں؟

جواب: جو امام گاندھی کی مورتی کے پاس جاکر قرآن مجید پڑھتے ہیں وہ بدترین فاسق ہیں انھیں امام بنانا گناہ ان کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازوں کا دہرانا واجب کسی بھی مورتی کے پاس قرآن مجید پڑھنا جائز نہیں اور گاندھی جیسے مسلم دشمن کی مورتی کے پاس قرآن مجید پڑھنا حرام ہونے کے ساتھ بے غیرتی بھی ہے۔ جو ائمہ مساجد اس کے مرتکب ہوئے وہ اعلانیہ توبہ کریں ورنہ مسلمان ان کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھیں۔

رہ گیا یہ عذر لنگ اگر گاندھی کی مورتی کے پاس قرآن مجید پڑھنے نہ جائیں گے تو مسجد کمیٹی والے نکال دیں گے ناقابل مسموع ہے۔ کمیٹی والے نکال دیں نکال دیں رزاق کمیٹی والے نہیں اللہ عزوجل ہے۔ جو ارکان مساجد ایسے بے غیرت ہوں اور بے باک کہ ایک حرام کام کے لئے اماموں کو مجبور کریں وہ اس لائق نہیں کہ انھیں مسجد کمیٹی کا ممبر رکھا جائے۔ تمام مسلمانوں پر بقدر وسعت واجب ہے کہ ایسے ناخداترس بے غیرت کمیٹی والوں کو مسجد کمیٹی سے نکال باہر کریں یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ایسے لوگوں کو مسجد کمیٹی میں رکھا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲).

سوال: حکومت ہند کی جانب سے تشکیل شدہ وقف بورڈ کی آمدنی جس سے مساجد و مدارس کے مالی تعاون کے علاوہ وقف بورڈ کے عملہ کی تنخواہ دی جاتی ہے اس سے ائمہ و مؤذن حضرات کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ کتاب و سنت کی روشنی میں تحقیقی جواب عنایت فرمائیں۔

جواب: اس میں بہت تفصیل ہے وقف بورڈ ہر اس وقف سے جس کا اندراج اس کے یہاں ہو آمدنی پر کچھ فیصد لیتا ہے ضرورۃً اس کی اجازت ہے، بہت سے ناخداترس متولیوں نے اوقاف کو بیچ دیا، اوقاف کی آمدنیوں کو اپنے ذاتی مصارف میں صرف کرتے تھے کتنی

---

(۱۲) مفتی محمد شریف الحق امجدی، ماہنامہ اشرفیہ جون ۱۹۹۵ء

مسجدوں پر ہزاروں کے اوقاف تھے مگر اس میں فرش تک نہیں رہتا تھا، اس پر خو
مسلمانوں کے مطالبے پر انگریزوں نے وقف قائم کیا جس کا مقصد اوقاف کی حفاظت او
اس کی آمدنی کما حقہ مستحقین وقف پر صرف کرنا تھا۔ اس کے لئے عملہ کی ضرورت تھی
دفتر کی ضرورت تھی وغیرہ وغیرہ اس کے لئے اوقاف کی آمدنیوں سے فیصد مقرر کیا گیا
اتنی بات میں کوئی حرج نہیں تھا یہ ایک مستحسن اقدام تھا بلکہ ایک حد تک ضروری، اس
صورت میں وقف بورڈ کی حیثیت ناظر وقف کی تھی اور ناظر وقف کو بقدر ضرورت
وقف کی آمدنی سے تنخواہ دینا جائز ہے۔

لیکن اب جو وقف بورڈ کا حال ہے وہ انتہائی بدتر ہے، رشوت ستانی، دھاندلی، وقف بورڈ
کے عملے سے مل کر متولیان کا بڑے بڑے غبن کر لینا روزمرہ کی بات ہے، ایسی صورت
میں نہ اب وقف بورڈ کی ضرورت ہے نہ اس سے کوئی فائدہ بلکہ الٹے نقصان، ایسی
صورت میں وقف بورڈ کو اوقاف کی فیصد آمدنی سے کچھ لینا حرام اور تنخواہیں لینا بھی
حرام۔ کچھ اوقاف ایسے ہیں جہاں کوئی متولی نہیں کوئی کمیٹی نہیں وقف بورڈ اپنی طرف
سے کسی کو نامزد کرتی ہے یہ نامزد شخص اپنی مہربانی سے جو چاہتا ہے وقف پر خرچ کرتا
ہے اور جو چاہتا ہے اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے اور جتنا چاہتا ہے وقف بورڈ کے خزانے
میں جمع کرتا ہے۔

اس قسم کی آمدنیوں سے وقف بورڈ کمزور اوقاف کی امداد کرتا ہے اور جن مساجد پر
آمدنیاں نہیں وہاں امام و مؤذن کی تنخواہ دیتا ہے یہ بھی جائز نہیں، ایک وقف کی آمدنی
دوسرے پر صرف کرنا جائز نہیں یہ ایک طرح کی خیانت ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ جو وقف براہ راست وقف بورڈ کے زیر اہتمام ہیں ان اوقاف
کی آمدنیوں سے انھیں کے ملازمین خواہ وہ امام ہوں یا مؤذن یا کچھ اور کو تنخواہ دی جائے
یہ جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں اللہ تعالیٰ اعلم (۱۳)۔

حضرت شارح بخاری اپنے عہد کے سیاسی مسائل پر عقابی نگاہ رکھتے ہیں اس قسم کے بے
شمار سیاسی مسائل ہیں جن کا حضرت سے شرعی حل دریافت کیا گیا تو حضرت نے پوری جامعیت
اور دور اندیشی کے ساتھ ان کا شرعی حل رقم فرمایا۔

---

(۱۳) مفتی محمد شریف الحق امجدی، ماہنامہ اشرفیہ اپریل ۱۹۹۱ء

بابری مسجد کی شہادت کا المناک حادثہ

جب بابری مسجد شہید ہوئی تو پورا ملک غم واندوہ کی تاریکیوں میں ڈوب گیا تھا ہر طرف قتل وغارت گری، تباہ کاری اور دہشت گردی کے المناک بادل چھا گئے تھے پوری قوم مسلم تصویر غم بن گئی تھی۔ حضرت شارح بخاری بھی اس حادثہ جانکاہ سے بے پناہ متاثر تھے اخبارات وجرائد میں بھی اس مسئلہ پر قسم قسم کی تحریریں آرہی تھیں اسی موقع سے راقم نے حضرت سے عرض کیا آپ بھی بابری مسجد کی المناک شہادت کے حوالے سے کچھ تحریر فرمادیں۔ حضرت نے اسی وقت ایک انتہائی دردناک تحریر املا کرائی جو اشرفیہ جنوری ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی اس تحریر کا عنوان تھا ''کانگریس کے دعوائے جمہوریت کے تابوت میں آخری کیل''۔

اب ذیل میں اس فکر انگیز اور سیاسی بصیرت سے لبریز تحریر کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمایئے۔

۶/دسمبر ۱۹۹۲ء کو ساڑھے چار سو سالہ قدیمی بابری مسجد وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل کے رضاکاروں نے مقامی افسران، پولیس، پی.اے.سی کی حفاظت میں شہید کر کے اس کے ٹنوں ملبے کو ہٹا کر بنیاد کھود کر رام مندر کی تعمیر شروع کر دی۔ اپنے خیال میں اس مہان دھارمک سیوا کی بدولت یہ لوگ ایک آواگون کے چکر سے مکت ہو کر بیکنٹھ کے مستحق بن گئے تو دوسری طرف ہندوستان کے بیس کروڑ مسلمانوں پر فتح حاصل کر کے واقعی بجرنگ بلی بن گئے۔

اب مرکزی حکومت یہ کہہ رہی ہے کہ یہ سب کچھ بھاجپا کی صوبائی حکومت کی غفلت اور کوتاہی سے ہوا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا نرسمہا راؤ اور مسٹر چوہان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ بھاجپا کے تمام منسٹروں نے اجودھیا جا کر رام مورتی کے سامنے یہ سوگند کھائی تھی کہ ہم رام مندر بنا کر رہیں گے۔ کیا گذشتہ کارسیوا کے وقت کلیان سنگھ نے صاف یہ بیان نہیں کیا تھا کہ ہم سادھو سنت پر گولی نہیں چلا سکتے۔ اس کے باوجود جب ان سے یہ مطالبہ ہوا کہ بابری مسجد کے علاقے کو مرکز کی تحویل میں لے لیا جائے تو کیوں نہیں لیا اور کلیان سنگھ کے اس وعدے پر کیسے اعتماد کر لیا کہ میں کارسیوا نہ ہونے دوں گا اور مسجد کی حفاظت کروں گا۔

چلئے اعتماد کر لیا تھا مگر جب اشوک سنگھل نے یہ اعلان کیا کہ کارسیوا ہو گی اور جب

ایڈوانی نے علی الاعلان کہا کہ کارسیوا ہوگی تو مرکزی حکومت نے اس پر دھیان کیوں نہیں دیا، یہ بھی جان لیجئے جب چار دن پہلے سے کارسیوک اجودھیا پہنچنے لگے تو اس طرف توجہ کیوں نہیں دی، کیا ان کے سی. آئی. ڈی سو رہے تھے، یا سب کارسیوا میں شریک ہو گئے تھے۔ تماشا تو یہ ہے کہ ۶/دسمبر کو دس بجے سے مسجد توڑی جانے لگی پانچ بجے شام تک زمین کے برابر کر دی گئی، ملبہ اٹھایا گیا، مندر کی تعمیر شروع ہوگئی مگر مرکزی حکومت کو خبر نہ ہوئی اور خبر ہوئی تو بے دست وپا رہی اور جب دیواریں پانچ فٹ اونچی ہو گئیں اور دوبارہ مورتی لا کر رکھ لی گئی تو خبر ہوئی۔ فوج پہنچی اور لاٹھی چارج کر کے آنسو گیس استعمال کر کے کارسیوکوں کا بھگا دیا۔

ان سب باتوں کو ملا کر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ جو کچھ ہوا وہ صوبائی اور مرکزی حکومت کی مشترکہ سازباز، مشترکہ بنائی ہوئی اسکیم کے تحت ہوا۔ کتنی جرأت کی بات ہے کہ مسجد ڈھانے والے غنڈوں پر چلانے کے لئے حکومت کے پاس گولی تو کیا آنسو گیس بھی نہیں تھی مگر حق وانصاف طلب کرنے کے احتجاج کرنے والے نہتے مسلمانوں کو بھوننے کے لئے حکومت کی میگزین میں گولیاں ہیں، رائفلیں بھی ہیں، اسٹین گن، مشین گن سب کچھ ہیں۔ کانگریس نے تو یہ سمجھ لیا کہ جو قوم ۴۵ رسال سے مسلسل ماری کاٹی جاتی ہے، اس کے گھربار مال ومتاع لوٹے جا رہے ہیں مگر اس میں کوئی غیرت نہیں ہے مسلمان اب مر چکے ہیں یہ مردہ لاش ہیں اس لئے کانگریس کو یہ جرأت ہوئی کہ بابری مسجد کو شہید کرا کر مندر کی تعمیر شروع کر دی۔

اب کانگریس پوری دنیا میں ننگی ہو چکی ہے اس نے بابری مسجد شہید کر کے وہاں رام مندر کی تعمیر شروع کرا کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ سکولر نہیں کٹر ہندو پنتھی حکومت ہے اور مسلمانوں کے خلاف اس کے سینے میں لاوے بھرے ہوئے ہیں۔

اس تازہ المیہ کو جانے دیجئے بابری مسجد میں بت رکھے جانے، اس کا تالا کھولنے شیلانیاس کرانے تک کے واقعات پر غور کریں تو جو میں نے عرض کیا ہے حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوگا، جب بابری مسجد میں بت رکھا گیا اس وقت مرکز میں بھی اور صوبے میں بھی کانگریس کی مضبوط حکومت تھی، اور کانگریس کے مضبوط لیڈر مسٹر نہرو وزیر اعظم اور مسٹر پنتھ یوپی کے وزیر اعلیٰ تھے وہ چاہتے تو یہ قضیہ چشم زدن میں

ختم ہو سکتا تھا۔ ان دونوں لیڈروں کا پورے ملک اور ہندوؤں پر کافی اثر تھا، کوئی دم نہیں مار سکتا تھا مگر بساط سیاست کے شاطروں نے اس جھگڑے کو ختم نہیں کیا باقی رکھا کس لئے؟ یہ بتانے کی بات نہیں۔

دیوانی میں مقدمہ دائر ہوا تو عدلیہ نے قانون واصول کو بالائے طاق رکھ کر چالیس سال لٹکائے رکھا، غرضیکہ انتظامیہ، عدلیہ دونوں محکمے ایک ہی ڈگر پر چلے کہ اسے طول پر طول دیا جائے حتیٰ کہ کانگریس کے عہد حکومت میں انصاف و قانون کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے بابری مسجد کا تالا کھول دیا گیا اور پجاریوں کو بابری مسجد میں پوجا کرنے کی عام اجازت دے دی گئی، یہ کس نے کرایا؟ کانگریس کی عدلیہ اور انتظامیہ نے۔ پھر شیلانیاس ہوا یہ کس کی اسکیم تھی؟ شیلانیاس کے ایام میں مسلمانوں کا قتل عام لوٹ مار غارت گری کس نے کی؟ جیلوں میں مسلمانوں کو کس نے بھرا؟ ان سب کا جواب یہ ہے کہ سیکولر اسٹیٹ کا دعویٰ کرنے والی کانگریسی حکومت نے۔

ان سب کا حاصل یہ ہوا کہ آج جو کچھ ہوا وہ اصل میں کانگریسی ہائی کمان کا ایک بنایا ہوا مرتب منصوبہ تھا جس کی تکمیل شاید راجیو گاندھی کرتے مگر قسمت میں یہ سہرا نرسمہاراؤ کے سر تھا(۱۴)۔

حضرت کی اس معلومات افزا سیاسی بصیرت سے لبریز تحریر سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت شارح بخاری بساط سیاست پر بھی عقابی نظر رکھتے ہیں اور اپنے عہد کے سیاسی اور ملی مسائل کا نتیجہ خیز تجزیہ فرما کر اپنے نظریات واحساسات سے دردمندانہ لب ولہجہ میں آگاہ بھی فرماتے رہتے ہیں۔

بابری مسجد کی منتقلی کا مسئلہ

بابری مسجد کی شہادت کے قریب آٹھ ماہ بعد ماہنامہ اشرفیہ کے دفتر میں ایک سوال موصول ہوا جس میں بعض حکومت ہند کے ریزہ خوار دیوبندی مولویوں کے اس موقف کے سلسلہ میں شرعی حکم دریافت کیا گیا تھا جو ببانگ دہل یہ اعلان کر رہے تھے کہ بابری مسجد کی تعمیر دوسرے مقام پر بھی ہو سکتی ہے۔ حضرت نے اس سوال کے جواب میں ایک انتہائی بصیرت افروز اور باطل سوز تحریر نوٹ کرائی جس سے ابن الوقت مولویوں کا ناطقہ بند ہو گیا اور حق

(۱۴) مفتی محمد شریف الحق امجدی، ماہنامہ اشرفیہ جنوری ۱۹۹۲ء

اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ روشن اور واضح ہو گیا۔ اب ذیل میں سوال و جواب کی تلخیص ملاحظہ فرمایئے۔

سوال: ہفت روزہ اخبار نو دہلی ۳۰؍ جولائی تا ۱۵؍ اگست ۱۹۹۲ کے شمارے میں ہے کہ مولانا جمیل احمد الیاسی جو کل ہند تنظیم ائمہ مساجد کے صدر ہیں انھوں نے ائمہ کرام و مؤذنوں کو وقف سے معقول تنخواہ دیئے جانے کا مقدمہ سپریم کورٹ سے جیت لیا ہے انھوں نے اور دوسرے مولانا مفتی منظور احمد قاضی شہر کانپور نے حکومت کو یہ باور کرایا ہے کہ اب جب کہ بابری مسجد کا وجود ختم ہو چکا ہے اور اسی جگہ عملاً مندر وجود میں آچکا ہے تو اس کے بجائے دوسرے مقام پر مسجد تعمیر کرائی جا سکتی ہے۔ ان لوگوں کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں اگر درست نہیں تو ان دونوں پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: جمیل احمد الیاسی، منظور احمد کانپوری دیوبندی مذہب رکھتے ہیں، دیوبندی مذہب کی بنیاد انگریزوں نے ڈالی، دیوبندی مذہب کے بانیان کو بڑے بڑے وظیفے انگریز دیتے تھے۔ دیکھئے ''مکالمة الصدرین''۔

تو کوئی تعجب کی بات نہیں کہ موجودہ حکومت اور موجودہ ہندو تنظیمیں روپیہ دے کر اس جماعت کے افراد کو خریدیں اور ان سے من مانی کرائیں۔ بابری مسجد جتنے حصے میں بنی تھی وہ پورا کمپاؤنڈ تحت الثریٰ سے لے کر آسمان تک قیامت تک کے لئے مسجد ہے کوئی شخص نہ اسے بیچ سکتا ہے نہ اس کا تبادلہ کر سکتا ہے اور آج جب کہ وہاں مندر بن چکا ہے آج بھی وہ مسجد ہی ہے جیسے خانۂ کعبہ میں صدیوں تک بت رکھے رہے مگر وہ کعبہ ہی رہا مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس وقت بھی اپنی وسعت بھر کوشش کریں کہ وہاں سے مندر ہٹایا جائے اور پھر مسجد تعمیر کی جائے نسلاً بعد نسل اس وقت تک فرض رہے گا کہ مسلمان کوشش کرتے رہیں کہ وہاں سے مندر ہٹا کر مسجد کی تعمیر کی جائے۔

حکومت کے یہ چند ریزہ خوار ہی نہیں اگر ان کے آقایان نعمت و پیشوایان ملت تمام نجدی مولوی بھی یہ لکھ دیں کہ بابری مسجد کی جگہ مندر باقی رکھا جائے تو بھی شریعت کا حکم یہی رہے گا کہ وہ مسجد ہے اور اس کی بازیابی کی کوشش مسلمانوں پر واجب بلکہ بالفرض کچھ میر جعفر، میر صادق صفت بلکہ پوری دیوبندی برادری اس کو مان کر بابری مسجد کے عوض دوسری جگہ مسجد بنوانا قبول بھی کرلیں تو بھی بابری مسجد بابری مسجد ہی رہے گی۔ ایک بار

جو جگہ مسجد ہوئی اسے دنیا کی کوئی طاقت مسجد ہونے سے خارج نہیں کر سکتی وجہ یہ ہے کہ فرمایا گیا:

﴿ان المساجد لله﴾ [بیشک مسجدیں خالص اللہ ہی کی ملک ہیں]۔

مسجد کا ایک ذرہ کسی بندے کی ملک نہیں تو مسجد کے تبادلے کی بات کرنی بالکل ایسے ہی ہوئی کہ زید و عمرو کی بلا اجازت و رضامندی عمرو کے مکان کا تبادلہ کر دے یا بیچ دے جیسے زید کا یہ فعل باطل و کالعدم ہے اسی طرح کسی کا بھی بابری مسجد کی بیع اور تبادلہ باطل و کالعدم۔ مسجد تو مسجد ہے عام اوقاف کے بارے میں فقہانے تصریح فرمائی ہے:

فاذا تم و لزم لایملك ولایملك (تنویرالابصار، درمختار).

اسی کے تحت شامی میں ہے:

قوله لایملك ای لایکون مملوكاً لصاحبه ولایملك ای لایقبل التملیك لغیره بالبیع و نحوه لاستحالة تملیك الخارج عن ملكه (شامی جلد ٤/٣٥٢).

یہ ملت فروش مولوی بابری مسجد کو مندر سے بدلنے کی بات کر رہے ہیں فقہاء نے تو یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ ایک وقف کو دوسرے وقف سے بدلنا جائز نہیں۔

عالمگیری میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن هیئته فلا یجعل الدار بستاناً والخان حماماً ولاالرباط دكاناً.

یہی نہیں یہ بھی جائز نہیں کہ پرانی مسجد میں دکان بنائی جائے اگرچہ دکان کی آمدنی مسجد کی ضروریات پر صرف ہو۔ عالمگیری میں ہے:

قیم المسجد لایجوزله ان یبنی حوانیت فی حدالمسجد او فی فنائه.

مسلمان غور کریں کہ جب یہ جائز نہیں کہ مسجد کو مدرسہ بنائیں تو پھر یہ کیسے جائز ہو گا کہ مسجد توڑ کر وہاں مندر بنائیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بابری مسجد کے عوض دوسری زمین لے کر وہاں مسجد بنائی جائے۔ یہ یہودیوں کے وارث احکام شریعت میں تحریف کر رہے ہیں۔ ملت فروش اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اور دشمنان اسلام کے آلہ کار ہیں مسلمانوں کو یہ جائز نہیں کہ ان کی باتوں کو سنیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵).

(۱۵) مفتی محمد شریف الحق امجدی، ماہنامہ اشرفیہ نومبر ۱۹۹۳ء

حضرت شارح بخاری اور صدر شریعہ نمبر

صدر الشریعہ حضرت علامہ شاہ امجد علی اعظمی قدس سرہٗ خلیفہ اعلیٰ حضرت دنیائے سنیت کی اس عظیم المرتبت شخصیت کا نام ہے جن کے تدریسی اور قلمی فیضان سے پورا بر صغیر علمی اور فکری غذا حاصل کر رہا ہے۔ آپ کا وصال ۱۹۴۸ء میں ہوا لیکن ۴۹ برس کی طویل مدت گزر جانے کے باوجود بھی نہ ان پر کوئی نمبر شائع ہوا اور نہ کسی نے باضابطہ سوانح حیات لکھی۔ الجامعۃ الاشرفیہ کے ارباب حل و عقد نے حضرت صدر الشریعہ کے ساتھ اس مجرمانہ بے اعتنائی کا شدت سے احساس کیا خاص طور پر حضرت شارح بخاری نے اس طرف میری توجہ مبذول کرائی بلکہ مجھے پر زور انداز میں حکم دیا کہ تم ماہنامہ اشرفیہ کا صدر الشریعہ نمبر نکالو۔ عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ نے بھی بخوشی اجازت دے دی۔ ہم نے پورے عزم و ترنگ اور ولولہ و شوق کے ساتھ صدر الشریعہ نمبر کی تیاری شروع کر دی ملک اور بیرون ملک کے ارباب قلم اور واقف کاروں سے رابطہ شروع کر دیا جس کے نتیجے میں کثیر مضامین و مقالات ادارہ کو موصول ہو گئے کچھ خستہ حال برسوں کے رکھے رکھائے مضامین قادری منزل گھوسی سے بھی مل گئے جن کا پڑھنا تک دشوار تھا۔ ان پر نظر ثانی کا مسئلہ بھی بڑا اہم تھا، ہم نے حضرت شارح بخاری سے عرض کیا آپ نے حضرت صدر الشریعہ کو قریب سے دیکھا ہے ان سے استفادہ کیا ہے آپ اپنا ایک وقیع مضمون بھی تحریر فرمادیں اور ان خستہ حال مضامین پر نظر ثانی بھی فرمادیں تاکہ یہ قابل اشاعت ہو سکیں حضرت نے میرا عریضہ بخوشی قبول فرمالیا اور دونوں کام اپنا قیمتی وقت صرف کر کے پایۂ تکمیل کو پہنچا دیئے۔

حضرت شارح بخاری نے اس نمبر کی تیاریوں کے سلسلہ میں ہماری قدم قدم پر رہنمائی بھی فرمائی اور گاہے بہ گاہے نمبر کی جامعیت اور کام میں تیزی لانے کے سلسلہ میں تنبیہ بھی فرماتے رہے۔ خدا خدا کر کے دو سال کی مسلسل جد و جہد، جگر کاوی اور دماغ سوزی کے بعد صدر الشریعہ نمبر اپنی دل آویز صوری اور معنوی خوبیوں کے ساتھ منظر عام پر آیا اور ہر طرف ایک ہنگامہ شوق برپا ہو گیا۔

حضرت شارح بخاری اپنے ایک خطبہ صدارت میں رقمطراز ہیں:

> حضرت صدر الشریعہ کے وصال کے بعد ۴۹ر سال تک پوری دنیائے سنیت میں اس سلسلہ میں خاموشی رہی۔ اس خصوصی شرف میں بھی جامعہ اشرفیہ کا کوئی حریف نہیں کہ اس نے بڑے اعلیٰ پیمانے پر صدر الشریعہ نمبر نکال کر پوری دنیا میں تہلکہ

مچادیا، جو واقف کار تھے انھیں پرانی یادیں تازہ ہوگئیں اور جو ناواقف تھے انھیں معلوم ہوگیا کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اپنے بعد جتنے جانشین چھوڑے ان سب کی صف اول میں صدر الشریعہ کا مقام ہے اور اسی صدر الشریعہ نمبر ہی نے وارثین صدر الشریعہ کو اس بات پر ابھارا کہ حضرت صدر الشریعہ کے پچاسویں عرس مبارک کے موقع پر جشن زریں منایا جائے (۱۶)۔

مگر افسوس ماہنامہ اشرفیہ کے صدر الشریعہ نمبر نکلنے کے بعد دائرۃ المعارف الامجدیہ گھوسی نے ایک مجموعہ مضامین بنام ''فقیہ اعظم صدر الشریعہ حیات و خدمات'' شائع کردیا اور بلا اجازت صدر الشریعہ نمبر کے اکثر مضامین اس میں شامل کرلئے اس طرح انھوں نے بڑی چابک دستی سے صدر الشریعہ کے حلقہ اثر میں اس کی ہاتھوں ہاتھ اشاعت کر کے نقد فائدہ حاصل کرلیا اور ماہنامہ اشرفیہ کو زبردست خسارہ اٹھانا پڑا۔ آج بھی قریب دو ہزار نمبر الماریوں کے زینت بنے ہوئے ہیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ اس تلخ حقیقت کی بڑی المناک داستان ہے مگر اپنا حال یہ ہے ۔

ضبط کرتے ہیں تو ہر زخم لہو دیتا ہے
آہ کرتے ہیں تو اندیشہ رسوائی ہے

ادارہ تحقیقات حافظ ملت اور شارح بخاری

۱۹۸۹ء میں الجامعۃ الاشرفیہ کے ارباب حل و عقد کی اجازت سے راقم السطور نے ''ادارہ تحقیقات حافظ ملت'' کی بناڈالی۔ اس کا بنیادی مقصد حضور حافظ ملت کی حیات و خدمات اور افکار و کارناموں پر تحقیقی اور تصنیفی کام کرنا ہے۔ اسی کے ساتھ تاریخ اشرفیہ اور فرزندان اشرفیہ پر کام بھی اس کے لائحہ عمل میں شامل ہے۔ ۲۸ر دسمبر ۱۹۸۹ء میں بموقع عرس عزیزی اس کا پہلا سمینار ہوا۔ اس سمینار میں جماعت اہل سنت کے اہم قلم کاروں نے حضرت حافظ ملت کی فکر و شخصیت کے حوالے سے وقیع مضامین پیش کئے۔ ان مضامین و مقالات کا انتہائی وقیع مجموعہ بنام ''حافظ ملت افکار و کارنامے'' شائع ہوا جو اہل علم و دانش اور شیدائیان حافظ ملت کے درمیان بڑی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ اس مجموعہ مضامین میں حضرت شارح بخاری کا بھی انتہائی فکر انگیز اور وقیع مضمون شامل ہے جس کا عنوان ہے ''حیات حافظ

(۱۶) مفتی محمد شریف الحق امجدی، صدر الشریعہ حیات و خدمات ص ۴۴

ملت کا درخشاں باب''۔ یہ مضمون دل آویز پیرایۂ بیان میں گرانقدر معلومات اور حسن عقیدت کا شاہکار ہے۔

حضرت حافظ ملت سے شارح بخاری کی عقیدت و محبت کا جلوہ دیکھنا ہو تو اس کا ایک اقتباس ذیل میں پڑھیے۔

لیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

استاذ العلماء جلالۃ العلم، حافظ ملت قدس سرہ العزیز ماضی قریب کے ان علماء امت میں تھے جو حقیقی معنی میں نائب الرسول، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف تھے، گوناگوں بے پناہ فضائل و کمالات کے جامع کامل تھے۔ ایسی ہستیاں امت کے افراد میں بہت کم نظر آتی ہیں، علم و حکمت کے بحر بیکراں، علم و کردار کے سیل رواں، زہد و اتقا کے پیکر جمیل، خوش اخلاقی کے مجسم تصویر، سب کے دکھ درد میں کام آنے والے، سب کا غم بٹانے والے اور بے کس و باکس کے مرقع جمیل۔ سادگی فروتنی عادت ثانیہ، اس کے باوجود خودداری اور وضع داری سے مزین۔ ایک انسان کامل جن جن اوصاف اور خوبیوں کا حامل ہو سکتا ہے ان سب کے عطر مجموعہ، دور اندیش، صائب الرائے، باغیرت ملت کے درد سے دردمند، دین کے فروغ کے لئے بیتاب، دوستی، دشمنی، جینا، مرنا سب کچھ دین کے لئے، اپنے اوقات کے پابند، کسی حال میں اپنے وقت کا ایک منٹ بھی ضائع نہ ہونے دینا۔ خود فرمایا کرتے تھے ''زمین کے اوپر کام زمین کے نیچے آرام''۔ اعداء و حاسدین شرپسند عناصر کے سخت سے سخت زہر میں بجھے ہوئے جملے سن کر خاموش اور صرف اس پر اکتفا کرنا کہ ان سب کا جواب کام ہے۔

ایسے جامع صفات دینی رہنما کے بارے میں اگر کما حقہ لکھا جائے تو ہزاروں صفحات ناکافی ہوں۔ امسال عزیزی مولانا مبارک حسین مصباحی سلمہ اور عزیزی مولانا زاہد سلامی سلمہ حافظ ملت کے عرس کے موقع پر ایک سمینار منعقد کر رہے ہیں، ان لوگوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں بھی کچھ لکھوں۔ حالانکہ مجھ پر از خود لازم تھا کہ خود ہی کچھ لکھتا ہے۔

حافظ ملت قدس سرہ العزیز ایک تاریخی ہی نہیں تاریخ ساز انقلاب آفرین شخصیت کے

مالک تھے، جنھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر دنیائے سنیت میں نئی روح پھونک کر انقلاب عظیم برپا فرمادیا ہے اور اہل سنت کے مردہ جسم میں نئی جان ڈال دی ہے(۱۷)۔

حضرت شارح بخاری نے اپنے اس مضمون میں حافظ ملت کے اخلاق و کردار، خدمت خلق اور اشرفیہ کی ابتدائی تاریخ پر بڑی جامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور تاریخی شواہد سے یہ ثابت کیا ہے کہ حافظ ملت نے دارالعلوم اشرفیہ کے نور علم سے جہاں ایک عالم کو منور کیا ہے وہیں فرزندان اشرفیہ کی ایک مضبوط ٹیم پیدا کر کے مسلک اعلیٰ حضرت کی حفاظت و اشاعت کا بھی تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا ہے۔

ادارہ تحقیقات حافظ ملت کے زیر اہتمام دوسرا سمینار ۷/دسمبر ۱۹۹۱ء کو منعقد ہوا جس کی صدارت حضرت شارح بخاری دامت برکاتہم القدسیہ نے فرمائی اور ایک ولولہ انگیز، معلومات افزا اور پر مغز خطبہ صدارت پیش فرمایا۔ خطبہ صدارت کے چند اقتباسات ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت شارح بخاری فرماتے ہیں:

اب بہر حال محبت کو نبھانا ہوگا
لوگ لیتے ہیں میرا نام تیرے نام کے ساتھ

حضرات! اب مجھے خصوصیت سے آج کی ملاقات میں دو باتیں عرض کرنی ہیں۔ پہلی یہ کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ طلبہ اشرفیہ برسہا برس سے اپنے متعدد اسلاف پر مقالے لکھتے، تقریر کرتے ہیں اور یہ اشرفیہ کے دفتر فضائل کا خصوصی باب ہے کہ اس کی ایجاد کا سہرا بھی اشرفیہ کے سر ہے لیکن مجھے شکایت یہ ہے کہ اب تک جو کچھ ہوا وہ نویسندہ و خوانندہ و برخواستن سے آگے نہیں بڑھ سکا اگرچہ کچھ نہ ہونے کے مقابل یہ بہت کچھ تھا۔

امسال یہ ضرور ہوا کہ عزیز ارشد ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات جناب مولانا مبارک حسین صاحب سلمہ کی کوششوں سے سال گذشتہ حافظ ملت سمینار کے مقالے چھپ گئے۔ اس سے یہ فائدہ تو ہوا کہ دیگر مقالات کی طرح سال گذشتہ کے مقالے گنج مخفی نہ رہے منظر عام پر آگئے اور جسے توفیق ہو وہ ان سے بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے، یہ اقدام یقیناً بہت امید افزا، ہمت افزا بلکہ روح افزا ہے۔

(۱۷) مفتی محمد شریف الحق امجدی، حافظ ملت افکار و کارنامے، مطبوعہ ادارہ تحقیقات حافظ ملت مبارکپور ص ۱۰

حضرات! میں آج اس غفلت سے نہیں ستم ظریفی سے پردہ اٹھادینا چاہتا ہوں، یاد رکھئے کسی بزرگ کے ساتھ سچی عقیدت کا مقتضا یہ ہے کہ اسے زندہ جاوید رکھا جائے اور آپ یادرکھیں کہ کسی شخصیت کو صرف آپ کاغذ کے صفحات سے زندہ جاوید نہیں بنا سکتے اور نہ آج تک صرف کاغذ کے صفحات سے کوئی زندہ جاوید رکھا جاسکا ہے۔

حضرات! حافظ ملت کو زندہ جاوید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اس وادی غیر ذی زرع میں جو عظیم الشان باغ فردوس لگایا ہے وہ اسی طرح پھلتا پھولتا رہے جیسے حافظ ملت کے زریں عہد میں پھلتا اور پھولتا رہا، بلکہ حافظ ملت کو زندہ جاوید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم صرف پھل پھول پر قناعت نہ کریں بلکہ اس مادر علمی سے صبح قیامت تک اچھے باغبان پیدا کرتے رہیں جو اس قسم کے باغ پر باغ گلشن پر گلشن، گلستاں پر گلستاں لگاتے رہیں۔

حافظ ملت کا کارنامہ صرف یہ نہیں تھا کہ انھوں نے عظیم الشان باغ لگایا جو تروتازہ رہنے کے لئے مالیوں اور باغبانوں کا محتاج ہوتا ہے۔ حافظ ملت کا کام یہ تھا کہ انھوں نے باغ بھی لگایا اور باغبان بھی پیدا کئے بلکہ باغباں گر پیدا کئے، باغباں ساز باغباں آفریں پیدا کئے۔

یہ بات مقالات و مضامین سننے اور چھپوانے سے نہیں حاصل ہوگی بلکہ پہلے کماحقہ حافظ ملت کو سمجھنے پھر ان کے کردار پر عمل کرنے اور ان کے رنگ میں رنگنے اور ان کی آگ اپنے سینے میں لگانے اور ان کے سوز میں جلنے اور ان کی طرح علم و عمل ایثار و قربانی خلوص و للّٰہیت، ثبات و استقلال، عزیمت و کردار، اضطراب و تڑپ سوز بے قراری اور دین کے لئے جینے اور دین کے لئے مرنے اور "زمین کے اوپر کام زمین کے نیچے آرام" کے عروج وارتقا کے کیمیا اثر نسخہ کو اپنانے سے ہوسکتی ہے۔ کسی مرد باخدا کے محیر العقول کارنامے سن کر واہ واہ، کسی کی عزیمت و ثبات کے دل لرزانے والے کردار پر سبحان اللہ سبحان اللہ، کسی کے ایثار قربانی کی ایسی روداد سن کر جو ہمارے حوصلے بلند ہوں، مرحبا مرحبا کہنا کسی مرض کی دوا نہیں بلکہ مرض ہے کسی درد کا مداوا نہیں بلکہ درد سر درد جگر ہے اور حقیقت میں سونے والوں کو مارفیا کا انجکشن لگانا ہے۔

ہاں مرد باخدا کے کردار کا نمونہ بننا، ان کے ثبات و استقلال کا آئینہ بننا اس کے

ایثار و قربانی کا مظہر بننا ہی ہر درد کی دوا ہر مرض کا مداوا اور اوج ثریا تک پہنچانے کا زینہ ہے۔

شراب کہن پھر پلا ساقیا
وہی جام گردش میں لا ساقیا
خرد کی غلامی سے آزاد کر
جوانوں کو پیروں کا استاذ کر
تڑپنے بھڑکنے کی توفیق دے
دل مرتضٰی سوز صدیق دے
جگر سے وہی تیر پھر پار کر
تمنا کو سینوں میں بیدار کر
جوانوں کو سوز جگر بخش دے
مرا عشق میری نظر بخش دے

اس کے لئے پہلے ضروری ہے کہ حافظ ملت کو جانو، سمجھو، پہچانو، کسی بھی فرد کو مقتدا بننے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں چار بنیادی خوبیاں ہوں اور یہ خوبیاں جتنی زیادہ ہوں گی وہ اتنا ہی بڑا مقتدا ہوگا۔ جوہر ذاتی، خلوص، ایثار اور جہد مسلسل میں نے سات سال مسلسل شب و روز ان کے ظل عاطفت میں رہ کر اور طالب علمانہ و ناقدانہ نگاہوں سے دیکھا خلوت و جلوت، رزم و بزم، مدرسہ و گھر جلسہ عام، جلسہ خاص سب میں دیکھا اور عقابی تیز نگاہوں سے ہر ہر پہلو دیکھا اپنے اساتذہ اور مشائخ کی بارگاہ میں دیکھا اکابر علماء کے دربار میں دیکھا، ہم عصروں کے جھرمٹ میں دیکھا، ہم سبق ساتھیوں میں دیکھا، طلبہ میں دیکھا، طلبہ پر شفقت کرتے دیکھا، طلبہ پر عتاب کرتے دیکھا غربائے ملت کے ساتھ دیکھا، اعزاء و اقارب کے ساتھ دیکھا، اہل و عیال کے ساتھ دیکھا، ہر جگہ ہر محفل میں، ہر مجمع میں سب کے ساتھ دیکھا اور یہ فیصلہ کرنا پڑا۔

کرشمہ دم دل می کشد کہ جا ایں جاست (۱۸)

حضرت شارح بخاری نے اپنے اس خطبہ صدارت میں حضرت حافظ ملت کی جلالت علمی، جوہر

---

(۱۸) مفتی محمد شریف الحق امجدی، ماہنامہ اشرفیہ فرورہ ۱۹۹۱ء

ذاتی خلوص وللّٰہیت، ایثار و قربانی، ثبات واستقامت، عمل پیہم، جہد مسلسل اور نصب العین کی بلندی پر بڑے ولولہ وترنگ کے ساتھ دل آویز، معلومات افزا گفتگو فرمائی ہے اس کی ایک ایک سطر حقائق و وقائع کے جواہرات اور دلائل و شواہد کے دلکش موتیوں سے لبریز ہے حضرت شارح بخاری نے حافظ ملت سیمینار میں شرکت برائے صدارت ہی نہیں فرمائی تھی بلکہ قدم قدم پر اس ناتواں کی حوصلہ افزائی، رہنمائی اور دستگیری بھی فرمائی تھی اور حافظ ملت پر ہونے والے تمام سمیناروں میں اپنے فکر و عمل کا بھرپور تعاون فرمایاوہ بھی ایسے ماحول میں کہ بعض لوگ میرے اس اقدام کو بار خاطر محسوس کر رہے تھے انشاءاللہ آئندہ کبھی یہ روداد تفصیل سے سپرد قلم کروں گا۔

گردش وقت کی تلخی سے پریشاں ہو کر
ہم نے ہر دور میں جینے کی دعا مانگی ہے

ادارہ تحقیقات حافظ ملت کے زیر اہتمام شارح بخاری سمینار

وہ ایک خوبصورت شام تھی راقم السطور اپنے دماغ کا پیدا شدہ ایک منصوبہ لے کر بعد نماز مغرب حضرت شارح بخاری کی قیام گاہ پر حاضر ہوا اور بارگاہ عالی جاہ میں اپنے دل کا مدعا کچھ اس طرح پیش کیا۔

حضرت امسال یہ خادم ادارہ تحقیقات حافظ ملت کے زیر اہتمام آپ کی بلند پایہ شخصیت و فکر اور دینی اور قلمی خدمات کے حوالے سے سمینار کرانا چاہتا ہے۔ حضرت نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا ''شخصیت اور خدمات ہی کیا ہیں حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف علیہ الرحمہ سابق نائب شیخ الحدیث پر سمینار کرائیے''۔ میں نے عرض کیا حضرت مولانا عبدالرؤف علیہ الرحمہ کی شخصیت یقیناً بہت عظیم ہے ان پر کام کرنا بھی انتہائی ضروری ہے لیکن عرس حافظ ملت قریب ہے سمینار کی تاریخ حسب روایت متعین ہے اس مختصر سے وقت میں ان پر مواد جمع کرنا پھر اہل قلم اور طلبہ کے لئے مواد کو فراہم کرنا بڑا مشکل ہے ان پر سمینار آئندہ کرادیا جائے گا۔ امسال آپ ہی کی شخصیت پر سمینار ہو جائے۔ حضرت شارح بخاری کسی طرح راضی ہوگئے۔ پھر میں نے جامعہ کے ارباب حل و عقد اور اپنے معاون احباب و متعلقین سے ذکر کیا سارے لوگوں نے اس پروگرام پر اپنی خوشیوں کا اظہار کیا اب میں نے اپنے عزم کی پہلی کامیابی پر سجدہ شکر ادا کیا اور ''شارح بخاری سمینار'' کی تیاریوں میں جٹ گیا۔ اس سمینار کے سلسلہ میں حضرت مولانا زاہد

علی سلامی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ نے میرا بھرپور تعاون کیا بلکہ قدم قدم پر رفاقت و معاونت کا حق ادا کیا۔ پہلی فرصت میں حضرت شارح بخاری کی حیات و خدمات کے حوالے سے عناوین کا خاکہ مرتب کیا اور پوری تندہی کے ساتھ ارباب قلم سے رابطہ شروع کر دیا۔ دوسری طرف طلباء اشرفیہ کے درمیان بھی موضوعات تقسیم کر دیئے طلبہ کے درمیان مضمون نگاری کی ایک پر شوق لہر دوڑ گئی، طلبہ قطار در قطار اپنے اپنے موضوعات کے حوالے سے خود حضرت سے معلومات دریافت کرنے لگے تعلیمی اوقات کے علاوہ حضرت کی قیام گاہ پر معلومات فراہم کرنے والے طلبہ جوق در جوق پہنچنے لگے۔ حضرت ان دنوں اپنے فارغ اوقات میں مسلسل اسی کام کے ہو کر رہ گئے تھے کسی کو اپنے احوال نوٹ کرا رہے ہیں، کسی کو مواد کی نشاندہی کر رہے ہیں کسی کو اپنی تصانیف عطا کر رہے ہیں۔ قریب دو ہفتے تک جامعہ اشرفیہ میں شارح بخاری سمینار کا ایک ہنگامہ شوق برپا رہا۔ خدا خدا کر کے سمینار کی تاریخ آئی۔ کثیر تعداد میں بیرونی علماء اور دانشوروں نے بھی شرکت فرمائی۔ اساتذہ اشرفیہ نے بھی بڑے چاؤ سے سمینار میں شرکت کی سمینار کی صدارت عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے فرمائی۔

شرکاء سمینار میں سے چند اہم نام حسب ذیل ہیں:

حضرت عزیز ملت، حضرت محدث کبیر، حضرت علامہ مفتی مجیب اشرف صاحب بانی و مہتمم دار العلوم امجدیہ ناگپور، حضرت علامہ محمد احمد مصباحی شیخ الادب جامعہ اشرفیہ، حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی بانی و مہتمم دار القلم دہلی، حضرت مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی، حضرت مولانا رضوان احمد مصباحی شیخ الادب شمس العلوم گھوسی، حضرت مولانا الحاج شفیق احمد استاذ شمس العلوم گھوسی، حضرت مولانا فداء المصطفیٰ گھوسی، حضرت مولانا ڈاکٹر عاصم صاحب گھوسی، حضر مولانا نصر اللہ صاحب، حضرت مولانا عارف اللہ صاحب، حضرت مولانا ڈاکٹر شکیل احمد گھوسی، حضرت مولانا شہاب الدین ایڈیٹر ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف۔

سمینار میں حضرت شارح بخاری کی حیات و خدمات پر ۱۸۵ مضامین و مقالات طلبہ نے پیش کیے اور اہل علم و دانش اور علماء کرام نے اپنے وقیع تاثرات کا اظہار کیا۔ یہ تمام مضامین آج بھی میری تحویل میں ہیں۔ اہل قلم انھیں بطور ماخذ استعمال کر رہے ہیں اور ان سے بھرپور استفادہ کر رہے ہیں۔

اس سمینار سے قبل مدارس کی دنیا میں علماء کرام کے حوالے سے میری نظر سے ایسی کوئی مثال نہیں گزری جس میں کسی شخصیت کی حیات ہی میں اس کے سوانح واحوال اور افکار و کارناموں پر کام کیا گیا ہو۔ بفضلہ تعالیٰ مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے اپنے بزرگوں اور احباب کے تعاون سے حضرت شارح بخاری کی حیات ہی میں سمینار کرا کے سنی مدارس کی دنیا میں ایک نئی روایت کی بناڈالی۔ اہل علم واخلاص نے میرے اس فکری اور عملی اقدام کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور پھر کچھ کاروان شوق اس ڈگر پر چل بھی پڑے۔

چند بزرگان اشرفیہ کے تاثرات

مضمون لکھنے کے دوران دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ مضمون میں اگر شارح بخاری کے تعلق سے موجودہ بزرگان اشرفیہ کے تاثرات سپرد قلم نہ کئے گئے تو موضوع کا حق ادانہ ہو سکے گا، کیونکہ ان حضرات کا برسوں کا ساتھ رہا ہے۔ انھوں نے حضرت شارح بخاری کے افکار وخیالات کو پرکھا ہے، عادات وخصائل کو برتا ہے اور اشرفیہ کے سلسلہ میں ان کی خدمات کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یوں بھی کسی شخصیت کے احوال واقعی جاننے کے لئے معاصرین کے تاثرات کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، راقم نے اپنے موضوع کی مناسبت سے سوالات کا ایک خاکہ مرتب کیا اور حضرت مولانا عبدالحق رضوی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ اور حضرت مولانا زاہد علی سلامی استاذ الجامعۃ اشرفیہ کی رفاقت میں مندرجہ ذیل حضرات سے انٹرویو لینے میں کامیابی حاصل ہوئی۔

۱- عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

۲- استاذ الاساتذہ حضرت علامہ عبدالشکور صاحب استاذ الجامعۃ الاشرفیہ

۳- عالی جناب ماسٹر آفتاب احمد خاں استاذ شعبۂ انگلش الجامعۃ الاشرفیہ

ان تینوں حضرات نے انتہائی فراخدلی اور شفقت ومحبت کے ساتھ راقم کے سوالات کے جوابات عنایت فرمائے۔ اب ذیل میں ملاحظہ فرمایئے حضرت شارح بخاری کے تعلق سے ان حضرات کے انتہائی وقیع اور یادگار تاثرات۔

عزیز ملت حضرت سربراہ اعلیٰ صاحب کا انٹرویو

شہزادۂ حافظ ملت عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبدالحفیظ صاحب کی قد آور شخصیت محتاج

تعارف نہیں، آپ حافظ ملت کے سچے جانشین اور ان کے کردار و عمل کے آئینہ دار ہیں۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ نے جو اشرفیہ کا چمن لگایا تھا آپ پیہم جد و جہد، فلک پیما عزم و ہمت اور انقلاب آفریں فکر و تدبر سے اس چمن کو پروان چڑھارہے ہیں۔ آپ الجامعۃ الاشرفیہ کے سب سے بااختیار عہدہ پر فائز ہیں۔ جامعہ کا پورا تعلیمی، تعمیری اور انتظامی نظم و نسق آپ کے زیر سربراہی ہے۔ آپ فاضل علوم دینیہ کے ساتھ بی. ایس. سی انجینئر علیگ بھی ہیں۔ آپ کے مریدین کا حلقہ بھی کافی وسیع ہے۔ ملاحظہ فرمایئے شارح بخاری کے حوالہ سے آپ کا انٹرویو۔

مبارک: ہمارا پہلا سوال یہ ہے کہ اس جشن شارح بخاری کے سلسلہ میں آپ کے تاثرات کیا ہیں؟

حضرت عزیز ملت: یہ معلوم کر کے ہمیں بے پناہ خوشی ہوئی کہ ''نزہۃ القاری شرح بخاری'' کی تکمیل پر جشن کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ حضرت کا یہ بڑا نمایاں کارنامہ ہے اس سے ہماری جماعت کا وقار بڑھا ہے، جو حضرات اس جشن کو منارہے ہیں وہ قابل مبارکباد ہیں، ہمارے لئے فخر کی بات یہ ہے کہ یہ کام الجامعۃ الاشرفیہ میں ہوا ہے۔

مبارک: حضرت شارح بخاری حضور حافظ ملت کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں، حضور حافظ ملت سے ان کا کیا تعلق خاطر رہا؟ اور کس درجہ کی عقیدت مندی رہی اور یہ بھی بتائیں کہ حافظ ملت کی ان پر کیا نوازشات رہی ہیں؟ اس سلسلہ میں اگر کچھ واقعات ذہن میں ہوں تو وہ بھی ارشاد فرمائیں۔

حضرت عزیز ملت: میں حضرت حافظ ملت کے عہد میں مفتی صاحب سے زیادہ قریب نہیں رہا۔ جب سے مفتی صاحب اشرفیہ میں تشریف لائے ہیں قریب رہنے کا موقع ملا۔ ویسے ملتے جلتے ہم لوگوں کے ساتھ جو ان کی محبت و شفقت رہی حضرت حافظ ملت ہی کے توسط سے رہی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کو حضرت حافظ ملت سے گہری عقیدت تھی اور بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد حضرت حافظ ملت اس قدر متاثر ہوئے تھے کہ شاید اپنی اولاد کے انتقال سے بھی اتنے متاثر نہ ہوئے ہوں۔ اس کے بعد انھوں نے یہ فرمایا تھا کہ ان کا بدل مجھ کو مل گیا ہے اور وہ ہے مفتی محمد شریف الحق امجدی کی شکل میں، اس سے اندازہ لگالیجئے کہ حافظ ملت مفتی صاحب کو کتنا چاہتے تھے۔

مبارک: حضرت مفتی صاحب قریب تیئس برس سے صدر مفتی کی حیثیت سے آپ کے جامعہ میں خدمات انجام دے رہے ہیں ان کی آمد و خدمت سے شعبۂ افتا نے کیا ترقیاں کی ہیں؟ کیا ان کی آمد سے قبل بھی شعبۂ افتا کی وہی حیثیت تھی جو آج ہے؟

حضرت عزیز ملت: سوال تو بہت الجھن پیدا کر دینے والا ہے لیکن حقیقت بیانی سے کام نہ لینا بھی ناانصافی ہوگی۔ حضرت مفتی صاحب کی آمد سے پہلے دار الافتاء کی حیثیت یہ نہیں تھی جو آج ہے پہلے اتنے مفتی بھی نہیں تھے۔ ایک مفتی کام کرتے تھے۔ کوئی ایک معاون رہتا تھا اور آج جو دار الافتاء کی حیثیت ہے وہ تو ظاہر و باہر ہے اسے بتانے کی ضرورت نہیں۔

مبارک: حضرت مفتی صاحب اس وقت جامعہ کے ناظم تعلیمات بھی ہیں کیا ان کے ناظم تعلیمات ہونے سے تعلیمی شعبوں میں کچھ تبدیلیاں آئی ہیں؟ اور کیا ان کی وجہ سے تعلیم و تربیت پر کچھ اچھے اثرات مرتب ہوئے ہیں؟

حضرت عزیز ملت: حضرت مفتی صاحب قبلہ کی مصروفیات دار الافتاء ہی میں اتنی زیادہ ہیں کہ وہ زیادہ وقت تعلیمی امور میں نہیں دے پائیں گے۔ لیکن شعبۂ تعلیم و تربیت سے بھی ان کا خاص لگاؤ رہا ہے اسی لئے انھیں ناظم تعلیمات بنایا گیا تاکہ ہم لوگ ان کے مفید مشوروں اور قدیم تعلیمی تجربات سے استفادہ کر سکیں اور ایسا ہوا بھی وہ گاہے گاہے اپنے تجربات کی روشنی میں مشورے دیتے رہتے ہیں اس طرح تعلیمی شعبے میں کچھ تبدیلیاں تو ضرور آئی ہیں اور ہمیں امید ہے کہ وہ آئندہ بھی رہنمائی فرماتے رہیں گے۔

مبارک: جامعہ کی تعمیر و ترقی اور آپ کے تعاون کے سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب کا کیا کردار رہا ہے؟

حضرت عزیز ملت: حضرت مفتی صاحب نے ایک سرپرست ہونے کی حیثیت سے ہمیشہ کام کیا ہے، جامعہ کو جب بھی ضرورت پڑی مفتی صاحب نے ہمارا تعاون کیا۔ انھوں نے ہمارے ساتھ تعمیری ضرورت کے تحت اہل خیر حضرات سے ملاقاتیں بھی کیں اور تعاون بھی کراتے رہے۔

مبارک: جامعہ ہماری جماعت کا سب سے بڑا ادارہ ہے اس میں گاہے بہ گاہے کچھ پیچیدہ مسائل بھی درپیش آتے رہتے ہوں گے ان مواقع پر حضرت مفتی صاحب کا کیا کردار رہتا ہے؟

حضرت عزیز ملت: حضرت مفتی صاحب صرف ایک صدر دار الافتاء ہی کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں بلکہ وہ ایک سرپرست کی حیثیت بھی رکھتے ہیں، پیچیدہ مسائل جب بھی آئے مفتی صاحب نے انھیں حل کرنے کی کوشش کی ہے، جامعہ کی فلاح و بہبود کو ہمیشہ سامنے رکھا ہے اس میں کسی کی رعایت نہیں کی۔

مبارک: حضرت مفتی صاحب نے شرح بخاری کی تصنیف آپ کے ادارہ میں رہ کر کی ہے اس میں آپ کا اور آپ کے ادارہ کا بھی بڑا نمایاں کردار رہا ہے اس سلسلہ میں آپ کے تاثرات کیا ہیں؟

حضرت عزیز ملت: یہ تو میں پہلے ہی بتا چکا کہ یہ ہمارے لئے فخر کی بات ہے۔ مفتی صاحب نے شرح بخاری لکھ کر جماعت کے سر کو بلند کیا اس سے جہاں جماعت کو سرخروئی حاصل ہوئی وہاں الجامعۃ الاشرفیہ کو بھی سرخروئی حاصل ہوئی ہے کیونکہ یہ عظیم کارنامہ الجامعۃ الاشرفیہ میں انجام دیا گیا ہے۔

مبارک: کیا یہ صحیح ہے کہ حضرت مفتی صاحب قبلہ کی شخصیت جماعت اہل سنت اور اشرفیہ کے لئے باعث صد افتخار ہے؟

حضرت عزیز ملت: اس میں کوئی شبہ ہی نہیں کیا جا سکتا اور جو اس کے خلاف سوچے میں سمجھتا ہوں کہ وہ جماعت کے لئے مخلص نہیں۔

حضرت مولانا عبد الشکور صاحب کا انٹرویو

حضرت مولانا عبد الشکور صاحب قبلہ الجامعۃ الاشرفیہ کے انتہائی محنتی اور بلند پایہ استاذ ہیں نیک طینت، پاک باز اور متقی و پرہیز گار ہیں۔ جامعہ نے ان کے سپرد جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں انھیں بحسن خوبی انجام دیتے ہیں۔ ان کی درسگاہ میں کبھی اسباق کا ناغہ نہیں ہوتا۔ جامعہ کے نائب شیخ الحدیث بھی رہ چکے ہیں۔ جامعہ کے لئے انتہائی مخلص ہیں انھوں نے اپنی زندگی اور اپنی تمام تر صلاحیتیں جامعہ کے لئے وقف کر دی ہیں۔ ذاتی منفعت اور شہرت و ناموری کی طرف کبھی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا انھیں تمام اوصاف اور دل آویز خوبیوں کی وجہ سے طلبہ، اساتذہ اور اراکین جامعہ کے درمیان ہر دل عزیز ہیں۔ اب ذیل میں ملاحظہ فرمایئے حضرت شارح بخاری کے تعلق سے ان کے وقیع تاثرات۔

مبارک: آپ برسوں سے الجامعۃ الاشرفیہ میں ہیں حضرت مفتی صاحب کا اساتذہ اور طلبہ کے ساتھ کیا برتاؤ اور کیا رویہ رہتا ہے؟

حضرت مولینا عبد الشکور صاحب: اساتذہ اور طلبہ دونوں کے حق میں ان کا رویہ نہایت کریمانہ اور مشفقانہ ہے۔

مبارک: حضرت مفتی صاحب کا جامعہ کی تعمیر و ترقی میں کیا کردار رہا ہے؟ اس سلسلہ میں کچھ تفصیل بتائیے۔

حضرت مولینا عبد الشکور صاحب: حضرت مفتی صاحب کی نگاہ اس پر رہتی ہے کہ اساتذہ تدریس کے کاموں میں مشغول رہیں اور بہتر سے بہتر کام انجام دیں اور تلامذہ پر بھی ان کی نظر رہتی ہے کہ جس غرض کو لے کر آئے ہیں اس میں کامیابی حاصل کریں اور عمدہ سے عمدہ تعلیم لے کر فارغ ہوں تاکہ اشرفیہ کا نام بھی روشن ہو اور جماعت کو باصلاحیت افراد بھی میسر آئیں۔ اشرفیہ کے مالی تعاون کے سلسلہ میں بھی وہ کوشاں رہتے ہیں اور بلا شبہ ان کی ذات سے جماعت کو بڑا فائدہ پہنچا ہے۔

مبارک: حضرت مفتی صاحب کے حسن اخلاق اور بلندیٔ کردار پر کچھ روشنی ڈالیں؟

حضرت مولینا عبد الشکور صاحب: ایک بڑے مفتی اور عالم دین کے رہنے سہنے کا جو انداز ہوتا ہے اسی طریقہ پر میں نے انھیں پایا۔

مبارک: حضرت مفتی صاحب کی نزہۃ القاری شرح بخاری کی اہمیت و افادیت پر کچھ روشنی ڈالیں؟

حضرت مولینا عبد الشکور صاحب: بخاری شریف کی شروحات مختلف زبانوں میں بہت تھیں لیکن وقت کا تقاضہ تھا کہ اردو زبان میں کوئی جامع شرح لکھی جائے حضرت مفتی صاحب نے اس عظیم خدمت کو بحسن و خوبی انجام دیا یہ مفتی صاحب کا بڑا اہم کارنامہ ہے انھوں نے جگہ جگہ اس عہد کے مذاہب باطلہ کا رد بھی کیا جو قدیم شروحات میں نہیں ملتا کیونکہ یہ فرقے اسی عہد کی پیداوار ہیں۔ الحمد للہ نزہۃ القاری میں عصری تقاضوں کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔

مبارک: حضرت مفتی صاحب کو نائب مفتی اعظم ہند کہا جاتا ہے اور آپ کی فتویٰ نویسی میں بھی بڑی اہم خدمات ہیں اس حوالے سے بھی کچھ ارشاد فرمائیں۔

حضرت مولینا عبد الشکور صاحب: بلا شبہ آپ نائب مفتی اعظم ہند ہیں فتویٰ نویسی کے سلسلہ میں میرے نزدیک آپ کی حیثیت موجودہ عہد کے اکثر مفتیان کرام پر بالاتر ہے۔

مبارک: حضرت مفتی صاحب قبلہ ایک بڑے خطیب کی حیثیت سے بھی ہندوستان میں متعارف ہیں ان کی تقریر کے تعلق سے آپ کے تاثرات کیا ہیں؟

حضرت مولینا عبد الشکور صاحب: آپ کی تقریر انتہائی جامع اور پر مغز ہوتی ہے، آج کل کے لفاظ خطباء جو مواد گھنٹوں میں بیان کرتے ہیں آپ اسے مختصر وقت میں بیان کر دیتے ہیں، آپ کی تقریر موقع اور محل کے اعتبار سے نصیحت آمیز ہوتی ہے اور مذاہب باطلہ کی تردید کا رنگ بھی خوب ہوتا ہے۔

مبارک: اہل سنت و جماعت کے خلاف آج ملک بھر میں بے شمار تنظیمیں اور تحریکیں سامنے آتی رہتی ہیں تو اہل سنت و جماعت کے تحفظ کے سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب کا کیا کردار رہتا ہے؟

حضرت مولینا عبد الشکور صاحب: حضرت مفتی صاحب تحریر و تقریر کے ذریعہ مخالفین کا دنداں شکن جواب دیتے ہیں۔

عالیجناب ماسٹر آفتاب احمد صاحب کا انٹرویو

عالیجناب ماسٹر آفتاب احمد صاحب الجامعۃ الاشرفیہ میں شعبۂ انگلش کے سینئر استاذ ہیں حضرت حافظ ملت سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں حضرت حافظ ملت نے انھیں جامعہ میں رکھا تھا۔ ماسٹر صاحب سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ ماسٹر صاحب بڑی نستعلیق وضع قطع کے شخص ہیں۔ طلبہ ان کی تعلیم و تربیت کے حسن انداز سے حد درجہ متاثر رہتے ہیں۔ ماسٹر صاحب کا مفتی صاحب قبلہ سے بڑا قریبی تعلق ہے۔ ذیل میں پیش خدمت ہیں حضرت مفتی صاحب قبلہ کے حوالے سے ان کے تاثرات و خیالات۔

مبارک: حضرت مفتی صاحب کی شخصیت و فکر اور جامعہ کے تعلق سے ان کی خدمات پر ذرا روشنی ڈالیئے۔

ماسٹر آفتاب صاحب: حضرت مفتی صاحب قبلہ میرے بزرگ ہیں میں ان سے عمر میں بھی چھوٹا ہوں اور علم میں بھی۔ ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے اگر کبھی کوئی غلط فہمی ہو جاتی ہے تو بڑی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتے ہیں، اگر کبھی کسی معاملے میں ناراض بھی ہو جاتے

ہیں تو انتقام اور دشمنی کا جذبہ نہیں رکھتے ہیں، ناظم تعلیمات ہونے کی وجہ سے کبھی نگرانی اور چیکنگ کے لئے نکلتے ہیں تو اگر کہیں کوئی نظام درہم برہم دیکھا تو حاکمانہ انداز اختیار نہیں کرتے ہیں بلکہ بڑی حکمت و موعظت سے اس کی اصلاح فرما دیتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب ڈسپلن کے بھی بڑے پابند ہیں دوسرے لوگ ذرا عمر ڈھل جاتی ہے تو آرام طلب ہو جاتے ہیں لیکن مفتی صاحب کو میں نے دیکھا کہ مطالعہ اور فتویٰ نویسی کی کثیر مصروفیات کے باوجود کبھی ہاسٹل کا چکر لگاتے ہیں، کبھی درسگاہوں کا چکر لگاتے ہیں، کبھی عمارتوں کو دیکھتے پھرتے ہیں کہ کہاں کیا کام ہو رہا ہے اور یہ حقیقت ہے جس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ انھیں حضور حافظ ملت کے مشن سے سچا لگاؤ ہے اور اس کی تعمیر و ترقی کے لئے وہ شب و روز کوشاں رہتے ہیں۔

ارباب اشرفیہ کے ان گراں قدر تاثرات کی روشنی میں یہ حقیقت نہاں خانۂ دل میں اتر چکی ہوگی کہ الجامعۃ الاشرفیہ میں حضرت شارح بخاری کی حیثیت رکن کارواں کی نہیں بلکہ روح کارواں کی ہے۔ کہنے کو تو وہ اس باغ فردوس کے گل تر ہیں مگر اب وہ اس چمن اشرفیہ کے اخلاص پیشہ مالی بن گئے ہیں۔ ان کی نظر اپنی ذات پر نہیں بلکہ اشرفیہ کی کائنات پر رہتی ہے، ان کا ہر سانس چمن اشرفیہ کو تازگی بخش رہا ہے، ان کا ہر قدم اشرفیہ کی ترقی کے لئے اٹھ رہا ہے۔

جامعہ کی تقریبات میں آپ کے خطابات بالکل منفرد نوعیت کے ہوتے ہیں، ان کے ہر بول سے حافظ ملت اور تحریک اشرفیہ سے قلبی وابستگی شبنم کی طرح ٹپکتی ہے اور پھولوں کی طرح مہکتی ہے۔ جب وہ اشرفیہ کا تعارف کراتے ہوئے فخریہ انداز میں یہ شعر پڑھتے ہیں تو مصباحی برادران عالم ترنگ میں اچھل پڑتے ہیں

جو ذرہ یہاں سے اٹھا ہے وہ سارے جہاں پہ برسا ہے
جو ذرہ یہاں سے اٹھے گا وہ سارے جہاں پہ برسے گا

اور جذبات سے سرشار ہو کر ذکر حافظ ملت کے دوران جب یہ شعر پڑھتے ہیں تو سامعین پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے ❊ سب اسی زلف کے اسیر ہوئے

اور اب تو حضرت شارح بخاری کی پوری علمی، فکری اور قلمی زندگی تحریک اشرفیہ کا ایک اٹوٹ حصہ بن کر رہ گئی ہے۔ ان کے فکر و عمل کی ہر ہر ادا حضور حافظ ملت سے یہ کہتی ہوئی نظر آتی ہے۔

تم نے جو شمع جلائی وہ نہ بجھنے پائے ❊ اب تو لے دے کے یہی کام ہمارا ٹھہرا

☆☆☆

مولانا نفیس احمد مصباحی بارہ بنکوی
استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

شارحِ بخاری کے شیوخ واساتذہ

کسبِ کمال کن کہ عزیزِ جہاں شوی
کس بے کمال ہیچ نہ گردد عزیزِ کس

یوں تو اربابِ فضل وکمال اور اصحابِ علم وہنر میں بہت سی ایسی ہستیاں گزری ہیں، جن کی شہرت ووجاہت کا آفتاب اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ افقِ عالم پر چمکتا ہوا نظر آتا ہے، اور جن کی شہرت ومقبولیت کی سحر انگیزی سے ایک عالم مسحور ہے اور جن کی قیادت وسربراہی اور سیادت وپیشوائی کا سکہ پوری دنیا یا دنیا کے ایک بڑے خطے پر بیٹھا ہوا ہے۔ لیکن ان بلند وبالا ہستیوں کا ایک سرسری جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت آشکارا ہو کر سامنے آتی ہے کہ ان میں دو طرح کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جنھیں یہ شہرت ومقبولیت، عزت ووجاہت ان کے آبا واجداد سے ورثہ میں ملی، اور انھوں نے اس موروثی فضیلت وبرتری کی ٹھوس اور مستحکم بنیادوں پر اپنے جاہ وحشم اور شہرت ومقبولیت کے تاج محل کی تعمیر کی اور دنیا بھر میں ان کی عظمت ورفعت کا ڈنکا بج گیا۔ دوسرے وہ جن کی ولادت اور نشو ونما کسی مقبولِ زمانہ اور معروفِ روزگار گھرانے میں نہ ہوئی اور ان کے آبا واجداد میں کوئی ایسا نہ تھا جس کی عزت وشہرت کا اس گھر کی چہار دیواری سے باہر چرچا رہا ہو، مگر انھوں نے اپنی ذاتی جد وجہد اور فطری صلاحیتوں کو بروے کار لا کر وہ گراں مایہ اور بیش قیمت کارنامے انجام دیئے کہ ایک دنیا نے ان کے تفوّق وبرتری اور فضل وکمال کا لوہا مانا، اور انھوں نے شب وروز کی سعیِ پیہم اور جہدِ مسلسل کے ذریعہ دشوار گزار وادیوں اور بیابانوں میں اپنے گراں قدر کارناموں کی وہ فلک بوس عمارتیں قائم کیں کہ جن کی شوکت وعظمت کو ثریا کی رفعتیں بھی جھک کر سلام کرتی ہیں۔ اور کوئی دور اندیش، منصف مزاج، اور صاحبِ فکر وتدبّر انسان اس کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان دونوں قسموں میں بیّن فرق ہے۔ پہلے کی شہرت ووجاہت موروثی اور دوسرے کی ذاتی اور کسبی۔ جس طرح موروثی مال اور کسبی مال میں واضح فرق ہوا کرتا ہے اسی طرح موروثی کمال اور ذاتی وکسبی کمال میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

فقیہ عصر، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مدّ ظلہ العالی کا تعلق قسم ثانی سے ہے

انھوں نے اپنی ذاتی صلاحیتوں کو بروے کار لا کر، اور اپنے خونِ جگر کو جلا کر بنجر زمین کو کشت زار بنایا، اور تصنیف و تالیف، بحث و مناظرہ، فقہ و افتا، تعلیم و تدریس، وعظ و خطابت ہر میدان میں اپنا جھنڈا گاڑا۔ یہ آپ کا وہ امتیازی وصف ہے کہ اپنے تو اپنے ہیں ہی، غیروں کو بھی اس کا بر ملا اعتراف ہے ؎

"وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ."

شارح بخاری مدظلہ العالی سے قریب یا دور کا تعلق رکھنے والے حضرات بخوبی اس سے واقف ہیں کہ یہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ نہیں بلکہ اس کے دلائل و شواھد کی حیثیت سے آپ کے دینی و مذہبی، علمی و فنی کارناموں کی ایک لمبی قطار دنیا کے سامنے ہے جو آپ کی زندگی کے مختلف میدانوں میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔ ہمارا موضوع گفتگو شارحِ بخاری کے شیوخ و اساتذہ کا تعارف اور ان سے آپ کے روابط و تعلقات کی تشریح و توضیح ہے، آپ کے دینی و علمی کارناموں کی تفصیل نہیں ورنہ میں اس سلسلے میں ایسے شواھد پیش کرتا کہ آپ خود یہ اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے بہ

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار　　　گل چیں جمالِ تو زداماں گلہ دارد

اب ہم اپنی منزل کے قریب آچکے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شارحِ بخاری مدظلہُ العالی کی زندگی پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال لیں تاکہ آپ کی حیاتِ پُر سوز کے خط و خال اجمالی طور پر ہمارے سامنے آجائیں اور منزل مقصود تک رسائی میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ولادت و نسب: آپ کی ولادت ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں ضلع اعظم گڑھ (حال ضلع مئو) کے انتہائی مشہور اور مردم خیز خطے قصبہ گھوسی محلّہ کریم الدین پور میں ہوئی۔ آپ کا نسب نامہ کچھ اس طرح ہے۔ "مفتی شریف الحق امجدی بن عبد الصمد بن ثناء اللہ بن لعل محمد بن مولانا خیر الدین اعظمی۔"

مولانا خیر الدین علیہ الرحمہ اپنے عہد میں پائے کے عالم اور صاحبِ کشف و کرامت بزرگ تھے، اُن کا یہ روحانی فیض آج تک جاری ہے کہ ان کے عہد سے لے کر اس دور میں پانچویں پشت تک ان کی نسل میں اجلۂ علمائے کرام موجود ہیں جن میں سے ایک حضور شارحِ بخاری مدظلہ العالی بھی ہیں جو اس وقت ہند و پاک کے مسلمانانِ اہل سنت کے صفِ اول کے مقتدا اور پوری دنیا کے اہل سنت کے مرجعِ فتاویٰ اور مرکزِ عقیدت ہیں۔

شارح بخاری کا عہد تعلیمی ایک نظر میں: آپ کی ناظرہ و قرآن شریف کی تعلیم محلّہ باغیچہ قصبہ گھوسی کے مکتب میں ہوئی اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ (مصنفِ بہار شریعت) کے منجھلے بھائی حکیم احمد علی سے گلستان، بوستاں پڑھی، بڑے ہی شوق، دل چسپی اور لگن کے ساتھ یہ تعلیم حاصل کی۔ آپ کے

دل میں یہ امنگ اور جذبہ اسی وقت سے کار فرما تھا کہ کسی بڑی درس گاہ میں داخلہ لے کر جلیل القدر اساتذہ سے اسلامی علوم وفنون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔ چنانچہ ۱۰؍ شوال المکرم ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء کو دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا۔ واضح رہے کہ اس سے ایک سال قبل ۲۹؍ شوال المکرم ۱۳۵۲ھ کو قصبہ مبارک پور کا بختِ خوابیدہ بیدار ہوا، اور وہاں کی مبارک سرزمین کو حافظِ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدّث مرادآبادی ثم مبارک پوری کی قدم بوسی نصیب ہوئی کہ جن کی نگاہِ کیمیا اثر نے اس قصبہ کی تقدیر ہی بدل کر رکھ دی۔ چنانچہ اپنے استاذ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے حکم پر حافظِ ملت کے مبارک پور آنے کی خوش خبری جوں ہی نسیم سحر کی طرح ضلع اعظم گڑھ اور اطراف وجوانب میں پھیلی تشنگانِ علوم نبویہ کے قافلے کشاں کشاں مبارک پور کی سرزمین کی طرف بڑھنے لگے، حضرت شارحِ بخاری مدظلہ ان سابقین اولین میں سے ہیں جو حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے مبارک پور آنے کے ایک سال بعد ہی حضور صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ آپ کی خدمت میں وہاں پہنچ گئے۔

آپ نے حافظِ ملت کے زیر سایہ رہ کر آٹھ سال تک فارسی کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ ابتدائی عربی سے لے کر ہدایہ اخیرین، ترمذی شریف، صدرا، حمد اللہ تک پڑھا، اس کے بعد آپ مبارک پور سے ۱۰؍ محرم الحرام ۱۳۶۱ھ کو مدرسہ اسلامیہ عربیہ میرٹھ گئے جہاں صدر العلما حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی قدس سرہ کا خورشید علم تمام تر تابانیوں کے ساتھ اپنی کرنیں بکھیر رہا تھا۔ وہاں حضرت صدر العلما سے شمسِ بازغہ، شرحِ جامی کا حاشیہ عبد الغفور وغیرہ اہم کتابیں اور خیر الاذکیا حضرت مولانا غلام یزدانی اعظمی علیہ الرحمہ سے خیالی و قاضی مبارک وغیرہ کا درس لیا۔ وہاں مکمل سات آٹھ مہینے قیام رہا۔

ابتداے شوال ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں آپ مدرسہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی محلہ بہاری پور، بریلی شریف پہنچے جہاں ابو الفضل حضرت مولانا محمد سردار احمد گورداس پوری ثم لائل پوری محدّث اعظم پاکستان سے صحاحِ ستہ حرفاً حرفاً پڑھ کر دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور ۱۵؍ شعبان المعظم ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء میں درس نظامی سے آپ کی فراغت ہوئی۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی، مفتیِ اعظم مولانا مصطفےٰ رضا نوری علیہم الرحمۃ والرضوان اور دیگر اجلۂ علما و مشائخ اہل سنت نے اپنے مقدس ہاتھوں سے دستارِ فضیلت اور جبّہ سے نوازا، اور اسی مبارک و مسعود موقع پر حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمہ نے غایتِ کرم سے مدرسہ کی عام سند کے علاوہ اپنی سندِ خاص سے بھی سرفراز فرمایا۔

درسِ نظامی کے علاوہ فتویٰ نویسی کی تعلیم و تمرین ایک سال سے زائد حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے حاصل کی، اور حضور مفتی اعظم قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں گیارہ سال تک رہ کر فتویٰ نویسی سیکھی۔ اس طرح آپ کے اساتذۂ کرام میں حضور صدر الشریعہ اور حضور مفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ بھی داخل ہیں۔

شیوخ واساتذہ: شارحِ بخاری مدظلہ العالی کے دورِ طالب علمی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ کے شیوخ و اساتذہ کی فہرست میں درج ذیل اسمائے گرامی آتے ہیں۔

(۱) صدر الشریعہ مولانا حکیم محمد امجد علی قادری، رضوی، اعظمی قدس سرّہ العزیز

(۲) مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفےٰ رضا قادری، نوری قدس سرّہ العزیز

(۳) حافظِ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدّث مرادآبادی، بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

(۴) محدّث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد قادری چشتی گورداس پوری ثم لائل پوری

(۵) صدر العلما مولانا سیّد غلام جیلانی میرٹھی

(۶) خیر الاذکیا مولانا غلام یزدانی اعظمی، صدر المدرسین مدرسہ مظہر اسلام، بریلی شریف

(۷) شیخ المعقولات مولانا محمد سلیمان بھاگل پوری

(۸) مولانا سیّد شمس الحق گجھروی، مبارک پوری

(۹) مولانا ثناء اللہ اعظمی محدّث مئوی

(۱۰) شیخ التجوید مولانا قاری محمد عثمان اعظمی

(۱۱) حکیم احمد علی اعظمی، قصبہ گھوسی، ضلع مئو (برادر صدر الشریعہ علیہما الرحمہ)

(۱۲) ماسٹر علیم اللہ خاں، قصبہ گھوسی، ضلع مئو

(۱۳) مولوی محمد شریف اعظمی، قصبہ گھوسی، ضلع مئو

(۱۴) مولوی غلام یٰسٓ، قصبہ گھوسی ضلع مئو علیہم الرحمۃ

ان میں اوّل الذکر آٹھ شخصیتوں کے احوالِ زندگی، دینی ومذہبی خدمات، شارحِ بخاری کے ان سے روابط و تعلقات، ان کی شفقتوں، مہربانیوں، کرم فرمائیوں اور ان کی نگاہ میں شارحِ بخاری کی قدر و منزلت کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔ ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

(۱) صدر الشریعہ حضرت علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ

قصبہ گھوسی مشرقی یوپی کا ایک مردم خیز خطہ ہے۔ یہاں ہر دور میں اہم اور جلیل القدر علمی، دینی، اور ادبی شخصیتوں نے جنم لیا لیکن اس کی عالمی شہرت کی زرّیں تاریخ کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب یہاں کے اُفق پر ایسا خورشیدِ فضل وکمال طلوع ہوا جس نے اپنی ضیابار کرنوں سے نہ صرف ایشیا بلکہ افریقہ ویورپ کی سر زمین کو بھی موثر

کر دیا جو تدریس، تحریر، تقریر، افتا، قضا، مناظرہ ہر میدان میں ممتاز و نمایاں نظر آتا ہے جسے اس عہد کے اجلۂ علمانے "صدر الشریعہ" جیسے گراں قدر لقب سے نوازا۔

ولادت ونسب: آپ کا نام محمد امجد علی ہے، نسب نامہ کچھ اس طرح ہے۔ محمد امجد علی بن حکیم جمال الدین بن مولانا خدا بخش بن مولانا خیر الدین علیہم الرحمہ۔ آپ کی ولادت ۱۲۹۶ھ میں قصبہ گھوسی محلّہ کریم الدین پور میں ہوئی مولانا حکیم جمال الدین کے گھر یہ تیسرے بیٹے کی ولادت تھی، حکیم محمد علی اور حکیم احمد علی آپ کے بڑے بھائی تھے۔ آپ کے والد ماجد کا شمار علاقے کے بڑے حکیموں میں ہوتا تھا، طبّی مہارت اور ریاست عظمت گڑھ کے راجہ کے طبیب خاص ہونے کی وجہ سے ہر طرف آپ کا شہرہ تھا۔

تعلیم و تربیت: آپ کی ابتدائی تعلیم آپ کے وطن "گھوسی" ہی کے مدرسہ، ناصر العلوم میں ہوئی۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ حنفیہ جون پور میں ۱۳۱۴ھ کو داخلہ لیا جہاں مجاہد تحریک آزادی حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کے تلمیذ رشید استاذ الاساتذہ حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں رام پوری رحمۃ اللہ علیہ کے فیضان علمی کا بازار گرم رہا تھا، اور علوم شرقیہ و فنون دینیہ کے متلاشی دور دراز سے شیراز ہند جون پور کا رخ کر رہے تھے۔ استاذ الاساتذہ کی فیض رساں درس گاہ سے اس دور کے ماہرین علوم فارغ ہوئے۔

استاذ گرامی کی آپ پر خاص نوازش اور نظر تھی، اس کی وجہ فطری صلاحیت، ذہن رسا، والہانہ علمی ذوق، اور محنت شاقّہ کے ساتھ اساتذہ کی بارگاہ میں سعادت مندی، ادب اور خدمت گزاری تھی۔ وہ آپ سے اس قدر متاثر تھے کہ ایک موقع پر فرمایا:

"شاگرد ایک ہی ملا، وہ بھی بڑھاپے میں"۔ (بروایت حافظ ملت و مولانا شمس الدین جون پوری علیہما الرحمۃ)

صدر الشریعہ نے استاذ الاساتذہ سے تمام علوم و فنون کی تکمیل کی، جون پور سے فراغت کے بعد حجۃ العصر، شیخ المحدثین حضرت علامہ شاہ وصی احمد محدّث سورتی قدس سرہ کی خدمت میں مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں حاضر ہو کر درس حدیث لیا۔ اس سفر کے موقع پر استاذ الاساتذہ نے محدّث سورتی علیہ الرحمہ کے نام تعارفی خط تحریر فرمایا جس کا مفہوم یہ تھا۔

"میں اپنا ایک مخصوص عزیز طالب علم آپ کے پاس بھیجتا ہوں، اس کی تعلیم پر توجہ فرمائیں"

(صدر الشریعہ، حیات و خدمات، ص/۴۷)

حضرت محدّث سورتی نے بھی اپنی فراست ایمانی سے ان کی ذات میں پوشیدہ صلاحیتوں کو بھانپ لیا، اور اس گوہر شب تاب کو قدر کی نگاہ سے دیکھا، علوم نبویہ کے چشمۂ فیاض سے خوب خوب سیراب کیا، اور ۶/ ذی الحجہ

۱۳۲۴ھ کو حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ رام پوری قدس سرہ نے آپ کا امتحان لیا جس میں آپ کو نمایاں اور امتیازی کامیابی نصیب ہوئی۔ اس کا اندازہ درج ذیل تحریر سے کیا جاسکتا ہے جو مہتمم مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت نے ”تحفۂ حنفیہ پٹنہ“ میں شائع کی تھی۔

”۶ر ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ کو بحمد اللہ تعالیٰ طلبہ کا امتحان حضرت مولانا شاہ محمد سلامت اللہ رام پوری دام فیضہ‘ نے لیا۔ مولوی امجد علی صاحب نے بعد فراغ کتب درسیہ کے نہایت جاں فشانی وکمالِ مستعدی سے سال بھر میں صحاحِ ستہ، مسند شریف، کتاب الآثار شریف، مؤطا شریف، طحاوی شریف کا قراءۃً وسماعۃً درس حاصل کرکے اعلیٰ درجہ کا امتحان دیا جس کے باعث ممتحن صاحب وحاضرین نہایت شاداں اور ان کی حسنِ لیاقت وفہم وذکاوت سے بہت فرحاں ہوئے اور دستارِ فضیلت زیبِ سر کی گئی۔“

(ضیاء الدین مہتممِ مدرسہ، تحفۂ حنفیہ، ص ر ۴۴، محرم ۱۳۲۵ھ پٹنہ)

پھر حاذق الملک حکیم عبدالولی، جھوائی ٹولہ، لکھنؤ سے علم طب حاصل کیا۔

تدریس: صدر الشریعہ نے ابتدائے شباب ہی سے تدریس کا کام شروع کیا اور آخرِ حیات تک جاری رکھا یہی وجہ ہے کہ آپ کی آغوشِ تربیت میں ایسے ایسے تلامذہ پروان چڑھے جن پر علم وفضل کو بھی ناز ہے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ اپنے استاذِ محترم محدثِ سورتی کے ”مدرسۃ الحدیث“ میں ۱۳۲۷ھ تک رہے۔ اس کے بعد ایک سال تک پٹنہ میں مطب کرتے رہے، اسی اثنا میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان (۱۳۴۰ھ ر ۱۹۲۱ء) کو دار العلوم منظر اسلام بریلی کے لئے ایک ذی استعداد استاد کی ضرورت پیش آئی۔ حضرت محدثِ سورتی نے آپ کا نام پیش کیا، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے طلب فرمانے پر پٹنہ سے مطب چھوڑ کر دار العلوم منظر اسلام بریلی میں تدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔ بالفاظ دیگر اب طب جسمانی سے تبادلہ کرکے طب روحانی کے مطب میں کام شروع کیا۔ جلد ہی اپنی استعداد، قابلیت، خداداد حسنِ سلیقہ اور سعادت مندی سے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی نظر میں مقبول اور موردِ الطافِ خاص بن گئے۔ ابتدا میں درس وتدریس کا کام سپرد تھا بعد ازاں مطبع اہل سنت بریلی کا انتظام اور جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی کے شعبۂ علمیہ کی صدارت کے فرائض بھی آپ کے سپرد کردیئے گئے (محدث اعظم پاکستان، ج ر ۱، ص ر ۱۲۸)

نیز یہ بھی خدمت آپ کے سپرد تھی کہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں آنے والے خطوط اور، استفتا پڑھ کر سناتے اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ جو جواب ارشاد فرماتے اسے لکھتے۔

بریلی شریف میں آپ کا قیام ۱۳۲۹ھ ر ۱۹۱۱ء سے ۱۳۴۳ھ ر ۱۹۲۵ء تک رہا۔ ۱۳۴۳ھ مطابق

۱۹۲۵ء میں حضرت مولانا سید سلیمان اشرف علیہ الرحمہ صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں صدر المدرسین کے عہدے کے لئے مدرسہ کے مہتمم و متولی جناب میر نثار احمد کا دعوت نامہ لے کر بریلی آئے۔ لیکن آپ نے اپنے شیخ کا آستانہ اور منظر اسلام کی تدریس چھوڑ کر جانے سے معذرت کردی۔ مولانا سیّد سلیمان اشرف نے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت کے خلفِ اکبر و سجادہ نشین حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ (م ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء) سے رجوع کیا۔ آپ ان کی اجازت و حکم سے دار الخیر اجمیر مقدس حاضر ہوئے اور بے مثال تدریس کے ذریعہ مرجعِ علماء طلبہ بنے۔ یہاں آپ نے ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۳ء تک فرائضِ تدریس انجام دیئے۔ مدرسہ کے مہتمم و متولی میر نثار احمد سے بعض امور میں اختلاف کے سبب آپ نے مدرسہ معینیہ عثمانیہ کی تدریس سے علاحدگی اختیار فرمالی، علما کی ایک کثیر تعداد جو حلقۂ تلمذ سے وابستہ تھی ہمراہ لے کر دوبارہ بریلی شریف آگئے اور منظر اسلام میں تدریس شروع کردی، تین سال بعد مولانا سیّد مصباح الحسن پھپھوندوی قدس سرہ کی رہنمائی میں نواب حاجی غلام محمد خاں شروانی، رئیس ریاستِ دادوں ضلع علی گڑھ کی دعوت پر دار العلوم حافظیہ سعیدیہ میں بحیثیت صدر مدرس تدریس کا کام شروع کیا۔ سات سال تک حسن و خوبی یہاں درس دیا۔

(ایضاً، ص / ۱۲۹)

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے جو ایک زمانے میں حیدرآباد دکن میں صدر امور مذہبی رہ چکے تھے، ۱۳۵۶ھ کے سالانہ جلسۂ امتحان کے موقع پر اپنی تقریر میں حضرت کی مہارت تدریس اور تبحر علمی کا ان لفظوں میں اعتراف کیا۔

"مولانا امجد علی اعظمی صاحب پورے ملک میں ان چار پانچ مدرسین میں سے ایک ہیں جنھیں میں منتخب جانتا ہوں۔" (تذکرہ علمائے اہل سنت، ص / ۵۳)

پھر ۱۳۶۲ھ میں مدرسہ مظہر العلوم بنارس میں صدر المدرسین ہوئے اور جب حضرت محدّثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب لائل پوری، حضرت مفتی اعظم ہند کے ہمراہ پہلی بار حج و زیارت کے لیے تشریف لے گئے تو چند مہینے مدرسہ مظہر اسلام بریلی میں درسِ حدیث دیا اور جب وہ حج سے واپس ہوئے تو حضرت نے وطن مراجعت فرمائی۔ اخیر عمر میں چونکہ بینائی بہت کمزور ہو چکی تھی اور پیہم صدموں کی وجہ سے قُویٰ مضمحل ہو چکے تھے اس لئے درس کا سلسلہ بند فرمادیا تھا، یہی سبب تھا کہ مدرسہ سعیدیہ دادوں سے مستعفی ہوئے پھر مدرسہ مظہر العلوم کچی باغ، بنارس کے ناظم اعلیٰ کے بے حد اصرار پر وہاں چلے تو گئے لیکن سال بھر کے بعد ان سے معذرت کر لی۔

(بروایت شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم العالیہ)

طرز تدریس: آپ کا طرز تدریس نہایت دل نشیں، دل آویز اور دل پذیر تھا، دورانِ تدریس مضامینِ کتاب کی

ایسی واضح، شستہ اور جامع تقریر فرماتے کہ مضمونِ کتاب طلبہ کے ذہن میں اترتا چلا جاتا جیسے کہ وہ "رحیقِ مختوم" کا گھونٹ ہو اور کیوں نہ ہو جب کہ آپ کے تبحرِ علمی کا یہ عالم تھا کہ پورا درسِ نظامی آپ کو مستحضر تھا، بلا جھجھک مشکل سے مشکل ترین کتاب پڑھاتے۔ اب ذیل میں خود ان سے شرفِ تلمذ رکھنے والوں کی شہادتیں درج کی جاتی ہیں۔

○ حافظِ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور فرماتے ہیں:

"خاتم الفقہا، حجۃ العصر حضرت صدر الشریعہ مولانا شاہ ابو العلا محمد امجد علی صاحب علیہ الرحمہ جامع الکمالات، مجمع البحرین تھے، آپ تبحر عالم، جامعِ معقول و منقول ہونے کے ساتھ اپنے علم پر عامل، متبعِ سنت، پابندِ شریعت تھے، تبحرِ علمی کا یہ عالم کہ پورا درسِ نظامی مستحضر تھا جو کتاب سامنے آتی بے دریغ پڑھاتے، کما حقہ پڑھاتے، ایسی جامع تقریر فرماتے کہ تمام اعتراضات و شبہات رفع ہو جاتے، اور مسئلہ آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا"!

(ماہنامہ اشرفیہ، اکتوبر، نومبر ۱۹۹۵ء صدر الشریعہ نمبر ص/۱۲)

○ صدر العلما علامہ غلام جیلانی میرٹھی (شارحِ بخاری) علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

"بعض اساتذہ تفہیم کتاب بصورتِ سوال و جواب فرماتے ہیں اور بعض، کتاب کی تقریر ایسے انداز سے فرماتے ہیں جس پر اعتراض وارد ہی نہ ہونے پائے، آپ بروقتِ تدریس طریقہ دوم اختیار فرماتے تھے، اور گاہ گاہے طریقہ اول، جب کہ مقام دقیق مضامین پر مشتمل ہوتا۔ آپ کی تدریسی خصوصیات میں اول یہ خصوصیت تھی کہ درسی کتابوں کے علاوہ ان کے مطبوعہ حواشی بھی پڑھاتے۔ چنانچہ فقیر کو میر زاہد امور عامہ کے ساتھ اس کا حاشیہ مولانا عبد الحق خیر آبادی علیہ رحمۃ اللہ الھادی بھی سبقاً سبقاً پڑھایا۔ درس کا ناغہ کسی حالت میں گوارہ نہ تھا حتیٰ کہ بحالتِ بخار شدید بھی تشریف لاتے، طلبہ کا شدتِ بخار دیکھ کر بے حد اصرار ہوتا کہ درس ناغہ کر دیا جائے مگر ان کی درخواست قبول نہ ہوتی، اور یہ فرماتے کہ مولوی صاحب (یعنی آپ کے استاذ مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب جون پوری قدس سرہ النورانی) فرماتے تھے کہ ناغہ سے برکت جاتی رہتی ہے۔ لہٰذا پڑھ لو۔"

(حوالۂ سابق، ص/۲۲، ملخصاً)

○ مولانا سید ظہیر احمد زیدی علی گڑھی لکھتے ہیں:

"حضرت کا طریقۂ تعلیم یہ تھا کہ اول کوئی ایک طالب علم عبارت خوانی کرتا، اور جتنا سبق پڑھنا ہوتا دو صفحے، تین صفحے ایک ساتھ عبارت پڑھ لی جاتی، پھر حضرت تشریح مطالب فرماتے طلبہ کو عام اجازت تھی کہ وہ سوالات کریں، جوابات وافی و کافی ملتے، طلبہ کو ہر گونہ اطمینان ہو جاتا۔

لیکن عبارت خوانی ہی حضرت کے درس میں "کارے دارد" والا معاملہ تھا کیونکہ عبارت کی غلطی حضرت نہ کبھی نظر انداز فرماتے، نہ اس معاملے میں عفو ودر گزر سے کام لیتے، گرفت سخت ہوتی، صرف ونحو کے بیشتر قاعدے سوالات کی زد میں آجاتے"

(مصدر سابق، ص ر ۸۴)

○ مفتی خلیل احمد خاں مارہروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"پہلی کتاب جس کے ذریعہ حضرت والا کے قدموں تک رسائی ہوئی "ملا حسن" تھی دوسرے تیسرے روز ہی جب مباحث کا آغاز ہوا اور حضرتِ والا نے مضمونِ کتاب کی تقریر فرمائی تو بلا مبالغہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ٹھنڈے ٹھنڈے، میٹھے میٹھے مشروب کے گھونٹ نیچے اتر رہے ہیں، اور پھر عقیدت میں آنکھیں جھکیں، دل جھکا اور جھکتا ہی چلا گیا۔"

(مصدر سابق، ص ر ۲۳)

بیعت و خلافت: مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عشقِ رسالت میں ڈوبی ہوئی اور ورع و تقویٰ سے شاداب ودرخشندہ زندگی کی مسلسل دید کے بعد آپ نے روحانی رہنمائی کے لئے سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں اُنھیں کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور جلد ہی تمام سلاسل میں اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔

(ماھنامہ الرضا، بریلی، مندرجہ "معارف رضا" مرتبہ سیّد محمد ریاست علی قادری ۱۹۸۳ء)

تفقُّہ فی الدین: حضرت صدر الشریعہ یوں تو سارے علوم وفنون کے ماہر تھے لیکن سب سے خاص لگاؤ آپ کو فقہ سے تھا اللہ عزوجل نے آپ کی ذات گرامی میں تفقہ فی الدین ودیعت فرمایا تھا۔

حضرت صدر الشریعہ کو دیگر علوم وفنون کے علاوہ فقہ میں ایسا کمال حاصل تھا کہ فقہ کے جمیع ابواب کی تمام جزئیات مع ان کے تفصیلی دلائل کے مستحضر تھیں۔ انھیں خصوصیات کی بنا پر امام احمد رضا نے ایک موقع پر فرمایا۔

"آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا۔ وجہ یہی ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے طرز سے واقفیت ہو چلی ہے" (الملفوظ حصہ اول ص ر ۱۰۲)

یہ الفاظ کسی عام آدمی کے نہیں بلکہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے زبانِ فیض ترجمان سے ادا ہوئے ہیں جو حزم واحتیاط کی چوٹی پر فائز تھے، اس سے حضرت صدر الشریعہ کی فقہی بصیرت آفتابِ نیم روز کی طرح نمایاں ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے معاصرین علما نے آپ کا خطاب صدر الشریعہ رکھا۔ اس وقت کے صف اول کے علما مثلاً

حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب ، مفتیِ اعظم ہند حضرت مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری، حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل علامہ نعیم الدین صاحب مرادآبادی مصنفِ خزائن العرفان اور حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی وغیرہ کبھی نام نہیں لیتے تھے، صدر الشریعہ ہی کہا کرتے تھے۔ اور حضرت کا یہ خطاب بمنزلۂ علم ہو چکا ہے۔

قاضی القضاۃ: مجددِ اعظم امام احمد رضا قدس سرہ نے حالات اور ضرورت دینی کے پیشِ نظر بریلی شریف میں پورے ملک ہندوستان کیلئے (جس میں موجودہ پاکستان و بنگلہ دیش بھی شامل تھا) شرعی دار القضا قائم فرمایا تھا اس کے لئے تمام مشاہیرِ ہند و مفتیانِ عصر میں سے صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو احکام شرعی کے نفاذ اور مقدمات کے فیصلے کے واسطے قاضی شرع مقرر فرمایا تھا اس اہم کام کے لئے اعلیٰ حضرت نے کتنا اہتمام فرمایا حضرت برہان ملت مولانا شاہ برہان الحق جبل پوری علیہ الرحمہ کی زبانی ملاحظہ کیجئے۔

"ایک دن صبح قریب نو بجے اعلیٰ حضرت مکان سے باہر تشریف لائے تخت پر ایک قالین بچھانے کا حکم فرمایا ہم سب حیرت زدہ تھے کہ حضور یہ سب اہتمام کس لئے فرما رہے ہیں پھر حضور امام اہل سنت ایک کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمہ کو مخاطب کر کے فرمایا :

میں آج بریلی میں دار القضاء شرعی کی بنیاد رکھتا ہوں، اور انھیں اپنی طرف بلا کر ان کا داہنا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر قالین پر انھیں بٹھا کر فرمایا "میں آپ کو ہندستان کے لئے قاضیِ شرع مقرر کرتا ہوں، مسلمانوں کے درمیان اگر ایسے مسائل پیدا ہوں جن کا فیصلہ قاضیِ شرع ہی کر سکتا ہے وہ قاضیِ شرع کا اختیار آپ کے ذمہ ہے۔" پھر دعا پڑھ کر کچھ کلمات فرمائے جن کا اقرار صدر الشریعہ نے کیا۔ اس کے بعد حضور نے اس خادم برہان کو بلایا اور اپنے دست مبارک میں میرا داہنا ہاتھ لے کر اس مسند پر حضرت صدر الشریعہ کے متصل بٹھا کر مجھ سے فرمایا کہ "میں نے تمہارے فتوے دیکھے، افتا کے لئے تمہارے دماغ کو بہت مستعد پایا میں تمہیں مسندِ افتا پر بٹھا کر دار القضاء شرعی کیلئے مفتی مقرر کرتا ہوں۔"

اس کے بعد حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ہاتھ کو اپنے دست مبارک میں لے کر میرے پہلو میں بٹھایا اور یہی کلمات جو مجھ سے فرمائے تھے ان سے فرما کر، پھر ہم دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "دار القضاء شرعی کیلئے قاضی شرع مولانا امجد علی کو اور آپ دونوں کو ان کی اعانت اور فتویٰ دینے کی اجازت دیتا ہوں، آج سے تم دونوں ہندستان کے دار القضاء شرعی، مرکز بریلی میں، مفتی شرع کی حیثیت سے مقرر کئے جاتے ہو۔" پھر ہم دونوں

سے کچھ کلمات فرمائے اور ہم دونوں نے اس سعادت عظیم پر سرِ نیاز خم کیا اور اٹھ کر ہم نے اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کی، اعلیٰ حضرت نے دست مبارک اٹھا کر بہت دیر تک دعا فرمائی۔ حضرت صدر الشریعہ نے دوسرے ہی دن قاضیِ شرع کی حیثیت سے پہلی نشست کی اور وراثت کے ایک معاملہ کا فیصلہ فرمایا" (استقامت ڈائجسٹ، کانپور، مفتی اعظم ھند نمبر ص ر ۴۲)

اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں مقام: مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں آپ کو نہایت بلند مقام حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے سوائے آپ کے کسی کو بھی حتی کہ اپنے شہزادگانِ والا تبار کو بھی اپنی بیعت لینے کا وکیل نہیں بنایا تھا۔ حضرت شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت ایسے مجمع میں بیان فرمائی جس میں حافظِ ملت رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے لوگ موجود تھے۔ (صدر الشریعہ نمبر، ماہنامہ اشرفیہ، ص ر ۵۹، مضمون حضرت شارح بخاری مدظلہ)

وصایا شریف ص ر ۲۴ پر مذکور ہے کہ مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنی نمازِ جنازہ کے بارے میں یہ وصیت فرمائی تھی۔

"المنۃ الممتازہ میں نماز جنازہ کی جتنی دعائیں منقول ہیں اگر حامد رضا کو یاد ہوں تو وہ میری نماز جنازہ پڑھائیں، ورنہ مولوی امجد علی صاحب پڑھائیں۔"

حضرت حجۃ الاسلام چونکہ ولی تھے اس لئے ان کو مقدم فرمایا، وہ بھی مشروط طور پر۔ اور ان کے بعد اعلیٰ حضرت کی نگاہِ انتخاب جس پر پڑی وہ بھی بلاشرط، وہ حضرت صدر الشریعہ کی ذات تھی۔ اس سے یہ حقیقت آفتابِ نصف النہار کی طرح آشکارا ہو جاتی ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی بارگاہِ اقدس میں آپ کو اتنا بلند مقام حاصل تھا جس کا صحیح طور پر ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

تلامذہ: چونکہ آپ نے اس راز کو پالیا تھا کہ بد مذہبیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے اور اسلام کے دائمی پیغام کو عام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ علما ہوں جو اپنی شبانہ روز کی کاوشوں کے ذریعہ، اپنے علمی سرمایہ کی قوت سے تبلیغِ دین اور تبکیتِ معاندین کا فریضہ انجام دیں۔ اس لئے آپ زندگی بھر مسند تدریس کی زینت بنے رہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے بحرِ علم کے فیض یافتگاں اور جرعہ نوشوں کی ایک لمبی قطار نظر آتی ہے۔ درسگاہیں ہوں یا خانقاہیں، مساجد ہوں یا مذہبی مراکز، ہر طرف آپ ہی کے بالواسطہ یا بلاواسطہ تلامذہ کی جلوہ سامانیاں نظر آتی ہیں۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے   سبھی اس زلف کے اسیر ہوئے

اور کیوں نہ ہو جب کہ آپ کے تلامذہ کی صف میں جہاں ایک طرف محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد قادری

چشتی لائل پوری کی ذات گرامی ہے، جنھوں نے پاکستان میں اپنی درس گاہ کے خوشہ چیوں کا جال بچھادیا۔ اور علوم نبویہ کو عام سے عام تر کیا؛ تو دوسری طرف حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی کی ذات والا صفات ہے، جنھوں نے دنیائے سنیت کا سب سے عظیم علمی ودینی قلعہ جامعہ اشرفیہ قائم فرماکر دین وسنیت کی لاج رکھ لی، جہاں سے آج تک ہر سال سیکڑوں کی تعداد میں علما وفضلا، حفاظ وقرا فارغ ہو کر خدمت دین متین اور اعلاء کلمۃ اللہ کی ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ کے چند مشاہیر تلامذہ کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

(۱) جلالۃ العلم حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ
(۲) محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قادری رضوی بانی مظہر اسلام لائل پور پاکستان (متوفی ۱۳۸۲ھ)
(۳) شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی لکھنوی ثم پیلی بھیتی
(۴) مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمن اڑیسوی صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت کلکتہ
(۵) شیخ العلما مولانا غلام جیلانی اعظمی، سابق شیخ الحدیث دارالعلوم فیض الرسول، براؤں شریف بستی
(۶) صدر العلما مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی، (مصنف بشیر القاری شرح بخاری وبشیر الناجیہ شرح کافیہ وغیرہ)
(۷) خیر الاذکیا مولانا غلام یزدانی اعظمی، سابق صدر المدرسین مظہر اسلام بریلی شریف
(۸) شمس العلما مولانا قاضی شمس الدین جون پوری، (مصنفِ قانون شریعت)
(۹) امینِ شریعت مولانا رفاقت حسین، شیخ الحدیث مدرسہ احسن المدارس، کان پور
(۱۰) مولانا محمد سلیمان اشرفی بھاگلپوری، شیخ الحدیث جامعہ حمیدیہ رضویہ، بنارس
(۱۱) سید العلما مولانا سید آل مصطفےٰ قادری برکاتی سجادہ نشین مسند برکاتیہ نوریہ، مارہرہ مطہرہ، ضلع ایٹہ یوپی
(۱۲) مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری، شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ کراچی
(۱۳) مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی شیخ الحدیث منظر حق، ٹانڈہ، فیض آباد
(۱۴) مولانا محمد محسن، فقیہ شافعی ممبئی
(۱۵) رئیس الاتقیا مولانا محمد مبین الدین امروہوی
(۱۶) مولانا وقار الدین دارالعلوم امجدیہ کراچی
(۱۷) مولانا اعجاز ولی خان رضوی، جامعہ داتا گنج بخش لاہور
(۱۸) مولانا تقدس علی خان، شیخ الحدیث جامعہ ارشادیہ، پیر گوٹھ سندھ پاکستان
(۱۹) مولانا سید ظہیر احمد زیدی علی گڑھ

(۲۰) فقیہ عصر شارحِ بخاری، مفتی شریف الحق امجدی
(۲۱) مولانا مجیب الاسلام ادروی وغیرہ

قلمی آثار: حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اعلیٰ درجہ کے مدرس، مفتی، قاضی، مناظر ہونے کے ساتھ زبردست مصنف بھی تھے آپ کی کتابیں نہایت واضح سلیس اور رواں اسلوب رکھتی ہیں۔ اندازِ بیان نہایت عمدہ دلنشیں اور دل پذیر ہے۔ درج ذیل کتابیں آپ کی قلمی یادگار ہیں۔

(۱) بہار شریعت :۔ قیام بریلی کے زمانہ میں کثرت مشاغل کے باوجود کچھ وقت نکال کر شریعت اسلامیہ کے مفتی بہ مسائل اور فقہی جزئیات پر مشتمل "بہار شریعت" کے نام سے اردو زبان میں ایک عظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا" تیار فرمایا جس کا سلسلہ ۱۹۱۵ء سے لے کر ۱۹۴۳ء تک جاری رہا۔ یہ سترہ حصوں میں ۲۷۷۰ صفحات کو محیط ہے جس کے چھ حصوں کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ نے حرفاحرفاسنا اور بعض پر تقریظ بھی رقم فرمائی۔

(۲) فتاوی امجدیہ :۔ یہ متوسط سائز کے ۱۸۲۸ صفحات پر مشتمل مجموعۂ فتاویٰ ہے اس میں ۱۳۴۰ھ سے ۱۳۶۷ھ تک کے اہم فتاویٰ درج ہیں، یہ چار جلدوں میں ہے، الحمد اللہ اسکی چاروں جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔

(۳) حاشیہ شرح معانی الآثار :۔ یہ امام ابو جعفر طحاوی (متوفی ۳۲۱ھ) کی مشہور زمانہ، حدیث وفقہ کی جامع، مقبول ترین تصنیف "شرح معانی الآثار" کا حاشیہ ہے، صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے بزبان عربی اس کے تحشیہ کا کام ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء میں شروع فرمایا اور سات ماہ کے قلیل عرصہ میں نصف اول پر حاشیہ لکھ ڈالا جو باریک قلم سے ۴۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ ۳۵۔۳۶ سطریں لئے ہوئے ہیں، مگر ضعفِ بصارت کی بنا پر یہ کام اور آگے نہ ہو سکا۔ (صدر الشریعہ حیات وخدمات ص ۵۶/ ۵۷ ملخصا)

(۴) قامع الواهيات فی جامع الجزئیات :۔ کان پور مسٹن روڈ کی توسیع میں مچھلی محال کی مسجد کا ایک حصہ آگیا جسے اس وقت کی انگریزی حکومت نے ڈھا دیا، جس پر پورے ملک میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا، حکومت اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی حکم مقرر ہوئے لیکن انھوں نے جو فیصلہ دیا وہ شریعت کے خلاف تھا، جس کے رد میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے "اِبانةُ المُتوارِی علیٰ مصالحةِ عبدِ الباری" تحریر فرمایا اور اسی فیصلہ کے رد میں حضرت صدر الشریعہ نے "قامع الواہیات فی جامع الجزئیات" تحریر فرمایا۔

(۵) اتمام حجتِ تامہ :۔ بریلی شریف میں ۱۴/ رجب المرجب ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۴/ مارچ ۱۹۲۱ء کو خلافت کمیٹی کا جلسہ ہوا تو خلافت کمیٹی کی شرعی حرکات پر مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ہدایت کے بموجب

ستر (۷۰) سوالات مرتب فرمائے جو "اتمامِ حجتِ تامّہ" کے نام سے اسی وقت شائع ہوئے۔

(۶) نیز بہار شریعت حصہ دوم ص ر ۸۴ میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ "حقہ کا پانی پاک ہے، اگر چہ اس کے رنگ وبو اور مزے میں تغیر آجائے اس سے وضو جائز ہے بقدر کفایت اس کے ہوتے ہوئے تیمم جائز نہیں۔" اس پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا تھا جس کے رد میں پورا رسالہ تحریر فرمایا۔ جو بہار شریعت حصہ دوم کے آخر میں چھپ چکا ہے جو صفحہ ۱۱۷ سے لے کر ۱۲۶ تک پھیلا ہوا ہے اس پر مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ، محدثِ اعظم ہند، مبلغِ اسلام حضرت مولانا محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ وغیرہ جلیل القدر علمائے اہل سنت کی تصدیقات ہیں اگر چہ اس کا کوئی نام نہیں رکھا ہے مگر حقیقت میں یہ ایک مستقل رسالہ ہے۔

(۷) التحقیق الکامل فی حکم قنوت النوازل :- ہندستان پر جب کانگریسیوں کی حکومت ہوئی اور کانگریسیوں نے پورے ملک میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو جگہ جگہ فجر میں قنوت نازلہ پڑھی جانے لگی اس پر ۱۳۴۷ھ میں حضرت صدر الشریعہ نے حضرت شارح بخاری سے یہ رسالہ املا کرایا۔

اسی رسالہ کی تصنیف کے وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ بہار شریعت حصہ سوم ص ر ۷ میں قنوتِ نازلہ کے بارے میں ہے "ظاہر یہ ہے کہ رکوع کے قبل قنوت پڑھے" (در مختار، شرنبلالی)

لیکن جب حوالہ ملایا گیا تو "در مختار" میں یہ مسئلہ نہیں ملا، البتہ شامی (رد المحتار) میں ملا، رد المحتار کو در مختار سے بدلنا تو کاتب کی مہربانی ہے لیکن رد المحتار میں شرنبلالی کا قول یہ بتایا کہ "یہ قنوت بعدِ رکوع ہے" اور علامہ شامی نے اسی کو اظہر کہا البتہ علامہ حموی کے بارے میں فرمایا کہ انھوں نے قبل رکوع ہونے کو ظاہر کہا۔ یہ دیکھ کر صدر الشریعہ سخت پریشان ہوئے۔ مراقی الفلاح میں یہی ہے کہ یہ بعدِ رکوع ہے۔ اب سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ حوالہ الٹا کیسے ہو گیا لیکن صدر الشریعہ کی حلِ اشکال کی قوت دیکھئے کہ بہار شریعت جلد سوم کا اصل مسودہ نکلوایا اور جب اس مقام کو پڑھا گیا تو عقدہ حل ہو گیا اصل مسودہ میں حضرت صدر الشریعہ نے لکھا تھا کہ بعد رکوع پڑھے مگر "بعد" سرخ روشنائی سے کٹا ہوا تھا اور اس کے اوپر سرخ روشنائی سے "قبل" لکھا ہوا تھا جب شارحِ بخاری نے حضرت کو یہ دکھایا تو چہرا کھل اٹھا۔ مسکرا کر فرمایا واقعہ یہ ہوا کہ میں نے علامہ شامی پر اعتماد کرتے ہوئے بعد رکوع لکھا تھا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے "بعد" کو کٹوا کر "قبل" لکھوایا اور حوالہ وہی رہ گیا اور ذہن میں نہیں آیا کہ بدل دیا جائے (یہ روایت حضرت شارحِ بخاری نے راقم الحروف سے بیان فرمائی) مصنفین اس نکتہ کو ذہن میں رکھیں خصوصاً جب کسی سے تحریر کی اصلاح لیں۔

خلفاو مریدین: پوری حیات تدریس و تصنیف اور خدمت دین میں صرف کرنے کے باوجود آپ سے بیعت و ارادت کا سلسلہ بھی جاری رہا، ہند وبیرون ہند آپ کے کثیر تعداد میں خلفا و مریدین ہوئے۔ ان میں سب کے سب علمائے دین اور عمائد ملت ہیں۔ حضرت کی یہ خصوصیت ہے کہ کسی غیر عالم کو خلافت نہیں دی، ان کے اسما درج ذیل

ہیں۔

(۱) حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ (۲) محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قادری رضوی، پاکستان (۳) خیر الاذکیا مولانا غلام یزدانی اعظمی (۴) شیخ العلما مولانا غلام جیلانی اعظمی (۵) مولانا سید شاہ عبد الحق گجہڑوی، مبارک پوری (۶) مولانا قاری مصلح الدین پاکستان (۷) شارحِ بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی (۸) مفتی ظفر علی نعمانی بانی دار العلوم امجدیہ کراچی۔

مندرجہ ذیل علمائے کرام وہ ہیں جو حضرت سے مرید ہیں۔

(۱) قاری محمد یحییٰ اعظمی، سابق ناظم اعلیٰ جامعہ اشرفیہ (۲) مولانا ثناء اللہ صاحب امجدی، مئو (۳) فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی اوجھاگنج، بستی۔

سفرِ حج یا سفرِ آخرت : آپ نے پہلی بار ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء میں فریضۂ حج کی ادائگی کیلئے حرمین شریفین کا سفر فرمایا اور دوسری بار ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء میں حرمین طیبین کی زیارت اور حج کے ارادے سے گھر سے بریلی شریف اور وہاں سے مفتیِ اعظم مولانا محمد مصطفےٰ رضا نوری کے ہمراہ بمبئی تشریف فرما ہوئے۔ طبیعت پہلے ہی سے سخت خراب تھی، بحری جہاز کے چھوٹنے کا وقت آیا، توآپ دوسرے عالم سے لو لگا رہے تھے۔ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ عیادت کیلئے تشریف لائے اور پھر روتے ہوئے تنہا جہاز پر قدم رکھا اور اِدھر ان کے رفیقِ سفر نے رفیقِ اعلیٰ سے ملاقات فرمائی۔ اِنّا للّٰہ و اِنّا الیہ راجعون۔ ؎

مدینے کا مسافر ہند سے پہونچا مدینے میں
قدم رکھنے کی بھی نوبت نہ آئی تھی سفینے میں

دوشنبہ ۲/ ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۶/ ستمبر ۱۹۴۸ء تاریخ وصال ہے۔ آیت کریمہ "اِنَّ المتقینَ فی جنّٰتٍ و عیونٍ" سے تاریخِ وصال برآمد ہوتی ہے۔

صدر الشریعہ اور شارحِ بخاری

شارحِ بخاری، فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ العالی کو یوں تو سارے بزرگان دین، علمائے کاملین سے عقیدت ہے مگر شیخ و مرشد اور افتا کا استاذ ہونے کی بنا پر حضرت صدر الشریعہ علامہ شاہ امجد علی اعظمی قدس سرہ سے غایت درجہ محبت رکھتے ہیں، اپنی مجلسوں میں بار بار ان کا تذکرہ والہانہ اور عاشقانہ انداز میں

فرماتے ہیں سچ ہے، مَنْ اَحَبَّ شیئاً اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ، کبھی صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں گزرے ہوئے لمحات سناتے ہیں کبھی صدر الشریعہ سے بیعت ہونے کا واقعہ اور سبب بیان فرماتے ہیں۔

صدر الشریعہ سے بیعت اور اس کا سبب: بیعت کا واقعہ بالتفصیل انھیں کے الفاظ میں نذرِ قارئین ہے۔

"ہمارے یہاں کے سارے اہل سنت، شیخ المشائخ، تاج الاصفیا حضرت مولانا شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں قدس سرہ کے مرید تھے، والدین جب بیعت ہوئے تھے تو میں بہت چھوٹا تھا پورے طور سے شعور بھی بیدار نہیں ہوا تھا، اس کے بعد حضرت کئی بار گھوسی تشریف لائے۔ ہر بار والد صاحب مجھے ان کی خدمت میں لے آتے دعا کے لئے عرض کرتے۔ حضرت نے بارہا میرے سر پر ہاتھ پھیرا ہے اور دعائیں دی ہیں۔

دوسری طرف حُجّۃ الاسلام، مقتدائے انام حضرت مولانا حامد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا ڈنکا ج رہا تھا۔ حضرت حجۃ الاسلام کی حیثیت کچھ کم نہ تھی اس عہد کے علما و مشائخ آپ کے حضور سر نیاز خم کرتے تھے طلعتِ زیبا ایسی نورانی اور جاذب تھی کہ بڑوں بڑوں کو غلام بنا لیا۔ صرف ان کی نورانی صورت دیکھ کر کتنے کفار مسلمان ہو گئے۔

لیکن میرا حصہ ازل سے کہیں اور تھا، حضرت صدر الشریعہ کا رنگ مبارک گندم گوں، عنبری مائل تھا لیکن بغیر کسی تحریک کے میں از خود خدمت اقدس میں حاضر ہوا، جب کہ میں مبارک پور میں پڑھ رہا تھا حضرت صدر الشریعہ جلسے میں تشریف لائے تھے۔ اس وقت کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ حضرت صدر الشریعہ بھی پیر ہیں، اندرونی کشش سے مغلوب ہو کر میں حاضر ہوا، حافظ ملت بھی موجود تھے میں نے عرض کیا مجھے مرید کر لیجئے۔ پوچھا کہاں گھر ہے؟ میں نے بتایا، گھوسی۔ پوچھا کس کے لڑکے ہو؟ میں نے کہا عبد الصمد کے۔ فرمایا ارے میں نے پہچانا نہیں، تم شریف الحق ہو۔ دروازے سے روشنی آرہی ہے کچھ چکا چوندی لگ رہی ہے اس لئے تمہارے چہرے کو دیکھا نہیں۔ فرمایا مٹھائی لائے ہو؟ میں نے عرض کیا "نہیں" اتنے میں دار العلوم اشرفیہ کے سابق ناظم حاجی محمد عمر صاحب کے صاحب زادے مولوی نثار احمد صاحب مرحوم مٹھائی لے کر آئے اور انھوں نے بھی مرید ہونے کی درخواست کی، فرمایا اچھا چلو اسی میں تمہارا کام بھی چل جائے گا۔ غالباً ہم دونوں افراد حضرت صدر الشریعہ کے پہلے مرید ہیں"

(ماھنامہ اشرفیہ، صدر الشریعہ نمبر، ص/ ۵۸، ۵۹ ملخصا)

پھر بیعت کا سبب بیان کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں

"میں آج تک خود حیرت میں ہوں کہ ہندوستان کے مشاہیر اور خاندانی مشائخ سے بیعت کا خیال کیوں نہیں ہوا اور از خود حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ کی طرف اتنا انجذاب کیوں ہوا سچ ہے۔"

ہمہ شہر پُر ز خوباں، منم و خیال ماہے
چہ کنم کہ چشم بد خو، نہ کند بکس نگاہے

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ کی باطنی جامعیت اور کمال کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سوائے صدر الشریعہ کے مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے کسی کو بھی حتی کہ شہزادگان کو بھی اپنی بیعت لینے کے لئے وکیل نہیں بنایا تھا۔ (ایضا، ص ر ۵۹)

پھر مرشدِ برحق کے روحانی کمال وعرفان اور باطنی جلالتِ شان کی یوں نقاب کشائی کرتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ حضرت صدر الشریعہ معرفت وحقیقت کے سمندر پئے ہوئے تھے مگر کیا مجال کہ کسی کو بو بھی محسوس ہوئی ہو اپنے باطنی کمالات پر علم ظاہر کی چادر اس طرح ڈالے ہوئے تھے کہ دُنیا والوں نے انھیں صرف ایک عالم سمجھا۔ لیکن حقیقت میں وہ اپنے عہد کے عرفا کی صفِ اول میں جگہ پائے ہوئے تھے۔" (ایضاً، ص ر ۶۱)

دربارِ صدر الشریعہ سے خلعتِ خلافت واجازت: ۱۳۶۷ھ میں دوسرے سفرِ حج کے موقع پر شارحِ بخاری دربارِ امجدی سے شاہ گنج اسٹیشن پر بعد نمازِ عشا خلعتِ اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، چونکہ حضرت کو اپنے کمالات چھپانے کی شدّت سے پابندی ہے اس لئے اس کو کسی سے کبھی ذکر نہیں فرمایا۔ اس کی تفصیل حضرتِ شارح بخاری ہی کی زبان سے سماعت کیجئے۔

"نمازِ عشا اور کھانے سے فارغ ہو کر فرمایا کہ اس اسٹیشن پر چور بہت ہیں، دو گروہ بنالیا جائے، کچھ لوگ بارہ، ایک بجے تک جاگیں، اور کچھ لوگ اس کے بعد۔ حضرت (صدر الشریعہ) شاہ گنج مغرب سے پہلے ہی پہنچ گئے اور گاڑی صبح کو چار بجے تھی، پوری رات شاہ گنج میں گزارنا تھا، بارہ ایک بجے تک جاگنے کے لئے کئی آدمی تیار ہو گئے۔ اس کے بعد کے لئے تین آدمی آمادہ ہوئے۔ (ایک تو) میں اور ادری کے دو صاحبان۔ میں اور ادری کے دونوں صاحبان ایک بجے کے بعد حضرت کا جسم مبارک دبا رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد ادری والوں پر نیند کا غلبہ ہوا انھوں نے مجھ سے پوچھا کہیں چائے ملے گی؟ میں نے انھیں بتایا۔ مسافر خانے میں مل سکتی ہے وہ دونوں صاحبان چائے لینے چلے گئے، میں اکیلا رہ گیا۔ حضرت نے چشم مبارک کھولی۔ پوچھا کون؟ میں

نے نام بتایا۔ فرمایا تم اکیلے ہی ہو؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ دو صاحبان اور ہیں وہ چائے لینے چلے گئے ہیں۔ اس وقت حضرت جس پیار و شفقت سے مجھے ملاحظہ فرمارہے تھے۔ اس کی لذت سے آج بھی میں سرشار ہوں۔ حضرت کی شفقت دیکھ کر مجھے ہمت ہوئی، میں نے عرض کیا۔ حضور! حج وزیارت کے لئے جارہے ہیں مجھے کچھ عطا فرمائیں۔ یہ سن کر آنکھیں بند کرلیں، کچھ دیر تک خاموش رہے۔ پھر آنکھیں کھولیں اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا "میں نے تم کو سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت دی "اس کے بعد بہت دیر تک ہاتھ پکڑے رہے اور کچھ پڑھتے رہے۔ پھر لیٹ گئے۔"

(شارح بخاری از مولانا یٰسین اختر مصباحی، ص ر ۴۷، ۴۸)

صدر الشریعہ سے استفادہ اور مشقِ افتا: جب تک شارح بخاری کا دورِ طالب علمی رہا اس وقت تک حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ باہر تدریسی فرائض انجام دیتے تھے۔ اس لئے اس زمانے میں زیادہ استفادہ کا موقع میسّر نہ ہوا۔ لیکن قریب قریب ہر سال رمضان المبارک کی تعطیل میں گھر تشریف لایا کرتے تھے۔ شارحِ بخاری کے والد مرحوم کا یہ معمول تھا کہ روزانہ بعدِ مغرب حضرتِ صدر الشریعہ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوتے، کبھی کبھی اپنے والد گرامی کے ہمراہ شارح بخاری بھی حاضری دیتے، اور حضرت سے اکتسابِ فیض کرتے۔

۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء میں حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ العزیز مستقل طور پر اپنے دولت کدہ قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں قیام پذیر تھے اور حسنِ اتفاق شارح بخاری بھی ان دنوں مدرسہ شمس العلوم گھوسی میں مدرّس ہونے کی بنا پر گھر ہی رہتے تھے۔ اس لئے تقریباً چودہ ماہ صدر الشریعہ سے اکتساب فیض کا بھرپور موقع ملا۔ آگے کی روداد حضرتِ شارحِ بخاری ہی کی زبان فیض ترجمان سے سننا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے " فإنَّ صاحبَ البیتِ أدریٰ بمَا فِیہِ" گھر والا گھر کے اندرونی حالات سے زیادہ باخبر ہوتا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں۔

"میں روزانہ دوپہر میں مدرسے (کی تدریسی ذمہ داری) سے فارغ ہو کر ظہر کے وقت تک کم از کم دو، تین گھنٹے حضرت کی خدمت میں حاضر رہتا، نجی خطوط پڑھ کر سناتا، حضرت جو جوابات ارشاد فرماتے میں ان جوابات کو لکھتا اور استفتا بھی پڑھ کر سناتا اور حضرت کے جوابات کا املا کرتا۔ لیکن یہ املا صرف املا نہیں تھا بلکہ افتا کی مشق تھی، بلکہ افتا کی تربیت تھی۔ کوئی آسان مسئلہ ہوتا تو فوراً جواب لکھوا دیتے۔ لیکن اگر مسئلے میں کوئی اہمیت سمجھتے تو فرماتے بہار شریعت میں نکالو، بہار شریعت میں جس کتاب کا حوالہ ہوتا حکم دیتے اس کو نکالو پھر کبھی کبھی دوسری کتابوں میں بھی اس کے حوالے تلاش کرنے کا حکم دیتے۔

جب "التحقیق الکامل فی قنوت النوازل" لکھوانا ہوا تو احادیث و فقہ کی پچاسوں کتابوں سے عبارتیں نکلوائیں، اور پڑھوا کر سنیں۔ اس اثنا میں میرے سیکڑوں شبہات کے جوابات بھی ارشاد فرمائے۔ خطوط اور مسائل کے جوابات سے جو وقت بچتا اس میں مجموعۂ فتاویٰ کو پڑھ کر سناتا۔ حضرت جس باب کا مسئلہ ہوتا اس کو مسئلے کے ساتھ لکھوا دیتے۔ فتاویٰ کی دو جلدیں تھیں، ایک بادامی کاغذ پر جس میں زیادہ تر فتوے بلکہ تقریباً کل اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وصال کے بعد بریلی شریف کے قیام کے زمانے کے لکھے تھے۔ دوسری سفید کاغذ کی جلد تھی اس میں اجمیر شریف، دادوں (ضلع علی گڑھ) اور گھوسی کے قیام کے زمانے کے لکھے ہوئے فتاویٰ تھے اس طرح مجھے فتویٰ لکھنے کی مشاقی کرائی۔ یوں کہئے کہ انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔"

(ایضاً، ص ر ۴۵، ۴۶)

اور دوسری جگہ یوں گویا ہیں۔

"میں اگرچہ اس سے محروم رہا کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ سے درسِ نظامی کی کوئی کتاب پڑھتا مگر یہ مجھ پر اللہ عزوجل کا بہت بڑا فضل ہے کہ مجھے سال بھر تک اس طرح حضرت کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا کہ میں ہوتا اور حضرت ہوتے، تیسرا کوئی نہ ہوتا۔ کتبِ حدیث و فقہ و تفاسیر کے ہزاروں صفحات فتویٰ نویسی کے وقت میں پڑھ کر سناتا۔ ادنیٰ سی غلطی پر ٹوکتے، پھر جلد بتاتے نہیں بلکہ پوچھتے کیا صحیح ہے؟ اگر میں گرتے پڑتے صحیح بتا دیتا تو چہرے پر بشاشت ظاہر ہو جاتی اور اگر نہ بتا پاتا تو کبھی مسکرا کر پیار سے بتاتے اور کبھی اتنے زور سے ڈانٹتے کہ حجرۂ مبارکہ گونج جاتا، میں چونکہ مزاج آشنا تھا اس لئے سخت سے سخت ڈانٹ پر بھی میرے اوسان خطا نہ ہوتے، کبھی کبھی تو یہ ہوتا کہ حضرت ڈانٹتے اور میں مسکراتا رہتا۔ افسوس ہے کہ اس قسم کی باتیں اب ذہن میں نہیں، البتہ ایک بات یاد رہ گئی ہے جو اگرچہ کتب سے متعلق نہیں مگر حضرت کے طرزِ تعلیم کی نشاندہی کرتی ہے۔ میں حضرت کو اخبار سنا رہا تھا بغداد کے متعلق کوئی خبر تھی، میں نے اس کو بُغداد (با پر پیش کے ساتھ) پڑھا، فوراً ٹوک دیا، کیا پڑھا؟ میں فوراً سنبھل گیا، میں نے عرض کیا بَغداد (با کے زبر کے ساتھ) فرمایا بَغداد کیسے؟ میں نے عرض کیا اصل میں باغِ داد تھا۔ یہ سنتے ہی مسکرا پڑے اور بہت خوش ہوئے۔"

(اشرفیہ، صدر الشریعہ نمبر، ص ر ۴۳، ۴۴ ماہ اکتوبر، نومبر)

"ایک مرتبہ فتاویٰ کا رجسٹر نظر سے بہت قریب کر کے ملاحظہ فرما رہے تھے میں نے

سلام عرض کیا پورے جلال میں فرمایا۔ یہ کیا لکھ دیا ہے ؟ وعلیکم السلام۔ بنارس کو نبارس اور کمند گران کو مکند گران۔ اور پھر اس کے بعد مسلسل نقطوں کی نشست کی غلطی اور حروف کی صحیح شکل نہ لکھنے پر تنبیہ فرماتے رہے۔"

(ایضاً، ص ر ۴۴)

شفقت و محبت : حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ العزیز جہاں دورانِ تعلیم وتربیت جھڑکتے ڈانٹتے اور طرح طرح سے تنقید فرماتے، نقص نکالتے جس طرح حرکات بے دردی کے ساتھ پتھروں کو تراش کر، رگڑ کر، گھس کر نگینہ بنایا جاتا ہے وہیں دل میں بے پناہ محبت فرماتے اور بعد میں غایت درجہ شفقت سے پیش آتے۔ حضرت شارحِ بخاری بیان فرماتے ہیں۔

اسی اثنا (گھوسی میں قیام کے دوران) ایک بار میں بیمار پڑا، اور ایک دن حاضر نہیں ہوا تو عیادت کے لئے غریب خانہ تشریف لائے۔ ایک بار میرا بچہ بیمار ہوا، میں نے تعویذ مانگا، تو اس کے باوجود کہ بینائی کمزور تھی، لکھنا مشکل تھا اپنے دستِ مبارک سے تعویذ لکھ کر عطا فرمایا پھر اس کو دَم فرمانے کے لئے گھر آئے۔ ایک بار بھائیوں سے کچھ معاملات کی بنا پر والد صاحب مجھ سے ناراض ہو گئے اور جا کر صدر الشریعہ سے شکایت کی، چوں کہ حق میرے ساتھ تھا اس لئے والد صاحب کو بہت ڈانٹا۔ اخیر سفرِ حج کے لئے جس صبح کو گھر سے نکلنے والے تھے اس کی شب میں بعدِ عشا میں حاضر ہوا، حضرت لیٹے ہوئے تھے، میں حضرت کا پاؤں دبانے لگا۔ حافظِ ملت قدس سرہ بھی موجود تھے۔ چونکہ حضرت کا جسم مبارک پُر گوشت اور سخت تھا اور میں کمزور، میرے بارے میں پوچھا یہ کون ہے ؟ میں نے نام بتایا۔ فرمایا تم ہو۔ حافظ ملت کو حیرت ہوئی، انھوں نے سمجھا کہ شاید میں کبھی حاضر نہیں ہوتا تھا۔ حضرت سے دریافت فرمایا کیا یہ خدمت میں حاضر نہیں ہوتے ؟ تو فرمایا یہ بے چارہ دن میں روز آتا تھا، دو دو گھنٹے، تین تین گھنٹے رہتا، سارے ڈاک کے فتاوے یہ لکھتا تھا۔ چار گھنٹے مدرسے میں پڑھا کر تھکا ہوا رہتا تھا مگر پھر بھی آتا تھا۔ بارہ بجے کے بعد جب ہم لوگ واپس ہونے لگے فرمایا صبح کو جلدی آنا، چوں کہ دولت خانے سے اسٹیشن کا فاصلہ دس منٹ کا ہے، میں ساڑھے آٹھ بجے پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت صدر الشریعہ ساڑھے سات بجے ہی گھر سے نکلے اور پوچھا مولوی شریف الحق، مولوی جیلانی، مولوی یزدانی آگئے ؟ کچھ خفگی سے فرمایا میں نے کہہ دیا تھا صبح کو جلدی آنا اور یہ لوگ اب تک نہیں آئے۔ میں نے حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو فرمایا اتنی دیر میں آئے ؟ اس مبارک سفر کے

موقع پر اپنے اس کفش بردار کا اتنا خیال رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ دل میں بے پناہ محبت تھی شفقت تھی۔"

(شارحِ بخاری، ص ۴۶، ۴۷)

نماز کی امامت: حضرت شارحِ بخاری نماز کے پابند اور شروع ہی سے اس کا اہتمام فرماتے ہیں اس لئے صدر الشریعہ آپ کو رمضان المبارک میں عشا کی نماز اور سورۂ تراویح کے لئے امام بناتے اور خود ان کی اقتدا فرماتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدر الشریعہ کو نماز کی پابندی اور شرائط امامت پر پورا اترنے کے سلسلے میں حضرت شارحِ بخاری پر بھر پور اعتماد اور کامل وثوق تھا اور یہ حقیقت اس تناظر میں اور نمایاں ہو جاتی ہے کہ اس وقت وہاں بہت سے علمائے کرام موجود ہوتے تھے شارحِ بخاری دام ظلہ العالی فرماتے ہیں۔

"چونکہ صحیح خواں حافظ کوئی نہیں ملتا تھا اس لئے حضرت سورۂ تراویح پڑھا کرتے تھے اور رمضان المبارک میں عشا کی نماز اور تراویح میں مجھے امام بناتے تھے۔ حالانکہ دوسرے علمائے کرام بھی موجود ہوتے تھے۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالك" (ایضا، ص ۴۶، ۴۷)

(۲) مفتی اعظم ہند حضرت مولانا محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری بریلوی قدس سرہ العزیز

حضور مفتی اعظم ہند مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا قادری نوری بریلوی قدس سرہ مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی کے خلفِ اصغر ہیں، آپ کی ذاتِ والا صفات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ اگر ایک طرف تبحر عالم، معتبر اور مستند فقیہ، ممتاز متکلم، مختلف علوم وفنون کے ماہر اور شعر وادب کے مزاج آشنا تھے تو دوسری طرف ریاضت وعبادت، مکاشفہ ومجاہدہ، تقویٰ وپرہیز گاری، زہد وورع اور اسرار باطنی کے بھی محرم تھے، ہر میدان میں ان کے خلوص وللّٰہیت کی جلوہ گری نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے، وہ ایک ایسی شمع تھے جس کے گرد لاکھوں پروانے اکتسابِ نور کی خاطر اپنی زندگیوں کو داؤں پر چڑھائے رہتے ہیں۔

ولادت ونسب: آپ کا اصلی نام "محمد" ہے۔ غیبی نام "آل الرحمٰن" ہے، پیرومرشد سید المشائخ حضور سیدنا شاہ ابو الحسین نوری مارہروی نے آپ کا نام "ابو البرکات محی الدین جیلانی" تجویز فرمایا، والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ نے عرفی نام "مصطفیٰ رضا" رکھا، فن شاعری میں آپ اپنا تخلص "نوری" فرماتے ہیں۔ مگر

عرفی نام اس قدر مشہور ہوا کہ خاص وعام میں آپ کو اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

آپ کی ولادت ۲۲؍ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/ ۷؍ جولائی ۱۸۹۳ء کو (صوبہ اتر پردیش کے مشہور شہر) بریلی میں ہوئی۔ (محدث اعظم پاکستان، مولانا جلال الدین قادری، ج/۱، ص/۶۵)

بیعت و خلافت: حضرت مفتی اعظم ہند کی عمر ابھی چھ ماہ کی تھی کہ مرشد کامل حضور سیدّ المشائخ علامہ شاہ ابو الحسین احمد نوری مارہروی رحمۃ اللہ علیہ بریلی شریف تشریف لائے تو آپ کو اپنی آغوش مبارک میں لے کر دعاؤں سے نوازا اور منہ میں انگلی ڈال کر اپنا مرید فرما کر جمیع سلاسل کی خلافت سے سرفراز فرمایا۔

(ماہنامہ استقامت کان پور، مفتی اعظم نمبر مئی ۱۹۸۳ء، ص/۱۱۱)

بیعت کرتے وقت مرشدِ کامل نے فرمایا:۔ ”یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوقِ خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا، یہ بچہ ولی ہے، اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ انسان دینِ حق پر قائم ہوں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا“ (پندرہ روزہ رفاقت پٹنہ ۱۵؍ دسمبر ۱۹۸۱ء ص/۱۳)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی اپنے خلفِ اصغر کو جمیع اور ادو اشغال، اوفاق و اعمال اور جمیع سلاسلِ طریقت و شریعت میں ماذون ومجاز بنایا۔

تعلیم و تربیت: حضرت مفتی اعظم قدس سرہ جب سخن آموزی کی منزل عبور کر چکے تو امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے بڑے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا قدس سرہ سے فرمایا:۔ ”میری مصروفیات سے تم باخبر ہو، تم اپنے بھائی کو پڑھاؤ۔ وہ بڑی محنت اور لگن کے ساتھ حضرتِ مفتی اعظم کو پڑھانے لگے۔ آپ نے صرف تین سال کی عمر میں ناظرہ قرآن کریم ختم کر لیا۔ ناظرہ قرآن کریم کی تکمیل کے بعد امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کے حکم سے استاذ الاساتذہ حضرت علامہ شاہ رحم الٰہی منگلوری اور مولانا بشیر احمد علی گڑھی نے آپ کو تعلیم دی۔ (ماہنامہ استقامت، مفتی اعظم نمبر، ص/۱۹۸ ملخصا)

اور اصل تعلیم و تربیت تو اپنے والد ماجد امام احمد رضا قدس سرہ سے پائی۔ پھر ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء بعمر اٹھارہ سال جملہ علوم وفنون منقولات ومعقولات پر عبور حاصل کر کے دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف سے فراغت پائی۔

فتویٰ نویسی: حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے جس ماحول میں پرورش پائی وہ علم وفضل میں یکتائے روزگار تھا عالم اسلام کی مایہ ناز عبقری شخصیت امام احمد رضا قدس سرہ نے تربیت کی اور تعلیم دی۔ یہ کوئی تھوڑا کمال نہیں، تاہم مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے خمیر وضمیر اور فطرت وسرشت میں تفقّہ فی الدین کا ملکہ ودیعت کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اٹھارہ

برس کی عمر میں ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء میں آپ نے قلم برداشتہ پہلا فتویٰ تحریر فرمایا۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ دارالافتا بریلی میں امام احمد رضا قدس سرہ کی زیر نگرانی ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری اور مولانا سیّد عبد الرشید کام کرتے تھے۔ ایک روز اتفاقاً حضرت مفتی اعظم قدس سرہ وہاں تشریف لائے۔ دیکھا کہ مولانا ظفر الدین بہاری کسی مسئلہ کی وضاحت کے لئے فتاویٰ رضویہ (قلمی) الماری سے نکال رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ مولانا! کیا آپ فتاویٰ رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہیں۔ اس پر ملک العلما مولانا ظفر الدین نے فرمایا۔ اچھا آپ بغیر دیکھے جواب لکھ دیں تو جانیں۔ مفتی اعظم نے قلم برداشتہ استفتا کا جواب تحریر فرمایا یہ رضاعت کا مسئلہ تھا۔ فتویٰ اصلاح کے لئے امام احمد رضا قدس سرہ کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے صحتِ جواب پر مسرّت و اطمینان کا اظہار فرمایا اور " صَحّ الجواب بعون الله العزیز الوهّاب" لکھ کر دستخط ثبت فرمادیئے۔ یہی نہیں بلکہ بطور انعام "ابو البرکات محی الدین جیلانی آل رحمٰن محمد عرف مصطفیٰ رضا" کی مہر بنوا کر دی۔

آپ نے اپنے والد ماجد امام احمد رضا قدس سرہ کی حیات ظاہری میں ۱۳۲۸ھ سے ۱۳۴۰ھ تک تیرہ برس تک فتاویٰ لکھے۔ والد ماجد کے وصال کے بعد ۱۳۹۵ھ تک مسلسل فتویٰ نویسی فرمائی۔ بعد ازاں بوجہ ضعف و علالت فتویٰ نویسی کا کام نہ ہو سکا۔ تاہم آخری لمحات تک مفتیانِ دین کی علمی مشکلات کو زبانی حل فرماتے رہے۔ اس طرح ستر برس کے طویل عرصہ تک بلا معاوضہ فتویٰ نویسی فرمائی، آپ کے پاس برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش کے علاوہ ممالک افریقہ، امریکہ، سری لنکا، ملیشیا، مشرق وسطیٰ اور یورپ تک کے علما فتویٰ کے لئے رجوع فرماتے تھے۔ (محدّث اعظم پاکستان، ج/۱، ص/۶۹)

تدریس: حضرت مفتی اعظم ہند نے مدرسہ منظر اسلام یا مظہر اسلام میں کبھی درس نہیں دیا لیکن دولت خانہ پر تشریف رکھتے ہوئے اگر کسی نے پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو اسے پڑھا دیا۔ حضرت محدّث اعظم پاکستان کو بھی اسی طرح پڑھایا ہے۔ کچھ لوگوں نے لکھ دیا ہے کہ مفتی اعظم ہند نے منظر اسلام و مظہر اسلام دونوں میں درس دیا ہے یہ صحیح نہیں۔ شارحِ بخاری نے فرمایا کہ میں نے خود مفتی اعظم سے دریافت کیا تو فرمایا کہ نہیں اور اس کے اسباب بھی بیان فرمائے۔ اور جب مظہر اسلام قائم فرمایا تو اس وقت حضرت کی طرف عوام کا اتنا رجوع ہو چکا تھا کہ پڑھانے کا وقت ملنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

تلامذہ و مستفیدین: آپ کی ذاتِ بابرکت سے مستفیض ہونے والوں کی ایک لمبی قطار ہے جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔ خیال رہے کہ ان میں بعض تو وہ ہیں جنھوں نے باضابطہ آپ سے درسی کتابیں پڑھیں اور بعض وہ ہیں جنھوں نے فتویٰ نویسی یا کسی اور طریقے سے آپ کے خرمنِ علم سے خوشہ چینی کی۔

(۱) محدّث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد گورداس پوری ثم لائل پوری (۲) فقیہ عصر مولانا اعجاز ولی خاں رضوی بریلوی (۳) رئیس الاتقیا مولانا مبین الدین امروہوی (۴) فقیہ الہند شارحِ بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی (۵) مولانا محمد ریحان رضا خاں رضوی بریلوی (۶) فقیہ اسلام مولانا محمد اختر رضا خاں ازہری (۷) مفتی افضل حسین مونگیری (۸) مولانا قاضی عبدالرحیم بستوی وغیرہم۔ مذکورہ بالا ہستیوں میں سے ہر ایک اپنے وقت کا آفتاب و ماہتاب ہے جو پوری فیاضی کے ساتھ مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے فیضانِ علمی کا باڑ لابانٹ رہا ہے اور عوام و خواص اس سے بہرہ مند ہو رہے ہیں۔

مفتی دار القضا: حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی نوجوانی کا زمانہ تھا۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز نے تقاضائے وقت کے پیش نظر بریلی شریف میں دار القضاء شرعی کا قیام فرمایا۔ چونکہ قاضی کے لئے کافی تربیت، تفقّہ اور تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس اعتبار سے حاضرینِ دربارِ رضوی میں سب سے زیادہ فائق حضرتِ صدر الشریعہ تھے اس لئے انھیں قاضی بنایا اور حضرت مفتی اعظم ہند اور حضرت برہان ملت مولانا مفتی برہان الحق جبل پوری علیہما الرحمہ کو ان کی اعانت کے لئے مفتی دار القضا کے منصب پر فائز فرمایا۔

اس دار القضا میں اگرچہ حضرت مفتی اعظم ہند، حضرت صدر الشریعہ کے ماتحت تھے مگر غور کر لیجئے کہ یہ دار القضا کوئی معمولی دار القضا نہ تھا، پورے ہندستان کا سب سے بڑا مرکزی دار القضا تھا جسے سپریم کورٹ کہہ لیجئے اور اس دار القضا میں مفتی کی وہی حیثیت تھی جو کسی بنچ کے چند ججوں کی ہوتی ہے۔ ایک نوعمر نوجوان کو سپریم کورٹ کی بنچ کے ججوں میں شامل کرنا اتنا بڑا اعزاز ہے کہ کہنہ مشقوں کو بھی شاید باید نصیب ہوتا ہے اس نوعمری میں سب سے بڑے دار القضا کا رکن بنانا ہی اس کی دلیل ہے کہ ایک دن آئے گا کہ یہ نوعمر پوری دنیا کے علما میں وہ حیثیت حاصل کرلے گا کہ اس کی حیثیت عالمی سپریم کورٹ کے اعلیٰ جج کی ہو جائے گی۔ اور دنیا نے اپنے چشم سر سے دیکھ لیا کہ حضرت مفتی اعظم ہند اپنے عہد میں پوری دنیائے سنیت کے صرف قاضی القضاۃ ہی نہ تھے بلکہ روحانی شہنشاہ تھے۔

(مفتی اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینے میں۔ از فقیہ عصر مفتی محمد شریف الحق امجدی، ص ۷)

تبحرِ علمی: آپ علوم فنون کے بحر زخار تھے تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ حدیث، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، معانی، بیان، بدیع، نحو و صرف وغیرہ علوم مروّجہ کے علاوہ بہت سے غیر مروّجہ علوم مثلاً علم توقیت، تکسیر، جفر وغیرہ پر بھی آپ کو دسترس تھی آپ کے تبحر علمی کا اندازہ اس سے لگایئے کہ آپ کی عمر مبارک کے نوجوانی کے ایام تھے کہ علمائے رام پور سے، "مسئلہ اذانِ ثانی" پر بحث چھڑ گئی۔ علمائے رام پور معمولی علما نہ تھے یہ وہ اکابر ملت تھے کہ جن کے علم و فضل کا رعب پورے ہندستان پر چھایا ہوا تھا۔ یہ شمس العلما مولانا عبد الحق بن علامہ فضل حق خیر آبادی جیسے بطل

جلیل کے وارث تھے جب بانی دیوبندیت قاسم نانوتوی رام پور آئے تو ان علما کی ہیبت سے اپنے کو ظاہر نہ کر سکے، سرائے میں ایک خفیہ کوٹھری میں قیام رہا اور اپنا نام تبدیل کر کے لکھوایا۔

علمائے رام پور نے اس مسئلہ پر اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ بحث شروع کر دی۔ مجدّدِ اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرّہ نے ان کے اِفہام و تفہیم کے لئے اپنے اس نوجوان فرزند کو حکم دیا، حضرت مفتی اعظم ہند نے ان حضرات کے ابحاثِ علمیہ کے ایسے مدلّل، مُسکت اور فصیح جواب دئے کہ وہ دم بخود رہ گئے، ان پر وہ گرفتیں کیں کہ وہ حضرات انگشت بدنداں رہ گئے۔ جس کا جی چاہے اس وقت کے رسائل وقایۂ اہل السنۃ، نفی العار وغیرہ کا مطالعہ کر لے۔

(ایضاً، ص ر ۵، ۶)

تصنیف و تالیف: اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ قلمی قوّت سے نوازا تھا آپ کی تحریروں میں آپ کے والد ماجد مجدّدِ اعظم امام احمد رضا قدس سرّہ کے اسلوب کی جھلک اور ژرف نگاہی نظر آتی ہے۔ تحقیق کا کمال بھی نظر آتا ہے اور تدقیق کا جمال بھی۔ فقہی جزئیات پر عبور کا جلوہ بھی نظر آتا ہے اور علامہ شامی کے تفقہ کا انداز بھی۔ امام غزالی کی نکتہ سنجی، امام رازی کی دقتِ نظر اور امام سیوطی کے وسعتِ مطالعہ کی جلوہ گری بھی ہوتی ہے۔

آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات اور ہمہ جہت مشاغل کے باوجود مختلف موضوعات پر تصنیفات و تالیفات کا ایک گراں قدر ذخیرہ چھوڑا۔ ان میں سے بعض کے اسمایہ ہیں۔

(۱) فتاویٰ مصطفویہ اول و دوم (۲) وقعات السنان (۳) ادخال السنان (۴) الموت الاحمر (۵) ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت (۶) الطاری الداری لھفوات عبد الباری (۷) القول العجیب فی جواز التثویب (۸) سامانِ بخشش (۹) تنویر الحجۃ بالتواء الحجۃ (۱۰) ہشتاد بید و بند (۱۱) طرق الھدیٰ والارشاد (۱۲) وقایۂ اہل السنۃ وغیرہ

اوصاف حمیدہ: آپ کے اعمال و افعال سنتِ نبوی کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ آپ اخلاص و وفا کی ایک شمع، عزیمت و استقلال کا کوہِ وقار، زہد و تقویٰ، ایمان و ایقان، صداقت و دیانت کے پیکر جمیل تھے، عشقِ مصطفےٰ اور حبّ اولیا کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، سنّت کی نصرت و حمایت اور بدعت کے استیصال و مخالفت میں ہمیشہ مصروف رہتے تھے۔ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل اپنے والدِ ماجد مجدّدِ اعظم امام احمد رضا قدس سرّہ سے ورثہ میں پایا تھا۔ ذہانت و ذکاوت، علمی تعمّق اور بصیرت ایسی کہ جہاں بھی اربابِ علم و دانش اور اصحابِ فکر و بصیرت کی محفلوں میں پہنچتے میرِ مجلس آپ ہی ہوتے۔ بے کسوں اور بے نواؤں کے حامی، دنیاداروں اور اربابِ اقتدار سے دور اور نفور تھے، اخلاقی و روحانی اقدار کے محافظ و امین اور گم گشتگانِ راہ کے لئے مینارۂ نور تھے، آپ کا ہر ہر قدم سنّت مصطفےٰ کا آئینہ دار تھا۔ تقویٰ و پرہیزگاری کا یہ عالم کہ جس چیز کو شریعتِ مصطفویہ کی روشنی میں ناجائز سمجھا اس سے زندگی بھر اجتناب فرمایا۔ فوٹو آپ کے نزدیک حرام ہے

ساری عمر فوٹو نہ ہوایا۔ اسی لئے باوجود بڑی خواہش کے بغداد شریف اور دیگر مقاماتِ مقدسہ پر حاضری نہ دے سکے۔ غیرتِ دینی کا یہ حال کہ بانوے ۹۲ برس کی طویل عمر پانے کے باوجود کبھی بھی کسی سربراہِ مملکت کے یہاں نہ گئے بلکہ کتنے سربراہوں اور صاحبانِ اقتدار نے خود ان کی مجلس میں باریاب ہونے کی اجازت چاہی مگر اپنے فقرِ غیور کے باعث یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ایک درویش کا بادشاہوں، اور اربابِ حکومت سے سروکار ہی کیا ہے۔

شعر و شاعری: حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کو شاعری ورثہ میں ملی تھی۔ آپ کی شاعری قرآن وحدیث اور اقوال صالحین وبزرگانِ دین سے مزین ہے، آپ نے حمد، نعت اور منقبت سب کچھ کہا ہے، ہر ایک میں زبان وبیان کی بھرپور چاشنی ملتی ہے اور رنگِ تغزل جھلملاتا ہے، لطافت، صداقت، تعمق معنوی، نکتہ سنجی، فصاحتِ کلمات اور بلاغتِ اشعار کی جان ہیں۔ آپ کا تخلص نوریؔ ہے مجموعۂ کلام بنام "سامانِ بخشش" طبع ہو کر اربابِ علم وادب سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔ تفصیل کے لئے مجموعۂ کلام کا مطالعہ مفید ہوگا۔

حلقۂ ارادت: آپ کا حلقۂ ارادت اتنا وسیع ہے کہ اس کے اعداد و شمار لکھنا قریب قریب محال ہے برِّصغیر ہندوپاک کے علاوہ دنیا کے بیشتر ملکوں میں آپ کے مریدین موجود ہیں یہاں تک کہ حرمین شریفین کے کچھ افراد بھی آپ کے مریدین میں شامل ہیں جن میں سے بعض صفِ علما سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ مریدین کی تعداد تو بے شمار ہے ان میں بڑے بڑے علما، صلحا، مشائخ، ادبا، شعرا، دانشور اور پروفیسر صاحبان بھی شامل ہیں۔ آپ کے خلفا کی تعداد اتنی ہے جتنی بڑے بڑے پیروں کے مریدوں کی۔ یہ تعداد بھی سیکڑوں میں ہے وہ بھی معمولی نہیں ایسے جلیل و عظیم جو اپنے وقت میں اہل سنت کے صفِ اول کے معتمد اور مستند تھے۔

وصال پُر ملال آپ شبِ پنج شنبہ ۱۴؍ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۲؍ نومبر ۱۹۸۱ء ایک بج کر چالیس منٹ پر مسلمانانِ عالم اور کروروں عقیدت مندوں کو اچانک داغ مفارقت دے گئے۔ بی. بی. سی لندن، آل انڈیا ریڈیو، پاکستان ریڈیو، اور اخبارات ورسائل نے اس المناک و حشت ناک حادثہ کی خبر ساری دنیا میں پھیلادی جس سے مسلمانوں پر ایک بجلی سی گر پڑی اور اور سوگواروں کے قافلے بریلی کی جانب چل پڑے، کاروں، بسوں، ٹرینوں اور ہوائی جہازوں سے علما و فضلا، مختلف ممالک کے سفرا اور نمائندگانِ حکومت تقریباً دس لاکھ کی تعداد میں جمع ہو گئے، تین بج کر بیس منٹ پر بعد نماز جمعہ اسلامیہ کالج بریلی کے وسیع وعریض میدان میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

(استقامت کان پور، مفتی اعظم ہند نمبر، ص ۳۱۶)

قطعۂ تاریخ یہ ہے۔

ہجری ست سال "سوے بہشتِ بزرگ قصر"	"پرواز کرد مفتی اعظم" بہ عیسوی ست
۲ ۰ ۱۴ ھ	۸۱ ۱۹ء

(قتیلؔ داناپوری)

اور آیتِ کریمہ "اِنَّ المتقینَ فی جنّاتٍ و نعیم" تاریخِ وصال ہے۔

مفتی اعظم قدس سرّہ اور شارحِ بخاری

فقیہ و مفتی کی حیثیت سے حضرت شارحِ بخاری مدظلہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، اس وقت آپ کی ذات برصغیر ہندو پاک کے علاوہ دنیا کے دیگر خطوں میں بسنے والے ان تمامی مسلمانانِ اہل سنت کی مرجع فتاویٰ ہے جو اردو زبان بولتے اور سمجھتے ہیں، فقہ وافتا کے میدان میں آپ کو جو کمال، بالغ نظری، گہرائی اور گیرائی حاصل ہے اس میں جہاں آپ کی شبانہ روز کی کاوش، جدوجہد، بے پایاں محنت و مشقت، فطری صلاحیت، لیاقت اور ذکاوت کو دخل ہے وہیں حضرتِ مفتی اعظم ہند قدس سرّہ العزیز کی گیارہ سال تک کے طویل زمانے کو محیط اصلاح و تربیت کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے۔ آپ نے حضرتِ مفتی اعظم ہند قدس سرہ سے زندگی کے اس مرحلے میں اکتساب فیض کیا جو ایک انسان کی زندگی کا سب سے قیمتی اور اہم مرحلہ ہوتا ہے جب انسان کی ذہانت و فطانت کی پرواز نقطۂ عروج پر اور اس کے قوائے جسمانی پورے شباب پر ہوتے ہیں یعنی ۳۵ سے لے کر ۴۶ برس کی عمر کا زمانہ۔ اس وقت آپ نے بارگاہِ نوری سے کیا حاصل کیا اور رضوی میکدہ سے کتنا سیراب ہوئے، اُس فیاض ساقی اور اِس سراپا شوق رند کے سوا اور کون بتا سکتا ہے؟ ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں بلبل چہ گفت، گل چہ شنید و صبا چہ کرد

اب ذیل میں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے آپ کے روابط و تعلقات اور حضرت کی آپ پر کرم فرمائیوں، مہربانیوں اور شفقتوں کی روداد پیش کی جاتی ہے جو بہت سے نادر و نایاب علمی، اصلاحی اور تربیتی پہلوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے جس کا مطالعہ تلمیذ، مستفیض اور مسترشد کے ساتھ ساتھ استاذ، مصلح اور مربّی کے لئے بھی مفید اور نفع بخش ہوگا۔

مفتی اعظم کی پہلی نوازش: آپ نے وسط شوال ۱۳۶۱ھ مطابق اکتوبر ۱۹۴۲ء میں حضرت مفتی اعظم کی زیر سرپرستی چلنے والے مدرسہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی بریلی میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا، ۱۵ر شعبان ۱۳۶۲ھ

مطابق ۱۶ ر اگست ۱۹۴۳ء کو وہیں سے دستار بندی ہوئی اس طرح تقریباً دس مہینے وہاں آپ نے گزارے، چونکہ وہاں طلبہ کے رہنے کے لئے کوئی دار الاقامہ نہ تھا اور نہ ہی مطبخ تھا، سبھی طلبہ مساجد میں رہتے تھے۔ آپ کا قیام بھی ایک مسجد میں تھا، قریب قریب ایک بجے مدرسہ سے مسجد واپس ہوتے پھر مسلسل ظہر، عصر، مغرب، عشا چار نمازوں کی امامت کی ذمہ داری نبھاتے، صبح پھر پڑھنے کے لئے مدرسے میں حاضر ہو جاتے۔ اس لئے اس وقت آپ کو اتنا موقع نہیں ملتا تھا کہ آپ حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی خدمت میں زیادہ حاضری دیتے۔ پھر بھی کبھی کبھی موقع نکال کر حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوتے۔ مگر اس وقت تک حضرت کی خصوصی نظر کرم آپ پر نہ ہوئی تھی۔ خصوصی کرم اور نوازش کی ابتدا سالانہ امتحان سے ہوئی۔ اس کا واقعہ خود حضرت شارح بخاری کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

> ''مدارس کے دستور کے مطابق ہر کتاب میں امتحان کے لئے ایک مخصوص مقدار اساتذہ مقرر کر دیتے تھے، اسی میں طلبہ بھرپور تیاری کرتے تھے، ہماری بخاری شریف بلکہ صحاح ستہ پوری ہو چکی تھی، مگر کتاب میں مقدار امتحان قریب قریب چوتھائی کتاب کے تھی، جماعت میں میرا نام تیسرے نمبر پر تھا (اس امتحان میں بحیثیتِ ممتحن حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی قدس سرہ تشریف لائے تھے) جب ہم لوگ بخاری شریف کا امتحان دینے بیٹھے اور صدر الشریعہ کو بتایا گیا کہ مقدار امتحان اتنی ہے تو جلال آگیا، ڈانٹ کر فرمایا میں مقدارِ امتحان نہیں جانتا جتنی کتاب پڑھی ہے سب کا امتحان ہوگا، کتنی پڑھی ہے؟ جن کا پہلے نمبر پر نام تھا انھوں نے عرض کیا پوری بخاری ختم کی ہے۔ حضور صدر الشریعہ نے تقریباً بخاری جلد اول کا نصف کھول کر فرمایا یہاں سے پڑھو۔ اب تو ہم لوگوں کے ہوش اڑ گئے لیکن ہماری جماعت کے بہت سے افراد نے محنت سے پڑھا تھا اس لئے ان دونوں صاحبان نے کسی نہ کسی طرح بہ آبرو امتحان دے دیا۔ میں بہت ڈر رہا تھا۔ ایک تو حضرت کا رعب، دوسرے یہ احساس کہ پتہ نہیں کہاں سے امتحان لیں۔ میرے ساتھ بھی یہی حادثہ پیش آیا حضرت نے اندازے سے بخاری شریف کھول کر فرمایا کہ یہاں سے پڑھو میں نے جہاں سے حضرت نے فرمایا وہیں سے پڑھا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ابواب اور احادیث کی توضیح و تشریح اور مناسبت بھی بیان کر دی اور حضرت کے تین چار سوالات کے جوابات بھی دے دیئے۔ چار جگہ سے پڑھوایا۔ ہر جگہ میں نے تسلی بخش تقریر کی اور جوابات دیئے جس سے حضرت صدر الشریعہ بہت خوش ہوئے، چہرے پر بشاشت کے آثار نمایاں تھے اور مجھے اسّی نمبر عطا فرمائے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ اتنے زیادہ نمبر حضرت صدر الشریعہ نے شاید ہی کسی کو دیئے

ہوں- حضرت مفتی اعظم ہند، صدر الشریعہ کے بغل میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے پورا امتحان سنا بلکہ خود بھی ایک سوال فرمایا تھا۔ حضرت مفتی اعظم ہند بھی باغ باغ تھے۔ اس لئے مدرسے کی عام سند کے علاوہ اپنی مخصوص سند عطا فرمائی اور اس سند پر حضرت صدر الشریعہ سے دستخط کرایا اور خود مختصر مضمون لکھ کر کے دستخط فرمایا۔" (شارح بخاری، ص ر ۴۹، ۵۰)

شیخ کی نگاہ میں قدر و منزلت: حضرت شارحِ بخاری کی علمی لیاقتوں، فنّی صلاحیتوں، حسن تدریس نے بہت تھوڑی ہی مدت میں آپ کی شہرت کا سامان پیدا کر دیا تھا جس کی بو آپ کے شیخ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے بھی محسوس کر لی تھی اور ان کے قلب میں آپ کی محبت و وجاہت کی رسائی ہو چکی تھی۔ مگر اس بات کا اظہار پہلی مرتبہ اس وقت ہوا جب کہ خیر الاذکیا حضرت مولانا غلام یزدانی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف کا انتقال ہوا اور وہاں کی مسندِ تدریس سونی ہو گئی۔ حضرت شارحِ بخاری بھی اس حادثۂ جاں کاہ کی اطلاع پا کر بریلی شریف پہنچ گئے۔ کفن، دفن سے فراغت کے بعد آپ حضرتِ مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اس وقت وہاں مفتی ظفر علی نعمانی کراچی سے آئے ہوئے تھے، حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب مئوی بھی حاضر بارگاہ تھے جو اس وقت منظر اسلام بریلی میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ بڑی دیر تک خیر الاذکیا، کے فضائل و مناقب، محاسن و کمالات بیان فرماتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا۔ اب ان کے بدل کا معاملہ ہے۔ پھر شارحِ بخاری سے فرمایا کہ "اگر آپ آجائیں تو بہت بہتر رہے گا" مفتی اعظم قدس سرہ جیسی ذاتِ والا صفات اپنی مرضی سے اس منصب جلیل کے لئے آپ کا انتخاب فرمائے تو بھلا آپ کو کیا عذر ہو سکتا تھا۔ اس لئے آپ نے فوراً سر تسلیم خم کر دیا اور حضرت کی اس عزت افزائی کا اثبات میں جواب دیا اور عرض کیا حضور! مجھے پپچھڑ واضلع گونڈہ جانا پڑے گا اور اُن لوگوں سے اجازت لینی پڑے گی۔ میں ان شاء اللہ تعالیٰ بقر عید بعد حاضر ہو جاؤں گا، اس دن ذی الحجہ کی ۵ ر تاریخ تھی۔ حضرت نے فرمایا کوئی حرج نہیں، آپ بقر عید بعد آجائیں۔

صبح کو مفتی ظفر علی نعمانی صاحب نے آپ سے کہا کہ مولانا ثناء اللہ صاحب منظر اسلام میں ہیں اور بہت پریشان ہیں اس لئے میں نے ان کی خواہش کے مطابق رات کو حضرتِ مفتی اعظم کو راضی کر لیا ہے کہ انھیں مولانا غلام یزدانی صاحب کی جگہ رکھ لیں۔ حضرت شارحِ بخاری نے فرمایا اگر حضرت مفتی اعظم مدظلہ العالی راضی ہو جائیں تو مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے؟ اس طرح آپ اس موقع پر مظہر اسلام کی مسندِ تدریس کی زینت نہ بن سکے۔ اور آپ نے ایثار کا اعلیٰ نمونہ پیش کر کے حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب محدث مئوی کو وہ جگہ پیش کر دی۔

(شارح بخاری، ص ر ۵۰، ۵۱)

بارگاہِ مفتی اعظم میں: قلمِ قدرت نے ہر چیز کا ایک وقت مقرر فرمادیا ہے وہ اسی معینہ وقت پر انجام پاتی ہے۔
"کُلُّ شَیءٍ مَرْھُونٌ بِاَوْقَاتِہٖ" حضرت شارحِ بخاری کا بارگاہِ مفتی اعظم میں حاضر ہونا اور ایک مدتِ دراز تک وہاں رہ کر اکتسابِ فیض کرنا مقدر ہو چکا تھا اور اس کے لئے دو سال بعد یعنی ۲۴/ شوال ۱۳۷۵ھ / ۴/ جون ۱۹۵۶ء کا وقت مقرر ہو چکا تھا۔ اس کا ظہور اس طرح ہوا کہ اچانک حضور مفتی اعظم ہند کا والا نامہ تشریف لایا جس میں تحریر تھا "مظہر اسلام میں تمہاری ضرورت ہے تم خط ملتے ہی فوراً بریلی آجاؤ"۔ یہ والا نامہ ملنے کے بعد شارحِ بخاری نے بریلی کے لئے رختِ سفر باندھا اور ۲۴/ شوال ۱۳۷۵ھ مطابق ۴/ جون ۱۹۵۶ء کو وہاں پہنچ گئے، اور پھر ۲۷/ ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ / ۸/ اپریل ۱۹۶۷ء تک گیارہ سال سے زائد وہاں حاضر رہے۔

اس وقت حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کے کرمِ بے پایاں کا قدم قدم پر ظہور ہوا، اور شفقت و محبت کی مشک بار ہواؤں سے حضرتِ شارحِ بخاری کا مشامِ جاں معطر ہوتا رہا ہے۔ بریلی شریف میں مدرسین بھی مساجد میں رہتے تھے، لیکن سال بھر بعد ہی حضرت مفتی اعظم ہند نے آپ کو اپنے دولت کدہ پر رکھا اور قیام کے لئے اوپر کی بیٹھک عطا فرمائی۔ (حوالہ سابق، ص/ ۵۱)

مفتی اعظم کے دار الافتا میں: شارحِ بخاری بریلی شریف پہنچنے کے بعد مدرسہ مظہر اسلام میں ایک سال تک فرائضِ تدریس انجام دیتے رہے۔ پھر مفتی اعظم قدس سرہ نے اپنے دولت خانے پر رہائش کا انتظام فرمادیا اور اپنے دار الافتا کی ذمہ داری بھی آپ کے حوالے کر دی، اب مظہر اسلام میں خدمتِ تدریس کے ساتھ ساتھ آپ فتویٰ نویسی کا فریضہ بھی انجام دینے لگے، اس اہم کام کے لئے حضرت مفتی اعظم ہند نے کیا اہتمام فرمایا خود حضرت شارحِ بخاری کے الفاظ میں سنئے۔

> "باقاعدہ قالین بچھوا کر اس پر مسند لگوایا اور ڈسک رکھوا کر میرا ہاتھ پکڑ کر اس مسند پر بٹھایا اور فرمایا میں اپنے دار الافتا کی ذمہ داری آپ کے سپرد کر رہا ہوں، آپ (فتاویٰ) لکھیں۔"
>
> (حوالہ سابق)

اب آپ نے ہندو بیرونِ ہند سے آنے والے گوناگوں سوالوں کے جوابات بڑی محنت، عرق ریزی اور حاضر دماغی سے لکھنے شروع کئے اور گیارہ سال تک اس اہم کام کو حُسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ آپ اس میدان میں نووارد نہ تھے بلکہ زمانۂ طالب علمی ہی میں حضرتِ محدث اعظم پاکستان کی زیر نگرانی دس مہینے تک اور فقہ و افتا کے تاجدار حضور صدر الشریعہ کی بارگاہ میں رہ کر چودہ مہینے تک فتویٰ نویسی کی مشق کر چکے تھے۔ فتویٰ نویسی کا اچھا خاصا تجربہ تھا۔ اس وقت فتویٰ نویسی میں آپ کا معمول یہ تھا کہ جو سوالات آتے دن ہی میں ان کے جوابات لکھ لیا کرتے اور بعد عشا

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کو سناتے۔

اس وقت کی روداد بیان کرتے ہوئے حضرتِ شارحِ بخاری رقم طراز ہیں۔

”میں بغور سوال پڑھ کر سائل کی منشا سمجھ کر پوری دماغی توانائی صرف کر کے، دماغ حاضر کر کے جولبات لکھتا تھا، میں اپنے اوپر جو وثوق اس وقت بھی رکھتا تھا، اس کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت میرے لکھے ہوئے مسائل پر کوئی انگلی نہیں رکھ سکتا تھا۔ دوسری طرف مفتی اعظم ہند کا حال یہ تھا کہ دن میں تعویذ لکھنے میں مصروف رہتے، تعویذ لینے کے لئے آنے والے کوئی خوش کن، فرحت بخش خبر نہیں سناتے بلکہ ہر تعویذ کا طلب گار اپنے دکھ درد، تکلیف، مصیبت کی دردناک داستان سناتا تھا، مسلسل اذیت ناک خبریں سنتے سنتے مضبوط سے مضبوط انسان کا دل بیٹھ جاتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ دن بھر صبر آزما، اعصاب کو مفلوج کرنے والے ماحول کی بدولت حضرت مفتی اعظم ہند ایسے تھک جاتے کہ سوائے آرام و سکون کے کسی اور کام کی طرف توجہ نہ فرماتے۔ مگر ہوتا یہ کہ بلاناغہ بالالتزام روزانہ بعد نماز عشا کھانا تناول فرمانے کے بعد اپنی بیٹھک پر تشریف لاتے اور اس طرح تشریف رکھتے گویا دن بھر آرام کیا ہے، بالکل ترو تازہ، چاق وچوبند، حاضر دماغ۔ اب میں اپنے لکھے ہوئے مسائل سناتا، حضرت مفتی اعظم ہند کی حاضر دماغی، تیقظِ قلبی کا عالم اس وقت بھی وہ ہوتا کہ جگہ جگہ اصلاح فرماتے، عمدہ سے عمدہ تر کی طرف رہنمائی فرماتے، زورِ بیان کو موثر سے موثر تر بناتے، استدلال کو قوی سے قوی تر فرماتے، عبارت کو شستہ سے شستہ تر فرماتے، اگر تائیدی عبارت میں کمی ہوتی تو دوسری زیادہ مناسب اور موزوں عبارت کی رہنمائی فرماتے، عبارت میں کوئی بھول چوک ہوتی تو فوراً تنبیہ فرماتے اور اسے صحیح کرتے۔

ایک دفعہ یہ سوال آیا۔ ہندہ کی زید کے ساتھ نابالغی میں شادی ہوئی، بالغ ہونے کے بعد ہندہ زید کے ساتھ رہنے پر راضی نہیں۔

اس مسئلے کی دس بارہ صورتیں ہیں مثلاً نکاح کے وقت ہندہ کے باپ دادا زندہ تھے یا مر گئے تھے، موجود تھے تو یہ نکاح ان کی اجازت سے ہوا یا خود انھوں نے پڑھایا تھا یا نہیں۔ اگر زندہ تھے مگر کہیں دور تھے تو یہ غیبت منقطعہ تھی یا نہیں۔ کفو میں ہوا یا غیر کفو میں، مہر میں غبن فاحش تھا یا نہیں وغیرہ وغیرہ میں نے بڑی محنت سے دن بھر صرف کر کے اس کی تمام شقوں کی تفصیل لکھی تھی اور بہت خوش تھا کہ آج حضرت مجھے داد ضرور دیں گے، دعاے خیر سے ضرور نوازیں گے

مگر جب سنانا شروع کیا تو فرمایا۔ یہ جواب سائل کو کیا مفید ہوگا، یہ شق در شق، شق در شق طولانی جواب کس کے پلّے پڑے گا؟ جواب میں اپنا مبلغ علم ظاہر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ عام طور پر نکاح کفو میں مہر مثل کے ساتھ ہوتا ہے اور نابالغ بچوں کا نکاح باپ دادا ہی کرتے ہیں۔ اور اگر باپ دادا نہیں تو سائل اس کو سوال میں لکھا کرتے ہیں۔ اس لئے جواب میں صرف اتنا لکھیں کہ اگر یہ نکاح باپ دادا نے پڑھایا تھا یا ان کے اذن سے ہوا تھا اور کفو میں، مہر میں غبنِ فاحش کے بغیر ہوا تو صحیح نافذ ہے الخ۔ اور اگر واقعہ کی صورت کوئی دوسری ہو تو دوبارہ اس صورت کو تفصیل کے ساتھ لکھ کر بھیجیں۔"

(مفتی اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینے میں، از شارحِ بخاری، ص ۹، ۱۰ ارضا اکیڈمی بمبئی)

جلسوں میں رفاقت: بریلی شریف میں قیام کے دوران حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان آپ کا غایت درجہ خیال رکھتے، شہر اور مضافاتِ شہر میں حضرت کا جو بھی پروگرام ہوتا شارحِ بخاری کو اپنے ہمراہ لے جاتے، اور آپ کی تقریر کے وقت منبر پر تشریف رکھتے، شہر و مضافات کے علاوہ دور دراز کے سفروں میں بھی آپ حضرت کی رفاقت میں رہتے، اور اہم اجلاس میں ساتھ لے جاتے اور منتظمین جلسہ سے کہہ کر شارحِ بخاری کی تقریر کراتے۔ دورانِ سفر جو بھی استفتا آتا آپ کے پاس بھجواتے۔

(شارح بخاری، ص ۵۱، از مولانا لیس اختر مصباحی)

شارحِ بخاری پر اعتماد کی ایک جھلک: چونکہ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ہمراہ شارحِ بخاری اکثر رہا کرتے، اور آپ کے لکھے ہوئے جوابات سنتے، مدرسہ مظہر اسلام میں آپ کی کامیاب تدریس اور حسنِ تفہیم سے بھرپور واقف تھے اس لئے حضرت کو آپ پر پورا اعتماد ہو چکا تھا درج ذیل واقعے سے آپ پر غایت درجہ اعتماد کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان ایک بار دھوراجی کاٹھیاواڑ تشریف لے گئے تو مدرسہ مسکینیہ دھوراجی کے صدر المدرسین مفتی احمد میاں صاحب نے حضرت کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ مدرسے کے منتہی طلبہ کو کچھ حدیثیں پڑھادیں۔ آپ نے فرمایا۔ ایک زمانہ ہوا میں نے پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیا ہے (حضرت شارحِ بخاری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) یہ مفتی صاحب ہیں پڑھادیں گے، مفتی احمد میاں سے شارحِ بخاری کی یہ پہلی ملاقات تھی اور کوئی سابقہ تعارف نہ تھا اور یہ پہلی ملاقات بھی صرف سلام و مصافحہ کی حد تک تھی۔ اس لئے انھوں نے پھر حضور مفتی اعظم قدس سرہ سے اصرار کیا، حضرت نے پھر وہی فرمایا، اور جب ان کا اصرار زیادہ بڑھا تو آپ نے

فرمایا چلئے میں بھی بیٹھا رہوں گا، چنانچہ وقت مقرر ہو گیا۔ وقت معینہ پر حضور مفتی اعظم ہند مدرسہ تشریف لے گئے، حضرت شارح بخاری بھی ہمراہ تھے۔ طلبہ بخاری شریف کھول کر بیٹھ گئے غالباً "کتاب الصلوٰۃ" آمین بالجہر کا باب کھولا مفتی اعظم ہند نے آپ کو حکم دیا پڑھاؤ۔ اس کے بعد کا واقعہ حضرت شارح بخاری ہی کے الفاظ میں پیش ہے۔

"میں کچھ گھبرایا، لیکن حضرت مفتی اعظم ہند کا حکم تھا میں نے پڑھانا شروع کیا، ایک گھنٹے تک پڑھایا اور حضرت امام بخاری نے اس باب میں تامین علی الملائکہ کی جو حدیث ذکر کی ہے اسی سے میں نے ثابت کر دیا کہ آمین بالسّر کہنا چاہئے۔ پھر تو حضرت مفتی اعظم ہند کی مسرّت قابلِ دید تھی، مفتی احمد میاں دم بخود تھے اس وقت وہاں دو ڈھائی سو کا مجمع تھا اس کا بھی یہی حال تھا۔"

(حوالہ سابق، ص ر ۵۲)

مناظروں کی دعوت : اگر کہیں مناظرہ ہوتا اور کوئی شخص اس کے لئے بریلی جاتا تو حضرت مفتی اعظم ہند آپ کو وہاں بھیجتے۔ چنانچہ کھیری لکھیم پور، ہلدوانی، نجیب آباد وغیرہ حضرت کے حکم سے آپ تشریف لے گئے۔ اور اگر کہیں بد مذہبوں کے مقابلے میں جلسے کی بات ہوتی تو حضرت آپ کو حکم دیتے کہ جاؤ۔ مودودیوں، منکرینِ حدیث، رافضیوں، صلح کلیوں، غیر مقلدّوں، دیوبندیوں وغیرہ کے مقابلے میں آپ نہ معلوم کتنی جگہ تشریف لے گئے۔

شفقت و محبت : آپ کی شبانہ روز کی محنتوں، کاوشوں اور جاں گداز مشقتوں اور اشاعتِ دین و نکایتِ مفسدین، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے جذبۂ فراواں کو دیکھ کر حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ آپ سے بہت شفقت و محبت کا برتاؤ فرماتے اور ہر طرح آپ کا خیال رکھتے۔

حضرت شارحِ بخاری لکھتے ہیں۔

"ایک بار میں مدرسے کے ناظم صاحب کی مہربانیوں سے تنگ آکر دوسری جگہ چلا گیا تھا اس موقع پر حضرت نے ناظم صاحب کو بہت پھٹکارا، اور ہمیشہ مجھے یاد فرماتے رہے۔ جانے کو تو میں چلا گیا لیکن وہاں میرا دل نہ لگا، دو مہینے کے بعد پھر میں بریلی آگیا۔ رات میں بارہ بجے پہنچا تھا، اس وقت حضرت اندر جا چکے تھے۔ صبح کو نمازِ فجر کے بعد خلافِ عادت حضرت سیدھے چھوٹے مکان میں آئے۔ مجھے دیکھا اور اندر جا کر اپنی اہلیہ صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا سے فرمایا۔ تمہارے مفتی شریف الحق آگئے۔"

(کتاب سابق، ص ر ۵۳)

اعلیٰ حضرت کی مسجد میں امامت : حضرت شارح بخاری دام ظلہ ابتدا ہی سے نماز کے پابند اور باجماعت

نماز کا بھرپور اہتمام فرماتے تھے۔ دارالعلوم مظہر اسلام میں تقرر کے بعد شروع میں تقریباً ایک سال تک تدریسی خدمات کے ساتھ بریلی شریف کی کسی مسجد میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے اور وہیں قیام فرماتے تھے۔ پھر حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے غایتِ کرم سے اپنے دولت کدہ ہی پر آپ کے قیام وطعام کا انتظام فرمادیا، اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی مسجد کا امام مقرر فرمادیا، نماز پنج گانہ حتی کہ نماز جمعہ کی امامت بھی آپ ہی فرماتے، دس سال تک بڑی پابندی کے ساتھ آپ نے اس اہم ذمہ داری کو نبھایا، اس دوران اگر آپ کبھی مسافرِ شرعی ہوتے اور مقتدیوں کی آسانی کے لئے کسی مقیم شخص کو امامت کے مصلےّ پر بڑھادیتے تو حضرت مفتی اعظم قدس سرہ سخت ناراض ہوتے۔

(بروایت شارح بخاری دام ظلہ)

ناظرین کرام غور کریں حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز جو کہ اپنے عہد میں حزم واحتیاط اور زہد و ورع میں ممتاز، اور تقویٰ، پرہیزگاری کے اتنے اعلیٰ مقام پر فائز تھے کہ اگر آپ کو تقویٰ و پرہیزگاری کی چلتی پھرتی تصویر کہا جائے تو بھی بے جانہ ہوگا۔ آپ کا شارحِ بخاری کو منصب امامت پر فائز کرنا اور آپ کی موجودگی میں کسی اور کی امامت کو پسند نہ کرنا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ان کی بارگاہ میں آپ کو وہ اہمیت حاصل تھی جو وہاں کے موجودین میں کسی کو حاصل نہ تھی۔

نیز حضرت صدرالشریعہ جب رمضان المبارک میں اپنے دولت خانے پر قیام فرما ہوتے تو عشا اور تراویح کی نماز میں دیگر علما کے موجود رہتے ہوئے آپ ہی کو امام بناتے۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے ان دونوں اعلم وافقہ اور افضل واتقی خلفا کا آپ کو منصبِ امامت پر فائز کرنا اور آپ کی اقتدا میں نماز ادا کرنا جہاں ایک طرف آپ کے علوِ مرتبت اور شرائطِ امامت کے جامع ہونے کو بتاتا ہے وہیں دوسری طرف ان دونوں بارگاہوں سے سندِ قبول واعتماد ملنے کا بھی واضح ثبوت فراہم کرتا ہے۔

(۳) حافظِ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدّث مرادآبادی علیہ الرحمہ

چودھویں صدی ہجری کے اواخر میں ہندوستان کے سپہر علم وفضل اور افقِ ورع و تقویٰ پر جو مقتدر، قد آور، پُر وقار اور باعظمت شخصیتیں مہر و ماہ بن کر ضوفگن ہوئیں اور اپنے انوار و تجلّیات سے ایک عالم کو ضیا بخشی ان میں استاذ العلما، جلالۃ العلم حضور حافظِ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدّث مرادآبادی ثم مبارک پوری علیہ الرحمۃ مؤسس جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ کا نام نامی آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے آپ پرعزم حرکت و عمل اور آفاقی فکر و نظر کے مالک تھے، آپ نے جہد مسلسل، سعی پیہم اور اخلاص و وفا کے وہ انمٹ نقوش چھوڑے ہیں جو بعد میں آنے والی

نسلوں کے لئے مینارۂ نور اور سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت ضلع مرادآباد یوپی کے قصبہ بھوج پور میں ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۴ء کو بروز دوشنبہ مبارکہ ایک دیندار گھرانے میں ہوئی، والد ماجد کا نام محمد نور تھا جو بڑے دیندار، سادہ مزاج، سیدھے سادھے حافظِ قرآن بزرگ تھے، دادا جان نے خاتم المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرّہ کے نام پر آپ کا نام عبدالعزیز رکھا اور فرمایا "میرا یہ بچہ عالم ہوگا" والدہ ماجدہ بھی بڑی پاک طینت، نیک خصلت اور دیندار خاتون تھیں۔ آپ کے بچپن میں والد صاحب علیہ الرحمہ کا یہ معمول تھا کہ اگر بھوج پور میں کوئی بڑے عالم یا شیخ درویش تشریف لاتے تو وہ آپ کو لے کر ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور عرض کرتے، حضور! میرے اس بچّے کے لئے دعا فرمادیں، وہ دعا کر دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علامہ شاہ سلامت اللہ رام پوری علیہ الرحمہ تشریف لائے، آپ حافظ ملت کو ان کے پاس لے کر پہنچے اور حسبِ معمول دعا کی درخواست کی، حضرت مولانا سلامت اللہ صاحب نے فرمایا "حافظ صاحب! میں توسب کے لئے دعا کرتا ہوں، مگر اس کے لئے تو آپ ہی کی دعا ہے" اور فرمایا کہ "اولاد کے حق میں والدین کی دعا یا بد دعا نبی کی دعاء خیر یا دعاء ہلاکت کا اثر رکھتی ہے" (حافظ ملت نمبر، اشرفیہ، ص / ۶۷)

تعلیم و تربیت: چونکہ آپ کے والد ماجد علیہ الرحمہ بڑے جیّد حافظ اور عاشقِ قرآن مجید تھے جو چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر وقت قرآن مجید پڑھا کرتے اس لئے آپ نے حفظِ قرآن کی تکمیل انھیں کے ہاتھوں فرمائی، اردو اور ابتدائی تعلیم مقامی اسکول میں ہوئی، فارسی کچھ بھوجپور ہی میں مولوی عبدالمجید صاحب سے، کچھ پیپل سانہ میں مولوی حکیم مبارک اللہ اور حافظ حکیم نور بخش سے پڑھی، اس کے بعد کچھ خانگی دشواریوں کے باعث سلسلۂ تعلیم منقطع ہوگیا، پھر بھوجپور کے رئیس اعظم شیخ حمید الدین نے آپ کو اپنی مسجد کا امام مقرر کر دیا اور مدرسہ حفظ القرآن قائم کر کے آپ کو اس کا مدرس مقرر کر دیا، اسی حالت میں پانچ سال کا عرصہ گزر گیا۔ پھر آپ کے دادا جان کی دعا کہ "میرا یہ بچہ عالم ہوگا" اس طرح رنگ لائی کہ مرادآباد سے جناب حکیم محمد شریف صاحب بھوجپور مریض دیکھنے آیا کرتے تھے اور وہ مسجد میں آپ کی اقتدا میں نماز ادا کرتے تھے، ایک مرتبہ انھوں نے کہا کہ حافظ صاحب! میں آپ کو طب پڑھاؤں گا۔ حافظ ملت کے غریبی کا عذر کرنے پر انھوں نے مرادآباد تک روزانہ کا آمد و رفت کا کرایہ دینے کا بھی وعدہ کر لیا۔ بالآخر گاؤں کے مدرسے کو اپنے والد صاحب کے سپرد کر کے آپ طب پڑھنے مرادآباد پہنچ گئے، حکیم صاحب نے گلستاں کا امتحان لیا تو فرمایا کہ آپ کا دماغ عربی پڑھنے کے لائق ہے پھر تو انھوں نے میزان و منشعب اور نحو میر و صرف میر بہت مختصر سی مدت میں آپ کو ازبر کرادیں۔ پھر حکیم صاحب کے معذرت کرنے کی وجہ سے آپ نے جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں داخلہ لے لیا۔ تین سال تک جامعہ نعیمیہ میں شرح جامی، قطبی وغیرہ تک تعلیم حاصل کی۔

صدر الشریعہ کی بارگاہ میں: اسی دوران جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں آل انڈیا سنی کانفرنس ہوئی ہندستان کے چوٹی کے علما جمع ہوئے، اس موقع پر حافظ ملت نے حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ سے تعلیم حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی، حضرت صدر الشریعہ نے آپ کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اور فرمایا ''اجمیر شریف آجاؤ پڑھادوں گا'' چنانچہ آپ حضرت مولانا غلام جیلانی علی گڑھی ثم میرٹھی، مولانا قاضی شمس الدین جونپوری، مولانا قاری اسد الحق اور حافظ ضمیر حسین مرادآبادی کے ہمراہ دار الخیر اجمیر شریف حاضر ہوئے جہاں حضرت صدر الشریعہ دار العلوم معینیہ عثمانیہ میں صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز تھے اور منتہی طلبہ کو پڑھاتے تھے مگر حافظ ملت کے ذوق و شوق، تعلیمی دلچسپی کو دیکھ کر اور آپ کی ذہانت و طباعی کا اندازہ فرماتے ہوئے حسب دعدہ خارجی اوقات میں تعلیمی سلسلہ کا آغاز فرمادیا، فرمایا کرتے تھے ''عمر میں ایک ہی جماعت پڑھنے والی ملی''

(ماہنامہ اشرفیہ، حافظِ ملت نمبر، ۱۳۹۸ھ ص/ ۶۶، ۶۷)

اور پھر تو صدر الشریعہ نے آپ کو اپنے چشمۂ فیاض سے ایسا سیراب فرمایا کہ بس پینے والا جانے اور پلانے والا جانے۔ ...ہ

مجھے پینے دے، پینے دے کہ تیرے جام لعلیں میں ابھی کچھ اور ہے، کچھ اور ہے کچھ اور ہے ساقی

حمد اللہ وغیرہ تک پڑھنے کے بعد عرض کیا کہ

''گھر کی ضرورتیں مجبور کرتی ہیں لہٰذا دورۂ حدیث میں شامل کرلیں۔ اس پر صدر الشریعہ نے فرمایا'' آسمان زمین بن جائے، پہاڑ ہل جائے یہ ہو سکتا ہے، لیکن تمہاری ایک کتاب بھی رہ جائے یہ نہیں ہو سکتا، کتابیں سب پڑھنی ہیں۔''

(ایضاً، ص/ ۲۳۲، ۲۳۳)

چنانچہ آپ کو مشفق استاذ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ آپ نے اتنی محنت سے تعلیم حاصل کی اور آپ کی فطری صلاحیتوں میں محنتِ تعلیم کی بدولت اتنا ابھار پیدا ہوا کہ آپ کی علمی استعداد اور قابلیت کا طلبہ و مدرسین میں چرچا ہونے لگا اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ تو اپنے فرزندوں کے کہیں بڑھ چڑھ کر آپ سے محبت فرمانے لگے۔ (ایضاً، ص/ ۹۱)

حضرت حافظِ ملت کے ہمراہ اجمیر مقدس میں تعلیم حاصل کرنے والے چند ہم سبق حضرت کے اسمائے گرامی ملاحظہ فرمائیں جن میں سے ہر ایک اپنے عہد میں علوم و فنون کا نیر تاباں بنا ○ محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ محمد سردار احمد گورداس پوری ثم لائل پوری ○ خیر الاذکیا مولانا غلام یزدانی اعظمی، شیخ الحدیث مظہر اسلام بریلی ○ شمس العلما مولانا قاضی شمس الدین احمد جعفری (مصنفِ قانونِ شریعت) ○ صدر العلما مولانا سید

غلام جیلانی میرٹھی (شارح بخاری) ○ مفتی اعظم کان پور مولانا مفتی رفاقت حسین مظفر پوری، احسن المدارس قدیم، کانپور ○ مفتی معظم مولانا محمد محسن شافعی ○ فخر الاساتذہ مولانا محمد سلیمان بھاگل پوری۔

حضرت صدر الشریعہ کو اپنے ان تلامذہ کے رسوخ فی العلم پر کمال اعتماد تھا۔ اس لئے مدرسہ عالیہ رام پور کے صدر المدرسین اور امور عامہ کے محشّی مولانا فضل حق رام پوری کو اس جماعت کے امتحان کے لئے دعوت دی گئی۔ انھوں نے منتہی کتابوں کا امتحان لیا اور خارج از امتحان بھی سوالات کئے۔ حضور حافظ ملت نے تمام سوالات کے نہایت تسلی بخش جوابات دیئے تو ممتحن صاحب نے کتاب بند کر کے فرمایا کہ "اب ہم ان کی کسی کتاب کا امتحان نہیں لیں گے، ان کی قابلیت درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہے" (ایضاً، ص ر ۲۳۳)

اور بعد امتحان نتائج کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ "جیسے طلبہ یہاں موجود ہیں پورے ہندوستان کے مدارس میں ایسے طلبہ موجود نہیں" (محدّث اعظم پاکستان، مولانا جلال الدین قادری، ج ر ۱، ص ر ۵۲)

پھر جب دار العلوم معینیہ عثمانیہ کے مہتمم سے حضرت صدر الشریعہ کے اختلافات ہوئے تو حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا قادری خلف اکبر سیدّنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی دعوت پر وہ دوبارہ دار العلوم منظر اسلام بریلی میں صدر المدرسین کی حیثیت سے واپس تشریف لے آئے۔ انھیں کے ہمراہ چالیس منتہی طلبہ بھی بریلی آگئے جن میں حضور حافظ ملت بھی شامل تھے۔ پھر یہیں سے آپ فارغ ہوئے اور سند و دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

مبارک پور میں تشریف آوری : فراغت کے بعد حضور حافظِ ملت قدس سرہٗ اپنے دولت کدہ بھوجپور میں رہنے لگے اور یہ پختہ ارادہ تھا کہ ملازمت نہیں کریں گے، البتہ گھریلو کاموں سے کچھ وقت نکال کر سلسلۂ تدریس ضرور برقرار رکھیں گے یہی وجہ تھی کہ جب سو روپیہ مشاہرہ پر آگرہ کی جامع مسجد کی خطابت و امامت کی پیش کش کی گئی تو حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہٗ کے انتہائی اصرار کے باوجود آپ نے اسے منظور نہ فرمایا۔ (اشرفیہ، حافظ ملت نمبر، ۱۳۹۸ھ، ص ر ۷۰)

پھر شعبان ۱۳۵۲ھ میں حضرت صدر الشریعہ نے آپ کو بریلی طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا :-

"میں ہمیشہ باہر رہا اس کی وجہ سے میرا ضلع (اعظم گڑھ) خراب ہو گیا، اس لئے خدمتِ دین کے لئے میں آپ کو مبارک پور مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم میں درس و تدریس کے سلسلہ میں بھیج رہا ہوں، جایئے اور کام کیجئے۔"

آپ نے عرض کیا حضرت! میں ملازمت نہیں کروں گا، اس پر صدر الشریعہ نے فرمایا میں نے ملازمت کے لئے کب کہا ہے؟ میں تو آپ کو خدمتِ دین کے لئے بھیج رہا ہوں، یہ مت دیکھئے گا کیا مل رہا ہے شفیق استاذ کے اشارے پر اطاعت شعار شاگرد نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ آپ مبارک پور پینتیس ۳۵ روپیہ مشاہرہ پر

تشریف لائے جب کہ آگرہ سے سو روپے اور کلکتہ سے پانچ سو روپے کی پیش کش تھی۔
(فیضان حافظ ملت، ص ۲۵)

۲۹ شوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۹۳۴ء کو آپ بحیثیت صدر مدرس مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم میں تشریف لائے (اس وقت) معیار تعلیم فارسی اور نحو میر، پنج گنج تک تھا اور مدرسہ کا بجٹ کل ۲۷۵۷ روپے ۱۴ آنے ۹ پائی تھا۔ (ملفوظات حافظ ملت، ص ۲۲)

مگر آپ کی تشریف آوری سے اس مدرسے کی قسمت بدل گئی، آپ کی علمی استعداد کی شہرت نے ایک ہی سال میں اس چھوٹے مدرسے کو اس قدر بام عروج پر پہنچادیا کہ یہاں طلبہ کا ایک ہجوم امنڈ پڑا۔ آپ کی اس بے پناہ مقبولیت اور عزت وشہرت پر حسد کرتے ہوئے مبارک پور کا سب سے بڑا دیوبندی مولوی جو پورے اعظم گڑھ کے فرقۂ دیوبندیہ وہابیہ کا دل ودماغ سمجھا جاتا تھا مذہبی بنیاد پر آپ کو چیلنج کرنے لگا اور پورے ضلع کے دیوبندی مولوی متحدہ محاذ بنا کر آپ سے تقریری و تحریری مناظرہ کے لئے لنگوٹ باندھ کر اکھاڑے، میں اتر آئے، اس معرکہ میں حافظ ملت نے تنہا ان سب کا مقابلہ کیا، دن بھر درس و تدریس کا دماغ سوز مشغلہ اور رات کو ہنگامہ خیز مناظرانہ تقریروں کی ہماہمی۔ چار مہینوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ بفضلہ تعالیٰ ہر مسئلہ میں دیوبندیوں کو شکست اور سنیوں کو فتح ہوئی روز روشن کی طرح حق واضح ہوا، مذہبِ اہل سنت کی حقانیت کا ڈنکا بجا۔

گیارہ ماہ بعد شوال ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۵ء میں حافظِ ملت کی تحریک پر دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم کی بنیاد رکھی گئی۔ سنگِ بنیاد شیخ المشائخ حضرت مولانا سید شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہما الرحمہ کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ اور جب اس دار العلوم کی عمارت بھی اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کرنے لگی تو مبارک پور سے باہر ایک وسیع وعریض خطۂ زمین اس دانش گاہ علم وادب کے لئے حاصل کیا گیا اور مئی ۱۹۷۲ء مطابق ربیع الاول ۱۳۹۲ھ میں الجامعۃ الاشرفیہ کا جشنِ تاسیس منایا گیا اور کام اپنی برق رفتاری کے ساتھ شروع ہو گیا، ابھی سال بھر کا وقفہ گزرا تھا کہ تعلیمی امور بھی اسی نئی عمارت میں انجام پانے لگے، اور حضرت کی روح اس کے لئے ہمیشہ بے قرار رہتی کاش کہ اشاعت و تبلیغ کا بندوبست ملک گیر پیمانے کے بجائے عالم گیر پیمانے پر ہوتا کہ ساری دنیا میں پھیلی ہوئی گمراہیوں اور نت نئے ابھرنے والے ملحدانہ خیالات و نظریات کا سدِباب کیا جاسکے، اور ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جو ہمہ جہت اور کامل ومکمل ہو اور سارے اسلامی تقاضے پورے کرسکے۔

تدریسی صلاحیت: درس نظامیہ کی اہم اور مشکل کتابوں کو برجستہ پڑھانے پر آپ کو پوری قدرت حاصل تھی۔ ایک بار قاضی مبارک کا درس ہو رہا تھا، معمول کے مطابق درس ختم کر کے کتاب بند کرنی چاہی، ایک ذکی طالب علم نے اپنے ہم درس کو اشاروں میں کہا کہ مطالعہ ختم ہو گیا، حضرت نے کتاب کھول دی اور پڑھنے کے لئے

ارشاد فرمایا، طالب علم نے اپنے مطالعہ کے مطابق عبارت پڑھی، حضرت نے اسی شان سے درس دیا، اب طالب علم نے کتاب بند کرنی چاہی، حضرت نے ارشاد فرمایا اور پڑھو مگر ان کا مطالعہ ختم ہو چکا تھا اس لئے وہ خاموش بیٹھے رہے۔ حضرت نے فرمایا عبد العزیز کو قاضی پڑھانے کے لئے مطالعہ کی حاجت نہیں، بفضلہ تعالیٰ ایک نشست میں پوری کتاب پڑھا سکتا ہوں۔ (حافظ ملت نمبر، ماہنامہ اشرفیہ، ص ر ۴۵۷ بروایت حضرت مولانا نصیر الدین بلیاموی)

طرز تدریس آپ کی درس گاہی تقریر بہت مختصر ہوتی، وہی طالب علم بھرپور لطف اندوز ہوتا جو مطالعہ کر کے آتا۔ بہت ہی جچے تلے جملے ارشاد فرماتے جو جوامع الکلم کے مظہر ہوتے اور جن سے "خَیرُ الکلام ماقل و دلّ" کا کامل نقشہ دل ودماغ پر چھا جاتا۔ طلبہ سے عبارت ضرور پڑھواتے، اور بڑے دلچسپ انداز میں غلطیوں کی اصلاح بھی فرماتے۔ (افکار اور کارنامے، ص ر ۵۶)

استاذ گرامی خیر الاذکیا زبدۃ الاتقیا حضرت مولانا محمد احمد مصباحی مدظلہ رقم طراز ہیں:

(۱) ایک بار ایک طالب علم نے ہدایۃ النحو پڑھتے وقت عبارت یوں پڑھی "مِن حَیثُ الاعراب و البِناءِ" فرمایا بنائے کیا بگاڑ دیا۔ ہونا چاہئے تھا "وَالبناءِ". (۲) مدارک شریف ج ر ۳، ص ر ۲۰ (سورۂ کہف) کی عبارت ہے "یعنی أنّ قولھم ھذٰ الم یصدر عن علم و لکن عن جھل مفرط." اسے میں نے یوں پڑھ دیا "عَن جِھلٍ" فرمایا: جِھل پڑھنا خود جہل ہے۔ اب عبارت درست کر کے میں نے پڑھ دیا "عن جَھلٍ مفرط"

(حافظ ملت نمبر، اشرفیہ، ص ر ۱۸۷)

سبق کا خلاصہ ایسے طریقے پر بیان فرماتے کہ پورا درس صفحۂ قلب پر اچھی طرح نقش ہو جاتا، چنانچہ آپ کی زبانِ حق ترجمان سے نکلے ہوئے بہت سے جملے لفظ بلفظ اب بھی آپ کے سیکڑوں شاگردوں سے سنے جا سکتے ہیں، بسا اوقات تشریح وتوضیح پر اکتفا فرماتے اور ترجمۂ عبارت نہیں فرماتے، آپ کے درس کی جامعیت کا ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ ہے کہ مولوی عثمان صاحب بمبئی جن سے زیادہ ذہین طالب علم بقول حافظ ملت اشرفیہ میں آیا ہی نہیں ان کو دو سال میں آپ نے پوری جلالین شریف کا درس دیا، وہ بڑی ژرف نگاہی سے مطالعہ کر کے آتے، اور دورانِ سبق مناسب اعتراض بھی کرتے، اور شافی، دوافی جواب سے باغ باغ ہوتے، جب آیت کریمہ "اللّٰہ نور السمٰوٰت والا رض" الآیۃ قریب آئی تو ایک یوم قبل ہی حضرت نے فرمایا کہ عثمان! کل بہت اہم سبق ہے، دوسرا دن آیا سبق پڑھایا مگر مولوی عثمان صاحب کچھ نہ بولے۔ حضرت نے فرمایا عثمان! کیا طبیعت تو خراب نہیں ہے؟ کیا بات ہے؟ عرض کیا حضور! میں سولہ اعتراض اس آیت پر سوچ کر آیا تھا مگر حضور والا کی مختصر تقریر سے سارے اعتراضات کا اطمینان بخش جواب ہو گیا۔ اس لئے کچھ عرض کرنے کی نوبت نہ آئی۔ سچ ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ (افکار وکارنامے، ص ر ۵۶)

اساتذۂ کرام: آپ نے درج ذیل اساتذۂ کرام سے علم حاصل کیا۔

(۱) حضرت مولانا عبد العزیز خاں صاحب فتح پوری (۲) حضرت مولانا اجمل شاہ سنبھلی (۳) حضرت مولانا محمد یونس صاحب سنبھلی (۴) حضرت مولانا وصی احمد سہسرامی رحمہم اللہ مندرجہ بالا اساتذہ سے آپ نے جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں تعلیم حاصل کی۔ اور درج ذیل حضرات سے آپ نے اجمیر شریف مدرسہ معینیہ عثمانیہ میں پڑھا۔

(۱) صدر الشریعہ حضرت علامہ محمد امجد علی اعظمی (۲) حضرت مولانا مفتی امتیاز احمد (۳) حضرت مولانا عبدالحی افغانی (۴) مولانا سید امیر پنجابی (۵) مولانا حافظ سید حامد حسین اجمیری۔ قدّس اللہ تعالیٰ أسرار ھم (حافظ ملت نمبر، ماہنامہ اشرفیہ، ۱۳۹۸ھ، ص ۷۰) مگر ان میں سب سے زیادہ استفادہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے کیا۔

تلامذہ: ابو الفیض حافظِ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے چشمۂ فیض سے سیکڑوں نہیں ہزاروں تشنگانِ علوم نے سیرابی پائی یہی وجہ ہے کہ آپ اگر بر صغیر ہند و پاک کا جائزہ لیں تو ہر جگہ بالواسطہ یا بلاواسطہ انھیں کے فیض یافتگان ہی نظر آئیں گے۔ ہمارے علمی مراکز ہوں یا دینی ادارے، خانقاہیں ہوں یا دار الافتا و دار القضا- ہر طرف انھیں کے فیض تلمذ کی جلوہ سامانیاں ملیں گی ؂

ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میر ہوئے سبھی اس زلف کے اسیر ہوئے	تمام میکدہ سیراب کر دیا جس نے نگاہ یار تھی، جام شراب تھا کیا تھا؟

اس لئے آپ کے تلامذہ کا شمار تو نہایت دشوار ہے۔

قلمی نقوش: درس و تدریس، دعوت و تبلیغ، رشد و ہدایت کی گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپ کو ذوق تحریر بھی ملا تھا مگر مدرسہ اشرفیہ سے دار العلوم اشرفیہ اور پھر جامعہ اشرفیہ کی منزل تک ادارے کو پہنچانے کے سلسلہ میں آپ نے جو جد و جہد، اور تگ و دو فرمائی اس اہم اور طویل کام کے بعد اتنی فرصت کہاں کہ آپ اپنی تحریری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے، مگر تصنیف و تالیف اور تحریری کاموں کی آپ کے نزدیک بڑی اہمیت تھی۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آخری عمر میں اس بات پر سخت افسوس اور قلق کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا۔

"مجھے لوگوں نے کسی کام کا نہ رکھا، غیر اہم اور غیر ضروری کاموں میں مجھ کو ایسا الجھا دیا کہ لکھنے کا کام خاطر خواہ نہ ہو سکا جس کا مجھے افسوس ہے، حالانکہ اوائل عمر میں میرا قلم نہایت برق رفتار

تھا، اور اب نہ وہ قوت ودماغ ہے اور نہ ہی فرصت۔ اس لئے اب میرا مطمحِ نظر اور میری زندگی کا مقصد صرف اور صرف الجامعۃ الاشرفیہ کی تکمیل ہے۔"

(ماہنامہ اشرفیہ، حافظ ملت نمبر، ص ر ۴۱۲، بروایت مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی)

خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل تعارفی کلمات سے آپ کی تحریری برق رفتاری، احساس ذمہ داری، ایجاز نگاری اور استقلال وپامردی کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں۔

"سمندر کو کوزے میں بھرنے کی کہاوت سنتے تھے لیکن "معارفِ حدیث" اس کی جیتی جاگتی زندہ مثال ہے حدیث کے ترجمہ کے ساتھ اس پر عالمانہ وعارفانہ نکتہ آفرینی یہ صرف استاذ العلما جیسی بلند شخصیت کا کام ہے ادارہ پاسبان اس کرم واحسان کو کبھی نہ بھول سکے گا کہ جب سے حضرت نے اس عنوان کو شرفِ قبول سے نوازا کوئی بھی شمارہ اس عنوان سے خالی نہ رہ سکا۔ جوانوں نے کاندھے کا جوا اُتار دیا لیکن بہتر برس کا ضعیف وناتواں بزرگ عزم واستقلال کا کوہِ گراں ثابت ہوا۔" (کلمات عقیدت از معارفِ حدیث" ص ر ۳، مکتبہ پاسبان الہ آباد)

بہر حال تمام تر مصروفیات کے باوجود جو آپ نے تحریری خدمات انجام دیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) معارفِ حدیث (۲) ارشاد القرآن (۳) الارشاد (۴) انباء الغیب (۵) المصباح الجدید (۶) فرقۂ ناجیہ (۷) فتاویٰ عزیزیہ (غیر مطبوعہ) (۷) حاشیہ شرح مرقاۃ مصنفہ مولانا عبدالحق خیرآبادی (نامکمل غیر مطبوعہ)

اوصاف حمیدہ: زمانۂ طالب علمی میں آٹھ سال کا عرصہ آپ کی خدمت اقدس میں گزارنے والے اور زندگی بھر آپ سے والہانہ عقیدت اور قلبی لگاؤ رکھنے والے تلمیذ رشید فقیہ عصر، شارحِ بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ کے الفاظ آپ کے اوصاف وکمالات کی سند کے طور پر پیش خدمت ہیں کہ "لیس الخبر کالمعاینۃ" اور "شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ" کے بموجب ان کی شہادت زیادہ مستند اور معتمد ہوگی۔ فرماتے ہیں:۔

"استاذ العلما جلالۃ العلم حافظ ملت قدس سرہ العزیز ماضی قریب کے ان علمائے امت میں تھے جو حقیقی معنی میں نائب رسول، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف تھے، گوناگوں بے پناہ فضائل وکمالات کے جامع کامل تھے۔ ایسی ہستیاں امت کے افراد میں بہت کم نظر آتی ہیں، علم وحکمت کے بحرِ بے کراں، عمل وکردار کے سیلِ رواں زہد واتقا کے پیکر جمیل، خوش اخلاقی کی مجسم تصویر، سب کے دکھ درد میں کام آنے والے، سب کا غم مٹانے والے، بے کس وبا کس کے مرقع جمیل، سادگی وفروتنی عادت ثانیہ، اس کے باوجود خودداری اور وضع داری سے مزین، ایک انسان کامل جن جن اوصاف اور خوبیوں کا حامل ہو سکتا ہے ان سب کے عطر مجموعہ، دور اندیش، صائب الرائے، باغیرت، ملت کے درد سے درد مند، دین کے فروغ کے لئے بے تاب، دوستی دشمنی، جینا مرنا سب کچھ دین کے لئے، اوقات کے پابند، کسی حال میں

اپنے وقت کا ایک منٹ بھی ضائع نہ ہونے دینے والے، خود فرمایا۔ "زمین کے اوپر کام، زمین کے نیچے آرام"۔ اعداو حاسدین اور شرپسند عناصر کے سخت سے سخت زہر میں بجھے ہوئے جملے سن کر بھی خاموش اور صرف اس پر اکتفا کرنا کہ "ان سب کا جواب کام ہے" (حافظ ملت، افکار اور کارنامے، ص ر ۱۰)

بیعت و خلافت: جس وقت حافظِ ملت علیہ الرحمہ دارالخیر اجمیر مقدس میں دارالعلوم معینیہ عثمانیہ میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان سے علوم اسلامیہ کا درس لے رہے تھے حضرت شیخ المشائخ مولانا سید شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان وہاں تشریف لے گئے اور آپ نے وہیں ان کے دست حق پرست پر بیعت کی مبارک پور میں حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے آجانے کے بعد حضرت شیخ المشائخ علیہ الرحمہ وہاں تشریف لائے اور آپ کو خلافت عطا فرمائی۔ حافظِ ملت نے عرض کیا "حضور! میں اس قابل نہیں ہوں" فرمایا "دادِ حق را قابلیت شرط نیست"

پھر بریلی شریف میں حضرت صدر الشریعہ سے آپ کو "قادری رضوی نسبت" حاصل ہوئی اور محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد لائل پوری کے ہمراہ آپ کو خلافت عطا فرمائی۔

(اشرفیہ، حافظ ملت نمبر، ص ر ۷۳)

وصال پرُ ملال: یکم جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ مطابق ۳۱ر مئی ۱۹۷۶ء بروز دوشنبہ مبارکہ ۴ بجے شام تک بخاری شریف کا درس دیا، موت سے متعلق اسرار اور موزبیان فرمائے۔ اثنائے درس فرمایا۔ آج دوشنبہ کا دن ہے۔ آج ہی کے دن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے اور دوشنبہ ہی کو دنیا سے تشریف لے گئے (اشرفیہ، جولائی، ص ر ۲۵) اس دن کے گزرنے کے بعد رات میں پونے بارہ بجے اسلامی علوم وفنون کا یہ خورشیدِ تاباں افقِ عالم سے روپوش ہوگیا۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ"

کیا خبر تھی موت کا یہ حادثہ ہوجائے گا　　　اس زمیں کی پستیوں میں آسماں سوجائے گا

۳ر جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ ر ۲ر جون ۱۹۷۶ء بروز چہار شنبہ ساڑھے آٹھ بجے دن الجامعۃ الاشرفیہ کے وسیع و عریض میدان میں آپ کے خلف رشید عزیز ملت حضرت مولانا شاہ عبد الحفیظ مدظلہ سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا ہوئی، اخباری رپورٹروں کے مطابق دو لاکھ افراد نے نماز جنازہ ادا کی۔ آپ کی آخری آرام گاہ الجامعۃ الاشرفیہ کے صحن میں قدیم دارالاقامہ (عزیزی ہاسٹل) کے مغرب میں واقع ہے۔ جو عوام و خواص کی زیارت گاہ ہے۔

حافظ ملّت قدس سرّہ العزیزاور شارحِ بخاری

فقیہ عصر، شارحِ بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق قبلہ امجدی دام ظلہٗ اپنے علمی اور مذہبی، تحریری اور تقریری کارناموں کی بناپر موجودہ دور کے چوٹی کے علماے اہل سنت میں انتہائی نمایاں اور ممتاز مقام کے حامل ہیں۔آپ نے یوں تو بہت سے اساتذۂ کرام و شیوخِ عظام سے استفادہ کیا، لیکن سب سے زیادہ استفادہ حافظِ ملت حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدّث مرادآبادی قدس سرّہ کی ذاتِ بابرکات سے کیا۔آپ درجہ اوّل سے لے کرحمد اللہ وغیرہ کی تعلیم تک آٹھ سال بارگاہِ عزیزی میں رہے۔اور حافظِ ملت کے دریاے فیوض وبرکات سے خوب خوب سیراب ہوئے اور آج تک عوام وخواص کو اپنے چشمۂ فیض سے سیراب کر رہے ہیں۔

شفقت و محبت : چونکہ شارحِ بخاری کو حضرت صدرالشریعہ اپنے ہمراہ مبارک پور لائے تھے اور اپنے تلمیذِ رشید حضور حافظِ ملت کے حوالے کیا تھااس لئے شارحِ بخاری پر آپ کی نگاہِ توجہ ابتدا ہی سے تھی۔اس وقت کے احوال کی کہانی خود انھیں کی زبانی ملاحظہ فرمائیں :

"(حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ) ۱۰ر شوال کی صبح گاڑی سے مبارک پور تشریف لائے، مجھے بھی اپنے ساتھ لائے اور حافظِ ملت کے حوالے کر دیا۔اس وقت میری عمر لگ بھگ بارہ سال تھی۔ میزان ومنشعب کے ابتدائی درجہ میں میرا داخلہ ہوا، تین سال تک حافظِ ملت کے پاس میری کوئی کتاب نہیں ہوئی۔ حضرت کے پاس میری پہلی کتاب شرح جامی بحثِ اسم شروع ہوئی۔ مگر ان تین سالوں میں بھی حافظِ ملت کا کرم شاملِ حال رہا۔ کبھی کبھی بعدِ عصر تفریح کے لئے جاتے تو ساتھ لے لیتے۔راستے بھر میں زیرِدرس کتابوں کے متعلق سوالات کرتے، جواب میں کوتاہی پر اصلاح وہدایت فرماتے۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ جب برسات کے بعد اینٹ کے بھٹے کا افتتاح ہونے والا ہوتا تو بھٹے کے مالک حاجی انور صاحب حاضر ہوتے کہ بھٹے کا افتتاح ہونے والا ہے حضور تشریف لے چلئے۔اس موقع پر کئی بار حافظِ ملت اپنے ہمراہ مجھے لے گئے اور مجھے ہدایت کرتے کہ فلاں دعائیں پڑھتے ہوئے میرے پیچھے چل۔حافظِ ملت کی شفقت کی وجہ سے کبھی کبھی حضرت کی قیام گاہ پر حاضر ہو جاتا اور خدمت کرتا، یہ وقت بھی حافظِ ملت ضائع نہیں ہونے دیتے۔ کبھی اسباق کے بارے میں سوال کرتے، کبھی مخالفین اہل سنت کے اعتراضات کے جوابات بتاتے، حافظِ ملت کا یہ طرزِ عمل اخیر وقت تک میرے شامل حال رہا۔"

(شارحِ بخاری، ص ر ۵۷)

درس گاہ میں: شاگرد جب محنتی، تعلیمی ذوق کا حامل، تضیعِ اوقات سے پرہیز کرنے والا، استاذ کا فرماں بردار، نیاز مند اور باادب ہوتا ہے تو استاذ کی نظرِ التفات کا اس کی طرف ہونا ایک فطری اور لازمی چیز ہے، خارجی اوقات کے علاوہ درس گاہ میں دورانِ تدریس بھی اس کی کرم فرمائیاں قابلِ دید ہوتی ہیں، اس کی دلی آرزو ہوتی ہے کہ میں اپنے سینے میں ابلنے والے علم وآگہی کے چشموں کو شاگرد کے سینے میں انڈیل دوں۔ یہی وجہ ہے کہ عام تلامذہ کے ہمراہ شریک درس ہونے کے باوجود خاص شاگرد استاذ کے فیضانِ درس سے زیادہ بہرہ مند ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو کہ ؎

بقدرِ ظرف پلائی گئی ہر اک کو شراب نگاہِ مست بڑی ہوشیار ہے ساقی

حضرت شارحِ بخاری، مذکورہ بالا تمام اوصاف کے حامل تھے اس لئے درس گاہ میں حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی آپ پر خصوصی توجہ رہتی۔ حقیقتِ حال شارحِ بخاری کے الفاظ میں پیشِ خدمت ہے۔ وہ رقم طراز ہیں۔

"اسباق کے دوران خصوصی توجہ فرماتے، اور مشکل مسائل کی تقریر کے بعد پوچھتے کیا سمجھے؟ بتاؤ، ابتداہی میں شرح جامی اور جلالین میں خصوصاً شرح اور تفسیر کے رموز ونکات بتاتے اور کچھ دنوں کے بعد خود ہم لوگوں سے پوچھتے۔ اس کی وجہ سے ہم لوگ مجبور تھے کہ مطالعہ بہت غور ومحنت سے کریں۔ جس کا فائدہ یہ ہوا کہ کچھ دنوں میں ہم لوگوں نے اتنی استعداد پیدا کرلی کہ شرح اور تفسیر کے دفع دخلِ مقدر کو از خود نکال لیا کرتے، میں ملا حسن وغیرہ پڑھ رہا تھا اس کے ساتھ دیگر کتابیں بہت سی تھیں اور اسباق بھی کافی ہوتے تھے۔ اس کی وجہ سے میں راتوں کو بہت دیر دیر تک مطالعہ کرتا جس سے میری صحت خراب ہوگئی۔ جسم میں صرف ہڈی اور چمڑہ رہ گیا۔ یہ دیکھ کر حافظِ ملت نے بہت سختی کے ساتھ حکم دیا کہ تم بارہ بجے کے بعد مطالعہ نہیں کرسکتے۔ ابتدا میں میں نہیں مانا پھر آپ نے سختی سے ڈانٹا۔"

(ایضاً، ص/ ۵۷، ۵۸)

خصوصی کرم اور حوصلہ افزائی: یہی وجہ ہے کہ استاذ گرامی حضور حافظِ ملت آپ پر خصوصی کرم فرماتے اور آپ کی حد درجہ حوصلہ افزائی فرماتے جس کا اندازہ حضرت شارحِ بخاری مد ظلہ العالی کے بیان کردہ درج ذیل واقعات سے ہوتا ہے۔

"ملا حسن کے پرچہ کا امتحان تحریری تھا، امتحان کا وقت ختم ہونے تک میں لکھتا رہا، اس وقت مدرسے کے صدر (کمیٹی) جناب محمد امین انصاری صاحب بالالتزام امتحان کے دنوں میں مدرسے

آتے اور نگرانی کرتے، وقت ختم ہونے کے بعد تک میں لکھتا رہا یہاں تک کہ پندرہ منٹ زیادہ ہو گئے، تو انھوں نے حافظِ ملت سے پوچھا کیا ان کی کاپی لے لی جائے؟ آپ نے فرمایا نہیں ابھی رہنے دیجئے اور ان کے کان میں کچھ کہا۔ اس پر امین گرہست صاحب نے مجھ کو بغور دیکھا، کچھ دیر کے بعد میں نے کاپی جمع کی تو حافظ ملت نے فرمایا کھڑے رہو اور امین صاحب کو میری کاپی دکھانے لگے۔ اس کے پورے صفحات دکھائے۔ اخیر میں فرمایا، اس کی صورت دیکھئے۔ اس نے پڑھنے کے پیچھے اپنی صحت خراب کرلی ہے۔ بے وقوف رات رات بھر پڑھتا ہے۔

اس سال تقریری امتحان کے لئے خیر الاذکیا حضرت مولانا غلام یزدانی صاحب اعظمی علیہ الرحمہ تشریف لائے تھے۔ جب وہ امتحان سے فارغ ہو گئے تو حافظِ ملت ان کے پاس تشریف لے گئے۔ مجھے بلایا اور فرمایا کہ دیکھئے اس بے وقوف نے پڑھنے کے پیچھے اپنی صحت خراب کرلی ہے۔ اس کو دیکھئے، کیا ہو گیا ہے؟ وہ طبیب بھی تھے (اور میرے وطن گھوسی، ضلع اعظم گڑھ ہی کے رہنے والے تھے۔ اور اس وقت اپنے دولت کدہ ہی پر قیام فرماتے تھے) حافظِ ملت نے یہ بھی فرمایا کہ رمضان میں آپ اس کا علاج کر دیں۔

جب دار العلوم اشرفیہ کا دوسرا جلسۂ دستار بندی بہت شان و شوکت سے ہونے والا تھا تو فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کوئی طالب علم عربی میں تقریر کرے۔ ابتدا میں بہت سے امیدوار تیار ہوئے مگر سب ہمت ہار گئے۔ قرعۂ فال۔ اس دیوانے کے نام نکلا، اور میں نے اس عظیم الشان جلسۂ دستار بندی میں پہلی بار اکابر علمائے اہل سنت کی موجودگی میں پچیس ۲۵ منٹ تک عربی میں تقریر کی جو بہت کامیاب ہوئی۔ سارے علمائے کرام باغ باغ ہو گئے اور پورا مجمع محو حیرت تھا۔ تقریر کے بعد واہ واہ اور داد و تحسین کے علاوہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے بطور انعام دو روپئے عطا فرمائے۔ حافظِ ملت نے بھی انعام عطا فرمایا۔ استاذ محترم حضرت مولانا محمد سلیمان بھاگل پوری اور حضرت مولانا شمس الحق گجہڑوی مبارک پوری اور صدر جناب محمد امین انصاری نے بھی انعامات دیئے۔ تقریر کے دوران حافظ ملت کی خوشی کا عالم دیکھنے کے لائق تھا۔ چہرہ بشاشت سے کھل رہا تھا۔ بار بار واہ واہ سبحان اللہ فرماتے تھے۔ تقریر کے بعد بارہا مدرسین اور عوام و خواص سے ذکر کرتے رہے۔" (ایضا، ص ر ۵۸، ۵۹)

شفقت و کرم فرمائی کی ایک اور جھلک: آٹھ سال تک دار العلوم اشرفیہ میں تعلیم حاصل کرنے اور حافظِ ملت کے فیضانِ علمی سے مستفیض ہونے کے بعد بعض ناگزیر حالات کے رونما ہونے کی بنا پر حضرت شارح بخاری

نے دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کو خیر آباد کہا اور مدرسہ اسلامیہ عربیہ میرٹھ چلے گئے جہاں اس وقت صدر العلما حضرت مولانا سید غلام جیلانی علی گڑھی ثم میرٹھی اور خیر الاذکیا حضرت مولانا غلام یزدانی اعظمی قدس اللہ اسرارہما زیبِ مسند تدریس تھے جب حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کو اس کی اطلاع ملی تو آپ اس وقت کچھ تحریر فرما رہے تھے، حضرت نے لکھنا چھوڑ دیا، سخت افسردہ ہوئے اور فرمایا "شریف الحق چلا گیا؟" پھر بہت دیر تک خاموش رہے جس سے محسوس ہوتا تھا کہ شارحِ بخاری جیسے تلمیذِ رشید کے جانے کا آپ کو سخت غم تھا۔

آگے کے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرتِ شارحِ بخاری مدظلہ العالی یوں گویا ہیں۔

"میں جانے کو تو میرٹھ چلا گیا مگر وہاں دل نہیں لگتا تھا۔ سخت بے چین تھا دو تین دن کے بعد میں نے معذرت کا خط لکھا۔ دوسرا کوئی ہوتا تو جواب ہی نہیں دیتا یا پھر (خط کے جواب میں) ایسے کچوکے لگاتا کہ زندگی بھر یاد رہتا۔ لیکن قربان جاؤں اپنے حافظ ملت پر کہ انھوں نے جواب دیا اور پیار و محبت کے ساتھ دیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"آپ کے چلے جانے کا بے حد افسوس ہے، میں خدمت سے محروم ہوں، مگر دعاے خیر کرتا ہوں۔ آپ جہاں کہیں رہیں حسبِ عادت محنت اور لگن سے پڑھیں۔"

ع ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است

اس جدائی کے پونے دو سال بعد ۱۳۶۲ھ میں دستار بندی کے موقع پر بریلی شریف میں ملاقات ہوئی تو اسی شفقت سے حافظِ ملت ملے، سینے سے لگایا اور میری سند پر خصوصی عبارت لکھ کر دستخط فرمایا پھر ازراہِ کرم اپنے توسط سے مجھے پہلی ملازمت دلائی"

(ایضا، ص ۵۹، ۶۰)

زمانۂ تدریس میں آپ پر کرم نوازیاں اور اعتماد: زمانۂ طالب علمی ہی کی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر دورانِ تدریس و ملازمت حافظِ ملت قدس سرہ کے الطافِ کریمانہ اور عنایاتِ خسروانہ اور غایت درجہ اعتماد سے آپ بہرہ مند ہوتے رہے اور استاذ محترم کی بارانِ لطف و کرم میں جھوم جھوم کر آپ نہاتے رہے۔ اور ان پیہم عنایتوں اور کرم فرمائیوں نے آپ کی شخصیت میں وہ نکھار پیدا کیا کہ آج آپ علوم و فنون کے برجِ رفعت میں مہر درخشاں بن کر جگمگا رہے ہیں اور دنیا والوں پر پوری فیاضی کے ساتھ اپنی کرنیں بکھیر رہے ہیں۔ مناسب یہی ہے کہ حضور شارحِ بخاری مدظلہ ہی کی زبانِ فیض ترجمان سے اس زمانے کے بھی احوال و کوائف سنے جائیں تاکہ سندِ صحیح کے ساتھ روایت باللفظ اور مسلسل رہے اور علوِ سند کی خوبی بھی ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ فرماتے ہیں۔

"ملازمتوں کے سلسلے میں ابتدا میں میں سخت آزمائش میں رہا، جس کی وجہ سے بار بار جگہ بدلنی پڑی

اور ہر بار حافظِ ملت قدس سرہ نے مجھے پہلے سے اچھی جگہ دلائی۔ جب تک میں گھوسی میں رہا بالالتزام ہر سال سالانہ امتحان اور دستار بندی کے جلسہ میں مدعو فرماتے۔ بلکہ گھوسی سے جانے کے بعد بھی یہ سلسلہ قائم رہا۔ زمانۂ طالب علمی میں جلالین، مختصر المعانی وغیرہ پڑھتا تھا مجھے معین المدرسین رکھا، شرح تہذیب، نفحۃ الیمن وغیرہ پڑھانے کو دیا۔" (ایضاً، ص/ ٦٠)

حافظ ملت علیہ الرحمہ کو شارحِ بخاری پر غایت درجہ اعتماد اور بھروسہ تھا اور کیوں نہ ہو کہ آپ انھیں کے گہوارۂ تعلیم و تربیت کے پروردہ تھے، آپ کی زندگی کے نشیب و فراز، علمی ژرف نگاہی، وسعتِ مطالعہ، قوتِ اخذ واستنباط سے وہ بھرپور واقف تھے۔ اس قسم کا ایک واقعہ اس دوران پیش آیا جب حضرت شارحِ بخاری کسی جلسے میں امرڈوبھا ضلع بستی گئے تھے اور حضور حافظِ ملت بھی وہاں تشریف لے گئے تھے۔ راوی خود حضرت شارحِ بخاری ہیں۔ واقعہ یوں ہے۔

"ایک بار امرڈوبھا ضلع بستی میں کسی نے حافظِ ملت کی خدمت میں استفتا پیش کیا۔ حضرت نے میرے بارے میں فرمایا اِن کو دے دو۔ میں نے فتویٰ لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو بغیر پڑھے ہوئے تصدیق فرمادی میں نے عرض کیا کہ حضور نے فتویٰ پڑھے بغیر تصدیق فرمادی تو فرمایا۔ آپ کا فتویٰ پڑھ کر تصدیق کی جائے گی؟ اس کے بعد فتویٰ پڑھا۔

(ایضا، ص/ ٦٠)

خوردنوازی: شارحِ بخاری پر حافظِ ملت کی نوازشوں اور خورد نوازی کا درج ذیل واقعہ بھی قابل توجہ ہے واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ مدرسہ انوار القرآن بلرام پور میں شیخ الحدیث تھے۔

بلرام پور میں ختم بخاری کی تقریب تھی حافظِ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی بھی تشریف فرما تھے اور سید العلما حضرت مولانا سید آل مصطفےٰ اولاد حیدر علیہ الرحمہ سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ بھی جلوہ فرما تھے۔ شارحِ بخاری نے حافظِ ملت قدس سرہ العزیز سے عرض کیا حضور! طلبہ کو بخاری شریف کی آخری حدیث پڑھادیں۔ فرمایا۔ آپ نے پوری بخاری پڑھائی ہے یہ بھی آپ ہی پڑھائیں گے، شارحِ بخاری نے بہت اصرار کیا۔ مگر حضرت یہی فرماتے رہے کہ تم پڑھاؤ، تمہارا حق ہے، اس کے بعد آپ نے حضرت سید العلما قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضور! آپ پڑھادیں، فرمایا حضرت حافظِ ملت نے فیصلہ فرمادیا اب اس میں ترمیم نہیں ہوسکتی۔ آپ پڑھائیں، بالآخر شارحِ بخاری نے بخاری شریف کی آخری حدیث بھی طلبہ کو پڑھائی شارحِ بخاری فرماتے ہیں۔

"میری (درسی) تقریر سن کر بہت دیر تک حافظ ملت اپنی تقریر میں میری تعریفیں کرتے رہے، تقریر کے اہم نکات کی نشان دہی کر کے داد دیتے رہے اور تعریفی کلمات ارشاد فرماتے رہے۔" (ایضاً، ص/ ٦١)

مناظروں میں دعوت: حافظ ملت علیہ الرحمہ کو آپ پر اتنا اعتماد تھا کہ آپ کو مناظروں میں بھی بلواتے اور حوصلہ افزائی فرماتے۔ چنانچہ خود شارح بخاری لکھتے ہیں۔

> ''اگر مبارک پور میں کہیں سے کوئی مناظرہ کے لئے مناظر طلب کرتا تو اسے حکم دیتے کہ شریف الحق کو ضرور مدعو کرو۔ متعدد جگہ مناظروں میں حضرت ہی کے حکم پر میں شریک ہوا۔ مثلاً غیر مقلدین کے مقابلے میں نیپال کی سرحد پر مدھوبنی کے مناظرہ ہیں۔ دریاپور ضلع مالدہ (بنگال) میں۔ باندو چتر ضلع پلاموں (بہار) کے مناظرہ میں۔ اخیر کا مناظرہ اپنی نوعیت کا منفرد مناظرہ تھا اس مناظرہ کا اثر یہ ہوا کہ اختتام مناظرہ کے بعد جب ہم اہل سنت صلوٰۃ و سلام کے لئے کھڑے ہوئے تو دیوبندیوں کے شامیانے کے نیچے جتنے عوام بیٹھے تھے وہ سب بھی دیوبندی مولویوں کے بیٹھے رہنے کے باوجود ہماری طرف منہ کر کے صلوٰۃ و سلام کے لئے کھڑے ہو گئے اور ہمارے ساتھ دعا مانگی۔ اس مناظرہ کو حافظ ملت نے الگ بیٹھ کر بالتفصیل سنا تھا۔ میں جب مناظرہ سے فارغ ہو کر خدمت میں حاضر ہوا تو فرط محبت میں کھڑے ہو گئے اور بہت دیر تک مبارک باد دیتے رہے، دعائیں دیتے رہے۔ پھر ٹاٹی ڈیہری موضع میں جشنِ فتح منایا گیا تو آپ نے پوری تقریر میرے بارے میں اور مناظرہ کے بارے میں فرمائی۔''
>
> (حوالہ سابق)

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا: حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ جو حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے دور میں جامعہ اشرفیہ میں نائب شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز تھے، ابو الفیض حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے تلامذہ میں آپ کی شخصیت انفرادی حیثیت رکھتی تھی، زبردست عالم دین، قوتِ حافظہ، جودتِ ذہن، دور اندیشی، ژرف نگاہی، وسعتِ مطالعہ، فقہی بصیرت، علوم و فنون کی جامعیت اور دیگر بہت سے گوناگوں اوصافِ حمیدہ میں آپ بے نظیر تھے، اسباق کی تفہیم تو ایسی کہ بقول ان کے تلامذہ کے پڑھاتے نہیں گھول کر پلاتے تھے، جن کو حافظِ ملت نے اپنا دستِ بازو قرار دیا تھا شوال ۱۳۹۱ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا، ان کا وصال ایسا سانحۂ عظیم اور جاں کاہ حادثہ تھا کہ حافظِ ملت علیہ الرحمہ کو بھی اس سے سخت صدمہ پہنچا تھا۔ ان کی مسند تدریس کو پُر کرنا آسان کام نہ تھا۔ اس اہم خلا کو پُر کرنے کے لئے حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی نگاہِ انتخاب اپنے تلامذہ میں صرف شارحِ بخاری پر پڑی شارح بخاری اس وقت حضرت علامہ ارشد القادری دام ظلہ کی دعوت پر جمشید پور تشریف لے گئے تھے، وہاں سے مبارک پور واپسی پر حافظِ ملت نے آپ سے جامعہ اشرفیہ میں تدریسی خدمت انجام دینے کے لئے کہا جب آپ نے

اس پر رضامندی کا اظہار کر دیا تو حافظِ ملت نے فرمایا۔

"مجھے اس جگہ کے لئے سخت تردّد تھا، اب اطمینان ہو گیا" (ایضا، ص ر ۶۱)

مگر اس وقت شارحِ بخاری مدرسہ انوار القرآن، بلرام پور میں شیخ الحدیث اور مفتی کے منصب پر فائز تھے وہاں کے لوگوں نے حافظِ ملت علیہ الرحمہ سے منّت وسماجت کر کے آپ کو وہاں سے آنے نہ دیا۔

پھر ذوالحجہ ۱۳۹۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۶ء میں آپ اپنے مادر علمی اور حافظ ملت قدس سرہ کے لگائے ہوئے باغ فردوس جامعہ اشرفیہ کو سیراب کرنے کے لئے تشریف لے آئے۔

(ماہنامہ اشرفیہ دسمبر ۱۹۹۶ء، ص ر ۳۳)

اور اس وقت سے لے کر اب تک مسلسل اس کی آبیاری فرمارہے ہیں ؎

آخر گل اپنی صرفِ درِ میکدہ ہوئی
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

حافظ ملت سے عقیدت: حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی بے پناہ شفقتوں، کرم فرمائیوں اور پیہم احسانات نے آپ کو ان کا بندۂ بے دام بنادیا، کہ عربی کی مشہور کہاوت ہے "اَلاِحسانُ یَستَعبِدُ الاِنسان" اس کے علاوہ حافظِ ملت کے ذاتی اوصاف، تقویٰ و پرہیزگاری، پیغام خداوندی کو عام سے عام تر کرنے کی قلبی تڑپ، دور اندیشی، مستقبل شناسی، خلوص وللّٰہیت، اہل سنت وجماعت کے مستقبل کی فکر اور ان کے زرّیں کارناموں کی بناپر شارحِ بخاری کے قلب وجگر میں ان کی والہانہ محبت اور پروانہ وار عشق و عقیدت رچی بسی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجلس میں ان کا تذکرہ آتے ہی آپ کا جام عشق و عقیدت اور پیمانۂ الفت و محبت لبریز ہو کر بہ پڑتا ہے، کبھی استاذ محترم کے خلوص وللّٰہیت کا تذکرہ ہوتا ہے، تو کبھی ان کے زرّیں کارناموں کا ذکر جمیل۔ کبھی ان کی ژرف نگاہی کا چرچا ہوتا ہے تو کبھی ان کی علمی جامعیت کا بیان۔ کبھی ان کی اصاغر نوازی کی داستان بیان کی جاتی ہے تو کبھی اکابر کے ساتھ ان کے الہانہ لگاؤ کا خطبہ۔ خلاصہ یہ کہ ان کا ذکر جمیل آتے ہی آپ ایک عاشقِ زار کی طرح بے قابو ہو جاتے ہیں اور زبانِ حال سے یہ کہتے نظر آتے ہیں۔ ؎

ہزار کام لیا ہم نے خوش بیانی سے
جمالِ یار کی رعنائیاں ادا نہ ہوئیں

حافظِ ملت سے عقیدت کی ایک جھلک: مئی ۱۹۷۱ء میں "اسلام اور چاند کا سفر" نامی شارحِ بخاری کی ایک معرکۃ الآرا اور تہلکہ خیز کتاب منظر عام پہ آئی اور اس کتاب نے علمی حلقوں میں اسی طرح ہلچل مچائی جیسے امریکہ وروس کے خلا پیماؤں نے اپنے خلائی جہاز "اپالو" اور "لونا" کے ذریعہ چاند پر پہنچنے کا دعویٰ کر کے ساری دنیا میں تہلکہ مچادیا تھا۔

مذہبی علما کا ایک بڑا طبقہ اس خبر کو جھوٹ، فریب، فراڈ قرار دے کر چاند پر انسان کی رسائی کو ناممکن سمجھ رہا تھا۔ اور اس خبر کی تصدیق کرنے والے کو گمراہ بتا رہا تھا۔ دوسرا طبقہ چاند پر انسان کی رسائی کو ممکن سمجھ رہا تھا اور ایک تیسرا طبقہ یہ کہہ رہا تھا کہ چاند پر انسان کے پہنچنے کی بشارت قرآن حکیم کے اندر موجود ہے۔

حضرت شارحِ بخاری کا موقف یہ تھا کہ امریکہ وروس کے خلاباز چاند پر پہنچے یا نہیں اور ان کا دعویٰ صحیح ہے یا غلط۔ اس کی تصدیق وتکذیب ایک الگ مسئلہ ہے اور چاند پر انسان کی رسائی کا ممکن ہونا یہ اس سے مختلف ایک دوسرا موضوعِ بحث ہے۔ آپ کی نظر میں چاند پر انسان کا پہنچ جانا ممکن ہے، اس میں شرعاً وعقلاً کوئی استحالہ نہیں۔ اس کتاب میں حضرت نے اپنے وسیع مطالعہ اور تحقیق وتدقیق کا دریا بہادیا ہے۔

اتفاق یہ ہوا کہ آپ کے استاذ گرامی صدر العلما علامہ سیّد غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کو آپ کے موقف سے سخت اختلاف تھا۔ ان کے نزدیک انسان کی چاند پر رسائی محال وناممکن تھی۔ اس لئے انھوں نے حضرت شارحِ بخاری کے موقف کا رد کرتے ہوئے "صحیح المسلک" نامی ایک رسالہ تصنیف فرمایا جس میں انھوں نے حضرتِ شارحِ بخاری کے ساتھ جلالۃ العلم، استاذ العلما حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ پر بھی تیر ونشتر برسائے۔ اس موقع پر حضرت شارحِ بخاری نے "اسلام اور چاند کا سفر" کے دوسرے ایڈیشن میں "معذرت" کے عنوان کے تحت صدر العلما علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہوئے جو تحریر فرمایا اس کا اقتباس ہدیۂ ناظرین ہے۔ جس سے حضور حافظ علیہ الرحمہ کے ساتھ آپ کے والہانہ تعلق اور پروانہ وار عقیدت کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے۔

"میرے اوپر جو عنایتیں ہوئی ہیں اس کا نہ تو جواب دینا ہے نہ دوں گا اور نہ وہ میرے لئے کسی تکلیف کا باعث۔ البتہ جہاں جہاں "جلالۃ العلم استاذ العلما حضور حافظ ملت دامت برکاتہم العالیہ پر طعن کیا گیا ہے وہ میرے لئے ضرور انتہائی تکلیف دہ واذیت ناک ہے ان کی عدالت میں مجرم تھا تو میں تھا اس کی سزا مجھے ملنی چاہئے تھی اور میرے سرکار نے سزا دینے میں کوئی کسر نہیں رکھی مگر میرے جرم پر حضور حافظ ملت دامت برکاتہم القدسیہ کو موردِ طعن بنانا ان کو غیظ وغضب کا نشانہ ٹھہرانا کبھی بھی کسی منصف کے نزدیک لائق ستائش کام نہیں"

(اسلام اور چاند کا سفر، ص ر ۱۰ طبع ثانی)

(۴) محدّثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد قادری چشتی قدس سرہٗ

استاذ العلما والمحدثین، راس الفقہاء والمتکلمین، حبرِ اُمّت، راز دار شریعت وطریقت حضرت علامہ ابو الفضل سردار احمد قادری رضوی چشتی قدس سرہ کی ذات برصغیر ہند وپاک میں مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے جس کی روشنی سے ایک عالم فیض یاب ہوا اور ہو رہا ہے اور جن کے علمی وروحانی فیض کے دریا سے سیکڑوں تشنگان علوم نبویہ سیراب ہوئے اور ہو رہے ہیں وہ آسمان سنیت کے ایسے ماہ درخشاں تھے جن کا علمی دماہِ درخشاں تھے جس کی ضیاپاشیوں اور نورانی

تجلیوں نے پاک و ہند کے خطے کو بقعۂ نور بنادیا۔ وہ بحرِ علوم قرآنیہ اور دریاے سنتِ نبویہ کے ماہر شناور، معقولات و منقولات کے جامع، سحر البیان خطیب، پیکرِ رشد وہدایت، اور کوہِ استقامت تھے۔

ولادت: محدثِ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد کی ولادت ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء میں موضع دیال گڑھ ضلع گورداس پور پنجاب (بھارت) میں ہوئی، دیال گڑھ ضلع گورداس پور کا ایک مشہور قصبہ ہے جو بٹالہ سے چار میل دور ہے۔ والد ماجد کا اسم گرامی چوہدری میران بخش تھا۔ آپ کے والد ماجد کاشتکاری کرتے تھے، آپ کا خاندان دیہاتی ماحول کے اعتبار سے خوشحال تھا، آپ کے والدین مذہبی امور میں خاص دل چسپی رکھتے تھے، پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے غایت درجہ محبت تھی۔

بچپن: عہد طفولیت ہی میں حضرت اقدس سرہ کی پیشانی پر سعادت ازلیہ کے آثار نمایاں تھے آپ کا بچپن دوسرے بچوں سے ممتاز تھا، والدین، افرادِ خانہ، اساتذہ اور بچپن کے ساتھیوں کے بیانات اس پر شاہد عدل ہیں۔ آپ کی کم سنی کے ایام میں آپ کی والدہ محترمہ جو زہد و تقوی، عفت و عصمت اور عبادت وریاضت کی پیکر تھیں آپ کو بوسہ دیتے ہوئے دعائیہ انداز میں فرماتیں :

"آپ کا نام "سردار محمد (۱)" ہے، اللہ تعالیٰ تجھے دین و دنیا کا سردار بنائے۔"

اور اکثر یہ بھی فرماتیں :

"ان شاء اللہ میرا یہ لاڈلا بچہ عظیم شخصیت کا مالک ہوگا۔"

آپ جب بڑے ہوئے، چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو والد ماجد کے ہمراہ مسجد میں نماز پڑھنے چلے جاتے ذکر واذکار اور نعت خوانی کا ذوق بچپن ہی سے تھا۔ اکثر اوقات چلتے جاتے اور ذکر و اذکار آپ کی زبان پر جاری رہتا۔ سامعین محظوظ اور متعجب ہوتے۔ (محدثِ اعظم پاکستان، ج/۱، ص/ ۳۴، ۳۵ ملخصاً)

تعلیم و تربیت: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن قصبہ دیال گڑھ کے پرائمری اسکول میں حاصل کی اس زمانہ میں مولانا ذوالفقار علی قریشی پرائمری اسکول کے صدر مدرس تھے۔ قریشی صاحب متقی، متوکل، صابر و شاکر، قانع اور سنت نبوی پر پابندی اور خلوص سے عمل کرنے والے استاد تھے۔ آپ کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ اپنے تلامذہ میں

---

(۱) والدین نے آپ کا نام (باقی بھائیوں کے ناموں کی مناسبت سے) "سردار محمد" رکھا۔ لیکن جب آپ حصولِ تعلیم کی غرض سے بریلی تشریف لے گئے تو وہاں کے اکابر، اساتذہ، احباب اور ہم درس طلبہ آپ کو "سردار احمد" کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اس صورتِ حال کے پیش نظر آپ نے والدین کا تجویز کردہ نام بھی ترک نہ فرمایا اور اساتذۂ کرام کے عطا کردہ نام کو بھی استعمال میں رکھا، اس آپ اپنا نام "محمد سردار احمد" تحریر فرمایا کرتے تھے۔ (محدث اعظم پاکستان، ج/۱، ص/ ۳۳)

اسلامی رنگ بھر دیا جائے۔ پرائمری تعلیم کے بعد آپ اسلامیہ ہائی اسکول، بٹالہ، ضلع گورداس پور میں داخل ہوئے۔
(محدث اعظم پاکستان، از مولانا محمد جلال الدین قادری، ج ر ۱، ص ۳۷، ۳۸ ملخصاً)

اور وہیں سے میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن پاس کیا۔ میٹرک کے بعد آپ ایف. اے. کرنے لاہور تشریف لائے، ایف. اے. کی تیاری نجی طور پر کر رہے تھے، کسی کالج میں داخل نہ ہوئے۔ ۱۳۴۳ھ ر ۱۹۲۴ء میں انجمن حزب الاحناف لاہور کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد ہوا جس میں بر صغیر کے جلیل القدر مشائخ کرام اور عظیم المرتبت علمائے عظام کثیر تعداد میں تشریف فرما ہوئے، ان، علما و مشائخ میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا قادری بریلوی قدس سرہ بھی تھے، حضرت محدث اعظم پاکستان کی سعادت مندی انھیں جلسہ تک لے آئی۔
حضرت حجۃ الاسلام حسنِ سیرت کے ساتھ ساتھ حسنِ صورت کی بے پناہ دولت سے بھی مالا مال تھے، جلسہ گاہ میں حضرت حجۃ الاسلام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اسی ایک زیارت سے آپ کے دل کی دنیا بدل گئی دنیوی تعلیم کو خیر باد کہہ کر دینی تعلیم کے حصول کا عزم پختہ ہو گیا۔ آپ نے حجۃ الاسلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اپنے ساتھ انھیں بھی بریلی لے چلیں، حضرت حجۃ الاسلام نے آپ کی یہ عرض داشت قبول فرمالی اور انھیں بریلی شریف لے آئے۔
دار العلوم منظر اسلام بریلی کے طلبہ کا قیام عموماً شہر کی مساجد میں ہوتا لیکن حضرت حجۃ الاسلام نے آپ کو خاص اپنے آستانے پر ٹھہرایا۔ بریلی زمانہ طالب علمی میں آپ کا قیام وطعام اور دیگر اخراجات حجۃ الاسلام ہی کے ذمے تھے، وہاں آپ نے کم وبیش تین سال تعلیم پائی، پوری توجہ اور انہماک سے اسباق پڑھتے اور مطالعہ کرتے۔ اس عرصہ میں آپ نے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا، مفتی اعظم مولانا محمد مصطفیٰ رضا اور مولانا محمد حسین قدست اسرا ہم سے درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ (حوالۂ سابق، ص ۳۹ تا ۴۲ ملخصاً) تعلیم کا یہ عرصہ اندازاً ۱۳۴۳ھ تا ۱۳۴۵ھ (۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۶ء) کے اوائل پر مشتمل ہے، یہ وہ دور ہے کہ جب حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی خلیفہ امام احمد رضا رحمہما اللہ دار الخیر اجمیر مقدس کے مدرسہ معینیہ عثمانیہ میں صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز تھے پورے برصغیر میں ان کی تدریس کا شہرہ تھا۔ حضرتِ محدث اعظم پاکستان کو مولیٰ عزوجل نے جس عظیم خدمت کے لئے پیدا فرمایا تھا اس کے لئے حضرت صدر الشریعہ جیسے بحر العلوم مربّی کی ضرورت تھی، چنانچہ جب خود خانوادہ رضویت کے بعض افراد مثلاً مولانا محمد ادریس رضا خاں نبیرۂ استاذ زمن مولانا محمد حسن میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اجمیر مقدس بغرض تعلیم جانے لگے تو آپ بھی ہر دو شہزادگان (حجۃ الاسلام و مفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ) سے اجازت لے کر اجمیر مقدس حاضر ہوئے، سلطان الہند خواجہ غریب نواز کی بارگاہ میں علم و فضل کے "قطب اوحد" سے انھیں کیا ملا اسکے بارے میں حضرت مفتی اعظم ہند نے فرمایا۔
"پھر تو بحر العلوم کے پاس گئے اور خود بھی بحر العلوم ہو گئے" (ایضاً ص ر ۳۶)

تعلیمی ارتقا کے تین اہم وصول ہیں۔
(۱) ماہر اور محنتی استاذ (۲) ذہین طالب علم (۳) محنتی ذہین اور شوقین ہم سبق
ان اجزا کا اجتماع کم ہی واقع ہوتا ہے۔ خوش بختی سے اس وقت یہ تینوں اجزا اعلیٰ سے اعلیٰ اعتبار سے موجود تھے، قدرت کی فیاضی سے جو استاذ ملے وہ خود بحر العلوم تھے، آپ کے ہم سبق دنیائے علم و فضل کے آفتاب بن کر چمکے مثلاً حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی بانی جامعہ اشرفیہ وغیرہ، اور آپ کا ذوق اور محنت اس دور میں اپنی مثال آپ تھا، تعلیم کا ذوق آپ کو کشاں کشاں آگے بڑھاتا رہا۔
مطالعۂ کتب تو آپ کی روحانی غذا تھی۔ دوران تعلیم اجمیر مقدس ایک مرتبہ آپ کے سر پر سخت چوٹ آئی۔ ڈاکٹروں نے مکمل آرام کا مشورہ دیا اور کتب بینی کی سخت ممانعت کر دی۔ اس کے باوجود تکلیف کی پروا کئے بغیر مطالعہ میں مصروف رہے اور اسباق کا ناغہ نہ کیا۔ شفیق و مہربان استاذ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس جماعت کو جس میں حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ بھی شریک تھے درس نظامی کی متداول کتب کے علاوہ علوم و فنون کی اعلیٰ ترین کتب مثلاً شرح چغمینی، محقق دوانی کے غیر مطبوعہ حواشی قدیمہ و جدیدہ شرح تجرید، اشارات مع شروح امام رازی و طوسی وغیرہ کا خصوصی درس دیا
(محدث اعظم پاکستان، از مولانا جلال الدین قادری ج ر ۱، ص ر ۴۸)
قیام اجمیر کے دوران آپ نے فخر العلما مولانا سید امیر اجمیری علیہ الرحمہ (مرید و خلیفہ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی) نائب صدر مدرس مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر سے بھی بعض سبق پڑھے۔ جب حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ منظر اسلام بریلی شریف آئے تو آپ بھی ان کے ہمراہ یہاں آگئے۔ اس عرصہ میں آپ نے علوم عالیہ کی بعض ان کتابوں کا درس لیا جن سے عام طور پر طلبہ ناواقف رہتے ہیں۔ یہ کتابیں قلمی تھیں سبق پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کتابوں کی نقلیں بھی تیار کرتے۔ (ایضاً، ص ر ۵۱ تا ۵۳ ملخصاً)
اسی سال حضرت والا اور ان کے ہم درس ساتھیوں نے حضرت صدر الشریعہ سے حدیث کی تعلیم مکمل کی اور وہیں سے فارغ التحصیل ہوئے (نوری کرن، بریلی، محدث اعظم پاکستان نمبر، مارچ اپریل ۱۹۶۳ء
تدریس: دار العلوم منظر اسلام بریلی میں اپنی تعلیم کا آغاز کرنے والے طالب علم محمد سردار احمد نے تقریباً آٹھ سال بعد اسی دار العلوم میں حضرت حجۃ الاسلام کی سرپرستی میں مدرس دوم کی حیثیت سے اپنی تدریس کا آغاز کیا، اس وقت وہاں صدر المدرسین کے منصب پر آپ کے استاذ گرامی حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ فائز تھے۔ کم و بیش تین سال بعد استاذ گرامی حضرت صدر الشریعہ کے تشریف لے جانے کے بعد آپ منظر اسلام بریلی کے صدر المدرسین کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے اس عرصہ میں آپ نے منظر اسلام میں درس نظامی کے جملہ فنون

کی منتہی کتابیں بڑی خوش اسلوبی اور کامیابی سے پڑھائیں (محدث اعظم پاکستان، از مولانا جلال الدین، قادری ج ۱/۱، ص ۷۱/۲ ملخصاً) ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء میں دار العلوم مظہر اسلام کا قیام بعض ناگزیر حالات کے سبب انتہائی بے سروسامانی و کس مپرسی کی حالت میں مسجد بی بی جی (بہاری پور محلّہ) کے اندر عمل میں آیا۔ ہوا یہ کہ حضرت اور مولانا عبد العزیز خاں صاحب بجنوری توکلا علی اللہ مسجد میں آن بیٹھے، ساتھ ہی ساتھ سو طلبہ بھی آگئے نہ طلبہ کا کوئی کفیل تھا اور نہ ان حضرات کی تنخواہ کا کوئی ذمہ دار حسبۃً للہ تعلیم شروع ہو گئی۔ اور بقول اے ؂

ہر کجا چشمہ بود شیریں مردم و، مرغ و مور گرد آیند (سعدی شیرازی)

طلبہ ہر چہار طرف سے آنے لگے۔ تھوڑی سی مدت میں یہ دار العلوم دنیائے سنیت کا سب سے بڑا دار العلوم بن گیا، مدرسے کی نہ کوئی عمارت، نہ طعام و قیام کا کوئی معقول بندوبست۔ مسجد کے صحن میں ٹین کے نیچے تعلیم ہوتی، جاڑوں میں ٹھنڈی ہوائیں، گرمیوں میں لو کے تھپیڑے، برسات میں بارش کے چھینٹے، مگر طلبہ تھے کہ ہر طرف سے ٹوٹے پڑتے تھے، ہر سال تیس سے لیکر چھتیس تک علما فارغ ہوتے، یوپی کے علاوہ بہار، بنگال، پنجاب سرحد، بمبئی حتیٰ کہ افغانستان تک کے طلبہ کا کثیر اجتماع رہتا۔

(نوری کرن بریلی، محدث اعظم پاکستان نمبر، مارچ اپریل ۱۹۶۳ء، مضمون مفتی محمد شریف الحق امجدی ص ۳۷/۳۸ ملخصا)

دار العلوم مظہر اسلام میں محدثِ اعظم نے علوم و فنون کی کتابوں کے علاوہ صحاح ستہ کا درس شروع کر دیا۔ شعبان المعظم ۱۳۶۶ھ / جولائی ۱۹۴۷ء (تقسیم ہند کے وقت) تک آپ مظہر اسلام کے شیخ الحدیث رہے، رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ / جولائی، اگست ۱۹۴۷ء کی تعطیلات میں آپ اپنے آبائی گاؤں دیال گڑھ ضلع گورداس پور میں تھے کہ ملک کی تقسیم ہو گئی اور پنجاب کے فسادات شروع ہو گئے، اس لئے آپ ۳/ شوال ۱۳۶۶ھ میں اپنے گاؤں سے ہجرت فرما کر لاہور تشریف لے گئے۔ پھر تقسیم ملک کے بعد آپ اہل و عیال کو وہیں چھوڑ کر دوبارہ بریلی تشریف لے آئے، مگر دونوں ملکوں کے درمیان پاسپورٹ کی پابندی لگ جانے کی وجہ سے چند ماہ بعد ہی آپ پاکستان واپس چلے گئے۔ پھر حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری علیہ الرحمہ کی طرف سے لائل پور میں قیام کا اشارہ پا کر آپ لائل پور آگئے اور یہیں محلہ سنت پورہ میں شوال ۱۳۶۸ھ / جولائی ۱۹۴۹ء میں عارضی طور پر پڑھانا شروع کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ کسی موزوں اور وسیع جگہ کی تلاش شروع کر دی۔ چند ہی دنوں بعد دار العلوم مظہر اسلام جامعہ رضویہ، فیصل آباد کی شاہی مسجد کے بغیر چھت کے فرش پر درس شروع کر دیا۔ پانچ ماہ بعد ۱۲/ ربیع الاول ۱۳۶۸ھ / ۲/ جنوری ۱۹۵۰ء کو آپ نے گول باغ میں جامعہ رضویہ مظہر اسلام کی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھ دیا، اور اسی دار العلوم میں آپ نے دس سال تک درسِ حدیث کے علاوہ مختلف علوم و فنون کی تعلیم دی۔ (محدث اعظم

پاکستان، مولانا جلال الدین قادری، ج ر ۱، ص ر ۲۷۳ تا ۲۷۵ ملخصاً)

طرز تدریس: ممتاز دانشور اور ماہر تعلیم جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، صدر شعبۂ عربی، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد رقم طراز ہیں۔

"بارہا مسندِ تدریس سجی دیکھی۔ ایک نصف دائرہ جس میں طلبہ کندھے سے کندھا جوڑے صف بستہ، سامنے حضرت شیخ الحدیث نہایت ادب واحترام کی تصویر بنے، موضوع کے تقدس کا عملی اظہار بنے تشریف فرما ہوتے۔ ایک طالب علم حدیث شریف کی قراءت کرتا۔ سب اس کے انداز قراءت اور اسلوبِ تکلم پر نظر رکھتے۔ حرکات و اعراب پر توجہ رہتی، غلطی کی نشاندہی ہوتی اور بالآخر متن کی مکمل تصحیح کے بعد اس کی توضیحات کا لمحہ آتا۔ ہر لفظ کی تفسیر بیان ہوتی اور عربی الفاظ کی تفہیم کی ہر صورت آزمائی جاتی ترجمہ و تفہیم کا حق ادا ہوتا، تو استنباط مسائل اور تطبیق احکام کی منزل آتی، صراحۃ النص سے مسائل اخذ کئے جائے، پھر اشارہ و کنایہ کی بنیاد پر مطالب کا بے پایاں دفتر کھل جاتا، ہم معنی و قریب المعنی روایات کی تطبیق ہوتی اور بظاہر مخالف روایات کی تاویل کا حق ادا کیا جاتا، یوں محسوس ہوتا کہ قرآن وحدیث اور اقوال علما مستحضر ہیں۔ اور استشہاد میں نہ کہیں سقم ہے نہ ژولیدہ بیانی کا گلہ، بے تکان اور والہانہ انداز میں گفتگو ہوتی۔ شرحِ حدیث میں ہمہ تن محویت کے باوجود نہ لفظ بے وزن ہوتے نہ معانی میں کوئی جھول آتا، چار پانچ گھنٹے مسلسل درس ہوتا" (ایضاً، ص ر ۲۸۱، ۲۸۰)

محدّثِ اعظم پاکستان کے تلمیذ رشید شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ فرماتے ہیں۔

> "خود ہمیشہ باوضو پڑھاتے، طلبہ کو بھی تاکید فرماتے کہ باوضو پڑھو، سخت سے سخت گرمی میں بھی صرف کرتا پہن کر کبھی درس حدیث نہیں دیا، کم از کم شیروانی ضرور پہنے رہتے، عمامہ بھی ہوتا۔ کبھی کسی عذر کی وجہ سے شاید باید ٹوپی رہتی، چھ چھ گھنٹے مسلسل بیٹھ کر پڑھاتے۔ مگر کبھی مسند یا دیوار پر ٹیک نہیں لگاتے۔ درمیان درس میں بڑے سے بڑا آدمی آجائے کبھی نہ اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے، اور نہ درس حدیث قطع کر کے کسی سے بات کرتے۔ عام حدیث پڑھانے والے اپنا سارا زور بخاری و ترمذی میں دکھاتے ہیں۔ وہ بھی چند موضوعات پر، مگر آپ کا دستور یہ تھا کہ صحاح ستہ میں جو حدیث پہلے آجاتی اس پر سیر حاصل تقریر فرماتے، بامحاورہ ترجمہ، لغات کی تشریح، مطلب باب کے ساتھ مطابقت، حدیث کی کیفیت، صحیح ہے کہ حسن کہ ضعیف خصوصیت کے ساتھ آپ کے ذہن رسا کی نکتہ آفرینی کا جوہر اس وقت کھلتا، جب کہ مسائل اختلافیہ میں مذہب اہل سنت وجماعت اور حنفی مسلک کی تائیدی تقریر فرماتے (نوری کرن،

محدث اعظم پاکستان نمبر مارچ، اپریل ۱۹۶۳ء ص ر ۳۸)

تلامذہ: آپ کی بارگاہ فیض سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں طالبان علوم نبویہ مستفیض ہوئے۔پاکستان میں آخری سالوں میں سند فراغت حاصل کرنے والوں کی تعداد سو سے متجاوز ہو جایا کرتی تھی۔

بیعت وخلافت: آپ سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں حضرت شاہ محمد سراج الحق چشتی کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور خلافت سے مشرف ہوئے اور سلسلہ قادریہ میں شاہزادۂ اعلیٰ حضرت بریلوی حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی سے فیض یاب ہوئے (تذکرۂ اکابر اہلسنت پاکستان مولانا عبد الحکیم شرف قادری، ج ر ۱، ص ر ۱۵) اور حضور مفتی اعظم ہند الشاہ مولانا مصطفےٰ رضا نوری بریلوی قدس سرہ نے جمیع سلاسل کی اجازت وخلافت عطا فرمائی (مفتی اعظم اور ان کے خلفا شہاب الدین بہرائچی، ج ر ۱، ص ر ۳۹۳) نیز حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے بھی آپ کو اجازت وخلافت حاصل تھی (ماہنامہ اشرفیہ، حافظ ملت نمبر ص ر ۷۳)

عادات و اطوار: آپ کے ہم درس رفیق، جلالۃ العلم حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور فرماتے ہیں۔

"خوف الٰہی وخشیت ربانی، زہد وتقویٰ، اتباع سنت آپ کی طبیعت ثانیہ تھی، ہر قول وفعل، تمام حرکات وسکنات، نشست وبرخاست میں اتباع سنت ملحوظ رکھتے تھے، زمانۂ طالب علمی میں آپ اس قدر پابند سنت اور متبع سنت تھے کہ آپ کے لیل ونہار، خلوت وجلوت کے تمام حالات سنت کریمہ کے مطابق ہوتے۔اجمیر مقدس کا پورا دور طالب علمی میرے سامنے ہے زمانۂ طالب علمی میں پاک اور ستھری زندگی ہے جو ریاضت ومجاہدہ کے بعد بھی دشوار ہے، کم کھانا، کم بولنا، کم سونا، شب وروز تحصیل علم میں مصروف رہنا آپ کا معمول تھا، سلسلے کے وظائف اور نماز باجماعت کے پابند تھے، خشیت ربانی کا یہ عالم تھا کہ نماز میں جب امام سے آیت ترہیب سنتے تو آپ پر لرزہ طاری ہو جاتا۔حتی کہ پاس والے نمازی کو محسوس ہوتا تھا" (نوری کرن، محدث اعظم نمبر، مارچ، اپریل ۱۹۶۳ء، ص ر ۲۸)

تصنیفات: درس وتدریس، وعظ وتبلیغ، رشد وہدایت کی مصروفیات اس قدر زیادہ تھیں کہ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے لئے تصنیف وتالیف کے لئے وقت نکالنا آسان نہ تھا تصنیف وتالیف کے میدان میں اترنا اور اپنے اشہب قلم کو مہمیز دینا نہایت دشوار اور کٹھن مرحلہ تھا ان موانع کے باوجود آپ نے کافی علمی ذخیرہ چھوڑا، جو "محدث اعظم پاکستان" کے مؤلف حضرت مولانا جلال الدین قادری مدظلہ کے بیان کے مطابق چھوٹی بڑی سرسٹھ کتابیں پر مشتمل ہیں ان میں سے بعض مطبوعہ ہیں اور اکثر غیر مطبوعہ۔ جو آپ کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہیں جو اس وقت حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے خلف اکبر حضرت مولانا قاضی محمد فضل رسول حیدر رضوی مدظلہ کے زیر نگرانی

ہے خدا کرے کہ جلد از جلد یہ مفید اور اہم قلمی آثار طباعت کے جاں گسل مراحل طے کر کے منظر عام پر آئیں اور تشنگانِ علوم کی پیاس بجھائیں۔ چند مشہور تصانیف درج ذیل ہیں۔

(۱) تبصرۂ مذہبی بر تذکرۂ مشرقی: بانی تحریکِ خاکسار عنایت اللہ مشرقی کے مزعوماتِ باطلہ اور افکارِ فاسدہ کا مفصل رد جو اس نے اپنی کتاب "تذکرہ" میں درج کئے ہیں۔ یہ فتویٰ کتابی شکل میں بریلی الیکٹرک پریس بریلی سے شائع ہو چکا ہے۔

(۲) اسلامی قانونِ وراثت:۔ اسلامی شرعی قانونِ وراثت میں بیٹے، بیٹی کی موجودگی میں پوتا، پوتی یونہی بھائی بہن کی موجودگی میں بھتیجا اور بھتیجی ترکہ سے محروم رہتے ہیں اس کے خلاف چودھری محمد اقبال چیمہ سابق ایم. ایل. اے. سیالکوٹ کے پیش کردہ ترمیمی بل کا علمی رد اور دیگر بہت سے ترکہ کے مسائل کا بیان۔ یہ کتاب طور الیکٹرک پریس، لائل پور سے طبع ہو چکی ہے۔

(۳) نصرتِ خداداد (۱۳۵۴ھ) : معروف بہ "مناظرۂ بریلی کی مفصل روئداد" (۱۹۳۵ء)

(۴) موت کا پیغام، دیوبندی مولویوں کے نام (۵) سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶) فتاویٰ

یہ تینوں کتابیں سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ، ڈجکوٹ روڈ، فیصل آباد سے شائع ہو چکی ہیں۔

ان کے علاوہ بہت سی کتابیں مسودہ کی صورت میں حضرتِ محدثِ اعظم پاکستان کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ ان میں کئی کتابیں عربی زبان میں ہیں۔ تفصیل کے لئے "محدثِ اعظم پاکستان" جلد اول از مولانا محمد جلال الدین قادری کا مطالعہ فرمائیں۔

وصال پر ملال: یکم شعبان المعظم / ۲۹/ دسمبر جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب (۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء) کو کراچی میں وصال فرمایا۔ جسدِ خاکی شاہین ایکسپریس کے ذریعہ لائل پور لایا گیا۔ اسٹیشن سے جامعہ رضویہ تک راستے میں ہزارہا افراد نے دیکھا کہ جنازے پر نور کی پھوار پڑ رہی ہے۔ حالانکہ بادل کا کہیں نام ونشان نہ تھا، آپ کی نماز جنازہ میں تین لاکھ افراد نے شرکت کی۔ مزار پاک سنی رضوی جامع مسجد لائل پور میں مرجعِ خلائق ہے۔ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی قدس سرہ نے پُردرد احساسات کو یوں منظوم فرمایا ؎

کیا کہوں میں ہائے کیا جاتا رہا — آہ دل کا حوصلہ جاتا رہا
موت عالِم کی جہاں کی موت ہے — زندگانی کا مزہ جاتا رہا
اس زمانہ کا محدث بے مثال — جس کا ثانی ہی نہ تھا جاتا رہا
مولوی سردار احمد اٹھ گئے — لطف سارا درس کا جاتا رہا
غوثِ اعظم، قطبِ عالم کا غلام — نائبِ شاہِ رضا جاتا رہا

حضرتِ صدر الشریعہ کا وہ چاند
میرا مہرِ ضیا جاتا رہا

مر گیا فیضان جس کی موت سے
ہائے وہ "فیض انتما" جاتا رہا
۱۳۸۲ھ

"یا مجیب اغفر لہ" تاریخ ہے
۱۳۸۲ھ
کس برس وہ رہنما جاتا رہا

دیو کا سر کاٹ کر نوری کہو
چاند روشن علم کا جاتا رہا
۱۳۸۲ھ

محدثِ اعظم پاکستان اور شارحِ بخاری

حضرت شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مد ظلہ اپنے جن اساتذۂ کرام سے زیادہ متاثر ہوئے ان میں حضرت محدثِ اعظم پاکستان علامہ محمد سردار احمد قدس سرہ کی ذاتِ گرامی نمایاں ہے۔ بڑی محبت اور تعظیم سے اپنے استاذ گرامی کا تذکرہ کرتے ہیں، کبھی ان کی محدثانہ شان و شوکت کا ذکر ہوتا ہے، تو کبھی ان کے عالمانہ رعب و جلال کو بیان کرتے ہیں، کبھی ان کے طرز تدریس اور حسنِ تفہیم کا چرچا ہوتا ہے تو کبھی ان کی اتباع سنت، اکابر سے و الہانہ عقیدت اور اصاغر پر غایت درجہ شفقت کا دفتر کھل جاتا ہے اس وقت حاضرین مجلس ہمہ تن گوش ہو کر شیخ و تلمیذ کے باہمی تعلق کی چاشنی سے شاد کام ہوتے ہیں ؎

ہم سے جمالِ یار کی تابندگی نہ پوچھ
ہم تو بتانے والوں پہ قربان ہو گئے

بارگاہِ محدّثِ اعظم میں: حافظِ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدّث مرادآبادی قدس سرہ اور دیگر اساتذۂ کرام سے دار العلوم اشرفیہ مبارکپور میں آٹھ سال تک درس نظامی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بعض ناگزیر حالات کی بنا پر آپ مدرسہ اسلامیہ میرٹھ پہنچے، اور بہت جلد ہی میرٹھ کو خیرآباد کہہ کر بارگاہِ محدّثِ اعظم پاکستان میں مدرسہ مظہر اسلام بریلی پہنچے، جہاں پر آپ نے محدّثِ اعظم کے خوانِ علم سے آسودہ ہو کر کھایا اور اُن کے چشمۂ شیریں سے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شارحِ بخاری مد ظلہٗ ہی کے الفاظ میں اس وقت کے احوال کا تعارف آپ کے سامنے پیش کر دیا جائے کیونکہ "لیس الخبر کا لمعاینة" اور شنیدہ کے بُود مانندِ دیدہ' کے بموجب واقع کے مطابق اور حقیقت سے ہم آہنگ رہے۔

"محدثِ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد گورداس پوری ثم لائل پوری قدس سرہ کی

خدمت میں بریلی شریف میں دس ماہ حاضر رہا، پوری صحاح ستہ حرف بہ حرف پڑھی، حمد اللہ کے ایک آدھ سبق میں شریک ہوا۔ مبارک پور میں حمد اللہ حافظِ ملت قدس سرہ سے پڑھ چکا تھا۔ سبق میں شریک ہونے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ ضرورت نہیں۔ منطق فلسفہ ایسا فن نہیں کہ حصولِ برکت کے لئے (دوبارہ) کسی سے پڑھا جائے۔ دورۂ حدیث میں تینتیس شرکا تھے جن میں سے قراءت کرنے والے چار پانچ تھے۔ اکثر قراءت میں کرتا تھا۔ علاوہ اوقات درس کے روزانہ عصر و مغرب کے درمیان حضرت کے پاس حاضر ہوتا۔ مسجد بی بی جی کے منتظمین کی بے توجہی تھی کہ انھوں نے حضرت کے حجرہ میں بجلی نہیں لگوائی اس لئے لالٹین استعمال ہوتی تھی۔ میں روزانہ لالٹین صاف کرتا، تیل بھرتا، کمرے کی صفائی کرتا، اور کوئی خدمت ہوتی تو بجالاتا، جب بھی میں پہنچتا مسکرا کر فرماتے "مولوی صاحب آگئے" اوقات درس کے علاوہ رات کو بعد عشا پڑھاتے، چھٹیوں میں پڑھاتے۔ حافظِ ملت قدس سرہ جب بریلی آئے میں حافظِ ملت کے ساتھ ان سے ملاقات کے لئے گیا۔ حافظِ ملت نے پوچھا انھوں نے کچھ پڑھا بھی ہے کہ نہیں؟ فرمایا کہ پڑھا کر تو آپ نے بھیجا ہی تھا۔ ماشاء اللہ بہت ذہن، ذی استعداد ہے۔ باتیں سمجھتا بھی ہے اور یاد بھی رکھتا ہے"۔

(شارحِ بخاری، از مولانا یٰس اختر مصباحی، ص/ ۶۱، ۶۲)

فتویٰ نویسی کی مشق: حضرت شارحِ بخاری دام ظلہ نے باضابطہ فتویٰ نویسی کی مشق تو قیام گھوسی کے دوران حضرت صدر الشریعہ سے اور پھر قیام بریلی کے دوران حضور مفتی اعظم ہند سے کی، البتہ اس اہم کام کا آغاز بریلی میں تحصیلِ علم کے دوران ہی حضرتِ محدثِ اعظم پاکستان کے زیر نگرانی ہو چکا تھا۔ اور سب سے پہلے جو فتویٰ آپ نے تحریر فرمایا وہ "بابِ رضاعت" سے متعلق تھا اس طرح آپ نے اپنے شیخ حضور مفتی اعظم ہند اور مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدست اسرار ھما کی سنت کریمہ کی پیروی کی کیوں کہ ان ذواتِ قدسی صفات نے بھی اپنی فتویٰ نویسی کا آغاز مسئلۂ رضاعت سے فرمایا تھا۔ اس کارِ خیر کے آغاز کی کہانی خود حضرت شارحِ بخاری کی زبانی ملاحظہ ہو:۔

"ایک بار فرمایا میرے پاس استفتا کی کافی ڈاک جمع ہے، تم بھی آکر کے کچھ لکھو، میرا کام ہلکا ہو جائے گا، تم کو فتویٰ لکھنا بھی آجائے گا۔ پہلی بار دو لفافے دئے جن میں ایک مسئلہ رضاعت کا تھا اور ایک محرم کے سپاہیوں کے بارے میں۔ میں نے پہلے رضاعت کا مسئلہ لکھا اس لئے کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی اور مفتی اعظم ہند نے بھی پہلا مسئلہ رضاعت ہی کا لکھا تھا، لکھ کر پیش کیا، پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور بلا کسی ترمیم کے تصدیق فرمادی، یہ سلسلہ جاری رہا

بعد میں کبھی ترمیم فرمادیتے، کبھی ہدایت دیتے، کبھی دوسرا لکھنے کو فرماتے۔"

(ایضا، ص ر ۶۲)

تقسیم ملک کے بعد حضرت محدثِ اعظم پاکستان ہجرت کر کے یہاں سے چلے گئے اور اپنے وجود پاک سے سرزمینِ لائل پور، فیصل آباد کو زینت بخشی اس کے بعد دو تین اہم مسائل میں پاکستان کے کچھ علما سے شدید اختلاف ہوا۔ ایک مسئلہ یہ تھا کہ جانوروں کو علم ہوتا ہے یا نہیں؟ اور دوسرا یہ تھا کہ حضرتِ صدیق اکبر، حضرتِ جبرئیل سے افضل ہیں" اس کے قائل کا کیا حکم ہے؟ اور تیسرا مسئلہ یہ تھا کہ پورے ملک کا اگر کوئی قاضی القضاۃ ہو اور ۲۹ کی رویت کا اعلان کرے تو پورے ملک والوں کو تسلیم کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟۔ ان تینوں مسائل میں چونکہ محدثِ اعظم پاکستان کی رائے گرامی حق وصواب تھی اس لئے ان کے تلمیذ رشید حضرت شارحِ بخاری نے آپ کی تائید میں بہت اہم اور مخصوص فتاویٰ تحریر کیے۔ حضرت شارحِ بخاری فرماتے ہیں۔

"حضرت نے ان سب (فتاویٰ) کے ملنے کے بعد دعائیہ کلمات سے نوازا۔ ایک بار تحریر فرمایا کہ اگر تم لائل پور آجاتے تو مجھے بڑی خوشی ہوتی۔" (ایضاً، ص ر ۶۳)

استاذ گرامی سے عقیدت و محبت: جس طرح استاذِ گرامی کو اپنے تلمیذ رشید سے گہرا قلبی لگاؤ تھا اسی طرح تلمیذ رشید کو بھی اپنے استاذ سے والہانہ لگاؤ اور تعلق خاطر تھا۔ ۱۳۶۶ھ ر ۱۹۴۷ء میں ہندستان سے پاکستان ہجرت کے وقت حضرت مفتی اعظم ہند اور حضرتِ صدر الشریعہ نے متعدد علمائے اہل سنت کو پاکستان میں بارہا لکھا کہ حضرت مولانا سردار احمد کی خیریت سے مطلع کریں۔ جس وقت محدثِ اعظم پاکستان سارو کی ضلع گوجرانوالہ میں عارضی طور پر مقیم تھے تو آپ کے اساتذہ کو آپ کی اقامت گاہ کا پتہ معلوم ہوا۔ اس موقع پر حضرتِ صدر الشریعہ کے ایک خط کے ہمراہ حضرت شارحِ بخاری نے بھی اپنے استاذ مکرم کی بارگاہ میں جو خط تحریر کیا اس سے ان کے ساتھ عقیدت ومحبت کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ خط کے الفاظ یہ ہیں:۔

"سیدی دامت برکاتہم۔ السلام علیکم!

ان حوادث کے دور میں حضور کے احوال سے بے خبری ہم کفش برداروں کے لئے کس قدر جانکاہ ہے یہ ہمارا قلب ہی جانتا ہے۔ حضرت مرشدی (صدر الشریعہ علیہ الرحمہ) آپ کے لئے کس قدر بے چین ہیں وہ میں شب و روز دیکھتا ہوں اور خود بھی بے چین ہو جاتا ہوں، اس لئے دست بستہ عرض ہے کہ حضور بہت جلد ہمیں اپنے احوال سے مشرف فرمائیں۔

فقط آپ کا کفش بردار محمد شریف الحق

۱۷ ر محرم الحرام ۱۳۶۷ھ"

(محدثِ اعظم پاکستان، ج/۱، ص/۱۸۲، از مولانا جلال الدین قادری)

یہی وجہ ہے کہ جب محدثِ اعظم پاکستان کے وصالِ پر ملال کی اطلاع حضرت شارحِ بخاری کو ملی توآپ کے قلب وجگر پر کوہِ رنج والم ٹوٹ پڑا، دل کی دھڑکنیں اتنی تیز ہوگئیں کہ کسی صورت سکون وقرار نہ تھااورآپ ''اَلعینُ تَدْمَعُ وَالقلبُ یَحزنُ ، وَمَا نقولُ اِلاّمایَرضیٰ به ربُّنا'' کی عملی تصویر بن گئے۔اس کے بعد آپ نے جومنثور تعزیت نامہ رقم فرمایاوہ آپ کے وارداتِ قلبی کی سچی تصویر کشی کرتا ہے۔جس کا عنوان ہے ''اَمِن تَذَکُّرِ جیرانٍ بذی سَلَم '' ہے جوامام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور زمانہ ''قصیدہ بردہ''شریف کا پہلا مصرع ہے۔اس کے چند منتخب اقتباسات ملاحظہ کریں :۔

''حبرِ امت، سردارِ دین وملت، عارف بر سول اللہ، فانی فی رسول اللہ، باقی بر سول اللہ، استاذ العلماء الکاملین، شیخ الفقہاء والمحدثین، سیدی وسندی استاذی مولانا الحاج شاہ سردار احمد قدس سرہ محدثِ اعظم پاکستان، بانی مظہر اسلام بریلی و لائل پور کی علالت کی خبریں برابر یہاں آتی تھیں ،جب کبھی زیادہ ناسازی کی خبر ملے تودل دھڑکنے لگے اور جب روبصحت ہونے کی اطلاع آئے تودل مسرت سے لبریز ہو جائے۔ ٹھیک یوم وصال کوبرادر مکرم علامہ عبد المصطفیٰ ازہری صاحب کاخط ملاکہ اب پہلے سے بہت اچھے ہیں اطمینان ہو گیاکہ ابھی ہماری بد قسمتی کے دن قریب نہیں ہیں کہ یکایک علامہ موصوف کا ۳۰/دسمبر یکشنبہ کو تارآیاجس سے وہ غم آفریں خبر ملی جس نے صرف گزشتہ خوشیاں ہی نہیں دوسرے غم بھی بھلادئے۔

سنی جرائدورسائل کے ایڈیٹر صاحبان مجھ سے میرے تاثرات پوچھتے ہیں۔یہ لوگ میرے احباب اور دیکھنے والوں سے پوچھتے تووہ بتاتے کہ میرااس وقت کیاحال تھا،آنسو بہے جارہے تھے مگر سوزش نہانی تھی کہ کم نہیں ہوتی تھی ؎

لاکھ برس گئی گھٹا، سوزِدروں نہ کم ہوا　　　آگ سی ہے لگی ہوئی دیدۂ اشکبار میں

ہچکیوں سے اس پر قادر نہ ہوسکاکہ کچھ کہہ سن سکوں، ایصال ثواب ہو جانے کے بعد قیام گاہ پرآیالیکن قرار نہ ملا، احباب آئے تسلی دی مگردل بے قرار کواحباب کے تسلی دینے سے کب تسلی ہونے والی تھی، نہ ہوناتھانہ ہوئی، اورآج بھی یہ حال ہے کہ جب کہیں ذکرآیازخم ہرے ہوگئے وہ کیاگئے ہماری خوشی لے گئے ؎

اَمِن تَذَکّرِجیرانٍ بذِی سَلَم　　　کیامحبوب کی یاد سے خون آلود

مزجتَ دمعاجریٰ مِن مُقلۃٍ بدَم　　　اشک بہ رہے ہیں؟

فَمالِعینیكَ اِن قُلتَ اکففُا ھَمَتَا　　　آنکھوں کو کیاہو گیا؟اگران سے کہور کو تووہ بہتی ہیں تیرے دل کو

وَمَا لِقَلبِكَ اِن قُلتَ استفِق یھِم　　　کیاہو گیا؟اگر کہو موافقت کر تواور غمگین ہو تاہے۔

حضرت محدّث اعظم پاکستان کی رحلت انجمن سیارگاں کا ماند پڑنا نہیں، مہ کامل کا خسوف ہے، ذروں کا بے نور ہونا نہیں آفتاب عالمتاب کا غروب ہے، صرف لائل پور بے نور نہیں، صرف پاکستان بے نور نہیں، سارا عالم دھندلا دھندلا نظر آرہا ہے۔ آفتاب غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا۔ آفتاب کے غروب ہونے سے زمین کی سطح، درختوں کی شاخیں، پہاڑوں کی چوٹیاں بے نور ہوجاتی ہیں لیکن مہ وانجم آفتاب ہی سے اکتسابِ نور کر کے عالم کو روشنی و دلکشی بخشتے ہیں۔ حضرت محدّث اعظم پاکستان آفتابِ علم و فضل تھے، افق دنیا سے روپوش ہونے کے بعد فنا نہیں ہوئے، وہ زندہ ہیں وہ زندہ ہیں، وہ زندہ ہیں، اعلیٰ علّیین کی بلندیوں سے فیض بانٹ رہے ہیں مگر حصہ لینے کے لئے مہ و انجم کی سی بلندی اور عالی ظرفی چاہئے ہم سطحِ زمین پر رہنے والے اگر محروم ہیں تو یہ اپنی پستی و ظرف کی عدم صلاحیت ہے، جو لوگ مہ وانجم کی بلندیاں رکھتے ہیں، اُن کا ظرف رکھتے ہیں وہ ان کی ضیا باریوں سے خود بھی چمک رہے ہیں اور دوسروں کو بھی چمکا رہے ہیں، اور چمکتے چمکاتے رہیں گے۔ ؎

مرے چشمِ عالم سے چھپ جانے والے — تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ

(ماہنامہ نوری کرن، بریلی، محدّث اعظم پاکستان نمبر، مارچ، اپریل ۱۹۶۳ء ص/ ۱۱، ۱۲ ملخصًا)

"آج صرف صاحب زادگان مولانا فضل کریم، فضل رحیم ہی نہیں یتیم ہوئے بلکہ ساری دنیائے سنیت یتیم ہو گئی، صرف وہی غم زدہ و اشکبار نہیں بلکہ عوام اہل سنت سے لے کر خواص تک، علما سے لے کر مشائخ تک حدیہ کہ حضرت مفتی اعظم ہند مدظلہ العالی بھی اشک بار ہیں، جامعہ رضویہ مظہر اسلام کے در و دیوار، مسند تدریس، اس کی مسجد کے محراب و منبر مرثیہ خواں ہیں۔ ؎

حتی المحاریب تبکی وَھِیَ جَامِدَۃٌ — محراب روتی ہے حالانکہ وہ جمادات سے ہے

حتی المنابر ترثی وَھِیَ عِیدَانٌ — منبر مرثیہ خواں ہے حالانکہ وہ خشک لکڑی ہے۔

(ایضاً، ص/ ۸۸)

(۵) صدر العلما حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت و نسب: استاذ الاساتذہ صدر العلما حضرت علامہ سید شاہ غلام جیلانی قدس سرہ کی ولادت ۱۱/ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ کو ریاست دادوں، ضلع علی گڑھ یوپی میں ہوئی۔ نسب نامہ اس طرح ہے: "غلام جیلانی بن سید غلام فخر الدین بن مولانا سید سخاوت حسین" آپ کے والد مولوی سید غلام فخر الدین نے دنیوی تفکرات کے باعث شرح جامی تک پڑھ کر چھوڑ دیا، نواب احمد سعید خاں شیروانی والی ریاستِ دادوں، ضلع علی گڑھ

نے استاذ زادہ ہونے کے احترام میں بجائے تعلیم مکمل کرانے کے کاشت کے واسطے تیس بتیس بیگھہ زمین عطا فرمائی، اور مسجد اندرون گڑھی کی پنج وقتہ امامت اور جمعہ و عیدین کی خطابت پر مامور کیا۔ آپ کے جد امجد حضرت مولانا حکیم سیدّ سخاوت حسین قدس سرّہ اپنے دور کے جیدّ عالمِ دین اور عارف باللہ بزرگ تھے۔ اسی وجہ سے مجددِ اعظم سیدنا امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ کی مجلس میں جب آپ کا ذکر ہوتا تو نام مبارک سن کر تعظیماً سینہ پر ہاتھ رکھ لیا کرتے تھے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں باغیوں کی فہرست میں آپ کا نام بھی درج تھا۔ اپنے عصر میں علم صرف و نحو کے امام تھے، فن مناظرہ میں مہارت کاملہ تھی جب کسی وہابی سے مناظرہ ہوتا تو حسنِ تدبیر سے مسائل صرف و نحو میں لاکر زیر فرمالیا کرتے تھے۔ (مقدمہ بشیر القاری، ص ر ۱۲، ص ۱۴)

تعلیم و تربیت: سنِ شعور آیا تو اسلامی طریقہ پر رسم تسمیہ خوانی ادا کی گئی، بعد اختتام ناظرہ ایک مکتب میں داخلہ لیا اور وہاں کی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ایک پرائمری اسکول میں داخل ہوئے جہاں درجہ چہارم تک تعلیم ہوتی تھی، درجہ چہارم کے امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد آپ کے عمِ مکرم مولانا سیدّ غلام قطب الدین برہمچاری علیہ الرحمہ نے مدرسہ انجمن اہل سنت بازار دیوان مراد آباد میں داخل کرادیا جو آج کل جامعہ نعیمیہ کے نام سے موسوم ہے۔ آمدنامہ سے تعلیم کا آغاز ہوا، حضرت مولانا عبد العزیز صاحب فتح پوری سے فصول اکبری اور کافیہ کا درس لیا۔ صدر الافاضل حضرت علامہ نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ سے گلستاں، قدوری اور قال اقول کے ابتدائی حصے پڑھے۔ شروع ہی سے میلانِ طبع صرف و نحو کی طرف زیادہ تھا۔ چنانچہ جلد ہی کافیہ مکمل حفظ کرلی اور روزانہ صبح حفاظ کی طرح اس کا دور کرتے تھے۔ بیسویں صدی عیسوی کے ربع اول کے بعد کا زمانہ مسلمانوں کے لئے بہت نازک اور صبر آزمانہ تھا آگرہ کے مضافات میں راجپوتوں کے اندر فتنۂ ارتداد کا طوفان برپا ہوا جس کی روک تھام کے لئے بریلی شریف سے جماعت رضائے مصطفیٰ پہنچی اور رکاب گنج میں اپنا دفتر قائم کیا جس کے ناظم مولانا قاضی شاہ احسان الحق نعیمی تھے۔ مرادآباد سے صدر الافاضل کے ہمراہ مولانا عبد العزیز فتح پوری اور مولانا مفتی محمد اجمل شاہ سنبھلی بھی ہوتے۔ یہ دورہ پندرہ پندرہ یوم اور کبھی اس سے زیادہ کا بھی ہوتا تھا اسباق کا ناغہ ناقابلِ برداشت حد تک ہوتا تھا۔ اس لئے آپ نے دارالخیر اجمیر شریف کا رخ کیا جہاں صدر الشریعہ حضرت علامہ امجد علی اعظمی قدس سرہ (مصنف بہار شریعت) کا بحر زخار موجزن تھا اور تشنگانِ علوم نبویہ کو سیراب کررہا تھا۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ، مولانا قاضی شمس الدین جون پوری، مولانا زین الدین، قاری اسد الحق اور حافظِ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی اور سالار قافلہ حافظ ضمیر حسین مرادآبادی تھے۔ امتحان کے بعد شرح جامی کے درجہ میں داخلہ ہوا۔ ابتدائی ایام بڑی پریشانی اور کس مپرسی کی حالت میں گزرے۔ تقریباً دو ماہ بعد ایک روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا تو اس پریشانی سے نجات ملی۔ ملا حسن کے امتحان میں آپ کے تحریری جواب پر ممتحن نے اس قدر تحسین فرمائی کہ مجلس شوریٰ نے چار روپے

انعامی وظیفہ مقرر کر دیا۔ مولانا عبد المجید اور مولانا عبد الحی افغانی سے بھی اخذِ علوم کیا۔ شرح تہذیب کی کی منطقی ترکیب حضرت مولانا عبد اللہ افغانی سے اور حاشیۂ عبد الغفور اور اس کا تکملہ مولانا سید امیر پنجابی سے، شرح جامی مولانا مفتی امتیاز احمد انبیٹھوی سے، نفحۃ الیمن، سبع معلقات، دیوان متنبی و دیوانِ حماسہ اور علامہ ابن ہشام مصری کی قطر الندیٰ حضرت مولانا حافظ سید حامد حسین اجمیری سے اور بقیہ فوقانی کتابیں اور بہت سے مطبوعہ وغیر مطبوعہ حواشی حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ سے پڑھے۔ جب ۱۳۵۱ھ میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ منظر اسلام بریلی تشریف لائے تو آپ بھی ان کے ہمراہ یہاں آگئے اور ۱۳۵۲ھ میں یہیں سے دستارِ فضیلت سے سرفراز ہوئے۔

تدریس بعد فراغت استاذ العلما صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے تاج المدرس قصبہ جائس ضلع رائے بریلی بھیجا۔ تقریباً ایک سال بعد نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کی دعوت پر دار العلوم جامع عظمت نشان، کرنال میں بحیثیت صدر المدرسین تشریف لے گئے۔ پھر سوا سال بعد مدرسہ احسن المدارس قدیم کان پور کے صدر المدرسین ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے حکم پر مدرسہ اسلامیہ عربیہ اندر کوٹ میرٹھ تشریف لے گئے اور منصب صدارت پر فائز ہوئے جہاں آپ نے اخیر عمر تک تدریسی خدمت انجام دی۔ اور بے شمار تشنگان علوم کو سیراب کیا۔ (سوانحِ خود نوشت مقدمہ بشیر القاری / از ص / ۶ تا ۱۲ ملخصاً صدر الشریعہ حیات وخدمات، ص / ۴۲۹)

آپ بخاری شریف کا درس دینے میں ہمیشہ "کیف" کا لحاظ فرماتے تھے "کم" کے کم ہونے کی پرواہ نہیں کرتے تھے، علامہ بدر الدین عینی نے جس انداز پر بخاری شریف کی شرح فرمائی ہے اسی انداز پر بخاری شریف کا درس ہوتا تھا۔ ایک ایک حدیث شریف کا درس ہفتہ ہفتہ بھر، دس دس روز جاری رہتا تھا۔ کسی روز صرف نحو پر گفتگو ہو رہی ہے تو کسی روز صرف بلاغت پر، کسی روز صرف مسائل فقہیہ پر گفت گو چل رہی ہے تو کسی روز صرف تصوف پر، کسی روز اس حدیث سے مذہب اہل سنت کے احقاق پر کلام ہو رہا ہے تو کسی روز اسی حدیث شریف سے متعلق بد مذہبوں کی تقریر کا رد ہو رہا ہے۔ (مقدمہ البشیر شرح نحو میر بقلم مولانا سید محمد یزدانی ابن صدر العلما، ص / ۱، ۲)

تصنیف وتالیف: آپ نے گراں قدر اور بیش قیمت کتابیں تصنیف فرمائیں، تمام مروجہ علوم وفنون پر کامل دسترس کے باوجود آپ کا طبعی رجحان علم نحو کی طرف تھا اس لئے آپ کی زیادہ تر تصنیفات علمِ نحو میں ہیں اور دیگر فنون کی تصنیفات میں بھی نحوی رنگ جھلکتا ہے۔ درج ذیل کتابیں آپ کی علمی یادگار اور علوم وفنون میں مہارت وکمال کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

(۱) البشیر شرح نحو میر (۲) البشیر الکامل شرح شرح مأۃ عامل (۳) بشیر الناجیہ شرح کافیہ (۴) بشیر القاری شرح بخاری۔ جو اردو زبان میں بخاری شریف کی لاجواب شرح ہے نہ صرف اردو زبان بلکہ حق ہے کہ کسی زبان میں

بخاری شریف کی ایسی شرح نہیں لکھی گئی۔آپ نے اس میں علم وفضل کے وہ دریا بہائے ہیں کہ قاری پڑھنے کے بعد عش عش کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

بیعت وخلافت: آپ نے شیخ المشائخ حضرت علامہ شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی قدس سرہ کے دستِ حق پرست پر بریلی شریف میں ،بموقع عرسِ رضوی غالباً ۱۹۲۲ء میں شرفِ بیعت حاصل کیا، اور دارالخیر اجمیر شریف میں ۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ کو خلافت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ نے خلافت نامہ کے ساتھ ایک کلاہ اور استعمالی جُبّہ بھی عطا فرمایا۔

وصال: ایک مدت دراز تک علوم وفنون کے دریا بہانے والا یہ متبحر فاضل ۲۹/ جمادی الاولی ۱۳۹۸ھ مطابق ۸/ مئی ۱۹۷۸ء دوشنبہ کو سہ پہر چارج کر دس منٹ پر دارِ فنا سے دارِ بقا کی جانب کوچ کر گیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون . (صدر الشریعہ،حیات وخدمات ،ص/ ۴۳۲)

(۶) خیر الاذکیا حضرت مولانا غلام یزدانی اعظمی قدس سرّہ

ولادت ونسب: آبائی وطن کریم الدین پور قصبہ گھوسی، ضلع اعظم گڑھ (حال ضلع مئو) یو.پی. میں آپ کی ولادت ہوئی آپ کے والدماجد حضرت مولانا محمد صدیق صاحب اعظمی قدس سرہ سابق صدر مدرس مدرسہ مصباح العلوم مبارک پور، عمدۃ المحققین حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں قدس سرہ (متوفی ۱۳۲۶ھ) کے خاص شاگردوں میں سے تھے آپ کا سلسلۂ نسب چوتھی پشت میں فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کے جد اعلیٰ سے ملتا ہے۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم ایک مقامی مکتب میں ہوئی، فارسی عربی کی تعلیم کے لئے مدرسہ حنفیہ امروہہ تشریف لے گئے۔اس کے بعد مدرسہ عالیہ رام پور میں کچھ دنوں تک اخذ علوم کیا، پھر مدرسہ معینیہ عثمانیہ دارالخیر اجمیر شریف پہنچے جہاں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا خورشید علم اپنی کرنیں بکھیر رہا تھا۔آپ حضرت صدر الشریعہ کے بہت چہیتے تھے۔اجمیر شریف ہی میں معقولات ومنقولات کی منتہی کتابیں پڑھیں۔ پھر ۱۳۵۱ھ میں جب صدر الشریعہ وہاں سے مستعفی ہو کر دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف تشریف لائے تو ہمراہ آنے والے طلبہ میں آپ بھی تھے۔بریلی شریف میں ۱۳۵۲ھ میں حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ کے دستِ مبارک سے دستارِ فضیلت حاصل کی۔

تدریسی ودیگر مذہبی خدمات: فراغت کے بعد مدرسہ اشرفیہ مبارکپور (جو اس وقت پرانی بستی کی ایک

خام عمارت میں تھا) میں بحیثیت نائب صدر المدرسین آپ کا تقرر ہو۔ قیام وطعام کا انتظام حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تھا۔ مدرسہ اشرفیہ قدیم میں تقریباً ڈیڑھ سال تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد مدرسہ نعمانیہ دہلی میں دینی و تعلیمی فرائض انجام دیتے رہے۔ مگر جلد ہی ملازمت سے دل برداشتہ ہو کر آپ نے وہاجیہ طبیہ کالج لکھنو میں داخلہ لے لیا جہاں سے طب کی تکمیل کر لینے کے بعد مکان ہی پر مطب شروع کیا۔ لیکن شروع ہی سے علمی ذوق تھا اس لئے کچھ اپنے ذوق کی بنا پر اور کچھ حضرت صدر الشریعہ کی تنبیہ پر دوبارہ تدریس کے لئے آمادہ ہوئے اور مدرسہ قمر المدارس گدڑی بازار میرٹھ میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے۔ اس کے بعد مدرسہ اشرفیہ جامع مسجد بھرت پور میں آپ کا تقرر ہوا جہاں آپ نے تقسیم ملک تک تعلیمی خدمات انجام دیں۔ تقسیم ہند سے کچھ پہلے بھرت پور کے فرقہ پرستوں نے جب مسلمانوں سے شہر خالی کرالیا تو ۱۹۴۲ء میں دوبارہ آپ نے اپنے وطن قصبہ گھوسی میں مطب شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ ۱۹۵۰ء تک جاری رہا۔ اسی دوران آپ نے محسوس کیا کہ گھوسی میں اہل سنت کا ایک بھی مکتب نہیں جہاں نونہالانِ قوم دینی تعلیم سے روشناس ہو سکیں۔ آپ نے اس کی جانب توجہ فرمائی۔ محلّہ کے سربرآوردہ لوگوں کو اس کے لئے ابھارا۔ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسہ و جلوس کے لئے لوگوں کو آمادہ کیا، رافضیوں اور غیر مسلموں کی انتہائی مخالفت کے باوجود جلسہ و جلوس بہت ہی شان و شوکت سے ہوئے جس سے سنی مسلمانوں میں غیر معمولی جوش پیدا ہو گیا۔ آپ نے حاجی شکر اللہ مرحوم سے زمین حاصل کر کے دار العلوم اہل سنت شمس العلوم قائم کیا جو مشرقی یوپی کی ایک عظیم درس گاہ کی حیثیت سے آج بھی اعلیٰ پیمانہ پر دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔

دار العلوم مظہر اسلام بریلی میں : محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد قدس سرہ کے پاکستان ہجرت کرنے کی وجہ سے دار العلوم مظہر اسلام مائل بزوال ہونے لگا۔ کئی مدرسین ان کی جگہ آئے مگر اسے سنبھال نہ سکے۔ آخر کار سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے دار العلوم مذکور کے منصب شیخ الحدیث کے لئے آپ کو دعوت دی مگر ملازمت کے سابقہ تلخ تجربات کے باعث آپ نے شارحِ بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی سے تذکرہ کیا، انھوں نے بریلی شریف جانے پر بہت زور دیا۔ پھر مشورہ کے لئے مبارک پور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت حافظِ ملت نے آپ پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ آپ کو راضی ہونا پڑا۔ بالآخر ۱۹۵۱ء میں بحیثیت شیخ الحدیث دار العلوم مظہر اسلام بریلی تشریف لے گئے، آپ کی سعی و کوشش اور گوناگوں صلاحیتوں کی بنا پر چند ہی سال میں ادارہ نے خوب ترقی کر لی۔ دور دراز سے طلبہ کے قافلے سرزمینِ بریلی کا رخ کرنے لگے اور آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر اپنی علمی تشنگی بجھانے لگے۔

وصال پر ملال: آخری عمر میں ایک پیر پر فالج کا حملہ ہوا اور ۴ / ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ مطابق ۴ / اگست ۱۹۵۴ء چہار شنبہ کو شب میں آپ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔
اِنّا للّٰہ و اِنّا اِلیہ راجعون . تغمدہُ اللّٰہُ بغفرانہٖ و اسکنہ بحبوحۃ جنانہٖ.

اوصاف حمیدہ: آپ بہت ذہین فطین، طباع وحاضر جواب، خوش خلق، خوش آواز اور خوش پوشاک تھے۔ حق بات کہنے میں کبھی کسی کی پرواہ نہ کی اگرچہ وہ صاحبِ منصب اور صاحبِ اقتدار کیوں نہ ہو۔ معلومات بہت وسیع تھیں۔ اوّلاً معقولات سے زیادہ دل چسپی تھی مگر بعد میں فقہ وحدیث سے ایسا لگاؤ پیدا ہوا کہ آپ کا شمار کبھی اس وقت کے صف اول کے فقہا و محدثین میں ہونے لگا۔

قلمی خدمات: آپ نے بہار شریعت کے آخر کے بقیہ تین حصص کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا تھا اور مکمل خاکہ بھی تیار کر لیا تھا۔ جس کے تحت کچھ تحریر بھی فرمایا مگر عمر نے ساتھ نہ دیا اور یہ کام پھر تشنہ رہ گیا۔ فتویٰ نویسی میں بھی آپ کا طرز عمدہ تھا، چنانچہ مدارس دینیہ پر چرم قربانی کی قیمت صرف کرنے کے جواز میں ''مصرف چرم قربانی'' کے نام سے ایک استفتا کے جواب میں بہت محققانہ رسالہ تحریر فرمایا۔ یوں ہی بریلی شریف کے دورانِ قیام تلامذہ کے اصرار سے ''رفع یدین'' کے عنوان سے مذہب حنفی کی تائید میں ایک بے نظیر رسالہ ''تشکیل المذھبین فی حکم رفع الیدین'' تحریر فرمایا۔ متبرک راتوں میں چراغاں کرنے کے جواز میں ایک بہت ہی تحقیقی فرمایا جس کے مطالعہ سے آپ کے وفور علم، وسعتِ مطالعہ اور علمی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

اجازت وخلافت: آپ حضور صدر الشریعہ علامہ شاہ امجد علی اعظمی قدس سرہٗ العزیز کے دستِ حق پرست پر بیعت تھے اور انھیں سے اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔

(۷) شیخ المعقولات حضرت علامہ محمد سلیمان بھاگلپوری علیہ الرحمہ

آپ کی ولادت آپ کے آبائی وطن مانجھی پور سبور، ضلع بھاگلپور بہار کے اعلیٰ خاندان میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ اشرفیہ کچھوچھہ ضلع فیض آباد میں داخلہ لیا اور درسِ نظامی کی ابتدائی تعلیم محدثِ اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی پھر جامعہ نعیمیہ مرادآباد تشریف لے گئے جہاں صدر الافاضل مولانا شاہ نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہٗ سے اکتساب علم کیا۔ پھر حضرت صدر الشریعہ علامہ شاہ ابو العلا امجد علی اعظمی قدس سرہٗ کے حسن تدریس اور رسوخ علمی کا شہرہ انھیں مدرسہ معینیہ عثمانیہ، اجمیر شریف کھینچ لایا جہاں آپ نے دیگر اساتذۂ کرام

کے ساتھ حضرت صدر الشریعہ سے درس نظامی کی منتہی اور اعلیٰ کتابیں پڑھیں اور پھر اپنے استاذ کے ساتھ منظر اسلام بریلی شریف آکر درس نظامی سے فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے، پھر دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں نائب شیخ الحدیث کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ مبارک پور کے دورانِ قیام آپ کی تدریسی خوبیوں سے طلبہ نے خوب استفادہ کیا، کچھ دن مدرسہ بحر العلوم کٹیہار اور کافی عرصہ تک دارالعلوم حمیدیہ رضویہ، بنارس میں فرائض تدریس انجام دیئے، یہاں آپ صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز رہے۔ اس کے بعد اپنے وطن مانجھی پور ضلع بھاگل پور میں مدرسہ اشرفیہ اظہار العلوم کے صدر المدرسین مقرر ہوئے۔ پھر اخیر دور میں جامعہ حمیدیہ رضویہ، بنارس میں دوبارہ تشریف لائے۔

علوم مروّجہ کے تمام شعبوں پر محققانہ دست رس، عمدہ صلاحیت اور اعلیٰ استعداد رکھتے تھے مگر منطق و فلسفہ وغیرہ علوم عقلیہ سے خصوصی شغف تھا۔ شاندار مدرّس ہونے کے ساتھ بہترین مقرر بھی تھے۔ آواز نہایت بلند اور باوقار، قویٰ مضبوط اور چہرہ وجیہ تھا چہرہ پر بھر پور داڑھی عالمانہ شان میں چار چاند لگادیتی تھی، مزاج میں نفاست حد درجہ تھی، رہن سہن شاہانہ انداز کا تھا۔ چونکہ آپ نے پوری زندگی درس و تدریس میں گزاری اس لئے آپ کے تلامذہ کثیر تعداد میں ہیں۔

آپ شیخ المشائخ حضرت اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور اسی سلسلے کے ماذون تھے۔ ساداتِ کرام سے خصوصاً حد درجہ محبت فرماتے، حضور حافظِ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ کے استاد بھائی ہونے کے باوجود ان کی علمی گیرائی اور لافانی خدمات کے ہمیشہ معترف رہے۔ قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر کی صداؤں میں شعور وآگہی کی آنکھیں کھولیں اور اخیر وقت تک قال اللہ و قال الرسول سے تعلق رہا۔

بالآخر دنیاے سنیت کی یہ بلند وبالا اور قدآور ہستی ۲؍ ربیع الآخر ۱۳۹۷ھ / ۲۳؍ مارچ ۱۹۷۷ء بروز چہار شنبہ دارِ فانی سے دارِ باقی کی جانب کوچ کرگئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں

(ماخذ و مراجع :۔ (۱) ماھنامہ اشرفیہ اپریل ۱۹۷۷ء ص/ ۸ (۲) تذکرہ علمائے اہل سنت از محمود احمد قادری، ص/؟ (۳) صدر الشریعہ، حیات و خدمات ص/ ۷۴۴)

(۸) حضرت مولانا سید شمس الحق گجہڑوی، مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت اور خاندانی حالات : حضرت مولانا سید شمس الحق علیہ الرحمہ ۱۱؍ صفر ۱۳۲۰ھ کو اپنے آبائی

وطن موضع گجہڑا، ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے جو مبارک پور سے تقریباً ڈھائی کلو میٹر جنوب میں سٹھیاؤں جانے والی سڑک سے پچھم واقع ہے، والد کا نام سید گدا حسین اور دادا کا نام سید تفضل حسین تھا، آپ کے مورث اعلیٰ سید کمال الدین بغدادی عرف بندگی شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ بغداد سے یہاں عہدِ شاہجہانی میں تشریف لائے تھے، کبھی یہ ایک اسٹیٹ تھا اور یہاں راجہ وی سین راج کرتا تھا، اور اس کے پورے راج میں کوئی مسلمان نہیں تھا، اس کفرستان میں تبلیغ کے لئے حضرت موصوف علیہ الرحمہ تشریف لائے، راجہ وی سین نیست ونابود ہوا۔ اس کے محل کا ملبہ آج بھی ٹیلہ کی شکل میں اپنے فنا وزوال کی کہانی سنا رہا ہے، اور اس قدیم تاریخ کی یاد تازہ کر رہا ہے، حضرت سید کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ باکرامت اور باکمال اولیا میں تھے۔ آج بھی ان کا مزار مبارک وہیں آبائی قبرستان میں موجود ہے، جہاں سے جو لوگ مستفیض ہوتے ہیں، اور حضرت سید کمال الدین کے صاحبزادے قاضی محمد صالح گزرے ہیں، جنھوں نے ۱۰۹۹ھ میں اورنگ زیب عالمگیر کے دور حکومت میں وہاں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی جو آج بھی موجود ہے۔ سنگ موسیٰ پر ایک کتبہ بزبان فارسی لگا ہوا ہے اور اپنی تاریخ کا مکمل پتہ دے رہا ہے۔

تحصیل علم: ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد فارسی اور عربی کی تعلیم مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں حاصل کی، اور اس کے بعد مدرسہ ناصر العلوم گھوسی میں متوسطات پڑھیں، اور اخیر میں دار العلوم دیوبند میں کئی سال پڑھ کر وہیں سے سند فراغت پائی۔ ابتدا سے اخیر تک دیوبندیوں سے تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے انتہائی غالی قسم کے دیوبندی تھے، مگر آباواجداد کے روحانی تصرف کی بدولت دیوبندی مذہب چھوڑ کر صحیح العقیدہ متصلب سنی ہو گئے۔

تدریس: ۲۰ جمادی الاولی ۱۳۴۶ھ / ۱۶ / نومبر ۱۹۲۷ء بروز چہار شنبہ مدرسہ مصباح العلوم مبارک پور اعظم گڑھ میں تدریسی خدمت انجام دینی شروع کی۔ بیس روپے ماہوار تنخواہ تھی، اس وقت سے لے کر اخیر عمر تک برابر ادارہ کی خدمت میں مصروف رہے، کبھی رخصت اتفاقیہ بھی پوری نہیں ہوئی، اوقات تعلیم کے بے حد پابند تھے، ہمیشہ وقت سے چند منٹ پہلے ہی مدرسہ تشریف لاتے، موسم چاہے جو ہو جب کہ سڑک خام اور بے حد خراب تھی، آپ کی سواری ایک معمولی سائیکل تھی پورے دور تدریس میں ایک روز بوجہ شدّتِ باراں صرف دس منٹ تاخیر سے مدرسہ پہونچے، جس کا اظہار اکثر افسوس کے ساتھ کرتے۔ آپ کو فارسی زبان میں اس قدر مہارت تھی کہ مصباحی حلقے میں ''سعدیِ ثانی'' اور ''بلبلِ فارسی'' کے نام سے مشہور تھے۔

آپ کی شخصیت دار العلوم اشرفیہ کے لئے نہایت تاریخی تھی جس نے دار العلوم کے خشت اول سے لے کر اس وقت تک کی تاریخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ذات دار العلوم اشرفیہ کی خشت

اول ہے۔ جب آپ کے یہاں ہدایت النحو وغیرہ پڑھنے والے طلبہ ہو گئے تو آپ ہی نے یہ تحریک پیش کی کہ حضرت صدر الشریعہ کو بلایا جائے اور ان سے ایک اعلیٰ مدرس طلب کیا جائے، سالانہ جلسہ وامتحان کیلئے صدر الشریعہ کو مدعو کیا گیا۔ امتحان کے لئے جب ہدایہ النحو وغیرہ کتابیں پیش کی گئیں تو حضرت صدر الشریعہ کو تعجب ہوا کہ ان کتابوں کے امتحان کیلئے مجھ کو اتنی دور سے بلایا ہے مگر بعد میں جب اراکین نے درخواست پیش کی کہ حضور ہم کو اعلیٰ درجہ کا مدرس عطا کیجئے تو حضرت کی حیرت دور ہوئی اور فرمایا میں ضرور اعلیٰ سے اعلیٰ مدرس دوں گا، وعدہ کے مطابق حافظِ ملت قدس سرہ کو بھیجا جس کے نتیجے میں آج اہلسنت کو جامعہ اشرفیہ جیسا ادارہ نصیب ہوا آپ نے متواتر چوالیس سال تک خدمتِ تدریس انجام دی اور مدرسہ کے متعدد ہنگاموں کے باوجود آپ کی ذات پر کوئی ناخوشگوار اثر نہیں پڑا۔ ابتدائی درجے کے بچوں سے لے کر فوقانی مدرسین وعلما تک میں آپ کو یکساں مقبولیت اور قابل احترام حیثیت حاصل تھی۔

عادات واطوار: آپ خوش اخلاق، خوش طبع، صابر وقناعت پسند، منکسر مزاج، صائب الرائے، پُر وقار، اصول وضوابط کے نہایت پابند انسان تھے، آپ مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے، نہ کسی کو اپنی عادات واطوار سے تکلیف پہونچاتے، اور نہ کسی کے اقوال وافعال سے رنجیدہ ہوتے۔ بر جستگی اور حاضر جوابی میں اپنی مثال آپ تھے، مزاج میں بلا کی سادگی تھی، سچ یہ ہے کہ آپ کی ملاقات سے دور قدیم کے بزرگوں کی سادگی کا تصور قوی ہو جاتا۔

حافظِ ملت سے تعلقات: جب حضرت صدر الشریعہ کے حکم پر حافظ ملت قدس سرہ ۲۹ر شوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۴ر جنوری ۱۹۳۴ء مدرسہ مصباح العلوم میں تشریف لائے، اس وقت مدرسہ کے صدر مدرس آپ ہی تھے، حافظ ملت کے آنے پر صدارت ان کی طرف منتقل ہو گئی۔ ایسے موقع پر باہم تناؤ اور آویزش کا ہو جانا ایک عام بات ہے، مگر آپ اس سے کبیدہ خاطر نہ ہوئے اور اخیر وقت تک حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے ساتھ آپ کے تعلقات خوش گوار رہے، حافظِ ملت بھی آپ کا خاص خیال فرماتے، اور اہم کاموں میں آپ سے مشورہ لیتے۔ چونکہ آپ دوپہر کا کھانا جناب محمد امین صاحب گرہست کے گھر تناول فرماتے تھے جو اس وقت مبارک پور کے معروف ومشہور شخص اور مدرسے کے صدر تھے، اس لئے ان سے آپ کے قریبی تعلقات تھے، آپ دار العلوم کی فلاح وترقی کے لئے انھیں جو بھی مشورہ دیتے وہ اسے بسر وچشم قبول کرتے، اسی لئے حضور حافظ ملت کو جب امین صاحب سے کوئی کام کرانا ہوتا تو آپ ہی کے حوالے کرتے۔

جامعہ کے قیام سے خوشی: حافظ ملت علیہ الرحمہ کی مبارک پور آمد کے بعد مدرسہ مصباح العلوم شاہراہِ ترقی پر گامزن ہوا اور ایک ہی سال بعد دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کی تعمیر ہوئی۔ پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ دار العلوم اشرفیہ کا دامن طالبان علوم نبوت کی کثرت کی بنا پر تنگ پڑنے لگا تو مبارک پور قصبہ کے باہر دکھن

جانب ایک وسیع وعریض خطہ زمین پر جامعہ اشرفیہ کا قیام عمل میں آیا، اس سے آپ بہت خوش تھے، کہ اب میں اپنے گھر سے بہت قریب ہو گیا۔

وصالِ پُر ملال : مگر جامعہ اشرفیہ میں رہ کر آپ کو زیادہ دن خدمت کرنے کا موقع نہ مل سکا، بالآخر ۹؍ شعبان المعظم ۱۳۹۳ھ مطابق ۷؍ ستمبر ۱۹۷۳ء بروز جمعہ بوقت ۷ بجے صبح آپ واصل بحق ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

آپ کے انتقال کے وقت حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ مبارک پور میں موجود نہ تھے بلکہ کسی کام سے اڑیسہ تشریف لے گئے تھے، آپ نے وہیں سے درج ذیل تعزیت نامہ ارسال فرمایا ۔

"از اڑیسہ نحمدہ و نصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

حضرت مولانا سید شمس الحق صاحب کی رحلت ایک سانحۂ عظیم ہے یہ حادثہ ہمارے لئے کوہ الم ہے، حضرت موصوف دار العلوم اشرفیہ کے قدیم مدرس تھے، اخلاق و مروت کا پیکر تھے، میرے ساتھ ان کو چالیس سال گزرے، ہمیشہ پوری ہمدردی اور مخلصانہ کرم فرمائیوں سے پیش آتے رہے دار العلوم کی بہی خواہ اور دین پرور، دین دار، نہایت ہی جلیل القدر عظیم المرتبت شخص تھے، بلاشبہ ان کی ہمیشہ کے لئے جدائی ہم پر شاق ہے، مشیت الٰہی میں بجز صبر چارہ نہیں، سب صبر کریں۔ ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی تلقین کریں اور حضرت موصوف کے لئے دعاے خیر کریں خداوند قدوس موصوف علیہ الرحمہ کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ دے اور جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ امین بجاہ حبیبہ سید المرسلین .

فقط
عبد العزیز عفی عنہ

(ماھنامہ اشرفیہ، حافظ ملت نمبر ۱۹۷۸ء، ص ؍ ۵۷)

شارحِ بخاری اپنے ان مذکورہ بالا اساتذۂ کرام کا تذکرہ کرتے ہوئے اکثر یہ شعر پڑھتے ہیں۔

"أُولٰئكَ سَادَاتِیْ فَجِئْنَا بِمِثْلِهِمْ
إذا جَمَعَتْنَا یَاجَرِیْرُ الْمَجَامِعُ"

• • •

حضور شارح بخاری دامت برکاتہم القدسیہ

اجازات واسانید

۱۳۶۲ھ میں دار العلوم مظہر اسلام مسجد بی بی جی سے میری فراغت ہوئی۔ اس وقت دار العلوم کی عام سند کے علاوہ حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ نے اپنی مخصوص سند بھی عطا فرمائی جس کا عنوان تھا۔

"سند التکمیل لمن اکمل التحصیل"

جس پر مجیز کی جگہ حضرت مفتیٔ اعظم ہند نے حضرت صدر الشریعہ سے دستخط کرایا اور خود ایک مختصر جامع عبارت لکھ کر دستخط فرمایا۔ اس سال حضور حافظ ملت قدس سرہٗ بھی دار العلوم مظہر اسلام کے جلسۂ دستار بندی میں شریک ہوئے تھے انہوں نے اپنی خاص عبارت لکھ کر اس سند پر دستخط فرمایا حضرت محدث اعظم پاکستان کو حضرت صدر الشریعہ کے علاوہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خان صاحب سے بھی اجازت حاصل تھی ان دونوں سلسلوں سے اجازت عطا فرمائی۔

مرشدی صدر الشریعہ قدس سرہٗ جب اخیر بار حج کے لیے جا رہے تھے تو شاہ گنج اسٹیشن پر ۱۳۶۷ھ میں سلسلۂ برکاتیہ رضویہ کی اجازت اور خلافت سے سرفراز فرمایا حِبر امت مسند وقت حضرت مفتیٔ اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان صاحب نے رسالہ مبارکہ النور والبھاقی الاسانید وسلاسل الاولیاء میں مندرج ۳۹ سلاسل قرآن مجید واحادیث اور اولیائے کرام کی اجازت مرحمت فرمائی نیز صحاح ستہ کی وہ خاص سند عطا فرمائی جو پوری دنیا میں سب سے عالی ہے اور بہت مختصر اور نیز سلسلۂ منوریہ معمریہ رضویہ کی بھی سند عطا فرمائی نیز فتح الباری کے اخیر میں نسائی شریف کی حدیث جو مذکور ہے اس کی اپنی خاص سند کے ساتھ اجازت مرحمت فرمائی نیز حضرت محدث اعظم پاکستان قدس سرہٗ نے حدیث مسلسل بتحریک الشفتین کی اجازت عطا فرمائی نیز حضرت احسن العلما مولانا سید شاہ حسن میاں صاحب قدس سرہٗ تاجدارِ مسندِ غوثیہ برکاتیہ نے تمام سلاسل برکاتیہ جدیدہ کی اجازت عطا فرمائی۔

نیز حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ نے ان تمام سلاسلِ فقہ کی اجازت عطا فرمائی جو ان کے پاس تھے۔

(قدرے تفصیل)

(۱) اجازت قرآن: النور والبھا میں سب سے پہلی سند قرآن مجید کی ہے حضرت مفتیٔ اعظم ہند نے النور والبھا کے تمام سلاسل کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی بھی اجازت عطا فرمائی اس کے بعد میری درخواست پر مختلف

اوقات میں مجھ سے قرآن مجید بھی سنا یہ اجازت قرأت امام عاصم بروایت حفص کی ہے نیز سند تکمیل میں بھی قرآن مجید کی اجازت ہے جو اُس تفصیل کے مطابق ہے جو انہی سلاسل حدیث میں آتی ہے وہ دس سندوں پر مشتمل ہے اس طرح بحمدہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید کی ۱۱ر سندیں اس خادم کو حاصل ہوئیں۔

(۲) جامعہ اشرفیہ سے بھی یہ اجازت مجھے حاصل ہے

(سلاسل احادیث)

صحاح ستہ : اول...... حضرت صدر الشریعہ سے۔ دوم...... حضرت مفتیٔ اعظم ہند سے۔ ان دونوں حضرات کو اپنے شیخ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے اجازت تھی۔ سوم...... حافظ ملت حضرت مولانا الشاہ حافظ عبد العزیز صاحب، بانی جامعہ اشرفیہ مبارکپور سے۔ چہارم...... محدث اعظم پاکستان سے۔ ان کو حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضاخاں صاحب سے اور ان کو ان کے والد ماجد حضرت مجدد اعظم قدس سرہٗ سے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو ان کے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب سے ان کو ان کے والد ماجد حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب سے ان کو اپنے استاد مولانا خلیل الرحمٰن صاحب رامپوری سے ان کو اپنے استاد حضرت مولانا محمد اعلم صاحب سنڈیلی سے ان کو حضرت ملک العلما ابو العیاش محمد عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلی لکھنوی سے ان کو اپنے والد ماجد حضرت مولانا نظام الدین صاحب سے قدست اسرارھم۔

نیز اس میں ایک دوسری سند بھی ہے جو اس سے عالی ہے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو اپنے مرشد برحق خاتم الاکابر مولانا سید شاہ آل رسول مارہروی سے انھیں عارف باللہ مولانا نور الحق المدعو بمولانا نور بن مولانا انوار الحق المدعو بمولانا انوار سے اور انہیں حضرت بحر العلوم قدس سرہٗ سے۔

یہ دونوں سندیں تفصیلی ہیں اس کے علاوہ باختصار یہ مذکور ہے " **و اجازات أخر عن المشائخ الکرام والعلماء الاعلام** " اس طرح فراغت کے وقت حضرت مفتیٔ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ قدست اسرارھم نے اپنے ان تمام سلاسل کی اجازت دیدی جو انھیں اپنے اساتذہ ومشائخ سے ملی تھیں اس سند میں قرآن مجید کی بھی اجازت ہے اس طرح یہ سند دس اجازتوں پر مشتمل ہے ۵ سلسلہ خاندانیہ اور ۵ سلسلہٗ مارہرہ مطہرہ۔ اس طرح دس سلسلے کی اجازتیں ہوئیں۔

یہ پانچ اجازتیں خاص سلسلۂ رضویہ کی ہیں جو خاندانی ہیں اور حضرت بحر العلوم ابو العیاش عبد العلی فرنگی محلی لکھنوی قدس سرہٗ کے واسطے سے صحاح ستہ کے مصنفین تک پہونچتی ہیں۔

النور والبھامیں مندرجہ ذیل سلاسل حدیث کی اسناد ہیں۔

صحاح ستہ۔ موطا امام مالک، حصن حصین، بقرأت اطراف اجازت سنن ابوداؤد بقرأت اطراف یہ آٹھ سندیں ہوئیں۔

حدیث مسلسل بالاولیۃ : (۱) بطریق شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ (۲) بطریق حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۳) بطریق صوفی احمد حسن مراد آبادی۔

پہلے سلسلے میں سیدنا مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ اور سیدنا حافظ زین الدین عراقی کے مابین بارہ واسطے ہیں اور دوسرے طریقے میں گیارہ تیسرے طریقے میں صرف چھ اس لیے تیسرا طریقہ سند کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ ہے۔
حدیث یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ ' سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الراحمون یرحمهم الرحمن تبارك وتعالیٰ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء

رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے جو لوگ زمین پر ہیں ان پر رحم کرو تم پر وہ رحم فرمائے گا جو آسمان میں ہے۔

حدیث مسلسل بالاضافۃ : (۱) بطریق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
(۲) بطریق شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

وہ حدیث یہ ہے

اضافنی امیر المومنین علی بن ابی طالب علی الأسودین التمر والماء قال اضافنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم علی الأسودین التمر والماء قال من اضاف مومنا فکانما اضاف آدم ومن اضاف اثنین فکانما اضاف آدم وحواء ومن اضاف ثلثة فکانما اضاف جبرئیل ومیکائیل واسرافیل.

(امام حسین شہید کربلا نے فرمایا) امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب نے دو کالی چیزوں سے میری مہمانی کی، کھجور اور پانی، انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے دو کالی چیزوں، کھجور اور پانی سے میری مہمانی کی، فرمایا، جس نے ایک مومن کی میزبانی کی گویا اس نے آدم علیہ السلام کی میزبانی کی، اور جس نے دو کی میزبانی کی گویا اس نے آدم وحوا علیہما السلام کی میزبانی کی، اور جس نے تین کی میزبانی کی گویا اس نے جبرئیل ومیکائیل اور اسرافیل کی میزبانی کی۔

حدیث مسلسل بالمصافحۃ : اس حدیث کے بھی دو طریقے ہیں ایک (۱) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے (۲) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا۔

صافحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم أرخزاً ولا قزّا ألین من کف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وعلیہ وسلم

میں نے رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کیا میں نے کسی ریشمی کپڑے کو بھی رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے زیادہ نرم نہیں پایا۔

(۱) علاوہ ازیں حضرت مفتیٔ اعظم ہند قدس سرہٗ نے صحاح ستہ کی اپنی بہت خاص سند بھی اپنے دست مبارک سے لکھ کر عطا فرمائی تھی، جس میں اعلیٰ حضرت مجدد اعظم قدس سرہٗ سے لے کر بہت کم وسائط تھے۔ افسوس ہے کہ حرز یمانی کے ساتھ یہ بھی غائب ہوگئی۔

(۲) نیز حضرت مفتیٔ اعظم ہند قدس سرہٗ نے نسائی شریف کی اس حدیث کی بھی مع سند قرأت فرمائی اور اجازت عطا فرمائی جو سند الحفاظ علامہ علی بن احمد بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری کے اخیر میں اپنی سند کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

(۳) حضرت محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا ابو الفضل سردار احمد صاحب قدس سرہٗ نے صحیح بخاری کے درس کے وقت حدیث مسلسل بتحریک الشفتین کی قراءت فرمائی اور اپنے ہونٹوں کو ہلایا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہلایا تھا۔ یہ حدیث بخاری شریف باب بدء الوحی میں مذکور ہے۔

یہ اونتالیس ۳۹ اجازتیں احادیث کریمہ کی ہیں اس کے علاوہ ”النور والبھاء“ میں مصافحات خمسہ بھی اپنے سندوں کے ساتھ مذکور ہیں۔

اوّل : مصافحة الجنیة، دوم۔ مصافحہ جنیہ اخریٰ یہ خاص ان صحابی جنوں میں سے ایک سے مروی ہے جو لیلۃ الجن میں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے، جن کی عمر سات سو سال ہوئی تھی۔

سوم۔ مصافحہ خضریہ اس میں اپنی سند کے ساتھ شاہ عبدالعزیز صاحب نے روایت کیا ہے جو بطریق ابو عبداللہ حزمیری حضرت ابو العباس خضر علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

چہارم : مصافحة المعمّریة اس میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور حضور اقدس ﷺ کے درمیان صرف سات واسطے ہیں۔ پنجم ۔ مصافحة المنامیة ۔ اس میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی سند کے ساتھ شیخ ابو الحسن علی باغوزانی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ حضور نے اپنی انگشتان مبارک میری انگلیوں میں داخل فرمائیں اور فرمایا اے علی۔

شابکنی فمن شابکنی دخل الجنة ومازال یعد حتی وصل إلی سبعة ثم استیقظت واصابعی فی اصابع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .

اے علی اس طرح مجھ سے مصافحہ کر اور جو اس طرح مجھ سے مصافحہ کرے گا۔ جنت میں داخل ہوگا اسے بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ سات بار فرمایا اس کے بعد میں جاگا اور میری انگلیاں رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں میں تھیں۔

یہ پانچ خاص احادیث کی خاص سندیں ہیں اب اگر اس کو ملا لیا جائے تو میرے سلاسل احادیث کی تعداد چوالیس ۴۴ ہو جائے گی۔

سلاسل طریقت

اول ۔ سلسلۂ امجدیہ رضویہ۔ جو حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ سے ملا۔

دوم۔ سلسلۂ رضویہ احمدیہ۔ سوم۔ سلسلہ رضویہ نوریہ۔

مزید برآں حضرت مفتیٔ اعظم ہند قدس سرہٗ نے ان تمام سلاسل اولیاء اللہ کی اجازت دی جو "النور والبھاء" میں مذکور ہیں۔ جنکی تعداد یہ ہے۔

اول۔ سلسلہ قادریہ برکاتیہ سلسلة الذهب جديدة دوم ۔ قادریہ قدیمة

سوم۔ قادرية رزاقية بطريق سيدنا شاه حمزه عن السيداسماعيل المولوى عن السيد عبدالرزاق البانسوى. چهارم عن خاتم الاكابر عن الشاه المولوى نورالحق المدعو بمولينا نور عن ابيه المولوى انوارالحق المدعو بمولينا انوار عن السيد عبدالرزاق البانسوى. پنجم. قادرية منورية معمرية ۔

جو سب سے عالی ہے اور حضرت شاہ منور حسین الہ آبادی عن الشاہ دولھا عن غوث الثقلین السید ابی محمد محی الدین عبد القادر الجیلانی قدس سرہٗ سے ہے اس سلسلے میں حضرت شاہ دولھا صاحب قدس سرہٗ کی عمر مبارک بہت طویل پانچ سو سے زیادہ تھی۔

سلسلہ چشتیہ :(۱) قدیمة (۲) جديدة

سلسلۂ سہروردیہ (۱) قدیمہ (۲) جديدة

سلسلۂ نقشبندیہ : (۱) صدیقیہ۔ یہ سلسلہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بواسطہ امام قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق عن سیدنا سلمان الفارسی عن سیدنا ابی بکر الصدیق عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاری ہے۔

(۲) نقشبندیہ علویہ۔ یہ سلسلہ سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے آگے ائمہ اہلبیت کے بواسطہ حضور اقدس ﷺ تک پہونچتا ہے۔ یہ دونوں سلسلے حضور سیدنا میر ابو العلی اکبر آبادی قدس سرہٗ کے واسطے سے ہے۔ یہ سلسلے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد صاحب کے سلسلے کے علاوہ ہیں یہ بھی جدیدۃ ہیں۔

سلسلۂ بدیعیہ : حضرت بدیع الدین مدار مکن پوری قدس سرہٗ کا سلسلہ ہے عند التحقیق یہ سلسلہ مشکوک ہے۔ لیکن

جن بزرگوں نے اسے عطا فرمایا ان کے علم میں یہ بات نہیں آئی کہ یہ سلسلہ مشکوک ہے۔ وہ اپنے مشائخ کے طریقے پر اپنے خلفا کو اس سلسلہ کی اجازت دیتے تھے خلفا میں جن لوگوں کے علم میں یہ بات تھی یہ سلسلہ مشکوک ہے وہ بھی اپنے شیخ کے ساتھ ادب کی بنا پر کچھ کہتے نہیں تھے۔ اس راہ میں بنیادی بات شیخ کا ادب ہے۔ عارف شیرازی نے کہا ہے۔

ع بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید

اس خادم کو بتحقیق معلوم ہے کہ ہمارے مشائخ خاص سلسلہ بدیعیہ مداریہ میں کسی کو بیعت نہیں فرماتے تھے۔

سلسلہ برکاتیہ : سرکار احسن العلما حضرت مولانا سید حافظ شاہ حسن میاں صاحب مارہروی تاجدار مسند غوثیہ برکاتیہ نے اپنی بارگاہ کے اس ادنیٰ غلام کو بلا طلب عرس قاسمی کے موقع پر تمام سلاسل برکاتیہ جدیدۃ کی اجازت عطا فرمائی۔ مارہرہ مطہرہ میں حضور سیدنا برکت اللہ قدس سرہٗ سے دو متوازی سلسلۂ طریقت جاری ہیں۔ قدیمہ اور جدیدۃ۔ قدیمہ خاندانی سلسلہ ہے جو بواسطہ سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی حضور سیدنا مخدوم شاہ مینا قدس سرہٗ کے ذریعہ پھیلا ہے۔ یہ سلاسل تین ہیں۔

قادریہ۔ چشتیہ۔ سہروردیہ

حضور سیدنا شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ کو اپنے گھر سے روحانیت کا بہت بڑا خزانہ ملا تھا چونکہ حضرت کا ظرف بہت اعلیٰ واعظم تھا اس سے سیر نہیں ہوا اس عہد میں کالپی شریف میں حضور سیدنا شاہ سید فضل اللہ ترمذی قدس سرہٗ کا ڈنکا بج رہا تھا۔ حضور سیدنا شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ کالپی شریف حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور سیدنا شاہ فضل اللہ قدس سرہٗ نے ان کا بہت اعزاز واکرام فرمایا اور اپنے سینے سے لگا کر ارشاد فرمایا "دریا بہ دریا پیوست" اور اپنے تمام سلاسل، اوراد، وظائف، اذکار عطا فرمایا، جو سلاسل حضرت شاہ فضل اللہ قدس سرہٗ سے حاصل ہوئے ان کو جدیدۃ کہا جاتا ہے وہ یہ ہیں۔

قادریہ سلسلۃ الذھب۔ چشتیہ۔ سہروردیہ۔ نقشبندیہ۔ صدیقیہ، علویہ۔ بدیعیہ۔ اسی طرح حضور سیدنا شاہ اویس قدس سرہٗ کے علاوہ دوسرے بزرگوں سے جو سلاسل مشائخ برکاتیہ کو ملے وہ بھی جدیدہ کہلاتے ہیں۔ جیسے سلسلہ قادریہ رزاقیہ۔ سلسلہ عزیزیہ منامیہ۔

سلسلۂ علویہ منامیہ : یہ سلسلہ حضرت خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول قدس سرہٗ کو اپنے استاذ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں :

"ایک رات میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوا اور عرض کیا کہ مجھ سے بیعت لے لیں۔ حضرت امیر المومنین نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور حضرت شاہ صاحب سے بیعت لی۔"

اہل طریقت کے یہاں یہ چیز مسلم ہے کہ اگر کوئی عارف باللہ خواب میں کسی بزرگ سے بیعت کرے تو وہ معتبر ہے۔

سلسلہ منوریہ رضویہ : سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے اپنے اس خادم کو "النور والبہا" میں مذکور سلسلہ کے علاوہ ایک اور طریقہ سے اس سلسلے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو کسی ذریعہ سے ملی تھی۔ افسوس کہ یہ بھی سند ضائع ہو گئی۔

یہ حضرات اولیائے کرام کے اٹھارہ سلسلے ہوئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک اور اگر ان سلاسل کی ان ذیلی شاخوں کو شمار کیا جائے جو درمیان میں پیدا ہوئیں اور بعد میں سمٹ گئیں تو تعداد اور بڑھ جائے گی۔ مثلاً حضرت احسن العلما قدس سرہ کو خاندان برکات کی مختلف اجازتیں اور خلافتیں حاصل تھیں۔ حضور سیدنا شاہ حمزہ قدس سرہ کے دو صاحبزادے تھے۔ حضور سیدنا شاہ آل احمد اچھے میاں اور حضور سیدنا شاہ آل برکات ستھرے میاں قدست اسرارھم ان حضرات کے خاندان ہی کے افراد میں کثیر خلفا تھے مگر پھر ان سب نے حضور سیدنا شاہ ابوالقاسم اسماعیل حسن میاں قدس سرہ کو خلافتیں عطا فرمائیں یا ان کے والد ماجد حضور سیدنا شاہ سید محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس طرح حضور سیدنا شاہ حمزہ قدس سرہ کے منبع سے مختلف ندیاں نکلیں اور وہ سب بعد میں حضور سیدنا شاہ ابوالقاسم اسماعیل حسن قدس سرہ کی ذات میں جمع ہو گئیں۔ حتی کہ جو سلسلہ حضور خاتم الاکابر قدس سرہ کا حضور سیدنا ابوالحسین احمد نوری سے چلا وہ بھی یہاں آ کے سمٹ گیا۔ اور اب سلسلہ نوریہ اور سلسلہ قاسمیہ کے وارث دو بزرگ ہیں۔ حضور مولٰنا سید شاہ آل رسول حسنین میاں صاحب سید ملت اور حضور سید شاہ مولٰنا محمد امین میاں صاحب امین ملت مدت اظلالھم العالیہ ودامت فیوضھم القدسیہ۔

اوراد وظائف

دلائل الخیرات : دلائل الخیرات شریف کی پہلی اجازت مجھے مرشد برحق حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ سے حاصل ہے ایک بار حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ بنارس ریوڑی تالاب جناب حاجی عبد الغفور صاحب سابق سکریٹری مدرسہ فاروقیہ کی دعوت پر تشریف لے گئے میں بھی ہمراہ تھا ان دنوں میں پابندی سے دلائل الخیرات شریف پڑھتا تھا حضرت صدر الشریعہ نے دیکھ لیا فرمایا لاؤ میرے سامنے پڑھو میں بھی سنوں حضرت نے ارشاد فرمایا میں پابندی کے ساتھ دلائل الخیرات شریف پڑھتا تھا اب بصارت کی کمزوری کی وجہ سے پڑھ نہیں پاتا تین دن تک ایک ایک حزب میں نے حضرت کو پڑھ کر سنایا اجازت اس سے پہلے حاصل کر چکا تھا دوسری اجازت حضرت مفتی اعظم ہند نے النور والبہا کے ساتھ عطا فرمائی حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے بھی حزب اول اور حزب ثامن پورا پڑھوا کر سنا حزب ثامن میں جہاں دعا قبول ہونے کی مخصوص جگہ ہے وہاں حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے بہت دیر تک دعائیں کیں۔

حرز یمانی : جسے دعائے سیفی بھی کہا جاتا ہے اس کی بھی اجازت النور والبہا کے سلاسل کے ساتھ عطا فرمائی۔ پھر میری استدعا پر پوری دعا پڑھ کر مجھے سنائی اور خصوصی اجازت عطا فرمائی اور دعوت صغیر دعوت کبیر دعوت اکبر کی

پوری تفصیل تعلیم فرمائی پھر فرمایا آپ اس سب میں مت پڑیئے گا آپ کے ذمہ جو خدمت سپرد ہے وہ انجام دیتے رہیئے گا آپ کے دنیا اور آخرت کے سب کام بنیں گے۔

حزب البحر : النور والبہا کے سلاسل کی اجازت کے ساتھ ساتھ اس کی بھی اجازت عطا فرمائی پھر پوری دعا حزب البحر پڑھ کر سنائی اور اس کی بھی تینوں دعوتوں کی تفصیل بتائی پھر اشتغال سے منع فرمایا۔

اسمائے اربعین : النور والبہا کے سلاسل کے ساتھ اس کی بھی عمومی اجازت عطا فرمائی پھر تمام اسما پڑھ کر مجھے سنایا اور ان سب کی دعوات کا طریقہ تعلیم فرمایا پھر فرمایا اگر آپ کا جی چاہے تو ان اسما میں سے کسی ایک کا ذکر الٰہی کی نیت سے ورد کیا کریں۔

رسائل ثلاثہ : حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے تین رسالے ہیں النفل المبین۔ الدر الثمین، النوادر۔ النور والبہا میں یہ بھی درج ہیں النور والبہا کے ساتھ ان کی بھی اجازت عطا فرمائی۔

سند التسبیح : بزرگوں میں یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ ان کا جس پر خصوصی کرم ہوتا ہے اس کو اپنی تسبیح عطا فرماتے ہیں اور سند کے ساتھ اس کی اجازت دیتے ہیں النور والبہا میں تسبیح کی سند بھی مذکور ہے۔

سرکار مفتیٔ اعظم ہند قدس سرہٗ نے میری اور حضرت مولانا بدرالدین احمد صاحب رضوی کی درخواست پر براؤں شریف مدرسہ فیض الرسول میں ہم دونوں کو اور کئی ایک حضرات علمائے کرام کو النور والبہا کے تمام سلاسل کی اجازت عطا فرمائی مگر ہم میں سے کسی نے نہ کسی حدیث کی قرأت کی اور نہ حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ نے قرأت فرمائی اور نہ کسی کو تحریری سند عطا فرمائی میں نے ۱۳۸۱ھ میں النور والبہا کے اس نسخے سے جو حضرت مفتی اعظم ہند کے یہاں موجود تھا جناب مولانا سلطان احمد صاحب اعظمی زید مجدہم سے پورا نقل کرایا اور حضرت مفتی اعظم ہند کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حضور اس پر اجازت کے کلمات تحریر فرمادیں۔

فرمایا میں ایک مضمون لکھ دیتا ہوں اس کو بھی اسی پر لکھوا لیجئے پھر لایئے گا میں دستخط کردوں گا اسی کے مطابق حضرت کی تحریر فرمودہ سند کے مسودہ کو النور والبہا کے اخیر میں لکھوا کر ۲۷ر رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ میں بعد نماز عشا حاضر ہوا حضرت نے از راہ کرم سند پر دستخط فرمادیا اور پوری کتاب اپنے دونوں دستان مبارک میں لیکر علی برکۃ اللہ تعالیٰ ثم علی برکۃ رسول ﷺ مجھے عطا فرمائی اس وقت حضرت مجھ پر غایت درجہ مہربان نظر آئے تو ہمت ہوئی میں نے عرض کیا حضور اس میں صحاح ستہ وغیرہ کے اطراف کا ذکر ہے حضور اجازت دیں تو میں بھی اطراف پڑھوں۔ حضرت نے اجازت دے دی میں نے صحاح ستہ مؤطا امام مالک کی ابتدا کی دو حدیثیں اور ایک ایک اخیر کی قراءت کی حضور نے سماعت فرمایا حصن حصین شریف نہیں مل سکی تھی اس لیے اس کے اطراف کی قرأت نہیں

ہو سکی اس موقع پر دلائل الخیرات شریف کے حزب اوّل اور حزب ثامن بھی پڑھ کر سنایا اسی دن حزب یمانی حزب البحر اسماء اربعین کی حضرت مفتی اعظم ہند نے قرأت کی اور مجھے سنایا اسی دن میں نے گذارش کی حضور اور کوئی خاص سند ہو تو عطا فرمائیں تو حضرت مفتیٔ اعظم ہند نے سلسلہ منوریہ معمریہ رضویہ کی اجازت مع سند کے عطا فرمائی نیز صحاح ستہ کی وہ مخصوص سند جو بہت مختصر اور عالی ہے تحریر فرما کر عنایت فرمائی۔

پھر اس کے کئی مہینہ بعد فتح الباری کے اخیر میں نسائی کی حدیث کو اپنی مخصوص سند کے ساتھ مجھے پڑھ کر سنائی اور اجازت دی۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

سند فقہ : ان سب نعمتوں کے ہوتے ہوئے نہ تو مجھے کبھی ہمت ہوئی کہ میں سند فقہ طلب کروں اور نہ حضرت مفتی اعظم ہند نے کبھی اس طرف توجہ فرمائی میرے نزدیک ساری سندوں سے اہم سند فقہ ہے میں اپنی حیثیت اور اس کی عظمت کے پیش نظر اس کی ہمت نہیں کرتا تھا لیکن مجدد اعظم اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کا کرم تھا حضرت مفتی اعظم ہند نے از خود بغیر طلب کے یہ بھی عطا فرمائی ہوا یہ کہ ایوب خاں کے عہد حکومت میں حکومتی سطح پر پاکستان میں ایک تجویز پاس کردی گئی کہ پورے پاکستان کا ایک شرعی قاضی القضاۃ ہو اور وہ عید وغیرہ کے موقع پر رویتِ ہلال کے سلسلہ میں جو فیصلہ صادر کردے اس کا حکومتی سطح پر بذریعہ ریڈیو اعلان ہو جائے اور اسی کے مطابق پورے پاکستان کے مسلمان عمل کریں۔

حکومت کی اس تجویز کو پاکستان میں پائے جانے والے مدعی اسلام تمام فرقوں نے تسلیم کرلیا تھا اور اہلسنت کے علما میں سے بھی بعض اکابر اور نوجوان علما کی اکثریت نے بھی اس کو تسلیم کرلیا حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا ابوالفضل سردار احمد صاحب قدس سرہٗ اور دیگر محتاط متدین علمائے اہلسنّت نے اس تجویز کو قبول نہیں فرمایا اس لئے کہ یہ رویت ہلال کے اجماعی قطعی احکام کی خلاف ورزی تھی جس کی وجہ سے پاکستان میں خود علمائے اہلسنّت کے مابین کافی کشیدگی پیدا ہوگئی اور دونوں طرف سے تحریری تبادلہ ہونے لگا حضرت محدّث اعظم پاکستان قدس سرہٗ کے حکم سے ان کے بعض تلامذہ نے حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کی خدمت میں فریقین کی تحریروں کی نقل کے ساتھ ایک استفتا بھیجا حضرت مفتی اعظم ہند نے مجھے اس کا جواب لکھنے کا حکم صادر فرمایا میں نے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر فل اسکیپ کے چار صفحات پر مشتمل ایک مبسوط فتویٰ لکھا اور تیسرے دن حضرت کی خدمت میں پیش کیا حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ طویل فتویٰ سننے سے گھبراتے تھے اسے بھی دیکھا تو فرمایا اسے کون سنے گا میں نے عرض کیا حضور یہ پاکستان سے رویت ہلال کے سلسلہ میں آئے ہوئے استفتا کا جواب ہے یہ سننے کے بعد فرمایا سناؤ۔ سننے کے بعد بہت مسرور ہوئے دعائیں دیں اور خود فرمایا کہ میں آپ کو اعلیٰ حضرت کی ان تمام اسناد کی جس میں سند فقہ بھی ہے اجازت دیتا ہوں جو الاجازات المتینہ میں مطبوع ہیں اس کرم سے متاثر ہو کر میں نے اپنا سر حضرت کے قدموں

پر رکھا حضرت مفتی اعظم ہند کی یہ عادت کریمہ تھی کہ قدم پر سر رکھنے کو تو کیا گوارہ فرماتے اگر کوئی قدم پر ہاتھ رکھ کر بوسہ دینا چاہتا تو اسے بھی جھڑک دیتے لیکن ؎ کریما کہ در فضل بالاترند اس وقت عجیب منظر تھا میں ان کے قدم پر سر رکھے ہوئے ہوں اور مفتی اعظم اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھے ہوئے تھے اس بے خودی و سرشاری میں میں کتنی دیر رہا یاد نہیں پھر بڑے پیار سے سر کو اٹھایا اور فرمایا۔ کہ یہ کیا کر رہے ہیں یہ کیا کر رہے ہیں سر اٹھایئے میں نے بمشکل سر اٹھایا تو حضرت مفتی اعظم ہند نے میرے دونوں ہاتھوں کو پکڑ لیا اور فرمایا علیٰ برکۃ اللہ تعالیٰ ثم علیٰ برکۃ رسولہ ﷺ میں آپ کو ان تمام سلاسل قرآن واحادیث وفقہ وسلاسل اولیاء اللہ کی اجازت دیتا ہوں۔ جو مجھے اعلیٰحضرت قدس سرہٗ سے حاصل ہیں فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

جن سلاسل کی مجھے اجازت ہے ان کی تعداد اٹھہتر ۷۸ ہے۔ اجازات قرآن مجید ۱۱۔ سلاسل احادیث ۳۹ سلاسل اولیاء اللہ ۱۸۔ حرز یمانی حزب البحر وغیرہ اور اوراد و وظائف کی اجازتیں ۹۔ سند فقہ :۔

حدیث میں ہم سب لوگ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ کے تلمیذ ہیں حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ نے حدیث سید المحدثین حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی ہے انھوں نے مولوی احمد علی سہارنپوری محشی بخاری شریف سے پڑھی ہے انھوں نے مولوی محمد اسحاق دہلوی مصنف مائۃ مسائل سے پڑھی ہے اور انہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سے۔

مگر حضرت صدر الشریعہ نے کسی کو یہ سند نہیں عطا فرمائی ایک دفعہ میں نے گذارش بھی کی تو فرمایا کہ اس سند میں یہ یہ سقم ہے پھر اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی سندِ عالی کے ہوتے ہوئے کسی سند کی کیا حاجت۔

حضرت صدر الشریعہ نے اگرچہ یہ بات ایک خصوصی واقعہ کے موقع پر فرمائی تھی لیکن یہ میرے دل میں ایسی گھر کر گئی کہ پھر میں نے آج تک نہ کہیں کسی عالم سے کوئی سند لی اور نہ اس کی خواہش ظاہر کی۔ ہمارے گھوسی کے ایک عالم صاحب حج کے لیے گئے تو حضرت مولانا سید محمد مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی خاص سند حاصل کر کے لائے ایک دفعہ وہ اس سند پر فخر ومباہات کرتے ہوئے مجھ پر طنز کیا کہ آپ کے پاس سوائے مدرسہ کی سند کے اور کیا ہے میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا جناب دنیا میں مجدد اعظم اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی سند سے اصح واعلیٰ کوئی سند نہیں اس کے ہوتے ہوئے مجھے کسی اور کی کسی سند کی کوئی حاجت نہیں سن لیجئے میرا عقیدہ یہ ہے۔

؎ بندہ ات غیرت برد گر بر در غیرت رود ور رود چوں بنگرد ہم شاہِ آں ایواں توئی

میں نے عرض کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت مولانا سید محمد مغربی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ سے صحاح ستہ کی سلسلہ عالیہ رضویہ کی سند حاصل کی اس طرح وہ میرے استاذ بھائی ہوئے آپ نے ان سے سند حاصل کر لی تو کیا تیر مارا نتیجتاً آپ میرے بھتیجے ہوئے۔

تصحیح ضروری : محب صادق جناب مولانا یٰسین اختر مصباحی زید مجدھم نے میرے مختصر حالات پر بہت جامع کتاب لکھی ہے جس کا نام "شارح بخاری کے مختصر حالات وخدمات" ہے میں ان کا بے حد مشکور ہوں مگر اس کتاب یا کتابت میں کئی ایک تسامحات رہ گئی ہیں ان کی تصحیح ضروری ہے۔

صفحہ ۳۵ پر ہے "شارح بخاری کو مفتیٔ اعظم ہند نے بتاریخ ۱۷ر رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ النور والبھا از امام احمد رضا قادری بریلوی میں درج ۲۵ سلاسل قرآن وحدیث وسلاسل اولیاء اللہ کی تحریری اجازت الخ اس میں تین خطا ہے۔

اول : سترہ ۱۷ر رمضان المبارک نہیں سات رمضان المبارک ہے

دوم : النور والبھا شریف مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصنیف نہیں بلکہ سید العارفین سیدنا شاہ ابوالحسن احمد نوری مارھروی تاجدار مسند غوثیہ برکاتیہ کی تصنیف ہے۔

سوم : اس میں پچیس ہی سلاسل نہیں بلکہ انتالیس ۳۹ ہیں۔

اسی صفحہ پر ہے "علاوہ ازیں ۱۳۸۳ھ میں مفتی اعظم ہند نے ان تمام سلاسل کی بھی اجازات عطا فرمائی" جو "الاجازت المتینہ" میں مذکور ہیں اس کی صحیح تاریخ یاد نہیں ہو سکتا ہے یہی تاریخ ہو یا دوسری ہو۔

چہارم : اسی صفحہ پر ہے دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف ضلع بستی کے ایک جلسے کے موقع پر شارح بخاری و حضرت مولانا بدر الدین احمد قادری رضوی کو مفتی اعظم ھند نے حدیث مسلسل بالاضافت و مسلسل بالمصافحہ کے مخصوص طریقے کی خصوصی اجازت دی۔

صحیح یہ ہے کہ حضرت مفتی اعظم ھند قدس سرہ نے اس موقع پر ھم لوگوں کو النور والبھا شریف کے تمام سلاسل کی اجازت عطا فرمائی چھوہارے اور پانی کے ساتھ ضیافت بھی کی یہ اجازت صرف حدیث مسلسل بالاضافت وغیرہ کے ساتھ خاص نہ تھی البتہ یہ اجازت زبانی تھی۔

تحریری اجازت سے رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ کو اس تفصیل کے ساتھ عنایت فرمائی جو اوپر مذکور ہو چکی۔

پنجم : صفحہ ۳۶ پر ہے "شارح بخاری کو احسن العلما حضرت سید شاہ حسن حیدر میاں نے بھی اپنے خاندان کے تمام سلاسل کی اجازت دی۔

تمام سلاسل کی نہیں اجازت مرحمت فرمائی تھی صرف سلاسل جدیدہ کی اجازت مرحمت فرمائی تھی اس تصحیح کو میں نے اس لیے ضروری سمجھا کہ کتاب مذکور میری زندگی میں لکھی گئی اور چھپی ہے اس سے لوگ دلیل لائیں گے مجھ پر لازم تھا کہ کتاب مذکور کے چھپنے سے پہلے اس پر ایک نظر ڈال لیتا لیکن کارپردازوں کو عجلت تھی اور میں مصروف بہت تھا اس لیے میں اس پر کوئی نظر ڈال نہیں سکا جس کے لیے میں ناظرین سے معذرت خواہ ہوں۔

☆☆☆☆☆

سند التكميل لمن اكمل التحصيل

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله المسلسل حمده [illegible] ... واشهد ان لا اله الا الله ... [illegible]

[illegible] ... بكمال سلاسل المتواتر [illegible] ... [illegible]

[illegible] ... [illegible]

[illegible] الاسانيد من كل فضل اليه مسنده [illegible] ... [illegible]

[illegible] ... [illegible]

[illegible] من الامور المهمة [illegible] ... [illegible]

[illegible] وعلى اله وصحبه رواة علمه [illegible] **وبعد** فلما سألني الاخ [illegible] المولوي [illegible]

[illegible] من مضافات [illegible] بعد الفراغ من الدرس في المدرسة العالية [illegible] ... [illegible]

[illegible] الاسلام ومرجعا للخاص والعام ومنبع الحض والفيض التام **فاجزته** على بركة الله [illegible] ... [illegible]

بالقرآن العظيم واحاديث النبي الكريم وبكل ما يجوز روايته [illegible] ... [illegible]

[illegible] شيخ الاسلام والمسلمين مجدد الدين المتين [illegible] **احمد رضا خان** [illegible]

[illegible] الرحمة والرضوان [illegible] **عن** [illegible] **محمد نقي عليخان**

[illegible] **عن** ابيه الكريم [illegible] المولوي **محمد رضا عليخان** [illegible] **عن** المولى **خليل الرحمن**

[illegible] **عن** [illegible] **محمد اعلم** [illegible] **عن** ملك العلماء بحر العلوم ابي العباس **محمد عبد العلي** اللكنوي **عن** [illegible]

[illegible] والخليفة [illegible] المشهور الاجازة [illegible] **عن** [illegible]

[illegible] **عن** العارف بالله [illegible] **انوار عن** [illegible] بحر العلوم المذكور [illegible]

[illegible] **واوصيته** [illegible] مذهب اهل السنة والجماعة [illegible] ... [illegible]

[illegible] ... [illegible]

[illegible] ... [illegible]

[illegible] ... [illegible]

[illegible] ... [illegible]

[illegible] ... [illegible]

[illegible] ... [illegible]

[illegible] في شهر شعبان المعظم سنة الف وثلث مائة [illegible] ... [illegible]

[illegible] وسلم

خواتيم العلماء الذين حضروا في المحضر

[illegible]

مولانا بشیر احمد برکاتی
خلیفہ حضور سید العلما، اورئی، جالون

شارح بخاری پر مشائخ مارہرہ کا خصوصی فیضان

حضور شیخ المحدثین استاذ المتکلمین شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی نائب مفتی اعظم ہند کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے شارح بخاری کا تعارف کرانا ایسا ہے جیسے سورج کو چراغ دکھانا۔ شارح بخاری جامع الکمالات شریعت و طریقت کے مجمع البحرین حدیث، تفسیر، علم کلام، فقہ، منطق، فلسفہ، میں اپنے وقت کے امام ہیں۔ خاندان برکات کے مشائخ کرام اکابر و اسلاف اور مخدوم شہزادگان مارہرہ مطہرہ کی بارگاہ میں شارح بخاری کا جو مقام و مقبولیت ہے وہ موجودہ علمائے کرام میں شاید کسی کو نہیں ہے۔

خادم کے علم میں دو ہی جلیل القدر بزرگ ہیں جن کو آقایان نعمت مرشدان کرام مارہرہ مطہرہ نے اس طرح برکاتی خطاب خاص سے نوازا ہے۔

۱۔ ایک حضور عظیم البرکت امام اہل سنت مجدد دین و ملت سرکار سیدنا اعلی حضرت رضی اللہ تعالی عنہ کو خاندان برکات کا چشم و چراغ، برکاتی اعلی حضرت فرمایا۔

۲۔ دوسرے حضور شارح بخاری مفتی صاحب قبلہ کو برکاتی مفتی، خاندان برکات کا مفتی کے خطاب سے نوازا۔

میرے آقائے نعمت سرکار سید العلما قدس سرہ کی خدمت اقدس میں جب بھی حضور شارح بخاری مفتی صاحب قبلہ تشریف لاتے سرکار خوش ہو جاتے اور کھڑے ہو کر اپنے سینے سے لگاتے قریب بٹھلاتے اور جب تک مفتی صاحب تشریف رکھتے۔ حضور سید العلما کسی سے مخاطب نہ ہوتے مفتی صاحب پر لطف و کرم کی خوب بارش فرماتے رہتے۔

حضور سید العلما قدس سرہ عرس قاسمی شریف خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ میں قل شریف کے وقت سب سے اخیر میں تقریر فرماتے تھے غالباً ۱۹۷۲ء میں حضور شارح بخاری مفتی صاحب عرس قاسمی میں خانقاہ برکاتیہ تشریف لائے حضور سید العلما بہت خوش ہوئے فرمایا مفتی صاحب میں اپنا وقت آپ کو دیتا ہوں آپ قل کی محفل میں تقریر فرمائیں اب قل کے وقت تمہاری تقریر ہوا کرے گی یہ خادم ۲۷ر سال سے دیکھ رہا ہے اس وقت سے

آج تک یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔

حضور سرکار سید العلما علیہ الرحمہ والرضوان کے زمانے میں شہید اعظم کانفرنس ممبئ میں بہت شان و شوکت سے ہوا کرتی تھی جس میں اکابر علمائے کرام،مشائخ عظام جلوہ فرما ہوتے کانفرنس میں حضور سید العلما شارح بخاری مفتی صاحب قبلہ کی تقریر ضرور کراتے تھے۔

حضور سید العلما آل انڈیا سنی جمیعۃ العلما کی میٹنگوں میں شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ کو صدر بناتے تھے۔اس خادم نے اپنے آقائے نعمت سرکار سید العلما رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھا حضور آپ مفتی صاحب قبلہ کو تمام علمائے کرام، مشائخ عظام سے زیادہ چاہتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے حضور سید العلما قدس سرہ نے فرمایا ۱۹۴۷ء میں جب مسلمانوں پر مسلم لیگ کا بھوت سوار تھا بڑے بڑے علما و مشائخ خاموش تھے اس وقت مفتی محمد شریف الحق امجدی نے ایک کتاب "اشک رواں" کے نام سے مسلمانوں کا سیاسی موقف اور کانگریس و مسلم لیگ کے بارے میں لکھ کر شائع کی تھی اس کتاب کا مطالعہ حضور سراج العرفا تاج العلما اولاد رسول سید شاہ محمد میاں صاحب قادری برکاتی قاسمی زیب سجادہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ نے کیا بے حد پسند فرمایا دعاؤں سے نواز تعریف و تحسین کی اور حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرمائے وہ کتاب حضور تاج العلما قدس سرہ نے اس فقیر کو پڑھنے کے لئے عطا فرمائی اس کتاب کو پڑھنے کے بعد میرے دل میں مفتی صاحب کی عظمت اور محبت مزید پیدا ہو گئی اور میں انہیں سب سے زیادہ چاہنے لگا۔

حضور سید العلما رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا چند بزرگوں کو چھوڑ کر تفقہ جس کا نام ہے وہ ہمارے مفتی محمد شریف الحق صاحب میں زیادہ پایئے گا۔

اورئی ضلع جالون وہابیت کا مرکز تھا اشرف علی تھانوی اورئی اکثر آتا اور اپنے خلیفہ عزیز الحسن مجذوب کے مکان پر ہفتوں قیام کرتا تھا ایک بار حضرت شیر بیشہ اہل سنت مناظر اعظم مولانا حشمت علی رحمۃ اللہ علیہ سے مناظرہ ہو چکا تھا۔ نیز اس خادم کی موجودگی میں ارشاد احمد مبلغ دار العلوم دیو بند سے اور حضور مناظر اہل سنت مفتی محمد رفاقت حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مناظرہ ہوا مفتی اعظم کانپور کو فتح ہوئی ارشاد بھاگ گیا رات میں فتح کا شاندار جلوس سنیوں نے نکالا صبح حضور مفتی صاحب سے ملاقات کے لئے کوئی بھی نہیں آیا حضور مفتی اعظم کانپور کو بڑی حیرت اور تعجب ہوا فرمایا اورئی کوفہ ہے۔ ۱۹۶۵ء میں پہلی بار حضور سرکار سید العلما علیہ الرحمۃ والرضوان اورئی تشریف لائے دین وسنیت کا سورج طلوع ہوا کچھ حضرات سرکار سے بیعت ہوئے اس خادم نے آقائے نعمت مرشد اعظم حضور سید العلما کی بارگاہ میں اورئی کے حالات عرض کئے حضرت سید العلما نے فرمایا اب آپ اورئی مفتی شریف الحق صاحب کو بلوائیں مفتی صاحب کی تقریر کروائیں وہ جس طرح فرمائیں دین وسنیت کا کام کریں

انشاء اللہ سنیت کا فروغ ہوگا وہابیت کا خاتمہ ہو جائے گا خادم نے حضور شارح بخاری مفتی صاحب قبلہ کی خدمت میں عرض کیا حضور مفتی صاحب قبلہ اورئی تشریف لائے اور پہلی ہی تقریر میں وہابیت کا قلعہ ہل گیا سنیوں میں جوش پیدا ہو گیا حضور شارح بخاری مفتی صاحب کی تقریروں، مجاہدانہ خدمات، محنت اور کاوشوں سے اورئی سنیت کا مرکز بن گیا اب اس وقت اورئی میں ۱۹ر مسجدوں میں سے الحمد للہ ۱۵ر مسجدوں پر سنیوں کا قبضہ ہے یہ سب شارح بخاری مفتی صاحب قبلہ کا فیضان و کرم ہے۔

حضور سید العلما قدس سرہ کے وصال کی افسوس ناک خبر جس وقت شارح بخاری مفتی صاحب قبلہ کو ملی مفتی صاحب پر غشی طاری ہو گئی صرف نماز کے وقت ہوش آتا نماز ادا فرماتے پھر غشی طاری ہو جاتی اس وقت مفتی صاحب قبلہ دار العلوم انوار القرآن بلرام پور میں شیخ الحدیث تھے بلرام پور میں سنیوں میں اختلاف تھا کچھ حضرات ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے جامع مسجد میں جمعہ کی نماز مفتی صاحب قبلہ پڑھاتے تھے حضور شارح بخاری کے پیچھے سبھی سنی نماز پڑھتے تھے جمعرات کا دن آگیا سب کو فکر ہوئی کل جمعہ کی نماز کون پڑھائے گا شب جمعہ کو حضور مفتی صاحب کو خواب میں سرکار سید العلما رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی زیارت ہوئی حضور سید العلما نے فرمایا مفتی صاحب آپ کیوں رو رہے ہیں آپ روتے ہیں تو ہم کو تکلیف ہوتی ہے اب مت رونا میں نے جگہ تبدیل کر دی ہے اب ہم ممبئی سے مارہرہ مطہرہ آگئے ہیں تم جب بھی یاد کرو گے ہم آپ کے پاس مارہرہ شریف سے آجائیں گے۔ حضور مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ حضور سید العلما نے پڑھ کر دم کیا میں بالکل اچھا ہو گیا آنکھ کھلی ہوش آیا تو فجر کی اذان ہو رہی تھی نماز فجر ادا کی اور نماز جمعہ پڑھائی ہفتہ کو حضور مفتی صاحب قبلہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ تشریف لے آئے درگاہ شریف میں حضور مفتی صاحب قبلہ نے اس خادم سے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ حضور شارح بخاری مفتی صاحب قبلہ ۱۲ر ۱۳ر ربیع الاول شریف کے جلسہ میں اورئی تشریف لاتے ایک بار ۱۱ر ربیع الاول شریف کو تشریف لے آئے خادم کے یہاں قیام تھا ۱۲ر ربیع الاول شریف کو صبح نماز اشراق کے بعد حضور شارح بخاری نے خادم کو اور گھر کے سبھی بچوں کو بلا کر روپے عطا فرمائے خادم نے عرض کیا حضور آج کس خوشی میں ہم غلاموں کو روپے بانٹ رہے ہیں فرمایا آج سب سے بڑی خوشی کا دن یوم عید میلاد النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہے اس عید پر ساری عیدیں قربان میں سب سے زیادہ اس دن کا اہتمام کرتا ہوں اور بے شک ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ تعالی علیہ سلم کی یہی شان ہوتی ہے۔

حضور سیدی احسن العلما قدس سرہ

حضور عظیم البرکت تاجدار اہل سنت عارف باللہ غوث الزماں سید احسن العلما قدس سرہ سجادہ نشین درگاہ

برکاتیہ مارہرہ مطہرہ حضور شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی کو تمام علماے کرام مشائخ عظام میں سب سے زیادہ چاہتے اور محبت کرتے تھے حضور شارح بخاری کا سرکار احسن العلما کی بارگاہ میں جو مقام تھا وہ کسی کا نہیں تھا حضور احسن العلما مفتی صاحب قبلہ پر خصوصی کرم فرماتے تھے۔

حضور سرکار سید احسن العلما قدس سرہ شارح بخاری مفتی صاحب کو عرس قاسمی شریف کا خصوصی دعوت نامہ خود تحریر فرما کر ارسال فرماتے اور اس خادم کو حکم فرماتے کہ مفتی صاحب کو ہم نے عرس مبارک کا دعوت نامہ بھیج دیا ہے تم مزید میری طرف سے دعوت نامہ بھیج دو اور جواب آنے پر فوراً اطلاع کرو۔

عرس قاسمی خانقاہ برکاتیہ مارہرہ میں شارح بخاری مفتی صاحب کی تشریف لانے کی اطلاع آتی یا نہ آتی حضور سیدی احسن العلما قدس سرہ مفتی صاحب قبلہ کے قیام کے لئے مخصوص کمرہ میں فرش و پلنگ بچھوا کر بستر لگوا کر تالا لگوا دیتے اور ہدایت فرما دیتے اس کمرہ میں سوائے مفتی صاحب کے کوئی اور نہیں ٹھہرے گا۔

عرس قاسمی میں سب سے پہلے جب حضور مفتی صاحب تشریف لائے اس خادم نے زمین پر فرش و گدا بچھا کر بستر لگا دیا اور مفتی صاحب سے عرض کیا حضور اسی میں قیام فرمائیں۔ حضور سیدی احسن العلما قدس سرہ مفتی صاحب قبلہ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے بستر فرش پر دیکھ کر برہم ہو گئے فرمایا بشیر بھائی رفیق سے بولو پلنگ لائے مفتی صاحب کا بستر پلنگ پر لگاؤ خادم نے اسی وقت بستر پلنگ پر لگا دیا حضور احسن العلما نے فرمایا مفتی صاحب اس پر آرام فرمائیں۔ آج بھی عرس مبارک میں سیکڑوں علماے کرام مشائخ عظام تشریف لائے ہیں لیکن مفتی صاحب کے لے یہ خاص اہتمام سرکاروں کی طرف سے کیا جاتا ہے۔

عرس قاسمی شریف کے موقع پر خادم خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف میں جب سیدی احسن العلما قدس سرہ کی بارگاہ میں زیارت اور قدم بوسی کے لئے حاضر ہوتا تو حضور احسن العلما سب سے پہلے پوچھتے مفتی صاحب کا کیا پروگرام ہے کس ٹرین سے تشریف لا رہے ہیں اگر مفتی صاحب کسی وجہ سے اس ٹرین سے نہیں آئے جس سے ان کے پہنچنے کی اطلاع کی تھی میں دیکھتا حضور احسن العلما بے چین ہو جاتے مفتی صاحب کے آنے کے لئے دعا فرماتے اور اس غلام سے بار بار پوچھتے مفتی صاحب آگئے جب یہ خادم مفتی صاحب قبلہ کے آنے کی سرکار کی بارگاہ میں اطلاع عرض کرتا کہ حضور مفتی صاحب قبلہ تشریف لے آئے سرکار سید احسن العلما بہت خوش ہوتے باغ باغ ہو جاتے اور فرماتے بشیر بھائی اب کوئی آئے نہ آئے مفتی صاحب آگئے ہمارا عرس ہو گیا۔

حضور شارح بخاری مفتی صاحب قبلہ عرس قاسمی شریف میں قل کے وقت خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ میں تقریر فرما رہے تھے یہ خادم کسی اچھی بات پر جوش میں نعرہ لگا دیتا نائب مفتی اعظم ہند حضور شارح بخاری حاضرین محفل فرماتے زندہ باد حضور مفتی صاحب اپنے مخصوص انداز میں تقریر فرماتے رہے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کوثر و

تسنیم کے جام چھلکا رہے ہیں مجمع نائب مفتی اعظم ہند حضور شارح بخاری زندہ باد کے نعرے لگا رہا تھا کہ اچانک حضور سیدی احسن العلما نے اپنی پر عظمت آواز میں نعرے لگوائے برکاتی مفتی زندہ باد۔ برکاتی مفتی زندہ باد ہمارے مفتی صاحب زندہ باد۔

جب مولوی خلیل احمد بدایونی نے اپنی چھپی ہوئی وہابیت کا اعلان کیا سنیوں نے حضور سید احسن العلما کی بارگاہ میں اس کی شکایت کی حضور احسن العلما نے فرمایا میں اس سلسلہ میں مفتی محمد شریف الحق صاحب سے بات کرتا ہوں حضور مفتی صاحب قبلہ عرس قاسمی میں خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ تشریف لائے حضور احسن العلما نے مفتی صاحب سے دریافت فرمایا آپ نے خلیل احمد کے بارے میں کیا کیا سنا اور کیا کیا دیکھا ہے مفتی صاحب قبلہ نے بدایوں کے مناظرہ کی پوری رپورٹ سنادی اور عرض کیا کہ حضور یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ دیوبندیوں کے وہ اکابر جن کی علمائے اہل سنت کی طرف سے تکفیر ہو چکی ہے خلیل احمد ان کی تکفیر سے کف لسان ہی نہیں کرتا بلکہ ان کو اپنا پیشوا مانتا ہے بلاشبہ کافر مرتد ہو گیا حضور مفتی صاحب قبلہ کے فرمانے کے بعد سرکار سید احسن العلما نے عرس قاسمی میں قل شریف کے موقع پر خلیل احمد بدایونی سے اعلان براءت فرمادیا کہ یہ شخص اب سنی نہیں ہے اس کی ارادت و خلافت ختم ہوگئی بددینی بدعقیدگی کی وجہ سے اب اس شخص کا سلسلہ برکاتیہ سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں رہ گیا۔

حضور سیدی احسن العلما قدس سرہ سے کوئی شخص فتوی کے بارے میں پوچھتا تو آپ اس شخص سے فرماتے شارح بخاری نائب مفتی اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی سے استفتا کروان کا جو فتوی ہوگا وہی ہمارا فتوی ہے۔

اس خادم نے دیکھا حضور سیدی احسن العلما قدس سرہ اپنے بعض اہم مسائل میں بھی شارح بخاری مفتی صاحب قبلہ سے مشورہ لیا کرتے تھے حضور احسن العلما قدس سرہ علم اور معاملات دونوں شعبوں میں شارح بخاری مفتی صاحب کو اپنا معتمد سمجھتے تھے۔

حضور سیدی احسن العلما رضی اللہ تعالی عنہ کا شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق صاحب پر خصوصی کرم تھا اکثر سرکار احسن العلما فرماتے تین اشخاص کو بہت ٹھوک بجا کر تحقیق کر کے منتخب کرنا چاہئے۔ ایک مفتی دوسرا وکیل تیسرا ڈاکٹر میں نے تینوں کو منتخب کرلیا میرا ڈاکٹر فلاں، وکیل فلاں ہے اور میرا مفتی محمد شریف الحق ہیں یہ ہماری خانقاہ کے برکاتی مفتی ہیں۔

حضور سیدی احسن العلما قدس سرہ نے دوران گفتگو شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے مفتی صاحب اتنے بڑے مفتی ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ اگر اس زمانے میں ہوتے تو میں ان سے

عرض کرتا کہ حضور انہیں اپنے مخصوص شاگردوں میں شامل فرمالیں۔

حضور سیدی احسن العلما قدس سرہ نے شارح بخاری مفتی صاحب قبلہ کو عرس قاسمی میں قل شریف کے موقع پر ۱۴۰۸ھ میں بلا طلب تمام سلاسل عالیہ قادریہ برکاتیہ کی اجازت و خلافت عطا فرمائی اور دستار بندی فرمائی اور قادریت و برکاتیت کے خزانوں کے نور سے شارح بخاری کے سینہ کو معمور کر دیا۔

شارح بخاری مفتی صاحب اور سرکار احسن العلما قدس سرہ کے درمیان بڑے گہرے مراسم تھے مفتی صاحب قبلہ احب الخلفا ہیں میں نہیں جانتا کہ علمائے کرام میں شارح بخاری سے زیادہ کوئی اور عالم حضور احسن العلما قدس سرہ کے قریب تھا۔

غالباً ۱۹۹۰ء میں بابری مسجد کی تحریک یوپی میں تیزی سے چل رہی تھی ہندوؤں نے شیلا نیاس کر لیا تھا ماحول کشیدہ تھا عرس مبارک انہیں ہنگاموں کے دنوں میں تھا راستے ہر طرف مسدود و مخدوش تھے حضور شارح بخاری صاحب کے آنے کی کوئی اطلاع نہیں تھی صبح کی محفل میں سرکار احسن العلما نے اعلان فرمایا مفتی صاحب تشریف لا رہے ہیں محفل کے بعد خادم حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوا سرکار احسن العلما نے فرمایا: مفتی صاحب شام تک ضرور آجائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ حضور کے فرمانے کے مطابق مفتی صاحب تشریف لے آئے خادم نے مفتی صاحب قبلہ سے عرض کیا حضور نے آنے کی اطلاع نہیں فرمائی مفتی صاحب نے فرمایا: حالات خراب ہونے کی وجہ سے اس سال عرس مبارک میں حاضری کا ارادہ نہیں تھا اچانک طبیعت گھبرائی ایسا لگا جیسے کوئی غیبی طاقت کھینچ رہی ہو میں چل دیا راستے میں کچھ دشواریاں پیش آئیں لیکن میں حاضر ہو گیا خادم نے عرض کیا حضور احسن العلما نے دن کی محفل میں آپ کے آنے کا اعلان فرما دیا تھا کہ مفتی صاحب شام تک تشریف لے آئیں گے حضور احسن العلما نے آپ کو بلا لیا خادم نے حضور احسن العلما کی بارگاہ میں مفتی صاحب کے آنے کی اطلاع کی حضور احسن العلما باغ باغ ہو گئے اور مفتی صاحب کو بہت دعائیں دیں۔

حضور سیدی احسن العلما قدس سرہ کبھی شارح بخاری مفتی صاحب کی علالت کی خبر سنتے فوراً تار سے خیریت معلوم کرتے آنے جانے والوں سے پوچھتے اس خادم کو حکم فرماتے مفتی صاحب کی خیریت معلوم کر کے اطلاع کرو جب تک خیریت نہ ملتی بے چین رہتے مفتی صاحب کی صحت و تندرستی کے لئے مخصوص دعا کرتے ایک بار مفتی صاحب کو چوٹ آگئی گورکھپور ہاسپٹل میں داخل تھے حضور احسن العلما گورکھپور ہاسپٹل میں عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ خادم پہلے سے مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر تھا میں نے دیکھا حضور احسن العلما نے مفتی صاحب کو دیکھا آنکھوں میں آنسو آگئے مفتی صاحب کے قریب بیٹھ گئے اور فرمایا مفتی صاحب آپ گھبرائیں نہیں میں دعا کر رہا ہوں انشاء اللہ آپ جلد ہی اچھے ہو جائیں گے۔ بہت دیر تک پڑھ پڑھ کر دم فرماتے رہے چلتے وقت

علاج کے لئے کثیر رقم مفتی صاحب کو عطا فرمائی اور دعائیں دیں۔

حضور سیدی سید العلما حضور سیدی احسن العلما علیہ الرحمۃ والرضوان کے حکم کے مطابق آج بھی قل شریف کے موقع پر آخری تقریر شارح بخاری مفتی صاحب کی ہوتی ہے حضور سید ملت شہزادہ سید العلما مخدوم گرامی سید آل رسول حسنین میاں صاحب سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ و شہزادگان سرکار احسن العلما حضور امین ملت مخدو گرامی سید شاہ محمد امین میاں صاحب سجادہ نشین درگاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ حضور اشرف ملت مخدوم گرامی سید محمد اشرف میاں صاحب قادری برکاتی حضور مخدوم گرامی سید افضل میاں صاحب قادری برکاتی حضور مخدوم گرامی رفیق ملت سید نجیب حیدر صاحب نائب سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف سب سے شارح بخاری مفتی صاحب قبلہ کا محبت واخلاص کا رشتہ ویسے ہی قائم ہے جیسے ان کے بزرگوں کے ساتھ قائم تھا۔

عرس سید العلما رضی اللہ تعالی عنہ میں شارح بخاری مفتی صاحب قبلہ مارہرہ مطہرہ تشریف لائے حضور مخدوم گرامی سید ملت شہزادہ سید العلما سید آل رسول حسنین میاں قادری برکاتی سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ امام العابدین رئیس العارفین مظہر غوث اعظم قطب عالم سید شاہ حضور آل احمد اچھے میاں رضی اللہ تعالی عنہ کی سجادگی والے کمرہ میں بٹھا کر ناشتہ کرایا اور اس نورانی تخت کی زیارت کرائی جس پر سرکار سیدی اچھے میاں رضی اللہ تعالی عنہ جلوہ فرمارہتے تھے جس تخت پر خاتم الاکابر غوث الزماں سید شاہ آل رسول رضی اللہ تعالی عنہ نے سرکار سیدنا اعلی حضرت رضی اللہ عنہ کو بیعت کیا اور بھی مخصوص تبرکات کی زیارت کرائی۔

ممبئی میں جب بھی شارح بخاری حضور مخدوم گرامی سید آل رسول حسنین میاں صاحب قادری برکاتی سے ملاقات کے لئے تشریف لائے حضور شہزادہ سید العلما و سید ملت نے ہمیشہ کھڑے ہو کر مفتی صاحب کا استقبال کیا اور مسند کے قریب اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا: مفتی صاحب آپ میرے ابا حضور علیہ الرحمۃ والرضوان کے چہیتے ہیں میرے لئے خاص دعا فرمائیں۔

حضور شیخ طریقت امین ملت ڈاکٹر سید شاہ محمد امین میاں صاحب قادری برکاتی سجادہ نشین درگاہ برکاتیہ مارہرہ شریف شارح بخاری مفتی صاحب سے بے پناہ محبت عقیدت رکھتے ہیں اور غایت عظمت واحترام سے نوازتے ہیں ایک بار عرس قاسمی کے موقع پر قل شریف کی محفل میں خادم نے مفتی صاحب کے تعارف میں اختصار سے کام لیا۔ اس خادم نے ممبئی میں حضور اشرف ملت مخدوم گرامی سید محمد اشرف میاں صاحب قبلہ قادری برکاتی کی بارگاہ میں عرض کیا حضور مفتی صاحب قبلہ ملاقات کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں حضور حکم فرمائیں کس وقت مفتی صاحب تشریف لے آئیں حضور مخدوم گرامی نے فرمایا بشیر بھیا یہ گھر مفتی صاحب کا ہے شاندار استقبال کیا نہایت ادب واحترام کے ساتھ بٹھایا ضیافت کی کھانے کے بعد رخصت کیا چلتے وقت جوڑا اور لفافہ

نذر کیا اور فرمایا مفتی صاحب دعاؤں میں اس خادم کو ضرور یاد رکھیں۔ حضور مخدوم گرامی رفیق ملت سید نجیب حیدر میاں صاحب نائب سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف کو بھی شارح بخاری مفتی صاحب سے بے پناہ عقیدت و محبت ہے حضور رفیق ملت نے اپنی تقریروں میں مفتی صاحب کا تذکرہ تعریف کرتے ہوئے متعدد بار فرمایا مفتی صاحب کی خدمت کرنا میرے لئے فخر کی بات ہے میرے والد صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان سب سے زیادہ مفتی صاحب سے محبت فرماتے تھے حضور رفیق ملت آج بھی عرس قاسمی میں مفتی صاحب کے قیام کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں جس طرح سرکار سید احسن العلما قدس سرہ کیا کرتے تھے۔ دار العلوم برکات محمدیہ اورئی کا سالانہ جلسہ تھا حضور مفتی صاحب شارح بخاری نے جلسہ میں وہابیوں کے پیشواؤں کا نام لے کر شدید رد کیا وہابیوں میں کھل بلی مچ گئی شری فسادی وہابیوں کی میٹنگ ہوئی اورئی کے وہابیوں کا سرغنہ یوسف بدمعاش قسم کے لوگوں کو لے کر دار العلوم میں آیا اس وقت حضور مفتی صاحب قبلہ سرکار سیدی احسن العلما قدس سرہ کی بارگاہ میں تشریف فرما تھے یوسف خبیث نے آتے ہی مفتی صاحب قبلہ سے کئی سوال کئے حضور مفتی صاحب نے اس کے سوالوں کا مدلل معقول جواب دیا یوسف لاجواب ہو گیا سیدی احسن العلما بہت خوش ہوئے مفتی صاحب زندہ باد فرمایا۔ یوسف اپنی اصلیت، خباثت بدمعاشی پر آگیا اور مفتی صاحب کی شان میں نازیبا الفاظ بکنے لگا۔ حضور سیدی احسن العلما کو جلال آگیا فرمایا خبردار اگر اب کوئی نازیبا الفاظ میرے مفتی صاحب کی شان میں کہے اور فرمایا ہر جھاڑی خالی نہیں ہوتی کسی میں شیر بھی ہوتا ہے یوسف گھبرا کر کانپتا ہوا بھاگ گیا۔ حضور سیدی احسن العلما قدس سرہ نے مفتی صاحب شارح بخاری کو بہت دعائیں دیں۔

ایک بار اورئی کے وہابیوں نے مناظرہ کا چیلنج کیا خادم نے فوراً منظور کر لیا شرائط مناظرہ طے ہوئیں وہابیوں کی طرف سے حفیظ الرحمٰن میرٹھی اور صدیق ہتوڑا کا نام پیش کیا خادم نے سنیوں کی طرف سے حضور مناظر اعظم مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی کا نام پیش کیا مناظرہ کی تاریخ طے ہو گئی خادم نے مفتی صاحب کی بارگاہ میں مبارک پور اشرفیہ عرض کیا حضور مفتی صاحب تاریخ مقررہ کے ایک دن پہلے اورئی تشریف لے آئے سارے سنی بھائی مسرت و خوشی میں جھوم اٹھے دوسرے دن وہابیوں کو اطلاع کی ہمارے مناظر اعظم مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب تشریف لے آئے ہیں آپ اپنے مناظر کو وقت مقررہ پر جلسہ مناظرہ میں لے کر آجایئے۔ حضور مفتی صاحب قبلہ وقت مقررہ پر جلسہ گاہ میں تشریف لے آئے لیکن وہابیوں کی طرف سے کوئی نہیں آیا حضور مفتی صاحب قبلہ نے ہزاروں کی بھیڑ میں جلسہ عام میں بلند آواز سے شیر کی طرح گرج کر فرمایا بلا کر لاؤ اپنے ہتوڑا کو الحمد للہ میں گھن آگیا ایک ہی وار میں تمام ہتوڑا چور چور ہو جائے گا سنیوں نے بہت جوش میں نعرے لگائے نائب مفتی صاحب قبلہ نے شدید رد کیا وہابیت کا قلعہ مسمار ہو گیا حضور مفتی صاحب شارح بخاری نے اعلان فرمایا ہم ایک ہفتہ

اورئی میں قیام کریں گے وہابیو!! اپنا بڑے سے بڑا مولوی دیو بند سے نجد تک جسے چاہو بلا کر لاؤ ہم مناظرہ کے لئے ہمت و جرءت نہیں ہوتی حضور شارح بخاری کے فیضان کرم سے اورئی ضلع جالون میں سنیت کا بول بالا ہے۔

ایک شخص جالون کا رہنے والا چندا اس کا نام تھا کسی مقدمے میں اس کو بیس سال کی سزا ہو گئی میرے پاس اس کے وارثین روتے ہوئے آئے خادم نے ان کو تسلی دی اور کہا کہ گھبراؤ مت آپ میں کوئی ایک شخص مبارک پور حضور مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب قبلہ کے پاس چلا جائے آپ کا بھائی بری ہو جائے گا ایک شخص حضور مفتی صاحب قبلہ کی بارگاہ میں مبارک پور گیا مفتی صاحب قبلہ نے کرم فرمایا اس کے بھائی کے لئے تعویز دیا اور دعا کی اس نے تعویذ اپنے بھائی کے گلے میں ڈال دیا ہائی کورٹ سے ضمانت ہو گئی مقدمہ چلا جج نے اس کی سزا ختم کر دی اور اس کو بری کر دیا۔

جب بھی شارح بخاری صاحب قبلہ اورئی اس خادم کے غریب خانہ پر تشریف لاتے ہیں غلاموں چاہنے والوں کا اچھا خاصا مجمع رہتا ہے کبھی کبھی آسیب والے مریض بھی آتے ہیں۔ ایک بار جالون سے محمد صابر کی بی بی آئی اس پر جنات کا اثر تھا اس کے بڑے لڑکے نے رو کر عرض کیا حضور یہ میری والدہ صاحبہ ہیں ہم بہت پریشان ہیں ہم ان کو کچھوچھہ شریف بدایوں شریف لے گئے اور بھی لوگوں کو دکھایا اچھی نہیں ہوئیں سرکار کرم فرمائیں میری والدہ کو اچھا کر دیں رونے لگا حضور شارح بخاری نے تسلی دی اور اس کی والدہ پر پڑھ کر دم کیا تعویذ دیا بالکل اچھی ہو گئیں۔ ماشاء اللہ اس وقت بہت اچھی ہیں۔ اسکول میں پڑھانے جاتی ہیں اس قسم کے سیکڑوں واقعات ہیں ہزاروں مریض اچھے ہوئے۔ حضور شارح بخاری مفتی صاحب قبلہ نے جس شخص سے جو فرمادیا وہ ضرور پورا ہوا حضور مفتی صاحب قبلہ جید عالم مفتی کے ساتھ درویش ولی بھی ہیں۔

مولانا فیضان المصطفیٰ قادری مصباحی
استاذ جامعہ امجدیہ قصبہ گھوسی ضلع مئو

شارح بخاری پر حضرت صدر الشریعہ کا خصوصی فیضان

فقیہ عصر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ تقریروں اور تحریروں میں فرماتے ہیں کہ موجودہ دور میں پوری دنیائے سنیت میں جہاں بھی علم دین کی روشنی ہے۔ تقریباً سب جگہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا فیضان ہے گویا علم دین کی جتنی نہریں جاری ہیں ان سب کا تعلق اس سمندر سے ہے جسے دنیا صدر الشریعہ کے نام سے جانتی ہے بقول آپ کے حضرت صدر الشریعہ کی شخصیت جماعت اہلسنت میں آفتاب عالم کی حیثیت رکھتی ہے آپ اس بیان کی توضیح میں ایک شعر پیش کرتے ہیں جو بڑا ہی موزوں اور برمحل ہے۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
سب اسی زلف کے اسیر ہوئے

نصف صدی پر پھیلی ہوئی علمی تاریخ کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کیا جائے تو مذکورہ نظریہ بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو خود شارح بخاری حضرت مفتی صاحب قبلہ مدظلہٗ العالی پر حضرت صدر الشریعہ کا کیا فیضان رہا ہے؟ آپ کو علم و حکمت کا تاجدار، میدان خطابت و مناظرہ کا شہ سوار، تصنیف و تالیف کا امام اور فقہ و فتاویٰ میں مرجع انام بنانے میں امجدی فیضان کا کیا کردار رہا ہے؟

درج ذیل سطور میں اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

خاندانی تعلق : قصبہ گھوسی ضلع مئو میں میاں جی خیر الدین صاحب نامی گرامی بڑے معروف و مقبول عالم اور بزرگ تھے ان سے جو نسل چلی اس میں بڑے بڑے علما پیدا ہوئے۔ مثلاً فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ، حضرت مولانا محمد صدیق علیہ الرحمہ، شیخ العلما حضرت مولانا غلام جیلانی علیہ الرحمہ، حضرت علامہ غلام یزدانی علیہ الرحمہ، حضرت علامہ عبد المصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ حضرت شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ مدظلہٗ العالی، محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ مدظلہٗ العالی وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

مذکورہ ارباب علم ودانش کا اجمالی شجرہ نسب یوں ہے

- خیر الدین
  - لعل محمد
    - ثناء اللہ
      - عبد الصمد
        - شارح بخاری مفتی شریف الحق صاحب
  - خدا بخش
    - مولانا حکیم جمال الدین
      - حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ
        - (۱) علامہ عبد المصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ
        - (۲) مولانا شمس الہدیٰ علیہ الرحمہ
        - (۳) مولانا عطاء المصطفیٰ علیہ الرحمہ
        - (۴) علامہ قاری رضاء المصطفیٰ مد ظلہٗ
        - (۵) علامہ ضیاء المصطفیٰ مد ظلہٗ
        - (۶) مولانا یحییٰ علیہ الرحمہ
        - (۷) علامہ مفتی ثناء المصطفیٰ علیہ الرحمہ
        - (۸) علامہ بہاء المصطفیٰ مد ظلہٗ
        - (۹) علامہ فداء المصطفیٰ مد ظلہ العالی
  - بچن
    - یار محمد
      - مولانا محمد صدیق علیہ الرحمہ
        - علامہ غلام یزدانی علیہ الرحمہ
        - شیخ العلما علامہ غلام جیلانی علیہ الرحمہ
          - مولانا غلام ربانی صاحب فائق

مذکورہ شجرۂ نسب سے ظاہر ہے کہ حضرت شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ مدظلہ العالی حضرت صدر الشریعہ کے بھتیجے تھے۔ اور چوتھی پشت پہ جاکر حضرت مفتی صاحب کا سلسلہ نسب حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے سلسلہ نسب سے جاملتا ہے کیونکہ صدر الشریعہ کے دادا اور حضرت مفتی صاحب کے پردادا حقیقی بھائی تھے۔ اس خاندانی تعلق کی بناپر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کبھی کبھی آپ کے والد مکرم سے ملنے گھر جایا کرتے تھے اور وہ تقریباً روزانہ صدر الشریعہ سے ملنے آتے۔ دونوں میں بڑی اخوت و محبت تھی۔ اسی جذبہ اخوت نے فطری طور پر فقیہ اعظم ہند کا دل ہونہار بھتیجے کی طرف جھکا دیا۔ پھر لطف و کرم اور عنایات و نوازشات کا وہ سلسلہ چل پڑا جس نے ایک ہونہار بھتیجے کو پوری دنیا کے سامنے فقیہ عصر نائب مفتی اعظم ہند اور شارح بخاری بنا کر پیش کر دیا۔

عنایات و نوازشات

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے سب سے چہیتے اور محبوب شاگرد تھے۔ حضرت صدر الشریعہ خود فرماتے ہیں کہ میرے پاس جتنا علم ہے وہ سب میں نے مولوی عبدالعزیز کو دیا۔ صدر الشریعہ کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ آپ نے حافظ ملت کو اپنی زندگی کا سرمایہ سمجھ کر خاص اپنے علاقہ کی تعمیر و ترقی کے لئے بھیجا۔ حافظ ملت مبارکپور تشریف لائے اور صحرا کو گلزار اور بے آب و گیاہ بیابان کو رشک فردوس بنانے کا آغاز کیا۔ ٹھیک اس وقت جب حافظ ملت کی تحریکات شباب پر تھیں صدر الشریعہ نے مفتی صاحب کی تعلیم و تربیت کے لئے انھیں ساتھ لے جاکر حافظ ملت کے حوالے کر دیا۔ ایک استاد کے دل میں اپنے ہونہار اور بااستعداد شاگرد کی کیا قدر و قیمت ہوتی ہے وہ استاد ہی جانتا ہے دوسری طرف ایک وفادار شاگرد بھی اپنے استاد کی دی ہوئی علمی امانت کو پوری ذمہ داری کے ساتھ لوگوں تک پہونچانے کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت صدر الشریعہ جیسا استاد اپنے ہونہار بھتیجے کو حضرت حافظ ملت جیسے شاگردوں کے حوالہ کر دے تو اس سے اس بھتیجے کی اہمیت اور وقعت کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس بھتیجے پر استاد اور شاگرد دونوں کی کس قدر توجہ ہوگی اور کس شان سے ان کی تعلیم و تربیت ہوئی ہوگی اس کے پیش نظر حضرت شارح بخاری کی شخصیت، آپ کے علمی فضائل و کمالات اور نصف صدی پر پھیلے ہوئے کارنامے اور خدمات پر ایک نظر ڈالیں تو عقل خود فیصلہ کر دے گی کہ ایسا ہی ہوتا ہے۔

حضرت شارح بخاری مبارکپور میں زیر تعلیم تھے۔ حضور حافظ ملت سالانہ امتحان میں حضرت صدر الشریعہ کو ضرور مدعو فرماتے تھے اور حضرت صدر الشریعہ تشریف لاتے اور طلبہ کا امتحان لے کر خوشی کا اظہار فرماتے۔ ایک مرتبہ آپ نے مفتی صاحب کا نور الانوار کا امتحان لیا مفتی صاحب نے بہت اچھا امتحان دیا جس پر خوش ہو کر صدر الشریعہ نے ۹۵ نمبر دیا۔ یونہی دورۂ حدیث کے سال صدر الشریعہ نے آپ کا بخاری شریف کا امتحان لیا اور اس میں بھی آپ کو ۸۰ نمبر دیا جو سب سے زیادہ تھا۔ (۲) جامعہ اشرفیہ کے دوسرے جلسہ دستار بندی کے موقع پر

حضرت مفتی صاحب نے عربی میں تقریر کی تھی تو صدر الشریعہ نے آپ کی تقریر پسند فرمائی اور خوش ہو کر فوراً دو روپیہ بطور انعام دیا (۳) (اس وقت کے دو روپے آج کے پانچ سو سے کم نہ تھے) اس سے پتہ چلا کہ جب تک آپ زیر تعلیم رہے حضرت صدر الشریعہ کی توجہات کا مرکز بنے رہے اور فراغت کے بعد آپ کی تقرری دار العلوم شمس العلوم گھوسی میں ہوئی تو اس وقت حضرت صدر الشریعہ نقاہت اور ضعف بصارت کی وجہ سے گھر رہنے لگے تھے یہاں سے نوازشات کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

۱۴ مہینے :۔ حضرت صدر الشریعہ گھر پر بھی ہمہ وقت علمی کاموں میں مصروف رہتے حضرت مفتی صاحب کو صدر الشریعہ سے جو قلبی لگاؤ تھا اس کی وجہ سے آپ حضرت کی بارگاہ میں روزانہ حاضری دیا کرتے تھے جب دوپہر کو مدرسہ کی چھٹی ہوتی تو حاضر آتے دو تین گھنٹے ظہر کے وقت تک رہتے پھر رات میں بھی آتے تھے اور فرصت کے جتنے اوقات تھے وہ حضرت کی بارگاہ میں صرف کرتے تھے اس دوران حضرت کے نام آئے ہوئے خطوط کے جوابات املا کرتے یونہی حضرت آپ سے استفتا کے جوابات بھی املا کراتے۔ املا کے دوران حضرت آپ سے حوالہ تلاش کرواتے اور عبارتیں پڑھوا کر سنتے۔ اسی دوران جابجا آپ کو علمی نکات اور افادات سے نوازتے رہتے۔ یہی معمول تقریباً ۱۴ مہینے جاری رہا۔ گویا یہ فتویٰ نویسی کی ایک ٹریننگ تھی۔ ۱۴ مہینوں کی اس تربیت نے آپ کو بہت کچھ بنا دیا آپ خود فرماتے ہیں کہ ”اس دوران جو میرے شبہات تھے وہ زائل ہو گئے۔“ (۴)

آپ کی تربیت پر حضرت صدر الشریعہ کس قدر متوجہ تھے اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے لگتا ہے۔

ایک بار آپ اخبار پڑھ کر سنا رہے تھے بغداد لکھا ہوا تھا اسے بُغداد (با پر ضمہ) پڑھ دیا حضرت صدر الشریعہ نے پوچھا کیا پڑھا؟ مفتی صاحب سنبھل گئے عرض کیا بغداد۔ دریافت فرمایا کیوں؟ عرض کیا یہ باغ داد تھا تخفیف کی وجہ سے بغداد ہو گیا۔

یونہی مجموعہ فتاویٰ کے رجسٹر میں ایک بار بنارس لکھا بؔ اور نؔ کا نقطہ اپنی جگہ سے جلدی میں ادھر ادھر ہو گیا۔ جب مفتی صاحب بارگاہ میں حاضر ہوئے تو دیکھا رجسٹر کو ملاحظہ فرما رہے ہیں شارح بخاری نے بسلام عرض کیا۔ فرمایا کیا لکھ دیا وعلیکم السلام بنارس کو نبارس لکھ دیا۔ (۵)

گویا جب یہ لفظ آپ کی نگاہ سے گذرا اسی وقت آپ نے ٹھان لیا کہ اس کی تصحیح کرنی ہے اور اسے ذہن میں رکھا یہاں تک کہ جب مفتی صاحب آئے تو یہی بات پہلے رکھدی۔

آج کل املا میں کثرت اغلاط کا یہ عالم ہے کہ ادیب اور زباں داں حضرات میں بھی چند ہی لوگ ہونگے جن سے املا کی غلطی نہ ہوتی ہو اور نقطوں میں تقدیم و تاخیر تو غلطی ہی نہیں مانی جاتی۔ مگر حضرت صدر الشریعہ کی تربیت کا یہ عالم ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی غلطی بھی برداشت نہیں کرتے خواہ املا کی غلطی ہو یا نقطے کی تقدیم و تاخیر یا تلفظ کی

غلطی اگرچہ اس غلطی سے معنی میں کوئی فرق نہ پڑے فوراً اس کی اصلاح فرمادیتے تو بڑی بڑی غلطیوں کو کیسے برداشت کرسکتے تھے۔ ایسے پاکیزہ ماحول میں حضرت صدرالشریعہ نے آپ کی جو اتنی سخت تربیت کی ہے اس سے آپ کی صلاحیتوں میں نکھار آگیا اس کے نتائج آج دنیا دیکھ رہی ہے اور راقم الحروف کو ذاتی طور پر اس کا بارہا تجربہ ہوا۔

بیعت : شارح بخاری اشرفیہ مبارکپور میں زیر تعلیم تھے۔ حضرت صدرالشریعہ جامعہ اشرفیہ کے دوسرے جلسہ دستار بندی میں تشریف لائے۔ عرصہ سے حضرت کی علمی صلاحیتوں اور خاندانی کمالات نے آپ کو اپنا شیفتہ اور شیدائی بنا رکھا تھا۔ دل بار بار یہ مطالبہ کررہا تھا کہ صدرالشریعہ کے دامن سے وابستہ ہوجائیں۔ موقعہ غنیمت سمجھا اور حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اظہار مدعا کردیا۔ پھر چند لمحوں کے بعد بیعت ہو کر کے حضرت صدرالشریعہ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوچکے تھے۔ آپ حضرت صدرالشریعہ کے پہلے مرید تھے۔ اس زمانہ میں بھی ہندوستان میں بڑی بڑی خانقاہیں تھیں۔ بڑے بڑے پیر و مرشد تھے خصوصاً کچھوچھہ شریف اور بریلی شریف کی خانقاہیں مرکزی سمجھی جاتی تھیں حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ کے روحانی فضائل و کمالات کا شہرہ سنکر پورا پورا گروہ ان کا مرید ہوجاتا تھا دوسری طرف حضرت حجۃ الاسلام کی شخصیت اس قدر پرکشش تھی کہ آپ کی روحانیت تو بڑی چیز ہے آپ کے رخ تاباں کی زیارت بھی گم گشتگان راہ کو حقانیت و معرفت کی راہ پر لگادیتی تھی۔ اس کے باوجود حضرت شارح بخاری نے بیعت کی تو حضرت صدرالشریعہ کے ہاتھ پر جو نہ کسی خانقاہ سے متعلق تھے نہ کوئی بڑے پیر مانے جاتے تھے نہ ان کی روحانیت کا ہر طرف شہرہ تھا مگر حضرت شارح بخاری نے کیا دیکھا کہ حضرت صدرالشریعہ کے مرید ہوئے۔ یہ حضرت صدرالشریعہ جانیں اور حضرت شارح بخاری جانیں۔

روحانی فیوض : حضرت صدرالشریعہ جب دوسرے حج کے لئے روانہ ہوئے تو مفتی صاحب بھی گھوسی سے شاہ گنج تک ساتھ تھے۔ گھوسی جانے والی ٹرین شاہ گنج بعد مغرب پہونچ گئی تھی شاہ گنج سے بریلی شریف جانا تھا اور ٹرین صبح سویرے تھی رات بھر اسٹیشن پر انتظار کرنا تھا مگر مسئلہ یہ تھا کہ اگر سب لوگ سوگئے تو سامان چوری نہ ہوجائے لہٰذا یہ طے کیا گیا کہ کچھ لوگ بارہ بجے تک جاگیں اور کچھ لوگ ۱۲ ربجے کے بعد ڈیوٹی دیں ۱۲ ربجے تک جاگنے والوں میں کئی لوگ تھے مگر اس کے بعد جاگنے والوں میں حضرت مفتی صاحب نے اپنا نام پیش کیا اور ادری کے دو آدمی تھے حکم ہوا کہ ۱۲ بجے کے بعد جاگنے والے ابھی سوجائیں چنانچہ مفتی صاحب لیٹ گئے مگر پیر و مرشد کے ہجر و فراق کے تصور نے نیند کو آنکھوں سے کوسوں دور رکھا اس کے بعد کیا کچھ ہوا وہ خود حضرت مفتی صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

"بارہ بجنے پر مجھے کسی نے آواز دی میں تو جاگ ہی رہا تھا فوراً اٹھ بیٹھا البتہ ادری کے دونوں اصحاب گہری نیند سو رہے تھے ان کو جگایا گیا ہم لوگ بیٹھے پہرا دیتے رہے۔ جی تو چاہتا تھا حضرت کی خدمت کریں خصوصاً اس خیال کے

بعد کہ شاید اب یہ دولت نصیب نہ ہو لیکن حضرت کی نیند میں خلل پڑتا اس لئے ہم لوگوں نے خدمت کی جرأت نہ کی کچھ دیر کے بعد حضرت کو ایک چھینک آئی اور حضرت نے کروٹ بدلی اور چشمان مبارک کھول دی جب ہم لوگوں نے دیکھا کہ حضرت جاگ رہے ہیں تو خدمت میں مصروف ہو گئے حضرت آنکھیں بند کئے لیٹے رہے یہ نہیں کہہ سکتے کہ سو رہے تھے یا جاگ رہے تھے۔ دو بجے کے قریب ہمارے ساتھی نیند کے غلبہ سے اونگھ اونگھ کر گرنے لگے اس پر ان میں سے ایک نے کہا کہیں چائے مل جاتی تو اچھا تھا اس وقت چائے کا رواج اتنا عام نہیں تھا میں نے ان کو بتایا ادھر دکھن طرف مسافر خانہ اور ٹکٹ گھر ہے وہاں چلے جاؤ شاید چائے مل جائے وہ دونوں چلے گئے اب حضرت نے آنکھیں کھولیں اور مجھے اکیلا دیکھ کر پوچھا تم تنہا ہی ہو اور لوگ کہاں گئے میں نے بتایا کہ چائے پینے گئے ہیں اب حضرت نے انتہائی شفقت سے پیار بھری نگاہ مجھ پر ڈالی اور جاں نواز تبسم کے ساتھ مسکرائے۔

ان کی نگاہ ناز نے سرشار کر دیا
جب تک شراب آئی کئی دور ہو گئے

میں نے یہ شفقت دیکھ کر جرأت کی اور عرض کیا حضور جا رہے ہیں مجھے کچھ عنایت کریں یہ سن کر آنکھیں بند کر لیں پھر دس پندرہ منٹ کے بعد فرمایا میں نے تم کو سلسلۂ رضویہ کی اجازت دی۔ اس دولت بے بہا کو پا کر میری مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا پاؤں کی انگلیوں پر آنکھیں ملیں اور عالم وارفتگی میں سر پاؤں کے تلوؤں سے مس کر دیا۔ عام حالات میں حضرت کسی کو پیر کا بوسہ نہیں لینے دیتے تھے اگر کوئی اس کی جرأت کرتا تو اس زور سے ڈانٹتے کہ اوسان خطا کر جاتے بہت دیر تک پیر کے تلوؤں کے نیچے سر رکھے رہا۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا کیا کر رہے ہو سر ہٹاؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی اور پھر خدمت میں مصروف ہو گیا۔" (۶)

شارح بخاری سے والہانہ محبت : حضرت صدر الشریعہ کو شارح بخاری حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ سے بڑی والہانہ محبت تھی اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ایک مرتبہ گھوسی قیام کے دوران مفتی صاحب بیمار پڑ گئے اور حاضر نہ ہوئے تو حضرت صدر الشریعہ نے پیرانہ سالی ضعف بصارت کے باوجود خود آپ کے مکان پر عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ (۷)

یونہی ایک بار آپ کے صاحبزادے بیمار تھے تو ضعف بصارت کے باوجود خود تعویذ بنا کر دی اور انکو دم فرمانے کے لئے گھر تشریف لے گئے۔ (۸)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت صدر الشریعہ کے دل میں آپ کے لئے کتنی جگہ تھی۔ عزت افزائی کا یہ عالم تھا کہ صحیح خواں حافظ نہ ملنے کی وجہ سے رمضان شریف میں سورۂ تراویح پڑھا کرتے تھے اور عشا کی نماز اور تراویح کیلئے آپ کو امام بناتے اور خود آپ کی اقتدا میں نماز ادا فرماتے حالانکہ دیگر علماء بھی موجود ہوتے۔ (۹)

اخیر سفر حج کی روانگی کی رات آپ حضرت صدر الشریعہ کے پاؤں دبا رہے تھے۔ حافظ ملت بھی موجود تھے۔ حضرت کو احساس نہ ہوا کہ کون پاؤں دبا رہا ہے پوچھا کون ہے؟ آپ نے اپنا نام بتایا حافظ ملت نے سمجھایہ خدمت میں حاضر نہیں ہوتے پوچھا تو حضرت صدر الشریعہ نے فرمایا۔

"یہ بے چارہ دن میں روز آتا تھا دو دو گھنٹے تین تین گھنٹے رہتا ساری ڈاک اور فتاوی لکھتا تھا۔ چار گھنٹے مدرسہ میں پڑھا کر تھکا ہوا رہتا تھا مگر پھر بھی آتا تھا۔"(۱۰)

شارح بخاری کی صدر الشریعہ سے عقیدت : جہاں تک راقم الحروف کی معلومات کا تعلق ہے اس کے اعتبار سے موجودہ دور میں صدر الشریعہ سے والہانہ عقیدت واحترام میں حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ العالی سر فہرست ہیں۔ عام جلسوں سے لیکر نجی مجلسوں تک بارہا اس کا تجربہ ہوا۔ عرس امجدی کے اجلاس میں تقریباً ہر سال آپ کا خطاب سننے کو ملتا ہے جس میں حضرت صدر الشریعہ کے متعلق معلومات کے خزانوں کے ساتھ عقیدت واحترام سے مزین بڑا جذباتی بیان ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ذہن وفکر میں حضرت صدر الشریعہ کا سراپا بس گیا ہو۔

راقم الحروف الجامعۃ الاشرفیہ میں زیر تعلیم تھا ایک بار مولانا شمشاد صاحب استاد جامعہ امجدیہ رضویہ (جو اُس وقت دورۂ حدیث میں تھے) نے اپنی جماعت کی طرف سے حضرت صدر الشریعہ کی شان میں ایک منقبتی مشاعرہ کیا۔ عرس امجدی کے موقع پر منعقدہ اس مشاعرہ میں طلبائے اشرفیہ نے خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اتفاق سے اس وقت حضرت مفتی صاحب قبلہ موجود نہ تھے اور کسی ضرورت کے تحت گونڈہ یا بستی تشریف لے گئے تھے واپسی میں آنکھ کے علاج کے لئے گورکھپور رک گئے۔ اسی دن اشرفیہ میں یہ مشاعرہ تھا جب آپ کو اس کی خبر ملی تو آپ کا دل خوشی سے جھوم اٹھا آنکھ کی پریشانی کے باوجود آپ اسی دن اس پروگرام میں شرکت کے لئے اشرفیہ پہنچ گئے نہ کوئی پر تکلف دعوت تھی اور نہ کسی نذرانہ کا کوئی چانس مگر عقیدت تھی جو کھینچ لائی آنے کے بعد آپ نے اخیر میں صدر الشریعہ کی شان میں بڑی پر جوش تقریر کی۔ اس تقریر کے بہت سارے جملے مجھے اب بھی یاد ہیں۔

صدر الشریعہ کی وفات کو تقریباً نصف صدی گذر چکی تھی مگر آپ پر کوئی کام نہ ہوا تھا۔ ماہنامہ اشرفیہ کا صدر الشریعہ نمبر اس سلسلے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اس نمبر کی اشاعت میں حضرت مفتی صاحب کی بڑی زبردست قربانی رہی آپ نے اپنا پورا زور صرف کر کے ادارۂ اشرفیہ کے ارکان کو اسکے لئے آمادہ کیا پھر جتنے مقالات تھے سب پر نظر ثانی فرمائی اور خود طویل مضمون لکھ کر صدر الشریعہ نمبر میں چار چاند لگادیا اور عرس عزیزی کے موقعہ پر بھرپور فرحت وسرور کے ساتھ جب اس نمبر کا اجراء کیا تو عوام کے بھرے مجمع میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

انتساب : حضرت شارح بخاری کا حضور صدر الشریعہ سے جو بے مثالی قلبی تعلق اور روحانی لگاؤ تھا اس کا واضح ثبوت آپ کا انتساب ہے آپ نے اپنے نام کے ساتھ امجدی شامل کر کے حضرت صدر الشریعہ سے دائمی

نسبت کا برملا اعلان کر دیا یوں بھی امجدی ہونے کا شرف بہت کم لوگوں کو ملا ان میں حضرت شارح بخاری کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کئی اعتبار سے امجدی ہیں کیونکہ عام طور پر نسبت کا اظہار تین وجہ سے کیا جاتا ہے۔(۱) باپ دادا یا کسی خاندانی قرابت پر (۲) یا استاد و شاگرد کا تعلق ہو تو اس پر (۳) یا پیر ہو تو ان کا مرید اپنے کو ان کی طرف منسوب کرتا ہے۔ حضرت شارح بخاری مفتی شریف الحق صاحب قبلہ امجدی کو یہ تینوں نسبتیں حاصل ہیں (۱) اوپر ثابت ہوا کہ آپ کو حضرت صدر الشریعہ سے خاندانی قرب یہ تھا کہ وہ آپ کے بڑے ابا تھے اور آپ ان کے بھتیجے تھے۔

(۲) بریلی شریف میں آپ نے حضرت صدر الشریعہ سے بخاری شریف کے آخری باب کا درس لیا تھا اور فارغ ہونے کے بعد مسلسل ۱۴ مہینے تک آپ کی بارگاہ میں فتویٰ نویسی کی تربیت پاتے رہے لہٰذا آپ کو شاگردی کا شرف یقیناً حاصل ہے۔

(۳) دار العلوم اشرفیہ میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران آپ حضرت صدر الشریعہ سے مرید ہوئے۔

مشہور ہے کہ شمس العلما حضرت مفتی شمس الدین صاحب جونپوری علیہ الرحمہ بڑے دعویٰ سے کہا کرتے تھے کہ ”حضور صدر الشریعہ کا اصلی شاگرد میں ہوں کہ میں نے حضرت سے نحو میر سے لیکر بخاری شریف تک مکمل درس نظامی پڑھی ہے۔“ حضرت شمس العلما اپنے اس دعویٰ میں حق بجانب ہیں مگر مذکورہ باتوں کے پیش نظر اگر ہم یہ دعویٰ کریں کہ حضرت شارح بخاری کا حضرت صدر الشریعہ سے جو ہمہ گیر اور ہمہ جہت تعلق رہا ہے اس میں آپ پورے بر صغیر میں حضرت صدر الشریعہ کے تمام تر متعلقین متوسلین معتقدین تلامذہ اور مریدین میں منفرد اور یکتا ہیں تو یہ دعویٰ غلط نہ ہوگا۔

صدر الشریعہ پر کام : یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ابتک حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ پر بہت کم کام ہوا ہے لیکن جو کچھ ہوا ہے اس میں سب سے بڑا حصہ حضرت مفتی صاحب قبلہ مدظلہ العالی کا ہے آپ کے تحقیقی کاموں کو ہم ذیل میں مختصر اً درج کرتے ہیں۔

[۱] مقالات : راقم الحروف کی معلومات کے مطابق حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات کے سلسلے میں آپ کی نوک قلم سے نکلے ہوئے مضامین درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے آخری لمحات (ہفتہ وار اخبار دبدبہ سکندری رامپور)

(۲) حضرت صدر الشریعہ ایک جامع صفات اور ہمہ گیر شخصیت (ماہنامہ اشرفیہ کا صدر الشریعہ نمبر) ایک طویل مقالہ۔

(۳) خطبہ صدارت صدر الشریعہ سیمینار منعقدہ ۲ ذو قعدہ ۱۴۱۷ھ (حیات و خدمات)

(۴) پیغام (حیات و خدمات)
[۲] فتاوی امجدیہ جلد اول پر تعلیق و تحشیہ
[۳] فتاوی امجدیہ جلد دوم پر تعلیق و تحشیہ
[۴] ماہنامہ اشرفیہ کے صدر الشریعہ نمبر کے مقالات پر نظر ثانی اور تصحیح۔
[۵] خطبات۔ راقم الحروف نے جب سے ہوش سنبھالا حضرت صدر الشریعہ پر آپ کی درجنوں تقریریں خود سماعت کی ہیں جن میں تقریباً ہر سال عرس امجدی کے موقع پر ہونے والی تقریروں کے علاوہ درج ذیل تقاریر بڑی اہمیت کی حامل تھیں۔
(۱) عرس امجدی کے جشن زریں کے موقع پر پرانی بستی مبارکپور میں منعقدہ جلسے میں کی گئی تقریر۔
(۲) ۱۹۹۳ء میں شوال میں اشرفیہ مبارکپور میں منعقدہ منقبتی مشاعرے کے اختتام پر۔
(۳) کاٹھیاواڑ کے جلسے میں۔
(۴) بمبئی کے ایک جلسے میں۔
اس کے علاوہ بھی ملک کے مختلف خطوں میں آپ کی تقریریں ہوئیں۔

حضرت صدر الشریعہ کا علمی وروحانی فیض شارح بخاری کے ذریعہ

آج حضرت صدر الشریعہ الرحمہ کا فیضان مختلف واسطوں سے پوری دنیا میں بٹ رہا ہے خواہ وہ مدارس ہوں یا لائبریریاں مساجد ہوں یا خانقاہیں۔ میدان خطابت ہو یا میدان صحافت۔ ہر جگہ حضرت صدر الشریعہ کا ابر علم و فضل موسلادھار برس رہا ہے۔

اس فیضان امجدی سے ایک دنیا کو بہرہ مند کرنے میں جن لوگوں کا اہم کردار ہے ان میں حضرت شارح بخاری کا نام بھی سر فہرست ہے۔ تقریباً نصف صدی پر محیط آپ کی علمی خدمات اس کا بین ثبوت ہیں آپ زمانے تک مدرس رہے آپ بے مثال مقرر بھی ہیں اور مصنف بھی آپ ایک زبردست مناظر بھی ہیں اور پوری دنیا کے مرجع عام مفتی بھی۔ علم و حکمت کے ہر شعبہ میں آپ نے اپنی صلاحیتوں کا جادو جگایا نو جلدوں پر مشتمل نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری خود اتنا عظیم الشان کارنامہ ہے جو آپ کو پوری دنیا کے علمی تاریخ کے چند نمایاں اہم شخصیات میں شامل کرنے کے لئے کافی ہے اس پر مزید یہ کہ ایک زمانہ سے آپ دنیا بھر کے مرجع فتوی رہے اور اب یہ دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اس دوران نہ جانے آپ کی کتنی تحقیقات عالم وجود میں آئیں کتنے علمی جواہر پارے آپ کی نوک قلم سے بکھرے جو آپ ہی کی افادات ہیں کتنی تصنیفات منظر عام پر آئیں گویا امجدی فیضان کا باڑا حضرت شارح بخاری کے وسیلہ سے پوری دنیا میں بٹتا چلا جا رہا ہے۔

امام احمد رضا ایوارڈ

بخدمت گرامی

فقیہ عصر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مد ظلہ العالی صدر مفتی و ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا

حمد بے پایاں ہے اس رب قدیر کی جس نے اس عالم رنگ و بو میں سید ولد آدم علی نبینا علیہ الصلاۃ والتسلیم کو مبعوث فرما کر جہالت و ضلالت کے گرداب میں پھنسی انسانیت کو اپنی راہ دکھائی اور پھر اس پیغمبر اعظم پر اپنے کلام بلاغت نظام کو نازل فرما کر قیامت تک کے لئے حجت تمام کردی۔ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں ہزاروں علما و فقہا اور محدثین و مفسرین پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدمت کلام رب اور اشاعت کلام رسول میں صرف کردیا لیکن قرآن و حدیث کا فہم وادراک اور نت نئے درپیش مسائل واحکام کا استخراج و استنباط بڑا ہی زہرہ گداز اور جاں کاہ عمل ہے۔

"یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا"

الحمد للہ رضا اکیڈمی یہ اعتراف کرتے ہوئے بڑی مسرت محسوس کرتی ہے کہ فقیہ عصر شارح بخاری حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی مد ظلہ العالی کا شمار ملت اسلامیہ ہند کے ان جید اور نابغہ روزگار فقہا و محدثین میں ہوتا ہے جن کی اپنی ایک شاندار تاریخ ہے۔ موصوف ایک طویل زمانے تک ملک کی مختلف قابل ذکر دینی تعلیمی درس گاہوں میں درس و تدریس کے فرائض بہ حسن و خوبی انجام دیتے رہے، پھر نصیبہ بیدار ہو گیا تو بارگاہ رضا میں بار یاب ہوئے اور پورے گیارہ سال تک شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند کی بارگاہ میں فتوی نویسی کا صبر آزما فریضہ انجام دیا۔ "فیضان رضا" کا ابر کرم آپ پر جھوم جھوم کر برستا رہا اور آپ شہرت و مقبولیت کے بام عروج پر پہنچ گئے۔

فی الحال حضرت مفتی صاحب قبلہ عالم اسلام کی عظیم ترین درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں صدر مفتی کی مسند پر متمکن ہیں اور آپ کی خدمات و بزرگی کے اعتراف میں ارکان اشرفیہ نے آپ کو ناظم تعلیمات کا اعزازی عہدہ بھی تفویض کر دیا ہے حضرت مفتی صاحب کو باطل قوتوں سے قلمی و لسانی نبرد آزمائی اور صف آرائی کا طویل تجربہ ہے، متعدد مناظروں میں آپ کے ہاتھوں اہل سنت کو "فتح مبین" نصیب ہوئی۔

اور آپ کے علمی سفر کا سب سے سنہرا مرحلہ "بخاری شریف کی شرح" "نزہۃ القاری" ہے جس کی آٹھ ضخیم

جلدیں منظر عام پر آکر اپنا سکہ جما چکی ہیں حضرت والا کے اس عظیم تاریخی علمی کارنامے نے ملت اسلامیہ ہند کا سر فخر سے اونچا کر دیا ہے۔

رضا اکیڈمی حضرت مفتی صاحب قبلہ کی عظیم علمی فقہی ، فنی اور قلمی خدمات کے اعتراف میں آج اس عظیم الشان اجلاس (منعقدہ ۱۰ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ / ۷ فروری ۱۹۹۸ء) بمقام حج ہاؤس ممبئی جس کا موضوع ہے "جشن رضا" کے حسین موقع پر حضرت مفتی صاحب قبلہ کو اس یقین کے ساتھ "امام احمد رضا ایوارڈ" پیش کرتی ہے کہ حضرت مفتی صاحب قبلہ اپنی عمر عزیز کے باقی قیمتی لمحات کو بھی اسی طرح قرآن و سنت اور اسلام وسنیت کی خدمت و فروغ میں گزار دیں گے۔

رضا اکیڈمی حضرت مفتی صاحب قبلہ کو توصیف نامہ اور نقد پچیس ہزار روپے بطور اظہار عقیدت پیش کرتے ہوئے فخر و مسرت محسوس کر رہی ہے۔ جزاہ اللہ تعالی جزاء حسنا، وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ الاکرم و آلہ وصحبہ الافخم اجمعین۔ آمین ثم آمین

من جانب: محمد سعید نوری و اراکین رضا اکیڈمی

۲۶ کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی نمبر ۳

تلامذہ حضورِ شارح بخاری دامت برکاتہم القدسیہ

بفضلہ تعالیٰ، بکرم حبیبہ ﷺ حضرت شارح بخاری اپنے عہد طالب علمی ہی سے اپنے اساتذہ و مشائخ کے معتمد رہے اور آپ کے اندر چھپے ہوئے جوہر کو آپ کے اساتذہ نے بھانپ لیا تھا۔ حضرت شارح بخاری کے اساتذہ کرام محسوس کر رہے تھے کہ یہ بچہ آگے چل کر کے ایک زبردست عالم دین ہوگا اور اسلام و سنیت کی بیش بہا خدمت انجام دے گا۔ جیسا کہ مختلف مواقع پر اس کا اظہار بھی فرمایا ہے:

بالائے سرش زہوش مندی

می تافت ستارۂ سر بلندی

استاذ العلما حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے زمانہ طالب علمی ہی میں جامعہ اشرفیہ میں حضرت شارح بخاری کو معین المدرسین منتخب کیا تھا۔ آپ نے علم الصیغہ، ہدایت النحو، مرقات، شرح تہذیب، نفحۃ الیمن بحیثیت معین المدرسین کے پڑھایا ہے۔ جن لوگوں نے اس وقت آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا ان میں بہت اہم اور مشہور شخصیتیں ہیں۔ حضرت شارح بخاری سے بہت دریافت کیا گیا مگر ان کے اسمائے گرامی نہیں بتائے۔ ۱۳۶۲ھ تا ۱۳۹۶ھ آپ نے اہل سنت و جماعت کی مشہور اور مختلف درس گاہوں میں مسلسل درس دیا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں ہزار ہے۔ ان میں متعدد حضرات اس وقت اہل سنت کے ممتاز علما کرام کی صفوں میں شمار کئے جاتے ہیں اور انھیں عالمی شہرت حاصل ہے۔ جملہ تلامذہ کا شمار تقریباً محال ہے۔ آپ کے تلامذہ میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔

اسما کی ترتیب فرق مراتب کے اعتبار سے نہیں ہے جیسے جیسے یاد آتا گیا لکھا گیا ہے کوئی صاحب اس سے ملول اور کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ اور یہی چیز خلفا کے تذکرے میں بھی ہے۔

۱۔ حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی	(پورنیہ بہار) شیخ الحدیث نور الحق چرہ محمد پور فیض آباد
۲۔ حضرت مولانا مفتی مجیب اشرف اعظمی	(مشہور خطیب) و بانی دار العلوم امجدیہ ناگ پور
۳۔ حضرت مولانا مفتی قاضی عبد الرحیم بستوی	صدر مفتی رضوی دار الافتاء بریلی شریف
۴۔ حضرت مولانا عزیز الحسن اعظمی	کریم الدین پور گھوسی مئو
۵۔ حضرت مولانا قمر الدین اشرفی اعظمی	سابق شیخ الحدیث شمس العلوم گھوسی مئو
۶۔ حضرت مولانا حاجی شفیق احمد عزیزی	نائب شیخ الحدیث شمس العلوم گھوسی مئو
۷۔ حضرت مولانا مفتی وکیل احمد اعظمی	کریم الدین پور گھوسی مئو

۸۔ حضرت مولانا غلام ربانی فائق اعظمی	شیخ الحدیث دار العلوم محبوب سبحانی کرلا بمبئی
۹۔ حضرت مولانا حفیظ اللہ اعظمی	شیخ الحدیث احسن المدارس جدید کانپور
۱۰۔ حضرت مولانا ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی	کریم الدین پور گھوسی مئو

۱۱۔ صاحبزادۂ مولانا ڈاکٹر محبّ الحق قادری اعظمی کریم الدین پور گھوسی مئو

۱۲۔ صاحبزادۂ مولانا حافظ و قاری حمید الحق برکاتی مصباحی ہرارے، افریقہ

۱۳۔ حضرت مولانا ابو اللیث اعظمی نائب شیخ الحدیث احسن المدارس جدیدہ کانپور

۱۴۔ حضرت مولانا امیر الدین اعظمی مرحوم

۱۵۔ حضرت مولانا افتخار احمد قادری اعظمی	مدینہ منورہ، حجاز مقدس
۱۶۔ حضرت مولانا سلطان احمد اعظمی	شیخ الحدیث منظر حق ٹانڈہ فیض آباد

۱۷۔ حضرت مولانا امام الدین مصطفوی شیخ الحدیث مدرسہ حشمت العلوم رام پور کٹرہ، بارہ بنکی

۱۸۔ حضرت مولانا تجمل الہدیٰ	بیت الانوار گیا بہار
۱۹۔ حضرت مولانا رحمت حسین کلیمی	بانی تنظیم المسلمین بائسی پورنیہ

۲۰۔ حضرت مولانا محمد کوثر خاں نعیمی صدر المدرسین و شیخ الحدیث جامعہ عربیہ اظہار العلوم جہانگیر گنج فیض آباد

۲۱۔ حضرت مولانا رحمت اللہ بلرامپور شیخ الحدیث افضل المدارس الہ آباد

۲۲۔ حضرت مولانا مفتی شفیق احمد شریفی	شیخ الحدیث غریب نواز و بانی افضل المدارس الہ آباد
۲۳۔ حضرت مولانا محمد عمر	صدر المدرسین مدرسہ سید العلوم بہرائچ شریف
۲۴۔ حضرت مولانا افضال احمد	صدر المدرسین مدرسہ صدر العلوم گونڈہ یوپی
۲۵۔ حضرت مولانا محمد مسلم مرحوم	جنتا ہالٹ پورنیہ
۲۶۔ حضرت مولانا قاضی عبد الودود فقیہ	اشرفی رائے بریلی
۲۷۔ حضرت مولانا مفتی ثناء المصطفیٰ مرحوم	سابق شیخ الحدیث مدرسہ ضیاء العلوم ہوڑہ، کلکتہ

۲۸۔ حضرت مولانا مفتی نظام الدین رضوی مصباحی استاذ و نائب مفتی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

۲۹۔ حضرت مولانا حافظ عبد الحق رضوی مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور وبانی دار العلوم قادریہ گلشن برکات گونڈہ یوپی

۳۰۔ حضرت مولانا مفتی بدر عالم مصباحی	استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور
۳۱۔ حضرت مولانا مفتی محمد معراج القادری	استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

۳۲۔ حضرت مولانا مفتی محمد نسیم	استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور
۳۳۔ حضرت مولانا مفتی محمد محمود اختر اعظمی	استاذ و مفتی دار العلوم محمدیہ بمبئی
۳۴۔ حضرت مولانا قاضی محمد ابراہیم مقبولی	صدر المدرسین و مفتی دار العلوم امام احمد رضا ہاویری کرناٹک
۳۵۔ حضرت مولانا حافظ شمیم الزماں فیض آبادی بانی جامعہ قادریہ حبیبیہ ہوڑہ، کلکتہ	
۳۶۔ حضرت مولانا عبد العزیز مرحوم	جنتا ہاٹ پورنیہ
۳۷۔ حضرت مولانا عظیم الدین مرحوم	ٹھاکر گنج پورنیہ
۳۸۔ حضرت مولانا محمد شفیق نعیمی	صدر المدرسین فضل رحمانیہ پچپڑوا بلرام پور
۳۹۔ حضرت مولانا صوفی فضل الرحمٰن	استاذ جامعہ اشاعت الاسلام، بڑھنی بازار
۴۰۔ حضرت مولانا قاری محمد یوسف	بانی جامعۃ القرآ کھدرہ لکھنؤ
۴۱۔ حضرت مولانا ابو خالد برکاتی	اودے پور راجستھان
۴۲۔ حضرت مولانا طیش محمد شریفی	دھول پور راجستھان
۴۳۔ حضرت مولانا ولی اللہ شریفی	بانی دار العلوم نور محمدی ریتی بندر چمبور ممبئی
۴۴۔ حضرت مولانا محب اللہ	کرناٹک
۴۵۔ حضرت مولانا کمال احمد رضوی	نانپارہ بہرائچ شریف
۴۶۔ حضرت مولانا فروغ احمد اعظمی	استاذ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی
۴۷۔ حضرت مولانا امتیاز احمد اعظمی	استاذ سید العلوم بڑی تکیہ بہرائچ شریف
۴۸۔ حضرت مولانا عرش محمد برکاتی	صدر المدرسین ضیاء العلوم ادری مئو
۴۹۔ حضرت مولانا محمد مرتضیٰ نعیمی مصباحی	صدر المدرسین اعجاز العلوم کھیتاسرائے جونپور
۵۰۔ صاحبزادہ مولوی وحید الحق اعظمی	فیض العلوم محمد آباد
۵۱۔ صاحبزادہ مولوی ظہیر الحق	کریم الدین پور گھوسی مئو

خلفاے کرام

حضرت شارح بخاری نے اپنے باطنی فضل وکمال کو ہمیشہ چھپانے کی کوشش کی حتی کہ ایک زمانہ دراز تک لوگوں کو یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ آپ کو کسی سے خلافت حاصل ہے۔ حضرت مفتی اعظم ہند کے وصال کے بعد خود اشرفیہ کے حضرت سے بہت قریب رہنے والے افراد نے حضرت مفتی اعظم ہند پر مضامین لکھے اور حضرت کے خلفا کے نام شائع کئے مگر ان میں شارح بخاری کا کہیں نام نہیں۔ لیکن پھر بھی بہت سے لوگوں نے پہچانا۔ باصرار مرید ہوئے اور باصرار الحاح و زاری کے ساتھ خلافت طلب کی جن کی تعداد بھی کثیر ہے جن میں بڑے بڑے اہل کمال ہیں بعض ایسے بھی ہیں جن کے ہزار ہا ہزار مریدین ہیں ان میں سے چند حضرات کے اسماے گرامی یہ ہیں:

(۱) مولانا عبد الحکیم اختر شاہجہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ لاہور (پاکستان) مترجم بخاری شریف وصاحب تصانیف کثیرہ۔

(۲) مولانا سعید احمد خاں بریلوی نبیرۂ اعلی حضرت قدس سرہ

(۳) مولانا مفتی مجیب اشرف اعظمی بانی دار العلوم امجدیہ ناگپور۔

(۴) مولانا مفتی شفیق احمد شریفی شیخ الحدیث دار العلوم غریب نواز و بانی افضل المدارس الہ آباد

(۵) مولانا خلیق احمد اعظمی صدر المدرسین و شیخ الحدیث جامعہ حنفیہ غوثیہ بنارس

(۶) مولانا رجب علی بلرام پوری نائب شیخ الحدیث " " "

(۷) مولانا صغیر احمد جوکھن پوری بانی جامعہ قادریہ رچھا بریلی شریف

(۸) مولوی بشیر احمد قادری برکاتی اورئی جالون یوپی

(۹) مولانا حافظ عبد الحق خاں رضوی مصباحی گونڈوی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

(۱۰) مولانا بدر عالم مصباحی فیض آبادی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

(۱۱) مولانا طیش محمد شریفی دھول پور راجستھان

(۱۲) مولانا ولی اللہ شریفی چمبور بمبئی

(۱۳) مولانا حافظ شمیم الزماں فیض آبادی بانی جامعہ قادریہ حبیبیہ، ہوڑہ، کلکتہ

(۱۴) مولانا محب اللہ شریفی گونڈوی کرناٹک

(۱۵) صاحبزادہ مولانا حافظ حمید الحق برکاتی مصباحی خطیب جامع مسجد ہرارے، افریقہ

(۱۶) مولانا محمد نسیم مصباحی فیض آبادی استاذ و نائب مفتی جامعہ اشرفیہ مبارکپور

(۱۷) جناب حافظ قاری سہراب علی امام غوثیہ مسجد، نارائن نگر گھاٹ کوپر بمبئی



مزار حضور حافظ ملت قدس سرہ



مرکزی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

مسجد برکات کا عقبی منظر



احسن العلماء ہاسپٹل



امام احمد رضا ایوارڈ

باب سوم

تیری علمی شانِ جلالت، فقہی بصیرت، درسی مہارت
لہراتی ہے ہر سو پرچم نائب مفتی اعظم ہند

مشاہدات و تاثرات

تو ہے نقیب اہل سنت تو ہے نشان راہ شریعت　　تیری حقیقت سمجھیں کیا ہم نائبِ مفتیٔ اعظم ہند

اعلیٰ حضرت، صدر شریعت، مفتیٔ اعظم، حافظ ملت　　تو ان سب کے وصف کا سنگم نائبِ مفتیٔ اعظم ہند

وقت کے سارے علما، فقہا، اہل حکمت اہل تقویٰ　　کرتے ہیں تجھ کو خود پہ مقدم نائبِ مفتیٔ اعظم ہند

ہے یہ شکیل اک زندہ حقیقت مانتے ہیں سب اہل بصیرت　　تجھ میں ہے شانِ مفتیٔ اعظم، نائبِ مفتیٔ اعظم ہند

(شکیلؔ اعظمی)

حضرت علامہ محمد احمد مصباحی
نائب شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

شارح بخاری
کی
جلالت علمی سے میری روشناسی

حضرت شارح بخاری کو میں اس وقت سے جانتا ہوں جب میری عمر چھ سات برس کی تھی۔ والد صاحب کا معمول یہ تھا کہ عید کے دوسرے دن گھوسی جاتے اور اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کے ساتھ وہاں کے مقتدر علما سے بھی ملتے۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ جب تک باحیات تھے ان کے یہاں پابندی سے حاضر ہوتے۔ میں نے جب ہوش سنبھالا تو ان کے ساتھ میں بھی گھوسی جانے لگا۔ اس زمانے میں صدر الشریعہ تو نہ تھے مگر دیگر جن علما سے والد صاحب ملتے ان میں علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی اور حضرت مفتی صاحب قبلہ سر فہرست تھے۔ اس سے میرے ذہن میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ یہ حضرات یہاں کے بڑے علما میں ہیں۔

علمی باتیں کرنے اور سمجھنے کی صلاحیت ہی نہ تھی کہ ان حضرات کی مجلسوں سے اپنے طور پر کوئی رائے قائم کرتا۔ اتنا ہی تعارف ایک عرصے تک باقی رہا۔ مفتی صاحب کو خود پڑھنے اور سمجھنے کا اتفاق اس وقت ہوا جب میں مدرسہ ضیاء العلوم خیر آباد کے بعد دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں ہدایہ اولین، مشکوۃ شریف وغیرہ کی جماعت میں داخل ہوا، اور کسی کے ذریعہ پاسبان الہ آباد کا حسین نمبر "کربلا کا مسافر" دستیاب ہو گیا۔ پڑھنے کی عادت پرائمری ہی کے دور سے تھی۔ یہ نمبر ملا تو پورا پڑھ گیا۔ دراصل یہ نمبر محمود عباسی امروہوی کی کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کے رد میں شائع ہوا اس کے مندرجات کو سامنے رکھ کر علامہ مشتاق احمد نظامی نے چند سوالات قائم کیے اور ملک بھر کے ارباب فکر و قلم سے جوابات حاصل کر کے شائع کیے۔ سوالات کچھ اس طرح تھے۔

ا۔ حضرت علی کی خلافت صحیح ہے یا نہیں؟ ۲۔ انہوں نے حضرت عثمان کا قصاص کیوں نہیں لیا؟ ۳۔ یزید فاسق و فاجر تھا یا زاہد و متدین؟ ۴۔ اس کی خلافت درست تھی یا نہیں؟ ۵۔ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالی عنہ حق پر تھے یا خطا پر؟ ۶۔ وہ شہید فی سبیل اللہ ہیں یا نہیں؟

اس پر ملک کے طول و عرض سے کثیر علماے کرام نے اپنے جوابات رقم فرمائے۔ بعض بہت اجمالی تھے بعض ذرا تفصیلی، اکثر مضامین میں مسلک اہل سنت کی کتابوں سے ان کے واضح جوابات پر اکتفا کیا گیا ہے مگر چند مضامین میں محمود عباسی کے خیالات کا تنقیدی جائزہ بھی لیا گیا ہے ان میں دو تین مضامین نے مجھے زیادہ متاثر کیا ان دو تین میں سر فہرست حضرت مفتی صاحب کا مضمون ہے۔

مجھے محسوس ہوا کہ مفتی صاحب نے جواب لکھنے سے پہلے خود محمود عباسی کی کتاب پوری پڑھی اور اس کی بنیادی غلطیوں پر گرفت کر کے ایسا بھر پور رد فرمایا کہ شکوک و شبہات کے سارے بادل چھٹ جائیں اور حق کا آفتاب عالم تاب ہو کر جلوہ گر ہو جائے۔ بے جا نہ ہو گا اگر میں اس مضمون پر مکمل تبصرہ کر دوں تا کہ میرے تدریجی تعارف اور بے پناہ تاثر کی بات پوری ہو جائے۔

مفتی صاحب نے پہلے محمود عباسی کے تمسکات کا خلاصہ درج ذیل عبارت میں نقل کیا، اس کا حاصل نکالا پھر رد کی جانب اشہب قلم موڑا۔

> "یہ بیعت چوں کہ باغیوں اور قاتلوں کی تائید بلکہ اصرار سے منعقد ہوئی تھی۔ اور یہ خلافت ہی حضرت عثمان ذوالنورین جیسے محبوب اور خلیفہ راشد کو ظلما اور ناحق قتل کر کے سبائی گروہ کے اثر سے قائم کی گئی تھی۔ نیز قاتلین سے قصاص جو شرعا واجب تھا نہیں لیا گیا اور نہ قصاص لیے جانے کا کوئی امکان باقی تھا۔ اکابر صحابہ نے بیعت کرنے سے انکار کیا، اس لیے بیعت خلافت مکمل نہ ہو سکی۔"

اس دعوے کا تجزیہ کرتے ہوئے دکھایا گیا کہ حضرت مرتضی کی خلافت نامکمل ہونے کے ثبوت میں تین باتیں پیش کی گئی ہیں۔ (ا) اس خلافت کا سبائیوں کے زیر اثر قیام۔ (۲) قاتلان عثمان سے عدم قصاص (۳) اکابر صحابہ کا بیعت سے انکار۔ پھر پہلی اور تیسری بات کے رد میں علامہ ابن حجر مکی کی صواعق محرقہ، امام جلال الدین سیوطی کی تاریخ الخلفا بحوالہ طبقات ابن سعد اور محب الدین طبری کی الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ کی عبارتوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت مرتضی کی خلافت سبائیوں کے زیر اثر قائم نہ ہوئی بلکہ ارباب حل و عقد اور اکابر صحابہ کے اتفاق ہی سے قائم ہوئی جن میں عشرہ مبشرہ میں سے حضرت طلحہ و زبیر اور اصحاب بدر بھی شامل ہیں۔

دوسری بات بہت جذباتی ہے اور ناصبی طبقہ نے اپنی کتابوں میں اسے بہت رنگ دے کر بیان کیا ہے۔ میری نظر سے بھی یہ اعتراض بارہا گزر چکا تھا جو خاصا شک انگیز ہے اس کے جواب میں حضرت مفتی صاحب نے بہت صاف اور دو

ٹوک بات کہی ہے جو ہر شبہہ وشک کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے کافی ہے اور جسے پہلی بار پڑھ کر میں خوشی کے سمندر میں ڈوب گیا اور صاحب مضمون کی ناقدانہ بصیرت اور قضا و افتا کی مہارت کو داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ فرماتے ہیں:

"قانون اسلام کی روشنی میں قصاص کے لیے ضروری ہے کہ (۱) مقتول کے ورثہ خلیفہ یا قاضی کے یہاں مقدمہ دائر کریں۔ (۲) قاتل کی نشان دہی کریں (۳) اس کے قاتل ہونے پر شرعی شہادت پیش کریں یا قاتل خود اقرار کرے پھر کہیں حاکم پر قصاص لینا واجب ہوتا ہے سیدنا عثمان کے ورثہ نے نہ مقدمہ دائر کیا نہ قاتل کو نامزد کیا، نہ بیّنہ اور شرعی شہادت کی نوبت آئی۔ ان سب کے بغیر حضرت علی قصاص لیتے تو کس سے لیتے کس بنیاد پر لیتے اور کیسے لیتے؟ ورثہ کے مطالبہ و تعیین کے بغیر حاکم کو کسی پر دست اندازی کا حق ہی کہاں ہے، ؟ اگر اس قسم کا کوئی دعوی بارگاہ خلافت میں دائر ہوا تھا تو امروہوی صاحب اس کا ثبوت لائیں۔ حد تو یہ ہے کہ حضرت طلحہ و حضرت زبیر حتی کہ خود حضرت معاویہ نے لشکر کشی ضرور کی مگر اس قسم کا کوئی دعوی بارگاہ خلافت میں دائر نہیں کیا۔ (ملخصا) ۔۔۔۔۔۔۔ آگے فرماتے ہیں :

امروہوی صاحب کے سامنے انگریزی قانون ہے جس کے تحت کسی قتل کے بعد پولیس فرضی لوگوں کو پکڑتی ہے شبہہ میں گرفتار کرتی ہے، زدو کوب کرتی ہے۔ پھر کسی پر مقدمہ چلاتی ہے۔ اگر تیر تکہ پر بیٹھ گیا اور فرضی گواہ جج کی نظر میں جرح و قدح سے سلامت رہ گئے تو قاتل کو پھانسی ہو گئی ورنہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اصل قاتل گلچھرے اڑاتا ہے اور کوئی بے گناہ شخص تختہ دار پر ہوتا ہے۔۔۔ اسلام کا قانون ایسا ظالمانہ نہیں۔ نہ حضرت علی سے اس کی امید کہ وہ اسلامی قانون چھوڑ کر کسی دوسرے قانون پر عمل کریں نہ ہی ان سے یہ توقع کہ دعوی دائر ہو، ثبوت بہم پہنچے پھر بھی قصاص نہ لیں۔ قصاص حد ہے ثبوت کے بعد حد جاری نہ کرنا شدید ترین ظلم اور بہت بڑا فسق ہے اس کے ارتکاب کی نسبت مولائے مومنین داماد سید المرسلین کی طرف کرنا ابن تیمیہ جیسے بے باک اور اس کے اندھے مقلدین کا کام ہو سکتا ہے کسی سنی صحیح العقیدہ کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ (ملخصا)

اس کے بعد ثابت فرمایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت حق تھی اور وہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالی عنہما کے مقابلہ میں درستی پر تھے پھر متعدد احادیث کریمہ سے اس کی تصریحات پیش کی ہیں اور امام نووی شارح صحیح مسلم کی فیصلہ کن عبارت پر یہ بحث ختم کر دی ہے یہاں تک پاسبان کے پہلے دو سوالوں کا جواب مکمل ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد یزید کے فسق و تدیّن کا سوال سامنے آتا ہے۔ اس بارے میں محمود عباسی کا جائزہ لیتے ہوئے مفتی صاحب نے بتایا ہے کہ:

۱۔ امروہوی صاحب نے اپنی ساری تحقیقات کی بنیاد اس پر قائم کی ہے کہ ابن تیمیہ اور ابن خلدون کے

علاوہ سارے مورخین روایت پرست تھے۔ انہیں جو کچھ ملا بلا تحقیق و جستجو اند ھادھند نقل کر دیا۔

۲۔ امام ابن جریر طبری جیسے جلیل القدر مسلم الثبوت امام کو شیعہ کہہ کرنا قابل اعتبار قرار دیا ہے جب کہ علامہ ذہبی نے ابن جریر پر الزام کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ جھوٹی بدگمانی ہے ابن جریر اسلام کے معتمد اماموں سے ایک امام اکبر ہیں۔ رہا ابن خلدون تو وہ خارجیوں کا بھائی معتزلی تھا۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے مجموعہ فتاوی جلد اول ص: ۲۷۷ میں عبدالرحمٰن حضرمی معروف بہ ابن خلدون کے معتزلی ہونے کی صراحت موجود ہے۔

طبری جیسے امام وقت کو شیعہ بنا کرنا مقبول اور ایک معتزلی کو محقق و ثقہ بنا کر مقبول و معتمد دکھانا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ امروہوی صاحب کے نزدیک جو ان کے افتاد طبع کے موافق ہے وہ محقق، مدقق، صحیح العقیدہ، معتمد سب کچھ ہے اور جو خلاف طبع ہے وہ کچھ بھی نہیں۔ اسی کا نام تحقیق اور ریسرچ ہے جس کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔

اس تجزیہ سے محمود عباسی کی امانت و دیانت کا راز اچھی طرح منکشف ہو جاتا ہے اور واضح ہو جاتا ہے جس غلط بات پر یہ لوگ اپنا اعتقاد جما لیتے ہیں اسے صحیح دکھانے کے لیے کیسی کیسی حیرت انگیز خیانتوں کا ارتکاب کرتے چلے جاتے ہیں۔

مفتی صاحب اس انداز پر ریمارک کرتے ہوئے ایک جگہ بڑا دلچسپ اور دنداں شکن طنز کرتے ہیں۔ وہ رقم طراز ہیں:

"امروہوی صاحب یزید کی محبت میں اس درجہ خود رفتہ ہیں کہ انہیں احادیث صحیحہ اور کبار صحابہ، تابعین کے ارشادات تک نظر نہیں آتے۔ آپ نے تحریر کیا ہے کہ "یزید کے معاصرین میں صرف عبداللہ بن زبیر اسے برا بھلا کہتے تھے مگر چوں کہ وہ خود آنکھ سے دیکھتے نہیں تھے اس لیے ان کی بات لائق اعتبار نہیں۔" لیکن اس کے برخلاف امروہوی صاحب تیرہ سو برس کے بعد یزید کے فضل و کمال کو اس طرح بیان کرتے ہیں گویا آپ یزید کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے۔"

خود مشاہدہ نہ کرنے کی وجہ سے اگر عبداللہ بن زبیر جیسے عظیم صحابی کا بیان ہم عصر ہونے کے باوجود نا قابل اعتبار ہے تو تیرہ سو برس بعد پیدا ہونے والے کا قول اسی بنیاد پر نا قابل اعتبار کیوں نہیں؟ اور اگر تیرہ سو برس پر پھیلے ہوئے وسائط کے باوجود من مانی تحقیق و تفتیش کی بنیاد پر ایک معمولی درجے والے فنکار کا بیان معتبر ہے تو بغیر کسی زمانی فاصلے کے ایک جلیل القدر معاصر صحابی کی قابل اعتماد تحقیق و تفتیش اور یقین و اذعان پر مبنی بیان کیوں قابل اعتبار نہیں؟ یہ ایسی گرفت ہے جس سے آج کے نام نہاد محققین کے لیے گلو خلاصی ممکن نہیں۔

محمود عباسی کے معیار تحقیق و اعتبار کا پردہ چاک کرنے کے بعد یزید کی حیثیت واضح فرمائی ہے پہلے یزید کی مذمت پر مشتمل احادیث کریمہ شارحین کرام کے ارشادات کے ساتھ پیش فرمائی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میری امت کی بربادی یزید و مروان جیسے نو خیزوں کے ہاتھوں ہوگی، بعض احادیث میں نام یزید کی صراحت

کے ساتھ مذکور ہے کہ یہ اموی شخص امر امت میں سب سے پہلا ”رخنہ انداز“ ہوگا۔ سب سے پہلا ”سنت کا بدلنے“ والا ہوگا۔ رسول جسے ”مبدل سنت“ بتائیں اسے ”متبع سنت“ کہنا نہایت ناروا جسارت ہے۔ پھر یہ تحریر فرمایا ہے کہ خود اموی خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز کے سامنے ایک شخص نے یزید کو ”امیر المومنین“ کے لقب کے ساتھ ذکر کیا تو انہوں نے اسے بیس کوڑے لگوائے۔ یزید کے ہم عصر حضرت عبد اللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں ”ہم یزید کے خلاف اس وقت صف آرا ہوئے جب ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں (ہماری سستی اور غفلت کی وجہ سے) ہم پر آسمان سے پتھر نہ برسائے جائیں۔ وہ ایسا شخص تھا جو امہات اولاد اور بیٹیوں بہنوں سے نکاح کرتا، شراب پیتا، نمازیں ترک کرتا۔

اس کے بعد متعدد روایات سے یزید کا فسق و فجور، واقعہ حرہ کے مظالم، یزید کی موت کے بعد اس کے بیٹے معاویہ کا یزید کی برملا مذمت پر مشتمل خطبہ، حضرت حسن بصری کا بیان، امام احمد بن حنبل، علامہ ابن جوزی، سعد الدین تفتازانی کے اقوال ذکر کیے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔

”اگرچہ علماے محتاطین نے کفر یزید کے معاملہ میں سکوت فرمایا ہے کہ کفر کے لیے جس درجہ کا ثبوت درکار ہے وہ حاصل نہیں لیکن جس بدنصیب کے بارے میں اتنے جلیل القدر ائمہ اور علما کفر کا فتوی دیں اسے لائق فائق زاہد وہی کہے گا جو دینی امور سے غافل وذاہل ہوگا۔

پھر ”اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لہم“ سے یزید کی مغفرت پر استدلال کی خیانتیں ذکر کیں ہیں اور شارحین حدیث کے جوابات رقم فرمائے ہیں پھر ایک مستقل مضمون میں اس استدلال کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے ہیں، یہ بحث اصل مضمون میں دیکھنے کے لائق ہے اور علمی و تاریخی ہر لحاظ سے قابل داد ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں:

”خلاصہ کلام یہ ہے کہ یزید کے بارے میں امت کا اتفاق ہے کہ وہ فاسق و فاجر تھا، امام احمد بن حنبل اور ابن جوزی وغیرہ اسے کافر بھی کہتے ہیں اس پر (نام زد کر کے) لعنت کو بھی جائز فرماتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کہ وہ زاہد و عابد تھا۔ تمام تاریخ چھان ڈالیے اس کے زہد و قناعت کا ایک واقعہ بھی نہیں ملے گا اگر تھا تو امر وہوی صاحب نے اسے نقل کیوں نہیں کیا۔“

اس کے بعد خود محمود عباسی کی بیان کردہ ایک روایت سے ثابت فرمایا ہے کہ وہ زاہد نہ تھا۔ یہاں پاسبان کے تیسرے سوال کا جواب مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد چوتھے سوال کی طرف رخ فرمایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اپنے برملا فسق و فجور کے باعث نہ وہ خلافت کا اہل تھا نہ اس کی خلافت درست تھی اسی لیے صحابہ کرام نے اس پر نکیر کی۔ منکر کو بدلنا قول سے بھی ہوتا ہے فعل سے بھی۔ افضل فعل سے بدلنا ہے صحابہ نے قولا انکار فرمایا ہے امام عالی مقام نے فعل سے اس

کی مخالفت کی نواسہ رسول کے شایان شان یہی تھا کہ جو طریقہ افضل ہے اسی پر ان کا عمل ہو۔

اس کے بعد یہ ثابت فرمایا ہے کہ یزید کے مقابلہ میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے۔اور وہ ظلماً شہید کیے گئے۔اس بارے میں احادیث کریمہ اور تمہید ابو شکور سالمی کی عبارتیں پیش کر کے فیصلہ رقم کیا ہے۔اسی پر بس نہیں آگے ان دلائل کا جائزہ لیا ہے جن سے امام عالی مقام کے خاطی ہونے کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔یہ بحث بھی خاصی طویل ہے اس لیے وہیں دیکھی جائے۔ آخر میں یہ دکھایا ہے کہ امروہوی صاحب نے اپنے قیاسات فاسدہ کو درایت کا نام دے کر ان کے ذریعہ شہادت کربلا کے بہت سے مسلمہ جزئیات کا انکار کیا ہے۔اس سلسلہ میں بطور نمونہ ایک جزئیہ اور اس کے انکار کے سلسلے میں امروہوی صاحب کی درایت یا قیاس فاسد کا بڑا دلچسپ تعاقب کیا ہے جو ہدیہ ناظرین ہے۔۔

کربلا میں امام عالی مقام پر تین دن تک پانی بند کیا گیا یہ ایک مسلمہ واقعہ ہے۔ مگر امروہوی صاحب نے اس کا انکار کرتے ہوئے اپنا یہ قیاس پیش کیا ہے :

"امام عالی مقام مکہ معظمہ سے آٹھ ذی الحجہ کو نہیں بلکہ دس ذی الحجہ کو چلے ہیں اور راستے میں تیس منزلیں ہیں۔ لہذا امام دس محرم کو کربلا میں جلوہ فرما ہوئے اسی دن شہید ہو گئے نہ تین دن کربلا میں قیام رہا نہ تین دن تک پانی بند رہا۔"

اس دعوے کی بنیاد کسی حدیث یا تاریخی کتاب پر نہیں بلکہ اس کے پیچھے یہ قیاس کار فرما ہے جو عوام کے لیے خاصا مغالطہ انگیز اور جذباتی ہے۔ وہ یہ کہ "کیا یہ ممکن تھا کہ امام حج کو چھوڑ کر کوفہ چل دیتے ایسی کیا جلدی تھی" یعنی دسویں تاریخ کو حج ہوتا ہے اس لیے ان پر فرض تھا کہ پہلے حج ادا کریں پھر کہیں سفر کریں۔حج سے فراغت ۷ ذی الحجہ کو ممکن نہیں اس لیے آٹھ کو روانگی بھی ممکن نہیں۔اور اس سلسلے کی ساری روایات محض غلط اور افسانہ ہیں۔اس قیاس کی پردہ دری کرتے ہوئے مفتی صاحب رقم طراز ہیں:

"آپ نے یہاں کتنی ہوشیاری سے کام لیا ہے۔ حضرت امام بارہا حج ادا فرما چکے تھے۔حج فرض ان کے ذمہ نہیں تھا۔ یہ حج اگر ادا فرماتے تو نفل ہوتا۔ دوسری طرف کوفیوں نے یزیدی استبداد کے ازالہ کے لیے ہر ممکن مدد کا یقین دلایا تھا ایسی صورت میں ازالہ منکر فرض تھا۔ منیۃ المصلی پڑھنے والا بھی جانتا ہے کہ نفل پر فرض کی ادائگی مقدم ہے۔ اگر حضرت امام نے اس اہم فرض کی ادائگی کے لیے ایک نفل ترک کر دیا تو اس میں کیا گناہ لازم لایا۔"

آگے یہ بھی دکھایا ہے کہ اس قیاس فاسد کے برخلاف خود بیان امروہوی کی روشنی میں قیاس صحیح کا تقاضا یہ ہے کہ پانی بند ہو کیوں کہ امروہوی صاحب بھی یہ کہتے ہیں کہ "ابن سعد لڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن یزید کی بیعت لینا اس کا مطمح نظر تھا۔" ایسی صورت میں قیاس یہ چاہتا ہے کہ پانی بند کر دیا جائے تاکہ امام تشنگی سے جاں بلب ہو کر چھوٹے چھوٹے

بچوں کو تڑپتے بلکتے دیکھ کر عزیمت چھوڑ کر رخصت پر عمل فرمالیں۔

اس کے آگے جو تعاقب ہے وہ اور زیادہ دل چسپ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس قیاس فاسد کا تقاضا تو یہ ہے کہ امام دسویں محرم کو بھی کربلا نہ پہنچے اس لیے کہنا یہ چاہیے کہ دسویں کو شہادت اور کربلا کا پورا قصہ ہی محض ایک افسانہ ہے نہ امام اس تاریخ کو کربلا پہنچے، نہ شہادت ہوئی، نہ وہ سارے واقعات پیش آئے جن سے تاریخ وسیر کی کتابیں لبریز ہیں۔ درایت ہو تو ایسی ہو، صرف پانی بند کرنے کا انکار کیا تو کون سا بڑا تیر مار لیا۔ پورا کمال تو جب تھا کہ جس درایت سے پانی بند ہونے کا انکار کیا اسی سے یہ بھی ثابت کر دیتے کہ پورا واقعہ کربلا ہی محض افسانہ ہے جس کی حیثیت بوستان خیال سے زیادہ نہیں۔ شارح بخاری لکھتے ہیں:

> ”اسی طرح آپ نے بڑی طولانی بحث کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ ’مکہ سے کربلا‘‘ تک تیس منزلیں ہیں اور دو منزلہ سہ منزلہ کسی طرح ممکن نہیں، لہذا ایک دن میں ایک ایک منزل کے حساب سے تیس دن میں تیس منزلیں طے کر کے دسویں محرم کو کربلا پہنچے۔“

واقعہ یہ ہے کہ عقل پر محبت یا بغض کا پردہ پڑ جانے کا کوئی علاج نہیں۔ پہلی منزل بستان عامر چوبیس میل ہے۔ دسویں ذی الحجہ کو حج کے مراسم ادا کر کے کوئی شخص کسی طرح چوبیس میل طے نہیں کر سکتا۔ امروہوی صاحب کو کیا خبر کہ دسویں ذی الحجہ کو کیا کیا مراسم ہیں۔ دسویں ذی الحجہ کو آفتاب نکلنے سے کچھ پہلے مزدلفہ سے چل کر منی آنا ہے۔ جمرۃ العقبہ پر کنکری مارنا ہے۔ قربانی کرنا ہے۔ حجامت بنوانی ہے۔ پھر مکہ معظمہ جا کر طواف زیارت اور صفا و مروہ کی سعی کرنی ہے۔ کیا کسی عقل مند آدمی کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ ایک دن میں مزدلفہ سے چل کر منی آئے، وہاں کے مراسم ادا کر کے پھر مکہ معظمہ گئے، وہاں کے مراسم ادا کرنے کے بعد اتنا وقت بچا کہ حسینی قافلہ چوبیس میل کی مسافت طے کر کے بستان عامر پہنچ گیا۔ یقیناً ایسا ممکن نہیں، لہذا امروہوی صاحب کی تحقیق کی بنا پر یہ لازم آئے گا کہ امام گیارہ کو مکہ سے چلے اور گیارہ کو کربلا جلوہ فرما ہوئے پھر دس کو شہادت کس طرح ہوئی؟

دوسرے یہ کہ گیارہ بارہ ذی الحجہ کو کنکریاں مارنا حج کے واجبات سے ہے۔ حج اگرچہ نفل ہو گیارہ بارہ کی رمی واجب ہے۔ امام عالی مقام اگر حج نہ کرتے تو صرف ترک نفل لازم آتا۔ اور حج شروع کر کے گیارہ بارہ کی رمی چھوڑنے میں ترک واجب لازم آئے گا۔ یہ کہاں کی عقل مندی ہو گی کہ ترک نفل سے بچنے کے لیے ترک واجب کے وبال میں مبتلا ہوں۔ لہذا آپ کی جغرافیائی ریسرچ کی بنا پر لازم آئے گا کہ امام تیرہویں ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہوں اور تیرہویں محرم کو کربلا پہنچیں۔“

اس مضبوط گرفت کو پڑھنے کے بعد میں فرط مسرت سے جھوم اٹھا۔ اور خدا کا شکر ادا کیا کہ ایک سے ایک دام تزویر پھیلا کر انسانی فکر و عقل کا شکار کرنے والے اہل باطل اگر موجود ہیں تو ان کے مکائد کا طلسم ہوش ربا توڑنے والے اہل حق

بھی موجود ہیں۔یہ تھا حضرت مفتی صاحب کی علمی جلالت سے میرا پہلا تعارف۔

یہ مقالہ کئی لحاظ سے قابل تحسین اور باعث تاثر بنا۔اس سے احادیث وروایات پر وسعت نظر، تاریخ سے ماہرانہ آشنائی، رجال سے واقفیت، فقہ وافتا کی مہارت، نقد ونظر اور رد ومناظرہ کا کمال، زبان وبیان کی چاشنی، تفہیم کا حسن، مغلق الفاظ، پیچیدہ تراکیب سے دوری، معنی کی ژولیدگی اور تعقید سے سلامتی وغیرہ سبھی کچھ عیاں ہے۔

اس مقالہ کو پڑھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہ مفتی صاحب جن سے والد صاحب پابندی سے اور احترام کے ساتھ ملتے اور وہ بھی والد صاحب کے ساتھ سادگی اور اعزاز سے پیش آتے ان کا علمی مرتبہ کیا ہے۔میں نے سنا کہ سحبان الہند مولانا ابوالوفا فصیحی غازی پوری بھی اسی مضمون کے ذریعہ مفتی صاحب کی جلالت علمی سے آشنا ہوئے اور اس کے بعد ملاقات پر بہت اعزاز وتحسین سے پیش آئے۔اپنے رفقا علامہ نظامی وعلامہ ارشد القادری وغیرہ کے ذریعہ اور دیگر اہل علم سے سن کر اجمالاً وہ بھی مفتی صاحب کو ایک جید عالم سمجھتے تھے مگر مشاہدہ وتجربہ کا لطف اور عین الیقین کی حلاوت کچھ اور ہی چیز ہے:

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

اس کے بعد میرے رفیق درس مولانا مبین الہدیٰ نورانی گیاوی نے مجھے مفتی صاحب کی کتاب "اشک رواں" عنایت کی۔یہ میری پیدائش سے چھ سال پہلے ربیع الاول ۱۳۶۵ھ کی تصنیف ہے جو بیت الانوار گیا سے شائع ہوئی۔اس کا موضوع "کانگریس اور مسلم لیگ کی سیاست" ہے۔اس موضوع پر حافظ ملت علیہ الرحمہ کی کتاب "الارشاد" میں پڑھ چکا تھا۔یہ اشک رواں سے نودس ماہ بعد شائع ہوئی مگر والد صاحب نے غالباً حافظ ملت سے اس کے دونسخے حاصل کر رکھے تھے اس دور میں انہیں بھی لیگ اور کانگریس کے قضیے سے خاصی دلچسپی تھی۔کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ لیگ اور کانگریس کوئی بھی اس قابل نہیں کہ پوری ہم نوائی کی جائے۔سلامتی اسی میں ہے کہ دونوں سے جدا رہ کر شریعت کی پابندی کی جائے۔یہ بات اشک رواں میں بہت شرح وبسط، دلائل وبراہین اور پورے جوش شباب کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔اس کی تصنیف کے وقت حضرت مفتی صاحب کی عمر تقریباً ۲۵ سال تھی مگر علم وفکر کی پختگی کتاب سے عیاں ہے۔مذاہب سے آشنائی، تاریخ سے باخبری، استنباط واستدلال کا تجربہ، رد ونقد کی مہارت، قلم کی روانی، جوش خطابت کا رنگ سبھی کچھ اس تحریر میں جلوہ نما ہے نوجوان فاضلوں میں یہ ساری چیزیں یکجا شاید وباید ہی نظر آتی ہیں۔اس سے میں نے اندازہ کیا مفتی صاحب اپنے دور طالب علمی ہی میں کافی وسیع النظر ہو چکے تھے اور فراغت کے چند سال بعد اور زیادہ کمال پیدا ہو گیا۔

"اشک رواں" کا سیاسی موضوع میرے لیے فکر انگیز تو بنا مگر زیادہ دلچسپی کا باعث نہ ہوا اس لیے کہ تیر کمان سے نکل چکا تھا دونوں پارٹیاں اپنا اپنا مطلوب بڑی حد تک حاصل کر چکی تھیں اور جس تیسری راہ کے لیے دعوت دی گئی اس پر

عمل اوراس کی تیاری کا زمانہ برسوں پہلے ہونا چاہیے تھا پھر کہیں علماے حق کی قیادت میں صحیح ڈھنگ سے آزادی حاصل ہوتی اور زمام اقتدار لائق ہاتھوں میں پہنچتی۔ مگر شاطران فرنگ و یہود کی چالوں میں سے ایک چال یہ بھی ہے کہ انہوں نے علماے دین کو میدان سیاست و حکومت سے بے دخل کرنے اور زمین فرنگ کے تربیت یافتہ دین و علم میں خام کار افراد کو بساط سیاست کے مہروں کی شکل میں استعمال کرنے کا منصوبہ مدتوں پہلے تیار کیا اور پچاس سال نہ گزرے ہوں گے کہ اس کے اثرات نمایاں ہونے لگے اور دوسری جنگ آزادی تک اس منصوبے کا عملی روپ بالکل منظر عام پر آ گیا۔

میری دلچسپی کی چیز ”اشک رواں“ کی دینی و علمی بحثیں تھیں۔ ان میں بعض چیزیں میرے لیے بالکل نئی تھیں مثلا یہ تو میں نے سن رکھا تھا کہ کچھ لوگ رام اور کرشن وغیرہ کو نبی مانتے ہیں چوں کہ رطب ویابس سب کچھ پڑھ ڈالنے کی عادت تھی اس لیے یہ بھی کہیں نظر سے گزر چکا تھا لیکن اس عقیدے کی بنیادیں کیا ہیں اور ان کے جوابات کیا ہیں۔ تفصیلا اس کو کہیں نہ دیکھا تھا۔ اس کتاب میں مسلم لیگ کی حمایت میں پرورش پانے والے فرقوں کے ذیل میں قادیانی، رافضی، وہابی، دیوبندی، نیچری کا تعارف کراتے ہوئے ایک ایسے طبقہ کی بھی نشان دہی کی گئی ہے جو رام و کرشن وغیرہ کو نبی مانتا ہے پھر اس میں اس طبقہ کا استدلال اور اس کا جواب اشک رواں میں تفصیلا مرقوم ہے۔ یہ حصہ میرے علم میں خاص اضافہ کا سبب بنا اور ایک باطل نظریہ کا تشفی بخش تعاقب دیکھ کر ایک کیف آگیں مسرت حاصل ہوئی۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

”کرشن، رام چندر، گوتم بدھ وغیرہم کو نبی اور رسول یا مذہبی رہنما ثابت کرنے کے لیے جو انتہائی کلام کیا جاتا ہے۔ یا کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مولا عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے: ان من امة الا خلا فیها نذیر۔ کوئی گروہ ایسا نہیں جس میں کوئی ڈر سنانے والا نہ گزرا ہو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: و لکل امة رسول۔ ہر امت کے لیے کوئی رسول ہے۔ جب ہر امت اور گروہ میں ہادی اور رسول آئے تو ہندوستان کے لیے بھی ضرور کوئی آیا ہوگا۔ اب وہ کون ہے نہ تو قرآن نے بتایا کہ وہ فلاں ہے اور نہ حدیث نے خبر دی کہ وہ فلاں ہے۔ نہ کسی اور معتبر ذریعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کون ہے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ ہو نہ ہو وہ شری کرشن جی مہاراج ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ گوتم بدھ ہوں۔

اس کے بعد اس استدلال کا بھرپور رد فرمایا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ آیات کریمہ کے اندر ہر امت اور قوم میں ہادی و رسول آنا مذکور ہے۔ ہر ملک یا شہر اور قصبہ میں آنا مذکور نہیں اس لیے ہر ملک میں آنا کوئی ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اہل ہند جس قوم سے تعلق رکھتے ہیں اس میں نبی آ چکے ہوں مگر خاص سرزمین ہند میں نہ آئے ہوں۔

۲۔ بالفرض کسی سرزمین میں نبی آئے تو ضروری نہیں کہ ان کا نام بھی ہمیں معلوم ہو؟ قرآن کریم میں ایسے

رسولوں کا بھیجنا مذکور ہے جن کو قرآن میں بیان کر دیا گیا اور ایسے رسولوں کا بھی جن کا اسما کے ساتھ بیان نہیں ہوا۔ ورسلا قد قصصنهم عليك من قبل و رسلا لم نقصصهم عليك (۱۶۴ -نساء) حدیث میں ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار انبیا علیہم السلام کا آنا مذکور ہے مگر کون ہے جو ان کے نام بتا سکے۔

۳۔ کسی کو نبی ثابت کرنے کے لیے ایسے نص قطعی کی ضرورت ہے جس میں کوئی شبہہ نہ ہو۔ اور نبی نہ ہونے کے ثبوت میں یہی دلیل کافی ہے کہ اس کے نبی ہونے پر کوئی دلیل قطعی قائم نہیں۔ محض ہو سکتا ہے کہ یہ ہو، شاید کہ وہ ہو اندھے کی لاٹھی سے نبی کا اثبات نہیں ہو سکتا ہے جیسا کہ کتب عقائد میں اس پر دلائل قاہرہ قائم ہیں۔

۴۔ نبی کے لیے ضروری ہے کہ اخلاق و کردار کے لحاظ سے بلند اور ہر قسم کے گناہ صغیرہ و کبیرہ سے پاک ہو خصوصا ایسے گناہوں سے جو باعث نفرت ہیں مثلاً جھوٹ، چوری، زناکاری، امام فخر الدین رازی نے یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ زنا سے نبی کے ماں باپ کا بھی بَری ہونا ضروری ہے چہ جائے کہ خود نبی۔ اس معیار پر مذکورہ افراد کو دیکھیے تو ان کے اخلاق و کردار جو ان کی کتابوں میں مذکور ہیں کسی صالح انسان کے بھی لائق نہیں، کسی نبی میں کیا ہوں گے، اگر یہ کہیے کہ ان کتابوں کا کوئی اعتبار نہیں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ان افراد کے دنیا میں وجود کا بھی کوئی اعتبار نہیں، نبی ہونا تو بہت دور کی بات ہے، الغرض جن کتابوں سے ان کے وجود کا علم ہوتا ہے انہی سے ان کے ایسے کردار کا بھی علم ہوتا ہے جو شان نبوت کے بالکل منافی ہے۔ پھر ان کی نبوت کا ظن و گمان چہ معنی؟

۵۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہر قوم کے لیے ہادی اور رسول آئے۔ لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ ہر قوم یا ہر ملک و شہر کے لیے ہر دور میں کوئی نبی ضرور رہے ہوں سیدنا عیسیٰ اور ہمارے نبی علیہما السلام کے درمیان تقریبا چھ سو برس کا زمانہ ایسا گزرا ہے کہ اس میں کوئی نبی نہ آیا۔ ہمارا دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے نبی کی رسالت ہر ملک اور ہر قوم کے لیے عام ہے بالفرض کسی قوم یا ملک میں پہلے نبی نہ آئے ہوں تو بھی ہمارے نبی کی بعثت عامہ سے ہر قوم کے لیے ہادی و نذیر یا رسول و نبی آنے کی بات پوری ہو جاتی ہے۔ اب ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ آیت کریمہ کا مصداق ایسے انسانوں کو بنائیں جن کے وجود ہی کا ہماری شریعت میں کہیں پتہ نہیں۔ اور جن ذرائع سے ان کے وجود کا علم ہوتا ہے ٹھیک انہی ذرائع سے اس کا بھی یقین ہوتا ہے کہ یہ اپنے اعتقاد و عمل کے لحاظ سے شان نبوت سے بہت دور ہیں۔

اس کے بعد کردار و عمل سے آگے ان کے کفری اعتقاد کا بھی ثبوت دیتے ہوئے بحث ختم کر دی گئی ہے۔

نیچریوں کے بیان کے تحت سر سید کی وہ عبارت بھی مذکور ہے جس میں بہشت کا مذاق اڑایا گیا ہے پھر اسی رنگ میں اس کا جواب بھی دیا گیا ہے جو خاص مفتی صاحب کے قلم کا حصہ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نقد و نظر، استدلال و استنباط، اور رد و طرد کا جوہر مفتی صاحب کے اندر شروع ہی سے ودیعت تھا جو تجربہ اور امتداد زمانہ کے صیقل سے اور زیادہ آبدار و تابناک ہوتا گیا۔ یہ حضرت مفتی صاحب کے رتبہ علمی اور نتیجہ قلمی سے میرا دوسرا تعارف تھا۔

۱۹۶۸ء میں جب میں ہدایہ اخیرین، ترمذی شریف، مدارک شریف وغیرہ پڑھ رہا تھا سیوان کانفرنس منعقد ہوئی جو پٹنہ میں ادارہ شرعیہ کے قیام کی تمہید بنی۔ اس میں شرکت کے لیے میرے رفقائے درس میں سے مولانا فضل حق غازی پوری اشرفیہ سے گئے۔ واپسی میں وہاں سے اشرف السیر ساتھ لائے۔ اس کے ٹائٹل پیج کی زیارت تو گھوسی میں سرکار مجاہد ملت کی تقریر کے دوران کر چکا تھا مگر مندرجات دیکھنے کی نوبت نہ آئی۔ رفیق موصوف کتاب لائے تو ان سے پہلے میں نے اس کا مطالعہ شروع کر دیا اور ختم کرنے کے بعد ہی واپس کیا۔ اس کے ٹائٹل پر نصف اول جلد اول مرقوم ہے اس میں بڑا حصہ مقدمہ اور کتب سیر کے تعارف پر مشتمل ہے پھر سیرت کا آغاز ہوتا ہے اور اسلام، آباد امہات رسول اکرم پر یہ نصف جلد اول اختتام پذیر ہوتا ہے۔ سوئے اتفاق کہ اس وقت کتاب پیش نظر نہیں لیکن پہلے پہل میں اس کے جن مندرجات سے زیادہ متاثر ہوا وہ اجمالا ضرور بیان کر سکتا ہوں۔

مقدمہ میں سیرۃ النبی کی خامیوں کا تذکرہ اور امام واقدی پر جرح کا تفصیلی رد کیا گیا ہے جو دارالمصنفین کی سیرت نگاری پر سر دھننے والوں کے لیے تازیانہء عبرت ہے۔ میں اس مقدمہ سے بہت متاثر ہوا۔ اور بعد میں "تنقید معجزات کا علمی محاسبہ" لکھتے وقت اس سے استفادہ بھی کیا اور امام واقدی کے سلسلے میں خطیب بغدادی کی تاریخ، تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب وغیرہ کی خود مراجعت کرتے ہوئے کچھ اضافہ بھی کیا۔

دوسرا مبحث تاریخ ولادت اقدس کا ہے۔ جناب شبلی نعمانی نے اس بارے میں ایک نئے ہیأت داں محمود فلکی کی تحریر سے مرعوب ہو کر یا "کل جدید لذیذ" سے محظوظ ہو کر بالکل نیا قول یہ اپنایا ہے کہ سرکار کی ولادت ۹؍ ربیع الاول کو ہوئی۔ مفتی صاحب نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ رائے تاریخ ولادت سے متعلق روایات میں سے کسی روایت سے مطابقت نہیں رکھتی اور اہل فن کے تقویمی استخراج سے بھی میل نہیں کھاتی۔ پھر تقویمی استخراج پر بنائے کار اس وقت درست ہوتی جب زمانہء جاہلیت میں ماہ و سال کا دور سیر قمر کے مطابق ہوتا۔ قرآن سے ثابت ہے کہ مشرکین مہینے بڑھا لیا کرتے تھے یہاں تک کہ سرکار نے حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان فرمایا آج زمانہ گھوم پھر کر اپنی اس حالت پر آگیا ہے جس پر تخلیق زمین و آسمان کے وقت تھا۔ اسی لیے اہل سیر نے ہیأت و تقویم سے صرف نظر کرتے

ہوئے اعتماد اس پر کیا جو روایت مشہورہ سے ثابت ہے یعنی بارہویں ربیع الاول۔ اور اسی پر اہل مدینہ و اہل اسلام کا عمل ہے جو بجائے خود حجت ہے۔

مجھے اس بات سے بے حد خوشی ہوئی کہ مستشرقین کے اعتراضات سے مرعوب ہو کر اپنے روایتی و تاریخی اثاثہ کو ساقط و بے اعتبار قرار دینے اور معذرت خواہی کا انداز اختیار کرنے کی بجائے مخالفین کی آنکھوں میں آنکھیں ملا کر بات کرنے کی جرأت ''اشرف السیر'' میں کار فرما ہے۔ جو ایک مسلم سیرت نگار اور دینی عالم کے شایان شان ہے۔ یہ تھا حضرت مفتی صاحب کے وفور علم، زور قلم، جرأت نقد و نظر اور وسعت فکر و فن سے میرا تیسرا تعارف۔ جو بحمدہ تعالیٰ میرے زمانہء طالب علمی ہی میں مکمل ہو گیا۔ اس کے بعد جب میں مدرسہ فیضیہ نظامیہ باراہاٹ ضلع بھاگل پور میں مدرس تھا مفتی صاحب کا ایک فتوی روزے میں انجکشن سے متعلق پڑھا۔ یہ میرے رفیق درس مولانا عبد المبین نعمانی کے استفتا کے جواب میں لکھا گیا جسے برادر موصوف نے المیزان کچھوچھا شریف کے ایک شمارے میں شائع کرایا۔ پھر پاسبان میں بھی چھپا۔ اب یہ فتوی برادر گرامی مولانا یسین اختر مصباحی کی تعارفی کتاب ''شارح بخاری'' میں بھی شائع ہو گیا ہے اور مجموعہ مقالات میں بھی شامل ہو کر منظر عام پر آنے والا ہے۔ انجکشن کے ذریعہ اگر دوا یا غذا جسم میں پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ گیا یا نہیں؟ یہ ایک نیا سوال تھا جس کا جواب مفتی صاحب نے نفی میں دیا ہے اور کتب فقہ سے اخذ کرتے ہوئے اس کے دلائل فراہم کیے ہیں۔ حضرت کی شان افتا سے یہ میرا پہلا تعارف تھا جس سے میں بہت متاثر ہوا۔

کبھی تقریر سننے کا اتفاق نہیں ہوا تھا میری فراغت کے تیسرے سال مفتی صاحب دار العلوم اشرفیہ کے جلسہ دستار فضیلت میں مدعو ہوئے اور دو روزہ اجلاس میں دونوں دن تقریر فرمائی پہلے دن ''علم غیب'' کے موضوع پر تقریر کی جو میں نے دیر سے پہنچنے کے باعث درمیان سے سنی دوسرے دن ''رحمت عالم'' کے عنوان پر تقریر کی جو میں نے شروع سے آخر تک بغور سنی یہاں تک کہ اس کے مضامین ذہن نشیں ہو گئے اور کسی یادداشت میں درج بھی کر لیے۔ یہ تھا حضرت کے حسن خطابت سے میرا پہلا تعارف۔

تقریر میں چند خاص باتیں میں نے محسوس کیں۔ (۱) عالمانہ وقار (۲) اعتقادی اور علمی لحاظ سے پختگی (۳) جملوں اور مضامین کی صحت و ندرت (۴) مضمون علمی اور مشکل ہونے کے باوجود بہت آسان انداز میں ایسا بیان کہ عوام کو بھی بخوبی سمجھ میں آئے۔ (۵) ترتیب میں ایسی عمدگی کہ پورا خطاب ذہن نشین رہے اور چاہیں تو اسی ترتیب کے ساتھ سامعین دوسروں کو سمجھا سکیں۔ (۶) ایسا دلچسپ اور موثر خطاب کہ اکتاہٹ نہ ہو (۷) سطحی و غیر تحقیقی باتوں سے مکمل اجتناب۔

تقریریں کئی طرح کی ہوتی ہیں (۱) ادق اور علمی جن کو اہل علم ہی سمجھ سکیں۔ (۲) سطحی اور دلچسپ جن کو عوام

تو پسند کریں مگر اہل علم حقارت سے دیکھیں۔(۳) غیر تحقیقی باتوں کی کثرت، علمی و تاریخی لحاظ سے غلط، روایات میں اپنی جانب سے بے جا اضافے، الفاظ کے، جملوں کے، مضامین کے، غلط سیاق و سباق کے پیوند پر پیوند مگر بیان میں ایسی چاشنی اور زور کہ عوام وجد میں آجائیں۔ ایسی تقریروں سے ان خطبا کے کشکول بھرے ہوتے ہیں جنھیں رضائے خدا و رسول سے زیادہ خوشنودی عوام عزیز ہوتی ہے اور ثواب آخرت سے زیادہ حطام دنیا جمع کرنے کی فکر لگی رہتی ہے۔(۴) روایت و درایت اور علم و تحقیق کی رو سے صحیح معلومات کی جامع اور زبان و بیان کے لحاظ سے دلچسپ اور عام فہم جس سے عوام و خواص دونوں نفع اندوز ہوں۔

قسم اول کا دائرۂ نفع محدود ہے، قسم دوم و سوم کی کثرت ہے۔ ایسی تقریریں اور ایسے خطبا ہر دور میں عوام کے دل و دماغ پر چھائے رہے مگر صحیح معنی میں خطاب اور خطابت وہی ہے جو چوتھی قسم کے معیار پر کامل ہو۔ بفضلہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کی تقریر اسی قسم سے تعلق رکھتی ہے اور نہایت جامع، مفید اور بصیرت افروز ہوتی ہے۔

وہ اعتقادیات پر ایسے ٹھوس دلائل کے ساتھ خطاب فرماتے ہیں کہ مذبذب کا ایمان درست ہو جائے اور صحیح الاعتقاد شخص راسخ الاعتقاد اور اپنے دین کا مبلغ بن جائے. عملیات پر بھی ایسی موثر باتیں پیش کرتے ہیں کہ انسان انھیں اپنا کر صالح واطاعت شعار ہو جائے۔ علمی تقریبات اور مجمع علما میں بھی ایسا مختصر اور نکات و معارف سے بھرپور خطاب فرماتے ہیں جو ان کے لئے فکر و بصیرت کے نئے دریچے کھول دے اور علم و آگہی کے نئے گوشے روشن کردے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

اس کے بعد حضرت کی کتاب ''تحقیقات'' پہلی بار بنام التحقیقات لدفع التلبیسات کی اشاعت ہوئی اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا، اس میں شہادت رسل کی بحث نے بہت متاثر کیا پھر ''اسلام اور چاند کا سفر'' منظر عام پر آئی یہ ایک نئے موضوع پر بڑی ہی بصیرت افروز، معلومات افزا، شبہات شکن کتاب تھی جس نے صرف مجھے ہی نہیں تمام علمی حلقوں کو متاثر کیا۔

یہ میرے تعارف کے ابتدائی نقوش تھے، بعد میں جب حضرت مبارک پور تشریف لائے اور میں جلال پور سے محمد آباد گوہنہ آگیا تو مبارک پور بکثرت حاضری ہوتی اور علمی باتیں بھی ہوتیں اسی دوران نزہۃ القاری کا کام شروع ہوا، ابتداءً صرف ترجمہ کا ارادہ تھا اور اسی نہج پر کافی تحقیق کے ساتھ ترجمہ کا کام ہو رہا تھا. مولانا یسین اختر صاحب و مولانا افتخار احمد صاحب بھی موجود رہتے تھے۔ اس کاوش کو دیکھ کر میں نے یہ عرض کیا کہ احادیث کا صرف ترجمہ عوام کے لئے باعث تشویش ہو سکتا ہے جیسا کہ غیر مقلدین اور دیوبندیوں کے ترجمے پڑھنے کے بعد حنفی عوام جب بہت سی باتیں اپنے مسلک کے خلاف پاتے ہیں تو انھیں تشویش لاحق ہوتی ہے۔ جتنی محنت ترجمہ کے لئے صرف ہو رہی ہے اس میں تھوڑا اضافہ کر

لیا جائے تو ایک مختصر شرح بھی ہو جائے گی اور لوگوں کے لئے اطمینان بخش ہو گی، بحمدہ تعالیٰ حضرت نے یہ رائے قبول فرمائی اور نو جلدوں میں نزہۃ القاری کے نام سے شرح مکمل ہو گئی جس پر اہل علم کا خراج تحسین اس مجموعہ میں زیب نظر ہو گا۔ بلا شبہ یہ زبردست اور عظیم خدمت ہے جس پر سبھی اہل علم کو ممنون و شکر گزار ہونا چاہئے۔ رب تعالیٰ ہمیں بھی دینی و علمی خدمات سے نوازے۔ اور حضرت کے نقش قدم پر چلنے والے بکثرت افراد پیدا فرمائے۔

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی
۱۰۴ / جسولی، بریلی شریف (یوپی)

کیسا دیکھا، کیسا پایا

آج صدر الشریعہ، مفتی اعظم ہند اور حافظ ملّت رحمۃ اللہ علیہم کو دیکھنے اور ان کے بول سننے سے نگہ و گوش قاصر ہیں، لیکن ایک شخصیت اب بھی ایسی ہے کہ اگر اس کو دیکھ اور سُن لیا جائے اور اس کی تحریروں کو پڑھ لیا جائے تو ان بزرگوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور دید و سماعت کو ایک گونہ تسلی مِل جاتی ہے اور وہ شخصیت ہے نائب مفتیٔ اعظم ہند حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی دامت برکاتہم العالیہ کی۔ گو زمانہ انہیں نائب مفتیٔ اعظم ہند کے لقب سے یاد کرتا ہے لیکن وہ صرف مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے نائب نہیں بلکہ صدر الشریعہ اور حافظ ملت قدس سرہما کے بھی نائب و مظہر ہیں۔

مریدان صدر الشریعہ و خلفائے مفتی اعظم اور تلامذہ حافظ ملّت میں۔ مفتی محمد شریف الحق قبلہ امجدی علم و قلم، درس و تدریس تحقیق و تنقید، مناظرہ و خطابت اور فتویٰ و تقویٰ غرضکہ ہر انداز و ادا میں ایک انفرادی شان کے مالک ہیں۔

مجھے آج سے تقریباً ۲۹،۲۸ سال قبل حضرت مفتی صاحب قبلہ کی زیارت کا پہلا شرف بلرام پور میں حاصل ہوا جہاں وہ دار العلوم انوار القرآن میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے میرے شیخ طریقت سرکار حافظ ملت نور اللہ مرقدہٗ کے حکم سے تشریف لائے تھے اس کے بعد تو پھر میں نے حضرت مفتی صاحب کو درس دیتے اور مناظرہ کرتے ہوئے دیکھا ان کی نجی مجالس میں بیٹھ کر انہیں گفتگو کرتے، علمی بحث فرماتے، دین کی باتیں بتاتے نصیحت کرتے، انداز و آداب سیکھاتے۔ شعور زندگی اور سلیقہ بندگی عطا کرتے ہوئے بھی دیکھا آپ کی محفل کا تو بس یہی عالم دیکھا۔

ابھی ابھی تیری محفل سے اُٹھ کر آیا ہوں
بہت قریب سے دیکھی ہے زندگی میں نے

میں نے قبلہ مفتی صاحب کی تصانیف کا مطالعہ بھی کیا ہے ان کی دیگر تحریرات اور فتاوی بھی پڑھے ہیں اور ہر ماہ ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور میں ان کے فتاویٰ پڑھنے کا شرف حاصل ہوتا ہی رہتا ہے۔

میں نے جب علامہ اسلم بستوی صاحب (موجودہ شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم انوار القرآن) کی ترغیب پر مذہبی مضامین لکھنے شروع کئے تو حضرت مفتی صاحب نے میرے لئے دعائیں بھی فرمائیں، میری حوصلہ افزائی کی اور دو ایک ابتدائی مضامین پر اصلاح بھی فرمائی۔

میں جب ۱۹۷۶ء میں بریلی شریف میں رک کر وہیں کا ہو کر رہ گیا تب تو ان سے ملنے، دیکھنے سننے کے جانے کتنے مواقع حاصل ہوئے۔ مجھے بریلی شریف میں ان کی خدمت کا موقعہ ملا۔ بریلی شریف کے متعدد جلسوں میں جن میں وہ مقرر خصوصی کی حیثیت سے مدعو تھے مجھے ان کے سامنے تقریر کرنے اور نظامت کے فرائض انجام دینے کا شرف بھی حاصل ہوا جانشین مفتیٔ اعظم ہند حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری دامت برکاتہم النورانیہ کے ساتھ سفر میں متعدد مقامات جیسے انیا تھوک ضلع گونڈہ میں مفتی صاحب قبلہ کے شاگرد خاص مولانا عبد الحق صاحب کے گاؤں۔ ضلع پیلی بھیت کے مختلف مقامات، نیز گوپال گنج، سیوان، چھپرہ، ہوڑہ، کلکتہ، انگس، گھڑی (ضلع ہوگلی، مغربی بنگال اور بمبئی وغیرہ میں ان کی تقریریں سُنیں۔

بہر کیف میں نے نائب مفتیٔ اعظم حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی کو کیسا دیکھا، کیسا پایا میں اپنے مشاہدہ اور تجربہ کی بنیاد پر یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ ان کے یہاں حضرت صدر الشریعہ کی شان فقاہت، حضور مفتیٔ اعظم ہند کی عظمت فتویٰ نویسی اور سرکار حافظ ملت کی جلالت علمی کی جھلک نظر آتی ہے۔

اللہ اکبر! شاہ ملک سخن امام اہل سنن عظیم البرکت اعلیٰحضرت امام احمد رضا کی عبقریت وعظمت کے صدقے نائب مفتی اعظم مفتی محمد شریف الحق امجدی بھی علم وفن، تحقیق وتنقید، تصنیف وتالیف، مناظرہ وتقریر اور فتویٰ نویسی وتدریس جس میدان میں بھی اترے اپنی عظمت اور فتح کا جھنڈا نصب کر دیا۔

مفتی صاحب قبلہ کا عالم عجیب عالم ہے وہ جب لکھنے پر آجاتے ہیں تو وقت کے بڑے بڑے قلم کاران کے آگے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں وہ درس حدیث دیتے ہیں تو بخاری اور مُسلم کی محفل آراستہ ہو جاتی ہے، علمی نکات بیان کرتے ہیں تو غزالی اور رازی اور امام احمد رضا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ بولنے پر آجاتے ہیں تو وقت کا ابو الکلام ان کے سامنے گونگا نظر آتا ہے، ان کے فتوے کی شان تو کہنا ہی کیا ان کے نوک قلم سے نکلا ہوا ہر ہر لفظ قانون ہوتا ہے۔

سنتے ہیں کہ حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ حضور صدر الشریعہ کی ایک تقریر سن کر وہ تین تقریر تیار کر لیتے تھے۔ لہٰذا اگر یہ مان لیا جائے کہ حضور صدر الشریعہ کی ایک تقریر سے مفتی محمد شریف الحق صاحب پانچ تقریر تیار کر سکتے ہیں تو اللہ اکبر آپ کی تقریر اسی پنجاب خطابت کا ہر حال ایک دریا ہے، علمی نکات، پند ونصیحت اور رد باطل ورد بدعات ومنکرات کا امنڈتا اور مچلتا ہوا دریا!

اندازِ خطابت : کبھی خطابت وتقریر صرف علم والوں ہی کا حق تھا لیکن آج اس کے لئے صرف طلاقت

لسانی، حلیہ اور لباس، تراش و خراش ہی کافی ہے ہمارے یہاں تو خطابت ہی کا دور دورہ ہے کانفرنس اور جلسوں کی دھوم ہے خطابت آج زبردست کاروبار ایک انڈسٹری کی حیثیت اختیار کر گئی ہے کوئی بھی خطیب علامہ، غازی ملت اور قائد قوم و جماعت سے کم ہے ہی نہیں انہیں میں کچھ چترویدی اور پروفیسر صاحبان بھی ہیں۔

خیر! مجھے تو صرف اتنا کہنا ہے کہ خطابت اور تقریر کا حق صرف مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ ہی جیسے علمائے کرام کو ہے اور ہونا چاہیے حضرت مفتی صاحب قبلہ کی خطابت محقق گھن گرج، ڈائیلاگ یا لفظوں کی کاریگری نہیں ہوتی بلکہ علم و عمل اور اصلاح کی دوڑتی ہوئی بجلی ہوتی ہے۔ عقائد و اعمال اور قلب و نظر کے جہاں میں اجالا برپا کردیتی ہے۔ یہاں کسی پیشہ ورانہ ذہنیت یا لفافہ کے حصول کا دخل نہیں بلکہ نیت ہے تبلیغ دین اشاعت مسلک اور اصلاح قوم! اور حقیقۃً اسی کا نام تبلیغ ہے سوداگری کا نام تبلیغ نہیں۔

میں نے حضور مفتی صاحب قبلہ کی دسوں تقریریں سنی ہیں سیرت رسول اکرم ﷺ پر تقریر، ذکر شہادت، فضائل اولیاء اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا و مفتی اعظم اور حافظ ملّت کی شخصیات اور کارناموں پر تقریر، اسلامی تاریخ اور خلافت و سیاست پر تقریر دین کے حوالہ سے دینی و دنیوی جس موضوع پر چاہیے تقریر کرائیے اور سننے والے تقریریں سن کر واہ واہ سبحان اللہ اور الحمد للہ کہنے کے ساتھ صبح اٹھ کر ان کی تقریر کے اثر سے نماز فجر کی ادائیگی کا جذبہ بھی سینے میں بھرا ہوا پائیں گے اور صحیح معنی میں مسلمان بن کر زندہ رہنے کی تمنا بھی ان کے اندر انگڑائیاں لیتی ہوں گی۔

طنز و مزاح : آپ کی تقریروں میں رد باطل و فرقہائے باطلہ تو ہوتا ہی ہے لیکن حقیقت پسندانہ اور شائستہ انداز میں آپ بدمذہبوں پر طنز بھی کرتے ہیں۔ نشتر بھی لگاتے ہیں اور کبھی کبھی وہابی دیوبندی کے لئے بہت ہی خوب اشارے اور استعارے بھی پیش فرماتے ہیں جیسے داڑھی والے ہندو بناسپتی مسلمان۔ بلرام پور میں کئی بدمذہب ملاؤں کے اصل نام کے وزن پر ان کے ایسے نام نکالے کہ عوام و خواص انہیں۔ انہیں ناموں سے پکارنے لگی۔ جیسے ایک مولوی دیوبندی جو حسین احمد ایودھیا باشی کا مرید تھا اور اس کا نام تھا بشیر احمد، مفتی صاحب قبلہ نے اس کا نام رکھا تھا ''بشیشر ناتھ''۔ ایک غیر مولوی مگر دیوبندیوں کا سرغنہ تھا نام تھا اس کا صدیق آپ نے اس کا نام رکھا ''زندیق'' ایک کا نام تھا عبد الاحد اس کا نام رکھا ''ابولہب'' ''ایک کا نام غفور تھا اس کا نام رکھدیا ''کپورا''۔

بدمذہبوں کار دان پر طنز کے تیر برسانا نشتر زنی کرنا اسلاف کی سنّت اور ایمانی غیرت کا تقاضہ ہے اگر اپنوں سے کوئی فروگذاشت یا غلطی ہو جائے تو فوراً اسے بھی بغرض اصلاح متنبہ فرماتے ہیں اور کبھی کسی کی وجاہت سے مرعوب نہیں ہوئے۔ چند تقریروں میں آپ کو اس طرح فرماتے سُنا ہے۔

اگر مسجدوں کے متولی، مدرسوں کے مہتمم بخش دیے جائیں گے تو کوئی مسلمان جہنم میں نہیں جائے گا۔ کیا

لطیف طنز ہے عصر حاضر کے نام نہاد دین کے ٹھیکیداروں اور قوم کے ذمہ داروں پر اس کا مقصد صرف اور صرف اصلاح ہے۔

عالمانہ و مورخانہ انداز خطابت :- تقریباً تیس برس قبل بیت المقدس کی صیہونی آتش زنی کے خلاف پورے ملک میں احتجاجی جلسوں کا سلسلہ جاری تھا بلرام پور کے مسلمانوں نے بھی ایک احتجاجی جلسہ کا پروگرام رکھا۔ یہ جلسہ جمعہ کے دن بی بی باندی صاحبہ کی عیدگاہ میں رکھا گیا تھا اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت مفتی صاحب سے ہی مشورہ کیا گیا تھا۔ جلسہ کے اعلان کے لئے میں نے اور میرے ایک سینئر ساتھی نے جو مضمون تیار کیا تھا اس میں آپ نے صرف ایک تبدیلی فرمائی سب سے اوپر ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر لکھ دیا۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

اس شعر کی وجہ سے مضمون میں جان پیدا ہو گئی اور اعلان بڑا پر جوش بن گیا۔

اگلے دن جمعہ سے پہلے آس پاس کے دیہاتوں سے بھی ٹھٹ کے ٹھٹ مسلمان آ آکر عیدگاہ میں بیٹھنا شروع ہو گئے پورا قصبہ امنڈ پڑا تھا۔ عیدگاہ کے آگے خالی میدان میں نماز کے لئے صفیں بچھانی پڑیں۔ ہزار ہا ہزار کا مجمع تھا اس جلسہ میں مفتی صاحب ہی مقرر خصوصی تھے آپ ہی نے نماز جمعہ پڑھائی۔ دار العلوم انوار القرآن دار العلوم فخر العلوم کے اسٹاف کے علاوہ محترم بیکل اتساہی صاحب بھی موجود تھے۔

اس موقعہ پر مفتی صاحب قبلہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذریعہ بیت المقدس کی تعمیر کا جو واقعہ سنایا اور بیت المقدس و فلسطین کی تاریخ از ابتدا تا قیام ملک اسرائیل جو بیان فرمائی ہے، تو قصبہ کے بڑے بڑے وکلا اور دانش ور صاحبان عش عش کر اٹھے۔ ہر کوئی بت بنا مفتی صاحب کا چہرہ دیکھ رہا تھا اسی کانفرنس میں آپ نے تاریخ وہابیت پر بھی مختصر گفتگو فرمائی اور اخیر میں فرمایا کہ اللہ عزوجل کی شان بے نیازی ہے کہ قبلہ اوّل پر اگلی امت کے یہودی قابض ہیں اور قبلہ ثانی پر اس امت کے یہودی قابض ہیں یعنی نجدی

ایں چہ شوریست کہ در دور قمری بینم
طوق زریں ہمہ در گردن خرمی بینم

جس عالمانہ و مورخانہ اور مومنانہ شان کے ساتھ آپ نے خطابت فرمائی اگر اس زمانہ میں ٹیپ رکارڈ کا رواج عام ہوتا تو وہ تقریر کتابی شکل میں ڈھل کر آج ایک دستاویز کی حیثیت سے جماعت اہل سنت کے سامنے آتی۔

اس تقریر میں آپ نے متعدد قرآنی آیات کے حوالے دیئے، احادیث مبارکہ پیش فرمائیں اور نہایت ہی عالمانہ شان کے ساتھ خطابت کا فریضہ انجام دیا اسی جلسہ میں آپ نے یہودی مصنوعات کے بائیکاٹ کا اعلان بھی فرمایا۔ جلسہ کے اختتام کے بعد مجمع میں عجیب جوش بھرا ہوا تھا۔ ولس سگریٹ اور دوسری یہودی مصنوعات کے عادی اور استعمال کرنے والوں نے واقعی مفتی صاحب کے اعلان بائیکاٹ پر عمل کر کے دکھایا۔

عالمانہ وادیبانہ اندازخطابت:۔ جب حضرت مفتی صاحب قبلہ بلرام پور دار العلوم انوار القرآن میں تشریف لائے توابتداءًا یں کچھ سنی صاحبان آپ سے دو مدرسوں کی چشمک کی وجہ سے بے وجہ حسد کرنے لگے تھے، حالانکہ بعد میں یہی لوگ آپ کے علم و عمل اور تصلب واستقامت کو دیکھ کر آپ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ بغیر ان کے کسی مشورے کے کوئی دینی کام کرتے ہی نہیں تھے، اور مفتی صاحب کی شرکت کے بغیر وہ اپنی کسی بھی تقریب کو مکمل ہی نہیں سمجھتے تھے۔ انہیں صاحبان میں چند زیادہ پڑھے لکھے صاحبان آپ سے جلنے کے باوجود آپ کے تقریری کمال کے معترف تھے وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ مفتی صاحب کو ایسا تقریری ملکہ ہے کہ تقریر کا رخ جس طرف چاہے موڑ دیں اور پھر اس میں ایسا سلسلہ قائم کردیں کہ تقریر کے موضوع اور مرکزی خیال پر کوئی اثر بھی نہ پڑنے پائے اور از ابتدا تا آخر تقریر کا تجزیہ کیا جائے۔ تو تسلسل میں کوئی فرق نہ آئے گا۔

میں یہاں حضرت مفتی صاحب قبلہ کی ایک ایسی ہی تقریر کا خلاصہ پیش کررہا ہوں۔

خطبہ اور درود کے بعد مفتی صاحب قبلہ نے تاریخ وہابیت اور ردوہابیہ پر کچھ دیر گفتگو فرمائی اس کے بعد اچانک تقریر کا رخ موڑتے ہوئے شعر وشاعری کی طرف آگئے میر تقی میر کا یہ شعر پڑھا۔

نازکی اس کے لب کی کیا کہئے
پنکھڑی ایک گلاب کی سی ہے

اور فرمایا آج کے شعراوادبا اور ناقدین میر کے اس شعر پر سر دھنتے ہیں اور ہونٹ کے لئے گلاب کی پنکھڑی کی تشبیہ کو میر کا کمال مانتے ہیں۔ ظاہر ہے محبوب دنیاوی کے ہونٹ کی اور تعریف ہو ہی کیا سکتی ہے آیئے شاعر اعظم مجدد اعظم کا شعر سنئے میرے اعلیٰحضرت کا شعر سنئے۔ رب کے محبوب، سارے جگ کے محبوب، اپنے مدنی محبوب ﷺ کے ہونٹوں کی کسطرح تعریف فرماتے ہیں اور تشبیہ کا کیسا کمال پیش کرتے ہیں شعر سنئے :

وہ گل ہیں لب ہائے نازک ان کے ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل وہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے

کیا شعر کہا ہے بے مثل اور بے نظیر نبی اور حسینوں کے حسین رسول کے ہونٹوں کی تعریف میں "لب" نہیں کہا ہے بلکہ لبہائے کہا ہے اور ہونٹ مکمل اسی وقت ہوتے ہیں جب اسکے اوپری اور نچلے حصے کو ملا دیا جائے، میر نے لب کہا ہے لیکن اعلیٰحضرت نے لبہائے فرمایا ہے اور ہونٹوں کو ایسا گل بتایا ہے جن سے خود ہزاروں پھول جھڑتے ہیں بلبل گلشن میں گلاب کو دیکھتا ہے نہارتا ہے لیکن بلبل اس گلاب کو دیکھے جس میں ہزاروں گلشن خود سمایا ہوا ہے۔

اس کے بعد مفتی صاحب نے ہونٹوں کے تعلق سے یہ اشعار بھی فرمائے

سر تا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

پتلی پتلی گل قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

اس کے بعد شعر و شاعری کے تعلق سے دوسری جانب تقریر کا رخ موڑا آج کل کے شعراء نعت پاک لکھتے ہیں لیکن انھیں نہ تو شرع کا پاس ہوتا ہے نہ ہی حضور ﷺ کے مقام و مرتبہ کا احساس۔

پھر اپنی جماعت کے ایک مشہور شاعر کے اس نعت پاک کا حوالہ دیا جس میں "مدنی سنوریا" "طیبہ نگریا" وغیرہ قوافی باندھے گئے ہیں اور فرمایا کہ حضور جان نور ﷺ اور ان سے نسبت رکھنے والی کسی شئے کیلئے تصغیر کا صیغہ استعمال کرنا سخت ممنوع ہے۔ سنوریا، سانورے یا سانولے کی تصغیر ہے اور معاذ اللہ ہمارے آقا سانولے تو تھے نہیں۔ سانوریا سنوریا تو ہندو اپنے کرشن کنہیا کو کہتے ہیں اور ہمارے آقا نہ تو وہ تھے نہ اس کی طرح اور نہ سانولے وہ سرخ و سفید تھے، حسینوں کے حسین ان کا تو یہ عالم تھا۔

حسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم   وہ ملیح دل آرا ہمارا نبی

حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن میرے رسول ﷺ کے جمال کا پرِ تو تھا۔ میرے سرکار علیہ السلام تو ہر زمانہ کے حسین ہیں۔

حُسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں   سر کٹاتے ہیں تیرے نام پر مردانِ عرب

وہاں زنان مصر کی انگلیاں کٹی تھیں یہاں بہادرانِ عرب نام رسول اکرم ﷺ پر سر کٹاتے ہیں اور ہمیشہ ان کے غلام ان کی عصمت و ناموس کے تحفظ کے لئے ان کے نام پاک پر سر کٹاتے رہیں گے۔

مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے منقول ہے "آپ کا چہرہ خوش منظر تھا آپ کا مبارک نسب اعلیٰ اور آواز حسین تھی۔"

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ "رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کا حسن و جمال سب سے زیادہ بڑھ کر اور رنگ سب سے زیادہ روشن تھا۔"

مفتی صاحب قبلہ نے حضور ﷺ کے چہرۂ اقدس کی بابت حضرت ابو اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بخاری شریف کی روایت بھی بیان کی۔ ایک شخص نے حضرت براء بن عازب سے سوال کیا کہ:

"کیا رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور تلوار کی مانند تھا؟"

آپ نے فرمایا "تلوار کی مانند نہیں بلکہ چاند کی طرح تھا۔"

علاوہ اس کے حضرت جابر بن سمرہ کی روایت، سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا مولا علی رضی اللہ عنہم وغیرہ کی روایت بھی بیان کیں۔

آپ نے (مفتی صاحب نے) فرمایا کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں:

"چاندنی رات تھی، جانِ عالم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یمنی چادر اوڑھے ہوئے محو استراحت تھے

میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آپ کے چہرہ مبارک کو بالآخر میرا دل پکار اٹھا! آپ ﷺ چاند سے بھی زیادہ خوبصورت ہیں، گویا آسمان کا چاند نور کا پیالہ لے کر مدینے کے چاند سے نور کی خیرات مانگ رہا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی روایت بیان کی اور قرآن کریم سے "والشمس" اور "والضحیٰ" وغیرہ سورتوں سے تفسیری حوالہ پیش فرماتے ہوئے سید عالم ﷺ کے "حسن و جمال" کی بے مثالی ثابت فرمائی۔

اس کے بعد سیرت مبارکہ پر روشنی ڈالی اور کچھ اس انداز سے تقریر کا رخ موڑا کہ پھر رد بد مذہبیت کا سلسلہ ملا دیا۔

آپ نے ایک بار اعلیٰ حضرت کے صرف ایک شعر کے تعلق سے تقریباً سوا ڈیڑھ گھنٹے تقریر فرمائی۔ آپ نے الفاظ کے طوطا مینا اڑائے نہ ہی لفظوں کا شیش محل بنایا بلکہ اپنی عالمانہ، محدثانہ اور مفسرانہ شان کو بروئے کار لاکر الفاظ کو اپنے جذبہ و فکر کا ایسا تابع بنا دیا کہ وہ خود آپ کے کلام کے دھاگے میں موتیوں کی طرح گندھتے چلے گئے۔

اس ایک تقریر میں شان خطابت بھی جلوہ گر تھی اور واعظانہ انداز بھی۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ کی اس تقریر کو سن کر مجھے ابتداً ان سے جلنے والے اور بعد میں ان کے گرویدہ ہو جانے والے حضرات کا تبصرہ یاد آیا اور مجھے ان کے تبصرہ پر مارک کرتے ہوئے اعتراف کرنا پڑا کہ واقعی تقریر و خطابت اسی کا نام ہے علم و عمل کے بغیر کسی لفاظ اور طلیق اللسان خطیب یا مقرر کی بات وقتی طور سے تو ضرور مسحور کر لیتی ہے لیکن دل میں گھر کر کے اسے نہ تو گرما سکتی ہے نہ ہی اجال سکتی ہے۔

اعلیٰحضرت امام احمد رضا کے چند اشعار پر حضرت مفتی صاحب کے تبصرے اور ان کی شروح کی وجہ سے مجھے کلام رضا کو پڑھنے سمجھنے اور بعد میں جائزہ نگاری کا شوق پیدا ہوا۔

☆

اس جلسہ میں مجمع بہت کثیر تھا۔ جلسہ کے باہر کچھ سی. آئی. ڈی. والے مفتی صاحب قبلہ کی تقریر کی رپورٹ بھی تیار کر رہے تھے۔ جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا غالباً اسی "سنوریا" کو موضوع بنا کر اس سے قبل بہرائچ میں بھی آپ نے تقریر فرمائی تھی۔ وہاں کے فرقہ پرست عناصر اور سی. آئی. ڈی. نے "سانولے کرشن" وغیرہ کو لے کر مفتی صاحب کے خلاف فرقہ واریت بھڑکانے کی رپورٹ تیار کی اور کچھ دنوں کے بعد بہرائچ سے آپ کی گرفتاری کا وارنٹ آیا اور وہاں کی پولیس نے آپ سے گرفتاری دینے کے لئے کہا، عوام میں یہ خبر پہونچی تو لوگ بے قرار ہو کر ٹوٹ پڑے اور دار العلوم انوار القرآن سے لے کر "ویرونے چوک" تک آپ کے جانثاروں کا اژدھام لگ گیا۔ مفتی صاحب نے انھیں نعرہ بازی کرنے اور بھیڑ ختم کرنے کو کہا اور فرمایا یہ تو ہمارے بزرگوں کی سنت ہے ہم اپنے نبی علیہ السلام کے عصمت و ناموس کے تحفظ اور دین حق کی بقا کیلئے اگر بار بار زنجیروں سے جکڑے جائیں اور زنداں کی

نذر کئے جائیں تو اپنے نصیبہ پر ناز کریں گے اور اسے باعث افتخار سمجھیں گے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں
یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

مفتی صاحب خاموشی سے پولیس کے ساتھ گونڈہ چلے گئے۔ بلرام پور کے بہت سے فدائیان مفتی صاحب بھی بذریعہ بس گونڈہ گئے۔ تین چار دن تک گونڈہ جیل میں رہے۔ جناب بیکل اتساہی صاحب کی کوششوں سے چوتھے دن ضمانت منظور ہوئی اور جیل سے باہر تشریف لائے مفتی صاحب وہاں سے ضمانت پر لوٹ کر آئے تو مسلمانان بلرام پور نے جشن منایا۔

☆

اگر ہمارے شعراء امام احمد رضا اور دوسرے بزرگ نعت گویوں کے کلام کا مطالعہ کر کے مشکوک اشعار کو اپنے علماء اور مفتیان کرام کو دکھا لیتے تو اس طرح کی نوبت کیوں آتی۔

مومنانہ شان:۔ نائب مفتی اعظم علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی اشداء علی الکفار رحماء بینھم کی تفسیر اور الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی تصویر کا نام ہے آپ کی شخصیت جہاں گستاخانِ خدا اور رسول اور باغیان اسلام کے لئے شمشیر آبدار ہے وہاں غلامان مصطفیٰ یعنی مسلمانان اہل سنت کے لئے شاخ گل کی مانند لچکدار بھی ہے۔

آپ نے اپنی تقریر و تحریر میں جگہ باغیانِ اسلام اور شاتمان مصطفیٰ کا زبردست رد فرمایا ہے لیکن اپنوں کو سدا سینوں سے لگایا ہے آپ حق کہنے میں اپنے اور پرائے کا امتیاز نہیں برتتے، آپ صرف حق گو ہی نہیں بلکہ حق پسند بھی ہیں۔

آپ کا ہمیشہ یہی نعرہ رہا اور آج بھی ہے ؎

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

جلال برائے تنبیہ و اصلاح: غصہ ہر شخص کو آتا ہے۔ لیکن ایک نائب رسول، ایک سچے اور اچھے انسان کو جھوٹ بدی اور غلط کاری پر غصہ آتا ہے۔ وہ اگر اپنوں پر، اپنے چھوٹوں پر بیٹوں اور بھتیجوں پر، مریدین و تلامذہ پر بھی غصہ کرتا ہے تو ان کی اصلاح کے لئے محبت و اخلاص کے ساتھ نہ کہ کسی نفرت یا عداوت کے سبب۔

میں نے حضرت مفتی صاحب قبلہ کو غیظ و غضب کا اظہار کرتے بھی دیکھا ہے اور غصہ ہوتے ہوئے بھی، لیکن غیظ و غضب کا اظہار انہوں نے بدمذہبوں پر فرمایا ہے لیکن غصہ جب بھی فرماتے ہیں یا فرمایا ہے تو اپنوں پر ان کی کسی غلطی کے سبب آئندہ ان کی اصلاح کے لئے۔

میں نے آپ کو اپنے صاحبزادہ مولانا محب الحق صاحب اپنے شاگرد خاص مولانا عبد الحق صاحب اور دوسرے طلبہ وغیرہ پر غصہ فرماتے دیکھا ہے لیکن اس غصہ میں بھی بڑا پیار اور خلوص مچلتے دیکھا ہے۔ ایک دو بار بلرامپور، بریلی اور دوسرے مقامات پر مجھے بھی ٹوکا ہے، تنبیہ بھی کی ہے کسی تقریری تحریری یا اور طرح کی غلطی پر لیکن بڑی محبت کے ساتھ اور اس طرح میری اصلاح فرمائی اور بہت سے امور میں میں محتاط بھی ہو گیا اور مجھے خود اپنی اصلاح کا ایک حد تک سلیقہ بھی آگیا۔

اکابر اور اصاغر کے ساتھ رویہ:۔ میں حضرت مفتی صاحب کو اپنے بزرگوں اور اکابروں کی بارگاہ میں ہمیشہ بہت ہی باادب اور نیاز مند دیکھا ہے حضور حافظ ملت، حضور مجاہد ملت اور سرکار مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہم کی بارگاہوں میں بہت ہی باادب پایا ہے ان کے غائبانہ میں بھی سدا ان کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے سنا ہے۔

بریلی شریف کے کچھ علما مریدان مفتی اعظم اور جانشین مفتی اعظم مفتی اختر رضا خاں صاحب قبلہ ازہری سے کئی بار یہ سُنا ہے کہ مفتی شریف الحق صاحب نے کبھی بھی سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی کسی بات اور کسی فتویٰ پر تنقید یا نکتہ چینی نہیں کی نہ تو بریلی شریف میں قیام کے دوران نہ ہی وہاں سے ہٹ جانے پر جبکہ دوسرے مفتیان صاحبان نے بریلی ہی میں رہتے ہوئے ان پر نکتہ چینی کی ہے اور یہی سبب ہے کہ ان حضرات کو مقبولیت نہیں ملی لیکن مفتی شریف الحق صاحب جو ان حضرات سے جونیر تھے انھیں سرکار مفتی اعظم کی حد درجہ نیاز مندی کی وجہ سے زبردست مقبولیت حاصل ہوئی۔

میں نے بریلی شریف میں حضور مفتی اعظم کی بارگاہِ میں قبلہ مفتی شریف الحق صاحب کی نیاز مندی کا منظر دیکھا ہے۔ دست بوسی و قدم بوسی کرنے کے بعد ہاتھ باندھ کر سر جھکائے کھڑے ہیں سرکار مفتی اعظم نے جب بیٹھنے کا اشارہ کیا تو باادب ہو کر بیٹھ گئے ایسے مواقع پر کم سخنی کو ہمیشہ اپنا شعار بنائے رکھا ہے۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ نے خود سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے یہاں زمانۂ قیام (جب وہ دار العلوم مظہر اسلام میں مدرس اور سیدنا مفتی اعظم قدس سرہٗ کے دار الافتا میں فتویٰ لکھتے تھے) کا ایک واقعہ سنایا کہ شہر کے لوگ موقع بے موقع استفتا لے کر چلے آتے اور اگر انھیں فتویٰ لینے کے اوقات کے بارے میں بتایا جاتا تو بعد میں وہ حضور مفتی اعظم سے جھوٹ موٹ کی شکایت کرتے ایک بار ان کی بھی اس طرح کی شکایت کی حضرت مفتی اعظم نے ان لوگوں کے سامنے تنبیہ کی اور ان پر غصہ کا اظہار فرمایا لیکن انھوں نے بجائے شاکی یا بددل ہونے کے حضور مفتی اعظم کے اس غصہ اور بریلی شریف کی نسبت سے وہاں کے لوگوں کی شکایت کو اپنے لئے رحمت و برکت اور دعا سمجھی۔ یہی سبب ہے کہ مفتی صاحب کو مقبولیت ملی۔

آپ جس طرح اپنے اکابرین کی بارگاہ میں ادب و احترام اور نیاز کیشی کے گلاب پیش کرتے تھے۔ اسی طرح

چھوٹوں پر انہوں نے ہمیشہ خلوص و محبت اور شفقت و نوازش کے سحاب برسائے ہیں اور آج بھی ان کا یہی رویہ ہے۔

اصلاح کا طریقہ: حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی نے بے عمل قسم کے سنی نوجوانوں، کالج و اسکول کے لڑکوں اور دوسرے معمر سُنی حضرات سے ہمیشہ نرمی برتی ہے اور ان کے مزاج اور طور طریقوں پر نظر رکھتے ہوئے ان سے سلوک کیا ہے کبھی اپنی علمی برتری یا شخصیت کا رعب نہیں ڈالا اور نہ ہی کسی سخت گیر مبلغ کی طرح ڈانٹ ڈپٹ سے کام لیا۔ کبھی کسی کلین شیو ڈیا ننگے سر سنّی کو اپنی مجلس میں آنے سے روکا نہ اسے ڈانٹا پھٹکارا۔ ننگے سر کو اپنا رومال دے دیا۔ معمر داڑھی منڈے کے سامنے داڑھی کی فضیلت بتائی اور اسے سرکار ابد قرار ﷺ کی سنت بتا کر انھیں بھی سرکار کی سی شکل و صورت بنانے کی تلقین کی۔ اس طرح جانے کتنے دین بیزار، بے عمل سنّی نوجوانوں کو با عمل اور دین دار بنا دیا۔ کلین شیوڈ مسلمانوں کو داڑھی والا بنا دیا۔

آپ کے خلوص و محبت کو بلرام پور کے دینی درد رکھنے والے سنّی حضرات آج بھی یاد کرتے ہیں آپ نے بلرام پور میں نوجوانوں کو اپنا ایسا گرویدہ اور مسلک اعلیٰحضرت کا زبردست پیرو بنا دیا تھا کہ ہر نوجوان! آپ کے لئے، سنّیت کیلئے اور اعلیٰحضرت کے نام اور ان کے مسلک کیلئے جان دینے کو تیار رہتا تھا آپ جب بھی آس پاس یعنی ضلع گونڈہ کے کسی علاقہ یا بستی وغیرہ کے علاقوں میں مناظرہ کیلئے جاتے تو کئی نوجوان خود سے آپ کی حفاظت کیلئے ساتھ میں یا ان کے پیچھے پیچھے مناظرہ گاہ تک پہونچ جایا کرتے تھے۔

تعویذات میں اثر: آج دعا تعویذ کو بھی لوگوں نے کاروبار بنالیا ہے لیکن ہمارے بزرگوں نے تعویذ و دعا صرف خدمت خلق کیلئے کیا ہے یہ اسلاف کی سنت ہے حضور مفتی شریف الحق صاحب قبلہ امجدی نے دعا تعویذ کو خدمت خلق کیلئے اپنایا ہے اسلاف کی سنت کی پیروی میں بلرام پور میں لوگ آپ کی تعویذوں کے بڑے معتقد تھے اکثر لوگ خیر و برکت کیلئے آپ کو اپنے گھر لے جایا کرتے تھے۔ پریشانی اور بیماری میں آپ سے تعویذات لیا کرتے تھے۔ میرے ایک پیر بھائی کو جوٹی. بی کے مریض تھے آپ کی تعویذات سے بڑا فائدہ ہوتا تھا۔ دو تین بار ایسا ہوا کہ ان کے منھ سے بہت خون آیا حالت ایسی ہو گئی کہ اب گئے تب گئے ڈاکٹر نے جواب دے دیا۔ لیکن انھوں نے ڈاکٹر کی بات پر اعتماد نہ کرتے ہوئے مفتی صاحب قبلہ کی خدمت میں بھیجا۔ مفتی صاحب ایک آدھ بار خود آئے۔ دم کیا باندھنے اور پینے کیلئے نقوش دیئے۔ چند گھنٹوں میں انہیں افاقہ ہوا اور تعویذات کے استعمال سے چند دنوں میں وہ صحت یاب ہو گئے۔

دیگر صاحبان کو بھی حضرت مفتی صاحب کی دعاؤں اور نقوش و تعویذات سے بہت فائدہ ہوا۔

تواضع: ٹھساو نخرہ اور نام و نمود وغرور و تکبر سے دور حضرت مفتی صاحب قبلہ صحیح معنی میں ایک عالم دین اور سچے نائب رسول ہیں۔ لوگوں کو خود "السلام علیکم" کہتے ہوئے گذرتے ہیں۔ کوئی بھی سُنّی امیر ہو یا غریب ہر ایک کے ساتھ یکساں خلوص برتتے ہیں۔ اگر آپ کے دولت کدے پر کوئی مہمان پہونچ جائے تو بہت ہی خاطر مدارات

کرتے ہیں۔ ایک بار میں صدر الشریعہ کے عرس میں مفتی صاحب کے گھر گیا حضرت مفتی صاحب گھر ہی پر تھے بڑے محبت سے پیش آئے۔ فوراً میرے لئے چارپائی لگوائی اس پر بستر بچھوایا میں نہیں نہیں کرتا ہی رہ گیا مگر مفتی صاحب نہیں مانے مجھ جیسے حقیر و بے بضاعت کا ایک معزز مہمان کی طرح خیال فرمایا کچھ دیر آرام کرانے کے بعد مجھے اور دیگر مہمانوں کو دوپہر کا کھانا کھلوایا۔ مجھے مفتی صاحب کی یہ تواضع دیکھکر سرکار حافظ ملت اور حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہما کی مہمان نوازی اور کرم فرمائی یاد آگئی۔

تاجدار مارہرہ کا حضرت مفتی صاحب کے علم وفضل کا اعتراف

یوں تو اکابرین مثلاً سیدنا حضور مفتی اعظم حضرت حافظ ملت حضور مجاہدِ ملت رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ سے میں نے حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی کی تعریف سنی ہے جماعت کا ہر مفتی اور عالم آپ کی علمی جلالت اور عظمت فتویٰ نویسی کا معترف ہے مگر جس انداز میں اپنے وقت کے تاجدار مارہرہ ہم سب کے آقائے نعمت سیدنا سرکار حسن میاں قبلہ قدس سرہٗ العزیز سے میں نے حضور مفتی شریف الحق صاحب کی تعریف سُنی ہے اور ان کے علم وفضل کا اعتراف کرتے ہوئے دیکھا ہے کسی اور سے اس انداز میں تعریف وتوصیف کرتے ہوئے دیکھا نہ سُنا۔

جس زمانہ میں مولوی خلیل احمد بجنوری سے بدایوں میں مناظرہ کی بات چل رہی تھی۔ بدایوں مناظرے سے چند ماہ قبل مجھے حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں صاحب قبلہ ازہری کے ساتھ دربار حضور حسن میاں قبلہ نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ایک بار مارہرہ مطہرہ میں اور ایک بار بمبئی میں دونوں بار جب جب مولوی خلیل احمد سے مناظرہ کی بات نکلی تو حضرت مفتی صاحب قبلہ کے ذکر پر سرکار حسن میاں علیہ الرحمہ نے بینچ پر ہاتھ مار مار کر فرمایا۔ میرے مفتی شریف الحق صاحب کا علم ٹھنکایا ہے مولوی خلیل احمد ان کے سامنے کہاں ٹک پائے گا۔

سبحان اللہ! گھوسی اور مبارک پور سے تو مفتی صاحب کو ان کی قابلیت کی سند دے ہی دی گئی تھی اور بریلی شریف سے بھی یہ سند آپ کو مل چکی تھی اور آپ کو نائب مفتی اعظم ہند تسلیم کرلیا گیا تھا آج خود قبلہ حسن میاں سرکار آپ کی علمی جلالت کا اظہار فرمارہے تھے اور اس طرح آل رسول و نوری بلکہ برکاتی دربار مارہرہ سے بھی آپ کو آپ کی قابلیت وعلمیت کی سند دی جارہی تھی۔

دار العلوم انوار القرآن بلرام پور کی شہرت

حضرت نائب مفتی اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی کی دار العلوم انوار القرآن میں آمد سے قبل اس کو نہ تو ایسی شہرت حاصل ہوئی تھی نہ ہی اس کا تعلیمی معیار بلند ہوا تھا لیکن جب میرے شیخ طریقت، آقائے

نعمت سیدنا سرکار حافظ ملت قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے حکم پر آپ ان کی راجدھانی بلرام پور میں آئے اور انہیں کی سرپرستی میں چلنے والے دینی ادارہ دارالعلوم "انوار القرآن" میں آپ نے شیخ الحدیث کے عہدے کو سنبھالا تو سورج کی ہر نئی کرن کے ساتھ اس دارالعلوم کی شہرت و مقبولیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور وہ شاہراہ ترقی پر آگے ہی بڑھتا رہا آپ کے نام سنکر طالبان علم دین دور دور سے کھینچ کر بلرام پور دارالعلوم انوار القرآن میں آنے لگے۔ نہ صرف بلرام پور و گونڈہ کے آس پاس کے علاقوں بلکہ ملک کے مختلف حصوں، یوپی، بہار، بنگال، گجرات، کرناٹک، آندھرا اور مہاراشٹر کے قصبوں اور دیہاتوں سے آپ کی خدمت میں استفتا بھی آنے لگے۔ کانفرنس اور جلسوں کے دعوت نامے، اس طرح آپ کی وجہ سے دارالعلوم انوار القرآن کی شہرت دور دور تک پھیلتی چلی گئی اور آپ کے اس انداز درس اور قابلیت کی وجہ سے معیار تعلیم بھی اس دارالعلوم کا بلند ہوتا چلا گیا یہ آپ کا ہی علمی فیضان ہے کہ دارالعلوم انوار القرآن سے فارغ آپ کے تلامذہ میں مولانا انور علی صاحب بہرائچی مرکز اہل سنت بریلی شریف کے دارالعلوم منظر اسلام اور سنیت و مدارس اسلامیہ کی آبرو دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور میں مولانا عبدالحق صاحب درس و تدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں علاوہ اس کے آپ کے تلامذہ دور دیسوں یورپ، افریقہ اور امریکہ کے ممالک میں بھی فریضہ تبلیغ انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی آمد سے بلرام پور کی سنیت کو بہت فائدہ ہوا۔

مفتی صاحب اور معقولات میں درک : یوں تو مفتی صاحب قبلہ متعدد نقلی اور عقلی علوم و فنون میں مہارت رکھتے ہیں۔ فقہ و حدیث اور تفسیر کی مختلف شاخوں (فنون) میں بھی آپ مہارت رکھتے ہیں آپ کی شان فقاہت کا اظہار تو آپ کے فتاویٰ مفسرانہ حیثیت کا اظہار آپ کی تصانیف اور علم حدیث پر عبور کا اظہار تو بخاری شریف کی شرح سے ہوتا ہے۔ آپ دیگر علوم و فنون، شعر و ادب، فلسفہ، سائنس اور فلکیات وغیرہ میں بھی درک رکھتے ہیں۔

آپ جب کبھی بھی ادبی موڈ میں ہوتے ہیں تو حضور اعلیٰحضرت کے اشعار کی بہت ہی حسین انداز میں شرح فرماتے ہیں۔

میں نے صوفی اقبال صاحب نوری بریلوی کے ساتھ سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سے حضور اعلیٰ حضرت کے کئی فارسی اشعار کے مطالب معلوم کئے چونکہ سرکار مفتی اعظم کی علالت کا زمانہ تھا لہٰذا لوگ ان سے گفتگو بہت کم کرتے تھے اور کسی علمی سوال و اشکال کا حل کرانے کی ہمت بھی نہیں کرتے تھے اور یہ سب حضور مفتی اعظم سے محبت ہی کا تقاضا تھا کہ انہیں کسی بھی طرح کی تکلیف دینا گوارہ نہیں کرتے تھے ایسے ہی موقع پر ایک بار حضور مفتی اعظم نے فرمایا۔ "کاش اعلیٰحضرت اپنے اشعار کی شرح خود ہی فرما گئے ہوتے" اس سے یہ مطلب نہیں کہ حضور کو شرح اشعار رضا میں کوئی دقت ہوتی تھی بلکہ اس لئے کہ جس جذبہ کا انہوں نے اظہار کیا اور جس کیفیت میں اشعار کہے شرح کے ساتھ وہ سب باتیں بھی سامنے آجاتیں۔ خیر میں نے مفتی صاحب سے بھی کچھ اشعار کے مطالب معلوم کئے آپ نے بہت ہی عمدہ طریقہ سے شرح فرما کر مجھے اور حاضرین کو مطمئن کیا۔

شعر و ادب کے علاوہ علم طبعیات و فلکیات نیز ریاضی میں بھی میں نے حضرت مفتی صاحب کو طاق پایا۔
امریکہ کے راکٹ اپالو نمبر ۱۴ کے چاند پر پہنچنے کے بعد حلقہ مولویت میں بڑی ہلچل سی مچی۔ مفتی صاحب نے ماہنامہ نوری کرن بریلی کے ایک مقالہ چاند اور خلائی کشتی لکھی۔ چھپنے پر میں نے بھی پڑھا مگر پوری طرح سمجھ نہ پایا۔ بعد میں مفتی صاحب نے بہت اچھی طرح سے مجھ کو سمجھایا اور جن اصطلاحات کیوجہ سے مجھے مقالہ کی تفہیم میں دقت ہو رہی تھی وہ بھی پکڑ میں آگئے اور میں نے انہیں جدید فزکس (Modern Physics) اور فلکیات (Astronomy) کے انگریزی اصطلاحات سے سمجھا اس مقالہ کو جب میں نے بلرام پور پوسٹ گریجویٹ کالج کے شعبہ طبعیات کے پروفیسر کو سنایا تو حیرت ہوئی کہ مولوی صاحب لوگ بھی سائنس وہ بھی خلائی سائنس میں ایسی معلومات رکھتے ہیں۔

اس سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب کی ایک کتاب "اسلام اور چاند کا سفر" آپ کی معرکۃ الآرا تصنیف ہے اس کتاب میں آپنے ثابت کر دیا کہ چاند پر پہونچا جاسکتا ہے چاند آسمان سے جڑا ہوا نہیں ہے اس کی دوری بھی زمین سے بہت زیادہ نہیں ہے بلکہ وہ چند لاکھ میل اوپر ہے۔ چاند آسمان کے نیچے موج مکفوف میں ہے جس میں دیگر ستارہ اور سیارے ہیں میں نے حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی دامت برکاتہم العالیہ کو جیسا دیکھا ویسا پایا اور بیان کر دیا۔ آپ کا وجود جماعت کے وقار اور سرمدی سعادتوں کی ضمانت ہے۔ رب عظیم اپنے حبیب اکبر ﷺ کے صدقہ و طفیل تادیر آپ کو ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔　　　آمین !

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا امام الدین مصطفوی
شیخ الحدیث مدرسہ حشمت العلوم، رام پور کٹرہ، بارہ بنکی

شارح بخاری ایک مشاہداتی تجزیہ

میں آج اس ہستی کے بارے میں قلم اٹھانے جارہا ہوں جسے دنیا محقق عصر، نائب مفتی اعظم ہند، فقیہ اعظم ہند، شارح بخاری کے نام سے جانتی پہچانتی اور مانتی ہے اور اس وقت اشرفیہ مبارک پور میں مسند صدارت شعبۂ افتا پر فائز ہے۔ یعنی حضور مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی۔ میرا تعلق حضور والا سے اس وقت سے ہے جب کہ آپ بریلی شریف میں مسند تدریس وافتا پر فائز تھے اور میں بالکل ابتدائی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دولت خانہ پر ہی رہتا تھا اور حضور والا کو کھانا کھلایا کرتا تھا۔ افتا میں تو حضور والا کا جواب ہی نہیں تھا۔ نائب مفتی اعظم ہند کے خطاب سے نوازے جاتے تھے اور تدریس میں بھی بے مثال تھے۔ طلبہ میں آپ کی بہت قدر تھی۔ آپ کی تفہیم کا کیا حال تھا؟ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیں کہ مرقات الفرائض جماعت خامسہ میں پڑھائی جاتی تھی جو عربی میں ہے۔ ایک طالب علم جماعت خامسہ کا جو سراجی پڑھتا تھا اس کی خواہش ہوئی کہ حضور والا سے مرقات الفرائض رات میں بعد مغرب پڑھ لیا کرے۔ اس لئے کہ دونوں کتابیں ایک ہی فن کی ہیں۔ حضور والا نے مجھ سے فرمایا کہ تم بھی شریک ہو جایا کرو۔ حالانکہ اس وقت میں غالباً ہدایت النحو وغیرہ پڑھ رہا تھا جو جماعت ثانیہ میں پڑھائی جاتی تھی۔ خادم نے عرض کیا کہ میری سمجھ سے بالاتر ہے میں سمجھ نہیں پاؤں گا۔ فرمایا تم شریک ہو کر دیکھو انشاء اللہ تعالیٰ خوب اچھی طرح سمجھ لیا کرو گے۔ کوئی دقت، پریشانی، الجھن نہیں ہوگی۔ پھر کیا ہوا مجھے یاد نہیں۔ عرض یہ کرنا ہے کہ تین درجوں کے تفاوت کے باوجود ایسی بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جسے اپنی تفہیم پر اعتماد کلی ہو۔ میں نے حضور والا سے کوئی کتاب تو نہیں پڑھی مگر کبھی کبھی درسی باتیں پوچھ لیا کرتا تھا۔ جواب اتنا آسان اور واضح ہوتا تھا کہ دل پر نقش ہو جایا کرتا تھا۔ مثال کے طور پر البشیر الکامل میں حروف کی دو قسمیں پڑھ چکا تھا۔ حروف معانی اور حروف مبانی۔ حروف مبانی کن کو کہتے ہیں یا تو استاد گرامی نے بتایا ہی نہیں تھا یا بتایا تھا تو ایسے طریقہ سے کہ ذہن نشیں نہیں ہو پایا تھا۔ میں نے حضور والا سے دریافت کیا تو فرمایا کہ

حروف ہجائیہ کو کہتے ہیں یہ کون سی اہم بات ہے۔ آپ کے استاد نے بتایا ہی نہیں ہوگا۔ نزہتہ القاری میں ایک جگہ مکبّر و مصغّر کی مثال میں فرماتے ہیں کہ جیسے بِلّی اور بِلَیّا۔ مثال ایسی ہے کہ شاید ہی کسی نے دی ہو۔ اور اتنی واضح ہے کہ ہر خاص و عام جوان و پیر کے ذہن میں اتر جائے۔ اب ذرا تقریر کا حال بھی ملاحظہ فرمائیں۔ حضور شیر بیشہ اہلسنّت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد لوگوں میں اس طرح کی باتیں ہونے لگیں کہ اب کیا ہوگا؟ حضور شیر بیشۂ اہلسنّت علیہ الرحمہ کے بعد تو اپنوں میں ایسا کوئی نظر نہیں آتا جو انھیں کی طرح وہابیوں کی قلعی کھول سکے۔ مگر جب بریلی شریف میں مختلف مقامات پر شارح بخاری دامت برکاتہم العالیہ کی تقریریں ہوئیں اور ان میں آپ نے رد وہابیہ پر جم کر تقریریں فرمائیں تو لوگ حیرت زدہ رہ گئے اور ان کے دلوں کو پورا سکون و اطمینان حاصل ہو گیا اور ہر ایک کی زبان سے یہی سننے میں آیا کہ حضور والا واقعی کامل مظہر شیر بیشہ اہلسنّت علیہ الرحمہ ہیں۔ ایک مرتبہ پیلی بھیت شریف عرس حشمتی میں حضور والا تشریف لے گئے اور حضور شیر بیشہ اہلسنّت علیہ الرحمہ کے علم مناظرہ اور حاضر جوابی کو موضوع سخن بنایا اور پھر ایسی تقریر فرمائی کہ حضرت بڑے بھیا مولانا مفتی محمد مشاہد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ اپنے کمرہ میں بیٹھے ہوئے حاضرین سے فرمانے لگے کہ آج حضور مفتی صاحب قبلہ دامت برکاتہم بڑے موڈ میں ہیں۔ ایسے نکات بیان فرما رہے ہیں کہ قابل نوٹ ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ مولیٰ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صاحب لولاک ﷺ کے صدقے و طفیل میں حضور والا کو بہت ساری خوبیوں سے نوازا ہے۔ آپ مفتی بھی ہیں مدرس بھی ہیں مقرر بھی ہیں مناظر بھی ہیں مصنف بھی ہیں۔ کتنی کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ جو اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ اور مزید برآں یہ کہ آپ شارح بھی ہیں اور وہ بھی ایسی کتاب کے شارح جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے یعنی بخاری شریف۔ حضور والا وصف جلال و جمال دونوں سے موصوف ہیں۔ جلال کا عالم یہ ہے کہ اس وقت چھوٹے تو چھوٹے بڑوں کی بھی ہمت جواب دیتی ہے۔ ابھی حال ہی میں حضرت علامہ محمد کوثر خاں صاحب قبلہ نعیمی ہمارے یہاں تشریف لے گئے تھے۔ وہ فرما رہے تھے کہ میرے یہاں بھی فون ہے اور حضور والا کے یہاں بھی۔ مگر کبھی ہمت نہیں پڑی کہ حضور والا کو فون کروں۔ اس خوف سے کہ کہیں وقت جلال نہ ہو۔ میں ایک مرتبہ عرس عزیزی میں حاضر ہوا۔ اتفاق سے اسی سال حضور والا کے شاہزادے حافظ حمید الحق سلمہ کو دستار فضیلت سے نوازا گیا تھا۔ اور اسی سلسلہ میں حضور والا کے دولت خانہ پر دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ مجھے پہلے سے معلوم نہیں تھا کل کی صبح حضور والا کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور میں مدرسہ

جانا چاہتا ہوں کیونکہ آج شام تک مدرسہ حاضر ہو جانا ہے۔ فرمایا کچھ نہیں آپ کو گھوسی جانا ہے۔ ایسے جلالی انداز میں فرمایا کہ میں بالکل ساکت ہو گیا۔ مزید کچھ عرض کرنے کی ہمت نہیں ہوئی حالانکہ یہ جلال جمال سے پُر تھا۔ اور جب جلال پُر جمال کے وقت ہمت جواب دے جائے تو صرف جلال کے وقت ہمت پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ رہا جلال اور جمال کا یہ عالم کہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ چھوٹوں پر بڑی شفقت فرماتے ہیں۔ بچے ہوں تو بچوں جیسی گفتگو فرماتے ہیں۔ کبھی ان کے علاقے کی بولی بول کر، کبھی دوسرے طریقہ سے، حاصل یہ کہ ان کو خوش ضرور فرمادیتے ہیں۔ جو طلبہ نئے فارغ ہوتے ہیں اور مسند تدریس پر بیٹھنے والے ہوتے ہیں ان کو بہت ہی کار آمد اور مفید مشوروں سے نوازتے ہیں۔ جو طلبہ پورے طور پر حضور والا کی نصیحتوں پر عمل پیرا ہوتے ہیں وہ ضرور کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ اور جو توجہ نہیں دیتے سنی کی اَن سنی کر دیتے ہیں انھیں ٹھوکر کھانا پڑتا ہے اور ٹھوکر کھانے کے بعد حضور والا کی نصیحتیں یاد آتی ہیں۔ اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ ''چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی''۔ ایک سال کا واقعہ ہے کہ فارغین اشرفیہ میں سے ایک صاحب جو اپنی جماعت یا پورے مدرسہ کے طلبہ میں سب سے اعلیٰ آئے تھے انھیں حضور والا نے نصیحت فرمائی کہ دیکھئے کتاب چاہے جو بھی ہو چھوٹی یا بڑی مطالعہ ضرور کر لیا کریں بے مطالعہ ہر گز نہ پڑھائیں چاہے وہ پہلی فارسی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن ان صاحب نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ پہلی فارسی انھیں سے متعلق ہو گئی۔ پڑھانے لگے مگر بے مطالعہ۔ آخر کار ایک روز ایسا ہوا کہ پڑھاتے پڑھاتے درمیان درس رک جانا پڑا۔ اور لغت منگا کر دیکھنی پڑی۔ اس وقت انھیں احساس ہوا کہ حضور والا نے سچ ہی فرمایا تھا۔ اگر انھوں نے حضور والا کی نصیحت گراں مایہ پہ عمل کیا ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی کہ درمیان درس رک جاتے اور طلبہ کے درمیان سبکی ہوتی بلکہ مطالعہ کے وقت ہی حل ہو گیا ہوتا۔ آپ لباس سادہ استعمال فرماتے ہیں۔ تصنع سے کوسوں دور رہتے ہیں۔ انکساری کا یہ عالم ہے کہ اللہ اکبر۔ اسی سال کی بات ہے کہ خادم اشرفیہ میں بسلسلۂ امتحان حاضر ہوا۔ صبح ملاقات کے لئے حضور والا کے حجرۂ مبارکہ میں داخل ہوا۔ مجھے کرسی پر بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ میں بیٹھ گیا۔ خود اٹھے اور پلیٹ دھوئی۔ چمچہ دھویا۔ کئی مرتبہ اندر باہر آمدرفت رہی۔ میں نے خیال کیا کہ کوئی دوا کھانی ہوگی۔ مگر ہوا یہ کہ نمکین اور بسکٹ ناشتہ کے لئے لاکر رکھ دیا۔ میں دل ہی دل میں بہت شرمندہ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے دن حضرت کی زیارت کے لئے گیا ہی نہیں اس خیال سے کہ آج پھر وہی سب ہوگا جو پہلے دن ہو چکا ہے۔ کوئی اور ہوتا خاص کر اس عمر والا اور ایسے فضل و کمال والا تو اولاً تو خاطر تواضع کی طرف دھیان

نہیں جاتا اور جاتا بھی تو اس وقت جب کہ کوئی طالب علم یا چپراسی آجاتا۔ حضور والا جب کبھی موڈ میں ہوتے ہیں تو بہت ہی چبھتا ہوا جملہ ادا فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ جہانگیر گنج جلسہ میں تشریف لے گئے۔ میں بھی حاضر تھا۔ اسٹیج پر چائے آئی۔ دودھ غالباً پھٹ گیا تھا یا ختم ہو گیا تھا اس لئے چائے کا رنگ کالا تھا۔ مجھ سے فرمایا کہ امام صاحب نعیمی صاحب سے دریافت کیجئے کہ یہ چائے کس سن کی ہے۔ ایک مرتبہ میرے گاؤں والوں نے میرے ہی مشورہ سے حضور والا کو جلسہ میں مدعو کیا۔ تشریف لے گئے صلح کلیت پر تقریر فرمائی۔ پوری تقریر میں کچھ مضمون بیان فرما کر یہ جملہ چسپاں فرماتے تھے کہ شیعہ نہ سنی بیچ میں کاٹُنی۔ بڑا لطف آتا تھا۔ لوگوں نے بہت پسند کیا۔ قیام میرے گاؤں میں تھا۔ لوگوں نے خوب دودھ والی چاہے پیش کی۔ چائے کی پتی برائے نام ہی تھی۔ حضور والا نے مجھ سے فرمایا کہ امام صاحب مجھے معلوم ہے کہ آپ کے یہاں دودھ بہت ہے مگر میں دودھ نہیں پینا چاہتا بلکہ چائے پینا چاہتا ہوں۔ پھر میں نے خود ہی چائے بنا کر پلائی تو پسند فرمائی۔ حضور والا خود وقت کی پوری پابندی فرماتے ہیں اور دوسروں کو بھی تاکید فرماتے رہتے ہیں۔ مولانا عبد الحق صاحب مدظلہ العالی اکثر ڈانٹ ڈپٹ کے شکار ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ مولانا موصوف اپنے ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں کہ حاضری میں ایک منٹ کی دیر ہوئی تو ڈانٹ۔ اگر درسگاہ تھوڑی دیر کے لئے خالی رہے تو ڈانٹ۔ مولیٰ تعالیٰ ان کا ظل ہمایوں دراز فرمائے خدا نہ کرے کہ وہ دن آئے کہ اس ڈانٹ کے لئے ہم لوگ ترسیں۔ پتہ چلا کہ حضور والا کی ڈانٹ ڈپٹ بھی مفید ہی مفید ہے۔ حضور والا مسلمانان اہلسنّت کے بہت ہی ہمدرد ہیں۔ ان کی تکلیف سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے اور ان کے آرام سے آرام اور یہی ایک مومن کامل کی شان ہے۔ اس پر حضور شارح بخاری کی زندگی کے بیشمار واقعات اور تحریریں شاہد عدل ہیں۔

مولیٰ تعالیٰ حضور والا کے سایہ کرم کو ہم تمام اہلسنّت و جماعت کے سروں پر تادیر قائم رکھے اور ان کے فیوض و برکات سے ہمیں خوب مستفیض ہونے کا موقع عنایت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ بجاہ سید المرسلین ﷺ و آخر دعوان ان الحمد للہ رب العلمین۔

☆☆☆

حضرت مولانا محمد کوثر خان نعیمی
صدر المدرسین جامعہ عربیہ اظہار العلوم
جہانگیر گنج امبیڈکر نگر

شارح بخاری اور اصاغر پر شفقت

شَفَقَتُ : یہ عربی لفظ ہے مصدر ہے۔ مگر حاصل مصدر کے معنی میں زیادہ مستعمل ہے۔ فارسی میں شَفقت فا کے جزم کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں۔ اس وقت یہی رائج ہے۔ یہ لفظ مہربانی، رحمت، خوف کیساتھ مہربانی، ترس آنا، خیر خواہی واصلاح کا خواہشمند وحریص ہونا، اردو میں لطف، مہربانی، ہمدردی، رحم، ترس، نرمی، ملائمت، پیار، محبت کے معنی میں آتا ہے۔ اصل لغت میں خوف وترس کے معنی میں آتا ہے۔ چونکہ دوست اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس کا دوست کسی مصیبت میں نہ پڑ جائے۔ اور یہی مہربانی ہے۔ اس علاقے سے شفقت مذکورہ معنوں میں مستعمل ہے۔

علمی انحطاط کے اس دور میں جب کہ الفاظ کو اس کے غیر معنی موضوع لہٗ میں استعمال کرنے کی وبا پھوٹ پڑی ہے۔ علامہ، قطب الاقطاب، شیخ المشائخ، شیخ الاسلام، حسان الہند، خطیب الہند وغیرہ جیسے بھاری بھرکم الفاظ نہ جانے کتنے جاہلوں کیلئے استعمال ہو رہے ہیں۔ لفظِ شفقت بھی اس وبا سے بچ نہیں سکا۔ اب عام طور پر شفقت وشفیق کا لفظ سیدھے سادے خاموش رہنے والے ان پیران طریقت یا اساتذہ کیلئے استعمال ہو رہا ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری کو پس پشت ڈال کر صرف پیار ومحبت کے دو چار جملے بولتے ہوں۔ حالانکہ شفقت نام ہے خوف دلانا اور خوف کیساتھ مہربانی کرنا۔ خیر خواہی اور اصلاح کے خواہشمند ہونے کا۔ گویا سچا شفیق وہ ہے جو امر بالمعروف بھی کرے اور نہی عن المنکر بھی۔ سچا شفیق وہ ہے جسکو دنیا سے زیادہ آخرت کی آفتوں اور بلاؤں سے بچانے کی فکر ہو۔

میرے اور کائنات کے مشفقِ اعظم، امت کے رحیم و کریم داتا، رؤف و رحیم آقا، مصلح اعظم، سید عالم ﷺ نے امت پر شفقت فرماتے ہوئے انھیں آخرت کی ہلاکتوں سے خبردار کرنا چاہا تو جبل بو قبیس پر کھڑے ہو گئے۔ قبائل قریش کو اکٹھا فرمایا اور آخرت کی ہلاکتوں اور آفتوں کو ان کے سامنے پیش فرمایا۔ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے زندگی کے ہر لمحے میں آخرت کے سنوارنے اور بنانے ہی کی ترغیب دیا خود ارشادِ ربانی ہے۔

وان الدار الآخرة لهى الحيوان

ترجمہ : اور بیشک آخرت کا گھر ضرور وہی سچی زندگی ہے۔

پتہ چلا ہے کہ آخرت ہی اصل زندگی ہے اسکا آرام ہی اصل آرام ہے۔ اور یہ بغیر اصلاح نفس کے حاصل

نہیں ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں نے صرف میٹھی باتوں کا نام شفقت جانا ہے وہ سنیں! رحمۃ للعلمین، سید العلمین ارشاد فرماتے ہیں۔

من رأی منکم منکراً فلیغیرہٗ بیدہٖ. وان لم یستطع. فبلسانہٖ وان لم یستطع فبقلبہٖ

ترجمہ: تم میں سے جو خلاف شرع کام دیکھے تو اس کو مار کر روکے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے، اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں برا جانے۔

وہی آقا رحمت والے داتا ارشاد فرماتے ہیں۔

مروا اولاد کم بالصلوٰۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھاوھم ابناء عشر سنین

ترجمہ: اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوں اور نماز کے ترک پر ان کو مارو جب وہ دس سال کے ہوں۔

مثلی کمثل رجلٍ استوقدناراً فلما اضاء ت ماحولھاجعل الفراش وھٰذہ الدواب التی تقع فی النار یقعن فیھا و جعل یحجزھن ویغلبنہٗ فیتقحمّن .فیھا فانا اخذ یحجز کم عن الدنیا وانتم تقحمو ن فیھا.

ترجمہ: میری مثال اس شخص کیطرح ہے جس نے آگ جلایا جب اس کے ارد گرد روشنی پھیلی تو پتنگے، کیڑے مکوڑے جو آگ کے پروانہ بنتے ہیں اسمیں گرنے لگے۔ اور وہ شخص انہیں بچانے لگا مگر وہ غالب آئے اور اسمیں گر گئے تو میں تمہیں جہنم سے بچارہا ہوں اور تم اسمیں گرے جا رہے ہو۔

من احب للّٰہ وابغض للّٰہ اعطیٰ للّٰہ ومنع للّٰہ فقد استکمل الایمان.

ترجمہ: جسنے اللہ کیلئے محبت کیا، اللہ کیلئے دشمنی کی، اللہ کیلئے دیا اللہ کیلئے نہیں دیا تو اسکا ایمان مکمل ہو گیا۔

ان احادیث کریمہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اصلاح نفس کیلئے مارنا اور ڈانٹنا بھی شفقت کا ایک جزو ہے۔

میرے حضرت، مرشدِ کامل، فقیہ اعظم، زمانہ کے محدث اعظم، عصر حاضر کے سراج امت، شارحِ بخاری، حضرت علامہ الحاج الشاہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی دامت برکاتہم القدسیہ چونکہ مسندِ ارشاد پر جلوہ فگن ہیں۔ سرکار اقدس ﷺ کے نیابت کا تاج زریں سر پر روشن و منور ہے۔ امت مسلمہ کی نگہبانی و نگرانی ان کی اہم ذمہ داری ہے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ان کا لازمی سرمایہ ہے۔ اس لئے سچے، مشفق، حقیقی شفیق، کی جلوہ گری عام و تام فرما کر حسب ضرورت جلال و جمال کا اظہار فرماتے رہتے ہیں۔ اگر صفت جلال کو الگ کر کے صرف جمال ہی تک زندگی محدود کر دی جائے تو دین کی بنیادیں کمزور پڑ جائیں۔ معاشرے کی رگوں میں سستی، گمراہی، جہالت اور

بگاڑ پھیل جائے۔ اللہ کے بندے ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں۔ اس لئے شریعتِ مطہرہ نے جلال و غضب کو بھی اصلاح کا اہم جزو قرار دیا ہے۔ روئے زمین پر ایسے مخلص، سچے، پکے انسان ڈھونڈنے سے کم ملتے ہیں۔ جو اللہ کے حقوق کی ادائیگی اور خالق کائنات کے احکام کی بجا آوری میں ملامت کے تیروں، طعن و تشنیع کے خنجروں، اپنے اور پرائے لوگوں کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر دین میں پیدا ہونے والے رخنے کو، قوانین اسلام کو عام و تام فرما کر مسدود کرنے کی کوشش کر رہے ہیں بلاشبہ وہ اجر عظیم کے مستحق ہیں۔ یہی ہستیاں نہ ہوتیں تو قوم سے امن وامان اٹھ جاتا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہو ایسا نہ ہو تم پر اللہ تعالیٰ کوئی جابر بادشاہ مقرر فرمادے جو نہ تمھارے بڑوں کی تعظیم کرے اور نہ تمھارے چھوٹوں پر رحم کرے۔ تمھارے نیک لوگ اس کے خلاف بددعائیں کریں تو ان کی دعائیں قبول نہ ہوں، مدد کیلئے پکاروں تو تمھیں مدد نہ ملے، تم مغفرت چاہو تو تمھیں مغفرت حاصل نہ ہو۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہٗ اپنے والد سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے رب کریم تیرا محبوب ترین بندہ کون ہے؟ فرمایا ! وہ شخص جو میرے حکم کیطرف اسطرح سبقت کرے جسطرح گدھ اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ اور جو میرے نیک بندوں سے اس طرح لپٹے جس طرح شیر خوار بچہ اپنی ماں کے پستانوں سے لپٹتا ہے۔ اور جو میرے حرام کردہ امور کا ارتکاب کرنے والوں پر اس طرح غضبناک ہو جسطرح چیتا اپنے دشمن کو دیکھ کر غضبناک ہو جاتا ہے۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس شخص کو غصہ دلانے کے بعد غصہ نہ آئے وہ گدھا ہے غصہ اگر درجۂ تفریط پر ہو تو مذموم ہے۔ اس نعمت کو بھرپور طریقے پر جس نے پالیا وہی حسنِ اخلاق کا مجسمہ ہے۔ میرے آقا ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

اللّٰھم انی اسئلک الصحة والعافیة وحسن الخلق

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے صحت، عافیت اور حسن اخلاق مانگتا ہوں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

کرم المرء دینہٗ و حسبہٗ حسن خلقہٗ و مروءتہٗ عقلہٗ

ترجمہ: آدمی کی شرافت اس کا دین ہے اسکا حسب اس کا حسن اخلاق ہے اسکی مروت اس کی عقل ہے۔

حضرت اسامہ بن شریک کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت کچھ اعرابی آپ سے یہ دریافت کر رہے تھے کہ بندے کو سب سے بہتر چیز کیا عطا ہوئی ہے۔ آپ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا خلق حسن (اچھے اخلاق)

مندرجہ بالا مضمون کی روشنی میں حضرت والا درجت کی ذات ستودہ صفات کو دیکھیں تو ان کی زندگی کے سارے لمحات حسنِ اخلاق، مروت، احساس ذمہ داری، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرائض کی ادائیگی سے تابندہ

نظر آتے ہیں۔ حسن اخلاق کا عالم یہ ہے کہ بلرامپور کی زندگی میں میں ایک اجنبی کی حیثیت سے داخلہ کے لئے حاضر ہوا۔ تو پہلے ہوٹل سے منگا کر اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ مجھ جیسے نہ جانے کتنے اجنبی مہمان و مسافران کے خوانِ کرم سے شکم سیر ہوئے۔ میری حیثیت ہی کیا میں ان کے شاگردوں کی شاگردی کا بھی اہل نہیں۔ مگر شفقت و محبت کا حال یہ ہے کہ اپنے ایک والانامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

عزیز سعید زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ' ! عوافیٔ مزاج

مجھے امید تھی کہ آپ آئیں گے مگر بسا آرزو کہ خاک شدہ ۔ کس نیاید بخانۂ درویش

آپ دونوں امیدواروں کو ۱۱ر شوال بروز دوشنبہ تک صبح کے وقت ضرور بھیج دیں تاکہ جلد ٹسٹ ہو جائے رہ گیا کمرے میں رکھنے کا معاملہ تو آپ جیسا کہیں گے ویسا ہی ہوگا۔ مگر یہ رعایت صرف جیلانی سلمہ، کو ہوگی۔ جملہ احباب سے سلام و دعا کہدیں۔ محمد شریف الحق امجدی

۱۶ر رمضان ۱۶ھ

میں نے کچھ پریشانیوں کا ذکر کیا تو تحریر فرماتے ہیں۔

العزیز الاعز زید مجدکم

آپ کا فیض آباد والا خط بھی ملا آپ بد دل نہ ہوں اور نہ شکستہ خاطر۔ عرفا نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کو چالیس دن تک قلت، علت، ذلت، نصیب نہ ہو تو اسے ڈرنا چاہئے کہ کہیں چھوڑ تو نہیں دیا گیا۔ ماو شما کیا ہیں۔ ام المومنین محبوبہ محبوب رب العٰلمین صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اور مریم بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس زد میں آچکی ہیں۔ البتہ اپنا معاملہ اللہ عزوجل سے صاف رکھنا ضروری ہے۔ امام صاحب قبلہ سے بریلی شریف کی میری تاریخ پوچھئے۔ مگر آج ان فتنہ پروروں کا کہیں پتہ نہیں۔ اور آپ لوگوں کا یہ خادم بحمدہٖ تبارک وتعالیٰ محسود خلائق ہے۔ آپ روزانہ بعد سنتِ فجر قبلِ فرض سو بار ۴ تسبیح پڑھا کریں۔ **سبحان اللّٰہ و بحمدہٖ سبحان اللّٰہ العظیم استغفر اللّٰہ**

اور بعد نمازِ عشا ایک سو گیارہ بار۔ **یا قاھر ذاالبطش الشدید انت الذی لایطاق انتقامہ یا قاھر** یہ میں آپ کو سیفِ براں دے رہا ہوں۔ آپ کو اختیار ہے کہ چاہے چلائیں چاہے نیام میں رکھیں۔

اس اخیر دعا کے پہلے گیارہ۔ گیارہ بار درود شریف پڑھیں۔ **اللھم صلی علی سید نا محمد**

سید القاهر ین علیٰ اعداء رب العٰلمین و علیٰ الہٖ وصحبہٖ اشداء علیٰ الکفار ورحماء بینھم .

بقیہ حالات لائق شکر ہیں۔ محمد شریف الحق امجدی

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۸ھ

سلسلۂ عالیہ، قادریہ رضویہ برکاتیہ کے فیوض و برکات کے طلب پر تحریر فرماتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الحیم

تبارك الذی بیدہ ملکوت کل شئی . تعاظم الذی حمدہ احب الیہ من کل شئی والصلوٰۃ والسلام علیہ وعلیٰ کل من تمسك

علیٰ برکۃ اللہ تعالیٰ ثم علیٰ برکۃ رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ میں آپ کو تمام معمولات سلسلۂ امجدیہ رضویہ، رضویہ، برکاتیہ، قادریہ کی اجازت دیتا ہوں۔ جن میں کے اکثر مجموعہ اعمال رضا اور شمع شبستانِ رضا میں مطبوع ہیں۔ اللہ عزوجل آپ کو معمولات کے ورد اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اور آپ کے ذریعہ اپنی مخلوق کو نفع پہنچائے۔ آمین

نیز اس سلسلہ عالیہ رضویہ برکاتیہ کی اجازت و خلافت بھی دیتا ہوں کہ اگر کوئی بندۂ خدا آپ سے بیعت کا خواہشمند ہو تو اسے داخل سلسلہ کرلیں۔ مگر یاد رکھیں اسے دنیا طلبی کا ذریعہ نہ بنائیں بلکہ خلق خدا کو راہ پر لگانے کا ذریعہ جانیں۔ مخلوق سے کوئی طمع کوئی امید نہ رکھیں۔ ہمارے سلسلے کی بنیاد ان تین چیزوں پر ہے۔ طمع مت کر۔ منع مت کر۔ جمع مت کر۔ ارادت مند بخوشی کچھ دیں اگرچہ شی حقیر ہو قبول کریں۔ مگر زراندوزی نہ کریں۔ اسے صرف کردیں پھر دروازہ بند نہ ہوگا۔ محمد شریف الحق امجدی

۹ رمضان ۱۴ھ مطابق ۲۱۔۲۔۱۹۹۴ء

پہلے سفر حج پر تشریف لے جاتے ہوئے بنارس ریلوے اسٹیشن پر النور والبہا شریف کی اجازت مرحمت فرما کر سند تحریر فرماتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی تسلسلت إنعامہٗ وتواترت أفضالہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا وسندنا محمد الذی تکاثرت ایاتہٗ وتظافرت براھینہ و علیٰ الہٖ و صحبہ الذین تخلقوا باخلاقہٖ وتحلوا بحلیتہٖ علیٰ تابعیھم من ائمۃ المجتھدین واولیائہ المھدیین

وعلیٰ من تبعهم بالاخلاص الی یوم الدین

اما بعد!فقد سألنی اخی فی الدین مولانا المولوی محمد کوثر نعیمی سلمه اجازة اسانید القرآن والا حادیثِ وسلاسل الاولیاء التی مذکورة فی النور والبهاء وبسلسلة العالیة القادریة البرکاتیة الرضویة ظنا منهٗ انی اهل لذلك وانی لست هنالك ولکن کبرنی موت الکبراء فاجزتهٗ علیٰ برکة اللّٰه تعالیٰ ثم علیٰ برکة رسوله العلی الاعلیٰ صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم لسلسلة الرضویة و بماهومذکور فی النور والبهاء. فی اسانید الحدیث وسَلاسل الاولیاء کمااجازنی شیخی و سندی ومستندی حبرالامة فقیه النفس المفتی الاعظم مولینا الشاه اٰل الرحمٰن ابوالبرکات محی الدین الجیلانی المعروف بمصطفیٰ رضا القادری النوری رضی اللّٰه عنه بالرضا السرمدی. وادعو لهذ الاخ الصالح السعید الرشید ان یفاض علیه من برکات هذه السلاسل و یهدیٖ به الی سبیله عباده الراغبین الراشدین المسترشدین. وارجو منه ان لاینسانی بدعواته الصالحة دمتم بخیر و صلاح ۔

محمد شریف الحق الامجدیؔ

۱۰/شعبان ۱۴۱۳ھ مطابق ۳.۲.۱۹۹۳م

اس طرح کے غایتِ کرم اور ذرہ نوازی کے بہت سے والانامے محفوظ ہیں۔ یہ محبت ہی ہے۔ مگر زمانۂ طالب علمی میں جب میں نے وضو کیلئے پانی لانا چاہااور بچے ہوئے پانی کو پھینک دیا تو شدت غضب کے ساتھ مواخذہ فرمایا۔اور قیامت کے دن پانی کے سوال پر تنبیہ فرمائی۔

ایسے ہی جامعہ انوارلقرآن بلرامپور سے جب دِل اچاٹ ہوا تو میں نے ندائے حق جلالپور، میں تشریف لانے کی گذارش کی تو غایتِ کرم سے نوازتے ہوئے منظور فرمالیا۔ برادرم مولانا حافظ عبدالحق صاحب اور مولانا انصار الرضا صاحب کو پہلے بھیج دیاجب ان لوگوں نے بھی اطمینان کا اظہار کر دیا تو ۳/جون ۱۹۷۵ء کو حضرت جلالپور رونق افروز ہوئے ۔ لیکن یہی کرم اسوقت غضب سے بدل گیاجب کچھ دعوتوں میں حضرت کے ساتھ دیوبندی مولویوں کو بھی مدعو کیا گیا۔اپنے تصلب فی الدین اور استقامت علی الحق کی بنا پر حضرت داعی کے گھر نہیں گئے۔داعی نے اپنی جہالت سے برااثر لیا۔ایک حافظ صاحب عقیدۃً سنی تھے۔ مگر وہ دیوبندی امام کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے،یہ حافظ صاحب مدرسہ کے خاص رکن بھی تھے۔ان کی بہن کاانتقال ہوا۔اس کا ظن غالب تھاکہ نماز جنازہ خود حافظ صاحب پڑھائینگے۔اسکے جنازہ میں شریک نہ ہوئے۔ایک بار مدرسہ کے صدر بہت سے دیوبندیوں کولے کر

ملاقات کرانے آئے۔ حضرت نے یہ سمجھا کہ یہ سب سنّی ہیں۔ ان کی شاندار مہمانی کی۔ بعد میں جب معلوم ہوا کہ یہ سب وہابی تھے۔ تو سخت جلال آیا۔ اسی وقت فرمایا کہ یہ میرے رہنے کے لائق جگہ نہیں۔ مجھے بلا کر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ پھر جب الجامعۃ الاشرفیہ سے حضرت مولانا عبداللہ خانصاحب عزیزی صدر شعبۂ افتا کی مسند کیلئے دعوت نامہ لے کر تشریف لائے تو حضرت نے مجھے بلا کر فرمایا کہ "حضور حافظ ملت کی روحانیت نے تصرف فرمایا اور یہاں کے مذبذب اور وہابیہ کے مخلوط ماحول سے بچنے کا موقع فراہم فرما دیا تم میرے جانے میں کسی طرح کی رکاوٹ نہیں بنو گے۔" میں نے وعدہ کر لیا۔ آخر ش حضرت اشرفیہ تشریف لے گئے۔ یہ ہے حقیقی شفقت کہ منکرات شرعیہ دیکھنے کے بعد من رأی منکم منکرا فلیغیرہ کی تفسیر نظر آئے۔

حضرت کے شفقت کی زندہ و جاوید مثال برادرِ گرامی مولانا الحاج عبدالحق خاں صاحب رضوی کا مجسمہ موجود ہے۔ میرے حضرت نے جسے اپنا جانا اسکی زندگی کے ہر گوشے کو ستھرا اور ترقی یافتہ دیکھنا ہی نہیں بلکہ اس کے لئے ہر ممکن تدبیر فرمانا اپنی ذمہ داری تصور فرمایا۔ رب کریم ان کے فیوض و برکات مزید عام و تام فرمائے۔ ان کی خدمتِ دین کے صدقے دونوں جہان میں ارفع و اعلیٰ مقام عطا فرما کر ہم لوگوں کیلئے باعثِ شرف و نجات بنائے۔ امین ثم امین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ والہ افضل الصلوٰۃ واز کی التسلیم۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

از : مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی
استاذ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی ضلع بستی۔ یوپی

کچھ یادیں کچھ باتیں

دورِ حاضر کی جن بزرگ اور عبقری علمی و دینی شخصیات سے ان کے کمال علم و فن، اتباعِ سنّت و شریعت، طہارت و تقویٰ، تصلب فی الدین اور دیگر ذاتی کمالات و خصائص کی وجہ سے میں متاثر رہا ہوں، ان میں سر فہرست میرے خالِ معظم، میرے محسن و کرم فرما اور میرے استاذ مکرم شارح بخاری نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ الحاج مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کی ذات بابرکات ہے۔

اور ان سے متاثر ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ ان سے مجھ کو نسبی تعلق اور شاگردی کا شرف حاصل ہے، اور نہ صرف یہ بات کہ وہ میرے شفیق و کرم فرما رہے ہیں اور میں ان کے مراحم خسروانہ اور عظیم احسانات کے بوجھ تلے دب کر زبان و قلم سے حق نمک ادا کر رہا ہوں......... بلکہ میرے تاثر کی وجہ ان کی وہ ذاتی خوبیاں ہیں، جو کم لوگوں میں ایک ساتھ جمع ہو کر شخصیت کو عبقری بنا دیتی ہیں، اور کوئی بھی حقیقت پسند آدمی ان کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بر وقت ان تمام خوبیوں اور خصوصیتوں کو بیان کرنا میرا موضوع نہیں ہے۔

ہاں میں ان چند مشاہدات اور واقعات کو ذکر کرنا چاہتا ہوں جو الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں میری تعلیمی زندگی کے دوران پیش آئے اور کسی روایت کے مرہون منّت نہیں ہیں اس دوران چار سال (۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۳ء) تک مجھے حضرت مفتی صاحب قبلہ کی خدمت میں رہ کر بہت قریب سے ان کے روز و شب دیکھنے کا موقع ملا، میں نے انھیں دیکھا ہی نہیں بلکہ انھیں بغور پڑھا بھی ہے، اور ان کی شخصیت کے خد و خال کا گہرا مطالعہ بھی کیا ہے۔

ان مشاہدات و واقعات سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ ان تعلقات کا ذکر بھی کر دوں جو مجھے ان سے رہا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ان عنایات اور کرم فرمائیوں کا ذکر بھی ضروری ہے جو حضرت والا مجھ پر فرماتے رہے ہیں۔ اور میں انھیں کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا۔

مفتی صاحب نے ہی میرا نام رکھا: عموماً لوگ اپنے نو مولود بچوں اور بچیوں کا نام تجویز کرنے کے لئے بزرگوں کا انتخاب کرتے ہیں اور اسے باعث خیر و برکت سمجھتے ہیں، اور یہ صحیح بھی ہے۔ الحمد للہ میں نے اپنا نام رکھنے کے سلسلے میں حال ہی میں اپنے والد الحاج ممتاز احمد صاحب قادری سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا : ”والد صاحب (مولوی قمر الدین اعظمی اشرفی مرحوم) اس زمانے میں حضرت مفتی صاحب کے یہاں نشست و برخاست زیادہ رکھتے

تھے، انھیں کی خواہش پر حضرت مفتی صاحب قبلہ نے تمھارا نام تجویز کیا ہے۔"

نسبی تعلق : میرے لئے یہ بات بھی باعث سعادت ہے کہ مجھے حضرت مفتی صاحب سے قدرے دور کا سہی نانیہالی نسبی تعلق حاصل ہے، اور وہ یہ کہ میری والدہ مرحومہ حضرت مفتی صاحب کی چچازاد بہن ہوتی ہیں، اس طرح ان کے اور میرے درمیان ماموں بھانجے کا رشتہ بنتا ہے۔

میں ابھی چار سال کا تھا کہ میری والدہ مرحومہ انتقال کر گئی تھیں، بچپن میں ماں کی مامتا سے محرومی کے باعث مجھ پر بہت زبردست اثر پڑا، اور میں اپنے ماحول اور رشتے کے تمام لوگوں کی نظر میں بڑا قابل رحم بچہ تھا، دادیہال اور نانیہال کے تمام افراد اس حادثے کے بعد مجھے پہلے سے بہت زیادہ چاہنے لگے، میری بڑی دلداری وخاطر داری کی جاتی تھی۔ ہر شخص میرا بڑا خیال رکھتا تھا۔ خاص طریقے سے اس سلسلے میں اپنی دادی، نانی اور پھوپھیوں کی خدمت و محبت اور ناز برادری کو کبھی بھی نہیں بھول سکتا، اللہ تعالیٰ میرے مرحوم بزرگوں کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور جو باحیات ہیں انھیں صحت و عافیت کے ساتھ تادیر زندہ رکھے۔ میرے ماموں حضرات بھی اس معاملہ میں کسی سے کم نہیں رہے۔

خالِ معظم حضرت مفتی صاحب قبلہ بھی میرا حد درجہ خیال فرماتے رہے ہیں۔ اور ان کی شفقت و محبت کے جو نقوش میرے جریدۂ دل پر ثبت ہیں، وہ کبھی مٹ نہیں سکتے، میں ان کے مراحم خسروانہ کے شکریئے سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا، ان سے میرا گہرا تعلق خاطر ہمیشہ رہا ہے، اور ہمیشہ رہے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں فطرۃً کم آمیز اور ملاقات چور واقع ہوا ہوں جس کی وجہ سے بڑے بزرگوں کی مجلس اور قرب سے محروم رہتا ہوں اور میرا کہیں بھی آنا جانا بہت کم رہتا ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے خلقی ضعف کے باعث ملنے مِلانے سے طبیعت بہت گھبراتی اور گریزاں رہتی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ مجھے اپنے بڑوں سے زیادہ سے زیادہ استفادے اور استفاضے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ کے مراحم اور شفقت و کرم کو سوچتا ہوں تو بہت سی باتیں یاد آتی ہیں اور بہت سے واقعات تازہ ہو کر شفقت و کرم کی زنجیر کی کڑی بنتے جاتے ہیں، ہر شخص کے شفقت و کرم کے انداز بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔ اور شفقت و کرم بھی طرح طرح کے ہوتے ہیں، ایک عالم و بزرگ کی شفقتوں کا انداز اس کے اپنے حساب سے ہوتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ نے جہاں عام ماموؤں کی طرح ایک بھانجے کے ساتھ نوازشیں فرمائیں مثلاً شادی اور خوشی کے موقعوں پر خصوصی طور سے یاد رکھا اور میری خوشیوں میں شریک رہے اور کامیابیوں پر اظہار مسرت اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ وہیں میری کامیابیوں، ترقیوں اور روشن مستقبل کے لئے راہیں ہموار فرمائیں۔

نیک خواہشات ہدایات وارشادات، حسب موقع درشتی و نرمی کے ساتھ اصلاح و تربیت تعلیمی ترقی سے

دلچسپی اور سہولتوں کا خیال اور علمی کوششیں یہ سب کچھ شفقت و کرم ہی کے دائرے میں آتا ہے۔

فیضانِ محبت و تربیت : پرائمری سے عربی متوسطات تک میں اپنے وطن کے تعلیمی ادارے شمس العلوم گھوسی میں زیرِ تعلیم رہا، اس دوران حضرت مفتی صاحب نے دو ایک مرتبہ میرا سالانہ امتحان بھی لیا ہے۔ غالباً کتاب شرح وقایہ تھی۔ میں دورانِ امتحان ایک سوال کا صحیح جواب نہیں دے سکا تھا۔ عبارت خوانی کے دوران سوا کو سَوا پڑھ دیا، اور مطمئن نہیں کرسکا، تو مجھے قدرے ناراضگی کا سامنا کرنا پڑا، اور اس وقت اپنی کمی کا بہت احساس ہوا، صحیح معنوں میں میرے اندر کمی تھی بھی اور اس کی معقول وجہ بھی تھی کہ گاؤں کا مدرسہ تھا۔ مطالعے، درس گاہ کی حاضری، اور اعادۂ اسباق کی پابندی نہیں ہو پاتی تھی، پھر خلقی طور سے کمزور بھی تھا۔ بہت زیادہ محنت بھی نہیں کر پاتا تھا۔ مفتی صاحب کی ناراضگی اور میرے بھلے کیلئے ان کی فکرمندی میرے لئے مہمیز ثابت ہوئی اور اب میں وطن سے دور کسی دارالعلوم میں جانے کی سوچنے لگا، اور پھر دھیرے دھیرے پختہ عزم کرلیا کہ مبارکپور جاکر پڑھوں گا، اس ارادے کی خبر حضرت مفتی صاحب کو ہوئی تو مسرت کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ ۸؍شوال ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء کو حضرت مفتی صاحب کے ہمراہ اپنے وطن گھوسی سے الجامعۃ الاشرفیہ میں داخلے کے لئے مبارک پور پہونچا، اور جماعت خامسہ میں داخلہ لے لیا۔...... سنٹرل درسگاہ بلڈنگ کے جس کمرے میں حضرت مفتی صاحب کی قیام گاہ ہے حضرت نے مجھ کو اور میرے ہم سبق اور اپنے بھتیجے مولانا امتیاز احمد صاحب اعظمی کو اپنے ساتھ رہنے کا موقع عنایت فرمایا تاکہ ہمارے مطالعہ و تکرار کی نگرانی فرماسکیں اور ہمیں ہر وقت استفادے کی سہولت بھی حاصل رہے۔

قلیل معاوضے پر کھانا جاری کرایا : اشرفیہ آنے سے پہلے مطبخ کے عام کھانے سے سابقہ نہیں پڑا تھا، اب جو واسطہ ہوا تو پریشان ہوگیا۔ صحت کا حال پہلے ہی سے خراب تھا۔ کچھ دن صبر کیا۔ مگر جب پریشانی زیادہ ہوگئی اور حضرت نے محسوس فرمایا تو خود دارالاہتمام تشریف لے گئے اور اس وقت کے ناظمِ اعلیٰ استاذ گرامی حضرت علامہ محمد شفیع صاحب اعظمی علیہ الرحمہ سے فرمایا "یہ بچہ پڑھنے میں اچھا ہے، پہلے ہی ششماہی امتحان میں دوسرے نمبر پر آگیا ہے، اس کی صحت ٹھیک نہیں رہتی ہے، عام طلبہ کا مفت کھانا راس نہیں آتا، اس کے معاوضہ خوراک میں کنسیشن ہوجائے تو بڑا اچھا ہوگا، اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ حضرت ناظمِ اعلیٰ صاحب نے حضرت کے کہنے پر میرے لئے خصوصی طور سے ساٹھ روپے ماہوار کے بجائے صرف بیس روپے ماہوار پر میرا اسپیشل کھانا جاری کرنے کا حکم دے دیا اور تا فراغت دونوں وقت ان دونوں بزرگوں کی مہربانی سے اسی قلیل ترین معاوضے پر مجھے اسپیشل کھانا ملتا رہا۔ اور کھانے کے سلسلے میں میری الجھن اور پریشانی دور ہوگئی۔

شرفِ شاگردی : عام طلبہ کی طرح معقولات کی کتابوں سے دلچسپی و مناسبت مجھے بھی کم تھی، مگر ان کی

افادیت مسلم ہے ان سے ذہنی جولانی، انجلا اور استدلالی سلیقہ پیدا ہوتا ہے، میری اس کمی کو حضرت مفتی صاحب قبلہ کس طرح جان گئے مجھ پر آپ نے وہ کرم فرمایا جو شاید اب تک اشرفیہ میں رہ کر بے طلب بلکہ کوشش بسیار کے بعد بھی کسی پر نہیں فرمایا۔ ایک دن بڑی محبت سے تعلیمی جائزہ لیتے ہوئے پوچھا "ملا حسن سمجھ جاتے ہو؟" اس پر میں خاموش رہا اور کچھ نہیں بولا، فرمایا "کل سے بعد نماز عصر مجھ سے ملا حسن پڑھ لیا کرنا"، اس غیر معمولی اور غیر متوقع کرم بے پایاں پر میری خوشی کی انتہا نہ رہی، اور میں مولانا امتیاز صاحب دونوں حضرت سے ملا حسن پڑھنے لگے، یہ خبر شدہ شدہ کچھ اور شوقین طلبہ تک پہونچی تو وہ بھی آنے لگے اور دھیرے دھیرے طلبہ کی تعداد تقریباً ایک درجن تک پہونچ گئی۔

میرے والد صاحب بھی شاگرد ہیں : یہ حسنِ اتفاق ہی ہے کہ میرے والد گرامی الحاج ممتاز احمد صاحب قادری کو بھی حضرت مفتی صاحب سے شاگردی کا شرف حاصل ہے، حال ہی میں میرے ایک سوال کے جواب میں والد صاحب نے فرمایا! کہ جب شمس العلوم گھوسی کی نجی عمارت نہیں بنی تھی اور عاریۃً لوگوں کے مکانوں میں مدرسہ چل رہا تھا اس وقت جب کہ حاجی محمد عمر صاحب مرحوم کے مکان میں تعلیم ہو رہی ہے، مدرسے میں صرف دو مدرس تھے، فارسی کتابوں کیلئے مولوی رمضان صاحب گھوسوی مرحوم اور عربی کتابوں کیلئے حضرت مفتی صاحب میں نے عربی کی کتابیں ابتدا ہی سے متوسطات تک یعنی شرح جامی وغیرہ تمام کتابیں حضرت مفتی صاحب سے پڑھی ہیں۔"

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب نے دورانِ گفتگو فرمایا، کہ "تمھارے والد صاحب کا شرح جامی کا امتحان حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز صاحب مرادآبادی علیہ الرحمہ والرضوان نے لیا تھا۔"

نقل فتاویٰ : حضرت مفتی صاحب کے لکھے ہوئے فتاویٰ کو دارالافتا کے رجسٹر میں میرے زمانے تک کوئی باتنخواہ محرر نقل نہیں کرتا تھا۔ بعض طلبا ہی یہ کام کر دیا کرتے تھے، قریب رہنے کی وجہ سے کبھی کبھی کچھ فتاویٰ میں بھی نقل کر دیا کرتا تھا، ایک مرتبہ لفظِ رضا کی تحقیق کے سلسلے میں آپ نے ایک مبسوط فتویٰ تحریر فرمایا، جو نقل کے لئے میرے حصے میں آیا، وہ فتویٰ کیا تھا لفظِ رضا پر ایک تحقیقی مقالہ تھا، سائل نے پوچھا تھا۔ "رضا" را کے زیر کے ساتھ ہے یا زبر کے ساتھ حضرت مفتی صاحب نے کئی اہم اور مستند کتب لغت کے حوالوں سے لغوی تحقیقات کا انبار لگا دیا کہ لفظِ رضا زیر کے ساتھ ہی ہے۔ نیز بہت سے متاخرین اکابر علما کرام کا حوالہ بھی دیا کہ یہ حضرات رِضا بالکسر ہی التزاماً بولتے تھے۔

ہاتھ چوموایا : ایک مرتبہ کسی موقع پر جماعت اہل سنت کے بزرگ عالم دین اور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ مصنف بہار شریعت کے شاگرد، امینِ شریعت حضرت علامہ مفتی رفاقت حسین علیہ الرحمہ، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک

پور تشریف لائے اور قیام حضرت مفتی صاحب کے یہاں ہوا، میں غالبًا ابھی نیا نیا طالب علم تھا، بزرگوں کے مجلسی آداب اور آنے والے بزرگ مہمان کی عظمت واہمیت سے ذرا کم واقف تھا، اور سابقہ ماحول میں دست بوسی وقدم بوسی وغیرہ سے مانوس بھی نہیں تھا، بزرگ مہمان سے ملا تو سلام و مصافحہ سے آگے نہیں بڑھ سکا، حضرت مفتی صاحب بھی وہاں موجود تھے، میری کوتاہیٔ تعظیم واحترام پر فوراً ایکشن لیا اور فرمایا: ”دست بوسی کرو، تمھیں نہیں معلوم کہ حضرت کون ہیں۔“؟ میں فوراً آداب بجالایا۔ اور بزرگ مہمان کی دست بوسی کی اور بہت شرمندہ ہوا اور پھر تو ایسی غلطی ہوئی ہی نہیں، یہ بھی حضرت مفتی صاحب کی تربیت کا فیض ہی ہے۔

اسٹرائک سے دوری : کالجوں اور یونیورسٹیوں کی طرح مدارس عربیہ میں بھی اسٹرائک کی وباعام ہوگئی ہے، میرے زمانہ طالب علمی میں بھی ایک بار اشرفیہ میں عام طلبہ نے ایک مسئلے کو لے کر اسٹرائک کر دی تھی، جس میں چند کے علاوہ تقریباً سبھی طلبہ شریک تھے، جو چند طلبہ شریک نہیں تھے، انھیں طرح طرح کے طعن و تشنیع اور تمسخر اور پھبتیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا، حتی کہ چلنا پھرنا دشوار ہو جاتا تھا۔ حضرت مفتی صاحب کے زیر تربیت واثر رہنے کا زبردست فائدہ یہ ہوا کہ میں بھی اسٹرائک سے الگ اور اس لعنت سے محفوظ رہا اور میں نے بعض شر پسند وناعاقبت اندیش عناصر کے ناجائز دباؤ کو قبول نہیں کیا اور اپنے اساتذہ اور بزرگ سرپرستوں کے فیضِ تربیت سے اصول شکنی، حکم عدولی، نافرمانی اور ایذار سانی کا مرتکب نہیں ہوا۔

کبھی نماز قضا ہوتے نہیں دیکھی : کل چار سال میں اشرفیہ میں رہا، چار سال میں چھ ماہ پرانے ہاسپٹل میں رہا اور ساڑھے تین سال حضرت مفتی صاحب کے کمرے میں، ساتھ ہی ایک دستر خوان پر کھانا بھی ہوتا تھا، اس دوران مجھے تعلیم وتربیت کا فیضان حاصل کرنے کے ساتھ حضرت مفتی صاحب کی شخصیت کو بھی مطالعہ کرنے اور سمجھنے کا نادر ومبارک موقع نصیب ہوا، میں نے چند باتوں کے ساتھ جو ایک خاص بات دیکھی وہ یہ ہے کہ اس لمبی مدت میں، میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کی کوئی نماز قضا ہوئی ہو، جب کہ آپ بیمار بھی ہوتے تھے، ایک مرتبہ تو بڑا پھوڑا بھی نکل آیا اور پک کر بہنے لگا اور بہتا رہتا تھا، مگر پھر بھی دیکھا کہ جہاں وقت ہوتا لنگی تبدیل کر کے نماز ضرور ادا فرمالیتے ہیں۔

فروختگیِ کتب : حضرت مفتی صاحب کی زندگی کا بیشتر حصہ معاشی اعتبار سے ایسا نہیں گزرا جسے خوشحالی کا نام دیا جاسکے، ادھر دس پندرہ سالوں کی بات میں نہیں کرتا اب نسبۃً معاشی حالات پہلے سے بہتر نظر آتے ہیں، مبارک پور کے زمانۂ طالب علمی میں میں نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت مفتی صاحب نے نجی ملکیت کی بہت سی اہم کتابیں کچھ عربی مدارس کے کتب خانوں کو تکمیلِ ضرورت کے لئے فروخت فرمادی تھیں۔

مہمان نوازی : مہمان نوازی ایک اسلامی شیوہ اور ایمانی تقاضا ہے، ہمارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

مہمانوں کی قدر دانی کو بہت اہمیت دی ہے، کوئی سچا مسلمان اس سے صرفِ نظر نہیں کر سکتا۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ اپنے دولت خانہ گھوسی ہوں یا مدرسے حاجت مندوں اور دیگر قسم کے مہمانوں کا برابر سلسلہ رہتا ہے، گوناگوں علمی مصروفیات کے باوجود عام اور خاص مہمانوں سے خندہ پیشانی و بشاشت سے ملنے باتیں کرنے ان کی ضیافت کرنے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رکھتے۔ اس قسم کے مظاہر کا بارہا میں نے مشاہدہ کیا ہے۔

کمال استحضار علمی : حضرت مفتی صاحب قبلہ کی نمایاں خوبیوں میں علمی استحضار اور اعلیٰ قسم کی تفہیم بھی ہے۔ ذہانت و فطانت کے لئے ضروری نہیں کہ آدمی کی قوت حافظہ بھی قوی ہو اور جب چاہے کتابوں کی طرف رجوع کئے بغیر علمی مشکلات کو قابو میں کر کے قاعدے سے سمجھا بھی لے جائے اور اپنی بات مخاطب کے ذہن میں اتار کر اسے بالکل مطمئن کر دے، خال خال ہی ایسا ہوتا ہے کہ ذہانت اور قوت حافظہ دونوں کسی آدمی میں جمع ہوں، اس نہج سے میں نے حضرت مفتی صاحب کی شخصیت کا جائزہ لیا تو پایا کہ آپ ذہانت و فطانت کے ساتھ مضبوط قوتِ حافظہ نیز اعلیٰ قسم کی تفہیم کے بھی مالک ہیں۔

قوت حافظہ اور استحضار علمی کا مظاہرہ فتاویٰ لکھواتے ہوئے دیکھا کہ مختلف کتابوں کے فقہی جزئیات اور کئی سطر کی عبارات اپنی یادداشت سے لکھوا رہے ہیں اور کتاب کھول کر دیکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں فرماتے۔

دیکھا کہ مولانا حافظ عبدالحق صاحب رضوی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ جو حضرت کی قیام گاہ پر دورانِ طالب علمی مطالعہ کرتے تھے، جن کے مطالعہ میں فقہ و حدیث اور تفسیر کی کتابوں کے علاوہ معقولات کی اہم اور دقیق کتابیں بھی ہوتی تھیں۔ مثلاً حمد اللہ، رسالہ میر زاہد، شرح ہدایۃ الحکمۃ اور ملا حسن وغیرہ۔ دورانِ مطالعہ جب بھی کوئی علمی اشکال اور لاینحل مقام سامنے آتا تو فوراً بلا جھجک اپنی جگہ ہی سے بحث کا اور ذکر کر دیتے اور حضرت مفتی صاحب چند گز کے فاصلے پر بیٹھے یا لیٹے ہوئے کتاب دیکھے بغیر پوری بحث کی شافی اور تسلی بخش تقریر فرما دیا کرتے تھے اور ہم مطالعہ کرنے والے طلبہ بہت غور سے تقریر سنا کرتے تھے اور حافظ صاحب مطمئن ہو جاتے تھے۔ لگتا تھا کہ پہلے ہی سے پوری بحث کا بھرپور بغور مطالعہ اور تیاری کر کے سبق پڑھا رہے ہیں، ایسا ساڑھے تین سال کے دوران بارہا دیکھا اور سنا، اُس وقت حضرت کے کمال استحضار اور اعلیٰ تفہیم کا صحیح اندازہ کرنا کسی کے لئے بھی دشوار کام نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆

مولانا قاری محمد شفیق خاں صاحب نعیمی
صدر المدرسین دار العلوم فضل رحمانیہ، پچپڑوا، بلرام پور

شارح بخاری بحیثیت ایک مشفق استاذ

کسی بھی چیز کی حقیقت بیان کرنے کے دو طریقے زیادہ رائج ہیں۔ ایک تو یہ کہ آدمی کسی سے سن کر بیان کرے دوسرا یہ کہ آدمی خود دیکھ کر بیان کرے۔ ان دونوں طریقوں میں پہلے کے مقابلے میں دوسرا طریقہ زیادہ یقینی اور صحیح ہوتا ہے۔ اس لئے یہ مشہور مقولہ ہے " لیس الخبر کالمعاینۃ" اور اسی کو شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے یوں تعبیر کیا ہے: شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ سنا ہوا دیکھے کے مقابل کب ہو سکتا ہے۔ چونکہ یہ صورت ثانیہ میرے نزدیک زیادہ قوی ہے۔ اس لئے میں اسی صورت کو اختیار کر کے شارح بخاری فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی مد ظلہ العالی کے انھیں احوال کو قلمبند کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جو میں نے اپنی آنکھوں سے طالب علمی کے زمانہ میں دیکھے۔

۱۹۷۱ء، ۱۹۷۲ء کی بات ہے جب استاذ گرامی حضرت علامہ الحاج مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی مد ظلہ العالی جامعہ انوار القرآن بلرام پور میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے اس زمانے میں انوار القرآن کی شہرت کی بنیاد پر طلبہ کی کثرت سے جامعہ کی بلڈنگ درس و قیام کے لئے تنگ ہو گئی تھی۔ چونکہ حضرت مفتی صاحب قبلہ نے جس قدر مخلصانہ جذبے سے سرشار ہو کر تدریسی کام انجام دیا اس کی مثال آس پاس کے کئی ضلعوں میں مفقود تھی۔ اس زمانے میں راقم السطور جامعہ امداد العلوم مٹھنا میں زیر تعلیم تھا۔ جس کے صدر مدرس حضرت مولٰینا عبد الرحمٰن صاحب قبلہ نعیمی مقبول ترین باصلاحیت استاد کی حیثیت سے کافی شہرت کے مالک تھے۔ وہ جہاں پہنچتے تھے طلبہ کا ہجوم ساتھ رہتا تھا۔ اسی زمانے میں میں نے الہ آباد بورڈ سے عالم پاس کر کے دورۂ حدیث میں حضرت مفتی صاحب قبلہ کے پاس داخلہ لیا۔ ایک سال مکمل حضرت کی خدمت میں رہ کر جو کچھ حاصل کیا وہ حضرت کی نگاہ کرم کا خاص فیضان ہے۔ اگرچہ مجھے حضرت کا فیض درس صرف ایک سال نصیب ہوا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اسی سال کا سفرِ علم وسیلۂ ظفر ثابت ہوا۔ اور مجھے اعتراف ہے کہ اگر

وہ قیمتی سال نہ ملتا تو میں ہلاک ہو جاتا۔ جیسا کہ امام اعظم سراج امت سیدنا ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ سیدنا امام جعفر صادق کے شرف تلمذ کو یاد کرتے تو فرماتے: "لولا ثنتان لهلك نعمان" [دو سال میسر نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا]۔

حضرت انتہائی شفیق استاذ کی طرح نوازتے رہے میرے ساتھ دورۂ حدیث میں کل دس ساتھی تھے جس میں مولینا مفتی محمد شفیق احمد شریفی پرنسپل دار العلوم غریب نواز الہ آباد، مولینا طفیل احمد صاحب اشرفی، مولینا قاری محمد یونس صاحب، مولینا عین محمد صاحب وغیرہ قابل ذکر ہیں دوسرے اساتذہ کے مقابل حضرت کا طریق تدریس بڑا انوکھا ہے۔ پہلے عبارت پڑھاتے پھر حدیث کا مطلب سبب حدیث کے ساتھ واضح طور پر ایسا بیان فرماتے کہ دل و دماغ کے گوشے میں باتیں اتر جاتیں۔ جس خوبصورت انداز میں اپنی بات ذہن میں اتارتے تھے اس وقت اس کا تصور بھی نہیں تھا کہ حضرت ٹھیک چھبیس سال کے بعد اسی بخاری شریف کی شرح لکھ کر پوری دنیائے اسلام سے اپنی شخصیت کا لوہا منوالیں گے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

تربیت

حضرت طلبہ کی تربیت پر کافی وقت خرچ کرتے۔ ان کو اسلامی لباس اور سر پر ٹوپی پہن کر آنے کی تاکید فرماتے۔ مدرسے کے تمام طلبہ پر نماز باجماعت کی پابندی کو لازم قرار دیتے۔ اول فجر میں خود اٹھ کر طلبہ کو جگاتے تاکہ کسی کی نماز قضا نہ ہونے پائے اگر اس کے باوجود کسی طالب علم کی نماز قضا ہو جاتی اور قضا کرنے کا کوئی عذر معقول نہیں پاتے تو پہلے اس کو ذہنی سزا دیتے۔ علم النفس کے ماہرین کا کہنا ہے کہ ذہنی سزا جسمانی سزا سے زیادہ موثر ہوتی ہے۔ سزا کا انداز اس طرح ہو تا کہ اس بے نمازی لڑکے کو دوسرے منزلے کے گیٹ پر کھڑا کر کے چارپائی کا پایہ رسی میں باندھ کر گلے میں لٹکا دیتے اور جسم پر کوئی بوسیدہ کپڑا پہنا دیتے اور فرماتے کہ آنے والے سے کہو کہ میں نے نماز قضا کر دی ہے۔ اس طرح غیرت مند طالب علم نماز باجماعت کا پابند ہو جاتا۔ انھیں دنوں حضرت کے بڑے صاحبزادے برادرم ڈاکٹر محب الحق صاحب کا علی گڑھ بی. یو. ایم. ایس میں داخلہ ہو گیا۔ چونکہ وہ عالم تھے انھوں باقاعدہ علی گڑھ میں رہ کر بی. یو. ایم. ایس. کی ڈگری حاصل کی اور آج الحمد للہ ایک تجربہ کار نباض

ڈاکٹر ہیں۔ حضرت کی تربیت کا یہ اثر رہا کہ اب بھی اسلامی لباس میں کسی فارغ شدہ ادارے کے مولانا معلوم ہوتے ہیں۔ جب کہ ہم نے خود اس دور میں درجنوں ایسے عالم ڈاکٹر دیکھے ہیں۔ جنھوں نے یونیورسٹی میں اسلامی لباس اتار دیا اور داڑھی صاف کر کے انگریزی لباس میں ڈاکٹر کہلاتے ہیں۔ حضرت سے جو بھی قریب تھے وہ تعلیمی جوہر سے آج بھی مزین ہیں۔ جناب حافظ مولانا عبد الحق صاحب رضوی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور ان دنوں حافظ ہو کر حضرت کے پاس گلستاں، بوستان، میزان الصرف کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ حضرت ہی کی تعلیم و تربیت کا فیضان ہے کہ آج ایک زبردست باصلاحیت استاذ ہونے کے ساتھ ساتھ کہنہ مشق خطیب بھی ہیں جن کی بھرپور کوششوں سے نزہت القاری شرح بخاری منظر عام پر آئی حضرت ان دنوں مولانا موصوف کو اپنا روحانی فرزند جانتے ہیں اور خود مولانا موصوف حضرت کو اپنا مربی و سرپرست۔ صرف نسب کی بنیاد پر فرزندی کے آداب نہیں ہوتے بلکہ سبب میں بھی اس نسبت شریفہ کا لحاظ ضروری ہے۔ ہزاروں استاذوں اور شاگردوں میں ایسا رشتہ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

تلامذہ پر شفقت

میری طالب علمانہ زندگی سے لے کر آج تک کا گہرا مطالعہ ہے کہ حضرت اپنے شاگردوں کے ساتھ بے پایاں شفقت فرماتے ہیں ان کے بحر شفقت سے موتی چننے والوں میں ایک میں بھی ہوں۔ لیکن ان کی شفقت کا انداز صرف مہر ہی میں نہیں قہر میں بھی ہوتا تھا۔ جس کو ان کے مزاج شناس حیات ہی سمجھ سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک رگ زن کی طرح جو درشتی و نرمی دونوں سے علاج کرتا ہے بظاہر رگ کاٹنا قہر ہے لیکن اس قہر میں مہر پوشیدہ ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ رگ زن جب جراحی کرتا ہے تو مرہم بھی رکھتا ہے۔

چوں رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است　　درشتی و نرمی بہم در بہ است

اسی لئے تو قہر استاد مہر مادر و پدر سے بہتر ہے لیکن افسوس اس دور میں ظاہری محبت کے متلاشی قہر و مہر کے لذت شناس نہیں۔ حضرت والا کی شفقتوں کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آپ اپنے تلامذہ کو بے کار نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ بلکہ اپنی مردم شناسی سے فارغین کو ان کے جوہر علم کے مطابق جگہ عطا فرماتے۔ خود میری زندگی حضرت کی نگاہ انتخاب کا نتیجہ ہے۔ جس وقت میں حضرت کے پاس دورۂ حدیث کا طالب علم تھا اس زمانے میں مشہور ادارہ دار العلوم فضل رحمانیہ میں ایک عالم کی ضرورت تھی

جس کی بنیاد حضرت نے خود ڈال کر سالوں تعلیم دی ہے اسی ادارے کے ایک ماسٹر ارمان علی انصاری نے جو اردو فارسی کے استاذ تھے فضل رحمانیہ کے لئے میری نشاندہی کی تو مدرسے کے نائب منیجر جناب نامدار صاحب مرحوم بلرام پوری حضرت کے پاس خود حاضر ہوئے اور میرا نام لے کر پوچھا کہ آپ کے شاگرد مولانا محمد شفیق صاحب ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا ضرورت ہے تو منیجر مرحوم نے عرض کیا جس مدرسے کی آپ نے اور قاری رضاء المصطفیٰ صاحب وارد حال پاکستان نے بنیاد ڈالی ہے اس میں ایک عالم کی ضرورت ہے میری انتظامیہ نے مولانا موصوف کا انتخاب کیا ہے وہ استعداد اور صلاحیت کے اعتبار سے کیسے ہیں۔ کیا وہ میرے ادارے کے لئے مناسب رہیں گے۔ تو حضرت نے بہت تعریف کی اور فرمایا کہ وہ ذی استعداد مدرس اور خطیب بھی ہیں۔ حضرت کی اجازت سے ایک ماہ کے بعد دار العلوم فضل رحمانیہ میں پڑھانے کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت نے جن مشفقانہ دعاؤں کے ساتھ نواز کر مجھے بھیجا تھا آج چھبیس سال گذر گئے ان دنوں میں اسی ادارے کا صدر مدرس ہوں۔ اسی طرح مولانا شفیق احمد شریفی کو دار العلوم غریب نواز الہ آباد میں بھیجا اور آج وہ اس ادارے کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث ہیں۔ اور میرے ایک مخلص دوست مولانا محمد کوثر خاں نعیمی کو جامعہ اظہار العلوم جہانگیر گنج بھیجا جو ایک بہت کامیاب اور علاقے کے مقبول ترین عالم دین کی حیثیت سے اس ادارے کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث ہیں اس طرح بہت سے اپنے تلامذہ کو جہاں بھی بھیجا الحمد للہ وہ وہاں کامیاب ہیں۔

حق گوئی

آئین جواں مردی حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت کی زندگی شدت مزاج سے ضرور ہم آہنگ ہے لیکن منکرات سے ٹکرانے کا جذبہ ایک مرد مصلح کے اندر ایسے ہی ہونا چاہئے کہ وہ مومنانہ زندگی کے ہر شعبے میں حق کے ہتھوڑے سے باطل کے بھیجے کو توڑتا رہے۔ منکرات سے ٹکراتا ہوا اس کو قلع قمع کرتا ہو، مناکیر سے ذرہ بھر چشم پوشی اور صرف نظر نہ کرے۔ ارشاد نبوی کے مطابق پہلے درجے کا غازی و مجاہد ہو یعنی من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ کے کمال سے متصف ہو۔ لان الرجل الصالح لایتمالك ان یجزع اذا رأی ذالك۔ مرد صالح جب منکرات کو دیکھتا ہے تو بیٹھا نہیں رہتا۔ بلکہ اس کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے کمربستہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بقول اقبال ؎

توباحق باش و باگردوں ستیز آبروئے ملت بیضا مریز

یہی وجہ ہے کہ میرے استاذ حضور شارح بخاری منکرات سے صلح کو حرام سمجھتے ہیں اور اسی اصول پر اب تک عمل پیرا ہیں۔ اسی لئے احقاق حق کی راہ میں آپ نے کسی کی رعایت نہیں کی اور ابطال باطل کے اصول میں آپ نے لچک نہیں آنے دی خواہ مدرسے کے منیجر ہوں یا شہر کے سربرآوردہ شخص۔ جب الحاق شدہ مدرسے گرانٹ پر آنے لگے تو حضرت بعض مدرسوں کے ذمہ داروں کی بددیانتی اور اساتذہ پر بے جا حکمرانی دیکھ کر فرماتے تھے اگر اللہ تعالیٰ مدرسوں کے ظلم و تشدد کرنے والے منیجروں کو بخش دے گا تو سبھی گنہگار مسلمان بخش دیئے جائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت کی نظر میں ایسے عصیاں شعار جو اسلامی قدروں کی پامالی کرتے ہوں خواہ نُظما کی حیثیت سے ہوں یا کرسی صدارت پر متمکن وہ علما، حفاظ، قرا کے ساتھ شودروں جیسا برتاؤ کرتے ہوں۔ وہ لوگ ان عاصیوں سے زیادہ گنہگار ہیں جو ذاتی طور پر گنہگار ہوں، ظاہر ہے اسلامی اقدار کے مجرمین ناقابل معافی ہیں کیوں کہ حقوق العباد کے مرتکب ہیں حقوق العباد کا مجرم اس وقت تک معاف نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ بندہ معاف نہ کردے پس جب ایسا گنہگار بروز محشر معاف کردیا جائے گا تو حقوق اللہ کا مجرم بدرجہ اولیٰ معاف کردیا جائے گا۔ یہ تو صرف مدارس کے نُظما کی اصلاح کی بات ہے اگر اسلامی اقدار پر کوئی بھی گستاخ رسول یا دشمن اسلام زبان کھولتا ہے تو برجستہ اپنی تقریر و تحریر کے ذریعہ دندان شکن جواب مرحمت فرماتے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میں حضرت کا سایۂ کرم ہم سب لوگوں پر تادیر قائم رکھے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین۔

☆☆☆

از : ڈاکٹر محمد سعید احسن قادری
قادری دواخانہ نہرو نگر،
پونہ مہاراشٹر 411018

چند مشاہدات

رضا اکیڈمی ممبئی نے جشن شارح بخاری کے اہتمام کا اعلان کر کے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے ہوتا یہ ہے کہ لوگ اس وقت خامہ فرسائی کرتے ہیں جب اس عظیم شخصیت کا وجود ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور بہت سی باتیں ایسی منسوب ہو جاتی ہیں جس کی تردید کرنے میں بہت سی دشواریاں پیش آتی ہیں اور معاملہ طول پکڑتا چلا جاتا ہے۔

یہ کار خیر فقیہ اعظم، شارح بخاری کی حیات میں ہو رہا ہے اس لئے اس میں قبح پیدا ہونا ناممکن ہے۔

اسی تناظر میں راقم الحروف نے مختصر سی کوشش کی ہے کہ فقیہ عصر نائب مفتیٔ اعظم ہند شارح بخاری استاذ گرامی حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب قبلہ دام ظلھم العالی کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کر سکوں۔

یوں تو کسی صاحب علم کے علمی کارناموں پر روشنی ڈالنا اہل علم اور اہل قلم کا حصہ ہے مگر حضور والا سے عقیدت ومحبت اور حضور والا کی شفقت ومحبت کا تقاضہ تھا کہ جو آنکھوں نے دیکھا اسے پیش کر دیا جائے۔

البتہ صاحب تحریر کو یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ مفتی صاحب قبلہ کے علمی ادوار کا تفصیلی جائزہ لے لیکن ہر دور کا تفصیلی جائزہ پیش کرنے کیلئے ہر دور کا قریب سے دیکھنا ضروری ہے چنانچہ ایسے بہت سے حضرات ابھی بھی موجود ہیں جنہوں نے مفتی صاحب قبلہ کے علمی کارناموں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ چنانچہ راقم الحروف کی نظر میں ۳/ ادوار آتے ہیں۔ دور اوّل، دور ثانی، دور ثالث، دور اوّل میں وہ مدت بھی شامل ہے جو بریلی شریف سے پہلے کی ہے۔ جسمیں مفتی صاحب قبلہ کی مایۂ ناز تصنیف "اشک رواں" اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے ہو سکتا ہے کہ اس تصنیف کے تعلق سے کم ہی لوگوں کو علم ہو۔

اس کتاب سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مفتی صاحب قبلہ کی دسترس ہندی اور سنسکرت زبان پر کتنی ہے اور یہ حضور والا کی انفرادیت ہے۔

اسی دور میں وہ سنہری دور بھی شامل ہے جب حضرت کا قیام بارگاہ مجدد اعظم میں تھا اور سرپرستی عارف باللہ سیدی ومرشدی حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ والرضوان کی حاصل تھی۔ چنانچہ بقول مفتی صاحب قبلہ کہ

۱۲؍ سال کی مدت میں ۲۴؍ ہزار فتاویٰ جاری ہوئے۔ ایسا دار الافتا جہاں عالم اسلام سے استفتا آتے تھے جن کا معیار اتنا بلند تھا کہ بریلی شریف کے فتووں کو تقدم زمانی حاصل تھا۔

جہاں دربار رضا اپنی آغوش میں موتیاں بکھیر رہا تھا، فیض رضا اور فیض نوری کی بارش ہو رہی تھی۔ ایک موقع پر مفتی صاحب قبلہ نے ارشاد فرمایا تھا'' کہ اگر کسی کو فقیہ اور مفتی بننا ہو تو صرف مجدد اعظم کی کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کرے'' اور یہی صحیح بھی ہے کہ آج کا دار الافتا بغیر رضائے رضا کے کوئی فتویٰ صادر نہیں کر سکتا۔ جن کتابوں کو آنکھوں نے تو کیا احساس نے بھی نہ چھوا ہو اس کا حوالہ مجدد اعظم کے حوالے سے دیدیا جاتا ہے۔

جو شخص اپنی تمام تر توانائی اکتساب رضا پر صرف کر چکا ہے، اسکے جلالت علمی، تبحر، تحقیقی معیار انفرادی تجسس اور بے مثل دلائل اوج ثریا پر ہی ہوں گے۔

دور ثانی قیام بلرام پور : ۱۹۷۲ء میں مادر علمی جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرامپور ضلع گونڈہ میں اکتساب علم کی غرض سے حاضر ہوا اور چند مہینوں کی مشقت و محنت نے نصیب والا بنادیا۔

روز اوّل کا واقعہ آج بھی ذہن میں گردش کرتا ہے۔ حضور والا اپنے تبلیغی اور تقریری پروگرام سے بعد نماز عشاء تشریف لائے۔ حسب معمول سبھی طلبا پروانوں کی طرح خدمت عالیہ میں حاضر ہوگئے انھیں کے ساتھ راقم الحروف بھی شامل ہو گیا اور بہت ہی مختصر گفتگو کے بعد رخصت ہو گیا۔

بعد نماز فجر مفتی صاحب قبلہ کا معمول تھا کہ وظیفہ فرماتے اور مختصر ناشتہ کے بعد بخاری شریف کا درس دینا شروع کر دیتے میرا پہلا دن، ہیبت و جلال کا ترشح ادب و تعظیم کا خیال اسی درمیان حکم ہوا کہ عبارت پڑھی جائے میرے ہم سبق ساتھی ایک دوسرے پر بوجھ لادتے رہے حکم ملا کہ میں عبارت خوانی کروں مجھے تو پسینہ آگیا کہ نہ تو مطالعہ ہے اور نہ ہی سبق معلوم عرض گذار ہوا کہ مجھے سبق معلوم نہیں، کہہ کر دامن چھڑانے کی کوشش کی مگر حضور نے فرمایا کہ میں بتاتا ہوں، اس وقت کی کیفیت کیا رہی ہوگی ہر طالب علم کو معلوم ہوگا۔

لرزتی زبان سے عبارت خوانی کی۔ نحوی صرفی قواعد کی یورش ہوتی رہی، لغوی تحقیق سامنے آتے رہے کچھ کا جواب کچھ پر خاموشی مگر حوصلہ افزائی نے نروس نہ ہونے دیا۔ دوران درس اصول حدیث معانی و مطالب، تاریخی حیثیت، فضائل صحابہ اور محدثانہ نکات سن کر دل باغ باغ ہو گیا۔ دراصل بخاری شریف کی تکمیل ۲؍ سال میں ہونی چاہئے تاکہ طلبا حدیث دانی اور اس کی سمجھ سے بہرہ ور ہو سکیں۔ ہمارے جامعات میں ایسا رواج ہو گیا ہے کہ طالبعلم پڑھتا رہے اور استاذ سنتا رہے اور کسی کسی حدیث کی توضیح کر دے ان حالات میں رواۃ پر تبصرہ نہیں ہو پاتا اور نہ ہی اصول حدیث ذہن نشین ہو پاتے ہیں اور نتیجہ جو کہ مشاہدہ میں ہے کہ فاضلین درس نظامی کو چند احادیث مع رواۃ یاد نہیں رہتیں۔

مگر مفتی صاحب کا معمول تھا کہ راویوں پر بھرپور تبصرہ، انکے اصل نام، کنیت سے روشناس کراتے اور حدیث کس آیت کی تشریح ہے واضح فرماتے اور تفاسیر سے اسے مزین فرمادیتے۔ بسا اوقات آنکھیں ساون بھادوں ہو جاتیں اور عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں غوطہ زن ہو رہے ہیں محسوس ہوتا اس لئے کہ کبھی کبھی دل کی بات آنکھیں بتادیتی ہیں، اور آج وہی عشق ''نزھۃ القاری'' کی صورت میں مجسم بن کر ہمارے سامنے موجود ہے۔

ایک شب دورانِ تقریر موجودہ وزیر اعظم کے خلاف بلرامپور چوک میں زبردست تقریر فرمائی صبح ہوئی حسب معمول درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا کہ پولیس انسپکٹر آیا اس نے بڑے ہی ادب سے پوچھا کہ حضور مفتی صاحب قبلہ تشریف رکھتے ہیں اولاً تو ذہن میں بات آئی کہ کہیں یہ رات کی تقریر کا رد عمل تو نہیں ہے لیکن اس کے ادب کو دیکھتے ہوئے سمجھا کہ دعا کرانے آیا ہوگا اور میں نے کہہ دیا کہ ہاں اسی درمیان مفتی صاحب قبلہ تشریف لے آئے۔ اس نے عرض کیا کہ آپ کو کوتوال صاحب نے بلایا ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ٹھیک ہے میں تیار ہو کر آتا ہوں۔ شیروانی زیب تن فرمایا، عمامہ باندھا اور چھڑی لے کر نیچے آگئے، اور رکشہ میں بیٹھ کر کوتوالی چلے گئے اور گھنٹہ گذرنے کے بعد حضرت کی واپسی نہ ہونے پر میں نے مولینا غلام محمد عزیزی صاحب علیہ الرحمۃ سے ذکر کیا حکم ہوا کہ کوتوالی جاکر دیکھو وہاں جانے پر عالم کچھ اور ہی تھا حضرت کو لاک اپ میں دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا بھاگتا ہوا آیا اور دار العلوم میں خبر کیا آناً فاناً شہر میں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی اور کوتوالی کا عظیم گراؤنڈ عاشقانِ امجدی سے بھر گیا اور عوام میں بے چینی کی لہر بڑھتی چلی گئی، ضمانت کے لئے پیش کش کی گئی مگر کوتوال نے ضمانت دینے سے انکار کر دیا اور مجمع تھا کہ بڑھتا ہی جارہا تھا، اندیشہ تھا کہ امن عامہ برقرار نہ رہ سکے گا اور اسی درمیان میں گونڈہ کے لئے چالان کر دیا گیا یہ روح فرسا منظر آنکھوں سے دیکھا نہیں جاسکتا تھا۔

حضور نے کوتوال سے کہا کہ ٹھہرو ورنہ اس جم غفیر کو کنٹرول کرنا تمہارے لئے مشکل ہوگا۔ حضرت نے اعلان فرمایا کہ آپ لوگ خاموش رہیں اور کسی بھی قسم کا احتجاج نہ کرتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو پُرامن طور پر چلے جائیں میں تو بزرگوں کی سنت پر عمل کر رہا ہوں اور یہ میرے لئے تاج شہنشاہی سے کم نہیں اور مسکراہٹوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اسی وقت حضور کے ایک معتقد نے سگریٹ اور ماچس پیش کرنا چاہا ڈیوٹی پر پولیس نے منع کیا مگر انسپکٹر نے اجازت دی اور پولیس سے کہا کہ خبردار کسی ایسی حرکت کا ارتکاب نہ کرنا جس سے ماحول کشیدہ ہو جائے تم نہیں جانتے کہ یہ شخصیت کون سی ہے۔ یہ لوگ دلوں پر راج کرتے ہیں، ان کی بارگاہ میں بے شمار سر جھکنے اور کٹنے کو تیار رہتے ہیں، ضمانت پر رہا ہونے کے بعد تو بلرامپور میں عید کا منظر تھا۔ معتقدین آتے اور شکرانے کے طور پر مٹھائیاں لاتے اور فاتحہ دلوا کر تقسیم کرتے یہ سلسلہ کئی دنوں تک جاری رہا۔ واقعۃً اہل بلرامپور نے جس عقیدت و محبت اور سرفروشی کا مظاہرہ کیا وہ بہت کم سننے اور دیکھنے کو ملتا ہے۔

یہ بات تو رہ گئی کہ گرفتاری عمل میں کیوں آئی؟ دراصل ایک سال پہلے بھنگا بازار ضلع بہرائچ شریف میں مفتی صاحب قبلہ نے ایک اجلاس کے موقع پر کسی شاعر کے سنوریا لفظ استعمال کرنے پر دوران تقریر سنوریا کا اطلاق اور پھر لغوی، عرفی تحقیق پیش کرتے ہوئے، بھگوان اور دیگر طلسمی دیوتاؤں کی نقاب کشائی کی تھی۔ جسے ایل. آئی. یو. نے نقض امن کے طور پر انتظامیہ کو رپورٹ پیش کی اور ارسال کے بعد یہ گرفتاری عمل میں آئی۔

حضور والا کی شفقتوں اور محبتوں سے ان کا ہر چاہنے والا اور شاگرد ہمیشہ سرفراز ہوتا ہے جب کبھی بھی ملاقات ہوگی تو وہ سینہ جو علم حدیث کا گنجینہ ہے سے لگا کر خیر و برکت کامیابی و کامرانی کی دعائیں دیتے ہوئے ملتے ہیں۔

تبلیغ وارشاد کا منظر تو ان آنکھوں نے اس وقت بھی دیکھا جب مفتی صاحب قبلہ بغرض علاج مسلم یونیورسٹی علیگڈھ تشریف لائے۔ طلبا کا ہجوم ہوتا اور عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے لبریز ہو کر احکام اسلام بیان کر کے مجلس کو بقعۂ نور بنا دیتے۔ حضور والا نے ایک موقع پر ہاسٹل کے جلسہ میں شرکت فرما کر طلباء اہلسنت کو سرفراز فرمایا۔ جہاں آزادی سے پہلے صلوٰۃ و سلام کی صدائیں گونجتی تھیں، وہاں کئی سالوں بعد صلوٰۃ و سلام سے یونیورسٹی کی فضا نور سے معمور ہو گئی۔ جب کہ آج کے دور میں علما کرام یونیورسٹیوں میں جانے سے کتراتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یونیورسٹیاں مختلف عقائد و افکار باطلہ کی آماجگاہ بنتی چلی جا رہی ہیں۔ اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

دور ثالث قیام الجامعۃ الاشرفیہ کا ذکر فاضلین اشرفیہ اور شب و روز دیکھنے والوں کے لئے مختص ہے۔ یہ تھی ایک مختصر یادداشت جو گوشۂ ذہن میں محفوظ تھی جسے بارگاہ فقیہ عصر کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

☆☆☆☆☆

از: مولانا محمد شمیم اعظمی
منظر حق ٹانڈہ امبیڈکر نگر

حضرت شارح بخاری اور تعطیل کلاں کے مشاغل

حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور جس وقت بریلی شریف میں درس وافتا کی خدمت انجام دے رہے تھے اس وقت میری عمر کوئی دس بارہ سال کی رہی ہوگی۔ کبھی حضرت بریلی شریف سے جب مکان تشریف لاتے تو زیارت ہوتی اس وقت میرا شعور ہی کیا تھا لیکن لوگوں کی زبانی حضرت والا کا چرچا سنتا تو میرے دل و دماغ پر ایک بارعب شخصیت ابھر کر سامنے آتی جوں جوں میرا شعور بیدار ہوتا گیا حضرت کی شخصیت ابھر کر سامنے آتی گئی اس وقت میرے رفقا میں نماز پڑھنے کا بڑا شوق تھا اور مسجد میں برابر حاضری ہوتی تھی اس وقت حضرت شارح بخاری کو برابر نماز پڑھاتے دیکھتا رہتا جماعت اور نماز کی پابندی حضرت کیلئے آج بھی وہی ہے۔ جماعت کی پابندی رمضان المبارک میں تو اس درجہ تھی کہ افطار کے بعد مسجد پہونچنے میں اتنی عجلت سے کام لیتے کہ مسجد میں افطار کرنے والے نمازی ابھی تیار بھی نہیں ہوپاتے آپ پہونچ جاتے اکثر تو ایسا ہوتا کہ خود ہی تکبیر بھی کہتے اور خود ہی نماز بھی پڑھاتے۔ نیز تراویح میں بھی پابندی کے ساتھ حاضر رہتے مجھے یاد ہے کہ حافظ کی اصلاح بھی فرماتے بلکہ کبھی کبھی تو نماز کا اعادہ بھی کرواتے اس کی تفصیلی نوعیت تو یاد نہیں ہے۔ درجۂ تحتانیہ میں پڑھنے والے طالب علم کو ان سب باتوں کا کیا شعور۔ ہاں اس وقت کی عملی صورت یاد ہے حضرت سے متاثر ہونے کی ایک وجہ اور بھی ہے ہماری اس وقت کی چھوٹی سی آبادی میں ناخواندہ اور مزدور طبقہ ہی زیادہ تھا اہل علم اور دانشور حضرات کو اپنے خالی اوقات کاٹنے کیلئے کوئی خاطر خواہ مجلس نہیں ملتی تھی۔ میرے اہل خاندان میں اس وقت بھی علم و ادراک کے ہر میدان میں متعدد افراد تھے اس میں میرے والد ماجد صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ بھی تھے۔ چونکہ حضرت کا دولت خانہ میرے محلہ میں تھا جب بریلی شریف سے مکان تشریف لاتے تقریباً روزہی بعد نماز عشا میرے غریب خانہ پر تشریف لاتے اور والد صاحب کے ساتھ کافی دیر تک تشریف فرما ہوتے یوں حضرت کی باوزن شخصیت کی چھاپ میرے ذہن پر پڑتی گئی اور جب میں نے فارسی و عربی کی تعلیم شروع کی تھوڑی مزید بیداری آتی گئی اور تعطیل کلاں میں اکثر بلکہ روزانہ استاذی حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کو حضرت مفتی صاحب قبلہ کی بیٹھک میں دیکھتا حضرت مفتی صاحب قبلہ کے مکان کے آس پاس کا حصہ ہی ہم لوگوں کے کھیل کا میدان ہوتا ان بزرگوں کو اگر کوئی ضرورت پیش آتی تو اس میں میں بھی کبھی کبھی پکڑ لیا جاتا اس طرح لاشعوری طور سے مانوس ہونے کا موقع فراہم ہو جاتا۔ ان حضرات کی مجلس صبح تا دوپہر جمی رہتی۔ ہم لوگوں کی تعلیم جیسے جیسے آگے بڑھتی رہی گاہے گاہے ہم لوگ بھی حاضر ہو جایا کرتے اس کی جسارت یوں ہوئی کہ ان سب مواقع پر میرے

رفیق گرامی حضرت مولانا خلیق احمد صاحب قبلہ پرنسپل مدرسہ حنفیہ غوثیہ بجرڈیہہ بنارس میرا ساتھ دیتے رہتے کبھی وہ پہل کر کے آگے بڑھتے اور کبھی میں پیش قدمی کر کے بیٹھ جاتا استاذی حضرت اعظمی صاحب علیہ الرحمہ کی دلچسپ اور معلومات افزا گفتگو سے اور زیادہ ہی شوق پیدا ہوتا۔ ہم لوگوں کا بھی یہ ایک معمول بن گیا تھا حضرت اعظمی صاحب علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد پُر لطف اور ظریف الطبع حضرت مولانا قمر الدین صاحب قبلہ پرنسپل دار العلوم اہل سنت شمس العلوم گھوسی کی پُر مزاح باتیں سننے کو ملتی رہتیں حاضرین مجلس میں حضرت مولانا حاجی شفیق احمد صاحب قبلہ سابق نائب شیخ الحدیث مدرسہ شمس العلوم گھوسی حضرت مولانا افتخار احمد صاحب قادری اور دیگر علمائے کرام بھی ہوتے۔ حسب ضرورت تمام لوگ اپنی مشکلیں اور پورے سال میں جس کو جو بھی اشکال ہوتا وہ حل کرلیتا دوران گفتگو کبھی کوئی علمی بات شروع ہو جاتی اور کبھی مسائل شرعیہ کا تذکرہ ہونے لگتا۔ بعض اوقات کئی کئی دن ایک ہی موضوع پر بحث ہوتی رہتی قول فیصل حضرت مفتی صاحب قبلہ کا ہی ہوتا۔ رمضان شریف میں ایک موقع عید الفطر کی رویت کا بھی ہوتا جس کے لئے تمام علماء اور عوام الناس کی نظر حضرت مفتی صاحب قبلہ کی طرف لگی رہتی گھوسی اور مضافات کے تمام اہلسنّت حضرت شارح بخاری کے اعلان کے منتظر ہوتے۔ ادری اور دوسرے قصبات سے لوگ سواری لیکر آتے یہاں جیسا فیصلہ ہوتا مطمئن ہو کر اسی کے مطابق عمل کرتے اختلافی صورت میں دو عید ہوتی مگر اہلسنّت کا عمل حضرت مفتی صاحب قبلہ کے اعلان کے مطابق ہوتا حضرت رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ میں اس کے لئے فکر مند ہو جاتے اور ہم لوگوں کو پوری تاکید کے ساتھ چاند دیکھنے کا حکم فرماتے۔ انتیس ۲۹ رمضان المبارک کو افطار کے بعد ہر آنے والے سے خبر لیتے رہتے اگر کہیں سے رویت کی اطلاع ملتی تو سواری کا انتظام کراتے اور قابل شہادت لوگوں کو روانہ فرماتے جب تک تحقیق کر کے اعلان نہیں فرمالیتے سکون سے نہیں بیٹھتے اس کے لئے اپنی جیب خاص سے خرچ کرنے میں بھی دریغ نہیں کرتے۔ حضرت حتی الامکان اختلاف بین المسلمین کو دور کرتے اس کام میں مندرجہ ذیل حضرات تعاون کے لئے پوری طرح مستعد رہتے۔
حضرت مولانا قمر الدین صاحب قبلہ اور حضرت مولانا حاجی شفیق احمد صاحب قبلہ اور حضرت مولانا خلیق احمد صاحب قبلہ اور ناچیز بھی دوش بدوش ان کی خدمت کے لئے تیار رہتا۔ غرض کہ تعطیل کلاں میں آپ کے یہاں حاضر رہنے میں استفادہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا کبھی کبھی حضرت کچھ علمی پہیلیاں بیان کر دیتے اور ہم لوگوں کا وقت اس دن آسانی سے ختم ہو جاتا۔ بعض دفعہ تو کئی کئی دن اسی میں الجھے رہتے آخر کار حضرت ہی پھر اس کا حل فرماتے حضرت نے جب ہم لوگوں کا شوق دیکھا تو چھٹی میں الجامعۃ الاشرفیہ کے دار الافتاء کی ڈاک اپنے ساتھ لانے لگے اور مولانا خلیق احمد صاحب و ناچیز سے لکھواتے یہ کام برسوں ہوتا رہا۔ حضرت بولتے اور ہم لوگ لکھتے جب شرح بخاری کا کام کچھ آگے بڑھا تو حضرت مولانا افتخار احمد صاحب قادری سابق استاذ الجامعۃ الاشرفیہ کے مشورہ سے رمضان المبارک میں مستقل طور پر یہی کام ہوتا رہا اس کام میں مستقلاً چار پانچ آدمی کی ضرورت ہوتی جس میں ایک صاحب

لکھتے اور باقی لوگ حوالوں کی تلاش میں لگے رہتے اتنے انہماک سے یہ کام ہوتا کہ رمضان المبارک میں سحری تک چلتا رہتا پھر دس بجے دن سے کام شروع ہوتا اور نماز ظہر تک ہوتا رہتا بخاری کی پہلی جلد مکمل ہونے تک اسی طرح سلسلہ قائم رہا پارہ دہم کے بعد صرف رات میں لکھا جانے لگا اس پورے کام میں ہم لوگ بدل بدل کر کام کرتے رہتے لیکن حضرت اپنی معذوری کے باوجود اکیلے ہی اپنا کام انجام دیتے کبھی طبیعت میں سستی آتی تو اٹھ کر چہل قدمی فرمالیتے لیکن ذہن اس وقت بھی اپنا کام کرتا رہتا حاضرین مجلس کے لئے بھی چائے پان وغیرہ کا معقول انتظام ہوتا اس دوران ہم لوگ اپنے مشغلہ میں لگے رہتے اس کے لئے آپ کے صاحبزادے اور میرے رفیق دیرینہ محترم جناب ڈاکٹر محب الحق صاحب بھرپور خیال رکھتے کچھ دیر کے بعد تازہ دم ہو کر اپنی سابقہ رفتار سے کام شروع ہو جاتا یہی سلسلہ روز کا رہتا۔ حضرت جب اپنے نئے مکان میں منتقل ہوئے اور رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ میں برکاتی مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو بھی یہ کام بند نہیں ہوتا بلکہ دس روز یہ کام مسجد میں ہی ہوتا رہتا ہم لوگوں نے بھی طے کر لیا تھا کہ شرح بخاری میں جو تعاون ہم سے ہو سکے گا کرتے رہیں گے لیکن شرح کی تکمیل میں رکاوٹ نہیں آنے دینگے ہو سکتا ہے پروردگار عالم اپنے حبیب پاک صاحب لولاک ﷺ کے مقدس کلام کی خدمت کے صلہ میں مغفرت فرمادے اور آخرت میں بلندئ درجات کا ذریعہ ہو جائے اس مبارک کام میں ہم سب کے رونق محفل مخلص حضرت، مولانا حاجی شفیق احمد صاحب قبلہ اپنے وجود مسعود سے بھرپور تقویت دیتے رہتے۔ شرح بخاری کیلئے پابندی سے آنے والوں میں حضرت مولانا نثار احمد صاحب قبلہ استاذ مدرسہ تدریس الاسلام بسڈیلہ اور میرے برادر خرد مولانا اختر کمال صاحب استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اور مولانا رفیع القدر صاحب اور ڈاکٹر صاحب کے برادر خرد مولوی وحید الحق صاحب رہتے لکھنے کا زیادہ کام حضرت مولانا خلیق احمد صاحب اور مولانا اختر کمال صاحب کیا کرتے کبھی کبھی حضرت مولانا رضوان احمد صاحب شریفی شیخ الادب مدرسہ شمس العلوم گھوسی بھی سہارا دیدیا کرتے بفضلہ تعالیٰ اس طرح یہ مقدس سلسلہ بروز چہار شنبہ دس رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ کی گیارہویں شب میں گیارہ بجے گیارہ حضرات کی موجودگی میں اپنی تکمیل کو پہونچا ہمیں امید ہے کہ پروردگار عالم اپنے حبیب ﷺ کے صدقہ و طفیل ہم سبھی لوگوں کی اس بے لوث خدمت کو شرف قبولیت عطا فرمائے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت کو صحت و تندرستی عطا فرمائے اور ہم لوگوں کی ایک اور نیک خواہش پوری فرمائے، کہ حضرت کے جو فتاوے ضائع ہونے سے بچ گئے ہیں جنکی تعداد ساٹھ ہزار سے ستر ہزار تک ہے اس کی تدوین بھی ہو جائے جو قوم مسلم کیلئے ایک گراں بہا سرمایہ ہوگا۔

☆☆☆☆☆

مولانا مفتی ولی محمد صاحب رضوی
سنی تبلیغی جماعت باسنی ناگور شریف

حضرت شارح بخاری-یادگار سلف

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

علم و فضل کے تاجدار درس و تدریس کے شہریار سیدی شارح بخاری حضور علامۃ الدھر قبلہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی دامت فیوضھم کی شخصیت پر قلم اٹھانا ہم جیسے طلبہ کے بس کی بات نہیں مگر شفقت و عنایت کی جو کرن آپ کی آنکھوں سے چمکتی دیکھی ہے اسے محفوظ کرلینا بھی ضروری ہے تاکہ حضرت موصوف کے قلب کی طہارت کی جانب اشارہ ہوجائے۔

قبلہ گرامی زینت مسند افتا ہونے کے ساتھ ساتھ مینارۂ رشد و ہدایت ہیں جن سے ان گنت لوگوں نے اعمال کے ساتھ عقائد کو سنوارا اور نکھارا ہے رب قدیر نے خدمت دین و ملت کا وافر جذبہ عطا فرمایا قلم اٹھتا ہے تو زندگی و بندگی کے راز منکشف ہوتے چلے جاتے ہیں اور قلم کارخ عقائد باطلہ کی طرف ہو تو تحریکات باطلہ کے قدم اکھڑنے لگتے ہیں۔ بخاری شریف کی شرح فرماکر سنت نبوی کی پیروی کی دعوت دی اور عشق و معرفت کا درس دیا۔ مسلک اہل سنت کی ترویج و اشاعت کیلئے جلسوں و کانفرنسوں میں تشریف لاکر مجلسوں کی شان دوبالا فرماتے ہیں۔

قبلہ موصوف سے تقریباً ۱۵ر سال سے کئی بار ملاقات و زیارت کا شرف حاصل ہورہا ہے حالانکہ علم و فضل کی شہرت تو اس سے پہلے بھی سنی تھی تقریروں کا لطف بھی حاصل ہوتا رہا ہے بالکل قریب ہو کر گفتگو کا موقع بھی ملا اب تو یہ حال ہے کہ اپنے عزیز کی طرح شفقت و محبت سے نوازتے ہیں۔ ۱۵ر سال پہلے دارالعلوم غریب نواز الہ آباد میں سلام کے بعد عرض کیا فقیر باسنی کا باشندہ ہے تو موصوف کو اپنا قدیم سفر یاد آگیا جو تقریباً ۳۰ر سال پہلے وعظ و نصیحت کے سلسلہ میں باسنی کی سرزمین پر تشریف لانا ہوا مگر صد افسوس کہ اہل باسنی باوجود علماے کرام سے احترام و عقیدت سے پیش آنے کے موصوف کی علمی و فکری شخصیت سے آگاہ نہ ہوسکے۔ اس وقت جلسے کے منتظمین نے حضرت کے ساتھ ایسا سلوک کیا جسے سن کر مجھے بھی سخت تکلیف پہنچی۔ جس کی وجہ سے حضرت نے طے کرلیا تھا کہ اب کبھی باسنی نہیں آؤں گا۔ مگر اس کے باوجود حضرت نے ڈیڑھ گھنٹے حسب عادت تقریر فرمائی جس سے باسنی کے

لوگ بہت کافی متاثر ہوئے۔ تقریر کے بعد منتظمین کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ حضرت کی خدمت میں سب حاضر ہوئے۔ سب کو معاف فرمادیا اور سب کے لئے دعاے خیر کی۔

مدت گذر گئی خادم نے دار العلوم اشرفیہ میں بعد سلام دست بوسی کی تو موصوف نے فرمایا خادم باسنی ایک بار گیا تھا لیکن آئندہ جانے سے توبہ کرلی ہے۔

مجھے احساس ہوا کہ اتنے بڑے عالم دین و فقیہ عصر کا ناراض ہونا ایک تکلیف دہ امر ہے جس سے میں متفکر ہوا حضرت مولانا ظہور احمد صاحب مرحوم سربراہ اعلیٰ سنی تبلیغی جماعت سے واقعہ عرض کیا۔ موصوف نے بھی سرگزشت بیان کی، افسوس بھی کیا۔ دن گزرتے رہے، سنی تبلیغی جماعت کا قیام عمل میں آیا۔ مدارس کے قیام اور تبلیغ واشاعت دین کی خدمت سے حضور آگاہ ہوئے۔ رفتہ رفتہ موصوف کے قلب مبارک میں اہل باسنی کیلئے نرم گوشہ پیدا ہوا، فقیر برابر ملاقات کرتا رہا، سلام و دعاؤں سے فیض حاصل کرتا رہا۔ آخر ایک مبارک موقع پر جب جشن صد سالہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ بمبئی میں ہورہا تھا۔ فقیر نے نماز عصر کے وقت حضور کے لئے وضو وغیرہ کا انتظام کیا۔ آخر بزرگ تھے۔ بزرگوں کی صحبت سے فیض یافتہ اور ان کے مشن کے سچے ترجمان تھے۔ کرم فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں اہل باسنی سے جو دین وسنیت کی خدمت کررہے ہیں بہت خوش ہوں اور دعا کرتا ہوں۔

خدا کا احسان و کرم، رسول رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان رحمت کہ اپنے وقت کے عظیم عالم دین نے اپنی نوازش کو اس طرح لبہاے مبارک سے برسایا کہ سن کر بڑی خوشی ہوئی دل باغ باغ ہوگیا۔ اب خدا کا شکر ہے کہ قبلہ موصوف کئی بار باسنی تشریف لائے بیان فرمایا، دعائیں دیں، تاثرات و دعائیہ تحریریں عنایت فرمائیں اور جس جا ملاقات ہو جاتی ہے خوشی کا اظہار فرماتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ آپ کے قلب اطہر میں خدام دین کی قدر ہے اور خدام سے درگزر فرماتے ہیں اور "از خرداں خطا و از بزرگاں عطا" کی شان آپ کی ذات میں نمایاں ہے چونکہ آپ کی تبلیغی زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے اسلئے سپرد قلم کرنے کی ذمہ داری پوری کرتا ہوں رب بے نیاز اپنے کرم خاص سے قبلہ موصوف کا مبارک سایہ تادیر ہم اہلسنت پر قائم رکھے۔

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام

☆☆☆☆☆

مولانا محمد مجاہد حسین رضوی مصباحی
استاذ دارالعلوم غریب نواز، الہ آباد

اکابر کی معتمد علیہ شخصیت

۱۹۷۴ء کی ایک شام تھی، مشرقی ریلوے کے گڑھوارہ جنکشن پر، استاذ العلما، جلالۃ العلم، حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی سربراہی میں محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ و نصیر ملت حضرت علامہ محمد نصیرالدین صاحب قبلہ سمیت علمائے کرام کا ایک مبارک قافلہ اترا، تب یہ راقم الحروف الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں درجۂ ثالثہ کا متعلّم اور اس قافلہ میں علما کا کفش بردار تھا۔

ٹرین سے اتر کر ہم لوگ اسٹیشن سے باہر آئے، جہاں منزل تک پہنچانے کے لئے جیپ لیکر کئی افراد پہلے سے موجود تھے۔ اچانک میری نظر جیپ سے قریب کھڑے، عبا کلی دار کرتا اور سفید شلوار پہنے سر پر عمامہ کی طرح چوکور رومال لپیٹے ایک نورانی صورت بزرگ پر پڑی، جیسے ہی انھوں نے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کو دیکھا مسکرائے، سلام کرتے ہوئے آگے بڑھے، مصافحہ کیا اور دست بوسی کی، حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان نے بھی بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ فرمایا اور خیریت دریافت کرنے کے بعد بولے، "آپ آگئے، اب مجھے اطمینان ہوگیا"۔

ایک نادرۂ روزگار علمی و روحانی شخصیت کے اس طرح اظہار اطمینان کرنے سے میرے دل میں اس بزرگ کی عظمتوں اور صلاحیتوں کا سکہ بیٹھ گیا یہ بزرگ کوئی اور نہیں' محقق عصر، مناظر بے بدل، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی تھے جو حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی دعوت پر، اہل سنت وجماعت کے مناظر کی حیثیت سے ضلع گڑھوا بہار کے ایک گاؤں 'باندو' میں مناظرہ کے لئے بلرام پور یو۔ پی سے تشریف لائے تھے۔

پروگرام کے مطابق دوسرے اور تیسرے دن مناظرہ ہوا، حریف تھے دیوبندی تاریخ کے سب سے بدزبان اور سفید جھوٹ بولنے میں سب سے جری مناظر مولوی طاہر گیاوی، جب کہ ان کی پشت پر براجمان تھے سفید داڑھی میں کالا خضاب لگائے آنجہانی مولوی نور محمد ٹانڈوی، اساطین دیوبند کی کفری عبارتیں مناظرہ کا موضوع تھیں۔ بیشتر مناظروں کی طرح اس مناظرہ میں بھی حریف نے موضوع سے متعلق

عبارتوں کو ہاتھ لگانے کی زحمت نہیں اٹھائی اور مسلسل دو دنوں تک نہ صرف یہ کہ آئیں بائیں شائیں بکتے رہے بلکہ ان کی تقریر کا ایک چوتھائی حصہ انہی الفاظ پر مشتمل رہا۔

حضور مفتی صاحب قبلہ نے اپنے زور بیان قوت استدلال اور مناظرانہ صلاحیتوں سے اپنے حریف پر برابر دباؤ بنائے رکھا اور اخیر تک آپ کے ذریعہ اٹھائے گئے سوالات کا اسے جواب دینے کی جرأت نہیں ہوئی۔

پوری کامیابی کے ساتھ مناظرہ کا دوسرا دن ختم ہوا، شب میں جشن فتح منایا گیا اور مفتی صاحب قبلہ موصوف محدث کبیر صاحب قبلہ اور علامہ کامل میاں سہسرامی علیہ الرحمہ کی ایمان افروز باطل سوز تقریروں کے بعد حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اسٹیج کو زینت بخشی اور اپنی پر نور تقریر کے دوران ارشاد فرمایا" مجھے مفتی صاحب کی ذہانت سے اسی نتیجہ کی توقع تھی"اور دیر تک حضور مفتی صاحب قبلہ کی تعریف و توصیف کرتے رہے۔

اس مناظرہ کو منعقد ہوئے چوتھائی صدی گذر چکی ہے، تفصیلی مباحثہ کا زیادہ تر حصہ پردۂ ذہن سے اوجھل ہو چکا ہے، البتہ ایک بات اب بھی اچھی طرح یادداشت کی گرفت میں موجود ہے میں سمجھتا ہوں اس کا ذکر کر دینا آپ کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

جس پانی سے وضو جائز ہے، اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے فتاویٰ رضویہ میں اس کی ایک سو ساٹھ قسمیں بیان فرمائی ہیں ایک سو چھپنویں قسم میں اس پانی کا ذکر کیا گیا ہے جس سے نئی نویلی دلھن کے پیر دھوئے ہوں اور مشروط طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ "یہ پانی بھی قابل وضو رہنا چاہئے"۔ اصل عبارت اس طرح ہے:

" دولھن کو بیاہ کر لائیں تو مستحب ہے کہ اس کے پاؤں دھو کر پانی مکان کے چاروں گوشوں میں جھڑکیں اس سے برکت ہوتی ہے، یہ پانی بھی قابل وضو رہنا چاہئے اگر دولھن باوضو یا نابالغہ تھی کہ یہ اور اس کا سابق از قبیل اعمال ہیں نہ از نوع عبادات، اگرچہ نیت اتباع انھیں قربت کر دے واللہ تعالیٰ اعلم"۔ (فتاویٰ رضویہ، ج/۱، ص/۴۵۶)

دولہن سے متعلق مذکورفعل عمل کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ حصول برکت کے لئے اس عمل کا تذکرہ فقہائے کرام نے بھی اپنی کتابوں میں کیا ہے تفصیل کے لئے خود حضور شارح بخاری کی معرکۃ الآرا تصنیف تحقیقات جلد دوم کا مطالعہ کریں۔

اصل واقعہ تو یہ ہے لیکن حریف نے اس بات پر یوں تنقید کی گویا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنی طرف سے گڑھ کر لکھ ماری ہے اس نے اپنی گفتگو کچھ اس طرح سے شروع کی۔

تمہارے اعلیٰ حضرت پر تو عورتیں سوار رہا کرتی تھیں اور اس کے بعد اس نے فتاویٰ رضویہ کی مذکورہ عبارت دہرا دی۔

حضور مفتی صاحب قبلہ نے پلٹ کر برجستہ ارشاد فرمایا ”میاں یہ تو شان مردانگی ہے کہ ان پہ عورتیں سوار رہیں۔ گنگوہ کی اپنی خانقاہ دیکھئے جہاں مرد پر مرد سوار رہا کرتے ہیں، پھر بڑے دلچسپ انداز میں ارواح ثلثہ میں مذکور گنگوہی ونانوتوی کی حرکتوں کا ذکر فرمایا:

دوسری بار میں نے آپ کو ۱۹۷۶ء میں تعطیل کلاں کے موقعہ پر جامعہ اشرفیہ میں دیکھا اس سال میں گھر نہیں گیا تھا، دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ اس وقت کے صدر دار الافتاء اور میرے مشفق استاذ حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ نے کسی اہم مسئلہ پر تبادلۂ خیالات کرنے کے لئے آپ کو بلایا ہے اس اطلاع کے بعد ان کی عظمتوں کا جو چراغ پہلے سے میرے نہاں خانۂ دل میں روشن تھا اس کی لویں اور تیز ہو گئیں، پھر تو وہ مستقل طور پر الجامعۃ الاشرفیہ میں ہی دار الافتاء کے صدر کی حیثیت سے تشریف لے آئے۔ بے شک یہی جگہ ان کے شایانِ شان بھی تھی۔

۱۹۷۸ء کی بات ہے کٹک کے بارہ بٹی اسٹیڈیم میں وہابیوں سے ایک مناظرہ ہوا تھا، اپنی جماعت کے معروف قلم کار اور تجربہ کار مناظر حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ مناظر تھے، اس مناظرہ میں حضور شارح بخاری مفتی صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کی شخصیت پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے حضور مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ نے صدارت کی ذمہ داریاں آپ کو سونپ دی تھیں توقع کے عین مطابق آپ نے حضرت کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی بلکہ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی منصبی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوئے، مناظرہ سے پہلے دیوبندی صدر مولوی اسماعیل سونڑھی نے حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کے ترتیب دادہ ایک اشتہار کا معاملہ اٹھایا جس کے افتتاح پر آپ نے یہ دعا لکھی تھی ”ان ارید الا الإصلاح وماتوفیقی الاباللّٰہ“ دیوبندی مولوی نے اعتراض کیا کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے درمیان سے ”ما استطعت“ کا لفظ چھوڑ کر قرآن میں تحریف کی ہے پہلے وہ توبہ کریں، مناظرہ بعد میں ہوگا۔ بحیثیت صدر حضور مفتی صاحب قبلہ کھڑے ہوئے اور گرجدار آواز میں فرمایا مولانا اشتہار کی عبارت قرآن نہیں ہے۔ قرآن سے اقتباس کردہ حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی دعا ہے، غیر قرآن کو قرآن کہہ کے قرآن کی تحریف آپ کر رہے ہیں توبہ آپ کیجئے۔ اس دنداں شکن جواب پر دیوبندی مولوی نے چپی سادھ لی اور پھر مناظرہ کا آغاز ہو گیا۔ اس مناظرہ میں حوالوں کی کتابیں لے کر راقم السطور بھی کٹک گیا تھا۔

☆☆☆

مولوی ابرار احمد خاں سلطانپوری
متعلم جماعت سادسہ الجامعۃ الاشرفیہ
مبارکپور اعظم گڑھ۔یوپی

شارح بخاری طلبہ کے جھرمٹ میں

یوں تو اس عالم انسانیت میں بہت سارے لوگ جنم لیتے ہیں اور منازل زیست طے کرنے کے بعد راہی ملک عدم ہو جاتے ہیں رفتار زمانہ اور شب و روز کی گردش انھیں گمنامی کے غار عمیق میں ڈھکیل دیتی ہے جس کی وجہ سے ان کی یادوں کے نقوش لوگوں کے قلوب واذہان سے مٹ جاتے ہیں لیکن اسی عالم اسباب میں کچھ ایسی مقدس و پاکیزہ ہستیاں بھی جنم لیتی ہیں جو اپنے بلند افکار اور نیک کارناموں کی وجہ سے لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بن جاتی ہیں ان کے خیالات وافکار کدو کاوش ان کی ہر ہر ادا پوری قوم کے لئے نمونہ حیات، اور اس کی ترقی کا ضامن ہوتی ہے انھیں پاکیزہ نفوس ہستیوں میں سے حضور مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی بھی ہیں جو اپنی گوناگوں خوبیوں کے باعث پوری قوم مسلم کے مُسَلَّم قائد و پیشوا ہیں۔ جن کی خدمات سے پوری دنیائے اسلام سیراب ہو رہی ہے حضرت کی گراں قدر دینی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ابھی حال ہی میں رضا اکیڈمی ممبئی نے ایک عالی شان ایوارڈ پیش کیا ہے۔

۱۹۹۳ء میں میں الجامعۃ الاشرفیہ آیا صبح کا وقت تھا بہت سارے لڑکے جمع تھے کہ اچانک سب لوگ ادھر ادھر بھاگنے لگے میں کچھ سمجھ نہ سکا یکایک میری نظر ایک شخص کے اوپر پڑی جن کی عمر تقریباً ستر سال کی معلوم ہو رہی تھی سفید کرتا سفید پائجامہ اور سفید ٹوپی لگائے ہوئے حسن و جمال کے پیکر معلوم ہو رہے تھے چہرے سے نور ٹپک رہا تھا۔ وضع قطع سے بزرگ صفت انسان معلوم ہو رہے تھے اور میری ہی جانب تشریف لا رہے تھے حضرت کو دیکھنے کے بعد لڑکے منتشر ہو گئے اور میں بھی نظریں بچا کر نکل گیا جو طالب علم بھاگ گئے تھے ان کے پاس جا کر میں نے دریافت کیا کہ ان کو دیکھ کر آپ حضرات بھاگے کیوں ہیں؟ تو ان طلبہ نے قدرے تامل کے بعد جواب دیا کہ یہ حضور شارح بخاری ہیں ان کا مزاج بہت سخت ہے اگر کوئی طالب علم اوقات تعلیم میں ادھر ادھر گردش کرتا ہوا مل جاتا ہے تو اس پر برس پڑتے ہیں۔ اور دوسرے لوگوں سے بھی مجھے معلوم ہوا کہ حضرت طلبہ پر ہی نہیں بلکہ مدرسین کی کوتاہی پر بھی سخت گرفت فرماتے ہیں اس لئے طلبہ ان کے سامنے گذرنے سے کتراتے ہیں یہ سب

باتیں سن کر میں بھی دہشت زدہ ہو گیا اور حضرت شارح بخاری دامت برکاتہم القدسیہ کے حضور جانے سے گھبراتا تھا حالانکہ یہ میری اور تمامی طلبہ کی خام خیالی تھی لیکن آہستہ آہستہ خوف وہراس کی پرچھائیاں میرے اوپر سے کافور ہونے لگیں قریب ہونے کے بعد غلط اور سچی حقیقتوں کا انکشاف ہوا کہ حضرت جس طرح علم وحکمت کے بحر بیکراں ہیں اسی طرح بلند اخلاق سے بھی مزیّن ومرصّع ہیں۔ زندگی کا ہر پہلو مختلف خوبیوں سے آراستہ وپیراستہ ہے فقیہ عصر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم القدسیہ پندرھویں صدی ہجری کے مایۂ ناز عالم دین فقیہ، ادیب، مفکّر، محدث، مصنف، جامع شریعت وطریقت ، سرچشمۂ خیر وفلاح، قابل اتباع وتقلید عارف باللہ اور فنافی رسول اللہ ہیں۔

جب حضور شارح بخاری کے دامنِ کرم سے وابستہ ہوا تو حضرت کے اندر حسنِ اخلاق کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دیکھا۔ وہ نہایت برگزیدہ اور پابند شریعت ہیں، ہر کام میں پابندی اور وضع داری آپ کی خلقی عادت ہے۔ دینداری، زہدو تقویٰ، میں مشہور زمانہ ہیں

؎ نشتر جو لگاتا ہے وہ دشمن نہیں ہوتا

کے مطابق آپ اگر کبھی ناراض بھی ہوتے ہیں تو اپنے مفاد کیلئے نہیں بلکہ اگر کسی کو وقت ضائع کرتے ہوئے دیکھتے ہیں یا جامعہ کے قوانین پر دھبہ لگاتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اظہار ناراضگی کرتے ہیں خواہ وہ طالبعلم ہو یا مدرس خصوصاً اوقاتِ صلاۃ میں اگر کوئی طالبعلم نماز چھوڑ کر بیٹھا رہتا ہے تو اس پر سخت غضبناک ہو کر فرماتے ہیں۔ایسے لوگوں کی گنجائش ہمارے جامعہ میں ہرگز نہیں ہے۔

اس کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ حضرت وقت کے بہت پابند ہیں وقت کو کبھی ضائع نہیں فرماتے ہیں آج تقریباً حضرت کی عمر ۸۰؍سال کی ہو چکی ہے اس کے باوجود ۷؍گھنٹے تک فتوی کا کام کرتے ہیں اور بقیہ اوقات عبادت وطلب رضائے خدا میں صرف فرماتے ہیں۔ جن جن اوقات میں حضرت فتویٰ کا کام انجام فرماتے ہیں ان اوقات میں اگر آپ کا قریبی سے قریبی بھی آجاتا ہے پھر بھی آپ اس سے ملاقات کرنے کے لئے فتویٰ کا کام ترک نہیں فرماتے مگر جب وقت اختتام رسید ہو جاتا ہے تو اس انداز سے شرف لقا سے نوازتے ہیں اور اس محبت بھرے انداز میں کلام فرماتے ہیں کہ سامنے والا آپ کا گرویدہ وفریفتہ ہو جاتا ہے۔

اخلاق : حضور شارح بخاری ایک انتہائی رحم دل انسان ہیں۔

اور حضرت اگر کسی طالب علم کو نادار جانتے ہیں تو اس کی مالی امداد فرماتے ہیں۔ حضرت سے قرابت ومخلصانہ وعقید تمندانہ تعلقات رکھنے والوں کا بیان ہے کہ آپ کی غربا پروری وحاجت روائی اور دستگیری کی وجہ سے آپ پر فیض خداوندی ہے، آپ اپنی تنخواہ سے چند طالبعلموں کو مستقل طور پر ماہانہ مصارف کے واسطے روپیہ عطا

فرماتے ہیں علاوہ ازیں مصیبت زدہ طلبہ کی وقتی مشکلات میں مقدور بھر امداد و اعانت فرماتے ہیں۔ آپ کا ایثار ایسا ہے کہ خود کو تکلیف پہنچا کر دوسروں کو آرام پہونچاتے ہیں۔

ذوق عبادت : حضور شارح بخاری دامت برکاتہم القدسیہ نہایت متواضع منکسر المزاج اور صابر و شاکر ہیں آپ کو نماز سے بہت ہی لگاؤ اور شغف ہے انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ نمازیں ادا فرماتے ہیں نماز ادا کرتے وقت معلوم ہوتا ہے کہ بے جان ستون ہیں گویا کہ جس طرح نماز کا حکم ہے اس کا آپ عملی نمونہ بن جاتے ہیں۔ جس وقت حضرت شارح بخاری نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو لگتا ہے کہ دنیا سے آپ کا رشتہ منقطع ہو گیا ہے اور بندۂ خدا اپنے رب کے حضور انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ کھڑا ہے۔ حضور شارح بخاری نے قلمی خدمات بھی کچھ کم نہیں فرمایا ہے

آپ نے امت مرحومہ کی صلاح و فلاح کے لیے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ حضرت کی ہر کتاب اپنے اندر معلومات کا خزانہ رکھتی ہے حضرت شارح بخاری اپنے وقت کے بہترین مصنف باکمال مدرس فقیہ ہیں آپ کا بہت اونچا مقام ہے۔ چنانچہ قوم مسلم آپ کو فقیہ عصر کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ دعا ہے کہ رب عزوجل آپ کا سایۂ کرم اہلسنت کے سروں پر تادیر قائم رکھے اور آپ کی خدمات جلیلہ کو شرف قبول عطا فرمائے۔ (آمین) بجاہ سید المرسلین۔

☆☆☆☆☆

باب چہارم

اہلِ سنن کو ناز ہے تجھ پر، اِفتادیں کا راز ہے تجھ پر
رہبرِ علما، مشعلِ منزل، مفتیِ دوراں زندہ باد

اوصاف و خدمات

زندہ باد اے کاروانِ سنیت کے پاسباں
زندہ باد اے علم دین مصطفیٰ کے نکتہ داں
زندہ باد اے مسلکِ احمد رضا کے ترجمان
زندہ باد اے مفتیِ اعظم کے فن کے رازداں

تیری ہر تصنیف علم وفن کا اک شہکار ہے
تیرے کاغذ کی سیاہی مطلع انوار ہے
ان مسائل کو کیا ہے تونے آسانی سے حل
جن مسائل کی وضاحت واقعی دشوار ہے

(شکیلؔ اعظمی)

علامہ مفتی محمد مجیب اشرف رضوی اعظمی
بانی و مہتمم الجامعۃ الرضویہ دار العلوم امجدیہ ناگپور

اکابر اہل سنت کے ساتھ شارح بخاری کی نیاز مندی

انسان حسن، صورت وسیرت کا بہترین نمونہ اور خالق کائنات کی تخلیق کا اعلیٰ شاہکار ہے، قدرت نے انسانی دستہ کو گلہائے رنگارنگ سے زینت بخشی ہے، صورت اتنی حسین، دلنواز اور پر کشش ہے کہ اس آئینہ میں صناع عالم کی صنعت وکاریگری کے بھرپور جلوے نظر آتے ہیں۔ یہی وہ صورت ہے جو پیدا کرنے والے کی پسندیدہ ہے اسی کو احسن تقویم فرما کر اپنی پسندیدگی کا اعلان فرمایا:

والتین والزیتون، وطور سینین، وھذاالبلد الامین، لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم،

انجیر کی قسم اور زیتون اور طور سینا اور اس امان والے شہر (مکہ) کی قسم بیشک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا۔ اور لقد کرمنا بنی آدم سے انسان کی باطنی خوبی کا اظہار فرمایا: سبحان اللہ سبحان اللہ انسان کی رفعت وبلندی اپنے آخری نقطہ پر پہنچی ہوئی ہے۔ انسان گویا حسن صورت اور خوبی کردار کا اول روز ہی سے حامل وامین بنایا گیا ہے۔ اور اس عالم رنگ وبو میں اسی امانت کی حفاظت کا اس کو ذمہ دار بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ساتھ ہی رحیم وکریم مولیٰ نے اپنے فضل سے اس عظیم ذمہ داری کا احساس دلا کر اس کو پورا کرانے کے لئے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا تا کہ انسان دنیا کی رنگ رلیوں میں پھنس کر خود فراموشی کا شکار نہ بن جائے۔ جن خوش بخت اور فیروز مند نفوس نے انبیا کی ہدایات کی رہنمائی میں اپنے کاموں کو انجام دیا وہ اپنے تخلیقی مقصد کو پورا کرنے میں کامیاب ہے:

اولئك علی ھدی من ربھم واولئك ھم المفلحون. یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور دراصل یہی لوگ فلاح یافتہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فلاح ونجات کا مدار صرف خدائی نظام وہدایت پر ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعہ انسانوں تک پہنچا جس کی تکمیل سید الانبیاء خاتم النبیین حضور اکرم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوئی اسلام کا تہذیبی اور معاشرتی نظام انتہائی مربوط اور منضبط ہے۔ جس زاویئے سے دیکھئے اس کی لائن ڈوری سیدھی دکھائی دے گی، اس کا کوئی اینگل اپنے پوائنٹ سے ذرہ برابر ہٹا ہوا نہ پاؤ گے، یہاں کجی اور بے اعتدالی کا نام ونشان بھی نہ ملے گا، اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ اسلامی تہذیب وتمدن کی تمام کڑیوں کا استحکام صرف باہمی تعلقات اور آپسی میل جول کا لازمی نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس پاکباز ہستی کی مقدس زندگی کا عظیم کارنامہ ہے جس کی جلوہ گری بحیثیت آخری رسول خالق کائنات کی طرف سے ہوئی، جس کی ہر بات وحی ربانی، جس کی ہر ادا پر خدائی نگرانی، جس کی سانس سانس عرفانی، جس کی جنبش لب تفسیر قرآنی، غرض جس کی ذات وحیات احکام الٰہی اور آیات قرآنی کی مکمل ترجمانی تھی، اسی لئے محبوبہ محبوب رب العالمین ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑے وثوق سے فرماتی ہیں: کان خلقه القرآن. یعنی آپ کا کردار قرآن کا مکمل آئینہ دار تھا۔

سید عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کریمانہ اخلاق کی عظمت ورفعت پر آپ کی ۶۳ر سالہ حیات ظاہری کا لمحہ لمحہ شاہد عدل ہے، جسے دیکھنا ہے دیکھ لے جسے پڑھنا ہے پڑھ لے، جسے سننا ہے سن لے، جسے پرکھنا ہے پرکھ لے۔ میرے نبی کی مقدس زندگی ایک کھلی کتاب ہے جس کے ورق ورق پر علم وحکمت، تہذیب وتمدن اور حسن معاشرت کے گوہر آبدار بکھرے ہوئے ملیں گے۔ اسی کتاب مقدس کے صاف شفاف آئینے میں فطرت سلیمہ کا نکھرا ہوا حسن وجمال نظر آئے گا۔

آپ کی مجلس شریف میں کسی قوم کا سردار آجاتا تو آپ فرماتے ”قوموا لسید کم“ لوگو! اپنے سردار کے اکرام واعزاز کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ جب کوئی وفد ملاقات کی غرض سے خدمت اقدس میں حاضر ہوتا آپ ان کی حیثیت کے مطابق ان کی خاطر فرماتے۔ جب بچوں کے پاس سے گزرتے انھیں سلام کرتے، اپنا دست شفقت ان کے سروں پر پھیرتے، مریضوں کی مزاج پرسی کے لئے ان کے گھروں پر تشریف لے جاتے اور عیادت کرنے والوں کو ثواب کثیر کی بشارت سناتے، اپنے پڑوسیوں کا ہر طرح خیال فرماتے، پڑوسیوں کے اکرام اور حقوق کی رعایت کی اتنی تاکید فرماتے کہ صحابہ کرام سوچنے لگے کہ کہیں ہماری جائداد کا ان کو وارث نہ قرار دے دیا جائے، غرض آپ اخلاق کے سب سے بلند مقام پر فائز تھے: انك لعلى خلق عظيم. اے محبوب تو اخلاق کی عظیم بلندیوں پر فائز ہو۔

اسلامی تہذیب میں عبادات ومعاملات کے ایک بڑے حصے کی بنیاد صرف اس پر قائم ہے کہ بڑوں کی تعظیم وتوقیر کی جائے اور چھوٹوں پر رحمت وشفقت یہ ایسی اساس ہے جس پر اسلامی عبادات ومعاملات کا حسین تاج محل کھڑا ہے۔ عبادت نام ہی ہے اپنے خالق ومالک کے لئے انتہائی تعظیم کے جذبہ کے ساتھ تذلل وتواضع اختیار کرنا، بڑی سے بڑی عبادت اگر اس جذبہ تعظیم سے خالی ہو تو وہ عبادت نہیں بغاوت ہے۔ اسی طرح روح ایمان اور جان

اسلام حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دل کی گہرائیوں سے تعظیم وتوقیر کرنا ہے "وتعزروہ وتوقروہ" رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرو۔ صحابہ کرام اولیائے عظام اور علمائے اعلام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اعزاز واکرام عند اللہ وعند الرسول انتہائی محمود ومرغوب ہے بلکہ ایمان کی حفاظت کی ضمانت ہے یہاں تک کہ عام مسلمان اور خاص طور پر وہ جس کو اسلام ہی کی حالت میں بوڑھاپا آگیا اس کے اکرام کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے علما اور مشائخ کی شان تو بہت بلند وبالا ہے۔

حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو تاکید فرمائی ہے کہ وہ اپنے بڑوں کی تعظیم وتکریم کریں اور چھوٹوں پر شفقت ومہربانی کا سلوک کریں، ارشاد فرمایا:

من لم یرحم صغیرنا و لم یؤقر کبیرنا فلیس منا. او کما قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی جس نے ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کی اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اس حدیث پاک میں کبیر اور صغیر کو ضمیر متکلم کی طرف مضاف فرمایا تاکہ واضح ہو جائے کہ ہر بزرگ کی بزرگی محض نسبت رسول کی وجہ سے ہے جب تک یہ نسبت باقی رہے گی وہ بہر حال قابل تعظیم ہوگا، یوں ہی جس کو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صغیر کہیں وہی اپنی صغیریت کی وجہ سے قابل رحم ہوگا۔ ورنہ وہ صغیر نہیں شریر سمجھا جائے گا۔ اسی لئے قرآن پاک میں حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے مخلص اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے اوصاف اس طرح بیان فرمائے گئے ہیں: **محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم** . محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی کافروں پر سخت اور باہم مجسم رحم ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کفار ومنافقین، اعدائے دین، اور دشمنان اسلام ومسلمین کے ساتھ جہاد اور سختی کا برتاؤ کرنا اسلامی تہذیب واخلاق کے منافی نہیں بلکہ عین مطابق ہے کیونکہ کفر ونفاق کے فتنوں سے ہر کبیر وصغیر کو بچالینا عین تعظیم وترحم ہے اسی لئے صاحب خلق عظیم کو ان کا رب کریم حکم دیتا ہے: **یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنفقین واغلظ علیھم**۔ اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر خوب سختی کیجئے، یہ حکم ربانی ہے اس نبی رحمت کے لئے جس کی رحمت عامہ کی شان وسعت کو خود رب العالمین نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے: **وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین**۔ اے محبوب ہم نے تم کو تو تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور جس کے اخلاق کریمانہ کی عظمتوں کو یوں اجاگر فرمایا ہے: **انک لعلیٰ خلق عظیم**. محبوب! تم تو حسن اخلاق کے بلند وبالا مقام پر فائز ہو۔ اب کون ہے؟ جو یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ قبیلہ عرینہ کے بدمعاش ظالم کلمہ گو منافقوں کے ساتھ جو رحمت للعالمین نے سلوک فرمایا وہ آپ کے کریمانہ اخلاق اور شان رحمت للعالمین کے خلاف ہے، کیا کوئی

جرأت کر سکتا ہے کہ کعبہ کے پردے میں لپٹے ہوئے کلمہ گو ابن خطل منافق مرتد کا قتل آپ کے حسن اخلاق اور پیغمبرانہ شان کے منافی ہے، اگر جرأت کرتا ہے تو وہ بھی خطل جیسا ہی ہوگا یہ تشدد و سختی دراصل کریمانہ اخلاق کا ہی ایک حصہ ہے، اور نقطہ کو سمجھنے کے لئے اسلام کی علت غائی کو منصفانہ مزاج، محققانہ شعور و آگہی کے ساتھ پہلے سمجھنا ہوگا تب کہیں جاکر اسلامی تہذیب اور نبوی اخلاق کی گہرائی اور گیرائی سمجھ میں آئے گی صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، علماء مرشدین اور اولیائے کاملین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس زندگیاں اسی پاکیزہ تہذیب کے روشن نقوش سے مزین تھیں، بزرگوں کی تعظیم و توقیر کے گل بوٹوں سے ان کے دامن تہذیب آراستہ تھے، سیدنا امام الائمہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درس گاہ علم و فن میں سیدنا امام ابو یوسف، سیدنا امام محمد، سیدنا امام زفر وغیرہم ائمہ مجتہدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بصد احترام نیاز مندانہ حاضر ہونا یونہی سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر انوار کے قریب فقہ حنفی کی رعایت کے ساتھ نماز کی ادائیگی اس کا کھلا ثبوت ہے۔

آمدم برسر مطلب استاذ گرامی فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی دامت برکاتہم القدسیہ والفیوض الروحانیہ والعلمیہ کو جب ہم اس تناظر میں دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ حضرت والا مرتبت کا دل بزرگوں کے اعزاز و اکرام، تعظیم و توقیر کے مقدس جذبات سے پر ہے۔ اس کا اندازہ آپ کی تحریر، تقریر اور عملی زندگی سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے، جب کبھی اپنی نجی مجلسوں میں اپنے مشائخ، اساتذہ اور بزرگوں کا ذکر فرماتے ہیں تو ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ آپ پر رقت طاری ہو گئی، آنکھیں پر نم اور اشک بار ہو گئیں۔ مرشدی حضور سیدی مفتی اعظم ہند سے آپ کو بے حد قربت و عقیدت تھی کئی مرتبہ آپ کے وصال کے بعد حضرت نے حضور مفتی اعظم ہند کا ذکر کیا اور ذکر کرتے کرتے اشکبار ہو گئے۔

اکرام مفتی اعظم: ایک مرتبہ اپنی بیٹھک میں حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی شفقتوں اور محبتوں کا ذکر فرما رہے تھے اثنائے گفتگو آپ نے فرمایا کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ میں کسی استفتا کا جواب لکھتا اور حضرت کی خدمت میں سنانے کے لئے جب بیٹھتا اور کسی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے جب اختلاف رائے کرتا تو حضرت فرماتے کہ "مجھے پڑھایئے مت میں بہت پڑھ چکا ہوں" یہ کہہ کر رونے لگے اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا کہ اب اس طرح کہنے والا کون ہے" پھر اس کے بعد کافی دیر تک خاموش بیٹھے رہے جیسے کسی ماضی کی یادوں میں گم ہو گئے ہیں۔

حضور سیدی مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ والرضوان حضرت مفتی صاحب کو بہت نوازتے اور آپ کے علمی

اور فقہی بصیرت کے قائل اور قدر دان تھے بریلی شریف کی مرکزی درس گاہ اور مرکزی دار الافتاء کے لئے خود حضور مفتی اعظم ہند کا آپ کو منتخب فرمانا اس کی دلیل ہے۔ حضرت استاذ گرامی مد ظلہ کا مرکز اہل سنت بریلی شریف تشریف لے جانا ایک عجیب و غریب واقعہ کے بعد ہوا۔

عجیب و غریب واقعہ یہ ہے کہ ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۴ء کو جب کہ استاذ محترم شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ دار العلوم فضل رحمانیہ پچپڑ وا ضلع گونڈہ یوپی کی مسند صدارت پر فائز تھے ایک روز صبح کے وقت جب ہم لوگ حضرت والا کے پاس شرح جامی کا درس لے رہے تھے درسگاہ میں اچانک ایک اجنبی شخص سر پر انگریزی ہیٹ خاکی رنگ کا شرٹ اور ہاف پینٹ پہنے ہوئے نمودار ہوا ایک اجنبی کے اس ہیئت میں اچانک درسگاہ میں آنے پر سب کو تعجب ہوا۔ حضرت والا بھی حیرت سے نووارد کو دیکھ رہے تھے ابھی حضرت نے اس نووارد سے کچھ پوچھا بھی نہیں کہ وہ خود ہی بول اٹھا۔

نووارد: مولانا صاحب! آپ نے مجھے پہچانا؟

حضرت قبلہ: جی نہیں! فرمایئے آپ کون ہیں کہاں سے اور کس کام کے لئے تشریف لائے ہیں؟

نووارد: میں قوم جن سے ہوں اور اپنے ملک کا قطب وقت ہوں۔

حضرت قبلہ: خاموش رہے اور تعجب خیز نظروں سے اسے دیکھتے رہے۔

نووارد: سر سے اپنا ہیٹ (ٹوپ) اتار کر اس کا اندرونی حصہ حضرت والا کے سامنے پیش کرتے ہوئے بولا دیکھ لیجئے!

حضرت قبلہ نے اور ہم لوگوں نے جھک کر دیکھا تو اس پر ایک مہر ثبت تھی دیکھ کر اور حیرت ہوئی کہ آخر معاملہ کیا ہے؟

نووارد: مولانا صاحب! یہ مدرسہ کی عمارت جو بن رہی ہے وہ گر جائے گی (ان دنوں دار العلوم فضل رحمانیہ کے مغربی حصہ میں تین کمروں کی تعمیر ہو رہی تھی) اور آئندہ سال ایک بہت بڑی جگہ آپ کا تبادلہ کر دیا گیا ہے۔ اتنا کہہ کر وہ صاحب جانے لگے۔

حضرت قبلہ: نے فرمایا کہ تشریف رکھئے مگر اتنے میں نووارد کمرے سے باہر چلا گیا پھر کدھر گیا کسی کو معلوم نہیں۔ جب شعبان کی سالانہ تعطیل میں اپنے وطن مالوف گھوسی جانے کے لئے گورکھپور کی ٹرین سے ہم لوگ پچپڑوا سے روانہ ہوئے تو اس وقت ٹرین جب تیزی سے اپنی منزل کی طرف جا رہی تھی ہم نے ٹرین سے انھیں صاحب کو دیکھا کہ کھیت کی پگڈنڈیوں پر تیزی کے ساتھ اس طرف کو جا رہے ہیں جس طرف ٹرین جا رہی ہے۔ جب گورکھپور اسٹیشن پر ہم لوگ

ٹرین سے اترے اور اپنے اپنے سامان اکٹھا کر کے ایک طرف پلیٹ فارم پر کھڑے ہی ہوئے تھے کہ وہی صاحب ہمارے پاس آ کھڑے ہوئے اور کہا السلام علیکم ہم نے ان کے سلام کا جواب دیا اس کے بعد بولے مولانا صاحب جو میں نے کہا ہے اسے یاد رکھیں آپ کا تبادلہ ایک بڑی جگہ کر دیا گیا ہے یہ کہہ کر تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گئے اور پھر نظر نہ آئے کہ کہاں اور کدھر گئے۔ پھر ہم لوگ گھوسی آ گئے۔

اس کے بعد ہی مرکز اہل سنت بریلی شریف سے حضور مرشدی مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ والرضوان کا والا نامہ حضرت استاذ محترم کی خدمت میں تشریف لایا کہ آپ بریلی شریف تشریف لائیں دار العلوم مظہر اسلام مسجد بی بی جی اور مرکزی دار الافتاء و محلہ سوداگران بریلی شریف کی تدریسی اور فتاویٰ نویسی کی خدمات کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ چنانچہ شوال ۱۳۷۵ھ میں حضور سرکار مفتی اعظم ہند کی دعوت پر بریلی شریف تشریف لے گئے۔ مجھے یاد ہے کہ حضور سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی دعوت کو حضرت قبلہ نے بلا تردد کسی لیت لعل کے بغیر قبول فرمالیا نہ تو طعام و قیام اور مشاہرہ کے بارے میں کچھ دریافت فرمایا اور نہ ہی اپنی طرف سے شرائط وغیرہ پیش فرمائے یہ اس لئے کہ آپ کے دل میں اپنے بزرگوں کا بے حد احترام تھا ہمیشہ اپنے بزرگوں کے احکام کی بجا آوری کو اپنی بڑی سعادت خیال کیا اپنے مفاد اور خواہشات کو اکرام بزرگان کی خاطر نظر انداز فرمایا: حضرت قبلہ اگر چاہتے تو کسی اور دار العلوم میں تشریف لیجاتے اور زیادہ سے زیادہ مشاہرہ مل سکتا تھا دوسرے مدارس کے ارباب حل وعقد نے آپ کو اپنے یہاں بلانے کی خواہش کا اظہار بھی آپ کے پاس کیا بریلی شریف کے مقابلہ میں کہیں زیادہ مشاہرہ کی پیش کش بھی کی گئی مگر حضرت قبلہ نے سب کو نظر انداز فرما کر محض اکرام مفتی اعظم کے جذبہ صادقہ کے زیر اثر بریلی شریف کو ترجیح دی اور آپ نے دار العلوم فضل رحمانیہ کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر ایک مرکزی اور بڑی جگہ پہنچ گئے اس طرح اس نو وارد کا کہا ہوا سچ ثابت ہوا۔ اور جو دار العلوم کے تین کمروں کی تعمیر ہو رہی تھی اس سال بارش کی کثرت کی وجہ منہدم ہو گئی۔ اس نو وارد کی دونوں باتیں صحیح ہوئیں۔

اکرام حافظ ملت: ۱۳۷۷ھ میں بڑہل گنج ضلع گورکھپور سے دار العلوم فضل رحمانیہ میں حضرت قبلہ استاذ محترم مفتی محمد شریف الحق صاحب کی خدمت میں ایک جلسہ کا دعوت نامہ پہنچا حضرت قبلہ نے منظور فرمالیا اس کے بعد وطن مالوف کے سالانہ جلسہ میں بھی شرکت کی دعوت ملی آپ نے اسے بھی قبول فرمالیا تھا، فقیر راقم الحروف کے والد گرامی حضرت الحاج محمد حسن صاحب علیہ الرحمہ کا حکم تھا کہ مجیب اشرف سالانہ جلسہ کے موقعہ پر گھوسی آجانا میں نے موقعہ کو غنیمت جانا اور حضرت قبلہ کی ہمرکابی میں بڑہل گنج پہنچا اس جلسہ میں استاذ محترم

کے علاوہ ملک کی نامور شخصیتوں میں سے حضور محدث اعظم کچھوچھوی، حضور حافظ ملت شیخ الحدیث مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی صاحب میرے بڑے ماموں جان شیخ العلماء حضرت علامہ غلام جیلانی صاحب قبلہ علیہم الرحمۃ والرضوان بھی تھے۔اسی روز رات میں شہر کے ایک صاحب کے مکان پر تمام علمائے کرام کی دعوت تھی جب مہمان علمائے کرام کا قافلہ معزز میزبان کے مکان پر پہونچا تو صاحب خانہ کے علاوہ شہر کے دیگر معززین جو وہاں موجود تھے علمائے کرام کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ علمائے کرام نے جب اندر تشریف لیجانے کے لئے اپنے اپنے جوتے اتارے تو عقیدت مندوں نے بڑھ کر علماء کرام کے جوتوں کو اٹھا کر ایک محفوظ جگہ رکھدیئے اس ہماہمی میں اتفاق کی بات کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے جوتے اٹھانا لوگ بھول گئے یا کسی کا اس کی طرف خیال نہ گیا۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ نے دیکھ لیا اور تیزی کے ساتھ آگے بڑھے اور بڑی نیاز مندی کے ساتھ اپنے شفیق استاذ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے جوتوں کو سب کے سامنے اٹھالیا فقیر تیزی سے آگے بڑھا کہ حضرت کے ہاتھ سے لے کر کسی محفوظ جگہ رکھدے مگر اتنی دیر میں حضرت والا نے اس کو ایک جگہ رکھدیا میں نے محسوس کیا کہ ایسا کرنے میں آپ کو کوئی ناگواری یا جھجھک نہ ہوئی۔ بات تو معمولی ہے مگر غور کرنے سے یہ اندازہ ہوگا کہ حضرت قبلہ کے دل میں اپنے اساتذہ اور بزرگوں کا کتنا ادب تھا۔ اسی جذبہ اکرام بزرگاں کا لازمی اثر ہے کہ اپنے بزرگوں کی چھوٹی سے چھوٹی خدمت کرنے میں کبھی آپ نے کوئی عار محسوس نہیں کی۔ بلکہ اپنی سعادت جانا۔

اکرام خیر الاذکیا: میرے حقیقی ماموں خیر الاذکیا عمدۃ المحققین حضرت العلام مفتی غلام یزدانی صاحب قبلہ شیخ الحدیث دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف علیہ الرحمہ والرضوان حضرت مفتی صاحب قبلہ کے چچازاد بھائی بھی تھے اور آپ کے استاذ بھی تھے حضرت محدث صاحب قبلہ علیہ الرحمہ مفتی صاحب قبلہ پر ہر معاملہ میں کامل اعتماد فرماتے تھے کوئی بھی اندرونی یا بیرونی معاملہ ہوتا آپ ہی سے مشورہ فرماتے شاید ہی کوئی ایسی بات ہو جو مفتی صاحب قبلہ سے پوشیدہ رکھتے ہوں۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ نے بھی حضرت محدث صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی خدمت کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ ہر معاملہ اور ہر مرحلہ میں آپ کا پورا پورا ساتھ دیا۔

جب دارالعلوم اہل سنت مدرسہ شمس العلوم گھوسی کو ایک لائق اور قابل صدرالمدرسین کی ضرورت ہوئی جو مدرسہ کے تعلیمی تنظیمی پروگراموں کو بحسن وخوبی آگے بڑھا کر ادارے کو شاہراہ ترقی پر لاکھڑا کردے ابھی مدرسہ کی عمر بہت کم تھی ملک میں بہت کم لوگ تھے جو اس کے نام سے واقف تھے ذرائع آمدنی محدود تھے مدرسین کی تنخواہیں قلیل تھیں بیرونی طلبہ کے قیام وطعام کا مالی کمزوری کی وجہ سے اب تک کوئی انتظام نہ تھا صرف مقامی طلبہ کے لئے ابتدائی تعلیم کا انتظام تھا حضرت استاذ محترم مولانا محمد سعید صاحب فتح پوری علیہ الرحمہ کی وجہ سے فارسی

درجات کا اضافہ ہوا تھا۔ قوم کے بچوں کے لئے اعلیٰ تعلیم کا انتظام کرنا تھا۔ ایسی حالت میں حضرت العلام محدث غلام یزدانی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ بانی ادارہ ہٰذا کی نظر انتخاب حضرت مفتی صاحب قبلہ مدظلہ پر پڑی اپنے استاذ کے ارشاد پر آپ نے شمس العلوم میں رہنا قبول فرمالیا۔ گھر کی اقتصادی حالت بہتر نہ ہونے کے باوجود قلیل تنخواہ پر صابر وشاکر رہ کر اپنے فرائض منصبی کو غالباً ۱۳۶۵ھ سے لے کر ۱۳۷۷ھ تک بحسن وخوبی انجام دیا۔ محض اپنے بزرگ استاذ حضرت محدث صاحب علیہ الرحمہ کی خوشنودی اور اکرام کے پیش نظر کبھی بھی حرف شکایت زبان پر نہ لائے، اور ادارہ کی ایسی پر خلوص خدمت کی کہ مدرسہ دیکھتے ہی دیکھتے کہاں ۔سے کہاں پہنچ گیا، بیرونی طلبہ کے قیام وطعام کا انتظام بیرونی امداد کی وصول یابی، مدرسہ کی زمین کی خریداری اور تعمیر جدید کا آغاز، آپ ہی کے دور میں ہوا، حضرت مفتی صاحب کی کاوشوں سے مدرسہ بہت جلد ملک گیر شہرت کا مالک بن گیا۔ آپ کے ہی زمانہ میں حکومت ہند کی طرف سے مدرسہ کو گرانٹ منظور ہوئی، مدرسہ کی جانب سے الہ آباد بورڈ کے امتحانات مولوی، عالم فاضل، وغیرہ میں طلبہ کی پہلی شرکت آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ فقیر نے الہ آباد بورڈ کے مولوی کے پہلے امتحان میں شرکت کی تھی غالباً یہ امتحان ۱۹۵۲ء یا ۱۹۵۳ء میں ہوا تھا۔

اکرام احسن العلما: جب کوئی چھوٹا بڑوں سے بے تکلف ہو جاتا ہے تو دیکھا گیا ہے کہ بسا اوقات اس بڑے کے لئے ایسے کلمات بول دیتا ہے جو اس بزرگ شخصیت کے اعزاز واکرام و تعظیم واحترام کے خلاف ہوتے ہیں، مگر استاذ محترم حضور مفتی صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ باوجود بے تکلفی کے اپنے بزرگوں کی بارگاہ میں ہمیشہ نیاز مند اور مودب ہی نظر آئے۔

سیدی سرکار حضور احسن العلماء سید مصطفےٰ حسن حیدر صاحب قادری برکاتی مارہروی علیہ الرحمہ والرضوان ماضی قریب کے ان بزرگوں میں آپ کا شمار ہے جو اپنی ذات وصفات میں اور خوبی کردار میں بزرگوں کا مکمل نمونہ تھے۔ صورت ایسی نورانی پر کشش تھی کہ دیکھنے والا دیکھتا ہی رہ جائے۔ مجلس ایسی دلچسپ اور بافیض کہ جو ایک بار بھی حسن نیت کے ساتھ شریک بزم ہو وہ آپ کا بندۂ بے دام بن گیا، بآں جلالت شان علماء ومشائخ کی شایان شان تعظیم وتکریم اور خورد نوازی آپ کی خوبی کردار کا حصہ تھا غرض خالق کائنات نے حضرت کو ظاہری اور باطنی خوبیوں سے خوب خوب نوازا تھا، حضرت احسن العلماء علیہ الرحمہ حضرت مفتی صاحب قبلہ کو اتنا چاہتے تھے کہ دیکھنے والوں کو رشک ہوتا تھا، احسن العلماء کی بارگاہ میں جو قرب حضرت مفتی صاحب قبلہ کو حاصل تھا میرے علم میں وہ قرب کسی دوسرے کو حاصل نہ تھا۔ حضرت احسن العلماء آپ سے ایک بے تکلف دوست کی طرح گفتگو فرماتے، اگر حضرت مفتی صاحب قبلہ کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو شاید وہ آداب مجلس کا لحاظ وپاس کئے بغیر گفتگو کرنے کو اپنی خوش نصیبی

تصور کرتا مگر بزرگوں کی بارگاہ میں جری اور بے باک ہونا خوش نصیبی نہیں کم نصیبی ہے۔ حضرت قبلہ مفتی صاحب مدظلہ الاقدس کو مارہرہ شریف کی حاضری کے دوران بارہا دیکھا ہے حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ والرضوان کی بارگاہ میں جب جب حضرت مفتی صاحب قبلہ دامت برکاتہم کو باریابی کا شرف حاصل ہوا ہے تو دست بستہ سر جھکائے نگاہیں نیچی کئے ہوئے نیاز مندانہ ادب واحترام کے ساتھ حاضر ہوئے۔ کبھی اونچی آواز سے گفتگو نہ فرمائی بیٹھتے تو خاموش رہتے حضرت والا کے کلمات خیر کو بڑے غور سے سماعت فرماتے۔ اگر کچھ سوال کی ضرورت ہوئی تو حضور یا سرکار سے مخاطب فرماتے، باہمی بے تکلفی کے باوجود سرکار احسن العلماء علیہ الرحمہ کے اعزاز واکرام اور تعظیم وتکریم میں ذرہ برابر فرق آنے نہ دیا نزہۃ القاری جلد دوم کے مقدمہ میں اپنے سفر حج کی روداد لکھتے ہوئے سرکار احسن العلماء علیہ الرحمہ کا بڑے والہانہ انداز میں ذکر فرمایا ہے جس کو پڑھکر اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب قبلہ کے دل میں حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ کا کس قدر احترام تھا اور آپ آل رسول کا کتنا اکرام فرماتے تھے۔ عرفات کی حاضری کے وقت اپنے ایک خواب کا ذکر فرمایا ہے جس کا تعلق حضور سیدی سرکار احسن العلماء اعلیہ الرحمہ کی ذات گرامی سے ہے لکھتے ہیں کہ ظہر کی نماز ادا کرلی پھر اوراد وظائف میں مشغول ہو گیا طے یہی کیا تھا کہ آج قیلولہ نہیں کروں گا مگر تھوڑی دیر کے بعد نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں سونے پر مجبور ہو گیا خواب میں دیکھا کہ حضرت مولانا سید مصطفےٰ احسن حیدر صاحب سجادہ نشین مارہرہ مطہرہ احرام باندھے ہوئے تشریف لائے ہیں اور فرمارہے ہیں آپ حج کے لئے آئے اور مجھ سے نہیں ملے میں نے عرض کیا سرکار مجھے اس کی خبر ہی نہیں تھی کہ حضور بھی حج کے لئے آئے ہوئے ہیں پھر مسکرا کر فرمایا اچھا چلتے ہیں پھر ملیں گے۔ میں گھبرا کر اٹھا خواب کی اس کیفیت پر خوشی بھی ہوئی اور تعجب بھی ہوا۔ پھر مزدلفہ کی حاضری کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ کچھ دور چلنے کے بعد ایک جگہ کافی میدان خالی تھا۔ کچھ لوگ کنکریاں چن رہے تھے میں نے بھی وہیں کنکریاں چنیں پھر چادر بچھا کر تھوڑی دیر لیٹ گیا لیکن نیند نہیں آئی نیند آتی بھی کہاں سے ایک گنہگار سیہ کار بندہ جبار وقہار معبود کی بارگاہ میں حاضر ہے لاکھوں لاکھ کی بھیڑ ہے معلوم نہیں کسے قبول کیا جائے گا کسے دھتکارا جائے گا مجھے کچھ پتہ نہیں کہ کس گروہ میں ہوں۔ گھبرا کر اٹھ بیٹھا اللہ نے توفیق دی اس کی یاد کی۔ اسی عالم میں ایک بار بے اختیار نگاہ اوپر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مفتی اعظم ہند رحمہ اللہ علیہ قبلہ کی طرف سے چلے آرہے ہیں میں اٹھ کھڑا ہوا چاہا کہ آگے بڑھ کر قدمبوسی کی سعادت حاصل کروں۔ مگر قدم جیسے کہ بندھ گئے تھے یہاں تک کہ آنے والے بزرگ بہت قریب آگئے اب یہ دیکھتا ہوں کہ مفتی اعظم علیہ الرحمہ نہیں ہیں کوئی اور بزرگ ہیں انہوں نے آتے ہی سلام کیا میں نے سلام کا جواب دیا۔ مگر میرے ہوش وحواس غائب تھے کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے۔

انھوں نے خود ہی مسکرا کر فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو آپ کی چادر پر بیٹھ جاؤں۔ میں نے عرض کیا ضرور

ضرور تشریف رکھیں یہ میری سعادت ہے بیٹھنے کے بعد مجھ سے میرا نام وطن، اور مشغلہ دریافت کیا، میں نے سب کچھ اختصار کے ساتھ عرض کر دیا۔ پھر میں نے ان سے ان کا نام وغیرہ پوچھا تو فرمایا: نام پوچھ کر کیا کیجئے گا میں سیلانی آدمی ہوں آج یہاں کل وہاں میرا کوئی ٹھکانا نہیں۔ میں نے دعا کی درخواست کی تو فرمایا: اللہ آپ کو خوش رکھے۔ پھر میں نے عرض کی دعائے مغفرت فرمائیں تو فرمایا: اللھم اغفر لاخی ھذا۔ بار بار اس کی تکرار فرمائی پھر اچانک کھڑے ہو گئے اور فرمایا اب ہم چلتے ہیں ملنے کا وعدہ کیا تھا اس لئے آ گئے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اور تیزی سے جانب قبلہ بڑھے مجھ پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا انھیں کھڑا دیکھتا رہا۔ یہ بھی خیال نہ ہوا کہ کب ملنے کا وعدہ فرمایا تھا یہاں تک کہ وہ غائب ہو گئے۔

ان دونوں مذکورہ واقعات کو ملانے سے پتہ چلتا ہے جس بزرگ نے عرفات کے میدان میں بحالت خواب ملنے کا وعدہ کیا تھا اسی ذات نے حالت بیداری میں شرف ملاقات سے حضرت مفتی صاحب قبلہ کو مشرف فرمایا خواب میں سیدی سرکار احسن العلماء علیہ الرحمہ کی صورت میں اور بیداری میں دوسری شکل میں جو دور سے مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی شبیہہ معلوم ہوئی۔ یہ بھی الگ روحانی تعلق خاص کا کرشمہ ہے۔ بعض صوفیائے کرام نے فرمایا ہے خواب یا بیداری میں بعض دفعہ کسی عظیم ہستی کا دیدار خواب دیکھنے والے کو جس کے ساتھ سب سے زیادہ تعلق خاطر ہوتا ہے اسی شکل و شباہت میں اس عظیم ہستی کی روح متشکل نظر آتی ہے۔ ہو سکتا ہے یہاں بھی کوئی ایسی ہی صورت حال ہو۔ بہر حال حضرت مفتی صاحب قبلہ کو سیدی سرکار مفتی اعظم ہند اور سرکار احسن العلماء علیہم الرحمہ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ یہ اسی کا ایک خوش گوار اثر تھا جو عرفات و مزدلفہ میں ظاہر ہوا۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ کو میں نے دیکھا ہے وہ اپنے بزرگوں کے ساتھ ہمیشہ مؤدب رہے مثلاً حضور سید العلماء سرکار آل مصطفیٰ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ مارہروی، حضور مجاہد ملت سرکار حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ علیہ الرحمہ، حضرت شمس العلماء مولانا قاضی شمس الدین صاحب قبلہ، حضرت صدر العلماء مولانا سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی، حضرت علامہ مفتی برہان الحق صاحب قبلہ مفتی اعظم مدھیہ پردیش جبل پور، حضرت علامہ مولانا سلیمان صاحب بھاگلپوری، محدث جلیل حضرت علامہ مولانا سید خلیل احمد صاحب کاظمی علیہم الرحمہ وغیرہ۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ پر ان حضرات کی مخصوص عنایتیں رہی ہیں درس و تدریس افتاء مباحثہ، مناظرہ، اور دیگر دینی سیاسی معاملات میں ان بزرگوں نے ہمیشہ آپ پر اعتماد فرمایا ہے اور حضرت قبلہ نے ان بزرگوں کے آداب و احترام اور اعزاز و اکرام کا ہر موقعہ پر پورا پورا خیال رکھا ہے رب کریم استاذ گرامی حضور مفتی صاحب قبلہ کا سایہ کرم اہل سنت پر تادیر قائم رکھے۔ آمین

ایک یادگار واقعہ

پورنیہ کا بریلی شریف سے بہت قدیم تعلق ہے۔ میں نے ہوش سنبھالتے ہی ایسے بہت سے بزرگوں کو دیکھا جو بہت معمر اور سن رسیدہ تھے اور بریلی شریف سے فارغ تھے۔ مثلاً مولانا شاہ عبد القادر صاحب اور حضرت مولانا غلام یسین صاحب رشیدی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہما۔ لیکن کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ بریلی شریف کے کوئی بزرگ پورنیہ تشریف لائے ہوں۔ حضرت مفتی صاحب ہی کی تحریک پر جنتا ہاٹ کے افتتاح کے موقعے پر امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب مدظلہ العالی اور مولانا عبد العزیز صاحب مرحوم ساکن آبجہ وغیرہ نے حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ کو بڑی مشکلوں سے پورنیہ کے سفر کے لئے آمادہ کیا۔ سن اور تاریخ یاد نہیں ۱۹۶۲ء میں غالباً یہ جلسہ ہوا تھا۔

حضرت مفتی اعظم ہند پورے قافلے کے ساتھ پورنیہ کے لئے روانہ ہوئے جن میں چھ سات وہ طلبہ تھے جو بریلی شریف پڑھتے تھے رات کو نو بجے کے قریب سب لوگ پسینجر گاڑی سے چلے صبح ساڑھے چار بجے لکھنؤ پہنچے۔ سخت سردی کا زمانہ تھا۔ پلیٹ فارم کے ٹین کے شیڈ کے نیچے پورا قافلہ اترا۔ حضرت مفتی اعظم ہند نے ضروریات سے فارغ ہو کر اسٹیشن کے نل کے ٹھنڈے پانی سے وضو فرمایا۔ جب کہ حضرت کی عادت تھی کہ گھر پر ہمیشہ جاڑوں میں گرم پانی سے وضو کیا کرتے تھے۔ پلیٹ فارم پر باجماعت نماز فجر ہوئی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مفتی اعظم ہند حسب عادت اوراد و وظائف میں بہت دیر تک مصروف رہے۔ گرم چادر اوڑھنے کے باوجود جاڑے سے کانپ رہے تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے بستر کھول کر حضرت کو لحاف اوڑھایا جس سے حضرت کو قدرے سکون ہوا۔ وظائف سے فارغ ہو کر حضرت نے ٹوکری کی طرف خود ہاتھ بڑھایا۔ حضرت مفتی صاحب نے ٹوکری پیش کر دی۔ حضرت نے فرمایا دیکھئے اس میں کوئلہ ہوگا۔ لیکن کوئلہ رکھنا گھر والے بھول گئے تھے۔ حضرت مفتی صاحب حضرت کا مقصد سمجھ گئے اور کوئلہ نہ پا کر کچھ پریشان بھی ہوئے۔ مگر کسی سے کچھ کہے بغیر تنہا پلیٹ فارم سے باہر چلے گئے۔ آدھے گھنٹے کے بعد ہم لوگ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب شیروانی کے دامن میں کچھ لے کر آ رہے ہیں۔ سر پر عمامہ بندھا ہوا گرم کالی شیروانی پہنے ہوئے شیروانی کے دامن میں کچھ لئے ہوئے اٹھائے ہوئے وہ ایک عجیب وغریب ہیئت تھی۔ حضرت مفتی اعظم ہند کی جب نظر پڑی تو مسکرا کر لوگوں سے فرمایا: ”دیکھو تم لوگوں

کے مفتی صاحب دامن میں تم لوگوں کے لئے کچھ کھانے کی چیز لا رہے ہیں"۔ بہر حال ہم لوگ بھی مفتی صاحب کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے اور حضرت بھی مسکراتے ہی رہے۔ لیکن جب مفتی صاحب بالکل قریب آگئے تو حضرت مفتی اعظم ہند بالکل سنجیدہ ہو گئے مگر ہم بچے مسکراتے رہے۔ جب قریب آئے تو مفتی صاحب نے فرمایا ٹوکری لاؤ اب جو دامن ہٹایا تو دیکھا گیا کہ اس میں کوئلہ ہے اور چائے کا پیکٹ ہے اور شکر ہے۔ مفتی اعظم سخت حیرت میں پڑ گئے۔ محبت بھری خفگی کے ساتھ فرمایا: "آپ کوئلہ لینے چلے گئے"۔ اس کے بعد اسٹو ساتھ تھا مفتی صاحب نے فرمایا اسٹو جلاؤ اسٹو جلایا گیا ٹوکری میں ابلے ہوئے انڈے رکھے تھے ان کو گرم کیا پھر خود ہی چائے بنائی حضرت مفتی اعظم کو انڈا کھلایا چائے پیش کی۔ چائے بہت عمدہ بنی تھی مفتی اعظم بار بار فرماتے تھے بہت عمدہ بہت اچھی۔

پھر اسی اسٹو پر کوئلہ سلگایا حقے میں تازہ پانی ڈال کر اور اپنے ہاتھ سے چلم بھر کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا اس وقت حضرت کی خوشی و مسرت دیکھنے کے لائق تھی۔

مفتی صاحب کے تلمیذ موجود تھے وہ بار بار کہتے رہے ہٹئے ہم لوگ کرلیں گے مگر کسی کو قریب نہیں آنے دیا فرمایا تم لوگ نہیں جانتے بگاڑ دو گے۔ اس وقت بھی حضرت مفتی صاحب کی حیثیت کوئی معمولی نہیں تھی مگر حضرت کی خدمت کرنے میں کوئی کسر شان نہیں محسوس کی جب کہ اطاعت شعار، نیاز مند تلامذہ کی بھیڑ تھی۔ اپنے سے چھوٹوں کی موجودگی میں بزرگوں کی خدمت کرنے میں لوگ اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت مفتی صاحب قبلہ ہر حال میں بزرگوں کی خدمت اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔ اسی کا صلہ ہے کہ اس وقت حضرت مفتی صاحب پوری جماعت اہل سنت کے مخدوم و مطاع ہیں۔

(مولانا مجیب اشرف صاحب مدظلہ العالی کے مضمون کے ساتھ میں نے اس واقعہ کا اضافہ اس لئے کر دیا کہ نئی نسل کے علماء و طلبا کچھ سبق حاصل کریں۔ (مرتب)

علامہ بدر القادری مصباحی
اسلامک اکیڈمی، ڈین ہیگ، ہالینڈ

شارح بخاری اور ان کی خدمات

یہ شرف قصبہ گھوسی کو حاصل ہے کہ یہ سرزمین صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ الشاہ امجد علی قادری قدس سرہٗ کا مولد و مدفن ہے۔ اور اس درشہوار کا تعلق جس معدن سے ہے ان میں مولانا خیر الدین علیہ الرحمہ کا نام نامی آتا ہے جو اپنے عہد میں ظاہر و باطن کے عالم اور عارف باللہ تھے۔ خود ان کی نسل میں بھی ان کی برکات کا ظہور ہوتا ہے۔ حضرت مولانا خیر الدین کو خدا نے چار بیٹے عطا کئے تھے۔ جن میں سے تین کی اولاد آگے چل کر گھوسی کو مرکز علما و فضلا بنانے والی ہوئی اور جن کی علمی و روحانی عطر بیزیوں سے ہند و پاک معطر ہو رہا ہے۔ مولانا خدا بخش بن مولانا خیر الدین کی نسل میں حضرت صدر الشریعہ پیدا ہوئے۔ اسی طرح حضرت مولانا خیر الدین کے پوتے میاں حاجی یار محمد کے صاحبزادے مولانا صدیق ہوئے جن کے فرزندوں میں مولانا غلام جیلانی و مولانا غلام یزدانی ہوئے اور میاں حاجی لعل محمد بن مولانا خیر الدین کے صاحبزادوں میں جناب ثناء اللہ کے فرزند جناب عبد الصمد صاحب کے گھر، ساعت سعید میں فخر اماثل، محقق عصر، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی الشاہ محمد شریف الحق امجدی قادری کی ولادت ہوئی۔ محلہ کریم الدین پور کے ایک معمولی گھر میں آنکھیں کھولنے والا دہ بچہ کسے معلوم تھا کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کا شارح اور علوم اسلامیہ کا شناور ہوگا۔ اور اس کی ذات ایک دور میں اسلامیان عالم کے لئے مرجع الفتاوی قرار پائے گی اور قلوب و ارواح کے بہتیرے مریض اس کی صحبت کیمیا اثر سے شفاء یاب ہوں گے۔ گویا چوتھی پشت میں آپ کا سلسلہ نسب حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے جد امجد سے جاملتا ہے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم محلہ باغیچہ کے مکتب میں ہوئی۔ اور آپ ۲۲/ جنوری ۱۹۳۵ء کو مبارکپور دار العلوم اشرفیہ میں داخل ہوئے۔ معمار ملت مسلمہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کو مبارکپور تشریف لائے ابھی ایک سال پورا ہوا تھا کہ ہر طرف ان کی علمی خدمات کا غلغلہ مچ گیا اور ان کی کیمیا اثر نگاہ نے اس قصبہ کی تقدیر ہی بدل کر رکھ دی۔ حضور حافظ ملت قدس سرہٗ نے مبارکپور میں ۲۹/ شوال ۱۳۵۲ھ

مطابق ۱۶؍ فروری ۱۹۳۴ء کو قدم رنجہ فرمایا اور اس کے سال بھر بعد ہی دار العلوم اشرفیہ کی جدید بلڈنگ "باغ فردوس" کے سنگ بنیاد کا جلسہ جمعہ مبارکہ ۱۰؍ شوال ۱۳۵۳ء مطابق ۱۸؍ فروری ۱۹۳۵ء کو ہوا۔ جس میں شرکت کے لئے صدر الشریعہ کی تشریف آوری ہوئی تو حضرت مفتی صاحب انہی کے ہمراہ مبارکپور آئے اور جلسہ سنگ بنیاد کے بعد دار العلوم میں داخل ہوئے اور آٹھ سال تک حافظ ملت کے زیر سایہ نہایت محنت اور لگن سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر اشرفیہ میں کچھ ایسے ناگزیر حالات رونما ہوئے کہ مبارکپور سے ۱۰؍ محرم ۱۳۶۱ھ کو میرٹھ کے مدرسہ اسلامیہ میں چلے گئے جہاں حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی کا آفتاب علم روشن تھا مگر وہاں زیادہ دن نہ رہ سکے اور ابتدائے شوال ۱۳۶۱ھ میں بریلی شریف مدرسہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی بہاری پور میں داخل ہوگئے۔ جہاں محدث لائل پوری حضرت علامہ سردار احمد صاحب مسند درس پر فائز تھے۔ ان کے پاس دورۂ حدیث مکمل کیا۔ ۱۵؍ شعبان ۱۳۶۲ھ کو فارغ ہوئے اور سند فراغت سے نوازے گئے۔ حضور مفتی اعظم ہند مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا خاں جانشین اعلیٰ حضرت اور دوسرے علمائے کبار کے ہاتھوں دستار بندی ہوئی۔ حضرت مولانا سردار احمد صاحب محدث لائل پوری کی سفارش پر حضور مفتی اعظم ہند نے عمومی سند فراغت کے علاوہ اپنی خصوصی سند سے بھی نوازا۔

اساتذۂ کرام

بخاری شریف کی آخری حدیث کا سبق حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے پانے کا شرف ملا۔ حضرت ہی سے فتویٰ نویسی کی تعلیم حاصل کی۔ اور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے زیر سایہ رہ کر بریلی شریف کے مرکزی دار الافتا میں گیارہ سال تک فتویٰ نویسی کرتے رہے اور شہزادہ اعلیٰ حضرت سے تفقہ حاصل کرتے رہے۔ صحاح ستہ حرف بہ حرف حضرت مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ سے پڑھی۔ مبارکپور کے زمانے میں حضور حافظ ملت کے چشمہ علم سے خوب خوب سیرابی حاصل کی۔

تدریس

تدریس کا سلسلہ فراغت سے بہت پہلے دار العلوم اشرفیہ کے دور طالب علمی ہی میں شروع کر چکے تھے۔ فراغت کے بعد ۳۴ سال تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ اور آپ نے ابتدائی

کتابوں سے لے کر ہر فن کی منتہی کتب کا درس دیا۔ ہر فن کی اعلیٰ کتابیں نہایت وثوق ورسوخ سے پڑھائیں۔ دورہ حدیث کرایا، نیز مسلم الثبوت شمس بازغہ، قاضی مبارک اور موجودہ درس نظامی کی تمام کتابیں پڑھائیں اور فتویٰ نویسی بھی کرتے رہے۔ آپ کی درسگاہ کے فارغین میں آج ملک کے مشاہیر علماء و محققین مفتیان کرام اور خطبا کے نام آتے ہیں۔

خطابت

افتاءاور خدمت تدریس کے علاوہ تقریر اور مناظرہ بھی حضرت مفتی صاحب کا خاص فن ہے۔ چنانچہ آپ کے میدان عمل میں قدم رکھنے کے بعد سے آج تک سرزمین ہند پر بدمذہبوں نے جہاں بھی مذہب حقہ کو چیلنج کیا یا عظمت رسالت پر کیچڑ اچھالنے کی ناپاک جسارت کی اور آپ کو آواز دی گئی آپ نے آستانہ محمدی کے ایک جری دلاور پاسبان کی طرح اپنے آقاو مولا ﷺ کی نمک خواری کا حق ادا کر دیا اور بدمذہبوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ راقم الحروف نے اسی بات کو یوں نظم کیا ہے۔

تیرے ہوتے اہل سنت پر کھلے کس کی زبان
فتنۂ اشرار کو روکے تو وہ دیوار ہے

بڑے بڑے جلسوں اور کانفرنسوں کو خطاب کرنے کے سلسلہ میں باستثنائے دکن آپ نے ملک کے تمام خطوں میں دورے فرمائے اور تاہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

افتا

آپ تقریر و تدریس کے ساتھ ساتھ بحمدہ تعالیٰ قلم کے بھی بادشاہ ہیں۔ فتویٰ نویسی عنفوان شباب ہی سے شروع کر دی تھی۔ اور آپ کے لکھے ہوئے فتاوے اس وقت چالیس ہزار کی تعداد میں موجود ہیں۔ جو فل اسکیپ سائز میں دس ہزار صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک سے ایک نادر تحقیقات کے تارے جگمگ جگمگ کر رہے ہیں۔ (خدا کرے یہ علمی سرمایہ جلد از جلد زیور طبع سے آراستہ ہو کر اہل علم کو دعوت نظارہ دے آمین)۔

اس عظیم علمی و فقہی انسائیکلوپیڈیا کے علاوہ وقتاً فوقتاً آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں جن کے نام یہ ہیں: اشک رواں، السراج الکامل، تحقیقات، اسلام اور چاند کا سفر، اشرف السیر، اثبات ایصال ثواب، مقالات امجدی، سنی دیوبندی اختلافات کا منصفانہ جائزہ۔

آپ کی سب سے عظیم تصنیف ''نزہۃ القاری'' ہے جسے آپ کی زندگی کی قیمتی کمائی اور عمر بھر کے مطالعہ کا نچوڑ کہا جانا چاہئے۔ الحمد للہ کہ الجامعۃ الاشرفیہ کی چہار دیواری میں شامیانہ حافظ ملت تلے آپ نے یہ شرح مکمل کر لی۔ نزہۃ القاری علم حدیث میں حضرت فقیہ عصر کی مضبوط دسترس اور محدثانہ نظر کی دلیل ہے اردو زبان میں صحیح بخاری نیز دیگر کتب حدیث کی بہت سی شرحیں پائی جاتی ہیں۔ بعض تو صرف کسی عربی شرح کے ترجمہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض مترجمین و شارحین نے محض خون لگا کر شہیدوں میں نام لکھوانے کی کوشش کی ہے۔ نزہۃ القاری کے مصنف نے جس بلندی سے اس اصح الکتب بعد کتاب اللہ کی تشریح کی ہے اس کا مفاد عام یہ ہے کہ فہم حدیث کے لئے قاری کے ذہن کی کھڑکیاں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ تطبیق کا انداز اتنا پر کشش اور سہل ہے کہ کسی بھی موضوع کی مختلف احادیث مبارکہ کی تاویل فرماتے ہیں تو فقہ حنفی کا رخ تاباں سنت خیر الانام کی چاندنی سے جگمگا اٹھتا ہے۔ یہ نزہۃ القاری پر تبصرہ کا محل نہیں۔ اس لئے اپنا ہی ایک شعر لکھ کر آگے بڑھتا ہوں۔

نزہۃ القاری تعالیٰ اللہ ہے کیا بستان علم
امجدی کی عبقریت کا حسین شہکار ہے

حضرت فقیہ عصر ہند و بیرون ہند کے تمام علمی حلقوں میں متعارف ہیں۔ اپنے اکابرین و مشائخ کے بیحد محبوب رہے۔ اس کا اثر ہے کہ اب اپنے اہل عقیدت، اور تلامذہ کے لئے نور نگاہ ہیں۔ فرماتے ہیں:

بحمدہ تبارک وتعالے ہر سنی عالم اور شیخ سے عقیدت و محبت ہے۔ خواہ وہ کسی طبقے کسی سلسلے کا ہو۔ البتہ مجھے ان پانچ بزرگوں سے والہانہ عقیدت ہے۔ حضرت صدر الشریعہ، حضرت مفتی اعظم ہند، حضور حافظ ملت، حضور محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب، مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ''۔

میں نے سوال کیا کہ اپنی زندگی کا کوئی اہم واقعہ انکشاف یا حادثہ قابل ذکر ہو تو بتائیں۔

فرمایا: میری زندگی میں سب سے بڑا حادثہ جو واقع ہوا پاکستان کا وجود ہے۔ پاکستان اگر چہ اپنے حلقے کے مسلمانوں کے لئے ہندو استبداد سے نجات کا ذریعہ بنا۔ مگر ہندوستان کے کروروں مسلمانوں کے لئے مسلسل تباہی، بربادی کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوا۔ میرے خیال میں پاکستان کانگریسی لیڈروں کی مسلم دشمنی کا انمٹ نقش ہے۔

بدر: علما یا قوم کے نام کوئی پیغام!

فرمایا: علما اور عوام پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کریں اور اپنے ضمیر کی آواز سے فیصلہ کریں کہ ان کا کیا حال ہے؟ اس کی اصلاح کریں۔ نیز اپنے بھائیوں میں کوئی کمی دیکھیں تو یہ سوچیں کہ جیسے ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے نقائص پر پردہ پڑا رہے۔ ویسے ہی اپنے بھائی کی کمی پر بھی پردہ ڈالے رہیں۔

ولست بمستبق اخاً لاتلمه   علی شعث ای الرجال المهذب

اگر اپنے بھائی کے نقص کے باوجود اس کے ساتھ رواداری نہیں برتو گے تو کسی کو بھائی نہ رکھ سکو گے۔ بے عیب کون شخص ہے؟

فرمایا: عوام علما سے بے تعلق ہوتے جا رہے ہیں باستثناء مشائخ و مقررین۔ بڑے بڑے عالم کے ساتھ ان کی وہ عقیدت نہیں جو ہونی چاہئے۔

عوام کو علما کے ساتھ وہی عقیدت و شیفتگی پیدا کرنی چاہئے جس کے علما مستحق ہیں ورنہ دین کا خدا حافظ!

حضرت فقیہ عصر ان دنوں اہل سنت کی مرکزی علمی دانشگاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کی مسند افتا کے صدر نشین ہیں۔ شرح بخاری آپ کی زندگی کا عظیم کارنامہ ہے۔ مولا تعالیٰ ان کی ذات سے اسلام وسنیت کو مزید فیض پہنچائے آمین۔

☆☆☆

۷۸۶
۹۲

مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی
دار العلوم قادریہ چریاکوٹ مئو (یوپی)

شارح بخاری اور دعوت وتبلیغ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم والہ وصحبہ اجمعین

شارح بخاری، فقیہ عصر، مرجع العلما، سند الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی اعظمی دامت برکاتہم القدسیہ صدر شعبۂ افتا، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، کی ذات گرامی پندرہویں صدی کی موجودہ شخصیات میں جو نمایاں مقام رکھتی ہے وہ محتاج بیان نہیں، قدرت نے علم وعمل کی بے پناہ صلاحیتوں سے نواز کر آپ کے ذریعہ ہم اسلامیان عالم پر جو احسان عظیم فرمایا ہے ہم اس کا صحیح معنوں میں شکریہ نہیں ادا کر سکتے، ماضی قریب میں ہم نے جن بزرگوں کی قریب سے زیارت کی ہے آپ ان کی سچی یادگار ہیں، دین متین کے لئے جو تڑپ جو اضطراب اور قربانی کا جو جذبہ میں نے آپ کے اندر محسوس کیا ہے اس کی مثال دور دور تک ملنی مشکل ہے، عظمت رسول کے خلاف جہاں کوئی بات سُنی سینہ سپر ہو گئے۔

محرم ۱۳۷۶ھ ر ستمبر ۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے جب آپ بریلی شریف میں تھے کہ کے. ایم. منشی گورنر یوپی کے زیر اہتمام ایک کتاب بنام "ریلیجیس لیڈرز" چھپی جس میں حضور اقدس ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات استعمال کئے گئے، تو سرکار مفتی اعظم ھند علیہ الرحمۃ کے حکم سے آپ نے بریلی شریف میں احتجاجی جلسوں کا اہتمام کرایا ایک ہفتے تک یہ سلسلہ جاری رہا آپ نے ان جلسوں کے ذریعہ سخت احتجاجی بیانات دیئے اور ایک روز جمعہ کے دن خصوصی واجتماعی احتجاج کا پروگرام رکھا، جس کے بعد شر پسند ہندو اور حکومت کے کارندوں کے ذریعہ ہنگامی صورت حال پیدا ہو گئی، نتیجتاً حضرت مفتی مجیب الاسلام اعظمی مولانا ثناء اللہ صاحب مئوی اور حضرت شارح بخاری اور کچھ مقامی مسلمانوں پر پولیس نے فساد کا کیس لاد دیا جو آٹھ ماہ تک چلتا رہا بالآخر مجسٹریٹ نے سب کو بری کر دیا۔

یوں ہی ایک مرتبہ جب آپ مدرسہ شمس العلوم گھوسی میں مدرس تھے، ہندی کے اخبار "امرت بازار پتر کا" الہ آباد، میں حضور اقدس ﷺ کی شان میں انتہائی گستاخانہ مضمون چھپا تو حضرت مفتی صاحب قبلہ نے اس کے خلاف نہایت ہی شاندار احتجاجی جلوس نکالا۔

مارچ ۱۹۷۲ء میں بھنگا ضلع بہرائچ کے ایک جلسہ میں شرکت کی غرض سے حضرت شارح بخاری تشریف لے گئے اس وقت بلرام پور میں مدرسہ انوار القرآن میں شیخ الحدیث تھے، وہاں جانے کے بعد معلوم ہوا کہ تین چار

روز قبل کوئی پنڈت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں بے ہودہ کلمات بک گیا ہے، یہ سُن کر آپ کی غیرت ایمانی کو جوش آگیا اور آپ نے وہ پر مغز اور تاریخی حقائق پر مبنی تقریر فرمائی کہ غیر مسلم دم بخود رہ گئے، وہ تو کچھ نہ کر سکے کہ باتیں سب تاریخی شواہد پر مبنی تھیں مگر ایک دیوبندی نیتا کی شر پسندی اور عداوت نے اس کو رنگ دے کر حضرت شارح بخاری کے خلاف مقدمہ دائر کرادیا، جس کے نتیجے میں حضرت کو تین روز جیل میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں، لیکن جیل کی کوٹھری میں بھی دین کی دعوت و تبلیغ میں مشغول رہے ایک روز تمام قیدیوں کے سامنے اس طرح نصیحت فرمائی ،

"جرائم کرنا اچھی بات نہیں اس سے بچنا چاہیے، غریبوں مظلوموں کی بد دعائیں الگ ملتی ہیں اور جیل خانے میں آکر کیا گذرتی ہے وہ الگ" اس پر ایک قیدی نے کہا چاچا! آپ ہم کو سمجھا رہے ہیں آپ بھی تو کسی جرم ہی کی وجہ سے آئے ہیں۔

اسے کیا معلوم کہ حضرت مفتی صاحب کا جرم کیا تھا، اس نے اپنے اوپر قیاس کر کے سوال کیا۔ حضرت کا جواب تھا۔

میرا جرم صرف یہ ہے کہ میں حق بات بولتا ہوں اور کسی کی پروا نہیں کرتا۔

اسی جیل میں حضرت مفتی صاحب قبلہ کی ایک پنڈت قیدی سے گفتگو ہوئی حضرت نے اس کے سوال کا جواب دیا وہ متاثر ہوا لیکن بدلا نہیں اتفاق سے شناخت کے سلسلہ میں ایک روز آپ کی پیشی تھی۔ بعدِ شناخت جب آپ اپنی رہائش کے پاس آئے تو ایک درخت کے نیچے جے پال نامی ایک شخص کھڑا ہوا ملا۔ اس نے کہا میں بہت دیر سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں کل پنڈت جی سے آپ کی جو باتیں ہوئیں وہ سب میں نے سنیں، آپ کی باتیں بہت اچھی لگیں، آپ مجھ کو مسلمان کر لیجئے۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب قبلہ نے فوراً اسے کلمہ پڑھایا کفر و شرک سے توبہ کرایا اور اسلام کے بنیادی عقائد اور فرائض کی تلقین کی اس کے بعد وہ حضرت کے پیر پر گر پڑا۔ اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد حضرت نے جو فرمایا، انھیں کی زبانی سماعت کریں۔

"میرے دل میں یہ خیال اٹھا کہ جے پال کا مسلمان ہونا میرے ہاتھ پر مقدر تھا اس لئے مجھ کو جیل خانے بھیجا گیا اور سی کلاس میں رکھا گیا اور نہایت ذہین و فطین احباب کے ہوتے ہوئے ان کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا گیا...... اس تصور سے کہ ایک کافر میرے ہاتھ پر مسلمان ہوا میری ساری کلفتیں اذیتیں ایک دم کافور ہو گئیں اور میں بہت ہشاش بشاش ہو گیا، معاً یہ بھی خیال آیا کہ جیل خانے میں آنے کا مقصد پورا ہو گیا، آج ان شاء اللہ میں جیل خانے سے باہر نکلوں گا۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ اسی روز ضمانت پر جیل سے رہا ہوئے۔ "اس واقعے سے حضرت

مفتی صاحب قبلہ کی داعیانہ صلاحیت اور موثر انداز تبلیغ کا پتہ چلتا ہے، آپ کی زندگی میں اس طرح کے کتنے واقعات چھپے ہیں کہ آپ کی تقریر یا تفہیم سے متاثر ہو کر کافی تعداد میں کافر مسلمان ہوئے بدمذہبوں اور بدعقیدہ لوگوں نے بدعقیدگی سے توبہ کی اور کتنے بد عمل فاسقوں نے اپنی زندگی کا رُخ موڑ لیا اور اللہ والے بن گئے۔ پورے ملک میں آپ کے تبلیغی دورے ہوتے ہیں کثیر مقامات پر آپ کے بیانات کے ذریعہ دینی انقلابات آئے اور آرہے ہیں، تقریر و خطابت کے میدان میں حضرت مفتی صاحب قبلہ نے جو نمایاں کردار ادا کیا ہے اسکی مثال اس عہد میں پیش نہیں کی جاسکتی، آج کل عام طور سے مقررین و خطبا میں جو کمزوریاں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے جلسہ کرانے والے عوام الناس علما سے کافی حد تک شاکی و متنفر ہوتے جارہے ہیں، حضرت شارح بخاری ان معروف کمزوریوں سے الحمدللہ پوری سختی کے ساتھ بچنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں، جہاں جس پروگرام میں شرکت کا وعدہ کر لیتے ہیں ضرور حاضر ہوتے ہیں سوائے یہ کہ کوئی مرض شدید یا اور کوئی عذر شرعی لاحق ہو، اور اگر واقعی کسی عذر کی وجہ سے کہیں جانے کا اتفاق نہ ہوا تو ایسا نہیں کہ جلسہ والوں کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑے پیشگی عدم شرکت کی اطلاع دے دیتے ہیں یا کسی لائق فائق عالم مقرر کا بندوبست کر کے اسکو بھیج دیتے ہیں تاکہ جلسہ بھی خراب نہ ہو اور انتظار کی زحمت بھی نہ اٹھانی پڑے اور وعدہ خلافی کا بھی حتی الامکان تدراک ہو سکے، یہ وہ خوبی ہے جو آج کے متقی بننے والے بھی بہت سے مقررین کے اندر نہیں پائی جاتی۔...... یوں ہی وعدہ کر لینے کے بعد اس کی بھی کبھی کوئی پروا نہیں کرتے کہ آمد و رفت کا کرایہ خرچہ ملا ہے یا نہیں، اگرچہ یہ مدعو مقرر کا داعی پر ایک واجب حق بنتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر کرایہ نہ ملنے پر مقرر نہ پہونچے تو وعدہ خلافی کا جرم بھی اس پر عائد نہیں ہوتا، مگر حضرت شارح بخاری قبلہ دامت برکاتہم کی عادت کریمہ اس سلسلے میں رخصت پر نہیں بلکہ عزیمت پر کار فرما ہے، اور نہ ہی ایسا کرتے ہیں کہ بغیر کرایہ لئے پہنچے اور پہنچنے کے بعد کرایہ کا مطالبہ کرنے لگے، جو ملا لے لیا نہ کبھی طے کیا نہ کبھی لفافے کو دیکھ کر اضافے کے لئے کچھ کہا، بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ جو رقم بطور نذرانہ پیش کی گئی وہ صرف کرایہ ہی کے لئے کافی تھی بلکہ ایسا بھی ہوا کہ کرایہ بھی پورا نہ ہوا مگر آپ نے کبھی لب نہ کھولے دین کی تبلیغ و دعوت کے سلسلے میں استغنا اور اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ کی ایسی مثالیں اس وقت ڈھونڈھا کیجئے، حضرت قبلہ اپنے مخصوص تلامذہ و متعلقین کو بھی یہی تلقین فرماتے ہیں کہ دین کی راہ میں یہ نہ دیکھو کہ کیا ملا؟

وعدہ خلافی کے عادی اور جلبِ منفعت کے خوگر مقررین کی بھیڑ میں الحمدللہ مخلصین کی بھی اچھی خاصی جماعت ہے جو دین کا بھرم قائم رکھے ہوئے ہے، لیکن ان میں بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ اگر ایک مرتبہ نذرانہ کی رقم کچھ کم رہی تو دوسری بار وہاں کے پروگرام کے لئے ڈائری کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، کسی نہ کسی حیلے بہانے سے انکار ہی میں عافیت اور فائدہ سمجھتے ہیں، لیکن حضرت شارح بخاری قبلہ دامت برکاتہم کا اس سلسلے میں بھی نرالا انداز ہے کہ

ایک پروگرام میں نذرانہ کم ملایا بالکل نہیں ملا تب بھی حضرت دوسری تیسری مرتبہ بلکہ سالہا سال تک وہاں کے پروگرام میں جاتے رہے اور کبھی کچھ مطالبہ یا کمی کا اظہار نہیں فرمایا...... دین کی قربانی کی ایسی ایسی مثال آج بہت نادر ہے۔ دور دراز کے پروگرامات کے سلسلے میں جب حضرت شارح بخاری کا یہ رویہ تھا اور ہے تو مقامی جلسوں کانفرنسوں اور میلاد شریف کی محفلوں کا تو پوچھنا ہی کیا۔

تدریس کے سلسلے میں متعدد مقامات پر حضرت کا قیام رہا ہر جگہ کی یہ روایت رہی ہے کہ جہاں سے بھی محفل میلاد شریف کی دعوت آئی قبول فرمالیا سواری کا کیسا بھی انتظام رہا اس کا نہ کوئی شکوہ نہ مطالبہ میلوں پیدل چلنا پڑا تو اس کو بھی گوارا فرمایا۔ ہاں اب ضعف پیری ضعف بصر اور پاؤں کی تکلیف کی وجہ سے حسب ضرورت سواریوں کی سہولت کا کہیں کہیں مطالبہ فرماتے ہیں اور اس میں بھی زیادہ تر مقصود ہوتا ہے کہ شرح بخاری اور افتا و دیگر تصنیف و تالیف کے کام میں پروگرام کی وجہ سے جو رکاوٹ پیدا ہوتی ہے وہ کم سے کم ہو جائے، اور زیادہ سے زیادہ وہ وقت دین کے کام میں صرف ہو،......

بلرام پور (ضلع گونڈہ) کے دوران قیام جب بیت المقدس پر یہودیوں کا تسلط ہوا تو آپ نے اس کے احتجاج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بڑی پرجوش تقریریں فرمائیں اور وہاں کے مسلمانوں سے کہہ کر مختلف مقامات پر خود احتجاجی اجلاس منعقد کرائے اور یہودیوں کی مسلمانوں کے خلاف سازش کا پردہ چاک کرتے ہوئے ان کی شرارتوں کا تاریخی شواہد کی روشنی میں نہایت بے باکانہ بیان فرمایا، جس کی وجہ سے پورے بلرام پور ہی نہیں پورے ضلع گونڈہ و اطراف میں آپ کی جرأت و بے باکی اور حق گوئی نیز علمی صلاحیتوں کا خوب خوب چرچا ہوا اور عوام و خواص سب پر آپ کی دھاک بیٹھ گئی۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ کی مقبولیت سے بوکھلا کر وہاں کے وہابی مولویوں نے آپ کے خلاف سازش رچنی شروع کر دی اور آپ کی مقبولیت کو ختم کرنے کے لئے اعتقادی جنگ چھیڑ دی، سوچا اس طرح جب گرم گرم تقریریں ہوں گی تو ہم لوگ حضرت مفتی صاحب قبلہ کو بدنام کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور مقبولیت کا سورج گہنا جائے گا۔ مگر انھیں کیا معلوم تھا کہ یہ ان کی سازش انھیں کے لئے پیغام موت ثابت ہو گی چنانچہ اب حضرت مفتی صاحب قبلہ نے اپنا رخ یہودیوں سے سعودیوں کی طرف پھیر دیا اور وہابیت کے پرخچے اڑا کر رکھ دیئے۔ وہابی مولویوں کا سر چھپانا مشکل ہو گیا۔ ان کا ایک سڑا بدبودار مولوی تھا مولوی بشیر، اس کا نام اب عوام و خواص سب کی زبان پر بشیشر ناتھ پڑ گیا اور یہ نام اسقدر مشہور ہوا کہ اصل نام بہت سے لوگ بھول گئے، چونکہ اس نے ہی حضرت مفتی صاحب قبلہ کو بدنام کرنے کی سب سے زیادہ کوشش کی تھی اس طرح اُس کی خوب خوب درگت بنی اور بلرام پور و قرب و جوار کے بہت سے وہابی تائب ہو کر سنی صحیح العقیدہ ہو گئے اور جو مذبذب تھے، جن کے نزدیک سنی وہابی میں کوئی تمیز نہ تھی وہ بھی اچھی طرح جان گئے کہ حق پر کون ہے۔...... اس سلسلے میں بھی

۴

حضرت مفتی صاحب قبلہ نے جو مخلصانہ اور داعیانہ کردار ادا فرمایا اسکی مثال مشکل سے ملے گی، اس کام کے لئے حضرت مفتی صاحب قبلہ نے بہت سے مقامات پر از خود جلسوں کا اہتمام کرایا۔ اور دلائل سے بھرپور اصلاحی تقریریں فرمائیں، اس کا وقتی فائدہ تو یہی ہوا کہ بہت سے بد عقیدہ تائب ہو گئے اور ضعیف الایمان پختہ سنی مسلمان بن گئے۔ دوسرا مستقل فائدہ یہ ہوا کہ مدرسہ انوار القرآن بلرام پور کو استحکام حاصل ہو گیا۔ اسکی بنیادیں مضبوط ہو گئیں، اور قوم کی اسکی طرف بھرپور توجہ ہو گئی، حضرت مفتی صاحب قبلہ نے اپنی کوشش جاری رکھی اور ساتھ ہی ساتھ وہاں کے بھولے بھالے مسلمانوں کو ایمانی اعتبار سے مزید مضبوط کرنے کے لئے حافظ ملت جلالۃ العلم استاذ العلما حضرت علامہ مولانا شاہ حافظ عبد العزیز محدث (بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور) کو بلا کر جبکہ حضرت پہلے سے بھی وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے داخل سلسلہ قادریہ رضویہ امجدیہ کرادیا حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے دامن سے وابستگی کے بعد تو پھر بلرام پور کے مسلمانوں کا یہ حال ہو گیا کہ گویا سونے پر سہاگہ، حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کا فیضان کرم، اور حضرت شارح بخاری دامت برکاتہم العالیہ کی یہ مخلصانہ مساعی کارفرما ہوتیں تو شاید بلرام پور کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا۔

حضرت شارح بخاری دامت برکاتہم کی داعیانہ فکر اور فروغ مسلک حق کے لئے مخلصانہ جدوجہد کا قابل تقلید و تحسین کارنامہ یہ بھی ہے کہ حضرت جہاں دین کی زیادہ ضرورت ہوتی وہاں جانے اور اصلاح کرنے کی طرف زیادہ توجہ دیتے اگرچہ وہاں سے مالی یافت کی کوئی توقع نہ ہو اگرچہ وہ علاقہ نہایت دشوار گزار اور کوردہ ہو، اور خطرناک حالات بھی درپیش ہوں لیکن حضرت مفتی صاحب قبلہ نے اسکی پروا کئے بغیر دین حق کی تبلیغ واشاعت کی غرض سے "بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق" کا مصداق بن جاتے۔

ایک مرتبہ آسام کے جنگلی علاقے میں حضرت کو جانے کا اتفاق ہوا دشوار گزار راستہ اس پر میزبان نہایت درجہ گنوار، کھانے کا بھی نامعقول انتظام، یہ صورت حال دیکھ کر جو صاحب حضرت مفتی صاحب قبلہ کے ساتھ یار سفر بن کر گئے تھے وہ بہت چیں بہ جبیں ہوئے کہا، حضرت! ایسی جگہ آپ جیسے بزرگوں کو نہیں آنا چاہئے۔ اس پر حضرت والا نے ارشاد فرمایا۔ "میں ایسی جگہ نہیں آؤں گا تو کون آئے گا۔ اچھی جگہیں تو سب جاتے ہیں زیادہ ضرورت تو ایسی جگہوں پر جانے اور دین کا چرچا کرنے کی ہے۔"

اس ارشاد میں دین کی تڑپ، تحمل کا جذبہ اور اخلاص کی آنچ صاف محسوس کی جاسکتی ہے۔ جب کہ آج کل بعض بہت چھوٹے مقرر بھی ذرا دشوار راستہ آیا ناک بھوں چڑھانا شروع کر دیتے ہیں اور مطالبات کی لمبی فہرست لے کر حاضر ہوتے ہیں۔

جولائی ۱۹۹۶ء میں حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی نے پاکستان اور افریقہ کا سفر فرمایا، ماہنامہ اشرفیہ

مبارک پور شمارہ دسمبر ۹۶ء و جنوری ۹۷ء میں بالاقساط اسکی مختصر روداد ۲۴ صفحات پر مشتمل شائع ہوئی ہے جسے مولانا مقبول احمد مصباحی صاحب گورکھپوری نے بڑے سلیقے سے قلم بند فرمایا ہے۔ بڑا ایمان افروز سفر نامہ ہے جو حضرات تفصیل جاننا چاہیں ماہنامہ اشرفیہ کا مذکورہ شمارہ ملاحظہ کرلیں۔ میں یہاں چند باتیں عرض کر کے آگے بڑھ جاؤں گا۔

باوجودیکہ حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی انگریزی نہیں جانتے نہ افریقہ کی مقامی زبانیں لیکن افریقہ کے مختلف مقامات پر حضرت کے بیانات ہوتے ہیں جو لوگ کچھ ٹوٹی پھوٹی اردو جانتے ہیں وہ تو محظوظ ہوتے ہیں جو بالکل نہیں جانتے وہ بھی انداز بیان سے متاثر ہوتے اور حضرت نے کیا فرمایا اسکو جاننے کی کوشش کرتے، کہیں کہیں بیانات کی ترجمانی بھی مقامی زبان میں ہوتی، جلسوں اور کانفرنسوں کا مزاج تقریباً پوری دنیا میں کچھ فرق کے ساتھ یکساں ہے، لیکن حضرت شارح بخاری دامت برکاتہم العالیہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ تقریر و بیان کے بعد بھی حضرت کی بارگاہ میں مجلس جمتی ہے، سائلین و عقیدتمند حضرات حاضر ہوتے ہیں اور دینی سوالات پیش کرتے ان کے جوابات کے طالب ہوتے ہیں یہ سلسلہ اکثر دیر تک چلتا ہے کبھی فجر تک بھی دراز ہو جاتا ہے، چنانچہ یہ سلسلہ افریقہ و پاکستان میں بھی جاری رہا روزانہ کثیر سوالات پیش ہوتے اور حضرت شارح بخاری ان کے جوابات عطا فرماتے، یہ سوالات شرعی احکام و مسائل سے متعلق بھی ہوتے اور عقائد و نظریات سے متعلق بھی، کاش ٹیپ کے ذریعہ یہ سب جواب محفوظ کر لیے جاتے تو زبانی فتاوے کا ایک ضخیم مجموعہ تیار ہو جاتا، اس مجلس کے بڑے فوائد منظر عام پر آتے روزے نماز اور دیگر احکام سے متعلق لوگوں کو اپنی اصلاح کا موقع میسر آتا کتنے مذبذب صحیح العقیدہ سنی بن جاتے، عقائد سے متعلق زیادہ تر وہی سوالات ہوتے جو وہابیوں کے پھیلائے ہوئے پروپگنڈے اور غلط نظریات پر مشتمل ہوتے، نمونے کے طور پر ایک سوال اور اس کا جواب عرض کیا جاتا ہے۔

دارالسلام جو تنزانیہ کا دارالسلطنت ہے وہاں بھی حضرت شارح بخاری کا ورود مسعود ہوا اتفاق سے ربیع الاول شریف کا مہینہ تھا جگہ جگہ جشن میلاد النبی کے اہتمام ہو رہے تھے ایک مسجد میں حضرت شارح بخاری کے بیانات کا سلسلہ شروع ہوا، ہر روز بعد تقریر یہ اعلان کر دیا جاتا کہ جس کو کوئی سوال کرنا ہو وہ سوال کر کے جواب سے تشفی حاصل کرلے، چنانچہ ایک نوجوان نے جسے وہابیوں نے اپنے چنگل میں لے لیا تھا، علم غیب سے متعلق سوال کیا اور جواب کی درخواست کی اس کا ایک سوال تھا۔

سوال : حضور ﷺ کو غیب کا علم تھا تو آپ نے ابو جہل کو اسلام کی دعوت کیوں دی؟ جبکہ معلوم تھا کہ وہ ایمان نہیں لائے گا۔

جواب : حضرت شارح بخاری فرماتے ہیں۔ میں نے اس کو اصل جواب نہیں دیا کہ وہ اس کو سمجھ نہیں پاتا، میں نے اس سے پوچھا کس کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے خاص ابو جہل کو دعوت دی، اس نے کہا میں

نہیں جانتا مگر مجھ کو عالم لوگوں نے بتایا ہے (یعنی وہابیوں نے)

میں نے کہا کہ اس عالم سے پوچھو کہ یہ کس کتاب میں لکھا ہے، پھر میرے پاس آنا ویسے میں یہی جانتا ہوں کہ حضور ﷺ نے خاص ابو جہل کو کبھی بھی ایمان کی دعوت نہیں دی، عمومی طور پر ساری دنیا کو ایمان کی دعوت دی اور سارے لوگوں میں ابو جہل بھی ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ بیہودہ اعتراض خود اللہ تعالیٰ پر لوٹ جاتا ہے کیوں کہ اللہ عزوجل نے ہی حضور ﷺ کو حکم دیا تھا۔ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ "اے محبوب تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ" قریبی رشتہ داروں میں ابولہب بھی تھا، اور ابو طالب بھی، اور یہ دونوں بھی ایمان نہیں لائے، اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا، کہ یہ دونوں ایمان نہیں لائیں گے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی دعوت و تبلیغ کا حکم کیوں دیا؟

سوال: ایک شخص نے یہ بھی سوال کیا کہ جب بتا دیا گیا تو غیب کہاں رہا اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ حضور ﷺ غیب جانتے تھے۔

جواب: یہ دراصل وہابیوں کا مغالطۂ عامۃ الورود ہے، جاہلوں میں اس کا بڑا پروپگنڈہ کرتے رہتے ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ، اللہ تعالیٰ غیب جانتا ہے یا نہیں! وہ بھولا بھالا اس نے ایمان کی بات کہدی کہ "اللہ تعالیٰ غیب جانتا ہے" اب میں نے اس سے کہا کہ، اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے یا نہیں، اس نے کہا دیکھتا ہے، اب میں نے اس سے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے تو اب وہ غیب کہاں رہا، یہ سن کر وہ بے چارہ دم بخود رہ گیا،...... بعد میں مَیں نے اس کو سمجھایا کہ یہ غیب ہمارے اعتبار سے ہے اللہ عزوجل اور اس کے رسول اکرم ﷺ کے اعتبار سے نہیں، جس پر وہ مطمئن ہو گیا اور خوش خوش واپس گیا۔

افریقہ کے سفر سے ہی حضرت شارح بخاری حرمین طیبین کی زیارت کے لئے روانہ ہو گئے۔ عمرہ شریف سے فراغت کے بعد شیخ المشائخ شہزادۂ قطب مدینہ منورہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت نے بڑی گرم جوشی سے شارح بخاری کا استقبال کیا اور ضیافت فرمائی۔ پھر ایک روز خاص محفل میلاد شریف میں بیان و شرکت کے لئے مدعو کیا۔ حضرت شارح بخاری تشریف لے گئے اور نہایت پر اثر بیان فرمایا۔ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُہَا کے تعلق سے حضرت نے جو بیان کیا اور اس حدیث کی جو تکمیل پیش کی اس سے سارا مجمع بے حد متاثر ہوا خود حضرت شیخ المشائخ نے بہت داد دی، اور مسرت کا اظہار کیا، واضح رہے کہ یہ حدیث نامکمل ہے روافض اسی قدر بیان کرتے ہیں جبکہ پوری حدیث یوں ہے۔

انا مدینة العلم و ابو بکر اساسها و عمر جدرانها و عثمان سقفها و علی بابها

ترجمہ: میں علم کا شہر ہوں، ابو بکر اس کی بنیاد ہیں، اور عمر اس کی دیواریں ہیں، اور عثمان اس کی چھت ہیں اور علی اس کے دروازہ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

مدینہ طیبہ میں حضرت شارح بخاری کا کامیاب بیان فرمانا اور سامعین پر نہایت اچھا اثر چھوڑنا یہ سرکار مدینہ سرور قلب و سینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم خاص ہی ہے۔

حرمین شریفین میں بھی جہاں جہاں ضرورت ہوتی حضرت شارح بخاری احکام و مسائل بیان کرتے خاص طور سے وہاں یورپ سے حاصل کیا ہوا جو گوشت فروخت ہوتا اس کے بارے میں بھی حکم شرع بیان کیا اور خود اس سے پرہیز فرماتے رہے۔ اس سلسلے میں حضرت کا بیان مختصر اًپیش کیا جاتا ہے۔

> ”کھانے کے سلسلے میں ایک عجیب انکشاف ہوا کہ وہاں کے ہوٹلوں میں ڈبے کا گوشت استعمال ہوتا ہے جو یورپ سے آتا ہے، یہ معلوم کر کے مجھے سخت حیرت ہوئی اور نجدی حکومت کی دین سے لاپرواہی کا اذعان (یقین) اور بڑھ گیا، یورپین کمپنیوں کا کیا ٹھکانا کہ وہ جانوروں کو ذبح بھی کراتے ہیں کہ نہیں اور ذبح کراتے ہی تو کس سے، مشہور یہی ہے کہ وہ مشینوں کے ذریعہ ذبح کرتے ہیں۔ ہمارے حجاج نہ تو یہ جانتے ہیں کہ قصہ کیا ہے اور نہ انھیں اس کی پرواہ حالانکہ گوشت کے معاملہ میں پوری احتیاط ضروری ہے...... حکم شرعی یہ ہے کہ اگر مسلمان نے بطریق شرعی جانور ذبح کیا اور تھوڑی دیر کیلئے بھی مسلمانوں کی نگاہوں سے او جھل ہو کر غیر مسلموں کے قبضہ میں رہا تو اس کا کھانا جائز نہیں،...... پھر یورپ سے ڈبوں میں بھرا ہوا آنے والا گوشت کس طرح جائز ہوگا۔“

اس سفر میں زیارت حرمین شریفین کے بعد حضرت شارح بخاری دامت برکاتہم العالیہ نے پاکستان کا دورہ فرمایا کراچی، فیصل آباد اور لاہور میں متعدد اجلاس کو خطاب فرمایا اور مزارات اولیاء اللہ و مدارس دینیہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا،...... یہاں بھی عام اجلاس کے علاوہ نشستیں ہوتیں۔ اس کا ذکر حضرت ہی کی زبانی سنیئے۔

> ”کراچی میں میرا معمول یہ رہا کہ گیارہ بجے کے قریب دن میں ”دار العلوم امجدیہ“ جاتا اور ظہر کی نماز پڑھ کر ڈھائی بجے کے بعد قیام گاہ واپس آتا، اور رات میں جس کے یہاں کھانا ہوتا اس کے یہاں مجلس جمتی۔ لوگ مختلف سوالات کرتے میں ان کے جوابات دیتا یہ مجلس کم از کم بارہ بجے رات تک رہتی، کبھی کبھی دو بھی بج جاتے۔

جانے کے دوسرے دن یہ خبر اخبار میں چھپ گئی کہ میں آیا ہوں (نام القاب کے ساتھ) فلاں جگہ قیام ہے روزانہ گیارہ بجے سے ایک بجے تک امجدیہ میں ملاقات ہوگی جس کی وجہ سے بھیڑ کافی بڑھنے لگی اور رات کی مجلس میں اتنا مجمع ہونے لگا کہ میری آواز سب کو صاف سنائی نہیں دیتی تو لاؤڈ اسپیکر کا انتظام کر دیا گیا۔ لیکن بعد عشاء کا یہ پروگرام دو چار روز ہی چلا ہوگا کہ لوگ مختلف محلوں سے پروگرام کے لئے آنے لگے۔ ایک اندازے کے مطابق

شہر میں میری کم از کم پچاس تقریریں ہوئیں۔ جمعہ کی تقریر لے کر تین تین پروگرام ایک دن میں ہو جاتے، عوام، طلبہ، علما کے سوالات کی بھرمار ہوتی، اس طرح کراچی میں ایک مہینہ آٹھ دن رہا، لوگوں کا تخمینہ ہے کہ کم از کم دو ہزار (۲۰۰۰) زبانی مسائل بیان ہوئے"۔......اس قلیل عرصے میں دو ہزار کے قریب مسائل شرع کا فی سبیل اللہ بیان جہاں حضرت شارح بخاری کے دعوت و تبلیغ دین سے متعلق کارہائے نمایاں کو اجاگر کرتا ہے وہیں حضرت مد ظلہ العالی کے مقام علمی کا بھی پتہ دیتا ہے اور یہ بھی کہ عصر حاضر میں حضرت شارح بخاری جیسا مرجع فتویٰ و مرجع علما دوسرا کوئی نظر نہیں آتا۔ اس بڑھاپے اور پیرانہ سالی میں بھی آپ کے سامنے دینی مسائل پیش ہوتے ہیں تو گھنٹوں گھنٹوں بیٹھے رہ جاتے ہیں اور بحث میں حصہ لیتے ہیں، اپنی رائے دیتے ہیں، اکتاہٹ کا اظہار تک نہیں فرماتے ،زبانی مسائل تو بالعموم حضرت کو سفر میں بیان کرنے ہی پڑتے ہیں اگر کسی نے ضرورت کا اظہار کیا تو فوراً قلم بند بھی فرماتے یا املا کرادیتے ہیں، یوں ہی الجامعۃ الاشرفیہ کی ملازمت کے دوران اوقات مخصوصہ مدرسہ، کے علاوہ بھی صبح سے شام رات تک سائلین کا ہجوم رہتا ہے، ان خارجی اوقات میں زیادہ زبانی مسائل بیان فرماتے ہیں اور اگر کسی نے فوری ضرورت یا کسی اہمیت کا حوالہ دے کر تحریری جواب کی درخواست کی تو حضرت تحریری جواب بھی ارقام فرمادیتے ہیں۔ گویا سفر ہو یا حضر زندگی کے لمحات کا بیشتر حصہ دین کی ہی تبلیغ واشاعت اور باطل کی سرکوبی کے لیے وقف ہے۔ حتی کہ رمضان شریف کے اوقات میں بھی زیادہ تر وقت ان سوالات کے جوابات میں صرف ہوتے ہیں جن کے جواب کی فوری ضرورت ہوتی ہے، یا زبانی مسائل بیان فرماتے ہیں اور جب سے شرح بخاری کا کام شروع ہوا تو زیادہ تر وقت اس میں صرف ہوتا، اور میں کہتا ہوں کہ یہ شرح بخاری کا سارا کام کیا ہے تبلیغ دین ہی ہے اور وہ بھی بلا معاوضہ، آج پیسہ لے کر کسی سے کہئے کہ بخاری شریف مکمل کا اردو میں صرف صحیح ترجمہ کر دیجئے تو مشکل سے کوئی تیار ہوگا، پوری بخاری شریف کی شرح کرنا مع ترجمہ کے اور وہ بھی خارج اوقات میں اسفار کے علاوہ، اور اردو داں طبقہ عوام ہی نہیں آجکل کے علما کے سامنے پیش کرنا بہت بڑی دین کی خدمت ہے کہ آج ہزاروں لاکھوں افراد اس شرح کو پڑھ پڑھ کر اپنی دینی معلومات میں اضافے کرتے ہیں دین کے مسائل جانتے ہیں فقہ حنفی کے دلائل معلوم کرتے ہیں۔ مقررین تقریریں کرتے ہیں بلکہ آج کے بیشتر شیخ الحدیث حضرات، نزہۃ القاری شرح بخاری جیسی عظیم الشان شرح کی روشنی میں اپنی مسند درس کا وقار قائم کیے ہوئے ہیں، لہٰذا مجھے اس حقیقت کے اظہار میں ذرا بھی تامل نہیں کہ شرح بخاری کے ذریعہ صرف عوام میں ہی دین کی تبلیغ نہیں ہو رہی ہے بلکہ علما دین کی تیاری اور ترسیل کا کام بھی آج اسی شرح بخاری سے بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔ جو ایک بہترین تبلیغ دین ہے، اور اس میں کچھ شرح بخاری ہی کی کیا خصوصیت حضرت کی تمام ہی تصانیف خالص دینی موضوعات پر ہیں اور ہر ایک سے عوام و خواص ہر دو طبقے میں علم دین فروغ پا رہا ہے احکام شرع کی تبلیغ واشاعت ہو رہی ہے اور دین کی دعوت کا کام انجام دیا جا رہا ہے۔

فی زمانہ دین حق کی تبلیغ و دعوت کس قدر ضروری ہے اور قرآن پاک و حدیث رسول میں اس سلسلے میں کیسی تاکیدیں اور ترک پر وعیدیں آئی ہیں، اصحاب علم وارباب فکر پر پوشیدہ نہیں۔ چونکہ حضرت شارح بخاری کا علم معاصرین میں ایک بلند مقام کا حامل ہے۔ قرآن وسنّت اور اقوال ائمہ پر آپ کی جیسی وسیع اور گہری نظر ہے اس کی مثال ملنی مشکل ہے، اسلئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذریعہ دین کی تبلیغ واشاعت اور مسلک اہلسنت کی حمایت کا جیسا کچھ جذبہ آپ کے اندر ہوگا وہ ہر صاحب نظر پر واضح ہے۔ اسی کے پیش نظر آپ کی عرصہ سے یہ تمنّا تھی کہ سنّیوں کی طرف سے بھی دعوت و تبلیغ کا باضابطہ نظم قائم ہو جاتا، تاکہ بھولے بھالے سنّی مسلمانوں کو گمراہوں سے بچانے میں آسانی ہوتی، بالعموم علما بغیر بلائے کہیں جاتے نہیں اور بلانے پر بھی ہزار نخرے دوسری طرف عوام میں خود علم کی نہایت کمی ہے اور جو کچھ پڑھے لکھے دیندار مسلمان ہیں وہ اپنے طور پر تو دین کا کام کر لیتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر علما سے رجوع کرتے ہیں، لیکن ایسے افراد بھی بالکل دال میں نمک کے برابر ہیں۔ لہٰذا کوئی ایسا انتظام ہوتا کہ دین کی تبلیغ واشاعت کے کام کو ذرا تیزی سے آگے بڑھایا جاتا، چونکہ جب کوئی کام ہوا نہیں رہتا، اس کی مثال سامنے نہیں ہوتی تو آغاز کرنے میں بہت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کسی ایسی جماعت کی تشکیل جو یہ فریضہ انجام دے یہ کام بھی بڑا مشکل تھا، اس ضرورت کا احساس تو بہت سے علما درد وسوز کے ساتھ کرتے تھے مگر بات آگے نہیں بڑھ پاتی تھی۔ حسن اتفاق سے چند سال پیشتر کراچی کی سر زمین پر مسلک اہلِ سنّت کی پابند جماعت، تحریک دعوت اسلامی کا وجود عمل میں آیا تو حضرت شارح بخاری دامت برکاتہم القدسیہ نے اس کو سراہا، اس کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا، شروع میں حضرت کو کچھ تامل تھا، لیکن جیسے جیسے دعوت اسلامی کے افراد سے رابطہ ہوتا گیا حتی کہ امیر دعوت اسلامی مولانا محمد الیاس قادری ضیائی، سے بھی ملاقات وبات ہوئی تو حضرت کو پورا اطمینان ہو گیا، پھر کیا تھا تقریر و تحریر ہر طرح حضرت نے تحریک دعوت اسلامی کی حمایت کرنی شروع کر دی۔ جسکی پاداش میں آپ کو گالیوں سے نوازا گیا، آپ کے خلاف تحریک چلائی گئی مگر چونکہ حضرت شارح بخاری نے سوچ سمجھ کر دعوت اسلامی کی حمایت کی تھی، اسلئے پہاڑ کی چٹان کی طرح اپنے موقف پر قائم رہے اور ہیں، اب حضرت کا حال یہ ہے کہ فرصت ہوتی ہے تو خود دعوت اسلامی کے نورانی اجتماعات میں شریک ہوتے ہیں ورنہ دوسروں کو شرکت کی ترغیب دلاتے ہیں،...... حضرت شارح بخاری نے محض دعوت اسلامی کے اجتماعات میں شرکت کے لئے احمد آباد، گجرات، کلکتہ بنگال اور یوپی کے بہت سے اضلاع کا دورہ فرمایا اور بیانات کئے، حضرت دعوت اسلامی کے اجتماعات اور اس کی نورانی محفلوں سے بہت محظوظ ہوتے ہیں اور اگر کوئی امر منکر دیکھتے ہیں تو بلا تامل نہی بھی فرماتے ہیں۔ چنانچہ احمد آباد کے اجتماع پاک میں ایک بار جب نماز اشراق، کی جماعت کا اعلان ہوا تو حضرت نے جماعت کرنے سے یہ کہہ کر روک دیا کہ جماعت نہیں ہونی چاہیئے سب لوگ علیحدہ علیحدہ پڑھیں، جب کہ لاکھوں کا مجمع تھا۔ اور حکم بھی کراہتِ تنزیہی

کا۔

دعوت اسلامی کی ضرورت اور اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے کئی بار فرمایا۔ "جی تو یہی چاہتا ہے کہ سب چھوڑ کر دعوت اسلامی میں لگ جاؤں کہ اس کی بڑی ضرورت ہے، لیکن کیا کروں دار الافتا کون سنبھالے گا۔"

دعوت اسلامی سے دلچسپی اور محبت کا ایک طرف تو یہ عالم ہے دوسری طرف اخلاص کا ذروۂ کمال ملاحظہ ہو کہ ،ایک بار مارواڑی کل حاجی پور کلکتہ کے اجتماع پاک پر حضرت نے سرپرست کی حیثیت سے شرکت فرمائی اور خاص اس اجتماع پاک کے لئے تشریف لے گئے کوئی دوسرا مشغلہ درپیش نہ تھا لیکن جب وعظ کا وقت آیا اور حضرت سے درخواست کی گئی تو فرمایا۔ "آپ لوگوں میں جو بیان کرنے والے ہیں بیان کریں ارے میں تو محض تبرکاً حاضر ہو گیا ہوں، میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ یہاں میں اپنا زور خطابت دکھاؤں۔" جب کہ بہت یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض معمولی درجے کے مقرر حضرات نے پرزور اپیل کر کے بیان لگوانے کی فرمائش کی پھر جب ان کا نمبر نہیں آیا یا موقع نہ ملا۔ بہت ناراض ہو کر روٹھ کر چلے گئے، اور دعوتِ اسلامی کی برائی کرنے لگے، گویا ان کو بیان کرنے کے لئے دعوت اسلامی کے اجتماع میں موقع مل جاتا تو دعوت اسلامی .کے لئے سراپا اخلاص ہیں، اور اس کے فروغ کے لئے دل سے کوشاں، مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک مرتبہ کچھ عرصہ گزر گیا اور حضرت کو کسی اجتماع پاک میں شرکت کے لئے گزارش نہیں کی گئی اور نہ کسی اجتماع کی رپورٹ ہی پیش کی گئی تو مولانا محبوب احمد عزیزی نگراں دعوت اسلامی مبارک پور اور مبلغین سے فرمایا کہ۔ کیا بات ہے آج کل آپ لوگ ٹھنڈے پڑ گئے ہیں کیا؟ کہ کسی اجتماع کی کوئی اطلاع نہیں ملتی۔" اس میں کتنا اخلاص ہے کیسی تڑپ ہے اور دعوت اسلامی کے فروغ کی کیسی فکر ہے محتاج بیان نہیں۔'

اب آخر میں دعوت اسلامی کے تعلق سے حضرت شارح بخاری، فقیہ عصر دامت برکاتہم العالیہ کے ایک بیان پر مضمون کو اختتام تک پہنچایا جا رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لولیه والصلوٰة والسلام علی حبیبه وعلی اله واصحابه

جناب مولانا الیاس صاحب قادری (کراچی) کی قائم کی ہوئی "دعوت اسلامی" خالص اہلسنت وجماعت مسلک اعلیٰحضرت کی پابند اور اسی کی نشرواشاعت کرتی ہے، تمام مسلمانان اہلسنت کو چاہئے کہ اس میں شامل ہوں اور اس کی بھرپور امداد واعانت کریں۔

محمد شریف الحق خادم الافتا، جامعہ اشرفیہ

مبارکپور، نزیل افضل المدارس الہ آباد

۲۵ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۹ھ ۱۷۔۱۰۔۹۸

مولانا مفتی محمد حبیب اللہ صاحب نعیمی مصباحی
استاذ دار العلوم فضل رحمانیہ پچپڑوا بلرام پور

شارح بخاری اور بدمذہبوں کی تردید

دور حاضر میں مسلک اہلسنت و جماعت یعنی مسلک اعلی حضرت کی ترویج واشاعت اور باطل و گمراہ فرقوں بالخصوص فرقہ وہابیہ و دیابنہ کی تردید واہانت میں جن علماے کرام نے خوب بڑھ چڑھ کر زیادہ سے زیادہ حصہ لیا اور نمایاں کام انجام دیا ہے ان میں ایک نہایت ہی عظیم و تابناک شخصیت اشرف العلمار اس الفقہا شارح بخاری محقق عصر، فقیہ الہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی صدر شعبہ افتا الجامعۃ الاشرفیہ عربی یونیورسٹی مبارک پور اعظم گڑھ کی ہے۔

آپ نے اپنی زندگی کے ہر دور میں خواہ آرام ہو یا تکلیف، سفر ہو، یا حضر، خوشی ہو یا غم ہر حال میں کسی لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر اپنے مسلک کی ترجمانی کی اور ساتھ ہی ساتھ فرقہاے باطلہ کے باطل و فاسد نظریہ کا رد بلیغ بھی کیا یہ آپ کا ایسا وصف جمیل ہے کہ آپ کے اوراق زندگی کے جس بھی ورق کو الٹ کر دیکھا جائے چاہے وہ درس و تدریس ہو یا تصنیف و تالیف، تقریر و تبلیغ ہو یا وعظ و نصیحت، فتوی نویسی ہو یا اعدائے دین سے نبرد آزمائی سب میں یہی رنگ و آہنگ نظر آئے گا کہ ایک عظیم محقق و مدقق کی طرح اپنے مدعا و مقصود کو مضبوط و مستحکم دلائل سے ثابت کرتے ہوئے اپنے مخالف مدمقابل کے باطل نظریہ کا شیرازہ اور تار و پود ایسا بکھیرتے ہیں کہ کسی شک و شبہ کی قطعاً کوئی گنجائش باقی نہ رہے اور نہ مسلک اہل سنت کی حقانیت آشکارا ہونے میں کوئی چیز آڑے آئے۔

واضح رہے کہ آپ کا یہ رویہ صرف غیروں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اپنے ہم مذہب و عقیدہ بھی اگر کبھی کسی اسلامی نظریہ سے سر مو منحرف ہو کر مزاحم و متصادم ہوتے ہیں تو ان کی بھی اصلاح اور ان کے باطل نظریہ کا رد اسی انداز میں فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ احقاق حق و ابطال باطل آپ کا مقصود حیات ہے اور یہی الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کا مطلب ہے کہ دوستی و دشمنی دونوں رضاے الہی کے لئے ہو اور اپنے و پرائے میں کسی طرح کا کوئی امتیاز نہ ہو اور نہ ہی دنیوی اپنا کوئی مقصد ہو۔

ہم اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں بجائے جملہ تالیفات وتصنیفات کے صرف آپ کی ایک تصنیف ’’تحقیقات‘‘ کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں بصیرت وبصارت کی آنکھیں کھول کر تعصب وعناد کا عینک ہٹا کر بنظر غائر مطالعہ کریں تو یہ حقیقت آفتاب نیمروز کی طرح واشگاف ہو جائے گی کہ جہاں آپ علم وفضل کے تاجدار ہیں وہیں میدان مناظرہ کے ایسے عظیم شہ سوار بھی ہیں کہ جن کی گرد راہ تک اس دور انحطاط کے بہت سے علما کی رسائی نہیں۔

تحقیقات!

یہ آپ کی مختصر مگر حیرت انگیز تصنیف ہے جس میں وہابیوں ودیوبندیوں کے ان مہمل لغو، بے جا وبے بنیاد اعتراضات والزامات کا تحقیقی جواب ہے جس کو وہ مناظرہ ومباحثہ کے موقع پر اپنے کفری عقائد پر پردہ ڈالنے کے لئے پیش کرتے ہیں حالانکہ ہمیشہ علمائے اہل سنت بھری بزم میں ان کے تمام اعتراضات والزامات کا بخیہ ادھیڑ دیتے رہے لیکن مرور زمانہ کی وجہ سے جب اس کا اثر کچھ کم ہو جاتا یا مناظرہ کی مجلس بدل جاتی تو اسی اعتراض کو پھر دوہرا کر مناظرہ ومباحثہ کی مجلس گرم کرتے تھے یہ سلسلہ ایسے ہی کچھ دنوں تک اعتراض وجواب کا چلتا رہا ایک دن ایسا آیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ توفیق بخشی کہ آپ نے ان کے تمام اعتراضات والزامات کو جسے وہ مناظروں میں اکثر پیش کیا کرتے تھے یکجا کر کے ایسا تحقیقی جواب تحریر فرمایا کہ جس میں ان کی وہ بنیاد ہی ڈھہ گئی جس پر وہ مناظرہ کا تاج محل تعمیر کیا کرتے تھے یہی وجہ ہے، کہ ماضی میں گاہے گاہے مناظرے بھی ہوتے رہتے تھے لیکن اب اتنا کم ہو گئے کہ نہیں کے درجہ میں ہو گئے بلکہ ہوتے ہی نہیں اب جب ان کی قوم انہیں مناظرہ میں گھسیٹ کر لاتی ہے تو طوعاً وکرہاً آجاتے ہیں لیکن آنے کے بعد ہر ممکن کوشش کرتے ہیں صورت مناظرہ ہونے نہ پائے یا راہ فرار کی کوئی صورت نکل آئے۔

واضح رہے کہ آپ کا یہ کارنامہ گویا مختصر ہے مگر ایسا ہے جسے رہتی دنیا تک فراموش بھی نہیں کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ آپ نے تحقیقات کو ترتیب دیکر جماعت اہلسنّت کے ہر ہر ذی ہوش افراد کے ہاتھ میں مناظرہ کے لئے ایک ایسی تیز چمکتی تلوار دے دی ہے کہ جس سے ہر بد مذہب وہابی و دیوبندی کا ہمیشہ سر قلم کرتے رہیں کاش کہ آپ اور آپ کا کارنامہ محدث اکبر امام اہلسنّت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے زمانے میں ہوتا تو آپ بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے حاشیہ نشینوں میں ہوتے اور قرب خاص میں عزت وعظمت کی جگہ ملتی جو آپ کے لئے باعث صد افتخار

ہوتی۔ نمونہ کے طور پر تحقیقات میں مندرج دیوبندیوں کی بارہ تلبیسات میں سے صرف ایک تلبیس کے رد کو بغیر کسی کم وکاست کے من و عن پیش کرتا ہوں تاکہ ناظرین آپ کے فضل وکمال اور جاہ و جلال کا تماشہ سر کی آنکھوں سے دیکھیں۔ اور بغیر کسی دقت و دشواری کے اس نتیجہ پر بھی پہنچ جائیں کہ ان کی پوری دیوبندی برادری اصاغر ہوں یا اکابر سب کے سوچنے اور سمجھنے کا انداز ہی غلط ہے نیز اپنے اور پرائے میں بہت حد تک امتیاز بھی ہے۔

(تلبیس ۱۲)

اس نمبر میں دیوبندیوں نے ہم اہل سنت پر یہ افترا کیا ہے کہ ہم یہ مانتے ہیں کہ اعلی حضرت قدس سرہ کے پیر بھائی کی قبر میں روضہ انور کی خوشبو ہے، اور یہ کہ اعلی حضرت قدس سرہ نے سردار دوجہاں کی امامت کی۔ ثبوت میں الملفوظ حصہ دوم ص ۱۲ کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں:

"جب مولوی برکات احمد کا انتقال ہوا اور دفن کے وقت ان کی قبر میں اترا تو مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی بار روضۂ انور کے قریب پائی تھی ان کے انتقال کے بعد مولوی سید احمد صاحب مرحوم خواب میں زیارت حضور سے مشرف ہوئے کہ گھوڑے پر تشریف لئے جاتے ہیں عرض کی کہ یارسول اللہ کہاں تشریف لے جاتے ہیں فرمایا کہ برکات احمد کی نماز جنازہ پڑھنے الحمد للہ یہ جنازہ مبارکہ میں نے پڑھایا"

ان دونوں افتراءات کی پردہ دری علمائے اہلسنّت متعدد بار کرچکے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے ۱۳۵۱ھ ہجری میں رنگون کے وہابیوں نے یہ افترا کیا اس کا جواب اسی وقت "صیحۂ رنگون بر حزب بندگان شیطان ملعون" میں دیا گیا۔

(۲) پھر یوپی کے دیوبندیوں نے دہرایا اس کا رد جماعت رضائے مصطفیٰ کی جانب سے ۱۳۵۲ھ ہجری میں شائع ہوا۔

(۳) پھر بمبئی کے دیوبندیوں نے اچھالا اس کی ۱۳۵۵ھ ہجری میں بمبئی کے سنیوں نے دھجیاں بکھیر دی دیکھو قہر خداوندی۔

(۴) پھر مبارکپور کے دیوبندیوں نے لوٹایا اس کا دندان شکن جواب العذاب الشدید میں دیا گیا۔

(۵) پھر بکھیروی نے اپنے کچا چٹھا میں ذکر کیا جس کا قاہر رد برق خداوندی میں ہوا۔ اس کے علاوہ مناظروں میں اس پر دیوبندیوں کی جو درگت بنی ہے وہ اس شمار سے باہر ہے انصاف کا مقتضی تو یہ

تھا کہ اہلسنّت کے جوابات کارد کرتے مگر آج تک کسی دیوبندی کو اس کی جرأت نہ ہوسکی اور بے حیائی سے اسی مردود و مطرود افترا کو دہراتے رہتے ہیں اس لئے ناظرین کی طمانیت کے لئے پھر اس افترا کا پردہ چاک کرنا ضروری ہے۔

الملفوظ شریف کی اس عبارت کا ماحصل یہ ہے، کہ حکیم برکات احمد مقبول بارگاہ رسالت تھے ان کے انتقال پر سرکار نے کرم خاص فرمایا نماز جنازہ میں تشریف لائے اور قبر پر جلوہ فرمایا مقبولان بارگاہ پر سرکار کے اس قسم کے کرم کی صدہا مثالیں علماو مشائخ کے حالات میں موجود ہیں پھر اگر حکیم برکات احمد صاحب پر یہ کرم ہوا تو دیوبندی کیوں چین بہ جبیں ہیں:

اصل بات یہ ہے کہ دیوبندیوں کا عقیدہ یہ ہے، کہ حضور سیّد عالم ﷺ مر کر مٹی میں مل گئے جیسا کہ ان کے سید الطائفہ نے تقویۃ الایمان ص ۵۰ پر لکھا ہے:

''میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں''۔

اب جب یہ سنتے ہیں کہ حضور ﷺ کسی خادم کے گھر تشریف لائے کسی کے جنازہ پر کرم فرمایا کسی کی قبر پر رونق افروز ہوئے تو چیخنے چلانے لگتے ہیں کہ ہائے ہائے اس سے تو حضور سیّد عالم ﷺ کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے، اور ہمارا عقیدہ فنا ہوا جاتا ہے۔ لیکن ہم اہلسنّت کا چونکہ عقیدہ یہی ہے، کہ حضور سیّد عالم ﷺ بحیات حقیقی جسمانی دنیوی زندہ ہیں اور یہ قدرت رکھتے ہیں کہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں تشریف لے جائیں ہمارے نزدیک نہ اس میں استبعاد ہے، نہ ہمیں تحیر اور یہی تمام امت کا اجماعی عقیدہ ہے حضرت شیخ محقق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مجمع البرکات میں فرماتے ہیں :

آں ﷺ بر احوال امت مطلع است و بر مقربان و خاصان درگاہ خود ممد و مفیض و حاضر و ناظر است	حضور ﷺ امت کے احوال پر مطلع ہیں اور اپنے مقربان و خاصان درگاہ کے مددگار و فیض بخش اور حاضر و ناظر ہیں

سلوک اقرب السّبل میں فرماتے ہیں:

باچندیں اختلافات و کثرت مذاہب کہ در علمائے امت است یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت ﷺ بہ حقیقت حیات بے شائبۂ مجاز و توہم تاویل دائم باقی است بر اعمال امت حاضر و ناظر و مر طالبان حقیقت را و متوجہان آں حضرت را مفیض و مربی۔

ترجمہ: باوجود ان اختلافات اور کثرت مذاہب کے جو علمائے امت میں ہیں۔ کسی ایک شخص کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ آنحضرت ﷺ حقیقی حیات کے ساتھ بغیر شائبہ مجاز و توہم

تاویل کے دائم و باقی ہیں اور امت کے احوال پر حاضر و ناظر اور حقیقت کے طلبگاروں اور آنحضور کی طرف توجہ کرنے والوں کے لئے فیض رساں اور تربیت فرما ہیں۔

ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

لان روحه صلى الله تعالى عليه وسلّم حاضرة فى بيوت اهل الاسلام.

ترجمہ: اس لئے کہ روح نبوی تمام مسلمانوں کے گھروں میں جلوہ فرما ہے۔

جب تمام امت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ حقیقی جسمانی حیات کے ساتھ زندہ اور باقی ہیں حاضر و ناظر ہیں تو پھر کسی برگزیدۂ بارگاہ امتی کی قبر پر تشریف لانا جنازہ میں شرکت فرمانا ہرگز ہرگز قابل اعتراض نہیں جو اعتراض کرے وہ جاہل فسادی ہٹ دھرم ہی نہیں بے دھرم ہے۔

دیوبندیو! تمہیں اپنے اس عقیدہ کی بنا پر کہ حضور جان عالم ﷺ مر کر مٹی میں مل گئے حکیم برکات احمد صاحب مرحوم کی قبر پر تشریف لانا قابل اعتراض نظر آیا مگر اپنے پیران پیر حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھران کے مہمانوں کا کھانا پکانے کے لئے آنا قابل اعتراض نہیں سمجھا ئی دیا۔ دیکھو تذکرۃ الرشید ص ۶۴ ج ۲ میں ہے۔

"ایک دن اعلی حضرت (حاجی امداد اللہ) نے خواب دیکھا کہ آپ کی بھاوج آپ کے مہمانوں کا کھانا پکار ہی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ کی بھاوج نے فرمایا کہ اٹھ تو اس قابل نہیں کہ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا پکائے اس کے مہمان علما ہیں اس کے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا"

کیوں دیوبندیو! کسی بھی بزرگ کی قبر پر سرکار کا تشریف لانا تمہارے نزدیک محال ہے مگر تمہارے مولوی کا کھانا پکانے کے لئے بحیثیت باورچی تشریف لانا ایمان ہے۔

اخبار الجمعیۃ کے شیخ الاسلام نمبر میں ہے:

"ایک دفعہ حضرت ٹانڈوی جب جیل میں تشریف لائے تو فرمایا کاش میں جیل ہی میں رہتا وہاں کوئی شب ایسی نہیں گزری جس میں حضور ﷺ کی زیارت نہ ہوئی ہو"—— بولو! اب کیا ارشاد ہے اگر حکیم برکات صاحب کی قبر پر سرکار کی کوئی خوشبو محسوس کی گئی تو تعجب کیا ہے؟

خواب میں سرکار کی نماز جنازہ میں شرکت پر پھبتی کہ اعلی حضرت قدس سرہ نے حضور اقدس ﷺ کی امامت کی۔ اس کا جواب تو پہلے ہو چکا اب ہم یہاں صرف چند سوالات کرتے ہیں جس کا جواب پوری دیوبندی برادری مل کر بتائے۔

اول-- اگر کوئی مر جائے اور کوئی دوسرا آدمی یہ خواب دیکھے کہ حضور ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے تشریف لے جارہے ہیں تو مسلمانوں پر اس کی نماز جنازہ فرض ہے یا نہیں؟ اور اگر مسلمان اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں یوں ہی دفن کر دیں تو فرض کفایہ کے تارک ہو کر گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ اور اگر اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے تو بغیر جماعت وامام کے یا امام کے ساتھ؟ اور اگر کوئی امام بنایا جائے تو یہ امام حضور ﷺ کا مقتدی ہوگا یا امام؟

ثانیاً-- کسی امتی کا حضور ﷺ کی امامت کرنی کفر ہے یا فسق یا مکروہ یا ان میں سے کچھ نہیں کیا محض امامت سے امام کا مقتدی سے افضل ہونا لازم ہے؟ کیا افضل کی موجودگی میں مفضول کا امام ہونا کفر یا فسق یا مکروہ ہے، اگر تمام سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو الملفوظ کی اس عبارت پر اعتراض سوائے فساد انگیزی کے اور کچھ نہیں اور اگر ان سوالوں کا جواب اثبات میں ہے تو اس حدیث کی کیا تاویل ہوگی جو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں مروی ہے۔ فرماتے ہیں:

> غزوہ تبوک میں ایک دن حضور ﷺ نماز فجر سے پہلے قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے میں پانی لیکر ساتھ ہو گیا ضرورت سے فارغ ہو کر آں حضرت ﷺ نے وضو فرمایا جس میں موزوں پر مسح فرمایا جب پڑاو پر واپس آئے تو جماعت قائم تھی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول امام تھے ایک رکعت ہو چکی تھی آگے کے الفاظ کریمہ یہ ہیں۔

فادرك رسول لله ﷺ احدى الركعتين فصلى مع الناس الركعة الاخرة فلما سلّم عبد الرحمٰن بن عوف قام رسول الله ﷺ يتمّ صلوته فافزع ذلك الناس فاكثر التسبيح فلما قضى النبى ﷺ صلوته اقبل عليهم ثم قال اَحسَنتم او قال اصبتم.

رسول اکرم ﷺ کو ایک رکعت ملی اور آپ نے آخری ہی رکعت کو جماعت کے ساتھ ادا کی صحابی رسول حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے جب سلام پھیرا تو رسول خدا کھڑے ہو گئے اور اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرنے لگے تو اس پر لوگ گھبرا گئے اور کثرت سے تسبیح پڑھنے لگے جب آں حضور ﷺ نے نماز پوری کر لی تو فرمایا تم لوگوں نے اچھا کیا یا یہ فرمایا کہ تم لوگوں نے ٹھیک کیا۔

مسلم شریف کی دوسری روایت میں یہ زائد ہے:

فاردت تاخير عبد الرحمٰن بن عوف فقال النبى ﷺ دعه

میں نے عبد الرحمٰن بن عوف کو پیچھے کرنا چاہا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا رہنے دو۔

مشکوٰۃ شریف میں تھوڑے اور تغیر کے ساتھ اتنا اور زیادہ ہے:

فلما أُحس بالنبی ﷺ ذھب یتاخر فاو ماُ إلیه.

جب انہوں نے آنخضرت ﷺ کی آہٹ پائی تو پیچھے آنے لگے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔

تو اگر کسی امتی کا آنخضور ﷺ کی امامت کرنی قابل اعتراض ہے تو صحابی رسول عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور جب وہ پیچھے آنے لگے تو حضور ﷺ نے پیچھے نہ آنے دیا بلکہ تحسین واصابت فرمائی تو حضور ﷺ پر کیا فتوئی ہے؟ اسی حدیث کے تحت حضرت ملا علی قاری مرقات میں فرماتے ہیں:

فیه دلیل علیٰ جواز اقتداء الافضل بالمفضول اذا علم أرکان الصلوٰۃ.

اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ افضل کو مفضول کی اقتدا کرنا جائز ہے بشرطیکہ مفضول ارکان صلوٰۃ کا جانکار ہو:

اب ان کے بارے میں کیا کہیں گے دیکھنا ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہ کیوں فرمایا کہ الحمدللہ یہ نماز جنازہ میں نے پڑھائی تھی یہ اظہار تشکر ہے مقبول بارگاہ بزرگ کی نماز جنازہ پڑھانے پر نہ کہ آنخضور ﷺ کا امام ہونے پر۔ اس لئے کہ الملفوظ کی عبارت میں حضور ﷺ کے مقتدی ہونے کا کوئی شائبہ بھی نہیں۔

(اضافہ) واضح رہے کہ یہ تردیدی کارنامہ آپ کے جلالت علمی کی ادنیٰ توجہ کا کرشمہ ہے در حقیقت آپ کا کارنامہ جس پر سارے زمانہ کو ناز ہے وہ خدمت حدیث و فقہ ہے جس میں آپ نے پوری زندگی عرق ریزی وجاں سوزی کی ہے اور کمالات علمیہ کا جوہر دکھایا ہے جو آسمانِ علم و فضل پر آفتاب و ماہتاب بن کر ہمیشہ چمکتا و دمکتا رہے گا اور ہر آنے والا خادمِ حدیث و فقہ آپ کے نقش قدم پر چل کر آپ کی بارگاہ میں عقیدت کے پھول نچھاور کرتا رہے گا۔

☆☆☆

مولانا شمس الہدیٰ رضوی مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ

کمالات فقیہ النفس کے چند گوشے

محقق یگانہ نائب مفتی اعظم ہند کی علمی گیرائی وفنی گہرائی اور فقہی بصیرت کو ہر مدرس، مصنف، مناظر، محقق، خطیب، فقیہ نے اپنی اپنی قوت ادراک کے مقدار سمجھا، جانا۔ پھر یہی کہا کہ اسی میدان کے یکتائے روز گار ہیں۔ مگر بات سب کی صحیح وصواب ہے۔ کیونکہ وہ ان تمام اوصاف وکمالات کے سنگم ہیں۔ درسگاہی خصائص معلوم کرنا ہو تو ان کی درسگاہ میں زانوے تلمذ تہ کرنے والے کسی مدرس سے پوچھو۔

ایک مصنف کے کیا کیا کمالات ہوتے ہیں؟ ان کی تالیفات وتصنیفات کا لمبا سلسلہ بالخصوص نزھۃ القاری شرح بخاری، اشرف السیر، منصفانہ جائزہ وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ مناظر کی حیثیت سے حضرت نقیہ النفس کو سمجھنا ہے تو مناظرۂ جھریا اور کٹک اور بجرڈیہہ وغیرہ کی روداد یں پڑھیں اور نور محمد ٹانڈوی وطاہر گیاوی وغیرہما بدمذہبوں سے جب اپنے آواگون سے ضلع اعظم گڑھ، مئو وغیرہ کے اطراف میں کافی شورش اہل سنت اور امام اہل سنت کے خلاف مچار کھی تھی۔ اس وقت فقیہ النفس کے بعض گھن گرج بیانات اور ''اور کافر کون؟''، ناموس رسالت، تعزیرات وغیرہ کتابچے (جو فقیہ النفس کے اہم افادات کے مجموعے ہیں) نے نہ صرف ان بدمذہبوں کی راہ مسدود کردی زبان پر تالا لگادیا بلکہ بہت سے اشخاص کو گمراہ ہونے سے بچالیا اور کتنے گمراہوں کو راہ راست پر کردیا۔ حتی کہ نور محمد ٹانڈوی نے اپنی زہریلی تقریر میں کتنے مشائخ اہل سنت کو برا بھلا کہا، بیہودہ طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا لیکن فقیہ النفس کے بارے میں صرف اتنا کہا ''شریف الحق جیو اور جینے دو''۔

جس گلستاں کے تم گلِ تر ہو   اسی گلشن کے خار ہم بھی ہیں

حق تو یہ ہے کہ بدمذہبوں کے لئے فقیہ النفس کلک رضا کے مظہر اتم ہیں۔ ان کی تحقیقات کا اندازان کی نشست میں کسی بحث کو چھیڑ کر دیکھیں بشرطیکہ نشاط میں ہوں۔

نیز اسلام اور چاند کا سفر، تحقیقات، اثبات ایصال ثواب، مقالات امجدی وغیرہ تو ان کی نادر تحقیقات کا زندہ جاوید گلدستہ ہیں۔ نہ صرف فقیہ النفس تحقیقی مزاج رکھتے ہیں بلکہ تحقیقی مزاج عطا بھی

فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ بڑے قلق کے ساتھ اپنے دولت کدہ پر مجھ سے فرمایا کہ امام اہل سنت مجدد اعظم قدس سرہ کی سند حدیث وغیرہ حضرت بحر العلوم فرنگی محلّی تک ملتی ہے پھر تفصیل نہیں ملتی، حضور مفتی اعظم ہند کے دور میں بھی میں نے یہ بات اٹھائی تھی اور چند مشائخ کبار کے سامنے یہ مسئلہ آیا مگر میں کثرت مشاغل کے سبب یہ کام نہ کرسکا اور اب ضعف بدن و بصارت مانع ہے کاش یہ کام ہو جاتا تو مجھے قلبی مسرت ہوتی۔ اخراجات دس بیس ہزار بھی ہوں تو میں برداشت کروں گا۔ حضرت کی رہنمائی پر اس کام کی ذمہ داری میں نے لے لی اور چھان بین شروع کر دی، کئی لائبریریاں دیکھی مگر کامیاب نہ ہوا، پھر اس عزم سے لکھنؤ گیا کہ اگر وہاں مقصد میں کامیابی نہ ملی تو مدراس کا بھی سفر کروں گا۔ کیونکہ حضرت ابو العیاش بحر العلوم عبد العلی فرنگی محلّی نے اپنی زندگی کے آخری طویل عرصے وہیں گزارے اور بدمذہبوں سے وہاں بہت سارے مناظرے بھی کئے۔ مزار پاک بھی وہیں مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

بفضلہٖ تعالیٰ لکھنؤ فرنگی محل کی ایک لائبریری میں تفصیلی سند حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس دن رمضان شریف کی ۲۹ر تاریخ تھی۔ شام تک کام نپٹا کر عید مبارک کا چاند دیکھ کر بعد نماز عشا اپنے گھر کے لئے روانہ ہوا۔

عید بعد جب حضرت فقیہ النفس کی خدمت میں حاضر ہوا اور تفصیلی سند پیش کی تو آپ کے مسرت و شادمانی کی انتہا نہ رہی اور اپنی جیب خاص سے مکمل اخراجات مبلغ ایک ہزار روپئے عنایت فرمائے اور کافی دعاؤں سے نوازا اور بے طلب تمام سلاسل کی اجازت سے بھی شادکام فرمایا۔

عربی زبان

حضرت فقیہ النفس کو عربی زبان سے بھی دلچسپی ہے ضرورت پر عربی بولتے بھی ہیں۔ تحریر بھی فرماتے ہیں۔ بلاد عرب سے آئے ہوئے سوالوں کے جواب اور آپ کی تقریریں اور مشائخ سے محادثے عربی زبان دانی پر شاہد عدل ہیں۔ آپ نے سب سے پہلی تقریر بزبان عربی زمانہ طالب علمی ہی میں اشرفیہ مبارکپور کے دوسرے جلسہ دستار بندی میں کی تھی۔ حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ نے سن کر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور از راہ شفقت و حوصلہ افزائی آپ کو دو روپئے بطور انعام عطا فرمایا۔ پھر قیام گاہ پر آکر حافظ ملت کے سامنے بڑی تعریفیں کی۔ حضور محدث اعظم ہند کچھوچھوی بھی بہت مسرور ہوئے اور بڑی ہمت افزائی فرمائی۔ دعاؤں سے بھی نوازا۔ حضور حافظ ملت، حضرت

شیخ المعقولات مولانا محمد سلیمان بھاگل پوری، سعدیٔ زماں مولانا شمس الحق گجہڑوی، رئیس مبارکپور جناب امین گرہست صاحب نے بھی خوش ہو کر ایک ایک روپیہ انعام دیا تھا۔

دوسری عربی تقریر ۱۹۸۵ء میں سفر حج وزیارت کے موقع پر مدینۃ الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں خلیفہ اعلیٰ حضرت قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین قادری مہاجر مدنی کے دولت کدہ پہ بعض مشائخ کی فرمائش پر کی۔ تقریر کے بعد حدیث "انا مدینة العلم و علی بابها" پر حضرت علامہ شیخ مراد علی مدنی سے کچھ علمی گفتگو بھی ہوئی۔

تیسری عربی تقریر ۱۹۹۶ء میں اپنے دورۂ افریقہ پر دار السلام میں کی تھی جس کا وہاں کے مشائخ پر بہت بڑا اثر رہا۔ وہ حضرات آپ سے استفادہ کے لئے آپ کی خدمت میں برابر حاضر ہوا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ میں جمعية المشاريع الخيرية الاسلاميه کے متحرک اور فعال رکن شیخ عبد القادر فاکہانی کو جب وہ ہندوستان کے دورہ پر تھے لے کر حضرت فقیہ النفس کے دولت کدہ پر حاضر ہوا تو وقت کی قلت کے باعث تھوڑی ہی دیر کی علمی گفتگو سے وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ حضرت سے انھوں نے اجازت حدیث طلب کی پھر حضرت نے تھوڑا سا تامل فرما کر اجازت سے نوازا۔ اس کے بعد وہ چند بار حضرت کی خدمت میں اشرفیہ حاضر ہوئے اور مختلف مسائل خاص کر دیوبندیوں کے بارے میں لمبی لمبی گفتگو رہی۔ پھر انھوں نے اپنے اس محادثے کے خلاصہ کو اپنے ماہنامہ "منار الہدیٰ" میں شائع بھی کیا۔

۱۹۸۵ء میں ہم نے فقیہ النفس سے فتاویٰ رضویہ شریف جلد اول خریدا تو آپ نے اس پر عربی میں دعائیہ کلمات رقم فرمائے جس سے آپ اندازہ لگائیں کہ برجستہ کتنے شستہ و ستھرے انداز میں عربی کلمات تحریر فرمائے۔ رقمطراز ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم. قد اشترى منى هذا المجلد العظيم، ذا النفع الفخيم، اخى فى الدين ذى العزالمتين والجاه المبين مولانا صوفى شمس الهدىٰ جعله الله كاسمه شمس الهدى لكل الورىٰ"۔

میں نے اپنے دورہ ملک لبنان ۱۹۹۸ء کے وقت بیروت میں محدث الدنیا علامہ عبد اللہ ہرری حبشی کو نزہۃ القاری شرح بخاری وغیرہ مؤلفات فقیہ النفس پیش کرتے ہوئے جب فقیہ النفس کا تعارف کروایا تو بہت سے مشائخ نے میرے توسط سے اجازت حدیث طلب کی اور ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ میرے لبنان سے واپسی کے چند ہی ماہ بعد فضیلۃ الشیخ کمال راغب صاحب اپنے کچھ کام سے

ہندوستان آئے ہوئے تھے۔ مجھے اطلاع دی میں ان کے پاس حاضر ہوا۔ پھر میری معیت میں اشرفیہ آئے اور شارح بخاری کے ساتھ ایک علمی نشست ہوئی جس سے شیخ کمال بہت محظوظ ہوئے اور کافی فرحت وانبساط کا اظہار کیا شارح بخاری نے انھیں سند اجازت سے بھی سرفراز فرمایا۔

جمعیۃ المشاریع بیروت کے صدر سماحۃ الشیخ حسام الدین قراقیرہ نے مجھے جو مکتوب بنام فقیہ النفس دیا تھا اس میں بالخصوص حبیب الرحمٰن اعظمی کے متعلق جو باتیں تھیں وہ کافی اہمیت کی حامل ہیں۔

مختلف ممالک کے تقریباً چالیس مشائخ کبار نے مجھے اپنے اسمائے گرامی درج کروائے کہ حضرت شارح بخاری سے ہمارے لئے اجازت حدیث حاصل کر کے بھیجئے۔ میری سفارش کو حضرت نے قبول فرما کر ان سبھی مشائخ کو اجازت حدیث واجازت سلاسل سے سرخرو فرمایا۔

بیرون ممالک کے اجازت یافتہ مشائخ کبار

شیخ سمیر القاضی امریکہ، شیخ سلیم علوان، انڈونیشیا، سماحۃ الشیخ حسام الدین قراقیرہ رئیس جمعیۃ المشاریع بیروت، شیخ غانم جلول طرابلس، شیخ ابراہیم شافعی آسٹریلیا، شیخ نزار فاخوری سوئزرلینڈ، شیخ موفق رفاعی سوئزرلینڈ، استاذ ریاض ناشف امریکہ، استاذ محمد کابہ غینیا، شیخ ماہر تمیم اوکرانیا، شیخ محمد الولی ڈنمارک، شیخ ڈاکٹر احمد تمیم اوکرانیا، شیخ یوسف داؤد جرمن، شیخ ڈاکٹر سید ارشاد احمد بنگلہ دیش وغیرہ۔

نزھۃ القاری شرح بخاری جلد اول جب چھپ کر منظر عام پر آئی تو کسی صاحب نے مولوی مجیب اللہ ندوی مہتمم جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کو ایک نسخہ تبصرہ کے لئے دیا۔ توانھوں نے اگست ۱۹۸۸ء کے الرشاد ماہواری رسالہ میں اس پر تبصرہ شائع کیا۔ جس میں نزھۃ القاری کی خوبیاں بیان کئے بغیر وہ بھی نہ رہ سکے۔ گو کہ شدید مسلکی تعصب کی بنا پر کچھ ایسی مصنوعی خامیاں اور من گڑھت خرابیاں ذکر کیں کہ خوبیاں ان میں چھپ کر رہ گئیں۔ اس تبصرہ کے شائع ہونے پر بالخصوص شہر اعظم گڑھ کے سنیوں میں یہ پروپیگنڈہ پھیلایا جانے لگا کہ سنیو! تمہارے اتنے بڑے مفتی، ایسے جید عالم حدیث رسول کا صحیح ترجمہ تک نہیں کرپاتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ حق پر نہیں ہو۔ اتفاق سے میں اس دوران اعظم گڑھ شہر گیا ہوا تھا۔ مجھ سے کئی حساس سنیوں نے اپنے دکھ درد کا اظہار کیا اور ایک صاحب نے ''الرشاد'' پرچہ لاکر دکھایا بھی۔ مجھے بڑی غیرت آئی میں نے کہا میں خود ندوی صاحب سے بات کرتا ہوں، فوراً اٹھا اور جامعۃ الرشاد پہنچا۔ ساتھ میں جناب قاری جلال الدین صاحب استاذ شعبۂ قراءت اشرفیہ بھی ہو لئے۔ ندوی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جب انھیں معلوم

ہوا کہ میں جامعہ اشرفیہ کا خادم ہوں تو بڑے اہتمام سے بٹھایا اور فوراً الرشاد پرچہ لاکر دیا اور پھر اپنی صلح کلیت پر دیر تک تقریر کرتے رہے کہ میں چاہتا ہوں کہ سب کو ایک دستر خوان پر بیٹھادوں جس کی وجہ سے میرے جگری ساتھی علی میاں ندوی مجھ سے ناراض بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ پھر بھی میری خواہش یہ ہے، وہ بے، ہانکتے رہے۔ وہاں کچھ انگلش داں طبقے کے لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

میں نے ان سے کہا آپ نے نزہۃ القاری شرح بخاری پر یہ تنقید کی ہے کہ "لا تبدأوا الیہود والنصاریٰ بالسلام" کا ترجمہ "یہود و نصاریٰ سے سلام نہ کرو" مفتی صاحب نے غلط کیا ہے۔ بلکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "سلام میں پہل نہ کرو" پہل اور بدایت ہی کو تو سلام کہتے ہیں اور بعد والے کو تو جواب سلام کہا جاتا ہے۔ انھوں نے کہا عربی میں جواب سلام بھی سلام ہی ہوتا ہے لہٰذا پہل کا لفظ لانا ضروری ہے تاکہ معنی واضح ہو جائے۔ میں نے کہا جناب عربی میں جواب سلام کو "ردّ علیہ السلام" کہا جاتا ہے۔ پھر جو کچھ لوگ ان کے یہاں بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے میری بات کی تائید کی کہ سلام میں پہل کرنے کو سلام کرنا ہی کہا جاتا ہے اور پھر اس کے جواب کو جواب سلام کہا جاتا ہے۔ اب جاکر انھوں نے اپنی غلطی کا صاف صاف لفظوں میں اقرار کر لیا۔

یوں ہی حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے ارشاد "انا ارد القضاء المبرم" میں "قضاء مبرم کو رد کر دیتا ہوں" کو کہا کہ یہ ان پر اتہام ہے ایسا کوئی قول ان کا نہیں اور جب حوالہ کے ساتھ کہ مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب نمبر ۲۱۷ صفحہ ۳۵۱ تفسیر مظہری سورۂ رعد وغیرہ میں یہ ارشاد تفصیل سے مذکور ہے۔ چند بار انھیں دیا گیا مگر انھوں نے اپنے رسالہ میں شائع نہ کر کے ثابت کر دیا کہ میری صلح کلیت کی ڈینگ سب نمائشی دعوے تھے پھر ان کے تبصرہ و تنقید کی خبر باقاعدہ لینی پڑی جو ماہنامہ اشرفیہ اکتوبر ۱۹۸۸ء میں چھپ چکا ہے۔ پھر ندوی صاحب نے کبھی اس پر کچھ لکھنے کی جرأت نہ کی۔

آج نزہۃ القاری شرح بخاری کی وہ مقبولیت ہے کہ ہند و پاک میں دھوم سے چھپ رہی ہے اور درس حدیث دینے والے مدرسین بالعموم اس سے استفادہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کا مقدمہ تو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

خدائے تعالیٰ ہمارے تمام مشائخ کرام کے فیوض و برکات، محاسن و کمالات کو عام و تام فرمائے اور ہمارے عوام و خواص کو علم و فضل کی قدر دانی کی توفیق بخشے آمین۔ بجاہ حبیبہ الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ و التسلیم.

☆☆☆

مولانا محمد مسعود احمد برکاتی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

شارح بخاری اور مجلسی افادات

اس وقت حضرت شارح بخاری مد ظلہٗ کی ذات گرامی ہندو پاک میں نصف صدی کی مشق و ممارست تجربہ و مہارت، نظر دقیق و فکر عمیق رکھنے کی وجہ سے مرجع فتاوی ہے۔ دن بھر ہندو پاک اور دنیا کے بیشتر ممالک سے آنے والے سوالات کے جوابات لکھواتے ہیں اور قوم وملت کے پیچیدہ مسائل حل فرما کر ان کے لئے سکون واطمینان کا سامان کرتے ہیں۔

بعد عصر آپ کے کمرے کے ٹھیک سامنے بر آمدہ میں روزانہ عصری نشست ہوتی ہے اکثر اساتذۂ اشرفیہ اپنے روزانہ کے لاینحل مسائل حضرت شارح بخاری کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ آپ دن بھر کی مشغولیت کے باوجود مضمحل وکبیدہ خاطر ہونے کے بجائے ایسے تشفی بخش جوابات دیتے ہیں کہ اگر ہم لوگ اسے کتابوں سے اخذ کریں تو ہفتے لگ جائیں اور پھر بھی اس طرح دل نشین نہ ہوں۔ اور کبھی جب اساتذہ کو خاموش دیکھتے ہیں تو خود ہی کوئی مسئلہ چھیڑ کر علمی مباحث کا دفتر کھول دیتے ہیں۔

مسئلہ کلام نفسی ولفظی

شرح عقائد نسفی علم کلام کی ایک معیاری کتاب ہے اس کتاب کو پڑھنے اور پڑھانے والے اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ کلام نفسی اور کلام لفظی کی بحث کتنی اہم ہے عموماً پڑھنے اور پڑھانے والے سمجھتے ہیں کہ کلام اللہ کی دو قسمیں ہیں۔ کلام نفسی اور لفظی۔ مگر ایک بار جب حضرت شارح بخاری کی مجلس میں اس کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ کلام اللہ کی نفسی اور لفظی کی طرف تقسیم ہی غلط ہے۔ ہم لوگوں نے عرض کیا حضور! علم کلام کی تمام کتابوں میں متکلمین نے اسے تحریر فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ متکلمین کا تسامح ہے۔ آپ لوگ خود سنجیدگی سے غور کرلیں تو سمجھ میں آجائیگا۔ چونکہ رب تعالیٰ کی ذات وصفات کا ادراک بہت مشکل ہے۔ یہ صرف اہل کشف کا ہی کام ہے۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں۔ ”العجز عن إدراك ذاته إدراك“ اور حضرت سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں ”السبحث عن سِرّ الذات إشراك“ (یعنی انه ینجر إلی الکفر) متکلمین نے صرف تقریبِ فہم کے لئے کلام اللہ کی دو قسمیں کی ہیں ورنہ حقیقت میں اس کا ادراک عقل سے ماورا ہے کیوں کہ حقیقتاً کلام اللہ وہی ہے جو رب تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ حاشیۃ المعتقد میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ نفسی اور لفظی کی تقسیم متاخرین نے معتزلہ کو خاموش کرنے اور پست عقول کو سمجھانے کی خاطر کی ہے۔ جیسے کہ متاخرین نے متشابہات میں تاویل کی راہ اختیار فرمائی ہے اور مذہب وہی ہے جس پر ائمۂ سلف ہیں کہ کلام باری واحد ہے۔ جس میں اصلاً کوئی تعدد نہیں"

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وہی قرآن جو باری تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے جو اس کی ذات پاک سے ازلاً ابداً قائم و مستحیل الانفکاک ہے وہی ہماری زبانوں سے متلو ہمارے کانوں سے مسموع ہمارے اوراق میں مکتوب ہمارے سینوں میں محفوظ ہے نہ یہ کہ کوئی جداشی قرآن پر دال ہے نہیں نہیں! یہ سب اسی کی تجلیاں ہیں حقیقۃً وہی متجلی ہے بغیر اس کے کہ وہ ذات الٰہی سے جدا ہو یا کسوتوں (لباسوں) کے حدوث سے اسکے دامن قِدم پر کوئی داغ آیا ہو یا ان کے تکثر سے اس کی طرف تعدّد راہ پایا ہو۔"

رہ گیا آپ لوگوں کا یہ کہنا کہ اکثر متکلمین نے ایسے ہی لکھا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بہت سی باتیں متوارث چلی آتی ہیں حالانکہ وہ تحقیق کے خلاف ہوتی ہیں۔

جب اپالو نمبر ۹ کی تفصیلات اخباروں میں چھپی تو پورے ملک میں ایک سوال اٹھ کھڑا ہوا کہ آیا انسان کا چاند پر پہونچنا ممکن ہے یا نہیں؟ ہر جگہ اس پر گرما گرم بحثیں شروع ہو گئیں عوام تو عوام علمائے اسلام کا ایک طبقہ یہ کہنے لگا کہ یہ سراسر جھوٹ اور فریب ہے شرعاً عام انسانوں خصوصاً کفار کا چاند تک پہونچنا ناممکن ہے اور جو اس کی تصدیق کرے کہ خلائی کشتی چاند تک پہونچ گئی ہے وہ گمراہ ہے۔ اسے توبہ و تجدید ایمان کرنی چاہیئے۔

میں اپنی فرصت کے اوقات میں اس پر غور کرتا تفاسیر، شروح احادیث کا مطالعہ کرتا علماسے استصواب کرتا۔ اثنائے تلاوت میں اس موضوع سے متعلق آیتوں کو نوٹ کرتا جاتا۔ کتابوں میں جہاں کہیں اس کے متعلق مواد ملتا جمع کرتا جاتا۔ اپنی جماعت کے کثیر اکابر و اصاغر سے اس موضوع پر مختلف انداز میں مختلف جلسوں میں میری تحقیق و جستجو جاری رہی یہاں تک کہ ایک عظیم اجتماع میں جہاں تقریباً پچاس علما موجود تھے۔ بھرے مجمع میں میں نے جرأت کر کے افقہ ملت سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے سوال کیا کہ حضور کیا انسان کا چاند پر پہنچنا ممکن ہے؟ ارشاد فرمایا "انسان کا چاند پر پہنچنا ممکن ہے" مگر یہ امریکہ والے جھوٹے ہیں۔

سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ کے فیصلہ کن ارشاد کے بعد مجھے اطمینان ہو گیا اب میں نے مزید استفسار اور سوال و جواب کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اور میں نے پہلا مضمون "قرآن اور خلائی سفر" لکھا مزید تحقیق و تنقیح

بلکہ تصحیح کیلئے نوری کرن میں چھپوادیا ایک مدت تک نہ اس کے خلاف کچھ لکھا گیا اور نہ کسی صاحب نے اس پر مجھے کوئی تنبیہ کی اور نہ کسی نے اس کی تردید کی۔

پھر جب اپالو نمبر ۱۱ کے بارے میں یہ خبر چھپی کہ اس کے ذریعہ دو آدمی چاند پر پہونچ گئے تو میرا وہی مضمون نوری کرن نے دوبارہ چھاپا اس مضمون کی بدولت یہ پرچہ اتنا بکا کہ مانگ پوری نہ ہو سکی۔ اس طویل عرصہ میں استاذی صدر العلماء امام النحو حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ سے میری ملاقات نہ ہو سکی اور نہ کسی ذریعہ سے معلوم ہو سکا کہ اس بارے میں حضرت کا کیا نظریہ ہے۔

کئی برسوں کے بعد جب عرس رضوی میں حاضر ہوا تو "صحیح النظر" رسالہ فروخت ہو رہا تھا میں بھی خریدنے کیلئے حاضر ہوا تو ازراہ گدانوازی مفت عنایت ہوا سر پر رکھا مطالعہ کیا یہ رسالہ تقریباً نصف میرے مضمون کا رد تھا مجھے افسوس ہوا کہ سرکار نے اپنے نیاز مند کا رد چھاپ کر شائع فرمادیا اور مجھے قطعاً مطلع نہ کیا میں مزاج سے واقف تھا اس لئے بالمشافہ گفتگو مناسب نہ سمجھا، بعض مخلص حضرات کے ذریعہ اپنی بات پہنچائی جس کا جواب یہ ملا کہ جمہور کا قول مرجوح ہے۔ کیوں مرجوح ہے؟ اس کی کوئی وجہ ارشاد نہ فرمائی اور نہ بعد میں بتانے کی امید دلائی۔

اب میں نے پھر غور و خوض اور تلاش و تتبع شروع کر دیا۔ ادھر بہت سے اکابر اور احباب نے بار بار فرمایا کہ اس مضمون کا تکملہ کر دو جو ادھورا رہ گیا ہے اور کافی تشنہ ہے یہی اکابر اور بہت سے احباب کے اصرار پر اصرار اور تقاضے ہی رسالہ "اسلام اور چاند کا سفر" کے تالیف کا اصل سبب ہیں۔

واضح ہو کہ ہمارے اصل موضوع کی تحقیق یعنی چاند تک خلائی کشتی کے ذریعہ انسان کا پہونچنا ممکن ہے یا نہیں۔ اس پر موقوف ہے کہ چاند کہاں ہے۔ اس سلسلے میں علامہ ابوالبرکات نسفی قدس سرہ تفسیر مدارک میں "کل فی فلک یسبحون" کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔ (سورہ انبیا)

"عن ابن عباس أن المراد بالفلك السماء والجمهور على أن الفلك موج مكفوف تحت السماء تجرى فيه الشمس والقمر والنجوم"

ابن عباس سے مروی ہے کہ فلک سے مراد آسمان ہے اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ فلک سے مراد موج مکفوف ہے جو آسمان کے نیچے ہے جسمیں سورج اور چاند ستارے چلتے ہیں۔

حضرت علامہ نسفی قدس سرہ نے تصریح فرمادی ہے کہ اگرچہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ فلک سے یہاں آسمان مراد ہے مگر جمہور مفسرین کا قول یہی ہے کہ یہاں فلک سے موج مکفوف مراد ہے جو آسمان کے نیچے ہے جس میں چاند سورج اور ستارے چلتے ہیں۔

مزید اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے اس ترجمے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ فلک سے مراد موج مکفوف

ہے فرماتے ہیں "ہر ایک ایک اپنے گھیرے میں پیر رہے ہیں" بہر حال پوری بحث تو کتاب کے مطالعہ ہی سے حاصل ہو گی مجھے کہنا یہ ہے کہ "اسلام اور چاند کا سفر" کا پہلا ایڈیشن چھپ کر منظر عام پر آیا تو اسے اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ چھ مہینے سے کم میں ایک ہزار جلدیں ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں عوام و خواص نے بہت پسند کیا ابھی تک جو لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ چاند و سورج آسمان میں ہیں ان کے خلجان اور شکوک و شبہات دور ہو گئے اور یہی نہیں کہ خود مطمئن ہوئے بلکہ دوسروں کو بھی اس کتاب کی روشنی میں مطمئن کرنے کا ذریعہ بنے۔ مجھے کہنا یہ۔ ہے کہ حضرت نے یہ فرمایا کہ بہت سی باتیں متوارث چلی آتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ صحیح نہیں ہوتیں جیسے یہ کہ چاند پہلے آسمان میں ہے لیکن تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ چاند ہی نہیں سورج اور سارے ستارے آسمان کے نیچے ہیں۔ اسی طرح ہمارے علمانے معتزلہ کی دہن دوزی کیلئے کلام کی دو قسمیں کیں۔ لفظی اور نفسی چوں کہ معتزلہ اس کے قائل ہیں کہ اللہ کا کلام قرآن مجید مخلوق ہے اس لئے کہ اس کی صفت نزول اور انزال آئی ہے اور یہ دلیل حدوث ہے علماء اہل سنت نے فرمایا کہ نزول وانزال وغیرہ کلام لفظی کی صفت ہے مگر یہ صحیح یوں نہیں کہ ہمارے کلام میں لفظی اور نفسی دو قسمیں نکل سکتی ہیں اس لئے کہ ہم کلام کرنے میں اعضا وجوارح کے محتاج ہیں جو ہماری ظاہری قوتیں ہیں لیکن ہماری باطنی قوت قلب ودماغ بھی ہے۔ قلب ودماغ میں مخصوص معانی کی تعبیر کے لئے مخصوص الفاظ سوچ کر جو محفوظ رکھا جاتا ہے وہ کلام نفسی ہے جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا "زوّرت مقالۃ"

تو چونکہ ہماری دو قوتیں ہیں ظاہری اور باطنی قلب ودماغ مخصوص معانی کو مخصوص الفاظ کے ساتھ جو محفوظ کر لیتے ہیں وہ کلام نفسی ہے۔ انھیں جب ہم کام ودہن کے ذریعہ سے بولتے ہیں تو کلام لفظی ہے کلام لفظی ہوا میں اڑ جاتا ہے مگر کلام نفسی محفوظ رہتا ہے مگر اللہ عزوجل کی ذات کام ودہن قلب ودماغ سے منزہ ہے اس لئے وہاں کلام کی ان دو قسموں کی گنجائش نہیں۔

شارح بخاری کی حاضر جوابی

شارح بخاری مدظلہٗ ایک متبحر عالم دین ہیں منقولات و معقولات میں کامل درک ورسوخ رکھتے ہیں۔ تحقیقی و الزامی جواب دینے اور حملہ ودفاع کا بروقت فیصلہ کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ ذیل میں لکھے ہوئے واقعہ کو ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔ اس سے آپ کے تفقہ، وسعت مطالعہ اور حاضر جوابی کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا شارح بخاری بیان فرماتے ہیں کہ۔

"میں ایک مرتبہ ڈومریا گنج ضلع بستی سے اٹوابازار جا رہا تھا بس میں کچھ لوگ آپس میں بہت مزے لے لے کر یہ کہہ رہے تھے کہ بریلویوں سے زیادہ جھوٹا کوئی نہیں۔ خود کہتے ہیں کہ آسمان کے نیچے قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب "بخاری" ہے مگر بخاری میں لکھا ہے رفع یدین کرو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھو، آمین بلند آواز سے کہو مگر نہیں مانتے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ بخاری میں جو کچھ لکھا ہے تم لوگ سب پر عمل کرتے ہو؟ انھوں نے کہا

بالکل ہم لوگ کرتے ہیں میں نے پوچھا آپ لوگوں نے بخاری پڑھی ہے؟ تو گھبرا گئے ان میں سے ایک نے کہا پڑھی نہیں مگر علما سے سنا ہے کہ بخاری میں یہ لکھا ہے میں نے پوچھا اور کیا کیا بخاری میں لکھا ہے یہ بھی ان علما نے آپ لوگوں کو بتایا؟ اب اور گھبرا گئے مگر تھے دیہاتی صاف گو، اقرار کر لیا کہ اور کچھ نہیں بتایا ہے۔ میں نے سوچا ان گنواروں کو اگر اصح الکتب کا مطلب سمجھاؤں تو سمجھ نہیں پائیں گے ان کی سمجھ کے مطابق ایک لطیفہ ذہن میں آگیا میں نے کہا کہ امام بخاری نے بخاری میں دو مسئلے لکھے ہیں ایک یہ کہ اگر پانی میں نجاست گر جائے اور نجاست کا رنگ یا بو یا مزہ پانی میں ظاہر نہ ہو تو پانی پاک ہے اگرچہ وہ پانی تھوڑا ہی ہو۔ ان میں سے ایک شخص بولا بالکل صحیح ہے۔ میں نے کہا دوسرا بھی سنئے وہ یہ کہ اگر کتا برتن میں منھ ڈال دے تو برتن ایسا ناپاک ہو گیا کہ اسے سات بار دھوؤ۔ اور کم از کم ایک بار مٹی سے مانجو۔ اسی شخص نے کہا یہ بھی بالکل صحیح ہے۔ اب میں نے کہا آپ نے دونوں مسئلوں کو صحیح اور حق مان لیا ہے تو سنئے اب میرا ایک سوال ہے کہ کسی برتن میں پانی ہے اس میں کتے نے منھ ڈال دیا منہ ڈالتے ہی دھتکار دیا گیا تو بتایئے پانی پاک ہے یا ناپاک؟ وہ غریب بول اٹھا کہ پاک ہے میں نے پوچھا اور برتن تو مبہوت ہو کر رہ گیا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب کہہ دیں وہ جاہل اجڈ تھے ان کی بات کا کیا اعتبار۔ مگر عرض یہ ہے کہ ان کو یہ بتانے والے علما تو مجتہد مطلق تھے ورنہ وہ کیا جانیں کہ بخاری میں آمین، رفع یدین کے بارے میں کیا لکھا ہے۔ اب میں نے للکار کر پوچھا کہ بولو تو بیچارے کو سانپ سونگھ گیا وہ سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور بالکل خاموش ہو گئے۔ وہ بھی اٹوا بازار ہی جا رہے تھے جب اٹوا بس رکی میں بھی اتر پڑا وہ سب بھی اتر پڑے مجھے لینے کیلئے جو لوگ آئے تھے ان سے ان لوگوں نے پوچھا یہ کون ہے؟ جب میرا نام سنا تو اب مجھے مزہ آگیا بالکل وہی منظر تھا۔ وان یکاد الذین کفروا لیزلقونک بأبصارھم" ایسا لگتا ہے کہ کافر تمہیں نظر لگا کر گرا دیں گے۔

شارح بخاری کی دقت نظری : عربی زبان سے واقفیت رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ عربی زبان میں ایک لفظ کے مختلف معانی ہوتے ہیں اور پھر احادیث کریمہ میں لفظ کے معنیٔ مراد کی تعیین بہت اہم کام ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اگر لفظ کے معنی مراد پر غور نہ کیا گیا اور زبان زد ترجمہ کر دیا گیا تو نہ صرف یہ کہ کلام کی بلاغت متاثر ہوتی ہے بلکہ کبھی کبھی معنی مراد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

شارح بخاری مدظلہ نہ یہ کہ اس کا صرف اہتمام کرتے ہیں بلکہ اس پر علما کو متوجہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ارشاد فرماتے ہیں۔

''عموماً لوگ حدیث شریف'' ومسح علی ناصیتہ'' کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ ''سرکار نے اپنی پیشانی کا مسح کیا۔''

جب کہ ناصیہ سر کے اگلے چوتھائی حصہ کو کہتے ہیں اور وہاں کے بال کو بھی۔ قرآن مجید میں ہے۔ لنسفعا بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ خاطئۃ (سورۂ اقرأ) ہم ضرور اس کی پیشانی کا بال پکڑ کر گھسیٹیں گے جھوٹی خطاکار پیشانی۔

ناصیہ کو فارسی میں پیشانی بھی کہتے ہیں مگر اردو میں پیشانی چہرے کے اوپر والے حصے کو کہتے ہیں جو بال کے نیچے اور بھوؤں کے اوپر ہے اسی لئے ناصیہ کا ترجمہ پیشانی سن کر لوگ گھبرا جاتے ہیں کہ پیشانی پر مسح کے کیا معنی؟ کیوں کہ مسح سر کا فرض ہے پیشانی کا نہیں۔ لہٰذا اس کا صحیح ترجمہ یہ ہوا کہ سرکار نے اپنے سر کے اگلے حصے پر مسح کیا۔

شارح بخاری کی مناظرانہ عظمت : ادری کے مناظرہ میں اہل سنت کی طرف سے شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی مناظر تھے اور دیوبندیوں کی طرف سے منظور سنبھلی۔ مناظرہ علم غیب کے موضوع پر تھا۔ منظور سنبھلی نے حدیث بیان کی کہ حضور اکرم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں لوگوں نے دیکھا کہ کھجور میں نر مادہ کا جوڑا لگاتے ہیں حضور نے منع فرمایا لوگوں نے ایک سال جوڑا نہیں لگایا تو پھل کم آئے لوگوں نے حضور سے شکایت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا "انتم اعلم بامور دنیاکم" "تم مجھ سے زیادہ دنیا کی باتوں کو جاننے والے ہو"۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کو دنیا کا علم صحابہ سے کم تھا۔

شیر بیشۂ اہل سنت نے فرمایا آپ نے حدیث شریف پڑھی جس کا ترجمہ آپ نے کیا "تم مجھ سے زیادہ دنیا کی باتوں کو جاننے والے ہو" افسوس کہ مصطفیٰ ﷺ کی شان گھٹانے کیلئے اپنی طرف سے حدیث میں پیوند لگا دیا اس حدیث میں منّی کا لفظ کہاں ہے جس کا ترجمہ آپ نے "مجھ سے" کیا ہے۔

اب سنئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح شفا اوّل صفحہ ۲۰۷ پر فرماتے ہیں۔

(ومن معجزاته الباهرة) أى آياته الظاهرة مما جمعه الله من العوارف) أى الجزئية (والعلوم) أى الكلية والمدركات الظنية واليقينية والأسرار الباطنة والأنوار الظاهرة (وخصه من الإطلاع على جميع مصالح الدنيا والدين) اى مايتم به إصلاح الأمور الدنيوية والأخروية واستشكل بأنه صلى الله عليه وسلم وجد الأنصار يلقحون النخل فقال لوتركتموه، فتركوه فلم يخرج شيئًا أوخرج شيصا فقال أنتم أعلم بأمور دنيا كم وأجيب بأنه كان ظنا منه لاوحيا وقال الشيخ سيدى محمد السنوسى أرادأن يحملهم على خرق العوائد فى ذالك إلى باب التوكل وأماهناك فلم يمتثلوا فقال أنتم أعرف بأمور دنياكم ولوا متثلوا و تحملوا سنة أوسنتين لكفوا أمرهذه المحنة.

حضور اکرم ﷺ کے روشن معجزات میں سے یہ ہے کہ اللہ نے آپ کے واسطے معارف جزئیہ اور علوم کلیہ اور مدرکات ظنیہ اور معلومات یقینیہ اور اسرار باطنہ اور انوار ظاہرہ جمع کئے اور آپ کو دنیا و دین کی تمام مصلحتوں سے مطلع فرما کر خاص کیا اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے انصار کو ملاحظہ فرمایا کہ خرما کے نر کی

کلی کو مادہ کی کلی میں رکھتے تھے تاکہ پھل زیادہ ہوں حضور ﷺ نے فرمایا کاش! تم ایسا نہ کرتے انصار نے چھوڑ دیا تو پھل نہ آئے یا خراب آئے تو حضور ﷺ نے فرمایا تم اپنے دنیوی کاموں کو خوب جانتے ہو۔

اس اشکال کا جواب یوں دیا گیا کہ حضور ﷺ نے خود گمان فرمالیا تھا کوئی وحی اس امر میں نازل نہ ہوئی تھی مگر حضرت علامہ سیدی محمد سنوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے ان کو عادتوں کے خلاف باتوں پر برانگیختہ کرنے اور باب توکل تک پہونچانے کا ارادہ فرمایا تھا انھوں نے اطاعت نہ کی اور جلدی کی تو حضور نے فرمادیا کہ تم اپنے دنیا کے کاموں کو خود جانو اگر وہ سال دو سال اطاعت کرتے اور تلقیح نہ کرتے تو انھیں تلقیح کی محنت نہ اٹھانی پڑتی۔ اس جواب کو ملا علی قاری فرماتے ہیں ھو فی غایة من اللطافة یعنی علامہ سنوسی کا یہ جواب نہایت لطیف ہے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی ''نسیم الریاض'' میں فرماتے ہیں۔ ھو فی غایۃ الحسن لمن تأملہ'' علامہ سنوسی کا جواب اس کے لئے نہایت خوب ہے جو اس میں غور کرے۔

اتنا اور بتاتا چلوں کہ ''خصه من الاطلاع علی جمیع مصالح الدنیا والدین پر شفا شریف میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے جسکی شرح ملا علی قاری و علامہ خفاجی نے کی ہے۔ اب بتائیے علامہ سنوسی کا جواب جس کو ملا علی قاری نے نہایت لطیف اور علامہ خفاجی نے نہایت اچھا کہا ہے آپ کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں؟ امام قاضی عیاض اور علامہ خفاجی و ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم دین و دنیا کی تمام مصلحتوں کا علم حضور کے لئے مان کر آپ کے فتوی سے انھوں نے حضور کے ساتھ محبت کے پردہ میں عداوت اور حضور کی توہین کی یا نہیں؟ اور یہ تینوں بزرگ آپ کے نزدیک کافر ہیں یا مسلمان؟

منظور سنبھلی: ہمارے فاضل دوست نے مجھ پر یہ الزام دیا ہے کہ حدیث میں ''منّی'' نہیں پھر ''مجھ سے'' ترجمہ کیسے کردیا کاش آپ کافیہ پڑھ لیتے پڑھی تو ہوگی مگر پڑھ کر بھول نہ جاتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ ''اعلم'' اسم تفصیل ہے اور تفصیل کے لئے مفضل اور مفضل علیہ دو چیزیں ضروری ہیں پس حدیث میں مفضل تو صحابہ ہیں اور مفضل علیہ حضور ہیں تو اگرچہ منّی لفظ میں نہیں مگر مقدر منوی ہے۔

شیر بیشۂ اہل سنت نے فرمایا۔ افسوس سنبھلی نے تعلیاں تو کیں ڈینگیں بہتیری ماریں مگر کوئی ایسی بات نہ کہی جس سے ان کے پیشوا کا کفر اٹھ جاتا مجھے آپ کہتے ہیں کہ کافیہ پڑھ لی ہوتی تو معلوم ہوتا کہ افعل اسم تفصیل کا وزن ہے مگر افسوس، معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پنج گنج بھی نہیں پڑھی یا پڑھ کر بھول گئے کیونکہ پنج گنج میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ افعل کی تین قسم ہے۔ تفضیلی، وصفی، اسمی۔ آپ نے پچھلے دو کو چھوڑ کر اگلا تیسرا پکڑ لیا سنبھلی صاحب! مفضل، مفضل علیہ کی ضرورت افعل التفضیل میں ہوتی ہے اور افعل وصفی تفضیل ہی نہیں پھر کیسا مفضل اور کہاں کا مفضل علیہ۔

حریف و مد مقابل کی شاطرانہ چالوں سے جس باخبری و آگہی، اس کی کمزوری پر جس نظر کی ایک جہاں دیدہ

اور منجھے ہوئے سنی مناظر کو ضرورت ہوتی ہے حضرت شارح بخاری مد ظلہ ان تمام خصوصیات سے متصف ہیں۔ آپ فرماتے ہیں بالفرض اگر حدیث شریف "أنتم أعلم بأمور دنياكم" میں "اعلم" کو اسم تفصیل ہی مانا جائے تو بھی اس سے سرکار علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے علم سے زیادہ صحابہ کا علم ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ جب علم کی نسبت کسی صنعت کی طرف کی جائے تو اس سے علم کے بجائے ملکہ مراد ہوتا ہے لہٰذا "أنتم أعلم بأمور دنياكم" کا اب ترجمہ یہ ہوگا کہ تمہیں دنیاوی امور میں ملکہ زیادہ ہے اس صورت میں صحابہ کے لئے علم کی زیادتی ثابت نہ ہوگی۔ اور سنبھلی کا اصل دعویٰ ہی بے اصل ہو جاتا ہے۔

شارح بخاری اور مسئلہ علم صرف : حضرت شارح بخاری کو علم میں وہ رسوخ حاصل ہے کہ جب کسی خاص موضوع پر لکھنے یا بولنے پر آتے ہیں تو بہت جلد اس کے تمام گوشوں کا احاطہ و استحضار کر کے بھرپور روشنی ڈالتے ہیں۔

جامعہ اشرفیہ میں آنے کے بعد سے اب تک مسند افتا کی صدارت آپ کے سپرد ہے۔ ایک زمانے سے درس و تدریس کا سلسلہ منقطع ہے مگر درسیات کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کے پوچھنے پر آپ تشفی بخش جواب نہ دیتے ہوں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جامعہ کے اساتذہ عموماً اپنے پیچیدہ مسائل حضرت شارح بخاری ہی کی خدمت میں آکر حل کرواتے ہیں اور اللہ کا فضل ہے کہ جس طرح آپ افتا، تبلیغ، تقریر، تحریر میں منفرد ہیں اسی طرح تدریس اور حسن تفہیم میں یکتائے روزگار ہیں۔ ایک بار عصری نشست میں مسکراتے ہوئے تفریحی انداز میں فرمانے لگے آپ لوگ لفظ "اعمی" کی تعلیل کیجئے "ہم لوگ سمجھ گئے کوئی نکتہ ضرور ہے تاہم پنج گنج، علم الصیغہ میں ذکر کئے ہوئے قاعدہ کے مطابق تعلیل کر دی آپ نے ارشاد فرمایا اس قاعدہ کی ایک شرط یہ بھی ہے آپ لوگ پڑھتے پڑھاتے ہوں گے کہ واو اور یا اسی صورت میں الف سے بدلتے ہیں جب کلمہ لون و عیب کے معنی میں نہ ہو اور اعمی عیب کے معنی میں ہے لہٰذا شرط مفقود ہونے کے باوجود تعلیل کیوں ہو گئی۔

فقیر نے اس کے دو جوابات دیئے۔ مسکرانے لگے اور فرمایا لگتا ہے اس سے پہلے آپ سے کوئی سوال کر چکا ہے آپ نے تیاری کر لی ہے پھر حضرت نے اس کے کئی جوابات دیئے ناظرین کے فائدے کے لئے تحریر کر رہا ہوں ملاحظہ ہو۔

(۱) یہ حکم کلی نہیں بلکہ جزئی ہے بعض مثال میں تعلیل نہ ہوئی اس لئے قاعدہ بنا دیا گیا۔

(۲) اصل، استعمال ہے قواعد نحویہ صرفیہ فرع ہیں۔

(۳) قاعدۂ مذکورہ صرف اجوف کے ساتھ خاص ہے اعمی ناقص ہے اس لئے اس میں قاعدہ جاری نہ ہوگا۔

(۴) لون و عیب عدم تعلیل کی وجہ نہیں بلکہ حمل باب وجہ اصلی ہے یہ وجہ چونکہ اعمی میں نہیں اس لئے تعلیل

سے کوئی شے مانع نہیں۔ اس لئے بعض صرفی صرف صیغہ ذکر کرتے ہیں لون و عیب ذکر نہیں کرتے۔ عَوِرَ وغیرہ میں تعلیل نہ ہونے کی وجہ لون و عیب نہیں بلکہ اِعْوَرَّ وغیرہ پر محمول ہوتا ہے اور اِعْوَرَّ وغیرہ میں تعلیل نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بابِ مفاعلت کے ماضی سے التباس لازم آئے گا۔ پھر باب افعلال کی صورت مفقود ہو جائے گی حالانکہ یہ باب لون و عیب میں اصل ہے اسی وجہ سے اس پر محمول کیا گیا بر عکس نہیں کیا گیا۔

(۵) بعض صرفیوں کے نزدیک لون و عیب میں بھی تعلیل جائز ہے۔ جیسے مصرع ؎ "اعارت عینہ ام لم تعارا"

شارح بخاری اور مسئلہ تکفیر و توقف

ایک بار مجلس میں عرض کیا گیا کہ حضور جس صلح کلی کو دیکھو وہ یہی کہتا ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ اور علامہ فضل رسول بدایونی نے مولوی اسمٰعیل دھلوی کی تکفیر کی اور یہاں تک فرمایا کہ جو اس کے ان کفریات پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ کہے خود کافر ہے جیسا کہ سیف الجبار اور تحقیق الفتویٰ میں اس کی تصریح موجود ہے لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے مولوی اسمٰعیل دہلوی کی تکفیر سے کف لسان فرمایا اس کے باوجود اہل سنت ان دونوں بزرگوں کو اپنا امام اور پیشوا تسلیم کرتے ہیں حالانکہ یہ ہونا چاہیئے کہ اگر علامہ فضل حق خیر آبادی کو حق مانتے ہیں تو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو کافر مانیں۔ اور اگر اعلیٰ حضرت کا توقف صحیح ہے تو علامہ فضل حق خیر آبادی اور علامہ فضل رسول بدایونی کو ایک مومن کی تکفیر کی وجہ سے کافر مانیں۔

بعینہ اسی طرح مجدد اعظم قدس سرہٗ اور ان کے معاصر علمائے اہل سنت حتیٰ علمائے حرمین طیبین نے نانوتوی، گنگوہی، انبیٹھوی، تھانوی کو کافر کہا اور وہ بھی اس تفصیل کے ساتھ کہ جو اِن کے کفریات پر مطلع ہو کر انھیں کافر نہ جانے وہ خود کافر ہے۔ پھر اگر کوئی ان کی تکفیر سے کف لسان کرے تو وہ کافر نہ ہوگا جیسے علامہ فضل حق خیر آبادی اور علامہ فضل رسول بدایونی رحمھما اللہ۔

جواب: آج آپ حضرات نے ایک اہم مسئلہ چھیڑ دیا ہے اس کے لئے وقت کی ضرورت ہے مگر مجھے خوشی ہے کہ آپ حضرات اُس مسئلے کو سمجھنے کا ذوق رکھتے ہیں ورنہ آج کل ہمارے نوجوان علما تضیعِ اوقات کے علاوہ کسی دوسرے مسئلے سے دلچسپی نہیں رکھتے، آپ حضرات ہمہ تن گوش ہو کر سنیں انشاء اللہ یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا۔

حقیقت میں یہ صلح کلیوں کا ایک مغالطہ عامۃ الورود ہے رب تعالیٰ رحم فرمائے اس مغالطہ نے ہزاروں آدمیوں کو گمراہ کر دیا عوام تو عوام علما بھی مسئلہ تکفیر کی پیچیدگیوں سے ناواقف ہیں اس لئے ایک بار پھر میں کہوں گا کہ آپ لوگ پوری طرح متوجہ ہو کر میری گذارشات کو بغور سنیں۔

صریح کی دو قسمیں ہیں (۱) صریح متبین (۲) صریح متعین۔ صریح متبین ایسا کلام جس کا ظاہری معنی کفر

ہو اور اس کی کوئی تاویلِ قریب نہ ہو اگرچہ تاویل بعید ہو. کلمات کفر سے ہٹ کر تقریبِ فہم کیلئے اس کی مثال لفظ طلاق ہے۔ لفظِ طلاق نکاح ختم کرنے کے معنی میں صریح ہے کہ یہی اس کا ظاہرِ معنی ہے جب بیوی کی طرف نسبت کر کے بولا جاتا ہے تو اس سے ہر شخص یہی سمجھتا ہے۔ لیکن اس کا دوسرا معنی بندش کھولنا بھی ہے اور یہ بھی مستعمل ہے۔ لیکن یہ معنی بعید ہے اگرچہ لغوی ہے۔ یہاں تک کہ معنی لغوی مراد ہونے کیلئے قرینہ کی ضرورت ہے۔

فقہائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ لفظ طلاق سے بلا نیت طلاق پڑ جائے گی بلکہ اگر بولنے والا کہے کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی جب بھی طلاق پڑ جائے گی ھدایہ میں ہے

الطلاق ضربان صريح و كناية فالصريح انت طالق لايفتقر الى النية لانه صريح فيه لغلبه الاستعمال ولونوى الطلاق عن و ثاق لم يدين فى القضاء لا نه خلا ف الظاهر ويدين فيما بينه وبين الله تعالىٰ لانه نوى مايحتمله"

طلاق کی دو قسمیں ہیں صریح اور کنایہ صریح جیسے انت طالق اور یہ نیت کا محتاج نہیں کیوں کہ وہ غلبۂ استعمال کی وجہ سے طلاق کے معنی میں صریح ہے اور اگر قائل کہے کہ میں نے بندش کھولنے کی نیت کی تھی تو اس کا اعتبار نہیں اس لئے کہ وہ خلاف ظاہر ہے۔ ہاں فيما بينه و بين الله معتبر ہے اس لئے کہ اس نے اس معنی کی نیت کی جس کا لفظ احتمال رکھتا ہے۔

"یحتملہ" کے تحت عنایہ میں ہے "اذا الطلاق من الإطلاق يستعمل فى الابل و الوثاق" اس لئے کہ لفظ طلاق اونٹ کھولنے اور بندش کھولنے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اسی کے تحت فتح القدیر میں ہے "ما غلب استعماله فى معنى بحيث يتبادر حقيقة أو مجازا صريح فإن لم يستعمل فى غيره فأولىٰ بالصراحة" لفظ کا جس معنی میں غالب استعمال ہو وہ صریح ہے اس حیثیت سے کہ اس لفظ سے ذہن معنی کی طرف سبقت کرتا ہے خواہ وہ معنی حقیقی ہو یا مجازی اور اگر دوسرے معنی میں مستعمل نہ ہو تو بدرجۂ اولیٰ صریح ہے۔ چند سطر کے بعد ہے. والغلبة فى مفهومها الاستعمال فى الغير قليلا ۔ غلبہ استعمال کے مفہوم میں داخل ہے کہ دوسرے معنی میں بھی قلیل استعمال ہوتا ہو۔

ان تمام عبارتوں کا حاصل یہ نکلا کہ صریح بول کر کبھی اس کا ظاہر معنی مراد لیتے ہیں اگرچہ اس کا کوئی اور خفی معنی بھی ہو اور لفظ طلاق اسی قسم سے ہے۔ کہ اس کا ظاہری معنی طلاق شرعی ہے کیوں کہ جب طلاق بولا جاتا ہے تو ذہن طلاق شرعی کی طرف منتقل ہوتا ہے اور دوسرا معنی مراد لینے کیلئے قرینہ کی حاجت ہوتی ہے اسی لئے طلاق سے بلا نیت طلاق پڑ جاتی ہے بلکہ اگر شوہر کہے کہ میری نیت طلاق کی نہیں تھی جب بھی پڑ جائے گی اسی کو صریح متبین کہتے ہیں۔ مزید وضاحت کیلئے ایک مثال اور لے لیں۔ زید نے کہا کہ کوئی کافر جہنم میں نہیں جائے گا اس پر ایک عالم

سے استفتا ہوا انھوں نے فتویٰ دیا کہ زید کافر ہے کیوں کہ اس نے ضروریات دین میں سے ایک دینی ضروری عقیدہ کا انکار کیا ہے اس لئے کہ کافروں کا جہنم میں جانا ضروریات دین میں سے ہے جیسا کہ قرآن مقدس کی سیکڑوں آیتوں سے ثابت ہے دوسرے عالم سے یہ سوال ہوا انھوں نے جواب دیا کہ زید کو کافر کہنے سے کف لسان کیا جائے کیوں کہ اس کے کلام میں تاویل کی گنجائش ہے ہو سکتا ہے کہ اس کی مراد یہ ہو کہ قیامت کے دن سارے کافر مسلمان ہو جائیں گے کیونکہ جب قیامت میں وہ سب کچھ دیکھ لیں گے تو ایمان لانے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا لیکن چوں کہ معتبر ایمان بالغیب ہے اس لئے قیامت کے دن کا ایمان معتبر نہ ہوگا۔ اس لیے جو دنیا میں کافر تھے جہنم میں ڈالے جائیں گے مگر جہنم میں ڈالتے وقت کافر نہ ہوں گے، اس لئے اس تاویل کی بنا پر یہ کہنا صحیح ہے کہ کوئی کافر جہنم میں نہیں جائے گا۔

علاوہ ازیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی مراد کافر سے کافر بالطاغوت ہو جیسا کہ قرآن مقدس میں فرمایا گیا **ومن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ** (البقرۃ آیت: ۲۵۶) جو طاغوت کے ساتھ کفر کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے۔

ان عبارتوں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صریح کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اس میں دوسرے معنی کا قطعاً احتمال نہ ہو جیسا کہ امام ابن ھمام نے فرمایا "فان لم یستعمل فی غیرہ فاولی بالصراحۃ"۔ اگر وہ لفظ دوسرے معنی میں مستعمل نہ ہو تو بدرجۂ اولیٰ صریح ہے اسی کو صریح متعین کہتے ہیں اسی قبیل سے وہ کفری کلام ہے جس کا معنی کفری ہو یعنی ظاہر معنی بھی کفر ہو اور خفی معنی بھی کفر ہو نہ اس میں تاویلِ قریب کی گنجائش ہو نہ بعید کی جیسے یہ کہنا کہ اللہ موجود نہیں۔ اس سے کلام کی دو قسمیں ثابت ہو گئیں۔ صریح متبین، صریح متعین۔

جمہور فقہائے کرام ایسا کلام جو کفری معنی میں صریح متبین ہو اس کے قائل کو کافر کہتے ہیں کتبِ فقہ میں سیکڑوں کلام ایسے مذکور ہیں جو کفری معنی میں صریح متبین ہیں اور فقہا ان کے قائل کو کافر کہتے ہیں۔ البحر الرائق، عالم گیری وغیرہ میں ایسے بہت سے کلمات آپ کو ملیں گے "الاعلام بقواطع الاسلام" میں ہے۔

" علمنا بما دلّ علیه لفظه صریحا و قلنا له أنت حیث أطلقت هذا اللفظ ولم تؤ ل أنت کافرا وإن کنت لم تقصد ذالك لانا انما نحکم بالکفر باعتبار الظاهر وقصدك وعدمه انما ترتبط به الأحکام باعتبار الباطن فاللفظ إذا کان محتملا لمعان کان فی بعضها أظهر عمل علیه وکذا استوت ووجد لأحدها مرجح بل إرادة وعدمها لاشغل لنا بها."

ہم لفظ صریح کے مدلول پر عمل کریں گے اور کہیں گے کہ تم نے جب یہ لفظ کہا اور تاویل نہیں کی تو کافر ہو گیا اگرچہ تو نے اس کا قصد نہ کیا ہو کیوں کہ ظاہر معنی کے لحاظ سے کفر کا حکم کرتے ہیں اور تیرے قصد و عدم قصد سے احکام باطنی کا تعلق ہے اس لئے لفظ اگر چند معانی کا

احتمال رکھے تو اگر بعض میں زیادہ ظاہر ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ یوں ہی اگر سب برابر ہوں اور کسی ایک کیلئے کوئی مرجح ہو تو بھی اسی پر عمل کریں گے ارادہ اور عدم ارادہ سے ہمیں مطلب نہیں۔

صاف صاف فرمایا ہم لفظ کے معنیٰ صریح پر عمل کرتے ہیں ہم ظاہر معنی کے لحاظ سے کافر کہتے ہیں جب لفظ چند معنی کا احتمال رکھے اور ایک معنی زیادہ ظاہر ہو تو ہم لفظ کو اسی پر محمول کرتے ہیں اگر کفری معنی زیادہ ظاہر ہو اور قائل سے تاویل منقول نہ ہو تو ہم اس کے کافر ہونے کا حکم دیتے ہیں اس کی چھان بین نہیں کرتے۔

اس ارشاد کی روشنی میں دھلوی صاحب کے چند اقوال کفریہ بطور نمونہ آپ ملاحظہ فرمالیں پھر خود ہی فیصلہ کرلیں کہ ان کا مدلول ظاہر کفر ہے یا نہیں؟

دھلوی صاحب نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان کے صفحہ ۷ پر لکھا ہے ''اوروں کو ماننا محض خبط ہے'' پھر صفحہ ۱۲ اور صفحہ ۱۵ پر تفصیل سے یوں لکھا ہے ''یعنی جتنے پیغمبر آئے سو اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو مانیں اور اس کے سوا کسی کو نہ مانیں'' ناظرین خود ہی فیصلہ کرلیں کہ جب وہ صاف صاف لکھ رہے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ مانیں اوروں کو ماننا محض خبط ہے اس کا صاف صریح مطلب یہ ہوا کہ نہ رسولوں کو مانیں، نہ انبیا کو مانیں نہ فرشتوں کو مانیں نہ قیامت کو مانیں اور نہ جنت و دوزخ کو مانیں کیا یہ صدھا کفریات کا مجموعہ نہیں؟

انہیں دہلوی صاحب نے صراط مستقیم میں صاف صاف لکھا ''نماز میں حضور اقدس ﷺ کا خیال لانا اپنے بیل اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے۔ صفحہ ۹۵۔ انھیں مولوی اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں صفحہ ۷ پر ایک حدیث لکھنے کے بعد ''ف'' لکھ کر یہ جڑ دیا۔ (یعنی میں بھی ایک دن مرکر مٹی میں ملنے والا ہوں)

ہر منصف مزاج کو ماننا پڑے گا کہ دہلوی صاحب کے ان اقوال کا ظاہر مدلول صریح کفر ہے گستاخی ہے اس لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا یہ فرمایا کہ ''اس فرقہ متفرقہ یعنی وہابیہ اسماعیلیہ اور اس کے امام نافرجام پر جزماً قطعاً یقیناً اجماعاً بوجوہ کثیرہ کفر لازم اور بلاشبہ جماہیر فقہائے کرام واصحاب فتوی اکابر اعلام کی تصریحاتِ واضحہ پر یہ سب کے سب مرتد کافر ہیں۔''

بلاشبہ حق و صحیح ہے، کیوں کہ جماہیر فقہا کرام اور اصحاب فتویٰ کی قید سے واضح ہے کہ یہ حکم جمہور فقہا کی روش پر ہے کہ وہ صریح متبین پر قائل کو کافر کہتے ہیں جیسا کہ عام کتبِ فقہ میں مذکورہ اکثر کلماتِ کفر پر فقہائے کرام نے تکفیر فرمائی ہے۔

محققین فقہا و متکلمین کا مذہب: لیکن محققین فقہا و متکلمین فرماتے ہیں کہ اگر قائل کی نیت معلوم نہیں اور کلام میں کسی تاویل کی گنجائش ہے اگرچہ وہ بعید ہو ہم اسے کافر کہنے سے زبان روکیں گے جس کا حاصل یہ نکلا کہ یہ

حضرات صریح متبین پر تکفیر نہیں کرتے ہاں اگر صریح متعین ہو تو یہ بھی کافر کہتے ہیں البحر الرائق میں ہے۔

وفی الخلاصة وغیرها إذا کان فی المسئلة وجوہ توجب التکفیر و وجه واحد یمنع التکفیرفعلی المفتی أن یمیل إلی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم إلاإذاصرح بإرادة موجب الکفر فلا ینفعه التأویل حینئذ وفی التتارخانیة لایکفر با لمحتمل" جلد خامس ص ۱۳۴

خلاصہ وغیرہ میں ہے جب کسی مسئلے میں متعدد وجوہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ تکفیر سے روکتی ہو تو مفتی پر واجب ہے کہ ایسی وجہ کا اعتبار کرے جو تکفیر سے منع کرتی ہو مسلمان کے ساتھ حسن ظن کی بنا پر۔ مگر جب کفری معنی کے مراد ہونے کی صراحت ہو تو اسے تاویل نفع نہ دے گی۔ اور تتار خانیہ میں ہے کہ محتمل پر تکفیر نہیں کی جائیگی۔

اسی بنا پر علامہ ابن نجیم نے ان الفاظ کفر کو نقل کرنے کے بعد جن پر فقہانے قائل کو کافر کہا تھا فرماتے ہیں۔

فأکثر ألفاظ التکفیر المذکورة لایفتی بالتکفیر بها ولقد ألزمت نفسی أن لاأفتی بشئی منها.

تکفیر کے اکثر الفاظ جو مذکور ہوئے ان کے قائل کو کافر ہونے کا فتوی نہ دیا جائے اور میں نے اپنے اوپر یہی لازم کرلیا ہے۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ بحر الرائق میں مذکورہ کلمات کفریہ سے علمانے قائل کی تکفیر کی لیکن علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ ان کفریہ کلمات سے قائل کو کافر نہیں کہوں گا آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ پر اعتراض کرنے والے دیابنہ اور صلح کلی بتائیں کہ تکفیر کرنے والے علما کے نزدیک علامہ ابن نجیم کا کیا حکم ہے اگر یہ بتادیں تو انھیں کے جواب سے ان کا اعتراض ہباءً منثورا ہو جائے گا لیکن ہمیں یقین ہے کہ پوری برادری اس کا جواب نہ دے گی البتہ ہم آپ لوگوں کی الجھنیں دور کرنے کے لئے ذکر کر رہے ہیں آپ لوگ بغور سنیں۔

جماہیر فقہا اور اصحاب فتوی جن کلماتِ کفریہ پر کفر کا فتوی دیتے ہیں وہ وہی عبارتیں ہیں جو صریح متبین ہیں یعنی ان کا ظاہری معنی کفر ہے اس میں کسی تاویل قریب کی گنجائش نہیں اگرچہ تاویلِ بعید ہو سکتی ہے۔ لیکن علامہ ابن نجیم کا مختار محققین فقہا کا مذہب ہے کہ جب تک کلمہ کفر صریح متعین نہ ہو تکفیر سے کفِ لسان کرتے ہیں اگر کسی کلام میں تاویل کی گنجائش ہو تو تکفیر سے احتیاط برتیں گے۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ "سل السیوف

الھندیہ" میں یوں رقم طراز ہیں۔

"لزوم و التزام میں فرق ہے اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات ہم احتیاط برتیں گے جب تک ضعیف سا ضعیف احتمال ملے گا حکم جاری کرتے ڈریں گے۔
ص ۲۲

سبحان السبوح میں یوں تحریر فرماتے ہیں "امام الطائفہ (اسماعیل دھلوی) کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے اہل لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے اور حکم اسلام کے لئے اصلاً کوئی ضعیف سا ضعیف محمل بھی باقی نہ رہے۔"

آپ حضرات ضعیف سا ضعیف احتمال اور محمل پر غور کریں یہ صاف اس بات کی تصریح ہے کہ تکفیر سے کف لسان اس بنا پر کہ اس کے کلمات میں تاویل بعید کی گنجائش ہے۔ اس کا حاصل یہی نکلا کہ محققین فقہا اور جمہور متکلمین کے مذہب کی بنا ہر تکفیر سے زبان روکی۔

اور ایسا نہیں کی مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اس مسئلہ میں منفرد ہیں بلکہ بانی دیوبندیت گنگوہی صاحب بھی کفر فقہی اور کلامی کے قائل ہیں ان کے قول کے مطابق بعض فرقے محدثین کے نزدیک کافر ہیں اور متکلمین کے نزدیک کافر نہیں صرف فاسق ہیں لکھتے ہیں۔

"کہاھاں اہلِ ھوا کا خدشہ رہا سو یا بطور محدثین ان کو کافر کہو یا بطور متکلمین فاسق"

(تذکرۃ الرشید حصہ اول، ص۱۶۱)

ابھی تک کہ ساری گفتگو صریح متبین پر تھی۔ صریح کی ایک دوسری قسم صریح متعین ہے جس کا ذکر میں نے پہلے کر دیا ہے یعنی وہ کلمات جس کے ایک یا چند معانی ہوں اور سارے معانی کفری ہوں اس میں نہ تاویل قریب کی گنجائش نہ بعید کی جیسے یہ کہنا کہ اللہ عزوجل معبود نہیں۔ ایسے کلمات کے قائل کے بارے میں امت کا اجماع ہے کہ وہ ضرور بالضرور حتماً جزماً کافر ہے اور ایسا کہ اس کے کفر میں جو شک کرے وہ خود کافر ہے۔

مولوی اسمٰعیل دہلوی اور اقانیم اربعہ کے کفریات میں فرق

واضح ہو کہ اسماعیل دہلوی کے کلمات قسم اول یعنی صریح متبین کے قبیل سے ہیں اور دیوبندیوں کے اقانیم اربعہ کے کلمات قسم ثانی یعنی صریح متعین کے قبیل سے جو کفری معنی میں متعین ہیں ان کا کوئی معنی خفی سے خفی بعید سے بعید ایسا نہیں جو کفر نہ ہو جن پر قائلین اور ان کے حامیوں کی توجیہات اور علمائے اہل سنت کے رد شاہد عدل ہیں۔

حفظ الایمان کی کفری عبارت کی تھانوی صاحب اور ان کے ہمنوا دوسرے دیوبندی مولویوں نے جو توجیہات کی ہیں وہ تاویل نہیں عبارت کی تغییر و تبدیل ہے جس کی پوری تفصیل وقعات السنان اور الموت الاحمر وغیرہ میں دیکھ سکتے ہیں ان کتابوں کے چھپے ہوئے تقریباً ایک صدی گزر رہی ہے مگر کسی دیوبندی یا صلح کلی میں اس کی جرأت نہ ہوئی کہ اس کا جواب لکھے یہاں تک کہ یہ کتابیں تھانوی صاحب کے پاس رجسٹری کی گئیں مگر وہ بھی چپ سادھے بیٹھے رہے۔ پھر میں نے دس سال پہلے ان ابحاث کا خلاصہ منصفانہ جائزہ میں لکھ کر شائع کر دیا مگر ابھی تک خاموشی ہے۔ گفتگو بہت طویل ہو جائے گی اس لئے ہم صرف آپ حضرات کے اطمینان کے لئے حفظ الایمان کی عبارت ذکر کر کے اس پر تھوڑی گفتگو کئے دیتے ہیں۔ حفظ الایمان کی اصل عبارت یہ ہے۔

"پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمرو بکر وغیرہ بلکہ ہر صبی و مجنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔"

اس عبارت میں تھانوی صاحب نے اس علم غیب کی جو حضور ﷺ کو حاصل ہے دو قسمیں کی ہیں کل علوم غیبیہ اور بعض علوم غیبیہ، کل علوم غیبیہ کے لئے بعد میں لکھا کہ اس کا حصول عقلاً نقلاً باطل ہے رہ گئے بعض علوم غیبیہ اس کے بارے میں لکھا "اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ایسا علم غیب زید و عمرو بکر بلکہ ہر صبی (بچے) و مجنوں (پاگل) بلکہ جمیع حیوانات و بہائم (چوپایوں) کے لئے بھی حاصل ہے۔"

اس میں بلاشبہ یقیناً حتماً حضور ﷺ کی توہین ہے حضور اقدس ﷺ کے علم پاک کو بچوں پاگلوں جانوروں اور چوپایوں کے علم ایسا کہنا بلاشبہ توہین ہے اس عبارت کی توجیہ میں تھانوی صاحب کے بڑے سرگرم حامی مولوی مرتضیٰ حسن در بھنگی توضیح البیان میں لکھتے ہیں۔

"عبارت متنازعہ میں لفظ "ایسا" تشبیہ کے لئے ہوتا تو ضرور توہین ہوتی مگر چونکہ اس عبارت میں لفظ ایسا تشبیہ کے لئے نہیں اتنا اور اس قدر کے معنی میں ہے اس لئے توہین نہیں۔"

اب آیئے در بھنگی صاحب سے بھی بھاری بھر کم شخصیت کی توجیہ سنئے دیوبندی برادری کے شیخ الاسلام مولوی حسین احمد ٹانڈوی اپنے مشہور گالی نامہ "الشہاب الثاقب" میں لکھتے ہیں۔

"حضرت مولانا (تھانوی) اس عبارت میں لفظ "ایسا" فرما رہے ہیں لفظ "اتنا" تو نہیں فرما رہے ہیں اگر لفظ اتنا ہوتا تو اس وقت البتہ یہ احتمال ہوتا کہ معاذ اللہ حضور ﷺ کے علم کو اوروں کے علم کے برابر کر دیا لفظ ایسا تو کلمہ تشبیہ کا ہے۔"

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس عبارت میں بجائے ایسا کے اتنا ہوتا تو لازم آتا کہ تھانوی صاحب نے معاذ اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے علم کو ہر کس و ناکس بچوں، پاگلوں، جانوروں، چوپایوں، گدھوں، خچروں کے علم کے برابر کر دیا اور یہ یقیناً حضور ﷺ کی توہین ہے۔

مگر اس عبارت میں لفظ "اتنا" نہیں بلکہ لفظ "ایسا" ہے جو کلمۂ تشبیہ ہے۔

اب آپ حضرات ملاحظہ کریں کہ حفظ الایمان کی عبارت میں لفظ "ایسا" کو تشبیہ کے لئے مانیں تو بھی توہین ہے اور اگر اتنا اور اس قدر کے معنی میں مانیں تو بھی حضور اقدس ﷺ کی توھین ہے۔ اتنی توضیح سے آپ حضرات نے بخوبی سمجھ لیا ہو گا کہ حفظ الایمان کی عبارت کفری معنی میں متعین ہے اس کی جو بھی توجیہ کی جائے وہ کفری ہی ہو گی اس میں تاویل قریب تو دور کی بات ہے تاویل بعید کی بھی گنجائش نہیں اور تھانوی صاحب اور ان کے حامیوں نے جو کچھ لکھا کہا ہے وہ یا تو اس عبارت کی تاویل نہیں تغیر و تبدیل ہے یا پھر وہ بھی کفر ہے جیسا کہ ہم نے در بھنگی صاحب اور ٹانڈوی کی توجیہ سے ثابت کر دیا۔

اسی لئے علماے حل و حرم عرب و عجم ہند و سندھ نے باتفاق فرمایا کہ اس عبارت کے لکھنے والے مولوی اشرف علی تھانوی اہانت رسول کرنے کی وجہ سے کافر و مرتد ہیں ایسے کہ جو ان کے کفر پر مطلع ہو کر ان کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔ یہی حال تحذیر الناس اور براھین قاطعہ کی عبارتوں کا بھی ہے کہ وہ دونوں بھی کفری معنی میں متعین ہیں ان میں تاویل بعید کی بھی گنجائش نہیں جس کو میں نے منصفانہ جائزہ میں دلائل قاہرہ سے ثابت کر دیا ہے اس لئے مولوی اسماعیل دہلوی کی تکفیر سے کف لسان کا بہانہ بنا کر ان اقانیمِ اربعہ کی تکفیر سے کف لسان کرنا اپنے ایمان سے ہاتھ دھونا ہے۔

ایک سوال :

اب ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے معاصر علمائے اہلسنت نے اسماعیل دہلوی کی قطعی تکفیر کی اور فرمایا کہ جو شخص اس کے کفریات پر مطلع ہو کر اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اس کے کفریات کی کوئی تاویل مسموع نہیں۔

اس کے دو جوابات ہیں :

(۱) یہ ہو سکتا ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کا مختار جمہور فقہا کا مذہب ہو کہ وہ صریح متعین پر تکفیر کرتے ہیں اور آپ کا یہ فرمانا کہ اس میں تاویل کی گنجائش نہیں اس سے مراد تاویل قریب ہو اور ہم نے پہلے تفصیل سے ذکر کر دیا ہے کہ کسی کلام میں تاویلِ قریب کا نہ ہونا اس کے منافی نہیں کہ تاویل بعید بھی نہ ہو اور

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا مختار مذہب متکلمین ہے کہ جب قائل کی مراد معلوم نہ ہو تو وہ صریح متعین پر تکفیر نہیں کرتے کلام میں جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال باقی ہو تو کف لسان کرتے ہیں اب کوئی تعارض نہیں منح الروض کی عبارت پہلے گذر چکی ہے۔" عدم التکفیر مذہب المتکلمین والتکفیر مذہب الفقہاء فلا محذور" (ایسے کلمات میں تکفیر نہ کرنا متکلمین کا مذہب ہے اور تکفیر فقہا کا مذہب ہے اس لئے کوئی خرابی نہیں۔

(۲) ایک مفتی کے سامنے ایک قول پیش ہوا جو واقعی مفتی صحیح العقیدہ ہے، خداترس ہے، دیندار ہے، اور ذہین و فطین بھی ہے اسکی طبعیت اخاذ ہے۔ اس نے اس کلمہ میں پورا پورا غور وخوض کیا اسے اس کلمہ میں کوئی اسلام کا پہلو نظر نہیں آیا اس کو اس میں تاویل قریب تو قریب بعید بھی سمجھ میں نہ آئی جس کی بنا پر اس نے اس کلمہ کو اپنی صوابدید کی بنا پر کفری معنی میں متعین جانا ایسی صورت میں اس مفتی پر فرض ہے کہ وہ یہ فتویٰ دے کہ اس کلمہ کا قائل کافر ہے ایسا کہ جو اس کے کفر پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ مانے وہ بھی کافر۔ لیکن وہی قول کسی اور مفتی کے سامنے پیش ہوا اس مفتی کو اس کلام میں کوئی تاویل سمجھ میں آئی اور قائل کی نیت معلوم نہیں تو اسے حق ہے کہ احتیاطاً اس کے قائل کی تکفیر سے کف لسان کرے اور اس سلسلے میں خود میرے ساتھ متعدد واقعات پیش آئے ان میں سے دو آپ بغور سنیں۔

(۱) ایک مقرر نے اپنی تقریر میں کہا کہ کبھی کبھی سچ بولنا کفر ہوتا ہے اور جھوٹ بولنا عبادت۔ اس پر مفتی صاحبان سے استفتا ہوا بہت سے مفتیان کرام نے قائل کو کافر کہا مجھ سے بھی سوال ہوا میں نے جواب دیا قائل کافر نہیں یہ قطعی یقینی ہے کہ اللہ عزوجل ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز میں سور اور بندر بھی داخل ہے مگر علمانے فرمایا کہ اللہ عزوجل کو خالق القردۃ والخنازیر کہنا کفر ہے۔ ایک ظالم ایک بے گناہ کو قتل کرنے کے لئے دوڑا رہا ہے مظلوم ایک شخص کے گھر میں گھس گیا۔ پیچھے پیچھے ظالم بھی آیا اس نے مالک مکان سے پوچھا کہ فلاں شخص تمہارے مکان میں چھپا ہے؟ علمانے فرمایا کہ مالک مکان پر واجب ہے کہ کہے کہ نہیں! میرے مکان میں نہیں چھپا ہے، وہ اس طرف بھاگ گیا ہے حالانکہ یہ سراسر جھوٹ ہے اور اسے یہی کہنا واجب ہے اور ہر واجب عبادت، تو ثابت ہو گیا کہ کبھی کبھی جھوٹ بولنا عبادت ہوتا ہے۔ شامی میں ہے۔

لو رائیٰ معصوما اختفی من ظالم یرید قتله او ایداء ہ فالکذب هنا واجب (ج۵ ص ۲۷۴)

کسی بے گناہ کو دیکھا کہ وہ ایسے ظالم سے جان بچانے کے لئے چھپا ہوا ہے جو اسے قتل کرنا چاہتا ہے یا اسے ایذا پہونچانا چاہتا ہے تو یہاں جھوٹ بولنا واجب ہے۔

(۲) اسی طرح ایک مقرر نے اپنی تقریر میں کہا کہ قیامت کے دن تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں حساب دینے جائیں گے اور انبیائے کرام اور اولیائے عظام اللہ تعالیٰ سے حساب لینے جائیں گے۔ ایک بہت مشہور معتمد مستند مفتی

صاحب سے سوال ہوا تو انھوں نے حکم فرمایا کہ اس کا قائل کافر ہے پھر یہی سوال میرے یہاں پیش ہوا میں نے جواب میں لکھا کہ عرف عام میں حساب لینے کا ایک معنی مزدوری لینے کا بھی آتا ہے مزدور بولتے ہیں کہ ہم حساب لینے جارہے ہیں ہمارا حساب وصول ہو گیا اس تقدیر پر کلام مذکور کا معنی یہ ہوا کہ انبیاے کرام اور اولیاے عظام بارگاہ خداوندی میں اپنے اعمال حسنہ کا ثواب حاصل کرنے جائیں گے یہ دوسری بات ہے کہ اس قسم کے قول سے احتراز کرنا چاہئے خصوصاً عوام کے سامنے۔ آپ حضرات نے ان دونوں واقعات کو بغور سن لیا اب ان واقعات کی روشنی میں میرے معروضات توجہ سے سنیں انشاءاللہ یہ مسئلہ اچھی طرح دل نشیں ہو جائے گا۔

مولوی اسماعیل دہلوی کے کلماتِ کفریہ استاذ الاساتذہ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے معاصر علماے کرام کی خدمات میں پیش ہوئے ہو سکتا ہے کہ باں جلالت شان وذکاوت وفطانت ان حضرات کو ان کلمات میں کوئی تاویل سمجھ میں نہ آئی نہ قریب نہ بعید، ان حضرات کو ان کے کلمات کفریہ صریح متعین نظر آئے جس کی بنا پر ان حضرات نے اسماعیل دہلوی کی قطعی تکفیر فرمائی۔ لیکن جب وہ کلمات مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے علم میں آئے بمصداق ''وفوق کل ذی علم علیم'' ان میں اعلیٰ حضرت قدس سرّہٗ کو اسلام کا پہلو نظر آیا اگرچہ وہ بعید ہو ضعیف ہو اس لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے کف لسان فرمایا۔

ایسا بہت ہوتا ہے کہ بعض دفعہ بڑے بڑے لوگوں کا ذہن کسی اہم گوشے کی طرف منتقل نہیں ہوتا مگر ان سے کم درجے کے لوگوں کا ذہن اس طرف منتقل ہو جاتا ہے اس کی صدہا مثالیں موجود ہیں مگر ہم چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں خادم رسول ﷺ حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے تلمیذ خاص حضرت قتادہ بن دعامہ سدوسی جو اجلۂ تابعین میں سے ہیں کوفہ تشریف لائے ان کی آمد کی خبر سن کر طالبین کی بھیڑ جمع ہو گئی حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہٗ کا ابتدائی عہد تھا شہرت سن کر حضرت سیدنا امام اعظم بھی حضرتِ قتادہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان سے دریافت فرمایا کہ جس چیونٹی نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو دیکھ کر یہ کہا تھا کہ اے چیونٹیو! اپنی بلوں میں چلی جاؤ کہیں سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تم کو کچل نہ ڈالے یہ چیونٹی نر تھی یا مادہ؟ یہ سوال سن کر حضرت قتادہ کچھ دیر تک سوچتے رہے پھر فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ آپ بتاؤ وہ چیونٹی نر تھی یا مادہ؟ حضرت امام اعظم نے فرمایا مادہ تھی۔ حضرت قتادہ نے فرمایا کیسے معلوم ہوا تو حضرت امام اعظم نے فرمایا قرآن پاک میں اس کے لئے مؤنث کا صیغہ وارد ہے ارشاد ہے۔ ''قالت نملۃ''

قاضی ابن ابی لیلیٰ کوفہ کے قاضی تھے اور بہت جاہ وجلال کے قاضی تھے جب سے قُضاۃ اور ججوں کا سلسلہ شروع ہوا اس وقت سے لے کر آج تک قاضیوں کے صف اوّل میں آپ کا شمار ہوتا ہے آپ ایک بار مجلس قضا سے اٹھ کر گھر جارہے تھے راستے میں ایک عورت کا کسی سے جھگڑا ہو رہا تھا عورت نے اس شخص کو یا ابن الزانیین کہہ دیا

یعنی زانی اور زانیہ کے بیٹے قاضی صاحب نے حکم دیا کہ عورت کو پکڑ کر مجلس قضا میں لے چلو یہ بھی واپس آ گئے اور مسند قضا پر بیٹھ کر یہ حکم دیا کہ عورت کو کھڑی کر کے قذف کی دوہری سزا دی جائے یعنی ایک سو ساٹھ کوڑے مارے جائیں۔ جب امام اعظم کو اس کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ ابن ابی لیلیٰ نے اس میں چھ غلطیاں کی ہیں۔

(۱) مجلس قضا سے باہر آنے کے بعد دوبارہ واپس آ کر فیصلے کے لئے بیٹھے۔

(۲) مسجد میں حد مارنے کا حکم دیا۔

(۳) عورت کو بٹھا کر حد مارنی چاہئے انھوں نے کھڑی کرا کے درے لگوائے۔

(۴) ایک ہی حد لازم تھی انھوں نے دو جاری کی۔

(۵) ایک ساتھ لگاتار دو حدیں لگوائیں حالانکہ اگر کسی پر دو حدیں لازم بھی ہوں تو ایک حد کے بعد ملزم کو چھوڑ دینا چاہئے جب اس کے زخم اچھے ہو جائیں تو دوسری حد لگانی چاہئے۔

(۶) جسے عورت نے یا ابن الزانیین کہا تھا اس نے مطالبہ نہیں کیا تھا تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنے کا حق نہ تھا۔

غرضیکہ کسی چیز کی طرف ایک بڑے کا ذہن نہ پہونچنا اور دوسرے کا پہونچ جانا کوئی نئی بات نہیں۔ اسی طرح یہاں بھی ہوا کہ استاذ الاساتذہ علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ اور ان کے معاصر علما کا ذہن ضعیف اور بعید احتمال کی طرف نہیں گیا اس لئے انھوں نے اسماعیل دہلوی کے کفریات کو صریح متعین جانا اور اسے قطعی طور پر کافر کہا۔ اور مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ذہن ضعیف اور بعید احتمال کی طرف منتقل ہوا لہٰذا آپ کی تحقیق کے مطابق اسماعیل دہلوی کے کفریات صریح متبین ٹھہرے اس لئے کف لسان فرمایا مجھے امید ہے کہ آپ لوگ اتنی ہی توضیح سے اس مسئلہ کو سمجھ گئے ہوں گے مگر مزید توضیح کے لئے ایک اور واقعہ گوش گذار کردوں تاکہ آپ لوگوں کے دلوں میں یہ مسئلہ نقش کالحجر ہو جائے۔ میں نے اپنی بعض تصنیف میں اس مسئلہ کو مختصراً ذکر دیا ہے۔ سوچ رہا ہوں تفصیل کے ساتھ تحقیقات جلد دوم میں تحریر کردوں۔ البتہ مجھے آپ نوجوانوں سے یہ شکایت ہے کہ آپ لوگ میری کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتے اگر مطالعہ کریں تو اتنے استفسار کی ضرورت نہ پڑے مگر مجھے خوشی ہے کہ آپ لوگوں کو ان مسائل سے دلچسپی ہے اور عصر کے بعد کے وقت کو آپ لوگ ضائع نہیں کرنا چاہتے مولیٰ تعالیٰ آپ لوگوں کو علم نافع عطا فرمائے۔

دیکھئے مولانا عبدالحئی لکھنوی کو لے لیجئے ان کے جامع معقول و منقول ہونے میں کسی کو کلام نہیں مگر کتنے مسائل میں ان سے صریح لغزشیں ہوئی ہیں مثلاً ان سے سوال ہوا کہ ''ہدایت علی'' نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ایہام شرک کی وجہ سے یہ نام رکھنا جائز نہیں۔ ہدایت کے دو معنی ہیں اراءۃ الطریق اور ایصال الی المطلوب اور علی اسمائے عزوجل سے بھی ہے اور مولی المسلمین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی بھی۔ اب

احتمالات چار ہوئے ھدایت سے مراد اراءۃ الطریق اور علی سے مراد باری عزاسمہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہدایت سے مراد ایصال ثواب الی المطلوب اور علی سے مراد باری عزاسمہ یہ تینوں احتمالات صحیح ہیں چوتھا احتمال یہ ہے کہ ہدایت سے مراد ایصال الی المطلوب اور علی سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ اس صورت میں سائل اس کو اسماے شرکیہ میں سے شمار کیا اور لکھا کہ جو نام اسماے شرکیہ اور غیر شرکیہ میں دائر ہو اس سے احتراز واجب ہے۔

جناب مولانا عبدالحی صاحب نے سائل کی اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے حکم اس پر یہ لکھا کہ چوں کہ لفظ ہدایت بھی مشترک ہے اور لفظ علی بھی۔ اس لئے ہدایت علی نام رکھنے میں امر ممنوع کا اشتباہ موجود ہے اور ایسے نام رکھنے سے احتراز لازم جس میں امر غیر مشروع کا ایہام ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ عبدالحی جلد دوم ص ۴۶،۴۵)

بعینہ یہی سوال مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سے بھی ہوا کہ ہدایت علی نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب تحریر فرمایا "ہدایت علی کا جواز ویسا ہی ظاہر و باہر جس میں اصلا عدم جواز کی بو نہیں!"

مولوی عبدالحیٔ صاحب لکھنوی کے اس نام پر اعتراض دیکھا گیا اول کلام میں تو صرف خلاف اولیٰ ٹھہرایا تھا آخر کلام میں ناجائز و گناہ قرار دیا حالانکہ یہ محض غلط اس پر مجدد اعظم قدس سرہٗ نے انیس ۱۹ ایرادات ارشاد فرمائے ہیں جو احکام شریعت میں مفصل مذکور ہیں جن میں سے صرف دو ذکر کر رہا ہوں بغور سنیں۔

مولانا نے محض اپنے اس زعم پر کہ اسمیں معنی شرک کا احتمال ہے اسے ایہام شرک قرار دے کر ناجائز لکھ دیا حالانکہ محض احتمال اور چیز ہے اور ایہام اور شئے۔ محض احتمال سو سے کوئی کلمہ ناجائز نہیں ہوتا ہاں ایہام سوٗ ضرور عدم جواز کا باعث ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

"ممنوع ایہام ہے نہ مجرد احتمال ولو ضعیفا و بعیداً ایہام و احتمال میں زمین و آسمان کا فرق ہے ایہام میں تبادر درکار ہے۔ ذہن اس معنی ممنوع کی طرف سبقت کرے نہ یہ کہ شقوق محتملہ عقلیہ میں کوئی شق معنی ممنوع کی بھی نکل سکے۔"

مجرد احتمال اگر موجب منع ہو تو عالم میں کم کوئی کلام منع و طعن سے خالی رہے گا۔ نماز میں "وتعالیٰ جدک" پڑھا جاتا ہے "جد" کا دوسرا مشہور بلکہ مشہور تر معنی یہاں کیسے صریح شدید کفر ہے۔ عجب کہ اتنے بڑے کفر کا ایہام جان کر اسے حرام نہ مانا تو یہ بات وہی ہے کہ ایہام میں تبادر و سبقت و اقربیت درکار ہے وہی ممنوع ہے نہ مجرد احتمال۔"

دوسرا ایراد یہ فرمایا جو بہت دلچسپ ہے۔

"سائل نے اپنی جہالت سے صرف عبداللہ میں شرک سے سوال کیا تھا حضرت مجیب نے اپنی نبالت سے وغیرہ بھی بڑھا دیا تاکہ اپنے نام نامی کو ایہام شرک سے بچالیں مگر جناب کی دلیل سلامت ہے تو اس ایہام سے سلامت بخیر ہے۔ عبدالحی میں دو جز ہیں اور دونوں کے دو دو معنی ایک عبد مقابل اللہ دوسرے مقابل آقا قال تعالیٰ

وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم وامائکم۔ اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا نکاح کرو دیکھو حق سبحانہ ہمارے غلاموں کو ہمارا عبد فرمایا۔ یوں ہی ایک ”حی“ اسم الٰہی حیات ذاتیہ ازلیہ ابدیہ واجبہ سے مشعر اور دوسرا من ماتو، زید وعمرو سب پر صادق جس سے آیت کریمہ ”تخرج الحی من المیت“ وغیر ھا مظہر، اب اگر عبد معنی اول اور حی معنی دوم لیجئے قطعاً شرک ہے۔

وہی چار صورتیں ہیں اور وہی ایک صورت پر شرک موجود عبد الحی ایہام شرک سے کیوں کر محفوظ اس سے بھی احتراز لازم تھا بعینہ یہی تقریر مولوی عبد الحی صاحب کے نام میں بھی جاری ہوگی ملاحظہ ہو کہ یہ تحقیق وتدقیق کہاں تک پہونچی۔

میں کہتا ہوں عبد الحی عبد الحلیم ہی کی تخصیص نہیں مسلمانوں کے اکثر نام اسی زد پر ہیں مثلاً عبد العلی، عبد الحلیم، عبد الرشید، عبد السمیع، عبد البصیر، عبد الرحیم، عبد الکریم، وغیرہ یہ سب اسما مولانا عبد الحی صاحب کے اس فتوے کی رو سے مُوہِم شرک ہونے کی وجہ سے ناجائز ٹھہریں گے۔ مجھے بتانا یہی ہے کہ اس کی صدھا نظیریں آپ کو ملیں گی کہ بڑے بڑے لوگوں کا ذہن ایک بات کی طرف نہیں گیا لیکن دوسرے علما کا ذہن اس طرف گیا اسی طرح اسماعیل دہلوی کے کفریات میں ضعیف اور بعید احتمال کی طرف اگر استاذ الاساتذہ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا ذہن نہیں گیا اور انھوں نے اپنی دانست میں ان کلمات کو کفری معنی میں متعین جانا اور قائل کو قطعی یقینی کافر کہا اور مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ذہن مبارک کسی ضعیف بعید ایسے پہلو کی طرف منتقل ہوا جس کی بنا پر کفِ لسان فرمایا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جیسا کہ آپ اوپر کے واقعات سے ملاحظہ کر چکے ہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ: حضور! اگر کوئی یہ کہے کہ جیسے استاذ الاساتذہ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی اور ان کے معاصر علمائے اہل سنت کو اسماعیل دہلوی کی کفریات میں کوئی تاویل سمجھ میں نہ آئی جس کی بنا پر انھوں نے اسماعیل دہلوی کی قطعی تکفیر کی۔ مگر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو ان کلمات میں تاویل نظر آ گئی جس کی بنا پر انہوں نے مولوی اسماعیل دہلوی کے بارے میں کف لسان کیا۔ اسی طرح اس کا امکان ہے کہ اساطین دیوبند کے کلمات کفریہ میں آئندہ کسی صاحب کو کوئی تاویل سمجھ میں آجائے جس کی بنا پر وہ کف لسان کرے۔

حضرت شارح بخاری نے اس کے دو جواب دئے فرماتے ہیں

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ محض اس احتمال پر کہ شائد آئندہ کسی صاحب کو ان میں تاویل سمجھ میں آجائے قائل کو کافر نہ کہنا کسی طرح جائز نہیں ورنہ خرابی لازم آئے گی کہ پھر کسی کلمہ کفر کے بکنے والے کو کافر کہنا درست نہ ہوگا۔ اب نہ قادیانیوں کو کافر کہنا درست ہوگا نہ چکڑالویوں کو اس لئے کہ سب کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاید آئندہ ان کے کفریات میں کوئی تاویل نکل آئے بنائے کار اس پر ہے کہ جس مفتی کے سامنے مسئلہ پیش ہے اسے از خود یا کسی

کے بتانے سے اس کلمہ میں کوئی تاویل ملی یا نہیں اگر نہیں ملی تو اس پر فرض ہے کہ قائل کو کافر ہونے کا فتویٰ دے۔ محض اس توہم پر کہ شاید آئندہ کوئی صاحب کوئی تاویل نکال دیں تکفیر سے کف لسان کرنا خدانا ترسوں کو کفریات بکنے پر جری کرنا ہے۔

(۲) دوسری خاص بات یہ ہے کہ علمائے دیوبند کو یہ احتمال اس وقت مفید ہوتا اگر انھوں نے اپنی عبارتوں کی توجیہ میں کچھ کہا نہ ہوتا۔ ان سب نے اپنی عبارتوں کی توجیہیں کی ہیں جن میں سے کچھ ایسی ہیں جن کا ان عبارتوں سے کوئی لگاؤ نہیں اور خود ان کی تصریحات کے معارض ہیں جیسے تحذیر الناس کی عبارت میں یہ کہنا کہ نانوتوی صاحب کی مراد یہ ہے کہ خاتم النبیین کا معنی صرف آخری نبی نہیں بلکہ آخری نبی اور خاتم بالذات دونوں کے ہیں۔

یہ توجیہ خود تحذیر الناس ص ۱۴ اور ص ۲۷ کی عبارتیں رد کر رہی ہیں جن میں صاف صاف لکھا ہوا ہے۔

"بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔" ص ۱۴

"بلکہ بالفرض بعد زمانہ نبوی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔"

یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں یا بعد میں کسی نبی کا پیدا ہونا آخری نبی کے منافی ہے اب اگر خاتم النبیین کا معنی نانوتوی صاحب کے نزدیک آخری نبی ہونا بھی ہوتا تو وہ کیسے لکھتے کہ "پھر بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا" اور اس سے خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

ص ۱۴ اص ۲۷ کی یہ دونوں عبارتیں اس پر شاہد ہیں کہ نانوتوی صاحب حضور اقدس ﷺ کو آخر الانبیا نہیں مانتے اور خاتم النبیین کی معنی آخر النبیین تسلیم نہیں کرتے اس لئے مذکورہ بالا توجیہ خود نانوتوی صاحب کی تصریح سے باطل ہے۔

یا پھر وہ توجیہات بھی کفر ہی ہیں جس کی نظیر حفظ الایمان کی عبارت کی توجیہ میں گذری۔ واضح ہو کہ جو کلام کئی معنوں کا احتمال رکھتا ہے۔ بعض کفر ہو اور بعض کفر نہ ہو ایسے کلام کا کہنے والا اس وقت کفر سے بچے گا جب کہ وہ بتائے کہ میری مراد وہ معنی ہے جو کفر نہیں اور اس معنی کا اس کلام میں احتمال بھی ہو یعنی اس کلام کا وہ معنی صحیح ہو اور اگر قائل نے اپنی مراد ایسے معنی کو بتایا جو خود کفر ہو یا اس معنی کی گنجائش اس کلام میں قطعاً نہ ہو تو قائل یقیناً حتماً کافر ہے کسی دوسرے کی تاویل صحیح اس کو کفر سے نہ بچائے گی۔ در مختار وغیرہ میں ہے۔

"اذا كان فى المسئلة وجوه توجب الكفر وواحد يمنعه فعلى المفتى الميل لما يمنعه ثم لو نيته ذلك فمسلم والا لم ينفعه حمل المفتى خلافه"

”جب مسئلے میں چند وجہیں ہوں تو مفتی پر واجب ہے کہ اس معنی پر حکم لگائے جو کفر نہیں اب اگر قائل کی مراد وہی معنی ہے تو وہ مسلمان ہے۔ ورنہ مفتی کا اس معنی پر حمل کرنا قائل کو نفع نہ دے گا۔

حاصل یہ نکلا کہ اب جب کہ ان کفری عبارتوں کے قائلین نے ان عبارتوں کی جو توجیہات و تاویلات کیں وہ ان عبارتوں کے منافی و معارض ہیں ان کا ان عبارتوں سے کوئی تعلق نہیں خود انھیں کتابوں کی دوسری عبارتیں اسے رد کر رہی ہیں۔ لہٰذا وہ تاویلات کفری معنی میں متعین ہیں تو اب جب کہ ان کو جہاں جانا تھا جا چکے۔ اب کسی کا ان عبارتوں کی کوئی تاویل صحیح نکالنا ان کو مفید نہیں ہو سکتا۔ ان کو مفید اس وقت ہوتا جب یہ ثابت ہوتا کہ ان کی نیت اسی معنی صحیح کی تھی لیکن انھوں نے اپنی مراد یہ معنی نہیں بتایا بلکہ ان عبارتوں سے متعلق اَن ملی بے جوڑ باتیں لکھیں اور کہیں اس لئے وہ کفر سے نہیں بچ سکتے۔

واضح رہے کہ یہ اخیر کی گفتگو اس تقدیر پر تھی کہ ان کفری عبارتوں کی کوئی صحیح تاویل کوئی صاحب نکال سکیں مگر ہمیں یقین ہے کہ قیامت تک کوئی صاحب ان عبارتوں کی کوئی ضعیف سے ضعیف بعید سے بعید ایسی تاویل نہیں نکال سکتے جو ان کو کفر سے بچا سکے۔

اخیر میں پھر آپ لوگوں سے گذارش کروں گا کہ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں، قوت حافظہ اب پہلے کی طرح نہیں، آپ لوگ اپنے اوقات ضائع نہ کریں، خصوصاً بد مذہبوں کے عقائدِ باطلہ اور ان کی تردید پر گہری نظر رکھیں مطالعہ کریں، مناظروں کی روداد پڑھیں، اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کو مطالعہ میں رکھیں تاکہ اپنے اسلاف کے سچے جانشین بن سکیں نئے نئے فتنے سر اٹھا رہے ہیں ان کی کاٹ اور مذہب اہل سنت جو صحابہ سے لے کر آج تک متوارث ہوتا ہوا ہم تک آ پہنچا ہے اس کی حفاظت کریں یہی ہمارا اور آپ کا فریضہ ہے مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔ آمین

☆☆☆☆☆

مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور

حضرت شارح بخاری بحیثیت مناظر

انفرادی خصوصیات: حضرت شارح بخاری فطری طور پر حساس طبیعت کے مالک ہیں۔ دین وسنیت کے تعلق سے یہ حس ذکاوت کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ یہی سبب ہے کہ دین وسنت کے خلاف کوئی بھی فتنہ سر ابھارتا ہے تو آپ سراپا اضطراب ہو جاتے ہیں۔ مخالفین دین کے خلاف مزاج کا یہ شعلہ پن عہد طالب علمی ہی سے شباب پر تھا۔ مبارک پور میں حافظ ملت کو ایک بیرونی وہابی نے آکر مناظرہ کا چیلنج دیا، حضرت نے عین جلسہ ہی میں اسے سوالات کے ذریعہ گھیر لیا۔ صبح تک اپنے جواب کا مطالبہ کرتے رہے لیکن وہ عاجز رہا بالآخر کسی طرح جان بچاکر بھاگا۔ حضرت سے بارہا میں نے سنا کہ فرماتے: ہمارے سامنے کسی بدمذہب کی جرأت نہیں ہوئی کہ وہ ہمارے اساتذہ یا بزرگوں کو کچھ کہہ دے اور بچ کر چلا جائے۔ افسوس یہ دینی غیرت نئی نسل میں مفقود ہوتی جارہی ہے۔ الہ آباد کے ہندی اخبار "امرت بازار پتر کار" کی شان رسالت میں گستاخی ہو یا ریلیجس لیڈرس" نامی کتاب کی اہانت، بہرائچ کے پنڈت کی حیاسوز تقریر ہو یا وہابیہ کی شر انگیزی، عراق کا قضیہ ہو یا مسلمانان ہند کا، ہر موقع پر نتائج سے بے پرواہو کر دین اور اقدار دین کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب کہ اس راہ میں کافی مشقتوں اور زحمتوں کا بھی سامنا ہوا۔ مقدمات ہوئے، جیل جانا پڑا، تبرابازیاں سننی پڑیں، دھمکیاں کانوں تک پہنچیں لیکن دین محمدی کا یہ شیر ہر محاذ پر سینہ سپر رہا اور بدمذہبوں کے کلّے جبڑے اکھاڑتا رہا، ہمتیں پست کرتا رہا یہاں تک کہ انھوں نے دم سادھ لی اور چپ ہو گئے اس موضوع کی تفصیلات، دیگر مقالات اور حضرت مولانا یس اختر مصباحی صاحب دام ظلہ کی کتاب شارح بخاری میں مل جائیں گی۔

علمی سطح پر آپ کی تحریریں اور تقریریں علمی ایجاز کا خوبصورت اور قیمتی رنگ لئے رہتی ہیں، باتیں پی تلی اور پتے کی ہوتی ہیں، مضامین کی فراوانی بھی خوب ہوتی ہے، لیکن مفہوم کی ترسیل اور مضامین کی تفہیم کہیں بھی متاثر نہیں ہوتی۔ لیکن یہی ایجازانہ رنگ عوامی سطح پر جاکر تمثیلی اور خالص تفہیمی ہو جاتا ہے جس سے گنجلک موضوعات بھی عوام کے ذہن ودماغ میں رچ بس جاتے ہیں۔ سرعت تحریر میں اپنا جواب آپ ہیں۔ بجز دیہہ کے

مناظرے میں غیر مقلدین کی ہفتوں میں تیار شدہ مفصل تحریر کے جوابات بہت سرعت کے ساتھ تحریر کرائے جب کہ آپ ان دنوں علیل چل رہے تھے۔ اور دیکھتے دیکھتے چند دنوں میں مقالات مبسوط فتاوی بلکہ کتابیں لکھنا لکھانا تو راقم کا بار بار کا مشاہدہ ہے حالات اور خیالات کی نباضی کا بھی خوب سلیقہ ہے۔ کون کیا کہہ رہا ہے؟ کیا کہنا چاہ رہا ہے؟ اور کیوں کہہ رہا ہے؟ ان تمام تہوں تک فوراً پہنچ جاتے ہیں۔ مجلسی گفتگو میں ظرافت، واقعاتی تسلسل، سیاسی تبصرے، حالات حاضرہ کا جائزہ سبھی کچھ رہتے ہیں۔ علماء مشائخ کا اکرام اور اصاغر کا اعزاز بے مثال انداز میں فرماتے ہیں۔ ہر کار خیر میں سبقت اور تعاون آپ کا وطیرہ ہے۔ المجمع الاسلامی کے تعمیری فنڈ کے لئے جیب خاص سے گیارہ سو روپیئے عطا فرمائے ماہنامہ کنزالایمان دہلی کا اجرا ہوا تو پانچ سو روپیئے اشاعتی مد میں عطا فرمائے۔ میری عرض داشت پر دارالمطالعہ اہل سنت سہسرام کے لئے اپنی تصانیف کا پورا سیٹ عطا فرمایا: جہاں کہیں کسی مسجد یا مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھنے جاتے ہیں تو سب سے پہلے اپنی طرف سے معتد بہ رقم عنایت فرماتے ہیں۔ طلبہ میں جو ضرورت مند ہوتے ہیں۔ ان کی مدد فرماتے ہیں نقد لباس وغیرہ عطا فرماتے ہیں۔ جاڑوں میں گرم کپڑا سویٹر مفلر لحاف کا انتظام کر دیتے ہیں۔ غرض دین، لوازمات دین اور متعلقات دین کا ہمہ دم خیال رہتا ہے اور اس کا شایان شان خود بھی احترام فرماتے ہیں اور دوسروں کو بھی احترام کا سلیقہ دیتے ہیں۔

مناظر، مناظرہ اور اس کے آداب و شرائط: اپنے مدعی کے اظہار اور اثبات کا سلیقہ، وہ بھی ایک شاطر مخالف کے سامنے جو مغالطہ اور تردید کے سارے ساز و سامان سے لیس ہو، سب کو نہیں آتا۔ اس کے لئے نہ صرف مطالعہ کافی ہے اور نہ صرف ذہانت بلکہ جودت وطباعی عقل ودانائی، بیان کا زور و تسلسل اور زیر کی، مطالعہ کی وسعت، علم و فن پہ دسترس، حاضر دماغی، استحضار علمی، صبر و تحمل، فکری ہمہ جہتی، تفہیم کا ملکہ اور دور بین و باریک بین نگاہ جب سبھی اوصاف یکجا ہوتے ہیں تو میدان مناظرہ کا ایک شہسوار تیار ہوتا ہے۔

یہ راہ کتنی مشکل، کتنی اہم اور کس قدر ہمہ جہت ہے اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ مناظر صرف مقرر نہیں جس کے پاس سجے سجائے، جمے جمائے مضامین کا ذخیرہ ہو اور وہ بے دریغ سامعین میں لٹا رہا ہو، نہ کوئی قدغن، نہ سوال نہ اعتراض۔ اور اگر کبھی اس کی نوبت آئی بھی تو "دیکھا جائے گا"، کا تصور بہت بڑا سہارا ہے۔ وہ مدرس بھی نہیں جس کے لئے منتخب کتابیں مقتبس عبارتیں ہوں، شروح و حواشی کے سہارے ہوں، تلامذہ کی نیاز مندی ہو، اس کے ساتھ اگر سوالات رہے بھی تو محدود سے، متعین موضوعات پر، وہ بھی نیاز مندوں کے جلو میں جہاں ہر طور سے خاموش کر دینے کے بارعب ذرائع موجود ہیں۔ وہ مصنف بھی نہیں جس کے لئے موضوع پر تحقیقی مواد سمیٹنے اور ترتیب دینے، سوچنے اور سمجھنے کے واسطے ایک عمر پڑی ہے۔ کوئی تنقید ہوئی بھی تو اس سے نپٹنے کے لئے وسیع اوقات

کا بھرپور تعاون موجود ہے۔ وہ مفتی بھی نہیں جس کے پاس سوالات کا تنوع اور ان کے حل کرنے کی مشکلات تو ضرور ہیں لیکن وہ فی الفور پابند جواب نہیں بلکہ لا اعلم کہہ کے بھی جان چھڑائی جاسکتی ہے۔ لیکن مناظر تو ہر چہار جانب سے پابند سلاسل اور گھرا ہوا ہے اس کے لئے موضوعات کا تنوع بھی ہے کیونکہ مناظرہ کا موضوع گو متعین ہوتا ہے لیکن دوران بحث کون سی گفتگو چھڑ جائے، بحث کون سا رخ اختیار کرلے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ صرف ونحو، بلاغت وعروض، حدیث وفقہ، منطق وفلسفہ، اصول وکلام، تفسیر ولغت، زبان وادب، فلکیات وارضیات حتی کہ تعبیر خواب سبھی کچھ زیر بحث آسکتے ہیں۔ گھوسی کے مناظرہ میں اصول فقہ کی یہ بحث چھڑ گئی کہ ماعام ہے کہ خاص، اد.ی کے مناظرہ میں افعل کا وزن تولا جانے لگا، گیا کے مناظرہ میں مدعی اور مدعا علیہ کی تعریف نے فقہ کی بیشتر اہم کتابوں کی سیر کرادی، بریلی شریف میں گفتگو تعلیق بالمحال سے چل کر موضوع منطق کے آستانے تک جا پہنچی، پلاموں کے مناظرہ نے تعبیر خواب کو شرمندہ کردیا۔ اس لئے مناظر کے لئے معلومات کا تنوع از بس لازم ہے پھر یہاں اس کا دشمن سارے ہتھیار سے لیس ہو کر بیٹھا ہے جو اسے زیر کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دے گا۔ اس لئے انداز بیان پر بھی قدغن ہے کہ مبادا کہیں کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو مخالف کی فتح کا سامان ہو جائے اور کہیں یہ مخالف سے مرعوب ہو گیا تو سارا میدان ہی ہاتھ سے نکل گیا۔ اس لئے مناظر کے لئے زبان وبیان کے اسرار ورموز سے گہری واقفیت اور باحوصلہ ہونا بھی ضروری ہے۔ نیز یہاں مخالف کو جواب نقد اور علی الفور چاہیئے اور ایسا کہ حریف کی ساری کوششوں، عیاریوں اور مغالطہ آمیزیوں پر پانی پھیر دے۔ ایسا جواب دینے کے لئے مناظر کو بہت باہوش، دور اندیش، حاضر دماغ، حاضر جواب اور دانا ہونا چاہیئے۔ ان تفصیلات کی روشنی میں آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ مناظر کو کن کن اوصاف کا حامل ہونا چاہیئے گویا مناظر وہ ہوگا جو بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، متکلم، اصولی، ادیب، خطیب، مدبر، دور اندیش، دانا حاضر دماغ، باحوصلہ، نڈر، کثیر المطالعہ، قوی الحافظہ متحمل سبھی کچھ ہو۔

نظریات کے پس منظر میں مباحثہ کے تین انداز ہوتے ہیں:

۱۔ اگر یہ بحث اثبات حق اور ابطال باطل کے پس منظر میں ہو رہی ہے تو اسے مناظرہ کہتے ہیں۔

۲۔ اور اگر اس سے اپنی تعلی بڑائی اور علمی قابلیت کی نمائش مقصود ہو تو مکابرہ۔

۳۔ اور اگر اس کی پشت پر محض ایک دوسرے پر الزام تراشی، الجھاؤ اور کج بحثی کا نظریہ کار فرما ہو تو مجادلہ۔

مناظرہ کے اصول وآداب کے بارے میں مستقل تصانیف بھی ہیں جن میں قطب الاقطاب سید نا دیوان محمد مصطفیٰ رشید عثمانی قدس سرہ کی تصنیف لطیف مناظرہ رشیدیہ کافی شہرت رکھتی ہے۔ اس میں مناظرہ کے وقت ایک مناظر کے واسطے جن خصوصی اوصاف وآداب کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ مناظر اپنی بات اتنی مختصر نہ پیش کرے کہ سمجھ ہی میں نہ آسکے۔
۲۔ بہت زیادہ لمبی چوڑی گفتگو بھی نہ ہو کہ لوگ اوب جائیں۔
۳۔ نادر اور اجنبی الفاظ نہ استعمال کرے۔
۴۔ ذو وجہین گفتگو نہ کرے خصوصا جب کہ قرینہ واضح نہ ہو۔
۵۔ بے مقصد اور موضوع سے ہٹ کر گفتگو نہ ہو کہ مقصد سے دور جا پڑے۔
۶۔ نہ استہزاء ہنسے، نہ چلائے اور نہ کمینوں کا انداز اختیار کرے کیونکہ یہ جاہلوں کی عادتیں ہوتی ہیں اس سے وہ اپنی جہالت پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

کسی ایسے شخص سے مناظرہ کرنے سے گریز کرے جو اس کی نگاہ میں محترم اور بارعب ہو کیونکہ بسا اوقات مخالف کی ہیبت اور احترام مناظر کی فکری قوت اور ذہنی توانائی سلب کر لیتی ہے۔

۸۔ مخالف کو کمزور اور حقیر نہ سمجھے کہ اس کی وجہ سے کہیں کوئی ایسی لچر بات نہ صادر ہو جائے جو مخالف کے غلبہ کا سبب بن جائے۔

آٹھ افادات رازی بیان کرنے کے بعد اس پر صاحب مناظرہ رشیدیہ نے مزید تین آداب کا اضافہ فرمایا ہے چنانچہ ارقام فرماتے ہیں:

میں رب تعالیٰ کی تائید کا طالب ہو کر مزید کہتا ہوں کہ مناظر کو اس بات کا رادہ نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ تھوڑے ہی عرصہ میں مخالف کو خاموش کر دے کیونکہ بسا اوقات عجلت میں ایسی کمزور اور پوچ باتیں زبان سے بے ساختہ نکل جاتی ہیں جو مخالف کی فتح کا سامان بن جاتی ہیں۔

مناظرہ کے وقت مناظر امیروں کی طرح ٹیک لگا کر نہ بیٹھے بلکہ فقیروں کے انداز میں مجلس نشیں ہو کہ اس سے لازمی طور پر ذہنی توانائیاں مجتمع رہتی ہیں اور ذہن و دماغ انتشار سے محفوظ رہتا ہے۔

مناظرہ کے وقت مناظر کو بہت زیادہ بھوکا پیاسا نہیں ہونا چاہیئے کہ شدت بھوک پیاس سے بہت جلد غصہ آجاتا ہے جو مناظرہ کے آداب کے منافی ہے یونہی مکمل آسودہ بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ اس سے طبعی قوتیں منجمد ہو جاتی ہیں اور ذہنی جولانیت جاتی رہتی ہے۔ (مناظرہ رشیدیہ ص:۷۹-۸۰ مترجما)

مناظرہ کو خوش اسلوبی کے ساتھ اس کے منطقی انجام تک پہونچانے کے لئے مناظرانہ صلاحیتوں اور اصول و آداب کے ساتھ ساتھ شرائط مناظرہ کا بھی بہت اہم کردار ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں مناظر اور صدر کی دانشمندی اور تجربے بہت کام آتے ہیں۔ اگر اس راہ میں ہوشیاری نہیں برتی گئی تو حریف کوئی بھی ایسی شرط رکھ سکتا ہے جو اس کے لئے کسی نازک موڑ پر کام دے اور وہ اس طرح اپنے مدمقابل کو زبردست زک پہونچانے میں کامیاب ہو جائے۔

یا دوسرا کوئی ایسی شرط ذکر کرنا بھول جائے جس کی وجہ سے اسے زبردست نقصان اپنے ہاتھوں اٹھانا پڑے۔ یہ گویا اپنے ہاتھوں اپنی ہزیمت کا سامان کرنا ہوگا۔ اس کی نزاکتوں کو سمجھنے کے لئے صرف ایک واقعہ سنتے چلیے۔

بھنگواں ضلع گونڈہ میں اہل سنت اور دیابنہ کے درمیان تحریری مناظرہ تھا۔ آغاز مناظرہ سے پیشتر دونوں فریق کے اسٹیج پر لاؤڈاسپیکر لگادیئے گئے۔ شدید بارش کے باوجود تاحد نگاہ مجمع تھا۔ دونوں فریق نے جب گفتگو کا آغاز کیا تو دیوبندی مناظر اس پر مصر ہوگئے کہ تحریریں پڑھ کر نہیں سنائی جائیں گی کیونکہ شرائط میں کہیں اس کا تذکرہ نہیں۔ یہ بات عقل وعادت دونوں کے لئے باعث حیرت وافسوس تھی۔ جو سنتا وہابیوں کو ملامت کرتا۔ علماے اہل سنت اور پورے مجمع نے انھیں اس بات پر راضی کرنے میں پوری توانائی صرف کردی کہ تحریر عوام کو سنادی جائے لیکن انھیں نہیں راضی ہونا تھا نہ ہوئے۔ ان کا سہارا بس یہی تھا کہ شرائط میں یہ ذکر نہیں اور ہم شرائط ہی کے پابند ہیں۔ یہ ذراسی غفلت ان کے لئے زبردست فائدے کا سامان بن گئی کہ ان کی گمراہیاں عوام کے سامنے طشت ازبام ہو کر نہ آسکیں حالانکہ اس مناظرہ میں دیوبندی کفریات پر اتنی جاندار بحثیں ہوئیں کہ اگر تحریریں پڑھ کر عوام کو سنائی جاتیں تو وہاں سے فوراً وہابیت کا جنازہ نکل جاتا۔ اس ذراسی غفلت نے گویا مناظرہ کو بہت حد تک بے مقصد بناڈالا۔ اس لئے عوام کو شرائط از خود طے کرنے کی غلطی کبھی نہیں کرنی چاہیئے۔ مناظرہ کے نشیب وفراز اور نزاکتیں الگ ہی ہوتی ہیں۔ شرائط کی اسی اہمیت کے پیش نظر غیر مقلدوں سے مناظرہ کی طئے شدہ شرائط یہاں درج کی جاتی ہیں جنھیں مناظرین اہل سنت حضرت شارح بخاری اور حضرت محدث کبیر دامت برکاتہم القدسیہ نے مرتب فرمایا ہے تاکہ آئندہ کسی مناظرہ میں شرائط طے کرتے وقت اس سے روشنی حاصل کی جاسکے۔

قرارداد مناظرہ ہرن پور

تاریخ مناظرہ	:	مناظرہ ۹/۱۰/۱۱/ مئی ۱۹۹۹ء بروز اتوار، دوشنبہ، منگل تین دن ہوگا۔
وقت	:	۸/ بجے صبح تا ۱۲/ بجے دوپہر تک۔ ۱۱/ بجے تا ۱۱/۲ بجے وقفہ
یا		۸/ بجے صبح تا ۱۲/ بجے دوپہر اور ۲/ بجے تا ۴/ بجے شام
مقام مناظرہ	:	ہرن پور، مویشی ہاٹ، ضلع پاکوڑ

۱۔ مناظرہ کے فریق اول اہل سنت وجماعت حنفی بریلوی ہیں اور فریق دوم غیر مقلد ہیں جو اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں۔

۲۔ ہر فریق اپنے اپنے علما کے اخراجات وضیافت کا ذمہ دار ہوگا۔

۳۔ ہر فریق کے الگ الگ آمنے سامنے دو اسٹیج ہوں گے جن کے درمیان ۴۰/۵۰/ فٹ کا فاصلہ

ہو گا جہاں عوام بیٹھ کر مناظرہ سنیں گے۔

۴۔ دونوں اسٹیجوں کے درمیان بیچ میں ایک حد قائم کی جائے گی تا کہ ہر فریق کے عوام اپنے اپنے علما کے اسٹیج کی طرف بیٹھیں۔

۵۔ ہر فریق دس دس ہزار روپے مشترکہ طور پر کھاتے میں کسی بینک میں جمع کریں اس قرارداد کے ساتھ کہ جو فریق مناظرہ کے لئے نہیں آئے گا یا آکر بھاگ جائے گا یا ہار جائے گا اس کے دس ہزار روپے جیتنے والا دوسرا فریق وصول کرے گا۔

۶۔ دونوں فریق مشترکہ طور پر کسی مجسٹریٹ اور ایس پی سے مناظرہ کے لئے پرمیشن حاصل کریں گے۔

۷۔ ہر فریق سے ایک ایک ذمہ دار بھی ہو گا تا کہ امن عامہ برقرار رہے اور اس کی اپنے حریف کو تحریر بھی دینی ہو گی۔

۸۔ ہر فریق کی طرف سے مناظرہ کا ایک صدر ہو گا جو نظم وضبط برقرار رکھنے اور شرائط مناظرہ کے مطابق مناظرہ ہونے کا ذمہ دار ہو گا۔

۹۔ ہر فریق چاہیں تو پہلے ہی سے اپنے مناظر اور صدر کا اعلان کر دیں اور یہ بھی حق ہو گا کہ عین مناظرہ کے موقع پر صدر اور مناظر کا اعلان کریں۔

۱۰۔ صدر کی باتوں کا جواب صدر دے گا اور مناظر کی باتوں کا جواب مناظر دے گا۔ اسٹیج پر بیٹھنے والوں اور عوام کو بولنے کا حق نہ ہو گا۔

۱۱۔ ایک مناظر کے اعلان کے بعد اس کو اسی وقت بدلا جا سکتا ہے جب کہ پہلا مناظر اپنی شکست کا تحریری طور پر اعتراف لکھ کر دوسرے فریق کو دے یا یہ کہ اسے ایسا کوئی مرض لاحق ہو جائے جس کے باعث وہ مناظرہ نہ کر سکے مگر یہ ضروری ہو گا کہ اس عارضہ کا اعلان عام مناظرہ گاہ میں کیا جائے۔

۱۲۔ دوران مناظرہ سوائے حکم شرعی بیان کرنے کے کسی فریق کو ایسی بات کہنے کی اجازت نہ ہو گی جو دل آزاری کی موجب ہو اور جو اس کی پہل کرے گا اس کی ہار مانی جائے گی۔

۱۳۔ فریق اول اہل سنت وجماعت کی طرف سے موضوع مناظرہ یہ ہو گا۔

''آج کل کے غیر مقلدین گمراہ، گمراہ گر اور جہنمی ہیں''۔

اس سے مراد وہ غیر مقلدین ہیں جو ابن عبد الوہاب نجدی اور مولوی اسماعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان

کے ماننے والے ہیں۔

۱۴۔ پہلے مناظرہ اس موضوع پر ہوگا اس کے بعد دوسرے موضوعات پر دونوں فریق کی اجازت سے مناظرہ ہوگا۔

۱۵۔ مناظرہ کے اثنا میں موضوع مناظرہ سے جو بات متعلق نہ ہو اس کے بیان کرنے کی کسی فریق کو اجازت نہ ہوگی۔

۱۶۔ دلیل، قرآن مجید، احادیث صحیحہ حسنہ ثابتہ دلالات اربعہ کے ساتھ (عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص) اور اجماع امت اور قیاس اور صحابہ کرام کے اقوال و اعمال ہوں گے۔

۱۷۔ احادیث کی صحت و حسن اور ضعف جانچنے کے لئے اصول حدیث کی کتابیں مثلاً نزہۃ النظر، شرح نخبۃ ملا علی قاری، مقدمہ ابن الصلاح، فتح المغیث للسخاوی وغیرہ اور رجال کے سلسلہ میں تہذیب، تقریب، تذکرۃ الحفاظ، میزان الاعتدال وغیرہ حجت ہوں گی۔

۱۸۔ احادیث میں ثبوت تعارض اور رفع تعارض کے سلسلے میں غیر مقلدوں کے خلاف اصول حدیث سے حجت قائم ہوگی اور حنفیہ کے خلاف امام طحاوی، امام عینی، امام بزدوی، شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے وہ اقوال حجت ہوں گے جو انھوں نے بطور مذہب بیان کئے ہیں نہ کہ بطور الزام خصم۔

۱۹۔ ہر فریق کے معتمد علمائے کرام کے اقوال راجحہ، منقحہ اس فریق کے خلاف حجت ہوں گے۔

۲۰۔ اور ہر فریق مناظرہ سے پندرہ روز قبل اپنے اپنے فریق کے علمائے معتمدین کی ایک فہرست دوسرے فریق کو لازماً دستخط کے ساتھ حوالہ کردے۔

۲۱۔ ہر فریق کو لازم ہوگا کہ مختلف فیہ مسئلے میں اس مسئلے کے بارے میں نیز اس کے قائل اور منکر کے بارے میں حکم شرعی بیان کرے۔

۲۲۔ جو کچھ بھی ثبوت میں پیش کرے اس کا حوالہ دے اور مطالبہ کے وقت اصل کتاب پیش کرے۔

۲۳۔ کسی جماعت کے شخص واحد کا کسی بات سے اختلاف کرنا یا اپنی ذاتی رائے پیش کرنا مسموع نہ ہوگا۔

۲۴۔ اگر دوران مناظرہ کسی فریق کے مناظر نے اپنے حریف کی کسی بات پر تحریر طلب کی تو اس کے حریف کو دینا لازم ہوگا۔

۲۵۔ مناظرہ زبانی ہوگا جسے دونوں فریق ٹیپ کرلیں گے اور بعد مناظرہ مشترکہ خرچ سے دونوں کیسٹ سے صحیح صحیح بلا کم و کاست و ازدیاد نقل کرکے روداد مناظرہ شائع کریں گے۔

۲۶۔ ہر مناظر کو پندرہ پندرہ منٹ تک تقریر کرنے کا حق ہوگا لیکن اگر کبھی کوئی بات تشنہ رہ جائے اور کوئی مناظر کچھ زیادہ بولنا چاہے تو حریف کے صدر سے اجازت حاصل کرنے کے بعد زیادہ سے زیادہ دس منٹ مزید دیا جاسکتا ہے۔

حضرت شارح بخاری کا مناظرانہ ادب: مناظر اہل سنت شارح بخاری دام ظلہ کی تحریروں اور تقریروں کی خصوصی پہچان، ناقدانہ بصیرت سے بھرپور مناظراتی ادب کی رنگینیاں ہیں۔ نقد و نظر کی جو خوبیاں مولیٰ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہیں وہ بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ انداز کا ایسا تیکھاپن کہ سرکش مخالف تلملا جائے، حریف کے دلائل کا نقادانہ جائزہ اس کی خامیوں پہ گہری نگاہ، داؤں پیچ کی سخت گرفت اور برمحل تردید، مخالف کا نفسیاتی گھیراؤ، ان کی مساعی فرار کا سد باب، سوقیانہ لب ولہجہ پہ سخت تنبیہ اور نہ سنبھلنے پر ترکی بہ ترکی جواب، مغالطہ آمیزیوں کا خوب محاسبہ اور پھر اسی پیرایہ میں اپنے موقف کا اثبات، یہ ساری خصوصیتیں آپ کے شاندار ناقدانہ ادب اور مناظرانہ فکر کی ترجمان ہیں جو آپ کی تحریروں اور محاسباتی تقریروں میں پھیلی رہتی ہیں۔ ان خصوصیات کے تمثیلی خاکہ کے لئے آپ کی تصانیف گرامی کا مطالعہ کرنا چاہیئے خصوصاً تحقیقات، منصفانہ جائزہ، اشک رواں، فتنوں کی سرزمین کون، اور شہادت حسین کا ذمہ دار کون، اس رنگ کو سمجھنے کے لئے بہت شفاف آئینہ ثابت ہوں گی۔ میں صرف یہاں دو اقتباس پیش کرتا ہوں جن میں تجزیاتی نثر کی خوبیاں اور ترکی بہ ترکی کا انداز خوب نمایاں ہے۔

۱۔ بجر ڈیہہ بنارس میں غیر مقلدین سے تحریری مناظرہ تھا۔ اس کی روداد ''سنان جانکاہ بدل غیر مقلدان گمراہ'' کے نام سے شائع ہوئی اس میں حضرت کے بڑے قیمتی تشریحی نوٹ ہیں۔ اس میں غیر مقلدین کی ایک تحریر کا تجزیہ کرتے ہوئے حضرت رقم طراز ہیں:

مناظر اہل سنت کا مقصود نہ عوام کو فریب دینا تھا، نہ گفتگو موضوع مناظرہ کو حدود سے باہر لے جانا تھا۔ اس لئے انھوں نے نہ تو ان بے محل سوالات کے جوابات دیئے اور نہ غیر متعلق سوالات قائم کئے۔ البتہ جب یہ سب کو دکھا دیا کہ غیر مقلد مناظر اپنے دعویٰ کی تنقیح سے عاجز ہے یا فرار اختیار کر رہا ہے، عوام کو فریب دینے کے لئے پھر قرآن مجید کی آیات لکھ کر اپنا جھوٹا بھرم قائم رکھنے کی کوشش کر رہا ہے اور اب اپنی مذہبی سرشت کے مطابق انبیا کرام کی کھلی توہین پر اتر آیا ہے تو اس کی تحریر پر مواخذہ اور اس کے مغالطے کے جواب کی طرف توجہ کی۔ وقت میں وہی گنجائش کی کمی تھی اس لئے بہت سے اہم مواخذے اس وقت لکھنے سے رہ گئے مثلاً اس تحریر میں غیر مقلد مناظر نے لکھا:

''ہم نے اپنی تحریر میں کتاب وسنت سے ثابت کیا ہے کہ کسی بھی ہستی کو فوق الفطری قوت واختیار کے

ساتھ متصف ماننا شرک ہے"۔

۱۔ ورنہ پوچھا جا سکتا تھا کہ اس کے قبل آپ کی تین تحریر آئی ہے۔ پہلی تحریر جو گھر سے لکھ کر لائے تھے اس میں تو آیات اور ایک آدھ احادیث ہیں۔ دوسری، تیسری جو اسٹیج پر لکھی ہیں ان میں نہ ایک آیت ہے نہ ایک حدیث۔ پہلی تحریر میں کوئی ایسی آیت یا حدیث نہیں جس میں شرک کی مذکورہ بالا تعریف موجود ہو اگر ہے تو نشاندہی کریں اور اگر تحریر سے مراد ان تین کے علاوہ اور کوئی خاص تحریر ہے جو کہیں پردہ نشیں ہے تو اس کے حوالے سے کیا فائدہ؟۔ مگر اب بتا دیجئے ہم زیارت کر لیں۔

۲۔ پوچھا جا سکتا تھا کہ بتائیے وہ کون سی آیت ہے، کون سی حدیث ہے جس میں شرک کی یہ تعریف لکھی ہے۔

۳۔ پوچھا جا سکتا تھا کہ آپ نے تحریر ۲ر میں شرک کی دو تعریف کی تھی۔اب صرف ایک کیوں کی کیا پہلی تعریف غلط تھی۔

۴۔ پوچھا جا سکتا تھا کہ آپ نے تحریر ۲ر میں اتنا اس تعریف میں بڑھایا تھا کہ اس کے تقرب کے لئے کوئی عمل کرنا شرک ہے اور یہاں یہ قید نہیں کیا وہ قید لغو تھی جو یہاں نہیں یا وہ قید ضروری تھی مگر اب خود اس کا جواب دے رہے ہیں اس لئے لکھنا بھول گئے۔

۵۔ پوچھا جا سکتا تھا کہ بعد کا قول پہلے کا رافع ہوتا ہے تو اب جب کہ آپ نے شرک کی یہ تعریف کی کہ کسی بھی ہستی کو فوق الفطری قوت واختیار کے ساتھ متصف ماننا شرک ہے تو شرک منحصر ہو گیا اعتقاد یعنی ماننے میں اور ماننا دل کا کام ہے۔ مرادیں مانگنا، چادر چڑھانا، ایصال ثواب کرنا، اگر بتی سلگانا جو دل کا کام نہیں زبان اور دوسرے اعضا کے ہیں یہ کیسے شرک ہوئے؟۔

۶۔ اور پوچھا جا سکتا تھا کہ لفظ کسی بھی ہستی "اللہ عزوجل کو بھی شامل ہے تو کیا آپ کے نزدیک اللہ عزوجل کو بھی فوق الفطری قوت واختیار کے ساتھ متصف ماننا شرک ہے؟ یا پھر اللہ عزوجل آپ کے نزدیک فوق الفطری قوت واختیار کے ساتھ متصف نہیں؟ اگر نہیں، اور اس قول کی بنا پر آپ مجبور ہیں یہی کہنے پر تو اللہ اور بندوں میں کیا فرق رہا؟۔

۷۔ شرک سے بچنے کے لئے ضرور بالضرور یہ لکھنا پڑے گا کہ اللہ عزوجل بھی فوق الفطری قوت واختیار کے ساتھ متصف نہیں تو پھر یہ ان قرآن مجید کی کثیر آیات اور ہزار ہا احادیث کا انکار ہے جن میں بصراحت مذکور ہے کہ اللہ عزوجل ہر شئی پر قادر ہے، مختار مطلق وفعال لما یرید ہے

وغیرہ وغیرہ۔ اب آپ یا تو اقرار کریں کہ آپ لوگ مشرک ہیں یا ان آیات واحادیث کا انکار کر کے اقرار کریں کہ ہم منکر قرآن واحادیث ہیں؟۔ یا پھر یہ قبولیں کہ مارنا جلانا، روزی دینا مرادیں پوری کرنا، مشکل کشائی کرنا وغیرہ وغیرہ اللہ عزوجل کے لئے فطری کام ہیں؟۔ اور آپ لوگوں سے کیا مستبعد۔ مگر مسلمان سوچیں کہ اب لازم کہ اللہ عزوجل کی صفات بھی فطری ہو گئیں اور فطری مخلوق۔ اور ہر مخلوق حادث تو اللہ عزوجل کی صفات حادث؟۔

۸۔ پوچھا جا سکتا تھا کہ آپ نے ایک طرف تو ابو طالب کے بارے میں لکھا کہ وہ کافر مرا اور ساتھ ہی ساتھ اس کو حضرت بھی لکھا تو گویا کافر آپ کا حضرت ہوا۔ اس سے آپ لوگوں کا حال کھل گیا کہ آپ لوگوں کا رشتہ کس سے ہے؟۔

اس تجزیاتی انداز کے بعد ترکی بہ ترکی کا تیکھا انداز اس اقتباس میں دیکھئے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد اول ص: ۴۵۵ پر ہے:)

"دلہن کو بیاہ کر لائیں تو مستحب ہے کہ اس کے پاؤں دھو کر مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکیں اس سے برکت ہوتی ہے۔"

اس مسئلہ کو دیوبندیوں کے ایک غلیظ بدزبان مقرر نے اپنی تقریر میں نہایت دل آزار انداز میں بیان کیا۔ حالانکہ یہ مشہور ومستند فقہی کتاب "شرعۃ الاسلام" کی ترجمانی تھی۔ مصنف علام لکھتے ہیں:

من السنة ان يغسل الزوج رجليها و يرش ذالك الماء فى زوايا البيت يدخل من ذالك بركة. (ص: ٤٤٧)

اس عبارت کو پیش کرنے کے بعد حضرت شارح بخاری دام ظلہ جواب آں غزل شروع کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"دیوبندیت ایسی بیماری ہے کہ اس کا علاج، علاج بالمثل کے سوا کچھ بھی نہیں۔ قرآن حکیم پڑھوا بیٹھے رہیں گے، حدیث پاک سناؤ منہ بسورتے رہیں گے۔ ہاں اگر ان کے کسی حضرت جی کا ارشاد سناؤ تو گھر میں گھس جائیں گے۔"

دیوبندی امت کے حکیم جی تھانوی صاحب بہشتی زیور حصہ ہفتم میں لکھتے ہیں:

"اگر کسی کو نظر لگ جائے جس پر شبہہ ہو کہ اس کی نظر لگی ہے اس کا منہ اور دونوں ہاتھ کہنی سمیت اور دونوں پاؤں اور دونوں زانو، استنجا کا موقع (پیشاب، پاخانہ کے مقام) کو دھلوا کر پانی جمع کر کے اس شخص کے سر پر ڈالو جس کو نظر لگی ہے اس کو شفا ہو جائے گی۔"

انصاف پسند حضرات غور کریں کہ شرعۃ الاسلام اور مفاتیح الجنان میں تو صرف یہ تھا دلہن کے دونوں پاؤں دھوئیں گھر کے کونوں پر چھڑکیں اس سے برکت ہوتی ہے اس پر دیوبندی اپنا سارا کرتب دکھاتے ہیں اور یہاں یہ ہے کہ صرف پاؤں ہی نہیں اس کے پیشاب کا مقام بھی دھوئیں اس کے پائخانے کا مقام بھی دھوئیں، مریض کے سر پر ڈالیں اس کو شفا ہو جائے گی۔ اگر یہ بات ہماری کسی کتاب میں ہوتی تو دیوبندی نقال خوب خوب چک پھیریاں کرتے کرتب دکھاتے۔ جب دین نہیں، دیانت نہیں، خدا کا خوف نہیں رسول سے شرم نہیں آخرت کے مواخذے کا اندیشہ نہیں تو پھر ڈر کا ہے کا۔ دیوبندیو! جب یہ پیشاب، پائخانے کا دھون آب شفا ہے تو تم اس کو گھروں میں لے جا کر رکھو، پیو، پلاؤ، تقسیم کرو۔ (تحقیقات حصہ دوم ص: ۲۳)

حضرت کے مناظرانہ اوصاف: مناظرہ اور مناظر کے جو اوصاف و آداب آپ نے گزشتہ سطروں میں ملاحظہ فرمائے قریب قریب وہ سبھی حضرت شارح بخاری دام ظلہ کی ذات گرامی میں مجتمع ہیں اظہار مدعی اور تفصیل مقاصد میں آپ کو ملکہ حاصل ہے انداز بیان سلیس عام فہم اور رواں ہوتا ہے۔ مسجع مقفع جملوں کا اہتمام نہیں فرماتے۔ مقصد سے ہٹ جانا سخت ناگوار ہوتا ہے اس لئے تحریر و تقریر دونوں میں بھراؤ اور لایعنی تفصیلات نہیں ملتیں۔ مجلس شرعی کی علمی بحث کے دوران اس کا ہم نے بارہا مشاہدہ کیا۔ علمی گفتگو کے دوران مکمل وقار اور علمی رعب چھایا رہتا ہے۔ اگر مد مقابل مناظر سوقیانہ انداز اختیار کرتا بھی ہے تو اسے چاروں طرف سے گھیر کر مقصد کے تحت آنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ کٹک اڑیسہ کے مشہور مناظرہ میں دیوبندی صدر مولوی اسماعیل نے راہ فرار اختیار کرنے اور مسائل کو الجھانے کی خاطر ایک بالکل غیر متعلق بات چھیڑی حضرت نے اس کا ایسا جواب دیا کہ اس کی سٹی گم ہو گئی تب وہ بازاری لب ولہجہ پر اتر آیا تو حضرت نے بھی اسے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ بالآخر وہ ساکت و صامت ہو کر بیٹھ گیا اور حضرت نے اپنے مناظر کو کھڑا کر دیا۔ اس کی پوری تفصیل آپ آنے والے صفحات میں مناظرہ کٹک کی روداد میں ملاحظہ کریں گے۔

حضرت نے حریف کا رعب بھی کبھی قبول نہیں کیا لیکن اسے بالکل حقیر اور از کار رفتہ بھی نہ خیال کیا بلکہ چیتے کی صورت اس کی ہر حرکت اور چال پہ گہری نظر رکھی اور مکمل ہوشیار اور باخبر رہے جس کی قدرے تفصیل آگے آتی ہے۔

جذبات سے مغلوب ہو کر واہی تباہی بکنا اور اپنی زمام اور دلائل کے کس بل دوسروں کے ہاتھ میں دے دینا عام انسان کی فطری کمزوری ہوتی ہے لیکن حضرت شارح بخاری دام ظلہ اس عام فطری کمزوری سے بہت حد تک دامن کش ہیں۔ مباحثہ کے وقت کبھی ایسے تیور میں نہیں آتے جس سے ہوش و حواس گم ہو جائیں بلکہ حریف کی

ایسی نبض پکڑتے ہیں کہ اس کی بولتی بند ہو جاتی ہے۔ ساری ذہنی توانائیاں یکسور کھتے ہوئے بحث کو مختصر اور واضح انداز سے سمیٹنا آپ کا وصف ہے جو سیدی الکریم حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ سے چلا آرہا ہے۔

ابتداء جب ہم حضرت کو افتایا مباحثاتی مجلس میں دوزانو بیٹھا دیکھتے تو حیرت ہوتی کہ ناتوانی کے عالم میں کیسے اس انداز نشست کا متحمل فرماتے ہیں پھر عادت پر محمول کرتے ہوئے سوچ کا دائرہ بند کر دیتے لیکن جب شعور کی آنکھیں کھلیں اور صاحب مناظرہ رشیدیہ کی یہ صراحت نگاہ سے گزری کہ:

"مناظر امیروں کی طرح ٹیک لگا کر نہ بیٹھے بلکہ فقیروں کے انداز میں مجلس نشین ہو کہ اس سے لازمی طور پر ذہنی توانائیاں مجتمع رہتی ہیں اور ذہن و دماغ انتشار سے محفوظ رہتا ہے۔"

تو ہمیں حضرت کے اس انداز نشست کی حکمت معلوم ہوئی۔

غرض کہ فن مناظرہ جو بحر بے کنار کی مانند مختلف سمتوں میں پھیلی ہوئی معلوماتی وسعتیں چاہتا ہے اس کے سارے لوازمات معتد بہ انداز میں حضرت کی ذات گرامی میں جمع ہیں۔

انہی وہبی خصوصیات اور خداداد صلاحیتوں کی بنا پر اکابرین نے ہمیشہ آپ پر اعتماد کیا۔ حضور مفتی اعظم، حضرت مجاہد ملت، حضرت حافظ ملت، حضرت احسن العلما، حضرت محدث اعظم ہند، حضرت محدث اعظم پاکستان نے ہر بد مذہب فرقہ کے مقابلے میں آپ کو پیش پیش رکھا۔ بہت موقعوں پر از راہ کرم باصرار صدارت کی شہ نشین پر بیٹھایا جس کے تذکرے اگلے صفحات میں آپ خود ملاحظہ فرمائیں گے۔ آپ یہاں صرف دو آپ بیتی خود حضرت کی زبانی ملاحظہ کریں جس سے خود اندازہ ہو جائے گا کہ آپ اپنے اکابرین کے کس قدر معتمد اور کس قدر منظور نگاہ تھے اور ان کی دوررس نگاہیں آپ کے جوہر فن کی کس قدر قدر شناس تھیں۔ حضرت مفتی اعظم قدس سرہ ایک مرتبہ جوناگڑھ کاٹیاواڑ کے تبلیغی سفر پر تشریف لے گئے حضرت بھی ساتھ تھے۔ اسی سفر کی آپ بیتی بیان کرتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں:

"اسی سفر میں جوناگڑھ کے ایک شیعہ نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث قرطاس لے کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ حضرت نے پہلے اس کو ڈانٹا کہ تمیز سے بات کرو۔ ہم حضرت فاروق اعظم کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کر سکتے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے قرطاس کس سے مانگا تھا اس نے کہا: حاضرین سے۔ میں نے کہا مریض جب کوئی چیز مانگتا ہے تو اس کو مہیا کرنا گھر والوں کا فرض ہوتا ہے۔ حضرت علی، حضرت فاطمہ پر پہلے یہ فرض عائد تھا کہ قرطاس حاضر کرتے۔ انہوں نے کیوں نہیں حاضر کیا؟۔ اور اگر یہ جرم ہے تو تمہارے اعتراض اور نکتہ چینی کے مطابق اس کے سب سے بڑے مجرم حضرت علی، حضرت

سیدہ فاطمہ ہیں۔ اس پر اس کی بولتی بند ہو گئی پھر اٹھ کر بھاگا۔

اگر کہیں سے بھی مناظرہ کے لئے کوئی جاتا تو مجھے بھیجتے، کھیری لکھیم پور، ہلدوانی، نجیب آباد وغیرہ مناظرے کے لئے حضرت کے حکم سے گیا اور کہیں اگر بدمذہبوں کے مقابلے میں جلسے کی بات ہوتی مجھے حکم دیتے کہ جاؤ۔ مودودیوں، منکرین حدیث، رافضیوں، صلح کلیوں، غیر مقلدوں، دیوبندیوں وغیرہ کے مقابلے کے جلسے میں کہاں کہاں گیا ان سب کا ذکر کرنا طویل ہوگا۔ (شارح بخاری ص: ۵۲-۵۳،۵۵)

اسی طرح حضرت محدث اعظم ہند قدس سرہ کے ہمراہ بڑھل گنج، ضلع گورکھ پور کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ اس سفر کی روداد بیان کرتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں:

محلّہ گولہ بازار سے جب قیام گاہ نوشہرہ آئے تو ایک دیوبندی مولوی کا حضرت محدث اعظم کے نام چیلنج مناظرہ آیا۔ حضرت نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ اس کا جواب لکھو۔ میں نے حضرت کے سامنے ہی یہ جواب لکھا:

"مناظرہ رشیدیہ اٹھا کر دیکھئے۔ مناظرہ کی بنیادی شرط یہ ہے کہ مناظرہ کرنے والے علم میں برابر ہوں۔ کہاں حضرت محدث اعظم ہند اور کہاں تم۔ حضرت سے مناظرہ کر کے تمہارے بڑے بڑے شکست فاش اٹھا چکے ہیں تم لوگوں کو حضرت سے مناظرہ کا شوق ہے تو مولوی حسین احمد ٹانڈوی یا قاری طیب کو بلاؤ۔ تم سے اور تم جیسے سیکڑوں مولویوں سے مناظرہ کرنے کے لئے میں کافی ہوں۔ تمہارا چیلنج مناظرہ مجھے منظور ہے۔ مناظرہ سے پہلے شرائط مناظرہ، موضوع مناظرہ، مکان مناظرہ طے ہونا ضروری ہے تم بتاؤ کب اور کہاں ان اشرائط کو طے کرنے کے لئے آتے ہو یا مجھے بلاتے ہو۔"

اس مسودے کو سن کر حضرت محدث اعظم ہند کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ میری تحریر گئی تو اس دیوبندی مولوی کو سانپ سونگھ گیا اور کھسیا کر کہنے لگا کہ سید محمد میاں صاحب کچھوچھوی نے مناظرہ سے انکار کر دیا۔ پھر رات میں میں نے اسی پر تقریر کی اور مغالطے کا رد کیا اس کے بعد سے حضرت محدث اعظم ہند کا بھی کرم میرے اوپر دیگر بزرگوں کی طرح بے پایاں رہا۔ (شارح بخاری ص:۵۵)

حضرت شارح بخاری کے مناظرے: حضرت شارح بخاری دام ظلہ کی حمایت حق کے جذبات، علمی رسوخ و سعت علم، حاضر جوابی، جودت و طباعی، دور اندیشی، حسن تفہیم، زور بیان، محاکماتی گرفت اور مباحثاتی انداز کا ایک اجمالی تمثیلی خاکہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ ایسی جامع شخصیت اور حساس فکر کب باطل کی ریشہ

دوانیوں کو گوارہ کر سکتی ہے اس لئے طالب علمی کے زمانہ سے ہی حضرت کی بحاثی صلاحیتیں نمایاں ہونے لگی تھیں۔
مبارک پور میں آپ کی طالب علمی کے زمانہ میں بھی کوئی بد گو باطل کوش اہل سنت پر زبان طعن دراز کر کے بچ کر نہیں جاسکتا تھا۔ فوراً آپ اور دیگر ذہین طلبہ اسے اپنے سوالات کے گھیرے میں لے لیتے اور اسے جواب دینا دو بھر ہو جاتا۔ بریلی شریف میں بھی دوران طالب علمی اس طرح کے واقعات پیش آئے۔

تیرے ہوتے ہوئے اہل سنت پر کھلے کس کی زبان
فتنہ اشرار کو روکے تو وہ دیوار ہے

حضرت نے اب تک جن مناظروں میں شرکت فرمائی ان میں :

۱۔ بریلی شریف کا قادیانی سے مناظرہ۔ ۲۔ گیا۔
۳۔ رائے پور کھیری ۴۔ بھمن گاواں ۵۔ باندوچترو
۶۔ کٹک، اڑیسہ ۷۔ جھریا ۸۔ بجرڈیہہ
۹۔ بدایوں ۱۰۔ سیتاپور کے مناظرے یادگار ہیں۔ ان کے علاوہ دسیوں ایسے مناظرے ہیں جن میں حضرت تشریف لے گئے لیکن حریف حق کی ہیبت اور حضرت کے رعب سے سامنے نہ آسکا جیسے سادی پور باندہ، دریاپور مالدہ، بنگلور، ہرن پور، نیپال وغیرہ کے مناظرے۔
اب تاریخی پس منظر کے ساتھ ان مناظروں کی تفصیل ملاحظہ کیجئے:

مناظرہ بریلی: ۱۳۶۲ھ کا زمانہ تھا جب حضرت شارح بخاری دام ظلہ بریلی شریف میں مدرسہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی میں محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد گورداس پوری قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر دورہ حدیث کی تکمیل کر رہے تھے۔ بریلی شریف کی سرزمین دین وسنیت کے انوار سے جگمگا رہی تھی۔
بریلی شریف کے محلہ بہاری پور میں ایک قادیانی بھی آیا کرتا تھا اور سیدنا عیسی کلیم اللہ علیہ السلام اور سیدہ مریم عزرا، رضی اللہ تعالی عنہا کے تعلق سے اپنی بد عقیدگی کی خباثتیں پھیلایا کرتا۔ اتفاق سے وہ ایک بار سیدنا عیسی علیہ السلام کی حیات و ممات پر لوگوں سے بحث کر رہا تھا۔ لوگ اس کی شر انگیزی سے تنگ آچکے تھے اس لئے اسے پکڑ کر حضرت شارح بخاری کے پاس لے آئے جو اس وقت طالب علم تھے۔ جب وہ شخص آیا تو حضرت نے اسے چند منٹ میں خاموش کر دیا لیکن وہ اپنی حرکت سے باز نہ آیا اور پھر دو تین دن کے بعد آکر تیور میں کہنے لگا کہ میں عربی نہیں جانتا اس لئے میں آپ سے دلائل کی روشنی میں کسی مسئلہ پر بات نہیں کر سکتا۔ رام پور میں ہمارے ایک مولانا صاحب رہتے ہیں وہ پرسوں آنے والے ہیں۔ میں آپ سے ان کی ملاقات کرا دیتا ہوں آپ ان سے اس مسئلہ پر

گفتگو کرلیں۔ حضرت نے اسے بخوشی منظور فرمالیا۔ دو دن بعد آکر اس نے اطلاع دی کہ ہمارے مولانا صاحب آگئے ہیں آپ تشریف لے چلیں۔ حضرت فوراً کھڑے ہوگئے اور اس کے ساتھ اس رام پوری قادیانی مولوی کے پاس گئے جو ایک دوسرے قادیانی کے گھر ٹھہرا ہوا تھا۔ یہ قادیانی مولوی تقریباً چالیس سال کا تھا۔ اس نے حضرت کے جاتے ہی فوراً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات و ممات کے موضوع پر لیکچر دینا شروع کردیا حضرت نے اس سے فرمایا:

"جناب ہمارے اور آپ کے درمیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات و ممات کا مسئلہ اتنا زیادہ اہم نہیں جتنا کہ مرزا غلام احمد صاحب کے کفر و اسلام کا مسئلہ ہے۔ گفتگو کا یہ پہلو بنیادی اور مرکزی ہے اس لئے پہلے اس پر ہی گفتگو ہو جائے۔ بعد میں حیات مسیح کے مسئلہ پر بھی گفتگو ہو جائے گی۔"

قادیانی مولوی: جب ایک مسئلہ پر گفتگو شروع ہو چکی ہے تو اسے مکمل کرلیا جائے۔

حضرت شارح بخاری: جناب آپ نے از خود یہ گفتگو چھیڑ دی ہے ورنہ ابھی طرفین کی رضامندی سے تو باضابطہ گفتگو کا آغاز ہی نہیں ہوا۔ میں نے دوسرا موضوع گفتگو اس لئے دیا ہے کہ اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیوں کہ آپ کے مرزا صاحب نے نبوت کا دعوی کیا ہے اور سیدنا عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کی شان رفیع میں گستاخی کی ہے اس لئے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

قادیانی: مرزا صاحب نے نبوت کا دعوی نہیں کیا ہے بلکہ مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا ہے۔

حضرت شارح بخاری: مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا ہے یا نبوت کا؟ اسے تو ان کی کتابوں کے دیکھنے کے بعد ہی فیصل کرسکتے ہیں۔ فی الحال اسے رہنے دیجئے لیکن اتنا تو طے ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی ہے جس کی وجہ سے وہ مسلمان نہ رہے کافر ہوگئے اور جب وہ کافر ہوگئے تو نہ مسیح موعود رہے اور نہ مہدی زماں۔

قادیانی: آپ تو ہر مسئلہ کے بارے میں یہی کہتے جائیں گے کہ رہنے دیجئے تو بات کیسے بڑھے گی؟

حضرت: جناب گفتگو اپنے موضوع ہی پر ہو رہی ہے۔ مسیح موعود ہونا، مہدی ہونا، نبی ہونا، یہ سب مسلمان ہونے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ ایمان اصل ہے۔ مسیحیت، نبوت، مہدویت اس کی فرع ہیں۔ جب مرزا مسلمان ہی نہیں تو نہ نبی ہو سکتے ہیں نہ مسیح موعود نہ مہدی زماں۔ آپ نے ان کے مسیح موعود ہونے کا ہی دعوی کیا ہے تو گفتگو تو موضوع ہی سے متعلق ہوئی ہٹی کہاں؟۔ رہ گیا میرا یہ کہنا کہ اسے فی الحال رہنے دیجئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا ہے یا نبوت کا یا مہدی زماں ہونے کا؟ اس کا فیصلہ تو ان کی کتابوں سے ہی ہو سکتا ہے۔ آپ اپنی کہے جائیں اور میں اپنی تو نہ گفتگو کا حاصل نکلے گا اور تلخی میں بھی اضافہ ہوگا۔ اور ہمارا

مقصد کہ مرزا صاحب مسلمان نہیں، اس کے بغیر بھی حاصل ہے اس لئے میں نے کہا کہ اس مسئلہ کو فی الحال رہنے دیجئے۔ ہماری آپ کی گفتگو ایک اچھے ماحول میں افہام و تفہیم کے لئے ہو رہی ہے اس لئے تلخیوں سے بچنے کی خاطر اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک موضوع پر بات کرنے کے بجائے دوسرے تفہیمی موضوع پر بات کی جائے۔

قادیانی: یہ مرزا صاحب پر افترا ہے کہ انہوں نے کسی نبی کی توہین کی ہے۔

حضرت: مرزا صاب نے اپنی کتاب کشتی نوح میں یہ شعر لکھا ہے۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو

اس سے بہتر غلام احمد ہے

اس شعر میں دو دو کفر موجود ہیں۔ پہلا کفر تو یہ ہے کہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تحقیر ہے۔ دوسرا کفر یہ ہے کہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مرزا غلام احمد کی فضیلت دکھائی گئی ہے اور کسی نبی کی توہین اور غیر نبی کو نبی سے افضل بتانا دونوں الگ الگ مستقل کفر ہیں۔

قادیانی: اس شعر میں تحقیر نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین منسوخ ہو چکا ہے ان کے ذکر سے فائدہ ؟ اور آج امت کی ہدایت کے لئے ان کی تعلیمات کی کیا ضرورت؟ امت کی اصلاح کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعلیمات کی حاجت ہے جس کو اس زمانے میں حضرت مرزا صاحب بخیر و خوبی پھیلا رہے ہیں اس لئے بہتر یہ ہوئے۔

حضرت: پھر قرآن مجید میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے اور احادیث میں ذکر ہے یہ سب بلا ضرورت اور لغو ہے؟۔ کیا آپ کا یہ ایمان ہے کہ قرآن مجید میں غیر ضروری اور لغو باتیں ہیں؟ اگر ایسا ہے تو یہ خود کفر ہے۔

صاحب مکان قادیانی کے یہاں پانچ دس سنی مسلمان بھی کام کرتے تھے اس مباحثہ کے دوران وہ سب بھی اکٹھا ہو گئے اور مالک مکان قادیانی بھی کیا اہو کر گفتگو سن رہا تھا اس نے جب دیکھا کہ معاملہ دگرگوں ہے اور ان کے رامپوری مولوی صاحب بری طرح الجھے ہوئے ہیں تو اس نے کہا کہ اب آپ لوگ گفتگو بند کیجئے اور حضرت سے کہا کہ اب آپ جائیے۔ حضرت اٹھ کر چلے آئے۔

اس مباحثہ کا مدرسہ میں چرچا رہا۔ دوسرے دن حضرت اپنے استاذ گرامی محدث اعظم پاکستان قدس سرہ کے پاس حاضر ہوئے۔ ساری گفتگو سنائی تو حضرت استاذ بہت خوش ہوئے دعائیں دیں۔ فرمایا ماشاء اللہ آپ مناظر بھی ہیں۔ اس کے بعد کبھی کبھی تفریح میں مناظر صاحب کہہ دیا کرتے تھے۔

مناظرۂ کٹک

کٹک اڑیسہ کا مشہور شہر ہے اور حضرت مجاہد ملت قدس سرہ کا وطن۔ حضرت مجاہد ملت علامہ محمد حبیب الرحمٰن قادری رضوی قدس سرہ کی ہمہ جہت دینی خدمات اور علمی وجاہت نے کٹک کی سرزمین کو دین وسنیت کی رونقوں سے مالامال کر دیا، سنیت کی شمع فروزاں رہی، وہابیوں کے بڑھتے قدم تھم گئے۔ ہر محاذ پر شکست اور ہر قدم پہ ٹھوکر ان کا مقدر بن گئی۔ شکست خوردگی کا یہ احساس وہابیت کے لئے بڑا جان لیوا تھا اس لئے اس کے کارپردازوں نے اس زخم کا اثر مندمل کرنے کی کوشش میں مناظرہ کا چیلنج دے ڈالا کہتے ہیں نہ کہ جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کی طرف بھاگتا ہے، ایسا ہی کچھ یہاں بھی ہوا۔ یہ مناظرۂ کٹک کی وہابیت کے لئے موت کا پیغام بن کر آیا۔

اہل سنت اور دیوبندیوں کے اسٹیج پر فریقین موجود تھے۔ مناظرہ ابھی شروع بھی نہیں ہوا تھا، کہ اچانک دیوبندی صدر نے مناظرہ سے جان بچانے کی خاطر ایک شوشہ چھوڑا انہوں نے کہا کہ مناظرہ بعد میں ہوگا۔ آپ کے مولوی حبیب الرحمٰن (مجاہد ملت) نے قرآن مجید میں تحریف کی ہے جس کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے ہیں پہلے وہ اپنے کفر سے توبہ کریں پھر مناظرہ ہوگا۔

اس الزام کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت مجاہد ملت قدس سرہ نے اس مناظرہ کے سلسلہ میں ایک پمفلٹ شائع فرمایا تھا جس کے آخر میں سورۂ ہود آیت ۸۸ر کا یہ اقتباس درج تھا۔ ان ارید الا الاصلاح وما توفقی الا باللہ۔ آیت کریمہ میں الا الاصلاح کے بعد مااستطعت بھی ہے جسے کاتب نے سہواً چھوڑ دیا تھا۔ اسی سہو کاتب کو دیوبندی صدر تحریف قرآن سے تعبیر کر رہے تھے۔ اس پر حضرت شارح بخاری دام ظلہ کھڑے ہوئے اور گرجدار آواز میں اس کا زبردست محاسبہ کرتے ہوئے فرمایا:

شارح بخاری: مولوی اسماعیل یہ تمہارا مناظرہ سے جان بچانے کا حیلہ ہے اس مناظرہ کا موضوع متعین ہے، مناظرہ اسی پر ہوگا۔ حضرت مجاہد ملت کا ایمان وکفر اس مناظرہ کا موضوع نہیں اس لئے اس بحث کو مناظرہ میں لانا اپنے موضوع سے ہٹنا ہے جو درحقیقت مناظرہ سے فرار ہے، اس مناظرہ کے لئے جو موضوعات طے ہیں پہلے انھیں پر مناظرہ ہوگا پھر میں موجود ہوں ہمارا تمہارا مناظرہ اس موضوع پر بھی ہو جائے گا۔

دیوبندی صدر: واہ صاحب واہ! ایک کافر تمہارے اسٹیج پر بیٹھا رہے اور ہم دوسرے موضوع پر مناظرہ

کریں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔

شارح بخاری: اولاً تمہارے کہہ دینے سے حضرت مجاہد ملت نہیں ہوئے بلکہ ان کو کافر کہہ کے تم خود کافر ہو گئے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: **من قال لا خیہ یا کافر فقد باء باحد ھما**

ثانیا: علماء عرب و عجم، حل و حرم، ہندو سندھ کے فتوے کی رو سے تم ہی کافر ہو اور تمہارے اسٹیج پر بیٹھنے والے سارے افراد کافر ہیں۔ آپ کی منطق کی رو سے اگر میں یہ مطالبہ کروں کہ ان سب کو اسٹیج سے بھگا دو تو مناظرہ کس سے ہوگا؟ جناب! مناظرہ تو دو مخالف عقیدے والوں ہی میں ہوتا ہے۔ سب ایک عقیدے کے ہوں تو مناظرہ کی کیا ضرورت؟۔

ثالثا: حضرت مجاہد ملت نے پمفلٹ میں ما استطعت نہیں چھوڑا ہے بلکہ کاتب نے اپنی لاپرواہی سے چھوڑا ہے۔ اس لئے اس کا الزام مجاہد ملت کو دینا آپ کا عناد اور جہالت ہے۔

رابعاً: سہواً قرآن مجید میں کوئی جملہ چھوٹ جائے تو اسے تحریف نہیں کہتے۔ اسے تحریف کہنا آپ کی دوسری جہالت ہے۔ حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی سے مختصر المعانی میں اور حضرت ملا عبد الرحمٰن جامی سے شرح جامی میں آیت کریمہ کے نقل میں جو خطا ہوئی ہے اسے تحریف کہیں گے؟ یہ کفر ہے؟ اگر کفر ہے تو بولو آپ کے نزدیک علامہ سعد الدین تفتازانی اور حضرت ملا عبد الرحمٰن جامی مسلمان ہیں کہ کافر؟ اگر کافر ہیں تو بولو پھر آپ کو آپ کے گھر تک پہنچا دوں اور اگر یہ حضرات نقل آیت کریمہ میں سہو کے باوجود مسلمان ہیں تو تمہارے بقول تحریف قرآن کر کے مسلمان کیسے رہے اور حضرت مجاہد ملت کافر کیسے ہوئے؟۔

خامساً: سنیئے تحریف قرآن اسے کہتے ہیں۔ آپ کے شیخ الہند مولوی محمود الحسن دیوبندی صاحب نے ایضاح الادلہ میں لکھا ہے: **فردوہ الی اللہ والرسول واولو الامر منکم**۔ دکھاؤ قرآن مجید میں یہ آیت کہاں ہے؟۔ اور ایسا بھی نہیں کہ یہ بھول چوک کا نتیجہ ہو اس لئے کہ جس بات کی دلیل میں یہ پیش کی گئی ہے اس کا دار و مدار لفظ اولی الامر ہی ہے اور جو چیز مدار استدلال ہو اسے بالقصد پیش کیا جاتا ہے تاکہ مدعیٰ ثابت ہو اس لئے آپ کے شیخ الہند صاحب کا اضافہ قصداً ہے سہواً نہیں، اس لئے یہ ضرور تحریف قرآن ہے جس کی وجہ سے تمہارے شیخ الہند صاحب کافر ہوئے اور ان کو اپنا پیشوا مان کر آپ خود بھی کافر ہوئے۔ اب بتایئے آپ کیا کہتے ہیں آپ سے مناظرہ کیا جائے یا آپ کو بھی اسٹیج سے اتار دیا جائے اور جناب ذرا یہ بھی تو بتاتے چلئے کہ الیٰ حرف جر کے ہوتے ہوئے اولو الامر پڑھنا کس زبان عرب کا قاعدہ ہے؟ کہیں یہ دیوبند سے تو نہیں آیا۔ ؟ ایسی بے قاعدہ ترکیب کو آپ کے شیخ الہند صاحب قرآن بتا رہے ہیں یہ ان کا دوسرا کفر ہوا۔

حضرت شارح بخاری کی یہ پر زور محاسباتی تقریر سن کر پورا مجمع دم بخود تھا دیوبندی مولویوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں کہ اچانک دیوبندی مجمع سے شور اٹھا بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ! وقت ختم ہو گیا حضرت نے گرجدار آواز میں انھیں ڈانٹا کہ وقت مناظرین کے لئے مقرر ہے، صدر کے لئے نہیں اور ابھی تو مناظرہ شروع بھی نہیں ہوا اس لئے شرائط مناظرہ کی پابندی کیسی؟ اس کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ اس کے بعد دیوبندی صدر مولوی اسمعیل کٹکی اپنا تن و توش سنبھالتے ہوئے اٹھے اور فرمایا:

دیوبندی صدر: جناب مفتی صاحب! آپ کے مولوی حبیب الرحمٰن بہر حال کافر ہو گئے کیونکہ انھوں نے قرآن مجید میں تحریف کی ہے۔ وہ یا تو توبہ کریں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوں یا پھر آپ لوگ ان کو اپنے اسٹیج سے اٹھادیں۔ حیلے بہانے نہ بنائیں، یہاں تاویلیں کام نہ دیں گی۔ (پھر پمفلٹ کو قضیب نما بنا کر ہاتھ میں لے کر اشارہ کرکے) یہ دیکھئے آپ کی دلیل، میرے ہاتھ میں ہے۔ آپ نہیں جانتے یہ کٹک ہے کٹک، جو یہاں آیا، گیا اٹک۔ قرآن مجید کی تحریف کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ انھیں توبہ کرنی ہوگی، اس کے بغیر مناظرہ نہیں ہوگا۔ اور بہت مٹک کر متنبی کا یہ شعر پڑھا:

انا صخرة الوادی اذا مازوحمت
واذا نطقت فاننی الجوزاء

میں وادی کی چٹان ہوں جب ٹکرلی جائے اور جب میں بولتا ہوں تو جوزا ہوں۔ جوزا آسمان کے ایک برج کا نام ہے جس کی شکل دو جڑواں بچوں کی ہے جو آپس میں چپکے ہوئے ہیں مشہور ہے کہ جوزا کی ساعت میں جو پیدا ہوتا ہے وہ بہت بولنے والا ہوتا ہے۔

اسی طرح کی باتیں دس منٹ کرتے ہوئے بیٹھ گئے۔ یہ بازاری لب ولہجہ کس انداز جواب کا متقاضی ہے اور کیسی ذہنیت کا عکاس، یہ ہر ایک پر خوب ظاہر ہے۔ حضرت شارح بخاری نے بھی انھیں ان کے گھر تک پہونچا کر ہی دم لیا۔ حضرت نے جوابی تقریر میں فرمایا:

شارح بخاری: مولوی اسماعیل! کچھ حیا کرو، کچھ شرماؤ۔ میں نے آپ کے دعویٔ تحریف کو پانچ طریقے سے رد کیا، آپ ایک کا بھی جواب نہ دے سکے نہ قیامت تک آپ دے سکتے ہیں اور نہ کوئی آپ کا حامی کار دے سکتا ہے۔ جب جواب نہ بن سکا تو عاجز آ کر پھکڑ بازی اور سوقیانہ لب ولہجہ پہ اتر آئے تاکہ اس کا جواب ہو، عوام میں انتشار ہو، شورش ہو اور مناظرہ ختم ہو جائے، آپ سب کی جان بچے مگر ہم آپ لوگوں کی اس قسم کی کوئی ترکیب نہیں چلنے دیں گے۔ یہ کاغذ کا قضیب جو آپ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہیں ہماری نہیں آپ کی دلیل ہے۔ آپ اپنی دلیل اپنے ہاتھ میں

لیں، دوسروں کے ہاتھ میں دیں، خود استعمال کریں، دوسروں کو استعمال کرائیں، آپ کو اختیار ہے، اس میں بھلا ہوگا تو آپ کا۔ کوئی زمانہ ہوگا کہ علماء دیوبند کٹک میں آکر آپ سے اٹک جاتے ہوں گے، اس زمانہ کو بھول جائیے۔ سب لوگ دیکھ رہے ہیں کہ میں ابھی اٹکا نہیں ہوں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان بیس تیس فٹ کا فاصلہ ہے۔ اگر اٹک جاؤں گا تو پھر آپ کی بولتی بند ہو جائے گی۔ ابھی تو اسی کی دہشت سے کہ کہیں میں اٹک نہ جاؤں، آپ حواس باختہ ہیں، اٹک جاؤں گا تو نہ جانے کیا حال ہوگا۔ آپ صخرۃ الوادی ہیں، جس پر لوگ پاخانہ پیشاب کرتے اور روندتے رہتے ہیں۔ آپ جوزا ہیں، اسی لئے اپنے پیچھے کسی کو چپکائے ہوئے ہیں۔ یہ سب آپ کو مبارک ہو۔ میں نہ جوزا ہوں نہ صخرۃ الوادی میں تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ایک ادنیٰ غلام ہوں۔

سگ ہوں میں عبید رضوی غوث و رضا کا
ہیں بھاگتے آگے سے مرے شیر ببر بھی

اب کان کھول کر سنئیے! اس پمفلٹ میں تو ایک لفظ کاتب سے چھوٹا ہے۔ یہ دیکھئے مشکوٰۃ ص: ۲۱۸/ اس پر یہ دعا یوں تحریر ہے:

اللھم اتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة.

جب کہ قرآن مجید میں ربنا اٰتنا ہے حدیث میں ربنا کو اللھم سے بدل دیا گیا ہے۔ اب بولئے آپ کے مذہب میں یہ تحریف ہے یا نہیں۔؟ اور لیجئے اسی مشکوٰۃ کے ص: ۲۱۷/ میں ایک دعا یہ تحریر ہے:

اعوذ بکلمات اللہ التامة من غضبه وعقابه وشر عباده ومن همزات الشیطن وان یحضرون

حالانکہ قرآن مجید میں یہ ہے: رب اعوذ بك من همزات الشیطان و اعوذ بك رب ان یحضرون۔ بتائیے کیا یہ تبدیلی تحریف ہے؟۔ آپ کا دعویٰ ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ اس دعویٰ کی بنا پر جو جواب آپ ان احادیث کے سلسلہ میں دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے حضرت مجاہد ملت کے پمفلٹ کا ہوگا۔ میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ مختصر المعانی وغیرہ میں علم بدیع پر ایک نظر ڈالیں تو شاید کچھ سمجھ میں آجائے۔

بہر کیف! آپ نے سوچا تھا کہ اس پمفلٹ میں الجھا کر، سوقیانہ لب ولہجہ اور پھکڑبازی کر کے مجلس مناظرہ درہم برہم کر دی جائے اور یوں مناظرہ سے آپ سب کی جان بچے مگر آپ کی آنتیں الٹے آپ کے گلے پڑیں۔ میرے پانچ پہلے ایرادات اور اس آخری ایراد کے جواب سے آپ کا عجز ظاہر ہو گیا۔ اب میں وقت ضائع نہ ہونے دوں گا۔ میں اپنے مناظر، مناظر اعظم علامہ ارشد القادری صاحب مدظلہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ حسب قرار

داد پہلے موضوع پر بحث شروع کریں۔اس کے بعد حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے مناظرہ شروع کردیا۔

مناظرۂ جھریا: بہار کے ضلع دھنباد کا شہر جھریا کول فیلڈ (کوئلہ کی کان) کی وجہ سے ملک بھر میں متعارف ہے ۱۹۷۷ء کے اوائل میں دیوبندی مولویوں نے اس علاقہ میں بڑی اشتعال انگیز اور دل آزار تقریریں کیں اور علمائے اہل سنت کو بار بار چیلنج دیا جس سے ماحول کافی حساس اور گرم ہو گیا جو ایک عظیم الشان مناظرہ کا پیش خیمہ ہوا اور نتیجۃً وہابیوں اور دیوبندیوں کی بدترین شکست و ذلت کا سامان ہوا۔اس مناظرہ کے صدر مجاہد ملت حضرت علامہ حبیب الرحمٰن صاحب اور مناظر رئیس التحریر حضرت علامہ ارشد القادری صاحب تھے حضرت مجاہد ملت حضرت علامہ ارشد القادری کے اصرار پر حضرت شارح بخاری بھی اس مناظرہ میں شریک ہوئے اس مناظرہ میں حضرت شارح بخاری کی مناظرانہ شان کی ایک جھلک ملاحظہ کریں۔

اس مناظرے میں دیوبندی بار بار کہتا کہ آپ لوگ کافر ہیں اس پر اہل سنت کے مناظر علامہ ارشد القادری صاحب نے فرمایا: تمہارے کافر کہنے سے کیا ہوتا ہے اپنے کسی ذمہ دار عالم کا قول دکھلائیے جس نے ہمیں کافر کہا ہو، مولوی نور محمد ٹانڈوی نے اپنے بکس سے ایک کتاب نکال کر مولوی طاہر کو دی اور چپکے سے کان میں کچھ کہا۔اس کے بعد دیوبندی مناظر مولوی طاہر کھڑے ہوئے اور بڑے زناٹے دار لہجہ میں کہا کہ لیجئے آپ کا اصرار ہے کہ ہم آپ کے اعلیٰ حضرت کے خلاف اپنے اکابر کا کوئی فتویٰ دکھلائیں دیکھئے یہ کتاب قطع الوتین ہے جس کے مصنف مولانا مرتضی حسن در بھنگی سابق ناظم تعلیمات دار العلوم دیوبند ہیں اس کتاب میں صفحہ سولہ پر لکھا ہوا ہے کہ مولوی احمد رضا خاں کافر ہیں، دائرہ اسلام سے خارج ہیں، دشمن رسول ہیں اور لعنت کے مستحق ہیں۔اتنا سنتے ہی حضرت شارح بخاری نے فرمایا:

کتاب میں یہ عبارت ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔یہ غلط کہتے ہیں بالکل غلط۔پھر مناظر اہل سنت نے تصحیح نقل کے لئے کتاب مانگی تو انھوں نے کتاب دکھلانے سے انکار کردیا جو اصول مناظرہ کے بالکل خلاف ہے۔اہل سنت کے صدر حضرت مجاہد ملت نے دیوبندی صدر مولوی ارشاد دیوبندی سے کہا کہ اصول مناظرہ کے اعتبار سے آپ لوگوں پر لازم ہے کہ کتاب دکھائیں آپ اپنے مناظر کو حکم دیجئے کہ وہ کتاب ہمیں دکھلائیں۔آپ اطمینان رکھیں میں ذمہ دار ہوں کتاب ضائع نہیں ہوگی مگر پھر بھی دیوبندی مناظر نے کتاب نہیں دی اس پر سارا مجمع چیخ اٹھا کتاب دکھاؤ، کتاب دکھاؤ، کچھ جوشیلے نوجوان دیوبندیوں کے اسٹیج کے پاس پہنچ گئے اور کہا کہ شرافت سے کتاب دکھاؤ ورنہ ہم چھین لیں گے۔دیوبندی مولویوں کی حالت خراب تھی۔چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ذمہ داروں نے بڑی مشکل سے مجمع کو قابو میں کیا اور فریقین کی جانب سے جلسہ کے کنٹرولر جناب واجد حسین صاحب ان کے اسٹیج پر پہنچ گئے اور کہا

کہ اصول کے اعتبار سے آپ کتاب دکھائی ہے۔ وہ عبارت کتاب میں کہاں ہے آپ مجھے بتادیجئے میں علماے اہل سنت کو دکھادوں پھر کتاب آپ کو واپس کردوں گا پھر بھی وہ کتاب دینے پر آمادہ نہ ہوئے تو کتاب ان کے ہاتھ سے چھین کر وہ صفحہ دیکھا تو کتاب کے ابتدائی اوراق غائب ملے اور کتاب کے اندر الگ سے ایک سفید کاغذ رکھا ہوا تھا اسی کو دیوبندی مناظر پڑھ کر سنا رہے تھے۔ اس عبارت کا کتاب میں کہیں پتہ نہیں۔ واجد حسین صاحب نے دیوبندی مناظر کی خانہ خدامیں یہ عیاری، مکاری، خیانت اور فریب دونوں فریق کی عوام کے سامنے پیش کر دیا جس کے رد عمل میں شرم شرم کی آواز سے پورا مجمع گونج اٹھا اور ہر طرف سے ایسی تھو تھو ہوئی کہ شرم کے مارے سارے دیوبندیوں کے سر جھک گئے۔ کچھ جذباتی قسم کے دیوبندی نوجوان مولوی طاہر گیاوی کو مسجد کے اندر لے گئے اور وہاں اسے اتنا ذلیل کیا کہ مارے دہشت کے اس نے پیشاب کر دیا۔ اس کے بعد جلسہ میں ابتری پھیل گئی۔ مجمع کا اشتعال دیکھ کر علماے اہل سنت نے صلوٰۃ وسلام پڑھنا شروع کر دیا جس کے احترام میں مجمع بھی خاموش ہو کر صلوٰۃ وسلام میں شریک ہو گیا۔ اس شرمناک رسوائی سے دیوبندی اتنے سراسیمہ تھے کہ صلوٰۃ وسلام میں وہ بھی کھڑے ہو گئے جلسہ کے اختتام پر کنٹرولر حضرات کی طرف سے اعلان ہوا کہ مناظرہ کی پہلی نشست آج بارہ بجے دن میں ختم کی جاتی ہے اب دوسری نشست اسی مسجد میں بعد نماز عشا نو بجے رات سے شروع ہو جائے گی۔

بعد نماز عشا جب علماے اہل سنت مسجد میں تشریف لائے تو دیوبندی اسٹیج بالکل خالی تھا جب ایک گھنٹہ تک انتظار کے بعد بھی دیوبندی مناظر نہیں آئے علماے اہل سنت تکبیر و رسالت اور فتح مبین زندہ باد کے نعروں کی گونج میں ایک بہت بڑے جلوس کے ساتھ ایک میدان میں تشریف لائے اور وہاں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے مجمع کو پوری روداد سنائی۔

ان مناظروں میں شارح بخاری نے شرکت فرمائی

حضرت شارح بخاری مندرجہ ذیل مناظروں میں شریک ہوئے۔

۱۔ بریلی شریف قادیانیوں سے ۱۳۶۲ھ (بزمانہ طالب علمی)

۲۔ ضلع، گیا دیوبندیوں سے

۳۔ رائے پور ضلع کھیری دیوبندیوں سے (زمانہ تدریس بریلی شریف)

۴۔ کٹرا ضلع بدایوں مودودیوں سے (زمانہ تدریس بریلی شریف)

۵۔ موضع سکرولی متصل بھمبھگاواں ضلع گونڈہ۔ (بلرام پور کے قیام کے زمانہ میں)

۶۔ باندو چترو ضلع پلاموں دیوبندیوں سے (بلرام پور کے قیام کے زمانہ میں)

۷۔ بجر ڈیہہ بنارس غیر مقلدین سے

۸۔ کٹک دیو بندیوں سے

۹۔ ضلع سیتاپور کے ایک گاؤں میں

۱۰۔ بدایوں خلیل احمد بجنوری سے

۱۱۔ جھریا ضلع دھنباد دیو بندیوں سے

ان مناظروں میں بریلی شریف گیا سکرولی باندو چترو سیتاپور میں آپ مناظر تھے کٹک کے تاریخ ساز مناظرہ میں صدر تھے لیکن ہر مناظرہ میں آپ کا کردار بہت نمایاں رہا۔ جس کی کچھ جھلکیاں آپ کو دکھائی جاچکی ہیں سکرولی بھمن گاؤں کا مناظرہ ۲۴ گھنٹے چلتا تھا۔ سات بجے شام سے صبح سات بجے تک رات بھر حضرت شارح بخاری ان کے رفقاء کی ڈیوٹی تھی اس مناظرہ کی اہم اور اکثر تحریریں حضرت شارح بخاری نے لکھی ہیں اگر اس کی روداد چھپ جاتی تو دیو بندیوں کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوتی۔ حضرت شارح بخاری نے پہلے دن کی ساری تحریروں کو ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا تھا مگر دوسرے دن تماشہ بیں علمانے ساری تحریروں کو پڑھ پڑھ کر گڈمڈ کر دیا جس کی وجہ سے روداد چھپ نہیں سکی۔

بجر ڈیہہ کا مناظرہ اس حیثیت سے بہت اہم تھا کہ یہ غیر مقلدین سے تھا اس مناظرہ کی اکثر تحریریں حضرت شارح بخاری کی لکھوائی ہوئی ہیں باندو چترو ضلع پلاموں کے مناظرہ میں حضرت شارح بخاری نے ایسا کامیاب مناظرہ کیا تھا کہ مناظرہ کے اختتام پر جب اہل سنت صلوٰۃ و سلام کے لئے کھڑے ہوئے تو سارا مجمع کھڑا ہو گیا حتیٰ کہ دیو بندیوں کے شامیانے کے نیچے جو عوام تھے وہ بھی کھڑے ہو گئے اس شان سے کہ دیو بندی مناظرین کی طرف پیٹھ تھی اور اہل سنت کے ممبر کی طرف ان کا منھ تھا مناظرہ کے بعد جب حضور حافظ ملت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حافظ ملت کے چہرے پر مسرت کی لہریں چمک رہی تھیں بار بار مبارکباد دیتے بہت دیر تک سینے سے لگایا دیکھا گیا کہ حضور حافظ ملت کی چشمان مبارک سے خوشی کے آنسو ٹپک رہے تھے اور بہت دیر تک پر نم آنکھوں کے ساتھ دعائیں دیں۔

غرض کی حضرت شارح بخاری کی مناظرانہ شان ایسی نمایاں اور ممتاز ہے کہ ہر منصف کو اسے تسلیم کرنے میں کوئی جھجھک نہیں۔ اور اگر کسی کو اس میں کچھ تردد ہو تو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟ شارح بخاری کی جو کتابیں بدمذہبوں کے رد میں ہیں جس کا جی چاہے اس کا مطالعہ کر کے اپنی تسکین کر لے۔

مولانا حاجی محمد شفیق احمد
شمس العلوم قصبہ گھوسی ضلع مئو (یوپی)

قصبہ گھوسی میں شارح بخاری کی دینی و علمی خدمات

دنیائے اسلام کی عظیم شخصیت شارح بخاری ابھی ہم میں جلوہ افروز ہیں۔ دل مسرتوں کے اتھاہ سمندر میں ڈوبا جارہا ہے آج چند الفاظ بطور خراج عقیدت لائق صد احترام، سرمایۂ افتخار پیشوا کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں، سمجھ میں نہیں آتا کس انداز سے نذر کروں اور اپنے دِلی جذبات کو الفاظ کے قالب میں کس طرح ڈھالوں اور بات کہاں سے شروع کروں۔

شارح بخاری کا وطن مالوف گھوسی ضلع مئو ہے۔ اسی سرزمین کے روحانی اور علمی پیشوا فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ، مصنف بہار شریعت حکیم مولانا محمد امجد علی علیہ الرحمۃ والرضوان گزرے ہیں، جن کا علمی فیضان آج بھی آسمان کے بادل کی طرح ہر چہار جانب برس رہا ہے جن کی ذات سے بے انتہا فیض پہونچا، حضرت صدر الشریعہ اَواخر عمر میں جب گھوسی قیام پذیر رہے، شارح بخاری کی انہیں دنوں مدرسہ اہل سنت شمس العلوم میں بحیثیت صدر مدرس تشریف آوری ہو چکی تھی، شمس العلوم ان دنوں ابتدائی درجات کا ایک معمولی مدرسہ تھا فقیہ عصر کی آمد کے بعد اس کی ترقی کے دروازے کھلنے لگے، بیرونی طلبہ کی آمد ہونے لگی، میں ان دنوں فارسی اور میزان الصرف وغیرہ کا مبتدی طالبعلم تھا، حضرت کے پڑھانے کا انداز خوب سے خوب تر تھا، تفہیم بھی خوب تھی جس کی وجہ سے پڑھنے لکھنے میں دلچسپی پیدا ہونے لگی، حضرت کا علمی جلال بھی کم نہ تھا، کچھ ڈر اور شوق دونوں چیزوں کے ہوتے ہوئے سبق اور آموختہ وغیرہ یاد رہا کرتا تھا، چھٹیوں میں اپنے دولت خانہ پر طلبہ کو بلاکر آموختہ اور اسباق سنتے رہتے۔ آپ کی تندہی اور جفاکشی ضرب المثل تھی آرام کا خیال کم ہوتا تھا۔ ہمیشہ دوپہر کا معمول تھا کہ قیلولہ نہیں فرماتے دوپہر میں کھانا تناول فرمانے کے بعد فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں فتویٰ نویسی کی تعلیم و تمرین کے لئے حاضر ہو جایا کرتے ظہر کی نماز جماعت سے ادا فرماتے، اس کے بعد مدرسہ کی حاضری ہوتی مسلسل اپنے آپ کو دینی اور علمی مشاغل میں مشغول رکھتے فضولیات سے کبھی دلچسپی نہیں رہی وقت کی بڑی قدر کرتے گھریلو کاموں کا بوجھ بھی کم نہ تھا سب کو خندہ پیشانی کے ساتھ جھیلتے اور انجام دیتے رہے۔ زندگی انتہائی سادہ، وضع قطع کبھی خلافِ سنّت نہیں دیکھی گئی، آپ کی ذات ہر لحاظ سے اپنے اسلاف کا نمونہ معلوم ہوتی تھی۔ اپنے وطن مالوف گھوسی میں جب تک آپ قیام پذیر رہے شمس العلوم کے لئے پورے علاقہ میں ارشاد و تبلیغ اور وعظ و تقریر سے سنیت کی طرف عوام و خواص کو متوجہ رکھنا آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ شمس العلوم کے لئے حلقے اور آمدنی کے

ذرائع پیدا ہونے لگے جب تک آپ رہے شمس العلوم، گھوسی اور اس کے اطراف واکناف کو علمی شعاعوں سے منور کرتا رہا اور آج بھی اس کی تابانی کم نہیں ہوئی ہے

نکالی سیکڑوں نہریں کہ پانی کچھ تو کم ہوگا
مگر پھر بھی میرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی

مدرسہ شمس العلوم کی اوّلین ترقی حضرت شارح بخاری کی کاوشوں اور جانفشانیوں کا مرہونِ منت ہے۔ اس ادارہ کے لئے برابر قربانی دیتے رہے۔ حق تو یہ ہے کہ شمس العلوم کی آبیاری آپ نے اپنے خونِ جگر سے کی ہے۔ افسوس کہ آج ان کی قربانیوں کا ذکر کرنے والا کوئی نہیں۔ علوم وفنون سے ہمیشہ آپ کو دلچسپی رہی آج بھی آپ کا دولت خانہ تعطیل کلاں یعنی رمضان المبارک میں دار العلوم معلوم ہوتا ہے مقامی اور بیرونی علماء برابر استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ مدرسین حضرات کو پورے سال میں جو بھی اشکال وشبہات ہوتے ہیں حضرت سے حل کرتے رہتے ہیں۔ آپ انتہائی ذہین وفطین ہیں لاینحل مسائل کو اس طرح حل کردیتے ہیں جیسے کوئی اشکال تھا ہی نہیں۔

علمی جلالت وتمکنت کے ساتھ آپ انتہائی خوش طبع اور ظریف مزاج واقع ہوئے ہیں۔ جب احباب و مخلصین کی مجلس ہوتی ہے انتہائی شگفتہ مزاج ہوتے ہیں لطائف وظرافت سے مجلس کو گرما دیتے ہیں کچھ بے تکلفی کا ایسا ماحول ہو جاتا ہے جسکی وجہ سے ہم جیسے چھوٹوں کو بھی پوری بے باکی کے ساتھ بولنے کا موقع ملتا رہتا ہے، جس سے کوئی اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جنھیں دنیائے سنیت فقیہ عصر شارح بخاری، مفتی اعظم ہند کے معزز القاب سے یاد کرتی ہے۔

آپ ہمیشہ جماعت اور نماز کے پابند رہے، نماز تو بڑی بات ہے جماعت بھی فوت ہوتے دیکھنے میں نہیں آئی۔ جامع مسجد کریم الدین پور آپ کے محلہ کی مسجد ہے ہر موسم میں چاہے موسلا دھار بارش ہو یا کڑاکے کی سردی مسجد جانا ترک نہیں کیا بسا اوقات اپنے تلامذہ میں جسکو بہتر سمجھتے امامت کے لئے آگے بڑھا دیتے اور خود اقتداء میں نماز پڑھ لیتے۔ کبھی آپ کو امامت کا شوق نہیں رہا آج بھی بینائی کمزور ہو جانے کے باوجود مسجد جانا اور جماعت سے نماز ادا کرنا آپکا معمول ہے۔ مسلسل شب بیداری کے باوجود بھی فجر کی نماز قضا ہوتی نہیں سنا گیا۔ حد تو یہ ہے کہ ایک سفر میں مئو ریلوے اسٹیشن پر آپ کا پاؤں ایک گڈھے میں پڑ گیا جسکی وجہ سے پاؤں کی ہڈی چور چور ہو گئی تکلیف اور بے چینی ہفتوں رہی آپ کی تکلیف اور کرب کو دیکھکر ہم جیسے کمزور دل گھبرا اٹھے مہینوں علاج ومعالجہ کا سلسلہ چلتا رہا آپ گورکھپور ہاسپٹل میں بھرتی رہے۔ غرض کہ اس حال میں بھی جہاں آپ رہے ضبط وتحمل کا دامن نہیں چھوڑا اور وضو اور نماز کے اہتمام میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔

بدمذہبوں کے ساتھ تنفر اور شدت ہمیشہ رہی مصلحت بینی آپ کے نزدیک کوئی چیز نہیں، جس کی وجہ

سے بارہا آپ کو پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا لیکن کبھی آپ نے اپنے موقف میں لچک نہیں پیدا کی کبھی کبھی تو اپنے لوگوں نے بھی ساتھ دینے سے گریز کیا آپ نے زندگی میں ایسے پر شور ہنگاموں اور پریشانیوں کا انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کیا، بدمذہبوں سے کبھی کسی طرح کا میل جول نہیں رکھا.......... ایک مرتبہ میں آپ کے بیٹھک میں موجود تھا، محلّہ کا ایک دیوبندی ایک فتویٰ پوچھنے آیا آپ پہچان گئے فوراً جواب دیا میں بدمذہبوں کو فتویٰ نہیں دیتا محلہ کا ایک دوسرا دیوبندی آپ سے ملنے کیلئے آگے بڑھا، بڑی عقیدت ظاہر کرتے ہوئے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور یہ فرمایا کہ ''میں دیوبندیوں سے مصافحہ نہیں کرتا'' یہ سُن کر اس کا منہ لٹک گیا۔ غرض کہ بدمذہبوں سے سخت نفرت رکھنا آپ کی عادت کریمہ ہے۔

اپنی طالب علمی کے ابتدائی زمانہ میں یہ بھی دیکھا کہ پرائمری درجہ کے لئے ایک ماسٹر کی پہلے سے تقرری تھی۔ جس کا نام رحمت اللہ تھا۔ جو بہت کٹر وہابی اور مولوی وصی اللہ فتحپوری کا مرید تھا۔ وہابیت کے جراثیم بچوں میں پھیلانے کی کوشش کرتا رہا حضرت مفتی صاحب قبلہ کی وجہ سے کوئی تدبیر اس کی کارگر نہیں ہوتی تھی، حضرت سے حد درجہ ناراض رہا کرتا۔ کریم الدین پور کے دو چار گھر کے دیوبندی اس کے ہمنوا اور حامی تھے۔ اراکین کے سامنے کچھ مصلحت اندیشی بھی تھی۔ فوری نکال باہر کرنا مناسب نہیں سمجھا وقت کا انتظار رہا بالآخر ایک موقع آ ہی گیا اور مدرسہ کی ملازمت سے اسکی چھٹی کر دی گئی۔

حضرت کی تعلیم و تربیت اور خاندانی بریلوی ہونے کی وجہ سے لوگ نفرت رکھتے اور آپ کی ''دو اور دو چار'' کی پالیسی سے ہمیشہ بغض و عداوت رکھتے لیکن حضرت کی صحت پر کبھی اس کا اثر نہیں ہوا۔

گھوسی میں اس زمانہ میں ''رام نومی'' کا میلہ بڑے پیمانہ پر ہوتا تھا بہت سے لوگ میلہ دیکھنے جایا کرتے تھے، لوگوں کی روک تھام کیلئے، یہاں پر ایک بزرگ سید بابا کا مزار ہے، اسی تاریخ میں ان کے عرس کا انعقاد کیا گیا عرس اور فاتحہ خوانی اور تقریری پروگراموں میں کافی لوگ شریک ہونے لگے، عرس اور فاتحہ کا نام سن کر ماسٹر موصوف کو چڑھ ہو گئی، ماسٹر صاحب رام نومی میں اپنی پتنگ بیچا کرتے تھے۔ کچھ بچوں کو بھی پتنگ بیچنے پر لگانا چاہا تو ان بچوں نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ یہاں عرس ہے ہمیں عرس میں جانا ہے، ماسٹر صاحب تو پہلے ہی عرس کے نام سے جلے بھنے تھے ہی اور پتنگ بھی ان کی بکنے سے رہ گئی برہم ہو کر بول اٹھے کہ رام نومی تو صرف ایک میلہ ہے لیکن عرس میں تو شرک ہوتا ہے شرک کی جگہوں پر کیسے جانا گوارہ کرتے ہو، اب مفتی صاحب کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا ساری مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر اراکین سے نوٹس دینے اور نکالنے کا مطالبہ کیا لڑکوں میں بھی کافی بے چینی پھیل گئی اور سبکی زبان پر یہ جملہ تھا ماسٹر وہابی ہے، ماسٹر وہابی ہے، بہر حال حضرت کی کوششوں سے اسکو فوراً نکالا گیا ''خس کم جہاں پاک''۔

احقاق حق اور ابطال باطل یہ آپ کا طغرائے امتیاز ہے، صلح کلیوں سے بھی آپ کو ہمیشہ نفرت رہی، اسی کے نتیجہ میں ''اظہار حقیقت'' کتاب وجود میں آئی آپ نے گردو پیش اور ماحول کی کبھی پرواہ نہیں کی لوگ ناراض رہیں رہا کریں، برا بھلا کہیں کہتے رہیں، ہمیشہ حق کا دامن آپ کے ہاتھوں میں رہا اور زبان پر یہی رہا۔

دار ہو منبر ہو چوٹی ہو پہاڑوں کی نذیر

نغمہ اپنا ہر بلندی سے سنا سکتے ہیں ہم

داد و دہش، علماء پروری اور مہمان نوازی میں آپ منفرد نظر آتے ہیں۔ شرح بخاری ۱۱؍رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ ۱۱ بجے شب میں گیارہ (۱۱) علماء کی موجودگی میں جب اختتام پذیر ہوئی تو آپ نے فوراً وسیع پیمانہ پر علماء اور طلباء کی افطاری اور دعوت طعام کا زبردست انتظام کا حکم دیا۔ آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے محبّ مکرم جناب ڈاکٹر محب الحق صاحب کو حکم دیا اور ڈاکٹر صاحب انتظام و انصرام میں لگ گئے دستر خوان پر کیا تھا کیا نہیں تھا بتانا مشکل ہے۔ اسی ہجوم میں حکیم مولانا رمضان علی علیہ الرحمہ کے بڑے لڑکے مرغوب احمد ڈاکٹر صاحب کو لینے آگئے مولانا مرحوم حضرت کے معاصرین اور ساتھیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مرغوب احمد اور ان کی لڑکی کی علالت کی خبر سنکر حد درجہ ملول ہوئے فوراً ڈاکٹر صاحب کو مریضہ کو دیکھنے اور ہر طرح کی سہولت بہم پہونچانے کی تاکید اور ہدایت فرمائی اور اپنی جیب خاص سے سو روپے نکال کر مرغوب احمد کو عنایت فرمایا اور بعد میں بھی ملتے رہنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ آپ ایک مثالی شخصیت کے مالک ہیں آپ کی عبقری شخصیت ہمہ گیر واقع ہوئی ہے۔ آپ کے صفات و کمالات اور علمی خدمات اور زندگی کا ہر گوشہ قابل تقلید اور قابل نمونہ ہے۔ رمضان المبارک میں سخت علالت کے باوجود بھی رخصت پر عمل نہیں کیا اور عزیمت پر عمل کرتے ہوئے کبھی روزہ ترک نہیں کیا۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی نے حق بات بولنے اور سننے میں لوگوں کی مخالفتوں کی کبھی پرواہ نہیں کی ہزار مخالفتوں اور پرشور ہنگاموں میں آپ تن تنہا اپنے موقف پر قائم رہے کوئی بھی طاغوتی طاقت ان کے پائے استقلال کو متزلزل نہ کر سکی۔

آج جشن عید میلاد النبی ﷺ جو اتنے تزک و احتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے یہ عید مسرت آپ ہی کی مرہون منت ہے ورنہ لوگ صرف بارہ وفات جانتے تھے البتہ آخری چہار شنبہ بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا اس روز بہت سے پکوان پکائے جاتے پورا دن سیر و تفریح اور شکار میں صرف ہوتا مگر حضرت کی ہمت کی داد دیجئے آخری بدھ کے خلاف آواز اٹھانا آسان کام نہیں تھا لیکن آپ نے اپنے وعظ و ارشاد میں بار بار اسکی غیر شرعی حیثیت اور عید میلاد النبی کی فضیلت و اہمیت بیان کیا تو دھیرے دھیرے انقلاب آنے لگا اور ۱۲؍ربیع الاول شریف جسے صرف بارہ وفات کے لوگ جانتے تھے، جشنِ عید میلاد النبی ﷺ کی اہمیت کی حیثیت سے جاننے لگے۔ الحمد للہ آج یہ

عید میلاد النبی بڑے اہتمام اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ تمام مساجد میں پوری رات میلاد شریف کا پروگرام چلتا ہے سجاوٹ بھی خوب ہوتی ہے اب یوم میلاد عید کی طرح منایا جانے لگا۔

رمضان المبارک میں سحری کے بعد لوگ سو جایا کرتے تھے نماز فجر اکثر لوگوں کی قضا ہوتی تھی۔ حضرت مفتی صاحب نے اس چیز کو ختم کیا، سحری آخری وقت میں کر لینے کے کچھ دیر بعد آپ نے نماز جماعت کا اہتمام کیا اور تمام مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز فجر ادا کرنے کی تلقین فرمایا جس کا اثر یہ ہوا کہ آج سبھی مسجدوں میں اول وقت میں فجر کی اذان ہوتی ہے اور سبھی لوگ مسجدوں میں پہونچ کر جماعت سے فجر کی نماز ادا کر لیتے ہیں۔

دیوبندیوں نے بھی اس طرز عمل کو دیکھا اور اپنی مسجدوں میں انھوں نے بھی اس کا اہتمام کیا۔ غرضیکہ آپ نے شمس العلوم گھوسی میں قیام کے دوران بہت سی اصلاحات کیں۔ آپ کی ذات بابرکات گوناگوں خوبیوں سے عبارت ہے۔ آپ کی زندگی کا کوئی بھی باب اصلاحات اور علمی موشگافیوں سے خالی نہیں ملتا۔ آپ کو تمام علوم و فنون میں ید طولیٰ حاصل ہے آپ فقیہ عصر اور شارح بخاری ہونیکے ساتھ بہت سی مفید اور کار آمد کتابوں کے مصنف اور مولف ہیں۔ آپ کی تصنیفات و تحقیقات معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے آپ کا ہر مضمون خالص علمی اور تحقیقی ہوتا ہے۔ علم دوست حضرات آپ کی تصنیفات سے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ آج ہماری جماعت میں کوئی مناظر اعظم ہے تو صرف آپ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ بدمذہب آپ کی للکار پر مرعوب ہو جاتے ہیں آپ کا نام سنکر ان کی ساری شیخی ختم ہو جاتی ہے۔ طاہر گیاوی صاحب بہت اچھلتے کودتے ہیں اور اپنے آپ کو بہت بڑا مناظر کہلواتے ہیں لیکن جب معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت حضرت مفتی صاحب گھر آئے ہوئے ہیں تو تقریر کا انداز بدل جاتا ہے شاید جھریا کا سارا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

مفتی شفیق احمد شریفی بانی دار العلوم افضل المدارس
وپرنسپل دار العلوم غریب نواز الہ آباد

شارح بخاری قوم وملت کا عظیم سرمایہ

نظام قدرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ ہر دور میں ایسی شخصیات پروردگار عالم پیدا فرماتا رہا ہے جو قوم وملت کی آبرو بن جایا کرتی ہیں آسمان رشد وہدایت کے آفتاب ومہتاب کی طرح تابندہ رہتی ہیں اور فقاہت ودیانت، شرافت وحق گوئی، بے باکی وبالغ نظری، فکری اصابت ومحققانہ صلاحیت حق پرستی وحق گوئی حق نوازی وحق آگاہی جیسی تمام خصوصیات ایک ہی پیکر میں سمو دیتا ہے۔

محقق عصر فقیہ النفس سید المناظرین امام المعقولات والمنقولات بحر العلوم حضرت علامہ الحاج مفتی محمد شریف الحق امجدی شارح بخاری دامت برکاتہم القدسیہ کی ذات والا صفات میں ان تمام خوبیوں کو پروردگار عالم نے ودیعت فرمادیا ہے۔

تحقیقی کارنامے

دنیائے اسلام اچھی طرح جانتی ہے کہ آپ کا قلم نئے پیش آمدہ مسائل میں اٹھتا ہے تو دلائل وبراہین کے ذریعہ ایسے واضح جوابات پیش فرماتا ہے کہ موافق ومخالف کو سوائے تسلیم کے اور کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ آپ کی علمی تحقیقات پر مکمل اعتماد ہوتا ہے کاش آپ کے غیر مطبوعہ فتاوے چھپ کر منظر عام پر آجاتے تاکہ قوم وملت کے افراد آپ کے ان علمی جواہر سے بھی فیض یاب ہوسکتے۔ اہل علم بخوبی واقف ہیں کہ اشرف السیر، اسلام اور چاند کاسفر، تحقیقات، سنی دیوبندی اختلاف کا منصفانہ جائزہ، فتنوں کی سرزمین کون نجد یا عراق؟ اثبات ایصال ثواب، نزہۃ القاری شرح بخاری نے علمی دنیا میں ایسے تحقیقی نقوش چھوڑے ہیں کہ اصاغر واکابر مشائخ ومفکرین ملت و دانشوران قوم میں نہ صرف اس کی پذیرائی ہوئی ہے بلکہ تحقیقی کام کرنیوالوں کو حوصلہ ملا، ہے نئی راہیں ملی ہیں۔

پاسبان ملت کا تاثر

خطیب مشرق پاسبان ملت بانی دار العلوم غریب نواز مؤسس آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت حضرت علامہ مشتاق

احمد نظامی علیہ الرحمہ جو حضرت مفتی صاحب موصوف کے علم واصابت رائے و تحقیقی کارناموں سے اتنے متاثر تھے کہ جب بھی موصوف کا تذکرہ فرماتے تو یہ فرماتے۔ مناظرے میں امام غزالی کی جھلک، تفسیر میں امام رازی کا انداز، احادیث میں امام طحاوی کا طرز استدلال، فقہ میں مفتی اعظم ہند کا استنباط اور علمی گفتگو میں طرزِ صدر الشریعہ دیکھنا ہو تو مفتی شریف الحق کی تحریرات اور مجلس گفتگو کی سیر کیجئے۔

تدریسی خدمات

بریلی شریف، بلرام پور، جلال پور میں مسند تدریس پر جلوہ فگن ہو کر نہ جانے کتنے مدرسین و مفکرین مصنفین محققین، مناظرین، خطبا اور واعظین، قوم ملت کی رشد وہدایت کے لئے قائدین پیدا فرمائے راقم السطور بھی جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور میں حضرت سے شرفِ تلمذ حاصل کر چکا ہے اور آپ کی تدریسی خدمات سے وہ سب کچھ حاصل کر چکا ہے جو دوسرے اساتذہ برسوں میں نہ دے سکتے تھے اور آج بھی موصوف کے فیوض وبرکات سے برابر مستفیض ہو رہا ہے، میرے علم کے مطابق، آپ کے علم سے مستفیض ہو کر قوم کی قیادت فرمانے والے علما ومفتیان عظام وخطباو مصنفین نہ صرف ہندستان بلکہ ایشیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں اور دو تہائی سے زیادہ آپ کے تلامذہ ممتاز مدارس میں شیخ الحدیث، صدر مدرس اور مسند افتا جیسے جلیل القدر منصبوں پر فائز ہیں اور ایک تہائی تلامذہ ممتاز مدارس اور تنظیموں کے بانی ومؤسس ہیں اور ایسے مشفق استاذ جو فراغت کے بعد سالوں گزر جانے کے باوجود آج بھی اپنے تلامذہ سے یکساں محبت فرماتے ہیں، ان کی سرپرستی فرماتے ہیں ان کی تربیت اوران کی تبلیغی دینی خدمات پر نظر رکھتے ہیں اوران کے بہتر مستقبل کے لئے وہ سب کچھ کرتے رہتے ہیں جو ایک عظیم قومی وملی قائد کے لئے ضروری ہے۔

شیخ کامل

اس دورِ انحطاط میں دنیادار خود غرض مطلب پرست پیروں کی کمی نہیں مگر جہاں یہ بوالہوس پیر قوم کے سیدھے سادھے مسلمانوں کو لوٹ رہے ہیں وہیں ربانی خداترس پیرانِ کامل واصل الی اللہ کی بھی ایک مختصر سی جماعت ہے اور رہے گی، حضرت مفتی صاحب پر علمِ شریعت کے غلبہ کے سبب ابھی تک دنیا آپ کو صرف ایک عالم، ایک فقیہ کی حیثیت سے جانتی ہے مگر جن لوگوں نے قریب رہ کر حضرت کے شب وروز اور آپ کے اذکار و مشاغل نیز ریاضت ومجاہدہ کو دیکھا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایسے پیر کامل اقلِّ قلیل ہی ملیں گے جن مراتب

علیا پر حضرت موصوف فائز ہیں۔

شہر الہ آباد میں فیوض کا سر چشمہ

شہر الہ آباد کی عظیم دینی و مرکزی درسگاہ دار العلوم افضل المدارس وجامعہ دار السلام کی سرپرستی آپ ہی فرماتے ہیں ایک بار مختار دو عالم کانفرنس و جشن دستار فضیلت کے موقع پر حضرت مفتی صاحب قبلہ اجلاس کی صدارت فرمارہے تھے اور اسٹیج پر جلوہ بار تھے آپ کے ہمراہ مقتدر علماو طلبہ کی جماعت بھی رونق اسٹیج تھی اجلاس بھی کامیابی کے ساتھ چل رہا تھا کہ کچھ لوگوں نے آفس میں آکر راقم السطور سے ملاقات کر کے ان الفاظ میں اپنے تاثرات پیش کیئے:

مفتی (شفیق احمد شریفی) صاحب اس اسٹیج پر یہ کون عالم ہیں جن کے چہرے سے نورانی کرنیں نکل رہی ہیں جن کی خاموشی بھی دعوت الی اللہ دے رہی ہے ایسے عالم کو بہت دنوں کے بعد ہم نے دیکھا ہے.جی چاہتا ہے کہ انہیں دیکھتے رہیں، ہم سب کی خواہش ہے کہ آپ ہمیں ان کے دامن سے وابستہ کرادیں، ہمیں جس پیر کی تلاش تھی وہ ہمیں اللہ تعالی نے عطا کر دیا، اور اجلاس کے بعد ایک بڑی جماعت آپ کے دامن سے وابستہ ہو کر داخل سلسلہ قادریہ ہوئی جس میں علماء بھی ہیں اور طلبہ بھی روساے قوم بھی اور غربا بھی۔

سچ تو یہ ہے کہ صاحبان بصیرت اور واصلین ہی حضرت کے مراتب طریقت کو پہچان سکتے ہیں، راقم تو بس اتنا ہی کہہ سکتا ہے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو ارادت ہو تو دیکھ ان کو ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ختم بخاری شریف اور اور علمائے کرام کو سند اجازت

دار العلوم افضل المدارس میں ۱۹۹۷ء میں سالانہ کانفرنس و جشن دستار فضیلت کے موقع پر شارح بخاری مد ظلہ العالی تشریف لائے اور بعد نماز عصر ختم بخاری شریف کا روح پرور پروگرام رکھا گیا تھا کثیر تعداد میں لوگ اس مبارک و مسعود موقع پر اپنی اپنی نیک دعاؤں کی قبولیت کی امید لے کر حاضر تھے، علما کی ایک بڑی جماعت بھی سامنے تشریف رکھتی تھی حضور شارح بخاری نے بخاری شریف کی آخری حدیث پر ایسی پر مغز تقریر فرمائی کہ پورا مجمع اشکبار ہو گیا، خوف آخرت کے غلبہ سے سرشار ہو کر بعض افراد خود پر قابو نہ رکھ سکے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے

لگے اور پھر حضرت موصوف نے رو رو کر دعا مانگی بحمدہ تبارک وتعالیٰ بعد میں دسیوں آدمی ایسے ملے جو مقبولیت دعا کے معترف تھے اور وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو چکے تھے۔ اسی موقع پر افضل المدارس کے تمام اساتذہ کو موصوف نے درس نظامی کی تمام کتب منقولات ومعقولات کی اجازت عطا فرمائی اس محفل میں علمائے کرام کی قیادت دار العلوم افضل المدارس کے شیخ الحدیث حضرت مولانا رحمت اللہ قادری نے فرمائی جو اس پر آشوب دور میں اپنے اسلاف کی سچی یادگار ہیں۔

قوم وملت کا عظیم کا سرمایہ

بلاشبہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی ذات گرامی علماو طلبہ عوام وخواص سب کے لئے ایک عظیم سرمایہ ہے اور ملت کے لئے ایک عظیم قائد اور طالبین راہ طریقت کے لئے ایک مشعل راہ طریقت بھی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ موصوف کو صحت وسلامتی اور عمر میں برکت سے نوازے۔

شان فقیہانہ

ماہنامہ پاسبان جس نے ایک زمانہ تک اہلسنت وجماعت کے ترجمان کی حیثیت سے ایشیا بھر میں علمی ادبی تبلیغی خدمات انجام دی ہے جس کا ایک مستقل کالم باب الاستفتاء بھی رہا ہے اس ماہنامہ میں راقم السطور کے فتاوے چھپتے رہتے تھا ہبہ کے تعلق سے ایک استفتا راقم کے پاس آیا تھا اتفاق سے حضرت مفتی صاحب الہ آباد تشریف لائے تھے اس کو حضرت کی بارگاہ میں پیش کیا حضرت نے فوراً جواب تحریر کرایا اس کو پاسبان میں شائع کر دیا ایک بڑے عالم نے پاسبان پڑھ کر ان الفاظ میں راقم کو خط لکھا:

محترم جناب مفتی شفیق احمد صاحب شریفی السلام علیکم

ماہنامہ پاسبان جولائی ۸۰ء کے شمارے میں شائع شدہ فتوی میں میری دانست میں حضور سے تسامح ہوا ہے شامی کا جزئیہ اس صورت سے متعلق ہے جس میں باپ بیٹے مل کر کسب کرتے ہیں اور سوال میں جائداد مسئولہ عنہا صرف بیٹوں کی پیدا کردہ ہے اسے صرف محمود، مسعود، مسرور کی جائداد ہونا چاہئے اور باپ کو یہ حق نہیں ہونا چاہئے کہ جسے چاہے ہبہ کر دے سوال وجواب پر غور فرمایا جائے اور ناچیز کی رہنمائی فرما کر ماجور ہوں۔

محمد عبد اللہ علوی کہراف

مدرسہ تیغیہ انوار العلوم

ماری پور مظفرپور بہار

چونکہ جواب حضرت مفتی صاحب کا عطا کردہ تھا اس لئے موصوف کا سوال حضرت کو بھیج دیا پھر جو جواب آیا اس سے آپ کی شان فقاہت کا پتہ چلتا ہے اور یہ کہ آپ کا ذہن محققانہ و مجتہدانہ ہے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے جواب کے الفاظ یہ ہیں:

الجواب: شامی کی مذکورہ بالا عبارت کے ظاہر سے بادی النظر میں یہی سمجھ میں آتا ہے جو آپ نے تحریر فرمایا لیکن تعمق نظر کے بعد یہ واضح ہو جائے گا کہ میں نے جو لکھا ہے وہ صحیح ہے صاحب قنیہ کی یہ عادت ہے کہ وہ مسائل کے ذکر کرنے میں ردو بدل کر دیتے ہیں اور علما بعض دفعہ اس پر مواخذہ نہیں کرتے یہاں بھی اس قسم کا گھپلا ہے عبارت مذکورہ کے آخر میں یہ مذکور ہے "کما لو غرس شجرة تکون للاب" بیٹے نے درخت لگا دیا لیکن ہوا وہ باپ کا۔ یہاں یہ قید کہ باپ نے بھی کچھ کام کیا ہو اس سے سمجھ میں آگیا کہ سابقہ مسئلہ میں جو قیود ہیں وہ احترازی نہیں پھر آگے خانیہ سے ایک جزئیہ مذکور ہے لڑکوں کا باپ کے عیال میں رہنا ہی اس حکم کے لئے کافی ہے کام کرنا شرط نہیں شامی میں اسی صفحہ کے آخر میں ہے وفی الخانیة زوج بنیه الخمسة فی داره و کلهم فی عیاله واختلفوا فی المتاع أهو للاب وللبنین الثیاب اللتی علیهم لا غیر فإن قالواهم او امراته بعد موته ان هذا استندناه بعد موته فالقول لهم وان اقروا أنه کان یوم موته فهو میراث من الأب (ص ۳۴۹-۳۵)

اس میں صرف و کلهم فی عیاله کی قید ہے بقیہ قیود نہیں حضرت امام قاضی خان کا جو مرتبہ ہے وہ ظاہر ہے صاحب قنیہ ان کے مقابلہ میں بوجوہ متعددہ مرجوح ہیں علاوہ ازیں سائلین کا یہ طریقہ ہے جو تجربہ میں آچکا ہے اپنے مطلب کے موافق جواب طلب کرنے کے لئے واقعات کو چھپا دیتے ہیں اور بدل بھی دیتے ہیں یہ کیسے سمجھ میں آسکتا ہے کہ باپ کچھ نہ کرے بیکار بیٹھا رہے قنیہ کی عبارت کا یہ مطلب ہی نہیں کہ باپ بھی بیٹوں کے برابر کام کرے اور نہ یہ ممکن ہے بلکہ باپ کی نگرانی میں بیٹوں کا کام کرنا ہی کافی ہے واللہ اعلم

جواب پر نظر ڈالئے تو اندازہ ہوگا کہ آپ خالی ناقل ہی نہیں بلکہ طبقات فقہا نیز کتب فقہ کے مدارج و معیار پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ یہ سب سراج الفقہاء حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی تربیت سے امام احمد رضا کا فیض ہے راقم السطور کے پاس کثیر تعداد میں حضرت کے فتاوی موجود ہیں انشاء اللہ حضرت کی مبسوط حیات وخدمات پر قلم اٹھانے کے وقت انہیں منظر عام پر لایا جائے گا۔

☆☆☆

مولانا سیف الدین شمسی
استاذ جامعہ شمس العلوم قصبہ گھوسی ضلع مئو

شارح بخاری ایک جامع کمالات شخصیت

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

مت سہل ہمیں جانو پھر تا ہے فلک برسوں تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

اس بحران اور قحط الرجال کے زمانہ میں علم وفن اور خصوصیت کے ساتھ، علم فقہ، علم حدیث، علم تفسیر، علم کلام اور زبان وادب پر کامل دستگاہ رکھنے والے علما کرام مفقود اور ایسی جامع الصفات ہستیاں یادگار ہوتی جارہی ہیں اور جو موجود ہیں وہ ہیں مثل چراغ سحری

جو بادہ خوار پرانے تھے اٹھتے جاتے ہیں کہیں سے آب بقاے دوام لاساقی

ایسی ہی نادر ونایاب، فقید المثال عبقری شخصیتوں میں سے فقیہ عصر، ممتاز محدث، عظیم مناظر، ماہر مصنف خلیفہ مفتی اعظم، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی کی ذات گرامی بھی ہے

میں مفتی صاحب قبلہ کا ہموطن ہوں اس لئے ان کی مخصوص محفلوں میں نشست وبرخاست اور ان سے اکتساب فیض کا موقع ملتا رہا۔ ابتدا میں حضرت شارح بخاری کی ہیبت اس قدر حاوی رہی کہ حضرت والا کی مجلس میں بہت کم باریاب ہونے کی جسارت کرپاتا تھا۔ احباب واعزہ مثلاً مولانا حاجی شفیق احمد، مولانا رضوان احمد، مولانا خلیق احمد اور مولانا شمیم احمد صاحبان کے اصرار پر میں بھی آنے جانے لگا لیکن جانے کے بعد حضرت کے اخلاق، شفقت، نوازش کو دیکھ کر بڑا افسوس ہوا کہ اتنے دنوں تک بلاوجہ حضرت کی بابرکت صحبت سے محرومی رہی۔ اب تو یہ حال ہے کہ ہمیں مفتی صاحب کے وطن آنے کا شدت سے انتظار رہتا ہے، کیونکہ بہت سارے علمی اور مسلکی مسائل واشکالات ذہن میں رہتے ہیں اور جوں ہی آپ تشریف لاتے ہیں ہم جملہ احباب اپنے اپنے مسائل کے ساتھ حاضر خدمت ہو کر عقدہ کشائی کے خواستگار ہوتے ہیں کبھی کبھی جواب، جواب الجواب، اعتراض در اعتراض کا سلسلہ چل نکلتا ہے، پھر تو مزا آجاتا ہے جب مفتی صاحب اپنی علمی شان میں آکر علم وفن کا چھپا ہوا گوشہ اجاگر کرتے ہوئے نکتہ آفرینی کرتے اور اپنے تسلی بخش جوابات سے طمانیت بخشتے ہیں کبھی بہت خفا بھی ہوتے ہیں کہ آپ لوگ خواہ

مخواہ کا اعتراض کرتے ہیں، پھر خود ہی اس کا تفصیلی اور مسکت جواب بھی عنایت فرمادیتے ہیں اور ساتھ ساتھ تاکید بھی فرماتے جاتے ہیں کہ آپ لوگ مطالعہ کی عادت ڈالئے، محنت کیجئے اپنے اندر تفحص و تجسّس کا ملکہ پیدا کیجئے آپ خود اپنا جواب تلاش کرلیں گے۔

حضرت مفتی صاحب کا شہرہ اندرون ملک اور بیرونِ ملک جس چیز سے ہوا وہ فن افتا، اور اب بحیثیت شارح بخاری وہ شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہوئی کہ اگر ہر چیز کو نظر انداز کردیا جائے تو صرف "نزہۃ القاری" کے واسطہ سے شارح بخاری کی حیثیت تاقیام قیامت، ع ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما، کے مصداق رہے گی آپ کا یہ علمی کارنامہ، آپ کی علمی وجاہت اور آپ کی شہرت کے لئے کافی ہے اکثر لوگ حضرت علامہ مفتی صاحب قبلہ کو مفتی اور شارح بخاری کی حیثیت سے جانتے اور پہچانتے ہیں، لیکن کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ حضرت بہت سارے علوم وفنون میں ماہرانہ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ خواہ منطق و فلسفہ ہو، یا صرف و نحو ہو، ہیئت و اقلیدس ہو، یا عربی ادب اور فنون لطیفہ، ہر فن پر مکمل گرفت رکھتے ہیں۔ جدید سائنس اور عصری علوم سے بھی بڑی حد تک لگاؤ رکھتے ہیں اور اس کی روشنی میں اپنے فتاویٰ اور مضامین کو مدلل و مستند کرتے ہیں۔ آپ حضرات کو یاد ہوگا جب امریکہ نے ۱۹۶۹ء میں اپنے دو آدمیوں کو چاند کی دھرتی پر اتارا تو اس زمانہ میں بڑا ہنگامہ ہوا لوگ ماننے کے لئے تیار نہیں تھے کہ کوئی انسان چاند کی سرزمین پر پہونچ سکتا ہے۔ قربان جایئے مفتی صاحب نے اس زمانہ میں ایک کتاب "اسلام اور چاند کا سفر" مرتب فرمادی جس میں آپ نے دلائل و براہین سے ثابت کیا کہ انسان چاند پر جاسکتا ہے اور اس میں کوئی شرعی اشکال نہیں، اس کتاب کے لکھنے پر آپ کے استاذ گرامی حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ نے اس کے جواب میں کتاب تحریر فرمائی کہ انسان ہرگز ہرگز چاند پر نہیں جاسکتا یہ شرعاً ممکن نہیں اور انھوں نے اس سلسلہ میں آپ کو بڑی کھری کھری سنائی اور آپ نے نہایت ضبط و تحمل اور ادب واحترام کے ساتھ سنا اور بزرگانہ عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے علمی انداز میں اس کا جواب دیا آج محسوس ہو رہا ہے کہ اس معاملہ میں حضرت مفتی صاحب کا موقف درست اور صحیح تھا۔

آپ کے ذہن رسا کی داد دینی چاہئے کہ کس قدر سرعت کے ساتھ حقیقت کی تہ تک پہونچ جاتے ہیں اور قرآن وسنت اور فقہ کی معتبر کتابوں کے جزئیات سے استنباط کرکے عصر حاضر کے سلگتے ہوئے مسائل کی گتھی کو کتنی آسانی کے ساتھ حل کردیتے ہیں یہ آپ کی خداداد صلاحیت ہے۔ ماہنامہ اشرفیہ کے فتاویٰ والا کالم سب سے مفید دلچسپ اور معلومات افزا ہوتا ہے اس کے پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ آپ کو کس قدر مسائل کے حل کرنے پر عبور حاصل ہے وہ بھی کوئی ایسا ویسا جواب نہیں، بلکہ انتہائی مدلل اور مسکت جواب۔

دو سال قبل شہر بمبئی میں دیوبندیوں کی طرف سے اخبار ورسائل کے ساتھ ساتھ ایک دستی پمفلٹ شائع ہوا تھا کہ ۷۸۶ بسم اللہ الرحمن الرحیم کا صحیح عدد نہیں بلکہ اس کا جوڑ ۷۸۷ یا ۷۸۵ آتا ہے اور پھر یہ کہ ۷۸۶/۹۲

لکھنا جائز نہیں کیونکہ عہد رسالت میں آیتوں اور عبارتوں کے بدلے میں اعداد لکھنے کا طریقہ مروّج نہیں تھا اس لئے ۷۸۶ اور ۹۲ لکھنا بدعت و ناجائز ہے اور مزید تحریر کیا کہ ۷۸۶ "ہرے کرشنا" کا عدد بنتا ہے اس لئے بالکل جائز نہیں۔ اس لایعنی اور مفسدانہ خیالات کو پڑھ کر بے حد تکلیف ہوئی کچھ لوگوں نے اس کا جواب بھی لکھا اور ۷۸۶ اور ۹۲ کے عدد کو جائز اور مستحسن قرار دیا لیکن سچ پوچھئے تو وہ سارے جوابات ایسے نہیں تھے جن سے دِل کو تشفی ہوتی اور مخالفین کے منہ بند کر دیتے۔ لیکن یہی سوال ایک مستفتی نے حضرت فقیہ عصر سے کیا جس کا تفصیلی جواب ماہنامہ اشرفیہ کے ماہ مارچ ۱۹۹۹ء کے شمارہ میں دار الافتا کے باب میں حضرت مفتی صاحب نے نہایت شرح وبسط کے ساتھ رقم فرمایا۔ مختصراً اس کا جواب آپ بھی سنتے چلیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ شریف قرآن کی آیت ہے جسے بے وضو چھونا بھی جائز نہیں ارشاد ہے لا یمسه الا المطهرون پھر ڈاکخانہ کے ذریعہ جو خطوط بھیجے جاتے ہیں ان خطوط کی کیا درگت بنتی ہے وہ سب کو معلوم ہے کس قدر بے حرمتی ہوتی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

اسی لئے اہل سنّت نے خطوط پر بسم اللہ شریف لکھنے کو پسند نہیں فرمایا۔ یہ مسلمہ قاعدہ کہ کسی چیز میں نفع و نقصان دونوں ہو تو اس کو ترک کر دیا جائے۔ جلب منافع پر دفع مضرت راجح ہے ۷۸۶ بقاعدہ جمل بسم اللہ کا عدد ہے علما نے اس کا لحاظ کرتے ہوئے خطوط کی ابتدا میں اسے لکھنے کا رواج دیا تاکہ من وجہ بسم اللہ شریف نہ لکھنے کی مکافات ہو جائے۔

دیوبندی اکابرین تعویذیں لکھتے ہیں اور ان کے اوپر ۷۸۶ لکھتے ہیں اور تعویذوں میں صرف اعداد لکھتے تھے اگر اسما مبارکہ کے اعداد میں کوئی اثر و فائدہ نہ ہوتا تو دیوبندی اکابر اسے کیوں لکھا کرتے تھے۔

شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز علیہما الرحمہ تعویذیں لکھا کرتے تھے جو صرف اعداد ہی سے پُر ہوتے تھے۔

علامہ قاضی بیضاوی کے ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ عزوجل اور حضور اقدس ﷺ نے بھی ان اعداد کا اعتبار فرمایا۔ الٓمٓ مقطعات قرآنیہ کی بحث میں لکھتے ہیں

اوالی مدد اقوام واجال بحساب الجمل کماقال ابو العالة متمسكا بماروی انه علیه الصلوٰة والسلام لمّا اتاه الیهود تلی علیهم الٓمٓ بقرة فحسبوه وقالوا کیف ندخل فی دین مدته احدیٰ وسبعون سنة فتبسم رسول الله صلی الله علیه وسلم وقالوا افهل غیره فقال الٓمٓصٓ، الٓرٰ والٓمّرٰ فقالوا اخلطت علینا فلا ندری بأیها ناخذ فان تلاوته ایاها بهذا الترتیب علیهم وتقریر هم علی استنباطهم دلیل علی ذالك

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ الٓمٓ کے عدد ۷۱ ہیں جب حضور نے یہ تلاوت کی تو اس عدد کا لحاظ کر کے یہود نے کہا کہ اس دین کی مدّت اکہتر (۷۱) سال ہے اگر عدد کا اعتبار نہ ہوتا تو حضور اقدس ﷺ فرما دیتے کہ تم کیا بکتے ہو

حروف کے اعداد کا کوئی اعتبار نہیں، یہ کالعدم ہے بلکہ حضور اقدس علیہ السلام نے ترتیب وار دوسرے مقطعات پڑھے وہ بھی اس ترتیب سے کہ پہلے چھوٹے عدد پھر بڑے عدد، الٓم غلبت الروم سے بعض ائمہ نے یہ استخراج فرمایا کہ بیت المقدس کو مسلمان ۵۸۳ھ میں فتح کریں گے، جیسا انھوں نے کہا تھا ویسے ہی ہوا، حاصل یہ نکلا کہ اعداد کا اعتبار خود حضور اقدس علیہ السلام سے ثابت ہے اور اس وقت، سلف سے لے کر خلف تک اس کا اعتبار رہا ہے، اور نہ یہ بدعت ہے اور نہ لغو و مہمل ہے اس لئے خطوط وغیرہ کی ابتدا میں ۷۸۶ لکھنا یا اس کے ساتھ ۹۲ لکھنا لغو و مہمل نہیں بلکہ سلف کے طریقوں سے متخرج اور مستحسن ہے۔ وہابیوں کا یہ کہنا کہ یہ ہری کرشنا کا عدد ہے ان کی جہالت اور شرارت ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جمل کا حساب عربی حروف کے ساتھ خاص ہے، ہندی یا سنسکرت میں نہ یہ طریقہ رائج نہ ان کے حروف تہجی کے مطابق۔ عربی کے حروف تہجی ۲۸ اور سنسکرت کے حروف تہجی ۳۶ ہیں جس میں الف سرے سے ہے ہی نہیں، الف کو یہ شبد (حرف) نہیں مانتے ماترا (मात्रा) مانتے ہیں۔

جب کہ جمل کے حساب میں پہلا حرف الف ہے پھر بہت سے حروف سنسکرت میں غائب ہیں مثلاً ثا۔ حا۔ خا۔ ز۔ ص۔ طا۔ ظا۔ ع۔ غ۔ فا۔ ق۔ پھر بھ۔ چھ۔ گھ۔ وغیرہ عربی میں آتے ہی نہیں اس لئے عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان کے حروف کا اعتبار درست نہیں۔ پھر ہری کرشنا کے حروف کا عدد ۷۸۶ نہیں بلکہ ۴۳۶ ہے۔ وہابی کہتے ہیں کہ ۷۸۶ نہ رسول اللہ نے لکھا نہ صحابہ نے اس لئے یہ بدعت ہے، تو لازم آئے گا کہ اردو لکھنا بھی بدعت ہو کیونکہ نہ صحابہ نے لکھا نہ رسول اللہ علیہ السلام نے۔

مذکورہ بالا عبارت کو جستہ جستہ بیان کیا گیا ہے مزید تفصیل کے لئے ماہ مارچ ۱۹۹۹ء کا ماہنامہ اشرفیہ ملاحظہ فرمائیے۔ اس سے یہ اندازہ تو ہوا کہ دیوبندیوں کا اعتراض برائے اعتراض ہے اس میں نہ کوئی معقولیت ہے اور نہ منقولیت بلکہ یہ ان کی طبعی خباثت اور اہل سنت کے خلاف عمل کرنے کا فطری رجحان ہے اس خلاف ورزی کے جذبہ میں یہ بھی نظر نہیں آتا کہ متقدمین علمائے کرام اور خود ان کے اسلاف اور اکابر پر شدید ضرب پڑ رہی ہے۔
شارح بخاری مدظلہ العالی جہاں عربی زبان وادب میں گہرائی و گیرائی رکھتے ہیں وہیں فارسی زبان وادب سے بھی نہ صرف گہرا لگاؤ رکھتے ہیں بلکہ اس میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، چونکہ راقم الحروف کو بھی اس زبان کی کچھ شُد بُد ہے اس لئے کبھی کبھی اس متروک اور غیر مروج زبان کا بھی ذکر آجاتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب مولانا روم، مولانا نظامی گنجوی، مولانا جامی اور شیخ سعدی کے اشعار بے تکلف اور برجستہ سناتے ہیں۔ جسے سن کر تعجب ہوتا ہے کہ حضرت کی قوت ادراک اور قوت حافظہ کتنی قوی ہے۔

ایں سعادت بروز بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اسی طرح ایک نشست میں ایک حاضر باش عالم نے قاآنی کے مشہور و معروف قصیدہ کا یہ بند پڑھا۔

نسیم خلد می وزد مگرز جوئبا رہا

کہ بوے مشک می دہد ہواے مَرغزارہا

انھوں نے آخری لفظ مَرغزار کو مُرغزار پڑھا جسے سُن کر حضرت نے تبسم فرمایااور میری طرف مخاطب ہوکے فرمایاکہ آپ بتایئے صحیح لفظ مُرغزار ہے یامَرغزار ہے میں نے عرض کیالفظ مَرغزار صحیح ہے۔ مولانا موصوف نے کہا نہیں مُرغزار صحیح ہے۔مُرغزار؟ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کثرت سے پرندے آتے ہیں اور اپنی خوراک تلاش کرتے ہیں اس لئے اسے مُرغزار ہونا چاہیئے حضرت مفتی صاحب نے فرمایاکہ صحیح لفظ مَرغزار (بفتح میم) ہے مَرغ کے معنی دوب گھاس کے ہے اور لفظ زار فارسی زبان میں ظرف کے لئے آتا ہے جس کے معنی ہوئے گھاس کے اُگنے کی جگہ یعنی وہ میدان جہاں کثرت سے گھاس اگتی ہے جہاں مویشی آتے ہیں اور اپنا چارہ دوب گھاس کھاتے ہیں اس لئے اس کو مَرغزار کہتے ہیں۔

اس قسم کی بہت ساری علمی ادبی باتیں ہوتی رہتی ہیں جن کا احاطہ کرنا اس مضمون میں ممکن نہیں۔

ڈھونڈوگے اگر ملکوں ملکوں، ملنے کو نہیں، نایاب ہیں ہم

اے اہلِ زمانہ قدر کرو ،نایاب نہ ہوں، کمیاب ہیں ہم

آخر میں حق تعالیٰ کے حضور دعاگو ہیں حضرت شارح بخاری دامت فیوضہ، کی حیات میں اللہ تعالیٰ برکت عطافرمائے اور تادیر اُن کا سایۂ کرم ہم اہلِ سنّت کے سر پر قائم رکھے تاکہ قوم اور علما ان کی رہنمائی میں ترقی اور کمال حاصل کرسکیں۔

آمین بجاہ سید المرسلین

☆☆☆☆☆

مولانا بدر عالم مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

شارح بخاری اور خطابت

تبلیغ اور پیام رشد وہدایت کو عام سے عام تر کرنے کے لئے تقریر و تحریر مضبوط اور آسان وَسیلے ہیں۔ لیکن تحریر کی افادیت ایک مخصوص طبقے ہی تک محدود البتہ پائیدار رہتی ہے اور تقریر کی افادیت کا دائرہ بہ نسبت تحریر کے کچھ زیادہ وسیع ہے کہ پڑھی لکھی اوران پڑھ عوام دونوں مستفیض ہوتی ہیں۔

حضرت شارح بخاری مد ظلہ العالی پر پروردگار عالم کا خصوصی کرم ہے کہ تقریر و تحریر دونوں میدان میں اللہ عزوجل نے آپ کو ید طولیٰ عطا فرمایا ہے جس طرح حضرت شارح بخاری کے قرطاس و قلم کا سکہ اپنے اور غیروں کے ذہن وفکر پر بیٹھا ہوا ہے اسی طرح خطبات شارح بخاری کی دھمک بھی سب نے محسوس کی۔ حضرت شارح بخاری کا رنگ خطابت خصوصیت سے فرق باطلہ کی تردید میں کچھ زیادہ ہی نمایاں نظر آتا ہے۔

ہندو بیرون ہند جہاں کہیں اور جب کبھی بھی باطل نے سر اٹھایا باطل کا سر کچلنے کیلئے لوگوں کو حضرت شارح بخاری کی ضرورت ضرور محسوس ہوئی ہے اور ایسے سنگین و خطرناک حالات میں شارح بخاری بھی اپنی تمام مصروفیات چھوڑ کر باطل کی سرکوبی کے لئے شیر ببر بن کر سفر کی صعوبتوں کی پرواہ کئے بغیر پہنچ جاتے ہیں۔ گویا بزبان حال کہتے ہیں ۔

دار ہو سولی ہو پہاڑوں کی فصیل   نغمہ ہر بلندی سے سنا سکتے ہیں ہم

پھر اپنی تحقیقی تنقیحی خطابت سے باطل کو ایسا زخم خوردہ چھوڑتے ہیں کہ برسوں کے لئے ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ ایسے موقع پر حضرت شارح بخاری پیرانہ سالی میں بھی جوان نظر آتے ہیں، پرجوش انداز میں یہ شعر بھی پڑھتے ہیں ۔

سگ ہوں میں شریف رضوی غوث ورضا کا
ہیں بھاگتے آگے سے میرے شیر ببر بھی

آپ کی تقریر میں بے موقع بے محل اہل باطل کو طعن و تشنیع نہیں ہوتی بلکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کے باطل عقائد وفاسد خیالات کی بیخ کنی اور پھر انھیں کی کتابوں سے ان پر ایسا زبردست حملہ کرتا ہے کہ ان کے بڑے بڑوں کے ہوش وحواس گم ہو جاتے ہیں۔ خطابت کے چند اعلیٰ نمونے ہدیہ ناظرین ہیں۔

ایک حدیث کے مقتضیات کا عقلی استخراج

بمبئی کی مجالس محرم میں بارہا آپ کے خطاب نایاب سے فیضیاب ہونے کا اتفاق ہوا۔ اس موقع پر اکثر

روافض زمانہ کی حقیقت اوران کے باطل مذہب کے خرافات وواہیات کی نشاندہی ضرور فرماتے۔

ایک مرتبہ دوران تقریر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل بیان فرماتے ہوئے زبان مبارک پر یہ حدیث آگئی۔ انا مدینة العلم و علی بابها۔ جولانی دماغ جوش میں آتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ رافضیوں نے کتر بیونت کر اس حدیث کو اتنا عام کردیا کہ بھولے بھالے سنی بھائی بھی حدیث اتنی ہی سمجھتے ہیں جبکہ حدیث مذکورہ کا آخری جملہ علی بابها اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث اتنی نہیں بلکہ لمبی ہے بیچ کا حصہ حذف کردیا گیا۔ پھر زوردار انداز میں بیان فرماتے ہیں سامعین غور فرمائیں !

رسول اللہ ﷺ علم کے شہر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شہر علم کے دروازہ ہیں...... بلند آواز میں کہتے ہیں میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ دروازہ کہاں نصب ہوگا۔ ظاہر ہے دروازہ دیواروں کے درمیان میں نصب ہوگا۔ اس لئے ثابت کہ اس شہر علم کی دیواریں بھی ہوں گی۔ پھر دیواروں کے لئے بنیاد بھی ضروری ہے۔ پھر ایسا شہر کہ اس کی دیواریں ہوں، بنیاد ہو اور دروازہ بھی ہو لیکن چھت نہ ہو تو شہر میں ایک کمی رہ جائے گی تو چھت بھی ثابت...... تقیہ باز رافضی بہت طمطراق سے حدیث کا آخری حصہ پڑھتے ہیں حالانکہ اس آخری حصے نے سب کو بتادیا کہ بیچ سے کیا کیا حذف کیا گیا۔ سند حدیث سے قطع نظر معنی پر غور کیا جائے تو یہ بالکل مقتضی کے مطابق ہے۔ پوری حدیث یوں ہونا چاہیے۔

اُنا مدینة العلم وأبو بکر وأساسها وعمر جدا رانها وعثمان سقفها وعلی بابها.

ترجمہ : میں علم کا شہر ہوں، ابو بکر اس کی بنیاد ہیں عمر اس کی دیواریں ہیں عثمان اس کی چھت ہیں علی اس کے دروازہ ہیں۔

عوام اہل سنّت کی غفلت : مجالس محرم میں حضرت شارح بخاری کی تقریریں عام خطبائے محرم سے الگ تھلگ رہتی ہیں عوام اور خطبا دونوں کا عام مزاج یہ ہے کہ اس موقع پر صرف اہل بیت کرام کے تذکرے اور واقعات کربلا کے خونی مناظر پر بیانات ہوں...... حضرت شارح بخاری اس کے مخالف ہیں بلکہ اس خیال کو بھی روافض کی دین مانتے ہیں اور عوام نیز نئی نسل کے خطبا کو بھی یہ نصیحت کرتے ہیں کہ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم شہدا کربلا کی شہادتوں کو تواریخ و ایام کی تصریح کے ساتھ یاد رکھتے ہیں لیکن دیگر صحابہ کرام کی شہادتوں کے واقعات یا تو ہمیں یاد نہیں یا یاد ہیں تو اپنی عوام کو ان سے روشناس نہیں کراتے۔

اس موقع پر حضرت شارح بخاری شہدائے بدر واحد وغیرہم کا تذکرہ تفصیل سے بیان فرماتے ہیں اور لوگوں کو بتاتے ہیں کہ شہدائے بدر کی عظمتوں سے آپ لوگ غافل ہیں۔ شہدائے بدر جملہ مشاہد اسلام کے شہدا سے افضل ہیں شہدائے کربلا سے بھی افضل ہیں...... افسوس کہ ہم ان کی تاریخ سے ناواقف یا غافل ہیں۔ اجلہ صحابہ کرام کی شہادتوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت یاد کرکے اشکبار ہوجاتے

ہیں...... ہمارے عوام اہل سنت کو بتاتے ہیں کہ تم لوگوں کو صرف امام عالی مقام کی شہادت یاد ہے۔ حضرت عثمان غنی کی شہادت بھی کم اہمیت کی حامل نہیں۔ شہدائے کربلا پر تو مسلسل تین دن تک کھانا پانی بند رکھا گیا وہ بھی دیار غیر میں، لیکن حضرت عثمان غنی پر مسلسل چالیس دن پانی بند رکھا گیا ان کے دور حکومت میں ان کے در دولت پر پھر اس کے بعد انھیں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے شہید کر دیا گیا۔

مقررین کی تنبیہ: نئی نسل کے خطباو واعظین کو تنبیہ فرماتے ہوئے مخاطب کرتے ہیں کہ آپ لوگ عوام کو یہ تو بتاتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے موقع پر مرحب کے مقابل حضرت علی شیر خدا نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے جو شیر خدا کا ہی کارنامہ ہو سکتا ہے۔ مگر آپ لوگ یہ کیوں نہیں بیان کرتے کہ جنگ بدر میں ابوذات الکرش لوہے میں منڈھا ہوا مقابلے پر آیا تو حواری رسول اللہ ﷺ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے پر گئے۔ اس کا پورا جسم لوہے سے منڈھا ہوا تھا صرف آنکھ کی جگہ کھلی ہوئی تھی۔ حضرت زبیر بن عوام نے پہنچتے ہی نشانہ لگا کر اس کی آنکھوں پر ایسا وار کیا کہ آپ کی برچھی آنکھ میں گھس گئی، جب زمین پر گرا تو اس کے چہرے پر پاؤں رکھ کر برچھی نکالی تو برچھی کی نوک مڑ گئی تھی۔

حضور اقدس ﷺ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہو کر پورا واقعہ سنایا تو حضور نے فرمایا۔ زبیر یہ برچھی مجھے دے دو حضرت زبیر نے حضور کو نذر کر دیا۔ وہ برچھی بطور یادگار حضور کے پاس رہی پھر خلفائے راشدین کے پاس رہی۔

ہمارے مقررین جہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فضل بیان کرتے ہیں کہ انھیں حضور اقدس ﷺ نے اپنی ذوالفقار عطا فرمائی تھی وہیں یہ کم فضل کی بات نہیں کہ حضرت زبیر بن عوام کی برچھی حضور نے مانگی اور بطور یادگار اپنے پاس رکھی پھر خلفائے راشدین نے بھی اسے بطور یادگار رکھا۔

بہتّر زخم: امام عالی مقام حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کربلا میں بہتر زخم لگے۔ خطباو مقررین بڑے رنگین انداز میں اسے بیان کرتے ہیں۔ حضرت شارح بخاری جہاں یہ بیان فرماتے ہیں وہیں حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر شہادت ضرور چھیڑتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ لوگوں کو یہ تو معلوم ہے کہ امام عالی مقام کو بہت زخم لگے لیکن کسی کو یہ کیوں نہیں یاد ہے کہ حضرت جعفر طیار کو بھی جنگ موتہ میں بہتر سے زائد زخم لگے اور وہ بھی سب سامنے۔ پیٹھ پر ایک زخم بھی نہیں لگا، ان کے دونوں بازو کاٹ لئے گئے...... لوگوں کو سید الشہدا حضرت حمزہ کا پیٹ چاک کیا جانا ان کا کلیجہ چبایا جانا، چہرے کے ایک ایک عضو کا کاٹا جانا کیوں یاد نہیں۔

ہمارے خطبا پر لازم ہے کہ لوگوں کو جہاں یہ بتاتے ہیں کہ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کی پشت اقدس پر حالت سجدہ میں سوار ہو جاتے تو حضور ان کے لئے سجدہ لمبا فرما دیتے۔ اس وقت تک آپ سجدہ میں

رہتے جب تک وہ پشت مبارک سے نہ اترتے...... وہیں یہ بھی بیان کرنا چاہئے کہ حضور اقدس ﷺ کی بڑی صاحبزادی حضرت سیدہ زینب کی ننھی منی بچی امامہ کو حضور گود میں لے کر نماز پڑھتے، رکوع وسجدہ کی حالت میں انھیں اتار دیتے پھر گود میں اٹھا لیتے۔

رحمت کے لوازم : حضرت شارح بخاری کی تقریریں نکتہ آفرینیوں سے لبریز اور فکر انگیز باریکیوں سے مزین ہوتی ہیں۔ دلکش اور دل آویز انداز بیان سے سامعین مسحور ہو جاتے ہیں۔ اچھے اچھے اہل فکر وفن دم بخود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ آیت کریمہ "وما ارسلناك الا رحمة للعالمين" پر جب آپ کا بیان ہوتا ہے تو نسیم خطابت اور باد سحر بیانی کے مست جھونکوں سے پورا مجمع جھوم اٹھتا ہے۔ لگتا ہے تقریر نہیں بلکہ فکر وفن کی موسلا دھار بارش ہو رہی ہے اور لوگ کیف وسرور کے عالم میں سیراب ہوتے چلے جارہے ہیں۔

علمی اور تحقیقی انداز گفتگو شروع ہوتا ہے دھیرے دھیرے علمی فکری نکات کے موتی پورے مجمع میں بکھر جاتے ہیں۔ انکشتہائے دل ودماغ چننے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرنے لگتی ہیں۔ بحر فکر وفن کا غواص جذبہ للہی سے سرشار مائل بہ کرم ہو کر یوں تکلم ریز ہوتا ہے۔

مسلم قاعدہ ہے کہ الشيئ اذا ثبت ثبت بلوازمه۔ شی جب ثابت ہوگی تو اپنے لوازم کے ساتھ ثابت ہوگی۔ مثلاً گلاب کا پھول جب بھی پایا جائے گا تو اس کے ساتھ اس کے لوازم بھی ضرور پائے جائیں گے۔ اس کے لئے چار چیزیں لازم ہیں۔ دیدہ زیب ہونا، خوشبودار ہونا، نرم ونازک ہونا، رنگین ہونا۔ شی کے لوازم میں سے کسی ایک کا انکار حقیقت میں اس شی کا انکار۔

مسلمانو! اسی طرح رحمت کے بھی چند لوازم ہیں کہ ان لوازم میں سے کسی کا انکار درحقیقت رحمت کا انکار ہے۔

رحمت کے کل آٹھ لوازم ہیں۔ جس شئ کو رحمت قرار دیا جائے گا اسے مالک ہونا، مختار ہونا، قادر ہونا، عالم ہونا، زندہ ہونا، حاجتمند کی زبان جاننا، حاضر ناظر ہونا، مستغنی ہونا، محتاج نہ ہونا لازم ہے...... یہ کل آٹھ لوازم ہوئے۔ چونکہ حضور اقدس ﷺ کے لئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا، رحمة للعلمين۔ حضور اقدس ﷺ سارے عالم کے لئے رحمت ہیں۔ تو "اذا ثبت الشئی ثبت بلوازمه" کے تحت ضروری ہوا کہ سارے عالم کے مالک بھی ہوں، سارے عالم پر قادر بھی ہوں، سارے عالَم کے عالِم بھی ہوں اور جب سے عالم ہے اور جب تک عالم ہے زندہ بھی ہوں، اور سارے عالم میں حاضر وناظر بھی ہوں۔ سارے عالم سے مستغنی ہوں اور سارا عالم ان کا محتاج بھی ہو۔

حضرت شارح بخاری عوام کے ذہنوں سے قریب کرنے کیلئے یوں وضاحت فرماتے ہیں۔ رحمت کے لغوی معنی ہیں مہربانی کے۔ تو اب مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس ﷺ ساری کائنات کیلئے سراپا مہربان بن کر تشریف لائے۔

...لیاہ : کون نہیں جانتا کہ کسی مظلوم فریادی پر مہربانی وہی کر سکتا ہے جو مہربانی اور مدد کرنے کے اسباب کا مالک ہو

مثلاً ایک فریادی جس کو کچھ روپیوں کی ضرورت ہے وہ آپ کے پاس آیا کہ مجھے اتنے روپے درکار ہیں۔ میری مدد کرو۔ آپ کے پاس روپیوں کا انبار ہے لیکن آپ ان روپیوں کے مالک نہیں بلکہ محافظ امین ہیں تو اب آپ اس فریادی کی مدد نہیں کر سکتے اس کے ساتھ مہربانی نہیں کر سکتے۔ اسی طرح آپ روپیوں کے مالک تو ہیں لیکن مختار نہیں ہیں۔ مثلاً نابالغ کہ وہ مالک تو ہو سکتا ہے لیکن مختار نہیں ہو سکتا ہے کسی دوسرے کو کچھ دے کر مالک نہیں بنا سکتا لہٰذا کسی کی مدد کرنے کے لئے ضروری ہوا کہ مدد کرنے والا مختار بھی ہو۔ اب اگر کوئی مالک بھی ہے مختار بھی ہے لیکن مدد کرنے پر قدرت نہیں رکھتا تو ایسا شخص بھی مالک مختار ہونے کے باوجود مدد نہیں کر سکتا۔ مثلاً ایک شخص بعد مغرب آپ کے پاس آیا ایک ہزار روپے دید یجئے اس نے کہا میں ہزار روپے کا مالک بھی ہوں مختار بھی ہوں مگر میرے روپے بینک میں ہیں اور بینک کھلے گا کل دس بجے دن کو اور آپ ابھی چاہتے ہیں تو میں معذور ہوں۔ دیکھئے یہ مالک بھی ہے، مختار بھی ہے مگر اس وقت ایک ہزار روپے دینے پر قادر نہیں۔ تو اس کے ساتھ مہربانی کیسے کر سکتا ہے۔ پتہ چلا کہ مالک مختار ہونے کے ساتھ ساتھ قادر ہونا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح مالک مختار قادر سب ہوں لیکن معلوم نہ ہو کہ کون فریاد کر رہا ہے۔ کہاں فریاد کر رہا ہے تو آپ اس کی مدد نہیں کر سکتے ہیں۔ چلئے آپ مالک مختار قادر سب ہیں اور اس کے عالم بھی ہیں کہ فریادی کون ہے، فریادی کہاں ہے لیکن آپ زندہ نہیں مردہ ہیں تو آپ اس فریادی کی مدد نہیں کر سکتے۔ لہٰذا مالک مختار قادر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ زندہ ہونا بھی ضروری ہے۔ چلئے آگے بڑھئے، آپ مالک مختار قادر عالم زندہ سب ہیں لیکن فریادی کی زبان آپ نہیں جانتے فریادی کو کیا چاہئے فریادی کیا مانگ رہا ہے آپ اس کی زبان سے ناواقف ہیں مثلاً آپ انگلش نہیں جانتے فریادی انگلش میں پانی مانگ رہا ہے تو آپ پانی پر مالک مختار قادر اور فریادی کا علم رکھتے ہوئے نیز زندہ رہتے ہوئے بھی اس کو پانی نہیں دے سکتے اس لئے کہ آپ کو خبر نہیں کہ وہ کیا مانگ رہا ہے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ حاجتمند کی زبان کا بھی علم ہو۔ چلئے ان چھ چیزوں کے ہوتے ہوئے اگر آپ فریادی کے پاس حاضر نہیں تو آپ اس کی مدد نہیں کر سکیں گے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ حاضر بھی ہوں اور حاضر کے لئے اگر نابینا نہیں ہے تو ناظر ہونا لازم۔ اسی طرح مدد کرنے کے اسباب بھی اس کے پاس موجود ہونا چاہئے وہ اس میں مستغنی ہو محتاج نہ ہو۔

مذکورہ بالا توجیہات سے ثابت ہو گیا کہ حضور اقدس ﷺ کو جب ساری کائنات کے لئے رحمت بنایا گیا تو گویا بالفاظ دیگر آپ کو مالک مختار قادر زندہ عالم ماہر زبان حاضر و ناظر مستغنی سب بنایا گیا۔ اور صرف انسانوں کے لئے نہیں بلکہ ساری کائنات کے لئے، یعنی حیوانات، جمادات، جنات، حور و ملک سب کے لئے لہٰذا بلا دغدغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ پوری کائنات کے مالک و مختار ہیں نیز کائنات کے چپے چپے کا آپ کو علم بھی ہے اور پوری کائنات پر آپ کو قدرت بھی عطا کی گئی ہے اور پوری کائنات کی تمام مخلوقات کی زبان کا علم بھی آپ کو عطا کیا گیا۔ آپ ساری کائنات کے لئے حاضر و ناظر ہیں اور آپ محتاج نہیں مستغنی ہیں۔ ان میں سے کسی کا بھی انکار در حقیقت

رحمت کا انکار ہو گا۔اور رحمت کا انکار قرآنی آیت کا انکار۔

علمی نکتہ : حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی اس موقعہ پر ایک علمی نکتہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ بنظر دقیق اگر دیکھا جائے تو اگر عالمین نہ بھی فرمایا جاتا صرف رحمت فرمایا جاتا تو بھی حاصل یہی نکلتا کہ حضور سارے عالم کے لئے رحمت ہیں۔اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب فعل یا شبہ فعل کا متعلق محذوف ہو تو وہ عموم کا افادہ کرتا ہے۔تو اب بھی حاصل یہی نکلے گا کہ حضور اقدس ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں لیکن کوئی کہہ سکتا تھا کہ رحمت ہیں اپنے گھر کے لئے گھر والوں کے لئے،اپنے زمانے والوں کے لئے صرف انسانوں کے لئے۔اس قسم کے واہمہ کی گنجائش ختم کرنے کے لئے ارشاد فرمایا گیا رحمة للعلمین ۔یعنی حضور اقدس ﷺ صرف ایک عالم کے لئے رحمت نہیں بلکہ جس جس چیز پر عالم کا اطلاق ہے سب کے لئے رحمت ہیں۔

حضرت شارح بخاری کی یہ تقریر بہت لمبی ہے۔اگر پوری تقریر صفحہ قرطاس پر منتقل کی جائے تو آیت کریمہ کی ایک مبسوط تفسیر ہو گی جو عوام تو عوام خواص کے لئے بھی ایک علمی تحقیقی سرمایہ ہو گا۔اور گستاخان شان رسالت کے بہت سارے اعتراضات و توہمات کیلئے دفع اور قلع و قمع کا مضبوط و محکم ذریعہ ہو گا۔

حضرت شارح بخاری کی تقریریں جن حضرات نے سنی ہوں گی انھیں بخوبی معلوم ہو گا کہ آپ کی تمام تقریروں میں اثبات عقائد اہل سنت اور تردید عقائد باطلہ بنیادی عنصر ہوتا ہے۔

عقیدہ وایمان کی باتیں : حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی مسلک اہل سنت وجماعت کی حقانیت پر جب خطاب فرماتے ہیں، تو یہ لگتا ہے کہ سامعین کا ذہن ودماغ جام ہے،اور حضرت شارح بخاری ساقی ہیں اور نہایت ہی سنجیدہ انداز اور حسن سلیقہ سے عقیدہ وایمان کے جام پُر کرتے جارہے ہیں اور لوگ طرب و مستی میں پیتے جارہے ہیں،اس موقع پر بعض بدمذہبوں کو یہ کہتے بھی سنا گیا کہ ایسی ہی دوچار بار تقریریں ہو گئیں تو ہمارا مذہب خاک میں مل جائیگا گفتگو یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ آج بنام اسلام فرقوں کی بہتات ہے حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا "تفترق امتی علیٰ ثلث وسبعین ملة کلھم فی النار الا واحدة" (مشکوٰۃ ج ا ص ۳۰) میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائیگی، سوائے ایک فرقے کے سب جہنمی ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا تھا یارسول اللہ! وہ جنتی فرقہ کون ہے،ارشاد فرمایا" ما انا علیه واصحابی "جس عقیدے اور طریقے پر میں ہوں اور میرے صحابہ اب اگر پوچھا جائے کہ رسول اللہ اور صحابہ کے عقیدے اور طریقے پر کون ہے تو ہر فرقہ یہی کہے گا، کہ رسول اللہ اور صحابہ کے عقیدے پر ہم ہیں، فیصلہ بڑا مشکل ہو گا، حدیث سے ظاہر ہے کہ وہ کوئی ایک ہی فرقہ ہو گا، بقیہ بہتر جہنمی ہوں گے۔

اس موقع پر حضرت شارح بخاری اپنے تجربات کی روشنی میں بڑی پختہ بات بیان فرماتے ہیں اور ایسی پختہ کہ معمولی ذہن وفکر کا آدمی بھی اسے بخوبی محسوس کرلے گا، آپ فرماتے ہیں دیوبندی، وہابی، جماعت اسلامی،

نیچری، چکڑالوی، رافضی اور اہلسنت نام کے فرقے ہماری زبانوں پر آتے رہتے ہیں، اور سبھی لوگ کچھ کچھ ان کے عقائد اور طور طریقوں سے بھی واقف ہیں، آپ سبھی لوگوں کو معلوم ہے، کہ اہلسنّت کے علاوہ کسی بھی فرقے سے دوسرے فرقوں کے بارے میں پوچھئے تو یہی کہے گا، کہ جنتی ہیں، طریقے الگ الگ ہیں، ہم کسی کو برا نہیں کہتے ہیں، دیوبندی سے پوچھئے کہ غیر مقلدین کے بارے میں کیا خیال ہے، تو یہی کہے گا کہ وہ بھی جنتی ہیں صرف نماز پڑھنے کا طریقہ الگ ہے غیر مقلد دیوبندی کو جنتی کہے گا اسی طرح جماعت اسلامی نیچری چکڑالوی سب ایک دوسرے کو جنتی کہیں گے۔ لیکن اہلسنت کے کسی فرد سے پوچھئے تو وہ سب کو جہنمی کہے گا، صرف اپنے کو جنتی کہے گا، اور حضور نے یہی فرمایا کہ جنتی ایک ہی ہوگا، بقیہ سب جہنمی ہوں گے، اس کے بعد شارح بخاری سامعین کے ذہنوں کو موڑتے ہیں اور فرماتے ہیں چلئے آگے بڑھئے۔ اور مختلف فرقوں کے عقائد کو سامنے رکھ کر جائزہ لیجئے کہ کون فرقہ رسول اللہ اور صحابہ کے عقیدے پر ہے، جو فرقہ رسول اللہ اور صحابہ کے عقیدے پر مل جائے اسی کو حق مان لیا جائے۔ آیئے ایک عقیدہ سامنے رکھئے رسول اللہ کو علم غیب ہے یا نہیں۔...... دلچسپ بات یہ ہے کہ اسی عقیدے میں بھی اہلسنت کے علاوہ سب ایک پلیٹ فارم پر ہیں کوئی کہتا ہے کہ ان کو دیوار کے پیچھے کی خبر نہیں، کوئی کہتا ہے رسول اللہ کیلئے علم غیب ماننا شرک ہے، کوئی کہتا ہے رسول اللہ کا علم غیب زید عمرو بکر جانور پاگل جیسا ہے کوئی کہتا ہے کہ ان کو اپنے خاتمہ کا بھی حال معلوم نہیں، صرف اہلسنّت فرقہ یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ کو علم غیب ہے، یہاں بھی یہ اکیلا ہے، اب آگے بڑھ کر یہ دیکھ لیا جائے، کہ رسول اللہ اور صحابہ کا اس سلسلے میں کیا عقیدہ تھا، تو اس بارے میں ہمارے سامنے ایک حدیث آتی ہے، ایک صحابی کی اونٹنی گم تھی تلاش بسیار کے بعد بھی نہ ملی وہ اللہ کے رسول کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میری اونٹنی گم ہوگئی ہے، ارشاد فرمائیں کہ وہ کہاں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان ناقتك بواد فلاں الخ تیری اونٹنی فلاں وادی میں فلاں درخت کے نیچے ہے، صحابی رسول گئے اور وہاں سے اپنی اونٹنی لے آئے۔

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت شارح بخاری فرماتے ہیں، آپ حضرات غور فرمائیں، اس حدیث سے پتہ چلتا ہے، کہ صحابہ کا عقیدہ تھا کہ حضور غیب کی بات بتادیں گے اسی لئے وہ تلاش بسیار کے بعد حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور پوچھا اور حضور نے بھی انھیں بتا بھی دیا۔ یہ نہیں کہا کہ یہ غیب ہے، اور مجھے غیب کی خبر نہیں، اب واضح ہو گیا کہ صحابہ کا بھی عقیدہ یہی تھا، کہ حضور کو غیب کا علم ہے اور خود حضور اقدس ﷺ کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ مجھے علم غیب ہے۔ تو اب پتہ چل گیا۔ ظاہر ہو گیا کہ حضور اقدس ﷺ کیلئے علم غیب کا عقیدہ "ما انا علیه واصحابی" کے بالکل مطابق ہے۔

حضرت شارح بخاری اس کے بعد فرماتے ہیں بات اسی پر ختم نہیں ہو جاتی ہے، بلکہ آگے بڑھیں۔ صحابی

رسول کو جب حضور نے بتادیا کہ تمہاری اونٹنی فلاں جگہ ہے تو وہ خوشی خوشی دربار رسالت سے واپس ہو رہے تھے کہ چند منافقین نے انھیں پکڑا، کہاں سے آرہے ہو؟ صحابی رسول نے پورا واقعہ بتادیا، تو زید بن لصیت نامی منافق اس کے دیگر منافق ساتھیوں نے کہا مایدریہِ بالغیب محمد کو غیب کی کیا خبر؟

حضور اقدس ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے منافقین سے پوچھا، کیا تم لوگوں نے ایسا کہا؟ اس پر منافقین نے فوراً کہہ دیا، ہم لوگوں نے تو یونہی بطور مذاق ایسا کہہ دیا تھا۔ منافقین کا اتنا کہنا تھا کہ قرآن عظیم نے ان پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ آیت کریمہ نازل ہوگئی "قُل اَبا للہِ و آیاته ورسولہٖ کنتم تستھزئون لاتعتذروا قدکفرتم بعد ایمانکم" اس سے پتہ چلا کہ منکرین علم غیب پر سب سے پہلا کفر کا فتویٰ قرآن عظیم نے صادر کیا، امام احمد رضا نے تو اسی فتوے کا فقط اعادہ فرمادیا ہے۔

دلچسپ انداز بیان : حضرت شارح بخاری کی تقریریں اگر بغور سماعت کی جائیں تو یہ کہنے میں قطعی جھجھک محسوس نہ ہوگی کہ شارح بخاری وافر مواد کے ساتھ ساتھ ایسے ایسے لطیف اور عمدہ نتائج پیش کرتے ہیں کہ پورا مجمع نعروں کی گونج سے جوش مارنے لگتا ہے، اور عقیدہ وایمان میں تازگی، نئی روشنی کی لہر دوڑ جاتی ہے، ملاحظہ فرمائیں خطاب کا اعلیٰ نمونہ

غزوۂ خندق کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے حکم سے خندق کھودی جارہی ہے اچانک ایک سخت چٹان آجاتی ہے، کسی بھی صحابی رسول کا پھاوڑا اثر نہیں کررہا ہے، صحابہ کرام نے روحانی وجسمانی طاقتوں کے مرکز اعظم کی بارگاہ میں حاضری دی یارسول اللہ ایک چٹان ہے جو بہت سخت ہے، کسی بھی صحابی کا پھاوڑا اس پر اثر نہیں کررہا ہے، قوت الٰہیہ کے مظہر کامل چٹان کے پاس تشریف لے جاتے ہیں دست اقدس سے پھاوڑا اٹھاتے ہیں تین بار بسم اللہ پڑھتے ہیں، پھر چٹان پر پھاوڑا مارتے ہیں تہائی چٹان ریزہ ریزہ ہوکر گرد وغبار بن گئی اس سے ایک روشنی چمکی آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا ساتھ میں صحابہ نے بھی اللہ اکبر کہا پھر دوسری بار چٹان پر پھاوڑا مارا اس پر بھی سرکار سرکاراں نے اللہ اکبر کہا اس سے بھی روشنی چمکی پھر تیسری بار پھاوڑا مارا اس سے پوری چٹان ریزہ ریزہ ہوکر بکھر گئی، اس پر بھی حضور اقدس ﷺ نے اللہ اکبر کہا اور اس وقت بھی ایک روشنی چمکی۔

صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے تینوں بار نعرہائے تکبیر کیوں بلند فرمایا، اور نئی روشنی کیسی نکلی، مالک ومختار رسول اعظم نے ارشاد فرمایا پہلی بار جب میں نے چٹان پر پھاوڑا مارا تو مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا کی گئیں اور میں ملک شام کے سرخ محلوں کو اب بھی دیکھ رہا ہوں عنقریب میری امت شام فتح کرلے گی، اور دوسری ضرب میں مجھے فارس کی کنجیاں عطا کی گئیں میں فارس کے سفید محلات دیکھ رہا ہوں تیسری بار جب چٹان پر میں نے پھاوڑا مارا تو مجھے یمن کی کنجیاں عطا کی گئیں بخدا میں صنعاء کے دروازوں کو یہاں سے اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ جبریل نے مجھے

بتایا کہ میری امت ان سب کو فتح کرلے گی۔

حضرت شارح بخاری واقعہ بیان کرنے کے بعد بہت ہی عمدہ اور زور کی بات کرتے ہیں کہ پورا مجمع پھڑک اٹھتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چٹان توڑنے کے ساتھ ساتھ اپنے غلاموں کو دنیا کی حکومتیں بھی تقسیم فرمارہے تھے۔

اثر آفرینی : حضرت شارح بخاری کی تقریر کی اثر آفرینی ضرب المثل ہے جب کبھی موڈ میں آکر تقریر فرماتے ہیں تو مجمع جھوم جھوم اٹھتا ہے اور بار بار نعرہائے تکبیر ورسالت کی صدائیں بلند ہوتی ہیں، اور حاضرین میں سے کوئی ٹس سے مس نہیں ہوتا، کبھی کبھی چار چار گھنٹے تقریر فرمائی ہزار ہاہزار کے مجمع سے ایک بھی اپنی جگہ سے نہیں اٹھا، تقریر میں کبھی کبھی لطائف وظرائف بھی بیان فرماتے ہیں...... یہ ضروری بھی ہے، تاکہ سامعین اکتائیں نہیں اور ان کے ذہن میں تازگی رہے، لطائف وظرائف پر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مجمع دیر تک قہقہہ لگاتارہ جاتا ہے اور جب کبھی رقت انگیز مضمون بیان فرماتے ہیں تو دفعۃً وہی قہقہہ لگانے والا مجمع رونے لگتا ہے۔ اور ذکر شہادت کے موقع پر تو میں نے برسہابرس اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جب ذکر شہادت فرماتے ہیں تو مجمع دھاڑیں مار مار کر رونے لگتا ہے خصوصیت سے حضرت علی اکبر اور حضرت سیدنا امام حسین کی شہادت پر تو شاید ہی کوئی ایسا سنگدل انسان ہوتا ہے جسکی آنکھیں نم نہیں ہوتیں۔

عرس حافظ ملت کے موقع پر حاضرین اس کے گواہ ہیں کہ قُل کے موقع پر جب دعا کرتے ہیں تو ایک سماں بندھ جاتا ہے۔ پھر خود بھی زار وقطار روتے ہیں، اور مجمع بھی روتا ہے، غرضیکہ اللہ عزوجل نے آپ کی زبان میں بیحد تاثیر عطا فرمائی ہے تقریر کریں یا دعا مانگیں سب کے دلوں میں گھر کر جاتے ہیں۔

اختتام : حضرت شارح بخاری مدظلہ الاقدس کی خطابت کے جلووں کی معمولی سی جھلک میں نے اختصار کے ساتھ محض بطور نمونہ پیش کر دیا ہے ورنہ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ شارح بخاری کے اہم خطبات جمع کئے جائیں۔ جس سے دنیائے علم وحکمت نیز اسلامیات میں ایک عظیم علمی شاہکار کا اضافہ ہو۔

☆☆☆☆☆

مولانا عبدالرحمٰن مصباحی
استاذ جامعہ امجدیہ قصبہ گھوسی ضلع مئو (یوپی)

شارح بخاری اور اداروں کی سرپرستی

خلیفۂ اعلیٰ حضرت فقیہ اعظم ہند حضور صدر الشریعہ علامہ مولانا امجد علی صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز کی بارگاہِ فیض کے تربیت یافتہ نُخبۃ الفقہا عمدۃ المحققین فقیہ عصر شارح بخاری نائب مفتی اعظم ہند علامہ الحاج مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی دامت برکاتہم القدسیہ وعمت فیوضھم المبارکۃ عصر حاضر کے ان چند نابغۂ روزگار فقید المثال عظیم المرتبت علما میں سے ہیں جن کا وجود مسعود اہل سنت کا متاع گراں بہا ہے۔ جن کی شخصیت اہل سنت کے مابین سند کا درجہ رکھتی ہے۔ اسلاف کرام سے متوارث عقائد و معمولات کے شارح و ترجمان اور سچے وارث و امین ہیں۔ اور رد وہابیت اور اشاعت مسلک اہلسنت میں تو آپ ایسی امتیازی شان رکھتے ہیں کہ بلا مبالغہ آپ اس وصف میں مظہر اعلیٰ حضرت کہے جاسکتے ہیں۔ اشاعت مسلک اہل سنت کا شاید ہی کوئی ایسا میدان ہو جس میں آپ نے اپنی خداداد صلاحیت و قابلیت کا لوہا نہ منوایا۔ تدریس، خطابت، تصنیف، افتاء، مناظرہ، سیاست آپ ہر میدان کے شہسوار نظر آتے ہیں۔ ہندوستان کا گوشہ گوشہ آپ کے فتاویٰ کی تابناکیوں سے درخشندہ ہے۔ آپ اپنا تعارف خود ہیں۔ آپ کی تعریف میں مجھ جیسا بے بضاعت شخص کیا لکھ سکتا ہے۔ یہ محض ان کی بارگاہ میں حاضری کا ثمرہ ہے کہ اپنے احساسات سپرد قلم کر رہا ہوں۔ اپنی گوناگوں علمی خدمات بے لوث دینی کمالات کے سبب علما کے درمیان آپ نائب مفتیٔ اعظم ہند کی حیثیت سے جانے و پہچانے جاتے ہیں اور اس وقت ہندوستان کی سب سے عظیم درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ (مجوزہ عربی یونیورسٹی) مبارکپور اعظم گڈھ میں شعبہ افتاء کے سربراہ و صدر کے طور پر دینی خدمات میں مصروف ہیں۔ اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف کی شرح و توضیح تو آپ کا ایسا کارنامہ ہے جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ مذکورہ شرح کی تالیف سے قبل ہی آپ اپنی تصنیفی خدمات اور تحقیقی کمالات کے ذریعے ملک و بیرون ملک میں مشہور ہو چکے تھے۔ لیکن شرح بخاری کے بعد تو آپ کے فضل و کمال رفعت و عظمت کا ستارہ اوج ثریا پر پہونچ گیا۔

اپنے تو اپنے مخالفین نے بھی علم حدیث و فقہ حنفی میں آپ کی دقت نظری و سعت علمی و ژرف نگاہی کا

برملا اعتراف کیا ہے اور پورے ملک اور بیرون ملک میں اس کو جو پذیرائی و قبولیت ملی وہ بیان سے باہر ہے۔ اب جب کہ بخاری شریف کی شرح کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ رضا اکیڈمی بمبئی کے ارکان قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے روایت کے خلاف حضرت کی حیات ہی میں ان کے دینی کارناموں سے عوام وخواص کو روشناس کرانے کے لیے آپ کی زندگی کے زریں پہلوؤں کو اجاگر کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ جو ایک مستحسن اور قابل تقلید اقدام ہے ورنہ ہمارے کتنے ایسے اسلاف ہیں۔ جنکی شخصیت کے تابناک وروشن گوشوں سے نئی نسل محض اس لئے ناواقف ہے کہ ان کی شایان شان تحریری مواد صفحۂ قرطاس پر منتقل نہ ہو سکا۔

بہر کیف نائب مفتیٔ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ کے علمی فضائل ومحاسن ودینی وفقہی مدارج وکمالات کا ذکر مستقبل میں آنے والوں کے لئے مشعلِ راہ اور مینارۂ نور ثابت ہوگا۔ آپ مدینۃ العلما گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں ایک دیندار گھرانے میں متولد ہوئے۔ ہوش سنبھالا تو حضرت صدر الشریعہ علامہ شاہ امجد علی علیہ الرحمۃ والرضوان خلیفۂ امام اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہٗ کے تقویٰ وطہارت کا چرچا سنا۔ ان کے علمی وعملی فضائل وکمالات، کے ذکر میں گھوسی کے لوگوں کو رطب اللسان پایا۔

بچپن ہی سے صدر الشریعہ کی ہیبت وعظمت اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی الفت ومحبت کا نقش قلب اقدس پر محسوس کیا۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی ذات میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی فقاہت کی جھلک دیکھا تو بے اختیار آپ صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے گرویدہ وشیفتہ ہو گئے۔ چنانچہ اپنی رہائش گاہ واقع محلہ کریم الدین پور میں ایک مجلسی گفتگو میں خود ارشاد فرمایا کہ میرے بچپن میں گھوسی کے بہت سے لوگ کچھوچھہ سے منسلک تھے اور کچھوچھہ کے پیر حضرات اکثر گھوسی آیا کرتے تھے۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ کچھوچھہ سے کوئی بزرگ تشریف لائے مریدین اور عقیدت کیشوں کا ہجوم ہونے لگا، پورے گھوسی میں ان کی آمد کا شہرہ ہو گیا بعض مریدین نے مجھ سے بھی کہا کہ کچھوچھہ سے بڑے میاں صاحب تشریف لائے ہیں ان سے بیعت ہو جاؤ لیکن میرا دل تو صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی عظمتوں سے معمور تھا اور قلب دوسری طرف مائل ہی نہ تھا میں نے سکوت اختیار کیا تا آنکہ قسمت نے یاوری کی اور بیعت کے لئے محض اپنے قلبی میلان کے سبب بارگاہ صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ میں حاضر ہو گیا۔ جو شریعت وطریقت کے بحر بیکراں تھے جن کی جلالت علمی کی شہادت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہٗ نے خود دی ہے اسطرح فقیہ اعظم ہند صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر بیعت کے شرف سے مشرف ہوا، اور کامل چودہ ماہ حضرت کی بارگاہ میں رہ کر آپ کے چمن علم سے خوشہ چینی کرتا رہا۔

یونہی آپ نے گیارہ سال کامل بریلی شریف میں حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی صحبت میں رہ کر ان کے شب وروز کو دیکھا انکے ارشادات ومعمولات سے کسب علم وفیض کیا ان کے تقویٰ اور علم وعمل کی

نورانی شعاؤں سے اپنے کو مستنیر کیا، علم ظاہر و باطن اور تصوف و احسان کی برکتوں سے فیضیاب ہوئے اور اس طرح وہاں آپ نے محنت شاقہ کر کے اپنے کو منفرد و بے مثال بنایا کہ ارشاد فرماتے ہیں بریلی شریف میں گیارہ سال کبھی پوری رات جی بھر کے نہیں سویا، کثرت مطالعہ و کتب بینی کے باعث سونے کے لئے وقت ہی نہیں بچتا تھا، صرف صحت کی حفاظت کے پیش نظر کچھ دیر سو لیا کرتا تھا، اور بقیہ اوقات تعلیم و تعلم، مطالعہ و غور و خوض ہی میں صرف کرتا تھا، اس سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگر آج علمی حلقوں میں آپ کو نائب مفتی اعظم ہند کہا جاتا ہے، تو یہ محض عقیدت کی بنا پر نہیں بلکہ آپ اپنے ذاتی کمالات کے سبب اس جیسے سیکڑوں القاب کے مستحق ہیں آپ کی عظیم شخصیت کی تعبیر و تعریف کے لئے اس طرح کے الفاظ مبنی بر حقیقت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت سے آپ کو دیوانگی کی حد تک لگاؤ ہے۔ عمر بھر مسلک اعلیٰحضرت کے دفاع مخالفین کے غلط و باطل مزعومات کے ابطال وازہاق کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں، اور آج بھی اگر کوئی مخالفِ رضا میدان میں آنے کی جسارت کرتا ہے تو یہ رضا کا دیوانہ پورے عزم و استقامت اور شرح صدر کے ساتھ اس کی دھجیاں بکھیرتا ہوا نظر آتا ہے اور آپ کا قلم باطل پرستوں کے فاسد خیالات کی تردید میں سیل رواں کی طرح علم و حکمت کے گل بوٹے کھلاتا ہوا نظر آتا ہے۔

۱۵ر شعبان ۱۳۶۵ھ میں مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف سے تکمیل درس فرمانے کے بعد مدرسہ اہل سنت بحر العلوم مئو، دار العلوم شمس العلوم گھوسی، میں تدریس کا کام شروع کر دیا اور اس کے علاوہ مدرسہ اہلسنت عین العلوم گیا بہار مدرسہ فضل رحمانیہ پچپڑوا گونڈہ انوار القرآن بلرام پور مدرسہ ندائے حق جلالپور فیض آباد، منظر اسلام بریلی شریف وغیرہ مختلف مدارس میں تدریس کے فرائض انجام دئے اور درس نظامی کی ابتدا سے لیکر انتہا تک ہر فن کی مشکل اور ادق کتابیں پڑھائیں، بر سہا برس تک دورۂ حدیث بھی پڑھاتے رہے اور اپنے فیض سے ہزاروں طلبا کو مستفیض فرماتے رہے جو شخص بھی آپ کی بارگاہ میں استفادہ کے لئے آیا تو آپ کی علمی قابلیت، ذہنی جولانیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد الجامعۃ الاشرفیہ میں جب شیخ الحدیث کے منصب پر مخدوم گرامی حضرت مفتی عبد المنان صاحب قبلہ کا تقرر عمل میں آیا تو غالباً ۱۹۷۷ء میں مدرسہ ندائے حق جلالپور سے شعبۂ افتا کے صدر کی حیثیت سے آپ الجامعۃ الاشرفیہ تشریف لے آئے۔ اس طرح تقریباً ۲۲ر سال سے تدریس کا مشغلہ چھوڑ کر جامعہ اشرفیہ کی مسند افتا کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ بظاہر سلسلۂ تدریس بند ہے لیکن طویل عرصے تک تدریسی خدمات کی انجام دہی تحقیقی مزاج کے باعث ایسے پختہ اور کامل و اکمل ہیں کہ جب بھی درسی کتابوں کی کسی بحث کا ذکر چھڑا تو متعلقہ بحث کی عبارتیں پڑھ کر سنا دیں اور اس کی تشریح و توضیح اس طرح پیش کی گویا آپ درسگاہ میں جلوہ فرما ہیں، اور طلبا کے مابین اپنے علمی جواہر ریزے بکھیر رہے ہیں اور انھیں تعلیم و تفہیم کی نعمت سے نواز رہے ہیں چنانچہ جامعہ اشرفیہ کے طلبہ کے علاوہ مدرسین واساتذہ ہمیشہ حل اشکال کے لئے آپ کی طرف رجوع

کرتے ہیں اور یہ صرف جامعہ اشرفیہ تک محدود نہیں بلکہ ملک کے جس حصہ میں جہاں بھی تشریف لے جاتے ہیں اجلۂ علمائے کرام درسگاہوں کے مدرسین حاضر ہو کر اپنے اشکالات حضرت کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں، جسے آپ انتہائی مختصر اور جامع الفاظ میں حل کردیتے ہیں۔

آپکی تدریس اتنی عمدہ اور شاندار اور اعلیٰ درجہ کی تھی کہ جس زمانے میں آپ انوار القرآن بلرام پور میں مدرس تھے اور آپ کی تدریس کا چرچا دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ جوق در جوق طلبہ آپ کے چشمۂ علم سے سیراب ہو رہے تھے کہ ناگاہ اراکین کی ناعاقبت اندیشیوں کے سبب آپ مستعفی ہو کر مدرسہ ندائے حق جلالپور فیض آباد چلے گئے آپ کے جاتے ہی تعلیم پر کافی اثر پڑا اور اراکین کو اپنی کوتاہیوں کا احساس ہوا۔

ڈاکٹر عبدالمجید صاحب مرحوم جو حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے مرید و معتقد اور مدرسہ کے صدر تھے، مبارکپور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ مدرسہ انوار القرآن بلرامپور کے بعض معتمد اساتذہ کا بیان ہے کہ ڈاکٹر صاحب مذکور نے حافظ ملت علیہ الرحمۃ سے عرض کیا کہ حضور کوئی ایسا مدرس عنایت فرمائیں جو حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب سے اچھا اور بہتر ہو۔ اس پر حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے جواباً ارشاد فرمایا۔ "ڈاکٹر صاحب آپ ان سے بہتر کی بات کرتے ہیں ان کا مثل اور ان جیسا مدرس پورے ہندوستان میں نہیں ملے گا"

حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی ذات اس سے بہت بلند و پاک تھی کہ کسی کی جھوٹی اور خلاف واقع تعریف کریں وہ ان نفوس قدسیہ میں سے تھے جن کا قول و فعل معیار حق و صداقت ہوا کرتا ہے، لہٰذا حضرت کا یہ ارشاد واقعہ کی صحیح تعبیر تھا، چنانچہ آنے والے اوقات نے واضح کردیا کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کا ارشاد گرامی سچ اور درست نیز مبنی بر حقیقت ہے۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ سے جن لوگوں نے پڑھا وہ آپ کی سطوت علمی کا اقرار کئے بغیر نہ رہ سکے، جس تحقیق و تدقیق سے مشکل اور ادق کتابوں کو آپ نے پڑھایا اس کا اندازہ آپ کی تصانیف سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

حضور پُر نور سرور کائنات نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "لا حکیم الا ذو تجربہ" یعنی حکیم تو صرف تجربہ کار ہی ہے۔ محولہ بالا ارشاد کی روشنی میں جب ہم آپ کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ علم و تجربہ، معاملہ فہمی، تدبر دانشمندی، اصابت فکری، استقامت رائے، بیدار مغزی، تیقظ ذھنی کے پیکر نظر آتے ہیں۔ بدمذہبوں نے دجل و فریب، دسیسہ کاری، مکاری کے ذریعہ ہمیشہ اہلِ سنّت و جماعت کیلئے مشکلات پیدا کی ہیں لیکن اس خصوص میں آپ "اتقو فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللّٰہ" کی تفسیر دکھائی پڑتے ہیں۔ جب بھی اس طرح کا کوئی معاملہ آیا آپ نے فوراً در پردہ حقائق کا ادراک کرلیا اور اس کے تدراک و تلافی کیلئے ایسی تدبیر اختیار کی کہ مخالف مبہوت ہوگیا۔

مختلف علما سے منقول ہے کہ جھریا، بہار کے مناظرے میں اثناء بحث دیوبندی مولوی، طاہر گیاوی نے اپنے اسٹیج سے ہاتھ میں کتاب لے کر ایک ایسی عبارت پڑھ کر سنایا جو اہلسنّت و جماعت کے موقف کے بالکل برعکس تھی

اور اس نے حوالے میں ایک عظیم اور مستند سنی عالم کا نام لیا تھا۔ اہلسنت کے اسٹیج پر سناٹا چھا گیا ہر شخص حیرت و استعجاب میں ہو کو غور کرنے لگا مگر آپ نے فوراً ارشاد فرمایا کہ یہ عبارت جعلی اور گڑھی ہوئی ہے، مذکورہ کتاب میں یہ عبارت ہرگز نہیں ہے، اہلسنت کے علما میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، مسرت و بہجت سے انکے چہرے چمک اٹھے۔ اہلسنت کے اسٹیج سے ایک مولوی صاحب نے آگے بڑھکر دیوبندی مولوی کے ہاتھ سے کتاب چھین لی اور گرجدار آواز میں پوچھا کہ مذکورہ عبارت کہاں ہے کس صفحہ اور سطر کی عبارت ہے نشاندہی کرو مگر ''آوازے بر نخاست'' حضرت مفتی صاحب قبلہ کا ارشاد گرامی فراست ایمانی کا نمونہ تھا فی الواقع دیوبندی مولوی عبارت گڑھ کے پڑھ رہا تھا، اس لئے کتاب میں ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔

آپکے تدبر و اصابت فکر، دوراندیشی، خلوص وللہیت کے باعث ہندوستان کے طول و عرض میں بہت سے مدارس عربیہ کے منتظمین نے آپکو اپنے ادارے کا سرپرست بنایا ہے اور ادارے کے عروج و ارتقاو معیار تعلیم کی بلندی کیلیئے آپکے مشوروں و نیک آرا کو اپنے لئے فال نیک سمجھتے ہیں اور آپکی طرف ادارے کے انتساب کو کامیابی کی ضمانت تصور کرتے ہیں۔ اس ضمن میں درج ذیل ادارے خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ (۱) دارالعلوم افضل المدارس کریلی باغ الہٰ آباد (۲) دارالعلوم اہلسنت صدر العلوم، ریلوے مسجد بڑاگاؤں گونڈہ (۳) مدرسہ اہلسنت سید العلوم بڑی تکیہ بہرائچ (۴) دارالعلوم برکات محمدی اورئی (۵) جامعہ عربیہ اظہار العلوم جہانگیر گنج امبیڈکر نگر (۶) دارالعلوم قادریہ گلشن برکات رضا نگر انٹیا تھوک گونڈہ (۷) مدرسہ اسلامیہ برکت العلوم، نواری جہانگیر گنج امبیڈکر نگر، نیز دارالعلوم وارثیہ گومتی نگر لکھنؤ کے اراکین نے اصرار کر کے آپکو اپنی کمیٹی کا ٹرسٹی بھی نامزد کیا ہے، اور جب بھی کوئی مجلس مشاورت منعقد ہوتی ہے آپ کی شرکت لوگوں کی سعادت کا ذریعہ متصور ہوتی ہے اور آپ اپنی عمدہ اور اعلیٰ رہنمائی سے لوگوں کو مستفید فرماتے ہیں۔

خود الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور جو اہلسنت کے تمام مدارس کا قلب ہے آپ کئی سالوں سے اس کے ناظم تعلیمات ہیں، اور ادارہ آپ کے حسن تدبر و اصابت فکری سے ہمیشہ مستفیض ہوتا رہتا ہے، نیز اہلسنت کی سب سے اہم علمی تنظیم مجلس شرعی کے بھی سرپرست ہیں۔ اور جس تجویز میں آپ کی رائے شامل نہ ہو وہ ناقص سمجھی جاتی ہے۔

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ آپکے سایہ کو تادیر ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے اور آپ کے فیوض و برکات کو زیادہ سے زیادہ عام و تام فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم!

☆☆☆☆☆

مولانا شمشاد احمد مصباحی
استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ قصبہ گھوسی ضلع مئو

شارح بخاری ایک ہمہ جہت شخصیت

۱۹۲۱ء میں مدینۃ العلما گھوسی کی سرزمین سے پیدا ہونے والی شارح بخاری کی ذات آج کل ہندوستان کی عظیم ترین اور مشہور ترین شخصیت بنی ہوئی ہے۔ ہر چہار جانب ان کے علم وفن کا چرچا، ہر سو اُن کے فضل وکمال کا شہرہ، ہر جگہ اُن کی طویل خدمات اور قابل قدر تصنیفات کا تذکرہ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ فقیہ اعظم ہند حضور صدر الشریعہ کے بعد میدانِ فقہ وافتا میں جس خلا کو شدت سے محسوس کیا جارہا تھا۔ حضور صدر الشریعہ کے خاندان اور ان کی سرزمین سے پیدا ہونے والی شارح بخاری کی شخصیت نے اُس کو پُر کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ بلاشبہ اس دور میں حضور شارح بخاری کی ذات مرجع فتاویٰ بن چکی ہے، صرف ہندوستان ہی سے نہیں دنیا کے متعدد ممالک سے مختلف شعبہائے زندگی سے متعلق آپ کی بارگاہ میں سوالات آتے ہیں اور آپ ان کا تشفی بخش، مدلل، مفصل جواب عنایت فرماتے ہیں۔ فقہ وافتا کے تعلق سے آپ کی ذات اس قدر متعارف اور مشہور ہوگئی ہے کہ خواص تو خواص علما تو علما عوام سے بھی اگر پوچھا جائے کہ متحدہ ہندوستان میں اس وقت سب سے بڑا مفتی اور فقیہ کون ہے تو جواب میں وہ شارح بخاری کا نام نامی اسم گرامی لیں گے، اور یہ شہرت غلط پروپگنڈہ کی بنیاد پر نہیں ہے چونکہ حضور شارح بخاری نے فقہ وافتا کے باب میں اپنی ذات کو فنا کردیا ہے۔ مسائل کی تحقیق وتفصیل اور تلاش وجستجو میں رات کی نیند، دن کا سکون قربان کیا ہے، اس لئے کاتب تقدیر نے عروج وارتقا شہرت وناموری اور قبولیت فی الارض کو آپ کے کھاتے میں لکھ دیا ہے۔

شارح بخاری آج ہی سے فتویٰ نہیں لکھ رہے ہیں بلکہ انکی فتویٰ نویسی کی تاریخ ۵۰ سال پر پھیلی ہوئی ہے۔ جس میں انھوں نے کئی ہزار فتاویٰ لکھے بے شمار مسائل کی تحقیق کی۔ حضرت صدر الشریعہ کی بارگاہ سے فتویٰ نویسی کا آغاز ہوا اور حضور مفتی اعظم ہند کی بارگاہ میں پہونچ کر ایک باکمال مفتی بن گئے۔ حضور صدر الشریعہ، حضرت مفتی اعظم ہند، حضرت محدث اعظم پاکستان جیسی جلیل القدر شخصیتوں کی بارگاہ میں جس محنت ولگن، ذوق طلب، حسنِ ادب کے ساتھ مشق وتمرین کا سلسلہ جاری رہا اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ آپ اپنے دور کے ایک باکمال مفتی اور عظیم فقیہ بن جائیں۔

شارح بخاری کی بحیثیت مفتی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ جملہ ابواب فقہ کے بے شمار جزئیات پر گہری نظر رکھتے ہیں، اور استفتا چاہے جس بھی باب سے متعلق ہو اس کا ایسا برجستہ اور برمحل جواب لکھواتے ہیں کہ ناظر یہ محسوس کرتا ہے کہ گھنٹوں تیاری اور مختلف کتب کی طرف مراجعت کے بعد ہی یہ جواب لکھا گیا ہے جب کہ

حقیقت یہ ہے کہ کمزور بینائی اور جسمانی ضعف و نقاہت کی وجہ سے عرصہ دراز سے صرف املا کراتے ہیں، بحیثیت مفتی آپ کی دوسری خصوصیت جو آپ کو نہ صرف معاصرین سے بلکہ بعض اکابر سے بھی ممتاز کر دیتی ہے وہ ہے آئے دن پیدا ہونے والے نت نئے مسائل کی تحقیق و تشریح، حلت و حرمت سے متعلق صحیح واضح حکم جو کتاب و سنّت اور اقوال سلفِ صالحین، ائمہ مجتہدین کی موافقت کے ساتھ ساتھ اس بدلتے دور میں مسلمانوں کی حاجت و ضرورت کے پیش نظر ان کے لئے دل سے قابل قبول ہو، شارح بخاری نے جدید مسائل کی تحقیق و تفتیش تشریح و توضیح کا جو سلسلہ عرصہ دراز سے قائم کر رکھا ہے اس کے نتیجے میں بے شمار جدید مسائل آج محقق و منقح ہو کر ہمارے سامنے آچکے ہیں جن کی حلت و حرمت سے متعلق کل تک دنیا ناواقف تھی یا الجھن اور تردد کا شکار تھی شارح بخاری کی جہد مسلسل اور سعیِ پیہم نے نہایت اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ ان مسائل کو روز روشن کی طرح واضح کر کے اہل اسلام کو ان سے روشناس کرا دیا ہے، ان کی الجھنوں اور شکوک و شبہات کو دلائل و براہین سے بھرپور تحریروں کے ذریعہ دور کر دیا ہے۔

شارح بخاری ہزاروں فتووں کے مفتی، درجنوں کتابوں کے مصنف، سیکڑوں تلامذہ کے استاذ و مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ساحر البیان مقرر، قادر الکلام متکلم بھی ہیں اپنے اساتذہ و اکابر کے ساتھ ہزاروں جلسوں اور مناظروں میں شرکت نے ان کو تقریر و خطابت بحث و مناظرہ کے میدان میں تجربات کی دولت سے مالا مال کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے اساتذہ و مربّیان نے متعدد مناظروں میں اہلسنّت کی وکالت کرنے کے لیے آپ کو بھیجا اور بحمدہٖ تعالیٰ سارے مناظروں میں آپ نے اپنے علم و فن کا وہ جوہر دکھایا کہ مخالف آپ کے نام سے تھرانے لگا، جب کہ اکابر اہلسنّت نے آپ کی حاضر جوابی، شاندار علمی و فنی گرفت کی صلاحیت پر آپ کو مبارکباد پیش کی۔ اور کٹک کے مناظرے میں عہدۂ صدارت بھی باصرار آپ کو تفویض کر دیا گیا۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ اس عہدے کا بھرم رکھا بلکہ متعدد لاینحل سوالوں کا برجستہ جواب دے کر مخالف کو حیران کر دیا، رضویات سے متعلق بے جا اعتراضات کا دندان شکن جواب دے کر مخالفین کی کمر توڑ دی، اپنی تحریر و تقریر میں معاندین کے درونِ خانہ کے راز کو اس طرح طشت از بام کیا کہ وہابیت اور دیوبندیت پورے ملک میں بے نقاب ہو گئی اس کا سر شرم سے جھک گیا، آپ کے تبلیغی دورے پورے ملک میں ہوتے ہیں۔ ہزاروں جلسوں میں آپ کی مدلل و مبرہن تقریر کامیابی کی ضمانت بن چکی ہے، آپ کی خطابت کی دھمک آج تک پورا ملک محسوس کر رہا ہے، اب تو پیرانہ سالی اور ضعف و نقاہت کے سبب آپ کے تبلیغی دورے بہت کم ہو گئے۔ نیز شرح بخاری کے اہم کام میں ہمہ تن مصروف ہو جانے کی وجہ سے بہت سے اہم اور خاص خاص جلسوں کو مجبوراً چھوڑنا پڑا کچھ جلسوں میں اگر تشریف لے بھی گئے تو صدارت اور دعا خوانی کی حد تک شرکت رہتی ہے مگر آج کے تقریباً پندرہ بیس سال پہلے آپ کا شمار ہندوستان کے ان خطیبوں

میں ہوتا تھا جن کی جلسے میں شرکت ہی کامیابی کی ضمانت ہوا کرتی تھی۔

مبارکپور اشرفیہ کے نو سالہ زمانۂ طالب علمی میں شارح بخاری کی درجنوں تقریریں سننے کا شرف حاصل ہوا۔ مبارکپور، خیر آباد، محمد آباد، گھوسی اور دیگر مضافاتی جلسوں میں بے شمار تقریریں آپ کی سنیں آپ کی خطابت کا جو نمایاں پہلو ہے وہ یہ کہ دین کے دشمنوں کے لئے آپ کی تقریر نہایت دل خراش اور جارحانہ ہوا کرتی تھی۔ تحقیق و تشریح اور تنقید و تردید سے بھرپور جس جگہ آپ کی تقریر ہو جاتی وہاں ہفتہ دس دن تک عوام کی زبان پر آپ کی تقریر کا مختلف حیثیتوں سے چرچا رہتا۔

شارح بخاری اپنی تقریروں میں اہل سنت پر ہونے والے اعتراضات کا تحقیقی جواب تو دیتے ہی ہیں ساتھ ہی ساتھ دیوبندی مکتب فکر کے مشائخ واقطاب کی وہ رنگین حکایتیں بھی عوام کو چٹخارہ لے لے کر سناتے ہیں جو خود انھیں کی کتابوں میں موجود ہیں اور جس سے ان کے زہد و ورع تقوی و تقدس کی چادر تار تار ہو جاتی ہے۔ اور دیوبندی مولویوں کا حقیقی چہرہ بے نقاب ہو جاتا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۸۱ء یا ۸۲ء میں مدرسہ ضیاء العلوم ادری کے سالانہ جلسے میں شارح بخاری کی تقریر تھی، قرب وجوار کے بہت سے سنی مسلمان آپ کی تقریر سننے گئے تھے۔ سامعین کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا، وہابیوں کی بھی بھرمار تھی جو جلسہ سے کچھ دور مختلف ٹولیوں میں بیٹھ کر شارح بخاری کی تقریر سن رہے تھے آپ نے ان کی پرواہ کئے بغیر تین ساڑھے تین گھنٹہ تک بڑی لاجواب تقریر کی، اس دوران اُن کے خود ساختہ مذہب پر ایسے ایسے شدید اعتراضات کئے کہ ان کے حواس اُڑ گئے چہروں کا رنگ فق پڑ گیا اپنی تقریر میں لب ولہجہ بھی اتنا سخت اختیار کیا کہ دیوبندی تلملا کر رہ گئے اس تقریر میں شارح بخاری نے دیوبندی شیوخ کے کچھ رنگین واقعات دلچسپ حکایات بھی پیش کر دیں جو جلتے پر تیل کا کام کر گئیں، اس زلزلہ خیز تقریر کا جھٹکا ادری مئو سے لے کر سہارن پور تک محسوس کیا گیا۔ اسی طرح مجھے یاد آرہا ہے کہ غالباً ۸۵ء میں مبارکپور کے کسی محلہ میں محرم الحرام کا جلسہ تھا جس میں متعدد مقررین کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ شارح بخاری کی تقریر تھی ،اشرفیہ کے طلبہ کے علاوہ مبارکپور کے ہزاروں سنی مسلمان آپ کی تقریر سننے کے لیے آئے تھے۔ شہادت پر متعدد حضرات نے تقریر کی سب سے اخیر میں آپ کرسی خطابت پر جلوہ بار ہوئے اور شہادت پر تاریخی حقائق و شواہد سے بھرپور ایسی رقت انگیز اور لاجواب تقریر کی کہ اب تک ایسی معلوماتی تقریر سننے کو نہ ملی۔ آپ نے اپنی تقریر میں دشمنانِ اہل بیت اور یزید پلید کے حامیوں اور خارجیوں کے اعتراضات کا ایسا دندان شکن جواب دیا کہ ان کے ہوش وحواس اڑ گئے۔ حضرت امیر معاویہ کی طرف سے یزید کی جانشینی صحابہ و تابعین کی اس کے ہاتھ پر بیعت یزید اور حدیث قسطنطنیہ، حضرت امام حسین کی ۳؍ ذی الحجہ ۶۰ھ کو فریضۂ حج چھوڑ کر کوفہ کے لئے روانگی، یزید پلید کے بارے میں حضرت امام اعظم کے کف لسان وغیرہ سے متعلق بہت سے شکوک و شبہات کا ایسا تحقیقی جواب دیا کہ

دشمنانِ اہلِ بیت اور یزیدی گروہ کا ناطقہ بند کر دیا اور مجمع میں ہر چہار جانب نعرہائے تکبیر ور سالت کی صدا گونجنے لگی۔
مگر اسی کے ساتھ یہ بھی ایک زندہ حقیقت ہے کہ شارح بخاری نے ایک کامیاب مقرر ہونے کے باوجود اپنی تقریر کو حصول مال وزر کا ذریعہ نہیں بنایا۔ پروگراموں کے لئے نہ کوئی شرط رکھی نہ کوئی نذرانہ طے کیا بلکہ محض دین کی تبلیغ و اشاعت کے لئے نہایت اخلاص کے ساتھ جذبۂ عشق رسول سے سرشار ہو کر پورے ملک کا دورہ کر کے وہابیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی ایک کامیاب کوشش کی ان کی راہ میں سدِّ سکندری بن کر حائل ہو گئے۔

حیات شارح بخاری کا سب سے تابناک اور روشن پہلو نزہۃ القاری، شرح بخاری کی تصنیف ہے، شارح بخاری کو تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق اپنے اساتذہ سے ورثے میں ملا تھا۔ ابتدا ہی سے دینی علمی موضوعات پر کچھ نہ کچھ لکھنے کا شوق رہا جس کے نتیجے میں متعدد وقیع مضامین، درجنوں تحقیقی کتابیں شارح بخاری کے رشحاتِ قلم سے عالم وجود میں آئیں، یوں تو آپ کی ہر تصنیف اپنے موضوع پر نہایت جامع مفید دلائل و براہین سے بھرپور ہے۔ مگر نزہۃ القاری شرح بخاری آپ کی وہ قابل رشک تصنیف ہے جس نے پوری دنیا میں آپ کو مشہور کر دیا، تقریباً بیس سال سے آپ اس اہم تصنیف میں مصروف ہیں، دن میں دارالافتا کی گراں بار ذمہ داریاں سرانجام دیتے ہیں۔ بعد مغرب تقریباً دس بجے تک نزہۃ القاری شرح بخاری کا کام کرتے ہیں یہی آپ کا عام معمول رہا ہے مگر تبلیغی دوروں، رسم ختم بخاری کے پروگراموں اور دوسری دینی علمی ضرورتوں کے باعث یہ تسلسل ٹوٹ بھی جاتا رہا ہے، پھر بھی آپ نے نہایت ہی محنت اور لگن سے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا، جو آپ کی زندگی کی آخری تمنا تھی اب نو ۹ جلدوں میں نزہۃ القاری شرح بخاری مکمل ہو چکی ہے۔ ہر جلد سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہے، یہ شرح کیا ہے درحقیقت مختلف علم و فن کا منبع و مخزن ہے، بے شمار علمی نکات اور باریکیوں کا سرچشمہ ہے اس کتاب میں جگہ جگہ فقہ حنفی کی تائید و ترجیح ہے، قدم قدم پر قرآن واحادیث کی روشنی میں مسائل حنفیہ کی تخریج ہے۔ حنفی مسلک کے خلاف آنے والی حدیثوں کی بہترین تاویل و تطبیق اور دل نشین تشریح ہے، فی الواقع یہ کتاب ہزاروں علمی و فنی محاسن کی جامع ہے جس نے شارح بخاری کو کمال کی آخری حدوں پر پہونچا دیا، اب شارح بخاری رہتی دنیا تک تاریخ کے سینے میں محفوظ ہو چکے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود شارح بخاری اس اعتبار سے بھی انفرادی شان رکھتے ہیں کہ آپکی مجلس حقیقت میں مجلس وعظ و تبلیغ اور درس و تدریس ہے۔

شارح بخاری اپنے جاہ و جلال، فضل و کمال سے قطع نظر کرتے ہوئے اپنے مجلس میں شریک ہر چھوٹے بڑے پر لطف و کرم کی بارشیں کرتے ہیں۔ حاضرین مجلس میں گھل مل کر نہایت بے تکلفی کے ساتھ ایسی دلچسپ اور پُر لطف گفتگو فرماتے ہیں کہ ان کی مجلس سے ایک لمحہ کے لیے بھی اٹھنے کو جی نہیں چاہتا۔

مجلسی گفتگو شارح بخاری کے شب و روز کا ایک لازمی حصہ ہے، شارح بخاری مبارکپور سے جب اپنے دولت کدہ پر تشریف لاتے ہیں تو مدرسہ شمس العلوم اور جامعہ امجدیہ کے اکثر و بیشتر اساتذہ دولت کدہ پر پہونچ کر

حضرت کی دست بوسی وقدم بوسی کا شرف حاصل کرتے ہیں اور پھر تھوڑی دیر حضرت کی صحبت میں بیٹھ کر کے علمی فیوض وبرکات سے مالامال ہوتے ہیں، یہ مجلس اس لحاظ سے نہایت اہم ہوتی ہے۔ کہ حضرت دوران گفتگو بہت سی ایسی علمی وتاریخی باتیں پیش کرتے ہیں جن کو عام لوگوں کی آنکھوں نے نہ دیکھانہ کانوں نے سنا۔ یہ تاریخی حقائق وواقعات سن کر حضرت کے تبحر علمی، کثرت مطالعہ، جودت طبع، قوت حافظہ، دقت نظر، تیزی خاطر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت کی مجلس میں ایک دو بار نہیں درجنوں بار شرکت کا موقع ملا اور ہر بار کوئی نہ کوئی نئی بات لے کر بارگاہِ عالیہ سے واپس ہوا کبھی کبھی حضرت خود ہی حاضرین سے سوال کر کے مجلس میں بحث کا آغاز فرماتے ہیں۔ ہر شخص کچھ نہ کچھ جواب دینے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر ہر جواب پر تنقید فرماکر مزید سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں مجلس میں ہر شخص کو بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کا موقع ملتا ہے اور ہر ایک کی بات حضرت غور سے سماعت فرماتے ہیں صحیح جواب پر داد وتحسین سے نوازتے ہیں، خوشی کا اظہار فرماتے ہیں مجلس میں ہر آنے والے شخص سے مخاطب ہوتے ہیں، خیریت پوچھتے ہیں، مدرسہ کے احوال وکوائف معلوم کرتے ہیں، مصائب پر صبر وشکر کی تلقین فرماتے ہیں، اپنے ماضی کے تلخ تجربات وواقعات سنا کر غم واندوہ کو ہلکا کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں، اپنے طویل تجربات سے فائدہ اٹھانے کی ہدایت فرماتے ہیں، حاضرین کی مشکلات کو ہر ممکن طریقے سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں، آپ کے خط لکھنے یا سفارش کرنے سے اگر کسی کا کام بن رہا ہوتا ہے تو اس سے بھی دریغ نہیں فرماتے۔ چنانچہ آپ کی سفارش سے ہزاروں علما آج بہترین ملازمت پاکر معاشی مشکلات سے دور ہو چکے ہیں، اندرون ملک کتنے علما وفضلا آپکی سفارش اور کوشش سے عمدہ، نفع بخش ملازمت کر رہے ہیں، اس کی فہرست بہت طویل ہوگی، بیرون ملک بھی متعدد علما آپ کی کوششوں سے پہونچ چکے ہیں جو مالی منفعت کے ساتھ ساتھ دین متین کی بہترین خدمات انجام دے رہے ہیں۔ شارح بخاری کسی شخص کے بارے میں نامناسب بات اور غلط کام کی رپورٹ ملنے پر بہت سخت ناراض ہوتے ہیں، ڈانٹتے پھٹکارتے ہیں تنبیہا اُسے سخت وست کہتے ہیں مگر پھر تھوڑی ہی دیر میں موم کی طرح نرم ہو جاتے ہیں، بڑی شفقت اور پیار سے اس کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں، مجلس میں بیٹھے سارے علما کی، چائے پان ناشتہ وغیرہ سے ضیافت بھی فرماتے ہیں، کھانے کا وقت ہو جاتا ہے تو کھانے کا اصرار بھی کرتے ہیں، کم تنخواہ اور فطری سخاوت کے باعث آج تک اپنے بچوں کے لیے کوئی عمدہ مکان اور معقول تجارت کا انتظام اپنی کمائی سے نہ کر سکے اس بات کا بھری مجلس میں اعتراف کرتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود حرص وہوس، طمع ولالچ جیسے اوصاف رذیلہ سے آج تک محفوظ ہیں اور جو کچھ بھی پیسہ آپ کے پاس رہتا ہے مہمانوں کی ضیافت اور دین کی راہ میں قربان کرنے کے لیے بے چین رہتے ہیں، آئندہ کی فکر سے بے پرواہو کر مہمانوں کے لیے نہایت فراخ دلی اور کشادہ ظرفی کا ثبوت دیتے ہیں، حضرت کی مجلس میں بار بار شریک ہونے اور ان کے عادات واطوار اوصاف وکردار کا مشاہدہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ حضرت ایک متبحر عالم، عظیم الشان فقیہ، لاجواب مصنف، بے مثال تاریخ

داں، حاضر جواب مناظر، اور فی البدیہہ خطیب کے علاوہ ایک اعلیٰ انسان بھی ہیں، جن میں انسانیت کی اعلیٰ قدریں، آدمیت کی پاکیزہ خصلتیں بدرجۂ اتم موجود ہیں، ہر چھوٹے بڑے کے غم میں برابر کا شریک ہو جانا، ضرورت مند عالم کی مالی مدد کرنا، پریشان حال مولویوں کے لیے کوشش کر کے روزگار کے مواقع فراہم کرنا، اپنی سفارش سے انکو ترقی دلانا، بیماروں کی مزاج پُرسی کرنا، طلبا اور علما کے اوپر آنے والی ہر آفت کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا، مسلمانوں کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں کو کچلنے کی فکر کرنا، ان پر ہونے والے ظلم و ستم کے خلاف حاکم وقت کے سامنے آواز بلند کرنا، اشاعت دین کی راہ میں حق گوئی و بے باکی کے لیے سلاخوں کے پیچھے جانا، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہننا، بزرگان دین و اکابر اہلسنت کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا منھ توڑ جواب دینا، مصلحت سے بے پروا، نفع و نقصان سے قطع نظر مداہنت فی الدین اور صلح کلیت کا پردہ فاش کرنا یہ سب ایسے اوصاف و خصوصیات ہیں، جو شارح بخاری کے علاوہ موجودہ علما میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں، مولیٰ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ پروردگار، شارح بخاری کے نورانی سایہ کو اہلسنت پر تادیر قائم رکھے تاکہ دین متین کا یہ ترجمان، قرآن واحادیث کا شارح، ملت کا نگہبان، ناموس رسالت و عظمت اولیا کا پاسبان، اکابر کی روایات کا نقیب، اصاغر پر مہربان، اپنے انوار و تجلیات و خیرات و برکات اور افکار و نظریات سے ہمیشہ ہمیش ساری دنیا کو سیراب کرتا رہے۔

آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین و علی الہ وصحبہ اجمعین.

☆☆☆☆☆

مولانا محمد نوشاد عالم مصباحی غازی پوری
خطیب و امام جامعہ رضویہ مسجد لینز جوہانیس برگ، ساؤتھ افریقہ

ہیں شارح بخاری ملت کے پاسباں

شارح بخاری، فقیہ الہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق قبلہ امجدی دامت برکاتہم العالیہ کی ذات گرامی ایک بلند پایہ محقق، بے مثال مفتی، تبحر عالم اور زبردست مناظر کی حیثیت سے محتاج تعارف نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تعارف کرانے والے آپ کی نسبت سے خود اپنا تعارف کراتے ہیں۔ اس آفتاب علم و حکمت کے فضائل و مناقب کے ذکر میں ایک مستقل کتاب وجود میں آسکتی ہے۔ اللہ کا شکر عظیم ہے کہ ایک طویل عرصے تک مجھے بھی اس آفتاب علم و فضل کے فیوض علمی و برکات علمی کی روشن کرنوں سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل رہا ہے اور ان کی نگاہ کرم نے مجھ بے بضاعت کو بہت کچھ عطا فرمایا۔

الجامعۃ الاشرفیہ میں میرا زمانہ طالب علمی (حفظ سے لے کر درجہ فضیلت تک دس سال پر محیط ہے ۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۹ء) آپ ہی کی سرپرستی اور نگرانی میں گزرا۔ خورد نوازی جو آج کل بڑی بڑی ہستیوں میں تقریباً مفقود ہوتی جارہی ہے۔ اس میں آپ کی جداگانہ شان ہے۔ آپ کی شفقت و کرم سے جو طالب علم جتنا قریب ہوتا اتنا ہی مانوس ہوتا چلا جاتا۔ اور میں اپنی اس خوش بختی پر جتنا بھی ناز کروں کم ہے کہ میں ان خوش نصیبوں میں ہوں جنھیں زمانہ طالب علمی سے نائب مفتی اعظم ہند، شارح بخاری کی سرپرستی حاصل تھی اور اب تک ہے۔

منھ تک رہا ہوں رحمت پروردگار کا ۔۔۔ اک ذرۂ حقیر پہ یہ بارش کرم

گوناگوں خصوصیات کی حامل آپ کی پوری زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو۔

جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں ۔۔۔ یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم

کے مختصر سے جملے میں سمٹ سکتی ہے اور اگر پھیلا دی جائے تو ایک وسیع دنیا ہے شارح بخاری کی زندگی۔ جن کی زندگی کا ایک لمحہ مذہب و مسلک اہل سنت کی حفاظت کے لئے وقف ہے۔ جن کی زندگی کے شب و روز تبلیغ و ترویج اور اشاعت دین میں گزر رہے ہیں۔ موجودہ دور میں اہل سنت

و جماعت کا سب سے بڑا دار الافتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کو سمجھا جاتا ہے۔ آپ ہی کی ذات سے الجامعۃ الاشرفیہ کے "دار الافتا" کو مرکزیت کا مقام حاصل ہے اور پوری دنیا میں اس کا دینی و علمی وقار تسلیم کیا جاتا ہے۔ جس میں متعدد بلند پایہ مفتیان کرام حضور شارح بخاری کی نگرانی میں شب و روز قوم و ملت کے الجھے ہوئے مسائل کو حل کرنے میں مصروف ہیں۔ اور حضرت کی ذات گرامی مرجع الفتاویٰ کا مقام رکھتی ہے۔ افتا تو آپ کا خاص میدان ہے۔ اس کے علاوہ تقریر و مناظرہ بھی حضور شارح بخاری کا خاص فن ہے۔ ساتھ ہی ساتھ آپ تحریر کے بھی بادشاہ ہیں۔ اشک رواں، تحقیقات، اسلام اور چاند کا سفر، السراج الکامل، اشرف السیر، اثبات ایصال ثواب، مقالات امجدی، سنی دیوبندی اختلاف کا منصفانہ جائزہ حضرت کے قلمی شاہکاروں میں ہیں۔ ان کے علاوہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کے شرح کی حیثیت سے "نزہۃ القاری شرح صحیح بخاری" شارح بخاری کے قلم کا ایک عظیم کارنامہ ہے جسے آپ نے بڑی محنت و عرق ریزی کے ساتھ ساتھ بڑی محبت سے تحریر فرمایا ہے جس میں آپ کو ایک محدث کی حدیث بیانی بھی نظر آئے گی اور ایک فقیہ کی فقاہت بھی۔

ایمانی و روحانی تعلیم کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کا کیف بھی محسوس ہوگا اور جس کے مطالعہ سے پژمردہ قلوب کو زندگی اور بے قرار دلوں کو قرار ملتا ہے۔ اور مطالعہ کرنے والے کو احساس ہوگا کہ حضرت شارح بخاری نے طویل مدت تک محنت شاقہ برداشت کر کے سیرت پاک کے چشمۂ صافی سے خلق خدا کو سیراب کرنے کی کتنی عظیم کوشش کی ہے۔ آپ کے قلم سے نکلے ہوئے جملے خدا معلوم عشق رسول کی کن گہرائیوں سے نکلے ہیں کہ پڑھنے والوں کے دل کی دنیا پر ایک کیف چھا جاتا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو اللہ نے آپ کو علم و عمل، ریاضت و مجاہدہ، عمل پیہم، جہد مسلسل کے ساتھ ساتھ دل کی طہارت سے بھی نوازا ہے۔

علمائے دین میں حضور شارح بخاری کو میں نے جس درد و سوز کے ساتھ دین کی خدمت کرنے کا پیکر مجسم پایا اس کی مثال چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی ملنی مشکل ہے۔ ان کی زندگی عوام تو عوام خواص کے لئے بھی قابل تقلید ہے۔

"بن دیکھے تجھے، دل میں تیری یاد بسی ہے"

عام طور سے کسی عظیم شخصیت کے ماننے والے یا تو اس کے خاص احباب ہوتے ہیں یا اس کے شاگرد و مرید ہوتے ہیں، مگر شارح بخاری کے ماننے والوں کی ایک بھاری تعداد ان عقیدت مندوں کی

ہے جو نہ مرید ہیں نہ شاگرد اور نہ انھیں حلقہ ارادت میں کبھی بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ اور اس سے بڑی بات یہ کہ نہ انھوں نے کبھی شارح بخاری کی زیارت کی۔ مگر حضرت کے علمی کارناموں کی دلکشی نے غائبانہ طور پر ان کے دلوں میں حضرت کی گرویدگی پیدا کر دی ہے۔ حضرت کی مقبولیت کا ایسا ہی واقعہ میری نگاہوں کے سامنے ہے جسے پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ پونہ، مہاراشٹر میں بمبئی کے بعد دوسرا بڑا اور بہت خوبصورت شہر ہے، سرسبز و شاداب اور پُر فضا مقام پر ہونے کی وجہ سے پر کشش بھی ہے اور صفائی ستھرائی کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ قدرت کی بخشی ہوئی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے یہ شہر ملکی و غیر ملکی سیاحوں کا مرکز رہا ہے، گویا۔

ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار

پونہ میں ازدواجی رشتے میں منسلک ہونے کے بعد مجھے شدت سے اس بات کا احساس ستا رہا ہے کہ یہاں ہر مکتب فکر کا کوئی نہ کوئی ادارہ ہے سوائے اہل سنت کے۔ جب کہ علما و مقررین و پیران کرام یہاں سدا سے آتے جاتے رہے ہیں۔ کچھ پیران عظام سے ناچیز راقم الحروف نے عرض کیا کہ یہاں دار العلوم کی ضرورت ہے مگر ان حضرات کے مشاغل نے اس طرف توجہ کا موقع نہیں دیا۔ اور میں ساؤتھ افریقہ آگیا۔ اور میں نے یہ سوچ لیا کہ یہ کام مجھے خود کرنا ہے۔ ۱۹۹۴ء میں پندرہ روز کے لئے انڈیا آیا اور ایک نامکمل بنگلے کو خرید کر اس کی بقیہ تعمیر کو مکمل کر کے بڑی محنت و مشقت کے بعد مدرسہ بنام جامعہ قادریہ شروع کر دیا۔ اور اس کی پوری باگ ڈور اپنے ہمدم دیرینہ مولانا ایاز احمد مصباحی کو سپرد کر کے افریقہ واپس آگیا۔ اب میری دلی تمنا تھی کہ مدرسے ہی کے بہانے حضور شارح بخاری کے قدموں کی برکت سے پونہ فیضیاب ہو۔ کیونکہ قیام جامعہ قادریہ سے قبل تک یہ شہر علمائے بریلی و علمائے مبارکپور کی تشریف آوری سے نہ جانے کیوں محروم رکھا گیا تھا۔

۱۹۹۶ء میں جامعہ قادریہ سے فارغ ہونے والے حفظ و قرأت کے طلبہ کی دستار بندی کے موقع پر ناچیز نے بذریعہ فون حضرت کو دعوت دی۔ اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود حضرت نے میرے ناز کے آبگینے کو ٹوٹنے نہ دیا آپ پونہ پہلی مرتبہ تشریف لائے۔ یوں تو اشتہارات و اشتہارات کے ذریعہ آپ کی آمد کی اطلاع دور دراز کے شہروں تک کی گئی تھی۔ پھر بھی میں سمجھتا تھا کہ اس ماڈرن شہر میں عوام میں کتنے لوگ حضرت کو جانتے ہوں گے۔ زیادہ سے زیادہ علما و ائمہ حضرات ہی حضرت شارح بخاری سے واقف ہوں گے۔ لیکن مجھے سخت تعجب ہوا کہ جب علما کے علاوہ عوامی طور پر قرب وجوار اور دور دراز کے شہروں سے حضرت کے عقیدت مندوں کا قافلہ بغرض ملاقات و زیارت

حاضر ہونے لگا۔ ہندوستان کے جن شہروں کے جلسوں میں حضرت تشریف لے جاتے رہے ان مقامات پر قبول عام کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے لیکن ایک نئے شہر میں حضرت کا نام سن کر ان دیکھے عقیدت مندوں کے ہجوم کا سبب آپ کی ذات کی خداداد مقبولیت کی روشن دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟
﴿ان الذین آمنوا و عملو الصٰلحٰت سیجعل لھم الرحمن وداً﴾ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے۔ اللہ پاک مخلوق کے دلوں میں ان کی محبت پیدا فرماتا ہے۔

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

آپ کے مقدس ہاتھوں فارغین طلبہ کی دستار بندی کی گئی، مدرسہ اور مدرسہ کے جاے وقوع کو دیکھ کر حضرت بہت خوش ہوئے، اپنے مفید مشوروں سے نوازا، بہت ساری دعائیں دیں، اور اپنے حوصلہ افزا تاثرات میں حضرت نے جو لکھا اس کے ایک حصے کا اقتباس یہ ہے:

> پونہ، مہاراشٹر کے تجارتی صنعتی سیاسی ہر حیثیت سے صف اول کے شہروں میں ہے۔ بحمدہ تعالیٰ یہاں مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادی ہے۔ یہاں کے اہل دل و مخیّر حضرات کے دادودہش سے پورا ہندوستان فیضیاب ہو تا رہا ہے۔ یہاں بحمدہ تبارک و تعالیٰ علما و مشائخ اہل سنت کے مریدین، معتقدین کی کافی تعداد ہے۔ مگر حیرت اس پر تھی کہ یہاں کوئی اہل سنت کا تعلیمی ادارہ نہیں۔ میری دیرینہ خواہش تھی کہ یہاں اہل سنت کا کوئی معیاری تعلیمی ادارہ قائم ہو۔ مگر میرا پونہ کے احباب سے کوئی تعلق نہ تھا کہ کسی کو اس کی طرف متوجہ کرتا، مولیٰ عز و جل کا شکر ہے کہ میری یہ دلی آرزو میرے سعید ارشد جناب مولانا حافظ قاری محمد نوشاد عالم مصباحی زیدہ مجدہٗ میں ابھری اور انھوں نے یکہ و تنہا توکلاً علی اللہ جامعہ قادریہ کا عظیم منصوبہ بنایا اور اس کے لئے انھوں نے بہت موزوں اور مناسب مقام پر آناً فاناً عظیم الشان عمارت بھی بنوالی، اور اب میری دیرینہ آرزو جامعہ قادریہ کی حسین و پر شکوہ عمارت کی شکل میں موجود ہے۔ خوش نصیبی ہے کہ جامعہ کی نظامت کے لئے عزیزم مولانا ایاز احمد مصباحی جیسے فعال و متحرک ساتھی بھی مل گئے جو جامعہ کی آئندہ کامیابیوں کے لئے فال حسن ہے۔ میں تمام اہل سنت خصوصاً پونہ کے احباب سے درخواست کروں گا کہ پونہ میں دینی درسگاہ کا قیام ہم پر فرض تھا جسے عزیز سعید مولانا محمد نوشاد عالم سلمہ نے پورا کیا۔ اب اس کی بقا و تحفظ اور منزل مقصود تک پہنچانا آپ لوگوں کا ملی فریضہ ہے۔

مندرجہ بالا عبارت کو پڑھ کر آپ کو مسلک کے اس دردمند دل کا اندازہ ہوا ہوگا جو حضرت کے سینے میں موجود ہے مذہب و ملت کا درد ہر ایک کا حصہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ تو اللہ کی بارگاہ کا خاص عطیہ ہے جسے چاہتا ہے اپنے کرم خاص سے عطا فرمادیتا ہے۔ مذہب و ملت کے فروغ و ارتقاء اور مسلک کی حفاظت کے لئے دینی مدارس قائم کرنے والوں کی حوصلہ افزائی بھی حضور شارح بخاری کی زندگی کا خاص حصہ ہے۔ مذہب کے بقاو استحکام کے لئے جب جب کوئی معاملہ آیا حضرت نے آگے بڑھ کر حصہ لیا یہ میں سنتا تھا، لیکن جگ بیتی اور آپ بیتی میں فرق ہوا کرتا ہے۔ مگر اس حقیقت کے آئینے میں جب حضرت کی عملی تصویر میری نگاہوں کے سامنے آئی تو میں تو بس اس ذات گرامی کے جودو عطا کو دیکھتا ہی رہ گیا۔

رچ بس گیا ہے ذہن میں ناصر کسی کا روپ ۔۔۔ میں کیا کروں گا اب کوئی شہکار دیکھ کر

میری جائے پیدائش، موضع برار، ضلع غازیپور، الحمد للہ اہل سنت والجماعت کے علما و مشائخ کی آمد و رفت کی وجہ سے اب تک پوری آبادی سنیوں کی ہے۔ لیکن قرب و جوار کے علاقہ میں دیوبندیوں وہابیوں کے نئے نئے مدارس قائم ہونے کی وجہ سے لوگ اپنے بچوں کو دینی تعلیم کے لئے وہابیوں کے مدارس میں بھیجنے لگے۔ مجھے فکر ہوئی کہ اگر برار میں مدرسہ قائم نہ کیا گیا تو آبادی میں بھی وہابیت سرایت کر جائے گی۔ اسی کے پیش نظر ۱۶ر اپریل ۱۹۹۹ء کو ایک عظیم الشان جلسہ سنگ بنیاد کا انعقاد کیا گیا (جس میں باستثنا دو یا تین اساتذہ الجامعۃ الاشرفیہ کے جو شاید اس وقت اشرفیہ میں موجود نہ تھے) اس دن الجامعۃ الاشرفیہ کے پورے اسٹاف کا مقدس قافلہ برار میں جلوہ افروز تھا، علاوہ ازیں سیکڑوں طلبائے اشرفیہ بھی شریک ہوئے۔ رسم سنگ بنیاد کا پروگرام جب شروع ہوا تو استاذ گرامی محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے گارا ملایا اور حضور شارح بخاری کو پہلی اینٹ رکھنے کی پیشکش کی۔ وہ منظر قابل دید تھا جب حضور شارح بخاری نعرۂ ہائے تکبیر و رسالت کی گونج میں بنیاد میں اترے اور کرنی کے سہارے گارے کو پھیلا کر اپنے مقدس ہاتھوں سے پہلی اینٹ رکھی اور دیر تک دعا کرتے رہے۔ پھر یکے بعد دیگرے تمام علما و مشائخ نے اینٹ رکھی۔ مدرسوں کے سنگ بنیاد وغیرہ کے موقع پر عموماً چندہ کرنے کی رسم ہوتی ہے۔ وہاں چندہ کرنے کا کوئی پروگرام پہلے نہ تھا۔ لیکن حضرت نے پہلی اینٹ رکھنے کے بعد سب سے پہلے اپنی جیب سے ایک عطیۂ خاص عنایت فرمایا۔ یہ اس قائم

ہونے والے مدرسے کی تاریخ کا سب سے پہلا چندہ تھا جو حضور شارح بخاری نے عنایت فرمایا تھا، حضرت کی اس عطائے خاص کے بعد تمام اساتذہ اشرفیہ و دیگر علمائے کرام نے بھی اپنی طرف سے چندہ عطا فرمایا۔

آج کل عوام کا وہ علما بیزار طبقہ جو یہ کہتا ہے کہ علما صرف چندہ لینا جانتے ہیں، انھیں مدارس اسلامیہ کے قیام اور دینی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے علما کے چندہ عطا کرنے کے اس والہانہ انداز سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔

سکندر لوٹ کر بھی خوش نہیں دولت زمانے کی
قلندر مایۂ ہستی لٹا کر رقص کرتا ہے

شارح بخاری اور محبت اشرفیہ

حضور شارح بخاری دامت برکاتہم العالیہ کی ذات گرامی جہاں علمی اور عملی اعتبار سے بلند قامت، وقیع اور عبقری ہے وہیں اخلاقی اقدار کی عظمت کو بحال کرنے، اور جذبہ خدمت دین اور مذہبی حمیت میں کبھی کبھی ان کی زندگی کا چراغ طوفانی ہواؤں کی زد پر بھی جلتا رہا ہے۔ مگر حضرت کے پائے استقامت میں کبھی لغزش نہیں آئی۔ حضرت شارح بخاری کی عادت کریمہ ہے کہ آپ طلبہ کی فلاح و کامرانی، ان کی اخلاقی نشو و نما، علمی تربیت کا حد درجہ خیال رکھتے ہیں اگرچہ آپ کے پند و نصائح کی قدر و قیمت کا اندازہ زمانۂ طالب علمی کے آزمائشی مگر آزاد دور میں کم ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ طلبہ کا مزاج ہوتا ہے کہ بعض اوقات وہ کسی بھی ناصح کو اپنا مخالف، اور اس کی نصیحتوں کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔ مجھے ۱۹۸۰ء کا وہ زمانہ یاد ہے جسے الجامعۃ الاشرفیہ کے طلبا کی تاریخ کا ایک سیاہ باب کہا جا سکتا ہے۔ جب کچھ طلبہ کی ناتجربہ کاری، عجلت پسندی اور ہمہ دانی کے بیجا تصور نے انھیں غیر آئینی جذبات کی غلط راہ پر لگا دیا تھا۔ جس سے الجامعۃ الاشرفیہ کے آئین و دستور پر آنچ آنے لگی اور جس پر چلنے والے طلبہ کی تعلیمی زندگی کی بربادی اور مستقبل کی تاریکی نظر آنے لگی۔ انھیں طلبہ کی شہ پر ایک ایسا محاذ بنا جو ٹکراؤ سے مسائل کے حل پر یقین رکھتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ طلبہ ایک طرف اور اساتذہ و انتظامیہ ایک طرف ہو کر رہ گئے۔ اور جامعہ میں تعلیم و تعلّم کا سلسلہ کچھ دنوں تک معطل ہو کر رہ گیا۔ اس زمانہ میں حضرت شارح بخاری کی ہمدردانہ کوشش، اور طلبہ کو معتدل کرنے کی مخلصانہ جد و جہد میرے ذہن پر نقش ہے شر پسند طلبہ ہر اس شخص کو خواہ وہ ان کا استاذ ہو یا کوئی بڑی شخصیت یا کوئی ذمہ دار، جو بھی انھیں سمجھانے آتا ان کی بیجا ضد اور بے مقصد عمل سے روکنے کی کوشش کرتا، طلبہ اسے اپنے شور و غوغا کا نشانہ بناتے۔ ایسے حالات میں بھی حافظ ملت کے مشن کی حفاظت، اور

جامعہ کے عظیم ترین مقصد اور طلبہ کے مستقبل کی خاطر آپ نے حیرت انگیز کردار ادا کیا۔ نہ کبھی باد مخالف کی پرواہ کی، اور نہ طلبہ کے پر شور ماحول سے گھبرائے، حالات کی نامساعدت کو آپ نے برداشت کیا، مگر اپنی کوششوں میں کبھی کمی نہ آنے دی۔ ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ طلبا کے سامنے تشریف لائے اور اپنے آنسوؤں اور سسکیوں کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ ادارہ کے مفاد اور اپنے تعلیمی کیریئر کو مد نظر رکھتے ہوئے جو کچھ انتظامیہ کی جانب سے کہا جارہا ہے اس پر عمل کرو۔ طلبہ میں اکثریت انھیں کی تھی جو صرف تعلیمی مقصد لے کر الجامعۃ الاشرفیہ میں اقامت پذیر تھے، اور جنھیں ذہنی طور پر ان چیزوں سے قطعاً دلچسپی نہیں تھی، لہٰذا طلبہ پر آپ کی اس جدو جہد اور مخلصانہ حکم و مشورہ کا بہت اچھا اثر پڑا۔ حضرت شارح بخاری نے اس وقت اپنی عظمت، قدآوری اور بلندی سے بے پرواہ ہو کر صرف طلبہ کی فلاح، مرکز علم و ادب مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ کی عزت و سر بلندی اور دینی حمیت کی خاطر اپنی عزت و وقار کو داؤ پر لگا دیا۔ حالانکہ اگر آپ چاہتے تو ان تلاطم خیزیوں سے اپنے آپ کو دور رکھ سکتے تھے، کیونکہ دستوراً آپ کا شعبہ، تعلیمی شعبے سے بالکل جدا ہے۔ مگر آپ کو یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ حافظ ملت کے چمن میں طوفانی ہوائیں چل رہی ہوں اور آپ خاموش تماشائی بنے رہتے۔ اس لئے آپ نے عزم و ہمت کے ساتھ اپنا اخلاقی فرض بدرجہ اتم پورا فرمایا۔ جو حافظ ملت کے مشن سے سچی محبت کا منھ بولتا ثبوت ہے ۔

ایسا کہاں بہار میں رنگینیوں کا جوش شامل کسی کا خون تمنا ضرور ہے

زبان سے نکلی ہوئی بات سامع کے کانوں تک تو پہنچتی ہے مگر کوئی ضروری نہیں کہ دل تک پہنچے۔ البتہ دل سے نکلی ہوئی بات کا اثر کانوں پہ ہو یا نہ ہو مگر پہ ضرور ہوتا ہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ میں میرے زمانۂ طالب علمی میں ایک ایسا بھی واقعہ گذرا جس سے کچھ طلبہ مایوس نظر آنے لگے۔ ۱۹۸۴ء یا ۱۹۸۵ء میں ادارہ کے ایک سینئر استاذ (جنکی درسی تقریریں مشہور بھی تھیں اور مؤثر بھی) کسی وجہ سے مستعفی ہوگئے۔ ان کے استعفا کا اثر طلبہ پر کافی پڑا۔ ایک ذہنی انتشار تھا۔ تقریباً اکثر طلبہ اسے ایک افسوسناک واقعہ قرار دے رہے تھے۔ اس نازک موقع پر ادارہ کے سربراہ اعلیٰ حضور عزیز ملت نے طلبہ کو عزیزی ہال میں طلب فرمایا اور خود ایک موثر تقریر فرماتے ہوئے طلبہ کے اس خدشے کو دور کرنے کی سعی فرمائی۔ اس کے بعد شارح بخاری نے کھڑے ہو کر الجامعۃ الاشرفیہ کی عظمت، ہمہ گیری اور تعلیمی بلندی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے اس ادارہ میں جب داخلہ لیا تھا تو صرف الجامعۃ الاشرفیہ کی بنیاد پر لیا تھا کسی مدرس یا استاذ یا کسی شخصیت کی قدآوری یا صلاحیت کی بنیاد پر نہیں لیا تھا۔ جامعہ اپنی عظمت شان کے ساتھ ماضی کی طرح مستقبل میں بھی اپنی تعلیمی کار

کردگی پر کوئی حرف نہیں آنے دے گا، آپ مطمئن رہیں، اساتذہ کی آمد و رفت سے اس ادارہ کی تعلیمی مرکزیت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ اس چمن کو حضور حافظ ملت نے اپنے خون جگر سے سینچا ہے اور حضور عزیز ملت نے اس کی آبیاری میں دن رات ایک کئے ہوئے ہیں۔ پھر اکابرین کی دعائیں اس کے ساتھ ہیں۔ بزرگوں کی دعاؤں کے اثرات قیام قیامت تک باقی رہیں گے۔ تقریر جاری رکھتے ہوئے آپ نے پرجوش اور مؤثر لب ولہجہ میں ارشاد فرمایا کہ میں نے ماضی میں بیس بیس کتابیں ایک نشست میں پڑھائی ہیں۔ اگر الجامعۃ الاشرفیہ کی تعلیم و تعلّم کو تنزلی کی طرف جاتے ہوئے دیکھوں گا تو ایک تماشائی بن کر نہیں بیٹھوں گا بلکہ اپنی ضعیفی اور کبر سنی کے باوجود میں خود دس بارہ کتابیں درس گاہ میں بیٹھ کر پڑھاؤں گا اور اس سے میرے افتا کے کاموں پر کوئی اثر بھی نہیں پڑیگا۔ (واضح ہو کہ اس زمانے میں عمومی طور پر ایک استاذ کے پاس چھ کتابیں ہوا کرتی تھیں) حضرت شارح بخاری کی تقریر کا اثر طلبہ پر اتنا اچھا ہوا کہ ذہنی انتشار، اور طلبہ کے لامرکزی میلانات ختم ہوگئے۔ خلوص و محبت اور ملی درد میں ڈوبی ہوئی آواز آپ کے دل سے نکلی تھی اور دلوں پر اثر کرگئی تھی۔ اور ان کے اندر کیا کیا خصوصیات اور خوبیاں ہیں اس کا اندازہ لگانا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں۔

ہم سے جمال یار کی تابندگی نہ پوچھ ہم تو بتانے والوں پہ قربان ہوگئے

اشاعت دین و مذہب اور تبلیغ حق کے لئے اس پیرانہ سالی میں بھی ملک کے دور دراز حصوں کا طویل سفر فرماتے ہیں۔ متوسلین و مریدین و عقیدتمندوں کا حلقہ ہندوستان گیر ہی نہیں بلکہ عالم گیر ہے۔ اس نمونۂ اسلاف، دیوانۂ رسول، کردار کے غازی، جہد مسلسل کی تصویر اور اخلاق حسنہ کے پیکر کے لئے پوری دنیا کے کروڑوں سنی مسلمانوں کے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کا ظل ہمایوں تادیر ہمارے سروں پہ سلامت رکھے۔ آمین.

☆☆☆

مولانا محمد اسلم مصباحی
بنگلور، کرناٹک

شارح بخاری اور مسلک اعلیٰ حضرت کا تحفظ

حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی اپنے معاصرین میں جہاں بہت سی اپنی خوبیوں کی بناء پر ممتاز نظر آتے ہیں وہیں دینی وملی غیرت واحساس بھی ان میں معاصرین سے کہیں زیادہ نظر آتا ہے۔ جب بھی مذہب اہل سنت یا اکابر دین وملت پر کوئی حملہ آور ہوتا ہے تو آپ بے تاب ہو جاتے ہیں اور اس کے دفاع کے لئے اپنی ممکنہ تدبیر ضرور فرماتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ موجودہ دور میں رد دیوبندیت اور وہابیت میں اس وقت اس رتبے کا کوئی عالم نہیں۔

موجودہ زمانے میں مسلک اعلی حضرت کی اشاعت کا جو کام آپ کے خطابات تصنیفات اور فتاویٰ ومقالات کے ذریعہ ہوا اور ہو رہا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ مسلک اعلی حضرت کا نام لینے والے تو بہت سے لوگ نظر آتے ہیں مگر جو خدمات اس سلسلے میں آپ نے انجام دی ہیں اس میں آپ منفرد المثال ہیں۔

جب بھی مذہب اہل سنت یا اکابر دین وملت پر دیوبندیوں، وہابیوں کی جانب سے کوئی اعتراض ہوا تو شارح بخاری خاموش نہ رہے بلکہ دینی حمیت وغیرت کی وجہ سے ایسا دندان شکن جواب دیا کہ سالہا سال گذر گئے مگر صدائے برنخواست۔

۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۱ء میں دفتر بلیغ دار العلوم دیوبند کی طرف سے اس عنوان سے ایک پوسٹر شائع ہوا۔ ”رضاخوانی عقائد باطلہ اپنے اقوال کے آئینے میں“ حضرت شارح بخاری نے ایک سو پچہتر صفحات پر مشتمل ”تحقیقات“ کے نام سے ایک کتاب تحریر فرمائی جو آج تک لاجواب ہے۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وصایا شریف میں ہے ”میرا دین ومذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے“۔

اس پر کئے جانے والے اعتراض کے جواب میں حضرت شارح بخاری قاری طیب صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں یہ قاری صاحب کی اعلی سمجھ کا نتیجہ ہے کہ میرے دین ومذہب کا مطلب میرا ایجاد کردہ دین لیا حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ میرے دین اور میرے مذہب کا مطلب ”میرا اختیار کردہ پسندیدہ مذہب“ ہے۔ کسی عرف کسی لغت میں میرے دین کے معنی ایجاد کردہ نہیں۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے ” الیوم اکملت لکم دینکم. آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔

قبلہ فرمایئے! یہاں تمہارے دین کے معنی کیا ہیں۔ یہاں جو مراد ہے وہی وصایا شریف کی عبارت میں بھی مراد ہے۔
حدیث میں ہے منکر نکیر قبر میں سوال کریں گے "مادینک۔ تیرا دین کیا ہے؟ مومن جواب دے گا میرا دین اسلام ہے۔

قاری طیب صاحب بولیئے! یہاں تیرا دین سے کیا مراد ہے۔ جو مراد یہاں ہے وہی وصایا شریف کی عبارت میں ہے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثم اعتقادی مذہب النعمان" یعنی قیامت کے دن کے لئے جو اندوختہ جمع کیا ہے وہ مذہب نعمان پر میرا اعتقاد ہے۔

بولئے حضرت جی مذہب نعمان کا کیا معنی ہے؟

دیوبندی مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے تذکرۃ الرشید حصہ دوم میں رشید احمد گنگوہی صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ نے کئی مرتبہ یہ الفاظ زبان فیض ترجمان سے فرمائے۔

"سن لو! حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور میں بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں مگر اس زمانے میں ہدایت اور نجات موقوف ہے میری اتباع پر"۔

مسلمانوں کے نزدیک ہدایت اور نجات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع پر موقوف ہے مگر مسلمانوں کے برخلاف دیوبندی مذہب میں ہدایت ونجات گنگوہی کی اتباع پر موقوف ہے۔

بولیئے! اب دیوبندی مذہب آپ کے قبلہ گنگوہی جی کا ایجاد کردہ ہوا کہ نہیں۔

اسی پوسٹر میں ایک اور سوال وجواب پیش کیا ہے "کیا اعلیٰ حضرت بریلوی کا نہ ماننے والا دین حق سے پھرنے والا مرتد ہے۔ جواب میں تحریر ہے "فرقہ رضاخانیت کے ماننے والوں کا یہی عقیدہ ہے ملاحظہ فرمایئے"۔

تم سے کیا وہ دین حق سے پھر گیا
جو پھرا تم سے شہا احمد رضا
دونوں عالم میں اسے کھٹکا نہیں
جو تمہارا ہو گیا احمد رضا

حضرت شارح بخاری رقمطراز ہیں:

ہر جگہ تو مہتمم دیوبند نے حوالہ دیا ہے صحیح یا غلط مگر یہاں کوئی حوالہ نہیں کہ یہ اشعار کس کے ہیں کس نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے بارے میں لکھے ہیں اصولاً ضروری ہے کہ پہلے تصحیح نقل ہولے پھر جواب دیا جائے۔ ہم پر حجت صرف معتمد علماء اہل سنت کے ہی ارشادات ہو سکتے ہیں "ہر کہ ومہ عامی کا قول نہ حجت نہ اس کی تصحیح ہمارے ذمہ! اس لئے جواب کے درجے میں بات یہیں ختم ہو گئی کہ جب حوالہ نہیں تو ہمارے ذمہ جواب ضروری نہیں

جب مہتمم دیوبند یہ بتائیں گے کہ یہ اشعار کس کے ہیں اور ہم یہ دیکھیں گے کہ وہ ہمارا معتمد عالم ہے تو جواب دینا لازم ہوگا۔

لیکن دیوبندیوں کی عادت ہے کہ عاجز آنے کے بعد ڈوبنے والے کی طرح تنکے کا سہارا لیتے ہیں اگر ان اشعار پر کچھ نہ لکھا جائے تو سارے رد کو بھول جائیں گے اور یہی شور مچائیں گے کہ دیکھو اس کا جواب نہیں ہوا اس لئے کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ ایک سچے نائب رسول اپنے وقت کے مجدد اسلام و سنت کی نشر و اشاعت حمایت و نصرت فرمانے والے بدمذہبی بے دینی کفر و ضلالت بدعت و شیطنت کی بیخ کنی کرنے والے تھے جن کے فضل و کمال کی شہادت علماء حرمین طیبین عرب و عجم نے ان الفاظ میں دی۔

''علامہ کامل، استاذ ماہر جو اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کی طرف جہاد و جدال کرتا ہے معرفت کا آفتاب جو ٹھیک دوپہر کو چمکتا ہے، فضائل کا دریا، علما عمائد کی آنکھوں کی ٹھنڈک امام پیشوا، روشن ستارا، وہابیہ کی گردن پر تیغ براں، زمانے کی برکت ہمارا سردار، ہمارا پیشوا، ہمارا مولا، عالم باعمل، یکتائے زمانہ، وہ کیوں نہ ایسے ہوں کہ علما مکہ ان کے لئے ان فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں اگر وہ سب سے بلند مقام پر نہ ہوتا تو علما مکہ اس کی نسبت یہ گواہی نہ دیتے''۔

''بلکہ میں کہتا ہوں اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو بلاشبہ حق و صحیح ہے۔ دین کے اصول و فروع میں ان کی تصانیف محکا ثر ان کی بعض تصانیف کے مطالعہ سے مشرف ہوا تھا جس کے نور سے حق روشن ہوا تو ان کی محبت میرے دل میں جم گئی ہے میں نے وہ کمال ان میں دیکھے جو بیان کی طاقت سے باہر ہے علم کا کوہ بلند، نور کا ستون، معرفتوں کا دریا، ایسے علم والے جن سے فساد بند کئے گئے۔ علم کلام و فقہ و فرائض پر غلبہ کے ساتھ حاوی۔ توفیق الٰہی سے مستحبات و سنن و واجبات فرائض پر محافظت والا۔ ان فتنوں کے زمانے میں دین کو زندہ کرنے والا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وارث علماء مشاہیر کا سردار معزز فاضلوں کا مایہ افتخار۔ دین اسلام کی سعادت ہر کام میں پسندیدہ، صاحب عدل عالم باعمل، آفتاب سعادت، دائرہ علوم کا مرکز مسلمانوں کا یاور، ہدایت یافتہ لوگوں کا نگہبان۔ حجتوں کی تیغ براں، بے دینوں کی زبان کو کاٹنے والا۔ ایمان کے روشن ستون کا بلند کرنے والا، شریعت روشن کا حامی، میری سند، اللہ کا خاص بندہ مخالفین دین کا دفع کرنے والا، عالمان باعمل کا معتمد، فاضلان راسخین کا خلاصہ سب مسلمانوں کو ان کی زندگی سے بہرہ مند فرمائے، اور مجھے

ان کی روش نصیب کرے۔ ان کی روش سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روش ہے جو اللہ کی رسی مضبوط تھامے ہے۔ دین وشریعت کے روشن ستون کا نگہبان، جن کا شکر پورا ادا کرنے سے زبان بلاغت قاصر ہے۔ دریائے ذخار، حق ودین کی مدد کرنے اور بدینوں کی گردنیں قطع کرنے پر قائم، ستودہ، پرہیزگار، ستھرا افاضل، کامل پچھلوں کا معتمد اگلوں کے قدم بہ قدم، فخر اکابر، اللہ اس کے امثال کثیر کرے۔ اور مسلمانوں کو اس کی درازی عمر سے نفع بخشے، جن کا اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نزدیک بڑا اقتدار ہے۔ اللہ کا پسندیدہ بندہ، جسے اس نے خدمت شریعت کی توفیق بخشی، دقیقہ رس عقل دے کر اس کی مدد کی کہ جب کبھی شبہہ کی رات اندھیری ڈالے وہ اپنے آسمان علم سے ایک چودھویں رات کا چاند چمکاتا ہے۔ تمام عالم کے لئے برکت، اگلے کریموں کا بقیہ ویادگار، دنیا سے بے رغبت امام کامل، عابد محبوب، مقبول، پسندیدہ جن کی باتیں اور کام سب ستودہ، ان حافظان شریعت اعلیٰ درجہ کے کامل علماء پر کھنے والوں میں سب سے زیادہ عظمت والوں سے کثیر العلم دریائے عظیم الفہم مرشد محقق، اللہ عزوجل کی پاکیزہ عطاؤں والا فائدہ لینے والوں کا معتمد، مشکلات علوم کا کشادہ کرنے والا۔ (حسام الحرمین وغیرہ)

ان ارشادات کی روشنی میں یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اسلام وسنیت کے حامی وناصر بلکہ محی تھے اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے وہی پھرے گا جسے اسلام ومذہب اہل سنت سے بے زار ہو گا۔ عداوت ہو گی اور اس سے کسے انکار کہ جس دل میں اسلام ومذہب اہل سنت وجماعت سے نفرت وعداوت ہو گی۔ وہ ضرور دین حق سے پھر اہوا ہے۔ مگر مہتمم دیوبند کو اس پر اعتراض کا حق کیا ہے۔ جب کہ ان کے پیران پیر خود اپنے منہ میاں مٹھو بن کر یہ اعلان کر چکے ہیں۔

"سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے۔ اس زمانے میں ہدایت ونجات میرے اتباع پر موقوف ہے" (تذکرۃ الرشید جلد ۲ ص: ۱۷)

اور جب کہ مہتمم دیوبند کے پیر شیخ الہند محمود الحسن صاحب گنگوہی جی کے بارے میں لکھ چکے ہیں:

جدھر کو آپ مائل تھے ادھر ہی حق بھی دائر تھا
میرے آقا میرے مولا تھے حقانی سے حقانی

ہدایت جس نے ڈھونڈھی دوسری جا گہہ ہوا گمراہ
وہ میزاب ہدایت تھے کہوں کیا نص قرآنی
زمانے نے دیا اسلام کو داغ اس کی فرقت کا
کہ تھا داغ غلامی جس کا تمغائے مسلمانی

ناظرین نوٹ کریں۔ کیا کیا دعوے ہیں۔ حق منحصر ہے گنگوہی کی زبان سے نکلتے ہیں ہدایت اور نجات موقوف ہے۔ گنگوہی کی اتباع پر، جدھر گنگوہی مڑتے حق ادھر ہی گھومتا ہے۔ گنگوہی کے علاوہ دوسری جگہ۔ہدایت ڈھونڈنے والا گمراہ ہے۔ خواہ وہ جگہ کوئی ہو۔ مسلمان وہی ہے جو گنگوہی کی غلامی سے داغدار ہو جو اس داغ سے پاک رہے وہ مسلمان نہیں۔ بولیئے! مہتمم صاحب کیا ارشاد ہے؟" اسی طرح دوسرے شعر پر طنز بھی مہتمم دیوبند کی علت روحانی کے ماسوا اور کچھ نہیں۔ چونکہ ان کا عقیدہ ہے۔ تمام اولیا انبیا ذرہ ناچیز سے کمتر ہمارے برابر عاجز و نادان چمار سے زیادہ ذلیل ہیں۔اس لئے محبوبان بارگاہ کی مدح انھیں نہیں بھاتی۔

سنو! اپنے اعتقاد کو اپنے گھر رکھو اور ہم اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ اپنی مشہور و معروف کتاب۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ) میں فراتے ہیں:

واذا کان مشائخ الصوفية يلاحظون اتباعهم ومريديهم فی جميع الاحوال والشدائد فی الدنيا والآخرة فكيف بائمة المذاهب.

جب مشائخ صوفیہ ہر مصیبت و سختی کے وقت اپنے متبعین و مریدین کا دنیا اور آخرت میں خیال رکھتے ہیں تو ائمہ مذاہب کا کیا کہنا۔

نیز یہی امام اپنی دوسری کتاب "لوائح الانوار القدسیہ" میں فرماتے ہیں:

کل من کان متعلقا بنبی او رسول او ولی فلابد ان يحضر ويأخذ بيده فی الشدائد.

ترجمہ: جو کسی نبی یا رسول یا ولی سے متعلق ہو گا ضرور وہ نبی رسول ولی مشکلوں کے وقت تشریف لائیں گے اور اس کی دستگیری فرمائیں گے۔

شارح بخاری اور حرمین پر کافر کی حکومت کا مسئلہ

وہابیوں کے تمام فرقے دیوبندی، غیر مقلد، مودودی جب دلائل سے عاجز آجاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ وہی ہے جو نجدیوں کا ہے اگر ہم کافر تو نجدی بھی کافر اور حدیث میں ہے کہ حرمین طیبین پر کافروں کی حکومت نہیں ہوگی۔ تو اس لئے ثابت کہ نجدی کافر نہیں۔ ہم اور وہ دونوں ہم عقیدہ ہیں اس لئے ہم بھی کافر نہیں۔

اس پر شارح بخاری مفتی شریف الحق صاحب قبلہ مد ظلہ العالی کے گذارشات سنیئے اور وسعت علمی کی داد دیجئے۔

فرماتے ہیں:

اولاً: تمام وہابی دیوبندیوں اور غیر مقلدین، مودودیوں کو عام چیلنج ہے کہ وہ دکھادیں کہ یہ حدیث کہاں ہے کہ حرمین طیبین پر کافروں کی حکومت نہیں ہوگی۔ سارے وہابی مرتے مرجائیں گے مگر یہ حدیث کہیں نہیں دکھا سکتے ہیں یہی دلیل ہے کہ ان گمراہوں کو جب کہیں پناہ نہیں ملتی تو اپنے آپ کو بچانے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھتے ہیں اور انھیں بشارت ہو کہ جھوٹ باندھ کر ان سب نے اپنا ٹھکانا جہنم بنایا۔ مشہور حدیث ہے جسے بہت سے علماء نے متواتر بھی کہا ہے صرف بخاری میں پانچ صحابی سے مروی ہے کہ فرمایا: ''من کذب علی فلیتبوا مقعدہ من النار'' جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

ثانیاً: دیوبندیوں کی عادت ہے کہ وہ اپنے کفری عقائد پر پردہ ڈالنے کے لئے اپنے عوام کو مطمئن کرنے کے لئے مسلسل افترا و بہتان کرتے رہتے ہیں حتی کہ جھوٹی حدیثیں بھی گڑھ کر پھیلاتے ہیں بلکہ کبھی کبھی ایسی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں جو خود ان کے بڑے بوڑھوں کے خلاف ہوتی ہے۔ آیئے ہم بانی دیوبندیت جناب گنگوہی صاحب کی تصریح دکھائیں کہ انھوں نے فرمایا ہے کہ عرب میں کفر و شرک پھیلے گا۔

ایک حدیث ہے:

ان الشیطان قد یئس ان یعبدہ المصلون فی جزیرۃ العرب.

شیطان اس سے مایوس ہو گیا کہ نمازی اسے جزیرۃ العرب میں پوجیں۔

اور مشکوٰۃ ہی میں ایک دوسری حدیث ہے کہ فرمایا:

لاتقوم الساعة حتى تضطرب اليات نساء دوس حول ذى الخلصة وذوالخصلة طاغية دوس التى كانوا يعبدون فى الجاهلية.(مشكوٰة شريف ص: ٤٨١)

قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک دوس کی عورتیں ذوالخلصہ کے گرد ناچ نہ لیں گی ذوالخلصہ قبیلہ دوس کا بت تھا جسے وہ جاہلیت میں پوجتے تھے۔

بظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارض تھا، بانی دیوبندیت گنگوہی صاحب سے سوال ہوا کہ اس کی توجیہ کیا ہے انھوں نے فرمایا:

"شیطان نے جو قوت اسلام اور رسوخ مسلمین دیکھا تو مایوس ہو گیا کہ مسلمون ہرگز شرک نہ کریں گے بلکہ اس سے یاس ہوئی

مصلین یعنی مسلمین سے نہ کہ کفار سے دیکھو حضرت ابلغ البلغاء کے کلام کو کہ مسلمانوں سے یاس شیطانی فرمائی نہ وجود شرک سے اور شیطان کی بقا توقع کفار میں باقی رکھی، اول تو ظاہر ہے یاس کو عدم الوقوع لازم نہیں تو کیا ضرور ہے کہ شیطان کی یاس کو عدم الشرک لازم ہو۔ کمال قوت دیکھ کر مایوس ہوا مگر انجام وہ قوت نہ رہے رفتہ رفتہ وہ نوبت پہنچے کہ فقط کلمہ بھی باپ دادا کے سنے سنائے پڑھیں کوئی نہ جانے کہ کیا چیز ہے۔ جب سائل نے قوت اسلام اور وضوح دلائل اس کے دیکھے تو پوچھا کہ بعد آپ کے ایسا ہی حال رہے گا یا مثل یہودی نصرانی کے آپ کی امت اجابت میں شرک ہو جائے گا تو حضرت نے فرمایا کہ شرک جلی تو نہ ہو گا البتہ خفی آجاوے گا اور جو شخص مرتد ہوا اجابت کی شان سے نکل گیا۔ اور جب ریح چلے گی تو اس سے سب مسلمان مر جاویں گے۔ اس کے بعد بت پرستی عرب میں شروع ہووے گی۔ تو وہ لوگ بھی امت اجابت نہیں، ہاں امت دعوت ہیں کہ سوال سے خارج ہیں۔ ہاں اہل ہواء کا خدشہ رہا سو یا بطور محدثین کافر کہو یا بطور متکلمین فاسق۔ تذکرۃ الرشید حصہ اول ص: ۱۶۰ تا ۱۶۱)

ناظرین غور کریں گنگوہی صاحب نے بڑی صفائی کے ساتھ قبول کر لیا کہ اس حدیث میں یہ ہے کہ شیطان مایوس ہو گیا، مگر اس سے لازم نہیں آتا کہ عرب میں شرک واقع نہ ہو پھر بعد میں تصریح کر دی کہ ایک وقت آئے گا کہ عرب میں بت پرستی پھیلے گی اور بدمذہب عرب میں بھی پیدا ہوں گے۔

ثالثا: یہ کہنا کہ حرمین طیبین پر کافر کی حکومت نہ ہو گی واقع کے خلاف ہے سب کو معلوم ہے کہ حرمین طیبین پر یزید کی حکومت تھی جب کہ یزید کو امام احمد بن حنبل اور دوسرے بہت سے ائمہ وعلماء نے کافر کہا ہے اگر چہ ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے میں سکوت فرمایا شرح

فقہ اکبر میں ہے:

قال ابن همام فاختلف فی اکفار یزید قیل نعم یعنی لما روی عنه ما یدل علی کفره من تحلیل الخمر من تفوهه بعد قتل الحسین واصحابه انی جازیتهم بما فعلوا باشیاخ قریش وصناد یدهم فی بدر وامثال ذالك ولعله وجهه ما قال الامام احمد بتکفیره لما ثبت عنده نقل وقیل لا اذلم یثبت لنا تقریره عنه تلك الاسباب الموجبة ای لکفره وحقیقة الامر التوقف فیه. (ص: ۸۸)

امام ابن ہمام نے کہا یزید کو کافر کہنے میں اختلاف کیا گیا ایک قول یہ ہے کہ وہ کافر ہے کیوں کہ اس سے وہ باتیں مروی ہیں جو اس کے کفر پر دلالت کرتی ہیں مثلاً شراب کو حلال جاننا اور حضرت امام حسین اور ان کے ساتھیوں کے قتل کے بعد اس کا یہ بکنا کہ میں نے اس کا بدلہ لے لیا جو ان لوگوں نے قریش کے سرداروں کے ساتھ بدر میں کیا تھا اور اس کے مثل اور بھی باتیں ہیں۔ امام احمد نے جو اس کو کافر کہا شاید اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے نزدیک اس کا ثبوت شرعی ہو اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ ہمارے نزدیک وہ اسباب جو کفر کو واجب کرنے والے ہیں ثابت نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے بارے میں توقف کیا جائے۔

یزید کے بارے میں یہی فتویٰ بانی دیوبندیت گنگوہی صاحب کا بھی ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص:۴۹)

رابعاً: تاریخ کی کتابیں اٹھا کر دیکھئے مصر کے عبیدی فاطمی بدترین قسم کے رافضی تھے۔ ان کی حکومت بھی تقریباً دو صدی تک حرمین طیبین پر رہی۔ ان خبثاء میں حاکم بامر اللہ سب سے بدتر تھا اس نے یہ حکم دیا کہ جب خطبے میں میرا نام لیا جائے تو سب لوگ صف بستہ کھڑے ہو جائیں اس نے یہ حکم سارے ممالک میں دیا تھا حتی کہ حرمین شریفین میں بھی اس کی خرد ماغی یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ فرعون کی طرح خدائی کا دعویٰ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اب سارے وہابی مل کر بتائیں کہ اگر ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ حرمین طیبین پر کسی کافر کی حکومت نہیں ہو سکتی تو عبیدی خبثا کی تقریباً دو صدی تک کیسے حکومت رہی۔

خامسا: کیا قرامطہ بھی وہابیوں کے ہم مذہب تھے۔ اور ان کے زعم میں مسلمان جنہوں نے مکہ معظمہ فتح کیا کعبہ شریف سے حجر اسود اکھاڑ لے گئے بائیس سال تک کعبہ بغیر حجر اسود کے رہا۔ (البدایۃ النہایہ جلد ۱۱ ص:۱۶۱)

سادسا: بخاری وغیرہ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

یخرب الکعبة ذو السویقتین من الحبشة. چھوٹی چھوٹی پتلی پتلی پنڈلیوں والا حبشی کعبہ کو برباد کرے گا۔ (جلد اول ص:۲۱۶)

بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گویا ٹانگیں پھیلا کر چلنے والے اس کالے حبشی کو دیکھ رہا ہوں جو کعبے کے ایک ایک پتھر کو اکھاڑ لے گا۔ (جلد اول ص:۲۱۷)

سابعاً: غالباً یہ حبشی بھی وہابی ہوگا جو وہابی مذہب کے مطابق ٹاٹن مسلمان ہوگا۔ ان ابحاث سے ہٹ کر ہم کو یہ تحقیق کرنا ہے کہ نجدیوں کے عقائد کیا ہیں؟ دیوبندی جماعت کے شیخ الاسلام ٹانڈوی صاحب اپنے مشہور گالی نامہ ''الشہاب الثاقب'' میں لکھتے ہیں:

''صاحبو! محمد بن عبدالوہاب چونکہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا اہل سنت والجماعت سے قتل و قتال کیا ان کو بالجبر اپنے خیال کی تکلیف دیتا رہا ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھتا رہا ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکلیف شاقہ پہنچائیں۔ سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے بہت سے لوگوں کو بوجہ اس تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا۔ اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ الحاصل وہ ایک ظالم و باغی خونخوار فاسق شخص تھا۔ اسی وجہ سے اہل عرب کو خصوصاً اس کے اور اس کے اتباع سے دلی بغض تھا اور ہے۔ اور اس قدر ہے کہ اتنا قوم یہود سے ہے نہ قوم نصاریٰ سے نہ قوم مجوس سے نہ قوم ہنود سے۔ غرض کہ وجوہات مذکورۃ الصدر کی وجہ سے ان کو اس کے طائفہ سے اعلیٰ درجہ کی عداوت ہے اور بے شک جب اس نے ایسی ایسی تکالیف دی ہیں تو ضرور ہونا بھی چاہیئے کہ وہ لوگ یہود و نصاریٰ سے اس قدر رنج و عداوت نہیں رکھتے کہ جتنی وہابیت سے رکھتے ہیں۔ (ص:۴۳)

دیوبندیو! اپنے شیخ الاسلام کے ارشادات عالیہ بغور سنو انھوں نے ابن عبدالوہاب نجدی کے بارے میں کیا کیا لکھا ہے۔ وہ خیالات باطلہ رکھتا تھا، عقائد فاسدہ رکھتا تھا۔ اہل سنت و جماعت کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا تھا۔ ان کے اموال کو مال غنیمت جانتا تھا اہل حجاز خصوصاً اہل حرمین کو اس نے تکلیف شاقہ پہنچائیں جس کی تاب نہ لا کر بہت سے لوگوں کو مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا۔ سلف صالحین اور ان کے متبعین کی شان میں گستاخ تھا وہ بالجبر لوگوں کو اپنے مذہب میں لانے کی کوشش کرتا تھا۔ اس نے ہزاروں مسلمانوں کو شہید کرایا اہل عرب اس سے اتنا بغض رکھتے ہیں کہ اتنا بغض نہ یہود سے رکھتے ہیں نہ نصاریٰ سے نہ مجوس سے نہ ہنود سے۔

اب چند سوالات پیدا ہوگئے ہیں کہ ابن عبدالوہاب نجدی جو عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس کی رو سے وہ کافر تھا یا

مسلمان؟ دیوبندی شیخ الاسلام صاحب نے تصریح کی ہے کہ وہ مسلمانوں کے قتل کرنے کو باعث ثواب ورحمت شمار کرتا تھا اس سے لازم کہ مسلمانوں کے قتل کو حلال جانتا تھا۔ اور اس پر اجماع ہے کہ مسلمان کے قتل کو حلال جاننا کفر ہے، جب کہ وہ مسلمان باغی، ڈاکو، قاتل نہ ہو، بخاری ومسلم وغیرہ میں ہے:

سباب المسلم فسوق وقتاله كفر۔ مسلمانوں کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔
(بخاری جلد ا ص: ۱۲، مسلم جلد ا ص: ۵۸)

اس کی شرح میں تمام علماء نے بالاتفاق یہ لکھا کہ اگر مسلمان کے قتال کو حلال جان کر قتال کیا تو کافر ہے۔ علامہ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

اما قتاله بغير حق فلايكفر به عند اهل الحق كفرا يخرج به عن الملة الا اذا استحله. مسلمان سے بغیر حق کے قتال کرنے والے کو کافر نہیں کہا جائے گا مگر یہ کہ جب اسے حلال جانے۔ (جلد: اول ص: ۵۸)

اب دیوبندی سوچیں ان کے شیخ الاسلام کے ارشاد سے ثابت ہو گیا کہ نجدی کافر ہیں مگر مزید اور آگے سنئے۔ اسی میں ہے۔

"محمد بن عبد الوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم اور تمام مسلمانان دیار مشرک اور کافر ہیں ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال و جائز بلکہ واجب ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان (غیر مقلد) نے اس کے ترجمہ میں ان دونوں باتوں کی تصریح کی ہے۔ (الشہاب الثاقب ص: ۴۵)

اس پر توامت کا اجماع ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو کافر کہنا تو بڑی بات ہے کسی ایک مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر، اور یہ خود حدیث میں مذکور ہے بخاری ومسلم وغیرہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ايما امرئى قال لاخيه كافر فقد باء بهااحدهما ان كان كما قال والا رجعت عليه
(بخاری جلد ۲ ص: ۹۰۱، مسلم جلد ۱ ص: ۵۷)

جو شخص کسی کلمہ گو کو کافر کہے تو ان دونوں میں سے ایک پر یہ بلا ضرور پڑے گی اگر جسے کہا وہ حقیقۃ کافر تھا جب تو خیر ورنہ یہ کلمہ اسی کہنے والے پر پلٹے گا۔

جب ایک مسلمان کو کافر کہنے والا کافر ہے تو سارے جہاں کے مسلمانوں کو کافر کہنے والا نجدی تھوک کے حساب سے کافر ہے۔

دیوبندیوں کے یہی مایہ ناز بزرگ لکھتے ہیں:

"شان نبوت وحضرت رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں وہابیہ نہایت گستاخی کے کلمات استعمال کرتے

ہیں اور اپنے آپ کو مماثل ذات سرور کائنات خیال کرتے ہیں اور نہایت تھوڑی سی فضیلت زمان تبلیغ کی مانتے ہیں"۔ (اشہاب الثاقب ص:۴۷)

اب مسلمان سوچیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں نہایت گستاخی کرنے والے بھی اگر مسلمان ہیں تو پھر دنیا میں کافر کون ہوگا؟ معمولی پڑھا لکھا مسلمان بھی جانتا ہے کہ کسی نبی کی شان میں معمولی گستاخی کرنے والا یقیناً قطعاً کافر و مرتد ہے۔ لیکن چونکہ وہابیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخی کرنا کوئی جرم نہیں کیونکہ ان کے مذہب میں یہ جرم ہوتا تو خود گستاخی نہ کرتے اس لئے سارے وہابی شان نبوت و رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے نہایت گستاخ نجدیوں کو مسلمان مانتے ہیں۔ مسلمان ہی نہیں اپنی تقریروں میں تو ان کو اللہ عزوجل کا محبوب مانتے ہیں۔

ثامناً: آپ لوگ کہتے ہو کہ حرمین طیبین پر کافروں کی حکومت نہیں ہوگی آپ لوگوں کے اس کہنے سے لازم آیا کہ ہم اہل سنت و جماعت حق پر ہیں۔ اس لئے کہ ترکیوں کی حکومت حرمین طیبین پر تقریباً ڈھائی سو سال تک رہی اور ترکی عقیدے اور عمل میں ہمارے ساتھ ہیں جس کی دلیل حسام الحرمین اور الدولۃ المکیۃ کے علاوہ انوار ساطعہ اور تقدیس الوکیل عن توہین الخلیل والرشید پر اس وقت کے دونوں حرم کے چاروں مذہب کے مفتیان کرام اور چاروں مصلوں کے ائمہ اور دوسرے علمائے کرام کی تصدیقات ہیں اور سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہابیوں کے تینوں فرقوں کے مذہب میں مزارات پر گنبد بنانا حرام و گناہ ہے لیکن ترکیوں نے جنت البقیع اور جنت المعلیٰ میں اہم حضرات کے مزارات پر گنبد بنوائے تھے جسے نجدیوں نے ڈھادیا اور ترکی لوگ بہت دھوم دھام سے میلاد شریف کرتے تھے اور مولد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہر سال پابندی سے ۱۲ ربیع الاول شریف شاہانہ اہتمام کے ساتھ میلاد شریف ہوتا تھا جس کا تذکرہ شاہ ولی اللہ صاحب نے فیوض حرمین میں بھی کیا ہے انھوں نے لکھا ہے۔

"۱۲ ربیع الاول شریف کی رات میں اس مقدس مکان میں جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے مجلس میلاد شریف منعقد ہوئی۔ میں اس میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ آسمان سے انوار اتر رہے ہیں۔ میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ انوار فرشتوں کے تھے"۔

ترکی بزرگان دین کے تصرف کے قائل تھے اور ان سے بوقت حاجت استعانت کرتے تھے اور آج بھی ترکی وہابیوں نجدیوں کا شدومد کے ساتھ رد کرتے ہیں حتی کہ وہ لوگ کتابیں چھاپ کر مفت پوری دنیا میں بانٹتے ہیں اس لئے وہابیوں دیوبندیوں کے عقیدے کے مطابق ترک بھی مشرک تھے۔

مگر جب کہ وہابیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حرمین طیبین پر کافروں مشرکوں کی حکومت نہیں ہوگی لیکن جب کہ حرمین طیبین پر ترکوں کی ڈھائی سو سال تک حکومت رہی تو ثابت ہوا کہ ترکی کافر اور مشرک نہیں تھے۔ اسی سے ثابت ہو گیا کہ مزارات پر قبہ بنوانا بزرگان دین سے استعانت کرنا میلاد اور قیام کرنا فاتحہ اور عرس کرنا نہ شرک ہے نہ کفر، نہ بدعت ہے نہ حرام بلکہ جائز و مستحسن ہے۔

اب آیئے چند غیر جانبدارانہ شہادتیں نجدیوں کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں مولانا ابوالحسن زید صاحب فاروقی دہلوی مقامات خیر میں لکھتے ہیں۔

"حجاز مقدس پر نجدیوں کے تصرف کا تیسرا سال تھا ان لوگوں میں نہ علم ہے اور نہ تہذیب، محمد بن عبدالوہاب کو یہ لوگ مانتے ہیں جو کچھ اس نے کہہ دیا ہے وہ بمنزلہ منزل من اللہ ہے۔ اس کی علمیت کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام عالم کے مسلمان مشرک ہیں اور ان کا قتل جائز ہے نجدیوں نے حجاز مقدس کے مقامات مقدسہ اور مزارات مبارکہ کی جو توہین کی یقیناً وہ شیطانی عمل ہے وہ مبارک مقام جہاں محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ ہوئی تھی اور جہاں خیزراں والدہ ہارون نے ۱۶۰ھ میں مسجد شریف بنوائی تھی کوڑا ڈالنے کی جگہ بنائی گئی۔

نجدیوں کے فتنے سے جناب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا ہے صحیح بخاری شریف میں یہ حدیث شریف ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم اللهم بارك لنا فی شامنا، اللهم بارك لنا فی یمننا، قالوا یا رسول اللہ وفی نجدنا فاظنه قال فی الثالثة هنالك الزلازل والفتن وبها یطلع قرن الشیطان.

(مقامات خیر ص: ۷۷۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ ہمارے شام میں برکت دے اے اللہ ہمارے یمن میں برکت دے، کچھ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اور ہمارے نجد میں، میں گمان کرتا ہوں کہ تیسری مرتبہ میں فرمایا وہاں زلزلے اور فتنے ہیں وہاں سے شیطان کے ساتھی نکلیں گے۔

تاسعاً: اگر اب بھی اطمنان نہ ہو تو اب اخیر میں علمائے دیوبند کا نجدیوں کے بارے میں آخری فیصلہ سنیئے مولوی خلیل احمد انبٹھی نے لکھا۔

"ہمارے نزدیک ان (نجدیوں) کا حکم وہی ہے جو صاحب در مختار نے فرمایا ہے۔ اور خوارج ایک جماعت ہے

شوکت والی جنہوں نے امام پر چڑھائی کی تھی۔ تاویل سے ان کا حکم باغیوں کا ہے۔اور علامہ شامی نے اس کے حاشئے میں فرمایا ہے۔ جیسا کہ ہمارے زمانے میں عبد الوہاب کے تابعین سے سرزد ہوا کہ نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر متغلب ہوئے اپنے کو حنبلی مذہب بتاتے تھے مگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے عقیدے کے خلاف ہو وہ مشرک ہے اور اسی بناء پر انھوں نے اہل سنت اور علمائے اہل سنت کا قتل مباح سمجھ رکھا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑ دی (المہند ص:۱۸)

اس کتاب پر اس وقت کے تقریبا تمام علمائے دیوبند کی تصدیقات ہیں۔ مثلاً تھانوی صاحب، مولوی محمود الحسن، مفتی عزیز الرحمٰن، مفتی کفایت اللہ وغیرہ وغیرہ۔

دیکھئے صاف تصریح ہے کہ نجدیوں کا حکم وہی ہے جو خوارج کا ہے اور خارجیوں کے گمراہ بددین ہونے پر اہل سنت کا اتفاق ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ دیوبندی علما کا اس پر اتفاق ہے کہ نجدی اہل سنت سے خارج ضال مضل گمراہ بددین ہیں۔

دیوبندیو! اہل سنت کی نہیں سنتے نہیں مانتے تو اپنی جماعت کے اجماعی فیصلہ پر تو ایمان لاؤ۔

دیکھو اسے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

حضرت شارح بخاری کی ہمیشہ سے یہ خصوصیت رہی کہ آپ نے دو طرح کے جوابات تحریر فرمائے ہیں ایک تحقیقی دوسرا الزامی۔

تحقیقی جواب تو اپنے برادران اہل سنت کے اطمینان خاطر کے لئے ہوتا ہے اور الزامی جواب جو خاص طور سے بد مذہبوں کے لئے تاکہ ہمیشہ کے لئے ان کے فتنوں کا سدباب ہو جائے اور انھیں مجال دم زدن نہ رہ جائے اس کی ایک نظیر ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

مثلاً مشہور پھکڑ باز دیوبندی مولوی محمد طاہر گیاوی نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے خلاف زہر افشانی کی تھی اسی کارد کرتے ہوئے حضرت موصوف رقم طراز ہیں۔

دیوبندیوں کی خاص عبادت: مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے گناہ صغیرہ کی مثال میں تحریر فرمایا تھا۔ جیسے اجنبیہ کا بوسہ لینا، اس پر گیوال جی نے خوب خوب لن ترانیاں کی ہیں اور مٹک مٹک کر تھرک تھرک کر اور بھاؤ بتا بتا کر اپنے سارے کرتب دکھائے ہیں۔ ناظرین آئیں ہم انھیں دکھائیں کہ احادیث میں بھی یہی مثالیں مذکور ہیں۔ در منثور میں ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا "الا اللمم" سے کیا مراد ہے تو فرمایا یہ (اجنبیہ) کی طرف دیکھنا ہے اس کی چٹکی لینا ہے اس کا بوسہ لینا ہے اور اپنے جسم کو اس سے چپکانا ہے۔

گیوال جی میں ہمت ہے تو جس طرح اعلیٰ حضرت قدس سرہ پر تبرابازیاں کی ہیں پھبتیاں کسی ہیں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی کریں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تخصیص نہیں سارے مفسرین نے قریب قریب یہی مثالیں دی ہیں۔ گیوال جی نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ پر جو پھبتیاں کسی ہیں وہ حقیقت میں تمام مفسرین کرام اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہیں۔ لیکن دیوبندیوں کو اس کی کیا پرواہ، دیوبندی مذہب کی بنیاد ہی اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین پر ہے۔ دیوبندیوں کے دماغ کے ڈھیلے اسکرو کو ٹائٹ کرنے کے لئے ان کے گھر کی سیر کراتے ہیں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ شیطان لعین کے علم کو وسیع مانتے ہو اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا علم غیب ہر کس وناکس ہر زید عمرو بکر، ہر بچے پاگل اور ہر جانور چوپایے، گدھے، کتے، کھٹمل، مکھی پسو کو حاصل مانتے ہو تو تم سے کیا بعید کہ ایک عالم

تبحر کو جو جی میں آئے کہہ ڈالو آخر تمہارے گنگوہی جی نے علمائے حرمین طیبین کو براہین قاطعہ میں جو جی میں آیا ہے لکھ مارا ہے چونکہ تمہارے سامنے قرآن کی آیت پڑھی جائے تو بھی اینٹھتے ہو حدیثیں پڑھی جائیں تو خرمستی کرتے ہو ہاں جب تمہارے مولویوں کا کوئی افسوں سنایا جاتا ہے تو گھر میں بھاگتے ہو۔ آؤ! تمہارے بہت بڑے، بھاری بھرکم ہمالیہ سے بھی اونچے شیخ التفسیر کی ایک عبارت کا پتہ بتاؤں جس سے تمہاری طبیعت ہری ہو جائے۔

سنو! شبیر احمد عثمانی صاحب نے محمود الحسن صاحب کے ترجمے پر جو تفسیر لکھی ہے اس میں سورۂ نساء کی آیت کریمہ ''ان تجتنبوا کبائر ماتنهون عنه کے تحت لکھا ہے:

''سو فعل زنا میں آنکھ کا حصہ تو دیکھنا ہے اور زبان کا حصہ یہ ہے کہ اس سے وہ باتیں کی جائیں جو فعل زنا کی مقدمات اور اسباب ہوں۔ اور نفس کا حصہ یہ ہے کہ زنا کی تمنا اور اس کی خواہش کرے۔ لیکن فعل زنا کا توقف اور اس کا بطلان در اصل فرج یعنی شرمگاہ پر موقوف ہے۔ یعنی اگر فرج سے زنا کا صدور ہو گیا تو آنکھ، زبان، دل سب کا زانی ہونا متحقق ہو گیا۔ اور اگر باوجود تحصیل جملہ اسباب و ذرائع صرف فعل فرج کا تحقق نہیں ہوا بلکہ زنا سے توبہ اور اجتناب نصیب ہو گیا۔ تو اب تمام وسائل زنا جو کہ فی نفسہ مباح تھے فقط زنا کی تبعیت کی باعث گناہ قرار دیئے گئے تھے۔ وہ سب کے سب لائق مغفرت ہو گئے یعنی ان کا زنا ہونا باطل ہو گیا اور گویا اس کا قلب ماہیت ہو کر بجائے زنا عبادت بن گئی کیونکہ فی نفسہ تو وہ افعال نہ معصیت تھے نہ عبادت بلکہ مباح تھے۔ صرف اس وجہ سے کہ ''زنا کے لئے وسیلہ بنتے تھے معصیت میں داخل ہو گئے۔ جب زنا کے لئے وسیلہ نہ رہے بلکہ زنا ہی بوجہ اجتناب معدوم ہو چکا تو اب ان وسائل کا زنا کے ذیل میں شمار ہونا اور ان کو معصیت قرار دینا انصاف کے صریح مخالف ہے۔

دیوبندیو! تمہارے شیخ التفسیر صاحب نے کتنی عمدہ مزیدار عبادت ایجاد کر دی ہے۔ طوائف کے کوٹھے پر چلے جاؤ اسے خوب دیکھو اس سے خوب باتیں کرو۔ ہنسی مذاق کرو، مول بھاؤ، ہاتھاپائی کرو۔ بوس و کنار کرو، مگر زنا نہ کرو۔ اور توبہ کر لو تو رنڈی کا دیکھنا بھی عبادت ہے اس سے باتیں کرنا بھی عبادت ہے، اس سے چھیڑ خوانی کرنا بھی عبادت، اس سے بوس و کنار بھی عبادت پھر رنڈی ہی کی تخصیص نہیں کسی مرد کے ساتھ بھی معاملہ اور دخول نہ ہو اور توبہ کر لے تو سب عبادت ہو جائے گا۔ غالباً اسی عبادت کو ادا کرنے کے لئے گنگوہ کی بھری خانقاہ میں اپنے رفیق جانی نانوتوی صاحب کو چارپائی پر چت لٹا کر گنگوہی جی ان کی چھاتی کو دبایا کرتے تھے۔

دیوبندیو! لو تمہارے شیخ التفسیر صاحب نے قرآن مجید کی تفسیر میں ان سب باتوں کو لکھ کر اور گنگوہی صاحب نے اس کو برت کر تمہارے لئے عیاشی کا سامان مہیا کر دیا اور ساری عیاشی کو عبادت قرار دے دیا۔ توبہ سے گناہ تو معاف ہو جاتے ہیں مگر گناہ عبادت نہیں ہو تا پھر سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ شیخ التفسیر صاحب صاف صاف تحریر فرماتے ہیں کہ اجنبیہ کو بالقصد گھور گھور کے دیکھنا اس سے زنا کی باتیں کرنا اصل میں معصیت نہیں مباح

ہیں۔ سبحان اللہ! غالباً اسی فارمولے پر عمل کرنے کے لئے مالدار طبقہ دیوبندی ہو جاتا ہے کہ چلو رات بھر رنڈی کے کوٹھے پر رہیں گے اسے جی بھر کر دیکھیں گے مگر زنا نہیں کریں گے صبح کو توبہ کرلیں گے ساری رات عبادت میں بسر ہوگی یا کم از کم ایک جائز کام میں بسر ہوگی اس الٹی کھوپڑی کا کوئی علاج ہے کہ یہ چیزیں زنا کی تبعیت سے گناہ ہیں معصیت ہیں ورنہ مباح ہیں تو اگر کسی نے زنا نہیں کیا اور بوس وکنار وغیرہ سب کر لیا تو اس نے کوئی گناہ نہیں کیا کہ اسے توبہ کی ضرورت ہو۔اس سے ظاہر ہو گیا کہ توبہ کی قید دھوکہ کی ٹٹی ہے آدمی رنڈی سے زنا کے علاوہ سب کچھ کرلے تو دیوبندی مذہب میں وہ سب عبادت ہے۔ واضح ہو کہ عثمانی صاحب نے ابتداء میں صرف دیکھنے اور بات کرنے اور نفس کی خواہش کو ذکر کیا مگر بعد میں ذرائع مقدمات زنا کہہ کر عام کر دیا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ بوس وکنار بھی زنا کے مقدمات اور ذرائع میں سے ہے۔اس لئے کسی نے طوائف کے ساتھ بوس وکنار کرلیا۔ بلا حائل شرمگاہ کو شرمگاہ سے مس کرلیا اور زنا نہیں کیا تو دیوبندی مذہب میں یہ سب عبادت ہے۔ کہاں ہیں گیوال جی آئیں اور اپنے شیخ التفسیر صاحب کی اپنے مذہب کی بیان کی ہوئی مزیدار عبادت کو دیکھیں۔

مولانا عرش محمد برکاتی
صدر المدرسین مدرسہ ضیاء العلوم قصبہ ادری، ضلع مئو

شارح بخاری کے اوصاف واخلاق

آپ جس وقت دار العلوم ندائے حق جلالپور ضلع فیض آباد یوپی میں شیخ الحدیث تھے اور افتا کی تمام ترذمہ داری بھی آپ کے سپرد تھی۔ انھیں ایام میں مجھے آپ سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ میں نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں اور دورانِ تدریس کچھ مواقع پر حضرت کی خدمت میں رہ کر آپ کی زندگی کے جو مخصوص گوشے اور قابل قدر کارنامے دیکھے ہیں وہ ہدیۂ ناظرین ہیں۔

تدریس : آپ کی تدریس کا انداز زود فہم اور آسان ہوتا۔ کتاب کے معیار اور طلبہ کے ذوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے درس دیتے تھے۔ مشکل مباحث میں متعدد تمثیلات بھی پیش فرماتے تاکہ سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ اور اگر کبھی سبق کچھ پہلے ہو جاتا تو نصیحت فرماتے یا بزرگوں کے حالات پر روشنی ڈالتے۔ ذہین اور باذوق طلبہ سے اکثر درسی سوال فرماتے اور مشکل سوالات میں حل کے لئے کچھ وقت بھی دیتے اگر جواب تسلی بخش نہ ہوتا تو اس کی توضیح فرماتے اور اگر حل نہ ہوتا تو نہایت شفقت سے جواب سمجھاتے اور کتب بینی کا ذوق دلاتے۔ بعد نماز عصر تمام اساتذہ صحن میں ایک جگہ تشریف رکھتے اور مغرب تک مختلف مسائل زیر بحث آتے آپ ان مسائل کا تحقیقی جواب دیتے اور ماخذ کی بھی نشاندہی فرمادیتے۔ شب و روز فرصت کے اوقات میں کتب بینی آپکا مشغلہ ہوتا۔ آپ کے ذاتی حالات پر نظر ڈالنے سے بخوبی واضح ہے کہ آپ ثروت یا خاندانی وجاہت کی وجہ سے جانے پہچانے نہ گئے۔ بلکہ آپ اپنی ذاتی صلاحیت اور علم و فضل کی وجہ سے ایسا مقام حاصل کر چکے ہیں کہ عصر حاضر میں آپ کی نظیر نہیں جیسا کہ ''نزہۃ القاری شرح بخاری'' ''اسلام اور چاند کا سفر'' ''منصفانہ جائزہ'' وغیرہ تصنیفات کے مطالعہ سے اہل علم پر بخوبی واضح ہے۔

علمی مشاغل : آپ کی عمر تقریباً اسی ۸۰ سال ہو چکی ہے۔ ہندوستان کی عظیم مرکزی درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں صدر شعبۂ افتا کے منصب پر فائز ہیں۔ ملک اور بیرون ملک سے استفتا کی کثرت اور دیگر علمی مشاغل میں انہماک قابل رشک ہے۔ نوجوان علما بھی اسوقت اتنی محنت نہیں کرتے ہیں جب کہ حضرت شارح بخاری عمر کی ایسی منزل میں ہیں جس میں انسان کو صرف آرام کی ضرورت ہوتی ہے اور اعضائے انسانی ضعیفی کے سبب ارادہ کی تکمیل میں حائل ہو جاتے ہیں۔ اس عمر میں اتنی محنت و مشقت موجودہ اور آئندہ نسلوں کیلئے نمونہ عمل ہے۔

شانِ استقامت : افتا کی عظیم ذمہ داری کسی اہل ثروت یا خاندانی وجاہت کی پاسداری کی اجازت نہیں دیتی ہے آپ اپنے فرض منصبی پر عمل کرتے ہوئے ہر استفتا کے جواب میں قرآن و حدیث اقوال فقہا کی روشنی میں حکم شرع

بیان فرماتے ہیں۔ دور حاضر میں مسلم معاشرہ اتنا بگڑ چکا ہے کہ تقریباً ہر سائل اپنی مرضی کے مطابق جواب کا خواہاں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض حلقوں میں آپ کو شدید مخالفتوں سے دوچار ہونا پڑا اور فریق بنا کر آپ کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ حقیقت حال کا جائزہ لیا جائے تو ذاتی طور پر آپ کا اس نزاع سے دور کا بھی علاقہ نہیں ہے مگر یہ حادثات آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ لا سکے بلکہ آپ اپنے موقف پر قائم رہے۔

آپ کا یہ معمول رہا ہے کہ کسی بھی نشست میں جب بھی خلاف شرع کوئی بات دیکھتے یا سنتے ہیں تو فوراً منع فرما دیتے ہیں دور حاضر میں جلسوں کی کثرت ہے، اکثر جلسوں میں جدید طرز کے شعرا کی بھرمار ہوتی ہے منبر رسول پر ان کی موجودگی عوام کی دلچسپی کا باعث ہوتی ہے ایک کلام ختم ہوا تو اور کی آواز بلند ہونے لگتی ہے جب کہ بیشتر اشعار بے ربط و ناموزوں ہوتے ہیں صرف چمک، دمک، ترنم سے عوام کو لبھایا جاتا ہے۔ منتظمین جلسہ بھی عوام کے جذبات اور خواہشات کی تکمیل میں اپنی کامیابی تصور کرتے ہیں۔ علما و مشائخ کی منبر پر موجودگی کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حضرت شارح بخاری اراکین جلسہ کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر سختی سے ایسے شعرا کو روک دیتے ہیں۔

خانقاہ مارہرہ مطہرہ سے لگاؤ: خانقاہ مارہرہ مطہرہ ہندوستان کی خانقاہوں میں بڑی پر وقار اور باعظمت بارگاہ ہے حضرت شارح بخاری خانقاہ برکاتیہ اور خانوادۂ برکات کے سچے عاشق اور مخلص مداح ہیں یہی وجہ ہے کہ اہم سے اہم مصروفیت بھی عرس میں حاضری سے کبھی آپ کو روک نہ سکی آپ برابر حاضری دیتے رہے۔ حضرت سید العلما اور حضرت احسن العلما سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں علیہما الرحمۃ والرضوان حضرت پر خصوصی کرم فرماتے تھے۔ ان حضرات نے آپ کے شایانِ شان عزت و توقیر فرما کر عوام و خواص کا مرکز توجہ بنا دیا۔

۱۹۸۶ء سے عرس کی تقریبات میں مارہرہ شریف متعدد بار میں حاضر ہوا حضرت مفتی صاحب قبلہ مدظلہٗ العالی جب مارہرہ شریف تشریف فرما ہوتے تو حضرت احسن العلما فرمایا کرتے تھے کہ مفتی صاحب آگئے اب ہمیں کوئی فکر نہیں ہے یعنی حاصل عرس آگیا جب آپ منبر پر تشریف لاتے تو "برکاتی مفتی" کے نعروں سے آپ کا استقبال کیا جاتا خانقاہ برکاتیہ میں قیام کے دوران آپ کے لئے خصوصی انتظامات اور جملہ سہولیات فراہم ہوتیں۔ اور آج بھی یہی معمول ہے۔ یہ نوازشات صرف آپ کے علمی کمالات کے سبب تھیں۔

صبر و تحمل: علمی مشاغل کی کثرت کی وجہ سے آپ عوام اور خاص کر اہلِ ثروت سے دور رہے۔ آپ کی زندگی بڑی صبر آزما گزری ہے۔ غالباً ۸۲ء میں ایک وقت ایسا بھی آیا ہے کہ گردہ میں پتھری ہو گئی تھی اور بنارس میں گردہ کا آپریشن کرانا تھا۔ مالی کمزوری کے سبب آپ نے کچھ اپنی ذاتی کتابیں فروخت کر کے آپریشن کا انتظام فرمایا وہ کتابیں آج بھی جامعہ عربیہ اظہار العلوم جہانگیر گنج کی لائبریری میں موجود ہیں مگر غیرت و حمیت کے سبب پھر بھی کسی اہل ثروت کے یہاں دریوزہ گری نہیں کی۔ آپ کی تصنیفات کی اشاعت میں برابر دشواریاں لاحق ہوتی رہیں۔ آپ کی

زندگی میں اس قسم کے متعدد حادثے پیش آئے مگر آپ صبر و تحمل اور خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے رہے مولی عزوجل نے آپ کے صبر و تحمل اور علمی خدمات کا صلہ عطا فرمایا۔

تواضع وانکساری : آپ کی خاکساری اور تواضع کی عکاسی اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ بسکھاری کے قریب ایک دیہات کے پروگرام میں تشریف لے گئے۔ وقت سے سواری کا انتظام نہ ہو سکا روڈ سے دو کلو میٹر پیدل چل کر جلسہ میں پہنچے جب لوگوں نے سواری کی معذرت کی تو آپ نے فرمایا اللہ نے قدم سلامت رکھا ہے جو بہترین سواری ہے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد کافی دیر تک لوگ جمع رہے اور اپنی ضرورت کے مسائل دریافت کرتے رہے۔ آپ لوگوں کو سنجیدگی کے ساتھ تشفی بخش جواب عطا فرماتے رہے۔ کافی وقت گذر جانے کے باوجود آپ کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار نہ دیکھے گئے صبح واپسی پر آپ نے فرمایا کہ دیہات میں اسباب سفر کی فراہمی میں دشواری ہوتی ہے اس لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے روڈ دور نہیں ہے تفریح بھی ہو جائے گی یہ فرماتے ہوئے آپ روڈ تک پیدل چل کر پہونچے پھر وہاں سے بذریعہ بس سفر شروع فرمایا۔

حلم و بردباری : آپ کے ضبط و تحمل کا کما حقہ' اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جس وقت صدر العلما حضرت علامہ غلام جیلانی صاحب میرٹھی علیہ الرحمہ اور آپ کے مابین ایک فرعی مسئلہ ''انسان کا چاند پر پہونچنا ممکن ہے یا نہیں'' اختلاف رائے ہوا۔ جب کہ آپ کی رائے جمہور علما کی رائے کے موافق بھی تھی حضرت صدر العلما نے ''صحیح المسلک'' نامی اپنے رسالہ میں بہت ہی تلخ وترش کلمات سے آپ کو نوازا پھر بھی آپ نے بپاس ادب اپنی رائے کے اثبات میں سخت کلامی اور ایسے الفاظ سے جو بار خاطر ہوں گریز فرمایا اور اپنے ضبط و تحمل کا بھرپور مظاہرہ فرمایا۔ صدر العلما کے قول کو ارشاد اور اپنے سوال کو عرض سے تعبیر کیا جیسا کہ ہر سنجیدہ مزاج پر آپ کی محققانہ تصنیف ''اسلام اور چاند کا سفر'' کے ضمیمہ بعنوان ''باادب معروضات'' کے مطالعہ سے واضح ہے۔

دعا ہے کہ پروردگار عالم آپ کا سایہ تا دیر قائم رکھے اور آپ کے فیوض وبرکات سے مجھے اور جملہ اہلسنت کو متمتع فرمائے آمین۔ لائق ستائش ہیں ناشر رضویت محمد سعید نوری صاحب اور رضا اکیڈمی بمبئی کے جملہ عہدیداران جنھوں نے ''جشن تکمیل شرح بخاری'' کا انعقاد کر کے شارح بخاری کی گراں قدر خدمات اور حالات زندگی کو آپ کی زندگی ہی میں صفحہ قرطاس پر لانے کا عزم کیا۔ مولیٰ عزوجل رضا اکیڈمی کی اشاعتی خدمات کو قبول فرما کر فروغ بخشے اور حوادث روزگار سے محفوظ فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔

☆☆☆☆☆

٭مولانا محمد جعفر صادق
استاذ دار العلوم رضویہ ضیاء العلوم ادری، مئو

پاسبان مسلک اعلیٰ حضرت

سب سے پہلے میں رضا اکیڈمی ممبئی کے ارکان کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے وقت کی عظیم المرتبت شخصیت امام المناظرین فقیہ العصر شارح بخاری دام ظلہ العالی کے اعزاز و اکرام اور ان کی عظیم دینی، ملی، تحقیقی اور قومی خدمات سے عوام و خواص کو روشناس کرانے کیلئے ممبئی کی سرزمین پر ایک عظیم الشان "جشن شارح بخاری" کا انعقاد کیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ حضرت کی سوانح حیات اور جملہ مضامین و تصنیفات مطبوعہ، غیر مطبوعہ کو ایک نئے انداز میں منظر عام پر لانے کا اہتمام فرمایا۔ اور ہماری جماعت میں اکابر علما و مشائخ کی حیات میں دینی خدمات سے عوام الناس کو متعارف کرانے کی داغ بیل ڈالی۔

امید ہے کہ اس کانفرنس اور سمینار کی برکتوں سے ہماری جماعت کے ادارے اور تنظیمیں اس نہج سے بھی کام کرنا شروع کردیں گی۔

مشاہیر علما و مشائخ کی طویل فہرست میں سیکڑوں نام آپ کو ایسے ملیں گے۔ جو اپنے آباء و اجداد کی عزت و شہرت کی بدولت اور ان کے وسیع حلقۂ ارادت کے بل بوتے پر شہرت و عظمت کے بادشاہ بن کر ابھرے اور دنیا میں ان کی عظمت کا ڈنکا بج گیا۔ مگر ان پاکباز دینی و ملی خدمات انجام دینے والی ہستیوں کی تعداد بہت مختصر ہے، جنھوں نے گوشہ گمنامی میں جنم لیا اور ان کے گھرانے میں کوئی ایسا نہیں تھا جنکی عزت و شہرت کا چرچا گھر کی چہار دیواری کے باہر رہا ہو۔ مگر وہ اپنی فطری صلاحیتوں، ذاتی محنتوں اور انفرادی خصوصیتوں کی بنیاد پر فضل و کمال کی اتنی اونچی منزل پر پہونچ گئے کہ اونچے اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں سر اٹھا اٹھا کر ان کے مراتب و درجات کی بلندیوں کا حیرت و استعجاب کے ساتھ نظارہ کرنے لگیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں گروہ باکمالوں کی صف میں جگہ پاتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ پہلے گروہ کے فضل و کمال، عزت و شہرت کا دارومدار ان کے آباء و اجداد کی میراث پر ہے۔ اور مؤخر الذکر کے فضل و کمال کی بنیاد ان کی فطری صلاحیتوں ذاتی محنتوں اور ذہنی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اور جس طرح میراث کے مال اور اپنی کمائی کے مال میں بہت بڑا فرق ہے اسی طرح میراثی فضل و کمال اور ذاتی فضل و کمال میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

بلاشبہ شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ دام ظلہ العالی کا فضل و کمال میراثی فضل و کمال نہیں بلکہ خالص ذاتی، فطری فضل و کمال ہے جسے انھوں نے اپنی دلدوز دماغ سوز کاوشوں اور بے پناہ محنتوں و مشقتوں کے بل بوتے پر حاصل کیا ہے۔

مئی ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء میں سیدی حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کے وصال شریف کے بعد جامعہ اشرفیہ کے ارباب حل و عقد نے حافظ ملت علیہ الرحمہ کے علمی خلاء کو محسوس کیا۔ اور آپ کی خدمات حاصل کیں۔ جامعہ اشرفیہ میں شعبۂ افتاء کے آپ صدر منتخب ہوئے۔. دار الافتاء سے آپ کے منسلک ہونے کے بعد جامعہ اشرفیہ کا یہ شعبہ دنیا کا مرجع اعظم بن چکا ہے۔ نہ صرف ہندوستان و پاکستان بلکہ عرب و عجم، ایشیاء، یورپ، امریکہ، افریقہ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ (زادھما اللہ تعالیٰ شرفا) سے بھی سوالات آتے رہتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو کہ خلیفۂ اعلیٰحضرت سیدی حضور صدر الشریعہ مصنف بہار شریعت اور شہزادۂ اعلیٰحضرت سیدی حضور مفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ کا تربیت یافتہ ایک عظیم مفتی و محقق اور ماہر فقیہہ اس شعبہ کی کمان اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے ہے۔

یوں تو شارح بخاری کی حیثیت مجمع الصفات کی ہے۔ تدریسی صلاحیت، فقہی بصیرت تحقیقی تصنیفات و تالیفات، دلائل و براہین سے بھرپور خطابت، میدان مناظرہ میں حاضر جوابی اور مدارس اہل سنت کیساتھ کریمانہ مخلصانہ تعلقات کے علاوہ بہت سی خصوصیات ہیں جس پہ بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے اور امید ہے کہ قلم کاروں نے ہر ایک موضوع پر قلم اٹھایا ہوگا۔ مگر شارح بخاری ایک اور وصف میں معاصرین میں ممتاز و منفرد نظر آتے ہیں وہ ہے "مسلک اعلیٰحضرت کا تحفظ اور اس کی بیباک ترجمانی"

دیوبندیوں، وہابیوں، نجدیوں سے جب اپنے علماء کی کفری عبارتوں کا کوئی معقول جواب نہ بن سکا تو انھوں نے امام اہل سنت اعلیٰحضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات کو سب و شتم گالی، گالی گلوج کا نشانہ بنایا۔ جب گالیوں سے پیٹ نہ بھرا تو جھنجھلا کر نجدی کذابوں نے افتراءات، بہتان تراشیاں اور فرضی عبارتیں گڑھ گڑھ کے علمائے اہلسنت کیطرف منسوب کرنا شروع کر دیا۔ جب اس سے بھی انکی شیطانی خواہشات کی تکمیل نہ ہوئی تو امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیفات پر لغو، بیجا اور مہمل اعتراضات کرنا اپنا شیوہ بنالیا۔ ابتداءً ایسی تحریریں غیر معروف غیر ذمہ دار دیوبندیوں کی طرف سے شائع ہوتی رہیں۔ حسب ضرورت علمائے اہل سنت اس کے جوابات دیتے رہے۔

مگر ربیع الاوّل ۱۳۹۱ھ میں جب دیوبندیوں کی مرکزی درسگاہ دار العلوم دیوبند کے دفتر تبلیغ کی طرف سے ایک اشتہار بنام "رضاخوانی عقائد باطلہ ان کے اقوال کی روشنی میں" شائع ہوا تو شارح بخاری سے نہ رہا گیا اور پورے دلائل و براہین کی ساتھ ۱۳۹۱ھ ہی میں "التحقیقات" کے نام سے ایک ایسا مُسکت منہ توڑ جواب تحریر فرمایا کہ آج تقریباً تیس سال گذرنے کے باوجود کسی دیوبندی وہابی کے بڑے بڑے فتنہ پرور، فتنہ گر اور مناظروں میں جیت

کی ڈینگیں مارنے والے کو ہمت و جرأت نہ ہو سکی کہ اسکا جواب الجواب لکھتا۔ میرے سامنے بہت سے ایسے واقعات ہیں جبکہ جلسوں اور کانفرنسوں میں مسلک اعلیٰحضرت کا مذاق اڑایا گیا۔ قسم قسم کے اعتراضات کئے گئے اس وقت شارح بخاری دام ظلہ العالی نے تن تنہا نہ صرف مُسکت اور دندان شکن جواب دیا بلکہ دلائل و براہین کے ذریعہ مسلک اعلیٰحضرت کی اصطلاح کو صحیح ثابت فرمایا بعض ایسے مواقع آئے کہ مسلک اعلیٰحضرت کے تحفظ و آبیاری کے لئے اپنے جان کی بھی پرواہ نہ کی۔ فتنہ گھر کے اندر کا رہا ہو یا گھر کے باہر کا، مسلک اعلیٰحضرت کی وکالت کے لئے آپ میدان میں نکل آئے، اور دور دور تک کوئی آپ کا شریک و سہیم نظر نہ آیا۔ غیر تو غیر آپ نے اس سلسلے میں کبھی اپنوں کی بھی پرواہ نہیں کی۔ اور پوری دلیری و بہادری شجاعت و ہمت کے ساتھ رضا کا یہ شیر وہابیوں، دیوبندیوں، چکڑالویوں، نجدیوں اور تبلیغیوں سے نبرد آزما رہا۔ یہی نہیں بلکہ ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۸ء میں "منصفانہ جائزہ" لکھ کر دیوبندیت کی تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔ "منصفانہ جائزہ" کے مطالعہ کے بعد کوئی وہابی دیوبندی کسی سنّی کو ان شاء اللہ المولیٰ الرحمٰن اپنے دام تزویر میں نہیں لا سکتا۔ آج امام المناظرین سیدی حضور مجاہد ملت اور تاجدار اہلسنت سیدی حضور مفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ باحیات ہوتے تو شارح بخاری کی پیشانی کو چوم لیتے۔

۱۸، ۱۹/ جون ۱۹۷۸ء میں بجر ڈیہہ بنارس کے وہابی، غیر مقلدین نے اپنے ایک جلسہ میں انبیاء کرام اور اولیاء امت کی شان میں گستاخیاں کیں جواب میں اہلسنت کے سر فروشوں نے ۲۵/۲۶/ جون ۱۹۷۸ء کو ایک جلسہ منعقد کیا جس میں شارح بخاری دام ظلہ العالی نے نہایت مدلل تقریر فرمائی۔ غیر مقلدین کی دریدہ دھنی پر مواخذہ فرمایا ساتھ ہی ان کی گمراہی، گمراہ گری کو بے نقاب کیا اور قرآن پاک و احادیث کی روشنی میں عقائد اہلسنت کی حقانیت کو واضح سے واضح تر فرمایا۔ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والتسلیم و اولیاء عظام کے مراتب جلیلہ اور ان کے تصرفات و اختیارات پر بھرپور دلائل قائم فرمائے۔ دو ہی دن بعد ۲۹/ جون ۱۹۷۸ء کو غیر مقلدین نے پھر جلسہ کیا جسمیں مولوی صفی الرحمٰن مبارکپوری اور مولوی شمس الحق شیخ الحدیث مدرسہ سلفیہ نے اپنی موروثی دریدہ دھنی اور گندہ دھنی کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ بعدہ 'ایک ایسی میٹنگ میں جس میں سنیوں اور وہابیوں کے سر برآوردہ لوگ جمع تھے غیر مقلدین کے سر برآوردہ لوگوں نے سنیوں کو مناظرہ کا چیلنج دے دیا شعبان کا مہینہ سنی مدارس میں سالانہ امتحانات و اجلاس کا سلسلہ بکثرت جاری تھا۔ عین اسوقت میں جب کہ شارح بخاری قسم قسم کی ذمہ داریوں میں مصروف تھے اپنے تمام پروگراموں کو منسوخ کر کے ۷/ شعبان ۹۸ھ مطابق ۱۴/ جولائی ۱۹۷۸ء کو بجر ڈیہہ پہنچ گئے۔ شارح بخاری کا نام سننا تھا کہ دہلی کے غیر مقلدین کے ایک امام اپنی جماعت کے نمائندوں پر چراغ پا ہو گئے اور کہا کہ مناظرہ کیا کرو گے پہلے مسلمان بنو اتنا کہہ کر وہ فوراً غائب ہو گئے مگر مدرسہ سلفیہ کے مدرسین اپنی بے مائیگی اور بے حیائی کا ثبوت دینے کے لئے جمع رہے۔ شرائط مناظرہ و موضوع مناظرہ سے متعلق فریقین کے علماء کے مابین

گفتگو شروع ہوئی۔ شرائط مناظرہ اور موضوع مناظرہ طے کرنا بعض اعتبار سے مناظرہ سے بھی مشکل ہے۔ ۳ ر بجے دن سے ۴ ر بجے صبح تک موضوع مناظرہ پر فریقین کے مابین گفتگو ہوتی رہی وکالت کے فرائض محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب دام ظلہٗ العالی انجام دے رہے تھے غیر مقلدین اپنی موروثی عادت کی بنیاد پر موضوع مناظرہ طے کرنے میں قسم قسم کی پیچیدگیاں پیدا کرتے رہے اور راہ فرار اختیار کرنے کی حتی الامکان کوششیں کرتے رہے ہر موڑ پر مناظرہ منسوخ کرانے کی چالیں چلتے رہے مگر شارح بخاری دام ظلہٗ العالی اپنے تجربات کی روشنی میں ان کی ہر ایک کوشش اور چال کو ناکام بناتے رہے بہت مشکل اور بڑی جدوجہد کے بعد شارح بخاری اور محدث کبیر دام ظلھما کی کوششوں سے موضوع مناظرہ پر فریق مخالف نے دستخط کیا۔ ادھر چند سال سے دیوبندیوں نے گیا کے ایک تکیہ دار کو پال رکھا ہے۔ جسے جھوٹ، دجل، فریب، افترا اور بہتان طرازی میں مہارت تامہ حاصل ہے اپنے اکابرین حسین احمد ٹانڈوی وغیرہ کو بھی اپنے اس وصف میں پیچھے چھوڑ گیا علماء اہلسنّت حضور اعلیٰحضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ پر بیجا الزامات لغو اور مہمل اعتراضات کرنا شروع کیا تو شارح بخاری کی رگ حمیت پھڑک اٹھی ایک دوسری "تحقیقات" دنیا کے سامنے آنے والی ہی تھی کہ شارح بخاری کے تلامذہ نے آگے بڑھ کر "علماء دیوبند علماء اسلام کی نظر میں" اور تعزیرات لکھ کر دیوبندیوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلادیا اور انھیں دن میں تارے نظر آنے لگے۔

مدارس اہلسنّت کے ساتھ شارح بخاری کے کریمانہ تعلقات بھی امتیازی شان کے حامل ہیں آج سے کوئی پینتیس ۳۵ سال قبل قصبہ ادری ضلع مئو کے سنیوں میں اختلاف کی وجہ سے دو ۲ اسلامی مدرسے چلنے لگے۔ قدیم ادارہ ضیاء العلوم اور جدید ادارہ مدرسہ امجدیہ اکابر علماء اہلسنّت کو یہ پسند نہ ہوا کہ اختلاف کی وجہ سے ایک چھوٹی آبادی میں سنیوں کے دو دو ادارے چلیں ہماری جماعت کے مقتدر علماء لوگوں کو سمجھانے اور صلح کے لئے ادری تشریف لاتے رہے مگر لوگوں نے کسی کی ایک نہ مانی۔ بالآخر شارح بخاری دام ظلہٗ العالی اپنے ایک ہمعصر عالم حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی صاحب کے ساتھ ادری تشریف لائے بڑی تگ و دو محنت ومشقت کے بعد یہ اختلاف دور ہوا اور ایک مدرسہ کو بند کرنے پر لوگ راضی ہوگئے۔ ایک اختلاف دور ہونے کے ساتھ ہی دوسرا زبردست اختلاف اس بات پر پیدا ہوا کہ دونوں مدرسوں میں سے کون مدرسہ بند ہو۔ مدرسہ ضیاء العلوم کے حامیین چاہتے تھے کہ امجدیہ بند ہو، مدرسہ امجدیہ کے بانیان چاہتے تھے کہ ضیاء العلوم بند ہو۔ بالآخر فیصل بورڈ نے یہ تجویز رکھی کہ قرعہ اندازی کرلی جائے۔ فریقین اس پر راضی ہوگئے۔ قرعہ ضیاء العلوم کے نام نکلا مدرسہ ضیاء العلوم بحسن وخوبی چلتا رہا۔ ۸۲ء میں ایک بار پھر انتشاری کیفیت پیدا ہوئی مدرسین آتے چلے جاتے ذمہ دار لوگوں نے مدرسین بھیجنا بند کردیا۔ شارح بخاری کو اس سنّی ادارے کی زبوں حالی دیکھ کر انتہائی قلق ہوا۔ مدرسہ ضیاء العلوم میں نہ صرف تعلیمی، تنظیمی صلاحیت

کے مدرسین منتخب فرما کر بلکہ مالی تعاون پیش کر کے اس کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچایا۔ آج بحمدہٖ تعالیٰ حضرت شارح بخاری دام ظلہٗ العالی وحضرت عزیز ملت مد ظلہٗ العالی کی سرپرستی میں جامعہ اشرفیہ کے نصاب کے مطابق عالمیت تک مکمل تعلیم ہو رہی ہے۔ ہر سال علماء و مشائخ کے مقدس ہاتھوں شعبۂ عالمیت سے فارغ شدگان طلبہ کو دستار و سند عالمیت سے بھی نوازا جاتا ہے۔ نہ صرف ضیاء العلوم بلکہ بے شمار مدارس اہلسنت کیساتھ شارح بخاری کی مخلصانہ کریمانہ خدمات جاری ہیں۔ بلاشبہ آپکے اس کارنامے کو دیکھ کر ابوالفیض سیدی حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مدارس اہلسنت کے لئے علماء کا انتخاب اس کے تعلیمی نظام کو درست رکھنا، مدارس کی ضرورت کے مطابق تنظیمی و تدریسی صلاحیت کے مدرسین منتخب کر کے بھیجنا، اور کمیٹی میں پیدا شدہ اختلافات کو دور کرنا حافظ ملت کے خاص اوصاف تھے، اور شارح بخاری اس وصف میں آپ کی سچی اور صحیح یادگار ہیں۔ غرضیکہ شارح بخاری میں سیدی حضور مفتی اعظم ہند کی سی فقہی بصیرت، محدث اعظم پاکستان جیسی تدریسی صلاحیت، حضور مجاہد ملت کیطرح مناظرانہ گرفت اور سیدی حافظ ملت جیسا تنظیمی ملکہ موجود ہے۔ شارح بخاری دام ظلہٗ العالی کی انھیں خوبیوں کو دیکھ کر احسن العلماء تاجدار مسند برکاتیہ حضرت علامہ حافظ سیدی شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود ہوتے تو میں عرض کرتا کہ مفتی صاحب قبلہ (شارح بخاری) کو میں حضرت سیدنا امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی صف میں بٹھاؤں یا حضرت سیدنا امام محمد رضی اللہ عنہ کی صف میں............

تا حشر رہے گا تیری جرأت کا ترانہ — اے مرد خدا اہل محبت کی زمین پر
ایمان کی دنیا پہ عیاں کر کے حقیقت — احسان کیا آپنے کُل اہل جہاں پر

☆☆☆☆☆

مولانا ضیاء الدین رضوی
جامعہ حنفیہ، غوثیہ بجرڈیہہ، بنارس

حضور شارح بخاری کی ہمہ گیر شخصیت

ہر دور ہر قرن، ہر زمانے میں باکمال ہستیاں عالم وجود میں آتی رہتی ہیں جو اپنے عہد کے لئے سرمایۂ افتخار ہوا کرتی ہیں۔ ایسی ہی ایک ہستی شارح بخاری فقیہ عصر نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی شاہ محمد شریف الحق امجدی صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کے نام نامی سے ہمارے درمیان جلوہ فگن ہے۔ جن کی بلند و بالا شخصیت صفحۂ دہر پر مہر و ماہ کی طرح درخشندہ و تابندہ ہے۔ جنکی علمی جلالت کا شہرہ صرف قصبہ گھوسی و مبارک پور اور اس کے اطراف و نواح ہی میں نہیں بلکہ پورے ہندوستان اور غیر ممالک تک پہنچ چکا ہے۔ طالبان علوم نبویہ کیلئے ان کی بارگاہ ایک چشمۂ سیال کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے علمی فیض کا سیل رواں اس راہ کے ہر تشنہ لب کو سیراب کر رہا ہے۔ حضور مفتی صاحب قبلہ جس میدان میں بھی اترے ایک بے مثال شہسوار نظر آئے۔ چاہے وہ درس و تدریس ہو یا تقریر و تصنیف اور اگر گستاخان رسول کا منہ توڑ جواب دینا ہو تو کلک رضا ثابت ہوئے۔

روایت دیرینہ کے مطابق درس و تدریس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ اپنے اپنے ظرف و حوصلے کے مطابق ہر شخص علم کے اس بحر بیکراں سے اپنا حصہ لینے میں مصروف ہے۔ علوم و معارف کے وہ خزانے جو اپنے اساتذہ سے ملے تھے بڑی فیاضی کے ساتھ مستحق باحوصلہ اور لائق تلامذہ کو تقسیم فرما رہے ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، ادب، معانی، بلاغت، منطق، فلسفہ، کا آبشار ہر تشنہ کام کو سیراب کر رہا ہے۔ آپ کے درس و تدریس کا انداز منفرد و جداگانہ ہے۔ اور آپ پیچیدہ اور مغلق مسائل کو اس طرح اور اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ ادنیٰ ذہن کا طالب علم بھی اس کو اچھی طرح سمجھ جاتا ہے۔ مزید بر آں آپ کی تقریر، تدریس فقط مفہوم کی وضاحت پر مبنی نہیں ہوتی ہے بلکہ لطیف حقائق اور باریک حکمتوں کی وضاحت پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں بھی آپ کی تشریف آوری ہوتی ہے تشنگان علوم کا جم غفیر آپ کے گرد جمع ہو کر آپ کی توجہ و عنایت سے چند سال میں علوم کے جام سے اپنی تشنگی کو بجھا کر واپس چلا جاتا ہے۔ اور آج آپ کے تلامذہ میں آپ کی

تعلیم و تربیت سے بڑے چیدہ چیدہ لوگ فارغ التحصیل ہو کر ہند و بیرون ہند میں خدمت دین انجام دے رہے ہیں۔

حضور شارح بخاری نے جس وادی علم و فن میں بھی قدم رکھا ممتاز نظر آئے۔ قرطاس و قلم کی وادی میں بھی دھوم مچائی جو درس و تدریس کے بالمقابل ایک نہایت پر پیچ اور پر خار وادی ہے پھر بھی اس میں مشغول رہ کر ایسا سرمایہ عطا کیا جس سے ایمان پختہ رہ سکے اور لگاتار گلشن ایمان کی آبیاری کرتے چلے جارہے ہیں۔ بلاشبہ حضور شارح بخاری کثیر التصانیف مصنف ہیں۔ آپ کی تصنیف کردہ بعض کتابیں مندرجہ ذیل ہیں۔ مقالات امجدی، سنی دیوبندی اختلافات کا منصفانہ جائزہ، اثبات ایصال ثواب، تحقیقات، اسلام اور چاند کا سفر، اشرف السیر۔

نزھۃ القاری کی نمایاں خصوصیات

بخاری شریف کی شرحیں تو نظروں سے بہت گذریں مگر نزھۃ القاری اپنے انداز میں دلکش اسلوب نگارش میں انوکھی، شکوک و شبہات کے ازالہ میں اعلیٰ درجہ کی اکسیر ہے۔ نمونہ کے طور پر چند احادیث کا خلاصہ شرح ہدیہ ناظرین ہے۔

عن جابر رضى الله تعالى عنه ان النبى ﷺ كان فى غزوة ذات الرقاع فرمى رجل بسهم فنزفه الدم فركع وسجد ومضى فى صلاته.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ ذات الرقاع میں تھے کہ ایک شخص کو تیر مارا گیا ان کو خون نکل گیا اس کے بعد بھی انھوں نے رکوع اور سجدہ کیا اور نماز پڑھتے رہے۔

تشریح

اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوا کہ غیر سبیلین سے جو چیز نکلے وہ ناقض وضو نہیں اور یہی مسلک اصحاب ظواہر اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔ اور یہی حدیث ان کی مستدل بھی ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت نماز پڑھتے رہے۔ انھیں تیر لگا اور خون بہا اگر غیر سبیلین سے نکلی ہوئی چیز ناقض وضو ہوتی تو حضرت عبادہ نماز نہ پڑھتے لیکن احناف کہتے ہیں کہ غیر سبیلین سے بھی کوئی نجس چیز نکلے تو وہ ناقض وضو ہے۔ اور دلیل میں حضرت فاطمہ بنت حبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے پیش کرتے ہیں اس لئے کہ سرکار نے اس میں غیر سبیلین سے نکلنے والی شئ کو بھی ناقض وضو قرار دیا ہے لیکن اب احناف پر دو اعتراض کئے جاتے ہیں

ایک یہ کہ خون نکلنے سے وضو بھی ٹوٹ گیا اور کپڑے بھی ناپاک ہوگئے۔ پھر حضرت عبادہ کیسے نماز پڑھتے رہ گئے۔ اس کا جواب احناف یہ دیتے ہیں۔ اولاً حضرت عبادہ استغراق کی حالت میں تھے۔ نماز میں جو انھیں لذت مل رہی تھی اس نے اس طرف متوجہ نہیں ہونے دیا کہ خون سے کپڑا بدن ناپاک ہوگیا اور وضوٹوٹ گیا۔ استغراق کے عالم میں جو افعال صادر ہوتے ہیں وہ دوسروں کے لئے دلیل نہیں ہوتے۔ ثانیاً اس کا بھی امکان ہے کہ حضرت عبادہ کو اس کا علم نہ رہا ہو کہ خون ناپاک اور ناقض وضو ہے۔

شارح بخاری کی تحقیق

حضرت عبادہ بن صامت نماز پڑھتے رہے آخر اس کی کیا وجہ تھی تو بہت سارے محققین نے اپنی اپنی تحقیق پیش کی ہیں۔ لیکن حضور شارح بخاری نے جو اپنی بے مثال وانوکھی تحقیق پیش فرمائی ہے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ حضرت شارح بخاری فرماتے ہیں کہ:

> حضرت عبادہ کا نماز پڑھتے رہنا اس لئے تھا کہ اس خالص حالت عبودیت میں جو ظلم ہوا ہے اسے دیر تک اس بے نیاز کے حضور پیش کئے رہوں۔ تاکہ اسکی رحمت کی توجہ بیش از بیش ہو اس لئے کہ بندہ سب سے زیادہ اپنے رب کے قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدے میں ہوتا ہے گویا کہ حضرت عبادہ رب کی بارگاہ میں زبان حال سے یہ استدعا کر رہے ہیں کہ حضور اقدس میں قرب خاص میں دشمنوں کا ظلم کرنا صرف میری ہی نہیں بارگاہ قدس کی بھی اہانت ہے اختیار تجھے ہے کہ اب اپنے بارگاہ قدس کی تحقیر کرنے والوں کو ڈھیل دے یا سزا دے۔ جبار وقہار وغیور کے جلال کو جوش میں لانے کا اس سے عمدہ کوئی طریقہ ہو سکتا ہے۔
>
> (ملخص نزہۃ القاری ج۲ ص۲۵۸)

حدیث عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک بار) ان رسول اللہ ﷺ سقط عن فرسہ اپنے گھوڑے سے زمین پر آرہے جس سے آپ کی پنڈلی یا کندھا فجحشت ساقہ او کتفہ وآلی من نسائہ شہرا چھل گیا اور حضور نے قسم کھائی کہ ایک مہینہ تک اپنی ازواج کے پاس فجلس فی مشربۃ لہ درجتہا من جذوع النخل نہیں جاؤں گا اسکے بعد اپنے ایک بالاخانے میں قیام فرمایا جس کے فاتاہ اصحابہ یعودونہ فصلی بہم جالسا وہم زینے کھجور کی لکڑی کے تھے۔ صحابۂ کرام خدمت اقدس میں عیادت

قیام فلما سلم قال انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا واذا رکع فارکعوا واذا سجد فاسجدوا وان صلی قائما فصلوا قیاما ونزل تسعا وعشرین فقالوا یا رسول الله انك آلیت شهراً فقال ان الشهر تسع وعشرون.

کے لئے حاضر ہوئے تو حضور نے انھیں بیٹھے بیٹھے نماز پڑھائی اور صحابۂ کرام کھڑے رہے، سلام پھیرنے کے بعد فرمایا" امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کرو جب تکبیر کہے تو تم لوگ بھی تکبیر کہو جب رکوع کرے تو رکوع کرو جب سجدہ کرے تو سجدہ کرو اور اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو کھڑے ہو کر پڑھو۔ حضور انتیس دن پر نیچے اترے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ نے ایک مہینہ کے لئے قسم کھائی تھی، فرمایا یہ مہینہ انتیس دن کا ہے۔

اس حدیث سے ہمیں صرف بتانا یہ ہے کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو کیا مقتدی بھی بیٹھ ہی کر پڑھے گا یا کھڑے ہو کر اس مسئلے میں ہمارا اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے امام بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے تو مقتدی بیٹھیں گے نہیں بلکہ کھڑے ہو کر پڑھیں گے۔ حالانکہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ "واذا صلیٰ جالساً فصلوا جالساً" یعنی جب امام بیٹھ کر پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ ہی کر پڑھے تو اس کا جواب امام بخاری دیتے ہیں۔

امام بخاری کا جواب

امام بخاری فرماتے ہیں:

حمیدی نے کہا کہ یہ ارشاد پہلے کا ہے یعنی یہ واقعہ ۵ھ کا ہے اور مرض وصال میں حضور اقدس ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور تمام صحابہ کرام کھڑے رہے اس وقت حضور ﷺ نے صحابہ کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور اعتبار آخر فالآخر کا ہوتا ہے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ حدیث منسوخ ہے۔

شبہ

اس حدیث پر شبہ ہوتا ہے کہ مرض وصال والی حدیث میں اضطراب ہے بعض میں یہ ہے کہ امام حضرت صدیق اکبر تھے اور حضور مقتدی، جیسا کہ ترمذی اور نسائی میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے نیز نسائی میں حضرت انس سے بھی یہی مروی ہے اس لئے اس حدیث سے نسخ نہیں ہو سکتا۔

علامہ عینی کا جواب

اس شبہ کا جواب علامہ عینی نے امام بیہقی سے یہ نقل کیا ہے کہ:
مرض وصال میں حضرت صدیق اکبر کو امام بنانے کے بعد دوبار مسجد میں تشریف لائے پہلی بار ہفتہ یا اتوار کو ظہر میں اس میں حضور ﷺ امام تھے اور حضرت صدیق سمیت تمام صحابہ مقتدی تھے دوسری بار ٹھیک وصال کے روز دوشنبہ کے دن نماز فجر میں جب کہ ایک رکعت ہو چکی تھی دوسری رکعت میں شامل ہوئے اس میں حضرت صدیق اکبر امام تھے۔ اور حضور مقتدی تھے روایت یہ ہے یوم وصال پردہ اٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا اور پردہ چھوڑ دیا یہ پہلی رکعت میں ہوا علاوہ ازیں "سقوط عن الفرس" والی حدیث اضطراب سے خالی نہیں بخاری و مسلم دونوں میں ایک روایت یہ ہے کہ "فصلی بنا قاعدا فصلینا وراء ہ قعوداً" حضور نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی ہم لوگوں نے بیٹھ کر نماز پڑھی۔

شارح بخاری کی تحقیق

تو اس جگہ شارح بخاری خود اپنی ذاتی تحقیق پیش فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

"یہ نماز فرض تھی جب تو ان ابحاث کی گنجائش ہے۔ جو شارحین نے یہاں شرح وبسط کے ساتھ تحریر کی ہیں۔ اور اگر نفل تھی تو پھر بحث ہی ختم ہے۔ علامہ قرطبی کی رائے ہے کہ یہ نماز فرض تھی علامہ ابن حجر کا بھی یہی رجحان معلوم ہوتا ہے۔ انکی دلیل یہ ہے کہ ایک روایت میں یہ ہے محضرت الصلوۃ اس کا صریح مفہوم یہ ہے کہ لوگ نماز کے لئے اکٹھے ہوگئے۔ اور جماعت کا وقت ہو گیا۔ جس کی تعبیر ہمارے عرف میں ہوتی ہے کہ جماعت تیار ہے۔ صحابہ کرام صرف فرض ہی کے لئے اکٹھے ہوتے تھے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ یہ نماز فرض تھی۔ علاوہ ازیں ابوداؤد میں تصریح ہے کہ صحابہ کرام نے ان ایام میں دوبار حضور اقدس ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی ایک مرتبہ نفل دوبارہ فرض میں اقتدا کی۔ لیکن اس خادم کی نظر میں امام قاضی عیاض کا قول راجح ہے۔ کہ یہ نماز نفل تھی۔ کیوں کہ ان ایام میں مسجد میں نماز ضرور ہوتی تھی۔ مسجد میں نماز پڑھنا صحابہ نے چھوڑ نہیں دیا تھا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام مسجد میں جماعت سے نماز پڑھ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہوں گے۔ اور

جب دیکھا کہ حضور نماز پڑھ رہے ہیں تو حصول برکت کے لئے بنیت نفل شریک ہوگئے تو اگرچہ حضور فرض پڑھ رہے تھے مگر صحابہ کرام کی نماز نفل تھی۔اور نفلی نماز میں قیام پر قدرت ہوتے ہوئے بیٹھ کر پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔اب حدیث کا مفاد یہ ہوا کہ جب امام کے پیچھے نفل پڑھو اور امام بیٹھا ہو تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔اور ہمارا دوسرے ائمہ سے جو اختلاف ہے وہ فرض کے بارے میں ہے۔اس طرح دونوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔نسخ کے قول کی حاجت نہیں رہی۔

شارح بخاری کی تحقیق

نزھت القاری صفحہ ۳۵۷ پر ایک روایت ابو جہل کے قتل کے سلسلے میں نقل کی ابو جہل کو معوذ بن عفرا اور معاذ بن عمرو بن جموح نے قتل کیا۔

ابو جہل کا نام عمر بن ہشام ہے یہ بنی مخزوم کا سردار تھا۔ جنگ بدر میں یہی سپہ سالار تھا عہد جاہلیت میں اس کی کنیت ابوالحکم تھی حضور ﷺ نے اس کا نام ابو جہل رکھا وہ آج بھی اسی نام سے جانا جاتا ہے اسے اس امت کا فرعون کہا جاتا ہے۔ علامہ قسطلانی نے فرمایا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے فرعون سے بدتر ہے۔اس لئے کہ وہ جب ڈوبنے لگا تو اس کا سارا غرور خاک میں مل گیا اور مرتے مرتے کہہ گیا﴿آمنت انہ لا الہ الاالذی آمنت بہ بنو ااسرائیل وانامن المسلمین﴾ مگر غرغرہ کی حالت میں ایمان معتبر نہیں۔اس لئے رد کر دیا گیا۔

اب شارح بخاری کی تحقیق دیکھئے فرماتے ہیں:

”اس سے ہٹ کر یوں غور کریں یہ دین سارے دینوں سے بہتر اور ہمارے نبی ﷺ سارے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہیں۔ فرعون مصر حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو شہید کرنے اور ان کے دین کو ختم کرنے کے لئے نکلا اور یہ لعین سید الانبیاء ﷺ کو شہید کرنے اور ان کے دین کو ختم کرنے آیا اس لئے اس کا یہ جرم فرعون مصر سے بڑھا ہوا اور فرعون مصر سے بدرجہا بدتر ہے۔ جس طرح یہ کہنا صحیح ہے کہ بدر کے شہدا اور اس کے مجاہدین سارے عالم کے شہدا اور مجاہدین سے افضل ہیں (سوائے انبیاء کرام کے) اس کے بر مقابل یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ بدر کے مقتولین کفار سارے جہان کے مقتول کافروں سے بدتر ہیں“۔ (نزھۃ القاری ج ۶ ص ۳۵۸)

☆☆☆

مولوی محمد صابر علی قادری
جامعہ حنفیہ غوثیہ، بجرڈیہہ، بنارس

شارح بخاری کے دینی کارنامے

آپ برصغیر کی ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں بہت سارے علوم وفنون پر دسترس رکھتے ہیں اور حق بات کہنے اور قبول کرنے میں ذرا بھی جھجھک محسوس نہیں کرتے، بلاخوف وخطر اپنے خیالات کا برملا اظہار کرتے ہیں، ان تمام خوبیوں کے باوجود متواضع و منکسر المزاج اور ایک دلنواز شخصیت کے مالک ہیں۔

برصغیر میں یوں تو بہت سی باکمال شخصیات موجود ہیں مگر جب ایک غیر جانبدار مبصر ان سب کا جائزہ لیتا ہے تو جیسی ہمہ گیر شخصیت حضور شارح بخاری کی نظر آتی ہے ویسی کوئی دوسری شخصیت نظر نہیں آتی ان کو پرکھنے کے لئے ایک ایسے دل کی ضرورت ہے جو سخت دل سخت جان اور سخت گیر نہ ہو جو خدا لگتی کہتا ہو۔

بلاشبہ حضور شارح بخاری کی شخصیت جس طرح دور حاضر کے علمائے کرام و مفتیان عظام کے درمیان منفرد و ممتاز دکھائی دیتی ہے اسی طرح زہد و تقویٰ، عبادت وریاضت خداترسی اور عشق رسول میں خود آپ اپنی مثال ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ عشق رسول کا سبق ایک سچے عاشق رسول سے حاصل کیا ہے جس کو دنیا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے اور زہد و تقویٰ کا درس حضرت صدر الشریعہ اور حافظ ملت علیہما الرحمہ کی مقدس بارگاہوں سے حاصل کیا۔ جنہوں نے دین حق کی اشاعت کی خاطر بہت سے مصائب و آلام کو برداشت کیا اور کفر و الحاد اور بدعملی و بدعقیدگی کی تیز و تند آندھیوں میں ایمان وایقان اور عشق و عرفان کی شمع کو بجھنے نہ دیا۔

بلاشبہ حضور شارح بخاری کا شمار ان عبقری اور نابغۂ روزگار شخصیتوں میں کیا جاتا ہے جن کے عظیم کارنامے کائنات عالم میں آسمان کے تاروں کے مثل درخشندہ و تابندہ ہیں آپ کی ذات و الا درجت مہر و ماہ کی طرح درخشندہ و تابندہ ہے اور آپ کے فضل و کمال کی ضیاپاشیوں سے آج صرف

قصبہ گھوسی یا مبارکپور ہی نہیں بلکہ اطراف ہند اور بہت سے ممالک تابناک وروشن ہیں اور آپ کے مرہون منت ہیں۔

آپ کی دینی، علمی اور عملی خدمات جس وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی ہیں وہ بیان سے بالاتر ہیں لیکن مختصراً آپ کی خدمات میں علم دین کی ترویج واشاعت بنیادی واصولی حیثیت رکھتی ہیں اس لئے کہ حضور شارح بخاری نے اولاً درس وتدریس کا کام انجام دیا آپ کے درس وتدریس کا انداز جداگانہ ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں بھی تشریف لے گئے تشنگان علوم وفنون کا جم غفیر آپ کے گرد جمع ہو کر زانوے تلمذتہ کرتا اور آپ کی خصوصی توجہ وعنایت سے چند ہی سال میں علم کے جام سے اپنی تشنگی بجھا کر چلا جاتا اور آج آپ کے بہت سے تلامذہ فارغ التحصیل ہو کر ہند وبیرون ہند خدمات دین انجام دے رہے ہیں۔

الغرض فقیہ اعظم ہند حضور شارح بخاری نے اپنے آپ خدمت دین کے لئے وقف کر دیا آپ کا مطمح نظر اور مقصد حیات فقط خدمت دین رہا ہے انھوں نے علم وفضل کا ایک ایسا دریا جاری کیا ہے جس سے بھٹکتی ہوئی اقوام قیامت تک سیراب ہوتی رہیں گی اور علمائے کرام کا عظیم گروہ استفادہ کرتا رہے گا۔ حضرت نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جب دیکھا کہ مسلمانوں میں الگ الگ جماعتیں اپنی عقل وقیاس کے ذریعہ قرآن کریم اور حدیث رسول ﷺ کے گمراہ کن تراجم و مطالب بیان کر کے مسلمانوں کے قلوب سے عظمت مصطفےٰ ﷺ نکالنے کی کوشش کر رہی ہیں تو اپنی کمزوری ونقاہت کی پرواہ کئے بغیر تصنیف و تالیف کو اپنا شیوہ بنالیا اور پھر خیر الوریٰ کے پیروکاروں کو اپنی تصانیف کے ذریعہ ایسا سرمایہ عطا کیا ہے جس سے ان کا ایمان محفوظ رہ سکے اور ایک زمانے سے مسلسل چمن علم فن کی آبیاری میں سرگرم عمل ہیں جس کی وجہ سے پرستگان علم ودین ان کے احسانات سے زیربار ہیں۔

نزہۃ القاری، سنی دیوبندی اختلاف کا منصفانہ جائزہ، تحقیقات، اثبات ایصال ثواب، اشرف السیر وغیرہ عظیم الشان اور مستند کتابیں ہمیں عطا فرما کر حق وصداقت کے اس علم بردار نے طلسم باطل کی دھجیاں دلائل کی روشنی میں بکھیر دیں اور یہ ثابت کر دیا کہ یقیناً حق ہمیشہ غالب رہا ہے اور غالب رہے گا، صحیح البخاری کی شرحیں تو بہت لکھی گئیں لیکن جو اہمیت و فضیلت نزہۃ القاری کو حاصل ہے ویسی دوسری شرحوں کو حاصل نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضور شارح بخاری نے اپنی شرح نزہۃ القاری کے اندر بخاری شریف کا ہر ضروری گوشہ اجاگر کر دیا، اور اس شرح میں حدیث کے ترجمہ اور تشریح کے ساتھ ساتھ حیثیت حدیث اور سبب ارشاد اور حدیث میں آئے ہوئے الفاظ کی توضیح وتشریح اور ان

مولوی محمد صابر علی قادری
جامعہ حنفیہ غوثیہ، بجرڈیہہ، بنارس

شارح بخاری کے دینی کارنامے

آپ برصغیر کی ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں بہت سارے علوم وفنون پر دسترس رکھتے ہیں اور حق بات کہنے اور قبول کرنے میں ذرا بھی جھجھک محسوس نہیں کرتے، بلاخوف وخطر اپنے خیالات کا برملا اظہار کرتے ہیں، ان تمام خوبیوں کے باوجود متواضع ومنکسر المزاج اور ایک دلنواز شخصیت کے مالک ہیں۔

برصغیر میں یوں تو بہت سی باکمال شخصیات موجود ہیں مگر جب ایک غیر جانب دار مبصر ان سب کا جائزہ لیتا ہے تو جیسی ہمہ گیر شخصیت حضور شارح بخاری کی نظر آتی ہے ویسی کوئی دوسری شخصیت نظر نہیں آتی ان کو پرکھنے کے لئے ایک ایسے دل کی ضرورت ہے جو سخت دل سخت جان اور سخت گیر نہ ہو جو خدا لگتی کہتا ہو۔

بلاشبہ حضور شارح بخاری کی شخصیت جس طرح دور حاضر کے علمائے کرام ومفتیان عظام کے درمیان منفرد وممتاز دکھائی دیتی ہے اسی طرح زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت خداترسی اور عشق رسول میں خود آپ اپنی مثال ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ عشق رسول کا سبق ایک سچے عاشق رسول سے حاصل کیا ہے جس کو دنیا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے اور زہد وتقویٰ کا درس حضرت صدر الشریعہ اور حافظ ملت علیہما الرحمہ کی مقدس بارگاہوں سے حاصل کیا۔ جنہوں نے دین حق کی اشاعت کی خاطر بہت سے مصائب وآلام کو برداشت کیا اور کفر والحاد اور بدعملی وبدعقیدگی کی تیز وتند آندھیوں میں ایمان وایقان اور عشق وعرفان کی شمع کو بجھنے نہ دیا۔

بلاشبہ حضور شارح بخاری کا شمار ان عبقری اور نابغۂ روزگار شخصیتوں میں کیا جاتا ہے جن کے عظیم کارنامے کائنات عالم میں آسمان کے تاروں کے مثل درخشندہ وتابندہ ہیں آپ کی ذات والا درجت مہر وماہ کی طرح درخشندہ وتابندہ ہے اور آپ کے فضل وکمال کی ضیاپاشیوں سے آج صرف

قصبہ گھوسی یا مبارکپور ہی نہیں بلکہ اطراف ہند اور بہت سے ممالک تابناک و روشن ہیں اور آپ کے مرہون منت ہیں۔

آپ کی دینی، علمی اور عملی خدمات جس وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی ہیں وہ بیان سے بالاتر ہیں لیکن مختصراً آپ کی خدمات میں علم دین کی ترویج و اشاعت بنیادی و اصولی حیثیت رکھتی ہیں اس لئے کہ حضور شارح بخاری نے اولاً درس و تدریس کا کام انجام دیا آپ کے درس و تدریس کا انداز جداگانہ ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں بھی تشریف لے گئے تشنگان علوم و فنون کا جم غفیر آپ کے گرد جمع ہو کر زانوے تلمذ تہ کرتا اور آپ کی خصوصی توجہ و عنایت سے چند ہی سال میں علم کے جام سے اپنی تشنگی بجھا کر چلا جاتا اور آج آپ کے بہت سے تلامذہ فارغ التحصیل ہو کر ہند و بیرون ہند خدمات دین انجام دے رہے ہیں۔

الغرض فقیہ اعظم ہند حضور شارح بخاری نے اپنے آپ خدمت دین کے لئے وقف کر دیا آپ کا مطمح نظر اور مقصد حیات فقط خدمت دین رہا ہے انھوں نے علم و فضل کا ایک ایسا دریا جاری کیا ہے جس سے بھٹکتی ہوئی اقوام قیامت تک سیراب ہوتی رہیں گی اور علمائے کرام کا عظیم گروہ استفادہ کرتا رہے گا۔ حضرت نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جب دیکھا کہ مسلمانوں میں الگ الگ جماعتیں اپنی عقل و قیاس کے ذریعہ قرآن کریم اور حدیث رسول ﷺ کے گمراہ کن تراجم و مطالب بیان کر کے مسلمانوں کے قلوب سے عظمت مصطفےٰ ﷺ نکالنے کی کوشش کر رہی ہیں تو اپنی کمزوری و نقاہت کی پرواہ کئے بغیر تصنیف و تالیف کو اپنا شیوہ بنالیا اور پھر خیر الوریٰ کے پیروکاروں کو اپنی تصانیف کے ذریعہ ایسا سرمایہ عطا کیا ہے جس سے ان کا ایمان محفوظ رہ سکے اور ایک زمانے سے مسلسل چمن علم فن کی آبیاری میں سرگرم عمل ہیں جس کی وجہ سے پرستگان علم و دین ان کے احسانات سے زیر بار ہیں۔

نزہۃ القاری، سنی دیوبندی اختلاف کا منصفانہ جائزہ، تحقیقات، اثبات ایصال ثواب، اشرف السیر وغیرہ عظیم الشان اور مستند کتابیں ہمیں عطا فرما کر حق و صداقت کے اس علم بردار نے طلسم باطل کی دھجیاں دلائل کی روشنی میں بکھیر دیں اور یہ ثابت کر دیا کہ یقیناً حق ہمیشہ غالب رہا ہے اور غالب رہے گا، صحیح البخاری کی شرحیں تو بہت لکھی گئیں لیکن جو اہمیت و فضیلت نزہۃ القاری کو حاصل ہے ویسی دوسری شرحوں کو حاصل نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضور شارح بخاری نے اپنی شرح نزہۃ القاری کے اندر بخاری شریف کا ہر ضروری گوشہ اجاگر کر دیا، اور اس شرح میں حدیث کے ترجمہ اور تشریح کے ساتھ ساتھ حیثیت حدیث اور سبب ارشاد اور حدیث میں آئے ہوئے الفاظ کی توضیح و تشریح اور ان

کے اطلاق پھر شافعیہ اور حنفیہ کا موقف اور ہر ایک کے طرز استدلال کو بالالتزام بیان کر دیا گیا ہے۔

یقیناً شرح بخاری کی تصنیف کا حق ایسی ہی شخصیت کو ہے جو تمام علوم و فنون کی جامعیت کے ساتھ فن حدیث میں اس درجہ تعمق، دور بینی اور ژرف نگاہی رکھتی ہو۔ آپ کی تصنیف ''نزھۃ القاری'' کے مطالعہ کرنے والے پر یہ بات واضح اور آشکارا ہو جاتی ہے کہ تمام مروجہ علوم و فنون کی جامعیت کے ساتھ، فقہ و حدیث کی حیثیت سے آپ کا پایہ نہایت بلند ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ فقہ وافتا سے اول شباب ہی سے آپ کا گہرا رابطہ ہے جو کہ قرآن و حدیث کا خلاصہ اور عطر ہے۔ جہاں شارحین حدیث کے آپسی اختلافات اور اس سے پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو بھی دور کر دیتے ہیں متعارض حدیثوں کے درمیان تطبیق دیکر قول فیصل بھی پیش کرتے ہیں۔ نمونے کے طور پر دو حدیثیں پیش کر رہا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

عن النبی ﷺ ان شدۃ الحر من فیح جھنم

عام شارحین نے اس حدیث پاک کی جو تشریحات کی ہیں وہ شکوک و شبہات سے خالی نہیں ہیں۔ بعض شارحین نے یہ لکھا ہے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش مارنے کی وجہ سے ہے تو یہ ضروری ہونا چاہئے تھا کہ گرمیوں میں دن رات ۲۴ گھنٹے یکساں گرمی ہوتی اسی طرح جاڑوں میں جاڑا بھی نیز پوری دنیا میں ایک ساتھ ہی گرمی اور ایک ساتھ ہی جاڑا رہتا حالانکہ خط استوا کے جانب شمال جب گرمی پڑتی ہے تو جانب جنوب جاڑا رہتا ہے اور جب ادھر جاڑا رہتا ہے تو ادھر گرمی۔ نیز خط استوا پر ہمیشہ موسم معتدل رہتا ہے حالانکہ وہاں بھی گرمی اور جاڑا دیگر بلاد کی طرح رہنا چاہئے۔ حضور شارح بخاری نہایت محققانہ انداز میں ان شبہات کا حل فرماتے ہیں کہ اگر جہنم ایک ہی سانس لیتا تو خط استوا کے شمالی اور جنوبی بلاد میں موسم کے تضاد سے استحالہ درست تھا۔ حدیث میں ہے کہ دو سانس لیتا ہے، پوری دو سانس۔ ایسا نہیں کہ سانس ایک ہی لیتا ہے اندر باہر کرنے کو دو سے تعبیر کر دیا۔ پوری سانس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ باہر سے اندر کھینچے اور اندر سے باہر پھینکے۔ جو بلاد اندر کھینچتے وقت اس کی زد میں آتے ہیں وہاں جاڑا پڑتا ہے اور جو باہر پھینکنے کی زد میں آتے ہیں وہاں گرمی۔ کبھی شمالی بلاد کی طرف باہر پھینکنے کا رخ ہوتا ہے تو ادھر گرمی ہوتی ہے۔ اور کبھی جنوبی بلاد کی طرف باہر پھینکنے کا رخ ہوتا ہے تو ادھر گرمی۔ اسی طرح جاڑا بھی۔ سبحان اللہ ناظرین خود ہی فیصلہ کر لیں کہ کیا اب بھی کوئی شک و شبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے۔

حضرت شارح بخاری کی ایک اور تحقیق پیش کر رہا ہوں جس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن و حدیث

میں ایمان کے بعد بلا فصل نماز کا ذکر ہے۔ اس لئے امام بخاری نے عبادات میں سب سے پہلے نماز کا ذکر فرمایا اور نماز کے ساتھ بلا فصل کے زکوٰۃ کا ذکر۔ اس لئے فرمایا کہ زکوٰۃ اور حج میں مناسبت تھی کہ دونوں کے اندر مال صرف کرتے ہیں۔ اس لئے زکوٰۃ کے بعد حج کا ذکر فرمایا اب باقی رہا روزہ تو اس کو آخر میں بیان کیا۔

حضور شارح بخاری کی تحقیق یہ ہے کہ نماز تمام عبادتوں میں اہم ہے مگر اس کے تارکین کی کثرت ہے زکوٰۃ ادا کرنے والے نماز ادا کرنے والوں سے کم ہیں اور حج کرنے والے بھی نماز ادا کرنے والوں سے کم ہیں۔ مگر روزہ ان چار فرائض کی بنسبت لوگ زیادہ رکھتے ہیں۔ عورتیں ۹۹ ر فیصد بے نمازی ہیں مگر روزہ ۹۹ ر فیصد رکھتی ہیں۔

امام بخاری نے عوام کے عمل اور ترک عمل کو پیش نظر رکھ کر جس کی رغبت کم تھی اسے مقدم رکھا اور ترتیب میں عوام کی رغبت کو ملحوظ رکھا۔

الحاصل حضور شارح بخاری کی جلالت علمی اور خدمات دینی کو مفصلاً ذکر کرنے کیلئے ایک دفتر کی ضرورت ہے۔

لیکن شرح بخاری کی ایک اور حدیث پیش خدمت ہے جس سے حضور شارح بخاری کی جلالت علمی کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی موت کا وقت قریب آیا تو انھوں نے نئے کپڑے منگائے اور انھیں پہنے۔ پھر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن مردے اپنے انھیں کپڑوں میں اٹھائے جائیں گے جس میں وہ مریں گے۔

اور ترمذی شریف میں ہے بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہٖ مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم لوگ پیدل اور سوار قیامت کے دن جمع کئے جاؤ گے۔ یہ دونوں حدیثیں اس کے معارض ہیں۔ علمائے کرام نے اس کا دو جواب دیا ہے اول یہ کہ جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو ان کے جسموں پر لباس ہوں گے پھر وہ منتشر ہو جائیں گے۔

اب حدیث زیر بحث کا مطلب یہ ہوا کہ میدان حشر میں لوگ ابتداءً ننگے حاضر ہوں گے پھر ان کو لباس پہنایا جائے گا۔

اور دوسرا جواب علمائے کرام نے یہ دیا ہے کہ یہ شہدا کے بارے میں ہے کہ وہ اسی لباس میں بروز قیامت اٹھائے جائیں گے جس لباس میں شہید ہوئے ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو

۴

غلط فہمی ہو گئی ہے۔

مگر محقق عصر حضور شارح بخاری فرماتے ہیں کہ اگر صحابہ کرام کے بارے میں یہ سوء ظن صحیح مان لیا جائے تب تو پھر حدیثوں سے امان اٹھ جائے گا۔ اس لئے پہلا ہی جواب صحیح اور کافی ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان ناسا من اصحابی یوخذبهم ذات الشمال واقول اصحابی اصحابی فیقول انهم لم یزالو مرتدین علی اعقابهم.

کہ میرے صحابہ میں سے کچھ لوگ بائیں طرف پکڑے جائیں گے۔ میں یہی کہوں گا۔ یہ میرے صحابی ہیں یہ میرے صحابی ہیں۔ تو فرمائے گا یہ اپنی ایڑیوں کے بل اپنے دین سے پھر گئے ہیں۔

وہابی اس حدیث کو حضور کے علم غیب کی نفی کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر حضور کو علم غیب ہوتا تو وہ ضرور پہچان لیتے کہ یہ میرے صحابہ ہیں (اپنے صحابہ کو پہچان لیتے) لیکن حضور کو علم غیب نہیں تھا۔

تو محقق عصر حضور شارح بخاری ان بد عقیدہ لوگوں کی دھجیاں اڑاتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ نادانو! حضور ہی نے تو یہ خبر دی ہے کہ کل قیامت کے دن ایسا ہوگا اور یہی غیب کی خبر ہے تو اس سے ثابت ہو گیا کہ حضور اقدس ﷺ کو علم غیب تھا اور یہی حدیث خود اس کی دلیل ہے اب رہ گیا قیامت کے دن نہ پہچاننا تو یہ دنیا میں علم غیب ہونے کے منافی نہیں ہے۔

ناظرین کرام! آج جب کہ کفر و الحاد اور بے دینی کی آندھیاں چل رہی ہیں بدمذہبی اور بد دینی نئی نئی صورتوں میں جنم لے رہی ہے مسلمانوں کو ایمان سنبھالنا مشکل ہو گیا ہے۔

انھیں فتنوں میں ایک فتنہ وہابیت، نجدیت غیر مقلدیت کا بھی ہے جو اتباع سنت کے پردے میں نمودار ہوا ہے اور لوگوں کو حدیث کے نام پر فریب دیتا ہے اپنے سوا سب کو مشرک کہتا ہے۔

حضور شارح بخاری نے ان کی لادینیت کا ایسا قلع قمع کیا اور احادیث و قرآن کی روشنی میں گمراہ کن محلات کو مسمار کر کے رکھ دیا اور اس کے ساتھ عقلی دلائل کو بھی پیش کیا اور ان کے سوالوں کا ایسا جواب دیا کہ آپ کے جواب کی تردید کرنا ان کے لئے لوہے کا چنا چبانا ہے۔

باب پنجم

نزہۃ القاری۔ تعالی اللہ ہے کیا بستانِ علم
امجدی کی عبقریت کا حسین شہکار ہے

نزہۃ القاری شرح بخاری

تجھ کو شیخ امجدی مبارک ہو | شرحِ متن بخاری کی تکمیل
تو ہے اپنی فضاؤں کا شاہین | کارِ عظمت نصیب مردِ جلیل

فضل باری ہے نزھۃ القاری | فیض جاری ہے نزھۃ القاری
رضوی تشریح ہے بخاری کی | خیر ساری ہے نزھۃ القاری

(بدرالقادری)

مولانا سید موصوف اشرف اشرفی مصباحی
صدر المدرسین دار العلوم محبوب یزدانی
بسکھاری (امبیڈکر نگر) یو۔پی

نزہۃ القاری اور اسکی اہمیت وافادیت

حامداً مصلیاً مسلماً مبسملاً

گلزار ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ
کھولی ہے ذوقِ دید نے آنکھیں تری اگر ہر رہ گزر میں نقش کف پائے یار دیکھ

اسلام میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ یعنی احادیث کریمہ کی بڑی اہمیت وافادیت ہے اسلئے کہ یہ شریعت اسلامی کے مصادر وماخذ اور اصل الاصول اسلام اور جملہ علوم وفنون اسلامی کا سرچشمہ ہیں۔اور سنن وکتب احادیث میں سب سے زیادہ معتبر اور معروف ومشہور چھ کتابیں ہیں جنھیں صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔یہ (۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) جامع الترمذی (۴) سنن ابی داؤد (۵) سنن نسائی (۶) سنن ابن ماجہ ہیں اور صحاح ستہ میں سب سے زیادہ معتبر اور معروف ومقبول بخاری شریف ہے۔جس کے مؤلف شیخ المحدثین امام عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ ہیں۔جن کا شمار تیسری صدی ہجری کے مشہور ترین محدثین کی صف اوّل میں ہوتا ہے جنھوں نے محدثین کرام کو احادیث کے جمع وتدوین کے اچھوتے انداز سے روشناس کرایا۔

یہ وہ کتاب ہے جسکو "اصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ" کا بلند مرتبہ حاصل ہے جو ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ بخاری شریف کا شمار کتب احادیث کے طبقۂ اولیٰ میں ہوتا ہے۔اسکے بارے میں تمام محدثین کی اتفاق رائے ہے کہ اسمیں جتنی متصل الاسناد مرفوع حدیثیں ہیں ان میں اکثر یقینی طور پر صحیح ہیں۔اور یہ اپنے مؤلف سے بتواتر منقول ہیں۔بخاری شریف کی اسی اہمیت کے پیش نظر اسکی بے شمار شرحیں لکھی گئی ہیں۔ان میں دو شرحیں بہت مشہور ومقبول ہوئیں۔جس میں ایک "فتح الباری" ہے جسکو حافظ ابو الفضل احمد بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے تحریر فرمایا اور دوسری "عمدۃ القاری" ہے جسکو علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے۔یہ دونوں شرحیں علما واساتذہ میں بہت رائج ومقبول ہیں۔نیز بخاری شریف کے شارحین کے لئے بھی بڑی معاون اور مددگار ثابت ہوئی ہیں۔

بخاری شریف کی شرح لکھنا کوئی آسان کام نہیں اسکے باریک معانی و مطالب کا سمجھنا بہت مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ اب تک اسکی شرحیں کماحقہ ، نہیں ہو سکیں۔ چنانچہ "صاحب تاریخ افکار وعلوم اسلامی" نے مصطفیٰ بن عبد اللہ حاجی خلیفہ کاتب چلپی متوفی ۱۰۶۷ھ کی تصنیف لطیف "کشف الظنون فی اسماء الکتب والفنون" کے حوالے سے ابن خلدون کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"بخاری شریف بڑے پائے کی کتاب ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسکی شرح کماحقہ ، نہیں ہو سکی ہے اور اسکے دقیق معانی و مطالب کے فتح باب کیلئے دشوار گذار راہوں کا طے کرنا بہت مشکل سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ اس کے لئے ضرورت ہے طرق متعددہ کے جاننے کی، ان کے حجازی ،شامی اور عراقی وغیرہ رجال سے واقفیت کی اور ان لوگوں کے بارے میں لوگوں کے اختلاف سے باخبر ہونے کی، مزید براں ابواب بخاری کے تراجم (عنوانات) سمجھنے کیلئے بڑی دقتِ نظر اور باریک بینی درکار ہے اور اگرچہ اسکی شرحیں بکثرت تالیف کی گئی ہیں لیکن ہم نے اپنے شیوخ سے بارہا سنا کہ صحیح بخاری کی شرح اب تک امت کے ذمہ ایک واجب الادا قرض ہے مطلب یہ ہے کہ علمائے امت میں سے کسی نے بھی ابتک اسکی شرح کا حق ادا نہیں کیا۔"

ابن خلدون کا یہ کلام نقل کرنے کے بعد صاحب "کشف الظنون" لکھتے ہیں کہ :

"میرا خیال ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی کی شرحوں کے بعد امت پر واجب الادا یہ قرض ادا ہو گیا۔"

اس پس منظر میں حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ نائب مفتیٔ اعظم کی اس عظیم علمی پیشکش اور قیمتی کوشش کا جائزہ لیں جو آپ نے "نزہۃ القاری" شرح بخاری لکھ کر فرمایا ہے اور جواب کتابت و طباعت کے دشوار گذار مراحل سے گذر کر حسن صوری اور معنوی سے آراستہ و پیراستہ ہو کر منظر عام پر آگئی ہے۔ یہ ایک مبسوط شرح ہے جو نو ۹ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

اس شرح کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ زبان بڑی شستہ، سادہ اور عام فہم ہے مطالب و مفاہیم غیر مبہم اور واضح ہیں اسمیں "عینی" اور "فتح الباری" کی تفصیلات کی آسان تلخیص بھی ہے اور انکے اختلافی مسائل میں محاکمہ بھی۔ بخاری کے ابواب سے احادیث کی مناسبت اور تعلق بھی بتادیا گیا ہے۔ اور باہم متعارض و مخالف حدیثوں میں اچھوتے انداز و عمدہ پیرائے میں تطبیق بھی پیدا کر دی گئی ہے۔ اس شرح کی جامعیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایک ہی حدیث بخاری شریف کے مختلف ابواب میں مختلف عنوان کے تحت مذکور ہے اس طرح کی احادیث کو ایک ہی جگہ لکھ کر حاشیہ میں عنوان کے ساتھ ابواب کی تخریج کر دی گئی ہے۔ نیز وہی حدیث دیگر کتب احادیث میں کس کس

مقام پر اور کس نام سے مذکور ہے یہ بھی حاشیہ میں واضح کر دیا گیا ہے جو تخریج احادیث کے سلسلہ میں بہت بڑا اور اہم و مشکل کام ہے۔

نام نہاد شارحین جیسے محمود الحسن دیو بندی، انور شاہ کشمیری، خلیل احمد انبیٹھوی وغیرہم کی گرفت بھی کی گئی ہے اور ان کے علم و فکر کا محاسبہ و محاکمہ بھی کیا گیا ہے۔ بعض مقامات مثلاً وحی کی حقیقت، صاع کی تحقیق، وقت نماز عصر کی توضیح حدیث عائشہ کی روشنی میں اور اس سلسلے میں شوافع کا جواب باصواب اور آیت حجاب وغیرہ کی ایسی تحقیق و تدقیق پیش کی گئی ہے جس سے اکثر شرح خالی ہیں بعض مشکل اور اہم مقامات جنکا حل "عینی" و "فتح الباری" میں نہیں ملتا ان کا حل اس میں مل جاتا ہے۔ محدثین اور رواۃِ حدیث کے بارے میں یکجا معلومات مل جاتی ہیں۔ اور اس سے بھی قیمتی ایک تجربہ کار استاذ کے علمی افادات ہیں جو حدیث اور کتب حدیث میں بصیرت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہیں اس کتاب سے طلبا اور اہل علم یکساں طور پر فیضیاب ہو سکتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ جس طرح بخاری شریف کی زبان عربی میں بے شمار شرحیں لکھی گئی ہیں اسی طرح زبان اردو میں بھی اب تک بہت شرحیں لکھی جا چکی ہیں لیکن جب ہم ان تمام شرحوں کو سامنے رکھ کر "نزہۃ القاری" کو دیکھتے ہیں تو ہماری آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ دل مچل جاتا ہے اور فرط جذبات پر قابو اور قلم وارفتہ کو محتاط رکھنے کے باوجود کم از کم اتنا تو ہمیں کہنا ہی پڑتا ہے کہ بخاری شریف کی عربی شرحوں میں جو مقام "عینی" اور "فتح الباری" کو حاصل ہے وہی مقام زبان اردو کی شرحوں میں "نزہۃ القاری" کو حاصل ہے۔

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں
زہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

یہ ایک اہم کام اور قیمتی کوشش ہی نہیں بلکہ ایک عظیم کارنامہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت شارح بخاری یہ اہم کارنامہ انجام دینے کے بعد پندرہویں صدی ہجری کے مشہور ترین محدثین کی صف اوّل میں شامل ہو گئے ہیں۔

صاحب "کشف الظنون" نے ابن خلدون کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا تھا کہ علامہ عسقلانی اور علامہ عینی کی شرحوں کے بعد امت پر واجب الادا یہ قرض ادا ہو گیا ہے اور راقم الحروف کہتا ہے کہ شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی نے "نزہۃ القاری" شرح بخاری لکھ کر اہلسنت پر یہ واجب الادا قرض ادا کر دیا ہے۔

حضرت علامہ کا یہ عظیم کارنامہ اہلسنت کے علماو فضلا کو دعوت فکر و عمل بھی دیتا ہے کہ اب میدان عمل میں اتریں اور اس طرح مختلف دوسرے علمی میدانوں میں جولانیٔ طبع دکھلائیں اور اہم کارنامے انجام دے کر جماعت

اہل سنت کو جو بہت سارے قرضوں تلے دبی ہوئی ہے ایک ایک کر کے ان سارے قرضوں سے سبکدوش کریں اگرچہ یہ بڑی کوشش اور محنت کا کام ہے۔

ہوتا ہے مگر محنت پرواز سے روشن
یہ نکتہ کہ گردوں سے زمیں دور نہیں ہے

برادران اہلسنت کو چاہیے کہ اپنے اداروں اور ذاتی کتب خانوں میں اس کتاب کو نمایاں جگہ دیں اور اس طرح کے اہم کارناموں کی قدر کریں اور حضرت شارح دام فضلہ، کی بھرپور حوصلہ افزائی کریں اور دنیائے سنیت کے ہر چہار جانب سے بلا تعصب و تنگ نظری اس عظیم کارنامہ پر خراج تحسین پیش کیا جائے اور اسے سراہا جائے۔

شاید کہ ترے دل میں اتر جائے مری بات

☆☆☆☆☆

ڈاکٹر شکیل اعظمی مصباحی
رکن مجلس شوریٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

نزہت القاری کا اسلوب تحریر و تفہیم

نزہت القاری شرح بخاری محقق عصر، فقیہ النفس حضرت علامہ مولانا مفتی شریف الحق صاحب قبلہ امجدی مد ظلہ العالی کا وہ علمی شاہکار ہے جس میں ان کی علمی جلالت، فقہی بصیرت، مناظرانہ و متکلمانہ حیثیت ناقدانہ و محققانہ صلاحیت اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

اسلوب تحریر و تفہیم عالمانہ و محققانہ ہونے کے باوجود بیحد شگفتہ، شستہ، عام فہم اور قاری و سامع کے دل و دماغ کو متاثر و مطمئن کرنے والا ہے۔ ورنہ عموماً علمی مباحث کے طرز تحریر و تفہیم میں ابہام و اغلاق اور ژولیدگی و پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے عام قاری اور سامع کا ذہن نہ صرف اخذ و قبول سے قاصر ہوتا ہے۔ بلکہ انتشار و پراگندگی کا شکار بھی ہو جاتا ہے۔

آئندہ سطور میں قارئین کرام نزہت القاری کے شستہ و شگفتہ اسلوب تحریر و تفہیم کے پاکیزہ جلوے دیکھ کر خود بخود شارح کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہو جائیں گے اور بے ساختہ کہہ اٹھیں گے۔

نزہت القاری ہے تیرے فکر و فن کا آئینہ　　حسنِ تفہیمات و اسلوب سخن کا آئینہ
اس میں تشریحات فرمان رسالت کے ہیں پھول　　ہے یہ الفاظ و معانی کے چمن کا آئینہ

نزہت القاری کے اسلوب نگارش و طرز افہام و تفہیم کی ایک نمایاں اور منفرد خصوصیت یہ بھی ہے کہ حدیث پاک کے رواں، سلیس اور بامحاورہ ترجمے اور ایمان افروز و باطل سوز تشریحات کے ساتھ ساتھ فقہ حنفی اور مسلک اہلسنت و جماعت کے نظریات و معتقدات پر ایرادات و اعتراضات کے مسکت اور تشفی بخش جوابات اور ان کی عظمت و اہمیت اور صداقت و حقانیت کو شرعی و عقلی دلائل و براہین سے مبرہن و مزین کر کے معترضین کو لاجواب اور قارئین کو طمانیت قلب اور طہارت فکر و نظر کا سامان بہم پہونچا کر فتنوں کا سد باب کر دیا گیا ہے۔ مسلک و عقیدہ کی بیباک ترجمانی اور سچی پاسبانی شارح کا خاص رنگ و آہنگ ہے۔

اپنے جذبۂ ایمانی اور منصب علمی کے بیکراں جاہ و جلال کے ساتھ شارح کا خامۂ حقیقت نگار باطل کے اوہام و افکار کی دھجیاں بکھیرتا ہوا حق و صداقت کے درخشندہ و تابندہ نقوش کو صفحۂ قرطاس پر یوں ابھارتا ہے کہ آنکھیں روشن اور دل و دماغ منور و تابناک ہو جاتے ہیں۔

حضرت شارح بخاری زید مجدہ نے نزہت القاری کی پانچ اہم خصوصیات مثلاً (۱) کتاب کو بہت طویل ہونے سے بچانے کے لئے مکرر احادیث کو صرف ایک بار لیا ہے۔ وہ بھی جہاں مناسب سمجھا وہاں۔ (۲) ابواب کو بالکل ذکر نہیں کیا اس لئے کہ پھر احادیث کو مکرر لانا ضروری ہو جاتا۔ مگر اہم ابواب پر شرح میں کلام پورا پورا اندکور ہے۔ نیز ابواب کے ذکر سے جو فائدہ تھا وہ ایک عنوان "احکام متخرجہ" قائم کر کے پورا کر دیا گیا ہے۔ (۳) جو حدیث جن صحابی (یہ اسلوب تحریر ادب واحترام کا آئینہ دار ہے، دوسرا مصنف ہوتا تو جن کی جگہ بلا تکلف جس لکھتا) سے مروی ہے ان کے حالات بالالتزام بیان کر دیئے ہیں۔ کہیں کہیں بعض تابعین کا بھی ذکر آگیا ہے۔ (۴) ہر حدیث پر نمبر بھی لگا دیا گیا ہے اور حدیث کے اہم مضمون کو سامنے رکھ کر اس کا ایک عنوان بھی قائم کر دیا ہے۔ (۵) حدیث بخاری شریف میں کہاں کہاں ہے اور صحاح ستہ میں کہاں کہاں ہے اس کے حوالے حاشیے میں دے دیئے ہیں۔

ان پانچ اہم ترین افادی خصوصیات کا ذکر فرمانے کے بعد رقمطراز ہیں کہ "یہ پانچ اہم خصوصیات اس شرح کی ہیں بقیہ وہ عام باتیں جو شرح میں ہونی چاہئیں۔ ان سب کو بقدر ضرورت لانے کی کوشش کی ہے۔"

مذکورہ بالا پانچ اہم خصوصیات اور شرح کی دیگر عمومی مقتضیات و خصوصیات بلاشبہ نزہت القاری کو دیگر شرحوں سے نمایاں، ممتاز اور زیادہ نفع بخش بناتی ہیں۔ اختلافی مباحث کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ "میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ لہجہ تلخ و ترش نہ ہو۔ انشاء اللہ آپ یہی پائیں گے۔ البتہ مقدمہ میں کہیں کہیں صبر کا دامن چھوٹ گیا ہے اس کے لئے میں کسی سے معذرت کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ ؎

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت　　　درد سے بھر نہ آئے کیوں

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مقدمہ میں اختلافی مباحث کا انداز قدرے سخت ضرور ہے مگر خلاف اصل اور حد ادب سے متجاوز بھی نہیں۔

حدیث پاک کی تشریحات و تنقیحات میں مخالفین و معترضین پر تعقب اور نقد و جرح کا انداز سنجیدہ اور متوازن ہے۔ مقدمہ میں جن تین باتوں کا اضافہ کیا گیا ہے (۱) مسامحات بخاری (۲) حضرت امام اعظم کی مختصر سوانح حیات (۳) فقہ حنفی کا تعارف۔ یہ تینوں باتیں بے حد سود مند ضروری اور معلوماتی ہیں ان سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ اور کج بحثیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

حضرت شارح ان امور کے ذکر کے بعد انتہائی اعلیٰ ظرفی، فراخدلی، حقیقت پسندی وانکساری کے ساتھ عرض گذار ہیں کہ "اب کتاب ناظرین کے ہاتھوں میں ہے اس کا مجھے احساس ہے کہ مجھ سے غلطیاں ہوئی ہوں گی۔ اکابر، اقران، احباب سب سے درخواست ہے کہ اگر انھیں کہیں کوئی غلطی ملے تو مجھے مطلع کریں۔ اس پر پوری سنجیدگی سے غور کروں گا۔ اگر ان کی رائے درست ہوگی تو اسے تسلیم کر لینے میں مجھے کوئی عار نہ ہوگا" نہ مکابرانہ

انداز نہ اپنی غلطیوں پر اصرار نہ اپنی فرو گذاشتوں کو چھپانے کا کوئی تکنیکی حربہ، نہ زعم ہمہ دانی، نہ ادّعائے بے گناہی یہی طرز ادا انسانیت کی معراج اور کمال علم و فضل کی دلیل ہے۔ اپنی غلطیوں پر آگاہی اور قبول اصلاح کی یقین دہانی کے بعد بارگاہِ خداوندی میں پورے شعور بندگی، کمال فروتنی اور غایت خشوع خضوع کے ساتھ دعائیہ انداز میں یہ جملے زبانِ قلم سے ادا کرتے ہیں۔ یہ اسلوب تحریر کس درجہ ایمان افروز، سبق آموز اور ادبی رنگ و آہنگ لئے ہوئے ہے۔ قارئین کرام محسوس فرمائیں۔ عرض کرتے ہیں "اے عفو و غفور، رحیم و کریم معبود مجھے اس کا احساس ہے کہ اس کتاب میں مجھ سے ضرور غلطیاں ہوئی ہوں گی۔ ان سب کو تو معاف فرما۔ تو جانتا ہے کہ کوئی بھی غلطی دانستہ نہیں۔ میرے علم و فہم کی کوتاہی کی بنا پر ہے۔ آئندہ میرے دماغ، میرے قلم، میری زبان کو غلطی سے محفوظ فرما۔ اور اسے مکمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ (دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی یہ پر خلوص دعا بارگاہ خداوندی میں قبول ہوئی اور الحمد للہ شرح بخاری اپنی تمام تر ظاہری و معنوی خوبیوں کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہونچی)

> "اے بے نیاز مولیٰ تیری بارگاہِ قدس میں انتہائی عجز و الحاح کے ساتھ التجا ہے کہ اپنے اس بندۂ بے نوا کی اس ناچیز کوشش کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما۔ اسے میری نجات اور اپنے بندوں کی ہدایت کا ذریعہ بنا۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ و علیہم الصلوٰۃ والتسلیم ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم"

"می توانی کی دہی اشک مرا حسن قبول
اے کہ دُر ساختۂ قطرۂ بارانی را"

یقین کامل ہے کہ انشاء اللہ نزہت القاری شرح بخاری حضرت شارح کے لئے باعث نجات ہوگی۔ ان کی سعی مشکور ہوگی اور بھٹکے ہوئے اذہان اور ریب و شک سے متاثر قلوب اس سے صبح قیامت تک فکرِ راست اور نورِ ایمان و ایقان حاصل کرتے رہیں گے۔

شرح بخاری کے صدقے میں تجھ پہ خدا کے فضل و کرم سے ہوگی نگاہ رحمت عالم نائب مفتیٔ اعظم ہند
تیرے علمی شہ کاروں سے بیش بہا فن پاروں سے فیض ملے گا سب کو پیہم نائب مفتیٔ اعظم ہند

مذکورہ بالا حصہ نزہت القاری کا پیش لفظ تھا۔ اب آیئے نزہت القاری کے انتہائی وقیع، معیاری، تحقیقی، تنقیدی اور معلوماتی مقدمہ کے اسلوب تحریر و تفہیم کا جائزہ لیا جائے۔

حضرت شارح نے جس قدر وسعت علم اور دقتِ فکر و نظر سے کام لے کر انتہائی مؤثر اور دلنشیں انداز میں اپنے مطالب و مقاصد کا اظہار فرمایا ہے وہ قابل صد تحسین و آفرین ہے۔

مقدمہ میں سب سے پہلے حدیث کی ضرورت و اہمیت پر گفتگو کی گئی ہے۔ اسلوب تحریر نہایت صاف ستھرا

اور طرز تفہیم انتہائی عمدہ اور عام فہم ہے۔

تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ بات ہر دیندار مسلمان کو معلوم ہے کہ دین کے اصول و فروع، اعتقادیات، عملیات سب کی بنیاد قرآن و احادیث ہیں۔ اجماع امت اور قیاس کی جو بھی حیثیت ہے۔ وہ کتاب اللہ و احادیث نبوی ہی کی بارگاہ سے سند ملنے کے بعد کی ہے" اور یہ دونوں واجب الاعتقاد والعمل ہونے میں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ احادیث سے انکار کے بعد قرآن پر ایمان کا دعویٰ باطلِ محض ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید میں ایک نہیں سیکڑوں جگہ رسول کی اطاعت واتباع کا حکم دیا ہے وہ بھی اس طرح کہ رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا ہے۔ پھر مختلف آیاتِ قرآنی پیش فرماکر تحریر فرماتے ہیں کہ "قرآن مجید کے ان ارشادات پر غور کرو۔ قرآن مجید نے کس طرح جگہ جگہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اور اللہ کے ساتھ ساتھ رسول کی نافرمانی پر وعید ارشاد فرمائی۔ رسول کے بلانے کو اللہ نے اپنا بلانا قرار دیا۔ رسول کی نافرمانی کے لئے سر گوشی بھی منع فرمائی۔ رسول کے فیصلے کو واجب التسلیم قرار دیا۔ وہ بھی اس حد تک کہ جو رسول کے فیصلے کو نہ مانے اُس میں ذرا بھی تردد کرے وہ مومن نہیں۔ رسول کے حکم سے روگردانی کرنے والوں کو منافق فرمایا۔ رسول کے حکم کو اس درجہ واجب الاتباع قرار دیا کہ رسول کے حکم کے بعد نہ ماننے کا کسی مومن کو حق نہ دیا۔ جو نہ مانے اس کے لئے جہنم کی وعید فرمائی۔

کیا یہ سب باتیں اس کی دلیل نہیں کہ جس طرح اللہ عزوجل کا ہر ارشاد واجب التسلیم ہے اسی طرح رسول کا بھی ہر فرمان واجب الاعتقاد والعمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ اور رسول کے مابین تفریق کرنے والوں کو صاف صاف سنادیا۔

ویُریدونَ ان یفرّقوا بین اللّٰہ ورسلہٖ ویقولون نؤمنُ ببعضٍ وَ نَکْفُرُ بِبعضٍ ویریدون ان یتّخذوا بین ذالک سبیلاً اُولٰئک ھم الکفرون حقًّا ہ وَاعتد نااللکفرینَ عذابًا مُھینًاہ (النساء آیت ۱۵۱)

"اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول میں تفریق کر دیں اور کہتے ہیں کچھ کو ہم مانتے ہیں اور کچھ کو نہیں مانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ میں راستہ بنالیں۔ یہ لوگ ٹھیک کافر ہیں۔ ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

تو رسول کو واجب الاتباع نہ ماننے کا مطلب ہوا ان آیتوں کا انکار اور قرآن کی کسی ایک آیت کا انکار پورے قرآن کا انکار ہے۔ أفتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعضٍ (البقرہ ۸۵) "کیا کچھ کتاب پر ایمان لاتے ہو اور کچھ کے ساتھ کفر کرتے ہو۔"

غور کیجئے بہت سے وہ احکام ہیں جو قرآن مجید میں مذکور نہیں صرف حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمائے

اور وہ بھی قرآن کی طرح واجب العمل قرار پائے۔ مثلاً (۱) اذان (۲) نماز جنازہ (۳) تحویل قبلہ سے پہلے بیت المقدس کو قبلہ تسلیم کرنے کا حکم (۴) جمعہ و عیدین کے خطبے۔

پھر شارح بخاری کے اس عقلی طرز استدلال اور طرز تفہیم کا رنگ و آہنگ ملاحظہ فرمائیے۔ حدیث رسول کو نہ ماننے کی صورت میں کیا کیا خطرناک صورتیں، الجھنیں اور معارضات پیش آتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ

"علاوہ ازیں قرآن خدا کی کتاب ہے واجب القبول ہے یہ کیسے معلوم ہوا اللہ عزوجل نے آسمان سے لکھی لکھائی جلد بندھی ہوئی کتاب تو نازل نہیں کی اور اگر لکھی لکھائی جلد بندھی بندھائی کتاب اُتارتا تو کیسے معلوم ہوتا کہ یہ خدا کی کتاب ہے۔ کہیں سے بھی اُڑ کر آسکتی ہے۔ کوئی فریب کار کسی خفیہ طریقے سے کہیں پہونچا سکتا ہے۔ اگر جبریل یا کوئی فرشتہ لے کر آتا تو کیسے پہچانتے کہ یہ جبریل یا فرشتہ ہے۔ کوئی جن کوئی شیطان، کوئی شعبدہ باز یہ کہہ سکتا ہے کہ میں جبریل ہوں میں فرشتہ ہوں یہ خدا کی کتاب لایا ہوں۔ غرض کہ رسول کے مطاع ماننے سے انکار کے بعد قرآن کے کتاب اللہ ہونے پر کوئی یقینی قطعی دلیل نہیں رہ جاتی۔ ساری دلیلوں کا منتہی یہ ہے کہ رسول نے فرمایا کہ یہ خدا کی کتاب ہے یہ جبریل ہیں یہ آیت لے کے آئے ہیں۔ کتاب اللہ کی معرفت اور کتاب اللہ لیکر آنے والے ملک مقرب جبریل کی معرفت قول رسول ہی پر موقوف ہے۔ اگر رسول کا قول ہی نا قابل قبول ہو جائے تو کتاب اللہ کا کوئی وزن ہی نہ رہ جائے۔ غور کیجئے رسول نے لاکھوں باتیں ارشاد فرمائیں انھیں میں یہ فرمایا۔

"مجھ پر یہ قرآن نازل ہوا۔ مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ سننے والے صحابہ کرام نے ان کو کتاب اللہ جانا اور مانا۔ اور جن ارشادات کے بارے میں یہ نہیں فرمایا۔ احادیث ہیں۔ اب کوئی بتائے ایک مُنہ سے دو قسم کی باتیں نکلیں ایک قسم مقبول اور دوسری مردود یہ کس منطق سے درست ہوگا۔ ایک قسم کو مردود قرار دینے کا مطلب ہوگا دوسری قسم کو بھی مردود قرار دینا۔ غرض کہ حدیث کے نا قابل قبول ماننے کے بعد قرآن کا بھی نا قابل قبول ہونا لازمی ہے"۔ ایک دوسرے رُخ سے حدیث کی ضرورت اور اس کو واجب التسلیم ہونے پر یوں اظہار خیال فرماتے ہیں۔

"علاوہ ازیں قرآن میں تمام چیزوں کا بیان ہے مگر ان میں کتنی چیزیں ایسی ہیں جو ہمارے لئے مجمل اور مبہم ہیں۔ مثلاً عبادات اربعہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قرآن میں ان سب کا حکم ہے۔ مگر کیا قرآن مجید سے ان عبادات کی تفصیل کوئی بتا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ مختلف آیات قرآنی پیش فرما کر ثابت کیا ہے کہ ان احادیث کے بغیر ان آیات کی تفسیر و تفہیم ممکن ہی نہیں ہے۔

حرف آخر کے طور پر لکھتے ہیں۔ "میں تو سمجھتا ہوں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ایمان کے بعد قول رسول کو حق نہ تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔"

پھر مختلف انداز سے منکرین حدیث کا رد بلیغ فرماکر حدیث کی شرعی و تاریخی حیثیت تدوینی کیفیت اور اس کی اہمیت و ضرورت کو اجاگر کیا ہے۔ مصطلحات حدیث و اقسام حدیث کو بالتفصیل بیان فرمایا ہے۔ احادیث سے استدلال کی کیفیت ضعاف کی تقویت کے طرق کتب حدیث کے طبقات، اقسام کتب، کتب احادیث کی تفصیلات کو انتہائی وضاحت و جامعیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

"کتب حدیث میں سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت صحاح ستہ یعنی جامع صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کو حاصل ہے۔ صحیح بخاری کا تعارف بایں طور کراتے ہیں کہ ان سب میں جس کو سب پر صحت و قوت کے اعتبار سے فوقیت ہے وہ جامع صحیح بخاری ہے یہی اکثر محدثین کی رائے ہے۔ حتی کہ یہ مقولہ تقریباً متفق علیہ ہے۔ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری بخاری و مسلم کا موازنہ یوں فرماتے ہیں کہ باعتبار صحت کے صحیح بخاری صحیح مسلم پر بدرجہا فائق ہے۔ اس لئے کہ حدیث کے صحیح ہونے کا مدار اتصال سند، اتقان رواۃ، عدم شذوذ و نکارت و دیگر علل و سقم سے خالی ہونے پر ہے۔" اس بنا پر صحیح بخاری صحیح مسلم سے بہت آگے ہے "اس موازنے میں اسلوب تحریر و تفہیم کا رنگ بڑا ادبی منطقی ہے۔

امام بخاری کے عنوان کے تحت امام بخاری علیہ الرحمہ کی ولادت، نام و نسب، والد ماجد کا تعارف، یتیمی و تربیت، ضبط حدیث کی ابتدا، تحصیل علم، قوت حافظہ، جودت ذہن، بغداد میں امتحان، تعدد طرق پر احاطہ، علل قادحہ میں مہارت، عادات واطوار، عبادت میں استغراق، ادب، اعتراف فضل، کلمات اساتذہ، کلمات معاصرین۔ مشائخ اور ان کے طبقات، تلامذہ نیشاپور کا فتنہ، بخارا کو واپسی، مزار پاک، بارگاہ رسالت میں مقبولیت غرض کہ امام بخاری کی مکمل سوانح حیات، اُن کے تمام فضائل و مناقب، علمی کمالات و امتیازات کو نہایت مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے۔

صحیح بخاری کی اہمیت و عظمت اور اس کے مختلف خصائص و برکات کے ذکر کے بعد بخاری شریف کی شرحوں کی تعداد اور ان کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ امام بخاری علیہ الرحمہ کی قرار واقعی خوبیوں اور عظمتوں کے اظہار و اعتراف کے بعد مسامحات بخاری کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ عنوان بڑا نازک پُر معنیٰ اور فکر انگیز ہے۔ حضرت شارح نے لکھا ہے کہ "میں اس عنوان پر کچھ لکھنا نہیں چاہتا تھا مگر اس پر باعث ایک واقعہ ہے۔ اس واقعہ میں ایک سفر کے دوران کچھ غیر مقلدین بریلویوں کا تمسخر اڑا رہے تھے کہ بریلویوں سے زیادہ جھوٹا کوئی نہیں۔ خود کہتے ہیں کہ آسمان کے نیچے قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب بخاری ہے۔ مگر بخاری میں لکھا ہے کہ رفع یدین کرو۔ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھو۔ آمین بلند آواز سے کہو مگر نہیں مانتے (ان کی ان تمسخر آمیز اور مضحکہ خیز باتوں کو سن کر) میں نے ان سے پوچھا کہ بخاری میں جو کچھ لکھا ہے تم لوگ سب پر عمل کرتے ہو انھوں نے کہا بالکل ہم لوگ عمل کرتے ہیں میں نے ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں نے بخاری پڑھی ہے تو گھبرا گئے ان میں سے ایک نے کہا پڑھی نہیں مگر علماء سے

سنا ہے کہ بخاری میں یہ لکھا ہے میں نے پوچھا اور بخاری میں کیا کیا لکھا ہے۔ یہ بھی اُن علما نے آپ لوگوں کو بتایا اب اور گھبرائے مگر تھے دیہاتی صاف گو اقرار کر لیا کہ اور کچھ نہیں بتایا میں نے سوچا ان گنواروں کو اگر "اصح الکتب" کا مطلب سمجھاؤں تو سمجھ نہیں پائیں گے ان کی سمجھ کے مطابق ایک لطیفہ ذہن میں آگیا میں نے کہا کہ امام بخاری نے بخاری میں دو مسئلے لکھے ہیں ایک یہ کہ اگر پانی میں نجاست گر جائے اور نجاست کا رنگ یا بو یا مزہ پانی میں ظاہر نہ ہو تو پانی پاک ہے۔ اگر چہ وہ پانی تھوڑا ہی ہو۔ ان میں سے ایک شخص بولا۔ بالکل صحیح ہے۔ میں نے کہا دوسرا بھی سنئے۔ وہ یہ کہ اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو برتن ایسا ناپاک ہو گیا کہ اسے سات بار دھوؤ۔ اور کم از کم ایک بار مٹی سے مانجو۔ اسی شخص نے کہا یہ بھی بالکل صحیح ہے۔ اب میں نے کہا کہ آپ نے ان دونوں مسئلوں کو صحیح و حق مان لیا تو سنئے۔ اب میرا ایک سوال ہے کہ کسی برتن میں پانی ہے اس میں کتے نے منہ ڈال دیا منہ ڈالتے ہی دھتکار دیا۔ تو بتایئے پانی پاک ہے کہ ناپاک وہ غریب بول اٹھا پاک ہے (اس لئے کہ اس قسم کے پانی کے استعمال کرنے کی عادت رہی ہو گی) میں نے پوچھا اور برتن، تو مبہوت ہو کر رہ گیا۔ ہو سکتا ہے کوئی صاحب کہہ دیں وہ جاہل اجڈ تھے ان کی بات کا کیا۔ مگر عرض یہ ہے کہ ان کو یہ بتانے والے علما تو مجتہد مطلق تھے ورنہ وہ کیا جانیں بخاری میں آمین، رفع یدین کے بارے میں کیا لکھا ہے۔ اب میں نے للکار کر پوچھا تو بے چارے کو سانپ سونگھ گیا۔ وہ سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور بالکل خاموش ہو گئے۔

ناظرین کرام کو اس واقعہ میں بہت سے اہم نکات، اسلوب بیان اور حسن تفہیم کے نمونے ملیں گے۔ پہلی بات تو یہ کہ "کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم" کہ مخاطب کے ذہنی و فکری معیار کو سمجھ کر ان کے مطابق گفتگو کرنی چاہئے۔ ع "دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر"۔ دوسری بات دفع اعتراضات اور اپنے مطالب کی تفہیم کے لئے کچھ ایسا انداز اپنایا جائے کہ پہلے مخاطب کے کچھ تسلیم شدہ مثبت نظریات کو پیش کیا جائے پھر اس سے منتج دوسرے منفی رخ کو پیش کر کے اس کو حیرت زدہ اور لاجواب کر دیا جائے۔

تیسری بات عدم تقلید کے قائل ہوتے ہوئے بربنائے جہالت و کم علمی اپنے دوسرے کم علم و کم فہم علما کی باتوں کو ماننا اور ان پر اعتقادیات و عملیات کی بنیاد رکھنا اور راسخ العلم و دقیقہ رس مجتہدین کرام و ائمہ عظام کے شرعی دلائل و براہین پر مشتمل اقوال سے انکار و انحراف کرنا۔ آخر یہ کیا طرفہ تماشا ہے کہ تقلید کے منکر بھی ہیں اور اندھی تقلید شخصی کے قائل بھی۔

اور چوتھی سب سے اہم ترین بات یہ کہ ایک عظیم غلط فہمی کا ازالہ انتہائی دلنشیں اسلوب بیان کے ساتھ کیا گیا ہے یعنی بخاری شریف کو اصح کتب ماننے کا صحیح مطلب کیا ہے۔

اب آیئے اصح کتب کی صحیح تشریح و توضیح حضرت شارح کی زبانی ملاحظہ فرمایئے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں

اصح کتب کہنے سے جو غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے اس کے ازالہ کی ایک سبیل یہ بھی ہے کہ لوگوں کو اصح الکتب کا مطلب سمجھا دیا جائے۔ اس لئے اس سلسلے میں چند باتیں معروض ہیں۔ اصح کتب بعد کتاب اللہ کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ قرآن کی طرح اس کا حرف حرف، نقطہ نقطہ صحیح اور حق ہے اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ اس وقت تک بلکہ یوں کہئے کہ آج تک حدیث میں جتنی کتابیں لکھی گئیں بلا استثناء سب میں صحیح کے ساتھ ضعیف احادیث بھی درج ہیں۔ اس سے بخاری بھی مستثنیٰ نہیں۔ دوسری کتابوں کی بہ نسبت اس میں ضعیف حدیثیں کم ہیں۔ دوسروں میں تناسب کے لحاظ سے زائد ہیں اب اصح الکتب کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث کی دوسری تمام کتابوں کی بہ نسبت اس میں زیادہ صحیح حدیثیں ہیں۔ ضعیف حدیثیں کم ہیں۔ نیز ان کی احادیث صحت کی قوت میں بہ نسبت دوسری کتابوں کے زائد ہیں۔

یہ مطلب ہر گز نہیں کہ بخاری کے علاوہ یا صحاح ستہ کے علاوہ حدیث کی بقیہ کتابوں کی احادیث احادیث نہیں۔ باطل و موضوع ہیں۔ جس طرح بخاری اور صحاح ستہ کی احادیث صحیحہ واجب القبول ہیں اسی طرح بقیہ کتابوں کی احادیث صحیحہ واجب القبول ہیں۔

اصح کتب کا یہ مطلب نہیں کہ امام بخاری نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب حق و صحیح ہے۔ جس کی تفصیل اس کتاب میں جگہ جگہ مذکور ہوگی۔ امام بخاری سے اس کتاب میں جگہ جگہ لغزش ہوئی ہے اس لئے اصح کتب کا یہ مطلب لینا کہ بخاری میں جو کچھ ہے خواہ وہ حدیث نہ ہو امام بخاری کا قول ان کی تحقیق ہو سب حق ہے۔ اصح کتب کے معنی کی تحریف ہے۔ جس نے بھی بخاری کو اصح کتب کہا وہ صرف احادیث کے اعتبار سے کہا۔ امام بخاری کے فرمودات کو اس میں کسی نے داخل نہیں کیا۔ مگر کیا کیجئے باطل پرستوں کو جب کوئی دلیل نہیں ملتی تو اسی قسم کی فریب کاری کرتے ہیں۔

ان عبارتوں سے ایک بہت بڑی علمی مغالطہ انگیزی، فریب کاری، اور غلط فہمی کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ پھر حضرت امام بخاری کی عظمت و جلالت کا اظہار و اعتراف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں "انسان بہر حال انسان ہے اس سے لغزش ہو ہی جاتی ہے امام بخاری نے سولہ سال شب و روز کی تحقیق و تنقیح کے بعد اپنی وسعت بھر اس کی پوری کوشش کی کہ ان کی کتاب میں کوئی غیر صحیح، ضعیف حدیث نہ آنے پائے اور کوئی لغزش نہ ہو۔ مدت العمر اس کی تنقیح و تہذیب کرتے رہے۔ مگر یہ ابی اللہ العصمۃ الا لذاتہ و لرسولہ فسبحان من لا ینسیٰ پوری کوشش کے باوجود امام بخاری سے اس کتاب میں لغزش ہو ہی گئی حتی کہ علامہ ابن حجر جیسے محقق و مدقق کو بھی جنھوں نے امام بخاری پر کی گئی تنقیدات کی جوابدہی میں اپنی ذہانت و ذکاوت کا پورا سرمایہ صرف کر ڈالا۔ یہ کہنا ہی پڑا "لکل جواد کبوۃ" ہر تیز رو گھوڑے کیلئے ٹھوکر ہے، اسی لئے علامہ ابن حجر نے لسان المیزان، میں امام عبد اللہ بن مبارک کا یہ قول نقل کیا۔ من ذا سلم من الوھم کون ہے جو وہم سے سلامت رہا۔ نیز امام بخاری کے استاذ یحیٰ ابن معین کا یہ

قول بھی ذکر کیا ہے۔ "لستُ اعجبُ ممن یَحدّث فیخطی انی اعجب ممن یَحدّث فیصیب" میں اس پر تعجب نہیں کرتا کہ کوئی حدیث بیان کرے اور خطا کر جائے۔ مجھے اس پر تعجب ہے کہ وہ کبھی غلطی نہ کرے۔ اس قانون فطرت کے مطابق امام بخاری سے بھی لغزشیں ہوئی ہیں۔

اس کے بعد ان لغزشوں کی مثالیں پیش فرمائی ہیں جن میں ضعاف سے روایت سند میں تسامح متن میں تسامح، استنباط مسائل کا حال پوری تفصیل کے ساتھ درج فرمایا ہے۔ رضاعت کا مسئلہ کچھ اس طرح بیان فرمایا ہے۔ یعنی حضرت امام بخاری نے اپنے اجتہاد سے امت کے خلاف جو مسائل استنباط فرمائے تھے ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی لڑکے اور لڑکی نے ایام رضاعت میں کسی بکری کا دودھ پی لیا تو دونوں میں رشتۂ رضاعت پیدا ہو جائے گا۔"

اس مسئلہ کے بارے میں امام بخاری کے نادان دوست احناف پر امام بخاری کیطرف اس مسئلہ کے انتساب پر سخت برہم ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ صرف اہل الرائے نے لکھا ہے۔ اس پر ناقدانہ تبصرہ فرماتے ہوئے حضرت شارح تحریر فرماتے ہیں "تعصب اور ہٹ دھرمی کی یہ انتہائی حد ہے کہ چونکہ امام بخاری کا یہ فتویٰ احناف نے نقل کیا ہے اس لئے قابل اعتماد نہیں یہ احناف کے ساتھ بغض و عناد نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر احناف کو یہی کرنا تھا تو صرف ایک ہی ایسا فتویٰ کیوں مشہور کیا۔ وہ چاہتے تو سیکڑوں مشہور کر دیتے۔ اگر احناف کو امام بخاری سے کوئی تعصب ہوتا تو وہ امام بخاری کو امیر المومنین فی الحدیث ہرگز تسلیم نہیں کرتے۔ ان کی جامع کو اصح کتب بعد کتاب اللہ ہرگز نہ مانتے۔ احناف خصوصاً جبکہ امام بخاری اسی کتاب میں احناف کی طرف غلط مسائل تک منسوب کرنے سے باز نہیں آتے۔ احناف اسے کہہ سکتے تھے یہ افترا و بہتان ہے جو شخص افترا و بہتان باندھے وہ ثقہ نہیں ہو سکتا۔ مگر احناف نے انصاف اور اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ احناف اس کے باوجود یہی کہتے ہیں کہ امام بخاری کو غلط اطلاع ملی اس لئے انہوں نے ایسا کیا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جہاں گنجائش تھی وہاں احناف نے تعصب سے کام نہیں لیا، اور تعصب سے فرضی فتویٰ ان کی طرف منسوب کر دیا۔

امام بخاری کتنے ہی جلیل، اجل، عظیم، اعظم ہوں مگر خطا و لغزش انسان کی فطری سرشت ہے وہ بھی انسان ہی تھے ان سے بھی لغزش ہوئی۔ چند لغزشوں سے ان کی عظمت و جلالت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

اس محققانہ، ناقدانہ اور منصفانہ تبصرے کے اسلوب تحریر و تفہیم پر غور فرمایئے کہ اعتدال و توازن اور حق و انصاف کا دامن بھی ہاتھوں سے نہیں چھوٹنے پایا۔ ممدوح کا ادب و احترام بھی پورے طور پر ملحوظ رہا۔ بشری تقاضوں کے تحت رونما ہونے والی لغزشوں کی قابل قبول توجیہ بھی ہو گئی اور امام بخاری کے دامن فضل و کمال پر کوئی دھبہ بھی نہیں آنے پایا۔

تنقید و تبصرہ کا یہی اسلوب ارباب علم و خرد کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے۔ کسی انسان کی تعریف و توصیف اس انداز سے کرنا کہ اس سے سہو، لغزش، خطا کا صدور ہی ممکن نہیں یا کسی امر میں خطا و نسیان واقع ہو تو اس کی تحقیر و تنقیص بایں طور کرنا کہ خطا و لغزش کی بنیاد پر اس کی تمام علمی برتری اور فضل و کمال پر خط تنسیخ کھینچ دیا جائے۔ انتہائی غیر معقول، غیر متوازن، غیر سنجیدہ اور غیر اخلاقی و غیر علمی انداز فکر و اسلوب نگارش ہے۔

غیر مقلدین کی بخاری سے عداوت کے عنوان کے تحت شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی کی احناف پر تنقیدی ہفوات اور پھر ان پر اعلیٰحضرت امام احمد رضا کے محققانہ جوابات نقل فرماکر غیر مقلدین کے حدود اربعہ اور ان کی علمی بساط و اوقات بتائی ہے۔ پھر امام بخاری کے تسامحات پر باب و حدیث میں عدم مطابقت تدلیس وغیرہ کے ثبوت فراہم کئے ہیں۔ امام بخاری کی دیگر تصانیف کی تعداد خصوصیات اور ان کے مندرجات کا مختصر تعارف درج کیا ہے۔

التاریخ الکبیر کی تصنیف کے وقت عمر شریف اور حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب کا ذکر فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں امام بخاری نے حسب عادت حضرت امام اعظم پر بہت مہربانی کی ہے فرمایا۔ امام صاحب مرجی تھے۔ اس لئے لوگوں نے ان سے انکے رائے ان کی حدیث سے سکوت فرمایا ہے۔ اس میں کہاں تک صداقت ہے وہ آگے آرہا ہے۔"

جزء القراۃ خلف الامام: قرأت خلف الامام کے اثبات میں یہ رسالہ لکھا ہے۔ اصل موضوع پر بقدر ضرورت بحث شرح میں آئے گی۔ یہاں صرف اتنی نیاز مندانہ گذارش ہے کہ اس رسالہ میں امام بخاری کا سارا حزم و احتیاط رخصت ہو گیا ہے۔ ایک فرعی مسئلہ پر اتنی انتہا پسندی کر دی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ اختلاف امتی رحمۃ، حدیث بھی ان کے ذہن مبارک میں نہیں آئی۔ احناف پر ایسے غیظ و غضب کا اظہار ہے کہ افسوس ہوتا ہے۔ حد یہ ہے کہ ایسے غلط مسائل کا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف انتساب ہے جس کو سوائے افترا اور کوئی دوسرا نام دیا ہی نہیں جاسکتا۔ مزید برآں یہ کہ یہاں اپنے مطلب کہ حدیث لانے میں صحیح بخاری کی شرائط رخصت ہو گئیں۔ اس کی لم آج تک سمجھ میں نہ آئی۔

جزء رفع یدین: رفع یدین کے اختلاف کا حاصل یہ نہ تھا کہ رفع یدین کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ یا رفع یدین نہ کریں تو نماز ہی صحیح نہ ہو گی۔ مگر امام بخاری کا جلال اس مسئلہ میں بھی شباب پر ہے۔ کہیں احناف کو بے علم کہا۔ کہیں غبی و گمراہی کی منزل تک پہونچایا۔ اس پر بھی غصہ کم نہ ہوا تو اخیر میں یہ تک طنز کر دیا کہ پہلے لوگ الاوّل فالاوّل کو اعلم سمجھتے تھے اور احناف الاخر فالآخر کو اعلم سمجھتے ہیں۔ یہ تو اپنے موقع پر آئے گا کہ اس ارشاد کے مصداق خود امام بخاری ہیں یا احناف۔ اتنی بات تو سب کو معلوم ہے کہ امام اعظم امام بخاری سے ایک صدی پہلے گذرے ہیں۔"

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے زہد و ورع، حزم و احتیاط اور کمال علم و فضل کے باوجود حضرت امام

اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ان کے یہ ظاہر کردہ خیالات ان جیسی برگزیدہ شخصیت کے شایان شان نہیں معلوم ہوتے۔ مگر وہی بشری تقاضا اور فطری داعیہ۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس درجہ سوئے ظن، تلخ و تند، اور غیر متوازن تبصرہ یقیناً اہل علم کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔

حضرت شارح بخاری دامت فیوضھم کے لب و لہجہ کی تندی و تلخی پر چیں بجبیں ہونے والے روشن خیال اور وسیع المشرب حضرات ذرا یہ قول خود و بزعم خویش ایک انتہائی بردبار متحمل المزاج مہذب و معتدل روش رکھنے والے ناقد و مبصر جناب عامر عثمانی کا یہ پُر جلال و غضب ناک تیور اور تلخ و ترش اسلوب نگارش ملاحظہ فرمائیں اور موازنہ فرمائیں۔ کہ جن کے لب و لہجہ کی درشتی و سختی کا شکوہ کیا جارہا ہے۔ اور جن کے لب و لہجہ کی متانت و شائستگی کا قصیدہ پڑھا جارہا ہے۔ دونوں کے اسلوب میں کس کا طرز زیادہ سخت، فروتر اور تند و تلخ ہے۔ اقتباس ذرا طویل ہے لیکن پڑھیے اور منصفانہ فیصلہ کیجئے۔

"جناب عامر عثمانی مدیر تجلی "تجلی کے ایمان نمبر میں امام بخاری کا موقف" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ امام بخاری کو بہشت کے اونچے درجات عطا فرمائے۔ ان کے لئے دشوار نہ تھا کہ کسی بدظنی کو پرورش کرنے سے پہلے وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے احوال کی تحقیق فرماتے معلوم کرتے کہ اعمال کو جزو ایمان نہ ماننے سے اور ایمان میں کمی و زیادتی کے انکار سے ان کا کیا منشا ہے۔" پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں۔ "لیکن یہ ایک تاریخی حادثہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب الایمان کا آغاز ہی نہایت شدومد سے قول ابی حنیفہ کے رد و انکار سے کیا۔ وہ پہلے ہی عنوان میں دعویٰ کرتے ہیں۔ "وھو قول و فعل ویزید وینقص" ایمان قول و عمل کے مجموعے کا نام ہے اور وہ بڑھتا گھٹتا ہے۔" پھر اس دعوے کے ثبوت میں آیات و احادیث پیش فرماتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد متعدد عنوانات اسی مطابقت سے دیتے ہیں۔ اور شدت کا یہ حال ہے کہ خود ان کا ارشاد صحیح سندوں کے ساتھ یہ منقول ہوا ہے "میں نے اپنی صحیح میں کسی بھی ایسے آدمی کی روایت نہیں لی جو یہ کہتا ہو کہ ایمان قول و عمل سے مرکب نہیں اور اس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی۔"

یہ طرز عمل ایسی شدت کا مظہر ہے جس کی کوئی علمی توجیہ آج تک نہ ہو سکی۔ مان لیجئے ایمان و عمل کے مسئلہ میں ابو حنیفہ کا موقف غلط ہی تھا تب بھی روایت حدیث یا تو راویوں کے عدل پر موقوف ہے یعنی ان کی صداقت پر اعتماد ہونا چاہئے۔ کسی نظری اور اجتہادی مسئلے میں زید کی رائے کا غلط ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ اس کی روایت بھی ناقابل قبول ہو جائے۔

چنانچہ صحیح بخاری ہی میں امام بخاری نے معلوم و معروف خوارج کی روایت لی ہیں۔ جب کہ خود موصوف

خوارج کو گمراہ تصور کرتے ہیں۔ گمراہی الگ شئے ہے، خوارج یا معتزلہ عقل کی کجی میں مبتلا ہوئے۔ انھیں استدلال میں دھوکہ لگا۔ عملاً وہ نہایت زاہد و عابد تھے۔ غیر معمولی متورع اور متقی، اسی لئے امام بخاری نے ٹھیک کیا کہ حدیث کی روایت ان سے لینے میں دریغ نہ فرمایا، روایت تو ایک کافر سے بھی لی جاسکتی ہے۔ اگر خارجی شواہد اسکی صدق صحت پر دلالت کر رہے ہوں پھر آخر امام ابو حنیفہ ہی نے کون سا قصور کیا تھا کہ امام بخاری نہ صرف یہ کہ ان کی روایت قبول نہ فرمائیں۔ بلکہ اس کا اعلان بھی فخر کے ساتھ ضروری سمجھیں۔

یہی وہ طرز عمل ہے جو اپنی کھری اور لسانی تعبیر میں عناد کہلاتا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی گرہ ہے جسے علمی و عقلی تاویلات سے کھولا نہیں جاسکتا۔ اسے ہمارے بہت سے اکابر نے نزاع لفظی کا عنوان دے کر بھرم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان اکابر کے حسن ادب اور شائستگی کی ہم تعریف کریں گے۔ لیکن حقائق کی سطح پر اس عنوان کے لئے کوئی جواز نہیں ہے۔ کیونکہ لفظی نزاع اتنا ہولناک تاثر پیدا نہیں کرتا کہ اہل علم و فضل کے مابین انقطاع اور ترک موالات تک نوبت پہونچادے۔ اللہ امام بخاری کے مراتب بلند فرمائے۔ وہ بہر حال ایک غیر معصوم انسان تھے۔ اور اپنی دوسری کتابوں (تاریخ صغیر، تاریخ کبیر، تاریخ اوسط، الضعفاء والمتروکین) میں امام ابو حنیفہ کے متعلق اظہار رائے میں جو قصور ان سے سرزد ہوا تھا اسکی تلافی وہ اس وقت بھی نہ کر سکے۔ جب بخاری جیسی عظیم و یکتا کتاب انھوں نے دنیا کو دی۔

تنقیص و تحقیر ادنیٰ درجے میں بھی ان کی مقصود نہیں۔ بخاری کو قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب ہم بھی مانتے ہیں۔ یہ ہمیں بھی توقع ہے کہ امام ابو حنیفہ کی طرح امام بخاری بھی قیامت کے دن انشاء اللہ اولیاء و صالحین کی صفوں میں ہوں گے اور ہم جیسے کروڑوں تلامذہ ان کے احسان عظیم کا اعتراف کریں گے۔ لیکن یہ صداقت بہر حال اپنی جگہ اٹل ہے کہ انھوں نے امام ابو حنیفہ کے باب میں جلدی کی تحقیق و تدقیق سے کام نہ لیا اور اس کے نتیجے میں آج تک بہتیرے پڑھے لکھے مسلمان غلط فہمیوں میں گرفتار ہیں۔ انھیں امام ابو حنیفہ سے ایک تقلیدی نوع کی کد اور ضد ہو گئی ہے اگر انھیں امام بخاری جیسی جلیل شخصیت کی ذہنی پشت پناہی نہ ملی ہوتی تو ابو حنیفہ کے بارے میں ان پر حقائق غبار آلود نہ ہوتے۔ تلافی تو دور کی بات ہے جو گرہ امام بخاری کے ذہن میں پڑ گئی تھی اس کا اثر ان کے رسائل "القراۃ خلف الامام" اور "رفع الیدین" میں بڑھ چڑھ کر ظاہر ہوا۔ وہ تحقیق کے بغیر بعض افکار و عقائد ابو حنیفہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور صاف الفاظ میں انھیں مرجی بھی قرار دیتے ہیں۔

"حاشیہ میں درج ہے کہ فرقۂ مرجیہ کے بعض عقائد سُن لیجئے وہ کہتے تھے، دل میں ایمان ہو تو کوئی بھی گناہ نقصان دہ نہیں۔ حتی کہ بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ زبان سے چاہے نصرانی و یہودی ہونے کا اعلان کرے۔ عملاً چاہے بُت یا صلیب پوجے ایمان کا اس سے کچھ نہیں بگڑتا۔ بعض اس مسخرے پن کی حد تک کہ وہ شخص بھی مومن ہی ہے جو یوں کہے کہ خنزیر بے شک حرام ہے لیکن مجھے نہیں معلوم کہ خنزیر بکری کو کہتے ہیں یا کسی اور چوپائے کو۔

غرض یہ ایک عقل باختہ، بلید الذہن فرقہ تھا، جس کے واہی عقائد نے شہوت رانی اور فسق وفجور کو فروغ دیا۔

حالانکہ یہ ایک بہت بڑی علمی گالی تھی اور ہے۔ تاویل کے ماہرین ہزار تاویلات حسن کرتے ہیں لیکن کوئی بھی معقول آدمی یہ نہیں مان سکتا کہ جو امام بخاری ابو حنیفہ کو بے علم و جاہل تک کہہ چکے ہوں وہ مرجیٔ بول کر کوئی اچھے معنی (مثلاً ارجائے سنت) مراد لیں گے۔"

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ کے فضائل و مناقب اور اُن کے خیالات و تاثرات کو پیش کرنے کے بعد ضروری تھا کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہٗ کے حالات زندگی، کمالات علمی، قرآن فہمی، حدیث دانی جرح و تعدیل میں حذاقت علمی جلالت، ذہانت وفطانت اور بے مثال فقاہت کا تذکرہ کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔ "بخاری پڑھتے یا پڑھاتے وقت لامحالہ امام بخاری کی عنایتوں سے فقہ حنفی سے سابقہ پڑ ہی جاتا ہے۔ اس خصوص میں ایک طبقہ کو اپنے دل کے پھپھولے توڑنے کا خوب موقع ملتا ہے۔ لیکن اگر کسی حنفی سے پالا پڑ جاتا ہے تو کیا ہوتا ہے اسے شرح میں جگہ جگہ دیکھیں گے۔ چونکہ غیر مقلدین فقہ حنفی کی ایسی تصویر کشی کرتے ہیں جس سے ناواقف لوگوں پر یہ تاثر ہوتا ہے کہ فقہ حنفی کا نہ قرآن سے کوئی تعلق ہے نہ احادیث سے نہ اقوال سلف سے، یہ حضرت امام اعظم کی اختراعی خود ساختہ راویوں کا مجموعہ ہے جن کا قرآن وحدیث میں کوئی وجود نہیں۔ چنانچہ ایک مجتہد صاحب رقم طراز ہیں۔

"ایسی حالت میں یا تو اہل عراق کی طرح قیاسی تکے چلاتے"۔ (سیرت بخاری ص ۳)

اسلئے ہم یہ ضروری جانتے ہیں کہ شرح سے پہلے ایک مختصر خاکہ فقہ حنفی کا بھی ناظرین کے سامنے پیش کر دیں۔ امید ہے کہ طالبانِ حق کے لئے ذریعہ ہدایت ہو۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے بانی فقہ حنفی، امام الائمہ، سراج الامۃ، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہٗ کے حالات پر خصوصاً ان کی حدیث دانی و قرآن فہمی پر بقدر ضرورت روشنی ڈال دی جائے۔ امام اعظم کا مولد و مسکن چونکہ کوفہ ہے اور کوفہ کا نام آتے ہی اسکے باشندوں کے بے وفائی کا تصور اور ان سے تنفر کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔ حضرت شارح بخاری مدظلہٗ العالی نے شہر کوفہ کی عظمت و حرمت کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ ان غلط تصورات پر بھی بڑے ہی منطقیانہ انداز میں ضرب کاری لگائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت شارح کی مدلل تقریر اور اسلوب تحریر و تفہیم۔

مولد و مسکن : حضرت امام اعظم ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے، کوفہ کا نام آتے ہی لوگ چونک جاتے ہیں لیکن کوفہ کے مرکز علم ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنے سفر کے بارے، میں خود فرمایا ہے کہ دو بار مصر و شام جانے کا اتفاق ہوا، چار مرتبہ بصرہ گیا، کوفہ و بغداد اتنی مرتبہ گیا کہ شمار نہیں ہو سکتا۔ اگر کوفہ میں کچھ نہیں تھا تو امام بخاری کی کوفہ اتنی زیادہ آمد و رفت کیوں ہوئی؟ کیا امام بخاری کوفہ صرف غدر و بے وفائی کی تعلیم و

تمرین کے لئے جاتے تھے؟

شہر کوفہ کی عظمت و اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "کوفہ وہ مبارک شہر ہے جسے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حکم سے ۱۷ھ میں فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بسایا تھا۔ اس شہر کو حضرت عمر راس الاسلام، راس العرب، جمجمۃ العرب حتی کہ رمح اللہ "کنز الایمان" کہا کرتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اسے قبۃ الاسلام کا لقب دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اسے کنز الایمان، جمجمۃ الاسلام، رمح اللہ، سیف اللہ کہا، کوفے کو اپنا دار الخلافت بنایا۔ کوفے والوں نے جس خلوص اور سچائی کے ساتھ تن من دھن سے حضرت علی کا ساتھ دیا، وہ تاریخ کے صفحات پر زریں اوراق کی طرح تاباں ہے۔

رہ گیا حضرت امام حسین اور امام زید شہید کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ان تقیہ باز رافضیوں نے کیا جو اس لئے کوفے میں آباد ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کو چین نہ لینے دیں۔ جیسے مدینہ طیبہ میں منافقین تھے۔ اگر منافقین کی وجہ سے مدینہ منورہ کی عظمت پر کوئی حرف نہیں آسکتا تو ان کے وارثین روافض کی وجہ سے کوفے پر بھی کوئی داغ نہیں آسکتا، کون بستی ہے، جو اسلام دشمن عناصر سے پاک ہے؟

اس مبارک شہر میں ایک ہزار پچاس صحابہ کرام میں ستر اصحاب بدر اور تین سو بیعت رضوان کے شرکا تھے آکر آباد ہو گئے، جس بُرج میں یہ نجوم ہدایت اکٹھے ہوئے اسکی ضوفشانیاں کہاں تک ہوں گی اس کا اندازہ ہر ذی فہم کر سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوفے کا ہر گھر علم کے انوار سے جگمگا رہا تھا، ہر ہر گھر دار العلوم، دار الحدیث بن گیا تھا۔ حضرت امام اعظم جس عہد میں پیدا ہوئے اس وقت کوفے میں حدیث و فقہ کے وہ ائمہ مسند تدریس کی زینت تھے، جس میں ہر شخص اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب تھا۔ اور کوفے کی یہ خصوصیت صحاح ستہ کے مصنفین کے عہد تک باقی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری کو اتنی بار کوفہ جانا پڑا کہ وہ شمار نہیں کر سکتے۔ اور صحاح ستہ کے اکثر شیوخ کوفہ کے ہیں۔

چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں "اس شہر کو باب مدینۃ العلم حضرت علی نے اپنے روحانی و عرفانی فیض سے ایسا سینچا کہ تیرہ سو سال گذرنے کے باوجود دنیا کے مسلمان اس سے سیر اب ہو رہے ہیں۔ خواہ علم حدیث ہو خواہ علم فقہ، اگر کوفے کے راویوں کو ساقط الاعتبار کر دیا جائے تو پھر صحاح ستہ، صحاح ستہ نہ رہ جائے گی۔"

بر بنائے تحقیق فرماتے ہیں کہ کم از کم سات صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہونے کی وجہ سے امام اعظم تابعی ہوئے اور ان احادیث کے مصداق ہوئے۔ طوبیٰ لمن رأنی ومن آمن بی وطوبیٰ لمن رأی من رأنی" اسے خوشی کا مژدہ ہو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اسے جس نے میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔

ہائے نو۔ جہاں یہ غائب

لا تمس النار مسلما رآنی و رأی من رآنی (مشکوٰۃ ص ۵۵۴)

اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا

خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۵۵۳)

میری امت میں سب سے بہتر میرے زمانے والے ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں۔ پھر وہ جو ان کے بعد ہیں

یہ وہ فخر ہے جو امام اعظم کے اقران میں دوسرے ائمہ کو نصیب نہ ہوا نہ امام مالک کو نہ امام اوزاعی کو نہ سفیان ثوری کو نہ لیث بن سعد کو۔ حضرت امام کا تابعی ہونا اتنا محقق ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی کو باوجود شافعی عصبیت کے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ حضرت امام اعظم تابعی تھے۔ انھوں نے اس وقت کوفے میں موجود متعدد صحابہ کی زیارت کی۔

تحصیل حدیث : کے ذیل میں ضمناً قیاس کی شرعی حیثیت کو فرمان رسالت سے موکد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ احناف کی کتب فقہ واصول فقہ اسکی شاہد عدل ہیں کہ فقہ حنفی کی بنیاد، کتاب اللہ، احادیث رسول اللہ، پھر اجماع امت پر علی الترتیب ہے، سب پر مقدم کتاب اللہ ہے، کتاب اللہ میں کوئی حکم شرعی ملتا ہے تو وہ سب پر مقدم ہے۔ اگرچہ وہ صراحۃً نہ ملے اشارۃً ملے، اقتضاءً ملے، جب کتاب اللہ میں کوئی حکم نہیں ملتا تو دوسرے درجہ پر احادیث ہیں، جب احادیث میں بھی کوئی حکم نہیں ملتا تو امت کے اجماع کو دیکھتے ہیں، اگر اس خصوص میں امت کا اجماع کو دیکھتے ہیں، ااگر اس خصوص میں امت کا اجماع نہیں ملتا تو اس کے بعد قیاس کی منزل آتی ہے۔ یہ ترتیب وہی ہے جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے یمن جاتے وقت حضور اقدس ﷺ کے استفسار پر عرض کیا تھا جس کو حضور نے بے حد پسند فرمایا اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کا والی نامزد فرمایا تو پوچھا اے معاذ فیصلہ کس بنیاد پر کروگے؟ انھوں نے عرض کیا اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا، فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ تو عرض کیا رسول اللہ کی سنت سے فرمایا اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو فرمایا اجتہد برائی پورے غور وخوض کے بعد اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا۔ یہ جواب سن کر حضور اقدس ﷺ نے جوش مسرت میں ان کے سینے پر دست شفقت ملا اور فرمایا ”الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضیٰ بہ رسول اللہ“ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو رسول کو پسند ہے۔ اس پر احناف کے لاکھوں لاکھ مسائل کا ایک ایک جزیہ شاہد ہے۔ احناف کو اس بارے میں اتنا اہتمام ہے کہ کتاب اللہ کے عام میں قیاس تو قیاس خبر واحد سے بھی تخصیص نہیں کرتے۔ کتاب اللہ کے مطابق مطلق کو قیاس تو بہت بعید ہے۔ خبر واحد سے بھی مقید نہیں کرتے۔ اس کے نظائر پیش فرمانے کے بعد رقمطراز ہیں۔

”چونکہ احادیث فقہ کی بھی بنیاد ہیں، اور کتاب اللہ کے معانی ومطالب کی بھی اساس ہیں اسلئے حضرت امام اعظم نے حدیث کی تحصیل میں انتھک کوشش کی۔“ پھر فرماتے ہیں ”کہنے کو تو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے

طلب علم کا میدان صرف کوفے سے بصرہ اور حرمین طیبین تک محدود ہے۔ مگر اس کی وسعت اتنی ہے کہ چار ہزار شیوخ سے احادیث اخذ کیں۔"

حضرت امام اعظم کے قیاس ہونے کی تردید میں چند واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی درج کیا ہے "حضرت امام کے اساتذہ میں حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ ایک بار مدینہ طیبہ کی حاضری میں جب امام باقر نے امام اعظم سے کہا وہ تم ہی ہو جو قیاس سے میرے جد کرم کی حدیث کو رد کرتے ہو، امام اعظم نے عرض کیا معاذ اللہ حدیث کو کون رد کر سکتا ہے؟ حضور اجازت دیں تو کچھ عرض کروں، اجازت کے بعد امام اعظم نے عرض کیا حضور مرد ضعیف ہے یا عورت؟ ارشاد فرمایا عورت، عرض کیا وراثت میں عورت کا زیادہ حصہ ہے یا مرد کا؟ فرمایا مرد کا، عرض کیا میں قیاس سے حکم کرتا تو عورت کو زیادہ حصہ دینے کا حکم کرتا۔ پھر عرض کیا نماز افضل ہے کہ روزہ، ارشاد فرمایا نماز، عرض کیا قیاس یہ چاہتا ہے کہ جب نماز روزہ سے افضل ہے تو حائضہ پر نماز کی قضا بدرجہ اولیٰ ہونی چاہئے۔ اگر احادیث کے خلاف قیاس سے حکم کرتا تو یہ حکم دیتا کہ حائضہ نماز کی قضا ضرور کرے اس پر امام باقر اتنا خوش ہوئے کہ اٹھ کو ان کی پیشانی چوم لی۔

عظیم محدث ہونے کے شواہد: امام اعظم رضی اللہ عنہ کے روایاتی و واقعاتی شواہد و نظاہر پیش کرنے کے علاوہ ایک انتہائی معقول اسلوب بیان سے قارئین و مخالفین کی تفہیم یوں فرماتے ہیں۔ "حضرت امام اعظم کے عظیم محدث ہونے کی سب سے بڑی سب سے روشن سب سے قوی دلیل فقہ حنفی ہے، فقہ حنفی کے کلیات و جزئیات اٹھا کر دیکھو اور دوسری طرف احادیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھو وہ سب کی سب فقہ حنفی کے مطابق ہیں، اسکی تصدیق کے لئے امام طحاوی کی معانی الآثار، علامہ عینی کی بخاری شرح عمدۃ القاری، ابن ہمام کی فتح القدیر کا مطالعہ کرے اور کچھ خلجان رہ جائے تو اعلیٰحضرت امام احمد رضا کے مجموعہ فتاویٰ فتاوائے رضویہ کا مطالعہ کرے میں نے جو کچھ کہا ہے اس کے حرف حرف کی تصدیق ہو جائے گی۔ اگر معاندین کی یہ بات مان لی جائے کہ حضرت امام اعظم حدیث نہیں جانتے تھے تو ان کا مذہب احادیث کے مطابق کیسے ہے؟

پھر امام اعظم کی فقاہت، ان کے کبھی کسی برائی سے متہم نہ ہونے، عاقل و فاضل و پرہیزگار ہونے کے مختلف اقوال پیش کرنے کے بعد بشارت نبوی کا ذکر فرماتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے، اگر ایمان، دین، علم، ثریا کے پاس ہوتا تو بھی فارس کے مردوں میں سے کچھ مرد یا فارس کا ایک مرد اس کو حاصل کر لیتا۔

اجلہ محدثین نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس کے مصداق حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر اس سلسلے میں مختلف اقوال تائید النقل فرماتے ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب پیش کرنے کے بعد ان کی تصانیف اور ان کی خصوصیات کا اجمالی ذکر فرمایا ہے۔

---

۱۶ معارف شارح بخاری

قلت روایت کا سبب: حضرت امام اعظم کی قلت روایت پر طنز و تعریض کرتے ہوئے معاندین کہتے ہیں کہ وہ جب اتنے بڑے محدث تھے تو ان سے روایتیں کیوں کم آئی ہیں۔ اس پر شارح بخاری فرماتے ہیں کہ علمانے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ چونکہ شرائط بہت سخت تھے۔ مثلاً حضرت امام اعظم کے نزدیک صحت روایت کی شرط یہ ہے کہ سماع کے وقت سے روایت کے وقت تک راوی کو حدیث یاد ہو۔ دوسری شرط یہ تھی حضرت امام اعظم روایت بالمعنی کے قائل نہ تھے۔ روایت باللفظ ضروری جانتے تھے اس لئے روایت کم فرمائی۔

لیکن اب آیئے شارح بخاری کے الزامی و تحقیقی جواب کا یہ طرز تحریر و تفہیم ملاحظہ فرمایئے جو معاندین کے لئے مسکت اور دندان شکن ہے فرماتے ہیں "ہمیں یہ تسلیم ہے کہ جس شان کے محدث تھے اس کے لحاظ سے روایت کم ہے مگر یہ ایسا الزام ہے کہ امام بخاری جیسے محدث پر بھی عائد ہوتا ہے انھیں چھ لاکھ احادیث یاد تھیں، جن میں ایک لاکھ صحیح یاد تھیں۔ مگر بخاری میں کتنی احادیث ہیں وہ آپ معلوم کر چکے۔ غور کیجئے ایک لاکھ صحیح احادیث میں سے صرف ڈھائی ہزار سے کچھ زیادہ ہیں۔ کیا یہ تقلیل روایت نہیں ہے؟

پھر ان محدثین کی کوشش صرف احادیث جمع کرنا اور پھیلانا تھا۔ مگر امام اعظم کا منصب ان سب سے بلند بہت اہم اور مشکل تھا۔ وہ امت مسلمہ کی آسانی کے لئے قرآن و حدیث و اقوال صحابہ سے متخ مسائل اعتقادیہ و عملیہ کا استنباط اور اُن کو جمع کرنا تھا۔

پھر مسائل کا استنباط کتنا مشکل ہے اسکا بیان آگے آرہا ہے، اسی مصروفیات اور پھر عوام و خواص کو ان کے جوابات پر احکام بتانے کی مشغولیت نے اتنا موقع ہی نہ دیا کہ وہ اپنی شان کے لائق بکثرت روایت کرتے۔

یہ صحیح ہے کہ محدثین نے بھی اپنی تصانیف میں ابواب قائم کر کے مسائل کا استنباط کیا ہے۔ بلکہ جیسا کہ میں پہلے عرض کر آیا ہوں بعض حضرات کا مقصود اصلی اپنے مستنبط کئے ہوئے مسائل ہی کو بیان کرنا ہے اور جمع حدیث کی حیثیت ثانوی مقصد ہے۔ لیکن مجھے عرض کرنے دیجئے کہ یہ بھی فیض ہے۔ حضر امام اعظم کا جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "الناس عیال فی الفقہ علی ابی حنیفۃ من لم ینظر فی کتبہ لم یتبحر فی العلم و لا یتفقہ" سب لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے عیال ہیں۔ جس نے امام ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا۔ اسے علم دین میں تبحر حاصل نہیں ہوا اور نہ وہ فقیہ ہوا۔

الاہم فالاہم کی ترتیب ہر جگہ لازم ہے۔ حضرات خلفائے راشدین سے اور دیگر اجلہ صحابہ کرام سے روائتیں کتنی کم ہیں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے احوال و کوائف اور ارشادات کو کم جانتے تھے۔ امت کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ صحابہ میں سب سے زیادہ اعلم خلفائے راشدین ہیں۔ مگر ترتیب فضیلت کے برعکس روایت کا درجہ ہے۔ یہ صرف وہی الاہم فالاہم میں مصروفیت کی وجہ سے ہے۔ یہی بات یہاں بھی ہے۔ کہ

استخراج مسائل اسوقت کی سب سے اہم ضرورت تھی۔ اس میں مصروفیت کی وجہ سے اتنا موقع نہ ملا۔ کہ اپنی شان کے مطابق احادیث کی روایت کرتے۔

فقہ کی حقیقت : فقہ کی فضیلت کے ثبوت میں آیات قرآنی واحادیث نبوی پیش کرنے کے بعد محدث اور فقیہ کے مابہ الامتیاز وصف کو یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ محدث کا کام احادیث کو صحت کے ساتھ یاد رکھنا ہے۔ اور فقیہ کا کام اسکے ساتھ ساتھ اسے شارع کے منشا کے مطابق سمجھنا ہے۔ پھر اس سے احکام کا استخراج ہے۔ ان دونوں باتوں کے لئے کتنی وسعت علم اور ذکاوت وفطانت کی ضرورت ہے۔ یہ وہی جان سکتا ہے، جو فقہ سے آشنا ہو۔ یعنی

ذوق ایں بادہ نہ دانی بخدا تانہ چشی

اسی لئے علما نے فرمایا ہے کہ محدث ہونا علم کی پہلی منزل ہے، اور فقیہ ہونا آخیر منزل۔

ضرورت فقہ:۔ فقہ کی حاجت اور ضرورت پر اس انداز سے روشنی ڈالتے ہیں کہ کسی صاحب عقل کو اس سے انکار کی جرأت ہو ہی نہیں سکتی۔

فرماتے ہیں "انسان کی معاشرت کی وسعت نے اتنی چیزوں کا انسان کو محتاج بنادیا ہے کہ ایک انسان اگر لاکھ کوشش کرے کہ وہ دوسرے سے مستغنی ہو جائے۔ تو محال ہے مسلمان چونکہ عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی شریعت کا پابند ہے۔ اس لئے اس عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی قدم قدم لحظہ لحظہ احکام شریعت کی ضرورت ہے۔ آپ صرف عبادات ہی کو لے لیجئے۔ اس کے فروع وجزئیات کتنے کثیر ہیں اب ہر انسان کو اس کا مکلف کرنا کہ وہ پورا قرآن مجید مع معانی ومطلب کے حفظ رکھے۔ اور تمام احادیث کو مع سند ومالہ وما علیہ یاد رکھے تکلیف مالا یطاق ہے۔"

پھر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں "اس لئے ضروری ہوا کہ امت کے جن علما کو اللہ عزوجل نے یہ صلاحیت واستعداد دی ہے کہ وہ قرآن واحادیث کے حفظ وضبط کے ساتھ ساتھ ان کے معانی ومطالب سے کماحقہ واقف ہیں۔ اور ان کے ناسخ ومنسوخ کو جانتے ہیں۔ جن میں اجتہاد واستنباط کی پوری قوت ہے۔ وہ خداداد قوت اجتہاد سے کام لے کر احکام شرعیہ کا ایسا مجموعہ تیار کردیں جن میں منقح احکام مذکور ہوں۔

پھر فرماتے ہیں کہ "اس ضرورت کو سب سے پہلے حضرت امام الائمہ سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس کیا۔ اور آپ نے اپنی خداداد پوری صلاحیت کو قرآن واحادیث واقوال صحابہ سے مسائل کے استخراج واستنباط میں صرف فرمادیا۔ جس کے احسان سے امت مرحومہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ خصوصا جب کہ دور وہ شروع ہو چکا تھا کہ سیکڑوں نت نئے فتنے اٹھ رہے تھے۔ بدمذہب، اسلام دشمن عناصر مسلمانوں میں گھل مل کر ہزار ہا ہزار احادیث گڑھ کر پھیلا چکے تھے۔ اگر فقہ مرتب نہ ہوتی، تو امت کا کیا حال ہوتا وہ کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں۔

بنیاد : اس عنوان کے تحت حضرت شارح انتہائی موثر اور دلنشیں پیرائے میں یوں تفہیم فرماتے ہیں "چونکہ فقہ کی بنیاد کتاب اللہ پر ہے۔ اس کے بعد احادیث پر نیز نظم قرآن اور الفاظ حدیث کے معنی پر دلالت کبھی صریح ہوتی ہے۔ کبھی خفی اور کبھی خفی تر۔ نیز صریح دلالت کے بھی مختلف مدارج ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مقصود اسی معنی کا بیان ہوتا ہے۔ کبھی وہ معنی صریح مقصود بیان نہیں مگر ہوتا صریح ہے۔ جیسے ارشاد ہے۔

لِلفُقراءِ المهاجرين الذين أُخرجوا من ديارهم واموالهم (سورۂ حشر آیت ۸)

"مال غنیمت ان محتاج مہاجرین کیلئے ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے۔"

اس آیت میں دو باتیں صریح ہیں۔ ایک یہ کہ فقرائے مہاجرین، مال غنیمت کے مستحق ہیں، دوسرے یہ کہ اس کے باوجود کہ مکے میں ان کے گھر بار مال تھے۔ پھر بھی فقیر ہیں۔

اس آیت سے مقصود بیان مال غنیمت کا استحقاق ہے۔ اور فقیر ہونا بھی صریح مذکور ہے، مگر یہ مقصود بیان نہیں۔ نیز اسی آیت سے ثابت ہوا کہ اگر کفار مسلمانوں کے مال پر قبضہ کر کے اس کو دارالحرب میں محفوظ کر لیں تو وہ کفار کی ملک ہو جاتا ہے۔ یہ دلالت خفی ہے۔ ظاہر ہے جو بات قرآن و حدیث سے صریح طور سے ثابت ہو۔ اس کی حیثیت اور ہو گی اور جو خفی طور پر ثابت ہو گی اس کی حیثیت اور ہو گی۔ یہیں دیکھ لیجئے اس آیت سے ثابت کہ مہاجرین مال غنیمت کے مستحق ہیں۔ یہ ہر شبہے سے بالاتر ہے۔ لیکن اسی سے یہ بھی ثابت ہے کہ استیلائے کفار سبب ملک ہے۔ اس میں وہ قوت نہیں جو پہلے میں ہے۔ اس کو آپ ایک دوسری مثال سے سمجھیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ طلاق کی عدت تین قروء ہے۔ قروء کے معنی حیض کے بھی ہیں۔ اور طہر کے بھی۔ احناف کہتے ہیں کہ یہاں حیض کے معنی میں ہے۔ اس لئے عدت کا شمار حیض سے ہوگا۔ شوافع کہتے ہیں کہ یہاں طہر مراد ہے عدت کا شمار طہر سے ہوگا۔ قرآن مجید دونوں کا مستدل ہے کیا کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ جیسے آیات اوّل سے مہاجرین کے مال غنیمت کے استحقاق کا ثبوت ہے۔ اسی طریقے سے عدت طلاق کا حیض یا طہر ہونا بھی ثابت ہے؟

احادیث کی ان سب احتمالات کے ساتھ ساتھ رواۃ کی قلت و کثرت کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں (۱) متواتر (۲) مشہور (۳) خبر واحد۔

اب یہ بالکل بدیہی ہے کہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت کا ثبوت ایسا یقینی و قطعی ہے کہ اس میں کسی شبے کی گنجائش نہیں اور یہی حال حدیث متواتر کا ہے۔ حدیث مشہور کا ثبوت بھی یقینی ہے۔ مگر متواتر کی طرح نہیں۔ اور خبر واحد میں یہ یقین اور کم درجے کا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ راوی لاکھ قوی الحافظہ سہی، لاکھ متدین سہی۔ لاکھ محتاط اور متیقظ سہی مگر ہے تو انسان ہی۔ بہر حال اس سے سہو نسیان، خطا، بھول چوک مستبعد نہیں۔ اس لئے جو درجہ دو اور دو سے زاید راویوں کا ہے۔ وہ تنہا ایک کا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ تعداد جتنی بڑھتی جائے گی۔ قوت بڑھتی جائے گی اور تعداد

گھٹنے میں قوت گھٹتی جائے گی۔ اگر چہ راوی قوی الحافظہ، صدوق، ثقہ، تام الضبط وغیرہ جامع شرائط ہو۔ اب چونکہ فقہ کی بنیاد جن پر تھی۔ وہ سب ایک درجے کے نہیں اس لئے ضروری ہوا کہ اُن سے ثابت ہونے والے امور بھی ایک درجے کے نہ ہوں۔ بلکہ ان میں بھی مختلف مدارج ہوں، اس لئے احناف کے یہاں احکام کی ابتدائی تین قسمیں ہوئیں (۱) مامور بہ (۲) منھی عنہ (۳) مباح پھر مامور بہ کی سات قسمیں ہیں۔

(۱) فرض اعتقادی (۲) فرض عملی (۳) واجب اعتقادی (۴) واجب عملی (۵) سنت مؤکدہ (۶) سنت غیر مؤکدہ (۷) مستحب۔

منھی عنہ کی بھی پانچ قسمیں ہیں (۱) حرام قطعی (۲) مکروہ تحریمی (۳) اساءت (۴) مکروہ تنزیہی (۵) خلاف اولی

یہ سب صرف اس لئے ہوا کہ قرآن کی عظمت اور قطعیت اپنی جگہ رہے۔ اور احادیث کی عظمت اپنی جگہ اور ثابت ہونے والے امور کی ان کے ثبوت کی نوعیت کے اعتبار سے حیثیت اپنی جگہ رہے۔

احکام کے ان فرق مراتب کے موجد حضرت امام اعظم ہیں۔ فرق مراتب کو سبھی مجتہدین نے قبول کیا ہے۔ اس تقسیم سے بہت سے وہ خلجان جو قرآن وحدیث میں بہ ظاہر نظر آتے ہیں۔ خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں نماز کے سلسلہ میں صرف قیام، قرأت، رکوع، سجود کا حکم ہے۔ احادیث میں ان کی تفصیل ہے۔ مثلاً قیام میں قرأت ہو اور قرأت میں سورہ فاتحہ ہو۔ رکوع سجود میں تسبیح پڑھی جائے۔

فقہانے جتنی باتیں قرآن مجید یا احادیث متواترہ سے ثابت ہوئیں ان کو فرض قرار دیا بقیہ باتوں کو احادیث کی نوعیت کے لحاظ سے واجب سنت مستحب قرار دیا۔ اس کو آپ ایک جزئی مثال سے ذہن نشین کیجئے۔ قرآن مجید میں ہے۔

فاقرؤا ماتیسر من القرآن (سورہ مزمل آیت ۲۰) جتنا تم پر آسان ہو قرآن پڑھو۔

اس آیت کو عموم اسکا مقتضی ہے۔ کہ نمازی قرآن کی جو بھی سورۃ۔ آیت پڑھ لے نماز ہو جائے گی مگر احادیث میں ہے کہ لاصلوٰۃ الابفاتحۃ الکتاب اور کثیر احادیث سے ثابت کہ حضور اقدس ﷺ سورہ فاتحہ کے بعد اور بھی قرآن مجید کچھ نہ کچھ پڑھا کرتے تھے۔ جو باعتبار معنی حد شہرت تک پہونچی ہیں۔ ان احادیث کا مفاد یہ ہوا۔ کہ بغیر سورہ فاتحہ اور ضم سورت کے نماز نہیں ہو گی۔ فقہانے فرق مراتب سے فائدہ اٹھا کر اس تعارض کو دور فرمایا۔ کہ مطلق قرأت فرض اور خاص سورہ فاتحہ پڑھنا اور ضم سورت واجب، اگر معاذ اللہ احناف احادیث کو قابل عمل نہ جانتے تو بہت آسانی کے ساتھ کہہ سکتے تھے۔ کہ چونکہ یہ احادیث قرآن کے معارض ہیں۔ لہٰذا متروک العمل ہیں۔

اسی لئے احناف کے اصول فقہ کا مسلمہ کلیہ مشہور ہے کہ جب قرآن وحدیث میں تعارض ہو تو پہلے تطبیق کی کوشش کی جائے۔ تطبیق ہو جائے فبہا ورنہ بدرجہ مجبوری کتاب اللہ کے مقابلے میں خبر آحاد ضرور متروک۔ کیا کوئی اسے عمل بالحدیث کا ترک کہہ سکتا ہے؟ لیکن عناد کا کوئی علاج نہیں۔ ورنہ ظاہر بات ہے کہ جب

قرآن مجید کے قطعی الدلالت معنی کے معارض کوئی روایت ہے۔ تو وہ حدیث ہی نہیں، اگرچہ وہ سب طرح سے درست ہو، یہ قاعدہ بھی احناف کا تراشیدہ نہیں۔ صحابہ کرام سے منقول ہے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں کسی نے کہا کہ ابن عمر کہتے ہیں کہ اِنَّ المیّت یعذب ببکاء الحی زندہ کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔

ام المومنین نے فرمایا اللہ عزوجل ابو عبدالرحمٰن پر رحم فرمائے، یہ یقین ہے کہ جھوٹ نہیں بولے مگر بھول گئے یا چوک گئے۔

قصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک یہودی عورت کا جنازہ گزرا اس پر لوگ رو رہے تھے۔ فرمایا یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں حالانکہ اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔

حضرت ام المومنین کی یہ تنقید اس حدیث کے قرآن کی اس آیت کے معارض ہونے کی وجہ سے تھی کہ اللہ نے فرمایا ہے لا تَزِرُ وازرۃ وزر اُخریٰ کوئی دوسرے کا وبال نہیں اٹھائے گا۔

ایک طعن اور اس کے جوابات : کے تحت رقم طراز ہیں قارئین اس اسلوب تحریر و تفہیم پر خصوصی توجہ فرمائیں۔

فقہ حنفی ہی نہیں مطلقاً فقہ پر امام بخاری کا ایک طعن برابر چلا آرہا ہے۔ اور آج کل کے معاندین امام بخاری کے کاندھے پر بندوق رکھ کر اس کا احناف کو نشانہ بناتے ہیں۔ وہ یہ کہ فقہا احادیث کو چھوڑ کر اقوال رجال سے احکام نکالتے ہیں اور اسی میں پھنسے رہتے ہیں۔

پہلا جواب : اس کا یہ ہے کہ خود امام بخاری نے بھی اقوال رجال سے احکام کا استنباط فرمایا۔ اور انھیں دلیل بنایا۔ بلکہ کہیں کہیں صرف اقوال رجال ہی کو دلیل بنایا۔ ان کے ابواب کو دیکھئے کہ کتنے ابواب میں حدیث سے پہلے اقوال رجال ذکر کرتے ہیں۔ پھر حدیث اور کہیں کہیں تو باب کے تحت کوئی حدیث نہیں صرف اقوال رجال ہی ہے۔ بلکہ ہر ایک عامی کو امام بخاری کے طرز سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک اقوال رجال کی حیثیت حدیث سے زائد ہے۔ اس لئے کہ امام بخاری کی ترتیب یہ ہے کہ وہ باب کی تائید میں پہلے آیت ذکر کرتے ہیں۔ اگر اس کی مؤید کوئی آیت ہو۔ پھر اقوال رجال پھر حدیث اگر کوئی ان کے پاس ہوتی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید سب پر مقدم۔ اس سے کسی کا ذہن اس طرف جا سکتا ہے کہ یہ ترتیب الا ہم فالا ہم کی ہے۔

دوسرا جواب : جن امور کے بارے میں قران وحدیث میں کوئی حکم نہ ملے تو غیر مجتہد کیا کرے اِسے آپ بتائیں۔

تیسرا جواب : یہ بات بہ تحقیق ثابت ہو چکی کہ فقہ کی اصل بنیاد قرآن و احادیث ہیں اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ فقہا نے احکام کو قرآن و احادیث ہی سے استخراج فرمایا ہے۔ جو احکام قرآن وحدیث میں نہ مل سکے ان میں انھوں نے قرآن وحدیث سے متخرج احکام کو سامنے رکھ کر اجتہاد سے احکام معلوم کئے ہیں۔ تو آپ بتائیں کہ پھر فقہا کے

اقوال کیوں قابل قبول نہ ہوں گے اور یہ حقیقت میں اقوال فقہا پر اعتماد کرنا نہیں۔ بلکہ اصل اعتماد قرآن وحدیث پر ہے۔ یہ اقوال فقہا قرآن واحادیث سے ماخوذ ہیں۔ اس لیے یہ قابل اعتماد ہیں۔ جیسے آپ لوگ بھی ایک ہی صدی میں غیر مقلدیت کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار جانتے ہوئے بھی فتاوی نذیریہ۔ فتاویٰ ثنائیہ پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور وہی آپ لوگوں کا معمول بہ ہے۔ کیا امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کے اقوال پر اعتماد جائز نہیں۔ اور میاں نذیر حسین دہلوی، اور مولوی ثناء اللہ امر تسری کے اقوال کا درجہ قرآن وحدیث کے برابر ہے کہ ان پر اعتماد درست ہے ؟ اقوال فقہا پر اعتماد اس وقت ناجائز و حرام ہوتا جب یہ ان کی ذاتی رائے ہوتی اور قرآن وحدیث کے معارض ہوتی مگر جب ان کے اقوال قرآن واحادیث کے مطابق ہیں۔ تو اُن پر اعتماد اصل میں قرآن واحادیث پر اعتماد ہے۔

چوتھا جواب: اصل معاملہ یہ ہے کہ جو مجتہد نہیں۔ اسے کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید کرنی فرض ہے۔ اس قدر پر امت کا اجماع ہے، اور یہ قرآن وحدیث سے بھی ثابت ہے۔

مجتہد کون ہے یا کون ہو سکتا ہے اسکو آپ اس سے سمجھ لیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابۂ کرام میں سے مجتہد کتنے ہوئے ان کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے یہ تفصیل کا موقع نہیں۔ اب جو مجتہد نہیں۔ لامحالہ اسے کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید کرنی ہے۔ اور جب وہ مقلد ہے تو اسے اس امام کے اقوال پر اعتماد کرنا لازم ہے۔ جس کا وہ مقلد ہے۔ اسے براہِ راست قرآن واحادیث سے، مسائل کے استخراج کی کوشش جائز نہیں۔ امت کی اکثریت بلکہ غالب اکثریت غیر مجتہد ہے۔ اس لئے وہ لوگ اقوال فقہا سے احکام تلاش کرتے ہیں۔ اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور یہ عمل خود اجلۂ محدثین مصنفین صحاح ستہ حتی کہ شیخین کے اساتذہ کا تھا۔ اگر ان کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آتا۔ تو اسے فقہا کی طرف رجوع کا حکم دیتے۔ یا یہ خود فقہا کی طرف رجوع کرتے۔"

اس سلسلہ میں چند اہم اور دلچسپ واقعات نقل فرماتے ہیں۔ جن میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص سے اس کی بیوی کا جھگڑا ہوا۔ شوہر یہ قسم کھا بیٹھا کہ جب تک تو نہیں بولے گی میں بھی نہیں بولوں گا۔ بیوی کیوں پیچھے رہتی اس نے بھی برابر کی قسم کھائی۔ جب تک تو نہیں بولے گا میں بھی نہیں بولوں گی۔ جب غصہ ٹھنڈا ہوا۔ تو اب دونوں پریشان شوہر، حضرت سفیان ثوری کے پاس گیا کہ اس کا حل کیا ہے ؟ فرمایا بیوی سے بات کرو، وہ تم سے بات کرے اور قسم کا کفارہ دے دو۔

شوہر حضرت امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا جاؤ تم دونوں ایک دوسرے سے بات کرو، کفارہ کی ضرورت نہیں، جب سفیان ثوری کو یہ معلوم ہوا تو بہت خفا ہوئے۔ امام اعظم کے پاس جاکر یہاں تک کہہ دیا کہ تم لوگوں کو غلط مسئلہ بتاتے ہو۔ امام صاحب نے اسے بلوایا اور اس سے دوبارہ پورا قصہ بیان کرنے کو کہا، جب وہ بیان کر چکا۔ تو امام صاحب نے حضرت سفیان ثوری سے کہا۔ جب شوہر کی قسم کے بعد عورت نے شوہر کو مخاطب

کر کے وہ جملہ کہا تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتدا ہو گئی۔ اب قسم کہاں رہی۔ اس پر حضرت سفیان ثوری نے کہا۔ واقعی عین موقع پر آپ کی فہم وہاں تک پہونچ جاتی ہے۔ جہاں ہم لوگوں کا خیال نہیں جاتا۔

مخالفت کے اسباب : حضرت امام اعظم سے مخالفت کے اسباب و وجوہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "ایک تو وہی حسد۔ چونکہ جب امام صاحب کے فضل و کمال کی شہرت ہوئی تو ساری مجلسیں سونی ہو گئیں۔ عوام و خواص سب کے مرجعِ اعظم حضرت امام ہی ہو گئے یہ بات معاصرین کے لئے بہت تکلیف دہ تھی۔ اس سے لوگ امام کا وقار گرانے کے لئے اُن پر بیجا تنقیدات کرنے لگے۔

دوسرا سبب : معاصرین سے اگر کوئی لغزش ہوتی۔ تو اظہار حق کیلئے حضرت امام اسکو ظاہر کرتے۔ اس سے لوگ چڑھ جاتے۔

محمد بن عبد الرحمٰن جو قاضی ابن ابی لیلیٰ کے نام سے مشہور ہیں۔ کوفے کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ بتیس برس کوفے کے قاضی رہے۔ اُن سے کبھی کبھی فیصلوں میں غلطی ہو جاتی تھی۔ حضرت امام ان کی اصلاح کیلئے انھیں تنبیہ فرمادیا کرتے تھے۔ انھیں یہ بات پسند نہ تھی۔ اسلئے وہ حضرت امام سے ایک خلش رکھتے تھے۔ وہ مسجد میں بیٹھکر مقدمات دیکھتے تھے۔ ایک دن مجلس قضا سے فارغ ہو کر کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک عورت کا کسی سے جھگڑا ہو رہا تھا عورت نے اس شخص کو یا ابن الزانیین کہدیا یعنی اے زانی اور زانیہ کے بیٹے۔ قاضی صاحب نے حکم دیا کہ عورت کو پکڑ کر مجلس قضا میں لے چلو یہ بھی واپس آئے اور حکم دیا کہ عورت کو کھڑی کر کے قذف کی دوہری سزا دی جائے۔ اسی اسی یعنی ایک سو ساٹھ کوڑے مارے جائیں۔

جب امام صاحب کو اسکی اطلاع ہوئی تو فرمایا ابن ابی لیلیٰ نے اس میں چھ غلطیاں کی ہیں۔

(۱) مجلس قضا سے اٹھنے کے بعد دوبارہ فوراً واپس آکر فیصلے کیلئے بیٹھے۔ (۲) مسجد میں حد مارنے کا حکم دیا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں حد جاری کرنے سے منع فرمایا۔ (۳) عورت کو بیٹھا کر حد مارنی چاہیئے۔ انھوں نے کھڑی کرا کر دُرے لگوائے۔ (۴) ایک ہی حد لازم تھی۔ انھوں نے دو جاری کیں (۵) ایک ہی ساتھ دو حدیں لگوائیں۔ حالانکہ اگر کسی پر دو حد لازم بھی ہے۔ تو ایک حد کے بعد مجرم کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ جب اسکے زخم اچھے ہو جائیں۔ تو دوسری حد لگانی چاہیئے۔ (۶) جسے عورت نے ابن الزانیین کہا تھا۔ اس نے جب مطالبہ نہیں کیا تھا۔ تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنے کا حق نہ تھا۔

اس تنقید کی اطلاع جب قاضی صاحب کو ہوئی تو سخت ناراض ہوئے۔ کوفے کے گورنر سے شکایت کی کہ ابو حنیفہ نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ گورنر نے حضرت امام پر پابندی لگادی۔ کہ امام ابو حنیفہ فتویٰ نہیں دے سکتے۔ کوفے میں اور بھی بہت سے فقہا تھے۔ اس صورت میں فتویٰ دینا فرض کفایہ تھا۔ امام صاحب نے فتویٰ دینا بند کر دیا۔

اسی اثنا میں ایک دن گھر تشریف رکھتے تھے کہ اُن کی صاحبزادی نے پوچھا کہ آج میں روزے سے ہوں، دانت سے خون نکلا اور میں نے بار بار تھوکا یہاں تک کہ تھوک بالکل سفید ہو گیا اس میں خون کا اثر بالکل ظاہر نہیں ہوتا۔ اب اگر میں تھوک گھونٹ لوں۔ تو میرا روزہ رہے گا یا جاتا رہے گا۔ تو امام صاحب نے فرمایا۔ بیٹی تم اپنے بھائی حماد سے پوچھ لو۔ مجھے آج کل فتویٰ دینے سے روک دیا گیا ہے۔ ابن خلکان نے اس پر لکھا ہے کہ اطاعت امیر اور دیانت اور امانت کی اس سے بڑھ کر اور کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔ لیکن جب مسائل میں خود کوفے کے گورنر کو دشواریاں پیش آنی شروع ہوئیں۔ اور کوئی حل نہ کر سکا، تو اسے بھی مجبوراً حضرت امام کی طرف رجوع کرنا پڑا اور حکم امتناعی اٹھالیا۔

تیسرا سبب : یہ ہے کہ کچھ ناخدا ترس ایسے بھی تھے۔ جو حضرت امام کے خلاف جھوٹے قصے وضع کر کے منسوب کرتے تھے۔ مثلاً نعیم بن حماد یہ وہ بزرگ ہیں جنھیں امام نسائی نے ضعیف کہا۔ ابو الفتح ازدی وغیرہ نے کہا کہ یہ وضاع کذاب تھا۔ امام ابو حنیفہ کی تنقیص کے لئے جھوٹی روایتیں گڑھا کرتا تھا۔ اور حدیثیں بھی وضع کرتا تھا اور بہانا یہ بناتا کہ میں ایسا تقویت سنت کیلئے کرتا ہوں۔ ایسے لوگوں پر حیرت نہیں۔ حیرت امام بخاری پر ہے کہ انھوں نے ایسے کذاب وضاع کی حدیثوں پر اعتماد کر کے اپنی کتابوں میں اسے جگہ دی۔ اس سلسلہ میں علامہ سخاوی کا فیصلہ نقل کر کے ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

"حافظ ابو الشیخ بن حبان نے کتاب السنۃ میں یا حافظ ابن عدی نے کامل میں یا ابو بکر خطیب نے تاریخ بغداد میں یا ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں یا بخاری اور نسائی نے بعض ائمہ کے بارے میں جو لکھا۔ یہ اُن کی شان علم واتقان سے بعید ہے۔ اِن باتوں میں اُن کی پیروی نہ کی جائے،۔ اس سے احتراز کیا جائے۔ بحمدہ تعالیٰ ہمارے مشائخ کا یہی طریقہ تھا کہ اسلاف کی اس قسم کی باتوں کو مُشاجرات صحابہ کی قبیل سے مانتے تھے اور سب کا ذکر خیر سے کرتے تھے۔"

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

اتنا طویل مضمون لکھنے کے باوجود مجھے احساس ہے کہ ع حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

نزہت القاری کے مطالعہ کے دوران مجھے ہر ہر آن یہ سوچنا پڑا کہ کون کون سا اقتباس نقل کروں اور کون کون سا چھوڑ دوں۔ ہر مضمون اہم اور قابل استناد و اقتباس گویا

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

یہ نزہت القاری کی غیر معمولی کشش ہی تھی کہ انتہائی عدیم الفرصتی کے باوجود زبان قلم سے خراج داد و تحسین ادا کرنے کے لئے مجھے اتنا وقت نکالنا پڑا۔

اور اب آیئے مقدمہ نزہت القاری کے تعلق سے کچھ ضروری باتیں کر لی جائیں۔

نزہت القاری شرح بخاری کا یہ مہتم بالشان مقدمہ جس سے میں نے یہ چند اقتباسات نقل کئے ہیں۔ اسلوب بیان وطرز تفہیم کا اعلیٰ ترین نمونہ اور اہم ترین معلومات و مباحث کا بیش بہا خزانہ ہے۔

اردو ادب میں حالی کے مقدمہ شعر و شاعری نے جو ذہنی و فکری انقلاب برپا کیا اور شعر و شاعری کے رنگ و آہنگ کو جدید اور وسیع منظر نامہ عطا کیا۔ جس کے باعث اسے شہرت دوام اور قبول عام حاصل ہوا۔ اور اس کی اہمیت و عظمت کا اقرار و اعتراف ہر اردو ادب و ناقد کو کرنا پڑا۔ اس سے کہیں زیادہ قابل قدر فکر انگیز اثر آفریں اور دینی نظریات و معتقدات کی دنیا میں انقلاب برپا کرنے والا یہ مقدمہ ہے۔

مقدمہ شعر و شاعری کے علاوہ فی الحال میرے سامنے کتب حدیث کے اردو میں ترجمہ کردہ دو مقدمے بھی ہیں۔

(۱) پہلا مقدمہ مشکوٰۃ : جو مختار احمد اختر فیضی مدرس جامعہ اثریہ دار الحدیث مئو نے مرتب کیا ہے۔ یہ چند ورقوں پر مشتمل بہت ہی مختصر سا رسالہ ہے۔ جس میں صرف حدیث کی تعریف، اسکی قسمیں اور وضاحتیں ہیں۔ یہ فن حدیث کے طالب علموں کو سمجھنے اور یاد کرنے میں معاون ہو سکتا ہے۔ اور بس۔

(۲) دوسرا مقدمہ مسلم شریف جو کشف الملہم کے نام سے ہے جس میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے عربی مقدمہ مسلم کے اردو تراجم و تشریحات درج ہیں جس کو مولانا عبد السلام بستوی شیخ الحدیث مدرسہ ریاض العلوم مچھلی والان دہلی نے مرتب کیا ہے۔

یہ مقدمہ کشف الملہم قدرے مبسوط مدلل اور اہم ہے۔ اس کے اندر مترجم نے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات کے ذکر کے بعد "مقدمہ صحیح مسلم" کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مبارک تالیف صحیح مسلم کا ایک مقدمہ بھی لکھا ہے۔ اس مقدمہ میں وجہ تالیف کے علاوہ فن حدیث کے بہت سے فوائد اور اصول بیان کئے ہیں۔ جیسے رُواۃ کی تقسیم اور ان کے مدارج کی توضیح اشاعت حدیث کی فضیلت، حدیث شریف کے فضائل اور اس کے فیوض و برکات، اصحاب الحدیث کیلئے، جنت کی بشارت، محدث کی تعریف، محدثین کی اصطلاح میں حدیث کی کتابوں کے نام اور اس کی تعریف مثلاً الجامع، المسانید، المعاجم، الاطراف، الاجزاء، المستخرجات، المستدرکات اور پھر حدیث کی حُجیت، مذاہب اربعہ کا تعارف۔

یہ مقدمہ اپنی جگہ بلاشبہ اہم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کی اہمیت کے پیش نظر اس مقدمہ کو الگ سے شائع کیا گیا۔

لیکن مقدمہ مسلم کے ترجمہ و تشریح کا ایک خاص مقصد مترجم نے یہ بیان کیا ہے کہ "صحیح مسلم شریف حدیث کی انتہائی اور نہایت مہتم بالشان و مشہور کتاب ہے۔ اس کے مقدمہ کی عبارت نہایت ہی ادق و مغلق ہے۔ اس لئے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے متقدمین کے طریقہ پر اپنے مقاصد عالیہ کا اظہار فرمایا ہے۔ نہ تکرار مُمل کا خیال

مانع ہوا۔ نہ ایجاز مُخل کا لحاظ فرمایا۔ اسی وجہ سے طلبا و اساتذہ صعوبت میں پڑجاتے ہیں۔ بعض احباب کی فرمائش سے خاکسار نے اس کی مغلقات معضلات و مشکلات کو رفع کرنے کی سعی کی ہے۔ اور طلبا کی سہولت کے لئے لفظی مطالب خیز ترجمہ کر کے اسکی توضیح، تراکیب کا حل، لغات کی تشریح، رُواۃ کی تنقیح اور خصائص کی ترجیح و تحقیق کی ہے"۔

ظاہر ہے اسکی افادیت ایک مخصوص حلقہ تک محدود ہے، لیکن مقدمہ نزہۃ القاری" اپنے مندرجات و مشتملات کے اعتبار سے ان سب سے کہیں زیادہ وسعت اور تنوع کا حامل ہے۔ مقدمہ مسلم میں جو امور درج ہیں۔ نزہۃ القاری میں ان سب کا احاطہ کیا گیا ہے۔

مزید برآں فقہ کی حقیقت و ضرورت، فقہ حنفی کی فوقیت و اہمیت منکرین حدیث اور دیگر باطل فرقوں کے نظریات و معتقدات کا رد۔ مختلف اہم مسائل میں احقاق حق اور ابطال باطل کے شواہد و نظائر غرض کہ حدیث اور فن حدیث کی جتنی جہتیں اور سمتیں اور اُن سے پیدا شدہ مسائل ہیں۔ سب کا بھرپور تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔

مختلف ادیان حدیث کا ذکر فرمانے کے بعد جن کا سماع و لقا ثابت نہیں ہے مگر معاصرت کی وجہ سے ممکن ہے۔ مقدمہ مسلم کے آخر میں حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر ایک گہرا طنز بھی کیا ہے فرماتے ہیں کہ یہ سب تابعی ہیں۔ جو صحابہ سے روایت کرتے ہیں جن کا بیان ہم نے اوپر ذکر کردیا ہے۔ ان تابعین کا سماع و لقا ان صحابہ کرام سے کسی خاص حدیث میں نہیں معلوم ہوتا۔ باوجودیکہ سب حدیثیں، عارفین حدیث کے نزدیک صحیح الاسانید ہیں۔ اور ان محدثین میں کسی کو نہیں جانتے کہ انھوں نے ان روایتوں کو ضعیف کہا ہو، یا سماع کی تلاش و جستجو کی ہو، کیونکہ ایک زمانے میں ہونے وجہ سے سماع ممکن ہے۔ اس کا انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ اور شخص مذکور (جس نے حدیث کے کمزور بنانے میں ایک نئی بات ایجاد کی ہے۔ یعنی لقا کی شرط لگائی ہے۔ اس قابل بھی نہیں کہ اس کی طرف توجہ و التفات کی جائے یا اس کا ذکر کیا جائے۔ کیونکہ یہ ایک ایسی نئی بات ہے۔ جس کا کوئی عالم سلف یا خلف سے قائل ہی نہیں۔ لہٰذا اس سے زیادہ رد کرنے کی ہم کو کوئی ضرورت ہی نہیں۔ جب کہ قول اور اس کے قائل کی وہی وقعت ہے۔ جو ہم نے بیان کی ہے۔ اور خدا ہی سے مدد چاہی گئی ہے، علما کے مذہب کے خلاف کرنے کے اوپر اور اسی پر اعتماد ہے۔ اور اسی کی تمام تعریفیں ہیں۔"

ناظرین کرام نے محسوس فرمایا کہ یہ طنز و تعریض کس ذات گرامی پر ہے۔ یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر ہے۔ جو معاصرت کے ساتھ لقا کی بھی شرط لگاتے ہیں۔

آیئے اب اس نازک موڑ پر ہم شارح بخاری کی طرف رجوع کریں۔ اور دیکھیں کہ حضرت شارح بخاری نے نزہت القاری کے مقدمہ میں کس خوش اسلوبی، انصاف پسندی اور حفظ مراتب کے ساتھ اس مسئلہ کی تفہیم فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں "اتصال سند کی قوت دونوں کی شرائط سے ظاہر ہے، امام بخاری کی معاصرت کے ساتھ

لقا کی بھی شرط کرتے ہیں۔ اور امام مسلم صرف معاصرت اگرچہ صرف معاصرت اتصال کیلئے کافی ہے۔ مگر لقاء جو قوت زائد ہوگی، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

پھر بخاری و مسلم کے موازنہ کے آخر میں کس قدر اعتدال و توازن کے ساتھ انتہائی پیاری اور سچی بات لکھتے ہیں کہ یہ بات صرف موازنہ کی حد تک ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ صحیحین اپنی نظیر آپ ہیں۔"

ان اہم ترین خوبیوں اور خصوصیتوں کی وجہ سے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس وقیع اور گراں قدر مقدمہ کو الگ سے بھی شائع کیا جائے۔ تاکہ مقدمہ نزہت القاری کا ہر قاری اس کی علمی اہمیت، شرعی نزاکت، فکری اصابت، اعتراضات کی حقیقت، اعتقادیات و عملیات کی وضاحت، قرآن و حدیث کی عظمت اور اس سے مستنبط مسائل کی حیثیت فقہ کی حقیقت و ضرورت، موضوعات و مشتملات کی وسعت اور اسلوب تحریر و تفہیم کی ندرت و خصوصیت کو کماحقہ محسوس کر سکے۔

علمی اعتبار سے اس زوال آمادہ اور انحطاط پذیر دور میں آج سے کہیں زیادہ آنے والا کل اس کی اہمیت، قدر و قیمت اور ضرورت کا احساس دلائے گا۔ منصف مزاج مؤرخ اسے تاریخ علم کا ایک نیا سنہرا اور روشن باب قرار دے گا۔ ہر ذی علم اس کے مطالعہ سے اپنی معلومات میں غیر معمولی اضافہ اور ذہن و فکر میں جلا محسوس کرے گا اور مقدمہ نگار شارح بخاری کے بے پناہ تبحر علمی، دقیقہ رسی، نکتہ سنجی اور ژرف نگاہی کا اقرار و اعتراف ان لفظوں میں کرتا ہوا دکھائی دے گا۔

تیرے علمی کارنامے بخشیں گے تجھ کو دوام — آب زریں سے لکھے گا کل مورّخ تیرا نام
تو نے نسلِ نو کو بخشا ہے شعورِ علم و فن — ہے تری ذاتِ گرامی لائقِ صد احترام

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا قمرالدین اشرفی
سابق صدر المدرسین شمس العلوم گھوسی مئو

نزہت القاری اور احادیث کی تشریعی حیثیت

زبانوں کے اختلاف کے ساتھ ان کے محاورات و تلمیحات میں نمایاں فرق ہوتا ہے اس لئے ایک زبان کے معانی و مطالب کو کماحقہ دوسری زبان میں منتقل کرنا کتنا دشوار ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے پھر احادیث کریمہ کی ترجمانی تو دشوار تر امر ہے کہ ایک طرف فرمانِ رسالت مآب ﷺ میں کسی طرح کی لفظی یا معنوی تبدیلی پر من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار کی زہرہ گداز وعید ہے تو دوسری طرف معنی مقصود کی تعبیر میں ذرا سی لغزش سے نہ صرف یہ کہ حدیث کا اصل مقصد فوت ہو جائے گا بلکہ اسلامی دستور واصل کی صورت مسخ ہو کے رہ جائیگی کہ جس طرح قرآن کریم تشریعی امور کا سرچشمہ ہے اسی طرح حدیث بھی شرعی احکام کے لئے مصدر وماخذ ہے دونوں شرعی حجت ہیں دونوں منزل من اللہ ہیں، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

والسنة ایضا تنزل علیه بالوحی کما ینزل القرآن الا انها لا یتلی کما یتلی القرآن

قرآن کریم کا نزول بذریعہ وحی ہوا اسی طرح سنت کا نزول بھی بذریعہ وحی ہوا فرق دونوں میں یہ ہے کہ قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو۔

امام بخاری نے اپنی کتاب ناسخ منسوخ میں فرمایا:

السنة کان ینزل بها جبرئیل و یعلمها رسول الله ﷺ فمعنی التنزیل ما قال رسول الله ﷺ اذا کان ذلك باسناد ثبت عنه.

جبرئیل علیہ السلام سنت (حدیث) لیکر اترتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی تعلیم دیتے تھے تو رسول اللہ ﷺ کا فرمان تنزیل ہے جبکہ صحیح اور معتبر سند سے اس کا ثبوت ہو۔

دارمی میں ہے عن حسان رضی الله تعالیٰ عنه قال کان جبرئیل علیه السلام ینزل علی النبی ﷺ بالسنة کما ینزل علیه بالقرآن.

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ پر جس طرح قرآن لیکر اترتے تھے اسی طرح حدیث کو بھی لیکر اترتے تھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ اپنی کتاب الام میں فرماتے ہیں:

قال اللہ تعالیٰ و انزل علیك الكتاب والحكمة فالكتاب ما يتلیٰ والحكمة السنة و هو ما جاء من اللہ تعالیٰ بغير تلاوته و يويد ذلك فی قصة العسيف لا قضين بينكما بكتاب اللہ بوحيه.

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل فرمایا تو کتاب سے مراد وحی متلو ہے اور حکمت سے مراد وحی غیر متلو (حدیث) ہے اس کی تائید اس مزدور کے واقعہ سے ہوتی ہے جس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ میں تم دونوں کا فیصلہ کتاب اللہ سے کروں گا یعنی اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق: پھر آپ نے فیصلہ فرمایا اور وہ فیصلہ قرآن کریم میں نہیں ہے اسی سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کتاب سے مراد وحی غیر متلو (حدیث) ہے۔

نیز کتنی حدیثیں ہیں کہ آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے سکوت اختیار فرمایا اور وحی الٰہی کا انتظار کیا اور وحی کے آجانے پر جواب دیا ہے۔ جیسے

عن ابی امامة قال ان حبرا من اليهود سال النبی ﷺ ای البقاع خير فسكت عنه وقال اسكت حتیٰ يجئ جبرئيل عليه السلام فسكت و جاء جبرئيل عليه السلام فسال فقال ما المسئول عنها با علم من السائل ولكن اسال ربی تبارك وتعالیٰ ثم قال جبرئيل عليه السلام يا محمد دنوت من اللہ دنوا ما دنوت منه قط و كيف كان يا جبرئيل قال كان بينی و بينه سبعون الف حجاب من نور فقال اللہ شرالبقاع اسواقها وخير البقاع مساجدها.

ابو امامہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عالم نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سی جگہ بہتر ہے تو آپ نے سکوت فرمایا اور فرمایا کہ میں جبرئیل علیہ السلام کے آنے تک خاموش رہوں گا تو آپ خاموش رہے اور جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے دریافت کیا تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ جس سے سوال کیا گیا وہ سائل سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے اور لیکن میں اپنے رب سے پوچھوں گا پھر جبرئیل نے کہا اے محمد مصطفی ﷺ آج میں اللہ تعالیٰ سے اتنا قریب ہوا کہ اس سے پہلے کبھی بھی اتنا قریب نہ ہوا تھا آپ نے ارشاد فرمایا کہ کتنا قرب اے جبرئیل ہوا! عرض کیا کہ میرے اور رب کے درمیان صرف ستر ہزار نور کے حجاب رہ گئے پھر کہا کہ (رب نے فرمایا) کہ بدترین جگہ بازار ہیں اور بہترین جگہ مسجدیں ہیں۔ اسی واقعہ سے معلوم ہوا کہ حدیث بھی منزل من اللہ ہے اس طرح کے متعدد واقعات ہیں طوالت سے بچنے کے لئے صرف ایک واقعہ کے ذکر پر اکتفا کیا۔

امام بخاری نے تو اس سلسلے میں ایک باب ہی منعقد کیا ہے، فرماتے ہیں:

باب ما کان النبی ﷺ یسئل مما لم ینزل علیه الوحی فیقول لا ادری او لم یجب حتیٰ ینزل علیه الوحی.

جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی ایسی بات دریافت کی جاتی جس کے بارے میں کوئی وحی نہیں آئی ہوتی تو آپ فرماتے مجھے معلوم نہیں یا آپ جواب ہی نہ دیتے یہاں تک کہ آپ کے پاس وحی آجاتی۔

پھر قرآن کریم میں اگرچہ تمام چیزوں کا بیان ہے مگر بعض آیتوں میں اجمال اور ابہام ہے اس کی تشریح حدیث سے معلوم ہوتی ہے جیسے اقیموا الصلوٰۃ نماز قائم کرو۔ نماز کیسے قائم کی جائے اس کا بیان قرآن میں نہیں ہے اتوا الزکوٰۃ زکوٰۃ دو اب زکوٰۃ کس طرح دیں کتنے مال میں دیں زندگی میں ایک مرتبہ یا ہر سال یا ہر ماہ کتنے مال میں کتنی زکوٰۃ دیں اسی طرح روزہ، حج، اور دیگر عبادات و معاملات ہیں ان کی تفصیل حدیث ہی سے معلوم ہوتی ہے حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں علیك بالسنة فانها شارحة للقرآن و موضحه۔ حدیث کو لازم پکڑلو کیونکہ حدیث قرآن کی شرح و تفسیر ہے اس سے ثابت ہوا کہ حدیث قرآن کریم کے مجملات و مبہمات کی تفصیل و تشریح ہے اس کے بغیر احکام الٰہی کی تفصیلات کا جاننا اور آیت قرآنی کے مقاصد و مرادات کو سمجھنا ناممکن ہے لہٰذا شرعی احکام کے لئے حدیث کا ماخذ ہونا قرار پایا اب اس لحاظ سے حدیث کا ترجمہ انتہائی مشکل کام ہے کیونکہ حدیث کے ترجمہ میں صرف یہی کافی نہیں کہ مترجم دونوں زبانوں میں مہارت تامہ رکھتا ہو بلکہ معانی کی صحیح تعبیر پر قدرت کے ساتھ درج ذیل امور کا ہونا لازمی ہے۔

(۱) فقہی بصیرت کہ متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ مقصود اصلی احادیث کریمہ سے تفقہ، مسائل و احکام ہیں بذاتہ الفاظ مقصود نہیں بلکہ امر مقصود کے لئے موقوف علیہ ہیں جیسا کہ ارشاد ہے، نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فبلغها فرب حامل فقه غیر فقیه و رب حامل فقه الیٰ من هو افقه منه سے صاف واضح ہے کہ احادیث سے مقصود اصلی تفقہ کے مسائل ہیں: نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ تفقہ صرف الفاظ حدیث کے حفظ کا نام نہیں اور نہ حفظ الفاظ کو تفقہ لازم۔

(۲) ذکر حدیث کے حالات اور مواقع کا علم ہونا کیونکہ اس کے بغیر اس کے معانی کا سمجھنا انتہائی دشوار ہے

(۳) ترجمہ کے وقت اردو کے محاورات کے ساتھ عربی عبارت کی مکمل رعایت کرنا تاکہ اصل عبارت اور ترجمہ میں کوئی معنوی تصادم لازم نہ آئے۔

(۴) شروح و تاویلات کے گہرے مطالعہ کے ساتھ اسلاف کے فکری اور دینی مزاج سے واقفیت اور سید عالم ﷺ سے والہانہ محبت و عقیدت ہونا کیونکہ ان امور سے عاری ہونے کی صورت میں مترجم ترجمہ کی زبان میں اپنی فکر کو کہیں نہ کہیں ضرور ڈھال دے گا. چنانچہ کتنے لوگوں نے

حدیث و قرآن کے ترجمہ کے بہانے اپنے گندے عقائد و باطل خیالات کو پھیلایا اور در حقیقت آج مسلمانوں میں فرقہ بندی انہیں ترجموں کا نتیجہ ہے۔

اب مندرجہ امور کی روشنی میں نزہۃ القاری کا مطالعہ کریں محققانہ ترجمہ ہی سے مفہوم حدیث بالکل واضح ہو جاتا ہے پھر حدیث کی مختصر مگر جامع دلنشین تشریح مشکل الفاظ کی وضاحت ائمہ کے اختلافات و دلائل کے بیان کے بعد حنفی مسلک کو ٹھوس اور مستحکم دلیلوں سے ثابت کرنا شارح علام کی قادر الکلامی اور وسیع معلومات کا بین ثبوت ہے۔

گمراہ فرقوں کے فاسد خیالات اور غلط فکروں کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کا پرزور رد اس طرح کیا کہ ان کے فاسد خیالوں کے تانے بانے بکھر کر رہ گئے جہاں مغلق عبارت اور پیچیدہ فقہی مسائل ہیں ان پر کھل کے بحث کی گئی ہے تاریخی واقعات کو ذاتی رجحان سے ہٹ کر من و عن سادہ طریقے سے بیان کیا گیا ہے. مغلق مسائل اور پیچیدہ عبارتوں کو اس طرح حل فرمایا گیا ہے کہ اس سے فرحت اور تازگی محسوس ہوتی ہے نزہۃ القاری میں شروع سے آخر تک شارح علام نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ اس سے خواندہ، ناخواندہ یکساں مستفید ہو سکیں یہاں تک کہ ناخواندہ کو پڑھ کر سنا دیا جائے تو وہ بھی اس کو پورے طور پر سمجھ سکتے ہیں کیونکہ وہی ترتیب ہے جو ترتیب الفاظ حدیث کی ہے پھر اس التزام کے باوجود اگر آپ اردو ترجمہ پڑھیں تو اردو محاورات کے خلاف نہ پائیں گے حدیث سے مستنبط مسائل صاف اور سادہ انداز میں بیان کیا گیا ہے ترجمہ اور شرح دونوں کا مطمح نظر ایک ہی ہے یعنی جس سے خواندہ حضرات پڑھ کر اور ناخواندہ لوگ سن کر بخوبی فائدہ اٹھا سکیں یہ ایک ایسی انفرادی خصوصیت ہے جو اس کو دیگر تراجم و شروح سے ممتاز کرتی ہے۔

☆☆☆

مولانا رضوان احمد نوری شریفی مصباحی
استاذ ادب مدرسہ شمس العلوم قصبہ گھوسی ضلع مئو (یوپی)

نزہۃ القاری کا اسلوب ترجمہ و تشریح

کسی عبارت کا مفہوم جاننے اور سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کے مشکل الفاظ کے معانی جانے جائیں اور اگر کسی لفظ کے مختلف معانی ہوں تو یہ بھی جانا جائے کہ عبارت میں کون سا معنی مراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی لفظ کا معنی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو معلوم نہ ہوتا یا کسی لفظ کے کئی معانی ہوتے اور کسی ایک معنی کی تعیین مشکل ہوتی تو سرکار دو عالم ﷺ سے دریافت فرمالیتے تاکہ ارشاد گرامی کا مفہوم واضح ہو جائے چنانچہ بخاری شریف کتاب العلم کی ایک حدیث میں قیامت کی نشانیاں بیان فرماتے ہوئے جب سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "ویکثر الھرج" (اور ہرج زیادہ ہو جائے گا) تو چونکہ الھرج کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے اس لئے صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان سمجھ نہ سکے کہ یہاں کون سا معنی مراد ہے لہٰذا سرکار سے دریافت کیا کہ ہرج سے مراد کیا ہے؟ تو سرکار نے اشارہ سے قتل کے معنی کی تعیین فرمادی۔

یونہی الفاظ کی ترکیب یعنی ایک دوسرے سے ربط و تعلق معلوم ہونا ضروری ہے تاکہ صحیح ترجمہ اور مفہوم جانا جاسکے اسی لئے جب کوئی شارح کسی کتاب کی شرح لکھتا ہے تو سب سے پہلے مغلق الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے الفاظ کی ترکیب یعنی ان میں باہمی ربط و تعلق کو بھی بیان کرتا ہے تاکہ عبارت کا مفہوم پورے طور سے واضح ہو جائے۔ کتب احادیث بالخصوص بخاری کی شرح کرنے کے لئے مزید کچھ باتوں کی توضیح بھی ضروری ہوتی ہے مثلاً رجال الحدیث یعنی راویوں کے احوال بیان کئے جاتے ہیں، احادیث سے احکام مستنبط کئے جاتے ہیں، حدیث پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیئے جاتے ہیں، اور متعارض احادیث میں تطبیق پیدا کی جاتی ہے اسی لئے صحیح بخاری شریف کی جتنی شرحیں لکھی گئیں تمام شارحین نے اپنے اپنے انداز میں مذکورہ چیزوں کو بیان کیا ہے۔

حضرت شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی مدظلہ العالی نے بھی "نزہۃ القاری" میں ان مذکورہ چیزوں پر اپنے مخصوص انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ نزہۃ القاری میں سلاست و روانی بھی ہے اور ساتھ ہی ساتھ فصاحت و بلاغت، اختصار و جامعیت، شان رسالت کا ادب و احترام، بوئے محبت رسول، عظمت مصطفیٰ ﷺ کا اظہار، اعتراضات کے مسکت جوابات، باطل فرقوں کا رد، جدید مسائل کا حل اور ذاتی تحقیقات بھی ہیں۔ نزہۃ

القاری مختصر مگر جامع ایسی شرح ہے جو اپنی نظیر آپ ہے شرح مذکور حضرت موصوف کا عظیم الشان علمی شاہکار ہے جس سے عوام و خواص رہتی دنیا تک مستفید ہوتے رہیں گے بالخصوص طلبہ و اساتذہ کیلئے تحفۂ نایاب ہے۔ اس مقالہ میں شرح مذکور کے تمام محاسن اور خوبیوں پر روشنی ڈالنی مشکل ہے، لہٰذا اپنے عنوان سے متعلق چند باتیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

حل لُغات : لغات لُغَۃ کی جمع ہے، لُغَۃ اصل میں لُغَوٌ تھا، واو متحرک ما قبل مفتوح ہونے کی وجہ سے واو کو الف سے بدل دیا اسکے بعد اجتماع ساکنین کیوجہ سے الف کو حذف کر کے اسکی جگہ ۃ لا دی گئی اسطرح لُغَۃ ہو گیا۔

لغت، قوم کی جو زبان ہوتی ہے اسکو کہتے ہیں مگر اصطلاح میں جس لفظ کے معنی مشہور نہیں ہوتے اس کو کہتے ہیں، نزہۃ القاری اور دیگر شروحات میں لغات سے مراد مؤخر الذکر معنی ہے یعنی مشکل الفاظ۔

نزہۃ القاری میں لغات کو بڑے سہل انداز میں حل کیا گیا ہے اس شرح میں اختصار ملحوظ تھا، لہٰذا عمدۃ القاری اور فتح الباری کیطرح لغات کے سلسلے میں مختلف اقوال اور روایتوں کو مفصل طور پر ذکر نہیں کرتے بلکہ نہایت ہی سلیس اور مختصر عبارت میں صرف راجح اور صحیح قول کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

لغوی معنی : مثلاً عمدۃ القاری جلد دوم ص ۶۷ پر علم سے متعلق ایک حدیث ہے جسمیں الکلأ اور العشب کے الفاظ آئے ہیں انکی تشریح کرتے ہوئے شارح بخاری علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں

"قوله (الكلأ) بفتح الكاف واللام وفى اخره همزة بلا مد قال الصغانى الكلأ العشب و قد كلأت الارض فهى كلينة ثم قال فى باب العشب ،العشب الكلأ الرطب ولايقال له حشيش حتى يهيج واعشب الارض اذا انبتت العشب وقال فى باب الحشيش الكلأ اليابس ولايقال له رطب حشيش قلت علم من كلامه ان الكلأ يطلق على الرطب من النبات واليابس منه و كذا صرح ابن فارس والجوهرى والقاضى عياض الكلأ يطلق علىٰ الرطب واليابس من النبات وفهم من قول الصغانى ايضاً ان الحشيش لايطلق على الرطب كذا صرح به الجوهرى وهومنقول عن الاصمعى ذكره البطليوسى فى ادب الكتاب ونقل عن ابى حاتم اطلاقه عليه وقال الكرمانى الكلأ بالهمزة هو النبات يابساورطبا واما العشب والخلأ مقصوراً فمختصان بالرطب والحشيش مختص باليابس قلت قال الجوهرى الخلاء مقصور الحشيش اليابس الواحدة خلأة والصواب مع الكرمانى فالجوهرى سهى فيه لان الخلأ الرطب فاذا يبس فهو حشيش"

صرف دو لفظ کی تشریح کے لئے صغانی، ابن فارس، جوہری، قاضی عیاض، اصمعی، بطلیوسی ابو حاتم اور کرمانی نے، ائمہ لغت کے اقوال و روایات کا ذکر کیا۔ اور چونکہ گھاس کے معنی میں الحشیش اور الخلاء کے الفاظ بھی آتے ہیں اس لئے ان کے معانی بھی بتائے اگرچہ حدیث مذکور میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

مگر شارح بخاری نزہۃ القاری میں بقدر ضرورت صرف الکلا اور العشب کے معانی بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "کلا، گھاس خواہ ہری ہو یا سوکھی، عشب، تر گھاس" ان مختصر الفاظ میں ان تمام اقوال و روایات کا خلاصہ بیان فرما دیا جو عمدۃ القاری میں بیان کئے گئے اور الحشیش اور الخلا کے الفاظ حدیث میں مذکور نہیں لہٰذا ان کے معانی کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

مجازی معنی: اگر الفاظ کے چند معانی ہوتے ہیں تو ان کو بتانے کے بعد حدیث شریف میں جو معنی مراد ہوتا ہے اس کو واضح کر دیتے ہیں مثلاً جلد اول کتاب العلم ص ۳۱۵ میں ایک حدیث ہے جس کا ابتدائی حصہ یہ ہے "ان من الشجر شجرۃ لا یسقط ورقھا وانھا مثل المسلم" (درختوں میں ایک درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کے مثل ہے) اس عبارت میں "مثل" کا جو لفظ ہے اس کی تشریح عمدۃ القاری جلد دوم ص ۱۴ میں اسطرح ہے "**قوله (مثل المسلم) بفتح الميم والثاء معافی رواية الاصيلی وكريمه وفی رواية ابی ذر مثل بكسر الميم وسكون الثاء قال الجوهری مثل كلمة تسوية يقال هذا مثله ومثيله كمايقال شبهه وشبيهه بمعنی وقال الزمخشری المثل فی اصل كلامهم بمعنی المثل يقال مثل ومثيل كشبه وشبه وشبيه ثم قيل للقول السائر الممثل مضربه بمورده مثل ولم يضربوا مثلا ولا رأوه اهلا للتسيير ولا جديرا بالتداول والقبول الا قولا فيه غرابة من بعض الوجوه**" پھر دو سطر کے بعد تحریر فرماتے ہیں "**ثم اعلم ان المثل له مفهوم لغوی وهوالنظير ومفهوم عرفی وهوالقول السائر ومعنی مجازی وهوالحال الغريبة**" اور فتح الباری جلد اول ص ۱۱۹ میں اسکی تشریح اس طرح کی گئی ہے "**قوله لا يسقط ورقها وانها مثل المسلم وكذا فی رواية ابی ذر بكسر ميم واسكان المثلثة وفی رواية الاصيلی وكريمه بفتحهما وهما بمعنی قال الجوهری مثله و مثله كلمة تسوية كمايقال شبهه و شبهه بمعنی قال والمثل بالتحريك ايضا مايضرب من الأمثال**" صاحب فتح الباری نے اس مقام پر مثل کے معنی عجیب و غریب نہیں بتائے حالانکہ یہاں اسی معنی میں ہے اور بابُ فضلِ مَن عَلِمَ وعَلَّمَ میں **كمثل الغيث الكثير** میں مثل کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا (قولہ مثل) **بفتح المثلثة والمرادبه الصفة العجيبة لا القول السائر**" یہاں عجیب و غریب شان اور حالت کے معنی میں بتایا ہے حالانکہ مناسب یہ تھا کہ پہلی ہی جگہ "مثل" کے یہ معنی بتا دیتے تو "**مثل المسلم**" کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا اور "**كمثل الغيث الكثير**" عمدۃ القاری

اور فتح الباری کی تفصیل کا خلاصہ چند جملوں میں بیان فرمادیا اور علامہ عینی کی اقتدا کرتے ہوئے لفظ "مثل" کی تشریح مثل المسلم کے تحت ہی فرمادی تاکہ آئندہ تشریح کی ضرورت نہ پیش آئے چنانچہ دلنشیں انداز میں تحریر فرماتے ہیں "مِثل اور مَثَل دونوں روایت ہے یہ کلمۂ تشبیہ ہے مثل کے لغوی معنی نظیر کے ہیں عرفی معنی کہاوت کے ہیں اور مجازی معنی عجیب و غریب حال کے ہیں یہاں یہی مراد ہے۔"

شرعی معنی: جلد اول ص ۲۵۰ پر ہے "الحیاء شعبۃ من الایمان" (اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے)
اسمیں لفظ حیا کی تشریح اسطرح کی ہے کہ سب سے پہلے اردو میں اس کا معنی شرم بتایا پھر لغوی معنی پھر شرعی اور عرفی معنی بتاتے ہوئے وضاحت فرمادی کہ یہاں شرعی معنی مراد ہے جس سے وارد ہونے والے تمام اعتراضات کا سدِ باب بھی کردیا۔ اور ترجمہ میں احتیاط یہ برتی کہ لفظ شرم سے اس کا ترجمہ نہیں کیا اس لئے کہ اس سے عرفی معنی کی طرف تبادر ذہنی ہوتا ہے اور عرفی معنی حدیث شریف میں مراد نہیں لہٰذا احتیاطاً لفظ حیاء ہی کو ترجمہ میں باقی رکھا چنانچہ تحریر فرماتے ہیں "حیا کو اردو میں شرم کہتے ہیں حیا کے معنی انسان کا وہ وصف جو اسے برائی سے بچنے پر ابھارے اور اہل حقوق کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی سے روکے اسکی قدرے تفصیل ترمذی کی اس حدیث میں ہے "الاستحیاء من اللہ حق الحیاء ان تحفظ الراس وما وعی والبطن وما حوی وتذکر الموت والبلی" (اللہ عزوجل سے کما حقہٗ حیا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ سر اور سر میں جتنے اعضا ہیں ان کی اور پیٹ کی اور پیٹ جن اعضا کو گھیرے ہے ان کی برائیوں سے حفاظت کرے اور موت اور مٹی میں ملنے کو یاد کرے) یہاں ایک شبہہ یہ ہے کہ حیا کبھی انسان کو حق کہنے سے امر بالمعروف نہی عن المنکر سے " کبھی بعض مسائل شرعیہ کی دریافت سے روک دیتی ہے پھر یہ ایمان کا شعبہ کیسے ہوئی؟

جواب یہ ہے کہ یہاں حیا کے شرعی معنی مراد ہیں اور حیائے شرعی کبھی ان چیزوں سے نہیں روکے گی بلکہ اس پر ابھارے گی اس لئے کہ عند الضرورت حق بات کہنا امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنا۔ جو حکم شرعی نہ معلوم ہو ان کو پوچھنا واجب ہے اسے جاننے کی کوشش نہ کرنا شرعاً قبیح و گناہ ہے۔ جو حیا ان چیزوں سے روکے وہ شرعی حیا نہیں عرف میں اسکو حیاء کہتے ہیں وہ مراد نہیں۔

اسی سے یہ شبہہ بھی دور ہو گیا کہ حیا فطری بھی ہوتی ہے پیدائشی طور پر آدمی میں پائی جاتی ہے۔ پھر یہ ایمان کی شاخ کیسے؟ جواب ظاہر ہے کہ یہاں شرعی حیا مراد ہے اور شرعی حیا میں کچھ کوشش اور کسب کو بھی دخل ضرور ہے۔"

اصطلاحی معنی: اسی طرح فضیلت علم سے متعلق ایک حدیث میں ہے "قالوا انما اولتہ یا رسول اللہ قال العلم" (لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! حضور نے اس کی کیا تعبیر فرمائی؟ فرمایا علم اس میں اولتہ کا معنی بیان فرماتے ہوئے جلد اول ص ۳۷۹ پر لکھتے ہیں "اولتہ یہ باب تفعیل کا ماضی مخاطب ہے اس کا مادہ اول ہے اسکے معنی لوٹنا، پھرنا ہے تاویل کے معنی

لوٹانا پھیرنا ہے۔ کلام کو ظاہری معنی سے پھیر کر خفی معنی پر حمل کرنے کو تاویل کہتے ہیں اسی کی فرع خواب کی تعبیر ہے یہاں یہی مراد ہے۔"

تاویل کے متعدد معانی بیان کئے اخیر میں تعبیر کے معنی میں بیان کرنے کے بعد فرمادیا کہ یہاں یہی معنی مراد ہے اور اس معنی میں استعمال کی وجہ صرف ایک لفظ "فرع" میں بیان کردی جو اہل علم کیلئے کافی ہے کیونکہ فرع سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ جس طرح اصطلاحی تاویل میں ظاہری معنی سے خفی معنی کی طرف کلام کو پھیر دیا جاتا ہے اسی طرح خواب کی تعبیر میں بھی ظاہری معنی سے خفی معنی کی طرف کلام کو پھیرا جاتا ہے کیونکہ انسان خواب میں دیکھتا کچھ اور ہے اور اس کی تعبیر کچھ اور ہوتی ہے جیسا کہ اسی حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے اپنے خواب کی تعبیر "علم" بیان فرمائی۔ پوری حدیث اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سو رہا تھا کہ مجھے دودھ کا پیالہ دیا گیا میں نے اتنا پیا کہ آسودگی ناخنوں سے نکلنے لگی پھر میں نے اپنا جھوٹا عمر بن خطاب کو دیا لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ۔ حضور نے اس کی کیا تعبیر کی۔ فرمایا علم۔ دیکھئے ظاہر میں دودھ ہے مگر اس کی تعبیر علم ہے۔

اردو اور عربی میں لفظ فتنہ کے معانی کا اختلاف: اور جہاں کوئی لفظ عربی زبان میں کسی اور معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اردو میں دوسرے معنی میں وہاں قرآن مجید اور اہل زبان کے اقوال سے بالاختصار استشہاد پیش کرنے کے بعد واضح فرمادیتے ہیں کہ اردو میں اس کے یہ معنی ہیں تاکہ اردوداں طبقہ کو ترجمہ یا معنی دیکھتے وقت تعجب نہ ہو چنانچہ۔ جلد اوّل ص ۳۸۱، ص ۳۸۲ کی حدیث "فاوحی الی انکم تفتنون فی قبور کم" میں تفتنون کے معنی اس انداز سے بیان فرماتے ہیں " تفتنون فتنۃ سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ فتنے کے معنی آزمائش، امتحان قرآن مجید میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ ان ھی الا فتنتك یہ سب تیری آزمائش ہے" جوہری نے کہا الفتنۃ الامتحان اہل عرب سونے کو پگھلا کر جب پرکھتے ہیں تو کہتے ہیں فتنت الذھب، اردو میں البتہ فتنہ بمعنی فساد مستعمل ہے۔"

صلات کے اختلاف سے معانی کا اختلاف: یونہی کوئی فعل ایسا ہوتا ہے کہ جس کا معنی صلہ کے اختلاف سے بدلتا ہے تو اسکی بھی وضاحت کرتے ہیں چنانچہ جلد اول ص ۳۵۴ میں "فلا تجد علی" کی تشریح اس طرح کی ہے "وجد یجد وجدا کا صلہ جب "علی" آتا ہے تو اس کے معنی غصہ ہونے، خفا ہونے کے آتے ہیں اور جب اس کا صلہ "با" آتا ہے تو اسکے معنی بہت محبت کرنے کے اور جب اسکا صلہ "لام" آتا ہے تو اسکے معنی غمگین ہونے کے آتے ہیں۔"
عمدۃ القاری اور فتح الباری میں صرف مصادر کے اختلاف سے معانی کے اختلاف کو بیان کیا گیا ہے صلات کا ذکر نہیں ہے حالانکہ صلات ہی کا ذکر زیادہ مناسب تھا کیونکہ یہاں معنی کی تبدیلی صلہ کے اختلاف ہی سے ہوئی ہے۔

حل لغات سے تائید حقانیت : حل لغات کے دوران اگر کسی لغت کے معنی سے مذہب اہل سنت و جماعت کی تائید ہوتی ہے تو پہلے اس معنی کی تائید میں قرآن و حدیث سے استشہاد پیش کرتے ہیں پھر اپنے مسلک کو ثابت کرتے ہیں چنانچہ ہمارا مسلک یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ حاضر و ناظر ہیں۔ اس نظریہ کی تائید نزہۃ القاری جلد اول ص ۲۶۷ پر لفظ "شُهِدَ" کی تشریح کے دوران اس طرح فرمائی ہے شُهِدَ کے معنی حضر کے ہیں اسی سے شاہد بمعنی حاضر ہے جیسا کہ حدیث مشہور فلیبلغ الشاہد الغائب میں اور نماز جنازہ کی دعا و شاہد نا و غائبنا میں ہے ان دونوں جگہوں میں غائب کے تقابل سے شاہد کے معنی حاضر متعین ہیں اور جب شاہد کے معنی حاضر احادیث سے ثابت اور احادیث قرآن کی تفسیر تو آیۃ کریمہ "انا ارسلناک شاهدا و مبشرا" میں شاہد بمعنی حاضر لینے پر کوئی قباحت نہیں۔" بلکہ یہی اولیٰ وانسب اور اصح وارجح ہے۔

لفظ شُهِدَ کی تشریح کے ضمن میں شاہد کے معنی حاضر بتانے کی وجہ یہ ہے کہ اہلسنت و جماعت کے مذکورہ نظریہ کی تائید ہو جائے اور تاجدار اہلسنت مجدد اعظم محدث اکبر اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے ترجمہ کی صحت پر دلیل بھی ہو جائے اس لئے کہ مجدد اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے آیہ مذکورہ کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے "بیشک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر ناظر خوشخبری دیتا"۔

اعراب : لغت میں اعراب کے معنی واضح اور ظاہر کرنے کے ہیں۔ یہ معنی عربت معدتہ اذا فسدت سے ماخوذ ہے (جب معدہ خراب ہو جاتا ہے تو عربت معدتہ (اسکا معدہ خراب ہو گیا) بولتے ہیں) اس تقدیر پر اعراب میں سلب ماخذ کی خاصیت ملحوظ ہو گی۔ اس لئے کہ اعراب فساد والتباس کو دور کر کے معنی کو واضح کر دیتا ہے۔

اور اصطلاح میں اعراب اس حرف یا حرکت کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے معرب کا آخر مختلف ہو، تاکہ وہ ان معانی پر دلالت کرے جو معرب پر یکے بعد دیگرے آتے ہیں مگر عام طور پر اعراب سے لفظ کی مطلق حرکات مراد ہوتی ہیں خواہ لفظ کی آخری حرکت ہو یا اس سے پہلے کی حرکتیں ہوں۔ اور کبھی اعراب کا اطلاق ترکیب نحوی پر بھی ہوتا ہے چنانچہ صاحب عمدۃ القاری بالالتزام "بیان الاعراب" یا "اما الاعراب" کا عنوان قائم کرتے ہیں اور اس میں نحوی ترکیب بیان کرتے ہیں۔ نمونہ کے طور پر صرف ایک مثال پیش کی جارہی ہے "حدثنا عمرو بن خالد قال حدثنا الليث عن يزيد عن ابى الخير عن عبدالله بن عمرو رضى الله عنهما ان رجلا سال النبى صلى الله عليه وسلم اى الاسلام خير قال تطعم الطعام وتقرأ السلام على من عرفت و من لم تعرف" اس حدیث کے اعراب کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "قوله" "اى الاسلام خير" مبتدأ و خبر وقد مر الكلام فيه عن قريب قوله "قال" الضمير فيه يرجع الى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قوله "تطعم" فى محل الرفع على انه خبر مبتدأ محذوف بتقدير ان اى هو ان تطعم فان مصدرية والتقدير هو اطعام الطعام وهذا نظير قولهم تسمع بالمعيدى خير من ان تراه

ای ان تسمع ای سماعک غیر ان فی هذا المؤول مبتدأ وفی الحدیث المؤول خبر، قولہ "و تقرأ" بفتح التاء و ضم الهمزة لانه مضارع قرأ و قولہ "السلام" بالنصب مفعولہ و قولہ "علی" یتعلق بقولہ تقرأ و کلمۃ من موصولۃ و عرفت جملۃ صلتھا والعائد محذوف والتقدیر عرفتہ و قولہ "و من لم تعرف" عطف علی من عرفت وھذہ الجملۃ نظیر الجملۃ السابقۃ" (عمدۃ القاری جلد اول ص ۱۳۸)

اس مثال سے ثابت ہوا کہ "اعراب" کا اطلاق "نحوی ترکیب" پر بھی ہوتا ہے۔ دونوں طرح کے اعراب "اصطلاحی و مروج اور ترکیب نحوی" میں تمام شارحین بخاری مشترک ہیں مگر انداز جداگانہ ہے۔

اعراب کی پہلی قسم (اصطلاحی و مروج اعراب) : اعراب کی اس قسم میں صاحب عمدۃ القاری اور فتح الباری نے جہاں دو طرح پڑھنا درست ہے وہاں صرف ایک ہی اعراب ظاہر کیا ہے مثلاً "بلغ منی الجھد" میں الجھد کی جیم کے فتحہ و ضمہ یونہی دال کے فتحہ و ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے مگر مذکورہ دونوں کتابوں میں بَلَغَ مِنِّی الجَھدَ صرف ایک اعراب کے ساتھ ہے۔ لیکن شارح بخاری کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ دونوں طرح کے اعراب کو ظاہر فرماتے ہیں چنانچہ مذکورہ جملہ کو اس طرح تحریر فرمایا" بَلَغَ مِنِّی الجَھْدُ دونوں اعراب کی صحت کی وجہ آئندہ ترکیب نحوی میں معلوم ہو جائیگی۔

اس طرح ایک حدیث میں سرکار اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا "یخرج من النار من قال لا الٰه الا الله وفی قلبه وزن شعیرة من خیر" (وہ سب جہنم سے نکالے جائیں گے جنھوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور انکے دل میں جو کے برابر بھی خیر (ایمان) ہوگا اس میں لفظ یخرج کو باب نصر سے "یا" کے فتحہ اور "را" کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا جاسکتا ہے یعنی "یَخرُجُ اور "یا" کے ضمہ اور "را" کے فتحہ کے ساتھ "یُخرَجُ بھی۔ مگر عمدۃ القاری اور فتح الباری میں صرف اول الذکر اعراب کے ساتھ یَخرُجُ ہے اور نزہۃ القاری میں دونوں اعراب کے ساتھ یَخْرُجُ ہے۔

مؤخر الذکر اعراب کی صحت پر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت دلیل ہے جسمیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "یَدخُلُ اھلُ الجنةِ الجنةَ واھلُ النارِ النارَ ثم یقولُ اللهُ اَخرِجُوا مَنْ کانَ فِی قَلْبه مِثقالُ حَبَّةٍ مِنْ ایمانٍ فَیُخرَجُونَ مِنھا قَدِ اسوَدُّوا" (جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیگا جس کے دل میں رائی کے دانے برابر ایمان ہو اسے دوزخ سے نکالو تو اس پر ایسے بھی لوگ نکالے جائیں گے جو جل کر کوئلہ کی طرح کالے ہو چکے ہوں گے)

اس روایت میں یُخرَجُونَ باب افعال سے یا کے ضمہ اور را کے فتحہ ہی کے ساتھ ہے لہذا اول الذکر حدیث میں یُخرَجُ کے اعراب کی صحت میں کوئی کلام نہیں۔ الغرض شارح بخاری مدظلہ العالی نے اس کا التزام کیا ہے کہ جب لفظ میں کئی اعراب کا احتمال ہوتا ہے تو اس کو ان تمام اعراب کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں۔

اعراب کی دوسری قسم (ترکیب نحوی) : صاحب عمدۃ القاری اور صاحب بشیر القاری بالالتزام یہ اعراب (ترکیب نحوی) بیان کرتے ہیں اور صاحب فتح الباری نسبۃً کم بیان کرتے ہیں۔ مگر نزہۃ القاری میں چونکہ اختصار ملحوظ تھا لہٰذا جہاں ضرورت محسوس کی گئی وہیں ترکیب نحوی بیان کی گئی۔ چنانچہ جلد اوّل ص ۱۹۳ پر حتی بلغ منی الجھد کے سلسلہ میں لفظِ جھد کی تحقیق پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں "اب یہاں چار احتمال ہے۔ الجھدُ، دال کے ضمے کے ساتھ اس بنا پر یہ بلغ کا فاعل ہے اور بلغ کا مفعول مَبْلَغَہٗ محذوف ہے۔ اب ترجمہ یہ ہوگا۔ فرشتے نے مجھے دبوچا یہانتک کہ میری طاقت یا میری مشقت اپنی حد کو پہنچ گئی یعنی اس سے زیادہ کی قوت نہ رہی اور الجھدَ، الجھدَ دال کے فتح کے ساتھ اس تقدیر پر کہ یہ بَلَغَ کا مفعول ہے اور بَلَغَ کا فاعل ضمیر مستتر ہے جس کا مرجع الغطَّ ہے جس پر فَغَطَّنِی دلالت کرتا ہے۔ اب معنی یہ ہونگے۔ کہ فرشتے نے مجھے دبوچا یہاں تک کہ اس کا دبوچنا میری وسعت کو پہنچ گیا۔ مگر فتح الباری سے ظاہر ہے کہ روایت صرف دو ہے۔ الجھدُ بالفتح والنصب۔ ای بَلَغَ الغطُّ مِنّی غایۃَ الوسع۔ ورُوی بالرفع والضم ای بَلَغَ مِنّی الجھدُ مَبْلَغَہٗ۔ جب بَلَغَ کی ضمیر فاعل کا مرجع (الغطّ) ٹھہرایا۔ تو دونوں روایتوں کا حاصل ایک ہوا کہ فرشتے نے آنحضور کو آنحضور کی طاقت بھر دبوچا"

پھر "ایمان افروز توجیہہ" کے عنوان کے تحت ارشاد فرماتے ہیں "یہاں ایک توجیہہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ "منی" کے من کو تعلیل کیلئے لیں۔ اور چونکہ نفس ذات کسی چیز کی علت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے "غط" مضاف محذوف ہوگا۔ یعنی لاجل غطی۔ معنی یہ ہوئے۔ مجھے دبوچنے کی وجہ سے۔ الجھد پر عہد کے الف لام سے جھدِ ملک مراد ہو گی۔ اب الجھد کی روایت پر معنی یہ ہوئے۔ مجھے دبوچنے کی وجہ سے فرشتے کی طاقت یا مشقت اپنی حد کو پہونچ گئی۔ الجھد کی رِوایت پر "بلغ" کی ضمیر فاعل کا مرجع ملک ہوگا۔ بلغ کے پہلے بھی دو فعل ہیں اَخَذَ۔ غطَّ۔ اور بلغ کے بعد بھی دو فعل ہیں۔ اَرْسَلَ۔ قَالَ۔ ان چاروں فعلوں کی ضمیر فاعل کا مرجع، ملک ہے۔ اب اگر "بَلَغَ" کی ضمیر فاعل کا مرجع "غط" کو بنایا جائے تو انتشار مرجع لازم آئے گا۔ اور اگر "بَلَغَ" کی ضمیر فاعل کا مرجع بھی ملک ہی کو ٹھہرایا جائے تو انتشار مرجع نہ ہوگا اس لئے بہتر یہی ہے کہ "بَلَغَ" کی ضمیر فاعل کا مرجع بھی ملک ہی کو بنایا جائے اب معنی یہ ہوئے۔ مجھے دبوچنے کی وجہ سے فرشتہ اپنی کوشش کی انتہا کو پہنچ گیا۔ ان دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔ یعنی فرشتے نے اپنی قوت بھر مجھے دبوچا۔"

اندازِ ترجمہ :انداز ترجمہ پر روشنی ڈالنے سے پہلے مناسب سمجھتا ہوں کہ ترجمہ کا مفہوم پیش کر دیا جائے تاکہ ہر قاری خود بھی اسکے محاسن کو محسوس کر سکے۔

ترجمہ : ترجم یترجم کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں ایک زبان کے معنی و مفہوم کو دوسری زبان میں بیان کرنا۔ یہ مصدر لفظِ ترجمان سے بنایا گیا ہے جو ترزبان کا معرب ہے پھر اس سے افعال و اسما مشتق کئے گئے اور ترجمان اس

کو کہتے ہیں جو دو زبان کا عالم ہو اور ایک زبان والے کو دوسرے کی زبان میں سمجھائے چنانچہ غیاث اللغات میں ہے ''ترجمان بالفتح وجیم مضموم بمعنی فصیح وتیز زبان وخوش تقریر وکسیکہ دانندۂ دو زبان باشد کہ صاحب یک زبان راباصاحب دیگر زبان بفہماند وایں معرب ترزبان ست'' لہٰذا معلوم ہوا کہ ایک زبان کے معنی ومفہوم کو دوسری زبان میں بیان کرنا ترجمہ کہلاتا ہے۔

ترجمہ میں ضروری امور کی رعایت :

ترجمہ میں اس بات کا لحاظ ضروری ہوتا ہے کہ جس زبان میں ترجمہ کیا جائے۔ اسی کے اسلوب اور طرز میں کیا جائے کیونکہ زبانوں کا اسلوب اور طرز جداگانہ ہوتا ہے ساتھ ہی ساتھ لفظ اور معنی دونوں کی رعایت بھی ضروری ہوتی ہے جہاں ان دونوں کی رعایت ناممکن ہو وہاں صرف عبارت کے معنی اور اس کی روح کو احتیاط اور دیانتداری کے ساتھ دوسرے الفاظ میں منتقل کر دیا جائے اور اس بات کا خاص طور سے خیال رکھا جائے کہ ترجمہ کرتے وقت پہلی عبارت جیسی فصاحت وبلاغت اور سلاست وروانی باقی رہے اگر باقی رہتی ہے تو یہ اعلیٰ قسم کا ترجمہ سمجھا جاتا ہے

نزہۃ القاری کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت شارح بخاری نے اردو اسلوب ہی میں ترجمہ فرمایا ہے۔ لفظ اور معنی دونوں کی رعایت بھی مکمل طور پر کی ہے۔ فصاحت وبلاغت اور سلاست وروانی میں خلل بھی واقع نہیں ہونے دیا۔ نمونہ کے طور پر نزہۃ القاری جلد دوم کتاب الوضو کی ایک حدیث مع ترجمہ پیش کی جارہی ہے اسکو پڑھ کر خود ہی فیصلہ کریں کہ ترجمہ میں جن باتوں کی رعایت ضروری ہوتی ہے انکی رعایت مکمل طور پر کی گئی ہے یا نہیں؟

حدیث ——— ''ان سوید بن نعمان اخبرہ انہ خرج مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عام خیبر حتی اذا کانوا بالصھباء وھی ادنی خیبر فصلی العصر ثم دعا بالازواد فلم یوت الا بالسویق فامر بہ فثری فاکل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واکلنا ثم قام الی المغرب فمضمض ومضمضنا ثم صلی و لم یتوضا''

ترجمہ : ''سوید بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے خیبر والے سال جہاد کیلئے نکلے جب سب لوگ صہبا پہنچے جو خیبر کا مدینہ طیبہ سے قریبی علاقہ ہے تو حضور نے نماز عصر پڑھی۔ پھر توشہ منگوایا۔ حضور کی خدمت میں صرف ستو پیش کیا گیا۔ حضور نے حکم دیا تو اسے بھگویا گیا حضور نے بھی تناول فرمایا اور ہم لوگوں نے بھی کھایا اس کے بعد حضور مغرب کے لئے اٹھے، حضور نے کلی کی اور ہم لوگوں نے بھی کی پھر نماز پڑھی، حضور نے وضو نہیں فرمایا۔''

اس ترجمہ کی فصاحت وسلاست ظاہر ہے اگر متن حدیث کو الگ کر دیا جائے تو ترجمہ محسوس نہیں ہوگا جس کی وجہ یہ ہے کہ ترجمہ اردو اسلوب ہی میں کیا گیا ہے کیونکہ ''اذا کانوا بالصھباء'' کا ترجمہ (جب سب لوگ صہبا

پہنچے) بڑی خوش اسلوبی سے کیا گیا ہے اگر اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا "جب لوگ صہبا میں ہوئے" تو اردو اسلوب کے خلاف ہوتا۔ یا یہ ترجمہ کیا جاتا کہ "جب لوگ صہبا میں تھے" تو مراد پورے طور پر واضح نہ ہوتی اس لئے کہ اس کے بعد فَصلّی آرہا ہے جس کا عطف کانُوا پر ہو رہا ہے اور فا "تعقیب کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ صہبا پہنچنے کے فوراً بعد نماز پڑھی۔ اور مقام صہبا میں تھے والا ترجمہ اس کے منافی ہے اور قرینہ بھی بتا رہا ہے کہ لشکر اسلام چلتے چلتے جب مقام صہباء میں پہنچا۔ اور یہی راوی کی مراد بھی ہے جس کو شارح بخاری نے ترجمہ سے بیان فرمادیا۔

"فلم یوت الا بالسویق" کا ترجمہ بارگاہ رسالت کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے "حضور کی خدمت میں صرف ستو پیش کیا گیا" اردو طرز ہی پر ہے۔ فَاکل رسول اللہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واکلنا" میں اَکل کا ترجمہ (حضور نے بھی تناول فرمایا) اور اَکلنا کا ترجمہ (ہم لوگوں نے بھی کھایا) سے کرنا اردو اسلوب کے عین مطابق ہے اس لئے کہ محترم اور بزرگ شخصیتوں کیلئے تناول فرمانے اور اپنے لئے کھانے کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔

اسی طرح لخرج کا ترجمہ معنی کی رعایت کرتے ہوئے ان الفاظ سے کیا (جہاد کیلئے نکلے) حالانکہ حدیث شریف میں جہاد کا کہیں ذکر نہیں ہے صرف لخرج (نکلے) کا ذکر ہے مگر چونکہ نکلنا جہاد ہی کیلئے ہوا تھا اس لئے جہاد کا ذکر فرمادیا کہ عام لوگوں کو صرف ترجمہ سے معلوم ہو جائے کہ نکلنا کس لئے تھا۔

یونہی وھی ادنیٰ خیبر کا ترجمہ (جو خیبر کا مدینہ طیبہ سے قریبی علاقہ ہے) مطلب خیز ترجمہ ہے اگر اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا کہ "اور وہ خیبر کا قریبی علاقہ ہے" تو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ علاقہ کس سے قریب ہے لہٰذا راوی کے مقصود کو پیش نظر رکھتے ہوئے شارح بخاری نے ترجمہ میں مدینہ طیبہ کا ذکر فرمادیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ صہبا مدینہ طیبہ سے خیبر کا قریب ترین علاقہ ہے۔

نزہۃ القاری کی تمام جلدوں میں ترجمہ کا یہی انداز ہے اور ترجمہ کا یہ بہت بڑا کمال ہے کہ لفظ و معنی کی رعایت بھی ہو جائے اور ساتھ ہی مقصود بھی واضح ہو جائے۔

ترجمہ میں حزم واحتیاط : بخاری شریف میں بعض مقامات ایسے بھی ہیں جن کے ترجمہ کیلئے وسعت مطالعہ اور مختلف علوم وفنون میں مہارت کے ساتھ ساتھ انتہائی حزم واحتیاط کی بھی ضرورت پڑتی ہے یہی وجہ ہے کہ جن مترجمین نے احتیاط سے کام نہیں لیا ان سے سہو ہو گیا اور عظمت و عصمت رسالت کا اظہار پورے طور سے نہ ہو سکا بلکہ کہیں بنظر غائر دیکھنے سے شان رسالت میں نقص بھی لازم آتا ہے۔ مثلاً بخاری شریف کتاب الصلوٰۃ میں ایک طویل حدیث مذکور ہے جسمیں "ثم حسر الازار" کا جملہ آیا ہے جس کا ترجمہ عام طور سے یہ کیا گیا ہے (حضور نے اپنی ران سے تہبند ہٹایا) یہ ترجمہ اس لئے درست نہیں ہے کہ ران جسم کا ایسا عضو ہے جس کو ان اعضا میں شمار کیا جاتا ہے جن کو چھپانا فرض ہے چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے "الفخذ عورۃ" (ران عورت ہے) اور ستر عورت

فرض ہے اور ترجمہ سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے بالقصد ران سے تہبند کو ہٹایا اور بالقصد عورت کو کھولنا گناہ ہے اور حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں لہٰذا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ران سے تہبند کو بالقصد ہٹایا ہو۔ مگر حضرت شارح بخاری نے ایسے نازک مقامات میں انتہائی محتاط ہو کر ایسا ترجمہ کیا ہے کہ جس سے اعتراضات کا سد باب ہو جاتا ہے اور طبیعت مطمئن بھی ہو جاتی ہے اور اس ترجمہ کی صحت پر کہیں قرآن مجید، کہیں حدیث شریف، کہیں اقوال صحابہ، اقوال عرب اور کہیں کتب لغت سے استشہاد بھی پیش کرتے ہیں تاکہ ترجمہ کی صحت پر کسی کو شبہہ نہ ہو چنانچہ "ثم حسر الازار" کا ترجمہ انتہائی صاف ستھرا کیا ہے جس سے عصمت رسول کا پتہ بھی چلتا ہے اور شان رسالت میں ذرہ برابر بھی نقص لازم نہیں آتا۔ ترجمہ یہ ہے (تھوڑی دیر کے بعد تہبند حضور کی ران سے ہٹ گیا اور ران کھل گئی) لفظ ثمّ کی رعایت کے ساتھ حَسَرَ کا ترجمہ سرک جانے سے کیا جس کی تائید القاموس المحیط اور دوسری روایتوں میں فانحسر وغیرہ کے لفظ سے ہو رہی ہے چنانچہ مذکورہ جملہ کی تشریح فرماتے ہوئے۔ جلد دوم ص ۳۵۰ پر رقم طراز ہیں "اس کا ترجمہ اس حدیث کے دوسرے طرق کے خلاف ہے۔ مسلم میں ہے فانحسر یعنی تہبند سرک گیا اور یہی امام احمد نے مسند میں بھی ذکر کیا ہے علاوہ ازیں طبرانی نے امام بخاری کے شیخ یعقوب بن ابراہیم ہی سے اور اسماعیلی نے بواسطہ قاسم بن زکریا انھیں یعقوب سے اس حدیث کی ان الفاظ میں تخریج کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے خیبر کی گلیوں میں سواری دوڑائی تو ران سے تہبند گر گیا۔ اس لئے صحیح ترجمہ وہی ہے جو ہم نے کیا۔ تہبند ران سے سرک گیا۔ ان لوگوں کی غلطی کی بنیاد اس پر ہے کہ حسر صرف متعدی آتا ہے یہ بھی صحیح نہیں قاموس میں ہے۔ یہ لازم اور متعدی دونوں آتا ہے۔

جامع و بلیغ ترجمہ : اسی طرح بخاری شریف کے شروع میں باب بدأالوحی میں آغاز وحی سے متعلق ایک طویل حدیث ہے اس میں ایک جملہ "ما انا بقاریً" ہے جس کا ترجمہ عام طور سے یہ کیا جاتا ہے (میں پڑھا نہیں ہوں) یا (میں پڑھا ہوا نہیں) لغت کے اعتبار سے اگرچہ یہ ترجمہ صحیح ہے مگر اس ترجمہ میں جامعیت نہیں ہے اس لئے کہ اس سے صرف ایک مفہوم ادا ہوتا ہے یعنی میں امی ہوں اور امی کو نہ لکھنا آتا ہے نہ پڑھنا۔ اور حضرت شارح بخاری نے جو ترجمہ کیا ہے کہ (میں نہیں پڑھتا) وہ دونوں مفہوم کو ادا کرتا ہے ایک تو وہی جو ابھی مذکور ہوا دوسرا مفہوم یہ کہ۔ میں لکھنا پڑھنا تو جانتا ہوں مگر نہیں پڑھوں گا۔ اور حضور کی دونوں شان ہے یعنی حضور امی بھی ہیں کہ بظاہر لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اور حضور منجانب اللہ تعلیم یافتہ بھی ہیں کیونکہ خود سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے "ادبنی ربی فاحسن تادیبی" (میرے رب نے مجھے تعلیم دی تو اچھی تعلیم دی)۔

دونوں مفہوم کو ادا کرنے کی وجہ سے جامع ترجمہ وہی ہے جو شارح بخاری نے کیا ہے علاوہ ازیں مقام اور موقع و محل مؤخر الذکر ترجمہ ہی کا مقتضی ہے مثال کے طور پر اس کو یوں سمجھئے کہ جب انسان کی توجہ کسی ایک خاص

کام کی طرف مرکوز ہوتی ہے تو اسوقت اگر کوئی اس سے دوسرا کام کرنے کے لئے کہتا ہے تو استغراق کیوجہ سے وہ کہہ دیتا ہے کہ میں نہیں کرتا یا میں نہیں کروں گا۔ اور اگر استغراق کی کیفیت نہ بھی ہو جب بھی اگر وہ کام مرضی کے موافق نہیں ہوتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ۔ میں نہیں کرتا۔ یا۔ میں نہیں کروں گا۔ اس مثال کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس موقع و محل پر نگاہ ڈالئے جس کے جواب میں ماانا بقاریٔ فرمایا گیا۔

موقع یہ ہے کہ حضور اقدس علیہ غار حرا میں عبادت الٰہی کیلئے تشریف لے گئے وہاں مشاہدۂ ذات و صفات باری تعالیٰ میں مستغرق ہیں اور محبوب حقیقی کی یاد میں سرشار ہیں اتنے میں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام حاضر بارگاہ ہو کر عرض کرتے ہیں اقرأ (پڑھئے) تو استغراق کیوجہ سے گوارہ نہ ہوا کہ دوسری طرف توجہ مبذول کیجائے اس لئے قرأت سے انکار کرتے ہوئے فرمایا ماانا بقاریٔ (میں نہیں پڑھتا) مگر جب بار بار دبانے سے استغراق کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے بلا تکلف پڑھا جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ پڑھنا جانتے تھے اور انکار استغراق کیوجہ سے تھا لہٰذا مقتضیٰ حال کے مطابق ہونے کی وجہ سے یہی ترجمہ بلیغ اور زیادہ مناسب ہے ساتھ ہی محاورۂ عرب کے مطابق بھی ہے چنانچہ نزہۃ القاری جلد اوّل ص ۱۹۲ پر فرماتے ہیں "ماانا بقاریٔ کا ترجمہ عام طور سے یہ کیا جاتا ہے کہ۔ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں لیکن ہمارے مشائخ نے یہ ترجمہ کرایا۔ میں نہیں پڑھتا۔ یہ ترجمہ زیادہ انسب واوفق ہے اس لئے کہ غار حرا میں حضور اقدس علیہ مشاہدۂ ذات و صفات الٰہی میں اتنے مستغرق تھے کہ وہاں کسی کی گنجائش ہی نہیں تھی جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا۔ "لی مع اللّٰہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل" اللہ کے ساتھ میرا ایک وقت ہوتا ہے کہ اسمیں ملک مقرب اور نبی مرسل کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔ مشاہدۂ ذات و صفات میں استغراق تام کیوجہ سے قرأت کی استدعا کا جواب یہی بنتا ہے۔ میں نہیں پڑھتا۔ نیز یہ ترجمہ محاورۂ عرب کے مطابق بھی ہے کہ یہ ترکیب حال یا استقبال کیلئے استعمال کرتے ہیں جیسا کہ قبل فتح مکہ حضرت ابوسفیان تجدید صلح کیلئے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے پاس پہنچ کر ان سے درخواست کی کہ آں حضور علیہ کی خدمت میں سفارش کر دیں تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا ماانا بفاعل (سیرت ابن ہشام) میں نہیں کروں گا۔ خود قرآن مجید میں برادران یوسف کا قول مذکور ہے۔ وماانت بمومن لنا۔ آپ ہمارا یقین نہیں کریں گے۔

بار بار سینے سے لگا کر دبانے سے اس استغراق میں کمی ہوئی تو جبرئیل نے عرض کیا اقرأ باسم ربك اپنے رب کے نام سے پڑھئے۔ جب یہ سنا کہ میں جس عالم میں تھا اسی کی بات یہ بھی کر رہے ہیں۔ جس کے شہود میں مستغرق تھا اسی کا ذکر کرنا چاہتے ہیں تو بلا تامل پڑھا کسی کے استغراق کو ختم کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اسے جھنجھوڑا جائے ایک بار میں استغراق ختم نہ ہو تو بار بار جھنجھوڑا جائے۔ یہاں جھنجھوڑنا منافیٔ ادب تھا اسی لئے سینے سے لگا کر تین

بار قوت بھر دبایا یہاں تک کہ وہ کیفیت خاص فرو ہوئی اور آپ نے بلا تکلف پڑھا۔

مختصر و جامع ترجمہ : حضرت شارح بخاری نے ترجمہ میں اختصار و جامعیت کا پورا پورا لحاظ کیا ہے نمونہ کے طور پر اس کی ایک دو نظریں پیش کی جارہی ہیں، جلد اوّل ص ۱۹۲ میں "فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجھد" کا ترجمہ کیا ہے (پھر فرشتے نے مجھے پکڑ کر طاقت بھر دبوچا) اسکی جامعیت اور اختصار کو یوں سمجھئے کہ الجھد بلغ کا فاعل بھی ہو سکتا ہے اور مفعول بھی اگر "منی" میں من کو بیانیہ مانا جائے تو فاعل ہونے کی بنیاد پر مفعول بہ مُبَلّغَہٗ کو محذوف مانا جائے گا اور ترجمہ یہ ہوگا کہ (پھر فرشتے نے مجھے پکڑ کر اتنا دبوچا کہ میری طاقت اپنی انتہا کو پہونچ گئی) اور مفعول بہ ماننے کی صورت میں بلغ کا فاعل اس میں ضمیر مستتر ہوگی جس کا مرجع (غطّ) ہوگا اور ترجمہ یہ ہوگا (پھر فرشتے نے مجھے پکڑ کر اتنا دبوچا کہ ان کا دبوچنا میری انتہائی طاقت کو پہنچ گیا) ان دونوں ترجموں میں طاقت حضور اقدس ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔

اور اگر من کو برائے تعلیل مانا جائے تو الجھد کو فاعل ماننے کی صورت میں حسب سابق مفعول بہ محذوف ہوگا اور ترجمہ یہ ہوگا (پھر فرشتے نے مجھے پکڑ کر اتنا دبوچا کہ مجھے دبوچنے کی وجہ سے ان کی طاقت انتہا کو پہونچ گئی) اور الجھد کو مفعول بہ ماننے کی صورت میں بلغ کا فاعل بلغ میں مستتر ضمیر ہوگی جس کا مرجع ملک (فرشتہ) ہوگا اور ترجمہ یہ ہوگا (پھر فرشتے نے مجھے پکڑ کر دبوچا یہاں تک کہ مجھکو دبوچنے کی وجہ سے اپنی انتہائی طاقت کو پہونچ گئے) ان دونوں مؤخر الذکر ترجموں میں طاقت حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔

اس تشریح کو ذہن میں رکھتے ہوئے حضرت شارح بخاری کے ترجمہ (پھر فرشتے نے مجھے پکڑ کر طاقت بھر دبوچا) میں غور کیجئے کہ حضرت موصوف نے طاقت کو کسی کے ساتھ خاص نہیں کیا تاکہ سارے احتمالات کا پاس و لحاظ بھی ہو جائے اور لفظ طاقت حضور کی طاقت کو بھی شامل ہو جائے اور حضرت جبرئیل کی طاقت کو بھی۔ اس لئے اس ترجمہ میں اختصار و جامعیت پیدا ہو گئی۔

ایک اور مختصر و جامع ترجمہ : نزہۃ القاری جلد اول ص ۲۹۷ پر ایک حدیث مذکور ہے جس کے ابتدا میں سرکار نے فرمایا "ان الدین یسرولن یشاد الدین احد الاغلبہ" (اور جو بھی دین میں سختی اختیار کرے گا دین اس پر غالب آجائے گا) سب سے پہلے اس حدیث کا مفہوم اور "یشاد" کی تشریح پیش کردی جائے تاکہ آسانی سے اختصار وجامعیت سمجھ میں آجائے۔ صاحب عمدۃ القاری علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کا معنی بتاتے ہوئے فرمایا "والمعنی لایتعمق احد کم فی الدین فیترك الرفق الاغلب الدین علیه وعجز ذالك المتعمق والقطع عن عمله كله اوبعضه (یعنی سہل کو چھوڑ کر تم میں کا کوئی دین کی تہہ تک پہونچنے کی کوشش نہیں کرے گا یعنی سخت اعمال اختیار نہیں کرے گا مگر دین اس پر غالب آجائے گا اور سخت اعمال پر کاربند تمام اعمال

سے یا بعض اعمال سے تھک ہار کر بیٹھ جائے گا) اور فتح الباری میں بھی یہی معنی بتایا گیا ہے۔ یشاد، فعل مضارع مشادۃ سے ہے جس کے معنی ہیں ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ اس معنی کی روشنی میں اس کا ترجمہ یہ ہوگا (دین پر ہرگز کوئی غلبہ حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا مگر اس پر دین غالب آجائے گا)

علامہ عینی و علامہ ابن حجر عسقلانی نے جو معنی بتایا اور میں نے جو لفظی ترجمہ کیا ان دونوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے حضرت شارح بخاری کے ترجمہ میں غور کیجئے گا تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ترجمہ میں لفظ اور معنی کی مکمل رعایت کے ساتھ اختصار اور جامعیت بھی پائی جارہی ہے کیونکہ صرف لفظ "جو بھی" سے حصر کا معنی پیدا ہو گیا اور لفظ "سختی اختیار کرے" سے یہ مفہوم ادا ہو گیا کہ سہل و آسان کو چھوڑے گا اور سخت اعمال پر کاربند رہے گا۔ الغرض مختصر عبارت میں پورے مفہوم کو ادا فرمادیا۔

انداز تشریح: حضرت شارح بخاری کا انداز تشریح بھی انتہائی دلنشیں ہے، مختصر اور سلیس عبارت میں، مافی الضمیر کو بڑی خوش اسلوبی سے ادا کرنے پر ملکہ حاصل ہے تشریح کو مستند اور باوزن بنانے کے لئے اس مختصر سی تشریح میں ٹھوس دلائل بھی پیش کرتے ہیں، اعتراض کا سدباب بھی کر دیتے ہیں پوری نزہۃ القاری ایسی تشریحات سے پُر ہے۔ نمونہ کے طور پر یہاں صرف ایک حدیث کی تشریح پیش کیجارہی ہے۔ چنانچہ جلد اوّل ص ۲۷۹ پر ایک حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے جس میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا "اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتیٰ یَشْھَدُوْا اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ واَنَّ محمداً رَّسُولُ اللّٰہِ وَیُقِیمُوا الصلوٰۃَ ویُؤ تُوا الزَّکوٰۃَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلكَ عَصَمُوا مِنِی دِمَا ئَھم واَموَا لَھم الا بِحَقِّ الاِسْلَامِ وحِسَابُھم عَلی اللّٰہِ" (مجھے حکم دیا گیا کہ لوگوں سے لڑوں یہانتک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو جب وہ ایسا کریں تو ان لوگوں نے اپنی جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا مگر اسلام کے حق سے اور ان کا حساب اللہ پر ہے)

تشریحات..........(۲۴)

الناس سے کیا مراد ہے: (۱) الناس سے مراد تمام کفار ہیں، بعض حضرات نے فرمایا کہ صرف مشرکین مراد ہیں جیسا کہ نسائی کی روایت میں بجائے الناس کے المشرکین وارد ہے۔ مگر یہ تخصیص درست نہیں۔ اس لئے کہ حدیث میں جو حکم مذکور ہے وہ تمام کفار کو عام ہے خواہ وہ مشرک ہوں خواہ نہ ہوں اور نسائی کی روایت کی توجیہ یہ ہے کہ جب یہ حکم تمام کفار کیلئے ہے تو مشرکین کیلئے بھی ہے تو اس کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ مجھے مشرکین سے لڑنے کا حکم دیا گیا یہانتک کہ وہ ایمان کی شہادت دیں۔

اقرار ایمان دنیوی احکام کے اجرا کیلئے کافی ہے : (۲) حَتّٰی یَشْھَدُوْا۔ سے ظاہر ہو گیا کہ اقرار ایمان کے بعد مومن ہونے کا حکم لگادیں گے اگر ظاہراس اقرار کی تکذیب نہ کرتا ہو مثلاً ایک شخص کلمہ پڑھتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی توہین کرتا ہے، بت پوجتا ہے یا ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرتا ہے تو وہ ہر گز مومن نہیں۔

بے نمازی کا حکم : (۳) امام شافعی اس حدیث سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ بے نمازی کا قتل کرنا واجب ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اسے قتل نہ کیا جائے بلکہ قید رکھا جائے یہاں تک کہ نماز پڑھنے لگے۔ امام شافعی پر دو طرح نقض ہے ایک یہ کہ بے نمازی کو قتل کا حکم دیتے ہیں اور تارک زکوٰۃ کے قتل کو جائز نہیں رکھتے اس کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ اس سے جبراً زکوٰۃ وصول کی جائے گی دوسرے یہ کہ حدیث میں اُقاتل وارد ہے یہ باب مفاعلت سے ہے جس کی خاصیت مشارکت ہے قتال کے حکم سے قتل پر استدلال درست نہیں۔

حق اسلام کی توضیح : (۴) مراد یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد انھیں بے مہار نہ چھوڑ دیا جائے گا بلکہ اگر کوئی ایسا جرم کریں گے جو موجب قتل ہوگا تو انھیں بطور سزا قتل کیا جائے گا مثلاً کسی کو قتل کریں گے تو قصاص واجب ہوگا، زنا کریں گے تو اس کی سزا ان کو دی جائے گی۔

حسابهم علی اللہ کا مفاد : (۵) اقرار ایمان کے بعد اس پر مومن کے احکام جاری ہونگے اور اگر اسکے دل میں کھوٹ ہے تو اللہ عزوجل خوب جانتا ہے اسکا حساب لے گا۔"

غور کیجئے کہ الناس سے تمام کفار کو بتانے کے بعد نسائی کی روایت سے جن لوگوں نے مشرکین کی تخصیص کی ہے ان کا رد صرف ایک جملہ میں کر دیا "کہ حدیث میں جو حکم مذکور ہے وہ تمام کفار کو عام ہے" ظاہر ہے کہ قتال کی غرض وغایت اقرار ایمان ہے۔ لہذا قتال انھیں سے کیا جائے گا جو ایمان کا اقرار نہیں کرتے اور اقرار ایمان نہ کرنے میں کافر و مشرک دونوں برابر ہیں کیونکہ کافر بھی اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ کی رسالت کا اقرار نہیں کرتا اور مشرک بھی۔ چونکہ ہر مشرک کافر بھی ہوتا ہے لہذا "تمام کفار" میں مشرکین بھی شامل ہیں۔ اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت شارح بخاری نے نسائی کی روایت کی توجیہ بھی فرمائی ہے۔ اس لئے کہ جب کفار میں مشرکین شامل ہیں تو الناس کی جگہ المشرکین فرمانے میں کوئی حرج نہیں اس سے دیگر کفار خارج نہیں ہو پائیں گے۔ تخصیص اس وقت ہوتی جب المشرکین کے بعد فحسب جیسے الفاظ ہوتے جن سے تخصیص کا معنی سمجھ میں آتا اور شرک بمعنی کفر استعمال نہ ہوتا مگر ایسا نہیں ہے۔ متن میں کسی لفظ سے تخصیص کے معنی پر دلالت نہیں ہو رہی ہے اور کفر کے معنی میں شرک کا اطلاق بھی ہوتا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ "ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلك لمن یشاء" میں شرک سے مراد کفر ہے۔ اس بنیاد پر روایت نسائی میں المشرکین سے مراد الکافرین بھی لیا جا سکتا ہے۔

حتی یشھدوا۔ سے جو حکم ثابت ہے اس کو ایک شرط کے ساتھ مشروط اس لئے کر دیا کہ باطل فرقے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور دنیا کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ مسلمان صرف وہی ہیں۔ ان کا رد اس طور پر ہو جائے گا کہ جو اللہ کی وحدانیت کی گواہی دے گا وہ بت کی پرستش ہرگز نہیں کرے گا یوں ہی جو رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دے گا وہ آپ کی تعظیم و توقیر کو ضروری جانے گا اور توہین کا ہرگز مرتکب نہیں ہوگا اور نہ ہی ایسی بات کا انکار کریگا جو ضروریات دین میں سے ہے اس لئے کہ یہ سب ایمان و اسلام کے منافی ہیں اور باطل فرقوں کا حال یہ ہے کہ اللہ ورسول کی شان میں توہین کے مرتکب ہو کر ضروریات دین میں سے کئی باتوں کے منکر ہو گئے لہٰذا وہ ہرگز مسلمان نہیں۔

شیخین کے نزدیک بے نمازی کا حکم بتاتے ہوئے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر مختصر اور خوبصورت انداز میں نقض کو دو طرح ثابت کیا ہے۔ اولاً اس طرح کہ اگر اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ بے نمازی کو قتل کیا جائے تو زکوٰۃ نہ دینے والے کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے تھا جبکہ تارک زکوٰۃ کے قتل کو جائز نہیں سمجھتے۔ ثانیاً اس طرح کہ اُقاتل، باب مفاعلت سے آتا ہے جس کی مشہور خاصیت مشارکت ہے اور مشارکت قتال میں پائی جاتی ہے نہ کہ قتل میں اس لئے کہ قتال جانبین سے ہوتا ہے اور قتل ایک ہی جانب سے۔

اور حدیث شریف میں مشارکت (قتال) ہی مراد ہے لہٰذا قتال کے مباح ہونے سے قتل کا مباح ہونا لازم نہیں آتا۔

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا شبنم کمالی صاحب قبلہ
پرنسپل جامعہ اسلامیہ امانیہ لوام دربھنگہ (بہار)

نزہۃ القاری اور تاریخی احوال کی تحقیق

فن حدیث میں صحیح البخاری امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور زمانہ تصنیف ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت، اہمیت اور افادیت کا اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حدیث کی کتابوں میں اس کی جتنی شرحیں لکھی گئیں وہ کسی اور کے نصیب میں نہیں آسکیں۔ ''کشف الظنون'' میں حاجی خلیفہ نے ۱۰۱۲ ہجری تک پچاس شرحوں کا تذکرہ فرمایا ہے اس کے بعد بھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا، فقیہ الہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی نے نزہۃ القاری کے مقدمہ ص:۸۱، ۸۲ میں تحریر فرمایا ہے: ''میرا اندازہ یہ ہے کہ عربی کے علاوہ فارسی، اردو شرحوں کو ملالیا جائے تو ان کی تعداد سو تک پہنچ جائے گی''۔ ظاہر ہے ان تمام شارحین کرام نے اپنے علم و فہم، بصیرت اور صلاحیت کے مطابق اپنے اپنے مخصوص انداز و فکر کی روشنی میں شرحیں لکھی ہوں گی۔ مفتی صاحب مدظلہٗ نے اردو شرحوں میں بشیر القاری اور فیوض الباری کا ذکر مقدمہ ص:۸۶ و ۸۷ میں فرمایا ہے اور ان دونوں کی خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے ستائش بھی کی ہے اور حضرت مفتی صاحب نے جن جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے ان کا ذکر بھی بڑی فراخ دلی کے ساتھ فرمایا ہے۔

امتیازی خصوصیات

فقیہ الہند حضرت مفتی صاحب کی شاہ کار تصنیف ''نزہۃ القاری شرح بخاری'' کی ساتوں جلدیں ابھی میرے پاس موجود ہیں۔ جس وقت میں ان تحریروں کو نوک قلم کے ذریعہ صفحۂ قرطاس پر پیش کررہا ہوں جلد اول میرے سامنے کھلی ہوئی ہے۔ میں اس کتاب میں تحریر کی روانی، سلاست، سادگی، سہل نگاری کے ساتھ اس کی معنویت وافادیت اور جامعیت کو دیکھ کر یہ کہنے میں حق بہ جانب ہوں کہ اگر یہ کتاب معرض وجود میں نہیں آتی تو آئندہ نسلوں کے لئے خصوصاً اور موجودہ اصحاب علم کے لئے عموماً ایک بہت بڑی کمی کا احساس ہوتا۔ یہ شرح نہ تو اتنی مختصر ہے کہ قارئین کی تشنگی باقی

رہ جائے اور نہ اتنی طویل ہے کہ ذہنوں میں اکتاہٹ اور تکان کا احساس ہونے لگے۔ اس کے علاوہ اس شرح کی کچھ خصوصیتیں بھی ہیں جو دوسری شرحوں سے اسے ممتاز کرتی ہیں۔ صاحب شرح فقیہ الہند نے خود اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

نزہۃ القاری جلد اوّل سبب تالیف کے ص:۵ پر اس شرح کی پانچ خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے۔ ان میں تیسری خصوصیت یہ بیان کی ہے:

(۳) جو حدیث جن صحابی سے مروی ہے ان کے حالات بالالتزام بیان کر دیئے ہیں۔ کہیں کہیں بعض تابعین کا بھی ذکر آگیا ہے۔ یہی تیسری خصوصیت میرے مقالہ کا عنوان ہے یعنی "تاریخی احوال کی تحقیق"۔

صرف صحابہ اور تابعین نہیں

میں نے جب اس کتاب کا مطالعہ کیا تو یہ بات میرے مشاہدہ میں آئی کہ حضرت مفتی صاحب نے اپنی شرح میں صرف صحابہ کرام اور تابعین عظام ہی کا ذکر نہیں فرمایا ہے بلکہ دوسرے لوگوں کے یا اہم مقامات کے احوال کی تحقیق بھی حدیث کے مضامین کے تحت فرمادی ہے۔ مثلاً

جلد اول میں تقریباً اسّی اشخاص کی تاریخ اور تحقیق بیان کی ہے ان میں ورقہ بن نوفل، رومیہ، ہرقل، شاہ روم، عظیم بصریٰ، قبیلہ اوس و خزرج کا ذکر اور اس کی تحقیق بھی موجود ہے۔

جلد دوئم میں تقریباً ۴۸ر اشخاص کا ذکر آیا ہے اس میں ذوالخویصرہ کا بھی ذکر اور اس کی تحقیق موجود ہے ساتھ ہی حضرت ایوب علیہ السلام پیغمبر کا بھی ذکر جمیل ہے۔

جلد سوئم میں نسبتہً کم اشخاص کا تذکرہ ہے۔ بارہ اشخاص کے احوال مذکور ہیں۔

جلد چہارم میں ۲۸ر صحابہ کرام و تابعین کے حالات درج ہیں ان کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت بی بی ہاجرہ زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی تذکرہ تاریخ اور تحقیق کے ساتھ ہے۔

جلد پنجم میں ۱۰ر حضرات کے تذکرے ہیں۔ ضمناً کچھ اور ہیں۔

جلد ششم میں ۳۳ر اشخاص و افراد کی تاریخ و تحقیق ہے۔ ان میں اصحاب کہف، ذوالقرنین، قوم عاد، قارون، حضرت لقمان، ہابیل و قابیل، یاجوج و ماجوج، قبیلہ جرہم، حضرت مریم اور کچھ انبیائے کرام کے تذکرے بھی ہیں۔

جلد ہفتم میں جہاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا ذکر جمیل ہے وہیں مسیلمہ کذاب کا ذکر بھی ص:۶۵ میں تاریخ و تحقیق کے ساتھ موجود ہے۔

میرے خیال میں ان تمام اشخاص یا خاندان یا مقامات کا ذکر ضمناً آگیا ہے۔ کیونکہ حدیث کا ترجمہ اور تشریح کرتے ہوئے ان لوگوں کی بات جب سامنے آگئی تو سوچا کہ ان پر بھی کچھ لکھا جائے تاکہ پڑھنے والوں کو تشنگی کا احساس نہ ہو۔ مگر جو بھی لکھا وہ بات تحقیق کے ساتھ ہر گوشہ کو واضح کرتے ہوئے لکھی گئی۔ ورنہ مقصود اصلی صحابۂ کرام اور تابعین عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی کے حالات ہیں۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ شرح کی ابتدا میں حضرت مصنف مدظلہ العالی کا وہی ارادہ رہا ہو لیکن بعد میں ارادہ میں وسعت پیدا ہو گئی۔ پھر قارئین کرام پر کرم فرماتے ہوئے دیگر اشخاص اور مقامات کو بھی تاریخ و تحقیق میں داخل فرمالیا گیا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

کسی بھی شخص کی سوانح، حالات زندگی اور تاریخی حیثیت معلوم کرنے کے لئے جتنی باتیں ضروری ہیں وہ اجمالی طور پر وہی ہو سکتی ہیں جو فقیہ الہند نے اپنی شرح میں بیان فرمادی ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہی کو لیا جائے۔ سائل اور متعلم کے ذہن میں یہی سوالات آسکتے ہیں سوال و جواب کے انداز میں معلوم کیجئے۔

جس کی حالت بیان کی جاتی ہے:

سوال	جواب
ان کا نام کیا ہے	عمر نام ہے
والد کا نام کیا ہے	خطاب
پیدائش کب ہوئی	عام الفیل کے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے
ایمان کب لائے	اعلان نبوت کے چھٹے سال ۶ھ میں ایمان لائے
ان کے ایمان کا محرک کیا تھا	حضور ﷺ کی دعا
کس سنہ میں کب خلیفہ ہوئے	۱۳ھ ۲۳ رجمادی الآخرہ روز سہ شنبہ ان کو خلیفہ بنایا گیا
وفات کب ہوئی اور کس طرح ہوئی	حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ایک مجوسی غلام ابولولو فیروز نے نماز فجر میں زخمی کر دیا تین دنوں کے بعد

	۲۸/ذوالحجہ بروز دو شنبہ شہید ہو گئے۔
اس وقت عمر مبارک کتنی تھی	عمر شریف ۶۳/سال کی ہوئی تھی
خلافت کتنے دنوں فرمائی	دس سال چھ مہینے پانچ دن
کارنامے	ان کے عہد خلافت میں قیصر روم اور کسریٰ ایران کی ہزارہا سال کی جابرانہ، ظالمانہ سلطنتیں پاش پاش ہو گئیں۔ عراق، ایران، مکران، شام فلسطین، مصر بڑے بڑے ممالک اسلام کے زیر نگیں ہو گئے۔
آپ کی کنیت اور لقب	ابو حفص کنیت، فاروق اعظم لقب تھا۔
ان سے کتنی حدیثیں مروی ہیں	ان سے ۵۳۷ حدیثیں مروی ہیں۔
صحابہ میں اس نام کے اور کوئی ہیں	صحابہ میں عمر بن خطاب نام کے اور کوئی صاحب نہیں۔ البتہ راویان حدیث میں اس نام کے چھ حضرات ہیں۔
صرف عمر نام کے کتنے صحابہ ہیں	صحابہ کرام میں عمر نام کے ۲۳ حضرات اور ہیں
عمرو نام کے کتنے صحابہ ہیں	عمرو نام کے دو سو سے زاید صحابہ ہیں
عمر اور عمرو میں لفظی فرق کیا ہے	عُمر اور عَمرو لکھنے میں یکساں ہی ہیں اس لئے دونوں میں فرق و امتیاز کے لئے عُمر کو واؤ کے بغیر لکھتے ہیں اور عَمر کو واؤ کے ساتھ لکھتے ہیں، عین کے ضمہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ بغیر واؤ کے عُمَر ہے اور عین کے فتحہ اور میم کے سکون کے ساتھ واؤ کے شامل عَمْرو ہے۔
ان کا مقام وافضلیت کی ترتیب	تمام اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ تمام امت سے افضل سیدنا صدیق اکبر ہیں، پھر حضرت عُمر فاروق اعظم، پھر عثمان غنی۔ پھر حضرت علی مرتضیٰ پھر عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

فقیہ الہند نے یہ تاریخی حالت اور اس کی تحقیق نزہۃ القاری جلد اول ص:۱۶۷ و ۱۶۸ میں انما الاعمال بالنیات والی حدیث کے تحت فرمائی ہے۔ اختصار کے ساتھ اس سے بہتر جامع اور مانع تحقیق کیا ہو سکتی ہے۔ سوال و جواب کے انداز میں ایک مثال کافی ہے۔ اب اس انداز سے ہٹ کر

دوسری مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

وحی کے اقسام کے تحت ص:۱۷۵ جلد اول میں حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت آئی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ کے متعلق تاریخ اور تحقیق کچھ اس طرح ہے:

نام نامی عائشہ، ام المومنین اور صدیقہ خطابات ہیں، ام عبد اللہ کنیت ہے۔ آپ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عائشہ کے بھانجے اور حضرت اسما کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے اعتبار سے ان کی کنیت ام عبد اللہ رکھ دی تھی۔

یہ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق کی صاحبزادی ہیں۔ ان کی ماں کا نام ام رومان ہے جن کا وصال ۶ھ ہجری میں ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہ حضور ﷺ کے اعلان نبوت کے چوتھے سال ۴ھ نبوی میں پیدا ہوئیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے بعد ۱۰ھ ہجری میں حضور کے حبالۂ عقد میں آئیں۔

مہر دیگر ازواج مطہرات کی طرح چار سو درہم مقرر ہوا۔ (صرف ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان جن کا نکاح حضور کے ساتھ مَلِکِ حبشہ نجاشی نے چار سو دینار کے عوض پڑھا دیا تھا اور مہر بھی اسی نے ادا کیا تھا)

نکاح کے بعد تین سال تک مکہ معظمہ میں رہیں۔

ہجرت کے بعد جب یہ بھی مدینہ آگئیں تو نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی۔

اس کے بعد نو سال تک حضور کی خدمت اقدس میں رہیں۔

حضور کے وصال کے بعد ۴۸ر سال زندہ رہیں ۵۷ھ ہجری ماہ رمضان بہ تاریخ ۱۷ر سہ شنبہ (منگل) کی شب میں انتقال فرمایا۔

۶۶ر سال کی عمر میں مدینہ میں وصال فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

وصیت کے مطابق دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ جنت البقیع میں وتر کی نماز کے بعد دفن ہوئیں۔

ان سے دو ہزار دو سو دس حدیثیں مروی ہیں ان میں سے ۱۷۴ حدیثیں متفق علیہ ہیں، ۵۴

حدیثیں صرف بخاری نے انفرادی طور پر اور ۶۸ حدیثیں صرف مسلم نے انفرادی طور پر روایت کیں۔

ان کی تین خصوصیات ایسی ہیں جو ازواج مطہرات میں سے کسی اور کو حاصل نہیں:

(۱) حضور اکرم ﷺ تمام ازواج میں سب سے زیادہ ان کو محبوب رکھتے تھے۔

(۲) علم، اجتہاد میں سب سے بڑھی ہوئی تھیں، خلفاے راشدین کے عہد ہی سے فتویٰ دیتی تھیں۔

(۳) جتنی حدیثیں ان سے مروی ہیں ازواج مطہرات میں کسی سے مروی نہیں۔

سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کا ذکر اور تحقیق کرتے ہوئے اور لوگوں کے اختلافی بیانات کو ظاہر کرتے ہوئے اس پر بحث فرمائی کہ حضرت عائشہ صدیقہ اور سیدہ فاطمہ زہرا اور حضرت خدیجہ تینوں دنیا کی تمام عورتوں میں افضل ہیں مگر ان تینوں میں کون سب سے افضل ہیں اس پر توقف کو اپنا ذوق بتایا۔ ہاں اس تفصیل کو درست کہا کہ حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ تمام ازواج میں سب سے افضل اور حضرت فاطمہ زہرا بنات میں سب سے افضل ہیں۔

کسی شخص یا ذات کی معرفت حاصل کرنے کے لئے جو جو سوالات ذہن میں آسکتے ہیں تقریباً ان سبھی سوالوں کے جوابات اس میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی افضلیت کی تحقیق فرمادی۔ ویسے دوسری جلد ص: ۱۷۵ میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی سوانح قدرے تشریح کے ساتھ بیان فرمائی ہے اس کا خلاصہ اس طرح ہے:

حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا

● حضور سید عالم ﷺ کی سب سے زیادہ چہیتی اور پیاری بیٹی ہیں ● حضور نے ان کو "بضعة مِنّی" یعنی میرے جسم کا ایک ٹکڑا کہا ● یہ بھی ارشاد فرمایا "فاطمةُ سیدةُ نساءِ اھلِ الجنة" (فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں)۔ علماے اہل سنت میں ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ یہ مطلقاً دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہیں (علما نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا اپنی والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ کے علاوہ تمام جنتی عورتوں کی سردار ہوں گی) ● حضور کی تمام صاحبزادیوں میں سب سے چھوٹی تھیں ● حضور کی بعثت (اعلان نبوت) کے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں ● ایک قول یہ ہے کہ بعثت (اعلان نبوت) کے سال اعلان نبوت کے بعد پیدا ہوئیں مگر پہلا قول صحیح ہے

● ۲ھ ہجری میں غزوۂ بدر کے بعد ان کا نکاح حضرت علی کے ساتھ حضور نے فرمایا ● ماہ رمضان میں عقد ہوا ● ماہ ذی الحجہ میں رخصتی ہوئی ● چار سو مثقال چاندی مہر مقرر ہوا ● چار سو مثقال چاندی انگریزی عہد حکومت میں جو چاندی کا روپیہ چلتا تھا اس سے ایک سو ساٹھ روپے بھر ہوتا ہے (فتاویٰ رضویہ) ● ان ایام کی عادت کے مطابق حضرت علی نے مہر معجّل (پیشگی مہر) کی ادائیگی میں وہ زرہ پیش کی جو غزوۂ بدر میں ان کو ملی تھی ● حضرت سیدہ کے بطن سے تین صاحبزادے امام حسن، امام حسین اور محسن پیدا ہوئے ● محسن بچپن ہی میں انتقال فرماگئے ● تین صاحبزادیاں زینب، ام کلثوم اور رقیہ پیدا ہوئیں ● حضور کی وفات کے چھ ماہ بعد ۳؍رمضان سہ شنبہ کی رات میں وصال فرمایا ● جنت البقیع میں رات ہی میں حسب وصیت دفن ہوئیں ● حضرت علی نے غسل بھی دیا اور نماز جنازہ بھی پڑھائی ● صحیح قول یہ ہے کہ مزار قبۂ عباس میں ہے جہاں دیگر اہل بیت کے مزارات ہیں ● ان سے اٹھارہ حدیثیں مروی ہیں۔ صحیحین میں ایک ہے ● ان سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے بھی ایک حدیث روایت کی ہے۔

عمر مبارک بوقت وصال

وصال کے وقت عمر مبارک کیا تھی؛ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ صاحب اکمال نے اٹھائیس سال لکھا ہے۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ واقعہ احد کے بعد شادی ہوئی شادی کے وقت عمر مبارک ۱۵؍سال ۵؍ماہ کی تھی ● غزوۂ احد ۳ھ ہجری ماہ شوال میں ہوا۔ اس حساب سے وصال کے وقت عمر مبارک زیادہ سے زیادہ ۲۳؍سال کی تھی ● ولادت مبارکہ کے متعلق سب سے مشہور روایت وہ ہے جسے ابن جوزی نے لکھا ہے یعنی بعثت سے پانچ سال پہلے ولادت ہوئی۔ اس طرح نکاح کے وقت عمر مبارک اٹھارہ سال کی تھی یہی تحقیق اصابہ میں بھی ہے ● اس تقدیر پر اکمال کی یہ بات درست ہے کہ حضرت فاطمہ کی وفات کے وقت عمر مبارک ۲۸؍سال تھی۔

عظیمِ بُصریٰ

اس سے مراد بُصریٰ کا حاکم حارث بن شمر غسانی ہے۔ حضرت دحیہ کلبی ۶ھ ہجری میں حضور ﷺ کا مکتوب گرامی جو ہرقل شاہ روم کے نام تھا اسی عظیم بصریٰ کے پاس لے گئے۔ اس نے عدی بن حاتم کو دحیہ کلبی کے ساتھ گرامی نامہ لے کر بیت المقدس میں بھیج دیا جہاں ہرقل ایرانیوں پر مکمل فتح کی خوشی کا جشن منانے آیا تھا۔ اس کے بعد حضرت فقیہ الہند نے حارث بن شمر غسانی عظیم بصریٰ اور عدی بن حاتم کا مختصر تعارف اور حالت کا بیان فرمایا ہے۔

حارث بن شمر عربی النسل تھا۔ دنیاوی لالچ میں آکر نصرانی ہو گیا۔ یہ ہر قل کا باج گذار اور بصری کا حاکم تھا۔

عدی بن حاتم بھی اس وقت نصرانی تھے۔ فتح مکہ کے بعد ایمان سے مشرف ہوئے۔ حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت کی ابتدا میں جب عرب کے بعض قبائل میں ارتداد پھیل گیا تو یہ اپنے قبیلہ طے کے ساتھ ایمان پر ثابت رہے۔ اسی زمانہ میں بارگاہ صدیق میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوئے اور دوسروں کو مرتد ہونے سے بچنے کی تلقین فرماتے رہے۔

پھر حضرت مفتی صاحب قبلہ نے بصریٰ کی تحقیق اس طرح فرمائی کہ مدینہ اور دمشق کے درمیان کا سرحدی شہر جسے حوران بھی کہتے ہیں۔

حضور کا مکتوب گرامی

ہر قل نے حضور سید عالم ﷺ کے مکتوب گرامی کی تعظیم کی۔ مکمل حفاظت کے ساتھ سونے کے صندوق اور سونے کے قلمدان میں اسے محفوظ رکھا اور اپنی نسل کو اس کی حفاظت و تعظیم کی ہدایت کی اور یہ کہ جب تک یہ ہمارے خاندان کے قبضے میں ہے سلطنت ہمارے خاندان میں باقی رہے گی۔ اس ضمن میں فقیہ الہند نے اور بھی تحقیق فرمائی ہے پھر یہ بھی تحریر کیا کہ ہر قل کا فرمرا اس کو ایمان نصیب نہیں ہوا۔

عہد فاروقی میں اس کے پوتے کو مجاہدین اسلام نے ملک شام سے نکالا تھا وہ بھاگ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ وہاں سیکڑوں برس اس کی نسل حکمراں رہی یہاں تک کہ ۸۵۷ھ ہجری مطابق ۱۴۵۳ء مین محمد فاتح عثمانی نے قسطنطنیہ کو فتح فرمایا۔ محمد فاتح عثمانی نے ۱۴۸۱ء مطابق ۸۸۶ھ ہجری میں وفات پائی۔ لیکن علامہ ابن حجر نے اس کو اظہر فرمایا کہ عہد فاروقی تک وہی ہر قل تھا جس کے نام حضور کا مکتوب تھا اور یہی قسطنطنیہ بھاگا تھا۔ قیصر کل چالیس ہوئے ان کی سلطنت کی مدت پانچ سو سات سال رہی۔

قیصر کی تحقیق

نزہۃ القاری جلد اول ص:۲۲۱ و ص:۲۲۲ میں حدیث ہر قل کے تحت پہلے لفظ ہر قل کی لفظی و معنوی تحقیق کی گئی ہے۔ ہِرَقْلُ دِمَشْقُ کے وزن پر ہا کو کسرہ، را کو فتحہ اور قاف ساکن۔ اس کا معنی غربال چھلنی ہے۔ عہد رسالت میں روم کا جو شہنشاہ تھا اس کا نام ہر قل تھا۔ قیصر اس کا لقب تھا۔ غالباً

روم کے بادشاہ کا قیصر کہلانا ہر قل ہی سے شروع ہوا ہے (حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی نے بھی اپنی کتاب سیرۃ المصطفیٰ میں قیصر روم لکھ کر قوسین کے درمیان ہر قل لکھا ہے)۔

قیصر کا معنی چیرنے کے ہیں۔ یہ لکھ کر اس نام کے رکھنے کی وجہ لکھی کہ ہر قل کی پیدائش کے وقت اس کی ماں دردزہ میں انتقال کر گئی اس لئے اس کی ماں کا پیٹ چیر کر اس کو نکالا گیا۔ اس لئے قیصر کہلانے لگا (اور جب قیصر کہلانے لگا تو اس کو اپنا لقب بنالیا اور بعد والے اس کے جانشینوں نے بھی قیصر کا لقب اختیار کیا)۔ ہر قل دنیا کا پہلا بادشاہ ہے جس نے دینار ایجاد کیا اور گرجا بنوایا۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ نے اپنے مخصوص انداز میں نہایت جامع اور مانع تاریخ بیان فرمائی اور بہت سی باتوں کی تحقیق کی میں نے ان کو اور بھی مختصر کر کے صرف چند نمونے پیش کیے ہیں۔ باقی کتاب میں دیکھا جائے۔ آخر میں صرف دو ایک اور تحقیق کی مثال دے کر بات ختم کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

جلد اول ص:۲۴۸ میں حدیث شعب الایمان کے ضمن میں مشہور اور معروف صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تاریخی حالت کی تحقیق حضرت فقیہ الہند نے اس طرح فرمائی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی اس کنیت کے ساتھ اتنے مشہور ہوئے کہ نام گمنام ہو گیا۔ ان کے نام کے بارے میں جتنے اختلافات ہیں کسی اور کے نام کے بارے میں اتنے اختلاف نہیں۔

علامہ عبدالبر نے فرمایا بیس اقوال ہیں۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ تیس سے زیادہ اقوال ہیں۔

ایک روایت ہے کہ ان کا نام زمانہ جاہلیت میں عبد شمس تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا گیا۔

علامہ عینی نے فرمایا سب سے قریب تر یہ قول ہے کہ ان کا نام عبداللہ یا عبدالرحمٰن تھا۔

باپ کا نام صخر تھا جو قبیلہ اوس کے ایک فرد تھے (اکمال فی اسماء الرجال مین شیخ ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب نے حضرت ابوہریرہ کا نام لکھ کر یہ بھی لکھا "وھو دوسی" اور وہ قبیلہ دوس کے تھے)۔ ماں کا نام میمونہ یا امینہ تھا۔ زمانے تک

اسلام سے مشرف نہیں ہوئیں۔ حضرت ابو ہریرہ کی درخواست پر حضور اکرم ﷺ نے دعا فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئیں۔

کنیت: اپنی کنیت کے بارے میں خود بتایا کہ میں بکریاں چراتا تھا۔ میری ایک چھوٹی بلّی تھی اس سے دل بہلاتا تھا تو لوگوں نے ابو ہریرہ کہنا شروع کر دیا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ اس بلی کو وہ اپنی آستین میں رکھے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے دیکھ لیا، فرمایا: ''اے ابو ہریرہ'' اب یہی خاص و عام کی زبان پر آگیا (یہ قول زیادہ معروف ہے)۔

ہُرَیْرَہ، ہِرَّۃ کی تصغیر ہے۔ ہِرَّۃٌ کے معنی بِلّی، ہریرہ کے معنی بِلّیا، اور ابوہریرہ کے معنی بِلّیا کے باپ۔

فتح خیبر کے سال ۷ھ ہجری میں ایمان لائے۔ مسلمان ہونے کے بعد ہمیشہ خدمت اقدس میں حاضر رہے۔ اصحاب صفہ کے نقیب تھے۔ ان کی دیکھ بھال، تعلیم و تربیت حضرت ابو ہریرہ کے سپرد تھی۔ ایمان لانے کے بعد تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے۔ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ بڑے بڑے صحابہ کرام ان سے حدیثیں پوچھتے تھے اور لوگوں کو ان کے پاس بھیجتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ نے ایک مرتبہ خود فرمایا تم لوگ کہتے ہو ابو ہریرہ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتا ہے۔ اللہ کے یہاں جانا ہے، میں مسکین تھا۔ کھانے کو مل جاتا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا۔ میں ان باتوں کو یاد رکھتا جو یہ لوگ یاد نہیں رکھتے۔

قوت حافظہ: بخاری کتاب العلم ص:۲۲ کے حوالے سے حضرت مفتی صاحب دام ظلہ، نے حضرت ابو ہریرہ کے حافظہ کے متعلق تحریر کیا ہے ''پہلے ان کا حافظہ اتنا قوی نہ تھا ایک بار خدمت اقدس ﷺ میں حاضر ہوئے ضعف حافظہ کی شکایت کی (حضور نے) فرمایا اپنی چادر پھیلا، انھوں نے اپنی چادر پھیلا دی۔ حضور اقدس ﷺ نے دونوں ہاتھوں کو چلو کی طرح بنا کر اس میں باطنی طور سے کچھ ڈالا پھر حکم دیا کہ چادر سینے سے لگالو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ فرماتے ہیں پھر میرا حافظہ اتنا قوی ہو گیا کہ اس کے بعد کچھ نہیں بھولا''۔

بخاری کتاب العلم ص:۲۳ کے حوالہ سے حضرت فقیہ الہند نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ نے یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے علم کا دو برتن عطا فرمایا ہے ایک تو لوگوں میں پھیلاتا ہوں۔ مگر دوسرے کو ظاہر کروں تو یہ ٹیٹوا کاٹ ڈالا جائے (گویا ان کو ظاہری و باطنی دونوں طرح کے علوم عطا کئے گئے)۔

تعداد روایت: ان سے پانچ ہزار تین سو چوہتر احادیث مروی ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے متفقہ طور پر ان سے تین سو پانچ حدیثیں روایت کی ہیں انفرادی طور پر صرف امام بخاری نے اس کے علاوہ ترانوے اور صرف امام مسلم نے انفرادی طور پر ایک سو نوے حدیثیں روایت فرمائی ہیں۔

ان سے آٹھ سو حضرات نے حدیثیں روایت کی ہیں جن میں صحابی بھی ہیں اور تابعی بھی۔ اجلہ صحابہ مثلاً حضرت ابن عمر، حضرت جابر، حضرت انس، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان سے حدیثیں اخذ کیں۔

اتنی کثرت سے حدیثیں بیان کرنے کے باوجود روزانہ ہزار رکعت نفل نماز پڑھتے تھے۔ ۵۹ھ ہجری میں اٹھہتر سال کی عمر پاکر مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا۔

یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ ۶۰ھ ہجری اور چھوکروں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں۔ دعا مقبول ہوئی اور یزید پلید کے تسلط سے سال بھر پہلے واصل بہ حق ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اوس و خزرج: جلد اول ص:۲۶۴ میں حُبِّ انصار والی حدیث کے تحت "انصار" کی تحقیق و تاریخ بیان کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں:

انصار ناصر کی جمع ہے جیسے صاحب کی جمع اصحاب یا نصیر کی جمع ہے۔ جیسے شریف کی جمع اشراف۔ ہر تقدیر پر اس کے معنی مدد کرنے والوں کے ہیں۔ چونکہ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اس لئے ان کا نام انصار پڑا۔ یہ اوس و خزرج کی اولاد اوران کے خلفاء موالی کا نام ہے۔ اوس و خزرج عرب کے دو مشہور قبیلوں کا نام ہے۔ اوس و خزرج دونوں بھائی تھے۔ ان کے باپ کا نام حارثہ یا ثعلبہ العنقا تھا۔ ثعلبہ کی

گردن بہت لمبی ہونے کی وجہ سے اسے لوگ العنقا کہتے تھے۔ یہ لوگ اصل میں یمن کے باشندے تھے۔ سد مآرب کے ٹوٹنے سے جب یمن تباہ ہو گیا تھا تو یہ لوگ مدینہ طیبہ میں آکر بس گئے تھے۔ ان کے مورث اعلیٰ کا نام قحطان تھا۔ کلبی نے کہا کہ قحطان حضرت اسمٰعیل کی اولاد سے ہے۔ اس تقدیر پر کل عرب اولاد اسمٰعیل ہوئے۔ علامہ عینی نے لکھا ''بعض لوگوں کا قول یہ ہے کہ قحطان حضرت اسمٰعیل کی اولاد نہیں''۔ اس صورت میں عرب کی اصل دو ہوئی۔ آل اسمٰعیل، آل قحطان۔

بعض لوگوں نے اس پر بہت لمبی بحث کی ہے کہ انصار آل اسمٰعیل ہیں یا نہیں۔ بخاری شریف کتاب الانبیا میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول مذکور ہے آپ نے حضرت ہاجرہ کے بارے میں فرمایا تھا فتلك امكم يابنى ماء السماء (یہ تمہاری ماں ہے اے بارش کے بیٹو!)۔ اس سے مراد اہل عرب ہیں۔ اس لئے کہ ان کی زندگی آسمان کے پانی بارش ہی کے پانی پر ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ پورے عرب، اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

اوس وخزرج کو پہلے بنی قیلہ کہا جاتا تھا۔ قیلہ ان کی ماں کا نام تھا۔ حضور سید عالم ﷺ نے ان کا نام انصار رکھا۔

خلاصہ

فقیہ الہند حضرت مفتی صاحب قبلہ نے نزہۃ القاری میں جہاں جہاں بھی تاریخی احوال بیان کئے ہیں اور ان کی تحقیق فرمائی ہے حواشی میں ان کی سندیں اور حوالہ جات بھی بیان فرما دیئے ہیں۔ مختصر انداز میں اس سے بہتر اور مکمل تحقیق کی امید بھی نہیں کی جاسکتی۔ واقعی تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ تمام احوال اور تمام تحقیقات کو بیان کرنا نہ میرا مطلوب ہے اور نہ مقصود۔ مجھے تو صرف ان کے بعض نمونے ہی پیش کرنے تھے وہ پیش کر دیئے۔ ہاں میں اتنا ضرور عرض کر سکتا ہوں کہ میں نے ان کی تحریر کردہ بہت سی تحقیقات اور حالات پر غائرانہ نظر ڈالی ہے۔ مجھے کہیں بھی تشنگی کا احساس نہیں ہوا۔ بلکہ جو بھی سوالات میرے ذہن میں ابھرتے گئے ان کا الگ الگ جواب ان سے مل گیا۔

آپ خود غور فرمائیں بہت سے صحابہ، صحابیات اور تابعین حضرات ایسے ہیں جن کے احوال پر مستقل ضخیم کتاب موجود ہے مگر حضرت فقیہ الہند نے بہت سی کتابوں سے تحقیق کر کے ان کو صرف ایک صفحہ یا حد سے حد دو صفحہ اور کہیں صرف نصف صفحہ یا اس سے کم میں ذکر فرما دیا ہے۔ اس کے باوجود بھی حالات جاننے والوں کے لئے کسی بھی کمی کا احساس نہیں ہوتا کیا یہ تائید غیبی اور فضل الٰہی کے ساتھ ان کی علمی وفکری عظمت کی دلیل نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سمندر کو کوزہ میں بند کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

اللہ عزوجل صحت وسلامتی وخیر وخوبی کے ساتھ ان کی عمر کو طویل بنائے اور ان کو دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین ﷺ وآلہ و صحبہ وسلم اجمعین.

☆☆☆☆

مولانا عبدالحق رضوی خلیفہ حضور شارح بخاری
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور

نزہۃ القاری اور دیگر شروح بخاری کا
ایک تقابلی مطالعہ

سالہا در کعبہ وبت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے را زآید بروں

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احادیث مبارکہ سننے یاد رکھنے اور انھیں کما حقہ دوسروں تک پہنچانے کی بہت زیادہ ترغیب فرمائی ہے۔ مثلاً آپ نے فرمایا "اللہ عزوجل اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی پھر اسے یاد رکھا تاکہ دوسروں تک اسے پہنچائے"۔۔۔اور یہ بات جملہ مسلمانان عالم پر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ دین کے تمام اصول وفروع، اعتقادیات وعملیات، سب کی بنیاد قرآن واحادیث ہی ہیں۔ اجماع امت اور قیاس کی جو بھی حیثیت ہے وہ کتاب اللہ اور احادیث نبویہ کی بارگاہ سے سند ملنے کے بعد ہے۔ اسی لئے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے مقدس اور برگزیدہ رسول کی احادیث کے ساتھ جس قدر اعتنا واہتمام کیا ہے دنیا کی کسی قوم نے اپنے پیشوا کے ساتھ نہ کیا ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افعال واحوال اور ارشادات کو حضرات صحابہ کرام نے کامل طور سے یاد رکھا اور پوری دیانت اور ذمہ داری کے ساتھ دوسروں تک پہنچایا اور احادیث کریمہ کے حفظ اور اسے دوسروں تک پہنچانے کا یہ سلسلہ ہر دور میں تسلسل کے ساتھ جاری رہا۔ وہ خوش نصیب افراد جنھوں نے اپنی پوری زندگی حفظ حدیث اور اس کی نشرواشاعت میں صرف کردی اس مبارک جماعت کے سرخیل حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ذیل میں آپ کا اور آپ کی مایہ ناز تصنیف صحیح بخاری کا کچھ ذکر جمیل ہدیہ ناظرین ہے۔

تعارف صحیح البخاری

حضرات محدثین وفقہا کے درمیان تقریباً یہ متفق علیہ ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ الصحیح للبخاری۔ یعنی قرآن حکیم کے بعد اصح ترین کتاب بخاری شریف ہے اور اس کی جو عظمت واہمیت مذہب اسلام اور مسلمانان عالم میں ہے وہ تمام اہل علم پر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

حضرات محدثین نے سیکڑوں کتب حدیث تحریر فرمائیں مگر جو شہرت ومقبولیت صحیح بخاری کو حاصل ہوئی وہ کسی کو نہ مل سکی۔ ذالك فضل الله يوتيه من يشاء۔ حضرت امیر المومنین فی الحدیث، ناشر المواریث المحمدیہ، امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری کی ولادت ماوراءالنہر کے مشہور شہر بخارا میں ۱۳ر شوال ۱۹۴ھ کو بروز جمعہ مبارکہ بعد عصر ہوئی۔ امام بخاری کے والد ماجد بڑے ممتاز بزرگ متبحر عالم تھے امام بخاری کے شیخ امام عبداللہ بن مبارک تلمیذ امام اعظم ابو حنیفہ کی صحبت میں رہتے تھے۔ اور صاحب روایت محدث تھے۔ اکل حلال کے ایسے پابند تھے کہ حرام تو حرام مشتبہات سے بھی بچتے تھے بڑے مستجاب الدعوات بزرگ تھے کیوں نہ ہو اکل حلال تو استجابت دعا کے لئے اکسیر اعظم ہے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے ان کی پرورش ان کی والدہ ماجدہ نے فرمائی۔ حضرت امام بخاری کی عہد طفلی ہی میں بینائی جاتی رہی آپ کی والدہ ماجدہ بہت الحاح وزاری کے ساتھ آپ کی بینائی کے لئے دعا کرتی رہتی تھیں۔ ایک شب خواب میں دیکھا کہ ابو الانبیا سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لائے ہیں۔ اور فرمارہے ہیں۔ کہ اللہ عزوجل نے تیری دعا قبول فرمالی اور تیرے بچے کی بینائی واپس فرمادی۔ صبح کو امام بخاری بینا ہو کر اٹھے۔ پھر آنکھوں میں ایسی روشنی آئی کہ چاندنی رات میں لکھا پڑھا کرتے تھے۔

تعلیم وتربیت کے لئے سب سے اہم چیز قوت حافظہ اور جودت ذہن ہے۔ حضرت امام بخاری پر اللہ عزوجل کا یہ خاص فضل تھا۔ کہ یہ دونوں وصف اور دیگر وہ تمام اوصاف جو حصول علم میں ممد ومعاون ہوتے ہیں بدرجہ اتم قابل رشک حد تک آپ میں موجود تھے۔ امام بخاری کا یہ کمال معراج ہے کہ ان کے فضائل ومناقب کا اعتراف خود ان کے عہد کے تمام اساطین ملت، ائمہ حدیث، اور ارباب فضل وکمال نے کیا ہے۔ اور ان کے بارے میں ایسے ایسے عظیم الشان کلمات مدح وثنا کہے ہیں جو امام بخاری کی جلالت شان کے دستاویز ہیں علامہ ابن حجر جیسے علم وفضل کے بحر ذخار نے یہاں تک لکھ دیا۔ کہ امام بخاری کی عظمت شان میں اتنے کلمات کہے گئے ہیں کہ ان سب کو جمع کیا جائے تو کاغذ وقلم ختم ہو جائیں گے مگر کلمات مدح ختم نہ ہونگے اس لئے کہ وہ ایسے بحر تھے جس کا کوئی ساحل نہیں۔

صحیح بخاری کی وجہ تصنیف

تابعین کے اخیر دور میں باقاعدہ مبوب احادیث کی کتابیں تصنیف ہونی شروع ہو گئیں تھیں تبع تابعین کے دور میں یہ کام اور زیادہ ترقی کر گیا امام اعظم کی کتاب الآثار موطا امام مالک، جامع سفیان ثوری، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبد الرزاق، عبد اللہ بن مبارک کی کتاب، امام شافعی کی کتاب، مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ۔

مگر اب تک جتنی کتابیں لکھی گئیں تھیں کسی میں یہ التزام نہیں تھا کہ صرف صحیح احادیث ہی لکھیں جائیں۔ محدثین نے ہر قسم کی احادیث جمع کر دی تھیں اس لئے اس کی شدید ضرورت تھی۔ کہ کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جس میں مصنف صرف انھیں حدیثوں کو جگہ دے جو صحیح ہوں۔ اس ضرورت کا احساس اسحاق بن راہویہ استاذ امام بخاری کو ہوا اور انھوں نے اپنے تلامذہ کو اس کی طرف رغبت دلائی اور اللہ عزوجل نے یہ عظیم الشان کام حضرت امام بخاری سے لے لیا۔

مزید براں اس مہتم بالشان کام کا باعث حضرت امام بخاری کا ایک خواب بھی ہے۔ حضرت امام بخاری فرماتے ہیں۔ کہ میں نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا۔ کہ میں خدمت اقدس میں کھڑا ہوں میرے ہاتھ میں پنکھا ہے اور میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے مکھیاں ہانک رہا ہوں کسی معبر سے تعبیر پوچھی۔ تو اس نے بتایا کہ آپ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جھوٹ کو دفع کریں گے۔ اس خواب نے مجھے اس پر ابھارا کہ ایک جامع صحیح لکھوں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں ان میں اچھی سے اچھی، عمدہ سے عمدہ تر، صحیح سے اصح، اعلیٰ سے اعلیٰ تر کو منتخب کر کے اس عظیم تصنیف میں آپ نے لکھا ہے۔

خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے چھ لاکھ احادیث یاد ہیں ان میں سے منتخب کر کے میں نے سولہ سال میں اس جامع کو لکھا ہے۔ اور اس کتاب کو میں اپنے اور اللہ عزوجل کے درمیان حجت بناتا ہوں میں نے اپنی کتاب میں صرف صحیح احادیث داخل کی ہیں اور جن حدیثوں کو میں نے اس خیال سے نہ لکھا کہ کتاب طویل نہ ہو جائے۔ ترک کر دیا وہ اس سے بہت زیادہ ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سولہ سال کی طویل مدت میں اس کتاب کا مسودہ تیار کیا۔ پھر مکہ مکرمہ

مسجد حرام میں حاضر ہو کر اس مسودہ میں جو حدیثیں تھیں ان کا مبیضہ کیا ابواب کی جگہ خالی رکھی اور حرم نبوی میں حاضر ہو کر تراجم ابواب کو مسجد نبوی ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر اصل کتاب میں منتقل کیا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

حول تراجم جامعه بين قبر النبى صلى الله تعالى عليه و سلم ومنبره و كان يصلى لكل ترجمة ركعتين.

(مقدمہ فتح الباری وغیرہ ص:۴۹)

اس کتاب کے تراجم ابواب کو نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے مزار پاک اور منبر اقدس کے مابین منتقل کیا اور ہر ترجمہ کے لئے دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔

بارگاہ رسالت میں بخاری شریف کی مقبولیت

صحیح بخاری کی معراجِ کمال یہ ہے کہ مصنف کی ذات کی طرح ان کی کتاب بھی محبوب رب العلمین کی بارگاہ میں مقبول ہوئی۔ حضرت امام بخاری کو سرکار دوعالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے جو شیفتگی اور وارفتگی تھی وہ سب کو معلوم و مسلم ہے انھوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ حضور کے ارشادات، افعال، احوال آپ کے حلیہ جمال کے ایک ایک نقش و نگار کی تلاش اور جمع اور پھر اسے پوری دنیا میں پھیلانے کی سعی پیہم میں گذارا۔ امام بخاری کی اس عظیم خدمت کے صلہ میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ کرم فرمایا۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابوزید مروزی نے بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ مطاف میں رکن کے مابین سویا ہوا تھا کہ میرا نصیبہ جاگا سرکار ابد قرار مونس ہر بے قرار تشریف لائے اور فرمایا اے ابوزید۔ کب تک شافعی کی کتاب پڑھو گے؟ میری کتاب کیوں نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کی کتاب کونسی ہے؟ فرمایا محمد بن اسماعیل کی جامع (مقدمہ فتح الباری ص:۴۹۰)

ہر ستم ہر جفا گوارا ہے
اتنا کہہ دے کہ تو ہمارا ہے

اس کے بعد اس عاشق رسول کا جس نے اپنی پوری زندگی خدمت حدیث نبوی کے لئے وقف کردی تھی۔ تیرہ دن کم باسٹھ سال کی عمر میں ہفتہ کے دن ۲۵۶ھ میں وصال ہوا۔ بعد نماز ظہر اس گنجینہ کرامت کی تدفین عمل میں آئی۔

دفن کے بعد قبر انور سے مشک کی خوشبو اٹھتی تھی لوگ دور دور سے آکر مزار پرانوار سے مٹی لے جانے لگے۔ اس ظاہر و باہر کرامت کے بعد بہت سے مخالفین مزار اقدس پر آئے اور اظہار ندامت اور توبہ کیا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کے مطابق بخاری کی احادیث مسندہ مع مکررات سات ہزار تین سو ستانوے ہیں۔ اور تعلیقات ایک ہزار تین سو اکتالیس" اور متابعات کی تعداد تین سو چوالیس اس طرح بخاری کی کل حدیث مسندہ، معلقات، متابعات ملا کر نو ہزار بیاسی ہیں۔ (مقدمہ فتح الباری ص:۶۵ تا ۷۰) اور اگر مکررات کو نکال دیا جائے تو مرفوع احادیث کی تعداد دو ہزار چھ سو تیئس ہے (توجیہ النظر ص:۹۴)

اس عظیم و جلیل کتاب کو علما، محدثین، فقہا، و مجتہدین نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور جس قدر اعتنا و اعتبار کتب حدیث میں اس کو حاصل ہوا وہ کسی کتاب کو نہیں حاصل ہو سکا شرق سے لے کر غرب تک پورے چار دانگ عالم میں اس کتاب کی عظمت و برتری کا غلغلہ بلند ہوا اور آج تقریباً بارہ صدی مکمل ہونے کو ہیں لیکن اس کی عظمت آج بھی اہل علم میں اور جملہ مکاتب فکر کے علما اور دانشوروں میں بے شمار اختلاف فکر و عمل کے باوجود مسلم الثبوت ہے اور اس کا قابل اعتماد و استناد ہونا تمام مدعیان اسلام کے یہاں ایک امر بدیہی ہے۔ اور انشاء اللہ صبح قیامت تک سارے اہل اسلام اس مہتم بالشان کتاب سے اکتساب فیض و نور اور اصلاح عمل و اعتقاد و تزکیہ نفس و باطن کرتے رہیں گے اور اس کی بھینی بھینی مبارک خوشبو سے اپنی مشام جاں کو معطر کرتے رہیں گے۔ شعر

معطر ہے اسی کوچے کی صورت اپنا صحرا بھی
کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے

بخاری شریف کی اسی عظمت کے پیش نظر اس کی جتنی شرحیں لکھی گئیں کتب حدیث میں کسی بھی کتاب کی اتنی شرحیں نہیں لکھی گئیں ۱۱۰۲ھ تک کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے پچاس شرحوں کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے بعد بھی دنیا کی مختلف زبانوں میں شرح بخاری کا سلسلہ جاری رہا ایک اندازہ کے مطابق ایک سیکڑہ سے بھی زیادہ اس کی شرحیں لکھی جا چکی ہیں مگر ان تمام شروح بخاری میں جو عظمت و مقبولیت فتح الباری مصنفہ سند الحفاظ علامہ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اور عمدۃ القاری مصنفہ علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسی عینی متوفی ۸۵۵ھ کو حاصل ہوئی وہ کسی بھی شرح کو مل نہ سکی اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ یہ دونوں شرحیں بہت کامل و جامع اور حد درجہ مفید ہیں اور ایک کامل شرح میں جتنی خوبیاں ہونی چاہئے وہ ان دونوں میں بدرجہ اتم موجود ہیں اور حق تو یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں نے بخاری شریف کی شرح کا مکمل حق ادا کر دیا جیسا کہ صاحب کشف الظنون نے فرمایا کہ ابن خلدون نے اپنے زمانے تک شروح بخاری کو دیکھ کر لکھا تھا کہ ابھی تک امت پر بخاری کی شرح قرض ہے لیکن اب یہ امت کا قرض علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی نے فتح الباری اور عمدۃ القاری لکھ کر ادا کر دیا۔ فللہ الحمد (ملخص مقدمہ نزہۃ القاری ج۱)

صاحب نزہت القاری کا ایک مختصر تعارف

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

فقیہ النفس، نائب مفتی اعظم ہند، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی صدر شعبہ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کو قسام ازل نے بہت سی ایسی خوبیوں اور کمالات سے نوازا ہے کہ ان میں سے ایک خوبی بھی اگر کسی کے اندر پائی جائے تو اس آدمی کا شمار باکمال لوگوں میں ہونے لگے اور دنیا والوں کے نزدیک عزیز و محبوب ہو جائے اور حضرت شارح بخاری تو متعدد اوصاف جمیلہ و کمالات علمیہ سے نہ صرف یہ کہ متصف و سرفراز کئے گئے ہیں بلکہ ان کمالات علمیہ و عملیہ میں آپ درجۂ اختصاص و امتیاز پر فائز ہیں۔

مدرس: ایسے باکمال، کہنہ مشق، تجربہ کار جن کی فیض بخش درس گاہ سے ہزاروں ہزار طالبان علوم نبوت نے اکتساب علم و فیض کیا جن میں ہر طبقہ کے لوگ موجود ہیں۔ علما و مفکرین، اساتذہ و مناظرین، خطباو مصلحین، مفتیان کرام و محققین بڑے بڑے اداروں کے شیخ الحدیث اور خانقاہوں کے مرشدین، مساجد کے ائمہ اور قومی و ملکی زمام قیادت سنبھالنے والے زعماو مدبرین۔ غرضیکہ قوم مسلم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں جن جن اعمال و کردار، افکار و نظریات میں صالح قیادت، صحیح رہنمائی اور ہدایت کی محتاج تھی۔ حضرت شارح بخاری کے تلامذہ اور فیض یافتہ نہ صرف یہ کہ ان جملہ شعبہ ہائے حیات میں مکمل ان کی رہنمائی اور قیادت کی اہلیت رکھتے ہیں بلکہ آج بفضلہ تعالی دنیا کے مختلف گوشوں میں نیابت رسول اور قیادت امت مسلمہ کا عظیم الشان فریضہ بحسن و خوبی دے رہے ہیں۔

تصنیف و تحقیق: حضرت شارح بخاری کے تو جملہ اوصاف اس بات کے طالب ہیں کہ انہیں شرح و بسط کے ساتھ قلم بند کیا جائے مگر خوف طوالت مانع ہے۔ البتہ اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت موصوف اپنے دور کے سب سے عظیم مصنف و محقق ہیں۔ اس پر شاہد عدل آپ کی تصانیف اور مقالات ہیں۔ وہ کون سی علمی گتھی ہے جسے آپ نے سلجھایا نہ ہو اور وہ کون سا علمی، دینی، فقہی، اشکال ہے جسے آپ نے حل نہ کیا ہو اور وہ کون سا بدمذہبوں کا اعتراض ہے جس کا دنداں شکن اور تسلی بخش جواب آپ کے قلم حقیقت رقم سے

معرض تحریر میں نہ آیا ہو کتابوں کی تعداد اور ضخامت کے اعتبار سے ممکن ہے کہ بعض لوگ بہت بڑھے ہوں لیکن اہل علم پر مخفی نہیں کہ کتابوں سے نقل عبارات و واقعات کرنا شئے دیگر ہے اور کسی مشکل مسئلہ کا حل و تحقیق اس کی تنقیح اور شافی ووافی جواب پیش کرنا دوسری بات ہے کبھی کبھی ایک ایک مسئلہ کی توجیہ و توضیح میں ہفتہ کیا مہینوں لگ جاتے ہیں اور اس میں کس قدر دماغ سوزی، غور و فکر، کثرت مطالعہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس بات کو کچھ وہی لوگ سمجھتے ہیں جن کا اس قسم کے مسائل سے کبھی سابقہ پڑتا ہے۔ بلاشبہہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز اور ان کے خلفا کے بعد ایسا باکمال محقق اور عظیم مصنف میری نظر میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔

ردو مناظرہ: حضرت شارح بخاری اپنے اس وصف میں دور حاضر میں بالکل ممتاز و منفرد ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت موصوف کا یہ ایسا کمال ہے کہ اپنے تو اپنے غیروں کو بھی مسلم ہے کہ دور حاضر میں اہل سنت کے سرخیل اور مناظر اعظم حضرت شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی ہیں۔ کون نہیں جانتا ہے کہ مذہب اسلام اور عقائد و معمولات اہل سنت کے خلاف پوری دنیا میں کہیں سے بھی جب بھی کوئی آواز و تحریک اٹھی ہے تو حضرت شارح بخاری نے اپنی خداداد صلاحیت، ذہانت و فطانت، حاضر دماغی، زور علم اور وسعت مطالعہ سے ان دشمنان اسلام اور معاندین اہل سنت کے پرخچے اڑادیے ہیں اور قہر الٰہی کی کڑکتی ہوئی بجلیاں بن کر خرمن باطل کو جلا کر خاکستر اور ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر کے ہی دم لیا ہے۔

حاصل یہ کہ حضرت شارح بخاری کو فن مناظرہ میں جو مشق و ممارست، تجربہ وسلیقہ حاصل ہے بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اس فن پر مکمل آپ کو ید طولی حاصل ہے۔ اس کی شہادت ہندوستان میں وقتاً فوقتاً ہونے والے مناظرے اور رودادات مناظرہ دیں گے کہ آپ نے کس طرح باطل کی سرکوبی فرما کر حق اور اہل حق کے چہروں کو روشن کیا ہے استاذی الکریم لسان العصر حضرت علامہ یسین اختر صاحب قبلہ مصباحی اپنی تازہ ترین تصنیف "شارح بخاری" میں یوں رقم طراز ہیں:

> "منقولات و معقولات میں جس تبحر اسلامی و عربی علوم پر جس عبور، تاریخ و احوال زمانہ سے جس آگہی، حریف و مد مقابل کی شاطرانہ چالوں سے جس باخبری، اس کی کمزوری پر جس نظر کی ایک جہاں دیدہ اور منجھے ہوئے سنی مناظر کے اندر صفات و خصوصیات ہونی چاہئیں، تحقیقی والزامی جواب اور حملہ و دفاع کا بروقت فیصلہ جس چیز کی ضرورت ہو اس میں استحضار و حیفظ کے جو اوصاف اس کے اندر پائے جانے چاہئیں ان سے شارح بخاری ہر طرح متصف اور مسلح ہیں۔ متعلقہ فنون و امور و معاملات

میں آپ کو درک و کمال اور رسوخ حاصل ہے۔ پوری تیاری، گھن گرج اور لاؤ لشکر کے ساتھ وہابی مناظر پر آپ اس طرح شب خون مارتے ہیں کہ وہ اپنی ذریت اور اعوان و انصار کے ساتھ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور تحریراً و تقریراً آپ حریف کو منکر، وہابی کو اس کے گھر تک پہنچانے کے قائل ہی نہیں بلکہ اس پر عامل بھی ہیں۔

تقریر و خطابت: دنیا میں جتنی بھی انقلابی شخصیتیں گزری ہیں آپ اگر تاریخ عالم پر ایک نظر ڈالیں گے تو وہ لوح و قلم کی طاقت کے ساتھ زبان و بیان کی عظیم قوت و قدرت سے ضرور متصف رہی ہیں کیوں کہ اس کے بغیر کسی بھی تنظیم و تحریک کی شیرازہ بندی ممکن نہیں جب تک اس کا قائد اور رہنما اپنی خداداد صلاحیت اور سحر بیانی سے اپنے ماننے والوں میں ایسا جوش و ہمت اور ولولہ نہ پیدا کر دے کہ وہ اپنے موقف کے مخالفین کو مارنے اور خود مرنے کے لئے نہ تیار ہو جائیں۔ تقریر و خطابت کی قوت تاثیر و سرعت تاثیر پوری دنیا کی ساری قوموں میں ہمیشہ سے ایک امر مسلم رہی ہے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان من البیان لسحرا و ان من الشعر لحکمة" بے شک بعض بیان جادو ہوتا ہے اور بعض اشعار حکمت و دانائی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اللہ عزوجل نے حضرت شارح بخاری کو اس وصف و کمال سے بھی خوب خوب بہرہ ور کیا ہے آپ کی خطابت کا ڈنکا تقریباً پچاس سال سے پورے ہند و پاک اور دیگر ممالک میں بج رہا ہے۔

فقہ و افتا: حضرت شارح بخاری اگرچہ گوناگوں اوصاف و کمالات میں اپنے ہم عصروں سے ممتاز و منفرد ہیں مگر جس عظیم وصف نے آپ کو اس مرتبہ عظمی پر فائز کر دیا ہے وہ آپ کا کمال تفقہ ہے کہ جس کی وجہ سے آپ اپنے اخلاف و اقران کے لئے قابل رشک و قابل تقلید ہو گئے ہیں اور آپ کی بارگاہ میں اپنے وقت کا بڑا سے بڑا عالم و مفتی جب پہونچتا ہے اور حضرت فقیہ النفس کی علمی اور فقہی موشگافیوں اور باریکیوں کو سنتا ہے تو اپنے آپ کو علمی اعتبار سے بہت پست قامت سمجھنے لگتا ہے اور ساری ہمہ دانی کا غرور خاک میں ملتا ہوا نظر آتا ہے۔

فقہ و افتا حضرت شارح بخاری کا اپنا وہ خصوصی میدان ہے کہ آج پورے عالم اسلام میں کسی بھی جماعت کے اندر اتنا بالغ نظر کہنہ مشق فقہی جزئیات پر، گہری نظر رکھنے والا اکثیر الفتاوی مرجع الفتاویٰ فقیہ و مفتی نہیں ہے آپ کی بارگاہ میں پوری دنیا سے سوالات آتے ہیں اور آپ کے ارشادات سے سائلین کو جیسی مکمل تسلی و تشفی حاصل ہوتی ہے ویسی کہیں بھی نہیں ہوتی۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ دنیائے اسلام کی وہ عظیم ترین عبقری شخصیت جسے

دنیا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز کے نام سے جانتی پہچانتی ہے کہ آپ جیسا علوم نقلیہ وعقلیہ کا ماہر، نابغہ روزگار، عظیم محقق اور فقیہ اسلام کئی صدی پہلے بھی پیدا نہیں ہوا انہیں کے ارشد وافقہ تلامذہ وخلفا میں سے فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان اور تاجدار اہل سنت سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں انہیں دونوں کو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے پورے ہندوستان کا قاضی اور مفتی اسلام مقرر فرمایا تھا انہیں دونوں کی بارگاہ عالیہ کے خاص فیض یافتہ حضرت شارح بخاری ہیں حضرت صدر الشریعہ کی بارگاہ میں چودہ مہینے اور سرکار مفتی اعظم ہند کی بارگاہ عالی مقام میں گیارہ سال کی طویل مدت رہ کر آپ نے فتاوی اور دیگر علوم وفنون کی مشق وممارست کی ہے اور ان دونوں بزرگوں کا اور خاص طور سے ان دونوں کے مرشد اعظم مجدد اسلام اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا حضرت شارح بخاری پر خاص فیضان کرم ہے اسی وجہ سے آپ کی تحقیقات علمیہ میں فقہ رضا کی پوری جھلک دکھائی دیتی ہے اور رد بدمذہبان وابطال باطل میں جب آپ کا اشہب قلم گامزن ہوتا ہے تو "کلک رضا ہے خنجر خوں خوار برق بار" کا دل کش نظارہ دکھائی دیتا ہے اور جب آپ کا برق بار قلم خرمن باطل پر گرتا ہے تو اسے صفحہ ہستی سے مٹاتا ہوا نظر آتا ہے۔

حضرت شارح بخاری نے بریلی شریف میں تقریبا پچیس ہزار اہم فتاوی اپنے قلم حقیقت رقم سے تحریر فرمائے ہیں جن میں سے بیس ہزار پر سرکار مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیقات موجود ہیں اور اس کے علاوہ مختلف مقامات پر فتوی نویسی کا عمل مسلسل جاری رہا اب آپ کے فتاوی کی تعداد ستر ہزار کے قریب پہونچ رہی ہے۔ انشاءاللہ العزیز آپ کے منتخب مجموعہ فتاوائے شریفیہ جو اس وقت ترتیب وتدوین کے مرحلے سے گزر رہے ہیں کئی جلدوں میں جلد ہی منظر عام پر آجائیں گے جس سے پورا عالم اسلام اکتساب فیض کرے گا۔

اور فقہ وافتا میں آپ کی اسی مہارت تامہ ژرف نگاہی، نکتہ بینی ونکتہ سنجی، کمال تفقہ، وسعت مطالعہ، کثیر جزئیات فقہ پر اطلاع یابی، اور سرعت تحریر کو دیکھ کر اپنے وقت کے اجلہ علما، نائب مفتی اعظم ہند، فقیہ اعظم ہند فقیہ النفس جیسے عظیم الشان القاب وآداب سے نوازتے ہیں اور انہیں القاب کو آپ کی شان رفیع میں لکھتے اور بولتے ہیں۔

حضرت شارح بخاری کے اوصاف وکمالات اور محاسن وخوبیاں اور نصف صدی سے زائد پر پھیلے ہوئے آپ کے عظیم الشان کارنامے جو ما قبل میں مسطور ومذکور ہوئے وہ آپ میں پائی جانے والی خوبیوں میں سے صرف چند ہیں مگر خوف طوالت اور میرا جو موضوع ہے اس کا تقاضا ہے کہ اس ذکر جمیل کو یہیں پر ختم کر کے نزہۃ القاری کا دیگر شروح بخاری سے کچھ اپنا تقابلی مطالعہ پیش کروں وما توفیقی الا باللہ۔

کچھ قمریوں کو یاد ہیں کچھ بلبلوں کو حفظ
عالم میں ٹکڑے ٹکڑے میری داستاں کے ہیں

ایک کامل شرح بخاری کے لئے کن اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے

اب ہم ذیل میں اس بات کا جائزہ لیں گے کہ ایک جامع شرح بخاری کے لئے کن صفات کا حامل اور کن خوبیوں سے متصف ہونا ضروری ہے یعنی اگر وہ خوبیاں پائی جائیں تو اس شرح کو مرتبہ کمال تک پہونچا دیں اور اگر ان صفات و خوبیوں سے وہ عاری ہو جائے تو بازیچہ اطفال ہو جائے اور جس قدر وہ اوصاف اس شرح میں پائے جائیں گے اسی قدر اس کو با کمال اور مفید اور جامع بنا دیں گے۔

ا۔ توضیح باب --- ۲۔ مقصد باب --- ۳۔ باب سابق سے مناسبت --- ۴۔ تائید باب جو کسی آیت یا حدیث سے ہوتی ہو --- ۵۔ مشکل الفاظ کی تفسیر --- ۶۔ مغلق مقامات کی تسہیل --- ۷۔ متعارض احادیث کی تطبیق --- ۸۔ تراجم ابواب میں جو دقیق معانی ہیں ان کی تبیین --- ۹۔ رجال بخاری کی جرح و تعدیل --- ۱۰۔ امام بخاری پر وارد ہونے والے اعتراضات کی تردید --- ۱۱۔ ترجمہ باب و حدیث میں تطبیق --- ۱۲۔ مسائل کا استنباط --- ۱۳۔ احادیث مختصرہ کی تکمیل --- ۱۴۔ اسماء مبھمہ کی تفسیر --- ۱۵۔ لغات کا حل --- ۱۶۔ پیچیدہ جملوں کی نحوی ترکیب --- ۱۷۔ عقائد و احکام کی تفصیل اور سب پر محققانہ بحث و تمحیص --- ۱۸۔ بیان اقوال و مذاہب --- ۱۹۔ اپنے مذہب کی تائید و ترجیح --- ۲۰۔ امام بخاری کی ذکر کردہ سند کی تصحیح یا تغلیط --- ۲۱۔ بیان سند میں اگر تسامح ہے تو اس کی تعیین و توضیح --- ۲۲۔ نقل متن میں اگر تسامح ہے تو اس کی نشاندہی و تعیین --- ۲۳۔ امام بخاری کے احادیث سے اخذ کردہ مسائل کی تحقیق و تنقیح --- ۲۴۔ راویان حدیث کی جامع تاریخ --- ۲۵۔ حدیث مذکور صحاح ستہ اور بخاری میں کہاں کہاں ہے اس کی تفصیل --- ۲۶۔ متقدمین شراح بخاری پر تطفل یا تصویب --- ۲۷۔ ہم عصر شراح نے جو تشریحات احادیث میں خطا کی ہیں ان پر تعقبات اور ان کی تغلیط۔

آپ حضرات نے ایک مختصر سی فہرست ملاحظہ فرمالی کہ ایک شرح بخاری میں کیا کیا ضروری اوصاف و خوبیاں ہونا لازمی ہیں کہ اس کے بغیر شرح کا حق ادا نہ ہوگا۔ اور اسی سے اس بات کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ

صحیح معنوں میں شارح بخاری ہونے کے لے آدمی کے اندر کس قدر علوم وفنون مثلا علم قرآن، علم حدیث، علم فقہ، علم تفسیر، علم اصول تفسیر، علم اصول حدیث، علم اصول فقہ، علم کلام، علم معانی وبیان، علم لغات، علم نحو، علم صرف، علم تاریخ، علم اماکن وبلدان، علم انساب وغیرہ پائے جانے ضروری ہیں اور جب تک ان علوم میں کمال مہارت اور مکمل عبور نہ ہوگا بخاری شریف کی شرح جس بات کی متقاضی ہے کوئی بھی شارح اس سے متعلق اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآنہ ہوگا۔

ان سب پر مستزاد توفیق الہی کی مساعدت ناگزیر ہے کہ جس سے معانی حقہ وصحیحہ اور مطالب نفیسہ وعالیہ کاالہام والقاہو کیوں کہ اس کے بغیر کوئی بھی شرح درجہ اختصاص وامتیاز کو حاصل نہیں کرسکتی اور یہ محض رحمت الہیہ ہے رب العلمین اپنے جس بندے کو چاہے اس نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمادے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خصوصیات نزہۃ القاری شرح بخاری

۱۔ نزہۃ القاری کی ابتدا میں اپنی شرح کی خصوصیت کے بیان میں شارح بخاری یوں رقم طراز ہیں:

"کتاب کو بہت طویل ہونے سے بچانے کے لئے میں نے مکرر احادیث کو صرف ایک بار لیا ہے وہ بھی جہاں میں نے مناسب جانا وہاں۔ البتہ حدیث کے مختلف الفاظ کو اکٹھا کر دیا ہے اور شرح میں تکمیل کا عنوان قائم کر کے مختلف روایتوں کے الفاظ کے ترجمے کو جمع کر دیا ہے۔"

۲۔ ابواب کو بالکل ذکر نہیں کیا ہے اس لئے کہ پھر احادیث کو مکرر لانا ضروری ہو جاتا مگر اہم ابواب پر شرح میں کلام پورا پورا اندکور ہے۔ نیز ابواب کے ذکر سے جو فائدہ تھا وہ ایک عنوان (احکام متخرجہ) قائم کر کے پورا کر دیا ہے۔

۳۔ جو حدیث جن صحابی سے مروی ہے ان کے حالات بالالتزام بیان کر دیئے ہیں کہیں کہیں بعض تابعین کا ذکر بھی آگیا ہے۔

۴۔ میں نے ہر حدیث پر نمبر لگا دیا ہے اور ہر حدیث کے اہم مضمون کو سامنے رکھ کر اس کا ایک عنوان بھی قائم کر دیا ہے۔

۵۔ حدیث بخاری شریف میں کہاں کہاں ہے، اور صحاح ستہ میں کہاں کہاں ہے اس کے حوالے حاشیے میں دے دیئے ہیں۔

یہ پانچ اہم خصوصیات اس شرح کی ہے بقیہ وہ عام باتیں جو شرح میں ہونی چاہئے ان سب کو بقدر ضرورت لانے کی کوشش کی ہے اختلافی مباحث میں میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ لہجہ تلخ و ترش نہ ہو۔ انشاءاللہ تعالی آپ یہی پائیں گے البتہ مقدمہ میں کہیں کہیں صبر کا دامن چھوٹ گیا ہے۔ اس کے لئے میں کسی سے معذرت کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ ع

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

مقدمے میں میں نے تین باتیں بالقصد اضافہ کی ہیں ایک مسامحات بخاری دوسرے امام اعظم کی مختصر سوانح حیات اور تیسری فقہ حنفی کا تعارف۔

نزہۃ القاری شرح بخاری جلد اول میں ایک بہت ہی طویل، جامع اور انتہائی مفید ترین مقدمہ ہے جو ایک سو چونسٹھ صفحات پر مشتمل ہے جس کی افادیت واہمیت سے کوئی بھی ہوش مند قاری انکار نہیں کر سکتا۔ بجائے مقدمہ کے وہ ایک مستقل کتاب ہے اگر اسے الگ سے کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے تو اس کی افادیت اور بھی بڑھ جائے گی۔ حضرت شارح بخاری نے مقدمے میں اپنا خون جگر نچوڑ کر رکھ دیا ہے۔ اجلہ علما اور ماہرین فن جب اس مقدمے کو پڑھتے ہیں تو عش عش کر اٹھتے ہیں آج تک اردو زبان کی کسی بھی شرح بخاری میں اتنا جامع، وقیع اور گراں قدر مقدمہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ ایک عاشق رسول جو احادیث کریمہ کا مطالعہ کرنا چاہتا ہو اور اپنے نہاں خانہ دل کو اس کی مشام جاں سے معطر و معنبر کرنا چاہتا ہو اور اس کے رموز واسرار اور احادیث کریمہ اور فقہ کی شرعی و دینی حیثیت سے آگاہی کا خواہش مند ہو اس کے لئے یہ مقدمہ ایک نعمت عظمی سے کم نہیں۔ غرض طلبا ہوں یا علما، محققین ہوں یا مصنفین عوام ہوں یا خواص، ہر طبقہ کے لئے یکساں مفید ہے قارئین کرام اس مقدمہ کا خود مطالعہ کر کے اپنے نور ایمان کو جلا بخشیں اور اپنے ایمانی قلوب کو اذعان وایقان کی دولت بے بہا سے سرفراز کریں۔

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

طویل مقدمہ سے فراغت کے بعد حضرت شارح بخاری نے شرح احادیث کا آغاز فرمایا ہے گزشتہ بالا سطور میں بیان ہو چکا ہے کہ ایک شرح بخاری میں کیا کیا اوصاف اور خوبیاں ہونی چاہییں۔ وہ سب بفضلہ تعالیٰ یکساں بدرجہ اتم نزہۃ القاری میں موجود ہیں۔ جگہ جگہ ورق ورق پر اس کے شواہد ملیں گے اور ہر انصاف پسند قاری اس کا برملا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے اب ہمارے معزز قارئین کرام آئیں اور اپنے ماتھے کی نگاہوں سے اس کا مشاہدہ کریں کہ بلا شبہ نزہۃ القاری اردو زبان میں فتح الباری اور عمدۃ القاری ہے اور دیگر قدیم وجدید شروح بخاری کا عطر تحقیق ہے مزید برآں اپنے زمانے کے جدید جملہ تقاضوں کو پورا کرنے والی ہے۔

اور ایک کامل شرح کے اندر جو جو خوبیاں ہونی چاہئیں وہ کس قدر نمایاں طور پر اس میں موجود ہیں نمونہ کے طور پر صرف ایک حدیث موسیٰ وخضر علیہما السلام کو پیش کر رہا ہوں۔

حدیث موسیٰ و خضر علیہما السلام

اخبرنی سعید بن جبیر قال قلت لابن عباس ان نوفا البکالی یزعم ان موسی لیس بموسی بنی اسرائیل انما هو موسی آخر فقال کذب عدو الله حدثنا ابی بن کعب عن النبی صلی الله تعالی علیه و سلم قال قام موسی النبی خطیبا فی بنی اسرائیل فسئل ای الناس اعلم فقال انا اعلم فعتب الله عز وجل علیه اذلم یرد العلم الیه فاوحی الله الیه ان عبدا من عبادی، بمجمع البحرین هو اعلم منك قال یا رب و کیف به فقیل له احمل حوتا فی مکتل فاذا فقدته فهو ثم فانطلق و انطلق معه فتاه یوشع بن نون و حملا حوتا فی مکتل حتی کان عند الصخرة وضعا رؤسهما فناما. فانسل الحوت من المکتل فاتخذ سبیله فی البحر سربا و کان لموسی وفتاه عجبا فانطلقا بقیة لیلتهما و یومهما فلما اصبح قال موسی لفتاه آتنا غدائنا لقد لقینا من سفرنا هذا نصبا و لم یجد موسی مسا من النصب حتی جاوز المکان الذی امر به فقال له فتاه أرأیت اذ اوینا الی الصخرة فانی نسیت الحوت قال موسی ذالك ما کنا نبغ فارتدا علی آثارهما قصصا فلما انتهیا الی الصخرة اذا رجل مسجی بثوب او قال تسجی بثوبه فسلم موسیٰ فقال الخضر و انی بارضك السلام فقال انا موسی فقال موسی بنی اسرائیل قال نعم قال اتبعك علی ان تعلمنی مما علمت رشدا قال انك لن تستطیع معی صبرا یا موسی انی علی علم من علم الله علمنیه لا تعلمه وانت علی علم علمکم الله لا اعلمه قال ستجدنی انت ان شاء الله صابرا و لا اعصی لك امرا فانطلقا یمشیان علی ساحل البحر لیس لهما سفینة فمرت بهما سفینة فکلموهم ان یحملوهما فعرف الخضر فحملوهما بغیر نول فجاء عصفور فوقع علی حرف السفینة فنقر نقرة او نقرتین فی البحر فقال الخضر یا موسی ما نقص علمی و علمك من علم الله الا کنقرة هذه العصفور فی البحر فعمد الخضر

الیٰ لوح من الواح السفینة فنزعه فقال موسی قوم حملونا بغیر نول عمدت الی سفینتهم فخرقتها لتغرق اهلها. قال الم اقل انك لن تستطیع معی صبرا قال لاتواخذنی بما نسیت و لا ترهقنی من امری عسرا قال فكانت الاولی من موسی نسیانا فانطلقا فاذا غلام یلعب مع الغلمان فاخذ الخضر براسه من اعلاه فاقتلع راسه بیده فقال موسی اقتلت نفسا زكیة بغیر نفس قال الم اقل لك انك لن تستطیع معی صبرا قال ابن عیینة و هذا اوكد فانطلقا حتی اذا اتیا اهل قریة استطعمااهلها فابوا ان یضیفوهما فوجد فیها جدارا یرید ان ینقض قال الخضر بیده فاقامه فقال له موسی لو شئت لاتخذت علیه اجرا قال هذافراق بینی و بینك قال النبی صلی الله تعالی علیه و سلم یرحم الله موسی لوددنا لو صبر حتی یقص علینا من امرهما.

(۱) : ایضا بخاری ایضا العلم : ذهاب موسی علیه السلام فی البحر الی الخضر و الخروج فی طلب العلم، الاجارة اذا ستأجر اجیرا علی ان یقیم حائطا شروط، الشروط مع الناس بالقول الانبیاء حدیث الخضر مع موسی علیهما السلام میں دوطریقوں سے ایضا تفسیر و اذ قال موسی لفتٰه و فلما بلغ مجمع البحرین و بینهما و فلما جاوزا قال لفتاه ایضا الایمان و النذور اذا حلف ناسیا فی الایمان، التوحید، فی المشیة والارادة، مسلم احادیث الانبیاء و الترمذی تفسیر نسائی تفسیر والعلم مسند امام احمد بن حنبل.)

(نزهة القاری ص : ۴۱۵ تا ۴۲۹)

حدیث موسیٰ و خضر علیہما السلام: سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ میں نے ابن عباس سے کہا کہ نوف بکالی یہ گمان کرتا ہے کہ جن موسیٰ نے (خضر سے ملاقات کی تھی) یہ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں تھے بلکہ کوئی اور موسیٰ تھے۔ ابن عباس نے فرمایا: اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا، ہم سے ابی ابن کعب نے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: موسیٰ نبی نے بنی اسرائیل کو خطبہ دیا۔ پوچھا گیا کہ کون سب سے زیادہ علم والا ہے۔ فرمایا میں۔ اس کہنے کی وجہ سے اللہ عزوجل نے موسیٰ پر عتاب فرمایا کہ انہوں نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے۔ اللہ نے ان کی طرف وحی کی میرے بندے میں سے ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے وہ تم سے زیادہ علم والا ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا اے رب کیسے ان سے ملاقات ہو۔ فرمایا گیا: ایک مچھلی ٹوکری میں لے لو۔ جہاں یہ غائب ہو جائے وہیں وہ ہوں گے موسیٰ چلے اور ان کے ساتھ ان کے خادم یوشع بن نون بھی چلے۔ دونوں نے ایک مچھلی

ٹوکری میں رکھ لی جب صخرہ تک پہونچے تو سر رکھا اور سو گئے۔ مچھلی ٹوکری سے نکل گئی اور دریا میں اپنی راہ لی۔ سرنگ بناتی ہوئی اور موسیٰ اور ان کے خادم کو تعجب ہوا یہاں سے اٹھ کر دونوں بقیہ دن ورات چلے جب صبح ہوئی موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا ہمارے صبح کا کھانا لاؤ اس سفر سے ہمیں تکان آگئی۔ اور موسیٰ کو تکان چھوئی بھی نہیں جب تک اس جگہ سے آگے نہ بڑھے۔ جہاں جانے کا انہیں حکم دیا گیا تھا ان کے خادم نے کہا دیکھئے جب ہم چٹان کے پاس ٹھہرے تھے اس وقت مچھلی کا واقعہ بیان کرنا بھول گیا۔ موسیٰ نے فرمایا: یہی تو ہم چاہتے تھے اس کے بعد دونوں اپنے نشان قدم پر پیچھے لوٹے پھر جب صخرہ تک پہونچے تو دیکھا ایک صاحب سر سے پاؤں تک کپڑا تانے ہوئے ہیں۔ موسیٰ نے سلام کیا تو خضر نے کہا: تمہاری زمین میں سلام کہاں سے؟ جواب دیا میں موسیٰ ہوں پوچھا بنی اسرائیل کے موسیٰ فرمایا ہاں! موسیٰ نے ان سے کہا: (اجازت ہے) کہ میں آپ کے ساتھ اس شرط پر رہوں کہ آپ مجھے ان نیک باتوں میں سے کچھ سکھادیں جو آپ کو سکھائی گئی ہیں۔ خضر نے کہا: آپ ہرگز میرے پاس نہ رہ پائیں گے مجھے اللہ نے کچھ ایسا علم عطا فرمایا ہے جسے آپ نہیں جانتے اور آپ کو اللہ نے کچھ علم عطا فرمایا جسے میں نہیں جانتا۔ موسیٰ نے کہا: انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور آپ کے کسی حکم کے خلاف نہیں کروں گا۔ اس کے بعد یہ دونوں دریا کے کنارے پیدل چلے۔ ان کے پاس کشتی نہ تھی۔ پھر ایک کشتی ان کے قریب آئی انہوں نے کشتی والوں سے بات کی کہ انہیں بھی سوار کرلیں۔ خضر کو پہچان لیا گیا کشتی والوں نے ان کو بغیر کرایہ کے سوار کرلیا۔ کہ ایک چھوٹی چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے بیٹھی اور ایک یا دو چونچ سمندر میں مارا اس پر خضر نے کہا: میرے اور تمہارے علم کی نسبت علم الٰہی کے ساتھ وہی ہے جو اس چڑیا کے چونچ کی سمندر سے ہے۔ حضرت خضر نے کشتی کا ایک تختہ نکال لیا۔ اس پر موسیٰ نے کہا: ان لوگوں نے بغیر کرایہ ہم کو کشتی پر بٹھایا آپ نے کشتی کو پھاڑ ڈالا کہ کشتی والے ڈوب جائیں۔ خضر نے کہا: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ پائیں گے۔ موسیٰ نے کہا: میری بھول پر گرفت نہ کرو اور میرے کام میں دشواری نہ ڈالو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: یہ پہلی موسیٰ کی بھول تھی اس کے بعد پھر دونوں چلے دیکھا کہ ایک بچہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ خضر نے اس کے سر کو اوپر سے پکڑا اور اکھاڑ لیا۔ اب موسیٰ نے کہا: آپ نے ایک بے گناہ کو بغیر کسی جان کے بدلے مار ڈالا۔ خضر نے کہا: میں نے آپ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ پائیں گے ابن عیینہ نے کہا: اس میں زیادہ تاکید ہے۔ اس کے بعد دونوں چلے۔ اور ایک بستی والوں کے پاس آئے اور ان سے کھانا طلب کیا ان بستی والوں نے مہمان بنانے سے انکار کر دیا اور ان لوگوں نے اس بستی میں ایک دیوار ایسی پائی جو گرا چاہتی تھی۔ خضر نے ہاتھ سے درست کر دیا۔ اس پر موسیٰ نے ان سے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے۔ خضر نے کہا: یہ میری اور آپ کی جدائی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ موسی پر رحم فرمائے ہماری خواہش ہے کہ اگر وہ صبر کرتے تو ہمیں ان کے احوال اور سننے کو ملتے۔

۱۷

صرف ایک شرح حدیث کی خوبیوں کا دل کش منظر

صاحب نزہۃ القاری نے مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں اپنے جس فکر و فن کا مظاہرہ کیا ہے اور صرف ایک حدیث کی تشریح و توضیح میں شرح کی جن خوبیوں کو یکجا اور جمع کر دیا ہے وہ قابل دید ہے اور جب ایک حدیث کی شرح میں اتنی خوبیاں ہیں جو مجھ جیسے کوتاہ علم کے نظر قاصر میں ادنیٰ توجہ سے آگئیں تو اگر اصحاب بصیرت اور ماہرین علم و فن اس شرح پر نظر عمیق ڈالیں گے تو جن حقائق و معارف اور فنی و حدیثی کمالات و محاسن کو حضرت شارح نے اپنی اس شرح میں سمو دیا ہے اس کا صحیح اندازہ لگایا جاسکے گا اور اس بحر ذخار سے کیسے کیسے گوہر آبدار نکالے جاسکتے ہیں اسی وقت کامل طور پر محسوس کیا جاسکے گا۔

نزہۃ القاری کی عظمت اور تفوق کا بخوبی اندازہ صرف اسی ایک حدیث کی شرح سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے:

حدیث مذکور میں جو درج ذیل اوصاف و کمالات اور محاسن و خوبیاں ہیں۔ اس اجتماعی شکل میں اور حسن ترتیب کے ساتھ بخاری کی دوسری شرحوں میں نہ مل سکیں گی قارئین بغور ملاحظہ فرمائیں اور حضرت شارح کو اپنی نیک دعاؤں سے نوازیں۔

خوبی نمبر ۱: حدیث مذکور بخاری اور صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث متداولہ میں کہاں کہاں ہے اگر اس کی معلومات فراہم کرنی ہے تو ہر حدیث پر جو حوالے حاشیے میں دیئے گئے ہیں انہیں ملاحظہ کریں اور حضرت شارح بخاری کے تفحص اور تجسس اور حضرت موصوف کی جانفشانی اور عرق ریزی کی داد دیں۔

خوبی نمبر ۲: حدیث کا ترجمہ کتنا رواں دواں، سلیس، بامحاورہ اور مطلب خیز ہے اس کو ہمارے جملہ

ناظرین کرام اچھی طرح محسوس کر رہے ہوں گے۔

خوبی نمبر ۳ : مشکل الفاظ کی تفسیر، لغات کا حل

مثال اول: آپ اس حدیث کی شرح میں دیکھیں۔ اس میں ایک لفظ ''خضر'' آیا ہے حضرت موصوف فرماتے ہیں کہ اس میں تین لغت ہے: خَضِر، خَضر، خِضر اس کے لغوی معنی سبزہ کے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا ان کا نام خضر اس لئے پڑا کہ یہ چکنی سفید زمین پر بیٹھے تو اس پر سبزہ اگ آیا (اس سے وجہ تسمیہ کا بیان بھی ہو گیا)۔

مثال دوم: حدیث مذکور میں قرآن کی آیت کا یہ حصہ ''فارتدا علی آثارهما قصصا'' وارد ہے اس کے متعلق شارح موصوف فرماتے ہیں: ''قص'' کے معنی دو ہیں پیچھے چلا، قصہ بیان کیا، بات چیت کی۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں: پہلا معنی ظاہر ہے یعنی دونوں اپنے نشان قدم پر پیچھے لوٹے دوسرا معنی یوں کہ وہ دونوں حضرات آپس میں بات چیت بھی کرتے تھے اسی سے یہ معلوم ہوا کہ دوران سفر آپس میں بات چیت کرنا سنت ہے اس سے سفر میں کوفت نہیں ہوتی۔

مثال سوم: جس بچہ کو حضرت خضر نے قتل کیا تھا اس کے بارے میں حدیث میں غلام وارد ہے۔ حضرت شارح بخاری نے شرح میں لکھا کہ علامہ عینی نے فرمایا کہ غلام عربی میں نابالغ بچے کو کہتے ہیں۔ یہ دلیل ہے کہ یہ بچہ ابھی نابالغ تھا اور یہی حضرت ابن عباس کا بھی قول ہے۔

خوبی نمبر ۴: اسمائے مبہمہ کی تفسیر اور رجال بخاری کی جرح و تعدیل راویان حدیث اور حدیث میں مذکور ہونے والے اصحاب کی مختصر جامع تاریخ:

اس حدیث میں حر بن قیس، نوف بکالی، ابی ابن کعب، موسیٰ علیہ السلام بني اسرائیل، یوشع بن نون، خضر مجمع البحرین اور اہل قریہ وغیرہ الفاظ و اسما وارد ہیں ان اسمائے مبہمہ کی توضیح و تفسیر کرتے ہوئے حضرت موصوف نے لکھا:

حر بن قیس: رضی اللہ عنہ بني فزارہ کے فرد اور عیینہ بن حصین کے بھتیجے ہیں ان کے قبیلہ کا جو وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا اس کے ایک رکن یہ بھی تھے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہم نشینوں میں سے تھے۔

نوف بکالی بن فضالہ: یہ تابعی تھے ان کی کنیت ابو رشید ہے عالم ''فاضل'' اہل دمشق کے مقتدا اور قاضی

تھے۔

ابی بن کعب: رضی اللہ تعالی عنہ مشہور انصاری صحابی ہیں بیعت عقبی اور بدر میں شرکت کی سعادت حاصل کی اور اس امت کے سب سے بڑے قاری ہیں ان کا خطاب ''اقرأ هذه الامة'' ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کو سید المسلمین کہا کرتے تھے۔ ۱۹ھ یا ۲۰ھ یا ۳۰ھ میں مدینہ شریف میں وصال فرمایا ان سے ایک سو چونسٹھ احادیث مروی ہیں تین متفق علیہ چار افراد بخاری سے اور سات افراد مسلم سے ہیں۔

موسی علیہ السلام: موسی ابن عمران کلیم اللہ علیہ الصلوۃ والسلام حضرت یعقوب کے صاحب زادے لاوی کی نسل سے ہیں ان کے والد عمران نے ایک سو ستائیس سال کی عمر پائی جب ان کی عمر ستر سال کی ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی حضرت موسی نے میدان تیہ میں ایک سو ساٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا ان کا وصال طوفان نوح کے ایک ہزار چھ سو بیس سال کے بعد ہوا انہوں نے جس فرعون کو ہلاک کیا تھا اس کا نام ولید بن مصعب بن ریان بن اراشہ تھا اسے چار سو سال کی عمر ملی۔

بنی اسرائیل: حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام اسرائیل ہے ان کے بارہ بیٹے تھے یوسف علیہ السلام، بنیامین، دانی، بقتالی، زانلون، جاد، یستاخراشیر، روبیل، یہوذا، شمعون، لاوی ان کو اسباط بھی کہتے ہیں۔

یوشع بن نون: یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں ہیں یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم خاص اور ان کے صحابی و تلمیذ تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے چالیس سال بعد ان کو نبوت عطا ہوئی اور انہوں نے ہی بیت المقدس فتح فرما کر جبارین کا قلع قمع کیا تھا ان کو ایک سو سولہ سال کی عمر عطا ہوئی وصال کے بعد جبل ابراہیم میں دفن ہوئے۔

خضر: ان کی کنیت ابو العباس ہے نام کے بارے میں اختلاف ہے وہب بن منبہ نے کہا کہ بلیا ہے کسی نے ابلیا کہا کسی نے ارمیا کہا کسی نے کہا الیسع ہے کسی نے خضرون کہا ان کا نسب کیا ہے اس میں شدید اختلاف ہے۔

شارح بخاری نے سب کو ذکر فرمایا ہے ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم کے بلاواسطہ صاحبزادہ ہیں ایک قول یہ ہے قابیل کی اولاد میں سے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

پھر یہ اختلاف ہے کہ یہ نبی تھے کہ صرف ولی۔ نبی تھے تو صرف نبی تھے یا نبی مرسل۔ صحیح یہ ہے کہ نبی تھے

اس پر دلیل ان کا یہ ارشاد ہے "مافعلتہ عن امری" اس بچے کا قتل میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ تو لا محالہ ماننا پڑے گا کہ انہیں اسے مار ڈالنے کا حکم بذریعہ وحی ہوا تھا اس لئے وہ واجب الاتباع تھا۔ اگر ولی ہوتے تو اس قول کی تاویل یہ ہوتی کہ انہیں الہام ہوا تھا۔ اور کسی ولی کو یہ جائز نہیں کہ اسے اگر کسی کے قتل کرنے کا الہام ہوا تو اسے مار ڈالے۔ اور وحی نبی پر آتی ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پاگئے۔ امام بخاری اور کچھ محدثین کا مذہب یہ ہے کہ وہ وفات پاچکے۔ مگر جمہور علما اور جمیع اولیا کی تحقیق یہ ہے کہ وہ اب بھی زندہ ہیں اور دجال کے بعد جب ایمان اٹھ جائے گا اس وقت وصال فرمائیں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ان کی ملاقات ثابت ہے۔ اولیا کرام کے یہاں تو متواتر ہے۔ کعب احبار نے کہا چار نبی زندہ ہیں اور زمین والوں کے لئے امان ہیں دو زمین میں خضر اور الیاس دو آسمان میں ادریس اور عیسی علیہم الصلوٰۃ والتسلیم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس ہر سال حج میں شریک ہوتے ہیں اور احرام سے باہر آنے کے لئے ایک دوسرے کا بال اتارتے ہیں۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خضر جیسے مخفی ہیں ان کے احوال بھی مخفی ہیں الا ماشاء اللہ،

مجمع البحرین: یہ مجمع البحرین دو سمندروں کا سنگم کون ہے؟ اس میں شراح حدیث و مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ جانب شرق روم اور فارس کے سمندروں کا سنگم۔ ابی ابن کعب سے ثعلبی نے حکایت کی کہ یہ افریقہ میں ہے اور ایک قول یہ ہے "طنجہ" مراد ہے کچھ لوگوں نے کہا کہ دریائے اردن اور قلزم کا سنگم مراد ہے اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔ واللہ تعالی اعلم۔

اہل قریہ: میں قریہ سے کون سی قریہ مراد ہے اس کی وضاحت فرماتے ہوئے شارح بخاری فرماتے ہیں:

"یہ بستی انطاکیہ تھی جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا ہے یہاں یہ حضرات سورج ڈوبنے کے بعد پہونچے قریب میں کوئی ایسی بستی نہ تھی اور جاڑے کی رات تھی ان حضرات نے اس دیوار کے پیچھے جا کر قیام کیا یہ دیوار اتنی جھکی تھی کہ بستی والے اس سے بچ کر چلتے تھے حضرت خضر نے جب دیکھا کہ دیوار خطرناک ہے تو اسے سیدھی کر دیا عام روایتوں میں یہی ہے کہ ہاتھ سے سیدھی کر دی ایک روایت یہ ہے کہ ستون لگا کر سیدھی کر دی۔"

حضرات قارئین کرام تکمیل حدیث کا بھی نظارہ کرتے چلیں کہ جس تکمیل کی وجہ سے بہت سارے شبہات کا ازالہ بھی ہو جائے گا اور حدیث میں مذکور قصے اور واقعے کی پوری تفصیل بھی نگاہوں کے سامنے آجائے گی۔

حضرت شارح بخاری تکمیل کا عنوان قائم کرکے رقم طراز ہیں:

خوبی نمبر ۵: تکمیل: اس کے بعد ہے حضرت خضر نے حضرت موسی علیہ السلام کو بتایا کہ کشتی میں نے اس لئے توڑی کہ کشتی والے غریب تھے ان کا ذریعہ معاش بھی یہی کشتی تھی واپسی میں ایک ایسے ظالم بادشاہ پر جس کا نام نجاری۔ کتاب التفسیر ص:۶۸۹ میں بدو بن بدو بتایا اور ایک قول یہ ہے کہ جلندی تھا ان کا گزر ہوتا جو ہر صحیح وسلامت کشتی کو چھین لیتا تھا اور عیب دار کو چھوڑ دیتا تھا میں نے عیب دار کردی کہ یہ کشتی ان غریبوں کے پاس رہے۔

چنانچہ واپسی میں جب یہ کشتی اس ظالم کی حدود میں داخل ہوئی تو اس نے آکر کشتی دیکھی ٹوٹی دیکھ کر چھوڑ دیا اس کے بعد ان لوگوں نے تختہ فٹ کرلیا یہ ظالم اندلس میں رہتا تھا مقتول بچے کا معاملہ یہ تھا کہ اس کی سرشت میں کفر تھا اور اس کے ماں باپ مومن تھے اس کا اندیشہ تھا کہ کہیں اس کافر بچے کی محبت میں وہ بھی کافر نہ ہوجائیں میں نے اسے مار ڈالا تاکہ ماں باپ اس کی وجہ سے کافر نہ ہوں۔ قرآن مجید میں ہے کہ ہم نے یہ چاہا اللہ عزوجل اس کے عوض ان لوگوں کو کوئی نیک اور لائق اولاد عطا فرمائے۔

بخاری تفسیر میں ہے کہ اس کے عوض انہیں لڑکی عطا ہوئی "جمل" میں ہے کہ ان کا نکاح ایک نبی سے ہوا جن سے نبی پیدا ہوئے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شمعون کی نسل سے ہیں ایک روایت میں ہے کہ ستر انبیا ان کی نسل سے ہوئے حضرت خضر نے اس مقتول کا کاندھا چیر کر دل نکال کر دکھایا اس پر لکھا تھا کافر ہے۔ کبھی ایمان قبول نہ کرے گا۔ اور دیوار دو یتیم بچوں کی تھی اس کے نیچے خزانہ مدفون تھا اگر دیوار ابھی گر پڑتی تو گاؤں والے سب خزانہ لے لیتے اور یہ بچے محروم رہ جاتے ان کی ساتویں پشت میں ان کے دادا کا شخ نیک صالح شخص تھے ان کی برکت سے اللہ کو یہ منظور ہوا کہ یہ خزانہ انہیں بچوں کو ملے اس وقت میں نے دیوار درست کردی تاکہ یہ بڑے ہوکر اس خزانہ کو حاصل کرلیں۔ (سورہ کہف وتفسیرات)

خوبی نمبر ۶: متعارض احادیث کی تطبیق اور مغلق، مقامات کی تسہیل کا جلوہ اگر دیکھنا ہو تو اسی حدیث مذکور کی شرح کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں۔

۱۔ کتاب التفسیر میں یہ ہے کہ سعید بن جبیر اور نوف بکالی میں اختلاف ہوا کہ جن موسیٰ نے حضرت خضر سے ملاقات کی تھی یہ موسیٰ کلیم اللہ نہیں بلکہ دوسرے موسی یعنی موسیٰ بن یوسف علیہ

السلام ہیں۔ جو حضرت موسیٰ کلیم اللہ سے پہلے نبی ہوئے ہیں۔ اہل کتاب کا یہی خیال ہے۔

اور اسی کتاب العلم میں پہلے دو جگہ اور آگے بھی مذکور ہے کہ اختلاف حضرت ابن عباس اور حر بن قیس میں ہوا وہ بھی یہ کہ موسیٰ کلیم اللہ جن سے ملاقات کے لئے گئے تھے وہ خضر تھے یا کوئی اور صاحب۔

تطبیق یہ ہے کہ یہ دو واقعے ہیں۔ پہلا اختلاف ابن عباس اور حر بن قیس میں ہوا کہ حضرت موسیٰ جن سے ملنے گئے تھے وہ خضر تھے یا کوئی اور۔ یہ اختلاف دو صحابی کا تھا اتفاق سے حضرت ابی بن کعب کا گزر ہوا ان سے دریافت فرمایا انہوں نے مذکورہ حدیث بیان فرمائی دوسرا اختلاف یہ ہے کہ یہ کون موسیٰ تھے سعید بن جبیر اور نوف بکالی میں ہوا یہ دونوں تابعی تھے۔ سعید بن جبیر کے دریافت کرنے پر حضرت ابن عباس نے حضرت ابی بن کعب سے سنی ہوئی حدیث بیان فرمادی۔

خوبی نمبر ۷: امام بخاری کے نقل متن میں تسامح کی نشاندہی اور تعیین اگر دیکھنی ہو تو اسی حدیث کی شرح کا یہ حصہ قابل مطالعہ ہے۔

یہاں "یومہا" موخر ہے۔ اس میں الٹ پلٹ ہو گیا ہے صحیح یہ ہے کہ بقیہ دن اور رات چلے اس پر قرینہ یہ ہے کہ آگے فرمایا جب صبح ہوئی اور صبح رات کے بعد ہوتی ہے۔ نیز تفسیر کی ایک روایت میں " بقية يومها و ليلتها "ہی ہے۔

خوبی نمبر ۸: اعتراض وایراد کو دفع کرنے کا دل کش نظارہ اگر مقصود ہو تو اسی حدیث کی شرح کی یہ عبارت دیکھنی ہوگی۔

شہادت :

اس حدیث کے متن میں حضرت ابن عباس کا یہ ارشاد "فقال كذب عدو الله "یعنی حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے۔ نوف بکالی تابعی تھے اور اہل دمشق کے قاضی و امام تھے۔ آخر ان کو حضرت ابن عباس نے اللہ کا دشمن کیوں کہا اس اعتراض کو دفع کرتے ہوئے حضرت موصوف تحریر کرتے ہیں کہ نوف بکالی کو حضرت ابن عباس کا اللہ کا دشمن کہنا حقیقی معنی میں نہیں شدت ظاہر کرنے کے لئے زجرا حالت غضب میں فرمادیا اور کسی غلط بات کو سن کر حق پرست علما کو جلال آہی جاتا ہے لیکن علامہ ابن حجر نے فرمایا ہو سکتا ہے حضرت ابن عباس کو نوف کے مسلمان ہونے میں کچھ شبہ رہا ہو اس پر قرینہ یہ ہے کہ حر بن قیس رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کا قول بھی صحیح نہیں تھا مگر ان کو کچھ نہیں کہا۔

شہادت: اور اسی حدیث کے متن پر دوسرا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ حدیث میں ہے: "قام موسیٰ النبی خطیبا فی بنی اسرائیل فسئل ای الناس اعلم فقال انا اعلم فعتب اللہ عز و جل علیه اذ لم یرد العلم الیه" ترجمہ: موسیٰ نبی نے بنی اسرائیل کو خطبہ دیا۔ پوچھا گیا کون سب سے زیادہ علم والا ہے فرمایا: میں اس کہنے کی وجہ سے اللہ عزوجل نے موسیٰ پر عتاب فرمایا کہ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے۔

اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے سائل نے یہ پوچھا تھا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے تو آپ نے فرمایا (انا اعلم) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ جتنے اہل علم کو میں جانتا ہوں ان سب سے اعلم میں ہی ہوں اس اعتبار سے یہ فرمانا غلط نہ تھا بلکہ عندالتحقیق واقع کے اعتبار سے بھی صحیح تھا۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر عتاب کیوں کر فرمایا جب کہ حضرت موسیٰ کی بات نفس الامر کے اعتبار سے صحیح تھی متن حدیث پر وارد ہونے والے اس اعتراض کو دفع کرتے ہوئے حضرت شارح بخاری ارشاد فرماتے ہیں:

"فی الواقع حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر سے بدرجہا اعلم تھے، لیکن اس جواب میں خود بینی و خود نمائی کی بو تھی جو ان کے شایان شان نہ تھی اس جواب میں یہ فرمانا زیادہ انسب تھا کہ اللہ اعلم یا کم از کم یہ فرماتے: "انا اعلم واللہ اعلم" اس بنا پر عتاب ہوا جیسا کہ دوسری روایت میں تصریح ہے۔ "اعجب موسی بعلمه فعاتبه بما لقی الخضر" ترجمہ: موسیٰ کو اپنے علم پر عجب ہوا اس لئے ان پر عتاب ہوا اور خضر کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا اور حقیقت میں یہ ان کی امت کی تعلیم کے لئے تھا۔ کہ وہ عجب میں مبتلا نہ ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ادب یہ ہے کہ عالم جو بات بیان کرے اس کے بعد یہ کہے واللہ تعالیٰ اعلم اسی کے مطابق مفتیان کرام اپنے فتووں کے بعد واللہ تعالیٰ اعلم لکھتے ہیں۔

ماشاء اللہ نزہۃ القاری کے مطالعہ کی برکت سے حضرات مفتیان کرام جو اپنے فتاوی کے آخر میں واللہ تعالیٰ اعلم لکھتے ہیں اس کی تاریخی اور شرعی حیثیت معلوم ہوگئی اور نیز واضح ہو گیا کہ مفتیان کرام ایسی سنت پر کاربند ہیں جس کی تعلیم اللہ عزوجل نے اپنے ایک برگزیدہ رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی۔

شہادت: متن حدیث پر وارد ہونے والے اعتراض کو دفع کرتے ہوئے حضرت موصوف

فرماتے ہیں:

”حدیث میں یہ تھا: ”فجاء عصفور فوقع علی حرف السفینة فنقر نقرة او نقرتین فی البحر فقال الخضر یا موسیٰ ما نقص علمی و علمك من علم الله الا كنقرة هذه العصفور فی البحر“ ترجمہ: ایک چھوٹی چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے بیٹھی اور ایک یا دو چونچ سمندر میں مارا اس پر خضر نے کہا: میرے اور تمہارے علم کی نسبت علم الٰہی کے ساتھ وہی ہے جو اس چڑیا کے ایک چونچ کی سمندر سے ہے۔“

حضرت شارح بخاری نے اس مقام پر وارد ہونے والے ایک قوی شبہ واشکال اور اس کے جواب کو کس دل نشیں انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

”یہاں لفظ 'نقص' وارد ہے جس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا: میرے، اور تمہارے علم نے باری تعالیٰ کے علم میں اتنی ہی کمی کی جتنی اس چڑیا کے ایک مرتبہ چونچ میں پانی لینے سے کمی ہوگی اس پر شبہ وارد ہوتا ہے کہ چڑیا کے ایک بار چونچ میں پانی لینے سے واقعی سمندر کے پانی میں کمی ہوتی ہے مگر حضرت موسیٰ اور خضر ہی کیا سارے جہاں کے لوگوں کے علوم نے باری تعالیٰ کے خزانہ علم میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ ایک چونچ پانی لے لینے سے سمندر کے پانی میں کمی ہوتی ہے مگر عرف میں یہی کہا جاتا ہے کہ کچھ بھی کمی نہیں ہوئی یہاں اس جملے کا یہی عرفی معنی مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جیسے یہاں کوئی کمی نہیں ہوئی اسی طرح مخلوقات کے علوم نے علم باری میں کوئی کمی نہیں کی یا یہ کہ مشاہدے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس ایک چونچ پانی سے سمندر میں کوئی کمی نہیں ہوتی اسی طرح حقیقت میں ہمارے علوم سے علم باری میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔“

کتاب التفسیر میں یوں ہے کہ ہمارا اور تمہارا علم باری تعالیٰ کے علم کے پہلو میں ایسے ہی ہے جیسے اس چڑیا کا ایک چونچ پانی سمندر کے سامنے۔

اس پر بھی شبہ ہوتا ہے کہ سمندر کا پانی کتنا ہی کثیر ہو مگر متناہی ہے اور ایک چونچ پانی کو سمندر سے جو نسبت ہے وہ متناہی کی متناہی سے ہے اور علم باری عزاسمہ غیر متناہی ہے اور جملہ مخلوقات حتیٰ کہ ان دونوں حضرات کے بھی علوم خواہ کتنے ہی کثیر ہوں۔ متناہی ہیں اور متناہی کی غیر متناہی سے کوئی نسبت نہیں۔

اس کا بھی وہی جواب ہے کہ یہ صرف سمجھانے کے لئے ہے مشاہدے کے اعتبار سے اہل عرف یہی جانتے ہیں کہ سمندر کا پانی بے حد و بے حساب ہے جو غیر متناہی کی ایک تعبیر ہے بتانا یہ ہے کہ جیسے ایک قطرہ آب سمندر کے بے حد و بے حساب پانی کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا اسی طرح مخلوقات کے علوم کی باری تعالیٰ کے علوم غیر متناہیہ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔

خوبی نمبر ۹: بخاری اور دیگر کتب حدیث کی روایتوں میں جو تخالف و تعارض ہے اس میں تطبیق اور ترجیح دیکھنی ہو تو حضرت شارح بخاری کے اسی حدیث کی شرح کا یہ پیراگراف ملاحظہ فرمائیں:

''مسلم شریف میں ہے کہ لوٹ کر اس چٹان کے پاس آئے۔ حضرت یوشع نے بتایا کہ یہاں مچھلی غائب ہوئی تھی۔''

''بخاری تفسیر میں ہے کہ دونوں نے مچھلی کے غائب ہونے کی جگہ کو دیکھا کہ طاق کے مثل ہے۔ پھر دیکھا کہ ایک صاحب بیچوں بیچ سمندر میں پانی کے اوپر ایک سبز فرش پر اس طرح کپڑا اوڑھے ہیں کہ چادر کا ایک کنارہ سر کے نیچے اور دوسرا پاؤں کے تلے ہے مسلم میں ہے کہ چت سوئے ہوئے تھے ابن حاتم کی ایک روایت میں ہے کہ اون کا جبہ پہنے تھے اون ہی کا کمبل تھا۔ ان کے ساتھ ان کا عصا تھا جس پر ان کا کھانا بندھا ہوا تھا ابن ابی حاتم کی روایت یوں ہے کہ یہ دونوں اس سوراخ میں تشریف لے گئے جو مچھلی بناتی گئی تھی۔ پانی جم کر سخت ہو گیا تھا۔ اندر جزیرہ البحر میں پہلے پہونچے تو دیکھا کہ حضرت خضر سبز فرش پر کھڑے بیچوں بیچ سمندر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

''بخاری کی ان روایات اور ابن ابی حاتم کی روایت میں تخالف نہیں یہ ہو سکتا ہے کہ بخاری کی روایت میں اختصار ہو اور مراد یہی ہو کہ اس سرنگ کے اندر گئے تو حضرت خضر کو دیکھا البتہ اخیر حصے میں ضرور تعارض ہے، اور عند التعارض یہاں ترجیح بخاری ہی کی روایت کو ہو گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

خوبی نمبر ۱۰: بخاری کی متعدد روایتوں میں جو تعارض و تخالف ہے اس میں شاندار قریب الفہم تطبیق و توجیہ جس سے جملہ خلجان دور ہو جائے اور صحیح حقیقت حال کھل کر سامنے آجائے اس کا دل کش جلوہ اگر دیکھنا ہو تو اسی حدیث کی شرح کا یہ پیراگراف قابل توجہ ہے۔ ملاحظہ ہو:

"تفسیر میں ہے کہ جب ایک چٹان کے پاس پہونچے جس کے نیچے زمین تر تھی۔ حضرت موسیٰ اس چٹان کے سائے میں سوگئے۔ اسی میں دوسری روایت ہے کہ اس چٹان کے نیچے آب حیات کا چشمہ تھا۔ اس کا پانی جس مردہ پر پڑتا زندہ ہو جاتا۔ کسی طرح مچھلی پر اس کا پانی پڑ گیا مچھلی زندہ ہو گئی اور تڑپ کر سمندر میں چلی گئی اور سمندر میں جہاں ڈوبی وہاں گول سرنگ بن گیا حضرت یوشع یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ مگر حضرت موسیٰ کو جگایا نہیں۔ سوچا جب بیدار ہوں گے تو بتادوں گا مگر جب حضرت موسیٰ بیدار ہوئے تو انہیں یاد نہ رہا یہاں یہ ہے کہ دونوں سوگئے اور تفسیر کی دو روایتوں میں ہے کہ صرف حضرت موسیٰ سوئے۔ اور حضرت یوشع جاگ رہے تھے۔ اور مچھلی کے زندہ ہو کر دریا میں جانے کو دیکھ رہے تھے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ پہلے حضرت یوشع کچھ دیر سوئے ہوں یہ بیدار ہوئے تو حضرت موسیٰ سوئے۔ یا یہ کہ تغلیبا فرمایا گیا جیسا کہ آیت کریمہ: یخرج منهما اللؤ لؤ والمرجان۔ حالانکہ موتی اور مرجان صرف کھاری سمندر سے نکلتے ہیں جیسا کہ بعد میں فرمایا گیا کہ دونوں بھول گئے۔ حالانکہ صرف حضرت یوشع بھولے تھے۔ نسیا حوتہما کی ایک تاویل یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ بیداری کے بعد مچھلی کا حال دریافت کرنا بھولے اور حضرت یوشع بتانا بھولے۔"

خوبی نمبر ۱۱ : حدیث میں مذکور واقعہ کے مقصد کی تحقیق کہ آخر یہ واقعہ کیوں کر پیش آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کیوں حضرت خضر علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا اور اس پر وارد ہونے والے شبہات کا ازالہ اور حضرت شارح بخاری کی اپنی ذاتی تحقیق اور متقدمین شراح بخاری کے اوپر تطفل کے نظارے کے لئے اسی حدیث مذکور کا یہ اقتباس پیش خدمت ہے:

"یہاں شبہ وارد ہوتا ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت خضر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اعلم ہیں حالانکہ یہ محقق ہے کہ نبی کا اپنے اہل زمانہ سے اعلم ہونا ضروری ہے اس کا ایک جواب زمخشری نے دیا کہ چونکہ صحیح یہ ہے کہ حضرت خضر نبی ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک نبی دوسرے نبی سے تعلیم حاصل کرے اس کا مفاد یہ نکلا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ حضرت خضر حضرت موسیٰ سے اعلم ہوں۔ اس لئے کہ دونوں نبی ہیں۔ اس پر علامہ ابن حجر نے یہ اعتراض کیا: یہ تو تسلیم کر لینا ہی ہوا کہ حضرت خضر حضرت موسیٰ سے اعلم ہیں۔ حالانکہ یہی اصل اعتراض ہے پھر خود

ہی جواب ارشاد فرمایا کہ حضرت خضر کی اعلمیت مخصوص چیزوں کے اعتبار سے ہے پھر بعد میں تحریر فرمایا کہ حضرت خضر کو نبی مرسل مانیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اعلم ہوں یعنی مطلقاً اور اگر ان کو صرف نبی ولی مانیں تو وہی مخصوص اعلمیت مراد ہے، علامہ ابن حجر نے ابتداء اعلم ہونے کو خاص کیا پھر تفصیل کی کہ اگر حضرت خضر نبی مرسل ہیں تو اعلم یہاں اپنے حقیقی معنی میں ہے اور اگر حضرت خضر کو صرف نبی یا ولی مانیں تو خاص باتوں کے اعتبار سے اعلم ہونا مراد ہے۔"

علامہ عینی نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ وظائف نبوت اور امور شریعت کے اعتبار سے مطلقاً اعلم ہیں، اور حضرت خضر دوسری چند مخصوص چیزوں (یعنی امور غیب وحوادث وقدم) کے اعتبار سے اعلم ہیں۔

لیکن ہر ذی علم جانتا ہے کہ جو شخص علوم کثیرہ وہ بھی وظائف نبوت اور احکام شریعت کے اعتبار سے اعلم ہو اس کے مقابلے میں ایسے شخص کو جو چند ایسی مخصوص باتیں جانتا ہو جن پر پہلا شخص مطلع نہیں، اعلم کہنا درست نہیں۔ اس لئے خادم کے خیال میں صحیح توجیہ یہ ہے کہ یہ موقع چونکہ عتاب وتنبیہ وتادیب کا ہے، اور تنبیہ وتادیب کے موقع پر جو عتابیہ کلمات بولے جاتے ہیں۔ ان سے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتا ہے، صرف تنبیہ وتادیب مقصود ہوتی ہے مثلاً ایک استاذ اپنے سب سے زیادہ لائق وفائق تلمیذ کو ناراضگی کی حالت میں تادیباً کہے تم کو کچھ نہیں آتا اس سے کمتر درجہ کے تلمیذ کو کہے کہ تم سے زیادہ لائق تو یہ ہے۔ اسلوب بیان کا ماہر جانتا ہے کہ مراد یہاں حقیقی معنی نہیں صرف اظہار عتاب ہے اسی طرح۔ یہاں بھی عتاب کے موقع پر اس "اعلم" کے حقیقی معنی مراد نہیں جیسا کہ انھیں حضرات نے "کذب عدو اللہ" کی توجیہ میں فرمایا۔ اس لئے اس سے حضرت خضر کی اعلمیت پر استدلال درست نہیں، اس میں علماء وارباب کمال کو یہ تلقین کرنا ہے کہ اپنے علم وفضل پر گھمنڈ نہ کریں، اترائیں نہیں تواضع وفروتنی کرتے رہیں۔"

خوبی نمبر ۱۲: نحوی توضیح وتشریح اور ضمیر ومرجع میں تعارض وتوافق کا دلکش منظر دیکھنا ہو تو اس حدیث کا ایک ٹکڑا ملاحظہ فرمائیں:

فانطلقا یمشان علی ساحل البحر لیس لهما سفینة فمرت بهما سفینة فکلموهم ان

یحملوھما فعرف الخضر فحملوھما بغیر نول.

ترجمہ: پس یہ دونوں دریا کے کنارے پیدل چلے، ان کے پاس کشتی نہ تھی، پھر ایک کشتی ان کے قریب آئی، انھوں نے کشتی والوں سے بات کی، کہ انھیں بھی سوار کرلیں، خضر کو پہچان لیا گیا کشتی والوں نے ان کو بغیر کرایہ کے سوار کرلیا۔

پہلے فرمایا، یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت خضر چلے، اس سے وہم ہوتا ہے، کہ حضرت یوشع ان کے ہمراہ نہ تھے، لیکن یہاں "فکلموہم" جمع کا صیغہ ہے، اس سے ثابت ہے کہ تین آدمی تھے اور تیسرے سوائے حضرت یوشع کے اور کوئی نہیں اور پہلے تثنیہ کا صیغہ اس لئے استعمال فرمایا کہ حضرت یوشع کی حیثیت خادم اور تابع کی تھی۔

خوبی نمبر ۱۳: حدیث میں دقیق معانی کی وضاحت اور تبیین دیکھنی ہو تو اسی شرح حدیث کا یہ ٹکڑا قابل دید ہے، حضرت خضر نے حضرت موسیٰ سے پوچھا کہ آپ کس لئے تشریف لائے تو حضرت موسیٰ نے فرمایا اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے ایسی باتوں سے کچھ کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہیں اس پر حضرت خضر نے عرض کیا کیا آپ کے لئے یہ کافی نہیں کہ توریت آپ کے پاس ہے۔ آپ کے پاس وحی آتی ہے اے موسیٰ میرے پاس کچھ ایسے علوم ہیں کہ ان سب کا جاننا آپ کے لائق نہیں اور آپ کے پاس کچھ ایسے علوم ہیں جن سب کا جاننا میرے لائق نہیں۔

اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت خضر کو حکم تھا کہ وہ باطنی احوال کے مطابق عمل فرمائیں اور حضرت موسیٰ کو نہ ان تمام جزئی باتوں کا علم تھا نہ وہ باطنی احوال کے مطابق عمل کے مامور تھے۔ حضرت خضر کا منشا یہ تھا کہ میں باطنی احوال کے مطابق عمل کروں گا جنھیں آپ بظاہر خلاف شرع پائیں گے اور چونکہ آپ نبی مرسل ہیں اس لئے مجھے روکیں گے، مجھ پر اعتراض فرمائیں گے، صبر نہ کرنے سے یہی مراد ہے کہ آپ مجھے ضرور ٹوکیں گے۔

خوبی نمبر ۱۴: معنی مراد میں جو ابہام و اغلاق ہے، اس کی عقدہ کشائی شارح بخاری کچھ اس طرح فرمارہے ہیں، حدیث میں ہے "قال الخضر بیدہٖ فاقامہ" خضر نے ہاتھ سے درست کردیا۔

یہاں قال بیدہٖ" ہے یہاں "قال" معنی میں اشارہ کے ہے دوسر روایت میں "فمسحہ بیدہٖ" اس پر اپنا ہاتھ پھیرا ہم نے ان دونوں روایتوں کو نظر میں رکھتے ہوئے ترجمہ یہ کیا ہاتھ سے سیدھی کردی۔

خوبی نمبر ۱۵ : علم معانی کا بیان دیکھنا ہو تو اسی حدیث کے شرح کا یہ حصہ قابل مطالعہ ہے۔

مثال اول: حدیث میں ہے کہ حضرت خضر نے فرمایا: **وانیٰ بارضك السلام** تمہاری (اس) زمین میں سلام کہاں سے حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی فرماتے ہیں۔

انیّ، کیف، این، متی، حیث کے معنی میں آتا ہے۔

یہاں کیف، اور این کے معنی میں ہے اگر کیف کے معنی میں لیا جائے تو اظہار تعجب کے لئے ہے۔ معنی یہ ہوئے اس زمین میں سلام کیسے؟ یہ اس بنا پر کہ وہ علاقہ کفار کا تھا۔ وہ سلام جانتے ہی نہ تھے، یا اس علاقے میں ملاقات کے وقت لفظ سلام کے علاوہ اور کسی لفظ سے تحیت رائج تھی۔۔ اور اگر این کے معنی میں لیا جائے تو سوالیہ جملہ ہوگا یعنی تم نے سلام کیسے جانا؟ وہ جگہ ویران تھی کوئی باشندہ نہ ہوگا، اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت خضر نے حضرت موسیٰ کو نہیں پہچانا ورنہ یہ تعجب نہ ہوتا اور سوال نہ کرتے اس لئے کہ وہ غائبانہ واقف تھے جیسا کہ آگے کے جملے سے ظاہر ہے کہ اس جواب میں حضرت موسیٰ نے فرمایا: میں موسیٰ ہوں تو انھوں نے پوچھا بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ فرمایا: ہاں!

مثال ثانی: **قال الم اقل لك قال ابن عيينه وهذا اوكدانك لن تستطيع معى صبراً**۔ اس پر حضرت شارح بخاری فرمارہے ہیں اس میں تاکید کی زیادتی "لک" کے اضافے سے پیدا ہوئی ہے۔

خوبی نمبر ۱۶ : تعدد اقوال کے بیان کی جھلک اور اس میں حسن تطبیق اور حدیث مذکور میں وارد واقعے کی ایسی تفصیل و توضیح دیکھنی ہو جس سے واقعے کی جملہ تفصیلات نگاہوں کے سامنے آجائیں تو درج ذیل اقتباسات پڑھیں۔

اقتباس نمبر ۱ : کتاب التفسیر وغیرہ میں ہے کہ بسولہ یا کلہاڑی سے کاٹ کا تختہ اکھاڑ دیا اور اس میں کیل ٹھوک دی، ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس میں کپڑا ابھر دیا اور ایک کونے میں تشریف لے گئے اور سوچنے لگے اس شخص کے ساتھ رہ کے کیا بنالوں گا بنی اسرائیل میں تھا۔ انھیں صبح و شام اللہ کی کتاب سناتا تھا اور جو حکم دیتا تھا، مان لیتے تھے۔ حضرت خضر نے کہا آپ کے جی میں کیا ہے کہئے تو بتادوں۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا بتادو۔ حضرت خضر نے سب کچھ بتادیا۔

اقتباس نمبر ۲: کشتی سے اتر کر یہ لوگ سمندر کے ساحل پر جا رہے تھے تو دیکھا دس بچے کھیل رہے ہیں، ان میں جو سب سے زیادہ خوبصورت و ذہین تھا، اسے حضرت خضر نے پکڑا اور مار ڈالا، اس کا نام اسی بخاری تفسیر میں جیسور بتایا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جیسون تھا، مار ڈالنے کی کیفیت میں مختلف روایتیں ہیں، یہاں ہے کہ اس کے سر کو اکھاڑ لیا، دوسری روایت میں ہے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا، جیسے میوے توڑے جاتے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ لیٹا کر چھری سے ذبح کر ڈالا اور ایک روایت میں ہے کہ ایک بڑا پتھر لے کر اس کے سر پر دے مارا ایک روایت میں یہ ہے کہ اس کا سر دیوار پر دے مارا، ان سب میں تطبیق یہ ہے کہ یہ سب ہوا ہوگا، پہلے اس کے سر پر پتھر مارا جس سے وہ گر پڑا پھر چھری سے ذبح کر کے اس کے سر کو تن سے جدا کر دیا پھر سر دیوار پر دے مارا یہ لڑکا بد سرشت تھا، ابھی سے فساد مچائے رہتا ماں باپ کو ستاتا رہتا، رات میں چوری کرتا صبح کو جب شکایت آتی تو ماں باپ جھوٹی قسم کھاتے کہ یہ رات بھر کہیں نہیں گیا تھا ہمارے ساتھ سویا تھا۔

اقتباس نمبر ۳: حضرت موسیٰ نے اخیر میں جب خضر سے فرمایا: ''لوشئت لاتخذت علیه اجرا'' تو حضرت خضر نے کہا ہذا فراق بيني وبينك یہ حضرت خضر نے اس لئے کہا تھا کہ اس سے پہلے خود حضرت خضر نے کہہ دیا تھا، کہ اگر اب آپ تیسری بار جلدی کریں گے تو وہ جدائی کا وقت ہوگا، اس پر خود حضرت موسیٰ فرما چکے تھے کہ اگر کچھ پوچھوں تو اپنے ساتھ مت رکھئے گا اس لئے تفسیر میں ہے کہ پہلی بار حضرت موسی کا سوال نسیاناً تھا، جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور دوسری بار بطور شرط تھا، اور تیسری بار قصداً تھا، ثعلبی نے کہا کہ جب تیسری بار حضرت موسیٰ نے حضرت خضر کو ٹوکا تو حضرت خضر نے عرض کیا آپ مجھے کشتی توڑنے، بچے کے مار ڈالنے، اور دیوار سیدھی کرنے پر ملامت کرتے ہیں، اور آپ بھول گئے آپ نے اپنے آپ کو پانی میں ڈالا، قبطی کو قتل کیا، شعیب کی لڑکیوں کی بکریاں بلا معاوضہ چرائیں۔

خوبی ۱۷ تا ۲۰: توضیح باب، مقصد باب، عقائد و احکام کی تفصیل اور ان سب پر محققانہ ایسی بحث و تمحیص جس میں تفقہ امام اعظم کی جھلک دکھائی دے جس کے جملے جملے سے فقہی بصیرت حدیثی مہارت، عالمانہ نصیحت،، فقہ و حدیث میں ژرف نگاہی وسعت مطالعہ یہ سب کچھ آپ کو اجتماعی شکل میں ''مسائل مستخرجہ ''کا جو باب قائم فرمایا ہے، اس میں مل جائے گا میں اس مقام پر صرف

اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث مذکور پر جو باب قائم فرمایا ہے۔باب ما ذکر فی ذهاب موسیٰ صلی الله علیه فی البحر الی الخضر تو باب کی وضاحت اور مقصد باب نیز ترجمہ باب اور حدیث میں مطابقت یہ سب کچھ حضرت شارح بخاری نے جو مسائل متخرجہ ارقام فرمائے ہیں: ان میں ذکر کردہ مسائل میں سے پہلے ہی مسئلے سے یہ تینوں چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں جو اہل علم پر مخفی نہیں۔

نیز اپنے اہل علم دوستوں سے یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت شارح بخاری نے مسائل متخرجہ کے ضمن میں جو اکیس مسائل فقہیہ کو پیش فرمایا ہے اس میں یہ غور فرمالیں کہ آخران مسائل شرعیہ کا استنباط واستخراج حدیث مذکور سے کیسے ہوا اور ان احکام شرعیہ کا ثبوت اس حدیث سے ہو بھی رہا ہے یا نہیں۔اسی بات کا مندرجہ ذیل سطور میں اپنا حقیر مطالعہ پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ حدیث کے کس حصے سے اور کیسے کون سا مسئلہ مستنبط کیا گیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر ا: طلب علم یا کسی بھی خیر کے طلب کے لئے سفر جائز ہے بلکہ انبیاء کی سنت ہے اگرچہ یہ سفر دریا کا ہو اسی پر قیاس کر کے ہوائی سفر کا بھی جواز ثابت۔

توضیح: اس مسئلہ کا استنباط حدیث مذکور کے اس حصے سے ہے: فانطلق وانطلق معه بفتاه يوشع بن نون موسیٰ چلے اور ان کے ساتھ ان کے خادم یوشع بن نون بھی چلے۔اور آگے اسی حدیث میں آرہا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات حضرت خضر سے ہوئی تو انھوں نے پوچھا آپ کس لئے آئے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:هل اتبعك على ان تعلمنی مما علمت رشداً،(اجازت ہے) کہ میں آپ کے ساتھ اس شرط پر رہوں کہ آپ مجھے ان نیک باتوں میں سے کچھ سکھادیں، جو آپ کو سکھائی گئی ہیں لہذا اس سے ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طلب علم کے لئے سفر کیا تھا، اور چونکہ خشکی کے راستے سے حضرت خضر کے پاس گئے تھے، اگرچہ بعد ملاقات دونوں نے دریائی سفر بھی کیا تھا، لہذا طلب علم کے لئے یا کسی بھی خیر کے حصول کے لئے بری اور بحری دونوں قسم کے سفر کا ثبوت حدیث سے ہو جائے گا اور انھیں دونوں سفر پر قیاس کر کے ہوائی سفر کے جواز کا حکم بھی حضرت شارح بخاری نے صادر فرمایا

مسئلہ ۲: سفر کے لئے زاد راہ رکھنا جائز ہے اور سب سے عمدہ زاد راہ مچھلی ہے بعض مشائخ کرام نے فرمایا کہ جس سفر میں زاد راہ مچھلی ہوگی وہ سفر کامیاب ہوگا، وحملا حوتا فی مکتل، دونوں نے ایک مچھلی ٹوکری میں رکھ لی۔درج بالا جملے سے مسئلہ دوم کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

مسئلہ ۳: اساتذہ ومشائخ کے ساتھ باادب رہنا چاہئے ان پر اعتراض ہرگز ہرگز نہ کرنا چاہئے ان کی جو بات سمجھ میں نہ آئے اس پر اعتراض نہ کرنا چاہئے اس کی اچھی تاویل کرنی چاہئے اور اگر بتقاضائے بشری کوئی بات ہو جائے جس سے انھیں اذیت پہونچے تو ان سے عذر خواہی کرنی چاہئے۔

اس مسئلہ کا استخراج اس طرح ہے کہ حضرت موسیٰ نے حضرت خضر علیہما السلام کے کشتی کا تختہ نکالنے اور بچے کے قتل اور دیوار کے سیدھی کرنے پر جو اعتراض کیا ان سب پر حضرت خضر نے انھیں ٹوکا اور اعتراض کرنے سے منع کیا اور پہلے اور دوسرے اعتراض کرنے پر حضرت خضر نے منع فرمایا اور حضرت موسیٰ نے معذرت کی تو آپ نے ان کی معذرت قبول فرمالیا مندرجہ بالا باتوں کو چونکہ قرآن وحدیث نے بیان کیا اور مقرر رکھا اس سے مسئلہ مذکور کا ثبوت ہو رہا ہے۔

مسئلہ ۴: انبیائے کرام، اولیائے عظام کے لئے مافوق الفطری قوت ثابت ہے۔

اس مسئلے کا محل استدلال تین ہیں:

۱۔ حدیث میں گذر چکا ہے قال الخضر بیدہ فاقامہ یہاں "قال" معنی میں اشارہ کے ہے اور دوسری روایت میں فمسحہ بیدہ ہے اور یہ بلا شبہ خرق عادت اور مافوق الفطری امر ہے کہ ایک جھکی ہوئی دیوار جو گرنے کے قریب ہو محض اشارہ کر دینے اور ہاتھ کے پھیر دینے سے بالکل سیدھی اور درست ہو جائے۔

۲۔ آپ حضرات اسی حدیث میں یہ ارشاد پڑھ چکے ہیں: "فاخذ الخضر برأسہ من اعلاہ فاقتلع رأسہ۔ خضر نے اس کے سر کو اوپر سے پکڑا اور اکھاڑ لیا، اس سے اور اسی سلسلے میں ایک دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت خضر نے اشارے سے جیسے میوے توڑے جاتے ہیں اسی طرح اس بچے کے سر کو توڑ دیا اس امر کا بھی مافوق الفطری ہونا ایک امر بدیہی ہے۔

۳۔ گذر چکا کہ بخاری شریف کتاب التفسیر میں ہے کہ دونوں نے مچھلی کے غائب ہونے کی جگہ کو دیکھا کہ طاق کے مثل ہے، پھر دیکھا کہ ایک صاحب بیچ سمندر میں پانی کے اوپر ایک سبز فرش پر اس طرح کپڑا اوڑھے ہیں کہ چادر کا ایک کنارا سر کے نیچے اور دوسرا پاؤں کے تلے ہے، سطح سمندر پر فرش بچھا کر آرام کرنا ایسا مافوق الفطری معاملہ ہے کہ بڑا سے بڑا معاند ومجادل بھی اس کے مافوق الفطری ہونے سے انکار نہیں کر سکتا ہے۔

غالباً اقتباسات کی روشنی ہی میں حضرت شارح بخاری نے یہ تحریر فرمایا ہوگا کہ انبیائے کرام کے لئے

مافوق الفطری قوت بھی اسی حدیث سے ثابت ہے۔

باقی رہا معاملہ اولیائے عظام کے لئے خرق عادت کے ثبوت کا تو یہ اہل سنت کا ایسا اجماعی عقیدہ ہے کہ جس پر سوائے قدیم زمانے کے مشہور گمراہ فرقہ معتزلہ اور موجودہ زمانے میں وہابیہ کے جملہ مدعیان اسلام کا اتفاق ہے، عقائد کی سب سے متداول کتاب شرح عقائد نسفی میں معتزلہ کے اس خیال کو کہ اگر اولیائے کرام کے لئے خرق عادت کو مانا جائے گا تو اس سے انبیائے کرام کے معجزات کے ساتھ اشتباہ واختلاط لازم آئے گا۔اور نبی اور غیر نبی کا فرق اٹھ جائے گا اس زعم باطل کا رد کرتے ہوئے حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی فرمارہے ہیں:

ظهور خوارق العادات من الولى الذى هو من احادالامة معجزة للرسول الذى ظهرت هذه الكرامة لواحد من امته لانه يظهر بها انه ولى،

کسی ولی سے خرق عادت کا ظہور یہ اس رسول کا معجزہ ہے جس کا یہ امتی ہے اس لئے کہ اسی ظہور کرامت سے یہ روشن ہو جائے گا کہ یہ شخص بلاشبہ ولی ہے۔

مسئلہ ۵: ضرورت پر کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا سوال جائز ہے اس کا ثبوت حدیث میں وارد قرآن کے اس ٹکڑے سے ہے:اذا اتيا اهل قريه ن استطعما اهلها۔ اور ایک بستی والوں کے پاس آئے اور ان سے کھانا طلب کیا۔

مسئلہ ۶: مزدوری پر کام کرنا جائز ہے۔

اس کا ماخذ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے:

لوشئت لاتخذت عليه اجراً۔ اگر آپ چاہتے تو اس (دیوار سیدھی کرنے پر) کچھ مزدوری لے لیتے۔

مسئلہ ۷: حکم ظاہر پر ہوگا جب تک کہ حقیقت حال منکشف نہ ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو ایک نبی مرسل ہیں ان کا کشتی کے تختہ کو توڑنے سے روکنا اور بچے کے قتل سے منع فرمانا جو بظاہر شرع کے خلاف تھا، اگرچہ حضرت خضر کو یہی باطنی طور پر حکم خداوندی تھا، لہذا حضرت موسیٰ کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ حکم شرع ظاہر ہی پر لگے گا۔

مسئلہ ۸: جب دو خرابیاں اکٹھی ہو جائیں تو جوان میں اخف ہو ان کو اختیار کرلے۔

جس کشتی پر حضرت موسیٰ وحضرت خضر علیہما السلام سوار تھے اس کا گذر ایسے بادشاہ پر ہونا تھا جو صحیح وسالم کشتی کو چھین لیتا تھا، تو حضرت خضر نے اس کشتی کو عیب دار کر کے اس ظالم کے چھیننے سے بچالیا کشتی سے بالکلیہ محروم ہو جانے کے مقابلے میں اس کا عیب دار ہونا بلاشبہ ہلکی خرابی ہے اسی لئے حضرت خضر علیہ السلام نے اسی کو اختیار فرمایا مذکورہ بالا مسئلہ فقہ کا ایسا قاعدہ کلیہ بن گیا جس سے سیکڑوں مسائل متفرع ہیں اذا ابتلى ببليتين فاختاروا

اھونھا۔ جب دو خرابیوں میں گھر جاؤ تو ان میں ہلکی کو اختیار کرو۔

مسئلہ ۹: شریعت کی ہر بات واجب التسلیم ہے اگرچہ ہمارے یا کسی کے بھی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

مسئلہ ۱۰: عقل نقل کے تابع ہے نقل عقل کے تابع نہیں، مذکورہ بالا افعال جو حضرت خضر نے انجام دیا اس کا سبب یہ تھا کہ آپ کو حکم تھا کہ آپ باطنی احوال کے مطابق عمل فرمائیں حالانکہ ان افعال کے جواز کی کوئی وجہ معقول بظاہر نہیں تھی پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس کا تسلیم کر لینا لازمی تھا اسی سے دونوں مسئلے متفرع ہیں۔

مسئلہ ۱۱: غیر نبی کا خواب یا کشف حجت شرعیہ نہیں۔ حضرت خضر کا ارشاد ہے: "مافعلتہ عن امری" اس بچے کا قتل میں نے اپنی طبیعت سے نہیں کیا اس سے شراح احادیث نے استدلال فرمایا کہ حضرت خضر نبی تھے اور بچے کے مار ڈالنے کا حکم انھیں بذریعہ وحی ہوا تھا، اس لئے وہ واجب الاتباع تھا، اگر وہ صرف ولی ہوتے تو اس قول کی تاویل یہ ہوتی کہ انھیں الہام ہوا تھا اور کسی ولی کو یہ جائز نہیں کہ اگر اسے کسی کے قتل کرنے کا الہام ہو تو وہ اسے مار ڈالے۔

مسئلہ ۱۲: اکثر مال یا جسم بچانے کے لئے جز کا برباد کرنا یا کٹوا لینا جائز ہے۔ اس کا استخراج حدیث میں وارد اس جملے سے ہے:

فعمد الخضر الي لوح من الواح السفينة.

حضرت خضر نے کشتی کا ایک تختہ نکال لیا (پوری کشتی بچانے کے لئے) اسی وجہ سے حضرات فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر جسم کے کسی عضو میں ایسی خرابی پیدا ہو جائے جس سے موت کا خطرہ پیدا ہو جائے اور بغیر اسے جسم سے جدا کئے ہوئے کوئی چارہ کار نہ ہو تو اس عضو کو کاٹ کر انسان کے مابقیہ جسم کی حفاظت کی جائے گی، اور موت کے خطرہ کو حتی الوسع ٹالنے کی کوشش لازم ہو گی۔

مسئلہ ۱۳: انسان کتنے ہی بلند منصب پر ہو اپنے کو سب سے بڑا نہ جانے اپنی بڑائی پر گھمنڈ نہ کرے ہمیشہ تواضع کرے۔ اس مسئلہ شرعیہ کا ثبوت درج ذیل عبارت سے بالکل واضح ہے:

فسئل اى الناس اعلم فقال انا فعتب الله عزوجل عليه اذ لم يرد العلم اليه.

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کون سب سے زیادہ علم والا ہے، فرمایا: میں اس کہنے کی وجہ سے اللہ عزوجل نے موسیٰ پر عتاب فرمایا کہ انھوں نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے۔

مسئلہ ۱۴: انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہے، اس کا ثبوت نزہت القاری کی اس عبارت سے ہو رہا ہے۔ جس کو حضرت شارح بخاری نے بخاری کتاب التفسیر کے

حوالے سے نقل فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے تختہ توڑ دیا تو حضرت موسیٰ نے اس میں کپڑا بھر دیا اور ایک کونے میں تشریف لے گئے اور سوچنے لگے اس شخص کے ساتھ میں رہ کے کیا بنالوں گا بنی اسرائیل میں تھا انھیں صبح شام اللہ کی کتاب سناتا تھا حکم دیتا تھا مان لیتے تھے، حضرت خضر نے کہا آپ کے جی میں کیا ہے کہئے تو بتادوں فرمایا: بتادو! حضرت خضر نے سب بتادیا۔

مسئلہ ۱۵: اللہ عزوجل کا علم اور ہر صفت غیر متناہی ہے انبیا اولیا اور تمام مخلوقات کے علوم وصفات مجموعی طور پر متناہی ہیں اگرچہ وہ کتنے ہی کثیر ہوں۔

اس کا استشہاد حدیث کے مندرجہ ذیل ٹکڑے سے ہے جس کی کامل تحقیق شرح میں گذر چکی ہے:

فقال الخضر یا موسیٰ ما نقص علمی و علمك من علم الله الا کنقرة هذه العصفور فی البحر.

حضرت خضر نے حضرت موسیٰ علیہما السلام سے کہا میرے اور تمہارے علم کی نسبت علم الٰہی کے ساتھ وہی ہے جو اس چڑیا کے ایک چونچ کی سمندر سے ہے۔

مسئلہ ۱۶: اشیاء کا حسن وقبح شرعی ہے۔

اس کا مستدل بھی وہی ہے جو مسئلہ ۹ اور ۱۰ر کا ہے۔

مسئلہ ۱۷: آزاد انسان سے خدمت لینی جائز ہے خادم کو مخدوم کا تابع ہونا چاہئے۔

مسئلہ ۱۸: اپنی تکلیف کا اظہار جائز ہے جب کہ بطور جزع فزع نہ ہو۔

ان دونوں مسئلوں کا محل استدلال مندرجہ ذیل آیت ہے:

قال موسیٰ لفتہ آتنا غداء نا لقد لقینا من سفرنا هذا نصباً.

موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا ہمارا صبح کا کھانا لاؤ اس سفر سے ہمیں تکان آگئی اس آیت میں فتی سے مراد یوشع بن نون ہیں وہ ایک آزاد انسان تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم خاص اور ان کے صحابی و تلمیذ تھے۔

مسئلہ ۱۹: اللہ عزوجل کے لئے جو کام کیا جائے اس میں تعب اور مشقت نہیں ہوتی اپنے لئے کرنے سے بتقاضائے بشری ہوتی ہے اس کا ماخذ حدیث مذکور کا یہ حصہ ہے کہ فرمایا:

ولم یجد موسیٰ مسامن النصب حتی جاوز المکان الذی امربه.

اور موسیٰ کو تکان چھوئی بھی نہیں جب تک اس جگہ سے آگے نہ بڑھے جہاں جانے کا انھیں حکم دیا گیا تھا۔

مسئلہ ۲۰: ساتھی کا عذر قبول کر لینا چاہئے۔

حضرت خضر نے حضرت موسیٰ علیہما السلام سے فرمایا کہ آپ ہرگز میرے ساتھ نہ رہ پائیں گے تو حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے جواباً ارشاد فرمایا تھا کہ انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور آپ کے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔

لیکن جب حضرت خضر نے کشتی کا تختہ توڑ ڈالا جس سے کشتی پر سوار ہونے والے افراد کے ڈوبنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تو چونکہ یہ عمل بظاہر شرع کے خلاف تھا اسی وجہ سے حضرت موسیٰ سے رہا نہ گیا اور آپ نے جو وعدہ فرمایا تھا اس کا بھی خیال نہ رہا تو آپ نے حضرت خضر کو ٹوک دیا اس پر حضرت خضر نے حضرت موسیٰ کو وعدہ یاد دلایا تو آپ نے معذرت کی اور حضرت خضر نے معذرت قبول بھی فرمالی اس کی وضاحت قرآن مجید کے اس حصے سے ہو رہی ہے:

قال لا تواخذنی بمانسیت ولا ترھقنی من امری عسراً.

موسیٰ نے کہا میری بھول پر گرفت نہ کرو اور میرے کام میں دشواری نہ ڈالو۔

مسئلہ ۲۱: تین بار عذر قبول کر لینا چاہئے اس کے بعد اختیار ہے اس مسئلہ پر استدلال اس طرح کیا گیا ہے

کہ جب تیسری مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیوار بغیر اجرت لئے سیدھی کرنے پر حضرت خضر کو ٹوکا تو حضرت خضر نے فرمایا:

ھذا فراق بینی و بینک. یہ میری اور آپ کی جدائی ہے۔

غالباً کتابت کی غلطی سے "تین بار عذر قبول کر لینا چاہیئے" چھپ گیا ہے حالانکہ سیاق حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ دو مرتبہ عذر قبول کر لینا چاہیئے تیسری مرتبہ اختیار ہے چاہے قبول کرے یا نہ کرے جیسا کہ حضرت خضر نے حضرت موسیٰ علیہما السلام سے تیسری مرتبہ علیحدگی اختیار فرمالی۔

عالم دین ایک نائب رسول ہوتا ہے جس کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ بھٹکے ہوئے لوگوں کو قرآن وحدیث کی سچی سیدھی شاہراہ پر گامزن کرے اور غلط افکار و نظریات کا سد باب وابطال کرے اور پوری خیر خواہی کے ساتھ لوگوں کو دعوت الی الحق دے۔

مذکورہ بالا اوصاف اگر دیکھنا ہو تو شارح بخاری کی حدیث مذکور کی شرح کا یہ آخری حصہ جو عالمانہ نصیحت اور فاضلانہ تحقیق پر مشتمل ہے اسے بھی ملاحظہ فرمالیں۔

"گمراہ صوفیہ اور ملحدین متصوفہ نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعے سے استدلال کیا ہے کہ اہل اللہ شریعت کے محتاج نہیں ان پر بلاواسطہ اللہ عزوجل کی طرف سے علوم واحکام کا القا ہوتا ہے۔ وہ اسی کے پابند ہیں، علامہ قرطبی نے فرمایا یہ کفر و زندقہ ہے، یہ ضروریات دین میں سے ہے کہ اللہ عزوجل کی سنت یہی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو جملہ احکام بواسطہ انبیا پہونچاتا ہے، بغیر نبی کے واسطے کے اللہ عزوجل کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا اس پر

امت کا اجماع قطعی ہے۔ اور یہی قرآن واحادیث سے ثابت ہے۔ شریعت کا مکلف ہر مسلمان عاقل بالغ ہے جو اپنے کو شریعت کے دائرے سے باہر جانے وہ کافر وزندیق ہے، کسی کے باطنی علوم اگر شریعت کے مطابق ہیں تو مقبول ورنہ مردود، علاوہ ازیں حضرت خضر نے جو کچھ کیا وہ ظاہر شریعت کے خلاف نہیں سوائے بچے کے قتل کے یہ بظاہر ہماری شریعت کے خلاف ہے مگر علما نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے حضرت خضر کی شریعت میں اس کی اجازت رہی ہو اگر نہ بھی ہو تو وہ بہر حال نبی تھے اور نبی پر من جانب اللہ تلقی احکام ہو تا ہی ہے۔ ان کا خواب بھی وحی اور الہام بھی وحی ہے اس لئے اس سے اپنے کفریات پر ان ملاحدہ کا استدلال فاسد ہے"

اب اس حدیث کے بحث کے اختتام پر اپنے معزز قارئین سے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ حدیث مذکور کی شرح کو آپ حضرات دیگر قدیم وجدید شروح بخاری خواہ وہ کسی زبان کی ہو ملاحظہ فرمالیں۔ جو تحقیقات علمیہ، نکات حدیثیہ، دلائل فقہیہ، مسائل کلامیہ کی بہار نزہۃ القاری میں ملے گی وہ کسی بھی شرح میں یکجا طور سے کیا متفرق طور پر بھی نہ مل سکے گی۔ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ حضرت شارح بخاری نے قدیم شروح بخاری سے استفادہ نہیں کیا ہے۔ کیا ہے اور خوب کیا ہے۔ لیکن اللہ عزوجل نے آپ کو جس علم وفضل کے بلند وبالا مقام پر فائز فرمایا ہے۔ اس کی وجہ سے آپ نے اپنی شرح کو قدیم علمی تحقیقات اور اپنی ذاتی اکتشافات سے معراج کمال تک پہونچا دیا ہے۔

آپ حضرات ماقبل میں زیر بحث حدیث کی شرح میں جو محاسن وخوبیاں پڑھ چکے ہیں۔ ان میں سے صرف ایک خوبی (مسائل مستنبطہ) سے دیگر شروح بخاری کا مقابلہ کر کے دیکھ لیں۔ اسی سے اندازہ لگ جائے گا کہ نزہۃ القاری اور دیگر شروح بخاری میں کیا فرق ہے۔

علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری جلد ۲ ص:۶۵۔۶۴ پر حدیث زیر بحث میں کل مسائل مستنبطہ آٹھ شمار کرائے جس میں چار مسائل وہی ہیں جن کو نزہۃ القاری میں لیا گیا بقیہ چار مسائل کو صاحب نزہۃ القاری نے کسی وجہ سے ترک فرمادیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مسائل علمیہ میں جھگڑنا جائز ہے جب کہ ہر ایک فریق حق وصواب کا طالب ہو اور یہ جدال ونزاع ازراہ تکبر وتعنت نہ ہو۔

۲۔ کسی مسئلہ شرعیہ میں تنازع اور اختلاف کی صورت میں علماو مفتیان کرام کی طرف فیصلہ کے لئے رجوع کرنا جائز ہے۔

۳۔ ہمیشہ زیادتی علم کا طالب اور اس پر حریص رہنا علما پر واجب ہے اگر چہ وہ علم وفضل کے بلند منصب پر فائز ہوں۔

۴۔ شخص واحد جو سچا ہو اس کی خبر قبول کر لینا جائز ہے خاتم الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری جلد ا ص: ۱۳۸ر حدیث زیر بحث میں فقط سات مسائل مستنبط نقل فرمائے وہ سب وہی ہیں جو عینی میں ہیں۔

سوائے اس کے کہ ایک مسئلہ کا علامہ عینی نے اضافہ فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ علماء اور مشائخ اپنے شاگردوں اور عقیدت مندوں سے بغیر کسی اجرت کے خدمت لے سکتے ہیں۔

میری اس گفتگو کا ماحصل یہ نکلا کہ بخاری کی سب سے مہتم بالشان ان دونوں شرحوں میں آپ نے دیکھا جو مسائل ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے صرف چار کو صاحب نزہۃ القاری نے لیا ہے باقی رہے سترہ مسائل یہ حضرت شاوح بخاری کا اپنا استنباط ہے ممکن ہے کہ دو چار مسائل کو کسی اور شارح نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہو لیکن میری نظر سے نہیں گذرا۔

دیوبندی جماعت کے سب سے بڑے محدث انور شاہ کشمیری کی بھی شرح بخاری فیض الباری کی ایک جھلک دیکھتے چلیں۔

میں اپنے باانصاف قارئین کرام سے گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ آپ حضرات زحمت فرما کر زیر بحث حدیث کی شرح فیض الباری میں بھی دیکھ لیں۔ فیض الباری کی نزہۃ القاری کے مقابلے میں وہ حیثیت بھی نہیں ہے جو زمین کو آسمان سے اور ایک قطرہ کو بحر ذخار سے ہوتی ہے۔

فیض الباری میں حدیث مذکور کی شرح میں کسی بھی مسئلہ مستنبطہ عن الحدیث کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

انھوں نے اس مقام پر صرف دو چیزوں کے بارے میں بحث کیا جس سے ان کی علمی حیثیت اور وہابیت دونوں آشکارا ہے فرماتے ہیں:

۱. **اما البحث فی ان خضر کان نبیاً ام لا فلا احب ان اقتحم فیه غیر انه کان حاملاً لنحو من العلم و هو العلوم التکوینیة.** (جلد ۱ ص: ۱۷۴)

لیکن بحث حضرت خضر علیہ السلام کے نبی ہونے کے بارے میں کہ وہ نبی تھے یا نہیں تو میں اس جھگڑے میں پڑنے کو پسند نہیں کرتا صرف یہ ہے کہ وہ ایک مخصوص قسم کے علم سے متصف تھے اور وہ علوم تکوینیہ ہیں اس پر میری چند معروضات ہیں۔

اول: بقول علماء دیوبند کے کہ مولانا انور شاہ کشمیری علم کی لائبریری تھے لیکن حیرت ہے آج تک ان پر یہ واضح نہ ہو سکا کہ حضرت خضر نبی ہیں یا نہیں۔

دوم: شاہ صاحب فرما رہے ہیں کہ اس اختلاف میں پڑنا مجھے پسند نہیں، حضور عالی۔ اس اختلاف میں پڑے

بغیر اور اس کی تنقیح کئے بغیر کہ حضرت خضر نبی ہیں یا نہیں، حدیث زیر بحث کی شرح کا حق کیسے ادا ہوگا اس لئے کہ حضرت خضر نے بچہ کو قتل فرمایا تو اگر ان کو نبی نہ مانا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ان کو اس بچہ کے قتل کا حکم بذریعہ الہام ہوا تھا تو کیا کسی ولی کو اگر الہام ہو کہ فلاں کو قتل کردو تو کیا اس کے قتل کے لئے شریعت مطہرہ اجازت دیتی ہے اور نبی نہ ماننے کی صورت میں اس بچہ کو قتل کر دینے کی وجہ سے حضرت خضر مرتکب کبیرہ ہوں گے یا نہیں لہذا ماننا پڑے گا کہ حضرت خضر بلا شبہ نبی تھے اور یہ روشن حقیقت آج تک شاہ صاحب پر منکشف نہ ہو سکی۔

۲۔ اما خاتم الانبیاء علیهم السلام فانه تمنی ان یکون موسیٰ علیه السلام صبر لیعلم من عجائب قصصهما ازید من هذا فکانه ایضاً لم یکن اوتی تلك العلوم(جلد ۱ ص: ۱۷۴)

خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواہش ظاہر کیا کہ حضرت موسیٰ اور صبر سے کام لیتے تو ان دونوں کے عجیب و غریب قصے اس سے زیادہ سننے کو ملتے گویا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی وہ علوم نہیں دیئے گئے۔

سچ کہا ہے کسی کہنے والے نے۔ کل اناء یترشح بمافیہ "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست"

آپ حضرات نزہۃ القاری میں "ما نقص علمی وعلمک من علم اللہ" کی محققانہ بحث اور علم الٰہی اور مخلوقات کے علم میں جو عظیم فرق ہے اور اہل سنت کا اس سلسلہ میں کیا موقف ہے یہ سب باتیں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ ان کے اعادے کی حاجت نہیں ناظرین اسے پھر دیکھ لیں اس مقام پر خاص طور سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بد مذہبی ایسی بلا ہے کہ آدمی کو حق سننے دیکھنے اور قبول کرنے سے محروم کر دیتی ہے اور شاید تاریخ عالم کا یہ سب سے عجیب و غریب المیہ ہے کہ ایک جماعت اپنے جس پیشوا کو ماننے اور ان کا کلمہ پڑھنے کو مدار ہدایت و نجات قرار دے اور انھیں کی بلند و بالا شان کو گھٹانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے، اور ہمیشہ قرآن و حدیث میں ایسے پہلو کی تلاش و تجسس میں رہے جس میں اسے تنقیص شان رسالت کا موقعہ مل سکے اگرچہ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی حقیقت کی ترجمانی کیا خوب فرمائی ہے۔

وہ حبیب پیارا تو عمر بھر
کرے فیض وجود ہی سر بسر
ارے تجھ کو کھائے تپ سقر
ترے دل میں کس سے بخار ہے

حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف یہ فرمایا تھا:

یرحم اللہ موسیٰ لود دنا لوصبر حتی یقص علینا من امر ھما.
اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے ہماری خواہش ہے کہ اگر وہ صبر کرتے تو ہمیں ان کے احوال اور سننے کو ملتے۔
شاہ صاحب کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس خواہش کرنے پر کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور صبر کرتے تو ان کے اور بھی عجیب وغریب قصے سننے کو ملتے۔ یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ حضور کو وہ علوم نہیں دیئے گئے انتہائی مضحکہ خیز ہے بالکل یہ ایک فطری بات ہے کہ کوئی عجیب وغریب قصہ معلوم ہونے کے باوجود اسے بار بار سننے کو جی چاہتا ہے۔
شاہ صاحب کو قرآن حکیم کی یہ آیت شاید نظر نہیں آئی ان کا مولیٰ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:
وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيماً (نساء)
اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔
اور مزید سنئے! ترمذی میں یہ حدیث دو صحابی سے مروی ہے ایک حضرت ابن عباس دوسرے معاذ بن جبل سے حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:
فعلمت ما فی السموات ومافی الارض. آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب میں نے جان لیا۔
اور مشکوۃ بحوالہ ترمذی اور امام احمد حضرت معاذ بن جبل کی حدیث میں ہے:
فتجلی لی کل شیٔ وعرفت۔ مجھ پر ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لیا۔
قال ابن حجر ای جمیع الکائنات اعنی فی السموات بل وما فوقھا وجمیع مافی الاراضی السبع بل وما تحتھا کما افادہ اخبارہ علیہ السلام عن الثور والحوت الذین علیھما الارضون کلھا.
سند الحفاظ علامہ ابن حجر نے فرمایا: مراد یہ ہے کہ میں نے تمام کائنات کو جو کچھ آسمانوں میں بلکہ ان کو بھی جو اس کے اوپر ہیں اور ان تمام کائنات کو جو ساتوں زمین میں ہیں جان لیا، اس بیل اور مچھلی کی حضور نے خبر دی جن کے اوپر ساتوں زمینیں ہیں۔
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:
پس دانستم ہر چہ در آسمان وہر چہ در زمین عبارت است از حصول تمام علوم جزئی وکلی واحاطہ آں۔ جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو میں نے جان لیا یہ تمام علوم جزئی اور کلی کے حاصل ہونے اور انھیں محیط ہونے کی تعبیر ہے۔

علم مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے بارے میں یہ ہیں اہل نظر اور اہل ایمان کے ارشادات اور ان کے عقائد و نظریات۔ اور انور شاہ کشمیری نے جو پیش کیا ہے وہ ہیں علمائے دیوبند کے بکواس و ہفوات۔

نسأل العفو والعافیة من الجهل والضلال۔

نزہۃ القاری شرح بخاری کی ایک حدیث کی شرح میں جو جو خوبیاں اور محاسن موجود ہیں۔ اس کا کچھ نظارہ ہمارے معزز قارئین نے گذشتہ اوراق میں کرلیا۔

ع قیاس کن زگلستان او بہارش را۔

اس سے اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ جب ایک حدیث کی شرح کا یہ حال ہے تو پوری نزہۃ القاری جو نو ضخیم جلدوں میں چار ہزار چھ سو چوہتر صفحات پر مشتمل ہے۔

اس میں قرآن واحادیث کے کیسے کیسے رموز واسرار، علم وحکمت کے آبشار، حقائق و معارف کے گوہر آبدار پنہاں ہونگے، اس کا صحیح اندازہ کیسے لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت سیدنا سلیمان اعمش نے حضرت امام اعظم کو مخاطب کرتے ہوئے سچ فرمایا تھا:

یا معشر الفقها انتم الاطباء ونحن الصیادلة، وانت ایها الرجل اخذت بکلا الطرفین۔

اے جماعت فقہا ! آپ حضرات طبیب ہیں اور ہم گروہ محدثین پنساری ہیں اور اے شخص تو تو علم حدیث وفقہ دونوں کا جامع ہے۔

بلاشبہ ہمارے قارئین کرام نزہۃ القاری میں جگہ جگہ فکر رازی، شعور غزالی، اور تفقہ امام اعظم کی جھلک دیکھیں گے اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ حضرت شارح بخاری نے اپنی پوری زندگی کو فقہ امام اعظم کی خدمت اس کی آبیاری اور نشرواشاعت کے لئے صرف کر دیا۔ تو امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی بارگاہ قدس سے آپ کو یہ انعام ملا کہ اپنے دور کے فقیہ اعظم ہند فقیہ النفس اور سب سے عظیم شارح بخاری ہو گئے۔

ایک وجد آفرین توضیح باب

ایک تعلیق پر حضرت امام بخاری نے جو باب باندھا ہے اس باب کی توضیح حضرت شارح بخاری نے اس انداز میں فرمائی ہے کہ اسے پڑھ کر بقول شاعر۔

روح جھوم اٹھی وجد میں مینا آیا

اس توضیح کے پڑھنے کے بعد طبیعت باغ باغ ہو جاتی ہے۔ حضرت موصوف نے توضیح باب میں اپنی جس خداداد صلاحیت اور علمی لیاقت، فقہی بصیرت اور حدیثی مہارت کا مظاہرہ فرمایا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور نزہۃ القاری کی یہی وہ سب خوبیاں ہیں کہ جس نے اس شرح کو معراج کمال تک پہونچا دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے قارئین بھی اسے پڑھ کر مسرور ہوں گے اور دل سے حضرت شارح بخاری کے لئے دعاگو ہوں گے۔ وہ تعلیق باب کی توضیح کے ساتھ درج ذیل ہے۔

ت: عن ابراهيم لابأس بالقرأة فى الحمام ويكتب الرسالة على غير وضوء۔

حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا "حمام میں قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور بغیر وضوء خط لکھ سکتا ہے، امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔ "قرأة القرآن بعد الحدث وغيره" وغیرہ میں دو روایت ہے۔ راء کو ضمہ اور کسرہ۔ راء کا ضمہ اس تقدیر پر ہے کہ اس کا عطف قراءۃ پر ہے اور باب کو یا تو ساکن پڑھیں یا ضمہ کے ساتھ۔ اسے مابعد کی جانب مضاف نہ مانیں تو اب باب کا مطلب یہ ہوا حدث کے بعد قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ کا بیان، وغیرہ میں قرآن مجید کا چھونا، لکھنا بھی داخل ہے۔ اور دیگر اذکار تسبیح، تہلیل، درود شریف وغیرہ بھی، حاصل یہ ہوا کہ حالت حدث میں تمام اذکار حتیٰ کہ قرآن مجید کی تلاوت اس کا چھونا اس کا لکھنا بھی جائز ہے۔ غیرہ کی راء کو کسرہ پڑھنے کی صورت میں باب کو مابعد کی طرف مضاف ماننا پڑے گا۔ اب تین احتمالات ہیں،

اول: یہ کہ غیرہ کا عطف قراءۃ پر مانیں اس کا حاصل یہی گذشتہ صورت ہے، یعنی حدث کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ جائز ہے۔

دوم: اسے قرآن پر معطوف مانیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ حدث کی حالت میں قرآن وغیرہ کا پڑھنا مثلاً

وہی تسبیح و تہلیل و درود شریف۔ اس صورت میں قرآن مجید کا چھونا لکھنا داخل نہ ہوگا۔

سوم: اسے حدث پر معطوف مانیں۔ اب معنی یہ ہوئے قرآن مجید کی تلاوت حالت حدث و غیر حدث یعنی حالت طہارت و غیر طہارت میں کرنا۔ مقصود یہ ہوگا کہ ہر حالت میں قرآن مجید کی تلاوت جائز ہے۔ حالت طہارت میں تو جائز ہی ہے۔ حالت حدث میں بھی جائز ہے۔ عموم حالات کے افادے کے لئے ایسے جملے عرف میں شائع وذائع ہیں جیسے قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے فرمایا:

ویکلم الناس فی المھد وکھلاً۔ (آل عمران ۴۶) گہوارے اور پکی عمر میں لوگوں سے بات کرے گا۔ پکی عمر میں تو سبھی بات کرتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ گہوارے میں بچے بات نہیں کرتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ مافوق الفطری قوت ہوگی کہ وہ گہوارے میں بھی بات کریں گے اور بڑے ہونے کے بعد ادھیڑ عمر میں بھی یعنی دونوں عمر میں بات کریں گے۔ اس تیسرے احتمال میں پھر دو شقیں ہیں۔ ایک یہ کہ حدث سے مراد حدث اصغر ہو یعنی بے وضوء ہونا اور یہ ظاہر اس لئے کہ حدث جب مطلق بولتے ہیں تو اس سے ناقض وضو ہی مراد ہوتا ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ باوضو بے وضو ہر حالت میں تلاوت وذکر جائز ہے۔ دوسری شق یہ کہ حدث سے مراد حدث اکبر ہو یعنی جن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے، جیسے جنبی ہونا، حیض ونفاس کی حالت، اب مطلب یہ ہوا کہ پاک ہونے کی حالت کی طرح حالت جنابت وغیرہ میں بھی تلاوت وذکر جائز ہے بہت سے اسلاف کا یہ مذہب ہے ہو سکتا ہے امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہو۔ (نزہۃ القاری جلد ۲ ص: ۴۲)

نزہۃ القاری کی عظمت کے چند اہم گوشے

کتنے ہیرے کھوگئے اس رونق بازار میں
کتنے پتھر بک گئے لعل وگہر کے نام سے

اب چند نمونے نزہۃ القاری سے اور پیش کر رہا ہوں۔ تاکہ ہمارے قارئین کرام دیگر شروح بخاری کے درمیان نزہۃ القاری کی حیثیت اور اس کا امتیاز اچھی طرح معلوم ومحسوس کر سکیں۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ نزہۃ القاری جہاں قدیم شروح بخاری کا عطر تحقیق ہے۔ وہیں اس میں سینکڑوں مقامات پر۔ کم ترک الاولون للاخرین۔ کا مبارک جلوہ بھی نظر آئے گا۔ اور ماضی قریب میں دوسری جماعت کے افراد نے شرح بخاری یا شرح حدیث کے نام پر اپنی جس بدعقیدگی اور رسول دشمنی کا مظاہرہ کیا ہے اور اپنے باطل افکار ونظریات کو سادہ لوح قارئین کے دل ودماغ میں اتارنے کی ناپاک جسارت کی ہے اور اپنی اپنی جماعت کے علماواکابر کو جس انداز میں بڑھا چڑھا کر کے پیش کیا ہے۔ اور یہ باور کرانے کی سعی لاحاصل کی ہے کہ ہمارے اکابر سے بڑھ کر خدمت علم وحدیث کسی نے نہیں کی۔ نزہۃ القاری نے ان سارے مزعومات کا خاتمہ کر دیا اور ان کے ان سارے تاروپود کو بکھیر کے رکھ دیا ہے۔ جس سے ان کی ساری تعلیاں وبالاخانیاں ہوا ہو گئیں۔ بلاشبہ اگر نزہۃ القاری شرح بخاری عالم وجود میں نہ آتی تو جو ظلمات واندھیریاں شرح حدیث کے نام پر پھیلائی گئی تھیں وہ گھٹاٹوپ تاریکیاں نہیں چھٹتیں اور حق کا روشن وتابناک چہرہ ہماری نگاہوں کے سامنے نہیں آیا۔ کتنے مقامات ایسے ہیں۔ جہاں پر دور حاضر کے نام نہاد شراح حدیث کے قلم نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اور علم ودیانت کا خون ناحق کیا ہے۔ لیکن اللہ کی سنت جاریہ ہے کہ لکل فرعون موسی۔ حضرت شارح بخاری کو مولیٰ عزوجل نے نزہۃ القاری شرح بخاری لکھنے کی توفیق مرحمت فرما کر احقاق حق اور ابطال باطل کا وہ عظیم الشان کام لے لیا جس سے ایک عالم حیرت زدہ ہے۔ اور ایک نزہۃ القاری نے بدمذہبوں کے جملہ علمی نخوت وغرور کی فلک بوس عمارت۔ کو خاک میں ملا دیا۔ اور خدمت حدیث کے نام پر جو گمراہیاں پھیلائی گئی تھیں ان کا پوری شدت کے ساتھ رد وابطال فرما کر ان شراح کی علمی اور فکری حیثیت کو روز روشن کی طرح عیاں فرما دیا۔ اور یہ ثابت فرما دیا کہ علم اللہ عزوجل کا ایک نور ہے جو بدمذہبوں کو نہیں ملتا یہ صرف

اہل حق کا حصہ ہے اور ان سب پر شاہد عدل حضرت موصوف کے سیکڑوں تعقبات ہیں جو ماضی قریب کے شراح بخاری پر ہیں۔

متقدمین علماء محدثین سے شرح احادیث میں جو زلت ولغزش ہوئی تھی ان پر تطفلات اور معاصرین پر تعقبات اور حضرت شارح موصوف کی اپنی ذاتی تحقیقات واکتشافات نے نزہۃ القاری کو اپنے دور کی سب سے منفرد اور بے مثال شرح بنادیا اور بلاشبہ یہ شرح مبارک ایسا منارہ نور وہدایت ہے کہ جس سے انشاءاللہ مسلمانان عالم صبح قیامت تک اکتساب فیض وہدایت کرتے رہیں گے۔

ذیل میں ناظرین کرام دیوبندی جماعت کے مشہور محدث انور شاہ کشمیری پر دو تعقب اور ایک تعقب دیوبندیوں کے مربی خلائق مولوی رشید احمد گنگوہی پر دیدۂ حیرت وعبرت کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔ مولوی رشید احمد گنگوہی کی جو حیثیت دیوبندی جماعت میں ہے وہ سب کو معلوم ہے اور شاہ صاحب کا اپنے بارے میں جو دعویٰ وڈینگ ہے وہ بھی دیکھتے چلیں۔

قیام ڈابھیل میں ایک روز (انور شاہ) نے فرمایا تھا کہ ”میں نے حنفیہ کے لئے اس قدر سامان جمع کیا ہے کہ آج تک مجموعی اعتبار سے تمام سلف علمائے حنفیہ سے بھی نہ ہو سکا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ میری یادداشتوں کو صاف اور منقح کرنے کے لئے کوئی صاحب سواد نہیں ملا اور نہ آئندہ امید ہے“

مولوی احمد رضا بجنوری آگے لکھتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ حضرت سراپا علم تھے۔ اور ان سے استفادہ کرنے والے ان کی نسبت سے سراپا جہل تھے۔ (انوار الباری جلد دہم ص:٣٦)

شاہ صاحب نے منقولہ بالا عبارت میں جس جھوٹی تعلی اور سارے علمائے حنفیہ پر اپنی برتری اور دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا ہے ہمارے ناظرین کرام اس کو بخوبی محسوس کر رہے ہوں گے۔ اس بلند بانگ دعویٰ کے تناظر میں شاہ صاحب پر حضرت شارح بخاری کا تعقب ہدیہ ناظرین ہے۔

کشمیری صاحب کارد

فیض الباری میں ہے کہ اذان کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا بدعت ہے۔ اس لئے کہ اس دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں۔ اور عمومات کا سہارا لینا لغو ہے۔ اس کے بعد ہے کہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا خاص فعل وارد ہے۔ ہاں اگر اس میں حضور کا خاص فعل وارد نہ ہوتا تو عمومات کا سہارا مفید ہوتا۔ مگر جب کہ حضور کا خاص فعل منقول ہے تو وہی اسوۂ حسنہ ہے۔ (جلد ثانی ص:۱۶۷)

مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ ارشاد کشمیری صاحب ہی کا ہے۔ مگر جب ان کے تلامذہ نے ان کی طرف منسوب کیا ہے تو یقین کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ شاید کشمیری صاحب کے نزدیک ایسی کوئی روایت ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اذان کے بعد والی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ اس لئے عمومات سے استدلال صحیح نہیں۔ اقول۔ شاید کشمیری صاحب کے خزانہ عامرہ میں بند کسی صندوق میں ایسی کوئی حدیث ہو جو اب دست برد زمانہ سے برباد ہو گئی ہو۔ ورنہ احادیث کی کسی کتاب میں ایسی کوئی روایت نہیں جس میں یہ تصریح ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اذان کے بعد کی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھایا اور جب ایسی کوئی روایت نہیں تو بقول کشمیری صاحب عمومات سے استدلال حق۔ احادیث میں مطلقاً دعا کا طریقہ یہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگو۔

ابو داؤد (جلد اول باب الدعاء ص: ۲۰۹) میں ہے کہ اذ سئلتم اللہ فاسئلو اببطون اکفکم ولا تسئلوا بظهورها.

اللہ سے جب سوال کرو تو ہتھیلیوں سے مانگو پشت دست سے مت مانگو۔

اسی میں وہیں چند احادیث کے بعد ہے کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

انّ النبیّ صلی اللہ تعالی علیه و سلم کان اذا دعا فرفع یدیه و مسح و جهه بیدیه

نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جب دعا مانگتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے ان کو چہرے پر ملتے۔ مشکوۃ کتاب الدعوات فصل ثالث ص ۱۹۶) میں بیہقی کی دعوات کبیر کے حوالے سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یرفع یدیه فی الدعاء حتی یری بیاض

ابطیہ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم دعا میں اپنے ہاتھ اٹھاتے اتنا کہ بغل کی سفیدی دکھائی دیتی۔ ابوداؤد میں وہیں ایک حدیث کے پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے منقول ہے:

المسئلة ان ترفع يديك حذو منكبيك او نحوهما.

سوال یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کو اپنے مونڈھوں تک اٹھاؤ یا اس کے قریب قریب۔ حدیث قولی اور فعلی دونوں سے ثابت ہو گیا کہ مطلقاً دعا کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ کی ہتھیلیاں اوپر کر کے مونڈھوں تک اٹھائیں جائیں اور بعد دعا منہ پر مل لی جائیں۔ اس میں نہ کسی دعا کی تخصیص ہے نہ دعا بعد اذان کا استثنا اس لئے کشمیری صاحب کے علی الرغم یہ ثابت کہ بعد اذان والی دعا میں بھی یہی سنت ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعاء کی جائے۔ کوئی صاحب اس دعا کا استثناء دکھا دیں تو ہم ان کے مشکور ہوں گے۔ (نزہۃ القاری جلد ۳ ص:۱۰۹)

کشمیری صاحب پر تعقب

فیض الباری جلد ثانی ص: ۲۷۲ ر پر ہے کہ میرے نزدیک امام اعظم کا مسلک یہ ہے کہ جہری نماز میں قراءت ممنوع ہے اور سری میں جائز ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کیا ہے اگرچہ امام ابن ہمام نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ میں نے اسے مؤطا اور کتاب الآثار میں نہیں پایا۔

اقول۔ کاش کہ کشمیری صاحب اس مقام پر فتح القدیر (اول فصل فی القراءۃ ص: ۳۰۵ نول کشور) دیکھ لیتے تو امام ابن ہمام کے سر جھوٹ نہ باندھتے امام ابن ہمام نے کتاب الآثار اور مؤطا دونوں کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ امام محمد کا قول یہی ہے کہ کسی نماز میں مقتدی کو قراءت جائز نہیں نہ جہری میں نہ سرّی میں۔ فرماتے ہیں:

حق یہ ہے کہ امام محمد کا قول اس مسئلہ میں بھی شیخین کے قول کے مثل ہے کیونکہ ان کی کتابوں میں ان کی عبارتیں اس بارے میں تصریح کر رہی ہیں کہ وہ شیخین سے اس مسئلہ میں الگ نہیں جیسا کہ کتاب الآثار باب القراءت خلف الامام میں پہلے علقمہ بن قیس کا یہ فعل سند کے ساتھ بیان فرمایا کہ انھوں نے کبھی قراءت نہیں کی نہ جہری میں نہ سرّی میں۔ پھر فرمایا اسی کو ہم لیتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ وہ کسی نماز میں جہری ہو یا سرّی قراءت کو جائز نہیں جانتے پھر دوسرے آثار کو سندوں کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد فرمایا کسی نماز میں امام کے پیچھے قراءت مناسب نہیں اور مؤطا میں اس سلسلے کے آثار نقل کرنے کے بعد فرمایا: امام کے پیچھے قراءت نہیں نہ جہری میں نہ سرّی میں۔ اسی کے مطابق عامہ اخبار وارد ہیں یہی ابو حنیفہ کا قول ہے۔

ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ کشمیری صاحب نے کس طرح آنکھ میں دھول جھونکی ہے امام ابن ہمام تو صاف صاف لکھ رہے ہیں کہ کتاب الآثار اور مؤطا دونوں میں انھوں نے تصریح فرمائی ہے کہ امام کے پیچھے نہ جہری نماز میں قراءت ہے نہ سرّی میں۔ اور یہ امام ابن ہمام کے سر منڈھ رہے ہیں کہ انھوں نے صرف اس بنا پر اسے امام محمد کا قول تسلیم نہیں کیا کہ انھیں کہیں نہیں ملا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ غیر مقلدین کے آگے سپر اندازی کا نتیجہ ہے یا آپ کے اعلیٰ درجے کے حافظے کی خوبی ہے۔ (نزہۃ القاری جلد ۳ ص: ۲۲۱)

گنگوہی صاحب پر تعقب

تذکرۃ الرشید حصہ اول ص: ۹۲ پر گنگوہی صاحب کی جلالت علم کے ثبوت میں ان کے عاشق میرٹھی صاحب نے یہ قصہ بیان کیا ہے کہ ان کے ایک شاگرد حج کے لئے گئے۔ تو شیخ الدلائل حضرت مولانا احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں درس ترمذی میں شریک ہوتے تھے۔ قراءت خلف امام کی بحث کے اثنا گنگوہی صاحب کے نیاز مند نے گنگوہی صاحب کی اس نکتہ سنجی کا تذکرہ کیا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث موقوفا صحیح مسلم میں مروی ہے کہ قراءت فاتحہ ہر رکعت میں ضروری ہے۔ الا ان یکون وراء الامام۔ مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب کو میں نے سنا کہ فرماتے تھے کہ یہ حدیث ہر چند کہ موقوف جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہے۔ مگر مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ احکام کے متعلق ہے اور صحابی اپنی طرف سے یہ استثنا نہیں کر سکتا۔ مولانا عبدالحق صاحب اس تقریر کو سن کر پھڑک اٹھے اور بڑے شوق کے ساتھ باصرار فرمایا کہ ہندوستان میں پہنچ کر جناب مولانا رشید احمد صاحب سے اس حدیث کا پتہ دریافت کر کے مجھے ضرور لکھنا کہ کس جگہ اور کس صفحہ پر ہے چنانچہ میں نے واپس ہو کر گنگوہ کی حاضری میں حضرت سے اس حدیث کا پتہ دریافت کیا اور بقید صفحہ اور سطر لکھ کر مولانا عبدالحق صاحب کو ۱۳۰۴ھ میں اطلاع دی۔

اقول: گنگوہی صاحب اور ان کے یہ شاگرد اور ان کے عاشق میرٹھی سب آنجہانی ہو گئے۔ اب ہم کس سے پوچھیں کہ یہ حدیث مسلم میں کہاں ہے۔ ناظرین کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت شیخ الدلائل اعظم علمائے مکہ میں سے تھے اور نارہ ضلع الہ آباد ان کی جائے پیدائش ہے ہجرت کر کے مکہ معظمہ جا بسے تھے۔ یہ قصہ صرف ان کی شان گھٹانے کے لئے گڑھا گیا۔ ان کا جرم صرف یہ ہے کہ انھوں نے حسام الحرمین کی تصدیق فرمادی تھی مگر سنت الٰہی ابھی جاری ہے۔

چوں خداخواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں کند

مثل مشہور ہے چور بھاگتا جاتا ہے نشان قدم چھوڑتا جاتا ہے وہی حال یہاں ہوا یہ حدیث مسلم میں نہیں ترمذی جلد اول ہی میں ہے۔ حضرت شیخ الدلائل بقول اس کذاب کے ترمذی جلد اول کا درس دے رہے تھے تو ان

سے یہ حدیث کیسے پوشیدہ رہ سکتی تھی۔ جب کہ یہ ترمذی کے ص:۴۲ پر ہے وہ بھی قراءت خلف الامام ہی کے باب میں پھر اس حدیث کا صفحہ سطر پوچھنا کیا معنی اور جو نکتہ آفرینی گنگوہی صاحب کی طرف منسوب ہے وہ اصول حدیث کا ایسا مشہور و معروف قاعدہ ہے کہ اہل سنت کے مدارس کے سب طلبہ جانتے ہیں پھر کس کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ حضرت شیخ الدلائل کس بات پر پھڑکے۔ یہ صرف حضرت شیخ الدلائل کی شان ارفع و اعلی کو گھٹانے کے لئے گڑھا گیا ہے ورنہ ان کی جلالت علم کے سامنے گنگوہی صاحب جیسے لوگوں کی کیا حقیقت؟

اس ایک واقعے میں اتنے جھوٹ ایک ساتھ ہیں (۱) یہ حدیث مسلم میں ہے (۲) اسے سن کر شیخ الدلائل پھڑک اٹھے (۳) اس کا پتہ پوچھا (۴) اور اس دیوبندی کو گنگوہی صاحب نے مسلم شریف کا صفحہ و سطر بتادیا (۵) پھر اس دیوبندی نے شیخ الدلائل کو اس کی اطلاع دی (نزہۃ القاری جلد ۳ ص:۲۲۲)

دیکھتے کیوں ہو شکیب اتنی بلندی کی طرف
نہ اٹھایا کرو سر کو کہ یہ دستار گرے

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

نزہۃ القاری شرح بخاری کی عظمت اور برتری کے ثبوت کے لئے اب مزید کسی دلیل و شہادت کی چنداں ضرورت باقی نہ رہی ہمارے عقلمند ناظرین کرام نے گذشتہ بالا سطور ہی سے بخوبی اندازہ لگالیا ہوگا مگر اتمام حجت کے لئے صرف دو نمونے مزید پیش خدمت ہیں آپ حضرات یقین فرمائیں کہ ان نمونوں کے انتخاب میں مجھے کافی دقت اٹھانی پڑی اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ نزہۃ القاری میں جگہ جگہ جو حقائق و معارف اور انتہائی محققانہ اور حکیمانہ بحثیں ہیں اور سبھی اپنی جگہ پر بہت مفید اور اہم ہیں کہ انھیں دیکھنے اور پڑھنے کے بعد یہی خواہش ہوتی ہے کہ ان سب کو بھی اپنے قارئین کے سامنے پیش کر دیا جائے تاکہ وہ بھی فیض یاب ہو سکیں۔ لیکن میرا یہ مضمون بہت طویل ہوتا جارہا ہے اس لئے صرف انھیں دو نمونوں پر اکتفا کرتا ہوں اور اللہ عزوجل اپنے جس بندے کو توفیق دے گا وہ خود نزہۃ القاری کا مطالعہ کر کے میری کہی ہوئی باتوں پر اطمینان حاصل کر لے گا۔

البتہ نزہۃ القاری سے جو نمونے پیش کئے جارہے ہیں ان کے تعلق سے۔ میں علی رؤس الاشہاد یہ عرض کر رہا ہوں کہ آپ حضرات بخاری شریف کا جس شرح سے چاہیں موازنہ اور تقابل کر کے دیکھ لیں انشاءاللہ نزہۃ القاری آپ کو اس میں منفرد اور ممتاز نظر آئے گی اور ایک بار پھر اس بات کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر نزہۃ القاری نہ لکھی جاتی تو دیوبندی شراح نے جو گمراہیاں پھیلائی تھیں ان کا ازالہ نہ ہو پاتا اور حدیث رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا صحیح مفہوم عام لوگوں کے لئے سمجھنا انتہائی دشوار ہوتا۔ اللہ تعالیٰ حضرت شارح بخاری علام کو اسلام و مسلمین کی طرف سے بہترین جزاعطا فرمائے کہ انھوں نے اس امر مشکل کو عامہ مسلمین کے لئے آسان فرمادیا۔

نمونہ اول

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مدینے یا۔ مکے کے باغوں میں سے کسی باغ پر گذرے تو آپ نے دو انسانوں کی آواز سنی جنھیں اپنی اپنی قبروں میں عذاب ہو رہا تھا۔ اس پر نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان پر عذاب ہو رہا ہے۔ حالانکہ کسی بڑے گناہ پر عذاب نہیں ہو رہا ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔ ہاں بڑے گناہ پر ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ اور دوسرا چغلی کھاتا تھا اس کے بعد حضور نے کھجور کی ایک شاخ منگائی اور اسے دو ٹکڑے کیا ہر ایک کی قبر پر ایک ٹکڑا رکھا۔ دریافت کیا گیا یا رسول اللہ آپ نے یہ کیوں کیا؟ فرمایا: جب تک یہ سوکھیں گی نہیں ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

حدیث مذکور کے تحت نزہۃ القاری میں جو محد ثانہ، محققانہ کلام مذکور ہے پوری بحث تو آپ حضرات وہیں دیکھ لیں۔

اس مقام پر صرف ایک جملے کے تعلق سے جو بحث ہے اسے آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں: حدیث پاک کا آخری ٹکڑا یہ تھا: لعله ان يخفف عنهما مالم تيبسا۔ دیوبندی اور غیر مقلدین شارحین حدیث نے اس مقام پر جو گمراہیاں اور غلط فہمیاں پھیلائی ہیں اور حدیث رسول میں تحریف معنوی کے مرتکب ہوئے ہیں اور حضرت شارح بخاری نے ان شراح پر جو تعقب فرمایا ہے اسے پڑھ کر کے بے ساختہ زبان پر یہ شعر جاری ہو جاتا ہے۔

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

تخفیف عذاب کی علت

ان کھجوروں کی شاخ رکھنے سے عذاب میں تخفیف کی علت کیا ہے۔ اس سلسلے میں امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

علما نے فرمایا یہ اس پر محمول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ان کی شفاعت فرمائی۔ حضور کی یہ شفاعت شاخوں کے سوکھنے تک قبول ہوئی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ احتمال بھی ہے کہ حضور اس وقت ان کے

لئے دعا کرتے رہے ہوں۔ ایک قول یہ ہے۔ تخفیف عذاب اس وجہ سے ہوئی کہ یہ شاخیں جب تک گیلی رہیں گی۔ تسبیح کرتی رہیں گی، سوکھی تسبیح نہیں کرتیں آیت کریمہ۔

وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ۔ ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔ میں اکثر مفسرین کا مذہب یہ ہے کہ اس میں شیٔ سے زندہ مراد ہے۔ ان لوگوں نے فرمایا کہ ہر چیز کی حیات اس کے اعتبار سے ہے۔ لکڑی کی زندگی سوکھنے تک اور پتھر کی اس وقت تک جب تک اپنے معدن سے جدا نہ کیا جائے۔ مگر محققین کا مذہب یہ ہے کہ یہ آیت اپنے عموم پر ہے۔ یعنی زندہ مردہ ہر چیز تسبیح کرتی ہے۔ اس کے بعد اس میں اختلاف ہے۔ کہ ہر چیز واقعی تسبیح کرتی ہے۔ یا اس سے مراد تسبیح قہری ہے کہ ہر چیز کا وجود، اس کی ہیئت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا صانع ہر عیب سے منزہ ہے۔ محققین نے فرمایا کہ ہر چیز حقیقت میں تسبیح کرتی ہے۔

(شرح مسلم جلد اول باب الدلیل علیٰ نجاسة البول و التستر عنه ص: ۱۴۱)

ان میں سے امام نووی کے نزدیک کیا حق ہے۔ انھوں نے بظاہر کوئی فیصلہ نہیں فرمایا: لیکن ان اقوال کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

استحب العلماء قرأة القرآن عند القبر لهذا الحديث لانه اذا كان يرجى التخفيف بتسبيح الجريد فبتلاوة القرآن اولىٰ. وقد ذكر البخارى فى صحيحه ان بريدة بن الحصيب الا سلمى الصحابى اوصى ان يجعل فى قبره جريد تان ففيه انه رضى الله تعالىٰ عنه تبرك بفعل النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم.

اس حدیث کی بنا پر علما نے قبر پر قرآن مجید پڑھنے کو مستحب جانا۔ اس لئے کہ جب کھجور کی شاخ کی تسبیح سے تخفیف عذاب کی امید ہے۔ تو قرآن مجید کی تلاوت سے بدرجہ اولی امید ہے بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا کہ بریدہ بن حصیب اسلمی صحابی نے وصیت کی کہ ان کی قبر پر دو کھجور کی شاخیں رکھی جائیں۔ حضرت بریدہ نے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے فعل سے برکت حاصل کی۔

(شرح مسلم جلد اول باب الدلیل علیٰ نجاسة البول و التستر عنه ص: ۱۴۱)

یہ ارشاد اس کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک یہی راجح ہے کہ تخفیف عذاب ان شاخوں کی تسبیح کی وجہ سے ہے۔ یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عند التحقیق سوکھی لکڑی بھی تسبیح کرتی ہے تو تخفیف عذاب کو تر کے ساتھ خاص کیوں کیا۔ اس کا جواب علامہ شامی نے یہ دیا کہ ہری شاخ کی تسبیح اور ذکر و دعا اثر و فائدہ انہیں تر نباتات کی تسبیح بہ نسبت سوکھی کے زیادہ اکمل ہے۔ اس لئے ہری کی تسبیح تخفیف عذاب میں مؤثر ہے۔ جیسے حضرات انبیائے کرام، اولیائے عظام کی تسبیح، ذکر، دعا، کا جو اثر و فائدہ ہے۔ وہ ہم جیسے عوام کی تسبیح بہ نسبت سوکھے کے کہ زیادہ قوی ہے۔ یہ

خود مخالفین کے شاہ صاحب کو تسلیم ہے جیسا کہ انوار الباری میں ہے۔

اس کے بعد علامہ نووی نے لکھا کہ خطابی نے اس سے انکار کیا کہا جو لوگ اس حدیث کی بنا پر قبروں پر شاخ وغیرہ رکھتے ہیں۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔

حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری خطابی کے اس انکار کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ خطابی نے جو کچھ کہا اس میں واضح بحث ہے۔ اس لئے کہ یہ حدیث قبروں پر ہری شاخ وغیرہ رکھنے کی اصل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا۔ خطابی کا یہ کہنا کہ اس کی کوئی اصل نہیں یہ ممنوع ہے۔ یہ حدیث اس کی اصل اصیل ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے بعض ائمہ متاخرین نے یہ فتویٰ دیا کہ قبروں پر پھول اور شاخیں رکھنے کی جو عادت ہے۔ وہ اس حدیث کی روشنی میں سنت ہے۔ (مرقات جلد اول باب آداب الخلاء فصل اول ص:۲۸۶)

حضرت ملا علی قاری کے اس ارشاد سے ظاہر ہو گیا کہ ان کے نزدیک نیز حضرت علامہ ابن حجر کے نزدیک تخفیف عذاب کی علت ان شاخوں کی تسبیح ہے، اور یہی علامہ عینی کا بھی رجحان ہے۔

اس لئے اس حدیث سے قبروں پر پھول وغیرہ رکھنے کا جواز ہی نہیں استحسان ثابت ہوتا ہے۔

لطیفہ

یہاں ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ خطابی کی طرف منسوب تو یہ ہے کہ وہ تخفیف عذاب کی علت ان شاخوں کی تسبیح کو نہیں مانتے اور ساتھ ہی ساتھ علامہ عینی نے ان کا اس حدیث سے استنباط یہ نقل کیا کہ خطابی نے کہا، یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ قبروں پر قرآن مجید کی تلاوت مستحب ہے۔ اس لئے کہ جب درخت کی تسبیح سے تخفیف عذاب کی امید ہے تو قرآن مجید برکت میں کہیں اس سے زیادہ ہے۔

(عینی جلد سوم کتاب الوضوء باب من الکبائر ان لایستتر من البول ص: ۱۱۶)

یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ بھی اس کے قائل ہیں کہ اصل علت ان شاخوں کی تسبیح ہے۔ خطابی کی اصل کتاب میرے پاس ہے نہیں کہ اصل حال کی تحقیق ہو سکے۔ علامہ ابن حجر نے طرطوشی کا یہ قول نقل کیا۔ تخفیف عذاب کی علت حضور کے دست مبارک کی برکت تھی۔ غیر مقلدین اور دیوبندی اس کو علت قرار دینے پر بہت زور دیتے ہیں۔ لیکن پھر یہ برکت اتنی محدود کیوں رہی کہ جب تک شاخیں ہری رہیں تخفیف عذاب رہا، اس کو کوئی صاحب بتائیں؟

یہاں قابل غور یہ بات ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت اور دعا کی تاثیر اپنی جگہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست مبارک تو دست مبارک ہے اگر نعلین پاک کسی کی

قبر پر رکھ دیں تو ہمیشہ کے لئے عذاب قبر کیا عذاب جہنم ٹل جائے۔ اور دعا کے اثر کا حال اس سے بھی بڑھ کر پھر حضور نے تخفیف عذاب کی دعا کیوں نہیں کی۔ صرف دست مبارک یا قدم پاک یا نعل مقدس کیوں نہیں رکھا۔ اگر حضور ان کے عذاب میں تخفیف عذاب کے لئے دست مبارک رکھ دیتے یا دعا فرمادیتے تو کھجور کی شاخ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مگر حضور نے نہ دعا فرمائی نہ دست مبارک یا قدم پاک یا نعل مقدس رکھا کھجور کی شاخ رکھی۔ یہ دلیل ہے کہ اس خاص واقعہ میں تخفیف عذاب کی علت نہ دعا ہے۔ نہ دست مبارک کا رکھنا بلکہ صرف اس شاخ کی تری ہے۔ جس پر حدیث کا یہ ارشاد۔ مالم تیبسا۔ نص ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ اگر حضور دعا فرما کر یا دست مبارک رکھ کر تخفیف عذاب کر دیتے، تو وصال اقدس کے بعد آنے والے ہزاروں لاکھوں امت کے افراد کو تخفیف عذاب کا یہ نسخہ معلوم نہ ہوتا۔ حضور نے کھجور کی شاخ رکھ کر اپنی قیامت تک کی امت کو تخفیف عذاب کا یہ نسخہ عطا فرمادیا۔ دعا سے یا دست پاک کی برکت سے وہی مستفیض ہو سکتے تھے۔ جو حیات ظاہری میں موجود تھے۔ مگر اس عطیہ سرکار سے قیامت تک کی امت بہرہ مند ہوتی رہے گی۔

فقہا نے لکھا کہ قبرستان کی تر گھاس کا کاٹنا مکروہ ہے۔ اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ جب تک وہ ہری رہتی ہے تسبیح کرتی رہتی ہے۔ جس سے میت کو انسیت حاصل ہوتی ہے اور رحمت نازل ہوتی رہتی ہے۔ اس پر علامہ محمد بن عابدین شامی ردالمحتار میں لکھتے ہیں:

> **دليله ماورد فى الحديث من وضعه عليه الصلوٰة والسلام الجريدة الخضراء بعد شقها نصفين على القبرين الذين يعذبان وتعليله بالتخفيف مالم تيبسا اى تخفف عنهما ببركة تسبيحهما اذهوا كمل من تسبيح اليابس لما فى الأخضر من نوع حياة وعليه فكراهة قطع ذالك وان نبت بنفسه ولم يملك لان فيه تفويت الحق الميت ويوخذ من ذالك ومن الحديث ندب وضع ذالك للاتباع ويقاس عليه ما اعتيد فى زماننا من وضع اغصان الاس ونحوه (جلد اول ص ٦٠٦.٧)**

اس کی دلیل وہ ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ہری کھجور کی شاخ کو دو ٹکڑے کر کے ان قبروں پر رکھا جن میں عذاب ہو رہا تھا۔ اور حضور کا تخفیف عذاب کا یہ علت بتانا۔ کہ جب تک سوکھیں گی نہیں ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی یعنی ان کی تسبیح کی برکت سے اس لئے کہ تر کی تسبیح سوکھی سے زیادہ کامل ہے۔ کیوں کہ تر میں ایک قسم کی حیات ہوتی ہے اس بنا پر قبرستان سے ہری گھاس کاٹنے کی کراہت اس لئے ہے کہ اس میں میت کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اس مسئلے اور حدیث سے یہ حکم ماخوذ ہے کہ کھجور کی ہری شاخ رکھنا مستحب ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی میں اس پر قیاس کیا گیا وہ جو ہمارے زمانے میں عادت ہے کہ

آس وغیرہ کی شاخیں رکھتے ہیں۔

علامہ شامی کی فقہائے احناف میں جو حیثیت ہے۔وہ سب کو معلوم ہے۔ان کی کتاب ردالمحتار، فقہ حنفی کی بہت مشہور اور مستند ہے۔کوئی حنفی عالم اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا انھوں نے بہت واضح غیر مبہم طور پر بتادیا کہ ان لوگوں پر تخفیف عذاب کی علت خود حضور نے یہ بتائی کہ جب تک یہ تر رہیں گی۔ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔اس لئے کہ تر شاخ کی تسبیح سوکھی کے بہ نسبت زیادہ کامل ہے۔اس لئے کہ تر شاخ میں یک گونہ حیات ہے۔ تصریح فرمادی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع میں کھجور کی تر شاخ رکھنا مستحب ہے۔اور اس پر قیاس کرکے آس وغیرہ دوسرے نباتات رکھنا بھی۔

اس کے بعد ہمیں اس بحث کو زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں، مگر دیوبندی وغیر متلد شارحین نے یہاں عوام کو بہت مغالطے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔اس لئے بحث کو مکمل کرنے کے لئے چند امور کا اضافہ ضروری ہے:

اس حدیث میں تخفیف عذاب کی علت ان شاخوں کی تری اور تسبیح ہی ہے۔یہی صحابہ کرام نے بھی سمجھا۔ چنانچہ سیدنا بریدہ بن الحصیب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری قبر پر دو کھجور کی شاخیں رکھی جائیں۔(بخاری جلد اول، جنائز باب الجرید علی القبر ص:۱۸۱)

اس قسم کی وصیت حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کی تھی۔شرح الصدور میں ہے کہ ”قتادہ نے کہا کہ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث (زیر بحث) بیان کی اور یہ وصیت کیا کرتے تھے کہ میری قبر میں کھجور کی دو شاخیں رکھ دینا۔ان کا وصال کرمان اور قوس کے درمیان ایک میدان میں ہوا۔وہاں کھجور کی شاخ نہ مل سکی لوگ یہ باتیں کر رہے تھے کہ ان کی وصیت قبر میں شاخیں رکھنے کی تھی۔اور یہاں ہے نہیں کیا کریں۔اتنے میں بجستان کی طرف سے کچھ سوار آئے جن کے پاس کھجور کی شاخیں تھیں ہم نے ان سے شاخیں لے کر ان کی قبر میں رکھ دیں۔“(جلد ششم ص:۵۱)

اس پر علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:

قد تاسی بریدہ بن حصیب الصحابی بذالك فاوصیٰ ان یوضع علی قبرہ جرید تان اولیٰ ان یتبع من غیرہ

اس کی پیروی بریدہ بن حصیب صحابی نے کی اور یہ وصیت کی کہ ان کی قبر پر کھجور کی دو شاخیں رکھی جائیں بہ نسبت دوسروں کے ان صحابی کی اتباع کرنا زیادہ بہتر ہے۔

ظاہر ہے کہ حدیث کو صحابہ کرام سے زیادہ، خطابی، طرطوشی نہیں سمجھ سکتے۔صحابی نے اس کا مطلب یہی

سمجھا کہ تخفیف عذاب کا سبب ان شاخوں کی تری ہے۔ اور ان کی تری کو تخفیف عذاب میں دخل ہے اس لئے اس کی وصیت کی۔ انھوں نے اس کو ان دونوں کے ساتھ خاص نہیں سمجھا، اس لئے ان صحابہ کرام کی اتباع ہم کو بھی کرنی چاہئے۔ ان کے عمل کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور جو انھوں نے سمجھا اس کو حق ماننا چاہئے۔ اس پر صاحب انوار الباری کا یہ کہنا کہ:

"ایک دو صحابی کے سوا دوسرے ہزارہا صحابہ کرام نے جو بات سمجھی وہ لوگ اور بھی لائق اتباع ہیں۔ جو شائبہ بدعت سے کوسوں دور ہے۔ چنانچہ ایک دو صحابی کے سوا کسی سے بھی یہ منقول نہیں ہوا کہ اس نے قبروں پر ٹہنیاں یا پھول وغیرہ رکھنے کو سنت یا مستحب سمجھا ہو۔" (جلد ششم ص: ۵۱)

آپ کی اس تحقیق کا حاصل یہ ہوا کہ جب تک کوئی عمل تمام صحابہ سے مروی نہ ہو وہ قابل قبول نہیں۔ اگر یہ ثابت ہو کہ دو یا چار صحابہ نے یہ کام کیا مگر بقیہ صحابہ سے یہ منقول نہ ہو کہ انھوں نے بھی کیا تو وہ لائق اعتبار نہیں۔ آپ کی یہ تحقیق ماننے کے بعد دین کا کیا حال ہوگا۔ وہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ اس تحقیق کو صحیح مان لینے کے بعد تمام شرائع ختم ہو جائیں گے۔ اور تو اور نماز پڑھنی مشکل ہو جائے گی۔ بلکہ محال۔ آپ بتائیں کہ تکبیر تحریمہ میں کانوں تک ہاتھ لیجانا، ثنا پڑھنا، ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا، آمین بالسر کہنا، رکوع، سجدے کی تسبیحات، تشہد وغیرہ کتنے صحابہ سے مروی ہے؟ کیا ان سب کی رد کے لئے آپ کی یہ منطق کافی نہ ہوگی؟۔ اہل علم جانتے ہیں کہ کسی ایک صحابی سے کسی فعل کا منقول ہونا کافی ہے۔ بشرطیکہ اس کے خلاف کسی صحابی کا قول نہ ہو۔ اور یہاں تو دو صحابی کی وصیت اور تابعین کی جماعت کا عمل ثابت ہے، جس پر کسی صحابی، کسی تابعی نے کوئی انکار نہیں فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے:

اصحابی کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم۔ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جس کی بھی اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے۔

آپ نے عدم ذکر کو ذکر عدم بنالیا۔ یہی آپ کی غلطی ہے۔ پھر ایسا بھی نہیں کہ صرف صحابی کا فعل ہی ہے اس کی موید حدیث بھی ہے۔ اس کے باوجود آپ نے اس کے بدعت ہونے کا حکم لگا دیا۔ جب فعل رسول، فعل صحابہ، فعل تابعین بھی بدعت ہو جائے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ لوگوں کے نزدیک سنت کس چیز کا نام ہوگا۔

دوسرا اعتراض آپ کا یہ ہے۔ کہ

"اور ظاہر ہے کہ یہ امر مغیبات میں سے ہے۔ اس لئے جب دوسروں کو اس کا علم نہیں ہو سکتا تو ان کو اس فعل کا اتباع بھی درست نہ ہوگا" (انوار الباری ششم ص: ۵۰)

اب دوسری تحقیق بھی اگر حق ہے تو کسی مسلمان کے لئے دعائے مغفرت اس وقت تک فضول ہے جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ یہ گنہگار ہے۔ اس لئے کہ گنہگار ہونا نہ ہونا مغیبات سے ہے جب ہمیں معلوم ہی نہیں کہ یہ گنہگار ہے یا نہیں تو دعا مغفرت بیکار۔ ہم ثابت کر آئے کہ تخفیف عذاب کی علت ان کی تسبیح ہے۔ اگر یہ بندہ صالح عذاب قبر سے محفوظ ہے تو اس سے اسے انس حاصل ہوگا، نزول رحمت ہوگی، یہ فائدہ کیا کم ہے۔

تیسرا اعتراض آپ کا یہ ہے:

"پھر اس طریقہ کی غلطی پر وہی دلیل کافی ہے کہ بجائے فساق و فجار کی قبور کے جن کے لئے تخفیف عذاب کے اسباب کی ضرورت ہے صلحا و مقربین بارگاہ خداوندی کے مزارات پر یہ چیزیں چڑھاتے ہیں۔" (انوار الباری جلد ششم ص:۵۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ لوگوں کا بھی عمل ایسا ہی الٹا ہے۔ عوام غربا فساق و فجار کے جنازے میں جانے کی آپ حضرات تو زحمت نہیں اٹھاتے مگر شیخ الحدیث، حضرت جی، مہتمم صاحب وغیرہ قسم کے اپنے صلحا و مشائخ کے جنازے میں دھکے کھانے کے باوجود شریک ہوتے ہیں۔ حالانکہ فساق و فجار کو نماز جنازہ و دعا مغفرت کی آپ کے عقیدے کے مطابق آپ کے شیخ الحدیث و حضرت کی بہ نسبت زیادہ ضرورت ہے۔ آپ بخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اس کا پاس ضروری تھا۔

کشمیری صاحب کا ارشاد

فرمایا بکثرت علمائے سلف و خلف نے قبروں پر ٹہنیاں لگانے وغیرہ کو بدعت و خلاف شریعت کہا ہے۔ (انوار الباری جلد ششم ص:۵۱)

ذرا مہربانی کر کے دس بیس کے نام تو گنا دیجئے۔ جس نے اسے بدعت کہا ہو۔ ادعا بے دلیل علما کے سر بہتان۔ یہ آپ کے بزرگوں کی پرانی عادت ہے۔ خطابی یا علامہ ابن عبد البر نے جو کہا صرف یہ کہ اس حدیث سے اس کا استدلال درست نہیں۔ ان میں سے کسی نے بدعت نہیں کہا۔ یہ صرف بانیان وہابیت کا اختراع ہے:

"اسی طرح متاخرین حنفیہ میں سے جس کسی نے اس کو جائز کہا، غلطی کی ہے۔ مثلاً شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور علامہ شامی میں سمجھتا ہوں ان حضرات کو مسئلہ بدعت صحیح طور سے منقح نہ ہو سکا تھا۔"

ذرا آپ نے اپنی تنقیح پیش کی ہوتی تو دنیا دیکھ لیتی کہ یہ تنقیح آپ کو بھی لے ڈوبی۔ یقیناً ان حضرات کے

نزدیک بدعت کی ایسی کوئی تعریف نہیں جس کی رو سے فعل رسول، فعل صحابہ، فعل تابعین بھی بدعت ہو جائے۔ بدعت کی ایسی تعریف دیو بند میں ڈھلی اور وہیں بند ہے۔ اہل علم انصاف کریں۔ ان بزرگوں کے نزدیک جب فعل رسول، فعل صحابہ، فعل تابعین بھی بدعت ہے۔ تو پھر اس کا کیا علاج۔

لعل تحقیق کے لئے ہے: حدیث میں "لعل" وارد ہے جو ترجی امید کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اور ترجی میں شک ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ انسان جو امید کرے وہ ضرور پوری ہو۔ مگر اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کی ترجی بھی تحقیق کے لئے ہے۔ جیسا کہ علامہ عبدالباقی زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا:

الرجاء من الله و نبیه للتحقیق۔ اللہ اور رسول کے کلام میں لفظ ترجی تحقیق کے لئے ہے۔

اس بحث کے اختتام پر مناط حکم کی تحقیق حضرت شارح بخاری نے جس انداز میں فرمائی ہے اسے پڑھ کر کے ہمارے اہل علم ناظرین مسرت و شادمانی سے جھوم اٹھیں گے۔

مناط حکم کی تحقیق اور تنقیح کس قدر مشکل اور اہم کام ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں اور بلاشبہ حضرت شارح موصوف نے نزہۃ القاری لکھ کر کے الاحادیث مضلة الا للفقهاء کے ارشاد کو حق ہونا ثابت فرمادیا۔

مناط حکم کی تنقیح : اس کے بعد امام بخاری نے یہ باب باندھا۔ پیشاب دھونے کے بیان میں۔ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس قبر والے سے فرمایا۔ جو پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ اور حضور نے انسانوں کے علاوہ اور کسی کے پیشاب کو نہیں ذکر کیا۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حدیث سابق کے بعض طرق میں جو "من بوله" کے بجائے "من البول" آیا ہے۔ اس میں بھی بول سے اسی شخص کا پیشاب مراد ہے۔ گویا اس میں الف لام استغراق کا نہیں عہد خارجی کا ہے۔ اور چونکہ ایسے احکام میں کسی شخص کی خصوصیت نہیں ہوتی اس لئے یہ حکم پوری نوع کو عام ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ انسان غیر ماکول اللحم ہے۔ اس لئے یہ حکم تمام غیر ماکول اللحم حیوانات کے پیشاب میں عام کیا جاسکتا ہے۔ ان مقدمات کے بعد امام بخاری کا مقصد یہ ظاہر ہوا کہ وہ صرف غیر ماکول اللحم حیوانات کے پیشاب کو ناپاک مانتے ہیں۔ اور ماکول اللحم کے پیشاب کو پاک۔ اگر امام بخاری کا یہی مقصد ہے۔ تو اس پر دو گذارش ہے۔

اول: یہ کہ ہم نے جو احادیث پہلے ذکر کیں ان میں مطلق "بول" ہے۔ اور اس کے الف لام کو عہد خارجی پر محمول نہیں کر سکتے وہ بلاشبہ استغراق کے لئے ہے۔ جس میں تمام پیشاب داخل ہیں۔ خواہ وہ ماکول اللحم کے ہوں خواہ غیر ماکول اللحم کے۔

دوم: یہ کہ آپ نے انسان کے غیر ماکول اللحم ہونے کو علت قرار دے کر قیاس کیا۔ماکول و غیر ماکول کو طہارت و نجاست میں دخل نہیں۔ بہت سی اشیا غیر ماکول ہیں۔ مگر طاہر ہیں۔ جیسے خود انسان کا گوشت، طاہر ہے۔ مگر ماکول نہیں۔ اس لئے اس کو حکم کا مدار ٹھہرانا درست نہیں۔ بلکہ بنظر دقیق پیشاب کی نجاست میں گوشت کا کوئی دخل ہی نہیں۔ پیشاب کی نجاست کی بنیاد اس کا بدبو و گندگی کی جانب استحالہ یعنی بدلنا ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔ کہ اگر کوئی چیز اپنی اصل کے اعتبار سے طیب و طاہر ہو پھر وہ استحالہ کے بعد یعنی بدل کر گندی و بدبودار ہو جائے تو ناپاک ہے۔اور اگر کوئی ناپاک چیز ہو اور بدل کر عمدہ، خوش ذائقہ ہو جائے تو پاک و طیب ہے۔ مثال کے طور پر ہماری غذا کو لیجئے۔ ہم پاک و صاف، طیب و طاہر لذیذ و خوش ذائقہ غذا کھاتے ہیں۔ مگر معدے میں جا کر جب وہ بدل کر بدبودار ہو جاتی ہے تو ناپاک ہو جاتی ہے۔ براز غذا ہی کا بدلہ ہوا حصہ ہے۔ جو اپنی گندگی اور بدبو کی وجہ سے ناپاک ہے۔دوسری طرف لیجئے شراب نجس اور حرام ہے۔ مگر جب بدل کر سرکہ ہو جائے تو حلال و طاہر۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ انسانوں کی طرح حیوانات کے پیشاب بھی ان کی غذا کی بدلی ہوئی حالت ہے۔ جس میں گندگی اور بدبو ہوتی ہے۔ اس لئے وہ ناپاک اور پیشاب کے استحالہ الی الفساد والقتن میں سب حیوانات برابر ہیں۔ خواہ وہ ماکول اللحم ہوں خواہ غیر ماکول اللحم، اس لئے سب کے پیشاب ناپاک۔

ہمارے اس استدلال کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو عارف باللہ ملا احمد جیون قدس سرہ نے نورالانوار میں ذکر کی۔

ایک مرد صالح کا وصال ہوا۔ دفن کے بعد وہ عذاب قبر میں گرفتار ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ و سلم نے ان کے گھر جا کر ان کی بیوی سے سبب پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ یہ بکریاں چراتا تھا ان کے پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا۔اس پر ارشاد فرمایا:

استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه(نور الانوار بحث عام ص:۶۸)

پیشاب سے بچو اس لئے کہ عام عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے۔

یہاں خاص بکریاں مذکور ہیں۔ جو ماکول اللحم ہیں۔اس لئے بول کے نجس ہونے میں غیر ماکول اللحم کی تخصیص ساقط۔

امام بخاری کا مقصد اگر یہ ہے۔ تو یہ افادہ ظاہر ہے کہ اس میں۔ من البول، عام نہیں، خاص ہے، مگر اس کے لئے لفظ "باب" کے اضافہ کی کیا حاجت تھی (نزہۃ القاری جلد : ۲ ص:۱۱۰)

نمونہ دوم

حدیث: خارجہ بن زید انصاری نے خبر دی کہ ام العلاء نے جو ایک انصاری عورت تھیں جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ خبر دی کہ جب انصار نے مہاجرین کی رہائش کے لے قرعہ اندازی کی تو عثمان بن مظعون ان کے حصے میں آئے اور وہ ہمارے یہاں رہنے لگے۔ پھر بیمار پڑ گئے ہم نے ان کی تیمار داری کی جب ان کی وفات ہو گئی۔ اور ہم نے ان کو ان کے کپڑے میں کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے۔

تو میں نے کہا اے ابو السائب تم پر اللہ کی رحمت ہو آپ کے بارے میں میری گواہی یہ ہے کہ ضرور اللہ نے آپ کو عزت دی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے کیسے معلوم ہوا کہ اللہ نے اسے عزت دی ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان میں نہیں جانتی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم عثمان کو موت آ گئی اور میں اس کے لئے بھلائی کی امید کرتا ہوں۔ بخدا میں نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ ام العلاء نے کہا: اللہ کی قسم اب میں کسی کی صفائی نہیں بیان کروں گی اس نے مجھے غمگین کر دیا ہے۔ ام العلا نے کہا۔ پھر میں سوئی تو مجھے عثمان کے لئے ایک چشمہ دکھایا گیا جو بہتا ہے اب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور خواب بیان کیا تو فرمایا: یہ اس کا عمل ہے۔

تشریحات: چونکہ کتاب الجنائز کے بہ نسبت کتاب الشہادت کی روایت زیادہ مکمل تھی اس لئے ہم نے اسی کو لیا ہے یہ مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور کی بات ہے۔ مدینہ طیبہ میں منافقین بکثرت تھے جو بظاہر مومن مخلص بنے ہوئے تھے جن کا پتہ عام حضرات کو نہیں تھا۔ خصوصاً عورتوں کو۔ حضرت ام العلاء نے عثمان بن مظعون کے اعمال صالحہ کو دیکھ کر وہ کہا تھا۔ اگر اس کو روکا نہ جاتا تو رواج پڑنے کا اندیشہ تھا۔ جو بھی مرتا خواہ وہ حقیقت میں منافق ہی کیوں نہ ہوتا۔ جس سے لوگ واقف نہ ہوتے صرف اس کے ظاہری حالات کی بنا پر اس قسم کی گواہی دینے لگتے۔ اس کی روک تھام کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ ارشاد فرمایا: جس کا حاصل یہ ہے کہ عوام کو یہ مناسب نہیں کہ ہر مرنے والے کے بارے میں اس کے قطعی طور پر جنتی ہونے کی شہادت دیں۔ ہاں وہ کہیں جو میں

کہتا ہوں کہ اس کے لئے خیر کی امید ہے۔اور یہ بات صرف عوام کے لئے ہے۔رہ گئے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وہ جس کے بارے میں جو چاہیں ارشاد فرمائیں انھیں سب کا ظاہری و باطنی حال معلوم ہے اور اس کا انجام بھی۔

جیسا کہ حضرت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بخاری ہی میں ہے۔

(اول الجہاد باب من اتاہ سہم عزب ص:٣٩٤ ثانی المغازی باب فضل من شہد بدرا ص:٥٦٨)

یہ غزوہ بدر میں شہید ہوئے۔ان کی والدہ حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں گی ورنہ میں کیا کروں گی حضور ملاحظہ فرمائیں گے۔ارشاد فرمایا: تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے۔اس کے بعد حدیث آرہی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ماجد کے لئے فرمایا: جو غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے کہ جب تک تم نے ان کو اٹھایا نہیں تھا فرشتے اپنے پروں سے سایہ کئے ہوئے رہے۔

بلکہ تمام شرکا بدر کے لئے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل نے ان کی جانب خصوصی توجہ فرما کے ارشاد فرمادیا ہے تمہارا جو جی چاہے کرو میں نے تمہارے لئے جنت واجب کر دی ہے یا یہ فرمایا کہ میں نے تم کو بخش دیا۔(بخاری۔ مغازی۔باب فضل من شہد بدرا ص:٥٦٧)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ام العلاء نے یہ جسارت حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے حضور کی تھی یہ مناسب نہ تھا اس لئے تنبیہ فرمائی۔

مایفعل به: شہادات کی روایت میں مایفعل بہ ہے۔الرویا کی روایت میں، مایفعل بی ولا بکم۔اور جنائز کی روایت میں مایفعل بی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اس کے باوجود کہ میں رسول اللہ ہوں۔یہ نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔عام شراح نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اپنا بھی اور صحابہ کرام کا بھی انجام سورۃ فتح میں بتادیا گیا جیسا کہ ترمذی میں ہے۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حدیبیہ سے لوٹتے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ليغفرلك الله ما تقدم من ذنبك وماتاخر۔

تو نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے کہ روئے زمین پر جو کچھ ہے ان سب سے زیادہ محبوب ہے۔پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی: اس پر لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ۔آپ کو مبارک ہو اللہ عزوجل نے آپ کو بتادیا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا۔اب سوال یہ ہے کہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

ليدخل المومنين والمومنات جنت تجری من تحتها الانهار . فوزا عظيما . تک۔

٦٣

اللہ عزوجل نے آپ کو اس لئے فتح مبین عطا فرمائی کہ مومن مردوں اور عورتوں کو ان جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

اس توجیہ پر حضرت شیخ نورالحق بن حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، تیسیر القاری میں فرماتے ہیں: پوشیدہ نہ رہے کہ یہ توجیہ مسلمانوں کا عقیدت مند دل قبول نہیں کرے گا کہ سورہ فتح کے نازل ہونے تک ان اکرام روزافزوں اور ترقیات بے نہایت کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی عاقبت کے بالخیر ہونے میں متردد تھے۔

اقول باللہ التوفیق : مولیٰ عزوجل حضرت شیخ نورالحق قدس سرہ کو اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے جزائے خیر دے اس توجیہ کے صحیح نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں ابتدائے اسلام ہی میں سورہ والضحیٰ نازل ہوئی جس میں صاف صاف ارشاد ہے:

وللآخرة خير لك من الاولىٰ ولسوف يعطيك ربك فترضىٰ.

بلاشبہ آخرت آپ کے لئے دنیا سے بہتر ہے اور بہت جلد آپ کو آپ کا پروردگار اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔

مکہ معظمہ ہی میں سورہ بنی اسرائیل نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا:

عسىٰ ان يبعثك ربك مقاما محمودا. عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

مکہ معظمہ ہی میں سورۂ کوثر نازل ہوئی،

انا اعطينك الكوثر. ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمادیا۔

اب اس کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ یہ کہا جائے کہ ہجرت کے بعد چھ سال تک حضور کو اپنے انجام کے بالخیر ہونے میں تردد تھا صحیح توجیہ یہ ہے:

صحیح توجیہ : مایفعل بی کی روایت صحیح نہیں۔ داؤدی نے کہا کہ یہ وہم ہے صحیح "مایفعل بہ" ہے۔ خود امام بخاری نے اس کے بعد دوسری تعلیق ذکر فرمائی۔ وقال نافع بن زید عن عقیل مایفعل بہ۔ اس سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ لیث سے محفوظ یہی ہے اور یہی درست ہے مایفعل بی۔ درست نہیں۔ جیسا کہ علامہ عینی، علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ احمد خطیب قسطلانی نے تصریح فرمائی ہے۔ امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔ (تفسیر سورۂ احقاف جلد ۲۸ ص:۸)

ہر نبی کو اس کا یقین کامل ہوتا ہے کہ وہ نبی ہے اور نبی ہونے کی وجہ سے گناہوں سے معصوم ہے۔ پھر اس کی کیا گنجائش کہ وہ اپنی عاقبت کے بارے میں متردد ہو نیز اللہ عزوجل نے اولیائے امت کے بارے میں فرمایا:

ان الذین قالو ربنا الله ثم استقاموا فلاخوف علیهم ولاهم یحزنون. اولئك اصحاب الجنة خلدین فیها. (احقاف)

جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے پھر ثابت قدم رہے نہ ان پر خوف ہے نہ ان کو غم ہے وہ جنت والے ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

انبیا کرام اولیا امت سے بدرجہا افضل ہیں پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو رئیس الا تقیاء قدوۃ الانبیاء والاولیاء ہیں اپنی عاقبت کے بارے میں مطمئن نہ ہوں یہ کسی عقلمند کو باور ہو سکتا ہے۔ نیز ارشاد فرمایا:

واللہ اعلم حیث یجعل رسلته (انعام ۱۲۴) اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کہاں اپنی رسالت رکھے۔

اس سے بارگاہ الوہیت میں انتہائی قرب اور اعلیٰ کمالات پر فائز ہونا مراد ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک نبی اپنے بارے میں یہ بھی نہ جانے کہ وہ مغفور ہے یا معذب اس لئے یہ کہنا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا انجام نہ معلوم تھا۔ سخت جرأت اور بے باکی ہے۔

توضیح مزید: اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ جب مایفعل بہ کی روایت صحیح ہے تو اتنا تو لازم آتا ہے کہ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عثمان بن مظعون کے انجام سے واقف نہ تھے۔

اقول وباللہ التوفیق: اس کو صحیح ماننے کی صورت میں قرآن مجید کی نص صریح سے تعارض لازم آتا ہے نیز خود اسی حدیث میں بھی۔ ابھی سورۂ احقاف کی آیت گزری۔ کہ فرمایا: جن لوگوں نے یہ کہا، اللہ ہمارا رب ہے اور اس پر ثابت قدم رہے نہ انھیں کوئی خوف ہے نہ غم یہ لوگ جنت والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور بھی مضمون سورۂ حم السجدہ کی تیسویں آیت میں بھی ہے سورہ احقاف اور حم السجدہ دونوں سورتیں مکی ہیں۔ ان سے ثابت کہ مکہ معظمہ ہی میں ہر مومن مخلص کے لئے بتایا جا چکا تھا کہ وہ یقیناً جنتی ہے اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان واخلاص اور استقامت ہر شبہے سے بالاتر ہے اور یہ ان سابقین اولین میں سے ہیں جو تیرہ حضرات کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حبشہ کی بھی ہجرت کی اور مدینہ کی بھی اور اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلیں ایک بار لبید مشہور شاعر نے حرم میں یہ شعر پڑھا:

الاکل شی ماخلا اللہ باطل

سنو اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔ حضرت عثمان نے خوش ہو کر داد دی۔

مگر جب اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا:

. کل نعیم لامحالة زائل

ہر نعمت یقیناً زائل ہے۔ تو ضبط نہ ہو سکا فرمایا تم جھوٹے ہو۔ جنت کی نعمت کبھی زائل نہ ہو گی۔ پورے مجمع

میں آگ لگ گئی۔ لوگوں نے لبید سے اس شعر کو دوبارہ پڑھنے کی فرمائش کی لبید نے دوبارہ پڑھا تو پھر حضرت عثمان نے پہلے مصرعے کی تصدیق کی اور دوسرے کی تکذیب اب ولید بن مغیرہ کے اشتعال دلانے پر ایک شخص نے اس زور سے انھیں تھپڑ مارا کہ ایک آنکھ زرد پڑ گئی اور کچھ لوگوں نے اس پر ملامت کی تو فرمایا میری دوسری آنکھ بھی اس کی متمنی ہے۔ (اسد الغابہ جلد ثالث ص:۶،۳۸۵)

ان سب پر مستزاد یہ ہے یہ اصحاب بدر سے ہیں اور تصریح ہے کہ اللہ عزوجل نے اصحاب بدر سے فرمادیا ہے، تم جو چاہو کرو جنت تمھارے لئے واجب ہے پھر یہ کہنا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اس وقت حضرت عثمان کے انجام سے واقف نہ تھے کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ پھر اسی حدیث میں فرمایا: وانی لارجولہ الخیر۔ میں بلا شبہ یقینی طور پر اس کے لئے خیر کی امید رکھتا ہوں اور یہ طے ہے کہ اللہ اور رسول کے ارشادات میں ترجی بھی تحقیق کے لئے ہے تو اب یہ ترجی بھی تحقیق ہوئی۔ تو اس ارشاد کا مطلب یہ ہوا یقیناً بلاشبہہ ضرور ان کے لئے خیر ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان کا انجام نہیں جانتے تھے تو خود اس حدیث ہی میں تعارض ہوا۔

اب صلائے عام ہے آئیں اور ان دونوں تعارض کو وہ بد عقیدہ لوگ دور کریں جو کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نہ اپنا انجام جانتے تھے اور نہ کسی اور کا۔

اقول وباللہ التوفیق: درایت کے ایک معنی یہ آتے ہیں۔ قرائن وعلامات وغیرہ دیکھ کر کوئی حکم لگانا۔ قاموس میں ہے۔ دریتہ علمتہ ای بضرب من الحیلۃ۔ کسی حیلے سے میں نے اس کو جانا یہاں یہی مراد ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ حضرت ام العلاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عثمان کے ظاہری حالات دیکھ کر وہ کہا تھا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے انھیں اس سے منع فرمایا اور مزید تاکید کے لئے فرمادیا کہ ان کے ظاہر حالات سے اندازہ کر کے میں بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔

ہاں بحیثیت رسول اپنی غیب داں قوت سے مجھے معلوم ہے کہ ان کا انجام بلاشبہہ یقیناً بخیر ہے۔ اس میں حکمت وہ تھی جو شروع تشریحات میں ہم بتا آئے کہ مدینہ طیبہ میں منافقین بھی تھے جو کلمہ شہادت بھی پڑھتے نمازیں بھی پڑھتے روزے بھی رکھتے جہاد میں شریک ہوتے اگر ظاہر حالت دیکھ کر ہر کس وناکس کو اس کی اجازت دیدی جاتی کہ وہ یہ فیصلہ دیدے کہ یہ جنتی اور مرحوم ومغفور بخشا بخشایا ہوا ہے۔ تو منافقین کے بارے میں بھی لوگ ایسا ہی کہنے لگتے اس کی پیش بندی کے لئے اس سے منع کر دیا گیا کہ عوام کو یہ جائز نہیں کہ کسی کے ظاہر حال کی بنا پر اس کے جنتی ہونے کا حکم لگائیں یہ بات ایسی ہے کہ اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بتائے بغیر نہیں جانی جاسکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک دریدہ دہنی کارد: تقویۃ الایمان ص: ۲۲ میں اسماعیل دہلوی صاحب نے اسی حدیث کے تحت لکھا

جو کچھ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں خواہ آخرت میں اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا نہ دوسرے کا۔

مسلمان ظلم ملاحظہ کریں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضل و کمال کو گھٹانے اور تحقیر کی نیت سے اس حصے کو بھی دلیل بنایا جسے علما نے لکھا ہے کہ یہ محفوظ نہیں۔ درست نہیں یہ وہم ہے پھر سارے علما متفق ہیں کہ یہ ارشاد ابتدا کا ہے۔ بعد میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے بھی انجام بخیر ہونے اور صحابہ کرام کے انجام بخیر ہونے کو بتادیا گیا مگر سب کے علی الرغم یہ وہی گارہا ہے۔ اگر تقویۃ الایمان کی یہ بات صحیح مان لی جائے تو ان تمام احادیث و آیات کا انکار لازم آئے جن میں فرمایا گیا کہ اللہ نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی۔ آپ کے غلاموں کو جنت میں داخل فرمائے گا انھیں زمین میں خلافت عطا فرمائے گا زمین کا وارث بنائے گا۔ اور فرمایا میری امت ایران، شام، فلسطین، فتح کرے گی۔ مجھے زمین کے تمام مشارق و مغارب دکھائے گئے میری امت کا ملک وہاں تک پہونچے گا جہاں تک مجھے دکھایا گیا ہے میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا اور میرے ساتھ ستر ہزار میرے امتی ہوں گے تقویۃ الایمان کے مصنف کو احادیث کے دفتر میں صرف یہی حدیث نظر آئی اور یہ کثیر در کثیر آیات واحادیث نظر نہ آئیں بات یہی ہے کہ تقویۃ الایمان محبوبان بارگاہ کی عظمت و منزلت گھٹانے کی نیت سے لکھی گئی ہے۔

کشمیری صاحب پر تعقب

کشمیری صاحب کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ اپنے امام کی پوری بات لکھ سکیں بہ مجبوری یہ لکھنا پڑا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ تو جانتے تھے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ مگر اجمالی طور پر جانتے تھے تفصیل معلوم نہ تھی اس لئے حضور کو سکون نصیب نہ ہوا ہمیشہ مضطرب غمگین آخرت کے معاملے میں متفکر غمزدہ رہتے تھے۔(۱) فیض الباری ثانی ص:۴۴۵)

انا للہ وانا الیہ راجعون. یہ بات اس شخص کی ہے جسے اس کے نیاز مند چودہویں صدی کا سب سے بڑا محدث مفسر مانتے ہیں اسے شارحین حدیث کے ارشادات نظر نہ آئے تو کم شکایت کی بات ہے اسے سورہ کوثر، سورہ والضحیٰ، سورۂ فتح بھی نظر نہ آئی احادیث کے وہ ارشادات نہیں دکھائی دیئے کہ فرمایا:

انا سید ولد آدم یوم القیامة ولا فخر وبیدی لواء الحمد ولافخر وما من نبی یومئذ آدم فمن سواه الاتحت لوائی. اور فرمایا: اول شافع واول مشفع یوم القیمة ولا فخر وانا اول من یحرك حلق الجنة فیفتح الله لی فید خلنیها ومعی فقراء المومنین ولا

۶۴

فخر وانا اکرم الاولین والآخرین علی اللہ ولا فخر۔ اور فرمایا: اناأول الناس خروجا اذا بعثوا وانا قائدهم اذا وفدوا وانا خطیبهم اذا انصتوا وانا مستشفعهم اذا حبسوا وانا مبشرهم اذا یئسوا الکرامۃ والمفاتیح یومئذ بیدی ولواء الحمد یومئذ بیدی وانا اکرم ولد آدم علی ربی یطوف علی الف خادم کانهم بیض مکنون اولؤلؤ منشور۔ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ و سلم ص: ۵۱۳ بحوالہ، ترمذی ودارمی)

میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور یہ فخر نہیں اور لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ فخر نہیں، آدم اور تمام انبیا میرے لواء کے نیچے ہوں گے اور یہ فخر نہیں میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں گا، پہلا وہ شخص ہوں گا جس کی شفاعت قبول ہوگی اور یہ فخر نہیں میں پہلا شخص ہوں گا جو جنت کی زنجیر ہلاؤں گا تو میرے لئے جنت کھولی جائے گی تو میں اس میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ فقرائے مومن ہوں گے، اور یہ فخر نہیں۔ اور میں اللہ کے حضور اولین و آخرین سے زیادہ معزز ہوں اور یہ فخر نہیں۔ جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں اٹھوں گا اور جب خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو میں ان کا قائد ہوں گا اور جب سب چپ ہوں گے تو میں ان کا ترجمان ہوں گا اور جب سب روکے جائیں گے تو میں ان کا شفیع ہوں گا اور جب مایوس ہوں گے تو میں انھیں بشارت دوں گا۔ عزت اور سب کنجیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ اور لواء الحمد اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اور میں اپنے رب کے حضور تمام اولاد آدم سے زیادہ معزز ہوں۔ میرے اردگرد ہزار خادم ہوں گے۔ گویا چھپائے ہوئے انڈے ہیں یا بکھرے ہوئے موتی۔

جس کو ذرا بھی عقل ہوگی ایمان ہوگا وہ کبھی یہ کہہ سکتا ہے کہ جس ذات گرامی صفات کے یہ ارشادات ہیں وہ اپنے انجام کے بارے میں متفکر غمزدہ اور بے قرار ہوگا مگر وہابیت کے زہر سے اللہ بچائے۔ ایمان کی بات تو وہ ہے جو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمائی ہے۔ (مدارج النبوۃ منقول از الامن والعلی ص:۶۱)

"دراں روز ظاہر گردد کہ وے صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نائب مالک یوم الدین ست روز روز اوست و حکم حکم اوست بحکم رب العالمین" اس دن ظاہر ہو جائے گا کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مالک یوم الدین کے نائب ہیں دن ان کا دن ہے اور حکم ان کا حکم ہے۔ رب العالمین کے حکم سے۔ (نزہۃ القاری جلد ۴ ص:۲۰)

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدر گاہش بیا و ہر چہ می خواہی تمنا کن

۷۸۶/۹۲

مولانا عبد الحکیم نوری مصباحی (ایم۔اے)
استاذ اشاعت الاسلام
پرتاول چوک مہراج گنج (یوپی)

نزھۃ القاری اور اسانید و متون پر

"نقد و نظر"

صاحبِ نزھۃ القاری، شارح بخاری، بقیہ السلف، فقیہ العصر، حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی ارباب علم و دانش کے نزدیک محتاج تعارف نہیں ہیں۔ بلکہ عوام کی اکثریت، اپنوں اور بیگانوں کی جمعیت بھی آپ کی عبقریت کا خطبہ پڑھنے پر مجبور ہے!۔ یوں تو آپ کی آفاقی شہرت تفقہ فی الدین کے باعث ہے۔ مگر اہل نظر اچھی طرح جانتے ہیں کہ درس و تدریس، وعظ و تقریر، تصنیف و تالیف اور رد و مناظرہ میں بھی آپ انفرادی شان کے مالک ہیں! آپ نے تصنیف و تالیف کو شہرت و ناموری کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ عوام و خواص کی پریشاں حالی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قرطاس و قلم کو حاجت روائی کے لئے استعمال کیا۔ "اسلام اور چاند کا سفر" "تحقیقات" "منصفانہ جائزہ" "فتنوں کی سرزمین کون؟ نجد یا عراق"، "اشک رواں" کی وجہ تصنیف سے یہ بات پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کے تحقیقی جواہر پارے عوام و خواص کی حاجت روائی کے لئے ہیں!۔

نزھۃ القاری شرح بخاری اگرچہ مولانا افتخار احمد اعظمی، مولانا یٰسین اختر مصباحی، مولانا محمد احمد مصباحی، مولانا عبد الحق مصباحی، کے اصرار پر منصہ شہود میں آئی۔ مگر فی الحقیقت اس تصنیف کی بھی غرض و غایت عوام و خواص کی ضرورتوں کی تکمیل ہے۔ اس لئے کہ حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمہ کی مقبولِ انام تالیف صحیح البخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا درجہ حاصل ہے۔ امتِ مسلمہ قرآن مقدس کے بعد سب سے زیادہ اہمیت اس کتاب کو دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر وہ زبان جس میں لکھنے اور پڑھنے کا رواج ہے صحیح البخاری کے تراجم و شروح پائے جاتے ہیں۔ چونکہ اردو زبان بھی آج حکومتِ وقت کے تعصب و تنگ نظری کے باوجود ترقی کے اوجِ ثریا پر اپنا نشیمن بنا چکی ہے پھر اس میں تراجم و شروح کیوں نہ ہوتے اردو زبان میں نزھۃ القاری سے قبل چھبیس کی تعداد میں صحیح البخاری کے تراجم و شروح ہو چکے تھے۔ مگر ضرورت تھی ایک ایسی شرح کی جس میں حضرت امام بخاری کے قائم

کردہ دلائل کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہو۔ اور بخاری شریف میں ذکر کردہ احادیث کے متعلق ائمہ اربعہ کے اختلافات کی وضاحت کے ساتھ مشربی و مذہبی تعصب و تنگ نظری سے بالاتر ہو کر حقائق کو روشنی و تابندگی عطا کی گئی ہو۔ حدیث کو مد نظر رکھتے ہوئے عنوان بھی قائم کر دیا گیا ہو۔ بخاری شریف میں ذکر کردہ احادیث کو یکجا کرنے کے ساتھ منتشر اجزا کو بھی جمع کر دیا ہو۔ اور ہر حدیث کے تحت حاشیہ میں اس کی وضاحت بھی ہو کہ یہ حدیث صحاح ستہ میں کس کس مقام پر مذکور ہے۔ اور مخالفین حدیث اور دورِ حاضر میں اپنے آپ کو اہل حدیث کہنے والوں کے دلائل کے رد کے ساتھ مذہب حق کی تائید و تصویب بھی ہو۔ مذکورہ بالا خصوصیتیں زبان اُردو میں بخاری شریف کی شرحوں میں مفقود تھیں۔ لہٰذا ان ضروریات کی تکمیل کے لئے فقیہ عصر نے قلم اٹھایا اور عوام و خواص کو بخاری شریف کی دیگر تراجم و شروح سے بے نیاز کر دیا! فجزاہ اللہ خیر الجزا۔

نزہۃ القاری کی پانچ جلدیں میرے پیش نظر ہیں۔ پوری کتاب پر تبصرہ کرنے سے اوراق کی تنگ دامانی مانع ہے ہاں جلد اوّل پر تبصرہ کئے بغیر مقالہ کے عنوان کا حق ادا نہ ہوگا۔ اس جلد میں فہرست کو اگر خارج کر دیا جائے تو کل پانچ سو انتیس ۵۲۹ صفحات بچیں گے جن میں چھ صفحات کا دیباچہ اور ایک سو ستاون صفحات پر مشتمل مقدمہ ہے اور ایک سو اکتیس ۱۳۱ احادیث کریمہ کے تراجم و شروح ہیں۔

مقدمہ: یوں تو مقدمہ کافی طویل ہے مگر اس کی افادیت کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو ایک زمانہ تک درِ نایاب کا متلاشی رہا ہو۔ میرا خود اپنا نظریہ یہ ہے کہ اس مقدمہ کی الگ سے طباعت و اشاعت ہونی چاہئے اور صحیح البخاری کے طلبہ کے لئے اس کا مطالعہ لازمی قرار دینا چاہئے۔ اس مقدمہ میں علم حدیث کی ضرورت و اہمیت پر سیر حاصل بحث کے ساتھ امام بخاری اور امام اعظم ابو حنیفہ علیہما الرحمہ کی سیرت و سوانح بھی ہے۔ اور امام اعظم علیہ الرحمہ پر طعن و تشنیع کرنے والوں کو مسکت جواب دینے کے ساتھ غیر مقلدین کی خوب خبر لی گئی ہے امام بخاری کی کتاب صحیح البخاری کے بارے میں جو غلط فہمیاں ہیں انھیں بھی دور کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً بخاری شریف کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ بخاری شریف کی دونوں جلدوں میں دونوں دفتیوں کے درمیان جو مکتوب ہے وہ کتاب الٰہی کے بعد تمام کتابوں میں سب سے صحیح ہے لہٰذا کتاب اللہ کے بعد ان پر عمل کرنا واجب ہے اس وہم کا ازالہ فقیہ عصر نے نہایت اچھوتے انداز میں کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

اصح الکتب کہنے سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں اس کے ازالے کی ایک سبیل یہ بھی ہے کہ لوگوں کو اصح الکتب کا مطلب سمجھایا جائے اس لئے اس سلسلے میں چند باتیں معروض ہیں۔ اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ قرآن مجید کی طرح اس کا حرف حرف نقطہ نقطہ صحیح اور حق ہے۔ اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ اس وقت تک بلکہ اب یوں کہئے کہ آج تک حدیث میں جتنی کتابیں لکھی گئیں بلا استثنا سب میں صحیح کے ساتھ ضعیف

روایت بھی درج ہے۔ اس سے بخاری بھی مستثنیٰ نہیں دوسری کتابوں کی بہ نسبت اس میں ضعیف حدیثیں کم ہیں۔ دوسروں میں تناسب کے لحاظ سے زائد ہیں۔ اب اصح الکتب کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث کی دوسری کتابوں کی بہ نسبت اس میں صحیح حدیثیں زیادہ ہیں ضعیف حدیثیں کم ہیں.........

اصح الکتب کا مطلب یہ نہیں کہ امام بخاری نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح و حق ہے.........

امام بخاری سے اس کتاب میں جگہ جگہ لغزش ہوئی ہے۔ اس لئے اصح الکتب کا یہ مطلب لینا کہ بخاری میں جو کچھ ہے خواہ وہ حدیث نہ ہو امام بخاری کا قول ان کی تحقیق ہو سب حق ہے۔ اصح الکتب کے معنی کی تحریف ہے۔

(نزہۃ القاری ج۱ ص۸۹۔۹۰)

اب رہا یہ سوال کہ صحیح البخاری میں امام بخاری سے لغزشیں بھی ہوئی ہیں تو آخر وہ لغزشیں کس درجہ کی ہیں۔ ان لغزشوں کا حال ہم نزہۃ القاری کے حوالہ سے بعد میں بتائیں گے مگر پہلے یہ بتادینا ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ متوفی ۹۱۱ھ کی تحقیق کے مطابق علم حدیث ترانوے ۹۳ انواع پر مشتمل ہے مگر بنیادی طور پر اس کی دو قسمیں ہیں۔ علم روایت حدیث اور علم درایت حدیث۔

علم الحديث الخاص بالرواية علم يشتمل على اقوال النبى صلى الله عليه وسلم وافعاله وروايتها وضبطها وتحرير الفاظها،علم الحديث الخاص بالدراية علم يعرف منه حقيقة الرواية وشرطها وانواعها واحكامها و حال الرواة وشرطه اصناف المرويات ومايتعلق بها (تدریب الراوی ۴۰)

ترجمہ : وہ علم حدیث جو روایت کے ساتھ خاص ہے ایسا علم ہے جو حضور ﷺ کے فرمودات اور آپ کے افعال اور ان کی روایت وضبط اور الفاظ کی تحریر پر مشتمل ہے۔ اور وہ علم حدیث جو درایت کے ساتھ خاص ہے۔ وہ علم ہے جس سے روایت اور ان کے شرائط و انواع اور احکام کا پتہ چلتا ہو اور راویوں کے حالات اور انکے شرائط اور مرویات کے اصناف اور ان کے متعلقات کے بارے میں معلومات حاصل ہوں۔

حضرت علامہ سیوطی کے بیان سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ حدیث پاک پر نقطۂ نظر کا معیار علم روایت و درایت پر ہے لہٰذا روایت و درایت کا اجمالی خاکہ پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جو اصول حدیث کی کتابوں سے مستنبط ہے!۔

روایت : حدیث کے راوی کا مندرجہ ذیل اوصاف سے متصف ہونا از بس ضروری ہے۔

(۱) ضبط : ضبط سے مراد یہ ہے کہ راوی قوت حافظہ کے اعتبار سے مضبوط و مستحکم ہو اور حدیث کو سننے اور سمجھنے کی

بھرپور صلاحیت رکھتا ہو اور اس حدیث کو لکھنے یا روایت کرنے میں کوئی رد و بدل نہ کرے۔
(۲) عدل: عدل سے مراد یہ ہے کہ راوی شریعت مطہرہ پر پورے طور پر عمل پیرا ہو فسق و فجور سے پاک ہو۔
(۳) عقل: عقل سے مراد یہ ہے کہ راوی فکر و شعور کا مالک ہو۔

درایت: درایت کا خاص تعلق چونکہ متنِ حدیث سے ہے لہٰذا اس کے اندر مندرجہ ذیل چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے!۔ (۱) وہ حدیث نصوص قرآنیہ کے خلاف نہ ہو۔ (۲) حدیث متواتر کے خلاف نہ ہو۔ (۳) عربی قواعد کے خلاف نہ ہو۔ (۴) مشہور تاریخی واقعات کے خلاف نہ ہو۔ (۵) مشاہدات کے خلاف نہ ہو۔ (۶) عقل کے خلاف نہ ہو۔ (۷) بدیہیات کے خلاف نہ ہو۔ (۸) مقتضائے حال کے خلاف نہ ہو۔ (۹) علوم متعارفہ کے خلاف نہ ہو۔

مندرجہ بالا روایت و درایت کے اصول کا اجمالی خاکہ سمجھ لینے کے بعد اس بات میں شبہ کی گنجائش نہ رہی کہ کسی حدیث کی روایت و درایت میں اگر سقم ہے تو وہ حدیث بہر حال درجۂ سقم میں ہوگی ویسے حدیث کے وضاعین ہزاروں کوششوں کے باوجود اپنے ناپاک منصوبوں میں کامیاب نہ ہو سکے اس لئے کہ ائمہ احادیث نے نقد و نظر کا جو معیار قائم فرمایا تھا اس نے لاکھوں حدیثوں کو صحیح حدیثوں سے الگ کر دیا اور اپنے مابعد علمائے اسلام کو صحیح، ضعیف۔ موضوع حدیثوں کی تحقیق میں دقتوں اور پریشانیوں سے بچالیا! یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ وضاعین حدیث میں خوارج، روافض، زنادقہ، قصاص، درباری علماء سر فہرست ہیں۔

مذکورہ بالا روایت و درایت کے اصول و ضوابط اور وضاعین حدیث کی کریہہ صورتوں کے ملاحظہ کے بعد صحیح البخاری کے مرتب حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمۃ کے مسامحات دیکھنے کے بعد سخت تعجب ہوتا ہے مگر بقول صاحب نزہۃ القاری، انسان بہر حال انسان ہے اس سے غلطی لغزش ہو ہی جاتی ہے امام بخاری نے سولہ سال شب و روز کی تحقیق و تنقیح کے بعد اپنی وسعت بھر اس کی پوری کوشش کی کہ اس کتاب میں کوئی ضعیف حدیث نہ آنے پائے اور کوئی لغزش نہ ہو مدت العمر اس کی تنقیح و تہذیب کرتے رہے مگر...... پوری کوشش کے باوجود امام بخاری سے اس کتاب میں لغزش ہو ہی گئی۔ (نزہۃ القاری ج ۱ ص ۹۰)

صاحب نزہۃ القاری، فقیہ عصر مفتی محمد شریف الحق صاحب نے عناوین کے تحت روایت و متون میں نقد و نظر فرما کر امام بخاری کی لغزشوں کی نشاندہی فرمائی ہے! مثلاً فرماتے ہیں۔

(۱) بخاری میں ایسے راویوں کی تعداد بہت ہے جو بد عقیدہ گمراہ تھے جیسے جہمی، قدری، رافضی، ناصبی، خارجی، معتزلی، اس پر مستزاد یہ کہ مطعون راوی بھی کم نہیں۔ منکر واہی وہمی سبھی ہیں۔ جسے اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو علامہ ابن حجر کا مقدمہ فتح الباری ہدی الساری کا مطالعہ کرے۔ اور اگر مزید دیکھنا چاہیں تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا رسالہ۔ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین کا مطالعہ کریں۔ (نزہۃ القاری ج ۱ ص ۹۰۔۹۱)

چونکہ ناقدین حدیث اپنے معیار سے نقد و نظر کرتے ہیں کسی راوی کو ایک ناقد ضعیف، وضاع قرار دے گا اور دوسرا ناقد اسے عادل، قوی الضبط کے خطاب سے نوازے گا۔ اس لئے اس بات کا امکان تھا کہ شاید امام بخاری کے رواۃ بعض ناقدین کے نزدیک ضعیف اور بعض دوسرے انہیں قوی سمجھتے ہوں۔ اس ضعیف ترین احتمال کو بھی صاحب نزہۃ القاری نے دور فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

(۲) بخاری میں ایسے مجروح راوی ہیں جن پر خود امام بخاری کی تنقید موجود ہے۔ مثلاً باب الاستنجاء بالماء کے تحت امام بخاری نے ایک حدیث اس سند کے ساتھ ذکر کی ہے۔ **حدثنا ابو الولید هشام بن عبدالملك قال حدثنا شعبة عن ابن معاذ واسمه عطاء بن ابی میمونة قال سمعت انس بن مالك یقول کان النبی صلی الله علیه وسلم اذاخرج لحاجته** (الحدیث)۔ اس سند میں عطاء بن ابی میمونہ ہے۔

اس کے بارے میں کتاب الضعفاء الصغیر میں خود امام بخاری نے لکھا ہے کہ **کان عطاء بن ابی میمونة ابو معاذ مولی انس وقال یزید بن هارون مولی عمران بن حصین کان یری القدر۔** یہ شخص حضرت انس کا غلام تھا۔ یزید بن ہارون نے کہا عمران بن حصین کا غلام تھا یہ قدریہ تھا۔" (نزہۃ القاری ج ۱ ص ۹۱)

(۳) دوسری جلد باب بعث ابی موسیٰ و معاذ الی الیمن میں ایک حدیث اس سند کے ساتھ ہے۔ **حدثنی عباس بن الولید. قال حدثنا عبدالواحد عن ایوب بن عائذ قال حدثنا قیس بن مسلم قال سمعت طارق بن شهاب یقول حدثنی ابوموسیٰ الاشعری قال بعثنی رسول الله صلی الله علیه وسلم الی ارض قومی۔** اس حدیث کی سند میں ایوب بن عائذ ہے اسے امام بخاری نے اسی کتاب الضعفاء ص ۲۵۳ میں لکھا۔ **ایوب بن عائذ الطائی کان یری الارجاء۔** یہ مرجیہ تھا! (نزہۃ القاری ج ۱ ص ۹۱)

(۴) یوں ہی ایک راوی اسماعیل بن ابان کوفی ہے اسی کتاب الضعفاء میں اس کو لکھا کہ یہ متروک ہے مگر اس سے ایک نہیں متعدد احادیث لی ہیں۔ علامہ ابن حجر ہدی الساری میں لکھتے ہیں۔ **اسماعیل بن ابان الوراق الکوفی احد شیوخ البخاری ولم یکثر عنهٗ۔** یہ امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہے مگر اس سے بہت زیادہ روایت نہیں کی ہے۔

(نزہۃ القاری ج ۱ ص ۹۲)

اپنے دعویٰ کے ثبوت میں مکمل چار دلیلوں کو پیش کرنے کے بعد اہل علم کو دعوتِ فکر دینے کے انداز میں یوں ارشاد فرماتے ہیں!۔

(۵) ناظرین اپنی طمانیت خاطر کے لئے ایک بار امام بخاری کی کتاب الضعفاء کا مطالعہ کریں اور ان مندرجہ ذیل راویوں پر امام بخاری کی جرح دیکھ لیں۔ پھر انہیں تلاش کریں صحیح البخاری میں ان کی کتنی روایتیں ہیں۔ زبیر بن محمد تیمی، سعید بن عروبہ، عبداللہ بن لبید، عبدالملک بن امین، عبدالوارث بن سعید، عطاء بن یزید، کہمس بن منہال،

حدیبیہ کہ مروان بن حکم جیسے مشہور زمانہ عیار شاطر سے بھی روایت کی ہے۔ جس نے اسلام میں ایسے ایسے رخنے ڈالے کہ آج تک بند نہ ہوئے۔ جس کی شرارت و دسیسہ کاری کی وجہ سے حضرت عثمان شہید ہوئے جس نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ احد العشرۃ المبشرۃ کو تیر مار کر زخمی کیا جس کے صدمے سے وہ شہید ہوئے وغیرہ وغیرہ۔

(نزہۃ القاری ج۱ص ۹۲)

صاحب نزہۃ القاری نے اس تسامح کا بھی تذکرہ کیا ہے جو راویوں کے اسماء میں حضرت امام بخاری سے ہوا ہے اس کی صرف ایک مثال ملاحظہ فرمائیے۔

(۶) ص ۹۱ پر باب اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ کے تحت جو حدیث ہے اس کی سند اس طرح بیان کی ہے۔ حدّثنا عبدالعزیز بن عبداللّٰہ قال حدثنا ابراھیم بن سعد عن ابیہ عن جعفر بن عاصم عن عبداللّٰہ بن مالک بن بحینۃ قال مرّالنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ، الحدیث، اس سند میں امام بخاری سے دو تسامح ہوا ہے۔ ایک تو یہ کہ مالک ابن بحینہ کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بحینہ مالک کی ماں ہیں حالانکہ یہ مالک کی زوجہ ہیں اور عبداللہ کی ماں ہیں۔ دوسرے یہ کہ تحویل سند کے بعد ہے سمعت رجلاً من الازد یقال لہ مالک بن بحینۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رأی رجلا الحدیث۔ اس سند میں حدیث کا راوی مالک کو بتایا حالانکہ اس کے راوی مالک کے بیٹے عبداللہ ہیں۔ مالک کو تو ایمان بھی نصیب نہیں ہوا!۔ (نزہۃ القاری ج۱ص ۹۲)

اب تک آپ نے صاحب نزہۃ القاری کی امام بخاری کے انداز پر نقد و نظر ملاحظہ فرمایا اب لگے ہاتھوں متون پر بھی دو تنقید ملاحظہ فرماتے چلیں!۔

(۷) کتاب الزکوٰۃ میں ایک حدیث یہ ہے۔ عن عائشۃ ان بعض ازواج النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قلن للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اینا. اسرع بک لحوقاً قال اطولکن یداً فاخذوا قصبۃ یذرعونھا فکانت سودۃ اطولھن یداً فعلمنا بعد انما کانت طول یدھا الصدقہ۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے حضور ﷺ کی بعض ازواج نے عرض کیا کہ ہم میں سے پہلے کون حضور سے واصل ہوگی۔ فرمایا جس کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا ہے تو ایک لکڑی لیکر اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں۔ اس میں سودہ کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا تھا حالانکہ ہاتھ کی لمبائی سے صدقہ مراد تھا۔ سودہ ہی کا سب سے پہلے وصال ہوا وہ صدقہ کو محبوب رکھتی تھیں۔

(بخاری ج۱ص ۱۹۱)

اس حدیث میں وکانت اسرعنا لحوقا بہ، میں کانت کی ضمیر کا مرجع مُعیّن ہے کہ سودہ ہیں اس سے ثابت ہے ازواج مطہرات میں سب سے پہلے سودہ کا وصال ہوا۔ حالانکہ تمام ارباب سیر اور اصحاب تاریخ کا اس پر اجماع ہے کہ ازواج مطہرات میں سب سے پہلے حضرت زینب کا وصال ہوا خود حدیث کا سیاق بتا رہا ہے کہ کانت اسرعنا لحوقا بہ

سے حضرت سودہ ہرگز مراد نہیں ...... حضرت زینب بنت جحش کا وصال ۲۰ھ میں ہوا اور حضرت سودہ کا وصال ۵۴ھ میں ہوا اس حدیث میں یہ جملہ یوں ہونا چاہیے تھا۔ وکانت زینب اسرعنا لحوقا بہ !۔ (نزھۃ القاری ج ۱ ص ۹۳، ۹۴)

(۸) باب احداد المراۃ علی غیر زوجھا میں یہ حدیث ہے۔ عن زینب بنت ابی سلمۃ قالت لمّا جاء نعی ابی سفیان من الشام...... اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابو سفیان کے وصال کی خبر شام سے آئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا انتقال شام میں ہوا۔ حالانکہ یہ غلط ہے تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ انکی وفات مدینہ طیبہ میں ہوئی !۔

(نزھۃ القاری ج ۱ ص ۹۴)

مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی
استاذ مدرسہ عربیہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، ضلع مئو

نزہۃ القاری اور فقہی مسائل

جشن تکمیل شرح بخاری کے موقع کی مناسبت سے رضا اکیڈمی ممبئی کے مایۂ ناز منصوبہ میں ایک قابل قدر منصوبہ یہ بھی ہے کہ حضرت شارح بخاری دامت برکاتہم العالیہ کی تصنیفات سے متعلق گراں بہا مجموعہ مقالات شائع کیا جائے اور ان کی تحریرات سے گوناگوں نہج پر لوگوں کو روشناس کرایا جائے۔
اکیڈمی کا یہ پروگرام یقینا لائق تحسین و آفریں ہے اور علمی قدردانی کا انتہائی باوزن ثبوت بھی ہے اور اپنے اکابر کی عظمتوں کے اعتراف کا ایک روح افزا اور دلکش نظارہ! چنانچہ مجھ ناچیز کو بھی یاد کیا گیا اور عنوان دیا گیا "نزھۃ القاری اور فقہی مسائل"۔

درج بالا عنوان مختلف پہلوؤں کا حامل تھا۔ مثلاً (۱) فقہی مسائل کی جامعیت (۲) دیگر کتب متون و شروح سے ان کی تائید (۳) ایک ہی حدیث سے متعدد مسائل (۴) بیان شدہ مسائل کی کثرت (۵) احادیث سے مسائل فقہ استنباط کرنے کا انداز وغیرہ وغیرہ۔
مگر معلوم ہوا کہ دیگر پہلوؤں پر مقتدر علمائے کرام کام کر رہے ہیں اور میرے عنوان کا مقصود و مطلوب مسائل کی کثرت و جامعیت کا اظہار ہے۔
چنانچہ میں نے نزہۃ القاری کا اس نقطہ نظر سے مطالعہ کیا تو اس میں کثرت سے فقہی مسائل ملے جو متفرق طور پر اپنے اپنے موقع پر بیان ہوتے گئے ہیں۔ احادیث کے تحت خصوصی طور پر بھی ان مستنبط ہونے والے مسائل کو درج کیا گیا ہے۔ ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے فقہی ابواب قائم کئے اور جو مسئلہ جس باب سے تعلق رکھتا تھا اس کے تحت اسے درج کیا۔ وہ مسئلہ جس حدیث سے

مستنبط ہونے والے مسائل کو درج کیا گیا ہے۔ ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے فقہی ابواب قائم کئے۔ اور جو مسئلہ جس باب سے تعلق رکھتا تھا اس کے تحت اسے درج کیا۔ وہ مسئلہ جس حدیث سے مستنبط ہے اس حدیث کا ترجمہ یا خلاصہ پہلی جگہ درج کر دیا اور اس حدیث سے اس باب کے مستنبط مسائل ذکر کر دیئے۔ پھر دوسرے باب میں بھی اس حدیث سے کچھ مسائل مستنبط ہو کر آئے ہیں تو صرف مسائل درج کئے اور حدیث کا حوالہ دیدیا۔

اس طرح ان مسائل کا مجموعہ مع ترجمہ احادیث یا خلاصہ احادیث سو صفحات سے تجاوز کر گیا۔ جب کہ یہ صرف جلد اول اور نواقض وضو از جلد ثانی پر نظر کا نتیجہ تھا۔ باقی جلدوں کا کام ابھی باقی تھا۔ احساس ہوا کہ اس طرح مبسوط مجموعہ تو الگ سے کتابی شکل میں لانا مناسب ہوگا۔ نمبر میں صرف نمونہ پیش کر دینا کافی ہے۔ ورنہ نمبر ضخیم ہو جائے گا یا ایک جلد کے بجائے دو یا زیادہ جلدوں کا طالب ہوگا۔ اس خیال کے تحت میں نے اپنے مجموعے سے دو تہائی حذف کر کے صرف ایک تہائی حصہ ذکر کیا جس میں عقائد و اصول فقہ کے مسائل اور کچھ حظر و اباحت کے مسائل آگئے۔ باقی ساقط ہو گئے۔

لیکن یہ بتانا ضروری ہے کہ اس ایک ہی جلد میں مسائل کی کس قدر کثرت ہے۔ اس جلد میں ۱۳۱ احادیث اور ۲۷ تعلیقات کی شرح کی گئی ہے اور یہ کتاب الایمان، کتاب العلم اور کتاب الوضو کے کچھ حصہ پر مشتمل ہے۔ اس لئے کہ نواقض وضو کا بڑا حصہ دوسری جلد میں مذکور ہے۔

اب میں نے جملہ ابواب نواقض الوضو کو بھی شامل کرتے ہوئے جو مسائل جمع کئے تھے ان میں درج ذیل ابواب کی سرخیاں بنیں کیوں کہ کہ ضمناً بہت سے دیگر ابواب کے بھی مسائل آگئے۔

(۱) عقائد (۲) اصول فقہ (۳) طہارت (۴) نجاست (۵) میاہ (۶) مسح خفین (۷) تیمم (۸) نماز (۹) روزہ (۱۰) حج (۱۱) زکوٰۃ (۱۲) نکاح (۱۳) طلاق (۱۴) خرید و فروخت (۱۵) حظر و اباحت (۱۶) جہاد (۱۷) جنابت (۱۸) قصاص (۱۹) قضا (۲۰) استیلاد (۲۱) کفارہ وغیرہ۔

یہ بھی واضح رہے کہ میں نے شرح میں ذکر شدہ تمام مسائل کا استیعاب نہ کیا بلکہ بہت سے مسائل ترک بھی کر دیئے۔ مثلاً شرح احادیث میں جگہ جگہ اعتراض و جواب کی بحثیں موجود ہیں۔ ان میں بھی فقہی مسائل بیان میں آئے ہیں۔ وہاں سے میں نے اصل مسئلہ یا بیان مذاہب میں جو اقوال ہیں صرف انھیں لیا۔ تمام مسائل جمع نہ کئے۔

اسی طرح شرح احادیث میں جہاں مذہب حنفی کے اثبات، اس کی قوت اور دیگر احادیث سے اس کی تائیدات پیش کی گئی ہیں وہاں اصل مسئلہ اور مسلک تو ثابت ہو ہی جاتا ہے مزید اس ضمن میں کچھ

دیگر مسائل بھی بیان میں آجاتے ہیں۔ یونہی مذاہب شافعیہ، مالکیہ وغیرہ کے استدلالوں کے جواب پر جگہ جگہ اپنا ایراد مذکور ہے۔ ان میں بھی ضمناً بہت سے مسائل آجاتے ہیں۔ گمراہ اور باطل فرقوں کا رد کرنے کے ذیل میں بھی کافی مسائل بیان میں آئے ہیں۔

اس کے لئے ہم ذیل میں ایک دو مثالوں سے وضاحت پیش کرتے ہیں:

(۱) ماء قلیل غیر جاری میں نجاست پڑ جائے تو وہ پاک ہے یا ناپاک؟

یہ ایک سوال ہے جس کا جواب اگر صرف اتنا دیا جائے کہ ''ناپاک ہے'' تو درست ہوگا۔

مگر جواب جامع رکھنے کے پیش نظریوں تحریر فرمایا:

''وہ مطلقاً ناپاک ہے خواہ نجاست کا کوئی اثر رنگ، بو، مزہ پانی میں آئے یا نہ آئے''۔

جواب میں پوری وضاحتیں ذکر کی گئیں۔ معاملہ یہ تھا کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا۔ چنانچہ امام زہری کہتے ہیں کہ جب پانی میں نجاست کا اثر رنگ یا بو یا مزہ ظاہر نہ ہو تو پانی پاک ہے۔

امام بخاری کا یہی مذہب معلوم ہوتا ہے۔

امام شافعی وغیرہ یہ تفریق کرتے ہیں کہ:

''اگر پانی دو قلے یعنی دو مٹکے ہے تو پاک ہے۔ اس سے کم ہے تو ناپاک''۔

اب غور کریں جواب میں مطلقاً کی تقیید مذہب شافعیہ کے پیش نظر ہے کہ آب قلیل دہ در دہ سے کم چاہے دو قلے ہوں یا اس سے کم بہر حال ناپاک ہوگا۔

اور مابعد کی وضاحتیں امام زہری کے قول کے پیش نظر۔

(۲) دوسری مثال: کتے کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک؟

یہ ایک مسئلہ ہے مذہب حنفی پر مختصر جواب دیا جا سکتا ہے کہ ''ناپاک ہے''۔ حدیثیں اس بارے میں متظافر، متوافر ہیں۔

مگر تشریح حدیث نمبر ۱۲۸ کے تحت حدیث کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے مسئلہ یوں بیان فرمایا کہ:

''ہر کتے کا جھوٹا ناپاک ہے خواہ وہ پالتو ہو یا چھٹا ہوا، شکاری ہو یا غیر شکاری، شہری ہو یا دیہاتی، جنگلی ہو یا اہلی''۔

یہ بھی مسئلہ اختلافی تھا۔

پہلا اختلاف تو یہی ہے کہ مطلقاً کتے کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک؟

چنانچہ اس ذیل میں متعدد اقوال ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

(۱) امام بخاری کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک جھوٹا پاک ہے۔

(۲) امام مالک کتے کا جھوٹا پاک مانتے ہیں۔

(۳) امام زہری کے نزدیک کتے کا جھوٹا پاک ہے۔

(۴) حضرت سفیان ثوری کے نزدیک کتے کا جھوٹا مشکوک ہے۔

مندرجہ بالا اقوال قول احناف کے علاوہ ہوئے۔

پھر دوسرا اختلاف کتوں کی اقسام سے متعلق ہے۔

چنانچہ حضرت شارح بخاری نے اس کی پوری بحث بیان کرتے ہوئے مالکیوں کے ان مذاہب کو بیان فرمایا۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) کتے کا جھوٹا پاک ہے (۲) ناپاک ہے مطلقاً (۳) بضرورت جو پالا گیا ہو اس کا جھوٹا پاک ہے، بقیہ ناپاک (۴) شہری کا پاک البتہ جنگلی، دیہاتی کا ناپاک۔

اس تمہید سے ثابت ہوا کہ جب وہ کوئی فقہی مسئلہ بیان کرتے ہیں تو مسئلہ کے ہر پہلو پر گہری نظر رکھتے ہوئے مسئلہ کی پوری وضاحت کردیتے ہیں کہ جملہ اختلاف کے ساتھ مسلک احناف روشن ہو جائے۔

اور یہی انداز بیان رہتا ہے ان مسائل شرعیہ کا بھی جن میں گمراہ یا باطل فرقوں کا اختلاف یا رد ملحوظ ہوتا ہے۔

حضرت شارح بخاری نے شرح کرتے ہوئے بخاری میں مذکور ابواب کا بیان ترک کردیا تھا کہ اس کی وجہ سے احادیث کو مکرر ذکر کرنا پڑے گا۔ اور وہ شرح کو مختصر رکھنا چاہتے تھے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ احکام مستخرجہ کا عنوان قائم کرکے ابواب کے قائم کرنے کا فائدہ پورا کردیا ہے۔ چنانچہ وہ خود شرح کی خصوصیات شمار کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

> (۲) ابواب کو بالکل ذکر نہیں کیا۔ اس لئے کہ پھر احادیث کو مکرر لانا ضروری ہو جاتا ہے مگر اہم ابواب پر شرح میں کلام پورا پورا مذکور ہے۔ نیز ابواب کے ذکر سے جو فائدہ تھا وہ ایک عنوان، احکام مستخرجہ قائم کرکے پورا کردیا گیا ہے۔
>
> چنانچہ ہماری اس ترتیب میں بخاری کے ابواب تو نہیں البتہ فقہ کے ابواب آگئے ہیں۔ اور پھر ان مسائل کا حوالہ صفحہ نمبر اور حدیث نمبر کے تحت ذکر کردیا گیا۔

۴ معارف شارح بخاری

غرضیکہ یہ شرح اپنی نوعیت کی انتہائی جامع شرح اور باوقار علمی اور فنی شاہکار ہے۔ خود شارح علام نے اپنے مقدمہ میں اس کی خصوصیتیں شمار کرائی ہیں۔ پانچ اہم خصوصیات کا ذکر کرنے کے بعد وہ تحریر فرماتے ہیں:

"بقیہ وہ عام باتیں جو شرح میں ہونی چاہیئے ان سب کو بقدر ضرورت لانے کی کوشش کی ہے"۔

گویا ان کے نزدیک جب بھرپور بحث ہو جائے اور اس کے جملہ مالہ و ماعلیہ بیان میں آجائیں تو اسے یہ کہتے ہیں بقدر ضرورت بحثیں آگئی ہیں۔

اس تمہید اور توضیحات، اشارات اور مثالوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کتاب میں کس قدر کثیر اور وافر مقدار میں فقہی مسائل آئے ہیں اور ان کے ذکر میں فقہ و افتاء، اور اختلاف مذاہب کی دقت اور باریکی کو کس طرح ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اب یہ مقالہ ان جمع شدہ تمام مسائل پر مشتمل نہ رہا۔ اختلاف مذاہب و اقوال کا تذکرہ بھی متروک ہو گیا۔ لیکن جو کچھ ہے وہ ان شاء اللہ تعالیٰ کثرت و فراوانی مسائل کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہوگا۔

کتاب العقائد

ایمانیات

جس طرح اللہ عزوجل کا ہر ارشاد واجب التسلیم ہے اسی طرح کا ہر فرمان بھی واجب الاعتقاد والعمل ہے۔ (ص۹)

قرآن خدا کی کتاب ہے، واجب القبول ہے۔ (ص۹)

جو رسول اللہ کے فیصلے کو نہ مانے، اس میں ذرا بھی تردد کرے وہ مومن نہیں۔ (ص۹)

قرآن مجید کی کسی ایک آیت کا انکار پورے قرآن کا انکار ہے۔ (ص۹)

(حدیث ۳) حدیث حرا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتدا اچھے خوابوں سے

ہوئی۔ جو خواب بھی حضور دیکھتے اس کی تعبیر صبح روشن کی طرح ظاہر ہوتی۔

پھر آپ غار حرا میں خلوت اختیار فرمانے لگے وہاں آپ عبادت کرتے رہے یہاں تک کہ وہیں آپ پر وحی آئی۔ اس طرح کہ فرشتہ نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ پڑھیئے! آپ نے فرمایا میں نہیں پڑھتا۔ حضور نے بتایا پھر فرشتے نے مجھے پکڑ کر طاقت بھر دبوچا پھر چھوڑ دیا اور کہا اپنے اس پروردگار کے نام سے پڑھیئے جس نے انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا۔ (سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں) (الخ ملخصاً ص: ۱۸۳)

تمام شرائع خواہ عقائد ہوں خواہ اعمال و اقوال سب کی بنیاد وحی پر ہے۔ اللہ کی ذات و جملہ صفات۔ رسول اور رسول کے تمام اوصاف، ایمانیات کی پوری تفصیل، عملیات کے جزئیات، سب کا منبع وحی ہی ہے۔ وحی کی حقانیت پر ایمان کے بعد جملہ اصول و فروع پر ایمان بمنزلہ لازم غیر منفک ہے۔ (حدیث حراء، ص: ۱۸۳)

ایمان سے متعلق احادیث واقوال زریں

(ت ۱) اللہ کے لئے بغض ایمان سے ہے۔ (قول رسول)

(ت ۲) ایمان کے لئے فرائض و عقائد و حدود اور سنن ہیں۔ جس نے ان سب کو پورا کیا اس نے ایمان کو کامل کرلیا اور جس نے انکو پورا نہیں کیا اس نے اپنا ایمان کامل نہ کیا۔ (الخ)
(حضرت عمر بن عبد العزیز)

(ت ۳) ہمارے ساتھ بیٹھو تا کہ تھوڑی دیر ایمان کی باتیں کریں۔ (حضرت معاذ)

(ت ۴) صبر آدھا ایمان ہے اور یقین پورا۔ (حضرت ابن مسعود)

(ت ۵) انسان تقویٰ کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اس بات کو نہ چھوڑے جو دل میں کھٹکے۔ (حضرت ابن عمر)

ایمان بنیاد ہے

انسان جن چیزوں کا شرعاً مکلف ہے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) یا تو اس کا صدور دل سے ہوگا (۲) یا اس کا صدور دیگر اعضا سے۔

اول ایمان ہے۔ ثانی اعمال و اقوال کی بنیاد ایمان ہے۔ اگر ایمان نہ ہو تو سارے اعمال حسنہ و اقوال

صالحہ کالعدم۔ ارشاد ہے:

وقد منا إلى ما عملوا من عمل فجعلناه هباءً منثورا کافروں نے جو کچھ کیا تھا ہم نے ان سب کو بکھرے ہوئے ذرے بنایا۔ عاملة ناصبة تصلى نارا حامية. کام کریں مشقتیں جھیلیں بھڑکتی آگ میں بھنیں۔

(حدیث ۲۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا۔ کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ (الخ ص:۲۸۱)

ایمان کی تعریف

ایمان کے لغوی معنی کسی بات کو سچ ماننے کے ہیں۔

اصطلاح شرعی میں تمام ضروریات دین کو دل سے سچ ماننے اور زبان سے ان کی سچائی کے اقرار کرنے کو کہتے ہیں۔ یہ تصدیق و اقرار تحقیقاً ہو یا تقلیداً۔ (عینی)

تصدیق قلبی کسی حال میں ساقط نہیں (۱)۔ البتہ اقرار باللسان بعض صورتوں میں معاف ہے۔ جیسے حالت اکراہ میں۔ یا ایسی حالت میں ایمان نصیب ہوا کہ اقرار کا وقت نہ مل سکا۔ (شامی ۳/۳۱۰)

مگر اس سے اس کے رکن ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جیسے قرأت، قیام، رکوع، سجود، نماز کے ارکان ہیں۔ مگر عاجز سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ (المعتمد المستند)

اصل ایمان تصدیق قلبی ہے (۲)۔ مگر دنیا میں مومن کا حکم لگانے کے لئے اقرار باللسان ضروری بھی ہے اور کافی بھی۔ اگر کوئی زبان سے تمام ضروریات کی تصدیق کرے تو اس کو مسلمان ہی کہیں گے۔ باطن کا حال اللہ عزوجل کے سپرد ہے۔ (فتح القدیر ۱/۲۷۹-۲۳۶، شامی ۱/۳۱۰)

ایمان عمل قلب ہے

عمل افعال جوارح کے ساتھ خاص نہیں۔ قلب کے فعل کو بھی عمل کہتے ہیں بلکہ فعل بھی کہتے ہیں۔ (۱/۲۸۱)

(۱) نور الانوار

(۲) تصدیق اس اذعانی کیفیت کا نام ہے جس میں جانب مخالف کا ادنیٰ سا بھی شائبہ نہ ہو۔ نزہۃ القاری (ص ۱/۲۳۷ و ۱/۳۸۴)

ایمان اور اعمال واقوال

امام اعظم، جمہور متکلمین، و محققین محدثین کے نزدیک اعمال و اقوال ایمان کا جز نہیں۔
البتہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد و جمہور محدثین اعمال و اقوال کو ایمان کا جز مانتے ہیں۔ (۲۳۶/۱)

(طرفین کے تفصیلی دلائل اصل کتاب میں ملاحظہ کریں)۔

ایمان اجمالی اور تفصیلی

احناف یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایک ایمان اجمالی ہے۔ مثلاً اجمالی طور پر یہ یقین (۱) کرنا کہ مذہب اسلام حق ہے۔

دوسرے تفصیلی یعنی تمام ضروریات دین کو مفصلاً حق ماننا۔ مثلاً اللہ ایک ہے، وحدہ لاشریک ہے، حی وقیوم ہے، خالق ورازق ہے وغیرہ وغیرہ۔ (۲۳۸/۱)

ضروریات دین

ایمان کی تعریف میں جو ضروریات دین کا لفظ آیا ہے اس سے مراد وہ دینی باتیں ہیں جن کا دین سے ہونا ایسی قطعی، یقینی دلیل سے ثابت ہو جس میں ذرہ برابر شبہ نہ ہو اور ان کا دینی بات ہونا ہر خاص وعام کو معلوم ہو۔

خواص سے مراد علما ہیں۔ اور عوام سے مراد وہ لوگ ہیں جو عالم نہیں مگر علما کی صحبت میں رہتے ہیں۔

اس بنا پر وہ دینی باتیں جن کا دینی بات ہونا سب کو معلوم ہے۔ مگر ان کا ثبوت قطعی نہیں تو وہ ضروریات دین سے نہیں۔ مثلاً عذاب قبر، اعمال کا وزن، یونہی وہ باتیں جن کا ثبوت قطعی ہے۔ مگر ان کا دین سے ہونا عوام وخواص سب کو معلوم نہیں تو وہ بھی ضروریات دین سے نہیں۔ جیسے ایک صلبی بیٹی کے ساتھ اگر پوتی ہو تو پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا۔

جن دینی باتوں کا ثبوت قطعی ہو اور وہ ضروریات دین سے نہ ہوں۔ ان کا منکر اگر اس ثبوت کے قطعی ہونے کو جانتا ہو تو کافر ہے۔ اور اگر نہ جانتا ہو تو اسے بتانے پر اگر حق مانے تو مسلمان۔ اور بتانے کے بعد بھی انکار کرے تو کافر۔ (شامی ۳/۳۱۱، ۳/۳۰۹)

(۱) یقین: اس علم کو کہتے ہیں جس میں کسی قسم کا تردد وشک کا شائبہ نہ ہو۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ ایمان صرف یقین اور تصدیق کا نام ہے۔ (ص ۱/۲۴۵)

وہ باتیں جن کا دین ہونا سب کو معلوم ہے۔ مگر ان کا ثبوت قطعی نہیں، ان کا منکر کافر نہیں۔
اگر یہ باتیں ضروریات مذہب اہل سنت سے ہوں تو گمراہ۔ اور اگر اس سے بھی نہ ہوں تو خاطی۔ (۲۳۹/۱)

ضروریات مذہب اہل سنت

مذہب اہل سنت کی ضروریات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا مذہب اہل سنت سے ہونا سب عوام و خواص اہل سنت کو معلوم ہو۔ جیسے یہی عذاب قبر، اعمال کا وزن۔ (۲۳۹/۱)

(حدیث ۸) ارکان اسلام

حضرت ابن عمر سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کی گواہی دینی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ (ص:۲۴۶)

اسلام کی بنیاد

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔
صرف ان پانچ پر اس لئے قائم ہے کہ عبادت مفروضہ منحصر ہے بدنی اور مالی میں۔
اگر محض مالی ہے تو یہ زکوٰۃ ہے۔
اور بدنی کی دو صورتیں ہیں: صرف قولی ہے یا صرف بدنی
صرف بدنی روزہ ہے۔ صرف قولی توحید و رسالت کی شہادت۔
یا قولی، بدنی دونوں ہے۔ یہ نماز ہے۔
اور مالی، بدنی دونوں ہے تو حج ہے۔ (ص ۲۴۸/۱)

مسئلہ: اسلام کی بنیاد جن پانچ چیزوں پر ہے ان میں سے کسی ایک کے تارک کو مسلمان نہ کہنا اجماع امت کے خلاف ہے۔ (ص ۲۴۸/۱)

البتہ ان میں سے کسی ایک کا تارک کامل مومن نہیں۔ (ص ۲۴۸/۱)

مسئلہ: جسے اقرار باللسان سے کوئی مانع نہ ہو اس پر اقرار باللسان لازم ہے۔ (ص ۲۹۰/۱)

(حدیث ۳۸) مومن بالآخر نجات پائے گا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا وہ سب لوگ جہنم سے نکالے جائیں گے جنھوں نے لا الہ اللہ کہا۔ اور ان کے دل میں جو کے برابر بھی خیر (ایمان) ہو گا۔ اور وہ لوگ بھی جہنم سے نکالے جائیں گے جنھوں نے لا الہ الا اللہ کہا اور ان کے دل میں گیہوں کے برابر خیر (ایمان) ہو گا۔ اور وہ لوگ بھی جہنم سے نکالے جائیں گے جنھوں نے لا الہ الا اللہ کہا اور ان کے دل میں ذرہ کے برابر خیر (ایمان) ہو گا۔

فترت کے موحدین

زمانہ فترت کے موحدین کی نجات کے لئے کفر و شرک سے تبری اور اعتقاد توحید کافی ہے۔ (ص ۱/۳۰۱)

ابتداء بعثت میں توحید کے ساتھ رسالت اور جتنا قرآن نازل ہوتا گیا اس کی تصدیق ضروری تھی۔ (ص ۱/۳۰۱)

احادیث اور عقائد و احکام

احادیث سے جن چیزوں کا اثبات مقصود ہوتا ہے وہ چار قسم کے ہیں۔

(۱) عقائد قطعیہ: جیسے توحید، رسالت، قرآن کا کتاب اللہ ہونا۔ ان کا اثبات صرف حدیث متواتر سے ہو گا خواہ اس کا تواتر لفظی ہو خواہ معنوی۔

(۲) عقائد ظنیہ: جیسے قبر کے احوال، میزان اعمال وغیرہ۔ ان کا اثبات خبر واحد سے بھی ہوتا ہے۔

(۳) احکام: ان کے اثبات کے لئے حدیث صحیح یا کم از کم حسن لغیرہ ہونی لازم ہے۔

احادیث ضعاف ان تینوں اقسام میں ناکافی ہیں۔

(۴) فضائل و مناقب: خواہ فضائل اعمال ہوں یا فضائل اشخاص۔

---

(۱) حدیث ضعیف کی تقویت کے طریقے۔

۱- حدیث ضعیف اگر متعدد سندوں سے مروی ہو تو وہ کبھی حسن لغیرہ اور کبھی صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے اگرچہ وہ سب طرق ضعاف ہوں۔

۲- کسی حدیث ضعیف پر اہل علم کے عمل کرنے سے بھی وہ حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ تعدد طرق سے حدیث قوی تر ہو جاتی ہے۔ (ص ۷۸)

حاشیہ جاری.........

ان سب میں علما ضعیف حدیث بالاتفاق معتبر مانتے ہیں ۔

وحی اور مہبط وحی

(۲) حدیث: وحی کے اقسام

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: حضور کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ فرمایا:

کبھی گھنٹی کی آواز کے مثل آتی ہے اور یہ مجھ پر سب سے زیادہ سخت ہے۔ فرشتہ جو کچھ کہتا ہے اس کو میں یاد کرلیتا ہوں تو یہ کیفیت دور ہو جاتی ہے۔

اور کبھی فرشتہ مرد کی شکل میں آکر مجھ سے کلام کرتا ہے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے اسے یاد کرلیتا

حاشیہ صفحہ گزشتہ..

۳- مجتہد کے استدلال سے بھی حدیث کا قوی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا:

ان المجتھد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا لہ کما فی التحریر وغیرہ (در المختار) کسی حدیث سے کسی مجتہد کا استدلال اس کے صحت کی دلیل ہے جیسا کہ تحریر وغیرہ میں ہے۔

۴- صالحین کے عمل سے بھی قوت مل جاتی ہے۔ صلاۃ التسبیح جس روایت سے ثابت ہے وہ ضعیف ہے حاکم اور بیہقی نے اس کے قوی ہونے کی علت حضرت عبداللہ بن مبارک تلمیذ امام اعظم کے عمل کو بتایا۔

۵- کبھی تجربہ اور کشف سے بھی حدیث کو قوت مل جاتی ہے۔

امام محی الدین بن عربی کا بیان کردہ ان کا واقعۂ کشف اس کی دلیل ہے۔ فرماتے ہیں:

عرفت صحۃ الحدیث بصحۃ کشفہ و صحۃ کشفہ بصحۃ الحدیث میں نے اس حدیث کی صحت اس جوان کے کشف سے اور اس کے کشف کی صحت اس حدیث سے جانی۔

علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفا میں اور علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ در مختار میں نقل فرماتے ہیں کہ: بعض احادیث میں آیا ہے کہ بدھ کے دن ناخن ترشوانے سے برص ہو جاتی ہے۔ علامہ ابن الحاج صاحب مدخل نے اس خیال سے کہ یہ حدیث صحیح نہیں بدھ کے دن ناخن ترشوالیا۔ انھیں برص ہو گئی۔ خواب میں حضور ﷺ تشریف لائے اور ابن الحاج سے فرمایا: کیا تم نے نہیں سنا تھا؟ کہ میں نے اس سے منع فرمایا ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ! وہ حدیث میرے نزدیک ثابت نہیں۔ فرمایا اتنا کافی تھا کہ وہ حدیث میرے نام سے تمہارے کان تک پہنچی پھر حضور اقدس ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کے بدن پر پھیر انور اً اچھے ہو گئے اسی وقت توبہ کی کہ اب آئندہ کبھی حدیث سن کر مخالفت نہ کروں گا۔ اسی قسم کا واقعہ بدھ کے دن پچھنا لگوانے کے بارے میں پیش آیا۔

(مسند الفردوس وابن عساکر ۱/۴۴-۴۵)

ہوں۔

حضرت عائشہ نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ سخت جاڑے کے دن میں وحی اترتی تو نزول وحی کے اختتام پر جبین اقدس پسینہ پسینہ رہتی۔ (ص ۱۸۰)

نبی اور رسول کی تحقیق

علما کا اس میں اختلاف ہے کہ رسول اور نبی ہم معنی ہیں یا اس میں کچھ فرق ہے۔ اس بارے میں علما کے چار اقوال ہیں:

(۱) دونوں ہم معنی ہیں (۲) دونوں مغائر ہیں (۳) ان میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے (۴) ان میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے۔

(۱) جو لوگ ہم معنی کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے قرآن کریم میں متعدد جگہ رسول فرمایا ہے اور مراد انبیا ہیں۔ مثلاً فرمایا:

وقفينا من بعده بالرسل (بقره ۸۷) موسیٰ کے بعد ہم نے مسلسل رسول بھیجے۔

حالانکہ فرق کرنے والے جو معنی رسول کے بتاتے ہیں اس معنی کر ان میں کوئی رسول نہ تھا۔

فرمایا:

لانفرق بين أحد من رسله (بقره ۲۸۵) ان رسولوں کے مابین ہم تفریق نہیں کرتے۔

اور فرمایا:

ورسلاً قد قصصناهم عليك من قبل و رسلاً لم نقصصهم عليك. (النساء ٤/١٦٤) ان میں سے پہلے کچھ رسولوں کے واقعات ہم نے بیان فرمائے۔ کچھ کے ابھی نہیں بیان فرمائے۔

ان دونوں آیتوں میں اور ان کے علاوہ کثیر آیتوں میں رسول سے مراد تمام انبیائے کرام ہیں۔ خواہ بمعنی مصطلح رسول ہوں خواہ نہ ہوں۔

(۲) جو لوگ دونوں میں مغائرت کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ ارشاد فرمایا:

وما ارسلنا من قبلك من رسول ولانبی إلا إذا تمنى ألقى الشيطن فى امنيته. تم سے پہلے جتنے نبی اور رسول بھیجے سب کا حال یہ ہوا کہ ان کی تلاوت میں کبھی کبھی شیطان نے کچھ دخل دیا۔

اس آیت میں رسول پر نبی کا عطف ہے اور عطف دلیل مغائرت ہے۔

(۳) جو لوگ عموم خصوص مطلق کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت اسماعیل اور

حضرت موسیٰ کے لئے فرمایا:

وکان رسولا نبیاً یہ نبی رسول تھے۔

اگر ترادف ہوتا تو دونوں کا ذکر بے فائدہ ہوتا۔ تغایر ہوتا تو اجتماع محال۔ تو معلوم ہوا کہ عموم و خصوص ہے۔

نبی اور رسول کی تعداد

علاوہ ازیں حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ انبیا کی تعداد کتنی ہے؟ فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ عرض کیا ان میں رسول کتنے ہیں؟ فرمایا: تین سو دس سے کچھ زائد۔ اور ایک روایت ہے تین سو پندرہ(۱)۔ تیسری روایت میں ہے تین سو تیرہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر رسول نبی ہے مگر ہر نبی رسول نہیں۔ یہ دلیل ہے عموم خصوص مطلق کی۔

(۴) جو لوگ کہتے ہیں عموم خصوص من وجہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ فرشتوں پر قرآن مجید و احادیث میں رسول کا اطلاق آیا ہے مگر ان پر نبی کا اطلاق کہیں نہیں آیا۔ تو معلوم ہوا کہ فرشتے رسول ہیں مگر نبی نہیں۔ حضرت زکریا، یحییٰ، شعیا وغیرہ نبی ہیں مگر رسول نہیں۔ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ وغیرہ رسول بھی ہیں نبی بھی ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ عموم خصوص من وجہ ہے۔ جو لوگ نبی اور رسول میں عموم خصوص مطلق مانتے ہیں وہ نبی کی یہ تعریف کرتے ہیں نبی، وہ بشر ہے جس کے پاس من جانب اللہ وحی آتی ہو خواہ صاحب شریعت جدیدہ و دین جدید ہو خواہ نہ ہو۔

رسول، وہ نبی ہے جو صاحب شریعت جدیدہ و دین جدید ہو۔

اس تعریف پر فرشتے بمعنی مصطلح رسول نہ ہوں گے۔ اطلاق کا جواب یہ لوگ یہ دیتے ہیں۔ یہ بمعنی لغوی ہے۔

مگر اس تعریف پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ ابھی گزرا کہ حضرت اسماعیل رسول تھے مگر یہ شریعت جدیدہ لے کر نہیں آئے۔ حضرت ابراہیم کی شریعت کے پابند تھے نیز گزرا کہ رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ یا پندرہ تھی اور صحیفے کل ایک سو چار نازل ہوئے وہ بھی اس تفصیل سے:

دس صحیفے حضرت آدم پر۔ پچاس حضرت شیث پر۔ تیس حضرت ادریس پر۔ دس حضرت ابراہیم پر۔ توریت حضرت موسیٰ پر۔ زبور حضرت داؤد پر۔ انجیل حضرت عیسیٰ پر۔ قرآن ہمارے

(۱) مشکوۃ بحوالہ مسند امام احمد

حضور ﷺ پر(۱)۔

اس کے مطابق صاحب کتاب صرف نو انبیائے کرام ہوئے۔ اس لئے محققین نے یہی اختیار فرمایا کہ نبی اور رسول کی یہ تعریف جامع مانع نہیں اور جامع تعریف ہے:

"نبی، وہ بشر ہے جس کی طرف وحی ربانی آتی ہو وہ تبلیغ کا مامور ہو یا نہ ہو۔ رسول وہ ہے جس کے پاس وحی بھی آئے اور وہ تبلیغ کا بھی مامور ہو(۲)۔

رسول کی یہ تعریف فرشتوں پر بھی بلا تکلف صادق ہے فرشتوں پر جو رسول کا اطلاق ہوا ہے اسے معنی لغوی کی طرف پھیرنا ظاہر کے خلاف ہے"۔

اس لئے نبی اور رسول میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہوئی۔ (ص۱/۱۷۹، حدیث ۲)

بحث وحی

تعریف

اصطلاح شرع میں وحی اس کلام کو کہتے ہیں جو کسی نبی پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہو۔

اقسام وحی

انبیا کے حق میں وحی تین قسم پر ہے:

(۱) بلاواسطہ ملک بنفس نفیس باری عزاسمہ کا کلام قدیم سننا۔ جیسے شب معراج ہمارے حضور ﷺ نے سنا۔

(۲) انبیا کرام کے قلوب میں معانی کا القا کیا جائے۔ جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن روح الأمين نفث في روعي — جبرئیل امین نے میرے قلب میں القا فرمایا۔

وحی کی صورتیں

یہ تینوں قسمیں سات صورتوں میں منحصر ہیں(۳):

(۱) بشیر القاری

(۲) جلالین

(۳) عینی بحوالہ سہیلی

(۱) خواب میں ہو۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حضرت اسماعیل کی قربانی کا حکم ہو۔ (ملاحظہ ہوا/ ۱۸۴، حدیث ۱)

(۲) قلب میں القا ہو

(۳) جرس (گھنٹی) کی آواز کی صورت میں آئے۔ جیسا کہ حدیث صلصلة الجرس میں ہے۔ (حدیث ۱)

(۴) فرشتہ کسی مرد کی شکل میں آکر کلام ربانی پیش کرے۔ جیسا کہ جبریل امین حضرت دحیہ کلبی (۲) کی شکل میں حاضر ہوتے۔

(۵) جبرئیل امین اپنی ملکوتی شکل میں حاضر ہوں کہ ان کے چھ سو بازوں ہیں جن سے یاقوت اور موتی جھڑتے ہیں۔

(۶) اسرافیل وحی لے کر حاضر ہوں، جیسا کہ امام شعبی (۲) نے فرمایا کہ ابتداءً تین سال حضرت اسرافیل وحی پر مقرر رہتے پھر جبرئیل امین کے سپرد یہ خدمت ہوئی انھیں کی وساطت سے پورا قرآن نازل ہوا (۳)۔

(۷) اللہ عزوجل کا کلام قدیم سنیں خواہ بیداری میں جیسا کہ ترمذی شریف کی حدیث سنا اور کوہ طور پر حضرت موسیٰ نے۔ خواہ خواب میں جیسا کہ ترمذی شریف کی حدیث ہے:

أتانی ربی فی أحسن صورة فقال فیما یختصم الملأ الأعلیٰ. میرے پروردگار نے مجھ پر بہترین تجلی فرمائی پھر پوچھا ملا اعلیٰ بارے میں بحث کر رہے ہیں۔

پھر یہ سماع حجاب کے ساتھ ہو یا بے حجاب۔ (ص ۱/ ۱۸۰)

انبیا کرام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ (ص ۱/ ۴۵۱)

قتل اولاد حرام ہے مگر خواب دیکھ کر حضرت ابراہیم تعمیل حکم فرمانے لگے۔ اگر خواب وحی نہ ہوتا تو ایسا ہرگز نہ کرتے۔ (ص ۱/ ۴۵۱)

فرشتے مستقل نوع ہیں

حدیث نمبر ۲ سے بصراحت ثابت ہوا کہ فرشتے ایک الگ مخلوق ہیں۔ ان کی مخصوص نوع ہے۔ ایسا نہیں کہ عناصر اور عناصر سے پیدا ہونے والی اشیا کی فطری قوتوں کا نام فرشتہ ہے۔

---

(۱) ان کے حالات اس کتاب کے ص ۲۲۷ پر ملاحظہ ہوں۔

(۲) مسند احمد

(۳) صحیح یہ ہے کہ پورا قرآن صرف حضرت جبرئیل لائے ان کے علاوہ کوئی دوسرا ایک کلمہ نہیں لایا۔ قرآن مجید میں ہے:
﴿نزل به الروح الامین﴾ اسے روح الامین لے کر اترا۔ (ص ۱/ ۱۸۰) ص ۱۹۱، ۲۰۶ و ۲۰۷ ملاحظہ ہو

جو شخص مخلوقات کی فطری قوتوں کا نام فرشتہ رکھے وہ کافر ہے۔ (ص۱/۱۸۱)
جبرئیل سید الملائکہ ہیں۔ (ص۱/۲۱۷)

اہل سنت کا اجماعی عقیدہ

اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ عزوجل کا کلام ہے جس طرح اس کی ساری صفات قدیم غیر مخلوق ہیں اسی طرح قرآن بھی قدیم غیر مخلوق ہے۔ اس کے برخلاف معتزلہ کا عقیدہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے۔ یہ اختلاف بغداد میں اٹھا اور پورے بلاد اسلامیہ میں پھیل گیا۔
اس سلسلے میں متشدد حنابلہ یہاں تک آگے بڑھ گئے کہ ہماری قرارت کو بھی غیر مخلوق کہنے لگے۔
یہ مسئلہ خواص سے بڑھ کر عوام میں پھیل گیا۔ معتزلی اور غیر معتزلی کی علامت بن چکا تھا۔
قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے اور بندوں کے افعال مخلوق ہیں۔ (ص۱/۶۵)

افعال کا خالق

معتزلہ کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں۔ اس کے برخلاف اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ بندوں کا خالق ہے اسی طرح ان کے افعال کا بھی خالق ہے۔ (ص۱۰۵)

(حدیث۱) مدار اعمال نیتیں ہیں

علقمہ بن وقاص لیثی، عمر بن خطاب سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اے لوگو! اعمال نیت ہی پر ہیں۔ ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔
لہٰذا جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو تاکہ اسے حاصل کرے یا کسی عورت کی جانب ہو کہ اس سے شادی کرے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔ (ص۱۷۴)

اعمال وافعال

الاعمال

یہ عمل کی جمع ہے۔ یہ اور فعل مرادف ہیں۔ مگر عند الاطلاق افعال سے مراد افعال جوارح

ہوتے ہیں۔

اور اعمال عام ہے افعالِ جوارح، افعالِ لسان، افعالِ قلب سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے(۱)۔ یہ عبادات، محرمات، مکروہات، مباحات سب کو شامل ہے۔

نیت

دل کے پختہ ارادہ کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ کسی چیز کا ہو۔ اور شریعت میں عبادت کے ارادہ کو کہتے ہیں۔ (تلویح)

ارادہ، عزم، قصد

محققین کے نزدیک ارادہ اس صفت کو کہتے ہیں جس سے دو متساوی چیزوں میں ایک کو ترجیح دی جائے۔ خواہ قدیم ہو، خواہ حادث۔

نیت، عزم، قصد تینوں میں ارادۂ حادث مراد ہے۔ اسی لیے ان کا اطلاق باری تعالیٰ پر نہیں ہوتا۔

عزم: وہ ارادہ ہے جو فعل پر مقدم ہو۔

قصد: وہ ارادہ ہے جو فعل سے متصل اور فعل کے ساتھ پایا جاتا ہو۔

نیت: وہ ارادہ ہے جو عمل سے متصل ومقترن ہونے کیساتھ ساتھ اس میں عمل کی غایت بھی ملحوظ ہو۔

مثلاً ایک شخص نے حج کا ارادہ کیا۔ سفر شروع کرنے تک عزم ہے۔ سفر شروع ہونے کے بعد قصد۔ اور اگر اس میں یہ بھی ملحوظ ہے کہ یہ حج کا سفر ہے تو نیت۔

ارادۂ گناہ

صحیح ومحقق مذہب یہ ہے کہ گناہ کا محض ارادہ گناہ نہیں۔ مگر جب گناہ کا اتنا پختہ عزم کرلے جتنا گناہ کے ارتکاب کے وقت ہوتا ہے تو گناہ کا ایسا پختہ ارادہ وعزم گناہ ہے۔ (ص ۱/۲۸۹)

کبیرہ کا مرتکب

ائمہ اربعہ وجمہور متکلمین ومحققین کا اس پر اتفاق ہے کہ فرائض وواجبات کا تارک یا گناہوں کا مرتکب کافر نہیں، مومن ہے۔ (ص ۲۳۶ و ۲۳۷)

---

(۱) حاشیہ خیالی ملا عبدالحکیم

دنیا اور اسلام

دنیا

دنیا کے معنی لغوی بہت زیادہ قریب ہونے والی۔ اور معنی عرفی سے مناسبت یہ ہے کہ دنیا زوال و فنا کے بہت قریب ہے۔

شریعت میں دنیا کسے کہتے ہیں؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے دنیا ہے۔

دوسرے یہ کہ تمام مخلوقات خواہ اعراض ہوں خواہ جواہر دنیا ہیں۔ (ص ۱/ ۱۷۴)

العالم

ماسوئ اللہ کو کہتے ہیں۔ عالم میں حیوانات، نباتات، جمادات سب داخل ہیں۔ (ص ۱/ ۱۸۶)

عالم کی بنیادی تقسیم

عالم کی بنیادی تقسیم دو ہے: عالم امر اور عالم خلق۔

عالم امر بغیر مادے کے کن فرمانے سے کسی شی کے ایجاد کو کہتے ہیں۔

اور عالم خلق مادے سے بتدریج کسی چیز کے پیدا فرمانے کو کہتے ہیں۔ (الملفوظ ص ۱/ ۶۰)

شرح فقہ اکبر میں ہے:

لأنّ الرُّوح خلقَ بالأمر التّنجيزی کبعض المخلوقات واکثرا لکائنات خلقوا بالوصف التدریجی ولذا قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿الا له الخلق والامر﴾ (آیت ۷/ ۵٤) روح امر تنجیزی سے پیدا ہوئی ہے جیسے اور کچھ مخلوقات، اور اکثر کائنات تدریجی سے بنائی گئی۔ اسی لئے فرمایا: سنو! اللہ ہی کے لئے خلق اور امر ہے۔ (نزہۃ القاری ص ۴۳۳)

حب رسول (حدیث ۱۴-۱۵)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ

قدرت میں میری جان ہے۔ تم میں سے کوئی مومن نہیں جب تک میں اس کے نزدیک باپ اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ حضرت انس سے بھی لگ بھگ یہی مضمون مروی ہے۔ (ص ۲۶۱)

آیات متشابہات

متشابہات کا حکم

اللہ تعالیٰ پر "ید" کا اطلاق متشابہات سے ہے۔ متشابہات میں تین مذاہب ہیں:

(۱) اس کی کوئی تاویل نہ کی جائے۔ یہ مذہب اسلم ہے۔

(۲) تاویل کی جائے مگر ایسی جو محکمات کے معارض نہ ہو، مطابق ہو، یہ مذہب سالم ہے۔ اور متاخرین کا یہی طریقہ ہے۔

(۳) ایسی تاویل کی جو محکمات کے معارض ہو۔ یہ زائغین کا مذہب ہے جیسا کہ مجسمہ کرتے ہیں۔ یہ حرام و گناہ بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے۔ (ص ۱/۲۶۰)

متشابہات کا علم

متشابہات کا معنی حضور اقدس ﷺ جانتے ہیں یا نہیں؟

صحیح یہ ہے کہ جانتے ہیں ورنہ خطاب لغو ہو جائیگا۔ لازم آئے گا کہ اللہ عزوجل نے رسول سے خطاب ایسا کیا جو رسول سمجھ نہ پائے۔ (ص ۱/۲۶۱)

(حدیث ۵) مسلسل بالشفتین

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب جبرئیل وحی لے کر اترتے۔ حضور جلد یاد کرنے کی خواہش میں اپنی زبان اور ہونٹوں کو حرکت دیتے (ساتھ ساتھ پڑھنے کی کوشش کرتے) حضور پر شدت طاری ہوتی جسے جان لیا جاتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورہ قیامہ کی اس آیت کو اتارا جلد یاد کرنے کی کوشش میں (نزول قرآن کے ساتھ) اپنی زبان نہ ہلاؤ۔ اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ الخ۔

اس کے بعد آپ بغور سنتے رہتے پھر ویسا ہی پڑھ لیتے جیسا جبرئیل نے پڑھا۔ (ملخصاً ص ۲۱۶)

اللہ عزوجل پر کچھ واجب نہیں

اللہ عزوجل پر کوئی چیز واجب نہیں (۱)۔ وجوب کبھی بمعنی ضرور آتا ہے۔ اور یہی یہاں (حدیث مسلسل بالشفتین نمبر ۵ میں) مراد ہے۔ اور یہ ضرورت وعدہ کی بنا پر ہے کہ جب یہ فرمادیا کہ یہ ہمارے ذمے ہے تو چونکہ خلف وعدہ محال بالذات ہے اس لئے ضروری ہوا۔ (ص ۱/۲۱۶)

صحابی

صحابہ عادل ہیں

صحابہ باجماع امت سب کے سب عادل ثقہ ہیں۔ اس لئے ان کی ذات جرح سے بالاتر ہے۔ (ص ۱/۲۸)

اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام سب کے سب عادل، گناہ سے محفوظ ہیں۔ (ص ۱/۲۹۲)

تابعین عادل یا غیر عادل

تابعین میں عادل غیر عادل سبھی ہیں۔ اس دور میں رافضی، خارجی بلکہ معتزلی، بدمذہب پیدا ہو چکے تھے۔ (ص ۱/۲۸)

صحابی کی تعریف

خود امام بخاری نے صحابی کی یہ تعریف کی ہے:

من صحب النبی ﷺ او رآہ من المسلمین فھو من اصحابہ. (بخاری ج ۱ ص ۵۱۵)

مسلمانوں میں سے جسے نبی کریم ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی یا جس نے آنحضور کی زیارت کی وہ حضور کے اصحاب میں ہے۔ (ص ۱/۱۱۶)

---

(۱) معتزلہ کے خلاف۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر اصلح للعبد واجب ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ بندہ کے حق میں وہ کام کرے جو بندہ کے لئے دین و دنیا میں زیادہ نفع بخش رہے اور نظام عالم کی تدبیر اور حکمت میں بندہ کے لئے جو کام خوب موافق رہے۔ اس بارے میں خود معتزلہ کے کئی مذاہب ہیں۔ (نبر شرح شرح العقائد ص ۳۱۰)

نخبہ سے تعریف

علامہ ابن حجر نے نخبہ میں صحابی کی تعریف یہ کی ہے:

من لقی النبی ﷺ مومنا بہ ومات علی الاسلام ولو تخللت مرۃ فی الاصح (ص ۸۱، ۸۲) جو نبی کریم ﷺ پر ایمان لایا ہو اور اسی حالت میں ملاقات کی ہو، اور اسلام پر وفات پائی ہو۔ اگرچہ درمیان میں مرتد ہو گیا ہو۔ یہی اصح ہے۔

اس میں ملاقات سے مراد معنی عام ہے جو ملاقات اور دیکھنے دونوں کو شامل ہے یعنی واقعی ملاقات ہوئی۔ اگرچہ دیکھا نہ ہو۔ جیسے نابینا صحابہ۔

یا صرف دیکھا اگرچہ ملاقات نہ ہوئی ہو۔ جیسے دور سے دیکھا یا عہد طفلی میں شعور آنے سے پہلے دیکھا ہو۔ (ص ۱/ ۱۹۸)

اعرابی

عرب کے دیہات میں رہنے والوں کو اعرابی کہتے ہیں۔ اعرابی اگر صحابی ہے تو اس کا ترجمہ گنوار نہیں کرنا چاہئے کہ گنوار تحقیر کے لئے بولا جاتا ہے اور صحابی کی تحقیر جائز نہیں۔ (ص ۱/ ۳۴۵)

ابو بکر اعلم صحابہ ہیں

صحابہ کرام میں سب سے زیادہ اعلم حضرت صدیق اکبر تھے۔ اسی لئے حضور نے (آخر حیات میں) انھیں امام بنایا۔ (ص ۳/ ۱۴۹)

(حدیث ۲۲) فضیلت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خواب کی حالت میں کچھ لوگ میرے سامنے پیش کئے گئے وہ لوگ کرتا پہنے ہوتے تھے۔ کسی کا کرتا سینے تک، کسی کا اس سے کم۔ اور عمر بن خطاب میرے سامنے لائے گئے وہ ایسا کرتا پہنے ہوئے تھے جس کو گھسیٹ رہے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور نے اس کی کیا تعبیر فرمائی فرمایا: دین۔ (ص ۲۷۸)

حدیث کی توجیہ

اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ حتیٰ حضرت

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی افضل ہوں۔ یہ اہل سنت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف بھی ہے اور اس کا کوئی قائل بھی نہیں۔ مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہ پر فضیلت مطلقہ احادیث متواتر المعنی سے ثابت ہے۔ اس لئے وہ احادیث اس کی مخصص ہیں اور مراد یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سوا اور سب لوگوں سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دین زائد ہے اور وہ ان لوگوں سے افضل ہیں۔ (ص ۹۷۲)

حضرت مولیٰ علی کو افضل جاننا

سلف میں جو تمام خلفا کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حسن عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا اسے بھی شیعی کہتے۔ حالانکہ یہ مسلک بعض علما اہل سنت کا تھا۔ اسی بنا پر متعدد ائمہ کوفہ کو شیعہ کہا گیا۔ بلکہ محض غلبہ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے۔ حالانکہ یہ محض سنیت ہے۔

مشاجرات صحابہ

جب دو مسلمان آپس میں لڑیں اگر شرعی جواز کسی کے پاس ہو تو اسے لڑنا جائز بلکہ باعث اجر۔ گنہگار وہ ہو گا جس کے پاس کوئی وجہ جواز نہیں۔ اور اگر دونوں کے پاس شرعی جواز کی وجہ ہو تو کوئی گنہگار نہ ہو گا جیسا کہ جنگ جمل اور صفین میں تھا۔ حضرت عائشہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما نے اپنے اجتہاد پر عمل فرمایا۔ اگر چہ باجماع اہل سنت حضرت علی حق پر تھے۔ اور ان کے محاربین سے خطائے اجتہادی ہوئی اور مجتہد سے اگر خطائے اجتہادی واقع ہو تو بھی اسے اور اس کے مقلدین کو ایک ثواب ملتا ہے۔

صحابہ کرام کے آپس میں مشاجرات میں کلام منع ہے۔ (ص ۱/۲۸۹، حدیث ۲۸)

علم کی تعریف

صحیح یہ ہے کہ علم اجلی البدیہیات سے ہے۔ ہر خاص و عام جانتا ہے کہ علم کیا چیز ہے۔ اس لئے یہ اصطلاحی تعریف سے مستغنی ہے نیز اس کی تعریف بہت زیادہ مشکل ہے۔ ہزار ہا سال غور و خوض، بحث و تمحیص کے بعد آج تک منقح نہ ہو سکی۔ ہمارے حضرات ماتریدیہ نے علم کی تعریف

یہ کی کہ:
علم ایک ایسا نور ہے جس کو اللہ عز و جل نے انسان کے قلب میں پیدا فرمایا ہے کہ اس سے جس چیز کا تعلق ہوتا ہے وہ منکشف ہو جاتی ہے جیسے آنکھ میں دیکھنے کی قوت ہے۔
علم دین اللہ عز و جل کی رضا کا موجب ہے۔

علم کی تقسیم

علم کی اپنے متعلقات کے اعتبار سے دو قسم ہے: علم ظاہر، علم باطن۔ علم ظاہر علم شریعت ہے۔ تفسیر حدیث، فقہ اور اس کے ذرائع علم صرف و نحو، لغت، معانی، بیان، بدیع وغیرہ۔
علم باطن کی دو قسمیں ہیں: علم معاملہ۔ یعنی دل اور نفس کو پاک، صاف ستھرا بنانا اخلاق بد و محرمات سے بچنا، اور، اخلاق حسنہ خلوص، صبر، شکر، زہد و، تقویٰ، قناعت وغیرہ کا حصول۔
دوسرے علم مکاشفہ: یہ وہ علم ہے جو تزکیہ نفس کے بعد من جانب اللہ عطا ہوتا ہے۔ جو باتیں عقول متوسطہ کی دسترس سے باہر ہیں ان کا اس کے ذریعہ انکشاف ہوتا ہے۔ مثلاً ذات و صفات باری تعالیٰ وغیرہ۔ (قسطلانی)
علم مکاشفہ سے ہی حضور اقدس ﷺ کی ذات و صفات کی کچھ حقیقت واضح ہوتی ہے۔ (ص ۳۴۸)

(حدیث ۴۳) حدیث جبرئیل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک دن رسول اللہ ﷺ مجمع عام میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص پیدل چلتا ہوا خدمت اقدس میں حاضر ہوا (انتہائی ادب کے ساتھ چند باتیں پوچھیں) ایمان کیا ہے؟ اسلام کیا ہے؟ احسان کیا ہے؟ (سرکار نے جواب مرحمت فرمائے) پھر اس نے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ (سرکار نے جواب میں توقف اختیار فرمایا) تین بار یہی ہوا تو سر اقدس اٹھایا اور فرمایا جس سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ کچھ علامات قیامت بیان فرمائیں۔ قیامت کب آئے گی یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ پھر آنحضور نے سورۂ لقمان کی یہ اخیر آیت تلاوت فرمائی: **لایعلمھن الا اللہ** الخ۔ (ص ۳۴۹، ملخصا)
حضرت شارح علام فقیہ العصر نے حدیث کے سبھی متون کو جمع کر کے شایان شان تحقیقی شرح

فرمائی بحث کے اخیر میں علوم خمسہ کی تفصیل اور تحقیقی بحث ذکر کی اور ثابت فرمایا کہ ان پانچوں کا علم اللہ تعالیٰ نے سرکار اقدس کو عطا فرمایا ہے۔ اور سرکار نے جبرئیل کے جواب میں اصل علم کی نفی نہیں فرمائی ہے بلکہ زیادتی کی نفی فرمائی۔ چنانچہ احادیث میں بکثرت ایسے واقعات ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ان باتوں کی خبر دی۔ علوم خمسہ کی بحث کا کچھ حصہ افادۂ عام کے لئے ہم نذر قارئین کرتے ہیں۔

بحث علوم خمسہ

علوم خمسہ

اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی، ازلی، واجب، قدیم، غیر مخلوق، ممتنع الزوال ہے۔ ان چیزوں کا علم ذاتی، ازلی واجب قدیم اللہ عزوجل کے سوا کسی کو نہیں۔

رہ گیا علم عطائی، حادث، ممکن، یہ نہ اللہ عزوجل کی صفت اور نہ شرعاً عقلاً جائز کہ ان امور کا علم بلکہ مطلق علم بلکہ باری عزاسمہ کی کوئی صفت عطائی حادث ممکن ہو۔ اس پر اجماع امت کہ جو شخص باری تعالیٰ کی کسی صفت کو عطائی یا حادث یا ممکن مانے وہ کافر۔ تو پھر یہ کہنا کہ علم عطائی حادث ممکن بھی باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اپنے ایمان سے ہاتھ دھونا ہے۔ (ص ۳۳۱)

اس کو دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ہم پوچھتے ہیں کہ "**فی خمس لایعلمھن الا اللہ**" اور آیۂ کریمہ ﴿**ان اللہ عندہ علم الساعۃ**﴾ میں علم سے مراد علم ذاتی واجب قدیم ہے یا علم عطائی حادث ممکن ہو۔ اور یہ کفر بلکہ مجموعہ کفریات۔ اور اگر کہیں کہ مطلق علم مراد ہے خواہ ذاتی واجب ممکن ہے۔ اللہ عزوجل کی کسی بھی صفت کو عطائی حادث ممکن ماننا بالاتفاق کفر ہے۔ اس لئے شق اول متعین کہ مراد یہ ہے کہ ان چیزوں کا علم ذاتی قدیم واجب باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ ان چیزوں کا علم ذاتی واجب قدیم اللہ عزوجل کے سوا کسی کو نہیں۔

ہمارا موقف

ہم اہل سنت، انبیائے کرام یا ان کے توسط سے اولیائے کرام کے لئے ان علوم خمسہ کا یا دیگر غیوب کا علم مانتے ہیں تو بعطائے الٰہی مانتے ہیں ان کے علم کو علم عطائی حادث ممکن مانتے ہیں۔ (ص ۳۳۱)

ہماری اس تقریر کی تائید میں علمائے معتمدین کے ارشادات ہیں تفصیل کے لئے مطالعہ کریں نزہۃ القاری و دیگر کتب اہل سنت بالخصوص جو نزہۃ القاری کی بحث اخیر میں موجود ہیں: الدولة المكية، الفيوض الملكيه، خالص الاعتقاد، ادخال السنان، الكلمة العليا۔ (ص ۱/ ۳۴۴)

صفات

اللہ عز و جل کی ہر صفت ذاتی، واجب، قدیم، غیر متناہی غیر مخلوق اور انبیا، اولیا اور تمام مخلوقات کی ہر صفت عطائی حادث ممکن متناہی مخلوق۔ اور یہی فرق علم غیب میں بھی ہے۔ آیات نفی میں مراد علم ذاتی، قدیم، واجب، غیر متناہی، غیر مخلوق اور آیات اثبات میں علم عطائی، ممکن، حادث، متناہی، مخلوق ہے۔ (ص ۱/ ۳۴۴)

اس فرق کو ماننا ناگزیر ہے اگر اس فرق کو تسلیم نہ کیا جائے تو قرآن مجید اور احادیث کریمہ میں اتنا زبردست تعارض پڑے گا کہ اٹھائے نہ اٹھے گا۔ (ص ۱/ ۳۴/ ۳۴۳)

(حدیث ۶۸) جو چیزیں مجھے اب تک نہیں دکھائی گئی تھی ان سب کو میں دیکھ لیا

حضرت اسماء بنت صدیق سے مروی نبی ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا جو چیز بھی مجھے اب تک نہیں دکھائی گئی تھی۔ ان سب کو میں نے اپنی جگہ دیکھ لیا یہاں تک کہ جنت اور دوزخ بھی پھر مجھے وحی کی گئی کہ تم لوگ اپنی قبروں میں آزمائے جاؤ گے مسیح دجال کے فتنے کے مثل۔

پوچھا جائے گا اس مرد کے بارے میں کیا جانتے ہو۔ مومن کہے گا یہ محمد ہیں یہ رسول اللہ ہیں ہمارے پاس معجزات اور ہدایت لے کر تشریف لائے۔ تین بار یہی کہے گا۔ اس سے کہا جائے گا آرام سے سو جا منافق کہے گا میں نہیں جانتا میں نے لوگوں کو کچھ کہتے سنا تھا وہی میں نے بھی کہا۔ (ص ۲۸۳)

(حدیث ۶۹) جو جی چاہے پوچھو

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ سے بہت سی چیزوں کے بارے میں سوال کیا گیا جو ناگوار ہوا۔ جب سوالات کی اور کثرت ہوئی تو جلال آ گیا۔ پھر فرمایا تم لوگوں کا جو جی چاہے پوچھو اس پر ایک صاحب نے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔ دوسرے

صاحب نے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ فرمایا سالم۔ جب حضرت عمر نے روئے انور میں غضب کے آثار دیکھے تو عرض کیا یا رسول اللہ! ہم سب اللہ عزوجل سے توبہ کرتے ہیں۔ (ص ۳۸۵)

(حدیث ۸۴) بہت سی دنیا میں پہننے والی آخرت میں ننگی ہوں گی

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ایک رات نبی علیہ السلام بیدار ہوئے تو فرمایا: سبحان اللہ اس رات میں کتنے فتنے نازل ہوئے اور کتنے خزانے کھلے۔ حجرے والیوں کو جگادو۔ بہت سی دنیا میں پہننے والی آخرت میں ننگی ہوں گی۔ (ص ۴۰۹)

(حدیث ۹۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے کہا کہ یہود نے نبی کریم علیہ السلام سے روح کے بارے میں سوال کیا تو آپ پر وحی آئی اور فرمایا تم سے یہ لوگ روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ فرمادو روح میرے رب کے امر سے ہے اور ان کو بہت ہی کم علم دیا گیا۔ (ص ۴۳۳)

حضور اقدس نے جمیع ماکان ومایکون کو دیکھا

حدیث نمبر ۲۸ مامن شیٔ لم اکن أریته رأیته الا فی مقامی هذا یہ حدیث اس پر نص صریح ہے کہ حضور اقدس علیہ السلام کو جمیع ماکان ومایکون کا علم عطا فرمایا گیا۔ خواہ رویت سے مراد رویت بصری (دیکھنا) لیا جائے خواہ رویت قلبی (علم) مراد لیا جائے۔ دونوں تقدیر پر جمیع ماکان ومایکون کے علم کا حصول ثابت اس کی قدرے توضیح یہ ہے۔

الشی عندنا الموجود۔ اس لئے شی تمام موجودات کو عام مامن شی میں نکرہ تحت نفی ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے اس کا معنی یہ ہوا۔ ہر وہ موجود جو میں نے اب تک نہیں دیکھا تھا سب دیکھ لیا۔ بلکہ علامہ عینی نے فرمایا:

والشیٔ فی قوله مامن شیٔ اعم العام مامن شی میں شی اعم العام ہے۔

وقد وقع نکرة تحت النفی اور نکرہ ہوتے ہوئے نفی کے تحت ہے۔

یعنی اس طرح عموم موکد ہو گیا کہ تخصیص کی گنجائش نہ رہی۔ اس لئے نہ تمام موجودات ماضیہ و آئندہ کو عام ہے۔ یہاں تک علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس کے عموم میں باری تعالیٰ کا مشاہدہ بھی

داخل ہے۔ فرماتے ہیں:

نعم اذا الشیٔ یتناوله والعقل لایمنعه والعرف لایقتضی اخراجه

ہاں اس لئے کہ شی بمعنی موجود باری تعالیٰ کو بھی شامل ہے عقلاً محال نہیں۔ عرفاً ذات باری تعالیٰ کو اس عموم میں داخل نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔

جب یہاں اتنا عموم ہے کہ اس میں ذات باری تعالیٰ بھی داخل ہے تو جمیع ماکان مایکون بدرجہ اولیٰ حاصل۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا — جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروروں درود

اس حدیث سے ثابت کہ اللہ عزوجل کو حضور نے بیداری میں دیکھا۔

حضور اقدس ﷺ کو جمیع ماکان ومایکون کا علم حاصل ہوا ہے۔ (ص ۱/ ۳۸۳)

(حدیث ۶۹)

سلونی عما شئتم کا مطلب یہ ہوا کہ جو جی چاہے پوچھو خواہ وہ دنیا کی بات ہو یا دین کی۔ میں سب بتاؤں گا۔ یہ وہی کہہ سکتا ہے جو دین و دنیا کے تمام علوم رکھتا ہو۔

تو اس حدیث سے بھی ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو دین اور دنیا کے جملہ علوم حاصل تھے۔ اسی سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ صرف دین کے جملہ علوم رکھتے تھے دنیا کے علوم میں یہ حال تھا کہ دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہ تھی۔ (نعوذ باللہ) (ص ۱/ ۳۸۵)

(حدیث ۸۴)

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو اللہ عزوجل نے غیب کا علم عطا فرمایا۔ (ص ۱/ ۴۰۹)

(حدیث ۹۲)

حضور اقدس ﷺ کو روح کا علم تھا۔ علامہ عینی نے اس حدیث کے تحت ثابت کیا ان کو روح کا بھی علم دیا گیا اور منکرین کا رد فرمایا۔ (ص ۱/ ۴۳۲، ملخصا)

کچھ اور فضائل سید المرسلین ﷺ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس ہیں جیسا کہ حدیث نمبر ۶ میں صراحت ہے
(حدیث نمبر ۶) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ رمضان میں اور سخاوت کرتے۔ جب جبرئیل ملاقات کرتے اس وقت آپ بہتی ہوا سے بھی زیادہ خیر رساں ہوتے۔ (ملخصا ص ۲۱۸)
اور ایک حدیث میں خود ارشاد فرمایا۔ اللہ عزوجل سب سے بڑا جواد ہے۔ (ص ۲۱۶)

وہ ممتنع النظیر ہیں

حب عقلی کے اسباب تین ہیں۔ حسن و جمال۔ جود و نوال۔ فضل و کمال۔ یہ تینوں اسباب حضور اقدس ﷺ کی ذات میں اتنے اعلیٰ درجہ کمال پر موجود ہیں کہ کسی مخلوق میں اس درجہ کا تو کیا اس کا عشر عشیر بھی پایا جانا محال ہے حضور اقدس ﷺ کے کسی وصف میں کسی مخلوق کی بتمامہ شرکت محال ہے۔ (ص ۲۶۲، حدیث ۱۵)

(حدیث ۲۰) آپ معصوم ہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے صحابہ عرض کیا کرتے یا رسول اللہ ہم آپ کی طرح نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو آج سے پہلے اور آج کے بعد بھی گناہ سے محفوظ رکھا۔ (ملخصاً ص ۲۷۵)
(حدیث ۹۸) نعیم مجمر نے کہا حضرت ابو ہریرہ نے وضو کیا اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا وہ فرماتے تھے۔ میری امت قیامت کے دن بلائی جائے گی۔ ان کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں وضو کے اثرات سے سفید ہوں گے تم میں سے جو اپنی سفیدی زیادہ کرنا چاہے کرے۔ (ملخصاً ص ۴۴۶)

حضور اقدس ﷺ معصوم ہیں۔ (ص ۱/۲۷۶)

اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کو ایسے خاص علوم غیبیہ عطا فرمائے جو سوائے حضور کے کسی نبی کو بھی نہیں عطا فرمائے۔ (ص ۱/۴۴۷)

حضور اقدس ﷺ کو جمیع ماکان ومایکون کا علم ہوا ہے۔ (ص ۱/ ۳۸۳۰، حدیث ۶۸)

تقویٰ

اس کا اصل معنی ہے کسی چیز سے مکمل طور پر بچنا۔
اور شریعت میں شرک، کفر، گناہ سے بچنے کو کہتے ہیں۔
اس کے تین درجے ہیں اول کفر و شرک سے بچنا۔ دوم گناہ سے بچنا۔ تیسرے شبہات سے بچنا۔
ایک چوتھا درجہ صوفیائے کرام کے نزدیک ہے۔ یعنی ماسوا اللہ سے بچنا۔
تقویٰ کے تینوں مدارج کی بنیاد خشیت خداوندی پر ہے۔ اس تقویٰ کا معنی خشیت خداوندی کے آتا ہے۔
قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں تقوی اس معنی میں وارد ہے۔ جیسے ایای فاتقون صرف مجھی سے ڈرو۔
﴿یاایھا الناس اتقوا ربکم﴾ اے لوگو! اللہ سے ڈرو۔ (ص ۱/ ۲۴۶ ت ۵)
جن باتوں کی حلت و حرمت کے بارے میں شرع سے واضح نص موجود نہ ہو اور اسکی حلت و حرمت کے بارے میں دلائل شرعیہ متعارض ہوں اس سے بچا جائے۔
اسی بنا پر فقہ کا قاعدہ مسلمہ ہے کہ:
جن چیزوں کے بارے میں علمائے اہل سنت اختلاف رائے رکھتے ہوں ان سے بچا جائے۔ بشرطیکہ اپنے مذہب کی بنیاد پر کسی محظور و ممنوع کا ارتکاب نہ لازم آتا ہو۔ (ص ۱/ ۲۴۷ ت ۵)

تقدیر کے مسائل

تقدیر

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر بھلائی برائی اللہ عزوجل نے اپنے علم ازلی کے موافق مقدر کر دی ہے جو بات جیسے ہونے والی تھی۔ اور جو شخص جو کچھ کرنے والا تھا۔ اللہ عزوجل اسے ازل سے جانتا تھا۔ اسی کے مطابق لکھ لیا۔ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا محال ہے۔

یہ نہیں کہ اللہ عزوجل نے لوگوں کے احوال جانے بغیر جو چاہا لکھ دیا۔ اور اب ہم اس کے لکھنے کی وجہ سے ویسا ہی کرنے پر مجبور ہیں۔ (ص ۱/۱۹:۳)

اللہ عزوجل نے لوگوں کو ایک نوع کا اختیار بھی دیا ہے۔ اسی کے ساتھ عقل بھی دی کہ بھلے برے، نفع نقصان کو پہچان سکے۔ اسی اختیار پر مواخذہ ہے اپنے آپ کو جمادات کی طرح مجبور محض سمجھنا۔ یا بالکل مختار سمجھنا دونوں گمراہی ہے۔

تقدیر کے منکرین کو نبی کریم ﷺ نے اس امت کا مجوس فرمایا۔

تقدیر و قضا

دونوں ہم معنی ہیں قضا کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) مبرم حقیقی: جو علم الٰہی میں کسی چیز پر معلق نہیں۔

(۲) معلق محض: ملائکہ کے صحیفوں میں جس کا معلق ہونا ظاہر فرمادیا گیا۔

(۳) معلق شبیہ بہ مبرم: صحف ملائکہ میں جس کی تعلیق مذکور نہیں۔ مگر وہ علم الٰہی میں معلق ہے۔

مبرم حقیقی کی تبدیلی محال ہے۔ اگر محبوبان بارگاہ اس بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں تو انھیں اس سے روک دیا جاتا ہے۔

قضائے معلق

اولیائے کرام کی دعاؤں، ان کی توجہ، اور اعمال حسنہ سے ٹل جاتی ہے۔

معلق شبیہ بہ مبرم

اس تک عامہ اولیائے کرام کی رسائی نہیں۔ اکابر کی ہے جو ان کی دعاؤں اور توجہ سے ٹل جاتی ہے۔

حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کو فرمایا:

انی اردالقضاء بعد ماابرم — میں قضائے مبرم کو بدل دیتا ہوں۔

اور اسی کو حدیث میں فرمایا گیا:

ان الدعاء یرد القضاء بعد ماابرم — دعا قضائے مبرم کو ٹال دیتی ہے۔

ہدایت

تقدیر کے مسائل عقول متوسطہ کی دسترس سے باہر ہیں۔ماوشما کس گنتی میں۔حضرت صدیق اکبر وفاروق اعظم کو اس میں بحث کرنے سے روک دیا گیا۔اس میں زیادہ غور و خوض، بحث و تمحیص بہت نقصان دہ ہے۔(ص ۱/ ۳۲۰)

مسئلہ تقدیر استدلالی نہیں صرف کشفی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ مسئلہ جتنا ہی دقیق اور عام عقلوں کی دسترس سے بالاتر ہے۔ اتنا ہی لوگ اس میں کرید کی کوشش کرتے ہیں۔

(ص ۱/ ۳۲۰، حدیث جبرئیل ۴۳)

مرحلہ قبر وعذاب جہنم

مرحلہ قبر

قبر میں بھی امتحان ہوگا۔ تم سے قبر میں سوال کیا جائیگا۔ مومن صحیح جواب دے گا۔ منافق یہ کہے گا۔لوگوں کو میں نے کچھ کہتے سنا تھا۔وہی میں نے بھی کہا تھا۔(ص ۳۸۲، حدیث ۶۸)

(حدیث ۱۲۱) وضو پوری طرح کرو

ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔

محمد بن زیاد کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس سے گزرے اور لوگ ایک برتن سے وضو کر رہے تھے۔ میں نے سنا کہ انھوں نے کہا: لوگو! وضو پوری طرح کرو اس لئے کہ حضرت ابو القاسم ﷺ نے فرمایا ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔ (ص ۵۰۴)

(حدیث ۱۲۱) نجات مومن

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنتی جنت میں، اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تعالی فرمائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو اسے دوزخ سے نکالو۔ اس پر ایسے لوگ بھی نکالے جائیں گے جو جل کر کوئلہ کی طرح کالے ہو چکے ہوں گے۔ پھر ان کو نہر حیات میں ڈالا جائیگا۔ اس سے ان کے جسم سے اس

طرح (تیزی) سے گوشت اٹھیگا جیسے بہتے پانی کے کنارے سبزہ۔ (ص ۲۷۷)

عذاب جہنم

(حدیث ۱۲۱) عذاب جسم اور روح دونوں پر ہوگا۔ صرف روح پر نہیں۔ عذاب جہنم اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے مجازی معنی مراد نہیں کہ اپنے گناہوں کو دیکھ کر کڑھنے کا نام ہو۔ (ص ۱/ ۵۰۴)

مومن انجام کار نجات پائے گا

کچھ مومن گنہ گار ایسے بھی ہوں گے جو جہنم میں ڈالے جائیں گے لیکن ایمان کی بدولت پھر جہنم سے نکالے جائیں گے۔ جہنم میں رہنے کی وجہ سے یہ کالے ہو جائیں گے۔ ان کو نہر حیات یا نہر حیا میں غوطہ دیا جائیگا جس سے یہ اپنی حالت پر آکر تروتازہ ہو جائیں گے۔ (ص ۱/ ۲۷۸، حدیث ۲۱)

مدار نجات

مدار نجات ایمان ہی ہے نہ صرف اعمال۔ (ص ۱/ ۳۰۱، حدیث ۳۸ و ۲۷)

ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے جہنم دکھائی گئی میں نے جہنم میں زیادہ تر عورتوں کو دیکھا کفر (ناشکری) کرتی ہیں۔ عرض کیا گیا اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں ارشاد فرمایا نہیں، وہ شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان نہیں مانتی اگر تم ان میں سے کسی کے ساتھ زمانہ بھر احسان کرو پھر اگر تم سے کوئی بات ناپسند دیکھے تو کہہ دیگی میں نے تم سے کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔ (ص ۱/ ۲۸۷)

جہنم موجود مخلوق ہے

حدیث ۲۷ سے معلوم ہوا کہ جہنم اس وقت مخلوق اور موجود ہے۔ جہنم امور غیبیہ میں سے ہے، اسے حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمایا اس سے ثابت کہ حضور غیب جانتے تھے۔ (ص ۱/ ۲۸۷)

(حدیث ۶۸) جنت، دوزخ مخلوق، موجود ہیں۔ (ص ۱/ ۳۸۳)

حصول جنت

جنت کا حصول محض اس کے فضل و کرم سے ہے، عقائد و اعمال اس کے فضل کے لئے ذریعہ و واسطہ ہیں۔ (ص ۱/ ۳۴۲)

(حدیث ۷،۳) شفاعت کے ساتھ سب سے زیادہ سعادت اندوز۔

حضرت ابو ہریرہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، یارسول اللہ! قیامت کے دن آپ کی شفاعت کے ساتھ سب سے زیادہ سعادت اندوز کون ہوگا؟ فرمایا، قیامت کے دن میری شفاعت کے ساتھ سب سے زیادہ سعادت اندوز وہ ہے جس نے سچے دل سے لاالہ الااللہ کہا۔ (ص ۳۸۹، ملخصاً)

شفاعت

شفاعت

مومنین کے لئے شفاعت حق ہے۔ (ص ۳۹۰)

شفاعت کے مدارج

حضور اقدس ﷺ کی شفاعت کے مختلف مدارج ہیں پہلا درجہ میدان محشر کی ہولناکی میں تخفیف۔ یہ سب کے لئے ہوگی۔ دوسرے بعض کفار کے عذاب میں تخفیف جیسا کہ ابو طالب کے بارے میں وارد ہے۔ تیسرے بلا حساب و کتاب کچھ لوگوں کو جنت میں داخل کرنا۔ چوتھے کچھ لوگ مستحق نار ہوں گے انھیں جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کرنا۔ پانچویں جو جہنم میں جا چکے ہوں انھیں سزا کی میعاد سے پہلے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کرنا۔ چھٹے کچھ جنتیوں کے درجات کو بلند کرنا۔ ان میں دو پہلی والی شفاعت سے مومن اور کافر سب بہرہ ور ہوں گے اور بقیہ چار مومنین کا حصہ ہے۔ (ص ۱/ ۳۸۹)

مراتب اصول شرع

احناف کی کتب فقہ و اصول فقہ اس کی شاہد عدل ہیں کہ فقہ حنفی کی بنیاد کتاب اللہ، احادیث رسول اللہ پھر اجماع امت پر علی الترتیب ہے۔ سب پر مقدم کتاب اللہ ہے۔ کتاب میں کوئی حکم

شرعی ملتا ہے تو وہ سب پر مقدم ہے اگر چہ وہ صراحۃً نہ ملے۔ اشارۃً ملے۔ اقتضاءً ملے۔ جب کتاب اللہ میں کوئی حکم نہیں ملتا تو دوسرے درجہ پر احادیث ہیں۔ جب احادیث میں بھی کوئی حکم نہیں ملتا تو است کے اجماع کو دیکھتے ہیں۔ اگر اس خصوص میں امت کا اجماع نہیں ملتا تو اس کے بعد قیاس کی منزل آتی ہے۔ یہ ترتیب وہی ہے جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے یمن جاتے وقت حضور اقدس ﷺ کے استفسار پر عرض کیا تھا جس کو حضور اقدس ﷺ نے بے حد پسند فرمایا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کا والی نامزد فرمایا تو پوچھا اے معاذ! فیصلہ کس بنیاد پر کروگے۔ انھوں نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے۔ فرمایا اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو عرض کیا:

أجتهد برأئی پورا غور وخوض کر کے اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا۔

یہ جواب سن کر حضور اقدس ﷺ نے جوش مسرت میں ان کے سینے پر دست مبارک ملا اور فرمایا:

ألحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی به رسول الله اللہ کا شکر ہے کہ اس نے رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو رسول کو پسند ہے۔

اس پر احناف کے لاکھوں لاکھ مسائل کا ایک ایک جزئیہ شاہد ہے۔ احناف کو اس بارے میں اتنا اہتمام ہے کہ کتاب اللہ کے عام میں قیاس تو قیاس خبر واحد سے بھی تخصیص نہیں کرتے۔ کتاب اللہ کے مطلق کو قیاس تو بہت بعید ہے خبر واحد سے بھی مقید نہیں کرتے۔ (ص ۱/ ۱۱۸-۱۱۹، مقدمہ)

غیر نبی کا خواب یا کشف حجت شرعیہ نہیں۔ (ص ۱/ ۴۲۸)

احکام کی قسمیں

فقہ کی بنیاد جن پر ہے وہ سب ایک درجے کے نہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ان سے ثابت ہونے والے امور بھی ایک درجے کے نہ ہوں بلکہ ان میں مختلف مدراج ہوں۔ اس لئے احناف کے یہاں احکام کی ابتدائی تین قسمیں ہوئیں: (۱) مامور بہ (۲) منہی عنہ (۳) مباح۔ پھر مامور بہ کی سات قسمیں ہیں:

(۱) فرض اعتقادی (۲) فرض عملی (۳) واجب اعتقادی (۴) واجب علمی

(۵) سنت مؤکدہ (۶) سنت غیر مؤکدہ (۷) مستحب

منہی عنہ کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) حرام قطعی (۲) مکروہ تحریمی (۳) اساءت (۴) مکروہ تنزیہی (۵) خلاف اولیٰ۔

یہ سب اس لئے ہوا کہ قرآن کی عظمت اور قطعیت اپنی جگہ رہے اور احادیث کی عظمت اپنی جگہ۔ اور ثابت ہونے والے امور کی ان کے ثبوت کی نوعیت کے اعتبار سے حیثیت اپنی جگہ رہے۔

احکام کے ان فرق مراتب کے موجد حضرت امام اعظم ہیں۔ فرق مراتب سبھی مجتہدین نے قبول کیا ہے۔ (ص۱/۱۳۹، مقدمہ)

احکام میں فرق مراتب کا مبدا

جتنی باتیں قرآن مجید یا احادیث متواترہ سے ثابت ہوئیں فقہا نے ان کو فرض قرار دیا۔ بقیہ باتوں کو احادیث کی نوعیت کے لحاظ سے واجب، سنت، مستحب قرار دیا اس کو آپ ایک جزئی مثال سے ذہن نشین کیجئے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿فاقرؤا ماتیسر من القرآن﴾ (سورہ مزمل آیت ۲۰) جتنا تم پر آسان ہو قرآن پڑھو۔

اس آیت کا عموم اس کا مقتضی ہے کہ نمازی قرآن کی جو بھی سورہ، آیت پڑھ لے نماز ہو جائے گی مگر احادیث میں ہے:

لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔

اور کثیر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ سورۂ فاتحہ کے بعد اور بھی قرآن مجید کچھ نہ کچھ پڑھا کرتے تھے جو باعتبار معنی حد شہرت تک پہنچی ہیں۔ ان احادیث کا مفاد یہ ہوا کہ بغیر سورہ فاتحہ اور ضم سورت کے نماز نہیں ہوگی۔ فقہاء نے فرق مراتب سے فائدہ اٹھا کر اس تعارض کو دور کر دیا کہ مطلق قرأت فرض۔ خاص سورۂ فاتحہ پڑھنا اور ضم سورہ واجب۔ (ص۱۳۹، مقدمہ)

مسلمہ کلیہ

احناف کے اصول فقہ کا مسلمہ کلیہ مشہور ہے کہ جب قرآن و حدیث میں تعارض ہو تو پہلے تطبیق کی کوشش کی جائے تطبیق ہو جائے فبہا ورنہ بدرجہ مجبوری کتاب اللہ کے مقابلے میں خبر آحاد ضرور متروک ہوں گی۔ (ص۱/۱۳۹، مقدمہ)

بات ظاہر ہے کہ جب قرآن مجید کے قطعی الدلالت معنی کے معارض کوئی روایت ہو تو وہ حدیث ہی نہیں۔ اگر چہ وہ سب طرح سے درست ہو۔ یہ قاعدہ احناف کا تراشیدہ نہیں۔ صحابہ کرام سے منقول ہے۔ (ص ۱/ ۱۴۰، مقدمہ)

تعارض کے وقت بجائے قرآن مجید کے احادیث ہی میں تقلید کی جائے گی۔ (ص ۱/ ۲۷۲)

عمل بالحدیث

احناف عمل بالحدیث میں اتنے آگے ہیں کہ دنیا کا کوئی طبقہ اس میں ان کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ علامہ خوارزمی نے معاندین کا جواب دیتے ہوئے، جامع المسانید کے مقدمے میں لکھا ہے: امام اعظم کو حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرنے کا طعن وہی دے گا جو فقہ حنفی سے جاہل ہوگا جسے فقہ حنفی سے کچھ واقفیت ہوگی اور وہ منصف ہوگا تو اس کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ امام اعظم سب سے زیادہ حدیث کے عالم اور حدیث کی اتباع کرنے والے تھے۔ (ص ۱۴۲، مقدمہ)

اقسام قیاس

قیاس کی چار قسمیں ہیں: قیاس مؤثر، قیاس مناسب، قیاس شبہ، قیاس طرد۔

امام اعظم اور ان کے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ قیاس مناسب اور قیاس شبہ بالکل بے اعتبار ہیں۔ رہ گیا قیاس طرد تو یہ مختلف فیہ ہے۔ البتہ قیاس مؤثر کو حجت مانتے ہیں۔ مگر امام شافعی قیاس کی ان چاروں قسموں کو حجت مانتے ہیں اور قیاس شبہ کا تو ان کے یہاں عام استعمال ہے۔ (ص ۱/ ۱۴۲، قدمہ)

حدیث اور قیاس میں ترجیح کس کو؟

اصول فقہ میں ایک قاعدہ عام طور پر لکھا ہے کہ اگر راوی فقیہ ہے تو اس کی حدیث قیاس کے بالمقابل راجح ہوگی۔ اور اگر فقیہ نہیں تو قیاس کو ترجیح ہوگی۔ لیکن کوئی یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ یہ حضرت امام اعظم نے کہیں بھی فرمایا ہو۔ فقہ، اصول فقہ کے لاکھوں صفحات میں نے دیکھ ڈالے مگر کہیں یہ نہیں ملا کہ یہ امام اعظم نے فرمایا ہو۔

اصول فقہ میں یہ تصریح ہے یہ صرف عیسیٰ بن ابان اور ان کے کچھ متبعین کی ذاتی رائے ہے۔ امام ابوالحسن کرخی وغیرہ ان کے مخالف ہیں۔ مسلم الثبوت اٹھا کر دیکھو۔ انھوں نے امام ابوالحسن کرخی ہی کے قول کو ترجیح دی ہے۔ یہ کتنی بڑی جرأت ہے کہ اگر کوئی بات کسی ایک یا چند حنفی عالم نے کہہ دی تو بلا ثبوت اس کو امام اعظم کے سر تھوپ دیا گیا جب کہ خود احناف اس کے مخالف ہوں اور اسے غیر صحیح کہہ رہے ہوں۔

پھر احناف کے نزدیک اس قاعدے کے ناقابل اعتبار ہونے کے نظائر بھی بکثرت ہیں۔ مثلاً نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ رمضان میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ وغیرہ (ص ۱/ ۱۵۲، مقدمہ)

(حدیث ۸۶) ابوہریرہ نے بکثرت حدیثیں بیان کی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا (کہ) لوگ کہتے ہیں ابوہریرہ نے بکثرت حدیثیں بیان کیں۔ اگر اللہ کی کتاب (قرآن) میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔ پھر سورۂ بقرہ کی یہ آیتیں تلاوت کیں: ہم نے جو کھلی ہوئی نشانیاں اور ہدایت نازل فرمائی جو لوگ انھیں چھپاتے ہیں اللہ کے ارشاد رحیم تک۔ مہاجرین و انصار اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہتے اور میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر باش رہتا۔ اور وہ باتیں (سنتا دیکھتا) یاد کر لیتا جو وہ لوگ یاد نہ کرتے۔ (ص ۱۴۴، ملخصا)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ نبی ﷺ نے ان سے حجۃ الوداع میں فرمایا: لوگوں کو چپ کراؤ (جب لوگ چپ ہو گئے) تو فرمایا میرے بعد پلٹ کر کافر نہ ہو جانا کہ تم میں کا بعض بعض کی گردنیں مارے۔ (ص ۴۱۴)

حدیث بھی واجب العمل ہے

حضرت ابوہریرہ کے استدلال نے بتایا کہ جیسے قرآن واجب الاعتقاد والعمل ہے اسی طرح احادیث بھی۔ یہ منکرین حدیث کا رد ہے۔ (ص ۱/ ۴۱۲)

منکرین اجماع کا استدلال اور اس کا جواب

حدیث ۸۹ سے منکرین اجماع نے استدلال کیا کہ پوری امت کا کافر ہونا ممکن یونہی گمراہی پر

متفق ہونا ممکن۔ جواب یہ کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمادیا:

لاتجتمع امتی علی الضلالۃ میری امت گمراہی پر اتفاق نہیں کرسکتی۔

اس لئے پوری امت کا گمراہ ہونا محال ہوا۔ اور اس حدیث میں تحذیر بعض افراد کے اعتبار سے ہے کہ کچھ افراد گمراہ ہوں گے جیسا کہ وقوع پذیر ہوا۔ (ص ۱/۴۱۵)

عرف عام کی مراد

ایک فقہی کلیہ

امام اعظم ایک بار مکہ معظمہ حاضر ہوئے۔ فقہا و محدثین کی اتنی بھیڑ جمع ہوگئی کہ کہیں تل رکھنے کی جگہ نہ رہی۔ شوق کا یہ عالم تھا کہ لوگ ایک پر ایک گرے پڑتے تھے۔ پریشان ہو کر حضرت امام نے کہا: ”کوئی ہمارے میزبان سے جاکر کہہ دیتا کہ وہ ان لوگوں کا انتظام کردیتے تو اچھا تھا“۔

ابو عاصم نبیل موجود تھے انھوں نے کہا میں جاکر کہہ دیتا ہوں۔ یہ چند مسائل رہ گئے ہیں ان کے جوابات ارشاد فرمادیں۔

حضرت امام اعظم نے ان کو قریب بلا کر پوری توجہ سے سوالات سنے اور جوابات دیے۔ ان سے فارغ ہو کر اوروں کے جوابات دینے لگے۔ کچھ دیر بعد خیال آیا کہ کسی شخص نے میزبان سے کہنے کو وعدہ کیا تھا۔ دریافت فرمایا وہ شخص کہاں گئے؟ ابو عاصم نے منھ لگے شوخ طالب علم کی طرح کہا: ”میں نے یہ کب کہاں تھا ابھی جاؤں گا“۔

امام اعظم نے فرمایا: ”عرف عام میں اس قسم کے احتمالات کی گنجائش نہیں ان الفاظ سے ہمیشہ وہی معنی مراد لئے جائیں گے جو عوام کی غرض ہوتی ہے“۔

یہ ایک لطیفہ ہے مگر اس میں امام اعظم نے ایک فقہی کلیہ بیان فرمادیا۔ (ص ۱/ ۱۲۳-۱۲۴، مقدمہ)

سبب عرف عام میں

سبب بول کر مسبب مراد لینا عرف عام ہے۔ (ص ۱/ ۲۷۲)

فقہ حنفی کتاب اللہ اور احادیث رسول کے مطابق

فقہ حنفی کے کلیات، جزئیات کو دیکھو۔ اور دوسری طرف احادیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھو۔ جن جن ابواب، جن جن مسائل میں صحیح غیر مؤل غیر منسوخ کتاب اللہ کے غیر معارض احادیث ہیں فقہ حنفی ان سب کے مطابق ہے۔

اس کی تصدیق کے لئے امام طحاوی کی معانی الآثار، علامہ عینی کی بخاری کی شرح عمدۃ القاری، ابن ہمام کی فتح القدیر کا مطالعہ کرے۔

اگر کچھ خلجان رہ جائے تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے مجموعہ فتاویٰ "فتاویٰ رضویہ" کا مطالعہ کرے۔ میں (حضرت شارح بخاری) نے جو کچھ کہا اس کی حرف بہ حرف تصدیق ہو جائے گی۔

(ص ۱/ ۱۲۵، مقدمہ)

ضرورت فقہ

انسان کی معاشرت کی وسعت نے اتنی چیزوں کا انسان کو محتاج بنا دیا ہے کہ ایک انسان اگر لاکھ کوشش کرے کہ وہ دوسرے سے مستغنی ہو جائے تو محال ہے۔ مسلمان چونکہ عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی شریعت کا پابند ہے اس لئے اس کو عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی قدم قدم لحظہ لحظہ احکام شریعت کی ضرورت ہے۔ آپ صرف عبادات ہی کو لے لیجئے اس کے فروع و جزئیات کتنے کثیر ہیں اب ہر انسان کو اس کا مکلف کرنا کہ وہ پورا قرآن مع معانی و مطالب کے حفظ رکھے۔ اور تمام احادیث کو مع سند و مالہ و ماعلیہ یاد رکھے۔ تکلیف مالا یطاق ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ انسان میں تقسیم کار ہو۔ اس کے نتیجے میں ضروری ہے کہ ایک طبقہ علم دین کی تحصیل اور پھر اس کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو جس کا صریح حکم سورہ توبہ کی آیت میں موجود ہے کہ فرمایا:

ہر گروہ سے ایک جماعت فقہ حاصل کرے۔ رہ گئے عوام تو انھیں یہ حکم ہے:

﴿فاسئلوا أهل الذكر ان كنتم لاتعلمون﴾ علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

عوام کو اس کا مکلف کیا گیا کہ وہ اللہ عزوجل اور رسول کے بعد علماء کی اطاعت کریں۔ ارشاد ہے:

﴿یایھا الذین آمنوا أطیعو اللہ و أطیعو الرسول و اولی الامر منکم﴾ اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا اور تم میں جو حکم والے ہیں ان کا حکم مانو۔

اب ایک منزل یہ آتی ہے کہ کوئی شخص ایک مسئلہ پوچھنے آیا۔ تو کیا یہ ضروری ہے کہ اسے قرآن کی وہ آیت پڑھ کے سنائی جائے یا وہ حدیث مع سند کے بیان کی جائے جس سے یہ حکم نکلتا ہے؟ اور استخراج کی وجہ بھی بیان کی جائے؟ اور اگر یہ ضروری قرار دیں تو اس میں کتنی دقت اور دشواری اور حرج ہے؛ وہ ظاہر ہے۔ علاوہ ازیں جن جزئیات میں کوئی کوئی آیت یا حدیث نہیں ان جزئیات کے بارے میں کیا کیا جائے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے امت کا اس پر عملی طور پر اجماع ہے کہ عوام کو اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اس صورت کا یہ حکم ہے۔

اس لئے ضروری ہوا کہ امت کے جن علما کو اللہ عزوجل نے یہ صلاحیت و استعداد دی ہے کہ وہ قرآن و احادیث کے حفظ و ضبط کے ساتھ ساتھ ان کے معانی و مطالب سے کماحقہ واقف ہیں۔ اور ان کے ناسخ و منسوخ کو جانتے ہیں۔ جن میں اجتہاد و استنباط کی پوری قوت ہے۔ وہ خداداد قوت اجتہاد سے احکام شرعیہ کا ایسا مجموعہ تیار کر دیں جن میں منقح احکام مذکور ہوں۔ (ص ۱۳۶)

اس ضرورت کو سب سے پہلے حضرت امام الائمہ، سراج الامۃ، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا اور آپ نے اپنی خداداد پوری صلاحیت کو قرآن و احادیث و اقوال صحابہ سے مسائل کے استخراج و استنباط میں صرف فرمادیا جس کے احسان سے امت مرحومہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ خصوصا جب کہ دور وہ شروع ہو چکا تھا کہ سیکڑوں نت نئے فتنے اٹھ رہے تھے۔ بدمذہب اسلام دشمن عناصر مسلمانوں میں گھل مل کر ہزار ہا ہزار احادیث گڑھ کر پھیلا چکے تھے۔ اگر فقہ مرتب نہ ہوتی تو امت کا کیا حال ہوتا وہ کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں۔ (ص ۱۳۶، ۱۳۵)۔

فقہ کی بنیاد

چونکہ فقہ کی بنیاد کتاب اللہ پر ہے اس کے بعد احادیث پر۔ نیز نظم قرآن اور الفاظ احادیث کے معنی پر دلالت کبھی صریح ہوتی ہے۔ کبھی خفی، اور کبھی خفی تر۔ نیز صریح دلالت کے بھی مختلف مدراج ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مقصود اسی معنی کا بیان ہوتا ہے۔ کبھی وہ معنی صریح مقصود بیان نہیں۔

وضو اور طہارت کے وجوب کا سبب

صحیح یہ ہے کہ وضو اور طہارت کے وجوب کا سبب صرف حدث اور ناپاکی نہیں بلکہ سبب

وجوب دو ہے: نماز کا واجب ہونا یا ایسے کام کا ارادہ کرنا جو بغیر طہارت جائز نہ ہو جیسے قرآن مجید چھونا۔ (ص ۱/ ۴۴۲)

نکرہ تحت نفی مفید عموم ہے۔ (ص ۱/ ۲۹۱)

جمع کا جب جمع یا قائم مقام جمع کے ساتھ تقابل ہو تو آحاد کی آحاد پر تقسیم ہوتی ہے۔ (ص ۱/ ۲۸۶)

حدیث ۹۹ سے ثابت ہوا کہ اصل یہ ہے کہ کسی چیز کی جو حالت ہے اسی پر باقی رہتی ہے۔ جب تک دلیل سے اس کا خلاف ثابت نہ ہو جائے۔ یعنی شک یقین کو زائل نہیں کرتا۔ (ص ۱/ ۴۴۸)

اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ (ص ۱/ ۳۵۷)

معنی امر

امر کبھی کبھی اس معنی کے لئے آتا ہے کہ جو کام کر رہے تھے کرتے رہو۔ یعنی بقا علی الفعل۔ جیسے سیف البحر کے بعد مدینہ طیبہ کی واپسی پر قیس بن سعد نے اپنے والد حضرت سعد بن عبادہ سے تفصیل بیان کیا کہ لوگ اس لشکر میں بھوکے ہو گئے تو میں نے اونٹ ذبح کیا تو انھوں نے کہا کہ:

إنحر قال نحرت قال ثم جاعوا قال إنحر

تو یہاں متعین ہے کہ یہی معنی ہوگا کہ تمہیں چاہئے تھا کہ ذبح کرتے رہتے۔

دوسرا واقعہ اسید بن حضیر کا ہے جس میں صبح کو سرکار نے فرمایا کہ تمہیں پڑھتے رہنا چاہئے تھا۔ اس کی اور بھی بہت سی نظیریں ہیں۔ (ص ۱/ ۴۸۷)

مولانا محمد ناظم علی مصباحی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

شارح بخاری اور مسلک حنفی کا اثبات

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

دور حاضر میں بہت سے لوگ بانی فقہ حنفی، امام الائمہ، سراج الامۃ، کاشف الغمہ، سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ستودہ صفات پر دریدہ دہنی کرتے ہیں آپ کے مسلک پر بے جا طعن و تشنیع کرتے ہیں گوناگوں افترا پردازی اور بہتان تراشی کرتے ہیں ترک حدیث اور ترجیح قیاس کا الزام عائد کرتے ہیں جب کہ حقیقت سے اس کا ذرا بھی تعلق نہیں بلکہ فقہ حنفی کتاب و سنت و اجماع امت کا سر چشمہ اور روشن آئینہ دار ہے احناف کی کتب فقہ و اصول فقہ اس کی واضح دلیل ہیں حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی دام ظلہ الاقدس نے اپنی تصنیف انیق نزہۃ القاری شرح بخاری شریف میں مسلک امام اعظم پر طعن و تشنیع کرنے والوں کا ردبلیغ فرمایا ان کے فاسد خیالات کا دندان شکن جواب تحریر فرمایا اور مسلک حنفی کا اثبات دلائل قویہ کے ذریعہ فرمایا اور یہ واشگاف فرمایا کہ مسلک حنفی کتاب و سنت و اجماع امت کا سر چشمہ ہے معاندین کا طعن بے بنیاد اور سر تا سر غلط ہے یہ تمام تر الزام طرازیاں مسلک امام سے بغض و عناد اور تعصب و ہٹ دھرمی پر مبنی ہیں یا قصور فہمی اور کوتاہ بینی کے سبب ہیں کیونکہ سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنا یہ دستور بنالیا تھا "اذا صح الحدیث فھومذھبی" ہر حدیث صحیح میرا مذہب ہے۔ میں اپنے اس مقالہ میں یہ واضح کروں گا کہ حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے مسلک حنفی کے اثبات اور دفع طعن میں اہم اور نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ آپ نے حدیث کی شرح فرما کر اس سے مستنبط مسائل کو سلک تحریر میں نظم فرمایا تفصیل مذہب کے بعد مذہب احناف کی ترجیح فرمائی اس پر وارد ہونے والے اعتراضات کا شافی جواب رقم فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ احناف عمل بالحدیث میں اس درجہ آگے ہیں کہ کوئی طبقہ ان کی ہمسری نہیں کر سکتا بخلاف معاندین و مخالفین کے کہ ان کا مذہب اسلاف کے مذہب سے خارج اور ان کے اجماع مرکب کے خلاف اور قیاس و رای کا آئینہ دار ہے ترک حدیث کا الزام خود ان کے سر عائد ہے امام اعظم کا دامن فضل و کمال اس سے بے غبار اور آپ کی شخصیت آفتاب عالمتاب ہے اس کی وضاحت کے لئے آپ کے گراں مایہ اور بیش بہا رشحات سے چند شواہد رقم کروں گا۔

قبلہ کو منھ یا پیٹھ کر کے قضائے حاجت : پیشاب یا پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف منھ یا پیٹھ کرنا جائز ہے یا نہیں اس سلسلہ میں سات مذہب ہیں احناف کا مذہب یہ ہے کہ قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے قضائے حاجت جائز

نہیں ہے خواہ گھر کے اندر ہو یا میدان میں حضرت ابوایوب انصاری اور امام مجاہد اور امام نخعی وسفیان ثوری اور ابو ثور صاحب شافعی اور بروایتے امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام مالک اور امام شافعی رحمہما المتعال کا مذہب یہ ہے کہ میدان میں قضائے حاجت کے وقت قبلہ رو ہونا جائز نہیں ہے البتہ مکان کے اندر جائز ہے یہی قول شعبی کا ہے۔ امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ قبلہ کی جانب منھ کرنا مطلقا ممنوع ہے البتہ عمارت میں قبلہ کی جانب پیٹھ کرنا ممنوع نہیں میدان میں منع ہے بروایتے امام ابو یوسف کا بھی یہی مذہب ہے

حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے مذہب احناف کی تائید میں درج ذیل حدیثیں تحریر فرمائیں۔

(۱) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اذا اتى أحدكم الغائط فلا يستقبل القبلة ولا يولها ظهره شرقوا أوغربوا (بخاری ج۱، ص ۵۷، صلوٰۃ اھل المدینۃ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں آئے تو قبلہ کو نہ منہ کرے اور نہ پیٹھ کرے پورب کو منہ کرو یا پچھم کو۔

(۲) عبد اللہ بن حارث سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"انا اول من سمع النبی ﷺ لا يبولن مستقبل القبلة وانا اول من حدث الناس بذالك"

ترجمہ: سب سے پہلے میں نے نبی ﷺ سے سنا فرمایا قبلہ کی جانب منہ کر کے پیشاب مت کرو اور میں نے ہی سب سے پہلے لوگوں سے بیان کیا۔

ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا

(۳) ابوداؤد اور ابن ماجہ میں معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

"نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن نستقبل القبلتين ببول أوغائط"

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیشاب یا پاخانہ کے وقت دونوں قبلوں کی طرف منہ کرنے سے منع فرمایا

دوسرا قبلہ بیت المقدس ہے اور تحقیق یہ ہے کہ یہ حکم اہل مدینہ اور ایسے بلاد کے لئے خاص ہے جو بیت المقدس اور کعبے کے مابین ہیں۔

(۴) مسلم اور چاروں صحاح میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

لقد نهانا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن نستقبل القبلتين بغائط أو بول"

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ ہم پیشاب یا پاخانے کے وقت قبلہ کو منھ کریں۔

(۵) مسلم، ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

"انا منكم بمنزلة الوالد أعلمكم اذا أتىٰ أحدكم الغائط فلا يستقبل القبلة ولا يستدبرها"

ترجمہ: میں تم پر باپ کی طرح شفیق ہوں تمہیں بتاتا ہوں کہ جب تم پاخانے میں آؤ تو قبلہ کو نہ منھ کرو نہ پیٹھ

حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے ان احادیث مسطورہ بالا سے درج ذیل استدلال فرمایا

"یہ تمام احادیث عام ہیں نہ ان میں مکان کا استثنا ہے اور نہ میدان کی تخصیص ہے اور مناط حکم بیت اللہ کی تعظیم ہے اس کی جانب منھ کرنے میں مکان و میدان سب برابر ہیں اگر مکان میں دیوار حائل ہے تو میدان اور پہاڑ اور ٹیلے بھی حائل ہیں علاوہ ازیں عادت یہ ہے کہ انسان قضاے حاجت کسی نیچی جگہ کرتا ہے تو اگر مکان میں دیوار حائل ہے تو وہاں بھی حائل موجود ہے پھر جب کہ زمین کروی ہے تو درمیانی بلندی ہر جگہ حائل ہے تو لازم کہ مکان کی طرح میدان میں بھی ممانعت نہ رہے اس عقلی استدلال سے قطع نظر کرتے ہوئے احادیث کا عموم اس کی دلیل ہے کہ یہ حکم میدان کے ساتھ خاص نہیں نیز منھ اور پیٹھ کرنے میں کوئی تفریق نہیں۔

(نزہۃ القاری ج۱ ص۴۶۵)

امام مالک اور امام شافعی کی دلیل

امام مالک اور امام شافعی رحمہما المتعال اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا

"إن أنا سايقولون اذا قعدت على حاجتك فلا تستقبل القبلة ولا بيت المقدس فقال عبدالله بن عمر لقد ارتقيت يوما على ظهر بيت لنا فرأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على لبنتين مستقبلا بيت المقدس لحاجته"

(بخاری ج۱ ص۲۷ و ص۲۷۳)

ترجمہ: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب تم قضاے حاجت کے لئے بیٹھو تو قبلہ اور بیت المقدس کی

جانب منھ نہ کرو اس پر عبد اللہ بن عمر نے فرمایا میں ایک دن اپنے گھر کی چھت پر چڑھا تو اچانک میری نظر پڑ گئی دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ قضاے حاجت کے لئے دو کچی اینٹوں پر بیت المقدس کی جانب منھ کئے بیٹھے ہیں"

استدلال مذکور کا جواب : احناف کی طرف سے اس سے پیشتر گذرا کہ احادیث عام ہیں نہ ان میں مکان کا استثنا ہے اور نہ میدان کی تخصیص بیت اللہ شریف کی تعظیم مدار حکم ہے علاوہ ازیں وہ قول رسول ہے اور یہ فعل اور فعل رسول میں اس کا بھی احتمال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ حضور کے ساتھ خاص ہو اس لئے قول و فعل جب متعارض ہوں تو قول کو ترجیح ہو گی۔

حضرت صدر الشریعہ کی محققانہ توجیہ : حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے یہ جواب رقم فرمانے کے بعد تحریر فرمایا کہ اس کی اصل توجیہ وہ ہے جو حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ نے فرمائی کہ جن کے سامنے کعبہ نہ ہو ان کو سمت کعبہ کی جانب منھ یا پیٹھ کرنا ممنوع ہے اور کعبہ جن کے سامنے ہو انھیں عین کعبہ کی طرف منع ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش نظر ساری دنیا تھی جیسا کہ خود حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ فرمایا

"ان اللہ قدر فع لی الدنیا فانا انظر الیھا و الی ماھو کائن فیھا الی یوم القیامۃ کانی انظر الی کفی ھذہ (طبرانی)

ترجمہ : اللہ نے دنیا میرے سامنے کر دی ہے میں دنیا کو اور دنیا میں قیامت تک جو کچھ ہو گا سب کو ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو۔

جب حضور ﷺ کے سامنے پوری دنیا تھی تو حضور کی نگاہ انور کے سامنے کعبہ بھی ہو گا آپ کی پشت مبارک عین کعبہ کی جانب نہ تھی صرف سمت کعبہ کی جانب تھی حضرت ابن عمر نے صرف سمت شام کی جانب منھ اور سمت کعبہ کی جانب پیٹھ کرنے کو دیکھا۔

رہ گئی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث جس میں انھوں نے فرمایا :

نھانا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أن نستقبل القبلۃ اونستدبرھا ببول ثم رأیتھا قبل أن یقبض بعام یستقبلھا

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا تھا کہ پیشاب کے وقت قبلہ کو منھ یا پیٹھ کریں پھر وصال سے ایک سال پہلے میں نے دیکھا کہ حضور قبلہ رو پیشاب کر رہے ہیں۔

تو اس حدیث مذکور کا بھی یہی جواب ہے کہ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش نظر عین کعبہ تھا اس سے بچ کر سمت قبلہ کی جانب پیشاب فرمایا حضرت جابر نے اسی کو دیکھا اور اسی پر جواز کا قول فرمایا اس وقت

۴ معارف شارح بخاری

حضور اقدس ﷺ کا چہرہ مبارک سمت بیت المقدس اور پشت اقدس سمت قبلہ میں تھی عین کعبہ کی جانب نہ تھی۔

حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلۂ الاقدس نے ایک محکم دلیل سے اس کی توضیح فرمائی چنانچہ رقمطراز ہیں :

"اس پر دلیل ان تینوں شہروں کا جغرافیائی وقوع ہے اس لئے کہ مکہ معظمہ کا طول البلد ۶۷ درجے ۳۳ دقیقے پر ہے اور عرض البلد ۲۱ درجے ۴۰ دقیقے پر ہے مدینہ طیبہ ۵۷ درجے ۲۰ دقیقے طول البلد پر ۲۵ درجے عرض البلد پر اور بیت المقدس ۳۶ درجے اور ۲۰ دقیقے طول پر اور ۳۲ درجے ۲ دقیقے عرض پر ہے۔ جب بیت المقدس اور مدینہ طیبہ میں ۳۹ درجے طول کا اور مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں ۷ درجے ۴۷ دقیقے کا تفاوت ہے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ عین بیت المقدس کی جانب جس کا منھ ہو اس کی پیٹھ عین قبلہ کی جانب ہو اگر عین بیت المقدس کی جانب منھ ہوگا تو پشت کبھی بھی عین کعبہ کی جانب نہ ہوگی اگر دونوں ایک طول البلد پر ہوتے تو ایسا ممکن تھا تو لامحالہ حضور کی نشست میں منھ سمت بیت المقدس کی جانب اور پیٹھ سمت قبلہ کی جانب تھی یا منھ عین بیت المقدس کی جانب تھا تو پیٹھ سمت قبلہ کو تھی عین کعبہ کو ہرگز نہ تھی"

(نزہتہ القاری ج ا ص ۴۶۹ کتاب الوضوء)

ایک اشکال کا جواب : یہاں پر ایک زبردست اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں :

"بلغه إن انا سا يكرهون استقبال القبلة بفروجهم فقال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أوقدفعلوها حولوا بمقعدى الى القبلةِ.

ترجمہ : نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ کچھ لوگ قبلہ کی جانب شرمگاہ کرنے کو براجانتے ہیں فرمایا میرے پائخانہ کی بیٹھک قبلہ رو کردو۔

اس اشکال کا جواب حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلۂ الاقدس نے رقم فرمایا کہ یہ حدیث لائق استناد نہیں چنانچہ رقمطراز ہیں :

"یہ حدیث لائق استناد نہیں علل ترمذی میں ہے محمد نے کہا اس حدیث میں اضطراب ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ام المومنین کا قول ہے ابن حزم نے کہا یہ حدیث ساقط ہے اس لیے کہ اس کے ایک راوی خالد بن ابی الصلت مجہول ہیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ (اس حدیث کے راوی) عراک کا ام المومنین سے سماع ثابت نہیں۔ (عینی ج ۲ ص ۲۸۱) میزان میں امام ذہبی نے فرمایا کہ خالد بن ابی الصلت منکر ہے یہ حدیث حضرت عمر بن

عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کی گئی مگر انھوں نے اس پر عمل نہیں فرمایا (بیہقی ،دارِ قطنی) ظاہر ہے کہ اس پر عمل نہ کرنا اسی بنا پر ہو گا کہ ان کے نزدیک یہ حدیث لائق استناد نہیں۔"

(نزہۃ القاری ج ۱ ص ۷۰۴ کتاب الوضوء)

ناظرین احناف کے استدلال میں غور فرمائیں کہ کس درجہ قوی اور بے غبار ہے اور یہ کہ احناف کا مذہب صحیح حدیث سے ثابت ہے پھر بھی احناف پر یہ طعن کیا جاتا ہے کہ وہ عامل بالقیاس ہیں ارباب علم و دانش اور اصحاب فکر و نظر انصاف و دیانت سے فیصلہ کریں کہ احناف عامل بالحدیث ہیں یا عامل بالقیاس ؟ اس روشن حقیقت کے باوجود ترک حدیث اور ترجیح قیاس کا الزام وہی دے گا جو حقیقت سے بے بہرہ اور امام اعظم کے مدارک فقہیہ سے ناواقف ہو کیونکہ مدار حکم صورت دائرہ میں تعظیم بیت اللہ شریف ہے اور یہ استدبار و استقبال دونوں حالتوں میں موجود ہے اس لئے مکان کے استثنا اور میدان کی تخصیص کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی پھر یہ کہ یہاں حرام و مباح جمع ہیں اس لئے اصول حدیث کے ضابطہ کے بموجب حرام کو ترجیح ہو گی پھر یہ کہ ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد ہے اس لئے ترجیح اسی کو حاصل ہو گی نہ کہ اس حدیث فعلی کو جس میں خصوصیت کا احتمال ہے جیسا کہ گذرا۔

کتے کا جھوٹا ناپاک ہے : احناف اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے طہارت کے لیے تین بار دھونا کافی ہے اور سات بار دھونا مستحب ہے۔ امام شافعی (امام احمد رحمھما المتعال کا مذہب یہ ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے مگر صرف تین بار دھونا کافی نہیں بلکہ سات بار دھویا جائے اور امام محمد سے ایک روایت یہ ہے کہ آٹھ مرتبہ دھویا جائے۔ سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے، نجس نہیں، لیکن ان کے نزدیک نظافت کے لیے برتن دھونے کا حکم دیا جائے گا کیونکہ روایت میں دھونے کا حکم وارد ہے لیکن نجاست کی وجہ سے نہیں بلکہ نظافت اور ستھرائی کے لیے حضرت ملک العلما امام علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

"واما السور المختلف فی طھارتہ ونجاستہ فھو سور الخنزیر والکلب وسائر سباع الوحش فانہ نجس عند عامۃ العلماء وقال مالک طاھر وقال الشافعی سور السباع کلھا طاھر سوی الکلب والخنزیر۔"

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۶۴)

شوافع وغیرہ کا استدلال : امام شافعی وغیرہ کی مستدل حدیث درج ذیل ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

یغسل الاناء اذا ولغ فیه الکلب سبع مرات أولهن أوأخرهن بالتراب واذا ولغت فیه غسل مرة قال ابوعیسیٰ هٰذا حدیث حسن صحیح وهوقول الشافعی وأحمد واسحٰق "(ترمذی ج۱ص ۲۷)

کتاجب تمہارے برتن سے چاٹ لے تواس کی پاکی یہ ہے کہ اسے سات بار دھونا چاہیے اور پہلی یا آخری بار مٹی سے اور بلی منھ ڈال دے توصرف ایک بار دھویا جائے امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہی امام شافعی احمد واسحٰق کا قول ہے۔

اور مسلم شریف کی روایت یہ ہے :

"طهور اناء أحدکم اذا ولغ فیه الکلب أن یغسله سبع مرات اولٰهن بالتراب " (مسلم شریف ج۱ص ۱۳۷)

تم میں سے کسی کے برتن کی پاکی جب اس سے کتاچاٹ لے سات بار دھونا ہے پہلی بار مٹی سے۔

احناف کی دلیل :احناف کی متدل حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ فتویٰ ہے جسے دار قطنی نے بروایت حسن روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا۔

"اذا ولغ الکلب فی الانا ء فاهرقه ثم اغسله ثلاث مرات۔" (نزہۃ القاری ج۱ص ۵۲۳)

جب کتابرتن میں منھ ڈال دے تواسے پھینک دواور برتن تین بار دھوؤ۔

حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہٗ الاقدس نے کتے کے جھوٹے کی ناپاکی پر استدلال فرمایااوراس کی نفیس تحقیق فرمائی،اور مسلک حنفی کا اثبات مضبوط و محکم دلیلوں کے ذریعہ فرمایااوراس پر وارد ہونے والے شکوک و شبہات کاازالہ فرمایاچنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درج ذیل حدیث پیش فرمانے کے بعد رقم طراز ہیں:

"اذا شرب الکلب فی اناء أحدکم فلیغسلهٗ سبعا "

(مسلم ج۱ص ۱۳۷،ابوداؤد، نسائی وابن ماجہ کتاب الطھارۃ)

جب کتا تمہارے برتن میں پی لے تواسے سات بار دھوؤ۔

(۱) یہ حدیث احناف اور جمہور کی متدل ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اگر ناپاک نہ ہوتا تو ایسے برتن کو دھونے کا وہ بھی سات بار حکم نہ ہوتا۔اس کا جواب کچھ لوگوں نے یہ دیا کہ یہ نظافت کے بطور ہے لیکن جواحادیث کی روح کو سمجھتے ہیں وہ اپنی حس سلیم سے یقین کریں کہ اس برتن کے دھونے کا حکم نظافت کے بطور نہیں ناپاکی دور کرنے کے لیے ہے علامہ عینی نے فرمایاکہ اس کے

علاوہ مسلم شریف کی یہ روایت کہ فرمایا "طھور انا أحد کم اذا ولغ الکلب فیہ أن یغسلہ سبع مرات"[1] جب کتا تمھارے برتن میں منھ ڈال دے تو اس کی پاکی سات بار دھونا ہے یہ نص صریح ہے اس پر کہ کتا برتن میں منھ ڈال دے تو برتن ناپاک ہو جاتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔ نیز مسلم میں انھیں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ "اگر کتا برتن میں منھ ڈال دے تو برتن میں جو کچھ ہو اسے گرادو" کتے کے منھ ڈالنے کے بعد بھی اگر وہ پاک ہوتا تو اس کا پھینکنا اضاعت مال ہوتا جو حرام ہے اس لیے ماننا پڑے گا کہ وہ ناپاک ہو گیا اس کا عموم اس کی دلیل ہے کہ ہر کتے کا جھوٹا ناپاک ہے خواہ وہ پالتو ہو یا چھٹا ہوا، شکاری ہو یا غیر شکاری، شہری ہو یا دیہاتی، جنگلی ہو یا اہلی۔ مالکیوں کے اس بارے میں چار مذہب ہیں کتے کا جھوٹا پاک ہے ناپاک ہے، مطلقا، بضرورت جو پالا گیا ہو اس کا جھوٹا پاک ہے بقیہ کا ناپاک، شہری کا پاک جنگلی دیہاتی کا ناپاک۔" (نزہۃ القاری ج ۱ ص ۵۲۲)

(۲) "خطابی نے کہا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کتے کی زبان ناپاک ہے" جب زبان ناپاک جو اس کا جز ہے تو اس کے بدن کے تمام اجزا زبان کی طرح ناپاک ہیں اس لیے کتے کے بدن کا کوئی جز کسی چیز سے چھو جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گی۔" (نزہۃ القاری ج ۱ ص ۵۲۱)

حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے خطابی کے استدلال مذکور پر محققانہ کلام فرمایا اور حدیث مذکور سے یہ انکشاف فرمایا کہ کتے کا جھوٹا بلا شبہ ناپاک ہے اور اس کے جھوٹے کی نجاست اس کے لعاب کے ناپاک ہونے کی وجہ سے ہے خطابی کے استدلال مذکور پر آپ "أقول" سے کلام فرماتے ہیں اور اپنی تحقیق نایاب کے گوہر آبشار لٹاتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اور جھوٹے کی نجاست اس کے لعاب کے ناپاک ہونے کی وجہ سے ہے لعاب زبان ہی کے ذریعہ باہر آتا ہے اس لیے لعاب لگنے کی وجہ سے زبان ناپاک ہوئی زبان بذاتہ ناپاک نہیں جسم کی کسی رطوبت کے ناپاک ہونے سے عین کا نجس ہونا لازم نہیں زیادہ سے زیادہ وہ حصہ جہاں نجاست ہے ناپاک ہوگا جیسے پیشاب نجس ہے اس کی نجاست سے مثانہ و قضیب ناپاک ہوتے ہیں تو کیا مثانے اور قضیب کے پیشاب سے نجس ہونے کو پورے جسم کی نجاست پر دلیل بنایا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں اور ضرور نہیں تو لعاب لگنے سے کتے کی زبان کے نجس ہو جانے پورے جسم کے نجس ہونے کو دلیل بنانا کیسے درست ہے۔
(نزہۃ القاری ج ۱ ص ۵۲۲)

---

[1] مسلم شریف ج ۱ ص ۷ ۱۳۔ ۱۲

(۳) کرمانی نے کہا چونکہ کتا نجس العین ہے اس لیے اس کا بیچنا خریدنا جائز نہیں۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

"نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عَنْ ثمن الكلب ومهر البغي وحلوان الكاهن"

رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت اور زنا کے معاوضہ اور کاہن کی اجرت سے منع فرمایا۔"

دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا:

"إن ثمن الكلب من السحت" "کتے کی قیمت مال حرام ہے۔"

(نزہۃ القاری ج۱ص ۵۲۲)

حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہٗ الاقدس نے علامہ کرمانی کے استدلال مذکور کے خلاف شارح بخاری حضرت علامہ عینی کی گراں قدر تحقیق ثبت قرطاس فرمائی اور پھر "اُقول" کے ذریعہ علامہ کرمانی کے استدلال مذکور پر زبردست کلام فرمایا جیسا کہ رقم طراز ہیں:

"علامہ عینی نے اس کا جواب یہ دیا کہ چونکہ کتے سے شرعاً انتفاع جائز ہے گھر، مویشی،، کھیت کی حفاظت کا کام اس سے لینا جائز ہے، شکار کرنا جائز ہے۔ تو اس کی بیع بھی درست ہے شکار کی اجازت قرآن مجید سے ثابت ہے ارشاد فرمایا۔

"وما علمتم من الجوارح مكلبين" (مائدہ رکوع ا۔[۴])

اور جس شکاری جانور کو تم نے سدھا لیا اور انھیں شکار پر چھوڑ دیا۔

حفاظت کے لیے یا شکار کے لیے پالنے کی اجازت متعدد احادیث میں بھی وارد ہے یہ ارشاد ابتدا کا ہے جب حضور اقدس ﷺ نے مطلقاً کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا تھا جیسا کہ مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا یہاں تک کہ اگر کسی عورت کے ساتھ دیہات سے کوئی کتا آتا تو ہم اسے بھی قتل کر دیتے بعد میں گھر، کھیت، مویشی کی حفاظت کے لیے کتے پالنے کی اجازت ملی تو ان کا استثنا کر دیا۔"

"اُقول" علامہ کرمانی کے استدلال کی بنیاد اس پر ہے کہ کتا نجس العین ہے اور ہمیں یہی تسلیم نہیں اس لیے ان کا استدلال ساقط ہے۔ (نزہۃ القاری ج۱ص ۵۲۲)

(۴) میں نے علما سے سنا ہے کہ موجودہ دور میں خوردبین سے معلوم ہوا کہ کتے کے لعاب میں مضر جراثیم ہوتے ہیں جو پانی میں مل کر برتن سے چپک جاتے ہیں۔ تجربے سے ثابت ہوا کہ بغیر سات بار دھوئے ہوئے دور نہیں ہوتے چھ بار بھی دھو کر دیکھا تو یہ جراثیم موجود تھے اسی حدیث کی بنا پر امریکہ کا ایک ڈاکٹر مشرف باسلام ہو گیا کہ تمام دنیا مادی وسائل کے باوجود

صدیوں تک جس کا پتہ نہ چلا سکی وہ حضور اقدس ﷺ نے اپنی غیب بیں نظروں سے دیکھا اور دنیا کو اس کے ازالے کی ترکیب بھی بتادی۔" (نزہۃ القاری ج ا ص ۵۲۲)

دور حاضر کے اکتشاف جدید سے بظاہر امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کی تائید معلوم ہوتی ہے اور احناف کے مسلک پر قوی اشکال وارد ہوتا ہے مگر حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے اپنے کلک برق رفتار اور تحقیق مشکبار سے اس کا تحقیقی جواب اور واضح حل پیش فرمایا جس سے احناف کے مسلک کی صداقت آفتاب روز روشن سے بھی آشکارا ہو جاتی ہے اور ظاہری تناقض رفع ہو جاتا ہے اور حکم حدیث وطبی نقطہ نظر میں موافقت قائم ہو جاتی ہے جیسا کہ رقمطراز ہیں :

"یہ بات اگر صحیح ہے تو سات بار دھونے کا حکم ان جراثیم سے بچنے کے لیے بطور حفظان صحت طبا ہے یہ تشریعی حکم نہیں، حضرات مالکیہ اپنی صفائی میں یہ کہہ سکتے ہیں مگر ہم مسلم شریف کی روایت سے ثابت کر آئے ہیں کہ کتے کے منہ ڈالنے سے برتن میں جو ہوتا ہے وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ تو مطلقاً سات بار دھونے کے حکم کو طبی نقطہٗ نظر سے نہیں کہہ سکتے، یہ کہہ سکتے ہیں کہ سات بار عدد کی تعیین طبی نقطہٗ نظر سے ہے رہ گیا ایک بار دھونے کا حکم تو یہ تشریعی ہے۔" (نزہۃ القاری ج ا ص ۵۲۳)

ایک اشکال اور اس کا حل : اس مقام پر ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ بعض روایتوں میں تین بار اور بعض میں پانچ بار اور بعض میں سات بار دھونے کا حکم ہے تو پھر ان تمام روایتوں پر کیسے عمل ممکن ہے حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے اس اشکال کو رفع فرمایا اور ایسی تطبیق پیش فرمائی کہ ان روایتوں پر عمل بھی ہو جاتا ہے اور تعارض ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ تحریر فرماتے ہیں

"تقریباً تمام طرق میں یہی ہے کہ "سات بار دھونے کا حکم دیا اسی پر شوافع کا عمل ہے احناف طہارت کے لیے تین بار دھونا کافی سمجھتے ہیں البتہ سات بار دھونے کو مستحب احناف سمجھتے ہیں کی دلیل اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ہے جسے دار قطنی نے براویت حسن روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا :

"اذا ولغ الكلب فى الاناء فاهرقه ثم اغسله ثلاث مرات"

جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو پھینک دو اور برتن تین بار دھوؤ۔

امام طحاوی نے یہ فتویٰ نقل کرنے کے بعد فرمایا۔ کہ اپنی مروی حدیث کے خلاف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ دینا اس کی دلیل ہے کہ انھیں اس حدیث کے منسوخ ہونے کا علم ہو گیا تھا ورنہ لازم آئے گا کہ وہ حدیث کے خلاف فتویٰ دے کر عادل نہ رہے اس طرح ان کی تمام مرویات ناقابل اعتبار ہو جائیں گی اور یہ احتمال کہ یہ فتویٰ دیتے وقت انھیں حدیث مذکور یاد نہ رہی ہو ان کے اس ارشاد سے باطل کہ فرمایا "پھر میں کچھ نہیں بھولا"۔

علاوہ ازیں ابن عدی نے کامل میں بطریق کرابیسی تین بار دھونے کی روایت مرفوعاً کی ہے جس میں تصریح کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "اس سے حضرت ابو ہریرہ کے فتویٰ کی توثیق ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں تین بار اور سات بار دھونے کی روایتوں میں تطبیق کی صرف یہی صورت ہے کہ تین بار دھونے کو واجب قرار دیا جائے اور سات بار کو مبالغہ پر اور اگر سات بار دھونے کو واجب قرار دیں تو تین بار والی حدیث متروک ہو جائے گی کرابیسی پر کچھ جرحیں کی گئیں ہیں ان سب کے علامہ عینی نے شافی جوابات دیدیئے ہیں۔ علاوہ ازیں امام طحاوی نے ایک اور معارضہ پیش فرمایا ہے کہ مسلم شریف وغیرہ صحاح میں عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یہ ہے :

"وعفروه الثامنة بالتراب" آٹھویں بار مٹی سے مانجو۔

(مسلم ج ا ص ۱۳۷)

جو جواب وہ اس کا دیں گے وہی جواب ہمارا ہوگا۔ (نزہۃ القاری ج ا ص ۵۲۳)

ناظرین اس مقام پر غور کریں کہ احناف عامل بالحدیث ہیں یا عامل بالقیاس؟ ان تمام اکتشافات و تحقیقات سے اس بات کا اذعان کامل ہوتا ہے کہ احناف کا مسلک تمام احادیث کے موافق اور تمام مذاہب پر راجح ہے اس لیے کہ خنزیر کا جھوٹا اور اس کا پاخانہ اور کتے کا پیشاب اور اس کا جھوٹا ناپاکی میں برابر ہیں اس کے باوجود امام شافعی اس کے قائل ہیں کہ خنزیر اور کتے کے پاخانہ سے آلودہ برتن تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے تو کس سبب سے اس کے قائل ہیں کہ کتے کا جھوٹا سات بار دھونے سے پاک ہوگا جب کہ وہ اس کے قائل ہیں کہ مٹی سے دھونے کی روایت کا حکم زیادتِ نظافت پر محمول ہے مٹی سے دھونا ضروری نہیں یہ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ سات بار دھونے کا حکم بطور وجوب نہیں ہے اس لیے کہ اگر سات بار دھونا واجب ہو تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ مٹی سے مانجھنا زیادتِ نظافت و ستھرائی کے لیے ہے اس لیے کہ سات بار دھونے اور مٹی سے مانجھے کا حکم ایک ہی جملہ میں وارد ہے تو دونوں ایک حکم کے تحت داخل ہوں گے اور یہ تفریق صحیح نہ ہوگی کہ سات بار دھونا واجب ہے تو مٹی سے مانجھنا واجب نہیں۔

ایک اور توجیہ اور اس کا رد : مولانا انور شاہ کشمیری فیض الباری میں رقم طراز ہیں کہ سات بار دھونے کا حکم ابتدا میں اس وقت تھا جب مطلقاً کتوں کو مار ڈالنے کا حکم تھا پھر جب اس میں تخفیف ہوئی اور شکاری و محافظ کتوں کو پالنے کی اجازت دی گئی تو کتے کے جھوٹے برتن کے دھونے کے حکم میں بھی تخفیف کر کے سات کے بجائے تین بار کر دیا۔ حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے اس توجیہ پر کلام فرمایا اور اس کے خلاف تحقیق بلیغ فرمائی۔ چنانچہ اس توجیہ مذکور کا رد فرماتے ہوئے گوہر فشاں ہیں۔

"مگر اس توجیہ کو مسلم کی وہ حدیث رد کر رہی ہے جو عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

فرمایا:

"امر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم بقتل الکلاب ثم رخص فی کلب الصید وکلب الغنم وقال اذا ولغ الکلب فی الاناء فاغسلوہ سبع مرات وعفروہ الثامنة بالتراب"

(مسلم ج۱ ص ۱۳۷، نسائی ص ۱۲۲، ابوداؤد مصری ص ۱۲)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سات بار دھونے کا حکم اس وقت بھی دیا جب شکاری اور محافظ کتے پالنے کی اجازت دی۔" (نزہۃ القاری ج۱ ص ۵۲۴)

حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس اس ژرف نگاہی، وسعت علمی، دقت فکری، بالغ نظری اور تحقیق غامض و تدقیق کامل کے سبب شرح احادیث میں منفرد و ممتاز اور یکتائے روزگار نظر آتے ہیں اور آپ کی یہ شرح خصوصیات گوناگوں و کمالات بوقلموں کا گنجینہ نظر آتی ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

منی ناپاک ہے: منی کی پاکی اور ناپاکی کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے امام شافعی اور بروایتے امام احمد منی کو پاک کہتے ہیں غیر مقلدین زمانہ بھی اسی کے قائل ہیں ان کی دلیلیں درج ذیل ہیں:

(۱) تمام چیزوں میں اصل پاکی ہے جب تک دلیل شرعی سے کسی چیز کا ناپاک ہونا ثابت نہ ہو وہ چیز پاک ہی رہے گی اور منی کی ناپاکی پر کوئی دلیل نہیں اس لئے وہ پاک ہے رہ گئیں وہ حدیثیں جن میں منی کا دھونا بصراحت مذکور ہے تو یہ مستلزم نجاست نہیں گھناؤنی ہونے کی وجہ سے بھی دھویا جاسکتا ہے جیسے دیوار قبلہ پر رینٹھ تھی تو حضور اقدس صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے خود دور فرمایا۔

(۲) صحیح مسلم شریف کی حدیث میں وارد ہے کہ ام المومنین حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ "میں رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ دیتی اور پھر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی کپڑے میں نماز پڑھتے۔" ظاہر ہے کہ منی اگر ناپاک ہے تو محض کھرچ دینے سے پاک نہ ہوگی۔

(۳) قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

"ھو الذی خلق من الماء بشرًا" وہی ہے جس نے پانی سے انسان پیدا کیا

ظاہر ہے کہ منی پانی نہیں اب پانی کہنے کا یہی معنی ہے کہ منی پانی کی طرح پاک ہے۔

(۴) انبیائے کرام منی سے پیدا ہوئے کیا ان کا تخم ناپاک ہوسکتا ہے۔

مذہب احناف اور اس کے دلائل: احناف کے نزدیک منی ناپاک ہے اس کی تائید احادیث کریمہ سے ہوتی ہے حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے اس کی موید احادیث کریمہ کو ذکر فرمایا اور استدلال مذکور کا تحقیقی جواب رقم فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ غیر مقلدین زمانہ جو عامل بالحدیث بننے کے مدعی ہیں وہ کس طرح قیاس ورائے کے ذریعہ صحیح حدیثوں کا رد کر رہے ہیں چنانچہ رقم طراز ہیں۔

(۱) احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے کپڑے میں جب بھی منی لگی اگر وہ تر تھی تو دھوئی گئی اور اگر سوکھ گئی تھی تو کھرچ کر دور کی گئی اسی پر مواظبت (پابندی) رہی کبھی ایک بار بھی ثابت نہیں کہ دھوئے یا کھرچ کر چھڑوائے بغیر حضور نے نماز پڑھی ہو اور کسی فعل پر ایسی مواظبت ہمیشگی پابندی کہ کبھی اس کے خلاف نہ ہو دلیل وجوب ہے تو ثابت کہ کپڑے میں منی لگ جائے تو اسے دور کرنا واجب، یہ دلیل ہے کہ منی ناپاک ہے ورنہ اس کا دور کرنا واجب نہ ہوتا اس لئے یہ کہنا ساقط کہ منی کی نجاست پر کوئی دلیل نہیں.......... منی کے دھونے کو رینٹھ پر قیاس کرنا درست نہیں رینٹھ کے بارے میں ثابت ہے کہ اسے نماز کی حالت میں رومال میں لینے کا حکم دیا[1]۔ جو اس کے طہارت کی دلیل ہے مگر منی کے بارے میں ایسی کوئی روایت نہیں علاوہ ازیں رینٹھ سے وضو تک نہیں ٹوٹتا اور منی نکلنے سے وضو تو وضو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

(۲) سوکھی منی کے رگڑنے سے کپڑے کی طہارت چونکہ حدیث سے ثابت ہے جو اگرچہ خلاف قیاس ہے مگر حدیث سے ثابت ہونے کی وجہ سے واجب التسلیم ہے مسلم میں ہے کہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں

"وانی لاحکه من ثوب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یابسا بظفری
(مسلم باب حکم المنی ص ۱۴۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے میں منی اگر سوکھی ہوتی تو میں ناخن سے کھرچ دیتی

بزار اور ابو عوانہ میں انھیں سے ہے کہ فرمایا

"کنت أفرك المنی من ثوب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا کان یابسا وَأغسله اذا کان رطبا"

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ دیتی اگر سوکھی ہوتی اور اگر گیلی ہوتی تو دھو دیتی۔

(۳) جہاں یہ ارشاد ہوا "وهو الذی خلق من الماء بشرا" وہیں یہ بھی فرمایا۔

"والله خلق کل دابة من ماءٍ (نور)" اور اللہ نے ہر چوپائے کو پانی سے پیدا فرمایا

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۵۹ صلوۃ باب اذا بدرہ البزاق۔ ۱۲

اور چوپایوں کی منی خصوصاً حرام جانوروں کی بالاتفاق ناپاک ہے

(۴) انبیائے کرام کا تذکرہ اس موقعہ پر مناسب نہیں جس پر بحث گذر چکی جب بربنائے تحقیق انبیائے کرام کے فضلات مبارکہ عام انسانوں کی طرح ناپاک نہیں تو جن مبارک نطفوں سے ان کی تخلیق ہوئی وہ بھی عام انسانوں کے نطفوں کی طرح ناپاک نہیں بلکہ طیب وطاہر ہیں۔ (نزہۃ القاری ج ۲ ص ۱۲۹ کتاب الوضوء)

انبیائے کرام علیہم السلام کے فضلات مبارکہ پاک ہیں حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے اس کی نفیس تحقیق فرمائی چنانچہ رقمطراز ہیں

"علامہ عینی اس قسم کی باتوں سے بیزاری ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وحا شا شعرالنبی علیہ الصلوٰۃ والسلام من ذالك وكيف قال وقد قيل بطهارة فضلاته فضلا عن شعره الكريم"

ترجمہ: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا موئے مبارک اس سے برتر ہے قائل نے یہ کیسے کہہ دیا حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ کو پاک کہا گیا ہے چہ جائیکہ موئے مبارک۔

اس کے بعد فضلات مبارکہ کی طہارت پر استدلال کرتے ہیں فرمایا اس بارے میں بکثرت احادیث وارد ہیں کہ صحابہ کرام نے جسم اقدس سے نکلے ہوئے مبارک خون کو پیا مثلاً ابو طیبہ حجام اور قریش کے ایک بچے نے اور حضرت عبد اللہ بن زبیر نے جیسا کہ بزار، طبرانی، حاکم بیہقی، ابو نعیم نے روایت کیا ہے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی پیا ہے نیز ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بول مبارک پیا جیسا کہ حاکم، دار قطنی، طبرانی، ابو نعیم نے روایت کیا ہے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابو رافع کی زوجہ سلمٰی نے غسالہ مبارک پیا تو حضور نے فرمایا اللہ نے تیرے بدن کو آگ پر حرام فرمادیا۔ بحث کے اخیر میں حضرت علامہ عینی کی غیرت ایمانی کو جوش آگیا فرماتے ہیں:

"انا نعتقد انه لا يقا س عليه غيره وان قالوا غير ذالك فاذنى عنه صماء"

ترجمہ: ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کسی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا اور اگر کوئی اس کے علاوہ کچھ اور کہے تو میرا کان اس کے سننے سے بہرہ ہے۔

فضلات مبارکہ کی طہارت امتی کے اعتبار سے ہے خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں طاہر نہیں۔" (نزہۃ القاری ج ۱ ص ۵۱۶)

مجدد اعظم محدث اکبر سیدنا امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"میری نظر میں امام حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری کی وقعت ابتداءً امام بدرالدین محمود عینی شارح صحیح بخاری سے زیادہ تھی فضلات شریفہ کی طہارت کی بحث ان دونوں صاحبوں نے کی ہے امام ابن حجر نے ابحاث محد ثانہ لکھی ہیں کہ یوں کہا جاتا ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے اخیر میں لکھا ہے کہ فضلات شریفہ کی طہارت ان کے نزدیک ثابت نہیں امام عینی نے بھی شرح بخاری میں اس بحث کو بہت بسط سے لکھا ہے آخر میں لکھتے ہیں کہ سب کچھ ابحاث ہیں جو شخص طہارت کا قائل ہو اس کو میں مانتا ہوں اور جو اس کے خلاف کہے اس کے لیے میرے کان بہرے ہیں میں سنتا نہیں یہ لفظ ان کی کمال محبت کو ثابت کرتا ہے اور میرے دل میں ایسا اثر کر گیا ہے کہ ان کی وقعت بہت ہو گئی۔" (الملفوظ ج ۴ ص ۲۴)

احناف کے ذکر کردہ دلائل میں غور و فکر کرنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہو جاتی ہے کہ منی ناپاک ہے اور اس کی ناپاکی احادیث وافرہ سے ثابت ہے شوافع کا یہ کہنا کی منی پاک ہے اور اس کی ناپاکی پر کوئی دلیل نہیں ساقط الاعتبار ہے کیونکہ احادیث کے ذریعہ نجاست منی کی تائید ظاہر و باہر ہے منی کا رینٹھ پر قیاس ہرگز درست نہیں جیسا کہ مکمل وضاحت گذری کہ دونوں کے مابین فارق و فاصل قائم ہے پھر ایک کا دوسرے پر قیاس کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ اسی طرح طہارت صرف پانی سے دھونے میں منحصر نہیں بلکہ طہارت کبھی رگڑنے سے بھی حاصل ہوتی ہے جیسے جوتے اور موزے میں لگی ہوئی نجاست۔ ابوداؤد شریف میں ہے۔

"اذا وطی الاذی بخفیه طهورهما التراب" (ابوداؤد ج ا باب الاذی یصیب النعل)

ترجمہ: جب موزوں کے تلے ناپاکی آجائے تو اس کو پاک کرنے والی دھول ہے۔

حدیث پاک میں ہے "زکوة الارض یبسها" زمین کی پاکی اس کا سوکھنا ہے

(ہدایہ مصنف ابن ابی شیبہ و مصنف عبدالرزاق باختلاف اللفظ)

اس کے علاوہ طہارت کے اور بہت سارے طریقے ہیں جو دھونے کے علاوہ ہیں اور کتب فقہ میں بتفصیل مذکور ہیں علاوہ ازیں منی کے نجس ہونے کے بارے میں ایک صریح حدیث وارد ہے جسے امام ابن ہمام نے دار قطنی کے حوالہ سے ذکر کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمار سے فرمایا!

"انما یغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقئی والمنی والدم" (نزہۃ القاری مقدمہ ج ا ص ۱۴۳)

ترجمہ: کپڑا پانچ چیزوں سے دھویا جاتا ہے، پاخانہ، پیشاب، قی اور خون اور منی سے۔

اس حدیث کی سند پر یہ کلام کیا گیا کہ اس میں ایک راوی ثابت بن حماد ہے اور یہ ضعیف ہے اس کا جواب حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے یہ رقم فرمایا کہ یہی حدیث طبرانی میں ثابت بن حماد کے واسطہ کے بغیر مذکور ہے تو ثابت بن حماد کی وجہ سے جو ضعف تھا وہ دور ہو گیا۔ اسی طرح ایک دوسرے راوی علی بن زید پر یہ جرح

ہے کہ یہ قابل احتجاج نہیں مگر معترض کو یہ معلوم نہیں کہ یہ مسلم کے رجال سے ہیں علاوہ ازیں عجلی نے کہا لاباس بہ امام ترمذی نے اسے صدوق کہا۔اسی طرح ایک اور راوی ابراہیم بن زکریا کو بھی کچھ لوگوں نے ضعیف کہا مگر بزار نے اسے ثقہ کہااور اگر یہ مان بھی لیں کہ یہ حدیث دونوں سندوں کے اعتبار سے ضعیف ہے مگر دو طریقے سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہ ضرور ہو گئی اور یہ بھی احکام میں حجت ہے جیساکہ حضرت ملا علی قاری شرح شفاء میں فرماتے ہیں!

”وقد یتقوی بتعدد الاسانید الی أن یصل الی مرتبة حسنة فیصح الاحتجاج به“
(شرح شفاء ج۱ص۵۸۹)

ترجمہ: متعدد سندوں کی وجہ سے قوت پاکر مرتبہ حسن تک پہونچ گئی اس لیے اس سے دلیل لانا صحیح ہے۔
حصول قوت کیلئے بہت کثیر طرق ضروری نہیں بلکہ صرف دو مل کر بھی قوی ہو جاتے ہیں جیساکہ تیسیر میں ہے۔

”ضعیف بضعف عمرو بن الواقد لکنه یقوی بورودہ بطریقین“
(نزهة القاری ج۱ص ۴۴مقدمہ)

ترجمہ: عمرو بن واقد کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن دو طریقوں سے آنے کی وجہ سے قوت پاگئی۔
اگر ان سب کے باوجود ہم ضعیف مان لیں تو بھی اس پر احناف کا عمل قادح نہیں کیونکہ امام اعظم کے عمل بالحدیث کا یہ حال ہے کہ قیاس کے مقابلہ میں حدیث ضعیف کو ترجیح دیتے ہیں۔

ایک اشکال کا جواب: اس مقام پر یہ شبہہ وارد ہو سکتا ہے کہ طہارت منی پر شوافع کی دلیل قوی وہ حدیث ہے جو ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے

”انها تحك المنی من ثوب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وهو یصلی“
(بیہقی و دار قطنی)

ترجمہ: وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچتیں اور حضور نماز پڑھ رہے ہوتے۔
حدیث بالا کی روشنی میں شوافع کہتے ہیں کہ منی اگر ناپاک ہوتی تو اس سے آلودہ کپڑے کے ساتھ نماز کی ابتدا درست نہ ہوتی جس سے یہ ثابت ہوا کہ منی پاک ہے۔...... حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے اس کا محققانہ جواب تحریر فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ حدیث مذکور سے شوافع کا استدلال تام نہیں بلکہ اس سے احناف کے مسلک کی تائید ہوتی ہے حدیث مذکورہ کا وہ معنی نہیں جو شوافع نے لیا بلکہ دیگر روایتوں سے جو معنی مترشح ہوتا ہے وہ یہ کہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے کپڑے سے منی کھرچ دیتیں پھر حضور اس کپڑے میں نماز پڑھتے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں۔

''لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب منی سے آلودہ کپڑے کے ساتھ نماز درست تھی تو حضرت ام المومنین نے اثنائے نماز میں اسے کھرچا کیوں؟ اثنائے نماز میں کھرچنے سے نماز میں خلل پڑنے کا اندیشہ یقیناً ہے بلکہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ نمازی نماز توڑ بیٹھے اگرچہ حضور کے لئے یہ احتمال نہیں مگر خشوع و خضوع میں کما حقہ تو ضرور خطرہ ہے، بلا کسی فائدہ کے حضرت ام المومنین نے یہ لغو کام کیوں کیا؟

اس سے ظاہر ہو گیا کہ حدیث کا وہ معنی نہیں جو ظاہر لفظ سے متبادر ہے اور جو شوافع نے لیا ہے بلکہ اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ ام المومنین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ دیتی تھیں اور اس کے بعد حضور اسی کپڑے میں نماز پڑھتے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے۔ ''فیصلی فیہ'' اور ابن خزیمہ کی ایک روایت میں ''ثم یصلی فیہ'' وارد ہے۔

(نزہۃ القاری ج ۲ ص ۱۳ کتاب الوضوء)

ان تمام تحقیقات و اکتشافات سے یہ حقیقت طشت از بام ہو جاتی ہے کہ منی ناپاک ہے اگر منی ناپاک نہ ہوتی تو کم از کم بیان جواز کے لئے ایک ہی مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منی آلود کپڑے میں بغیر دھوئے یا کھرچے نماز پڑھتے۔ حالانکہ کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی اس کا وجود نہیں جس سے یہ ثابت کہ منی بلاشبہ ناپاک ہے البتہ خشک منی کے پاک کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اسے کھرچ دیا جائے۔ غیر مقلدین زمانہ جو اہل حدیث کے نام سے عالم اسلام کو فریب دیتے ہیں اپنے سوا سب کو مشرک سمجھتے ہیں، تقلید شخصی کو شرک کہتے ہیں، احناف پر قیاس کا طعن کرتے ہیں وہ خود منی کا قیاس رینٹھ پر کرتے ہیں قیاس کی تقلید و اتباع سے انھیں مفر نہیں اور احناف پر یہ الزام دیتے ہیں کہ وہ قیاس کو ترجیح دیتے ہیں یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اہل انصاف و دیانت خود فیصلہ کریں کہ احناف کا مذہب کس درجہ قوی اور سنت رسالت کا آئینہ دار ہے برخلاف غیر مقلدین وغیرہ کے کہ قیاس ورائے کے ذریعے صحیح حدیثوں کو رد کر رہے ہیں کیا اسی کا نام عمل بالحدیث ہے؟

ماء قلیل اور ائمہ کے مذاہب : امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ جب تک پانی میں نجاست کا رنگ، یا بو، یا مزہ نہ آجائے اس وقت تک ناپاک نہ ہوگا مثلاً پانی ایک چلو ہو یا پورا تالاب، جاری ہو یا غیر جاری امام زہری بھی اسی کے قائل ہیں اور امام بخاری کا یہی مذہب معلوم ہوتا ہے۔

امام مالک کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

''ان الماء لا ینجسه شئی الا ماغلب علی ریحه وطعمه ولونه''

(ابن ماجہ طہارت باب الحیاض ص ۴۱)

ترجمہ: پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ پانی کی بو اور اس کے مزہ اور اس کے رنگ پر غالب نہ آجائے۔

حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے مذہب مالکیہ کا محققانہ جواب رقم فرمایا چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"یہ حدیث بھی لائق استناد نہیں علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بیہقی نے کہا یہ حدیث قوی نہیں۔ علاوہ ازیں ابن ماجہ میں اس کے پہلے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جس میں یہ تفصیل ہے۔ "ہم ایک تالاب پر پہونچے جس میں ایک گدھا مرا پڑا تھا ہم نے یہ پانی استعمال نہیں کیا مگر جب اس تالاب پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہونچے تو فرمایا "إن الماء لاینجسہ شئی" "اس پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرے گی۔ اس کا امکان ہے کہ یہ ارشاد بھی اسی تالاب کے بارے میں ہو یا اسی قسم کے کسی اور تالاب یا گڈھے کے بارے میں ہو جیسا کہ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں اسی مضمون کی یہ حدیث ہے "ان الماء طھور لاینجسہ شئی" یہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی یہ بیر بضاعہ کے بارے میں ہے جس کا پانی جاری تھا۔ اس تفصیل سے قطع نظر صرف لفظ دیکھئے تو دھوکا ہوتا ہے کہ یہ (حکم) مطلق پانی کے بارے میں ہے ...... لیکن اگر اس حدیث کو اپنے عموم پر رکھیں گے تو بہت سی احادیث سے تعارض لازم آئے گا جیسے "لا یبولن أحدکم فی الماء الراکد" وغیرہ۔

(نزہۃ القاری ج ۲ ص ۱۴۱ کتاب الوضوء)

نیز فتح الباری کے حوالہ سے یہ تحریر فرمایا

"چونکہ امام مالک نے اپنے مذہب میں قلیل و کثیر کی کوئی تفریق نہیں کی اس لئے اس پر ابو عبید نے کتاب الطھارۃ میں یہ اعتراض کیا کہ اس پر لازم آتا ہے کہ اگر پانی کے لوٹے میں کوئی پیشاب کر دے اور پانی کا وصف نہ بدلے تو اس پانی سے وضو وغیرہ (مثلاً پینا) سب جائز ہو حالانکہ یہ بات کتنی شنیع و قبیح ہے۔"

(نزہۃ القاری ج ۲۔ ص ۱۴۰ کتاب الوضوء)

اس روشن تحقیق سے یہ انکشاف تام ہوتا ہے کہ مذہب مالکیہ کی تائید میں پیش کردہ حدیثوں سے استدلال مرجوح ہے غیر مقلدین زمانہ جو عامل بالحدیث بننے کے مدعی ہیں وہ اس استدلال ضعیف پر اعتماد کرتے ہیں کیوں کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ تھوڑے پانی میں اگر نجاست گر جائے اور نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو تو وہ پاک ہے مثلاً ایک

لوٹے پانی میں ماشہ دو ماشہ پیشاب پڑ جائے تو وہ پاک ہے اسے پینے اور اس سے کھانا پکانے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ ان کے نواب شوہر ریاست بھوپال نے طریقہ محمدیہ ص ۷،۶ پر لکھا ہے......

"ان کے اشرار کا یہ حال ہے، جہاں ان کا بس چلتا ہے وہاں کنوؤں میں گوبر لا کر ڈال دیتے ہیں، تاکہ احناف پریشان ہوں یا تو یہی ناپاک پانی پئیں یا پھر اسے پاک کرنے کی دقت میں پڑیں یا کہیں اور سے پانی سے لائیں۔" (نزہۃ القاری ج ۲ ص ۱۴۸)

طریقہ محمدیہ یہ وہ کتاب ہے جس پر غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے بھی مہر کی اور لکھا کہ اس پر موحدین (غیر مقلدین) بے دھڑک عمل کریں غیر مقلدین زمانہ کے اجتہاد کا تو یہ حال ہے کہ ان کے یہاں حیض کے علاوہ بقیہ تمام خون پاک ہے جیسا کہ ان کے امام نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے فتح المغیث اور طریقہ محمدیہ میں لکھا ہے علاوہ ازیں ان کے شیخ الرئیس قاضی شوکانی نے بھی الدرر البہیہ میں لکھا ہے کہ خون حیض اور انسان کے بول و براز کے علاوہ ہر چیز پاک ہے نیز یہ بھی لکھ دیا کہ سور کی چربی حرام نہیں۔ (نزہۃ القاری ج ۲ ص ۱۲۲)

مذہب شوافع اور اس کی دلیلیں: امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ بہت تھوڑا پانی ناپاک ہو جائے گا اگرچہ اس میں نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو لیکن اگر دو قلے یعنی دو مٹکے ہے تو جب تک نجاست کا اثر پانی میں ظاہر نہ ہو پاک ہے ان کی دلیل یہ حدیث پاک ہے:

اذا کان الماء قلتین لایحمل الخبث (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۱)

ترجمہ: جب پانی دو مٹکے یعنی پانچ مشک ہو تو نجاست سے متاثر نہیں ہوتا یعنی ناپاک نہیں ہوتا۔

حدیث قلتین سے استدلال شوافع پر علامہ عینی شارح بخاری نے زبردست تعقب فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ حدیث مذکور سے کسی طرح مدد نہیں لی جاسکتی۔ حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے اولاً علامہ عینی کا تعقب ذکر فرمایا جیسا کہ رقمطراز ہیں

"اس پر علامہ عینی لکھتے ہیں قلتین کی حدیث سے کوئی مدد کیسے لی جاسکتی ہے جبکہ ابن العربی نے کہا "یا تو اس کا مدار علت پر ہے یا اس کی روایت میں اضطراب ہے یا وہ موقوف ہے یہی کیا کم ہے کہ امام شافعی نے اس کی روایت ولید بن کثیر سے کی ہے یہ اباضی ہے اور اس کی روایت میں اختلافات ہیں قلتین بھی ہے، قلتین او ثلاثا بھی ہے اربعون قلۃ بھی ہے اور اربعون فرقا بھی ہے یہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر پر موقوف ہے۔ بصری نے کہا ابن مندہ نے باعتبار رواۃ اسے علی شرط مسلم صحیح کہا مگر باعتبار روایت اس سے اعراض کیا اس لئے کہ اس میں کثیر اختلاف اور اضطراب ہے امام مسلم نے غالباً اسی وجہ سے ترک کر دیا...... میں کہتا ہوں کہ اسی

اختلاف اسناد کی وجہ سے امام بخاری نے بھی اس کی تخریج نہیں کی ابو عمر نے تمہید میں کہا حدیث قلتین کی وجہ سے امام شافعی نے جو مسلک اختیار کیا وہ باعتبار نظر ضعیف ہے و باعتبار اثر غیر ثابت ہے اس لئے کہ اس حدیث میں علما کے ایک گروہ نے نقل سے کلام کیا ہے۔ دبوسی نے کتاب الاسرار میں کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور بہت سے لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا اس لئے کہ صحابہ اور تابعین نے اس پر عمل نہیں کیا۔" (نزہۃ القاری ج ۲ ص ۱۴۱۔۱۴۰)

علامہ عینی شارح بخاری کے ذکر کردہ تعقب کے بعد حضرت فقیہ عصر شارح بخاری دام ظلہٗ الاقدس نے درج ذیل کلام فرمایا:

"اولا یہ حدیث قلتین لائق استناد نہیں جیسا کہ گذر گیا۔ ثانیا جب کسی روایت میں قلتین ہے کسی میں ثلاث قلال کسی میں اربعین قلۃ ہے کسی میں اربعین فرقا ہے تو عمل کس پر ہوگا ثالثا یہ مٹکے کتنے بڑے ہوں گے کہاں کے بنے ہوئے معتبر ہوں گے رابعا پھر قلۃ لفظ مشترک ہے اس کے یہ معنی ہیں مٹکا، مشک، پہاڑ کی چوٹی، انسان کا قد اونٹ کسی ایک معنی کی تعیین کیسے ہوگی اور اگر آپ ہجر کے مٹکے کی تعیین بھی کرلیں تو وہ بھی چھوٹے بڑے ہر قسم کے ہوتے ہیں کس مقدار کے آپ مرادلیں گے خامسا دوسری احادیث سے تعارض کا کیا جواب ہوگا۔"

(نزہۃ القاری ج ۲ ص ۱۴۲ کتاب الوضوء)

ان تمام تفصیلات سے انکشاف تام ہوتا ہے کہ امام شافعی کے مذہب کی تائید میں پیش کردہ حدیث قلتین سے استدلال ضعیف و مرجوح ہے اس کے ضعف اور مرجوحیت کے اسباب شارحین حدیث کے ذکر کردہ تعقبات ہیں علاوہ ازیں یہ حدیث اجماع صحابہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ چاہ زمزم میں ایک بار ایک حبشی گر کر مر گیا تو حضرت ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تمام صحابہ کی موجودگی میں کنواں پاک کرنے کا حکم دیا اور صحابہ میں سے کسی نے انکار نہ کیا حالانکہ چاہ زمزم میں ہزاروں قلے پانی تھا۔ علاوہ اس کے بنظر دقیق مطالعہ کیا جائے تو یہ حدیث خود امام شافعی کے مذہب کے خلاف ہے کیونکہ ان کا مذہب ہے کہ اگر دو مٹکے پانی میں اتنی گندگی گر جائے جس سے بو، یا رنگ، یا مزہ بدل جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے حالانکہ حدیث کا اطلاق صاف بتا رہا ہے کہ پانی کبھی نجس نہیں ہوتا یہ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ حدیث قلتین سے استدلال غایت درجہ ضعیف اور باعتبار اثر غیر ثابت ہے۔

مسلک احناف اور اس کے دلائل : احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر پانی تھوڑا ہے تو بہر حال ناپاک ہو جائے گا۔ اگرچہ اس میں نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو اور اگر پانی کثیر ہے تو ناپاک نہ ہوگا جب تک نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو یہ حکم مذکور ماء راکد (ٹھہرا ہوا پانی) کا ہے۔ آب رواں تھوڑا ہو یا زیادہ جب تک نجاست کا اثر اس میں ظاہر نہ ہو پاک ہی

رہے گا ہاں اگر نجاست کا اثر ظاہر ہو تو آبِ رواں بھی ناپاک۔ اصحاب ظواہر کے علاوہ ساری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ جاری ہو یا غیر جاری جب اس میں نجاست پڑے اور نجاست کا کوئی اثر پانی میں ظاہر ہو جائے تو وہ بہر حال ناپاک ہے۔

آب قلیل وکثیر میں حد فاصل یہ ہے کہ پانی اگر کسی ایسے حوض یا تالاب میں ہو کہ اس کے ایک طرف ہلایا جائے تو دوسرا کنارہ نہ ہلے۔ کثیر ہے ورنہ قلیل عوام کی آسانی کے لئے علمائے کرام نے اس کی مقدار دہ دردہ متعین کی قلیل وکثیر کا فرق احناف کے نزدیک گذشتہ حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے جس میں انھوں نے فرمایا :

''ہم ایک تالاب پر پہونچے جس میں ایک گدھا مرا پڑا تھا ہم نے یہ پانی استعمال نہ کیا مگر جب اس تالاب پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہونچے تو فرمایا ''ان الماء لاینجسہ شئ'' اس پانی کو کوئی چیز نجس نہ کرے گی۔''

اس کے بالمقابل یہ حدیث صحیح ہے جسے امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابن ماجہ اصحاب ستہ وغیر ہم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ فرمایا

''لایبولن أحدکم فی الماء الراکد الذی لایجری ثم یغتسل فیه'' (بخاری ج ا ص ۳۷)

ترجمہ : رکے ہوئے پانی میں ہر گز پیشاب نہ کرو پھر اس میں نہاؤ۔

ترمذی اور نسائی میں ہے ''پھر وضو کرو'' بخاری کی ایک روایت میں ہے پھر پیو، حدیث کا سیاق صاف بتا رہا ہے کہ پیشاب کرنے سے ممانعت صرف اس لئے وارد ہے کہ پیشاب پڑنے سے وہ پانی ناپاک ہو جائے گا اور غسل و وضو اور پینے کے لائق نہ رہے گا۔

دوسری حدیث یہ ہے۔

''اذا ولغ الکلب فی اناء أحدکم فلیُرِقْهُ و یغسله سبع مرار''

جب کتا تمہارے برتن میں منھ ڈال دے تو برتن میں جو کچھ ہو پھینک دو اور برتن کو سات بار دھوؤ۔

یہ حکم مطلق ہے برتن میں کتے کا لعاب ظاہر ہو یا نہ ہو اس کی اس میں کوئی تخصیص و تفریق نہیں جس سے ثابت ہوا کہ کتے کے منھ ڈالتے ہی برتن اور برتن کی ساری چیز ناپاک ہو جائے گی۔

تیسری حدیث یہ ہے جو نسائی میں بطریق عبد الرحمٰن بن مہدی اس زیادت کے ساتھ ہے۔

''و إن کان مائعا فلا تقربوه''

ترجمہ : اگر گھی پتلا ہو اور اس میں چوہا مر جائے تو اس کے قریب مت جانا۔

چوتھی حدیث یہ ہے جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ فرمایا

''لا یغتسل أحدکم فی الماء الدائم وهو جنب فقال کیف یعمل یاأباهریرة قال

یتناوله تناولا"(مسلم ج۱ص۱۳۱)

ترجمہ: رکے ہوئے پانی میں بحالت جنابت کوئی غسل نہ کرے سننے والے نے پوچھا اے ابوہریرہ پھر وہ کیا کرے فرمایا پانی باہر لے کر نہائے۔

رکے ہوئے پانی میں بحالت جنابت غسل سے ممانعت کا سبب یہ ہے کہ جنابت میں عموماً کپڑے اور جسم منی سے آلودہ ہوتے ہیں جب نہائے گا تو سارا پانی ناپاک ہو جائے گا۔

پانچویں حدیث انھیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے

"اذا استیقظ أحدکم من نومه فلیغسل یده قبل أن یدخلها فی وضوئه فان أحدکم لایدری این باتت یده"

ترجمہ: جب سو کر اٹھو تو وضو کے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کو دھولو تم نہیں جانتے رات ہاتھ کہاں رہا۔

حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے ان احادیث مذکورہ کو ذکر فرمانے کے بعد ان کے مابین واقع تعارض کو رفع فرمایا اور قلیل و کثیر کی تفریق انھیں احادیث کی روشنی میں قائم کی چنانچہ رقمطراز ہیں۔

"یہ تمام احادیث بصراحت اس پر دلالت کرتی ہیں کہ پانی میں اگر ناپاک چیز پڑ جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔"

"اس میں نجاست کے ظاہر ہونے نہ ہونے کی کوئی تخصیص نہیں اب یہ احادیث پہلی احادیث کے معارض ہوئیں، ان میں تطبیق یہی ہے کہ پہلی قسم کی تمام احادیث ماء کثیر کے بارے میں ہیں اور قسم ثانی کی احادیث ماء قلیل کے بارے میں ہیں۔"(نزہۃ القاری ج۲ص۱۵۰)

ناظرین مذہب مالکی و شافعی و حنفی میں غور و فکر کریں کہ قوت استدلال کس کے ساتھ ہے کون سی دلیل قوی اور راجح ہے اور کون ضعیف و مرجوح کون حدیث صحیح پر عامل ہیں مجھے غیر مقلدین زمانہ پر سخت حیرت ہے۔ جو چار دانگ عالم میں عامل بالحدیث ہونے کا نقارہ بجاتے ہیں اور احناف پر ترک حدیث اور ترجیح قیاس کا الزام عائد کرتے ہیں وہ اس حقیقت کی پردہ دری کیوں کرتے ہیں یہ احناف کے ساتھ ظلم صریح اور ان پر بہتان عظیم ہے احناف کے عمل بالحدیث کا حال یہ ہے کہ جب صحیح اور ضعیف احادیث متعارض ہوتی ہیں تو حدیث صحیح کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔

غیر مقلدین زمانہ اپنے مدعی پر بیر بضاعہ والی حدیث پیش کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ وہ صرف چھ ہاتھ چوڑا تھا اس لئے اس کا پانی کثیر نہیں ہو سکتا پھر بھی سرکار نے فرمایا کہ اس کا پانی پاک ہے جبکہ اس میں حیض کے گندے

کپڑے، مردار کتے اور گندگیاں پھینکی جاتی تھیں حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے اس استدلال کا رد بلیغ فرمایا اور ان مجتہدانِ جدید کی عمارت مسمار فرمادی اور امام طحاوی کے ذکر کردہ جواب کی روشنی میں واضح فرمایا کہ بیر بضاعہ آب رواں تھا۔ بیر بضاعہ دراصل زیر زمین ایک لمبی نہر تھی جس پر کنواں بنادیا گیا تھا اس میں جو کچھ بھی ڈالا جاتا تھا بہہ جاتا بیر بضاعہ کی حیثیت وہی تھی جواب مدینہ طیبہ کی نہر زرقاء اور مکہ معظمہ کی نہر زبیدہ کی ہے کہ اندر اندر لمبی نہر ہے اور پانی لینے کے لئے جگہ جگہ کنویں بنادیئے گئے ہیں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

"كانت طريقا للماء الى البساتين فكان الماء لا يستقر فيها قد حكى هذا عن الواقدى"

بیر بضاعہ باغوں میں پانی لیجانے کی نہر تھی اس میں پانی ٹھہر تا نہیں تھا امام واقدی سے مروی ہے

لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام واقدی پر حضرات شوافع و دیگر اصحاب سے جرحیں ثابت ہیں تو ان کی روایت پر اعتماد اور اس سے استدلال کیسے کیا جاسکتا ہے۔ حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے اس کا ایسا محققانہ جواب رقم فرمایا کہ غیر مقلدین زمانہ کی آرزو خاک میں مل گئی اور ان کی ساری عمارت زمیں بوس ہو گئی جیسا کہ رقمطراز ہیں۔ "امام واقدی احناف کے نزدیک ثقہ ہیں امام ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔

"قال فى الامام جمع شيخنا ابو الفتح الحافظ فى اول كتابه المغازى والسير من ضعفه ومن وثقه ورجح توثيقه وذكر الأجوبة عما قيل فيه" (فتح القدیر ص ۵۴ فصل الماء نول کشور)

ہمارے شیخ ابوالفتح حافظ نے اپنی کتاب "المغازی والسیر" کے شروع میں سب کو جمع کردیا ہے جنھوں نے انھیں ضعیف کہا اور جنھوں نے ان کو ثقہ کہا اور ثقہ ہونے کو راجح بتایا اور امام واقدی کے بارے میں جو کچھ کہا گیا سب کے جوابات دیئے۔

علاوہ ازیں شوافع اور غیر مقلدین امام واقدی کو سخت مجروح اور ناقابل اعتبار مانتے ہیں پھر بھی اپنے اصول کو خیر باد کہہ دیتے ہیں اور ان کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جیسا کہ غائبانہ نماز جنازہ کے باب میں ہم بہ تفصیل ذکر کریں گے مجھے سخت حیرت ہے کہ امام واقدی پر سخت جرحیں کرنے والے اس باب میں ان کی روایت کو کیسے قابل احتجاج گردانتے ہیں یہ ان کی اصول پرستی کو زیب نہیں۔

ان تمام تحقیقات و تدقیقات سے یہ حقیقت آفتاب روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ امام اعظم کا مسلک حد درجہ قوی اور اس کی دلیلیں راجح ہیں مگر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی لکھنوی نے اس مقام پر مذہب حنفی کو مذہبِ مالکی و شافعی سے مرجوح قرار دیا ہے اور اپنی روشن خیالی اور آزاد فکری کا ثبوت فراہم کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

"ولقد خضت فى بحار هذه المباحث وطالعت لتحقيقها كتب اصحابنا المبسوطة

فوضح لنا ماهوا الارجح منها وهوالثانی ثم الثالث ثم الرابع وهومذهب قدماء اصحابنا وأيمتنا والباقية ضعيفة وقدا اشبعنا الكلام فيها فی السعاية"
(التعلیق المجد ص ۶۷ باب الوضوء ممایشرب منہ السباغ وتلغ فیہ)

غائبانہ نماز جنازہ امام شافعی امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ صحیح ہے احناف کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں۔امام شافعی امام احمد بن حنبل کی مستدل حدیث درج ذیل ہے۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے
"ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نعى النجاشى فى اليوم الذى مات فيه و خرج الى المصلى فصف بهم و كبر أربعا" (بخاری ص ۱۶۷ باب الرجل ینعی الی اھل المیت بنفسہ)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے مرنے کے اسی دن خبر دی جس دن وہ فوت ہوئے اور عیدگاہ تشریف لے گئے اور صحابہ کی صف لگائی اور چار تکبیریں پڑھیں۔

(۲) حضرت معاویہ بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ میں فوت ہوئے۔ تبوک میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

(۳) امام واقدی نے مغازی میں عاصم بن عمر اور عبد اللہ بن ابی بکر سے روایت کی جب مقام مُوتہ میں لڑائی شروع ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اللہ عزوجل نے حضور کے لئے پردے اٹھادئے کہ ملک شام اور وہ معرکہ حضور دیکھ رہے تھے اتنے میں حضور نے فرمایا زید بن حارثہ نے علم اٹھایا وہ لڑتا رہا یہاں تک کہ وہ شہید ہوا۔ حضور نے اپنی صلاۃ اور دعا سے نواز اور صحابہ سے فرمایا اس کے لئے استغفار کرو وہ دوڑتا ہوا جنت میں داخل ہوا، حضور نے ارشاد فرمایا پھر جعفر بن ابی طالب نے علم لیا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ وہ شہید ہوا انھیں بھی اپنی صلاۃ اور دعا سے نوازا اور ارشاد فرمایا اس کے لئے استغفار کرو وہ دوڑتا ہوا جنت میں داخل ہوا، اور اس میں اپنے پروں سے جہاں چاہتا ہے اڑتا پھرتا ہے۔ (نزہۃ القاری ج ۴ ص ۲۲، ۲۵، ۲۶ الجنائز)

استدلال مذکور کا جواب حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے استدلال مذکور پر اپنے قلم فیض رقم سے محققانہ وناقدانہ کلام فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ یہ بظاہر غائبانہ نماز جنازہ تھی۔ مگر درحقیقت تینوں واقع میں جنازے روئے انور کے سامنے تھے، جیسا کہ حدیث اوّل کے بارے میں رقمطراز ہیں۔
"حضرت نجاشی کے جنازے کے بارے میں صحیح ابن حبان[1] میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کی حدیث میں یہ تصریح ہے:

"فصلینا خلفه و نحن لانری الّا إن الجنازة قدامنا"

ہم نے حضور کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی اور ہم دیکھتے تھے کہ جنازہ ہمارے آگے ہے۔

پھر یہ کہ حضرت نجاشی کے نماز جنازہ پڑھنے میں مصالح تھے وہ حبشہ میں فوت ہوئے وہاں ان کی نماز جنازہ نہ ہوئی رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اس دور افتادہ غلام پر نماز جنازہ پڑھی نیز کچھ لوگوں کو ان کے مسلمان ہونے میں شک تھا اعلان عام کے ساتھ عید گاہ میں نماز جنازہ پڑھ کر یہ بتانا مقصود تھا کہ وہ مومن مخلص تھے۔ (نزہۃ القاری الجنائز۔ ج ۴ ص ۲۴)

حدیث دوم پر اس طرح کلام فرمایا۔

"یہ حدیث ضعیف ہے اس کا ایک راوی نوح بن عمرو سکسکی ہے ابن حبان نے اسے حدیث کا چور بتایا ایک سخت ضعیف شخص اسے حضرت انس سے روایت کرتا تھا اس نے بقیہ بن ولید کے سر باندھا یہ حدیث طبقات ابن سعد میں حضرت انس سے اور دو طریقوں سے مروی ہے ایک میں محبوب بن ہلالی مزنی اور دوسرے میں علاء بن یزید ثقفی ہے یہ دونوں ضعیف ناقابل احتجاج ہیں علاء کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا کہ یہ حدیثیں گڑھا کرتا تھا ابن حبان نے کہا یہ حدیث اسی کی گڑھی ہوئی ہے اس سے چرا کر ایک شامی نے بقیہ سے روایت کیا۔ علامہ ابن عبد البر نے فرمایا اس حدیث کی سب سندیں ضعیف ہیں۔ دربارۂ احکام اصلا حجت نہیں صحابہ میں کوئی صاحب معاویہ بن معاویہ نام کے معلوم نہیں، ابن حبان نے بھی کہا کہ اس نام کے صحابہ میں کوئی صاحب مجھے یاد نہیں۔"[1] (نزہۃ القاری ج ۴ ص ۲۵)

اس کلام مذکور کے بعد علی سبیل التقدیر یہ کلام فرمایا کہ بالفرض اگر یہ حدیث اپنے بعض طرق سے ضعیف نہ ہو جیسا کہ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں یہی اختیار فرمایا یا بالفرض غلط صحیح لذاتہ سہی پھر بھی یہ حدیث نہ ہمیں مضر نہ مخالف کو مفید کیونکہ اسی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جنازہ روئے انور کے سامنے کر دیا گیا تو یہ نماز حاضر پر ہوئی نہ کہ غائب پر، درج ذیل حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

طبرانی نے ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی جس میں یہ ہے کہ جبریل نے عرض کیا کیا حضور یہ پسند فرماتے ہیں کہ حضور کے لیے زمین لپیٹ دوں تو فرمایا ضرور اور جبریل نے زمین پر اپنے پر مارے اخیر کے الفاظ یہ ہیں۔

"فرفع له سريره فصلى عليه و خلفه صفان من الملائكة كل صف سبعون الفا"

اب تو معاویہ کی چارپائی حضور کے سامنے ہو گئی۔ اس وقت حضور نے ان پر نماز جنازہ پڑھی اور پیچھے فرشتوں کی صفیں

---

[1] اصابہ ج ۳ ص ۷ ۴۳۔ ۱۲

تھیں ہر صف میں ستر ہزار فرشتے۔

ابو احمد حاکم کے یہاں یہ الفاظ ہیں "جبریل امین نے اپنا داہنا بازو پہاڑوں پر رکھا وہ پست ہو گئے اور بایاں بازو زمین پر رکھا وہ برابر ہو گئیں یہاں تک کہ مدینہ نظر آنے لگا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جبریل امین فرشتوں نے ان پر نماز جنازہ پڑھی۔

اسی طرح حضرت انس کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں "جبریل امین نے عرض کیا کیا حضور ان پر نماز جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں فرمایا ہاں۔ پس جبریل نے اپنا پر زمین پر مارا کوئی درخت کوئی ٹیلہ نہ رہا جو پست نہ ہو گیا ہو اور ان کا جنازہ حضور کے سامنے لایا گیا یہاں تک کہ نظر انور کے سامنے ہو گیا۔ اس وقت حضور نے ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ بطریق علاء بھی یہی مضمون مروی ہے۔[۱] ......

ان تمام احادیث مسطورہ کے سباق سے اچھی طرح واضح ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں اور اس کی مشروعیت پر استدلال تام و مفید نہیں۔

حدیث سوم پر کلام فرمایا کہ شوافع اور غیر مقلدین کے اصول کے بموجب اس سے استدلال تام نہیں کیونکہ حدیث مذکور مرسل ہے اور وہ ان کے نزدیک نا قابل احتجاج ہے۔ پھر یہ کہ ان کے نزدیک امام واقدی سخت مجروح اور نا قابل اعتبار ہیں، پھر ان کی روایت پر اعتماد کیسے کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں امام واقدی کے شیخ عبد الجبار بن عمارہ مجہول ہیں تو یہ حدیث مرسل نا معتضد ہوئی۔ علاوہ ازیں حدیث میں صلاۃ بمعنی مطلق دعا محتمل ہے کیونکہ سیاق حدیث اسی معنی کا موید ہے اس کے سوا یہ کہ حضرات شہدا پر نماز جنازہ نہیں مانتے بلکہ شہدائے احد پر وارد صلاۃ کو بمعنی دعا مانتے ہیں۔ جب کہ وہاں "فصلی علی أحد صلاته علی المیت مذکور ہے، اسی کلام مذکور کو فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

> "اولا یہ دونوں طریقوں سے مرسل ہے عاصم بن عمر، قتادہ بن نعمان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے اوساط تابعین میں سے ہیں اور عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، صغار تابعین سے ہیں حدیث مرسل شوافع اور غیر مقلدین کے یہاں نا قابل احتجاج۔ ثانیا امام واقدی کو شوافع اور غیر مقلدین سخت مجروح اور نا قابل اعتبار مانتے پھر ان کی روایت ان کے نزدیک قابل احتجاج کیسے ہوئی تعجب ہے، یہاں اپنے اصول کو خیر باد کہہ دیا۔ ثالثا عبد اللہ بن ابی بکر کے تلمیذ، امام واقدی کے شیخ عبد الجبار بن عمارہ مجہول ہیں تو یہ مرسل نا معتضد ہوئی۔ رابعا الفاظ حدیث یہ ہیں "فصلی علیہ ودعا لہ اس کی کیا دلیل کہ یہاں صلوٰۃ بمعنی نماز جنازہ متعین اس کا بھی احتمال ہے کہ صلاۃ بمعنی دعا مطلق ہے، اور یہ عطف تفسیری ہے تعمیم بعد تخصیص نہیں بلکہ حدیث

[۱] فتاویٰ رضویہ ج ۴، رسالہ الہادی الحاجب۔ ۱۲

کا سیاق اسی کی تائید کر رہا ہے۔ کیونکہ مذکور ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں حضرات کی شہادت کے وقت منبر پر تشریف فرما تھے کہیں مذکور نہیں کہ منبر سے اتر کر نماز پڑھی، پھر منبر پر تشریف لے گئے پھر صحابہ کرام سے نماز پڑھنے کو نہیں فرمایا اور نہ کہیں مذکور کہ صحابہ نے نماز پڑھی اگر یہ نماز جنازہ تھی تو صحابہ نے کیوں نہیں پڑھی، بلکہ نماز غائبانہ جائز ماننے والوں کے طور پر یہاں صلوٰۃ بمعنی دعا متعین کیوں کہ وہ شہدا پر نماز غائبانہ نہیں مانتے۔ جیسے شہداے احد پر وارد صلاۃ کو بمعنی دعا امام نووی، علامہ قسطلانی، علامہ سیوطی قدس اللہ اسرارھم مانتے ہیں حالانکہ فصلی علی اھل احد صلاتہ علی المیت [1] مذکور ہے۔" (نزہۃ القاری ج ۴ ص ۲۶، الجنائز)

مذہب احناف کی دلیلیں: احناف کا مذہب گذر چکا کہ نماز غائبانہ جائز نہیں بلکہ نماز جنازہ صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ میت کا کل یا اکثر جسم سر کے ساتھ نمازی کے سامنے موجود ہو۔ حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے اپنے خامۂ حقیقت نگار سے اس کی تنقیح و تہذیب اور تحقیق و تدقیق فرمائی مذہب احناف کی تائید میں درج ذیل روشن دلیلوں کو زیب قرطاس فرمایا جن سے مخالفین کی ساری دلیلیں خس و خاشاک کی طرح اڑ گئیں

"ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی کمال رحمت و شفقت و عنایت کی بنا پر مسلمانوں کے نماز جنازہ میں شرکت کا بہت زیادہ اہتمام تھا اگر رات یا دوپہر میں کوئی مرتا، اس خیال سے کہ رات کی تاریکی اور دھوپ کی وجہ سے تکلیف ہوگی آرام میں خلل ہوگا صحابہ کرام اطلاع نہ دیتے اور دفن کر دیتے تو فرماتے ایسا نہ کرو اپنے جنازے کے لئے بلا لیا کرو [2]، میری نماز مردوں کیلئے رحمت ہے [3] یہ قبریں تاریکی سے بھری ہیں میں اپنی نماز سے انھیں روشن فرما دیتا ہوں [4]، اس کے باوجود زمانہ اقدس میں صدہا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دوسری جگہوں میں وفات پائی شہید ہوئے مگر کسی حدیث میں وارد نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی کیا وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت کے محتاج نہ تھے کیا ان پر رحمت عالم کی شفقت نہ تھی کیا ان کی قبریں اپنی نماز سے پر نور فرمانا نہ چاہتے تھے کیا جو مدینہ طیبہ میں فوت ہوتے انھیں کی قبریں اس روشنی کی محتاج تھیں اور وہی لوگ قابل شفقت تھے اور جگہ فوت ہونے والے نہیں۔ مقتضی ہوتے ہوئے کوئی فعل نہ کرنا اس کی دلیل ہے کہ وہ مشروع نہیں یہی وجہ ہے مدینہ طیبہ کے علاوہ دوسری جگہوں کے مسلمانوں نے خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز جنازہ نہ

---

[1] ابو داؤد ج ۲ ص ۱۰۳۔ الجنائز۔ ۱۲ [2] بخاری ج ۱ ص ۱۶۷ الجنائز باب الاذن بالجنائز۔ ۱۲

[3] ابن ماجہ ص ۱۱۱۔ الجنائز۔ ۱۲ [4] فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۶۹ بحوالہ ابن حبان۔ ۱۲

پڑھی۔ وصال کے وقت پورا عرب مسلمان تھا مگر کسی نے حضور کی نماز غائبانہ نہ پڑھی اسی طرح خلفائے راشدین کی بھی کون امتی ہو گا کہ وہ اس کی تمنا نہ رکھتا ہو گا کہ خاتم الانبیاء، رحمت ہر دوسرا کی نماز جنازہ پڑھ کر سعادت حاصل کرے اگر نماز جنازہ غائبانہ مشروع ہوتی تو کیا صحابہ کرام باز رہتے۔ خلفائے راشدین کے عہد مبارک میں ہزارہا ہزار صحابہ تابعین جہادوں میں شہید ہوئے، کیا کہیں مروی ہے کہ خلفائے راشدین نے کبھی نماز غائبانہ پڑھی اگر مشروع ہوتی تو کیوں نہ پڑھتے۔"

(نزہۃ القاری ج ۴ ص ۲۵، ۲۶ـ الجنائز)

ناظرین ذرا بنظر غائر مطالعہ فرمائیں کہ مخالفین کا استدلال کس درجہ ضعیف و مرجوح اور تار عنکبوت سے کمزور تر ہے ایک طرف امام واقدی پر سخت جرحیں بھی کرتے ہیں اور انہیں نا قابل اعتبار مانتے ہیں پھر ان کی روایت پر اعتماد و تکیہ کئے بیٹھے ہیں پھر یہ کہ یہ حدیث مرسل ہے اور ان کے نزدیک قابل حجت نہیں پھر اس سے کس طرح استدلال کرتے ہیں وہ بھی مرسل نا معتضد یہ ساری چیزیں اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ نماز غائبانہ پر استدلال تام نہیں۔

ملک العلماء[1] امام علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی علیہ الرحمۃ نے مزید اس پر کلام فرمایا اور یہ واشگاف فرمایا کہ یہ استدلال تام نہیں اس لئے کہ میت اگر مشرق میں رہے اور نماز میں استقبال قبلہ کیا جائے تو میت کا امام و مقتدی کے پیچھے ہونا لازم آئے گا یہ بھی جائز نہیں اور اگر میت کا استقبال کرتے ہیں تو غیر قبلہ کی طرف نماز کی ادائیگی لازم آئیگی اور یہ بھی جائز نہیں۔ غیر مقلدین زمانہ جو عامل بالحدیث بننے کے مدعی ہیں اس قدر کلام اور احتمالات کے ہوتے ہوئے نماز غائبانہ کے جائز ہونے پر دلیل لاتے ہیں اور احناف پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے ان تحقیقات واکتشافات کے بعد یہ تحریر فرمایا کہ اس کی مکمل محقق بحث دیکھنی ہو تو مجدد اعظم، محدث اکبر سیدنا اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ السامی کا رسالہ "الھادی الحاجب عن صلوٰۃ الجنازۃ" کا مطالعہ کریں جو جلد چہارم میں مطبوع ہے مخالفین و معاندین کی آنکھیں کھل جائیں گی اور احناف کے عمل بالحدیث کا اذعان تام ہو گا جو معاندین مجدد اعظم، محدث اکبر، سیدنا اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ السامی کو علم حدیث میں کم مایہ کہتے ہیں۔ ان پر یہ واضح ہو جائے گا کہ آپ اپنے دور میں سند احادیث تھے۔ علم حدیث میں دسترس تام، دستگاہ کامل اور ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ابو الحسن علی میاں ندوی کے مشربی تعصب کی بوقلمونی دیکھئے کہ انھوں نے آپ کو علم حدیث میں کم مایہ لکھا۔ اگر وہ حقائق کا مطالعہ کریں اور تعصب و نفسانیت اور عناد و ہٹ دھرمی سے الگ تھلگ ہو کر غور و فکر کریں۔ تو اپنے والد کی طرح اس اعتراف پر مجبور ہوں گے کہ "فاق اقرانہ" مجھے افسوس ہے کہ مجدد اعظم، محدث اکبر سیدنا امام احمد رضا قدس سرہٗ نے علم حدیث کا وہ گنج گراں مایہ و خزانۂ بیش بہا فراہم فرمایا ہے جس کا مخالفین و معاندین کے یہاں وجود نہیں پھر بھی وہ اس حقیقت کی پردہ دری کر رہے ہیں۔ جس طرح مولوی شبلی نعمانی نے سیرۃ النعمان میں سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر اس نوع کی دریدہ دہنی کی ہے، یہ مشربی تعصب کی وہ اعلیٰ مثال ہے جو معدوم النظیر ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

---

[1] بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۲ فصل فی صلوٰۃ الجنازۃ۔ ۱۲

ناظرین غور و فکر کریں کہ امام الائمہ، سراج الامۃ کاشف الغمۃ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کس درجہ عامل بالحدیث اور عالم بالحدیث ہیں۔ احادیث پر کتنی گہری نظر ہے۔ امام اعظم کی علم حدیث میں کس قدر جلالت شان ہے، اس کا اندازہ اس سے کر سکتے ہیں کہ "یحییٰ[1] بن معین استاذ امام بخاری سے کسی نے امام اعظم کے بارے میں پوچھا کہ ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، فرمایا کہ اس قدر کافی ہے کہ "شعبہ" نے انھیں حدیث روایت کرنے کی اجازت دی ہے، شعبہ آخر شعبہ ہی تھے" امام بخاری و مسلم وغیرہ محدثین کے استاذ حضرت یحییٰ بن معین نے فرمایا "امام حدیث ابو حنیفہ ثقہ تھے" [2] امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری کے استاذ الاستاذ حضرت عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا "ابو حنیفہ کی رائے مت کہو حدیث کی تفسیر کہو [3]" نیز فرمایا "احادیث ناسخ منسوخ کے بہت ماہر تھے معتبر اور دوسری قسم کی احادیث تلاش کر لیا کرتے تھے [4]" حفص بن غیاث نے کہا امام ابو حنیفہ جیسا ان احادیث کا عالم میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو احکام میں مفید اور صحیح ہوں [5]۔ "ابو علقمہ نے بیان کیا میں نے اپنے شیوخ سے سنی ہوئی بہت سی حدیثوں کو امام اعظم ابو حنیفہ پر پیش کیں تو انھوں نے ہر ایک کا ضروری حال بیان کیا اب مجھے افسوس ہے کہ کل حدیثیں ان کو کیوں نہیں سنا دیں۔[6]"

ان اجلہ محدثین کے ان ارشادات عالیہ سے معاندین کے تعصب و عناد کا پردہ خوب خوب چاک ہو جاتا ہے ان کی ریشہ دوانیوں کے تار و پود بکھرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور اس بات کا اذعان و ایقان ہوتا ہے کہ امام اعظم عالم بالحدیث اور عامل بالحدیث تھے۔ ان پر عمل بالقیاس اور ترک حدیث کا طعن تار تار نظر آتا ہے۔ یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ اجلۂ محدثین امام اعظم کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں مگر معاندین کا یہ حال ہے کہ افترا پردازی اور بہتان تراشی کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے ہیں۔ حضرت فقیہ عصر، شارح بخاری دام ظلہ الاقدس نے معاندین کا ایسا رد بلیغ فرمایا کہ انھیں مجال دم زدن نہیں۔ اور ان کے باطل الزامات کا ایسا مسکت و دندان شکن جواب رقم فرمایا ہے جو خرمن معاندین پر صاعقہ سے کم نہیں حقیقت یہ ہے کہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات ستودہ صفات کو مجروح کرنے کے لئے مخالفین و معاندین گوناگوں افتراءات کرتے ہیں۔ جب کہ آپ کا دامن فضل و کمال بے غبار ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "الناس عیال فی الفقہ علی ابی حنیفۃ من لم ینظر فی کتبہ لم یتبحر فی العلم ولا یتفقہ" سب لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے محتاج ہیں جس نے امام ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ نہ کیا اسے علم دین میں تبحر حاصل نہ ہوا، اور نہ وہ فقیہ ہوا یہ آپ کے فضل و کمال کی روشن دلیل ہے۔ اگر معاندین کے الزامات بجا ہوتے تو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے فضل و کمال پر یہ مہر نہ فرماتے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] نزہۃ القاری ج ۱ ص ۱۲۰ مقدمہ۔ ۱۲ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۵۰۔ ۱۲ [3] موفق کردری بحوالہ نزہۃ القاری ج ۱ ص ۱۲۶۔ ۱۲
[4] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۵۰ بحوالہ نزہۃ۔ القاری ج ۱ ص ۱۲۶۔ ۱۲۔ [5] تبییض الصحیفہ ۱۱۸ بحوالہ نزہۃ القاری ج ۱ ص ۱۲۷۔ ۱۲۔
[6] الخیرات الحسان بحوالہ نزہۃ القاری ج ۱ ص ۱۲۷۔ ۱۲

مولانا مفتی محمد معراج القادری مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

نزھۃ القاری اور رد خوارج و معتزلہ

مجھے ''نزھۃ القاری'' اور ''رد خوارج و معتزلہ'' کے عنوان پر کچھ لکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور خوارج و معتزلہ عقائد کے پیرو کار بنام معتزلی اور خارجی یہاں تقریباً ناپید ہیں اگر چہ ان کے بعض عقائد کی اتباع دوسرے فرقوں میں دانستہ یا غیر دانستہ طور پر پائی جاتی ہے اس لئے موضوع سے قبل تمہید اًان کے مختصر حالات، ان کی پیدائش کا وقت، اور ان کے بعض عقائد کو ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

یہ خوارج و معتزلہ انھیں بہتر فرقوں میں سے دو فرقہ ہے جس کے جہنمی ہونے کی پیش گوئی سرور کائنات ﷺ نے کی تھی اور یہ آقاے کائنات ﷺ کا معجزہ کہیے کہ جیسا کہ ارشاد فرمایا تھا ویسا ہی صادق ہوا اور امت محمد یہ بٹ کر تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئی۔ امت محمد یہ جو تہتر فرقوں میں منقسم ہوئی وہ تحصیل علم کے اعتبار سے چار اقسام پر مشتمل ہے۔ یعنی تحصیل علم کے اعتبار سے اہل علم کی چار قسمیں ہیں: (۱) صوفیہ (۲) اشراقین (۳) مشائین (۴) متکلمین

صوفیہ ______ یہ نبی اکرم ﷺ کی متابعت و پیروی سے علم انکشافی حاصل کرتے ہیں۔
اشراقین ______ یہ بغیر متابعت نبی کے علم اشراقی کی تحصیل کرتے ہیں۔
مشائین ______ یہ ذہن و عقل سے استدلال اور علم کی تحصیل کرتے ہیں۔
متکلمین ______ یہ کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع سے استدلال کرتے ہیں۔

یہی تہتر فرقوں میں منقسم و منتشر ہیں، جن کا تذکرہ حدیث پاک میں موجود ہے۔

ابوداؤد و ترمذی اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کی

افترقت الیھود علی احدیٰ و سبعین او اثنتین و سبعین فرقۃ و افترقت النصاریٰ علی احدی و سبعین او اثنتین و سبعین فرقۃ و تفترق امتی علیٰ ثلث و سبعین فرقۃ.

یہود اکہتر یا بہتر اور نصاریٰ اکہتر یا بہتر فرقے ہو گئے اور میری امت تہتر فرقے ہو گی۔

عبد اللہ بن عمرو بن عاص کی روایت میں یہ بھی ہے:

وتفترق امتی علی ثلث و سبعین ملة کلھم میری امت تہتر فرقے ہوجائے گی سب جہنم میں جائیں فی النار الاملة واحدة قالوا من ھی گے مگر ایک مذہب والے۔ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ یارسول اللہ قال ما انا علیه و اصحابی. کے رسول وہ کون ہیں؟ فرمایا: یہ وہ طریقہ والے ہیں جس رواہ الترمذی. پر میں اور میرے اصحاب ہیں (اس پر عمل کرنے والے)۔

ابوداؤد کی روایت میں یہ بھی ہے:

ثنتان و سبعون فی النار و واحدة فی الجنة وھی بہتر جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں اور وہ جماعت ہے یعنی الجماعة. جماعت اہل سنت

(اسی حدیث سے لفظ جماعت کا اطلاق اہل سنت کے لئے مستعمل ہے۔

افتراق امت کی حدیث مذکور میں امت سے امت اجابت مراد ہے یعنی وہ لوگ جو آقائے دوعالم ﷺ پر ایمان لائے وہ تہتر فرقوں میں تقسیم ہوجائیں گے کیونکہ یہ حدیث خاص طور سے سرور کائنات ﷺ کی اپنی امت کی تفریق کے بیان میں وارد ہے اسی وجہ سے اس میں لفظ امتی ہے اگر امت دعوت ہی ہوں تو تہتر فرقے کیونکر ہوں گے۔ تہتر سے بھی بہت زیادہ ہوجائیں گے کہ کفار بھی امت دعوت میں ہیں۔

علامہ جلال الدین دوانی شرح عقائد عضدیہ میں فرماتے ہیں:

و ستفترق امتی ای امة الاجابة للدعوة وھم الذین آمنوا به علیه الصلوٰة والسلام و ھوالظاھر بان اکثر ماورد فی الحدیث علی ھذا الاسلوب ای بلفظ امتی ارید به اھل القبلة فکذا ھھنا. (مذاھب الاسلام)

اسی امت اجابت میں تہتر فرقے ہوں گے جن میں بہتر فرقے جہنمی ہوں گے اور ایک فرقہ ناجیہ جنتی ہوگا جو بحکم حدیث پاک "ماانا علیه و اصحابی" کا مصداق اور اس طریقے پر عمل پیرا ہوگا جس کے سارے عقائد واعمال سنت طاہرہ اور سیرت صحابہ کے مطابق ہوں گے اور خلاف شرع کسی طرح کی بدعت وہوا میں مبتلا نہ ہوگا اس کی تصدیق و تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔ ایک اعرابی نے شرائع اسلام اور احکام شریعت کو دریافت کر کے عرض کیا "والذی نفسی بیدی لا ازید علی ھذا شیئاً ولا انقص منه" قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے آپ نے جو فرمادیا ہے اس پر نہ کچھ زیادہ کروں گا اور نہ اس سے کچھ کم کروں گا اس پر سرور کائنات ﷺ نے اس کو جنتی فرمایا۔

حدیث پاک کی روشنی میں فرقہ ناجیہ یہ وہی جماعت اہل سنت ہے جس کا اطلاق باعتبار فروع

حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی وغیرہ پر ہوتا ہے اور باعتبار اصول اشعری، ماتریدی اور حنبلی تین جماعتیں ہیں۔ (مذاہب الاسلام)

سرورکائنات ﷺ کے عہد پاک میں جب بھی کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ حضور اکرم ﷺ سے دریافت کرلیتا اور آپ کے وصال فرمانے کے بعد آپ کے صحابہ کرام سے معلوم کرلیتا لیکن خیر القرون گذرنے کے بعد بہت سے مسائل اعتقادیہ میں اختلاف پیدا ہوگئے۔ معبد جہنی، غیلان دمشقی اور یونس اسواری نے قدر کا مسئلہ نکالا اور بندوں کے تمام افعال تقدیر الٰہی کی طرف منسوب کرنے سے انکار کیا اور پھر رفتہ رفتہ اصول عقائد میں اختلاف پیدا ہوتا گیا، اور خلفاے عباسیہ کے زمانہ سے فلاسفہ اور حکماے یونان کے اقوال بھی دین اسلام کی باتوں میں مل گئے۔ (ملخصا مذاہب اسلام)۔

یہ آقاے دوعالم ﷺ کا معجزہ کہیے کہ آپ نے جیسا فرمایا تھا کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی وہ حتما یقینا صحیح ثابت ہوا۔

ابن حزم نے ملل ونحل میں فرمایا کہ اہل اسلام کے پانچ فرقے ہیں ایک اہل سنت دوسرے معتزلہ۔ انھیں میں قدریہ داخل ہیں تیسرے مرجیہ۔ انھیں میں جہمیہ کرامیہ کا شمار ہے۔ چوتھے شیعہ۔ پانچویں خوارج۔ انھیں میں ازارقہ واباضیہ ہیں پھر ہر ایک فرقہ ان میں سے متعدد فریق ہو گئے۔ اہل سنت کا فتووں میں بڑا اختلاف ہوا فتاویٰ میں چار مذاہب ہوگئے۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔ اعتقاد میں تین گروہ ہوگئے۔ اشعری، ماتری، حنبلی۔ (مذاہب اسلام)

عصر صحابہ تک ارباب علم صحابہ کرام کے آثار کریمہ پر عمل پیرا رہے جب حسن بصری کو یہ اطلاع ملی کہ اہل اسلام میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوا ہے جو مرتکب کبیرہ کو نہ بالکل مومن مانتا ہے نہ ہی بالکل کافر؛ بلکہ اس کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ ایمان وکفر کے درمیان ایک منزل میں ہے تو آپ نے فرمایا "ہولاء اعتزلوا" کہ یہ لوگ اجماع امت سے کنارہ کش ہوگئے ہیں اور پھر وہ فرقہ معتزلہ کہلانے لگا کیونکہ علماے سلف کا اس پر اتفاق تھا کہ مکلف یا مومن ہے یا کافر اس لئے واسطہ کا قول کرنا سراسر اجماع کے خلاف ہے بعض نے وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ حسن بصری کے شاگرد واصل نے ایک خاص مسئلہ میں علانیہ استاد کی مخالفت کی تو حسن بصری نے اس سے فرمایا "اعتزل عنا" تو واصل نے ان سے علیحدگی اختیار کرلی اور اپنے لئے ایک مجلس قائم کی پھر اس کے متبعین کا ایک جتھا ہوگیا وہ معتزلہ کہلائے جانے لگے اور چونکہ یہ پروردگار عالم کی صفات کریمہ کا انکار کرتے تھے اس لئے اسلاف ان کو معطلہ کہنے لگے اور معتزلہ نے اسلاف کا لقب صفاتیہ

رکھ دیا کیونکہ علمائے اسلاف اللہ عزوجل کے لئے صفات ازلی ثابت کرتے تھے جیسے علم ارادہ، قدرت، حیات، سمع، بصر، کلام وغیرہ۔ اس گروہ کا پیشوا اور رئیس واصل ہے اس نے احادیث واخبار حسن بصری سے سیکھا تھا اور قواعد اعتزال کو عبد اللہ بن محمد حنفیہ سے حاصل کیا تھا۔ (بحوالہ مذاہب الاسلام)

معتزلہ کے بعض عقائد

مذاہب الاسلام (ص ۱۰۲) پر ہے کہ قدمائے معتزلہ کے نزدیک تمام صحابہ میں افضل حضرت ابو بکر صدیق پھر حضرت عمر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ لیکن متاخرین معتزلہ حضرت علی کی افضلیت کے قائل ہیں۔ عموماً معتزلہ اپنا لقب اصحاب عدل وتوحید رکھتے ہیں۔ یہ اپنے عدل کے تعلق سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر مطیع کو ثواب اور عاصی کو عذاب پہنچانا واجب ہے اور توحید میں یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بیشک عالم بھی ہے قادر بھی ہے بصیر بھی ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر صفت علم اور قدرت اور بصارت وغیرہ اس کو حاصل نہیں ہے یعنی یہ صفات الوہیت کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صفات الٰہی ذات الٰہی سے جدا نہیں ہے بلکہ تمام ایک ذات ہے اور ایک ہی مفہوم۔ کیونکہ اگر صفات باری کو اس کی ذات کا عین نہ مانا جائے گا تو بہت سے قدماو معبود ثابت ہو جائیں گے اور یہ کفر ہے۔

معتزلہ جو ابو الحسین سے پیشتر گذرے ہیں وہ اہل سنت کی تکفیر اس وجہ سے کرتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے لئے صفات ثابت کرتے ہیں۔ اکثر معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کا کلام مرکب ہے حروف اور آواز سے اس کی ذات کے ساتھ قائم ہونا تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو اسے کبھی لوح محفوظ میں پیدا کر دیتا ہے اور کبھی جبریل میں۔ ان کے یہاں کلام نفسی اور لفظی کی بھی تفریق نہیں۔ اسی لئے قرآن کو مخلوق کہتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید خدا کا ایک جدید کلام ہے جو رسول اللہ کی نبوت کے ساتھ وجود میں آیا یہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں پر کفر کا الزام کیوں نہیں قائم کرتے جو قرآن کو غیر مخلوق قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ دو ابدی اور قدیم وجود کے قائل ہیں۔

ان کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے صفات وافعال توقیفی ہیں یعنی اس ذات پاک پر کسی نام کا اطلاق حقیقتاً اور مجازاً بغیر اذن شارع کے درست نہیں۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ رضامندی اور ناراضی اللہ تعالیٰ کی صفات نہیں ہو سکتیں کیونکہ اللہ پر احوال متغیر نہیں ہوتے۔ پس جہاں اس نے اپنی رضا اور غصے کا ذکر کیا ہے وہاں مراد ان سے جنت اور دوزخ ہے یہ بھی اللہ کے کلام میں کذب کو محال

جانتے ہیں۔ یہ اس چیز کو اللہ پر واجب مانتے ہیں جو تمام عالم کے واسطے اصلح ہو۔ دیدار الٰہی کا انکار کرتے ہیں۔ اشیا میں حسن و قبح ان کے نزدیک عقلی ہے اور جو چیز عقل سے مدرک نہ ہو اسے تسلیم نہیں کرتے مثلاً رویت الٰہی، عذاب قبر، میزان، صراط وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال اختیار یہ کا خالق ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ تکلیف عدم کے ساتھ بھی متعلق ہوتی ہے۔ مقتول کی موت قاتل کے قتل سے پیدا ہوتی ہے اسی طرح مسموم کی موت زہر دینے والے کے فعل سے۔ پس یہ موت بندے کے افعال میں سے ہے خدا کا فعل نہیں۔ لہٰذا اگر قاتل قتل نہ کرتا یا زہر دینے والا زہر نہ دیتا تو جو وقت اس کی موت کا خدا تعالیٰ نے مقدر کیا تھا اس وقت تک جیتا وغیرہ وغیرہ بہت سے ایسے عقائد ہیں جو اہل سنت و جماعت کے خلاف ہیں (تفصیل کے لئے مذاہب الاسلام کا مطالعہ دلچسپ ہوگا)۔

خوارج

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب سے پہلے خروج کر کے جدا ہونے اور تبرا کرنے والا یہی فرقہ خوارج ہے۔ مذاہب الاسلام میں ہے کہ ۳۷ھ ہجری میں جب بمقام صفین حضرت معاویہ اور علی کے لشکروں میں ماہ صفر سے جنگ شروع ہوئی اور حضرت معاویہ نے کلام مجید نیزوں پر رکھ کر باواز بلند اعلان کرایا تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہمارے اور تمہارے درمیان ہے اس وقت مسعر بن تمیم فدکی تمیمی اور زید بن حسین طائی بیس ہزار شمشیر زنوں کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے ساتھ میں قاریان قرآن کی ایک جماعت بھی تھی (جو بعد میں خوارج کہلائے) اور عرض کیا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم لوگوں نے حضرت عثمان کو اس لئے قتل کیا تھا کہ وہ کلام اللہ کے مطابق کام نہیں کرتے تھے۔ جب اہل شام آپ سے یہ درخواست کر رہے ہیں کہ کلام اللہ کے مطابق تصفیہ کرلیا جائے تو آپ کو ان کی رائے پر ضرور عمل کرنا چاہئے ورنہ ہم آپ کو عثمان کی طرح قتل کردیں گے یا آپ کو مخالفین کے سپرد کردیں گے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ تم حق و صداقت کے ساتھ دشمنوں، مخالفوں سے جنگ جاری رکھو یہ سب ان لوگوں نے تمہیں فریب دینے کے لئے کیا ہے میں ان سے اس بات کا زیادہ مستحق ہوں کہ کتاب اللہ کے مطابق احکام جاری کروں۔

معاویہ اور عمرو بن عاص، ابن ابی معیط، حبیب بن مسلم، ابن ابی سرج اور ضحک بن قیس یہ ایسے دیندار اور قرآن کے فرمانبردار نہیں۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ یہ شعبدہ انھوں نے کیوں کھڑا کیا ہے۔

ان لوگوں نے حضرت علی کے ارشاد کو قبول نہ کیا۔ اشعث بن قیس نے حضرت علی سے کہا کہ آپ کا سارا لشکر قرآن پاک پر رغبت رکھتا ہے اور حضرت معاویہ نے جو تجویز پیش کی ہے اس پر راضی ہے۔ آپ مجھے حکم دیں کہ میں حضرت معاویہ کے پاس جاکر ان کے دلوں کے حالات معلوم کروں۔

حضرت علی نے فرمایا جیسی تمہاری خوشی۔ وہ حضرت معاویہ کے پاس گیا اور پوچھا کہ نیزوں پر آپ نے قرآن کس لئے اٹھایا حضرت معاویہ نے فرمایا کہ میری خواہش یہ ہے کہ حضرت علی اور میری طرف سے ایک ایک حکم مقرر ہو اور وہ حکم کتاب اللہ کی رو سے جو فیصلہ کردیں فریقین اس پر عمل کریں۔ شامیوں نے اپنی طرف سے عمرو بن عاص کو حکم مقرر کیا اور حضرت علی ابو موسیٰ اشعری سے راضی نہ تھے اور اپنی طرف سے حضرت عبداللہ بن عباس کو ثالث مقرر کرنا چاہتے تھے۔ مگر شامیوں نے قبول نہ کیا اور ان کے اصرار پر مجبوراً ابو موسیٰ اشعری کو حکم مقرر کرنے کی اجازت دیدی۔

جانبین سے اقرار نامہ ۱۳ / صفر ۳۷ھ کو تحریر ہوا پھر اشعث نے بغرض اطلاع وہ صلح نامہ شامیوں کے لشکر میں لے جاکر سنایا ان لوگوں نے بخوشی قبول کرلیا اور پھر جب لشکر عراق میں سنایا گیا جہاں لشکر علی میں بنی غزہ کے تقریباً چار ہزار آدمی کھڑے تھے اور ان میں دو بھائی سعدان اور جعدان بھی تھے یہ دونوں صلح نامہ کا مضمون سن کر غصب ناک ہوگئے اور کہنے لگے "لا حکم الا اللہ" کہ حکم و حکومت خاص اللہ کے لئے ہے۔ یہ کہہ کر تلواریں میان سے نکال کر لشکر شام میں گھس گئے اور بالآخر کشت و خون کے بعد قتل کیے گئے۔ پھر اسی طرح قبیلہ مراد، قبیلہ بنی راہب، قبیلہ بنی ربیعہ، قبیلہ بنی تمیم وغیرہ میں جب صلح نامہ کے مضامین پڑھ کر سنائے گئے تو ناراضگی و ناپسندیدگی بیزاری کے حالات پیدا ہوگئے قتل و خوں ریزی کی فضا قائم ہوگئی اور "لا حکم الا اللہ" کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

اور پھر بالآخر اشعث حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ صلح نامہ سارے لشکر عراق نے تسلیم کیا مگر بنی راہب وغیرہ کے کچھ آدمی اور قبیلے کے لوگ اس کو ناپسند کر کے کہنے لگے "لا حکم الا اللہ" اور اب ہم شام اور عراق دونوں آدمیوں سے بیزار اور سب سے جنگ کریں گے۔

حضرت علی نے ارشاد فرمایا انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو یہ باتیں ابھی ہو رہی تھیں کہ چاروں طرف سے لوگ اکٹھا ہوگئے اور حضرت علی کی باتیں نہ مانیں بلکہ حضرت علی سے چیخ چیخ

کر کہنے لگے "لا حکم الا اللہ یا علی" یہی وہ لوگ ہیں جو خوارج کہلائے۔

وہ حضرت علی سے معاہدہ توڑ دینے پر مصر تھے مگر حضرت علی نے ان کو سمجھایا کہ جب ہم نے معاہدہ اپنی مرضی سے کیا اور عہد نامہ لکھا گیا تو اب ہم نقض عہد نہیں کر سکتے۔ جب حضرت علی نے خوارج کی بات کی وقعت و اہمیت نہ دی تو وہ حضرت علی سے منحرف ہو گئے اور ان کے ہمراہ کوفہ نہ گئے۔ موضع حرورا جو کوفہ سے دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے وہیں جا کر ٹھہر گئے اسی لئے ان کو حروریہ بھی کہتے ہیں یہ چھ ہزار آدمی تھے ان لوگوں نے اپنا شعار و ندا "لا حکم الا اللہ" مقرر کر کے اپنا امیر القتال شبث بن ربعی کو اور امیر الصلوٰۃ عبد اللہ بن الکوا یشکری کو بنایا اور حضرت علی کا نام مخطی رکھ دیا۔

پھر یہ حرورا سے نہروان گئے وہاں قتل کئے گئے ایک گروہ بھاگ کر انبار پہنچا وہاں مارا گیا ایک چھوٹا گروہ ہلال بن علیہ کے ساتھ میدان جنگ سے جان بچا کر بھاگ گیا تو اس کا بھی تعاقب کر کے قتل کر دیا گیا۔ غرضیکہ یہ جہاں جہاں گئے وہیں سر پکڑ کر رگڑ دیئے گئے۔

مروج الذہب کے مطابق صرف دس افراد زندہ بچے اور تاریخ اعثم کوفی کے مطابق خوارج کے چار ہزار آدمیوں میں سے نو زندہ بچے تھے باقی سب قتل کر دیئے گئے سارے خوارج انھیں ۹ آدمیوں کی نسل سے ہیں۔

خوارج کے بعض عقائد

ان کے بعض عقائد یہ ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کی تکفیر کی جائے گی۔ امام پر خروج و قتال جائز سمجھتے ہیں۔ شیخین کی محبت اور حضرت علی کی بغض و عداوت میں غالی ہیں حتی کہ بعض خوارج نے حضرت علی کے قاتل ابن ملجم کی مدح میں قصائد لکھے ہیں۔ ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ خوارج ان صحابہ کرام کی بھی تکفیر کرتے ہیں جنھوں نے باہم لڑائیاں کیں جیسے حضرت طلحہ، زبیر، عثمان علی، معاویہ، عمرو بن عاص۔

ان کا یہ عقیدہ ہے کہ چار حالتوں میں اہل قبلہ کا خون مباح ہے جب گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو، کسی بدعت کا موجد ہو، سلطان سے بغاوت کرے، فرائض کو ترک کرے اور ترک کو حلال جانے، معتزلہ بھی اس کے قائل ہیں۔ اس کے برخلاف اہل سنت کے نزدیک صرف تین حالتوں میں اہل قبلہ کا خون مباح ہے۔ اسلام کے بعد کفر اختیار کرے، محصن زنا کرے، کسی کو بغیر حق کے مار ڈالے اور باغی

کا قتل اس وقت تک جائز ہے جب تک وہ مقابلہ کرتا رہے اور جب جنگ ختم کردے تو قتل جائز نہیں۔

اکثر خوارج کا یہ بھی قول ہے کہ امام کا مقرر کرنا کسی حال میں واجب نہیں نہ اللہ پر نہ بندوں پر نہ شرعی طور پر نہ عقلی طور پر۔ خواہ امن کا زمانہ ہو یا فتنہ وفساد کا ہاں اگر مقرر کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں اور اگر نہ مقرر کریں تو بھی جائز ہے۔

خوارج قیاس کے منکر ہیں یہ کہتے ہیں کہ ایک نظیر کو دوسری نظیر پر عقلاً حمل کرنے کی اجازت نہیں نہ احکام شرعیہ میں نہ غیر احکام شرعیہ میں۔ (مذاہب الاسلام ص ۷۰ ۴)

ان کے بعض عقائد کا تذکرہ حدیث پاک میں بھی موجود ہے بخاری شریف میں حضرت مُعاذہ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ سے پوچھا:

اتجزی إحدانا صلاتها اذا طهرت فقالت احرورية انت قد كنا نحيض مع النبی ﷺ فلا يامرنا به او قالت فلانفعله.

کیا جب ہم حیض سے پاک ہوں تو نماز کی قضا کریں فرمایا کیا تو حروریہ ہے؟ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حیض آتا تو حضور ہمیں اس (قضا پڑھنے) کا حکم نہیں دیتے یا یہ فرمایا ہم یہ (قضا) نہیں کرتی تھیں۔

خوارج کو حروریہ بھی کہا جاتا ہے یہ حرورا کوفے کے قریب ایک بستی ہے۔ خوارج کا پہلا اجتماع یہیں ہوا تھا اسی بستی کی طرف نسبت کرتے ہوئے خارجیوں کو حروری کہا جاتا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حالت حیض میں جتنی نمازیں چھوٹ جاتی ہیں عورتوں پر اس کی بھی قضا واجب ہے۔ اسی لئے اس عورت کے جواب میں حضرت عائشہ نے فرمایا کہ کیا تو حروریہ یعنی خارجیہ ہے جو حیض کے دنوں کی قضا کرنا چاہتی ہے۔

خوارج کے اس عقیدے کے بطلان پر اصل دلیل حدیث پاک ہے جیسا کہ خود رد فرماتے ہوئے شارح بخاری دام ظلہ العالی نے فرمایا:

"اس پر امت کا اجماع ہے کہ حائضہ پر حیض کے ایام کی نمازوں کی قضا نہیں سوا خوارج کے اس کا کسی نے خلاف نہیں کیا البتہ ان ایام کے روزوں کی قضا ہے اصل دلیل احادیث ہیں"۔ (نزہۃ القاری ج ۲ ص ۴۴۸)

عورتوں پر ایام حیض کی نمازوں کی قضا کیوں نہیں؟ اس کے ثبوت کے لئے یہی کافی ووافی ہے کہ شارع علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ایسا ہی حکم فرمایا ہے اس کے اثبات میں مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ لیکن شریعت نے ہمیں جس بات کا حکم دیا ہے وہ بلاشبہ انسانی فطرت اور تقاضے کے عین مطابق ہے اور عقل وخرد کے قریب تر ہے۔ اسی چیز کو ظاہر کرنے کے لئے شارح بخاری دام ظلہ العالی نے

جب قلم اٹھایا تواپنے سہل اور خوبصورت انداز میں اس کی لم بیان فرمائی کہ بالکل ذہن سے قریب ہوتی چلی گئی وہ لم اگر چہ فقہا کے اصول وکلیات سے مستفاد اور منقول ہے۔ تاہم اس کا سہل الحصول انداز، اختصار اور جامعیت قابل ستائش ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''مگر اس میں لم یہ ہے کہ نماز روزانہ پانچ وقت کی فرض ہے ان ایام کے نمازوں کی قضا کے حکم میں عورت پر حرج عظیم ہے بخلاف روزے کے کہ وہ سال میں ایک مہینے کا فرض ہے پورے سال میں زیادہ سے زیادہ دس روزے رکھنے پڑیں گے اس میں کوئی دقت نہیں''۔ (ج ۲ ص ۲۴۸)

شارح بخاری مدظلہ العالی کا تنقید وتردید، رد وابطال میں باوزن اور محکم انداز ہوتا ہے اپنے قول اور اپنے مذہب ومسلک کو غیر معمولی شواہد وتائیدات سے مبرہن فرماتے ہیں استشہاد میں صرف مستند اور مسلم الثبوت ارباب علم کے اقوال پیش فرماتے ہیں بلکہ مخالف کے دلائل کا بھی احاطہ فرماکر ترکی بہ ترکی معقول جواب دیتے ہیں اور توجیہ فرماتے ہیں جو تردید وتنقید کا اکمل واحسن طریقہ ہے۔

مثلاً روافض وخوارج کا یہ عقیدہ ہے کہ مسح علی الخفین جائز نہیں مگر اہل سنت وجماعت اس کے جواز پر متفق ہیں۔ موزوں پر جواز مسح کے تعلق سے بخاری شریف میں حضرت سعد بن وقاص سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

انہ مسح علی الخفین کہ حضور ﷺ نے موزوں پر مسح فرمایا۔ آپ نے اولاً اس حدیث کی تشریح فرمائی۔ پھر روافض وخوارج کا اتنے محتاط، سنجیدہ اور محققانہ انداز میں رد فرمایا ہے کہ ہر سنجیدہ فکر ومزاج رکھنے والا شخص جب ان تفصیلی براہین ومستدلات کا مطالعہ کرے گا تو یقیناً اس کا ضمیر پکارے گا کہ شارح بخاری دامت برکاتہم العالیہ نے ایضاح حق واظہار غلط میں شرح بخاری کا حق ادا فرمادیا ہے۔

آپ نے اولاً حدیث کے تعلق سے یہ کلام فرمایا کہ یہ حدیث تعلیق ہے یا مسند اس پر آپ نے مدلل گفتگو فرمائی پھر فرمایا کہ اہل سنت وجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ موزوں پر مسح جائز ہے صرف روافض اور خوارج اس کے منکر ہیں اور جب اپنے دعویٰ کو دلائل سے مزین فرمانا شروع کیا تو شواہد کا انبار لگادیا۔ میں اپنے اس دعوے کی شہادت میں بھی انھیں شواہد کو من وعن پیش کئے دیتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:

''بدائع میں ہے کہ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے ستر اصحاب بدر سے ملاقات کی یہ سب کے سب موزوں پر مسح (جائز) جانتے تھے اسی وجہ سے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ موزوں پر مسح اہل سنت کی علامت جانتے تھے

کسی نے دریافت کیا اہل سنت کی علامت کیا ہے؟ فرمایا:

"تفضيل الشيخين وحب الختنين والمسح على الخفين" شیخین یعنی حضرت ابو بکر و حضرت عمر کو سارے صحابہ سے افضل جاننا اور دونوں داماد حضرت عثمان و حضرت علی سے محبت کرنا اور موزوں پر مسح کرنا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے موزوں پر مسح کا قول اس وقت تک نہیں کیا جب تک کہ دن کی روشنی کی طرح یقین نہیں ہو گیا۔ مسح علی الخفین کا انکار کبار صحابہ کا رد اور انھیں خطاکار ٹھہرانا ہے اس لئے موزوں پر مسح کا انکار بدعت ہے امام کرخی نے فرمایا جو موزوں پر مسح جائز نہ مانے اس پر میں کفر کا اندیشہ کرتا ہوں۔ امت میں کسی فرد کا اختلاف نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح فرمایا۔ علامہ ابو عمر بن عبد اللہ نے کہا کہ تمام اہل بدر و حدیبیہ اور جملہ مہاجرین اور انصار اور کل صحابہ اور تابعین و فقہائے مسلمین نے موزوں پر مسح فرمایا اس لئے موزوں پر مسح کی حدیث باعتبار معنی متواتر ورنہ کم از کم مشہور ضرور ہے اس سے کتاب اللہ پر زیادتی بالاتفاق درست ہے۔

ابن المنذر نے حضرت عبد اللہ بن مبارک سے نقل کیا مسح علی الخفین کے سلسلے میں صحابہ کے مابین کوئی اختلاف نہیں جن بعض حضرات سے انکار مروی ہے تو ان سے اثبات بھی مروی ہے علامہ ابن حجر اور ابو القاسم بن مندہ نے کہا اسی صحابہ سے مسح علی الخفین مروی ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ مسح علی الخفین کے اثبات میں چالیس حدیثیں مروی ہیں۔ صرف حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس، حضرت علی، حضرت صدیقہ سے انکار کی روایت آئی ہے۔ مگر یہ ناقابل اعتبار ہے۔ علامہ ابن عبد البر نے فرمایا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی جاتی ہے وہ ثابت نہیں۔ امام احمد نے فرمایا وہ باطل ہے بلکہ ان سے ابن ماجہ میں یہ حدیث مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا موزوں کی طہارت کیا ہے۔ فرمایا مسافر کے لئے تین دن اور تین راتیں اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات۔

دار قطنی نے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ وہ

مسح علی الخفین کو جائز جانتی تھیں۔ ابن ابی شیبہ نے جو حضرت علی سے نقل کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ مسح علی الخفین سورہ مائدہ کے پہلے تھا یہ روایت منقطع ہے مسلم اور نسائی میں حضرت ام المومنین وحضرت علی رضی اللہ عنہما کا قول یہ مذکور ہے:

''شریح بن ہانی ام المومنین حضرت صدیقہ سے مسح علی الخفین کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا علی بن ابی طالب کے پاس جاؤ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔ شریح نے کہا ہم نے حضرت علی سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مسافر کے لئے تین دن اور تین رات اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات مدت مسح مقرر فرمائی''۔

اس حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت ام المومنین اور حضرت علی بھی مسح علی الخفین کو جائز جانتے تھے اور یہ واقعہ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد کا ہے اور صریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح کی مسافر اور مقیم کے لئے یہ یہ مدت مقرر فرمائی اس لئے اس سے رجوع کا کوئی احتمال نہیں۔

اس سلسلے میں حضرت ام المومنین اور حضرت علی کی طرف بہت سے من گھڑت قصے منسوب کئے گئے ہیں وہ سب جعلی ہیں مثلاً ام المومنین کی طرف یہ منسوب ہے کہ انھوں نے فرمایا میرا پاؤں کاٹ ڈالا جائے یہ مجھے پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ موزوں پر مسح کروں۔

حضرت علی رضی اللہ کے سلسلے میں ایک طول طویل قصہ مشہور ہے کہ ان میں اور حضرت عمر میں بہت لمبی چوڑی گفتگو ہوئی جس میں حضرت علی نے بائیس صحابہ سے شہادت دلائی کہ موزوں پر مسح سورۂ مائدہ کے نزول سے پہلے تھا یہ قصہ حدیث کی کتابوں میں کہیں نہیں۔ اس کے جھوٹ پر دو قرینہ ہے ایک تو مسلم اور نسائی کی حدیث مذکور۔ دوسرے یہ کہ اس پر اتفاق ہے کہ سورۂ مائدہ غزوۂ مریسیع کے موقع پر نازل ہوئی تھی جو ۵ھ یا ۶ھ میں ہوا ہے۔ اس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر اور غزوۂ تبوک میں خود حضور اقدس ﷺ سے موزوں پر مسح ثابت ہے۔ بلکہ حضرت جریر کی حدیث سے ثابت کہ جس سن میں وصال ہوا ہے اس سال بھی مسح فرمایا اس لئے کوئی صحابی یہ گواہی کیسے دے سکتا ہے موزوں پر مسح سورۂ مائدہ کے نزول سے

پہلے کا تھا پھر منسوخ ہو گیا۔

حضرت ابن عباس کا بھی یہی حال ہے کہ ابتدا میں جب تک اس کا انھیں ثبوت نہ ملا کہ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد بھی نبی ﷺ نے موزوں پر مسح فرمایا انکار کرتے رہے۔ مگر جب اس کا ثبوت انھیں مل گیا تو انھوں نے بھی موزوں پر مسح کے جواز کا قول کیا۔ ان کے تلمیذ جلیل امام عطا نے فرمایا عکرمہ نے جھوٹ کہا ابن عباس اس سلسلے میں لوگوں کی مخالفت کرتے رہے مگر اخیر عمر میں سب کے ساتھ اتفاق کر لیا۔

ائمۂ مجتہدین میں سے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ موزوں پر مسح کے قائل نہ تھے ایسی روایتیں ان سے آئی ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ انھوں نے اخیر عمر میں یہی فرمایا کہ جو مسح علی الخفین کو جائز نہ جانے وہ گمراہ ہے البتہ جو جانے اور مسح نہ کرے عزیمت پر عمل کرے وہ ماجور ہے۔

حضرات مالکیہ کے دو گروہ ہیں ایک وہ جو مطلقاً مسح کو جائز کہتے ہیں مقیم اور مسافر دونوں کے لئے۔ دوسرے وہ جو صرف مسافر کو جائز کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ شبہ ہے کہ موزوں کا مسح آیت وضو سے منسوخ ہے مگر یہ شبہ ساقط ہے اس لئے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث غزوۂ تبوک سے متعلق ہے اور غزوۂ تبوک سب سے اخیر غزوہ ہے جو سورۂ مائدہ کے نزول کے بہت بعد ہوا ہے۔ اس لئے کہ سورۂ مائدہ غزوۂ مریسیع میں نازل ہوئی جو ۵ھ یا ۶ھ میں ہوا تھا۔ اسی طرح حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ موزوں پر مسح منسوخ نہیں اس لئے کہ یہ وصال مبارک سے چند ماہ پہلے ایمان لائے اور ان کی حدیث یہ ہے:

"حضرت جریر نے پیشاب کر کے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا ان سے کہا گیا آپ ایسا کرتے ہیں فرمایا ہاں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ پیشاب فرمایا پھر وضو کیا اور موزوں پر مسح فرمایا۔ حضرت جریر سے پوچھا گیا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے سورۂ مائدہ کے نزول سے پہلے دیکھا کہ بعد میں تو فرمایا کہ میں مائدہ کے نزول کے بعد ایمان لایا ہوں"۔ (ج ۲ ص ۸۳ / ۸۴ / ۸۵)

مسح علی الخفین کے جواز اور رد روافض و خوارج پر تفصیلی دلائل پیش کرنے کے بعد مسح علی

ع- دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں۔(۱)

نزہۃ القاری شرح بخاری میں یوں تو بہت سارے مذاہب باطلہ کی قلعی کھولی گئی ہے، اور ان کا صحیح خدو خال اصلی چونکا دینے والا روپ لوگوں کے سامنے کر دیا گیا ہے خصوصیت سے ہندستان کے مشہور بدنام زمانہ باطل فرقے مثلاً دیابنہ وہابیہ اور رافضیہ کے مکروہ چہروں سے نقاب جگہ جگہ اٹھا کر ان کے باطل عقائد اور فاسد نظریات کی تردید کی گئی ہے۔ مجھے اپنے اس مقالے میں صرف عقائد رافضیہ کے تردید کے حوالے سے نزہۃ القاری کی خدمات و خصوصیات تحریر کرنا ہے۔

موجودہ قرآن مکمل ہے یا ناقص

رافضیوں کا ایک بنیادی عقیدہ ہے کہ قرآن مجید جو ہمارے درمیان ہے وہ مکمل نہیں اور صحیح بھی نہیں، بلکہ اسمیں حذف و اضافہ تقدیم و تاخیر کے ذریعہ تحریف ہو چکی ہے، اس لئے یہ قابل عمل نہیں۔ اصلی اور مکمل صحیح قرآن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا جسے امام غائب ''سر من رائے'' کے غار میں لیکر غائب ہو گئے۔

حضور شارح بخاری درج ذیل حدیث کو اس باطل عقیدے کا مکمل رد مانتے ہیں:

عن ابی جحیفة قال قلت لعلی هل عندكم كتاب قال لا الا كتاب الله او فهم اعطيه رجل مسلم او ما فی هذه الصحيفة قال قلت وما فی هذه الصحيفة قال العقل وفكاك الاسير ولا يقتل مسلم بكافر(۲)

ابو جحیفہ نے کہا میں نے حضرت علی سے پوچھا کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے فرمایا نہیں، صرف کتاب اللہ یا دانائی جو مسلمان کو عطا کی گئی، یا جو اس صحیفے میں ہے میں نے پوچھا اسمیں کیا ہے فرمایا عقل (دیت کے احکام) اور قیدی آزاد کرنے کی ترغیب اور یہ کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔

حضور شارح بخاری اس حدیث کے تحت رافضیوں کا رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

شیعہ یہ گمان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو کچھ خاص وحی اسرار مکتوب کی شکل میں عطا فرمائی، جسکی کسی کو خبر نہیں اس پر جحیفہ نے وہ سوال کیا تھا، ان کے علاوہ حضرت علی سے یہ سوال قیس بن عباد اور اشتر نخعی نے بھی کئے تھے سب کو یہی

(۱) نزہۃ القاری اول مقدمہ ص ۵
(۲) بخاری کتاب الجہاد

جواب ملا(۱)

یعنی حضرت علی نے جواب میں ارشاد فرمایا میرے پاس کوئی کتاب نہیں سوائے کتاب اللہ کے یا وہ دانائی جو مسلمان کو عطا کی گئی یا جو اس صحیفے میں ہے، اس پر حضرت جحیفہ نے پوچھا اس صحیفے میں کیا ہے، حضرت علی نے فرمایا: اس میں دیت کے احکام، اور قیدی کو آزاد کرنے کی ترغیب، اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے اس پر حضور شارح بخاری رافضیوں کی سخت گرفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> چونکہ سوال سے مقصود تھا کہ آپ کے پاس کوئی مخصوص کتاب ہے جس میں وہ اسرار ہوں جس کی کسی کو خبر نہیں، فرمایا ایسی کوئی کتاب میرے پاس نہیں، یہ ایک مکتوب ہے مگر اس میں راز کی کوئی بات نہیں جو سب مسلمان جانتے ہیں، وہی باتیں اسمیں ہیں، راویوں کو جو یاد رہا بیان کر دیا، اس سے روافض کے اس قول کی تردید ہو گئی جو وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید محرف ہے اسمیں اعراب بدل دئے گئے ہیں، آیتوں کو آگے پیچھے کر دیا گیا ہے اور اس کے کچھ حصے حذف کر دئے گئے اصل قرآن غیر محرف مکمل حضرت علی کے پاس تھا جو ان کے بدست ائمہ معصومین کے پاس رہا جسے امام غائب لیکر "سر من راے" کے غار میں غائب ہو گئے کہ حضرت علی کے پاس کوئی اور قرآن ہوتا تو اپنے مخصوص معتمدین کو ضرور بتا دیتے۔(۲)

ناظرین پر واضح ہے کہ رافضیوں کا یہ نظریہ کتنا خطرناک ہے، کہ ایک طرف احادیث نبویہ اور خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے تو دوسری طرف ارشاد ربانی کیلئے کھلا چیلنج، اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا﴿انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون﴾[بیشک ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم اس کی حفاظت کریں گے۔]

حیرت ہے کہ حفاظت الٰہیہ کے باوجود امام غائب "سر من رائے" کی غار میں لیکر کیسے غائب ہو گئے، ان هو الا افتراء علی الله ورسوله"، یہ اللہ اور اس کے رسول پر نرا افترا ہے۔

کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے وصی تھے

رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وصال سے کچھ لمحہ پہلے حضرت علی کے لئے کچھ وصیتیں خاص طور سے خلافت کے لئے فرمائی تھی کہ حضرت علی میرے بعد خلیفہ ہوں گے اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس

(۱) نزہۃ القاری ۱/ ۴۰۲
(۲) نزہۃ القاری ۱/ ۴۰۴

کے لئے غاصب ثابت ہوئے۔اسی لئے رافضی حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو غاصب کہتے ہیں رافضیوں کے اس عقیدے کا رد فرماتے ہوئے حضور شارح بخاری رقمطراز ہیں:

رافضیوں کی اس من گھڑت کا صحابہ کرام نے بھرپور رد فرمایا بلکہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس کی تردید فرمائی۔(۱)

ابھی حدیث ابوجحیفہ گزری جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صاف صاف اس سے انکار فرمایا ہے، کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کے لئے کوئی عہد فرمایا جو دوسروں سے نہیں فرمایا، حضور شارح بخاری رافضیوں کے اس فاسد نظریہ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عمدۃ القاری میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا ہے کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ کے لئے کوئی عہد فرمایا جو دوسروں سے نہیں فرمایا، فرمایا نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ پیدا کیا اور بچہ کی تخلیق کی۔ ہمارے پاس سوائے کتاب اللہ اور اس صحیفے کے کچھ نہیں۔

حضور شارح بخاری اس باطل نظریہ کی خبر لیتے ہوئے رقمطراز ہوتے ہیں:

رافضیوں کے اس وہم کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ کے وصال کے دوسرے دن مسجد نبوی میں بیعت عام کے لئے تمام اہل مدینہ کو بلایا گیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہیں تھے جب ان کو مجمع عام میں بلا کر دریافت کیا گیا تو یہ نہیں فرمایا کہ حق میرا ہے، حضور اقدس ﷺ نے میرے بارے میں وصیت فرمائی بلکہ فرمایا تو یہ فرمایا: ہم کو یہ بات ناگوار ہوئی کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے مشورہ میں ہم کو شریک نہیں کیا گیا اور ہم ابو بکر کو سب سے زیادہ اس کا حقدار جانتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات ہی میں انہیں نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا، بلکہ ایک موقع پر یہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جسے ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا ہم نے اسے اپنی دنیا کے لئے پسند کر لیا۔(۲)

حضور شارح بخاری نے مذکورہ بالا تصریحات سے بالکل مبرہن فرمادیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے کوئی وصیت ایسی نہیں فرمائی جو دوسروں کے لئے نہ رہی ہو۔ اور خود اس مقام پر جو حدیث

---

(۱) نزہۃ القاری ۶/ ۱۲۷

(۲) نزہۃ القاری ۶/ ۱۲۸ بحوالہ تاریخ الخلفاء

متن میں ذکر کی گئی ہے اس میں تو حضرت عائشہ نے صاف صاف انکار کر دیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے کوئی کسی طرح کی وصیت نہیں تھی، حدیث یہ ہے:

عن الاسود قال ذکر واعند عائشہ ان علیا کان وصیاً فقالت متی اوصیٰ الیہ وقد کنت مسندتہ الیٰ صدری اوقات حجری فدعا با لطست فلقد انخنس فما شعرت انہ قد مات فمتیٰ اوصیٰ الیہ.

اسود سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کے یہاں لوگوں نے ذکر کیا کہ حضرت علی وصی تھے توام المومنین نے فرمایا کب ان کے بارے میں وصیت کی میں حضور ﷺ کو اپنے سینے سے سہارا دئے ہوئے تھی یا یہ فرمایا کہ اپنی گود میں لئے ہوئے تھی، حضور ﷺ نے پانی کا طشت طلب کیا اور میری ہی گود میں حضور ڈھلک گئے، مجھے پتہ نہیں چلا کہ واصل بحق ہو گئے پس کب ان کے بارے میں وصیت کی۔

قابل غور نکتے

اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ وصال سے چند لمحات پہلے حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی کو حق خلافت کے لئے وصیت فرمادی تھی تو ان بد بختوں کو پتہ نہیں کہ اس سے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات پر اعتراض پڑیگا، مثلاً وصال کے بعد انصار کرام از خود جب سقیفہ بنی ساعدہ میں مشہور کے لئے جمع ہو گئے اور اس مجلس میں حضرت علی شریک نہ ہو سکے، اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ رنج معلوم ہوا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں باضابطہ میٹنگ بلائی گئی، اور اس میں ہمیں شریک نہ کیا گیا، جبکہ معاملہ ء خلافت کو طے کرنے کے لیے ہمیں بھی شریک کرنا چاہیے تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ناراضگی کی خبر جب حضرت صدیق اکبر کو ملی تو آپ ان کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت علی سے ناراضگی کا سبب پوچھا تو آپ نے مذکورہ بالا سبب بتایا کہ ہمیں معاملہ خلافت کی میٹنگ میں شریک کیوں نہیں کیا گیا اس کی مجھے تکلیف ہے۔

حضور شارح بخاری نے اس موقع پر بڑی ہی دلنشیں اور ستھے کی باتیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) کہ اس وقت جب مکان کے اندر تنہائی میں دوستانہ ماحول میں میں گفتگو ہو رہی تھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صاف صاف فرمادینا فرض تھا کہ میری ناراضگی کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نص جلی فرما کے مجھے وصی بنا گئے، آپ کیسے خلیفہ بن گئے۔

سقیفہ بنی ساعدہ کی مشاورتی مجلس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) نزہۃ القاری ۱۲۸/۶ بحوالہ تاریخ الخلفاء

تو ایسی صورت میں کہ (اگر وہ رسول اللہ ﷺ کے وصی ہوتے) ان کو ضرور باضرور (مشاورتی مجلس میں) تشریف لے جانا تھا، لوگوں کو بتاتے کہ آپ لوگ بلاوجہ بحث کر رہے ہیں، میرے لئے رسول اللہ ﷺ کی نص جلی موجود ہے اب کیسا انتخاب اور کیسی بحث۔

(۲) اگر واقعی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس ﷺ نے اپنا وصی بنایا تھا تو ان کے لئے کب جائز تھا کہ اس موقع پر خاموش رہتے۔

(۳) اگر یہ مان لیا جائے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصی بنایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس موقع پر خاموشی ایک بہت بڑا جرم بنتی جسکا کوئی مسلمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔(۱)

(۴) اقول و ہو المستعان! حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو باصرار تمام حضور اقدس ﷺ نے امام بنایا، یہ حقیقت میں ان کی خلافت کے لئے ایک اشارہ تھا اس لئے مرض وصال میں اخیر لمحات سے پہلے حضرت علی کو وصی بنائے کا دعویٰ کوئی بھی عاقل سن نہیں سکتا ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ اخیر لمحات سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصی بنایا تھا تو انہیں نماز کے لئے امام کیوں نہیں بنایا۔(۱)

در حقیقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصی رسول اللہ کا دعویٰ خالص افترا ہے جسکا نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ اس کی کوئی اصل -اس لئے کہ شدت علالت کے ایام میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب امام بنا دیا- تو وہی خلافت کے اول حقدار کی سند بن گیا، ان دشمنان صحابہ کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہ گئی کہ پہلا حق خلافت حضرت علی کے لئے ثابت کر سکیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے تھے کہ شدت علالت میں امامت تو حضرت صدیق اکبر کے حوالے فرمائی، اور وصال سے چند لمحات پہلے خلافت کی وصیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے فرما دی، اس افترا کی بھی گنجائش ختم ہو گئی، اسی لئے حضور شارح بخاری مدظلہ العالی نے علامہ قرطبی کے حوالے سے حدیث مذکور کی تشریح کے ابتدائی حصول میں نقل فرمایا:

علامہ قرطبی نے فرمایا کہ رافضیوں نے اس مضمون کی حدیثیں گڑھ لی تھیں کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا وصی بنایا تھا یعنی اس بات کی

(۱) نزہۃ القاری ۶/۱۲۸

وصیت کی ہے کہ میرے بعد خلیفہ ہوں۔(۱)

صدیق اکبر کی خلافت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداءً ہی تسلیم کی

اس سری من گھڑت کا اگر تحقیق سے جائزہ لیا جائے تو خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت سارے ایسے صریح ارشادات ہیں جن سے اس وصیت کا من گھڑت ہونا روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے، حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی نے مختلف کتب تواریخ واحادیث سے یہ ثابت کر دیا ہے، کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطیب خاطر برضا و خوشی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تسلیم کر لی تھی، تاریخ الخلفاء کے حوالے سے یہ روایت نقل فرمائی:

> حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کی بیعت کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لے گئے، حاضرین پر نظر ڈالی تو حضرت زبیر کو نہ دیکھا انہیں بلوایا وہ جب آئے ان سے فرمایا، کہا جاتا ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی کے صاحبزادے اور حواری ہو، اور تم چاہتے ہو کہ مسلمانوں کی لاٹھی ٹوٹ جائے، حضرت زبیر نے کہا، اے خلیفہ رسول اللہ! پھر کھڑے ہوئے اور بیعت کر لی، پھر حاضرین کو دیکھا، تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ پایا، انہیں بلوایا اور فرمایا، کہا جاتا ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کے چچا کے صاحبزادے ہو، اور حضور کے داماد ہو، پھر چاہتے ہو کہ مسمانون کی لاٹھی توڑ دو، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، اے خلیفہ، رسول اللہ ﷺ! پھر بیعت کر لی۔(۲)

اس روایت سے بالکل ظاہر ہے، کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روز اول ہی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تسلیم کر لی تھی، جبھی تو اے خلیفہ، رسول اللہ کہہ کر بیعت بھی کر لی، اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حضور اقدس ﷺ کی کوئی سری وصیت ہوتی، تو حضرت علی شیر خدا کبھی بھی اس کو نہ چھپاتے، اور ہرگز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تسلیم نہ کرتے، اور یہ شبہہ بھی قابل اعتنا نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی طرح کمزور تھے، اور کمزوری کی بنیاد پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مزاحم نہ ہوئے، اس شبہہ کو دفع کرنے کے لئے حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی نے یہ روایت نقل فرمائی:

---

(۱) نزہۃ القاری ۶/۱۲۷

(۲) تاریخ الخلفاء ص۶۹

حضرت ابو سفیان نے جب یہ سنا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے ہیں، تو مدینہ طیبہ آئے، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا، کیا بات ہے کہ خلافت قریش کی اس شاخ میں ہے، جو سب سے کم اور سب سے کمزور ہے، اس سے ان کی مراد حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندان بنی تیم تھا اگر تم چاہو تو ان کے خلاف سوار اور پیادوں سے بھر دوں ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، تو نے مدت دراز تک اسلام کی مخالفت کی اس سے اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ ہم نے ابو بکر کو اس کا اہل پایا۔ (۱)

ظاہر ہے کہ اگر حضرت علی نے اپنی کمزوری کے سبب حضرت صدیق اکبر سے وصیت کا اظہار نہیں کیا اولاً تو یہ حضرت علی شیر خدا کی شان شجاعت کے بالکل برعکس ہوگا ثانیاً جب حضرت ابو سفیان کی بھرپور مدد کا سہارا ملا تو انہیں ضرور حضور اقدس ﷺ کی وصیت ظاہر کرنا چاہئے تھا، لیکن انہوں نے حضرت ابو سفیان کو دوٹوک میں مذکور بالا جواب دیا، جس سے بالکل واضح ہے، کہ حضرت علی نے بطیب خاطر صدیق اکبر کی خلافت تسلیم کرلی تھی، حضرت شارح بخاری مد ظلہ العالی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

> اس روایت نے رافضیوں کی اس ادعا کی قلعی کھول دی ہے جو وہ کہتے ہیں، کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کمزوری بے بسی، کی بنا پر از راہ تقیہ بیعت کی تھی، نیز اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ ماہ بعد نہیں بالکل ابتدا ہی میں حضرت صدیق اکبر کی خلافت تسلیم فرمالی تھی۔ (۲)

حضرت علی نے ابتدا ہی میں حضرت صدیق اکبر کی بیعت کرلی تھی، اور ان کی خلافت بھی تسلیم کرلی تھی، اس کے ثبوت میں حضرت شارح بخاری مد ظلہ النورانی نے مستند کتب تواریخ سے کئی روایتیں نقل فرمائیں جن سے بالکل واضح ہو جاتا ہے، کہ حضرت علی نے اپنی رضا و خوشی سے ابتداء ہی خلافت تسلیم کرلی تھی، مثلاً:

> (۱) حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہا ہمیں اس سے تکلیف پہنچی کہ ہم کو مشورہ میں شریک نہیں کیا گیا، اور ہم ابو بکر کو سب سے زیادہ خلافت کا حقدار جانتے ہیں یہ رسول اللہ ﷺ کی یادگار ہیں اور ہم ان کے شرف کو پہچانتے ہیں،

---

(۱) تاریخ الخلفاء ص ۶۶
(۲) نزہۃ القاری ۶/۳۰۷

رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات ظاہری میں انہیں نماز پڑھانے کا حکم دیا۔(۱)

(۲) نیز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابو بکر کو حکم دیا: کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور میں موجود تھا غائب نہیں تھا، اور نہ مجھے کوئی بیماری تھی، اس لئے ہم نے اپنی دنیا کے لئے وہی پسند کیا جو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا۔(۲)

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کے جب مرتدین کے قتال کے لئے ابو بکر باہر نکل پڑے اور اپنی سواری پر بیٹھ گئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکی سواری کی لگام پکڑلی اور فرمایا کہاں اے خلیفہء رسول اللہ! میں آپ سے وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے آپ سے یوم احد فرمایا تھا، اپنی تلوار نیام میں کرو اپنی ذات سے ہم کو غمگین نہ کرو، مدینہ لوٹ چلو، بخدا اگر ہم آپ کو کھو کر غمزدہ ہو گئے تو کبھی بھی اسلام کا نظام درست نہ ہو گا۔(۳)

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد حضرت شارح بخاری دامت برکاتہم القدسیہ نے فیصلہ کن انداز تحریر فرمایا:

سب کو معلوم ہے، کہ جیش اسامہ کی روانگی کے بعد بلا تاخیر مرتدین سے جہاد کے لئے حضرت صدیق اکبر نکلے تھے، اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں خلیفہ رسول کہا، یہ ان کی خلافت تسلیم کرنا ہے، اور خلیفہ مان لینے کے بعد بیعت نہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں۔(۴)

ایک شبہ کا ازالہ: حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ ماہ بعد بیعت کی تھی، حضرت شارح بخاری اس شبہے کا بڑا عمدہ اور معقول جواب دیتے ذیل

(۱) تاریخ الخلفاء ص ۷۰
(۲) تاریخ الخلفاء ص ۶۴
(۳) ایضا
(۴) نزھۃ القاری ۶/۳۰۶

اس کا خلاصہ ہدیہ ناظرین ہے:

معاملہ یہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ کے وصال مبارک کے بعد حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صدمے سے نڈھال ہو کر بہت سخت علیل ہو گئیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زیادہ وقت ان کی دلجوئی اور تیمار داری میں مصروف رہتا اس لئے اتنا موقع نہیں پاتے کہ دربار خلافت میں تشریف لاتے، اس سے بہت سے لوگوں میں یہ بدگمانی پھیل گئی کہ شاید حضرت علی صدیق اکبر کی خلافت دل سے نہیں مانتے، اسی لئے حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے بعد لوگوں کی بدگمانی دور کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ بیعت فرمائی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہی دوبارہ بیعت دیکھ کر ارشاد فرمایا، کہ حضرت علی نے چھ ماہ بیعت بعد کی۔ (۱)

اس شبہے کا معقول جواب دینے کے بعد بر سبیل تنزل حضرت شارح بخاری یوں رقمطراز ہوتے ہیں:

بالفرض اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ مہینے تک بیعت نہیں کی، تو بھی اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ حضرت صدیق اکبر کی خلافت کو باطل جانتے تھے ایسی کوئی روایت نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی یہ فرمایا ہو کہ ابو بکر خلافت کے اہل نہیں ان کی خلافت درست نہیں، بعض روایتوں سے ثابت ہے تو یہ کہ وہ خانہ نشیں ہو گئے تھے، اور یہ صدیق اکبر یا کسی سے ناراضگی کی بنا پر نہیں تھا، بلکہ چونکہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس ﷺ کی جدائی کی تاب نہ لا کر سخت علیل ہو گئی تھیں، ان کی تیمار داری بچوں کی دیکھ بھال کے لئے تھی، اور یہ قطعی ہے کہ ایسے موقعوں پر سکوت بیان کے حکم ہوتا ہے، ایک بات علانیہ ہو رہی ہے اور اسے ایک دینی مقتدا دیکھ رہا ہے، اور خاموش ہے، یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اسے صحیح جانتا ہے، اس کی نظیر حدیث تقریری ہے، صحابہ کرام نے حضور اقدس ﷺ کے حضور میں کچھ کہا یا کچھ کیا اور حضور ﷺ نے اس پر انکار نہیں فرمایا، تو یہ بھی حدیث رسول ہے نیز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت صدیق

---

(۱) ملخص از نزہۃ القاری ۶/۳۰۶

اکبر کی خلافت کو بر حق نہ مانتے تو چھ ماہ بعد بھی ہر گز بیعت نہ فرماتے۔(۱)

حضرت صدیق اکبر کی خلافت رضائے الٰہی کے مطابق

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اول حق خلافت پر مذکورہ شواہد و بنیات تو ہیں ہی ان کے علاوہ ایک صریح اور واضح حدیث ہم اخیر میں نقل کرتے ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت صدیق اکبر کی خلافت عین منشاء نبوی اور رضائے الٰہی کے مطابق تھی ، صحاح ستہ کی مشہور کتاب صحیح مسلم میں ہے

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت قال لی رسول الله ﷺ فی مرضه ادعی لی ابا بکر اباواخاك حتیٰ اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن و قال قائل انا اولی ویابی الله والمومنون الا ابا بکر.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، کہ انہوں نے کہا مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وصال میں فرمایا اپنے باپ ابو بکر اور بھائی کو میرے پاس بلاؤ، تاکہ میں ایک تحریر دے دوں مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی خواہشمند خواہش کرے یا کوئی کہنے والا کہے، میں زیادہ حقدار ہوں، حالانکہ اللہ اور مسلمان ابو بکر کو ہی پسند فرمائیں گے۔

اس حدیث سے واضح ہے، کہ خلافت صدیق اکبر ہی میں اللہ اور جملہ مومنین کی رضاء تھی، اور وہی ہوا کہ جملہ صحابہ کرام کے اتفاق رائے سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ منتخب کئے گئے۔

حدیث قرطاس: حضور اقدس ﷺ نے وصال سے قبل شدت مرض کے ایام میں ایک دن جمعرات کو حاضرین سے کاغذ طلب فرمایا، کہ میرے پاس کاغذ لاؤ میں لوگوں کے لئے کچھ لکھ دوں جس کے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہو سکو، حدیث میں ہے کہ اس پر حضرت عمر نے کہا نبی کریم ﷺ پر بیماری کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب قرآن پاک موجود ہے اور وہ کافی ہے۔

رافضیوں کا افترا: اس حدیث سے متعلق رافضی یہ گڑھتے ہیں کہ حاضر صحابہ کرام نے کاغذ نہیں دیا بلکہ خصوصیت سے حضرت عمر نے حضور کے حکم کی تعمیل نہ ہونے دی، اس افترا کی پردہ دری فرماتے ہوئے حضور شارح بخاری نے مدلل بحث اور چند اہم سوالات ذکر کیا جس سے روافض کے سارے توہمات کا قلع قمع ہو جاتا ہے، فرماتے ہیں:

مسند امام احمد میں ہے کہ یہ خطاب عام نہ تھا خاص حضرت علی سے فرمایا تھا کہ

(۱) نزہۃ القاری ۶/ ۳۰۶

سامان کتابت لاؤ، اور ایک روایت دوسری روایت کی تفسیر ہوتی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ان روایات میں خطاب اگرچہ عام ہے مگر یہاں بھی مخاطب حضرت علی ہی ہیں۔

مسند امام احمد بن حنبل کی پوری حدیث یہ ہے:

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال امونی النبی ﷺ ان آتیه بطبق یکتب فیه ما لا تضل امته بعد ہ قال فخشیت ان تفوتنی نفسه قال قلت انی احفظ واعی قال اوصیٰ بالصلاته و الزکاۃ وما ملکت ایمانکم.(۱)

حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مجھے حکم دیا، کہ ایک طبق حاضر کرو جس میں وہ لکھا جائے، کہ امت اس کے بعد گمراہ نہ ہو حضرت علی نے کہا مجھے حضور کے وصال کا اندیشہ ہوا میں نے کہا میں یاد کرلوں گا اور میں محفوظ رکھوں گا، حضور ﷺ نے فرمایا میں نماز اور زکوۃ اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔

ناظرین غور فرمائیں اولاً حضور ﷺ مرض وصال میں جو کاغذ مانگ رہے تھے وہ خصوصیت سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مانگ رہے تھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ اندیشہ ہوا کہ میں کاغذ لینے جاؤں اسی اثناء میں کہیں حضور ﷺ کا وصال نہ ہو جائے، تو وہ بات بھی نہ لکھی جائے گی اور نہ معلوم ہو سکے گی۔ عرض کیا ، حضور ﷺ ارشاد فرمائیں میں اسے یاد کرلوں گا اور محفوظ رکھوں گا، تو حضور ﷺ نے نماز ازکوۃا ورغلاموں کی نگہداشت کی وصیت فرمائی، مسئلہ خلافت کے متعلق کچھ ارشاد نہیں فرمایا، یہ خطاب جب حضرت علی سے ہوا تو حضرت علی نے کیوں نہیں بڑھ کر حکم کی تعمیل فرمائی اس پر یہ کہنا کہ حضرت عمر آڑے آگئے اور انہوں نے "کتاب اللہ حسبنا" کہہ کر حکم کی تعمیل نہ ہونے دی، سراسر غلط اور قیاس و فہم سے دور ہے ، حضور شارح بخاری اس وہم کے ازالے کے لئے یوں رقمطراز ہوتے ہیں:

اس پر گزارش ہے کہ جب فاروق اعظم نے عرض کیا "کتاب اللہ حسبنا" اور حضور ﷺ نے دوبارہ طلب نہیں فرمایا، تو یہ دلیل ہے کہ حضرت عمر کی بات قبول ہو گئی، اور اب وہ حکم باقی نہ رہا، ورنہ اولاً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس عرض "کتاب اللہ حسبنا" کے بعد بھی اگر اس حکم کی تعمیل فرض تھی تو جبکہ یہ خطاب

(۱) مسند امام احمد ۱/۱۴۵

خاص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تھا تو انہوں نے اس کی تعمیل کیوں نہیں کی۔ ثانیاً حضور اقدس ﷺ نے دوبارہ کیوں نہیں فرمایا، کہ نہیں پھر بھی لاؤ، ثالثاً اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بفرض غلط خوف تھا، تو اس کے بعد چار دن تک حضور ﷺ حیات ظاہری کے ساتھ رہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانے کے بعد کیوں نہیں لکھوادیا۔ رابعاً لازم آئیگا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرض تبلیغ کی ادائگی میں کوتاہی کی بلکہ لازم آئیگا کہ پورا دین امت تک نہیں پہونچایا۔ خامساً جبکہ پورا دین امت کو زبانی سکھادیا تو کیا مانع در پیش تھا کہ اہم بات کو بھی کو زبانی ہی نہ فرمادیا۔ سادساً لازم آئیگا کہ دین ناقص رہ گیا اور یہ آیت کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم کے معارض ہے۔(۱)

بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں، کہ حدیث قرطاس کا معاملہ چونکہ شدت مرض کے ایام میں پیش آیا، حضور اقدس ﷺ کے وصال کا وقت قریب تھا یہ ایک فطری بات ہے، کہ مریض آخری لمحات میں اگر کچھ مانگے تو اہل خانہ کی اہم ذمہ داری بنتی ہے، کہ وہ مریض کے لئے حاضر کریں، کوئی روکے پھر بھی انہیں باز نہ آنا چاہئے۔ حیرت ہے اہل بیت کرام پر کہ انہوں نے کاغذ کیوں نہیں پیش کیا تو اس کا جواب یہی ہے، کہ اہل سنت کرام بھی سمجھ گئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات حضور اقدس ﷺ نے قبول فرمالی اور حضور ﷺ خاموش ہو گئے پھر دوبارہ طلب نہیں فرمایا، اب کاغذ پیش کرنے کی ضرورت نہیں یعنی حضور ﷺ مطمئن ہو گئے کہ ہمارے صحابہ اس منزل پر فائز ہیں، کہ کتاب اللہ ان کے لئے کافی ہے، اور اس کی روشنی میں وہ اپنی اسلامی زندگی بسر کرلیں گے، اور پھر حضور اقدس ﷺ نے یہ کاغذ مانگا تو کیا لکھنے کے لئے مانگا یہ آج تک طے نہ ہو سکا کہ حضور ﷺ نے کاغذ کیا لکھوانے کے لئے مانگا تھا، روافض گمان یہ کرتے ہیں، کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حق خلافت کی سند لکھواتے، تو اس پر شارح بخاری مدظلہ العالی نے نہایت ہی عمدہ بات کہی ہے فرماتے ہیں:

> پھر "ہو سکتے" میں بڑی گنجائش ہے ہم کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ یہی لکھوانا چاہتے تھے کہ کتاب اللہ کو کافی سمجھنا اور جب فاروق اعظم نے یہی عرض کردیا تو ضرورت محسوس نہ فرمائی اسی حدیث کے اخیر میں کتاب الجہاد وغیرہ میں ہے

(۱) نزہۃ القاری ۱/۴۰۵

"اخرجو المشر كين من جزيرة العرب واجيزو ا الوفود بنحو ما كنت اجيزهم"، مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دینا اور وفود کو ایسے ہی صلہ دینا جیسے میں دیتا تھا۔ اور تیسری بات کسی راوی کے ذہن سے نکل گئی۔ ہو سکتا تھا یہی تینوں لکھوانا چاہتے تھے، جب سامان کتابت نہیں آیا تو زبانی ارشاد فرمایا۔ سلامتی اسی میں ہے کہ "ہو سکتا ہے" کے سہارے بات نہ بڑھائی جائے۔(۱)

اتنی گفتگو کے بعد کسی رافضی میں یہ دم نہیں کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مورد طعن بنائے، اور اگر اس کے باوجود بھی وہ طعن کرتا ہے، تو یہ اس کی خباثت وعداوت پر محمول ہوگا، حضرت شارح بخاری دامت برکاتہم القدسیہ چلتے چلتے رافضیوں کو ایک اور حوصلہ آزمالینے کی رخصت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس بحث کے بعد اس گفتگو کی حاجت نہیں کہ حضور ﷺ کیا لکھوانا چاہتے تھے، اور اگر کسی کو اس کا شوق ہی ہے تو چلئے روافض کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے خلیفہ بلا فصل کی سند لکھوانا چاہتے تھے۔ ہم کہیں گے حضرت صدیق اکبر کے لئے یہی سند لکھوانا چاہتے تھے۔ حضرت علی کے سلسلے میں کوئی سراغ نہیں مگر صدیق اکبر کے لئے تو ثبوت ہے۔ ارشاد فرمایا:

ادعى لى اباك ابا بكر واخاك حتى اكتب كتابا فانى اخاف ان تيمنى متمن و يقول قائل انا اولىٰ ويابى الله والمومنون الا ابا بكر (مسلم ص۲۷۳ ج۲)

(حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے مجھ سے اپنے مرض وصال کے وقت فرمایا اپنے باپ ابو بکر اور بھائی کو بلاؤ تاکہ میں تحریر دیدوں، ورنہ مجھے خوف ہے کہ کوئی خواہشمند خواہش کرے اور کوئی کہنے والا کہے میں زیادہ حقدار ہوں حالانکہ اللہ اور مسلمان ابو بکر ہی کو پسند کریں گے۔

خیبر اور فدک کا معاملہ

خیبر کے باشندوں نے فدک کی زمین یوں ہی مخیریق کے سات باغات غزوہ احد کے دن مسلمان ہونے والے یہودیوں نے اور زمین انصار کرام نے حضور اقدس ﷺ کو نذر کر دئے تھے پھر یہ سب زمینیں

(۱) نزہۃ القاری ۱/۴۰۸

حضور ﷺ کے تصرف میں رہیں، بعد وصال مبارک حضرت سیدہ فاطمہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان سب کو میراث سمجھا اور حضرت صدیق اکبر سے اپنا اپنا حق طلب فرمایا، حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا مال میراث نہ بنے گا، ہم جو بھی چھوڑ دیں سب صدقہ ہے، حدیث "لا نورث ما ترکنا صدقة" پیش فرمادیا، فدک اور خیبر کے معاملہ کی حقیقت یہ ہے۔ لیکن رافضی اس حقیقت پر پردہ ڈال کر حضرت صدیق اکبر سے عداوت کا خوف ننگا ناچ ناچتے ہیں، اور حضرت صدیق اکبر پر طرح طرح کا الزام لگا کر انہیں غاصب وخائن کہتے ہیں۔

حضور شارح بخاری نے رافضیوں کی ان الزام تراشیوں کا بڑا تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے خود روافض کی کتابوں ہی سے یہ ثابت کر دیا، کہ انبیاء درہم و دینار مال وجائدا د کو میراث میں نہیں چھوڑتے اصول کافی باب العلم والمتعلم کی ایک عبارت نقل فرماتے ہیں:

عن ابی عبد الله علیه السلام قال قال رسول الله ﷺ ان العلماء ورثة الانبیاء و ان الانبیاء لم یورثوادیناراً ولا درهماً ولکن اورثوا العلم فمن اخذه منه اخذ بحظ وافر

ابو عبداللہ حضرت امام جعفر صادق نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علما انبیا کے وارث ہیں اور انبیاء کرام دینار و درہم میراث نہیں چھوڑتے ہاں علم ان کی میراث ہے اس لئے جس نے علم حاصل کیا اس نے بہت حصہ پایا۔

اسی باب کے صفۃ العلم میں ہے:

عن ابی عبد الله علیه السلام قال ان العلماء ورثة الانبیاء و ذلك لان الانبیاء لم یورثوا درهماً ولا دیناراً و انما ورثوا احادیث من احادیثهم فمن اخذ بشی منها فقد اخذ حظاً وافراً۔

ابو عبداللہ حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا علما انبیا کے وارث ہیں، یہ اسی بنا پر ہے کہ انبیا درہم اور دینار میراث چھوڑتے ہیں تو جس نے انہیں حاصل کر لیا اس نے بہت حصہ پالیا۔

ان دونوں عبارتوں کو نقل کر کے حضور شارح بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں، کہ روافض کے یہاں بھی یہی حق ہے، کہ انبیاء کرام مال و دولت میراث میں نہیں چھوڑتے بلکہ ان کے مال و دولت سب صدقہ ہوتے ہیں، ان کی میراث تو علم و فضل ہے، ان دونوں عبارتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> ان شیعی روایات میں صراحۃً درہم و دینار کے میراث نہ چھوڑنے کا تذکرہ ہے، اس کا شبہہ ہو سکتا ہے درہم و دینار کے علاوہ آراضی وغیرہ میراث چھوڑتے ہیں۔ اس کا قلع قمع انما نے کر دیا یہ کلمہ حصر ہے جسکا مفاد یہ ہے کہ انبیاء کرام کی میراث

صرف علم ہے نہ درہم نہ دینار نہ آراضی اور نہ کچھ مال و متاع۔(۱)

اعتراض و جواب

آیت میراث کتاب اللہ قرآن مجید میں ہے یعنی میراث چھوڑنا کتاب اللہ سے ثابت ہے اور میراث نہ چھوڑنا حدیث سے ثابت ہے ترجیح کتاب اللہ کو ہوگی، لہٰذا حضرت سیدہ اور حضرت عباس کو رسول اللہ کی جائداد سے میراث ملنا چاہئے تھا، حضور شارح بخاری اس اعتراض اور فریب کا جواب خود روافض ہی کے اصول فقہ سے دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> رافضیوں کے اصول کے مطابق قرآن مجید کے صریح منطوق کے مقابل ائمہ کے ارشادات اور ان کی مرویات راجح ہیں اس لئے کسی رافضی کو یہ حق نہیں کہ وہ یہ کہ کر اس حدیث کو نا قابل قبول قرار دے کہ یہ آیت میراث کے معارض ہے۔(۲)

رہ گئے اہلسنت کے اصول و مرویات کی روشنی میں تو کوئی دشواری ہی نہیں ہے اس لئے کہ حدیث لا نورث ما ترکنا صدقۃ حدیث مشہور ہے جس سے کتاب اللہ کی تخصیص جائز ہے۔ حضور شارح بخاری فرماتے ہیں:

> ہم اہل سنت کے اصول کے مطابق چونکہ یہ حدیث مشہور ہے اس لئے اس سے کتاب اللہ کی تخصیص جائز ہے۔

اسی طرح حضرت سیدہ فاطمہ اور حضرت علی و حضرت عباس رضی اللہ عنہم کا اس حدیث کو تسلیم کرنا بھی ثابت ہے، اس موقع پر شارح بخاری نے ترمذی شریف کی ایک روایت نقل فرمائی جو مسئلہ دائرہ کے لئے بہت ہی واضح ہے:

> ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں اور فرمایا آپ کا کون وارث ہوگا، انہوں نے فرمایا۔ میرے اہل میری اولاد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ پھر کیا بات ہے کہ میں اپنے والد کی وارث نہ ہونگی حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا "ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہے" ہاں رسول اللہ ﷺ جس کی پرورش فرماتے تھے میں بھی اس کی پرورش

(۱) نزھۃ القاری ۶/۳۰۲
(۲) نزھۃ القاری ۶/۳۰۲

کروں گا۔(۱)

ترمذی کے علاوہ یہ حدیث مسند امام احمد میں بھی ہے:

عن ابی سلمة ان فاطمة رضی الله تعالیٰ عنها قالت لابی بکر من یرثك اذامت قال ولدی و اهلی قالت فما لنا لا نرث النبی صلی الله علیه وسلم قالت سمعت النبیﷺ یقول و انفق علی من کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ینفق عده.(۲)

حدیث میں ہے کہ تنہا حضرت فاطمہ تشریف لے گئیں تھیں اور حدیث سن کر مطمئن ہو گئیں اور واپس چلی آئیں پھر زندگی میں کبھی بھی میراث کا مطالبہ نہیں فرمایا۔

مسند امام احمد کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کے ساتھ میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف لے گئے پھر دونوں حضرات نے صدیق اکبر سے جب یہ سن لیا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارا ترکہ میراث نہ بنے گا، بلکہ فقراء کے لئے صدقہ ہوگا اس کے بعد پھر دونوں حضرات مطمئن ہو گئے پھر کبھی دونوں حضرات نے مطالبہ نہیں فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

ان فاطمة والعباس اتیا ابا بکر رضی الله تعالی عنه یلتمسان میراثها من رسول اللهﷺ و هما حینئذ یطلبان ارضه من فدك و سهمه من خیبر فقال لهم ابو بکر انی سمعت رسول اللهﷺ یقول لا نورث ما ترکنا صدقة انما یاکل آل محمد فی هذاالمال وانی والله لا ادع امراً رایت رسول اللهﷺ یصنعه فیه الا صنعته. (۳)

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی جائداد سے اپنا اپنا حق میراث طلب کرنے کے لئے آئے وہ حضرات فدک اور خیبر کی زمین کا مطالبہ کر رہے تھے، ان سے حضرت ابو بکر نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے، کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہمارا ترکہ صدقہ ہے، آل محمد اس مال سے کھائیں گے، اور میں بخدا کوئی ایسا امر نہ چھوڑوں گا، جسے رسول اللہ ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے مگر میں بھی اسے کروں گا۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ہم انبیا کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ دیں وہ صدقہ ہے" نہ تو حضرت سیدہ نے کچھ فرمایا نہ تو حضرت علی نے نہ حضرت عباس نے، یہ دلیل اس بات کی ہے کہ ان حضرات نے اس

(۱) نزھۃ القاری ۶/۳۰۲
(۲) مسند امام احمد ۱/۱۹
(۳) مسند امام احمد ۱/۸

حدیث کی صحت کو تسلیم فرمالیا ان صراحتوں کے بعد یہ طعن کرنا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آل رسول کا حق غصب کرلیا، کھلم کھلا نفس کی خباثت اور صحابہ سے عداوت ہے۔

غدیر خم کا قصہ

رافضیوں کی جانب سے ایک زبردست افتراء ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع سے غدیر خم پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کہہ کر ان کی خلافت پر نص جلی فرمادی تھی اس کے بعد کسی کو بھی اس کے خلاف کرنے کی اجازت نہ تھی، اس افترا اور دجل فریب کی خبر لیتے ہوئے حضور شارح بخاری یوں رقمطراز ہیں:

> غدیر خم پر خلافت کی بات ہی نہیں آئی تھی قصہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اقدس ﷺ نے یمن کا حاکم بناکر بھیجا تھا، وہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شریعت کے احکام کے مطابق دارو گیر فرمائی اب تک وہ کسی حاکم کے ماتحت نہیں رہے تھے جسکی وجہ سے انہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کشید گی پیدا ہو گئی تھی اہل یمن کی اصلاح کے لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ میں جس کا مولیٰ ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں۔(۱)

حضرت شارح بخاری نے "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کی ایسی عمدہ اور مناسب توجیہ فرمائی کہ روافض کے پیدا کردہ وسوسے ہوا ہو جاتے ہیں، فرماتے ہیں:

> مولیٰ کے معنی صرف مالک کے نہیں ہوتے بلکہ محبوب، محب، ناصر، حامی کے بھی ہوتے ہیں، یہاں مولیٰ بمعنیٰ مالک درست نہیں، اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ اس معنی کر انبیاے کرام کے مولیٰ ہیں، اور اس پر فریقین کا اتفاق ہے، کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرات انبیاء کرام کے آقا نہیں، ہاں محب محبوب ناصر سب کے ہیں اس لئے یہاں حدیث میں یہی دوسرے معنی متعین ہیں۔(۲)

ایک دوسرے مقام پر غدیر خم کے قصے سے متعلق رافضیوں کے دجل و فریب کی مضبوط گرفت کرتے ہوئے خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے قول سے اس کا رد کرتے ہیں، پہلے ہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ

---

(۱) نزھۃ القاری ۷/۹۵
(۲) نزھۃ القاری ۷/۹۵

قول ذکر کر دیں جس سے رافضیوں کے دعویٰ کی قلعی خود بخود کھلتی نظر آتی ہے، حضور اقدس ﷺ کے مرض وصال کا قصہ ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ سے واپس ہو رہے تھے تو لوگوں نے پوچھا حضور ﷺ کا حال کیسا ہے انہوں نے بتایا الحمد للہ اچھا ہے اس پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا بخدا تم تین دن کے بعد لاٹھی کے غلام ہو گئے میں بخدا دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اسی بیماری میں وصال فرمائیں گے بیشک میں بنی عبد المطلب کے چہروں کو پہچانتا ہوں کہ موت کے وقت کیسا رہتا ہے ہم رسول اللہ کے پاس چلیں اور حضور ﷺ سے پوچھیں، خلافت کس میں ہو گی، اگر ہم میں ہو تو جان لیں اور اگر ہمارے غیر میں ہو تو اسے بھی جان لیں، اور حضور ہمیں وصیت فرمادیں حضرت عباس کی یہ بات سن کر حضرت علی نے فرمایا:

انا والله لئن سئلناها رسول الله ﷺ فمنعناها لا يعطينا ها الناس بعده و انی والله لا اسئلها رسول الله ﷺ. (۱)	بخدا اگر ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اسکا سوال کیا اور حضور ﷺ نے منع کر دیا، تو حضور ﷺ کے بعد لوگ ہم کو نہیں دیں گے واللہ ہم رسول اللہ ﷺ سے اس کا سوال نہیں کریں گے۔

حضور شارح بخاری مد ظلہ النورانی اس حدیث کی روشنی میں رافضیوں کے غدیر خم والے دعویٰ پر تنقید کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہوتے ہیں:

یہ حدیث رافضیوں کے اس ادعاء باطل کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے حجۃ الوداع سے واپسی میں غدیر خم پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ ہونے پر نص جلی فرما دی تھی، اگر یہ بات صحیح ہوتی تو حضرت علی فرمادیتے کہ اب اس کی ضرورت ہی کیا ہمارے لئے حضور اقدس ﷺ نے نص جلی فرمادی ہے۔ کیا ہمارے علاوہ اور بھی کوئی اس کا امیدوار رہے، حضرت عباس نے فرمایا بخدا ایسا ہو گا۔

اس کے بعد حضرت شارح بخاری فیصلہ کن انداز میں تحریر فرماتے ہیں:

اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد ہی سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں فرمایا تھا، بلکہ یہ حق امت کو دیا تھا، جبھی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمارہے ہیں کہ لوگ ہمیں نہیں دیں گے، اس سے ثابت ہوا کہ خلیفہ کے انتخاب کا حق حضور اقدس ﷺ نے امت کو دیا تھا۔ (۲)

(۱) نزھۃ القاری ۷/ ۹۵
(۲) نزھۃ القاری ۷/ ۴۱۰

روافض کا صحابہ کرام پر ایک الزام اور اس کا جواب

روافض جو عداوت صحابہ میں حد درجہ جری ہوتے ہیں یہ صحابہ کرام کی شان میں کیا گیا گستاخیاں کر سکتے ہیں کچھ نہیں کہا جا سکتا جب حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوا تو جنازہ مبارک چوبیس گھنٹے تک رکھا رہا پھر نماز جنازہ اور دفن کے امور انجام دیے گئے۔ اس معاملے کو لیکر روافض صحابہ کرام کی شان میں طرح طرح گستاخیاں کرتے ہیں اور انتہائی گستاخانہ کلمات بکتے ہیں مثلاً صحابہ کرام حب دنیا کے دلدادہ تھے جبھی تو خلافت کے چکر میں پھنس کر رسول اللہ ﷺ کا جنازہ مبارکہ کو چوبیس گھنٹے سے بھی زیادہ بے کفن و دفن چھوڑ رکھا اس سلسلے میں مولانا روم کی مثنوی شریف کا ایک شعر بھی پیش کرتے ہیں:

چوں صحابہ حب داشتند مصطفےٰ را بے کفن گزاشتند

جب صحابہ دنیا سے محبت رکھتے تھے تو مصطفےٰ کو بے کفن چھوڑ دیا

اس الزام کا حضور شارح بخاری مدظلہ العالی نے ایسا شاندار اور حکیمانہ جواب دیا جس سے حضرت شارح بخاری کی جولانی ذہن وفکر کے ساتھ ہی سیاسی بصیرت کا بھی بھرپور اندازہ لگایا جا سکتا ہے، فرماتے ہیں:

> اگر یہ الزام صحیح مان لیا جائے تو یہی اعتراض حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی پڑتا ہے، بلکہ اور سخت پڑتا ہے اس لئے کہ کسی میت کے کفن و دفن کی ذمہ داری سب سے پہلے گھر والوں پر عائد ہوتی ہے، پھر حضرت علی نے کیوں تاخیر کی۔ (۱)

دراصل بات یہ ہے کہ روافض بولتے ہیں سمجھتے نہیں، اگر وہ یہ بکواس سوچ سمجھ کر کرتے تو ہرگز ایسا نہ بکتے کہ ان کا اعتراض الزام سب سے اہل بیت کرام پر ہی پڑ جاتا ہے۔ اور بلاشبہ یہ صدیق اکبر اور دیگر صحابہ کرام سے عداوت کی سزا ہے۔

بک رہے ہیں جنوں میں کیا کیا کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

عداوت صحابہ میں ایسے پاگل ہو گئے کہ سلطنت و حکومت کے دستور اور حکمرانی کے اصول سے بھی بالکل نابلد اور جاہل معلوم ہوتے ہیں، حضرت شارح بخاری جنازہ کی تدفین سے پہلے مسئلہ خلافت طے کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> بات یہ ہے کہ کسی بھی قوم کو بغیر سلطان یا امیر کے ایک منٹ چھوڑنا بین الاقوامی طور آج بھی خلاف قانون ہے، اس وقت جو صورت حال تھی اگر

(۱) نزہۃ القاری ۷/ ۹۴

خدانخواستہ کسی صحیح شخصیت کا خلافت کے لئے انتخاب نہ ہوتا پھر کیا ہوتا یہ کسی سے مخفی نہیں ایک ایسی وسیع سلطنت جس کا رقبہ پورے عرب کو محیط تھا وہ بھی ایسے لوگوں پر مشتمل تھا جو اب تک اجتماعی حکومت کے ماتحت رہنے کے عادی نہیں تھے اگر انہیں یوں ہی چھوڑ دیا جاتا یا خدانخواستہ صحیح انتخاب نہ ہوتا تو یہ سلطنت باقی بھی رہتی یہ غور طلب بات ہے، اس لئے حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد سب سے اہم اقدم کام یہی تھا، کہ جانشین منتخب کر لیا جاتا اس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی لگے ہوئے تھے، اور دوسرے صحابہ کرام بھی پہلا دن سقیفہ بنی ساعدہ کے قصے میں ختم ہو گیا، دوسرے دن بیعت عامہ ہوئی پھر یہ مسئلہ در پیش ہوا کہ کہاں دفن کیا جائے۔(۱)

شبہ کا ازالہ

مثنوی مولانا روم کا شعر اا گر واقعی وہ مثنوی کا شعر ہے تو مولانا روم علیہ الرحمہ کی ذات ستودہ صفات مورد الزام ٹھہرے گی، کہ انہوں نے بھی معاذاللہ صحابہ کی شان میں گستاخی کی---اس شبہہ کا ازالہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

یہ شعر حضرت مولانا روم کا ہرگز نہیں کسی رافضی کا الحاق ہے (۱) اگر کوئی رافضی اس شعر کا الحاق تسلیم نہیں کرتا تو مثنوی کا ہر شعر اس کے نزدیک حجت ہونا چاہئے، حضرت شارح بخاری مدظلہ، العالی والنورانی ترکی بہ ترکی فوراً ایک دوسرا شعر پیش کرتے ہیں، جو مثنوی میں خارجیوں کی جانب سے الحاق ہے وہ شعر یہ ہے ۔

کور کورانہ مرو در کربلا ـــــ تانیفتی چوں حسین اندر بلا (۲)

یعنی اندھادھند کربلا میں مت جاؤ ـــــ کہ حسین کی طرح بلا میں نہ پر جاؤ،

ظاہر ہے پوری روافض برادری یا تو یہ کہے کہ مثنوی ہمارے لئے حجت نہیں یا پھر یہ کہے کہ یہ شعر کسی ناصبی خارجی کا الحاق ہے۔ تو اگر یہ شعر مثنوی کا حجت نہیں ہو سکتا یا الحاق ہے تو مذکورہ بالا شعر چوں صحابہ حب دنیا داشتند الخ کیوں حجت ہوگا اور الحاق نہیں ہوگا۔

---

(۱) نزھۃ القاری ۷/ ۹۴

(۲) ایضاً

(۳) بخاری ۲/ ۶۳۳

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیا اپنا ولی عہد بنا دیا تھا

جب حضور اقدس ﷺ غزوۂ تبوک میں تشریف لے جانے لگے، تو حضرت علیر ضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب بنایا اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہنے عرض کیا کیا آپ مجھے عورتوں میں چھوڑے جا رہے ہیں ، تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ (۱) کیا تو راضی نہیں کہ میرے نزدیک اس مرتبے پر رہے جو ہارون کا موسیٰ کے نزدیک تھا۔

روافض اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں، کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا ولی عہد بنا دیا تھا، اس استدلال کا رد فرماتے ہوئے شارح بخاری فرماتے ہیں:

> ان کا یہ استدلال دو طرح سے فاسد ہے۔ ایک تو ہارون و موسیٰ کی تمثیل سے ۔حضرت موسیٰ جب کوہ طور پر توراۃ لینے جانے لگے تو حضرت ہارون کو عارضی طور پر اپنی واپسی تک کے لئے اپنا جانشین بنایا تھا جو ان کی واپسی کے بعد ختم ہو گیا، اس تمثیل نے ظاہر کر دیا کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عارضی طور پر تبوک سے واپسی تک کے لئے اپنا نائب بنایا تھا، دوسرے یہ کہ یہ نیابت بھی محدود تھی صرف انتظامی معاملات تک امامت جو سب سے اہم تھی وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تفویض نہیں فرمائی بلکہ حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم کو رضی اللہ عنہ کو امام بنایا تھا اگر یہ ولی عہدی کی جانب اشارہ ہے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام بناتے جبکہ وہ عبد اللہ ابن ام مکتوم سے اعلم تھے اقراء تھے جزوی نیابت ولی عہدی کے ادعائے باطل کو قلع قمع کر دیتی ہے۔(۲)

مشتے از خروارے کے طور پر نزہۃ القاری کے رد شیعہ سے متعلق اہم مقامات اور اہم گوشوں ہی پر میں نے اکتفا کیا جس سے ناظرین بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں، کہ حضرت شارح بخاری مدظلہ، العالی احقاق حق اور ابطال باطل میں کس درجہ کمال اور درک رکھتے ہیں ساتھ ہی یہ بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضرت شارح بخاری مد ظلہ ،الاقدس اہل سنت و جماعت کے عقائد حقہ کے ممتاز اور مخلص ترجمان ہیں۔

☆☆☆

(۱) نزہۃ القاری ۷ / ۹۴

(۲) نزہۃ القاری

مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور

نزہۃ القاری اور رد غیر مقلدیت

یہ امر سنت الہیہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی پر اپنا فضل خاص فرمانا چاہتا ہے تو اسے دین کا فقیہ بناتا ہے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا فقیہ بناتا ہے۔(مشکوۃ المصابیح ص ۳۲)

شارح بخاری فقیہ عصر حضرت علامہ الحاج مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی دامت برکاتہم القدسیہ صدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ مبارکپور، ان لوگوں میں سے ایک ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل خاص ہوا۔ چنانچہ نحو و صرف ہو یا منطق و فلسفہ، فقہ و اصول فقہ ہو یا عقائد و کلام، حدیث و اصول حدیث ہو یا تفسیر واصول تفسیر غرضیکہ مروجہ تمام علوم وفنون میں آپ یکتائے روزگار ہی نظر آتے ہیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ تدریس، تقریر، تصنیف، بحث و مناظرہ جیسے کمالات کی جامعیت بھی بدرجہ اتم آپ کی ذات میں پائی جاتی ہے۔ ایک زمانہ تک مختلف درسگاہوں میں آپ نے ہزاروں تشنگان علوم کو سیراب کیا۔ اخیر حیات میں جامعہ اشرفیہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ یوپی کے مسند افتا کو زینت بخشی اور تادم تحریر اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ جامعہ اشرفیہ ہی کے برج رفعت میں ماہ درخشندہ بن کر چمک رہے ہیں اور ہند و بیرون ہند پر اپنی کرنیں بکھیر رہے ہیں۔

ہزاروں فتاوی آپ کے یہاں سے جاری ہو چکے اور اب تک جاری ہو رہے ہیں فتاوی کی مصروفیات کے باوجود تصنیف بھی آپ کا ایک خاص نصب العین ہے۔ عنفوان شباب ہی سے تاہنوز مختلف موضوعات پر علمی دفنی کتابوں کی تصنیف میں مصروف رہے اور ابھی بھی رہتے ہیں۔ آپ کے کئی علمی و فکری، سماجی و ثقافتی شاہکار طبع ہو کر مقبول خاص و عام بھی ہو چکے۔

اس وقت میرا موضوعِ تحریر تصانیف کا تعارف نہیں ہے ورنہ قبلہ شارح بخاری کے جتنے اہم تصنیفی کارنامے ہیں ان کا انفرادی طور پر تعارف کرایا جائے تو ہر ایک پر ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

حضرت شارح بخاری قبلہ کے اندر دینی حمیت و غیرت، تحفظ مسلک اعلیٰ حضرت، رد دیوبندیت ووہابیت کا جذبہ خاص طور پر ایساکار فرما ہے کہ شریعت مصطفویہ بالخصوص مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف ایک لفظ بھی سننا گوارہ نہیں کرتے خواہ اپنی نجی مجلسوں میں ہوں یا کسی اسٹیج کی زینت ہوں اس چیز کا احساس و مشاہدہ آپ سے تعلق رکھنے والے سبھی حضرات کو ہے۔

آج جو ہر طرف سے باطل فرقوں کی ہوش رُبا آندھیاں چل رہی ہیں، دیوبندیت، وہابیت مسلک اعلیٰ حضرت پر مسلسل یلغار کر رہی ہے، دیوبندی، وہابی مُلّا اپنی تحریر و تقریر سے پاسبان شریعت مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ العزیز کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں —— حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی شرح بخاری کے صبر آزما مراحل کے باوجود تحریر و تقریر سے ان کا ایسا رد بلیغ فرماتے ہیں کہ پھر کسی بھی دیوبندی، وہابی مولوی کو اس پر مجال دم زدن نہیں ہوتی دانت پیس پیس کر رہ جاتے ہیں دیوبندی مکتب فکر کا ایک مشہور و معروف عالم نور محمد ٹانڈوی سنیوں کے خلاف تقریر کرتا رہا، اپنی مخصوص اداؤں کے ساتھ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا استہزاو تمسخر کرتا رہا تو حضرت شارح بخاری کی دینی حمیت و غیرت جلال میں آئی اور اس کا ایسا دنداں شکن جواب دیا کہ اس کی تقریر کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں بالآخر نور محمد ٹانڈوی کو مجبور ہو کر اپنے الفاظ میں آپ کی جلالتِ علمی کا اعتراف کرنا پڑا اور برملا اپنی تقریر میں تلملا کر بولا۔

شریف الحق سکون سے جیو اور جینے دو۔

جس گلشن کے تم گلِ تر ہو اُسی گلشن کے خار ہم بھی ہیں

حضرت مفتی صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کی شرح بخاری معروف بنزہۃ القاری میں جہاں ایک طرف احادیث کی تشریح و توضیح، احادیث سے احکام شرع کا استخراج واستنباط، متعارض حدیثوں کے درمیان تطبیق، ناسخ و منسوخ کا علم، جرح و تعدیل، تدلیس وارسال میں ائمہ ثقات وغیر ثقات کی تمیز، حدیث معنعن میں راویوں کے باہم لقاوعدم لقا کی معرفت، طبقات حدیث کے مدارج، کتبِ حدیث کے مراتب، ترجمۃ الباب کی مطابقت، احادیث مختصرہ کی تکمیل، رجال بخاری کے حالات، اتصال وانقطاع کی وضاحت، مختلف فیہ مسائل میں معتد بہ مذاہب کا استیعاب، مسلک حنفی کی ترجیح و تائید، حدیث کی توجیہ، ذاتی تحقیقات، مشکل الفاظ کی لغوی تشریح، حسن بیان، متانت کلام، نکتہ آفرینی، معتزلہ، روافض، شیعہ، خوارج کی تردید، عقائد اشعریہ وماتریدیہ کا اثبات، علماے سابقین پر تطفّل، جیسی اہم خوبیاں اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ ظاہر و باہر ہیں۔

وہیں دوسری جانب دیوبندی، وہابی شرحوں کا تعقب، دیوبندیت، وہابیت کی تردید ان کے نظریات کے دنداں شکن جواب، مسلک اعلیٰ حضرت کا تحفظ، فکر عینی و عسقلانی کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ اب ہم غیر مقلدوں کے عقائد و نظریات خود انہیں کی زبان میں نقل کر کے حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی کے مواخذے نذر قارئین

کرتے ہیں۔

غیر مقلدوں کی خود ساختہ تعریف

غیر مقلدوں کا عقیدہ ہے کہ انبیاے کرام صلوات اللہ تعالی علیہم و سلامہ اور بزرگان دین و محبوبان خدا سے توسل اور ان سے مرادیں مانگنا، انہیں حاجت روا سمجھنا کفر و شرک ہے اور یہ کام کرنے والا مشرک ہے۔ وہابی غیر مقلد مذہب کے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی اپنی بدنام زمانہ کتاب تقویۃ الایمان کے صفحہ ۱۰ پر لکھتے ہیں۔

" روزی کی کشائش اور تنگی کرنی اور تندرست و بیمار کر دینا اقبال و ادبار دینا، حاجتیں برلانی بلائیں ٹالنی، مشکل میں دستگیری کرنی یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی انبیا اولیا بھوت پری کی یہ شان نہیں جو کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے اور اس سے مرادیں مانگے اور مصیبت کے وقت اس کو پکارے سو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے۔ خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو قدرت بخشی ہے ہر طرح مشرک ہے"۔

اسی کتاب کے صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں۔

"پیغمبر خدا کے وقت میں کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ اسی کا مخلوق اور بندہ سمجھتے تھے اور ان کو اس کے مقابل کی طاقت نہیں ثابت کرتے تھے یہی پکارنا اور منتیں ماننا اور نذر و نیاز کرنی اور ان کو اپنا وکیل و سفارشی سمجھنا یہی ان کا کفر و شرک تھا سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو اس کو اللہ کا بندہ و مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے"۔

صفحہ ۲۲ پر لکھتے ہیں:

"جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں"

وہابی مُلّاؤں کو ہزار بار چیلنج پر چیلنج دیا گیا کہ اپنے ان فاسد عقائد، باطل نظریات، گمراہ کن خرافات کو قرآن و حدیث سے ثابت کریں بالخصوص تشریح مدعا کے طور پر ان سے شرک کی تعریف طلب کی گئی تو انہیں چھٹی کے دودھ یاد آگئے ان کے ماتھے ٹھنک گئے آخر کار اس کی تعریف نہیں کر سکے تو مجبور ہو کر عبادت کی تعریف خود سے گڑھ لی جس کا ذکر کسی بھی معتمد کتاب میں نہیں ہے وہ تعریف حسب ذیل ہے۔

"کسی کو مافوق الفطری قوت کا مالک اعتقاد کر کے اس کی قربت و نزدیکی حاصل کرنے کے لئے کوئی کام کرنا"

(روداد مناظرہ بجرڈیہہ بنارس)

شارح بخاری کا ناقدانہ ریمارک

حضرت شارح بخاری قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ نے اس خود ساختہ تعریف کو ذکر فرما کر اس کا ایسا رد فرمایا ہے

کہ دنیاے وہابیت میں ہلچل مچ گئی ان کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے۔اور اس پر اختصار مگر انتہائی جامعیت کے ساتھ ایسے اشکالات قائم کئے جو غیر مقلدوں کے لئے سوہان روح بن گئے۔ قبلہ شارح بخاری مدظلہ رقمطراز ہیں۔

آج کل کچھ لوگوں نے عبادت کی تعریف یہ گڑھ لی ہے ''کسی کو مافوق الفطری قوت کا مالک، اعتقاد کر کے اس کی قربت و نزدیکی حاصل کرنے کے لئے کوئی کام کرنا'' یہ تعریف نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں نہ صحابہ سے منقول ہے نہ علماے سلف سے نہ علماے خلف سے، انعامی اعلان کے باوجود آج تک نہیں بتایا گیا اور نہ کوئی قیامت تک بتا سکتا ہے اور بداہۃً باطل ہے ورنہ لازم کہ ساری امت ہی نہیں انبیاے کرام خود اللہ عزوجل، مشرک ہوں وہ یوں کہ بنص قرآنی ثابت کہ انبیاے کرام میں فوق الفطری قوتیں تھیں بلکہ یہ بھی ثابت ہے کہ امتیوں میں بھی تھیں حضرت داؤد کے ہاتھ میں لوہے کا نرم ہونا حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے وحوش و طیور جنات کا تابع ہونا ہوا ان کے قابو میں ہونا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضا اور عصا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مٹی کی مورت میں جان ڈالنا اور مادر زاد اندھے اور برص والے کو شفا دینا، مردے جلانا، حضرت آصف بن برخیا کا سیکڑوں میل کی دوری سے بلقیس کا منوں وزنی تخت پلک جھپکنے کے اندر لانے کی قوت، یہ سب مافوق الفطری قوتیں ہی تو ہیں، پھر یہ تعریف بالمجہول مافوق الفطری کی تحدید کیا ہے اس کو کوئی صاحب متعین کر دیں اور تعریف بالمجہول، تجہیلِ محض و باطل۔اس لئے یہ تعریف من گڑھت ہونے کے ساتھ ساتھ لایعنی بلکہ منجر الی الکفر ہے۔

(نزہۃ القاری ج ۱ ص ۳۲۴)

غیر مقلدوں کی اس خود ساختہ تعریف پر حضرت شارح بخاری قبلہ کا یہ ریمارک اگرچہ بظاہر مختصر نظر آتا ہے مگر در حقیقت یہ اپنی پیچ میں نقض اور معارضہ کا انبار لئے ہوئے ہے جس کی قدرے تفصیل ہدیہ ناظرین ہے۔

۱- غیر مقلدوں نے جو عبادت کی تعریف کی ہے اس تعریف کا ذکر قرآن میں ہے نہ حدیث میں اور نہ ہی اقوال صحابہ سے اس کا ثبوت ہے حتی کہ علماے متقدمین و متاخرین سے بھی یہ تعریف منقول نہیں البتہ وہابیوں کی اختراعی بدعت ضرور ہے۔

۲- اگر یہ تعریف درست مان لی جائے تو لازم آئے گا کہ پوری امت بلکہ انبیاے کرام بلکہ اللہ تعالیٰ شرک میں مبتلا ہو جائے کیونکہ قرآن کریم کے نصوص قطعیہ اس بات کے ناطق ہیں کہ انبیاے کرام مافوق الفطری قوتوں کے مالک تھے حتی کہ بعض امتی بھی ان طاقتوں کے حامل تھے اس کی چند نظیریں درج ذیل ہیں۔

۱- لوہے کا موم اور گندھے ہوئے آٹے کی طرح نرم ہونا یہ مافوق الفطری امر ہے بعطاے الٰہی حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا بالکل نرم ہو جاتا کہ اس سے آپ جو چاہتے بغیر تکلف کے بناتے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ولقد اتینا داٗود منا فضلاًیا جبال اُوبی معه والطیر واُلنا له الحدید ان اعمل سابغاتٍ و قدّرفی السرد(ج۲۲ ع ۸ سورہ سبا)

بیشک ہم نے داؤد کو اپنا بڑا فضل دیا اے پہاڑ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اے پرندوں اور ہم نے اس کے لئے لوہا نرم کیا کہ وسیع زرہیں بنا اور بنانے میں اندازے کا لحاظ رکھ۔

۲-حضرت سلیمان علیہ السلام کے قابو میں ہوا کا ہونا کہ جب وہ چاہیں ہوا چلے اور جب چاہیں ہوا نہ چلے، جنات اور جانور اور پرند، کا تابع ہونا یہ سب امور مافوق الفطری ہیں۔ مگر یہ ساری قوتیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو حاصل تھیں ارشاد ربانی ہے۔

﴿فسخرنا له الریح تجری بامره رخاءً حیث اُصاب والشیاطین کل بناءٍ و غوّاص و اٰخرین مقرنین فی الاُصفاد هذا عطائنا فامنن او اُمسك بغیر حسابٍ﴾ (ج ۲۳ رکوع ۱۲ سورہ ص آیت نمبر ۳۶)

تو ہم نے ہوا اس (حضرت سلیمان علیہ السلام) کے بس میں کردی کہ اس کے حکم سے نرم نرم چلتی جہاں وہ چاہتا اور دیو بس میں کردئے ہر معمار اور غوطہ خور اور دوسرے، اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے یہ ہماری عطا ہے اب تو چاہے تو احسان کریا روک رکھ تجھ پر کچھ حساب نہیں۔

۳-حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا میں فوق الفطری قوتیں تھیں مثلاً عصا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چلتا،آپ سے گفتگو کرتا، دشمنوں سے جنگ کرتا، جانوروں کا مقابلہ کرتا، جہاں کوئیں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پانی نکالنے کی ضرورت محسوس فرماتے وہاں رسی ہو جاتا، کنویں کی گہرائی کے حساب سے اس کی بھی لمبائی بڑھ جاتی، اس عصا میں اوپری حصہ میں دو شاخیں تھیں وہ ڈول ہو جاتیں، اور رات میں شمع کا کام کرتیں۔ عصا زمین میں نصب فرمادیتے تو جو پھل آپ تناول فرمانا چاہتے وہ پھل نمودار ہو جاتا اور اس سے پانی بھی نکلتا اور جب زمین سے نکال لیتے تو خشک ہو جاتا وغیرہ۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کفِ دستِ راست، بائیں بازو سے بغل کے نیچے ملا کر نکالتے تو آپ کا دست اقدس آفتاب کی طرح چمکتا کہ نگاہیں اس کے آگے چکا چوند ہو جاتیں۔

یہ سب فوق الفطری قوتیں ہیں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وما تلك بیمینك یا موسیٰ قال هی عصای اُتو کا علیها واُهش بها علی غنمی ولی فیها مآرب اُخریٰ قال اٰلقها یا موسیٰ فاُلقاها فإذا هی حیة تسعیٰ قال خذها ولا تخف سنعیدها سیرتهاالاُولیٰ و اضمم یدك إلی جناحك تخرج بیضاء من غیر سوءٍ آیةً اُخریٰ لنریك من آیاتنا الکبریٰ﴾ (سورہ طٰهٰ آیت ۱۸ ج ۱۶)

اور یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ عرض کی یہ میرا عصا ہے میں اس پر تکیہ لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور میرے۔اس میں اور کام ہیں فرمایا اسے ڈال دے اے موسیٰ تو موسیٰ نے ڈال دیا تو جبھی وہ دوڑتا ہوا سانپ ہو گیا فرمایا اسے اٹھالے اور ڈر نہیں اب ہم پھر اسے پہلی طرح کر دیں گے اور اپنا ہاتھ اپنے بازو سے ملا خوب سفید نکلے گا بے کسی مرض کے ایک اور نشانی کہ تجھے ہم اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں۔

۴- حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ السلام مافوق الفطرت قوتوں کے حامل تھے، مٹی سے پرندوں کی سی مورت بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ اللہ کے حکم سے پرواز کرتا پرندہ ہو جاتا، آپکے دور میں علم طب کا بڑا عروج تھا ایک سے ایک ماہر اطبا موجود تھے مگر جن مریضوں کے علاج سے وہ عاجز رہ جاتے انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام شفا عطا فرماتے تھے چنانچہ ایک ایک دن میں پچاس پچاس ہزار مریض آپ کے دست اقدس سے شفا پاتے جن میں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کثیر مقدار میں ہوتے اور آپ مردوں کو بھی جلایا کرتے اور آپ یہ بھی بتاتے کہ کون کیا کھاتا ہے اور اپنے گھر میں کیا جمع رکھتا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿انی قد جئتکم بآیة من ربکم إنی أخلق لکم من الطین کهیئة الطیر فانفخ فیه فیکون طیراً باذن الله و أبرئ الأکمه والأبرص و أحی الموتی باذن الله و أنبئکم بما تاکلون وماتدخرون فی بیوتکم﴾ (ج ۳ سورہ آل عمران آیت ۴۹)

میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے کہ میں تمہارے لئے مٹی کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرندہ ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔

۵- یہ تو شان تھی انبیاء کرام کی اب حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر حضرت آصف بن برخیا کی شان ملاحظہ کیجئے۔ یہ بھی فوق الفطری قوت کے مالک تھے بلقیس کا تخت جو اسی گز لمبا اور چالیس گز چوڑا تھا سونے چاندی ہیرے جواہرات سے مرصع منوں وزنی تخت تھا اسے پل بھر میں لانے کی طاقت حضرت آصف بن برخیا میں تھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قال الذی عنده علم من الکتاب أنا اٰتیك به قبل أن یرتد إلیك طرفك فلما راٰه مستقراً عنده قال هذا من فضل ربی (سورہ نمل آیت ۴۰ ج ۱۹)

اس (آصف بن برخیا) نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کر دوں گا ایک پل مارنے سے پہلے پھر جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے۔

خودساختہ تعریف کے بطلان کی تیسری وجہ

مافوق الفطری یہ ایک مجہول چیز ہے تعریف میں اس کی کوئی تحدید نہیں اور مجہول سے تعریف نہیں ہوتی بلکہ تجہیل ہوتی ہے کیونکہ مُعرِّف کے لئے ضروری ہے کہ مُعرَّف سے اجلیٰ وروشن ہو اس سے اخفیٰ یا ظہور و خفا میں اس کے مساوی نہ ہو۔ لہٰذا مافوق الفطری کے لفظ سے شرک کی تعریف درست نہیں۔

یہ تھی مختصر تفصیل جو حضرت شارح بخاری قبلہ کی تعریف میں مضمر تھی۔

غیر مقلدوں کا بہتان اور اس کا جواب

غیر مقلدین زمانہ، نے مطلقافقہ، خاص طور سے فقہ حنفی پر امام بخاری رحمہ اللہ کے کاندھے پر بندوق رکھ کر فقہائے احناف کو نشانہ بناکر ان پر یہ الزام تراشی کی، کہ یہ لوگ حدیثیں چھوڑ کر اقوالِ رجال سے اپنے مذہب پر دلیل لاتے ہیں، ان کی صبح شام کی مصروفیت یہی ہے روز و شب ان کے اسی میں گزرتے ہیں۔

حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی نے شرحِ بخاری کے مقدمہ میں اس الزام کا جو تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو کر سامنے آئی کہ احناف کے سر پر یہ الزام بے بنیاد ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ احناف نے احادیث پر جتنا عمل کیا ہے، کسی نے بھی نہیں کیا ہے پھر غیر مقلدوں نے امام بخاری کا سہارا لے کر احناف کے سر پر یہ الزام تھوپا ہے حالانکہ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی سینکڑوں جگہ اقوالِ رجال سے احکام کا استنباط کیا کتنے مسائل میں اقوال رجال ہی کو دلیل بنائے بیشتر ابواب میں حدیث سے پہلے اقوالِ رجال ذکر کرتے ہیں۔

پھر غیر مقلدین خود ہی بتائیں کہ جن مسائل میں قرآن وحدیث میں کوئی حکم نہ ملے اس وقت غیر مجتہد کیا کرے گا اس کے اندر خود اجتہاد کی صلاحیت نہیں ہے تو وہابیوں کے پیشوا ابن عبدالوہاب نجدی کی طرح ظاہر معنی کو لیکر خود گمراہ ہوگا دوسرے کو بھی گمراہ کرے گا یا کسی امام مجتہد کی طرف وہ رجوع کرے گا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

﴿فسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾ ارباب علم ودانش سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے ہو۔

اور اگر مجتہد ہو تو وہ بھی کیا کرے گا قرآن سنت میں جب اسے حکم نہیں مل رہا ہے تو سوائے اجتہاد واستنباط کے اور کیا راستہ ہے غیر مقلدین اس کا جواب دیں:

علاوہ ازیں سارے احکام شرع کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے اور یہ امر مسلمات سے ہے کہ فقہائے کرام نے احکام کا استخراج کتاب وسنت ہی سے کیا ہے۔ تو جن مسائل میں قرآن وحدیث سے انہیں کوئی نص نہ ملی تو ان لوگوں نے ان مسائل کو سامنے رکھ کر اجتہاد سے کام لیا جن میں احکام کا استخراج واستنباط کتاب وسنت سے ہوا تھا۔ لہٰذا یہ اقوال

رجال پر احکام کی بنیاد رکھنا نہیں ہے بلکہ خود قرآن وحدیث ہی پر احکام کی بنیاد رکھی گئی۔

اس کے علاوہ اس پر اجماع ہے کہ جو شخص مجتہد نہیں اسے کسی مجتہد کی تقلید کرنی واجب ہے اور ظاہر ہے کہ اجتہاد کی صلاحیت ہر کس وناکس میں نہیں ہوتی اس بنا پر جو مقلد ہے اسے اپنے امام مجتہد کے اقوال پر لامحالہ اعتماد کرنا پڑے گا۔ اب ہم نزہتِ ناظرین کے لئے نزہۃ القاری شرح بخاری کا اقتباس نذر ناظرین کرتے ہیں۔

فقہ حنفی ہی نہیں مطلقاً فقہ پر امام بخاری کا ایک طعن برابر چلا آرہا ہے اور آج کل کے معاندین امام بخاری کے کاندھے پر بندوق رکھ کر اس کا احناف کو نشانہ بناتے ہیں۔ وہ یہ کہ فقہا احادیث کو چھوڑ کر اقوال رجال سے احکام نکالتے ہیں اسی میں پھنسے رہتے ہیں۔

پہلا جواب:۔ اس کا یہ ہے کہ خود امام بخاری نے بھی اقوال رجال سے احکام استنباط فرمایا اور انہیں دلیل بنایا بلکہ کہیں کہیں صرف اقوال رجال ہی کو دلیل بنایا ان کے ابواب کو اٹھا کر دیکھئے کہ کتنے ابواب میں حدیث سے پہلے اقوال رجال ذکر کرتے ہیں پھر حدیث اور کہیں کہیں تو باب کے تحت کوئی حدیث نہیں صرف اقوال رجال ہیں بلکہ ایک عامی کو امام بخاری کے طرز سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک اقوال کی حیثیت حدیث سے زائد ہے اس لئے کہ امام بخاری کی ترتیب یہ ہے کہ وہ باب کی تائید میں پہلے آیت ذکر کرتے ہیں، اگر اس کی تائید میں کوئی آیت ہو۔ پھر اقوال رجال پھر حدیث اگر کوئی ان کے پاس ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید سب پر مقدم ہے اس سے کسی کا ذہن اس طرف جا سکتا ہے کہ یہ ترتیب الاہم فالاہم کی ہے۔

دوسرا جواب:۔ جن امور کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی حکم نہ ملے تو غیر مجتہد کیا کرے اسے آپ بتائیں۔

تیسرا جواب:۔ یہ بات بتحقیق ثابت ہو چکی کہ فقہ کی اصل بنیاد قرآن واحادیث ہیں اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ فقہانے احکام کو قرآن واحادیث ہی سے استخراج فرمایا ہے۔ جو احکام قرآن وحدیث میں نہ مل سکے ان میں انہوں نے قرآن واحادیث سے مستخرج احکام کو سامنے رکھ کر اجتہاد سے احکام معلوم کئے ہیں تو آپ بتائیں کہ پھر فقہا کے اقوال کیوں قابل قبول نہ ہوں گے اور یہ حقیقت میں اقوال فقہا پر اعتماد کرنا نہیں بلکہ اصل اعتماد قرآن وحدیث پر ہے یہ اقوال فقہا قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں اس لئے یہ قابل اعتماد ہیں۔ جیسے آپ لوگ بھی ایک ہی صدی میں غیر مقلدیت کو اپنے لئے سرمایہ افتخار جانتے ہوئے بھی فتاوئ نذیریہ فتاوی ثنائیہ پر اعتماد کرتے ہیں اور وہی آپ لوگوں کا معمول بہ ہے کیا امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کے اقوال پر اعتماد جائز نہیں، اور میاں نذیر حسن دہلوی اور مولوی ثناء اللہ امرتسری کے اقوال کا درجہ قرآن وحدیث کے برابر ہے کہ ان پر اعتماد درست ہے۔

اقوال فقہا پر اعتماد یقیناً اس وقت ناجائز و حرام ہوتا جب یہ ان کی ذاتی رائے ہوتی اور قرآن و حدیث کے معارض ہوتی مگر جب ان کے اقوال قرآن و حدیث کے مطابق ہیں تو ان پر اعتماد اصل میں قرآن و حدیث ہی پر اعتماد ہے۔

چوتھا جواب:۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ جو مجتہد نہیں اسے کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید کرنی فرض ہے۔ اس قدر پر امت کا اجماع ہے اور یہ قرآن و حدیث سے بھی ثابت ہے مجتہد کون ہے یا کون ہو سکتا ہے اس کو آپ اس سے سمجھ لیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام میں سے مجتہد کتنے ہوئے ان کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے یہ تفصیل کا موقع نہیں اب جو مجتہد نہیں لامحالہ اسے کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید کرنی ہے اور جب وہ مقلد ہے تو اسے اس امام کے اقوال پر اعتماد کرنا لازم ہے جس کا وہ مقلد ہے اسے براہ راست قرآن و احادیث سے مسائل کے استخراج کی کوشش جائز نہیں۔ امت کی اکثریت بلکہ غالب اکثریت غیر مجتہد ہے اس لئے وہ لوگ اقوال فقہا سے احکام تلاش کرتے ہیں اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ عمل خود محدثین مصنفین صحاح ستہ حتی کہ شیخین کے اساتذہ کا تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو اسے فقہا کی طرف رجوع کا حکم دیتے یا یہ خود فقہا کی طرف رجوع کرتے۔

(مقدمہ نزہۃ القاری ص ۱۵۷۔۱۵۸)

غیر مقلدوں کی قیاس آرائی اور اس کا رد

منی کے سلسلے میں غیر مقلدوں کا نظریہ ہے کہ وہ پاک ہے اس بارے میں ان لوگوں نے باں دعوی عمل بالحدیث قیاس سے کام لیا اور حدیث حسن کو بالائے طاق رکھ دیا غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اشیا میں اصل اباحت ہے منی کے ناپاک ہونے کی کوئی دلیل نہیں اس وجہ سے یہ پاک ہے اور بخاری مسلم نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جو یہ حدیث تخریج کی ہے۔

کنت اغسل المنی من ثوب رسول اللہ ﷺ فیخرج الیٰ الصلوۃ و ان بقع الماء فی ثوبہ

میں رسول اکرم ﷺ کے کپڑے سے منی دھو دیتی حضور ﷺ اسی کپڑے میں نماز کے لئے چلے جاتے اور دھونے کا نشان کپڑے میں موجود رہتا۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس حدیث کے معارض ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دوسری حدیث یہ ہے۔

کنت افرک المنی من ثوب رسول اللہ ﷺ اذا کان یابسا و امسحہ او اغسلہ اذا کان رطبا۔

میں رسول اکرم ﷺ کے کپڑے سے منی کھرچ دیتی جب وہ خشک ہوتی اور اسے پونچھ دیتی یا دھو دیتی جب وہ تر ہوتی۔

غیر مقلدین اپنے مذہب کا اثبات اور احناف کی تردید اس طرح کرتے ہیں۔

۱- کپڑے سے منی کا دھونا یہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اپنا ذاتی عمل ہے اس حدیث کے کسی بھی جز سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اکرم ﷺ نے انہیں دھونے کا حکم دیا ہو۔

۲- بالفرض اگر رسول پاک ﷺ نے دھونے کا حکم دیا بھی ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ منی ناپاک ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دھونے کا حکم اس لئے دیا ہو کہ یہ تھوک اور کھکھار کی طرح گھناؤنی چیز ہے جو فی نفسہ پاک ہے۔

۳- اگر منی ناپاک ہوتی تو پھر کیا وجہ ہے کہ بعض صورتوں میں حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا صرف ملنے پر اکتفا کرتیں جب کہ کپڑے پر لگنے والی کوئی بھی نجاست محض ملنے سے پاک نہیں ہوتی۔

حضرت شارح بخاری مد ظلہ العالی نے غیر مقلدوں کے اس قیاس کا رد پھر مسلک حنفی کا اثبات اور ناقدین حدیث کی طرف سے وارد ہونے والے شبہات کا جس سنجیدگی و متانت کے ساتھ محققانہ جواب دیا ہے وہ انتہائی معلومات افزا ہے ہم ذیل میں حضرت شارح بخاری قبلہ کا اقتباس من و عن ذکر کرتے ہیں فرماتے ہیں۔

ہر منصف دیکھے کہ حدیث صحیح کو غیر مقلدین قیاس سے رد کر رہے ہیں۔ اور احناف حدیث پر عمل کرتے ہیں جیسا کہ وارد ہے اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دوسری نجاستوں کے مقابلہ میں منی کی یہ خصوصیت ہے کہ جب سوکھ جائے تو ملنے سے پاک ہو جاتی ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ نجاست سے پاکی کیسے ہو گی یہ قیاس نہیں بالکلیہ سماعی ہے علاوہ ازیں منی کے نجس ہونے کے بارے میں حدیث میں صراحت ہے امام ابن ہمام نے دار قطنی کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمار سے فرمایا۔

انما یغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقیٔ و الدم والمنی

کپڑا پانچ چیزوں سے دھویا جاتا ہے پاخانہ، پیشاب، قے اور خون اور منی سے۔

اس حدیث کی سند پر کلام کیا گیا ہے کہ اس میں ایک راوی ثابت بن حماد ہے اور یہ ضعیف ہے حالانکہ یہی حدیث ثابت بن حماد کے بغیر واسطہ طبرانی میں مذکور ہے تو جو ضعف ثابت بن حماد کی وجہ سے تھا وہ دور ہو گیا اسی طرح خود ایک دوسرے راوی علی بن زید پر یہ جرح ہے کہ یہ قابلِ احتجاج نہیں مگر معترض کو یہ معلوم نہیں کہ یہ مسلم کے رجال سے ہیں علاوہ ازیں عجلی نے کہا لا باس بہ امام ترمذی نے اسے صدوق کہا۔ اسی طرح ایک اور راوی ابراہیم بن زکریا کو بھی کچھ لوگوں نے ضعیف کہا مگر بزار نے اسے ثقہ کہا۔ چلئے یہ حدیث دونوں سند کے اعتبار سے

ضعیف ہے مگر دو طریقے سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہ ضرور ہوئی اور احکام میں یہ بھی حجت اور آگے چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ یہ اب بھی ضعیف ہی رہی مگر احناف کا اس پر عمل ہے اور یہی ہمارا مقصد ہے کہ احناف ضعیف حدیث ہوتے ہوئے بھی قیاس کے قریب نہیں جاتے اور اہل حدیث بننے کے مدعی صحیح حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل کرتے ہیں۔

(مقدمہ نزہۃ القاری ص ۱۴۳۔ ۱۴۴)

حضرت شارح بخاری مدظلہ کا یہ اقتباس کس قدر معلومات افزا ہے کہ اس سے بہت سے افادات ہمیں فراہم ہوئے، جن کی مختصر تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی جو حدیث صحیح اوپر گزری، غیر مقلدوں نے اسے ترک کردیا اس کے مقابلے میں قیاس سے کام لیا۔ جبکہ دعویٰ اہل حدیث ہونے کا ہے۔

۲۔ احناف نے حدیث کے مقابلے میں قیاس پر اعتماد نہیں کیا بلکہ احناف اسے نجس ہی سمجھتے ہیں رہا مسئلہ تعارض نصین کا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ منی پاک ہے بلکہ اس سے تخفیف صرف اس قدر ہے کہ کپڑے پر خشک ہو جانے کی صورت میں محض ملنے سے کپڑا پاک ہو جائے گا اسے دھونے کی ضرورت نہیں ہے، اور یہ قیاس کی بنا پر نہیں بلکہ یہ سماع پر مبنی ہے حدیث کا مستفاد یہی ہے۔

۳۔ منی کے نجس ہونے پر واضح دلیل وہ حدیث ہے جسے امام دار قطنی رحمہ اللہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے تخریج کی اس سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ منی نجس و ناپاک ہے۔

۴۔ اس حدیث کی سند پر ناقدین حدیث نے جو کلام کیا کہ اس کو علی بن زید سے صرف ثابت بن حماد نے روایت کیا ہے اور ثابت بن حماد ضعیف ہیں۔ اس کا جواب حضرت شارح بخاری نے یہ دیا کہ خود امام طبرانی رحمہ اللہ نے ہی ایک دوسرے طریقے سے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے جس میں ثابت بن قیس عن ابن زید کے طریقے سے حدیث کی روایت نہیں ہے بلکہ علی بن زید سے حماد بن سلمہ نے روایت کی ہے چنانچہ امام طبرانی کی معجم کبیر میں سلسلہ سند یہ ہے۔

حدثنا الحسین بن اسحٰق التستری حدثنا علی بن بحر حدثنا ابراھیم بن زکریا العجلی حدثنا حماد بن سلمہ عن علی بن زید (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۷۳)

ہم سے حسین بن اسحٰق تستری نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے علی بن بحر نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے ابراہیم بن زکریا نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے حماد بن سلمہ نے بیان کیا وہ علی بن زید سے روایت کرتے ہیں۔

۵۔ حدیث کے دونوں طریقوں میں علی بن زید ہیں، ان پر کلام یہ کیا گیا کہ وہ قابل احتجاج نہیں ہیں اس کا

جواب یہ ہے، کہ علی بن زید خود صحیح مسلم کے رجال سے ہیں۔ علاوہ ازیں عجلی نے لا باس بہ کہا اور امام ترمذی نے صدوق کہا۔

٦- اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن زکریا ہیں انہیں بہت سے لوگوں نے ضعیف قرار دیا، اس کا جواب یہ ہے کہ امام بزار رحمہ اللہ نے ان کی توثیق کی ہے۔

٧- بالفرض اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ حدیث دونوں سند کے اعتبار سے ضعیف ہے مگر جب متعدد طُرُق سے مروی ہے تو یہ درجہ حسن کو پہنچ گئی اور احکام میں حدیث حسن بھی مقبول و قابل حجت ہے۔

٨- اگرچہ حدیث ضعیف ہی رہے پھر بھی ہمیں مضر نہیں کیونکہ ہمارا مقصد یہ بتانا ہے کہ احناف حدیث ضعیف کے ہوتے ہوئے بھی قیاس کے کنارے نہیں جاتے مگر غیر مقلدین اہل حدیث بننے کے باوجود حدیث کے مقابلے میں قیاس ورائے کو ترجیح دیتے ہیں اور حدیث ترک کر دیتے ہیں۔

غیر مقلدوں کے امام الطائفہ شوکانی کا رد

آگ سے پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو باقی رہتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے ابتدا میں صحابہ کرام کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف تھا مگر جب حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحابہ کرام کو معلوم ہوئی۔

کان آخر الامرین من رسول اللہ ﷺ ترك الوضوء مما مسته النار

رسول اکرم ﷺ کا آخری فعل یہی رہا کہ آپ ﷺ نے آگ سے پکی ہوئی چیز تناول فرما کر وضو نہ فرمایا تو سب کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور بعد میں بھی اس مسئلہ پر اتفاق ہی رہا البتہ امام احمد اور امام اسحٰق نے اونٹ کے گوشت کے بارے میں اختلاف کیا یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنا واجب ہے باقی کے بارے میں یہ حضرات بھی اس بات پر متفق ہیں کہ وضو نہیں ٹوٹتا جن احادیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا واجب ہے۔ جمہور فقہا ان کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ ان حدیثوں میں وضوے شرعی مراد نہیں بلکہ وضوے لغوی مراد ہے تاکہ احادیث متعارضہ کے درمیان تطبیق ہو سکے مگر غیر مقلدوں کے امام شوکانی صاحب نے اپنی تصنیف نیل الاوطار میں توضأوا مما مست النار کے تحت یہ گل افشانی کی کہ اس حدیث میں وضوے شرعی مراد ہے، وضوے لغوی مراد لینا درست نہیں اس لئے کہ حقائق شرعیہ غیر پر مقدم ہوتے ہیں تو وضو شرعی مراد لینے کی صورت میں اس حکم کی منسوخیت پر یہ ایراد کیا کہ رسول اکرم ﷺ جب ہمیں کسی بات کا حکم دیں تو فعل رسول، اس قول رسول کے لئے ناسخ نہیں بن سکتا۔ پھر اسی بحث میں یہ گل کھلایا کہ آگ سے پکی ہوئی چیزوں میں صرف بکری کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا باقی تمام چیزوں کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یہ تھا شوکانی صاحب کا اجتہاد جس کی تقلید غیر مقلدوں نے اپنے اوپر لازم کر رکھی ہے۔

شوکانی صاحب کی گل کاریاں حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی کی تحریروں سے کس قدر مرجھارہی ہیں۔
وہ ملاحظہ فرمائیں شارح بخاری اپنے افادات میں فرماتے ہیں:
دوسرا یہ کہ جن احادیث میں آگ سے پکی ہوئی چیزوں کے کھانے پر وضو کا حکم ہے ان میں وضو سے لغوی وضو مراد ہے شرعی نہیں تاکہ احادیث کا تعارض اٹھ جائے، شوکانی صاحب نے نیل الاوطار میں لکھا کہ توضأوا مما مست النار میں وضو سے لغوی معنیٰ مراد لینا درست نہیں. اس لئے کہ حقائق شرعیہ غیر پر مقدم ہوتے ہیں۔اس پر عرض یہ ہے کہ نصوص میں تعارض دفع کرنے کے لئے بعض نصوص میں لغوی معنی مراد لینا ضرورت شرعیہ ہے۔ضرورت شرعیہ کی بنا پر معانی شرعیہ سے عدول میں کوئی حرج نہیں۔
نیز انہوں نے نسخ کے قول پر یہ ایراد کیا ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ ہمیں کوئی حکم دیں تو فعل رسول اس قول کا ناسخ نہیں ہو سکتا، یہ بھی فریب ہے اولاً یہ اس وقت ہے جبکہ وہ عمل خصائص سے ہو جیسے نیند کا ناقض وضو نہ ہونا اور خصائص میں سے ہونے کے لئے دلیل لازم یہاں کوئی دلیل نہیں اس لئے دعویٰ تخصیص ساقط۔اور جب تخصیص ثابت نہیں تو یہ کہنا کہ حضور اقدس ﷺ کا یہ عمل ناسخ نہیں ہو سکتا بے دلیل ہوا۔
ثانیاً اس حدیث میں تصریح ہے، ہم لوگوں نے بھی ستو کھایا اور صرف کلی کرکے نماز پڑھی اگر آگ پر پکی ہوئی چیز کا ناقض نہ ہونا حضور اقدس ﷺ کے ساتھ خاص ہوتا تو حضور اقدس ﷺ صحابۂ کرام کو ضرور وضو کا حکم دیتے، اسی سے ان کا یہ اجتہاد بھی باطل ہو گیا۔ آگ پر پکی ہوئی چیزوں میں سے صرف بکری کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا بقیہ تمام چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے. وہ اس طرح کہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ ستو کھانا ناقضِ وضو نہیں، نیز مسلم شریف میں روٹی کا بھی ذکر ہے اس لئے بکری کے گوشت کا حصر باطل۔

(نزہۃ القاری ج ۲ ص ۹۱)

صاحب تحفۃ الاحوذی کی حدیث دانی اور اس کا حشر

کیا بلاعذر نبی اکرم ﷺ سے کھڑے ہو کر پیشاب فرمانا ثابت ہے یا نہیں اس سلسلے میں امام ترمذی، امام نسائی، امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تخریج کیا وہ فرماتی ہیں:

من حدثکم ان النبی ﷺ کان یبول قائماً فلا تصدّقوہ ما کان یبول إلا قاعدا

جو تم لوگوں سے یہ بیان کرے کہ نبی اکرم ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب فرماتے اس کی بات نہ مانو نبی اکرم ﷺ بیٹھ ہی کر پیشاب فرماتے:
اس حدیث کی تخریج کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت عمر اور حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے مگر حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر کلام کرتے ہوئے امام ترمذی

فرماتے ہیں۔
حدیث بریدۃ فی ھذا غیر محفوظ ومعنیٰ النھی عن البول قائما علی التادیب لا علی التحریم (جامع ترمذی ص ٤ ج ١)
اس مسئلہ میں بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث غیر محفوظ ہے اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے ممانعت کا معنیٰ تادیب پر محمول ہے تحریم پر نہیں۔
امام ترمذی کے اس کلام پر علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا:
"بزار نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے سند صحیح کے ساتھ اس حدیث کی روایت کی ہے"۔
مبارکپوری غیر مقلد مولوی صاحب تحفۃ الاحوذی نے اپنی حدیث دانی کا بھرپور ثبوت دیتے ہوئے اس پر یہ گل افشانی کی:
"سند صحیح کے ساتھ روایت اس کے غیر محفوظ ہونے کے منافی نہیں پھر اس تنقید سے کیا فائدہ"۔
اب شارح بخاری مدظلہ کی تحریروں سے اس غیر مقلد کی غیر مقلدانہ چال اور اس کی حدیث دانی کا اندازہ کیجئے کہ حدیث دانی کا اتنا بڑا دعوے دار علم اصول حدیث سے کس قدر نا آشنا ہے اس کو یہ بھی پتہ نہیں کہ اصطلاح اصول حدیث میں غیر محفوظ ہونے کا کیا معنیٰ ہے۔ پھر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری عبارت بھی نقل نہیں کی بلکہ عبارت کا بیشتر حصہ حذف کر کے اپنی فریب کارانہ چال بھی دکھادی ہے۔ مبارکپوری غیر مقلد کی اس گرفت کا حشر نزہۃ القاری کے اقتباس ذیل سے ملاحظہ کیجئے۔
"غالباً مبارکپوری صاحب کے ذہن میں "غیر محفوظ" کے معنی محفوظ نہ رہے ورنہ ایسی بات ہرگز نہ لکھتے۔ حدیث غیر محفوظ اصطلاح محدثین میں اس حدیث کو کہتے ہیں جسے کوئی ثقہ دوسرے ثقات کے خلاف روایت کرے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی حدیث کے غیر محفوظ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے مقابل بھی دوسری روایت ہو اور اگر روایت صرف ایک ہی ہو تو اسے غیر محفوظ نہیں کہہ سکتے، یہاں علامہ عینی رحمہ اللہ نے تصریح کر دی کہ بزار نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو بریدہ رضی اللہ عنہ سے سوائے سعید کے کسی اور نے روایت نہیں کی ہے، جب اس کے خلاف کوئی روایت ہی نہیں تو اسے غیر محفوظ کہنا درست نہیں۔
یہاں مبارکپوری صاحب نے ایک غیر مقلدانہ داؤ بھی چلادیا ہے، علامہ عینی رحمہ اللہ کی پوری عبارت نقل نہیں کی جس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ علامہ عینی رحمہ اللہ، امام ترمذی کے مقابلے میں ہیں۔ جس سے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ امام ترمذی کے مقابلے میں علامہ عینی رحمہ اللہ کی کیا حیثیت ہے۔
حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اصل مقابلہ امام بزار اور امام ترمذی کا ہے۔ علامہ عینی ایک حکم کی طرح فیصلہ دینے والے

ہیں . علاوہ ازیں غیر مقلدیت کے دعویٰ کے بعد یہ شخصیت پرستی زیب نہیں دیتی۔ اگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کے اجماعی فیصلہ کے خلاف ہر مقلد اپنی رائے کو حق کہہ سکتا ہے تو پھر از روئے قواعد غیر مقلدیت، علامہ عینی جیسے حدیث وفقہ کے جامع کامل کو یہ حق کیسے نہیں بل سکتا کہ وہ امام ترمذی کی رائے پر کچھ لب کشائی کر سکیں۔ (ج ۲ ص ۱۲۱-۱۲۲)

شارح بخاری کے اس علمی ریمارک سے جہاں غیر مقلد مبارکپوری محدث کی فن حدیث سے جہالت خوب آشکارا ہو گئی وہیں اس کے منھ پر زبردست طمانچے بھی لگے ساتھ ہی عبارت میں اس نے جو خیانت کی وہ بھی واضح ہو گئی۔

رفع یدین کا مسئلہ

آج کل غیر مقلدین رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا مسئلہ بہت ہی شد و مد سے اٹھاتے ہیں اور اس سلسلہ میں وہ صرف احناف کو نشانہ بناتے ہیں ان پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ لوگ حدیث صحیح کی مخالفت کرتے ہیں۔

شارح بخاری مدظلہ نے پہلے قوی دلائل سے اس مسئلہ کا اثبات کیا پھر ان دلائل پر وارد ہونے والے شبہات کا انتہائی محققانہ جواب دیا، تنقیح بحث کے طور پر اس مسئلہ میں وارد متعارض احادیث کے درمیان تطبیق کی راہ بھی نکالی۔ اس موقع سے دلائل کا ایراد گرچہ میرے مقالہ کے عنوان سے خارج ہے مگر افادۂ ناظرین کے لئے اختصار کے ساتھ وہ دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

۱- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ پڑھاؤں؟ انہوں نے نماز پڑھی اور ہاتھ صرف ایک بار اٹھایا۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

۲- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرنے کے لئے تکبیر کہتے تو، ہاتھوں کو اتنا اٹھاتے کہ انگوٹھے کانوں کی لو کے قریب ہو جاتے پھر دوبارہ ایسا نہیں کرتے۔

۳- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاتھ صرف سات جگہ اٹھائے جائیں نماز شروع کرتے وقت اور قبلہ کے سامنے ہونے کے وقت اور صفا و مروہ پر، عرفات اور جمع (مزدلفہ) میں مقامین میں اور جمرتین کے قریب۔

(طبرانی، بخاری رسالہ رفع یدین عن ابن عمر مرفوعاً)

۴- حضرت عباد بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اول نماز میں ہاتھوں کو اٹھاتے پھر کہیں نہیں اٹھاتے۔ یہاں تک کہ فارغ ہو جاتے۔

(بیہقی فی الخلافیات)

۵- حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ہمارے پاس باہر تشریف لائے اور فرمایا کیا بات ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے ہاتھوں کو یوں اٹھاتے ہو گویا وہ چنچل گھوڑے کی دم ہیں۔ نماز میں سکون کے ساتھ رہو۔ (مسلم)

پھر شارح بخاری مد ظلہ نے امام طحاوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے اس مسئلہ کی تنقیح یہ فرمائی کہ ابتداء اسلام میں رفع یدین کا حکم تھا مگر بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ جن صحابہ سے رفع یدین کی حدیثیں مروی ہیں خود انہیں کا عمل اپنی روایت کی ہوئی حدیثوں کے برخلاف ہے اور صحابہ کا اپنی روایت کی ہوئی حدیث کے خلاف عمل کرنا نسخ کی دلیل ہے کیونکہ ان حدیثوں کا ثبوت خود ان کے حق میں قطعی ہے اس وجہ سے ان کی شان سے بعید تر ہے کہ وہ رسول پاک ﷺ کے کسی قول یا فعل کی خلاف ورزی کریں۔ لہٰذا رفع یدین کی حدیثیں روایت کرنے والے صحابہ کا خود اپنی حدیثوں پر عمل نہ کرنا اسی بنا پر ہو سکتا ہے کہ وہ حدیثیں منسوخ ہو گئیں اس کی بے شمار نظیریں کتب حدیث میں موجود ہیں۔ پھر مذکورہ بالا حدیثوں پر ناقدین حدیث نے جو نقد و جرح کیا اور جو شبہات وارد کئے جنہیں غیر مقلدین زمانہ اپنی بہت بڑی معراج سمجھ کر احناف کے خلاف پیش کرتے ہیں ان سب کا انتہائی تفصیل کے ساتھ جواب تحریر فرمایا انہیں یہاں پر ذکر کیا جائے تو بات بھی لمبی ہو جائے گی پھر موضوع کی چیز بھی نہیں اس لئے قارئین سے گزارش ہے کہ نزہۃ القاری ج ۳ میں ان بحثوں کا از خود مطالعہ کریں۔ واللہ الموفق.

قراءت خلف الامام کا مسئلہ

غیر مقلدین زمانہ اس مسئلہ کو بھی بہت زیادہ اٹھاتے پھرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نماز میں سورہ فاتحہ کی قراءت مقتدی پر بھی فرض ہے اور لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب (کوئی نماز بغیر سورہ فاتحہ کے نہیں ہے) سے دلیل لاتے ہیں، اور اس سے وہ احناف کو اپنا نشانہ بناتے ہیں۔

حضرت شارح بخاری نے اس مسئلہ میں پہلے اپنا مذہب بیان کیا فرمایا:

"ہمارا مذہب مختار یہ ہے کہ مقتدی کو قراءت کی اجازت نہیں خواہ جہری نماز ہو خواہ سری بلکہ ناجائز اور مکروہ

تحریمی ہے"(ج ۳ ص ۲۱۵)

پھر مخالفین کا رد اور اپنے مذہب کا اثبات کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اولاً فرضیت خبر واحد سے ثابت نہ ہو گی اس کے لئے دلیل قطعی کی حاجت ہے اور خبر واحد ظنی الثبوت ہے اس لئے اگر ثابت ہوتا تو وجوب ثابت ہوتا مگر چونکہ اس کا عموم دوسری احادیث سے خاص ہو گیا ہے اس لئے اب مقتدی کے لئے قرأت کی اجازت نہیں نہ سورہ فاتحہ کی نہ قرآن مجید کے کسی اور جز کی وہ احادیث یہ ہیں۔

۱-امام احمد اپنی مسند میں،امام مسلم اپنی صحیح میں،ابن ماجہ اپنی سنن میں سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

إذا صليتم فاقيموا صفوفكم ثم ليؤمكم أحدكم فإذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا.

جب تم نماز پڑھنا چاہو تو اپنی صفوں کو درست کرو پھر کوئی تمہاری امامت کرے جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور جب قرأت کرے تو چپ رہو۔

۲-امام احمد اپنی مسند میں امام ابو داؤد اور امام نسائی ابن ماجہ اپنی سنن میں امام طحاوی شرح معانی الآثار میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

انما الامام ليوتم به فاذا كبر فكبرو واذا قرأ فأنصتوا.

امام اس لئے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور جب قرأت کرے تو خاموش رہو۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں فرمایا میرے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔

۳-امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور امام مالک نے اپنی موطا میں موقوفا اور امام ابو جعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار میں مرفوعاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

من صلى ركعة لم يقرأ فيها بام القرآن جس نے کوئی رکعت بے سورہ فاتحہ کی پڑھی

فلم يصل الا ان يكون وراء الامام اس نے نماز نہیں پڑھی مگر جب امام کے پیچھے ہو

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا:

۴-موطا امام محمد میں ہے کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے روایت فرمائی۔

عن النبي ﷺ انه قال من صلى خلف الامام فان قراءة الامام له قراءة

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کا پڑھنا اس شخص کا بھی پڑھنا ہے۔

(نزهة القاری ج ۳ ص ۲۱۶، ۲۱۷)۔

پھر حضرت شارح بخاری مد ظلہ العالی نے اس حدیث کے لئے مختلف طرق روایت کو ذکر فرمایا جس سے اس چیز کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت اقدس دام ظلہ کے ذہن وفکر میں مذکورہ احادیث کے طرق راویت ان کے رجال کے حالات، مذہب حنفی کی تائید میں احادیث کے انبار ودیعت کئے ہوئے ہیں محسوس ایسا ہوتا ہے کہ حضرت کی ایک نگاہ صحاح ستہ پر ہے تو دوسری نگاہ مسانید ومعاجم پر بھی گشت کر رہی ہے۔ حضرت قبلہ موخر الذکر حدیث کے بعد رقمطراز ہیں:

"یہ حدیث صحیح ہے اس کے راوی سب کے سب صحاح ستہ کے ہیں یہ حدیث متعدد سندوں کے ساتھ حدیث کی متعدد کتابوں میں مروی ہے خود امام محمد رحمہ اللہ نے اس سند کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد دوسرے طریقے سے ذکر فرمایا ابن ماجہ میں بطریق جابر اور ابوالزبیر مذکور ہے ان الفاظ کے ساتھ من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ نیز امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اپنی سند کے ساتھ بطریق موسی بن عائشہ الخ روایت فرمایا۔ علاوہ اس کے مختلف چار سندوں کے ساتھ روایت فرمایا، علاوہ ازیں مسند امام احمد بن حنبل میں بھی ان کی خاص سند کے ساتھ مذکور ہے علاوہ ازیں یہ حدیث متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے دار قطنی نے اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے اور طبرانی نے اوسط میں اور ابن عدی نے کامل میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ادنی تغیر کے ساتھ نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں بھی روایت فرما نیز دار قطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ زوایت فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

یکفیک قراءۃ الامام خافت او جھر تجھے امام کی قرأت کافی ہے آہستہ پڑھے یا بلند آواز سے پڑھے"۔(نزہۃ القاری ج ۳ ص ۲۱۷)

اس کے بعد حضرت شارح قبلہ نے ان احادیث کی توجیہ فرمائی جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہ ہوگی خواہ امام کی نماز ہو یا مقتدی کی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"رہ گئیں وہ حدیثیں جن سے مطلقا یہ ثابت ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہ ہوگی ان کا سب سے عمدہ وہ جواب ہے جو سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے فتاوی رضویہ ج سوم ص ۸۹ پر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

جواب اس حدیث کا چند طور پر ہے یہاں اس قدر کافی کہ یہ حدیث نہ تمہارے لئے مفید ہے نہ ہمارے لئے مضر ہم مانتے ہیں کہ کوئی کوئی نماز ذات رکوع و سجود بے فاتحہ کے تمام نہیں۔ امام کی ہو یا ماموم کی مگر مقتدی کے حق میں خود حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے اور امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔ جیسا کہ حدیث گزر چکی بس خلاف ارشاد حضور والا تم نے کہاں سے نکال لیا کہ مقتدی جب تک خود نہ پڑھے گا نماز اس کی بے

فاتحہ رہے گی اور فاسد ہو جائیگی"۔ (نزہۃ القاری ج ۳ ص ۲۱۸)

اس تطبیق کے بعد حضرت شارح قبلہ نے مذہب حنفی، اور اس کے اثبات میں پیش کی گئی احادیث پر وارد ہونے والے ان تمام شبہات کے تحقیقی جوابات دئے کہ اب ان کے بعد پھر غیر مقلدوں کو مجال دم زدن نہیں ان کا تعلق شرح بخاری دیکھنے سے ہے اور اخیر میں اس بات کو واضح فرمایا کہ جمہور صحابہ و تابعین کا مسلک یہی ہے کہ مقتدی کو قرأت جائز نہیں اور اس کی بھی وضاحت فرمائی کہ اس سلسلہ میں ہماری متدل آیت کریمہ ﴿و اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ و انصتوا لعلکم ترحمون﴾ بھی ہے امام بیہقی نے حضرت امام احمد کا یہ ارشاد نقل کیا کہ اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز میں قرآن پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے نماز میں قرآن پڑھنے کو بھی شامل ہے اس لئے نماز میں مقتدی کے لئے قرأت کا ممنوع ہونا ضرور اس سے ثابت ہوا۔ ان تحقیقات سے بخوبی یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہب حنفی قرآن و سنت کے عین مطابق ہے البتہ غیر مقلدین عمل بالحدیث کے ہزار دعاوی کے باوجود بیشتر احادیث پر عمل نہیں کرتے بلکہ انہیں بالائے طاق رکھ دیتے ہیں، غیر مقلدوں کو اکساتے ہوئے شارح مدظلہ فرماتے ہیں:

"اب انصاف پسند ناظرین غور کریں کہ احناف کا مذہب تمام احادیث پر منطبق ہے بخلاف غیر مقلدین کے کہ وہ اس سلسلہ کی چند حدیثوں پر عمل کرتے ہیں اور اکثر کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور دعوی ہے عمل بالحدیث کا۔ صحیح فرمایا حضرت سلیمان اعمش نے الحدیث مضلۃ الاللفقھاء (نزہۃ القاری ج ۳ ص ۲۱۸)۔

مسئلہ آمین اور غیر مقلدوں کا اجتہاد

آج کل غیر مقلدین نماز میں زور سے آمین کہنا ایک لازم فعل سمجھتے ہیں زبردستی عوام الناس سے آمین زور سے کہلواتے ہیں اور اس سے لوگوں میں بڑا ہنگامہ برپا کرتے ہیں جبکہ تشدد وانتہا پسندی کسی بھی امام کے یہاں نہیں ہے حتیٰ کہ ان ائمہ کے یہاں بھی اتنا تصلب نہیں جو زور سے آمین کہنا افضل سمجھتے ہیں۔

حضرت شارح بخاری قبلہ نے اس مسئلہ میں بھی غیر مقلدوں کا رد فرما کر مسلک حنفی کو ایسا اجاگر فرما دیا کہ روز روشن کی طرح یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ نماز میں آہستہ ہی آمین کہنا افضل ہے پہلے قبلہ شارح نے اس مسئلہ میں مورد نزاع کو متعین فرمایا کہ یہ اختلاف صرف افضل ہونے میں ہے نفس جواز میں کوئی اختلاف نہیں سارے فقہاے مجتہدین کے نزدیک زور سے بھی آمین کہنا جائز ہے اور آہستہ بھی کہنا جائز ہے البتہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ افضل یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ آمین کہیں۔ یہی امام مالک رحمہ اللہ کا بھی ایک قول ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید بھی ہے مگر قول قدیم یہ ہے کہ بلند آواز سے کہی جائے۔

پھر مسلک حنفی کی تائید میں درج ذیل دلائل پیش فرمائے:

"۱-امام احمد ابو داؤد، طیالسی اور ابو یعلی نے اپنی اپنی مسانید میں اور طبرانی نے اپنی معجم میں دار قطنی نے اپنی سنن میں اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں شعبہ کی یہ حدیث روایت کی۔

علقمہ اپنے والد حضرت وائل سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی جب حضور "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" پر پہنچے تو آمین کہا اور اپنی آواز پست فرمائی۔

امام حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے شیخین نے اسے روایت نہیں کیا۔

۲-امام محمد نے کتاب الآثار میں یہ حدیث روایت کی:

حضرت امام نخعی نے فرمایا چار چیزوں کو امام آہستہ کہے گا اعوذ باللہ اور بسم اللہ اور سبحانك اللھم اور آمین۔

۳-طبرانی نے تہذیب الآثار میں روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بسم اللہ اور آمین کو بلند آواز سے نہیں ادا کرتے تھے نیز حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ وہ آمین پست آواز سے کہتے تھے۔

۴-حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو سکتہ یاد رکھا ہے ایک سکتہ تکبیر کے بعد اور ایک سکتہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کے بعد۔

عمران بن حصین نے اس سے انکار کیا جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو لکھا گیا انہوں نے جواب دیا کہ سمرہ نے سچ کہا۔"

(ج ۳ ص ۲۴۶۔۲۴۸ ملخصا)

ان دلائل پر سند یا متن کی جہت سے جو کلام ناقدین حدیث کی طرف سے کئے گئے ان کے بھی حسین پیرایہ میں انتہائی دلنشیں جواب دئے جن کا تعلق دیکھنے سے ہے۔ اسی بیچ میں ایک غیر مقلد مولوی کے اجتہاد کی دھجی بکھیرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ایک غیر مقلد مجتہد نے اس حدیث سے آمین بالجہر یوں ثابت کیا ہے کہ حدیث میں جب یہ ہے کہ امام جب آمین کہے تو تم بھی آمین کہو اگر امام بلند آواز سے آمین نہیں کہے گا تو مقتدیوں کو پتہ کیسے چلے گا کہ امام نے آمین کہا۔

اقول: اولاً اس شان اجتہاد کی داد نہیں دی جا سکتی جب ایک ہی حدیث کے بعد یہ حدیث موجود ہے کہ امام ولا الضالین کہے تو آمین کہو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام کب آمین کہے گا۔ اب پہلی حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ

امام ولا الضالین کے بعد آمین کہتا ہے اسی وقت تم بھی آمین کہو۔ آپ کی اس مجتہدانہ اپج سے بقول آپ کے یہ تو ثابت ہو گیا کہ امام بلند آواز سے آمین کہے مگر مقتدی کے لئے بلند آواز سے آمین کا اثبات اب بھی نہ ہوا۔ (ج ۳ ص ۴۴۴)

مسئلہ توسل اور رد غیر مقلدین

وہابی اور دیوبندی دونوں کا عقیدہ ہے کہ انبیا اولیا کو خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا ناجائز بلکہ شرک ہے چنانچہ جا بجا پیشوائے وہابیہ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنی بدنام زمانہ کتاب تفویۃ الایمان معروف بہ تقویۃ الایمان میں اس کی صراحت کی ہے۔

مگر اہل سنت وجماعت کا موقف یہ ہے کہ انبیاے کرام واولیاے کرام اور بزرگان دین کو خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا جائز ودرست بلکہ مستحسن ہے اس سلسلے میں اہل سنت کے پاس بے شمار دلیلیں موجود ہیں چونکہ مسئلہ نزہۃ القاری اور رد غیر مقلدین کا ہے اس وجہ سے اس موقع سے بخاری شریف کی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے۔

عن انس بن مالك رضى الله عنه ان عمر بن الخطاب رضى الله عنه كان اذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب رضى الله عنه فقال اللهم انا كنا نتوسل اليك بنبيناﷺ فتسقينا و انا نتوسل اليك بعم نبينا فاسقنا قا ل فيسقون.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ. جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعا کرتے اور یہ کہتے یا اللہ ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی ﷺ کا وسیلہ لیکر آتے تو ہمیں تو سیراب کرتا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لیکر آئے ہیں ہم پر مینہ برسا تو مینہ برستا۔

(ماخوذ از نزہۃ القاری ج ۳ ص ۴۲۰)

اس حدیث سے صریح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاے کرام اور اولیاے عظام کو وسیلہ بنانا جائز ودرست ہے۔ مگر غیر مقلدین عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے یہ کہہ گزرتے ہیں کہ اس حدیث میں توسل سے مراد دعا کی درخواست ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کی درخواست کی تھی اور کبھی کبھی وہابی جب ہر طرف سے لاچار و مجبور ہو جاتے ہیں تو منہ بگاڑ کر یہ کہہ جاتے ہیں کہ زندہ کا توسل درست ہے مردہ کا شرک۔

حضرت شارح بخاری مدظلہ ان فاسد نظریات کا رد کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

اقول: دوسری روایتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے اگر یہ لوگ صرف بخاری ہی کی روایت پر ایمان رکھتے تو ایسی بے تکی بات نہ کرتے۔ بخاری کے الفاظ پر ایک نظر ڈالیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں۔انا کنا نتوسل الحدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے ہیں اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کو وسیلہ بناتے تھے اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کو وسیلہ لاتے ہیں ہمیں سیراب فرما۔ یہ عرض اللہ عزوجل کی بارگاہ میں ہے حضرت عباس کی خدمت میں نہیں۔ اس میں صاف صاف تصریح ہے کہ اے اللہ ہم اپنے نبی کے چچا کو وسیلہ لاتے ہیں ہم کو سیراب فرما۔ یہ عرض داشت اللہ عزوجل کی بارگاہ میں ہے۔ حضرت عباس کے وسیلہ سے پھر یہ کہنا کہ توسل سے یہاں مراد دعا کی درخواست ہے۔ ابلہ فریبی اور حدیث کی تحریف معنوی نہیں تو کیا ہے۔ دوسرے طرق میں جو دعا کے کلمات مروی ہیں ان میں تقریباً یہی مضمون ہے۔

کبھی ان میں سے کچھ یہ کہہ دیتے ہیں کہ زندہ کا توسل درست ہے مردے کا شرک۔

اقول: اول اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضور اقدس ﷺ دنیوی جسمانی حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ تو یوں بھی حضور اقدس ﷺ سے توسل درست ہوا اور یہ کہنا کہ اگر حضور اقدس ﷺ سے توسل اب بھی جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ہی سے کیوں توسل نہیں کیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کیوں کیا۔ یہ پہلی سے بھی بڑی جہالت ہے۔ اگر کسی کام کے چند طریقے ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا اس کی دلیل نہیں کہ دوسرے طریقے غلط ہیں خصوصاً جب کہ اختیار کردہ طریقے میں کوئی خاص فائدہ ہو یہاں بجائے حضور اقدس ﷺ کے حضرت عباس سے توسل میں ایک اہم افادہ مقصود تھا حضور اقدس ﷺ سے توسل کا استحباب سب کو معلوم تھا۔ ہو سکتا ہے کسی کو یہ وہم ہو کہ غیر نبی سے توسل حرام ہے تو حضرت عمر نے حضرت عباس کو وسیلہ بنا کر یہ بتادیا کہ غیر نبی سے توسل اسی طرح مستحب ہے جیسے انبیاے کرام سے ہے

ثانیاً علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اور علامہ احمد حطیب قسطلانی نے المواھب اللدنیہ میں مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمر کے خازن مالک داری کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانے میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے تو ایک صاحب نبی ﷺ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے اور یہ عرض کیا یا رسول اللہ اپنی امت کے لئے بارش طلب فرمایئے، لوگ ہلاک ہو گئے ایک صاحب کے خواب میں حضور اقدس ﷺ تشریف لائے اور فرمایا عمر سے جا کر کہہ دو کہ عنقریب بارش آئے گی۔ سیف نے الفتوح میں لکھا ہے کہ یہ صاحب حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ تھے" (ج ۳ ص ۴۲۱)

ان ارشادات سے جہاں اہل سنت و جماعت کے موقف کا اثبات ہو رہا ہے وہیں وہابیوں کے بہت سے شکوک و شبہات بھی دور ہو رہے ہیں۔

ابن تیمیہ کا تہوّر

ابن تیمیہ جس کی حدیث دانی اور تبحر علمی کا وظیفہ وہابی و دیوبندی مولوی ہر نماز پنجگانہ کے بعد بالالتزام پڑھتے ہیں اور اس کی تعریف و مدح سرائی میں وہ جملے استعمال کرتے ہیں کہ اگر وہ جملے علماے اہل سنت اپنے کسی امام کے بارے میں استعمال کرلیں تو وہابی آسمان سر پر اٹھالیں گے حتیٰ کہ درسیات کے نام پر وہابیوں، دیوبندیوں نے جو کتابیں تصنیف کی ہیں ان کے بھی اوراق ابن تیمیہ کی تعریف سے سیاہ ہیں، وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے وہابیوں کے من کی باتیں لکھی ہیں اور بہت سی خرافات اور باطل نظریات سے اس کی کتابیں بھری پڑی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کے لئے حرکت کرنا بیٹھنا اٹھنا غرض یہ کہ ممکنات کی جو صفتیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت مانی چنانچہ کتاب منہاج السنۃ النبویہ کے حاشیہ پر آنجناب رقمطراز ہیں:

لأن الحی القیوم یفعل ما یشاء و یتحرك اذا شاء و یقبض و یبسط و یقوم و یجلس اذا شاء.

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جب چاہتا ہے حرکت کرتا ہے اور جب چاہتا ہے سمیٹتا ہے اور کشائش فرماتا ہے اور اٹھتا اور بیٹھتا ہے۔ (علی ہامش کتاب منہاج السنۃ النبویہ ج ۲ ص ۲۶)

اس طرح ابن تیمیہ کی بہت سی گمراہیاں ہیں جو کتاب و سنت کے نصوص قطعیہ کے خلاف ہیں ان کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ورنہ خوب اچھی طرح ہم ابن تیمیہ کا تعارف کراتے کہ اس زمانے کے وہابی دیوبندی بھی مارے خوشی کے اچھل اٹھتے اور ان کی طبیعت باغ باغ ہو جاتی ابن تیمیہ کے بارے میں صرف عوام کو متنبہ کرنے لئے ہم صرف فتاویٰ حدیثیہ کی ایک عبارت نذر قارئین کرتے ہیں خاتمۃ الفقہاء والمحدثین علامہ احمد شہاب الدین بن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و ایاك ان تصغی الیٰ ما فی کتب ابن تیمیه و تلمیذه ابن القیم الجوزیه و غیرهما ممن اتخذ الٰهه هواه و أضله الله علی علم و ختم علی سمعه وقلبه وجعل علی بصره غشاوة فمن یهدیه من بعد الله و کیف تجاوز هولاء الملحدون الحدود وتعدوا الرسوم و خرقوا سیاج الشریعة والحقیقة فظنوا بذلك انهم علی هدی من ربهم و لیسوا کذلك بل هم علی أسوأ الضلال و أقبح الخصال و أبلغ المقت والخسران و أنهی الکذب والبهتان فخذل الله متبعهم وطهر الارض من أمثالهم۔(فتاوی حدیثیه ص ۲۰۳۔۲۰۴)

ہرگز ہرگز ان باتوں کی طرف کان نہ لگاؤ جو ابن تیمیہ اور اس کے شاگرد ابن قیم جوزیہ وغیرہ کی کتابوں میں ہے کہ یہ لوگ ان میں سے ہیں جنہوں نے خواہش نفس کو اپنا خدا بنایا اور علم کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں گمراہ کردیا

وران کے کان اور دل پر مہر لگادی اوران کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو اللہ کے بعد اب اسے کون ہدایت دے پائے گا کس قدر یہ بے ایمان حدود دین اور مراسم شریعت کو پار کر گئے اور شریعت اور حقیقت کی دیوار توڑ دی اس سے انہوں نے یہ سمجھا کہ اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہیں حالانکہ ایسا نہیں بلکہ بدترین گمراہی، قبیح ترین خصلت اور حد درجہ خسارے اور غایت درجہ جھوٹ اور بہتان میں ہیں۔ اللہ ان کے پیرو کاروں کو رسوا کرے اور ان جیسوں سے زمین پاک کرے۔

اس طرح بہت سے علمانے ابن تیمیہ کی گمراہیوں پر مستقل رسالے تصنیف کئے۔

ابن تیمیہ کی خرافات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انبیاے کرام سے توسل ناجائز ہے اور روضۂ اقدس علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا حرام ہے چنانچہ علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ ابن تیمیہ کی گمراہیوں اور اس کے باطل عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

وان رسول الله ﷺ لا جاه له و لا يتوسل به و ان انشاء السفر اليه بسبب الزيارة معصية لا تقصر الصلاة فيه.

ابن تیمیہ کی گمراہیوں میں سے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے کوئی مرتبہ نہیں اور نہ ہی سرکار کا وسیلہ لینا درست ہے اور زیارت کے ارادے سے سفر کرنا گناہ ہے اس صورت میں نماز قصر نہیں کی جائے گی۔

(فتاوی حدیثیہ ص۱۱۶)

اس کی تقلید میں وہابی بھی غیر مقلدیت کے دعوے کے باوجود کہتے ہیں کہ بزرگان دین کے مزارات یا دیگر مشاہد و مقابر کے لئے سفر کرنا ناجائز ہے ان سب کی دلیل حدیث ذیل ہے:

لا تشد الرحال الا الى ثلثة مساجد کجا وہ صرف تین مسجدوں کی طرف باندھا جائے۔

ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں استثنائے مفرغ ہے، کلام غیر موجب میں مستثنیٰ منہ محذوف ہے جس کے لئے عام ہونا لازم ہے۔ وہ یہاں پر موضع یا مکان ہے لہذا اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ اور کہیں کا سفر کرنا جائز نہیں ہے۔

حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی غیر مقلدوں کے فریب کی نشان دہی اور ان کے اس استدلال کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اقول: اولاً اس حدیث کا یہ مطلب بتانا ظاہر البطلان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پھر کہیں کا کوئی سفر کسی بھی مقصد کے لئے جائز نہ ہوگا، مثلاً جہاد، طلب علم، تبلیغ دین، تجارت، سیاحت وغیرہ کسی کے لئے سفر جائز نہ ہو۔

اور یہ امت کے اجماع سے باطل بلکہ خود وہابیوں کے عمل سے بھی۔

ثانیاً استثناء مفرغ میں مستثنیٰ منہ کے اعم الاعم ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی قید ہی نہیں۔ بلکہ یہ ضروری ہے

کہ مستثنیٰ منہ محذوف مستثنیٰ کی جنس سے ہو جیسے کہتے ہیں ما رأیت الا زیداً اس کا یہ مطلب نہیں ہو تا کہ قائل نے نہ زمین دیکھی نہ آسمان نہ در و دیوار بلکہ جانوروں کے دیکھنے کی بھی نفی نہیں ہوتی....... اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کا نماز پڑھنے کے لئے سفر کرنا جائز نہیں اس لئے کہ ان کے علاوہ بقیہ مساجد میں نماز کا ثواب برابر ہے جو ثواب مقامی جامع مسجد میں نماز پڑھنے کا ہے وہی ثواب دہلی کی جامع مسجد میں نماز پڑھنے کا ہے۔"

(نزہۃ القاری ج ۳ ص ۵۱۴)

پھر چند سطور بعد رقمطراز ہیں:

اس کی تائید حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو مسند امام احمد میں شہر بن حوشب سے مروی ہے، میں نے کوہ طور میں نماز پڑھنے کا ذکر کیا تو حضرت ابو سعید نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے سواری کا کجاوہ نہیں کسنا چاہئے سوائے مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے۔

(ایضاً)

ان تحریروں سے ابن تیمیہ اور اس کے مدح خواں وہابیوں کی دسیسہ کاری نمایاں ہو گئی کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ ابن تیمیہ نے باں جلالت شان کیسی جہالت کی بات لکھ ڈالی جو تمام انسانوں کی فکر سے بالاتر ہے کیونکہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ استثناء مفرغ میں مستثنیٰ منہ کے عام ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ مستثنیٰ کی جنس سے ہو اس پر ایک نہیں بلکہ تقریباً علم نحو کی ساری کتابیں شاہد عدل ہیں۔ ناظرین کی تسکین خاطر کے لئے صرف شرح جامی کی ایک عبارت اس موقعہ سے ہم پیش کرتے ہیں کیونکہ شرح جامی یہ علم نحو کی ایسی جامع کتاب ہے جو علم نحو کے محققین کے لئے مرجع اعظم کی حیثیت رکھتی ہے۔ ملا عبد الرحمن جامی رحمہ اللہ استثنا مفرغ میں کلام غیر موجب میں مستثنیٰ منہ کے عموم کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

لان اشتراك جميع افراد الجنس فى انتفاء الفعل بها ومخالفة واحد اياها فى ذلك مما يكثر و يغلب

(شرح جامی ص ۱۷۷)

اس لئے کہ ایک جنس کے تمام افراد کا تعلق فعل کے انتفا میں شریک ہونا اور اس جنس کے ایک فرد کا اس میں مخالف ہونا تو یہ کثیرا ور غالب ہے۔

واضح رہے کہ یہاں جنس سے جنس منطقی مراد نہیں ہے بلکہ اہل عربیت کی جنس مراد ہے۔

جو نوع اور صنف کو بھی شامل ہے۔ ورنہ خواہ مخواہ غیر مقلدین پھر یہ بول پڑیں کہ اس حدیث میں موضع با مکان مساجد کے لئے جنس ہے لہٰذا مدعا ثابت۔

رد غیر مقلدین میں نزہۃ القاری کے یہ چند گوشے ہیں جنہیں ہم نے مختصر مقالہ کی شکل میں پیش کیا اور یہ گوشے ساری جلدوں کے ہیں بھی نہیں بلکہ صرف تین جلدوں کے علمی شہ پارے ہیں کیونکہ ساری جلدیں ہمارے پاس موجود نہیں کچھ ابھی زیر طبع ہیں اور کچھ ہیں تو خوف طوالت مانع ہے۔

بہر حال حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی کی جو تحقیقات اور علمی جواہر پارے ہم نے نذر قارئین کیا ہے ان سے اہل بصیرت کے لئے حضرت شارح قبلہ کی علمی جلالت، فنی مہارت، وسعت مطالعہ، دقت نظر، ذکاوت و فطانت، دینی تصلب ظاہر و باہر ہے۔ فللہ الحمد فی الاولیٰ والاخرۃ۔

☆☆☆

مولانا محمد نظام الدین بستوی مصباحی
دار العلوم علیمیہ جمداشاہی ضلع بستی یوپی

نزھۃ القاری

اشکالات، اعتراضات اور جوابات کے تناظر میں

شہرۂ آفاق اور جلیل القدر محدث حضرت امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۹۴ھ۔ ۲۵۶ھ) نے اپنی زندۂ جاوید کتاب "الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسننہ وأیامہ" معروف بہ صحیح البخاری کو جس حسنِ ادب اور غایتِ اہتمام والتزام سے زیب قرطاس کیا ہے۔ وہ تالیف حدیث کی تاریخ کا ایک تابناک اور زرّیں ورق ہے۔ مزید بر آں سراپا جود و کرم، مصدرِ جوامع الکلم، منبع الحکم حضور رحمت عالم علیہ السلام کی سرکار پُر انوار میں اِس تالیف کی مقبولیت نے اس کی عظمت میں چار چاند لگا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں شرقاً و غرباً مسلمانوں میں اس کتاب کو جو مقبولیت اور پذیرائی حاصل رہی ہے اور جس حد تک اِسلامیانِ عالم کو اس کتاب سے شغف اور لگاؤ رہا ہے کوئی دوسری حدیث کی کتاب اُس سے بہرہ ور نہ ہو سکی، اِسی شغف اور تعلق کا نتیجہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں جتنی شرحیں بخاری شریف کی تحریر کی گئی ہیں کسی اور کتاب کی اتنی شرحیں نہیں لکھی گئی ہیں۔

بقیہ السلف فقیہ الہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب قبلہ متعنا اللہ بطول بقائہ کی تصنیف منیف "نزھۃ القاری" بھی اس سلسلۃ الذھب کی بیش قیمت کڑی ہے۔ جو سندُ الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری، محقق عصر حضرت علامہ بدر الدین عینی کی عمدۃ القاری، علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی کی ارشاد الساری، حضرت شیخ نور الحق بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی تیسیر القاری، صدر العلما امام النحو حضرت علامہ غلام جیلانی میرٹھی (رحمھم اللہ تعالیٰ) کی بشیر القاری جیسی بلند پایہ شروح کا مغز اور عطر تحقیق ہونے کے ساتھ خود حضرت فقیہ الہند مدظلہ العالی کی بے شمار انمول اعلیٰ علمی تحقیقات انیقہ کا حسین گلدستہ بھی ہے۔ جس نے اپنی گوناگوں خصوصیات اور خوبیوں کی بدولت عربی، فارسی اور اردو شرحوں میں نمایاں اور اہم مقام حاصل کر لیا ہے۔

نزھۃ القاری اس حیثیت سے بھی ایک بلند پایہ تصنیف ہے کہ یہ احادیث پر وارد ہونے والے اشکالات، اعتراضات اور شکوک و شبہات کے شافی تسلی بخش اور تحقیقی جوابات کا گنج گراں مایہ ہے۔ زیر نظر مقالہ میں اسی زاویۂ نظر سے نزھۃ القاری کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

ا

فقیہ الہند، شارح بخاری مد ظلہ العالی نے یوں تو اپنی اس گراں مایہ شرح میں سینکڑوں اشکالات و اعتراضات کے اطمینان بخش جوابات نہایت تحقیقی اسلوب میں تحریر فرمائے ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف کے ابواب کے تحت درج شدہ احادیث کی ان ابواب سے مطابقت کا اشکال ہو یا احادیث کے باہم تعارض و تناقض کا اشکال ہو یا احادیث پر وارد ہونے والے عقلی اعتراضات ہوں یا مسلک حنفی پر مخالفتِ حدیث کا اعتراض ہو یا پھر حدیث کا غلط مفہوم لے کر اسکے سہارے اہل سنت کے معمولات و عقائد پر تھوپے جانے والے اعتراضات ہوں یا اور دوسری نوعیت کے اشکالات اور اعتراضات ہوں۔ نزہۃ القاری کے اوراق ہر طرح کے اشکالات و اعتراضات کے تسلی بخش جوابات سے مزین ہیں۔ ذیل میں ان اشکالات اور جوابات کو چند زمروں میں تقسیم کر کے مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ایک ایک مثال درج کی جارہی ہے۔ جس سے "نزہۃ القاری" میں موجود اور سینکڑوں جوابات کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ابواب سے احادیث کی مطابقت : امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مذہب کے بارے میں اختلاف ہے، بعض علماء نے انھیں شافعی المسلک خیال کیا ہے اور بعض نے حنبلی المسلک کہا ہے۔ لیکن علامہ ابن عابدین شامی نے "عقود اللآلی فی مسند العوالی" میں اور محدث جلیل شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "تیسیر القاری شرح بخاری" میں ان کے مجتہد مطلق ہونے کی صراحت فرمائی ہے اور یہی رائے علامہ سخاوی کی بھی ہے، نیز بخاری شریف کے مندرجات سے عیاں ہے کہ وہ رتبہ اجتہاد پر فائز تھے۔

امام بخاری علیہ الرحمہ چونکہ مجتہد تھے اس لئے انھوں نے اپنے فقہی مذہب کے مسائل کی تائید کیلئے صحیح البخاری میں سینکڑوں ابواب قائم فرمائے ہیں، انھیں ابواب کے عناوین کو "تراجم ابواب" کہا جاتا ہے، صحیح البخاری میں ایسے بے شمار مقامات ہیں جہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ باب کے تحت درج شدہ حدیث کو باب کے عنوان سے کوئی مطابقت نہیں ہے۔ لیکن بنظر تدقیق دیکھا جائے تو مطابقت ہوتی ہے۔

مثلاً آپ نے باب باندھا "فی کم تقصر الصلوٰۃ" (کتنی مسافت کے سفر پر نماز میں قصر ہے) اور اس کے تحت یہ حدیث لائے "لا تسافر المرأۃ ثلثۃ ایام إلا مع ذی محرم" (کوئی عورت تین دن کی مسافت پر بغیر محرم کے سفر نہ کرے)۔

اب اس باب اور مذکورہ حدیث میں بظاہر کوئی مطابقت نہیں ہے، لیکن قاری، امام بخاری کی خداداد ذہانت پر انگشت بدنداں رہ جاتا ہے جب نزہۃ القاری جیسی شرحیں اس حقیقت کی نقاب کشائی کرتی ہیں کہ چونکہ نماز میں قصر کرنے اور عورت کا بغیر محرم سفر نہ کرنے کی علت "سفر شرعی" ہے، اب سفر شرعی کی مقدار کیا ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ اس مقدار میں نماز میں قصر ہونا معلوم ہے، مذکورہ بالا حدیث میں اس مقدار کی تشریح موجود ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ چونکہ سفر شرعی کی مقدار تین دن کا سفر ہے لہٰذا اس مقدار سفر میں نماز میں قصر ہوگا۔ (ماخوذ من نزہۃ القاری بتلخیص و تبدیل)

فقیہ الہند شارح بخاری مدظلہ العالی نے یوں تو ابواب کے تفصیلی ذکر اور ہر ہر باب سے اس کے تحت مندرج احادیث کی مطابقت کے بیان کا التزام نہیں کیا ہے، لیکن بیش قیمت معلومات افزا مقدمہ نزہۃ القاری میں وہ بنیادی اور رہنما اصول تحریر فرمادئے ہیں جن کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو عدم مطابقت کا اشکال خود ہی رفع ہو جائے گا، اور بہت سے دشوار مقامات پر اسطرح کے اشکالات کے جوابات تفصیل سے قلم بند فرمائے ہیں، ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب باندھا ہے "حدث اور غیر حدث کی حالت میں قرآن پڑھنا" اور اس باب کے تحت مندرجہ ذیل حدیث ذکر کی ہے۔

"أن عبداللّٰہ بن عباس اخبرہ أنہ بات عند میمونۃ زوج النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم وھی خالتہ فاضطجعت فی عرض الوسادۃ واضطجع رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم و أھلہ فی طولھا ، فنام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم حتی إذا انتصف اللیل أوقبلہ بقلیل أو بعدہ بقلیل اِستیقظ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فجلس یمسح النوم عن وجھہ بیدہٖ ثم قرأ العشر الآیات الخواتم من سورۃ اٰل عمران ثم قام إلیٰ شن معلقۃ فتوضأ منھا فأحسن وضوئہ ثم قام یصلی قال ابن عباس فقمت فصنعت مثل ما صنع ثم ذھبت فقمت اِلیٰ جنبہ فوضع یدہ الیمنیٰ علیٰ راسی وأخذ بأذنی الیمنیٰ یفتلھا فصلی رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم أوتر ثم اضطجع حتی أتاہ المؤذن فقام فصلی رکعتین خفیفتین ثم خرج فصلی الصبح" [1]

ترجمہ : کریب نے کہا مجھے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خبر دی کہ وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ اور اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ کے یہاں رات کو رہے (انھوں نے کہا) میں بستر کی چوڑائی میں لیٹا اور رسول اللہ ﷺ اور ان کی اہلیہ لمبائی میں لیٹے، رسول اللہ ﷺ سو گئے، آدھی رات یا اس سے کچھ پہلے یا اس کے کچھ بعد کا وقت رہا ہو گا تو رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے، پھر بیٹھے اور اپنے ہاتھ سے آنکھ مل کر نیند کا اثر زائل کرنے لگے، پھر سورۂ آلِ عمران کی اخیر کی دس آیتیں پڑھیں، پھر ایک لٹکی ہوئی مشک کے پاس گئے، اس سے خوب اچھی طرح وضو کیا پھر کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنے لگے، ابن عباس نے کہا پھر میں بھی اٹھا اور جیسے حضور نے کیا تھا میں نے بھی کیا، پھر گیا اور حضور کے پہلو میں کھڑا ہو گیا، حضور نے اپنا داہنا ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرا داہنا کان پکڑ کر اینٹھنے لگے۔ حضور نے دو رکعت نماز پڑھی،

---

[1] نزہۃ القاری ج۲ ص ۴۵ تا ۵۰

پھر دو رکعت پڑھی، پھر دو رکعت پڑھی، پھر دو رکعت پڑھی، پھر دو رکعت پڑھی، پھر دو رکعت پڑھی، پھر وتر پڑھا پھر لیٹے یہاں تک کہ مؤذن حاضر ہوا تو اٹھے پھر دو رکعت مختصر پڑھی، پھر باہر تشریف لے گئے اور صبح کی نماز پڑھی۔"[1]

متن حدیث اور اس کے ترجمے کو بار بار غور سے پڑھیں، اس حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ حالت حدث میں قرآن پڑھنا جائز ہے، خیال رہے کہ اس حدیث کو مذکورہ باب سے یوں ہم آہنگ نہیں کیا جاسکتا ہے کہ حدیث میں یہ مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام نے وضو فرمانے سے قبل سورۂ آل عمران کی آخری دس آیتوں کی تلاوت فرمائی لہٰذا معلوم ہوا کہ حالت حدث میں قرآن مجید پڑھنا صحیح ہے، کیونکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انبیا علیہم السلام کی نیند ناقض وضو نہیں ہے، ارشاد ہے "تنام عینی ولا ینام قلبی" یعنی میری آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار رہتا ہے۔

یہ وہ مقام ہے جہاں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ جیسے دیدہ ور اور بالغ نظر شارح بھی اس حدیث کو باب سے ہم آہنگ کرنے کے تعلق سے چند اقوال ذکر کرنے کے بعد صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے ہیں "والظاهر أن البخاری وضع هذا الحدیث فی هذا الباب بناءً علی ظاهر الحدیث حیث توضأ بعد قیامه من النوم وإلا فلا مناسبة فی وضعه هذا الحدیث ههنا فافهم۔"[2]

یعنی امام بخاری علیہ الرحمہ کا اس حدیث کو اس باب کے تحت درج کرنا اس حدیث کے ظاہر اعتبار سے ہے کیوں کہ آپ نے نیند سے اٹھنے کے بعد وضو فرمایا جس سے آپ کے حدث کا پتہ چلتا ہے ورنہ اس حدیث کو اس مقام پر ذکر کرنے میں کوئی مناسبت نہیں ہے اور علامہ عینی نے فافہم کا اضافہ کر کے اس مقام کی دشواری کی طرف اشارہ کر دیا۔

فقیہ الہند شارح بخاری مد ظلہ العالی نے اپنے وسعت مطالعہ کی مدد سے اس صعوبت و دشواری کو حل فرمایا اور اپنے قلم فیض رقم سے اس اشکال کا یہ جواب رقم فرمایا۔

"باب سے مطابقت کی اصل تقریر یہ ہے کہ خود امام بخاری نے "باب الدعاء إذا انتبه من اللیل" میں اور امام مسلم نے مسلم شریف میں یہ تصریح کی ہے کہ اس سے پہلے حضور اقدس ﷺ اٹھے اور قضائے حاجت فرمائی پھر اپنے منہ اور ہاتھوں کو دھویا اس کے بعد سوئے اس کے بعد دوبارہ اٹھے تو مشک سے وضو فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ اس وقت باوضو نہیں سوئے تھے۔"[3]

---

[1] نزہۃ القاری ج ۲ ص ۴۵ تا ۵۰ ‌ [2] عمدۃ القاری ج ۳ ص ۶۳ مطبع دار الفکر [3] نزہۃ القاری ج ۲ ص ۴۷

مطلب یہ ہوا کہ چونکہ بخاری شریف کی دوسری مفصل حدیث میں حضور علیہ السلام کا قضائے حاجت فرمانا مذکور ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ وضو کرنے سے پہلے آپ کا آلِ عمران کی آخری دس آیتوں کا پڑھنا حالتِ حدث میں تھا۔

فقیہ الہند مد ظلہ العالی نے اپنی شاہکار تصنیف "نزہۃ القاری" میں جس طرح اکتساب فیض کی خاطر فیوض الباری، عمدۃ القاری، تیسیر القاری، شرح مسلم للنودی وغیرہ جیسی بلند پایہ کتابوں کو پیش نظر رکھا یونہی ہندوستان میں پڑھی جانے والی بخاری شریف کی ان شرحوں کو بھی پیش نظر رکھا جو اہلسنت و جماعت کے علاوہ دوسرے مکاتب فکر کے لوگوں نے اردو میں لکھی ہیں تاکہ ان شروحات کی غلطیوں کی نشاندہی کی جاسکے اور قارئین ان شارحین کے علمی منصب اور حیثیت واقعی سے آشنا ہو سکیں۔

مولف ایضاح البخاری نے اپنے استاد حسین احمد صاحب ٹانڈوی سے نقل کر کے اس اشکال کا ایک الگ نرالا ہی جواب دیا ہے فقیہ الہند شارح بخاری دامت فیوضہ، نے اس جواب کو کئی وجہوں سے ساقط الاعتبار قرار دیا ہے جس سے آپ کی ژرف نگاہی، وسعت مطالعہ ندرت استدلال اور قوت استنباط عیاں ہے اس اشکال کے جواب میں شارح مذکور نے جو غلط نکتہ آفرینی کی ہے اور فقیہ الہند نے دلائل و شواہد کی روشنی میں ان کا زبردست علمی محاسبہ کیا ہے وہ انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

"ایضاح البخاری میں مطابقت کی تقریر اپنے استاد حسین احمد ٹانڈوی سے یہ نقل کی کہ حضرت ابن عباس کہتے ہیں "فصنعت مثل ما صنع" جیسے حضور نے کیا تھا ویسے ہی میں نے بھی کیا، اور مثل میں ہر اعتبار سے برابری ہوتی ہے اس لئے مطلب یہ ہوا کہ ابن عباس بھی اٹھے آنکھیں ملیں، تلاوت کی وضو کیا اور ابن عباس پہلے سو گئے تھے، جیسا کہ اس حدیث کی بعض روایتوں میں "ونام الغلیم" وارد ہے، اور ابن عباس نے حالت حدث میں تلاوت کی حضور نے انہیں منع نہیں فرمایا، حالانکہ بائیں طرف کھڑے ہو گئے تھے تو نماز کی حالت میں انہیں داہنی طرف کر دیا تھا اگر حالت حدث میں تلاوت ممنوع ہوتی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انھیں ضرور تنبیہ فرماتے، یہ ضرور ہے کہ ابن عباس نابالغ تھے مگر تعلیم کیلئے انھیں تلقین ضروری تھی جیسے بائیں طرف کھڑے ہونے پر فرمائی۔

اقول: یہ تقریر متعدد وجوہ سے ساقط الاعتبار ہے۔

اولاً: حضرت ابن عباس سوئے نہیں تھے جاگ رہے تھے، جیسا کہ خود بخاری "**باب الدعاء اذا انتبه من الليل**" اور مسلم کی روایت میں تصریح ہے، ابن عباس نے کہا، میں اٹھا، اور انگڑائی لی تاکہ حضور یہ خیال نہ کریں کہ میں جاگ رہا تھا، رہ گیا "نام الغلیم" اس میں استفہام کا بھی احتمال ہے اور اخبار کا بھی استفہام کی صورت میں ابن عباس کا سو جانا قطعی نہیں اور اخبار کی صورت میں بھی یہ ارشاد ابن عباس کی ظاہری حال کے اعتبار سے ہے، اس سے لازم نہیں کہ واقعی سو گئے ہوں، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "ونام الغلیم"

اگر اس وقت ابن عباس سو گئے تھے تو یہ سنا کیسے؟

ثانیاً: یہ کہنا کہ ہمیشہ مثل میں ہر اعتبار سے برابری ہوتی ہے غلط ہے ورنہ "قل إنما أنا بشر مثلکم" میں کیا فرمائیں گے؟

ثالثاً: خود بخاری کی کتاب الوضوء والی روایت میں ہے کہ میں نے بھی ایسے ہی وضو کیا جیسا حضور نے کیا تھا، اس سے ظاہر ہے کہ "مثل ما صنع" سے مراد اسی طریقہ کا وضو کرنا ہے، جیسا کہ حضور نے کیا تھا۔

رابعاً: یہ کہنا کہ: نہیں رات میں حدث ہوا تھا محض احتمال ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واقعی حدث نہ ہوا ہو۔" (نزہۃ القاری ج ۲ ص ۷، ۴۸)

احادیث کے تعارض کا اشکال خیال رہے کہ قرآن و حدیث میں کہیں حقیقی تعارض نہیں، البتہ کہیں کہیں ایسا ہوتا ہے کہ ہماری ظاہر بین نگاہ میں دو حدیثوں میں تعارض و تناقض کا اشکال پیدا ہوتا ہے، شارح بخاری دامت فیوضہ، نے احادیث کے اس ظاہری تباین و تناقض کا دفاع بھی محدثانہ اسلوب میں کیا ہے اور نزہۃ القاری میں جابجا اس طرح کے پیدا ہونے والے اشکالات کے شافی جوابات نظر آتے ہیں ایک نمونہ پیش ہے۔

ایک حدیث ہے "قالوا یا رسول اللہ ای الإسلام أفضل قال من سلم المسلمون من لسانه ویده"[1] یعنی صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سا اسلام افضل ہے، فرمایا جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہے۔"

دوسری ایک حدیث میں ہے "عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما أن رجلاً سأل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ای الاسلام خیر قال تطعم الطعام و تقرء السلام علیٰ من عرفت و من لم تعرف"[2] یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا، اسلام کا کونسا عمل بہتر ہے، فرمایا کھانا کھلانا اور ہر مسلمان کو سلام کرنا خواہ اسے پہچانو یا نہ پہچانو۔

پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کو ہاتھ اور زبان کی اذیتوں سے بچانا افضل عمل ہے جب کہ دوسری حدیث کا مفاد ہے کہ سب سے افضل عمل کھانا کھلانا اور آشنا یا نا آشنا مسلمان سے سلام کرنا ہے۔

شارح بخاری مد ظلہ العالی نے اس تعارض کو دور کیا ہے اور مثال دیکر اپنی بات عیاں کر دی ہے اور اسی کے ساتھ وہ تاریخی پس منظر بھی زیب قرطاس کیا ہے جس کے تحت رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مہمان نوازی اور سلام کرنے کو افضل عمل قرار دیا ہے لکھتے ہیں۔

"ظاہر ہے کہ اِس حدیث میں حصر مقصود ہے نہ اس حدیث میں بلکہ سائلین اور وقت کے لحاظ سے جس کی

---

[1] نزہۃ القاری ج ۱ ص ۲۵۵ [2] جلد اول ص ۲۵۶

ضرورت زائد تھی تو اس کو بیان فرمایا جب پہلی حدیث کے سائلین یا حاضرین میں ان دو باتوں کی ضرورت تھی تو اسے بیان فرمایا اور اِس حدیث کے سائلین یا حاضرین میں یہ کمی دیکھی تو انھیں بیان فرمایا، اس میں ایک دقیق اشارہ اس بات کی جانب ہے کہ اگرچہ بعض اعمال بعض سے فی نفسہٖ افضل ہیں مگر کبھی خاص وجہ سے کوئی خاص عمل افضل اور بہتر ہو جاتا ہے اس سے ان تمام احادیث میں تطبیق ہو گئی کہ کسی میں جہاد کو افضل الاعمال بتایا کسی میں کلمہ طیبہ پڑھنے کو وغیرہ وغیرہ۔

مثلاً کسی عالم سے پوچھئے کہ کس صدقہ نافلہ میں زیادہ ثواب ہے تو یہ جواب دے گا دینی مدارس کی امداد۔ لیکن اسی عالم سے پوچھئے کہ کسی کے پاس پانچ روپئے ہیں اس کا پڑوسی بھوکوں مر رہا ہے اب کس میں زیادہ ثواب ہے تو یہی عالم جواب دے گا کہ اس بھوکے مسلمان پڑوسی کی جان بچانے میں۔

حدیث زیر بحث کے بارے میں ایک اندازہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں تشریف لاتے ہی فرمایا تھا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے جب سنا کہ حضور اقدس ﷺ تشریف لا چکے ہیں تو میں حاضر ہوا میں نے جب بغور روئے انور دیکھا تو کہہ اٹھا یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں پہلا جو ارشاد سُنا یہ تھا" ایها الناس أفشوا السلام و أطعموا الطعام وصلوا بالليل والناس نيام "یعنی اے لوگو سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، رات میں جب لوگ سو رہے ہوں نماز پڑھو، سلامتی کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ۔

ظاہر ہے کہ ایسے وقت جب مکہ سے لٹے پٹے خانماں برباد مہاجرین مدینہ طیبہ آرہے ہیں ان کی کوئی یہاں شناسائی نہیں ہے، اجنبی ہیں، اس کی ضرورت تھی کہ ان کو اپنایا جائے ان کو بھوکا نہ رہنے دیا جائے خود جنگ بعاث کی وجہ سے انصار میں کافی تناؤ تھا، اس وقت افشائے سلام اور اطعام طعام کی حاجت شدید تھی، لوگ نماز کے عادی نہ تھے وہ بھی تہجد سے اس وقت واقف بھی نہ ہوں گے، انھیں رجوع اِلی اللہ کے لئے نماز کی کتنی شدید ضرورت تھی، اس لئے ان تین چیزوں کو ہ ذاس موقع پر خصوصیت سے بیان فرمایا" [1]

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ فقیہ الہند نے اشکال مذکور کو کتنے آسان دلنشیں اسلوب میں حل فرمادیا اور یہی نہیں کہ صرف عقلی احتمال پیدا کر کے حدیثوں کا مختلف محمل قرار دیا ہو بلکہ مضبوط دلیل اور شاہد کی روشنی میں یہ ثابت کر دیا کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف سائلین کی مختلف حالات کے اعتبار سے اس طرح کے جوابات ارشاد فرمائے ہیں جیسا کہ اطعام طعام والی حدیث سے عیاں ہے۔

فقہ حنفی پر وارد ہونے والے اعتراضات : فقیہ الہند مد ظلہٗ العالی چونکہ مسلکا حنفی ہیں۔ اور اس یقین کے ساتھ کہ مسلک حنفی قرآن و سنت کی مضبوط دلیلوں پر استوار ہے، اس لئے فقہ حنفی پر وارد ہونے والے اشکالات و اعتراضات کے شافی جوابات بھی قلمبند فرمائے ہیں۔ اور ٹھوس دلائل و براہین سے یہ حقیقت عیاں کر

---

[1] نزھۃ القاری ج ۱ ص ۲۵۸۔ ۱۲

دی ہے کہ مسلک حنفی میں جتنا زیادہ عمل بالحدیث کا التزام ہے۔ دوسرے مسالک اس ضمن میں اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے لہٰذا مسلک حنفی کو یہ الزام دینا کہ اس میں حدیث کو نظر انداز کر کے قیاس کے مطابق حکم دیا جاتا ہے محض بے بنیاد اور بہتان تراشی ہے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں۔

"امام اعظم کو حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل کرنے کا طعن وہی دے گا جو فقہ حنفی سے جاہل ہوگا۔ جسے فقہ حنفی سے کچھ بھی واقفیت ہو گی اور وہ منصف ہو گا تو اس کو یہ اعتراف کرنا ہی پڑے گا کہ امام اعظم سب سے زیادہ حدیث کے عالم اور حدیث کی اتباع کرنے والے تھے اس کے دلائل یہ ہیں۔

(۱) امام اعظم حدیث مرسل کو حجت مانتے ہیں اور اس کو قیاس پر مقدم جانتے ہیں، جب کہ امام شافعی کا عمل اس کے برعکس ہے کہ وہ حدیث مرسل کے بالمقابل قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۲) قیاس کی چار قسمیں ہیں۔ قیاس موثر، قیاس مناسب، قیاس شبہ اور قیاس طرد۔ امام اعظم اور ان کے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ قیاس مناسب اور قیاس طرد بالکل بے اعتبار ہیں، رہ گیا قیاس شبہ تو یہ بھی مختلف فیہ ہے البتہ قیاس موثر کو حجت مانتے ہیں۔

(۳) امام اعظم کے عمل بالحدیث کا حال یہ ہے کہ ضعیف احادیث پر بھی قیاس کے مقابلے میں عمل فرماتے ہیں، جیسے نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ بالکل خلاف قیاس بات ہے، مگر ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے۔ لہٰذا امام اعظم نماز میں قہقہہ کو ناقض وضو مانتے ہیں۔" [۱]

علاوہ ازیں نزہۃ القاری کے بیش قیمت معلومات افزا مقدمہ جو بجائے خود ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے۔ میں اس تعلق سے کئے گئے کچھ اعتراضات و شبہات کا مدلل اور شافی جواب بھی دیا ہے، جس کو پڑھنے کے بعد منصف مزاج کو یہ تسلیم کر لینے میں تردد نہ ہو گا کہ احناف پر ترک حدیث کا الزام سراسر بہتان تراشی کے سوا کچھ نہیں۔

مزید برآں نزہۃ القاری میں احادیث بخاری کے ضمن میں جابجا دیکھنے کو ملتا ہے کہ احناف پر مخالفت حدیث کا الزام بے جا ہے، ایک مثال ملاحظہ ہو۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منھ یا پیٹھ کرنا جائز نہیں خواہ گھر کے اندر ہو یا میدان میں ہو، ان کی دلیل یہ حدیث پاک ہے "إذا أتى أحدكم الغائط فلا يستقبل القبلة ولا يولها ظهره" (یعنی جب کوئی استنجا کرنے جائے تو قبلہ کی طرف منھ یا پیٹھ نہ کرے) اور دوسری کئی احادیث بھی احناف کی دلیل ہیں جن میں بغیر کسی استثناء کے قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منھ یا پیٹھ کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ نیز چونکہ قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنے سے احترام کعبہ کی بنا پر روکا گیا ہے اور احترام کعبہ ہر

---

[۱] نزہۃ القاری ج ۱، مقدمہ

جگہ ہونا چاہئے۔

اس ضمن میں امام شافعی اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ عمارت میں قبلہ کی طرف منہ کرنا اور پیٹھ کرنا دونوں جائز اور میدان میں دونوں ناجائز ہیں اور یہی امام بخاری علیہ الرحمہ کا بھی موقف ہے۔ اس کے اثبات کیلئے بخاری میں یہ حدیث مرقوم ہے۔

"عن عبدالله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما أنه كان يقول إنَّ ناسا يقولون إذا قعدت على حاجتك فلا تستقبل القبلة ولا بيت المقدس فقال عبدالله بن عمر لقد إرتقيت يوماً على ظهر بيتٍ لنا فرأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على لبنتين مستقبلاً بيت المقدس لحاجته."

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں جب تم قضائے حاجت کے لئے بیٹھو تو قبلہ اور بیت المقدس کی طرف منہ نہ کرو اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں ایک دن اپنے ایک گھر کی چھت پر چڑھا تو اچانک میری نظر پڑ گئی دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ قضاء حاجت کے لئے دو کچی اینٹوں پر بیت المقدس کی جانب منہ کئے بیٹھے ہیں۔"

"خیال رہے کہ یہاں صرف "مستقبلا بیت المقدس" ہے اور "التبرز فی البیوت" ص ۲۷، اور "بیوت ازواج النبی" ص ۴۳۷ میں "مستدبر القبلۃ مستقبل الشام" ہے لیکن دونوں کا حاصل ایک ہے کہ جب شام یا بیت المقدس کو منہ ہوگا تو قبلہ کی طرف پشت ہوگی۔" [۱]

اب اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ احناف کا عمل اس حدیث کے برخلاف ہے اس اعتراض کا جواب جو عام طور پر دیا جاتا ہے اس کو فقیہ الہند نے یوں تحریر فرمایا ہے۔

"احادیث میں قضاء حاجت کے وقت منہ یا پیٹھ نہ کرنے کا حکم عام ہے اور یہ ایک خاص واقعہ ہے اور خصوص واقعہ کے لئے عموم نہیں ہوتا، علاوہ ازیں وہ قول ہے اور یہ فعل ہے اور فعل رسول میں اس کا بھی احتمال رہتا ہے کہ آں حضور کے ساتھ خاص ہو، اس لئے قول کے متعارض جب فعل ہو تو ترجیح قول کو ہوگی۔ علاوہ ازیں وہ قول رسول ہے اور یہ ابن عمر کا اجتہاد ہے، اور ظاہر ہے کہ قول رسول کے مقابلہ میں صحابی کے اجتہاد کو کبھی ترجیح نہ ہوگی۔ [۱]

یہ وہ جوابات ہیں جو احناف کی حمایت میں دیئے گئے ہیں، ان میں سے آخری جواب پر فقیہ الہند کو کلام ہے

---

[۱] نزھۃ القاری ج ۱ ص ۴۶۷

لکھتے ہیں ''لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمر کا اجتہاد نہیں، صریح فعل رسول ہے۔''

فقیہ الہند مد ظلہ العالی کو صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت مولانا امجد علی صاحب قبلہ قدس سرہٗ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے مظہر صادق اور پرتو ہیں۔ آپ نے ان کے بحر علم و حکمت کے آبدار موتیوں سے اپنے ذہن و دماغ کے نہاں خانوں کو منور کیا، آپ کی تصانیف میں ان آبدار موتیوں کی جھلک کا جلوہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے، صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے احناف کی طرف سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کا جو تحقیقی جواب عنایت فرمایا ہے اس کو پڑھ کر طبیعت جھوم اٹھتی ہے لیکن ان کے اس تحقیقی جواب سے پہلے بعض ابنائے زمان نے اس اعتراض کا جو جواب احناف کی وکالت میں دیا ہے اور شارح بخاری نے اس نکتہ آفرینی پر جو تعقبات فرمائے ہیں وہ بھی دیدنی ہے۔

''بعض ابنائے زمان نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابن عمر کو دیکھنے میں غلطی ہوئی انھوں نے صرف منھ یا سینہ دیکھا ہوگا، چونکہ حالت ایسی نہ تھی کہ اسے بغور دیکھتے اچانک نظر پڑ گئی، انھوں نے منہ یا زیادہ سے زیادہ سینہ دیکھا ہوگا کہ بیت المقدس کی طرف ہے۔ حالانکہ استنجا کے وقت اصل میں منہ یا سینہ قبلہ کی طرف کرنے کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ اعضاء استنجا کیلئے ہے۔''

لیکن حدیث کے الفاظ کو بغور پڑھنے والا بخوبی معلوم کرلے گا کہ یہ محض سخن سازی ہے، حضرت ابن عمر کی نظر آنحضور پر اگرچہ اچانک اس حالت میں پڑی تھی، مگر جو کچھ انھوں نے دیکھا وہ پوری تفصیل سے دیکھا، غور کیجئے کہتے ہیں، میں نے کچی اینٹوں پر بیٹھے دیکھا، جب یہاں تک دیکھا کہ اینٹوں پر بیٹھے ہیں وہ بھی پکی نہیں کچی تھی وہ بھی صرف دو پر۔ تو صرف سینہ تک دیکھنے کو محدود کرنا درست نہیں، پھر ایسے مشتبہ دیکھنے کو مدارِ حکم ٹھہرانا حضرت ابن عمر سے بعید ہے۔''

ناظرین غور کریں کہ فقیہ الہند نے حدیث کے داخلی اور خارجی شواہد سے کس طرح اس جواب کے تار و پود کو تار عنکبوت کی طرح بکھیر دیا ہے۔ اب آیئے اس کا وہ جواب بھی ملاحظہ کرلیں جو صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے عطا کیا ہے، رقم طراز ہیں۔

> ''اصل توجیہ اس حدیث کی وہ ہے جو مرشدی حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ نے فرمائی کہ جن کے سامنے کعبہ نہ ہو ان کو سمت کعبہ کی جانب منھ یا پیٹھ کرنا ممنوع ہے، اور کعبہ جن کے سامنے ہو انھیں عین کعبہ کی طرف منع ہے، حضور اقدس ﷺ کے پیش نظر ساری دنیا تھی جیسا کہ خود انھیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا ''إن اللہ قد رفع لی

---

[1] نزہۃ القاری ج ۱ ص ۴۶۸

الدنیا فانا أنظر إلیها وإلی ماھو کائن فیھا إلٰی یوم القیمة کانی أنظر إلٰی کفی ھٰذہ
"(اللہ نے دنیا میرے سامنے کر دی ہے میں دنیا کو اور دنیا میں قیامت تک جو کچھ ہوگا سب کو ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو)

جب آں حضور کے سامنے پوری دنیا تھی تو حضور کی نگاہ انور کے سامنے کعبہ بھی ہوگا، آپ کی پشت مبارک عین کعبہ کی جانب نہ تھی، صرف سمت کعبہ کی جانب تھی، حضرت ابن عمر نے صرف سمت شام کی جانب منہ اور سمت کعبہ کی جانب پیٹھ کرنے کو دیکھا اور یہی جواب مذہب ثانی کی موید حدیث جابر کا بھی ہے، اس پر دلیل ان تینوں شہروں کا جغرافیائی وقوع ہے اس لئے کہ مکہ معظمہ کا طول البلد ۶۷ درجہ ۳۳ دقیقے پر ہے اور عرض البلد ۲۱ درجہ ۴۰ دقیقے پر ہے، مدینہ طیبہ ۷۵ درجہ ۲۰ دقیقے طول البلد پر ۲۵ درجہ عرض البلد پر ہے اور بیت المقدس ۳۶ درجہ اور ۲۰ دقیقے طول پر اور ۳۲ درجہ ۲ دقیقے عرض پر ہے۔

جب بیت المقدس اور مدینہ طیبہ میں ۳۹ درجہ طول کا اور مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں ۷ درجہ ۴۷ دقیقے کا تفاوت ہے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ عین بیت المقدس کی جانب جس کا منہ ہو اس کی پیٹھ عین قبلہ کی جانب ہو۔"[۱]

احادیث پر کئے جانے والے عقلی اعتراضات : نزہۃ القاری میں احادیث کریمہ پر وارد کئے جانے والے عقلی اعتراضات کے جوابات بھی نہایت تحقیق و تدقیق سے تحریر کئے گئے ہیں دو نمونے درج ذیل ہیں۔

(۱) بخاری شریف ج ۱ کتاب مواقیت الصلوٰۃ "باب الابراد بالظھر فی شدّة الحر" میں ہے
"عن أبی ھریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہٗ عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قال إذا اشتد الحر فأبردوا بالصلوٰة فان شدة الحر من فیح جھنم واشتکت النار إلی ربھا فقالت یارب أکل بعضی بعضا فاذن لھا بنفسین نفس فی الشتاء و نفس فی الصیف وھو أشدما تجدون من الحرو أشدما تجدون من الزمھریر"[۱]

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی حضور نے فرمایا جب گرمی سخت ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو، اس لئے کہ سخت گرمی جہنم کے جوش سے ہے، جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی کہ میرے بعض نے بعض کو کھالیا تو اسے دو سانسوں کی اجازت دے دی، ایک سانس کی جاڑے میں ایک سانس کی گرمی میں اور یہی وہ سخت گرمی ہے جسے تم محسوس کرتے ہو اور وہ سخت سردی ہے جسے تم محسوس کرتے ہو"

اب اس حدیث پاک پر یہ عقلی اشکال اور اس کا شافی جواب شارح بخاری مدظلہٗ کی زبان فیض ترجمان سے سنئے۔

---

[۱] نزہۃ القاری ج ۳ ص ۲۲

”اس حدیث پر آج کل یہ اشکال بہت پیش کیا جاتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے تو یہ ضروری ہونا چاہیئے تھا کہ گرمیوں میں دن رات چوبیس گھنٹے یکساں گرمی ہوتی، اسی طرح جاڑوں میں جاڑا بھی، نیز پوری دنیا میں ایک ہی ساتھ گرمی اور ایک ہی ساتھ جاڑا رہتا، حالانکہ خط استوا کے جانب شمال جب گرمی پڑتی ہے، تو جانب جنوب جاڑا رہتا ہے، اور جب اُدھر جاڑا رہتا ہے تو ادھر گرمی، نیز خط استوا پر ہمیشہ موسم معتدل رہتا ہے۔ حالانکہ وہاں بھی گرمی اور جاڑا دیگر بلاد کی طرح ہونا چاہیئے۔

اَقول و باللہ التوفیق، اگر جہنم ایک ہی سانس لیتا، تو خط استوا کے شمالی اور جنوبی بلاد میں موسم کے تضاد سے استحالہ درست تھا، حدیث میں ہے دو سانس لیتا ہے، یعنی پوری دو سانس، ایسا نہیں کہ سانس ایک ہی لیتا ہے، اندر باہر کرنے کو دو سے تعبیر کر دیا ہے، پوری سانس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ باہر سے اندر کھینچے اور اندر سے باہر پھینکے، جو بلاد اندر کھینچتے وقت اس کی زد میں آتے ہیں، وہاں جاڑا پڑتا ہے، اور باہر پھینکنے کی زد میں آتے ہیں وہاں گرمی، کبھی شمالی بلاد کی طرف باہر پھینکنے کا رخ ہوتا ہے تو ادھر گرمی ہوتی ہے اور کبھی جنوبی بلاد کی طرف باہر پھینکنے کا رخ ہوتا ہے، تو ادھر گرمی، اسی طرح جاڑا بھی ہے۔“

(۲) بخاری شریف ج ا کتاب الوضوء میں ہے

”عن انس بن مالك رضى الله تعالىٰ عنه أنه قال رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وحان صلوٰة العصر فالتمس الناس الوضوء فلم يجدوا فأتى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بوضوء فوضع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى ذلك الأناء يده وأمر الناس أن يتوضاوأ امنه قال فرأيت الماء ينبع من تحت اصابعه حتى توضأ وامن عند آخر هم“[۱]

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا، اور عصر کا وقت ہو چکا تھا، لوگوں نے وضو کے لئے پانی تلاش کیا، مگر لوگوں نے نہیں پایا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں وضو کا پانی لایا گیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس برتن میں اپنا ہاتھ رکھا، اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس سے وضو کریں، حضرت انس نے کہا، میں نے دیکھا کہ حضور کی انگلیوں کے نیچے سے پانی ابل رہا ہے، یہاں تک کہ ان کے آخری شخص نے بھی وضو کر لیا“[۲]

اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انگشتان مبارک سے چشمہ جاری ہونے کے معجزہ کا

---

[۱] نزھۃ القاری ج ا ص ۵۱۲

تذکرہ ہے، یہ معجزہ ایک مجمع عظیم میں رونما ہوا تھا تو پھر سوال یہ اٹھتا ہے کہ صحابہ کرام کے جم غفیر میں رونما ہونے والے اس معجزہ کی روایت صرف حضرت انس ہی سے کیوں ہے، تنقیص شان رسالت کرنے والے اس طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں، فقیہ الہند شارح بخاری مدفیضہ نے اس طرح کے شکوک و شبہات کو درج ذیل دلائل قاہرہ سے بے بنیاد ثابت کیا ہے۔

"اس قسم کے سوالات بہت سے معجزات اور واقعات کے سلسلے میں ہو سکتے ہیں، اس لئے یہیں ہم اس کی وضاحت کر دیتے ہیں اولاً حضرت انس نے یہ معجزہ بیان فرمایا اور کسی صحابی نے انکار نہیں فرمایا۔ ایسے موقع پر سکوت دلیل تصدیق ہوتا ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام سے یہ بعید ہے کہ وہ جھوٹ اور باطل پر سکوت کریں، ثانیاً ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب صحابہ کرام ہیں، مگر ان میں سے کتنے سے احادیث کی روایت ہے، ہو سکتا ہے کہ اس مجمع میں جو حضرات شریک تھے، ان میں سے سوائے حضرت انس کے اور صاحب روایت کوئی نہ ہو، ثالثاً بہت سے حضرات کو دیگر اہم مصروفیات کی وجہ سے احادیث روایت کرنے کا موقع کم ملا، جیسے حضرات خلفائے راشدین حتی کہ عشرۂ مبشرہ۔ رابعاً اصحاب کتب نے جو احادیث اپنی کتابوں میں درج کیں، وہ کسی خاص نکتے کو سامنے رکھ کر درج کیں، ہو سکتا ہے کہ اس وجہ سے ایسی روایتیں جو دیگر صحابہ کرام سے اس قسم کے واقعات میں یا کسی بھی واقعے میں مروی ہوئیں، کتابوں میں درج ہونے سے رہ گئیں، مثلاً امام بخاری کو لیجئے ان کو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں، جن میں پانچ لاکھ غیر صحیح اور ایک لاکھ صحیح یاد تھیں، مگر ان کی کتابوں میں کل دس ہزار احادیث بمشکل ہوں گی، خامساً حضرت انس کو عمر طویل عطا ہوئی، اس لئے کہ ان کا وصال ۹۲ھ میں ہوا، اور روایت میں علو سند یعنی رواۃ کی کمی کی بڑی اہمیت ہے ہو سکتا ہے حضرت انس کی مرویات میں علو سند ہونے اور دوسرے حضرات کی روایت میں علو سند نہ ہونے کی وجہ سے مصنفین نے نہ لیا ہو" ؎

اہل سنت و جماعت پر کئے جانے والے اعتراضات : فقیہ الہند مد ظلہ نے اپنی اس تصنیف منیف میں جہاں اہل سنت کے کچھ مستحسن معمولات (جیسے یوم ولادت اقدس میں خوشیاں منانا، مزارات پر گل پوشی کرنا اور اولیاء کرام سے توسل وغیرہ) کی حقانیت احادیث کی روشنی میں ثابت کی ہے، تو دوسری طرف مخالفین کی طرف سے اہل سنت کے معمولات و عقائد پر احادیث کی غلط توجیہ کر کے جو اعتراضات تھوپے گئے ہیں ان فاسد توجیہات کی حقیقت عیاں فرمادی ہے چنانچہ حدیث جبریل کا سہارا لے کر جو علم غیب نبی کا انکار کیا جاتا ہے آپ نے اس استدلال کی قدر و قیمت بتادی ہے اور اس پر جو زبردست معارضے قائم فرمائے ہیں وہ پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہاں پر ایک مثال درج ہے۔

؎ نزہۃ القاری ج ۱

ایک حدیث ہے "قالؐ لاتشد الرحال إلا إلی ثلثة مساجد المسجد الحرام و مسجد الرسول و مسجد الاقصیٰ "(تین مسجدوں کے سوا کسی مسجد کیلئے کجاوہ نہ باندھا جائے یعنی سفر نہ کیا جائے، مسجد حرام، مسجد رسول، مسجد اقصیٰ۔

وہابی کہتے ہیں کہ بزرگانِ دین کے مزارات مشاہد و آثر کی زیارت کے لئے سفر کرنا حرام ہے، بلکہ اسماعیل دہلوی نے کسی کی قبر پر سفر کر کے جانا شرک بتایا ہے۔

(تقویۃ الایمان ص ۳۴ بحوالہ نزھۃ القاری ج ۳ ص ۵۱۵)

دلیل ان کی یہی حدیث ہے اور اس حدیث کو دلیل یوں بناتے ہیں کہ اس حدیث میں مستثنیٰ منہ محذوف ہے لہٰذا وہ کوئی عام ہی ہوگا اور مستثنیٰ عام موضع یا مکان ہے۔ لہٰذا معنی یہ ہو گیا کہ تین مسجدوں کے علاوہ اور کہیں سفر کرنا جائز نہیں۔

شارح بخاری مد ظلہ نے اس اعتراض بشکل استدلال کا جواب کئی وجہوں سے تحریر فرمایا ہے۔

"اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ محبوبان بارگاہ کے مزارات و مقابر و مآثر پر سفر کر کے جانا جائز و مستحسن ہے اولاً اس حدیث کا مطلب یہ بتانا ظاہر البطلان ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پھر کہیں کا کوئی سفر کسی بھی مقصد کیلئے جائز نہ ہوگا۔ مثلاً جہاد، طلب علم، تبلیغ دین وتجارت، سیاحت وغیرہ کسی کے لئے سفر جائز نہ ہو اور یہ امت کے اجماع سے باطل بلکہ خود وہابیوں کے عمل سے بھی ثانیاً استثنائے مفرغ میں مستثنیٰ کے اعم الاعم ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی قید ہی نہیں بلکہ یہ ضروری ہے کہ مستثنیٰ منہ محذوف مستثنیٰ کی جنس بلکہ نوع بلکہ صنف سے ہو اور پوری صنف کو عام ہو جیسے کہتے ہیں مارأیت الازیداً میں نے صرف زید کو دیکھا اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ قائل نے نہ زمین دیکھی نہ آسمان دیکھا نہ درو دیوار بلکہ جانوروں کے دیکھنے کی بھی نفی نہیں ہوتی بلکہ انسانوں کے دیکھنے کی بھی نہیں ہوتی مثلاً آپکو کسی مخصوص طبقہ کے افراد کی تلاش ہے آپ نے کسی سے پوچھا ان میں سے کسی کو دیکھا ہے اس نے اس طبقہ کے علاوہ سیکڑوں انسانوں کو دیکھا ہو مگر ان سے صرف زید کو دیکھا بقیہ کسی کو نہ دیکھا ہو تو کہے گا مارأیت الازیداً میں نے صرف زید کو دیکھا ہے مراد یہ ہے کہ اس طبقہ کے افراد میں سے صرف زید کو دیکھا ہے اب یہاں مستثنیٰ منہ محذوف یہ ہوا کہ اس طبقہ کے افراد۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ استثناء مفرغ میں مستثنیٰ منہ محذوف کا مستثنیٰ کی جنس بلکہ نوع بلکہ صنف سے ہونا لازم ہے یہاں مستثنیٰ مساجد ثلثہ مخصوص ہے تو مستثنیٰ منہ محذوف بھی مسجد ہو گا اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ان تینوں مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کا نماز پڑھنے کیلئے سفر جائز نہیں اس لئے کہ ان

کے علاوہ بقیہ مساجد میں نماز کا ثواب برابر ہے۔ جو ثواب مقامی جامع مسجد میں نماز پڑھنے کا ہے وہی ثواب دہلی کی جامع مسجد میں نماز پڑھنے کا ہے پھر نماز کیلئے سفر کرنا بے سود ہے۔ ان تینوں مسجدوں میں نماز کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ اسلئے ان کی جانب سفر نفع بخش ہے اس کی تائید حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو مسند امام احمد میں شہر بن حوشب سے مروی ہے کہ میں نے کوہِ طور میں نماز پڑھنے کا ذکر کیا تو حضرت ابو سعید نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے سواری کا کجاوہ نہیں کسنا چاہیئے سوائے مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے۔ علامہ ابن جوزی نے فرمایا۔ شہر حسن الحدیث ہے اگرچہ اس میں کچھ ضعف ہے بالفرض اگر اس حدیث میں مستثنیٰ مکان یا موضع مان لیا جائے تو بھی اس سے بزرگانِ دین کے مزارات کیلئے سفر کرنے کا عدم جواز ثابت نہ ہو گا اس لئے کہ اولیائے کرام کے مزارات کی زیارت مقصود صاحب مزار ہوتے ہیں عمارت نہیں ہوتی ہے۔

توضیح مزید : مسند امام احمد کی اس حدیث کی روشنی میں ہم نے یہ قید بڑھائی کہ کسی مسجد کی جانب اسمیں نماز پڑھکر زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے سفر جائز نہیں۔ نیز اسلئے بھی کہ ان تین مساجد کا استثنا اسی وجہ سے ہے کہ ان میں نماز پڑھنے پر زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے تو مستثنیٰ منہ مستثنیٰ کی صنف سے اسی وقت ہو گا کہ اس میں بھی یہ قید ملحوظ رہے، اسلئے کسی مسجد کی تعمیر کیلئے یا بنیاد رکھنے کیلئے یا کسی عالم یا شیخ کے پیچھے نماز پڑھنے کی نیت سے سفر جائز بلکہ مستحسن ہے، اس لئے کہ حدیث میں ہے "من صلی خلف عالم تقی کانما صلی خلف نبی" جس نے کسی متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی تو گویا اس نے کسی نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔ بنظر غور دیکھا جائے تو واضح ہو گا کہ حضرت ابو سعید کی مذکورہ بالا حدیث نے واضح کر دیا کہ حدیث "لا تشد الرحال" کا تعلق زیارت قبور وغیرہ کے سفر سے ہے ہی نہیں یہ صرف مساجد کے ساتھ خاص ہے وہ صرف نماز پڑھنے کی نیت سے سفر ہو تو۔ اگر کسی مسجد ہی کی جانب سفر ہو مگر نماز پڑھنے کے لئے نہ ہو اور مقاصد کے لئے تو اس کا بھی اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں، جب اس حدیث میں مستثنیٰ مسجد ہے تو بقیہ سفر اپنے اصل اور مقصد کے لحاظ سے فرض یا واجب یا مستحب یا حرام ہوں گے، مثلاً جب جہاد فرض ہو تو جہاد کیلئے سفر فرض، کسی واجب کی ادائیگی کے لئے واجب، مستحب کے لئے مستحب، مباح کے لئے مباح، حرام کے لئے حرام، زیارت قبور سنت ہے تو بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری کیلئے سفر کرنا کم از کم مستحب تو ضرور ہو گا۔

(نزھۃ القاری ج ۳ ص ۵۱۴، ۵۱۵)

☆☆☆☆☆

۱۔ نزھۃ القاری ج ۱ صفحہ ۴۶۸ ۲۔ نزھۃ القاری ج ۱ ص ۴۶۸، ۴۶۹

مولانا فیضان المصطفیٰ قادری
استاذ جامعہ امجدیہ، گھوسی، مئو

نزھۃ القاری اور مصنف کی ذاتی تحقیقات

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان کے کارنامے خواہ وہ دنیوی ہوں یا دینی انسان کو زندۂ جاوید بنا دیتے ہیں۔ انہیں کی وجہ سے ساری انسانیت اسے اپنا محسن مان لیتی ہے اور اگر یہی کارنامے دین متین کی عظمت و بقا اور سر بلندی و سرفرازی کے لئے سعی پیہم، خلوص و للّٰہیت، اور ملی جذبات کا نتیجہ ہوں تو انسان کو دائمی فیروز مندیوں کا سزاوار بنا دیتے ہیں، انسان آخرت کی ان سرمدی نعمتوں سے سرشار ہو جاتا ہے، جو صرف اللہ تعالیٰ کے مقرب اور محبوب بندوں کا مقدر ہے۔ موجودہ دور میں عالم اسلام کو جس زبردست قحط الرجال کا سامنا ہے ماضی میں کبھی بھی اسے اس قدر شکست وریخت، زوال و پسپائی، اور انحطاط و زبوں حالی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ حالات کے پیش نظر خلوص وللّٰہیت سے مرصع اور علم دین سے مزین ذی استعداد علما و فضلا کی جو قلت ہے اسے تاریخ کے سب سے بھیانک قحط الرجال سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ایسے پرفتن دور اور پر خطر ماحول میں قابل صد مبارک باد ہے وہ ذات جس نے مخالف تحریکوں، فاسد رجحانات اور اہل باطل کی ریشہ دوانیوں کی پرواہ کئے بغیر طوفان کی زد پر حقانیت کا چراغ جلایا۔ یقیناً وہ اس صدی کی عظیم ترین ھستی ہے، یعنی عمدۃ المحققین، زبدۃ المحدثین، فقیہ العصر، نائب مفتی اعظم ہند شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ۔

صاحب نزھۃ القاری کی شخصیت

آپکی شخصیت اپنے علمی و فقہی، تحقیقی و تصنیفی کارناموں کی بدولت پوری دنیائے علم و فن میں مثال نہیں رکھتی طالب علمی کے زمانے سے ہی آپ نہایت ذہین طباع اور محنتی طالبعلم تھے آپکا نور الانوار کا امتحان فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے لیا۔ آپ کی قابلیت سے بہت خوش ہوئے اور آپ کو پنچانوے نمبر دیا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ شروع ہی سے ذہین و فطین اور ذی استعداد تھے محنت و مشقت سے تعلیم حاصل کی خود فرماتے ہین کہ ہم اور ظفر ادیبی ساتھی تھے،

ساتھ مطالعہ بھی کرتے تھے ایک لالٹین ہوتی، گئی رات تک مطالعہ کرتے اکثر ایسا ہوتا کہ میں سوچتا کہ وہ لالٹین بند کریں وہ سوچتے کہ میں بند کروں اس میں فجر کی اذان ہو جاتی، یہ آپ کی محنت کا عالم تھا اور حافظ ملت کی بافیض تربیت اور نگاہ ولایت نے تو آپ کو امام علم وفن بنادیا، آپ صدر الشریعہ کی بارگاہ سے بھی اکتساب فیض کرتے رہے یہی وجہ ہے کہ اس وقت آپ کی حیثیت ہندو پاک کے مفتی اعظم کی ہے۔ بلکہ ہندو پاک کے علاوہ بھی کہیں آپ جیسا تجربہ کار مفتی اور اس قدر ہمہ گیر کارناموں کا حامل نظر نہیں آتا۔

صاحب نزہۃ القاری کی محققانہ حیثیت

دنیا میں دانشوروں، عالموں، اور اسکالروں کی کمی نہیں۔ مگر محققین ان میں صرف چند ہی ملیں گے اور تحقیق جس کا نام ہے وہ اس دور میں حضرت شارح بخاری میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ سائنس دانوں نے خلائی مسافرین کی پہلی ٹیم جب چاند پر بھیجی تو عالم اسلام میں ایک شور برپا ہوا کہ کیا انسان کا چاند پر پہنچنا ممکن ہے، جب کہ قرآن کہتا ہے ﴿کل فی فلك یسبحون﴾ یعنی چاند سورج ستارے سب آسمان میں تیر رہے ہیں، اگرچہ جدید سائنس آسمان کے وجود کی منکر ہے، اور خلاے موہوم کا نام آسمان بتاتی ہے، مگر شریعت مطہرہ آسمان کے وجود کی قائل ہے اور یہی حق ہے تو جب ستارے آسمان میں ہیں تو انسان کا آسمان میں جانا کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے، وہ بھی کفار، کا اس نازک موقع پر سب سے پہلے فقیہ عصر حضرت مفتی صاحب قبلہ نے اپنی تحقیق سے ثابت کیا کہ چاند پر پہنچنا ممکن ہے چاند ستارے سب کے سب آسمان کے نیچے ہیں اور فلک۔ سے مراد یہاں آسمان نہیں۔ بلکہ آسمان کے نیچے کی فضا پر بھی کبھی کبھی فلک کا اطلاق ہوتا ہے۔ تحقیق و جستجو آپ کی رگ وپے میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ یہ خود اپنا تجربہ ہے۔ ایک سال رمضان شریف کی تعطیل میں پورے مہینے حضرت کی بارگاہ کی حضوری کا شرف ملا حضرت مفتی صاحب قبلہ شرح بخاری کا املا کراتے۔ میں املا کرتا تراویح کے بعد سے بارہ بجے تک میری ڈیوٹی رہتی اس کے بعد دیگر علماے کرام موجود ہوتے دوران املا مختلف مقامات پر جو چاہتے مجھ سے سوال کرتے جہاں تک ممکن ہوتا میں جواب دیتا پھر حضرت نادر علمی جواہر پاروں سے بہرہ مند فرماتے اور فرماتے تحقیق کیا کرو! ''کسی لفظ کی تحقیق کرنا ہو تو اس کے پیچھے پڑ جایا کرو'' حضور علیہ کا نسب نامہ لکھنا راقم الحروف کے حصے میں آیا جب ''لُؤیّ'' آیا تو فرمایا: یہ لاَیٌ (بروزن سعیٌ، بمعنی إبکاء و احتباس) کی تصغیر ہے۔

عرب اکثر اپنے نام کے ساتھ ابن لگا کر اپنے باپ کا بھی نام لکھتے ہیں ابن میں الف بھی ہے لیکن اکثر ناموں کے ساتھ الف ساقط ہو جاتا ہے اس کی وجہ حضرت ہی نے مجھے بتایا کہ اگر کسی نام کے ساتھ اس کے باپ کا نام مل کر اس کا جزو بن جائے تو وہاں (الف نہ ہوگا جیسے معاذ بن جبل، عمرو بن العاص، عمر بن الخطاب وغیرہ اور جزو نہ ہو تو وہاں الف ہو گا۔

ایک مرتبہ دوران املا حدیث کا ایک ٹکڑا آیا "ومادریت وتلیت" حضرت نے مجھ سے پوچھا "تلیت" کس باب سے ہے میں بتایا " نصر ینصر" سے تو فرمایا " تلوت" آنا چاہئے "تلیت" کیوں ہے؟ پھر خود فرمایا" مادریت" سے تناسب کے لئے جو فصاحتِ کلام میں داخل ہے اس کی تائید کے لئے دوسری حدیث کا ٹکڑا بطور نظیر فرمایا: " مازورات غیر ماجوراتٍ" اور دونوں صیغوں کی اصل اور باب پوچھا میں نے بتایا"وزر یزر" اور "اجر یاجر" یعنی "ضرب یضرب "اور "نصر ینصر" سے تو فرمایا"وزر یزر" سے اسم مفعول "موزورات" آنا چاہئے مگر چونکہ "اجر یاجر" سے اسم مفعول "ماجورات" ہی ہوگا اس لئے اس کے تناسب سے "مازورات غیر ماجورات" وارد ہوا، یہ اول کی نظیر ہے یہ وہ تحقیقی شگوفے ہیں جو آپ بے ساختہ فرمادیتے ہیں، تحقیق و جستجو کے جو حوصلے آپ میں وہ کہیں نظر نہیں آتے چھوٹی چھوٹی باتوں کی تحقیق آپ کی فطرت ثانیہ ہے۔

ایک مرتبہ عرفات کا لفظ ذکر میں آگیا حضرت نے پوچھا: "عرفات"منصرف ہے یا "غیر منصرف"؟ میں نے کہا علم اور تانیث دو سبب موجود ہے لہٰذا "غیر منصرف" ہے فرمایا تو قرآن میں "فاذا افضتم من عرفاتٍ" کیوں ہے؟ "من عَرفاتَ" ہونا چاہئے میں نے توقف کیا تو آپ نے بے ساختہ فرمایا"عرفات"بقعہ کی تاویل میں ہو تو غیر منصرف ہوگا اگر موضع کی تاویل میں ہو تو موضع مذکر ہے لہٰذا دو سبب جمع نہ ہوں گے تو منصرف ہوگا۔ اسطرح سے ایک ایک حرف اور ایک ایک نقطے کی تحقیق کرنا آپکی فطرت ہے۔ "عرفات" کی پوری تحقیق نزہۃ القاری جلد چہارم میں مذکور ہے جہاں مصنف نے "عرفات" کے منصرف اور غیر منصرف ہونے میں قاضی بیضاوی اور زمخشری کا شدید اختلاف فریقین کے دلائل کے ساتھ بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ پھر خود محاکمہ فرماتے ہوئے اپنی ذاتی رائے یوں پیش فرمائی ہے:

یہ سب بحث اس صورت میں ہے کہ عرفات کو جمع مانا جائے۔ مگر حقیقت میں یہ جمع نہیں واحد ہے تو نہ اس کی تا جمع مؤنث سالم کی تا ہوئی اور نہ اس کی تنوین تنوین مقابلہ،اس لئے دونوں فریق کی اپنی اپنی نکتہ آفرینی ساقط۔ اب اگر اسے مکان کا نام مانیں تو منصرف اور بقعہ کا نام مانیں تو غیر منصرف

علمیت اور تانیث معنوی کی وجہ سے۔ قرآن میں بتاویل اسم مکان منصرف ہے۔ هذا ماظهر لی والعلم بالحق عند ربی. (نزہۃ القاری، جلد چہارم ص ۳۶۸)

آپ کی تحقیقی صلاحیت ہر خاص وعام کو تسلیم ہے۔اور کیوں نہ ہو کہ آج آپ سے زیادہ معتبر فقیہ اور معتمد مفتی مشکل سے ملے گا آپ صرف ہمارے اور آج کل کے عوام وخواص اور علما وفضلا کے ہی معتمد نہیں بلکہ فقیہ اعظم ہند صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ اور جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے بھی معتمد خاص رہے، ان بزرگوں کو آپ پر کلی اعتماد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صدر الشریعہ کے زمانے میں بھی اگرچہ آپ نوخیز تھے مگر حضور صدر الشریعہ اپنے تصنیفی وتحریری کاموں میں آپ ہی کو بلاتے حضور صدر الشریعہ نے آخری دور میں جب بینائی کم ہوگئی تھی تو بہار شریعت کے بارے میں جو وصیت لکھوائی تھی ”کہ میرے بیٹوں میرے شاگردوں اور معتقدین میں سے کوئی بھی تین حصہ لکھ کر اسے مکمل کردے“ اس وصیت کا املا آپ نے ہی کیا تھا۔ مفتی اعظم ہند کو آپ پر ایسا اعتماد تھا کہ انھوں نے بریلی میں پورا دارالافتا آپ کے حوالہ کردیا اور عرصۂ دراز تک آپ بریلی کے مرکزی دارالافتا میں رہکر اکناف عالم میں فقہ وفتاویٰ کے گوہر آبدار لٹاتے رہے، مفتی اعظم ہند خاص اور اہم دوروں میں آپ کو ساتھ رکھتے۔ ایسا بھی ہوا کہ حضور مفتی اعظم ہند نے ایثار وخلوص سے متاثر ہوکر آپ کے ہاتھ چوم لئے۔ اب یہ بات مکمل واضح اور روشن ہوگئی کہ آپ سلف وخلف سب کے معتمد فقیہ مفتی اور محقق ہیں، دقت نظر اور وسعت تجربات کا یہ عالم کہ بارہا دیکھا گیا کہ آپ نے کسی مسئلے کا کوئی حل پیش کیا تو اکثر علما اور دانشوروں کی آرا اس کی مخالف رہیں مگر غور وفکر اور طویل بحث ومباحثے کے بعد سب کا دل اس مرکز سے جالگا جو آپ کی نگاہ اولین کا نتیجہ تھا۔

نزہۃ القاری پر ایک نظر

اصح الکتب بعد کتاب اللہ یعنی بخاری شریف کی دنیا میں سب سے زیادہ شرحیں لکھی گئیں جنکی تعداد سو سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ آج سے چار سو سال پہلے پچاس شرحوں کا تذکرہ کیا گیا۔ اردو میں بھی اس کی چند شرحیں لکھی گئیں جن میں سب سے مدلل مفصل اور نادر تحقیقات سے آراستہ نزہۃ القاری ہے جس میں آسان لب ولہجے میں مشکل سے مشکل مسائل اور دقیق سے دقیق تر نکات پرودیئے گئے ہیں، حدیث کے ایک ایک نقطے ولفظ کی تحقیق کی گئی ہے۔ نزہۃ القاری مختلف علوم وفنون کا خزانہ اور گنجینۂ تحقیقات ہے۔ کبھی معلوم ہوتا ہے کہ نزہۃ القاری علم فقہ کی ایک مکمل دستاویز ہے

اور کبھی احقاق حق وابطالِ باطل کی مکمل تصویر معلوم ہوتی ہے اور کبھی مشکل الفاظ کی لغوی واصطلاحی اور معنوی تحقیق کی جاتی ہے تو احساس ہوتا ہے کہ یہ لغت واصطلاح یازبان وادب کی تحقیقات کا کوئی خزانہ ہے۔ جب حدیث کی تشریح وتوضیح، اسناد کی جرح وتعدیل، مسائل کے استنباط اور باب کی موافقت سے دیگر احادیث کے بیان پر نظر پڑتی ہے تو نزھۃ القاری علم حدیث پر ایک مکمل انسائیکلوپیڈیا معلوم ہوتی ہے اور شگفتہ تحریر، دلکش انداز بیان اور جاذبِ نظر اسلوب اپنے دامن میں سادگی اور برجستگی کا عنصر لئے ہوئے کسی ادبی شہ پارے کا احساس دلاتا ہے۔

دیگر شروح کے مابین نزھۃ القاری کی اہمیت

نزھۃ القاری سے زیادہ مفید شرح اردو میں نہیں لکھی گئی، اسلوب بیان، ترتیب اور طرز تحریر کے اعتبار سے دیگر تمام شروح پر فائق ہے سب سے خاص بات یہ ہے کہ اسے عوام وخواص، علماو طلبا سبھی پڑھ سکتے ہیں جا بجا دیگر شارحین کا ردیا تعاقب اور حنفی مسلک کی بے مثال تائید سے بھری پڑی ہے الجھے ہوئے مسائل یا مشکل مقامات پر جہاں شارحین نے لمبی چوڑی بحث کر کے مسئلے کو اور الجھادیا وہاں مصنف نے "اقول" کہہ کر اپنی بے مثال تحقیق پیش کی اور مشکل سے مشکل مسئلہ حل کر چھوڑا، اس طرح کی تحقیقات وتدقیقات "نزھۃ القاری" کے مختلف صفحات پر ہیرے جواہر کی طرح بکھری ہوئی ہیں اور ایک سو چھیاسٹھ صفحات پر پھیلا ہوا طویل مقدمہ آپ کی تحقیق سے لبریز ہے جس میں حدیث وفقہ کے متعلق بڑی اہم بحثیں کی گئی ہیں، امام بخاری اور امام اعظم کی سوانح اور ان کے فضائل اس قدر تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں کہ ایسا تفصیلی بیان ملنا مشکل ہے یوں تو "نزھۃ القاری" مصنف کی تحقیقات سے بھری پڑی ہے لیکن ہم ان میں سے صرف چند اہم تحقیقات کا ذکر کر کے مصنف کی محققانہ شخصیت پر روشنی ڈالیں گے۔

مصنف کی ذاتی تحقیقات

(۱) عن ابی ملیکه قال ادرکت ثلثین من اصحاب النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کلهم یخاف النفاق علیٰ نفسه.

یعنی ابوملیکہ فرماتے ہیں کہ تیس صحابہ کرام اپنے اوپر نفاق سے ڈرتے تھے اس کی دو توجیہ کی گئی پہلی توجیہ ایک حدیث سے کی گئی جسے امام ترمذی نے انس بن مالک سے روایت کی کہ حضور جب مدینہ

تشریف لائے تو ہر چیز روشن ہو گئی اور جب وفات پائی تو ہر چیز پر تاریکی چھا گئی ہم ابھی حضور کو دفن ہی کر رہے تھے۔ ہاتھوں سے مٹی بھی نہیں جھاڑی تھی کہ ہم نے اپنے دلوں کو بدلا ہوا پایا یعنی دفن کرنے میں جتنا مختصر وقت گذرا اتنے ہی میں ہم نے کچھ تبدیلی محسوس کی تو آئندہ برسہابرس میں نہ جانے کیا حال ہو کہیں ایسا تو نہیں کہ نفاق ہو۔ دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ جیسا کہ ارشاد ہوا جو شخص کسی بری بات کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے اگر اس کی قوت نہ ہو تو اپنی زبان سے۔ اگر اس کی بھی قوت نہ ہو تو اپنے دل سے ناپسند کرے یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔ صحابہ کرام قرن اول میں سے تھے جنھیں ہاتھوں سے خرابیوں کو دور کرنا چاہئے تھا وہ اس کی استطاعت اپنے اندر نہ پاسکے تو انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نفاق تو نہیں۔ لیکن اس کی توجیہ میں مصنف نزہۃ القاری نے نہایت ہی عمدہ تحقیق پیش فرمائی جس سے حدیث کا مفہوم بآسانی ذہن میں واضح ہو جاتا ہے فرماتے ہیں " اقول "۔ ان پُر پیچ راہوں سے ہٹ کر سیدھی سادی بات یہ ہے کہ خوف کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آئندہ خطرے کا احساس۔ یہ حضرات ایمان کی قیمت جانتے تھے کوئی بھی قیمتی چیز رکھتا ہے تو اسکی کماحقہٗ حفاظت اس وقت کر سکتا ہے جب ہر وقت اس سے ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں ضائع نہ ہو جائے...... اسی کے مطابق صحابہ کرام ہر وقت اس سے ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ہمارا ایمان سلب نہ ہو جائے کیونکہ وہ معصوم نہیں تھے فرشتے معصوم ہیں کہ ان کا زوال ایمان کا کوئی خطرہ نہیں یہ صحابہ کرام کے کمال ایمان کی دلیل ہے " (نزہۃ القاری ص ۳۰۹) دیگر تشریحات و توجیہات صحابہؓ کرام کے ایمان کا ضعف بتاتی ہیں مگر اس توجیہ سے صحابہ کرام کے ایمان کامل اور اس کی پختگی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ حسن بصری نے فرمایا کہ " ماخافه الامؤمن ولا امنه الامنافق " اللہ کا خوف مومن کرتا ہے اور نڈر منافق ہوتا ہے۔

(۲) "ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال سباب المسلم فسوق وقتاله کفر" مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑنا کفر ہے۔

"مسلمان سے لڑنا کفر ہے" قرآن وحدیث، آثار صحابہ اور دیگر اقوال سلف میں کہیں نہیں ملتا بلکہ قرآن کی آیت کریمہ کی صراحت سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان سے لڑنا کفر نہیں ارشاد ہے ﴿وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما﴾ لڑنے والے گروہ کو مومن کہا گیا پھر حدیث میں مومن سے لڑنا کفر کیوں بتایا گیا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ کفر کا اطلاق تغلیظاً ہے یا کفر سے مراد ناحق شناسی یا یہ کفار کے فعل کے مشابہ ہے۔

ان تاویلات کے بعد حضرت شارح بخاری کی تحقیق پڑھئے فرماتے ہیں "مشتق پر حکم اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا ماخذ اس کی علت ہے اس لئے حدیث کا صاف مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان سے محض مسلمان ہونے کیوجہ سے لڑنا کفر ہے کسی مسلمان سے مسلمان ہونے کی وجہ سے لڑنا ضرور کفر ہے یعنی لڑنا کئی وجہ سے ہوتا ہے اور کوئی وجہ یہاں بیان نہیں کی گئی بلکہ مطلقاً فرمایا گیا کہ مسلم سے لڑنا...... الخ۔ مسلم اسلام سے مشتق ہے جو اس بات کا مشعر ہے کہ مسلم سے لڑنے کی علت اس کا اسلام ہے اور مسلم سے اس کے اسلام کی وجہ سے لڑنا بلاشبہ کفر ہے۔

(۳) باب: "حائضہ کا اپنے شوہر کے سر کو دھونا اور اس میں کنگھا کرنا" کے تحت ایک حدیث ذکر کی گئی ہے کہ "اخبرتنی عائشة انها کانت ترجّل رسول الله ﷺ وهی حائض و رسول الله ﷺ حینئذ مجاور فی المسجد یدنی لها راسه وهی فی حجرتها فترجله وهی حائض" اس کی تشریح میں شارح بخاری فرماتے ہیں کہ چونکہ قرآن میں ہے ﴿فاعتزلوا النساء فی المحیض﴾ حیض کی حالتوں میں عورتوں سے الگ رہو اس سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حائضہ عورت سے کوئی خدمت نہیں لی جا سکتی ہے یہ باب باندھ کر امام بخاری نے اس شبہ کا ازالہ فرمادیا کہ اس آیت میں اعتزال سے مراد جماع نہ کرنا ہے مطلقاً علیحدہ رہنا اس طرح کہ شوہر کو ہاتھ بھی نہ لگا سکے مراد نہیں۔ البتہ ایک خدشہ رہ جاتا ہے کہ اس باب میں جو حدیث لائے اس سے کنگھا کرنا تو ثابت ہو گیا مگر سر دھونا ثابت نہیں ہوا اس شبہ کا اطمینان بخش جواب حضرت شارح بخاری نے نہایت ہی عمدہ انداز میں دیا فرماتے ہیں" اقول" بحث کنگھا کرنے اور دھونے کی نہیں بلکہ شوہر کو ہاتھ لگانے اور نہ لگانے کی ہے حدیث سے جب ثابت کہ حائضہ شوہر کو کنگھا کر سکتی ہے جس میں ہاتھ لگنا لازم ہے، تو اسی پر قیاس کر کے سر دھونا ثابت اس لئے کہ اس میں ہاتھ لگانے سے زائد اور کوئی بات نہیں ہوتی۔ (نزھۃ القاری، ج ۲، ص ۲۱۶)

(۴) تعلیق: قد سلم النبی ﷺ فی رکعتی الظهر و اقبل علی الناس بوجهه ثم اتم مابقی" جس کا باب یہ ہے "باب ماجاء فی القبلة ومن لم یر الاعادة علی من سهی فصلی الی غیر القبلة"۔ علامہ عینی نے فرمایا: باب سے اس تعلیق کی مطابقت اس حصے سے ہے کہ سلام پھیر کر حضور اقدس ﷺ نے قبلہ سے منہ پھیر کر مصلیوں کی جانب کر لیا تھا پھر اسی پر بنا کر کے بقیہ نماز پوری کر لی جس سے معلوم ہوا کہ اس وقت بھی نماز ہی میں تھے اور ظاہر ہے کہ یہ فعل سہواً ہوا تھا تو معلوم ہوا کہ نماز میں سہواً قبلہ کے علاوہ کسی اور طرف منہ ہو جائے تو نماز ہو گئی اعادے کی حاجت

نہیں". شارح بخاری نے باب کے اول جزو سے اس کی مطابقت کا قول کیا اور فرمایا۔

اقول: اس واقعہ میں قبلہ سے انحراف سہواً نہیں تھا قصداً تھا اس بنیاد پر کہ نماز پوری ہو گئی۔ اس لئے باب سے مطابقت کی یہ تقریر درست نہیں حقیقت میں اس تعلیق کو باب کے پہلے جز سے مطابقت ہے یعنی قبلے کے بارے میں کیا کیا منقول ہے" اور ظاہر ہے کہ قبلے کے متعلقات کی ایک کڑی یہ بھی ہے۔ اس تعلیق سے ثابت ہوا کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں امام سلام کے بعد قبلہ سے انحراف کرے (ص ۳۹۶، ج ۲)

(۵) کتاب مواقیت الصلوۃ میں ایک طویل حدیث مذکور ہے جس کا مختصراً مفہوم یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ایک دن نماز میں تاخیر کر دی تو عروہ آئے اور بتایا کہ مغیرہ بن شعبہ نے ایک دن جب عراق میں تھے نماز میں تاخیر کر دی تو ان کے پاس حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا یہ کیا ہے اے مغیرہ؟ کیا تم نہیں جانتے کہ جبرئیل علیہ السلام اترے اور نماز پڑھی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی اسی طرح چار مرتبہ اترے اور ہر مرتبہ نماز پڑھی اور حضور نے بھی پڑھی اسکے بعد حضور نے فرمایا مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اس پر عمر بن عبد العزیز نے کہا تم جانو کیا بیان کرتے ہو! کیا جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کے لئے نماز کے اوقات مقرر فرمائے تھے؟ تو عروہ نے کہا کہ بشیر بن ابی مسعود اپنے والد سے اسی طرح حدیث بیان کرتے تھے الیٰ آخرہ. حدیث کا یہ ٹکڑا کہ " اعلم ما تحدث به" "تم جانو کیا بیان کرتے ہو" کا کیا مطلب ہے؟ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ایسا کیوں کہا؟ اس میں شارحین کی مختلف آرا ہیں۔ ایک توجیہ یہ کی گئی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کا ارشاد اس وجہ سے تھا کہ حضرت عروہ نے حدیث کی سند بیان نہیں کی تھی اس لئے بعد میں حضرت عروہ نے سند بیان کر دی۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز تک اس سے پہلے یہ حدیث نہ پہنچی ہو۔ اس پر حضرت شارح بخاری نے پہلی توجیہ کو باطل کیا پھر اسکے جواب میں اپنی مدلل تحقیق پیش فرمائی۔ فرماتے ہیں "اقول" پہلا جواب بھی خلل سے خالی نہیں ہے۔ اسلئے کہ حضرت عروہ نے حضر ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا نام لیا تھا کہ وہ حضرت مغیرہ کے پاس گئے۔ حضرت عروہ ۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور یہ واقعہ حضرت معاویہ کے زمانے کا ہے۔ انکی حکومت ۴۳ھ میں قائم ہوئی اس وقت حضرت عروہ کم از کم بیس سال کے تھے۔ وہ اس واقعے کے چشم دید گواہ ہو سکتے ہیں اور اس حدیث کو براہ راست حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے سن سکتے ہیں۔ پھر یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ انھوں نے یہ حدیث بلا سند بیان کی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عروہ مدینہ طیبہ میں

رہتے تھے اور حضرت ابو مسعود انصاری کوفے میں بس گئے تھے۔ اس وجہ سے حضرت عمر بن عبد العزیز کو یہ شبہ ہوا کہ تم کس طرح یہ بیان کرتے ہو۔ جب کہ تم اس وقت موجود بھی نہ تھے اور تمہاری ان سے ملاقات بھی نہیں تو انھوں نے بیچ کا واسطہ بیان کر دیا کہ میں نے انکے صاحبزادے بشیر سے سنا ہے وہ اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں۔ (ج ۳، ص ۱۰، ۱۱)

(۶) حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ حضور اپنے اصحاب کے ساتھ بازار عکاظ کی طرف چلے اور شیاطین اور آسمان کی خبروں کے درمیان میں روک لگادی گئی تھی اور ان پر شعلے پھینکے جاتے تھے تو شیاطین واپس اپنی قوم میں گئے اور عرض حال کیا انھوں نے کہا کون نئی چیز ہے جو تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہو گئی جاؤ اور معلوم کرو تو وہ چلے اور ان میں سے جو تہامہ کی جانب گئے تھے وہ حضور کے قریب آئے جب آپ عکاظ جارہے تھے اور نخلہ میں اپنے اصحاب کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے تو انھوں نے قرآن کی تلاوت سنی تو بولے بخدا یہی ہے جو تمہارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل ہو گیا۔ الیٰ آخرہ۔

حضور کی بعثت سے قبل بھی ستارے ٹوٹتے تھے اس پر نص صریح ہے جو مسلم و ترمذی وغیرہ میں مذکور حدیث ہے کہ حضور نے لوگوں سے پوچھا کہ زمانہ جاہلیت میں جب ستارہ پھینکا جاتا تھا تو تم کیا کہتے تھے، لوگوں نے عرض کیا ہم یہ کہتے تھے کہ آج رات کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا مرا ہے۔ حضور نے فرمایا کسی کے مرنے اور پیدا ہونے پر یہ نہیں پھینکا جاتا۔ الیٰ آخر الحدیث، اس سے سمجھ میں آیا کہ حضور سے قبل بھی شہاب ثاقب گرتے تھے مگر مذکورہ حدیث پر دو شبہے وارد ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ حدیث اس بات کی مُشعِر ہے کہ حضور کی بعثت سے پہلے ان کا کوئی وجود نہ تھا کیونکہ حضور کی بعثت کے بعد شیاطین کو آسمان تک جانے سے روکنے کیلئے ان پر شہاب ثاقب پھینکا جانے لگا۔ دوسرا شبہ یہ کہ چودہ سو برس سے زائد ہو گئے ستاروں کو توڑ توڑ کر فرشتے شیاطین کو مارتے ہیں اگر یہ صحیح ہے تو سارے ستارے ابتک ختم ہو گئے ہوتے۔ ان دونوں شبہات کو حضرت شارح بخاری نے نہایت محققانہ انداز میں دفع کیا شبہۂ اول کو یوں دفع کیا: اقول "باللہ التوفیق" یہ مخصوص شہاب جو شیاطین پر مارے جاتے ہیں یہ یقیناً حضور اقدس ﷺ کی بعثت سے پہلے نہ تھے۔ اور جو شہاب پہلے نظر آتے تھے وہ حقیقت میں زمین و آسمان کے درمیان اسی طرح پیدا ہوتے تھے جیسے اہل طبعیات کہتے ہیں۔ اس کے انکار پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں اور نہ اس کے تسلیم کر لینے سے کوئی خرابی لازم آتی ہے۔ اقول و باللہ التوفیق. اولاً ان گنت ستاروں میں سے ہزار دو ہزار ختم بھی ہو گئے ہوں تو کیا پتہ۔

ثانیاً آپ ستاروں کو اتنا ہی بڑا سمجھتے ہیں جتنا بڑا دکھتے ہیں۔ حقیقت میں ایسا نہیں ان میں سب سے باریک تارہ صیدُق ہے جس کو سُہا بھی کہتے ہیں جو دُبِّ اکبر میں بنتِ وُسطیٰ کے پہلو پر ہے جس سے آنکھ کی روشنی کا امتحان کرتے ہیں۔ یہ ہماری زمین سے تئیس گنا بڑا ہے۔ اب بتایئے اگر یہی مان لیا جائے کہ ستاروں کو توڑ توڑ کر شیاطین کو مارتے ہیں تو بھی ان میں کہاں کمی ہوگی آپ جبلپور وغیرہ جاکر دیکھ لیں پہاڑ کاٹ کاٹ کر پورا شہر آباد ہو گیا مگر پہاڑ اپنی جگہ سے صرف چھوٹا سا ٹکڑا کٹا ہوا معلوم ہوتا ہے پوری زمین کے مقابلے میں اس کٹاؤ کی کیا حیثیت۔ پھر زمین سے تئیس گنا بڑے کرہ میں سے چنگاریاں لیکر شیاطین کو مارا جائے تو اس میں کیا فرق پڑے گا اس کے رُجتی کروی ہونے پر بھی کوئی اثر نہ ہوگا۔ پھر یہ تو ایک ننھا تارہ تھا جدید تحقیقات کی رو سے بعض بعض تارے سورج سے بھی سیکڑوں گنا بڑے ہیں جبکہ سورج زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے۔ نئی سائنسی تحقیقات کے مطابق سورج سے روزانہ کروڑوں ٹن گیس باہر آتی ہے جس سے پوری دنیا کو گرمی اور روشنی ملتی ہے۔ نئی تحقیقات کے مطابق سورج کی عمر کا حساب لگا کر بتایئے کہ کتنے ان گنت مہا سنکھ ٹن سورج گیس پھینک چکا مگر سورج میں کیا کمی آئی۔ ثالثاً۔ یہی بنیادی غلطی ہے کہ آپ نے اس حدیث کا مطلب یہ سمجھ رکھا ہے کہ ستاروں کو توڑ توڑ کر اسکے ٹکڑوں سے شیاطین کو مارا جاتا ہے؟ (ج ۳، ص ۲۳۵)

(۷) حضرت ابوہریرۃ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز فجر کے وقت بلال سے فرمایا: اے بلال مجھے بتاؤ تم نے اسلام میں کون سا ایسا عمل کیا ہے جس پر ثواب کی امید سب سے زیادہ ہو کیونکہ جنت میں میں نے تمہارے چپلوں کی آواز اپنے آگے سنی ہے الیٰ آخرہ (حدیث: ۹۳) اس پر کئی اعتراض وارد ہوئے اولاً کہ کسی امتی کا موت سے پہلے جنت میں جانا شرعاً ممنوع تو پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کیسے چلے گئے؟ ثانیاً یہ کہ جب ثابت ہے کہ حضور ﷺ سے پہلے کوئی جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا تو بلال پہلے کیسے چلے گئے؟ اعتراض اول کا بعض شارحین نے جواب دیا کہ یہ خواب کا واقعہ ہے بعض نے فرمایا یہ بطور تمثیل ہے۔ مگر یہ جوابات کسی بھی طالب علم کیلئے اطمینان بخش نہیں ہو سکتے یہی وہ مقام ہے جہاں شارح بخاری کی محققانہ شخصیت اپنے پورے علمی جاہ و جلال کے ساتھ جلوہ بار نظر آتی ہے اور اپنی تحقیقات کی روشنی سے اسے اس قدر اجاگر کر دیتی ہے جیسے کوئی مسئلہ ہی نہ رہا ہو۔ فرماتے ہیں: اقول "اس عموم سے کہ جنت میں کوئی موت سے پہلے نہیں جا سکتا حضرت آدم وحوا مستثنیٰ ہیں اسکا بھی امکان ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت کی سعادت کی وجہ سے حضرت بلال بھی مستثنیٰ ہوں، کیا بعید ہے۔ رہ گئے حضور ﷺ تو شب معراج میں تشریف لے گئے علامہ عینی

نے اس موقع پر بہت ہی ایمان افروز بات کہی ہے۔ لکھتے ہیں:

والنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لما جاوزالسمٰوات السبع وبلغ الیٰ سدرۃ المنتھیٰ خرج من ان یکون من اھل ھذا العالم فلا یمتنع بعد ھذا دخولہ الجنۃ قبل الموت.

اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب ساتوں آسمان کے آگے تشریف لے گئے اور سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ گئے تو اس عالم والوں میں سے نہ رہے تو اس میں کوئی اشکال نہیں کہ وہ جنت میں وصال سے پہلے تشریف لے جائیں۔

آگے شارح بخاری فرماتے ہیں: اقول ”کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خواب میں آئندہ پیش آنے والے واقعے کو اس طرح دکھایا جاتا ہے جیسے ہو گیا ہے۔ اس کی نظیر حضور اقدس ﷺ کا وہ مبارک خواب ہے کہ فرمایا: میں ایک کنویں پر ہوں اس سے پانی کھینچ رہا ہوں کہ ابو بکر اور عمر آئے، ابو بکر نے ڈول لیا۔ ایک یا دو ڈول نکالا، اور ان کے ڈول کھینچنے میں کچھ سستی ہے اللہ انھیں معاف فرمائے۔ پھر ابو بکر کے ہاتھ سے ڈول عمر نے لیا تو وہ بڑھ کر مشک ہو گیا۔ میں نے کسی ماہر تجربہ کار کو انکی طرح کام کرتے نہ دیکھا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو آسودہ کر دیا۔ (منہ)

دوسرے اعتراض کا جواب آپ نے یوں دیا کہ: حضرت بلال خادم خاص تھے حیات مبارکہ میں آگے آگے چلتے تھے۔ خدم و حشم مخدوم کے تابع ہوتے ہیں حضور اقدس ﷺ جب جنت میں جائیں گے تو اس شان سے جائیں گے کہ خادم خاص آگے آگے ہو، تابع حکم میں متبوع کے ہوتا ہے۔ اس کا داخلہ حقیقت میں متبوع کا داخل ہونا ہے اب حضور اقدس ﷺ کے سوال کا حاصل یہ ہوا کہ تمھارا وہ کون سا عمل ہے جس کے صلہ میں تم جنت میں بھی اپنے اس خصوصی منصب پر فائز رہو گے۔ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنت اعمال صالحہ کا صلہ ہے حالانکہ یہ محض کرم ایزدی ہے جواب یہ ہے کہ اعمال حسنہ موجب کرم ہیں اور ذریعے کا ذریعہ بھی ذریعہ ہے۔

(۸) حدیث: ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ان للہ تسعۃ وتسعین اسماً مائۃ الا واحدۃً من احصاھا دخل الجنۃ کے تحت مصنف نزہۃ القاری نے فرمایا: اس پر اتفاق ہے کہ اسمائے الٰہیہ توقیفیہ ہیں یعنی کتاب و سنت میں جو وارد ہیں یا جن کے اطلاق پر اجماع ہے صرف انہیں اسماء کے ساتھ اللہ کو یاد کرنا چاہئے، ان کے علاوہ دوسرے اسما کا اطلاق درست نہیں مثلاً جواد کا اطلاق حدیث میں آیا ہے اس لئے جواد کا اطلاق درست ہے مگر سخی وارد نہیں اس لئے اس کا اطلاق ممنوع ہے۔ شہید بصیر وارد ہے تو اس کا اطلاق درست ہے حاضر و ناظر وارد نہیں اس لئے اس کا اطلاق درست نہیں۔

اب ایک زبردست اعتراض وارد ہوگا کہ ہم اپنی زبان میں خدا، یزداں وغیرہ جیسے اسماء باری تعالیٰ کیلئے استعمال کرتے ہیں تو کیا یہ استعمال بھی ممنوع ہے؟ اس کے جواب میں حضرت شارح بخاری فرماتے ہیں: "اقول وھوالمستعان" یہ توقیف صرف عربی زبان کیساتھ خاص ہے دوسری زبانوں کیلئے قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ جو اسما مسلمانوں کے عوام وخواص خصوصا علما وفقہامیں رائج ہیں ان کا اطلاق درست ہے جیسے یزداں، ایزد، خداوغیرہ۔ ہنود کے یہاں جو اسما ان کے معبودان باطلہ کیلئے دیوی دیوتاؤں کیلئے بولے جاتے ہیں ان سے سخت احتراز لازم ہے، ان میں سے بعض کفر صریح ہیں مثلاً بھگوان، رام، اگر ان میں بعض کے معنی درست بھی ہوں تو اگر کوئی بجائے اللہ کے ایشور، ہری بولے تو اسکے ہندو ہونے کا شبہ ہوگا۔ اس لئے اس سے ضرور بالضرور بچنا لازم ہوگا، اس طرح جن کلمات کے معنی کئی ایک ہوں، بعض درست بعض باطل اور شرع میں وارد نہ ہوں ان کا اطلاق بھی ممنوع ہے شامی میں ہے "مجرد إیهام المعنیٰ المحال کاف للمنع" معنی محال کا ایہام ہی منع کیلئے کافی ہے۔ اسی طرح جن کلمات کے معنی معلوم نہیں ان سے بھی بچنا لازم ہے۔ آجکل ہندوؤں سے سیکھ کر مسلمانوں میں یہ رائج ہوگیا ہے بولتے ہیں، "اوپر والا جانے، نیلی چھتری والا جانے"۔ اس سے بھی احتراز لازم ہے۔

(۹) باب قتال الروم میں ایک حدیث مذکور ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے۔ اولُ جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم. میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر چڑھائی کرے گا بخش دیا جائے گا۔ اس حدیث سے استدلال کر کے آجکل کے مودودی اور دیوبندی یہ کہتے ہیں کہ یزید حق پر تھا اور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ خاطی تھے اس لئے کہ قسطنطنیہ کے ایک حملے میں یزید بھی شریک تھا اور اس حدیث میں شرکا کے بارے میں "مغفور لهم" کہا گیا ہے۔ اسکے رد میں مصنف نزہۃ القاری نے جو قیمتی اور نادر تحقیقات فرمائی ہیں اتنی عمدہ تحقیق اور اتنا بالغ رد کہیں نہیں ملتا۔ مصنف نے اپنی دوسری تصنیف "مقالات امجدی" میں اس پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اس مقام پر بھی اسکا اجمالی خاکہ پیش کیا ہے۔ طوالت سے بچتے ہوئے ہم اسی اجمال کو نقل کرتے ہین۔ فرماتے ہیں اقولُ ھوالمستعان. اولاً یہ بشارت اس لشکر کے مجاہدین کیلئے ہے جو مدینہ قیصر پر پہلا حملہ کریں، مدینہ قیصر کے معنی کسی لغت میں قسطنطنیہ کے نہیں، قیصر کا کوئی بھی شہر ہو سکتا ہے جو اس کی قلمرو میں داخل ہو۔ قیصر کے ملک پر پہلا حملہ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں عہد رسالت میں ہوا تھا اس کا نام غزوہ موتہ ہے۔ ثانیاً اگر مدینہ قیصر سے اسکا دار السلطنت مراد لیا جائے تو عہد رسالت وخلفائے راشدین میں قیصر کا دار السلطنت حمص تھا جو عہد فاروقی ۱۶ھ میں فتح ہو۔ ثالثاً اور اگر کسی کو ضد ہی ہو کہ اس حدیث میں مدینہ قیصر سے قسطنطنیہ ہی مراد ہے تو قسطنطنیہ پر پہلا حملہ ۳۲ھ میں حضرت عثمان غنی

رضی اللہ عنہ کی زیر کمان ہوا تھا۔ یزید جس لشکر میں شریک تھا ۴۹ھ یا ۵۰ھ یا ۵۲ھ میں حملہ آور ہوا تھا۔ تاریخ کی کتابوں سے ظاہر ہے کہ اس سے پہلے قسطنطنیہ پر تین یا چار بار حملہ ہو چکا تھا۔ رابعاً۔ اس حدیث میں بطریق اسحٰق جو روایت ہے اس میں تصریح یہ ہے کہ بشارت اس لشکر کیلئے ہے جو بحری راستہ سے مدینہ قیصر پر حملہ کرے۔ یزید جس لشکر میں شریک تھا وہ خشکی کے راستے سے گیا تھا اسلئے وہ اس بشارت کا مستحق نہیں، بحری راستے سے قسطنطنیہ پر پہلا حملہ عقبہ بن عامر نے کیا تھا لہٰذا اس بشارت کے وہ مستحق ہیں جو اس لشکر میں شریک تھے۔

☆☆☆

شہزادۂ حضور شارح بخاری مولانا حافظ حمید الحق برکاتی
خطیب وامام جامع مسجد ہرارے (زمبابوے، افریقہ)

جشن تکمیل نزہۃ القاری

وہ رمضان المبارک کی ایک بابرکت رات تھی جس رات ہمیں یہ روح پرور ایمان افروز خبر فون کے ذریعہ موصول ہوئی کہ آج نزہۃ القاری شرح بخاری مکمل ہو گئی۔ اُس وقت حضرت مولانا عبدالحق صاحب قبلہ بھی یہاں زمبابوے میں موجود تھے اور دیگر احباب بھی تشریف فرما تھے۔ سب کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ برادر محترم جناب ڈاکٹر محبّ الحق صاحب نے بتایا کہ آج گھر پر تکمیلِ نزہۃ القاری کے سلسلے میں ایک مختصر جشن کا انعقاد ہوا۔ جشن کا تصور آتے ہی اس موضوع پر بات نکل پڑی۔ ہرارے (زمبابوے) میں اس وقت بارہ بج رہے تھے دسمبر-۹۸ء کی آخری تاریخ اور جنوری-۹۹ء کی پہلی تھی۔ جس کو آج کی دنیا میں نئے سال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پٹاخوں اور میوزک باجوں کے شور شرابے نے ہرارے کے پُرسکون ماحول کے سکوت کو توڑ کر ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ استاذ محترم حضرت مولانا عبدالحق صاحب حیرانی کے عالم میں پوچھتے ہیں یہ کیسا ہنگامہ ہے؟ لوگوں نے بتایا نئے سال کا جشن منایا جارہا ہے۔ پھر تو جشن پر ایک بحث چھڑ گئی۔ یہاں کا ماحول ہے اور تقریباً پورے یورپ وامریکہ کا بھی یہی ماحول ہے کہ نئے سال کی رات میں بلا امتیاز مذہب وملت ان میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو جشن عید میلاد النبی ﷺ کا نام سن کر چراغ پا ہو جاتے ہیں۔ اس کو روکنے کے لئے اپنی ساری توانائی صرف کر دیتے ہیں مگر اس نئے سال کے جشن کے لئے اپنے دوستوں اور فیملی کو مبارک باد دیتے ہوئے نہیں تھکتے۔ رقص وسرود کی محفلیں منعقد کرتے ہیں اس کے علاوہ اپنے بچوں کے برتھ ڈے (یومِ ولادت) کے موقع پر ہر سال اپنے گھروں کو سجاتے ہیں اور اعلیٰ پیمانے پر جشن مناتے ہیں۔ حتیٰ کہ عید میلاد النبی ﷺ کو شرک وبدعت کا فتویٰ دینے والے مولویوں کے گھر میں بھی "برتھ ڈے" خوب دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب نے فرمایا ہم تو جشن والے ہیں۔ جشن میلاد النبی ﷺ، جشن دستار فضیلت، جشن شادی وغیرہ سب مناتے ہیں۔ انشاء اللہ "جشن تکمیل نزہۃ القاری شرح بخاری" بھی پوری شان وشوکت کے ساتھ منایا جائے گا۔ یہ ان کی

زبان سے سن کر ہمیں بھی حوصلہ پیدا ہوا یہ تو ہمارا اولین حق ہے۔ مگر پھر ہم نے سوچا کہ اگر ہم جشن کا انعقاد کریں گے تو یہ خود ستائی ہوگی اور اگر دوسرے حضرات جشن منائیں گے تو حوصلہ افزائی ہوگی لہٰذا بہتر ہے کہ وہی حضرات منائیں۔

پھر معلوم ہوا کہ ہمدرد قوم و ملت ناشر رضویت عالی جناب محمد سعید بھائی نوری بانی رضا اکیڈمی ممبئی جشن کے سلسلے میں سرگرم عمل ہیں تو ہمیں اطمینان ہو گیا کہ یہ جشن اب شایانِ شان ہو جائے گا۔ رضا اکیڈمی ممبئی ایک اہلسنّت و جماعت اور مسلک اعلیٰ حضرت کا عظیم ادارہ ہے جس نے اس دور میں اہلسنّت کی بہت سی کتابوں کی نشر و اشاعت کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے۔ چاہے اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا علیہ رحمہ الرضوان کی فتاوے رضویہ ہو یا آپ کی تصانیف ہوں، جشن صد سالہ سرکار مفتی اعظم ہند ہو یا دیگر علماے اہلسنّت کی اہم اور دینی خدمات کا اعزاز و اکرام ان تمام خدمتوں کے انجام دینے کا سہرا رضا اکیڈمی ممبئی ہی کے سر ہے۔

جشن ختم بخاری تقریباً ہر دار العلوم میں منایا جاتا ہے۔ خواہ وہ دار العلوم کسی بھی مکتبِ فکر کا ہو، چاہے بخاری شریف پوری پڑھائی گئی ہو یا نہیں، مگر جشن ختم بخاری کو "عادت جاریہ" کا درجہ حاصل ہو گیا ہے اور ہونا بھی چاہئے۔ ختم بخاری شریف کے وقت دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اللہ کی رحمت و غفران کی بارش ہوتی ہے اور ختم بخاری شریف کی تقریب یہ ایسی بدعت حسنہ ہے جس کو اغیار بھی مانتے ہیں جیسا کہ دیوبندیوں کے شیخ الکل مولوی رشید احمد گنگوہی سے سوال ہوا کہ کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرانا قرونِ ثلاثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں؟

جواب: قرون ثلاثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کا ختم درست ہے کیوں کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اس کی اصل شرع سے ثابت ہے بدعت نہیں۔

فقط رشید احمد گنگوہی (فتویٰ رشیدیہ کامل، ص ۱۰۲)

بدعت کس بلا کا نام ہے وہی حضرات بتائیں۔ اب ان لوگوں سے پوچھئے جو عید میلاد النبی ﷺ کو بدعت کہتے ہیں کہ آخر میلاد شریف ذکر خیر ہے یا نہیں؟ اور یقیناً ہے۔ تو جس دلیل کی بنیاد پر ختم بخاری شریف درست ہے اسی دلیل سے میلاد شریف کو درست کیوں نہیں قرار دیا جاتا۔ ہم اہل سنت پر بات بات میں بدعت کا الزام دینے والے حقیقت میں نہ تو خود بدعت کو سمجھ سکے نہ اپنے ہمنواؤں کو سمجھا سکے۔ جیسا کہ مولوی رشید احمد گنگوہی مولوی اشرف علی تھانوی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"آپ نے بدعت کے مفہوم کو ہنوز سمجھا ہی نہیں۔ کاش ایضاح الحق الصریح

آپ دیکھ لیتے یا براہین قاطعہ کو ملاحظہ فرماتے"۔

(بحوالہ تذکرۃ الرشید ج ۱، ص ۱۲۲)

گنگوہی صاحب نے اپنے نیاز مند کو تنبیہ فرمادی۔ کئی کتابوں کے حوالے دے دیئے کاش خود ہی بدعت کی تعریف کر دیتے تو ان کے نیاز مندوں پر ان کا احسان ہوتا۔ اس سلسلے میں خود وہابیہ و دیابنہ کی بدعت برہنہ نظر آتی ہیں۔ ذرا اسی ختم کا ایک اور منظر ملاحظہ فرمائیں۔ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی کے زبانی سنئے -----

" بذل المجہود (شرح ابوداؤد) ۱۱/ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ میں شروع ہوئی ۲۱/ شعبان ۱۳۴۵ھ پورے دس برس پانچ ماہ دس دن میں یہ شرح بڑی تقطیع کے تقریباً دو ہزار صفحات میں پانچ جلد ہو کر ختم ہوئی"۔

پھر کچھ آگے لکھتے ہیں -----

" آپ (مولانا خلیل احمد انبیٹھوی) نے ختم پر ۲۳/ شعبان یوم جمعہ کو علمائے مدینہ اور احباب حاضرین کی ضیافت کا سامان کیا اور خاص اپنے پیسے سے اور بڑے اہتمام کے ساتھ عربی طرز کی ضیافت کا سامان کیا کہ آپ کا رُواں رُواں شکر الٰہی میں چور اور انعام باری پر اتنا فرحاں و مسرور تھا کہ اس کا اندازہ وہیں کے رہنے والے حاضر باش حضرات نے کیا ہوگا۔ دعوت کے آپ نے خطوط طبع کرائے اور ایک بڑے پیمانے پر جیرانِ رسول کی میزبانی کا شوق پورا کیا اسی سے خوشی کا اندازہ کیجئے کہ ان دعوتی خطوط میں حضرت نے اپنے ہندی خُدّام کو بھی فراموش نہ فرمایا"۔

(تذکرۃ الخلیل ص ۲۷۶-۲۷۷)

یہ ایک ایسی واضح عبارت ہے جو ہرگز تشریح طلب نہیں۔ نفسِ میلاد شریف درست ہونے کے باوجود صرف اس لئے نادرست ہو گیا ہے کہ اس میں اہتمام و تداعی ہے جیسا کہ مولوی رشید احمد گنگوہی سے سوال ہوا:

" مولود شریف اور عرس کہ جس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو جیسے کہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیا کرتے تھے آپ کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟ اور شاہ صاحب واقعی مولود اور عرس کرتے تھے یا نہیں؟" (از سعید احمد خاں مراد آبادی)

جواب: " عقد مجلس مولود (مجلس مولود کرنا) اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو مگر

اہتمام و تداعی اس میں بھی موجود ہے لہٰذا اس زمانے میں درست نہیں۔ وعلیٰ ہذا عرس کا جواب ہے۔ بہت اشیا ہیں کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت میں منع ہو گئیں۔ مجلسِ عرس و مولود بھی ایسا ہی ہے۔"

فقط رشید احمد گنگوہی (فتاوے رشیدیہ کامل، ص ۱۰۵)

ان عبارتوں سے ان کی گھناونی صورت صاف نظر آتی ہے کہ عرس و میلاد و قیام یہ سب چیزیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دشمنی کی وجہ سے ناجائز و حرام ہو گئیں۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

دشمن احمد پہ شدت کیجئے ۔۔۔ ملحدوں کی کیا مروت کیجئے
مثلِ فارس زلزلہ ہوں نجد میں ۔۔۔ ذکر آیاتِ ولادت کیجئے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب ۔۔۔ اس بُرے مذہب پہ لعنت کیجئے

تکمیلِ شرح بخاری کے سلسلے میں جتنی بھی خوشی منائی جائے اور جتنے بھی جشن کئے جائیں کم ہیں۔ چونکہ یہ پہلا موقع ہے کہ کسی بڑی تصنیف کی تکمیل کے ساتھ تکمیلِ اشاعت بھی ہو رہی ہے یہ کس قدر اہم اور دشوار کام ہے جو کسی قلم کار پر پوشیدہ نہیں۔ شارح بخاری ابا حضور قبلہ کو بھی نزہۃ القاری کی طباعت کے سلسلے میں کافی دشواریوں سے گزرنا پڑا ہے۔

میرے سر پر بھی تقریباً چار سال تک کتابت و طباعت کی ذمہ داری رہی وہ بھی دوران تعلیم۔ اس طرح نزہۃ القاری کی تکمیل میں میرا بھی تھوڑا بہت تعاون رہا۔ اللہ تعالیٰ اسے میرے لئے سامان آخرت بنائے۔ ابا حضور قبلہ کبھی کبھی مایوسی کے شکار ہونے لگتے اور فرماتے کہ ان بک سیلروں سے نمٹنا ہم جیسے لوگوں کا کام نہیں کیونکہ کتب خانے والے کتابیں خرید کر سال سال بھر تک قیمت دینے کا نام نہیں لیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ دوسری کتابوں کی نشر و اشاعت کا کارواں بغیر رقم کے آگے نہیں بڑھ سکتا ہے۔ مگر تائید غیبی ان کو پھر اس کام پر ابھارتی۔ بقول شخصے

ع- میں تو تھک کے بیٹھ جاتا تری یاد کام آئی

☆☆☆

باب ششم

ہر فن پر ہے تجھ کو قدرت، تو ہے سراپا علم و حکمت
تیری فقاہت امر مسلّم نائب مفتی اعظم ہند

فقہ و افتا

وہ موجِ علم ہے اور عبقری ہے ذات اس کی
فنِ حدیث میں بے مثل ہیں صفات اس کی
معاصرین میں اونچی رہی ہے بات اس کی
کہ دے رہی ہیں شہادت بھی شش جہات اس کی

فقیہِ عصر بھی ہے وہ فقیہِ اعظم بھی
بفیضِ حضرتِ نعمان سب سے اعلم بھی

(اسلم بستوی)

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
استاذ و مفتی الجامعۃ الاشرفیہ
مبارک پور

شارح بخاری ایک عظیم مفتی کی حیثیت سے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحیم
حامدًا و مصلّیًا و مُسَلِّماً ۔ اما بعد !

شارح بخاری حضرت العلام مولانا، مفتی الحاج، الشاہ محمد شریف الحق امجدی صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ بہت سے اوصاف اور خوبیوں کے مالک ہیں مثلاً:
[۱] محدّث [۲] مفسّر [۳] شارح [۴] متکلم [۵] مناظر [۶] مدرس [۷] مصنف [۸] اصولی [۹] محقق [۱۰] مرشد [۱۱] مقرر [۱۲] مُدبّر [۱۳] ناقد [۱۴] مورّخ [۱۵] سیّاح [۱۶] مفتی۔

لیکن آپ کا سب سے نمایاں اور ممتاز وصف یہ ہے کہ آپ ایک "عظیم مفتی" ہیں، جس کی تعبیر "فقیہ عصر"۔ "فقیہ الہند"۔ فقیہ النفس" وغیرہ القاب سے علمانے کی، ان القاب میں زیادہ شہرت "نائب مفتی اعظم ہند" کے لقب کو حاصل ہے گو تمام تعبیرات بجائے خود صحیح و درست ہیں۔

فقہ و فتویٰ نگاری میں حضرت کا پایہ کتنا بلند ہے اس کا اندازہ تین طرح سے بآسانی سے کیا جاسکتا ہے۔
(۱) فتویٰ نگاری میں آپ کے اساتذہ کون کون حضرات ہیں اور ان کا فقہی مقام کیا ہے؟
(۲) خود حضرت کے اپنے لکھے ہوئے فتاویٰ کا معیار علم و فقہ کیا ہے؟
(۳) فقہ و فتویٰ میں آپ کے تلامذہ کن خوبیوں کے مالک ہیں؟

ہم درج ذیل سطور میں تینوں امور کا ایک ہلکا سا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

باب اوّل

فتویٰ نگاری میں آپ کے اساتذہ

فتویٰ نگاری میں تین حضرات آپ کے اساتذہ ہیں اور تینوں ہی نابغۂ روزگار ہیں۔

(۱) صدر الشریعہ، بدر الطریقہ حضرت مولانا الحاج مفتی امجد علی اعظمی قادری رحمۃ اللہ علیہ صاحب فتاویٰ امجدیہ (۴ جلد) و بہار شریعت (۱۷ جلد) و شرح طحاوی شریف بزبان عربی۔

(۲) حسم اُمت، مسند وقت، مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب قادری، نوری رحمۃ اللہ علیہ صاحب فتاوی مصطفویہ والموت الاحمر وغیرہ۔

(۳) محدّث اعظم پاکستان حضرت علامہ الحاج شاہ سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

اوّل الذکر دو بزرگوں کا فقہی مقام اتنا بلند ہے کہ ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے، اس کا صحیح اندازہ تو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ والرضوان کو تھا، آپ حضرت صدر الشریعہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"آپ یہاں موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا وجہ یہی ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے۔" (الملفوظ حصہ اول ص ۱۰۳)

اور حضرت مفتیٔ اعظم ہند اور حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہما کو آپ نے پورے ملک کا قاضی بنایا، چنانچہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ایک بار مجمع عام میں تخت پر بیٹھا کر یہ اعلان فرمایا کہ:

"اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ نے جو اختیار مجھے عطا فرمایا اس کی بنا پر میں ان دونوں (مفتی اعظم و صدر الشریعہ) کو اس کام پر مامور کرتا ہوں۔
نہ صرف مفتی، بلکہ شرع کی جانب سے ان دونوں کو قاضی مقرر کرتا ہوں کہ ان کے فیصلے کی وہی حیثیت ہو گی جو ایک قاضیِ اسلام کی ہوتی ہے۔"

اس اعلان کے ساتھ۔ تخت پر بٹھا کر اس کام کے لیے قلم اور دوات وغیرہ سپرد فرمایا (صدر الشریعہ کی املا فرمودہ سوانح عمری، املا نویس حضرت بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ)

خود حضرت شارح بخاری ایک فتوے میں سیدی و مرشدی حضور مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اپنے تاثرات ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

"حضرت مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بذاتِ خود علم کے بحر ذخار تھے اور اپنے عہد میں تمام علما سے اَعْلَم، اَفْقَہ واَورَع تھے۔ میں نے گیارہ سال تک حضرت کی خدمت کی ہے۔ سفر وحضر، جلوت وخلوت میں حاضر رہا ہوں، ہزاروں مسائل حضرت کو سنائے ہیں اور حضرت مفتیٔ اعظم کا فیض وکرم ہے کہ میں آج اس جگہ بیٹھا ہوں۔ اس لیے جو کچھ کہہ رہا ہوں انتہائی وثوق اور اپنے تجربہ کی روشنی میں کہہ رہا ہوں۔ جو شخص یہ کہے۔ وہ بھی آج۔ کہ میں مفتیٔ اعظم سے علم میں افضل ہوں وہ جھوٹا، کذاب ہے، مفتیٔ اعظم کے علم کے مقابلہ میں اس وقت کے سارے علما کے علم کی وہ نسبت بھی نہیں جو ایک قطرہ کو ساتوں سمندروں سے ہے۔ مفتیٔ اعظم ہند حقیقی معنی میں "مفتیٔ اعظم عالم" تھے۔ (رجسٹر فتاویٰ شریفیہ ص ۱۳۵، نمبر ۷۵۳ الف)

اپنے ایک مقالہ میں رقمطراز ہیں کہ :

"علمائے حرمین طیّبین نے متفقہ طور پر حضرت مفتیٔ اعظم کو امام وقت، شیخ الہند والحرم تسلیم فرمایا اور بطور تبرک قرآن واحادیث وفقہ کی اجازتیں لیں اور اپنے آپ کو مفتیٔ اعظم کے زمرۂ تلامذہ میں داخل کرنے پر فخر فرمایا" (انوار مفتیٔ اعظم ص ۲۵۶)

آپ کے تیسرے استاذِ فتویٰ حضرت علامہ وفہامہ مولانا الحاج سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو بہترین مدرس، مضبوط علمی صلاحیت کے مالک، علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع، صاحبِ ذہنِ ثاقب، واستاذ العلماءِ الکبار ہیں۔ بالخصوص علم حدیث میں آپ کا پایہ بہت ہی بلند تھا، احادیث نبویہ کے ناسخ، منسوخ، مطلق، مقید، ضعیف، قوی، مجمل، مؤل، وغیرہ کے علم پر کامل عبور تھا جو آپ کی فقہی مہارت کی دلیل ہے، آپ کا درس اِن ساری خوبیوں کا جامع ہوتا تھا، حضرت شارح بخاری دام ظلہٗ العالی آپ کے درس حدیث کا ایک چشم دید منظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

آپ کے درسِ حدیث کی شہرت سن کر پشاور کے کچھ دیوبندی طلبہ بھی آگئے، پشاوریوں میں ایک صاحب عبدالوھاب نام کے تھے جو دیوبندی مدرسوں میں پانچ جگہ سے دورہ پڑھ کر آئے تھے اور مسائل مختلف فیہا میں وہابیوں سے متفق تھے، آدمی ذہین اور سنجیدہ تھے۔

حدیث جبریل کا سب سے اہم حصہ "مَا المسئولُ عنها بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائل" ہے جس سے دیوبندی وہابی یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو قیامِ قیامت کے وقت کا علم نہیں۔ اس پر حضرت محدث اعظم نے دو

گھنٹے تک تقریر کی جس کا کچھ حصہ میں نے شرح بخاری میں لکھ دیا ہے۔

اس حصہ پر تقریر کرتے وقت پشاوری طلبہ نے بہت زیادہ سوالات کئے اور سب سے زیادہ سوالات مولوی عبد الوہاب نے کئے لیکن محدث اعظم پاکستان نے بلا تکان سب کے جوابات دیے اختتام کے بعد پشاوری طلبہ سے پوچھا کہ اب آپ لوگ بتائیے "مسئلہ علم غیب پر آپ لوگوں کو کوئی شک وشبہ رہ گیا ہے؟ ان میں جو بولنے والے تھے، سب نے بالاتفاق یہی کہا کہ اب ہمیں کوئی شبہ نہیں، ہم لوگ اس مسئلے میں اب حضور کے ہم عقیدہ ہیں، دیوبندی علما نے ہمیں اندھیرے میں ڈال رکھا تھا۔" انتھی کلامه .

حضرت فرماتے ہیں کہ :

یہی رنگ رفع یدین، قرأت خلف الامام، آمین بِالجھر و السِرّ، وغیرہ مسائل کے پڑھاتے وقت بھی ہوتا تھا" انتھی کلامہ۔

حضرت ایک فتوے میں آپ کے "محدث" ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"آپ کی عمر مبارک کا کثیر حصہ احادیث نبویہ کی نشرواشاعت، تعلیم وتدریس میں بسر ہوا، جس کے نتیجے میں پاکستان وہندوستان کے علاوہ ممالک غیر میں بھی حضور والا کے سیکڑوں تلامذہ موجود ہیں جنھوں نے آپ سے احادیث پڑھیں اور سندیں لیں، ہندوستان رہے تو یہاں کے حلقۂ درس میں ہندوستان کے تمام سنی مدارس سے زیادہ آپ کے یہاں دورۂ حدیث میں طلبہ رہا کرتے، پاکستان گئے تو تھوڑی مدت میں تشنگان علم حدیث کے مرجع اعظم بن گئے اس لیے آپ کی ذات یقیناً اسکی مستحق تھی کہ محدث اعظم کا لقب پاتی۔"

(ماہنامہ پاسبان الہ آباد دسمبر وجنوری ص ۷۵،۷۶)

آپ عظیم محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم فقیہ بھی تھے، فقہ میں آپ کی نظر بہت دقیق تھی۔ مثال کے طور پر ایک شہادت ملاحظہ کیجئے :

محرم ۱۳۵۴ھ میں بریلی شریف کی سرزمین پر مولوی منظور سنبھلی سے آپ نے ایک کامیاب مناظرہ کیا تھا جس کی تفصیل "روداد مناظرۂ بریلی" میں ہے۔ اس مناظرہ میں ایک روز مولوی منظور نے یہ کہا کہ :

"حفظ الایمان کی عبارت :

"(اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی و مجنون، بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے) کے ثبوت میں قرآن کی کئی آیتیں پیش کر سکتا ہوں، جب آپ ثبوت طلب کریں گے تو بہت سی آیات پیش کروں گا۔" (روداد مناظرۂ بریلی ص ۱۳۷)

نظر ظاہر کا تقاضا یہ تھا کہ اس کا چیلنج قبول کر کے یہ مطالبہ کیا جاتا کہ وہ حفظ الایمان کی عبارت کے ثبوت میں قرآن حکیم کی آیات پیش کرے لیکن نظر دقیق اس سے اتفاق نہیں کرتی، اس لیے حضرت محدث اعظم پاکستان نے آیات پیش کرنے کا مطالبہ نہ کر کے اس کے جواب میں یہ فرمایا:

آپ نے اس مرتبہ عاجز ہو کر مکر کی چال نکالی ہے اور بیان کیا ہے کہ حفظ الایمان کی ناپاک عبارت تو قرآن سے ثابت ہے۔

خدا کی پناہ، خدا کی پناہ۔ کیا وہابیہ کے ناپاک دھرم میں قرآن پاک سے حضور شافع یوم النشور ﷺ کی توہین ثابت ہے؟ والعیاذ باللہ من ذٰلک۔ آپ نے سبوح قدوس کے مقدس کلام پر اس کے پیارے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ کی توہین کا الزام رکھ کر تمام مسلمانوں کا دل زخمی کر دیا ہے آپ اس سنگین جرم سے جلدی توبہ کریں، آپ مجھے گالی دے لیں، میرے عزیزوں کو برا کہہ لیں میں صبر کر سکتا ہوں مگر پیارے محمد رسول اللہ ﷺ کی توہین قرآن پاک سے ثابت نہ بتایئے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام پر عیب نہ لگایئے اس لیے کہ قرآن پاک پر عیب لگانا، حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی شان میں گالی دینا ہرگز نہیں سن سکتا، توبہ کیجئے جلدی توبہ کیجئے۔"

(روداد مناظرہ بریلی ص ۱۴۰، ۱۴۱)

حضرت نے ثبوت میں آیاتِ قرآنی کا مطالبہ نہ کر کے یہ جواب کیوں دیا میرے نزدیک اس کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ۔ یہ مولوی منظور کا مکر تھا کہ مطالبہ کیجئے تو حفظ الایمان کی عبارت قرآن سے ثابت کر دوں۔ اس نے یہ کہہ کر سامعین کو یہ ذہن دیا کہ حفظ الایمان میں جو کچھ ہے وہ قرآن سے ثابت ہے جس کی وجہ سے عوام کا تذبذب ایک فطری امر ہے، اب اگر حضرت اس کے لیے ثبوت طلب کرتے تو عوام یہ باور کر سکتی تھی کہ واقعی قرآن شریف میں ثبوت ہے جب تو طلب کر رہے ہیں، قرآن شریف میں ثبوت ممکن نہ ہوتا تو رد کر دیتے، طلب نہیں کرتے اور اس طرح منظور کی چال کامیاب ہو جاتی اور وہ آپ کی طلب پر قرآن شریف کی کوئی بھی سورہ پڑھنا شروع کر دیتا، عوام کو کیا پتہ کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے، وہ تو بس یہ سمجھتے کہ قرآن پڑھے چلے جا رہے ہیں تو یہاں "ثبوت کا مطالبہ" ایک تو حفظِ دینِ عوام کی مصلحت کے منافی تھا، دوسرے ایک بدمذہب کو اس کی چال میں کامیاب بنانا تھا اس لیے آپ نے دیوبندی مناظر کی قلعی کھولتے ہوئے یہ فرمایا کہ:

(ا) یہ آپ کا مکر ہے، چال ہے جو آپ کے عجز کا نتیجہ ہے۔

بحمدہ تعالیٰ یہی اتنی بات عوام کا ذہن صاف کرنے کے لئے کافی تھی۔

(ب) پھر آپ نے یہ دھماکہ خیز وباطل سوز، ایراد قائم کیا کہ کیا آپ کے مذہب میں توہینِ رسالت قرآن پاک سے

ثابت ہے؟

اس سے عوام کے دل باغ باغ ہو گئے اور مناظر دیو بندی مبہوت ہو گیا۔

(ج) مزید فرمایا:

قرآن پاک سے توہین رسالت کے اثبات کا دعویٰ کر کے آپ نے قرآن مقدس پر توہین کاالزام رکھا ہے۔

(د)اوراس کے باعث ہر مسلمان کادل زخمی کر دیا ہے۔

یہ وہ بات تھی جو ہر مسلمان کے دل کی آواز تھی، مسلمان اچھل پڑے، اور بدباطن جل اٹھے اور ان کے سارے مکر برباد ہو گئے۔

دوسری وجہ یہ کہ "توہین رسالت" کے لیے قرآن پاک سے ثبوت طلب کرنا کفر ہے جیسا کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درج ذیل ارشاد سے عیاں ہے:

"ایک شخص نے امام صاحب کے زمانہ میں نبوّت کا دعویٰ کیا، اور کہا مجھے مہلت دو کہ میں نشانی لاؤں۔ آپ نے فرمایا:

جو شخص اس سے نشانی طلب کرے گا کافر ہو جائے گا، کیونکہ نشانی مانگنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لَا نَبِیَّ بَعْدِی کی تکذیب ہے۔"

(الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان مترجم ص ۱۲۹)

اس لیے حضرت محدث اعظم پاکستان نے اس کے دعویٰ اثبات کارد فرمایااور اس سے توبہ کا مطالبہ کیا۔

یہاں اس بات کا بھی امکان تھا کہ اگر حضرت محدث اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے مد مقابل سے ثبوت طلب فرماتے تو وہ پلٹ کر یہ ایراد قائم کر دیتا کہ اگر حفظ الایمان کی عبارت کفری ہے تو قرآن سے اس کے ثبوت کا مطالبہ کر کے آپ خود کافر ہو گئے۔

یہ دقت نظر، اور دور رسی اور جودتِ طبع اور تبحر فقہی ہے حضرت محدث اعظم پاکستان کی جنھوں نے بروقت تمام شرعی وسیاسی خطرات اور دیو بندی مناظر کی عیاری کو بھانپ لیا پھر اس کا وہ ردِ قاہر فرمایا کہ باطل ببہوت ہو کر رہ گیا۔ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ۔

غرضیکہ حضرت شارح بخاری دام ظلہ العالی کے اساتذہ فتویٰ نویسی میں اتنے اونچے درجے کے اکابر تھے کہ جسے ان کا شرف تلمذ حاصل ہو گیا آج دنیا اس پر فخر کرتی ہے۔

حضرت شارح بخاری دام ظلہ العالی مشق فتویٰ نویسی کی کل مدت اس طرح ہے۔

☆ ۶۲۔۶۱ ۱۳ھ میں حضرت محدث اعظم پاکستان کی بارگاہ میں اپنی فراغت کے سال تقریباً ۳ مہینے۔

☆۱۱ شعبان ۶۲ ۱۳ھ تا ۱۹؍ شوال ۶۳ ۱۳ھ (ایک سال، ۲ ماہ، ۸ دن)

حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں اپنے وطن گھوسی میں قیام پذیر رہ کر۔

☆۲۴؍ شوال ۷۵ ۱۳ھ تا ۲۷؍ ذی الحجہ ۸۶ ۱۳ھ مطابق ۴؍ جون ۵۶ ۱۹ء تا ۸؍ اپریل ۶۷ ۱۹ء (۱۱؍ سال، ۲ ماہ، ۳ دن)

حضور مفتیِ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں بریلی شریف میں۔

اس تفصیل کے مطابق آپ کی مشق فتویٰ نویسی کی مجموعی مدت بارہ ۱۲ سال، سات ۷ ماہ، گیارہ ۱۱ دن ہے۔

مشق فتویٰ نویسی کا آغاز راقم الحروف نے اس سلسلے میں خود حضرت سے دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا:

۶۲-۱۳۶۱ھ میں بریلی شریف مدرسہ مظہر الاسلام، مسجد بی بی جی میں دورۂ حدیث کے ساتھ حضرت مولانا سردار احمد محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ نے کچھ طلبہ کو (جن میں مَیں بھی تھا) بلا کر فرمایا کہ:

”یہ فتویٰ کی ڈاک رکھی ہوئی ہے، آپ لوگ اسے لے جائیں اور لکھیں۔“

مجھے دو ڈاک دی ایک میں ”رضاعت“ کا مسئلہ تھا، دوسرے میں محرم کے سیاہی بننے کا۔ اور انھیں میں سے کسی ایک کے ساتھ استعانت باولیاء اللہ کے بارے میں بھی سوال تھا۔ پہلے پہلے میں نے یہی فتاویٰ لکھے، اس کے بعد اور بھی ڈاک دیتے رہے اور اس میں لکھتا رہا۔

تصحیح کے لیے حضرت کی خدمت میں پہلا فتویٰ پیش کیا مگر اللہ کا فضل ہے تصحیح کی ضرورت نہیں پیش آئی، چونکہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے پہلا فتویٰ رضاعت کے بارے میں لکھا تھا اس لیے میں نے بھی پہلا فتویٰ رضاعت ہی کے بارے میں لکھا۔

یہ سلسلہ تقریباً تین ماہ تک جاری رہا، اس مدت میں بمشکل ۸؍۱۰ فتوے لکھے، بعد کے فتوؤں میں حضرت نے اصلاح بھی فرمائی“۔ انتھیٰ کلامُہ.

یہ مشق فتویٰ کی خشت اول تھی جو دورِ طالب علمی کے اختتام پر رکھی گئی۔ فراغت کے بعد مختلف مدرسوں میں رہے وہاں اپنے طور پر آپ تحقیق کر کے فتویٰ لکھتے رہے۔ پھر آپ مدرسہ شمس العلوم گھوسی میں بحیثیت صدر مدرس تشریف لائے تو حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کا موقعہ ملا۔ اب اس کے بعد کا واقعہ خود حضرت کی زبانی ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں:

”گیا سے واپسی کے بعد تقریباً چھ ۶ سال تک مدرسہ شمس العلوم قصبہ گھوسی میں مدرس رہا، اس کے ابتدائی چودہ ۱۴ مہینوں میں حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر رہ کر فتاویٰ لکھا کرتا تھا، اس کی صورت یہ ہوتی کہ حضرت ارشاد فرماتے، میں املا کرتا۔ مگر کبھی کبھی جب حضرت موڈ میں ہوتے تو فرماتے ”بولو، اس کا کیا

جواب ہوگا؟"

معلوم ہوتا تو عرض کر دیتا ورنہ حکم دیتے کہ بہار شریعت نکالو، بہار شریعت میں وہ مسئلہ جس کتاب کے حوالہ سے ہوتا اس کو نکلواتے، اس کے بعد جواب ارشاد فرماتے اور میں لکھتا۔

اس طریق کار سے مجھے مسائل کے استنباط کا ملکہ پیدا ہو گیا۔

فتویٰ نویسی میں میری جو بھی حیثیت ہے وہ حضرت صدر الشریعہ کی اس خاص تربیت کا نتیجہ ہے۔ ۱۴؍ ماہ تک میں حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کرتا رہا، اس کے بعد حضرت کا وصال ہو گیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہ راجعون۔"

۱۳۷۵ھ میں جب آپ کا تقرر بحیثیت مدرس مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف میں ہوا تو آپ حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ آگئے اور یہاں ایک عرصہ تک حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کرتے رہے۔ مدرسہ ایک وقت کا تھا، درس کے اوقات میں تدریس کے فرائض انجام دیتے۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد قیلولہ کرتے، گرمیوں میں تقریباً ۲؍ بجے سے لے کر عصر تک فتویٰ نویسی میں مشغول رہتے۔ بعد فجر کے اوقات مطالعہ کے لئے مخصوص تھے۔

حضرت شارح بخاری دام ظلہ العالی نے صد سالہ جشن حضور مفتیٔ اعظم (منعقدہ ۱۱؍ ۱۲؍ ۱۳؍ رجب ۱۴۱۲ھ) میں ایک مقالہ "مفتیٔ اعظم ہند اپنے فضل و کمال کے آئینے میں" ترتیب دیا تھا، اس میں آپ نے اپنی مشق فتویٰ نویسی کا بھی تذکرہ فرمایا ہے، اب آپ اسے ملاحظہ فرمائیں، رقمطراز ہیں:

"میں بریلی شریف حاضر ہوا، اور حضرت مفتی اعظم نے اپنے دار الافتا کی خدمت سپرد فرمائی، ہوتا یہ کہ میں مسائل دن میں لکھ لیا کرتا اور بعد نماز عشا حضرت کو سناتا۔ یہ معمول مسلسل گیارہ سال تک رہا۔ میں اس میدان میں نووارد نہیں تھا۔ فتویٰ نویسی کا اچھا خاصا تجربہ رکھتا تھا۔ میں نے زمانہ طالب علمی سے فتویٰ نویسی شروع کر دی تھی۔ محدثِ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے یہاں آئے ہوئے مسائل دیتے، اور میں لکھا کرتا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سب سے پہلا فتویٰ میں نے بھی رضاعت ہی کا لکھا تھا۔ فراغت کے بعد جب میں اپنے گھر گھوسی مقیم تھا تو یہ میری فیروز بختی تھی کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ ان دنوں (۶۶، ۶۷ھ۔ ۷، ۸، ۶۸، ۶۹ میں) اپنے دولت کدہ ہی پر تشریف رکھتے تھے، میں روزانہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اور حضرت کے یہاں آئے ہوئے مسائل لکھا کرتا۔ اگرچہ اس کی صورت یہ ہوتی کہ حضرت املا فرماتے، چونکہ ان دنوں حضرت کی بینائی کمزور تھی۔ اس

لیے تائیدی عبارتیں میں ہی نکالا کرتا تھا اس طرح فتویٰ لکھنے کی اچھی خاصی مشق ہو گئی تھی۔
میں بغور سوال پڑھ کر سائل کی منشا سمجھ کر پوری توانائی صرف کر کے دماغ حاضر کر کے جواب لکھتا تھا۔ میں اپنے اوپر جو وثوق اس وقت بھی رکھتا تھا اس کی روشنی میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت کے میرے لکھے ہوئے مسائل پر کوئی انگلی نہیں رکھ سکتا تھا۔"

دوسری طرف حضرت مفتی اعظم ہند کا حال یہ تھا کہ دن بھر تعویذ لکھنے میں مصروف رہتے۔ تعویذ لینے کیلئے آنے والے کوئی خوش کن، فرحت بخش خبر نہیں سناتے، بلکہ ہر تعویذ کا طلبگار اپنے دکھ، درد، تکلیف، مصیبت کی داستان سناتا تھا۔ مسلسل اذیت ناک خبریں سنتے سنتے مضبوط سے مضبوط انسان کا دل بیٹھ جاتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئیے تھا کہ دن بھر صبر آزما اعصاب کو مفلوج کرنے والے ماحول کی بدولت حضرت مفتی اعظم ہند ایسے تھک جاتے کہ سوائے آرام و سکون کے کسی اور کام کی طرف توجہ نہ فرماتے، مگر ہوتا یہ کہ بلاناغہ بالالتزام روزانہ بعد نماز عشا کھانا تناول فرمانے کے بعد اپنی بیٹھک پر تشریف لاتے۔ اور اس طرح تشریف رکھتے گویا دن بھر آرام کیا ہے۔ بالکل تروتازہ چاق وچوبند، حاضر دماغ، اب میں اپنے لکھے ہوئے مسائل سُناتا۔ حضرت مفتی اعظم ہند کی حاضر دماغی، تیقظِ قلبی کا عالم اس وقت بھی وہ ہوتا کہ جگہ جگہ اِصلاح فرماتے۔ عمدہ سے عمدہ تر کی طرف رہنمائی فرماتے۔ زور بیان کو مؤثر سے مؤثر تر بناتے۔ اِستدلال کو قوی سے قوی تر فرماتے۔ عبارت کو شستہ سے شستہ تر فرماتے۔ اگر تائیدی عبارت میں کمی ہوتی تو دوسری زیادہ مناسب اور موزوں عبارت کی رہنمائی فرماتے۔ اگر عبارت میں کوئی بھول چوک ہوتی تو فوراً تنبیہ فرماتے اور اسے صحیح کرتے۔ چند نمونے ملاحظہ فرمایئے۔

ایک دفعہ میں نے لکھا تھا "توفَّہما" فرمایا۔ "فَّہما" کے ساتھ "تو" کا کیا جوڑ؟

ایک دفعہ میں نے حدیث رفاعہ لکھی تھی صحیح۔ مگر میں نے پڑھ دیا۔ لَاحَتّٰی تَذُوْقِیْ عُسَیْلَتَکِ فرمایا کیا پڑھا؟۔

ہمارے اعظم گڑھ کے عرف میں مہر کو مؤنث اِستعمال کرتے ہیں۔ اس وجہ سے میں نے مہر کے لئے تانیث کا صیغہ استعمال کر دیا۔ فوراً تنبیہ فرمائی۔

ایک دفعہ یہ سوال آیا............ ہندہ کی زید کے ساتھ نابالغی میں شادی ہوئی۔ بالغ ہونے کے بعد ہندہ زید کے ساتھ رہنے پر راضی نہیں۔ اس مسئلہ کی دس بارہ صورتیں ہیں۔ مثلاً نکاح کے وقت ہندہ کے باپ یا دادا زندہ تھے یا مر گئے تھے۔ موجود تھے تو یہ نکاح ان کی اجازت سے ہوا یا خود انہوں نے پڑھایا تھا یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ میں نے بڑی محنت سے دن بھر صرف کر کے اس کی تمام شقوں کی تفصیل لکھی تھی۔ اور خوش تھا کہ آج حضرت مجھے داد ضرور دیں گے، دعائے خیر سے نوازیں گے۔ مگر جب سُنانا شروع کیا تو فرمایا۔

یہ جواب سائل کو کیا مفید ہو گا۔ یہ شق در شق، شق در شق طوفانی جواب کس کے پلے پڑے گا۔ جواب میں اپنا مبلغ علم ظاہر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ عام طور پر نکاح کفو میں مہر مثل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور نابالغ بچوں کا نکاح باپ دادا ہی کرتے ہیں۔ اور باپ دادا نہیں تو. سائل اس کو لکھا کرتے ہیں۔ اس لئے جواب میں صرف اتنا لکھیں کہ اگر یہ نکاح باپ دادا نے پڑھایا تھا یا ان کے اذن سے ہوا تھا۔ اور کفو میں، مہر میں غبن فاحش کے بغیر ہوا تو صحیح نافذ ہے۔ الخ اور اگر واقعہ کی صورت کوئی دوسری ہو تو دوبارہ اس صورت کو تفصیل کے ساتھ لکھ کر بھیجیں۔ اس اصلاح کا حاصل ہے کہ سائل حکم شرعی اس لیے معلوم کرتا ہے کہ اس پر عمل کرے۔ پیچ در پیچ شق در شق جوابات سے وہ الجھ جائے گا۔ اور صحیح حکم کو متعین نہ کر سکے گا۔ نیز خدا ناترس لوگ اِن سب شقوق میں اپنے پسند کی شق اختیار کرلیں گے۔ اگر واقعہ کے مطابق نہ ہو اس طرح وہ حرام میں مبتلا ہوں گے اور سہارا آپ کے فتویٰ کا لیں گے۔ اس لئے جواب اس پہلو پر دیا جائے جو ظاہر ہو، اور قیود بڑھا کر دوسرے شقوں کی نفی کر دی جائے۔ اس ہدایت سے حضرت نے رسم مفتی کے اہم قاعدے کی طرف رہنمائی فرمائی کہ مفتی کو اپنی طرف سے شقیں قائم کر کے جواب نہیں دینا چاہیے۔

میں نے بریلی شریف کے ایام قیام میں ۲۵ ر ہزار مسائل لکھے، جن میں ۲۰ ر ہزار کے لگ بھگ وہ مسائل ہیں جن پر حضرت کی اصلاح ہے۔ کاش! وہ سب محفوظ ہوتے تو ایک اہم خزانہ محفوظ ہوتا۔ پھر دنیا دیکھ لیتی کہ حضرت مفتیٔ اعظم ہند کا تبحر علمی، دقتِ نظر، اور نکتہ رسی کس حد تک پہنچی ہوئی تھی۔

یہ مجلس عموماً دو تین گھنٹے کی ہوتی، کبھی چار گھنٹے کی بھی ہو جاتی۔ میں تھک جاتا اکتا جاتا، مگر مفتیٔ اعظم ہند پر تکان یا اکتاہٹ کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ دن بھر کا تھکا ہوا انسان رات میں بھی اتنا حاضر دماغ ہو یہ انسانی قویٰ کے بس کی بات نہیں۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت مفتیٔ اعظم ہند ان منتخبِ روزگار نفوس قدسیہ سے تھے جن کا علم بھی لدنّی ہوتا ہے اور قوائے بشری بھی لدنّی، اور دل و دماغ بھی لدنّی، جن کا سب کچھ لدنّی ہوتا ہے۔"

(انوار مفتیٔ اعظم ص ۲۵۶ تا ص ۲۶۰)

مفتی ماہر و معتمد و مستند وہی ہوتا ہے جو کسی ماہر مفتی و نکتہ رس فقیہ کی بارگاہ میں رہ کر کسبِ فیض کرے۔ کوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم و فاضل ہو، دقیق النظر اور وسیع المطالعہ ہو مگر فقہائے کرام اسے فتویٰ نویسی کی اجازت اس

وقت تک نہیں دیتے جب تک کہ وہ کسی ماہر، تجربہ کار مفتی کی خدمت میں رہ کر مشق فتویٰ نہ کرے۔

اسے یوں سمجھئے کہ ایک ڈاکٹر کئی اہم سے اہم ڈگری حاصل کر چکا ہے لیکن اسے آپریشن کرنے کی اجازت اس وقت تک نہیں ملتی جب تک کہ وہ کسی ماہر سرجن کے ساتھ رہ کر سرجری کی مشق کر کے کامل نہ بن جائے۔ یہی حال فتویٰ نویسی کا بھی ہے۔

بلکہ ڈاکٹر کو صرف تعلیم سے فراغت کے بعد مطب کرنے کی بھی اجازت نہیں ملتی جب تک وہ "ہاؤس جاب" نہ کرلے، یعنی کسی اسپتال میں جاکر کہنہ مشق ڈاکٹروں کی نگرانی میں وہ ایک مدت تک امراض کی تشخیص اور نسخہ کی تجویز کی مشق نہ کرلے۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ ارشاد الملفوظ حصہ اوّل ص ۸۴ میں درج ہے کہ آپ نے فرمایا:

> "ردّ وہابیہ اور اِفتا یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے، ان میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے، میں بھی ایک حاذق طبیب کے مطب میں سات ۷ برس بیٹھا، مجھے وہ وقت، وہ دن، وہ جگہ، وہ مسائل، اور جہاں سے وہ آئے تھے اچھی طرح یاد ہیں۔
>
> میں نے ایک بار ایک نہایت پیچیدہ حکم بڑی کوشش و جانفشانی سے نکالا اور اس کی تائیدات مع تنقیح آٹھ ۸ ورق میں جمع کیں۔ مگر جب حضرت والد ماجد قدس سرہٗ کے حضور میں پیش کیا تو انھوں نے ایک جملہ ایسا فرمایا کہ اس سے یہ سب ورق رد ہوگئے۔"

اب غور فرمایئے! حضرت شارح بخاری دام ظلہ العالی بجائے خود بہت ہی ذہین و فطین، اَخاذ، وسیع المطالعہ، مضبوط علمی صلاحیت کے مالک، حالات زمانہ پر گہری نظر رکھنے والے روشن خیال عالم دین ہیں، پھر آپ نے وقت کے اَجلّہ مفتیان کرام کی بارگاہ میں رہ کر عرصہ دراز تک مشق فرمائی، اور ان بزرگوں نے آپ کی شخصیت کو نکھارنے اور آپ کو کامل بنانے میں خصوصی نگہ عنایت مبذول فرمائی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ایک کامل و عظیم مفتی ہیں اور اب تو آپ بلاشبہ استاذ فن بھی ہیں۔

باب دوم

کارنامے

کسی شخصیت کے تعارف کا بڑا ذریعہ خود اس کے کارنامے ہوتے ہیں اس لئے ہمیں اب یہ جائزہ لینا ہے کہ فقہ و فتاوی کے حوالے سے آپ کے کارنامے کیا ہیں، کیسے ہیں، اور آپ کے فتوؤں کا فقہی مقام کیا ہے۔؟

حضرت شارح بخاری کے فتاویٰ اور فقہی کارنامے کثیر بھی ہیں، عظیم بھی۔ نزہۃ القاری شرح بخاری، منصفانہ جائزہ، مقالات شارحِ بخاری اور تحقیقات سے آپ کے فقہی کارناموں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اور فتاویٰ کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ میں سمجھتا ہوں عصر حاضر کے مفتیان کرام میں آپ کے فتاویٰ کی تعداد سب سے زیادہ ہے ایک اندازہ کے مطابق اب تک آپ کے کل فتاویٰ کی تعداد تقریباً پچاس ہزار ہے۔

۔اس نوع کا حضرت دام ظلہٗ العالی کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ارباب فتویٰ کی ایک ٹیم پیدا کر دی جن کا تذکرہ باب سوم میں آئے گا، ان شاءاللہ العزیز۔

میری دانست میں حضرت کے فتاویٰ میں وہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں جو ایک استاذ فن، ماہر مفتی کے فتوؤں میں ہونی چاہئیں۔ مثلاً:

(۱) کتاب اللہ سے استدلال۔

(۲) حدیث رسول اللہ سے استدلال۔

(۳) اجماع امت سے استدلال۔

(۴) فتاویٰ کے ثبوت میں کتاب و سنت کے عموم و اطلاقات سے استدلال۔

(۵) فقہی جزئیات سے استدلال۔

(۶) متعارض دلائل میں تطبیق۔

(۷) ناسخ، منسوخ، مطلق مقید کی تعیین، تشریح۔

(۸) فتاویٰ میں تحقیق و تنقیح مناط کا لحاظ۔

(۹) سائل کی الجھن کا ازالہ۔

(۱۰) حالاتِ زمانہ کی رعایت۔

(۱۱) مسائلِ شرعیہ کے اَسرار و حِکَم کی وضاحت۔
(۱۲) بدمذہبوں کے دلائل کا جواب، اور ان کی گرفت۔
(۱۳) نو پید امسائل کے احکام کی تخریج۔
(۱۴) اختلافی مسائل میں اعتدال کی روش۔
(۱۵) رسم المفتی پر نظر۔
(۱۶) عناد پر مبنی مسائل کا مُسکِت والزامی جواب۔
(۱۷) تحقیق بدلنے کی صورت میں حکمِ سابق سے رجوع۔
(۱۸) جو مسئلہ منقح نہ ہو سکے اس میں توقف، یالاادری کا اظہار۔
(۱۹) مستفتی کی زبان کی رعایت۔
(۲۰) جواب میں اختصار و جامعیت، وغیرہ وغیرہ۔

ہم یہاں پوری تفصیل تو نہیں پیش کر سکتے مگر اس کے چند نمونے اپنی بات کی وضاحت کے لئے ضرور پیش کریں گے۔

حضرت شارح بخاری کے فتاویٰ کی چند خوبیاں

جزئیات پر گہری نظر : آپ کی نظر فقہی جزئیات پر بڑی وسیع اور گہری ہے کثیر جزئیات تو آپ کو زبانی یاد ہیں۔ جب سے آپ کی نگاہ کمزور ہو گئی تب سے آپ فتاویٰ املا کراتے ہیں اور سند میں جزئیات زیادہ تر بغیر کسی کتاب کی طرف مراجعت کئے ہوئے اپنی حفظ سے لکھوا دیتے ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ اور حضرت مفتیٔ اعظم ہند رحمہما اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مشق فتویٰ نویسی کے پہلے بھی آپ فتاویٰ میں جزئیات لکھنے کا التزام فرماتے تھے، شاید یہ فیض تھا حضرت محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی نظر عنایت کا، ہم یہاں ثبوت میں آپ کی نوعمری کا بس ایک فتویٰ پیش کرتے ہیں۔

نو عمری کا ایک فتویٰ :

بالائے سرش زہوش مندی   می تافت ستارۂ سر بلندی

لگتا ہے بچپنے سے ہی حضرت کی طبیعت فقہ کی طرف زیادہ مائل تھی۔ اور آپ فقہ کا ایک سچا خادم بننا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی برکت نوعمری سے ہی ظاہر ہونے لگی تھی۔ فراغت کے بعد آپ بحیثیت مدرس مدرسہ حنفیہ سنیہ، اسلام پورہ، مالیگاؤں تشریف لے گئے وہاں ربیع الاول ۱۳۶۴ھ تا ۹؍ شعبان ۱۳۶۴ھ آپ کا قیام رہا۔ اسی

دوران وہاں ایک سوال یہ اٹھ کھڑا ہوا کہ ایک ساتھ کئی مؤذنوں کا اذان دینا جائز ہے یا نہیں اس بارے میں وہاں کے دیوبندی مفتی کے فتویٰ اور آپ کے فتویٰ میں تعارض ہو گیا۔ تو وہ فتوے دار العلوم دیوبند بھیجے گئے آپ کی دلیل کی قوت کے پیش نظر مفتی دیوبند نے آپ کے مطابق جواب لکھا۔ اب یہ پورا واقعہ حضرت دام ظلہ العالی کی زبانی سنئے، آپ فرماتے ہیں:

ایک ساتھ کئی اذان کا حکم:

مدرسہ حنفیہ سنیہ اسلام پورہ مالیگاؤں میں چھ ماہ تک بحیثیت مدرس رہا وہاں فتویٰ نویسی بھی کرتا تھا، وہاں کے قیام کے دوران ایک روز مالیگاؤں کی ایک مسجد میں یہ واقعہ پیش آیا کہ دو مناروں سے دو مؤذنوں نے ایک ہی مسجد میں اذان دیدی۔ اس پر دیوبندیوں نے فتویٰ دیا کہ یہ ناجائز ہے سنت کے خلاف ہے۔ میرے پاس سوال آیا تو میں نے اسے جائز کہا۔ دلیل میں حرمین شریفین کا تعامل ہدایہ کی عبارت "واذن المؤذنون" اور مسئلہ اذان جوق پیش کیا۔ یوں یہ مسئلہ دار العلوم دیوبند گیا تو وہاں کے مفتیوں نے بھی جائز ہی لکھا:

ہدایہ کی عبارت یہ ہے:

واذا اذن المؤذنون الاذان الاول ترك الناس البيع والشراء وتوجهوا الى الجمعة واذا صعد الامام المنبر جلس واذّن المؤذنون بين يدى المنبر بذلك جرى التوارث ولم يكن علىٰ عهد رسول الله صلّى الله عليه وسلم اِلّا هذا الاذان۔

(ہدایہ ص ۱۷ جلد اوّل)

شامی میں ہے۔

ذكر السيوطى ان اول من احدث اذان اثنين معاً بنوامية قال الرملى فى حاشية البحر: ولم ارنصاصر يحًا فى جماعة الاذان المسمىٰ فى ديارنا باذان الجوق هل هو بدعة حسنة اوسيئة ؟ وذكر الشافعية بين يدىّ الخطيب واختلفوا فى استحبابه و كراهيته . واما الاذان الاول فقد صرح فى النهاية بانه المتوارث حيث قال فى شرح قوله واذا اذن المؤذنون الاذان الاول ترك الناس البيع و ذكر المؤذنين بلفظ الجمع اخراجاً للكلام مخرج العادة لان المتوارث فيه اجتماعهم لتبلغ اصواتهم الىٰ اطراف المصر الجامع اھ ففيه دليل على انه غير مكروه لان المتوارث لايكون مكروها وكذلك نقول فى الاذان بين يدى الخطيب فيكون بدعة حسنة اذمارأه المومنون حسناً فهو حسن اھ ملخصاً اقول وذكر

سیدی عبدالغنی المسئالة کذلك اخذاً من کلام النهایة المذکور فقد قال ولا خصوصیة للجمعة اذ الفروض الخمسة تحتاج للاعلام (شامی ص ۵۴ ج ۲)

تحقیق و تنقیح : حضرت نائب مفتیٔ اعظم ہند دام ظلہٗ العالی کے بیشتر فتاویٰ مختصر مگر جامع ہیں جن میں عموماً سوال کا صرف جواب ہوتا ہے اور دلیل میں کسی معتمد فقہی کتاب کا کوئی جزئیہ ہوتا ہے جس کی وجہ کثرت کار اور جواب میں تعجیل کی اہمیت ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کوئی مسئلہ جاننا چاہتا ہے تاکہ اس کے مطابق زندگی گزارے تو اسے جلد از جلد حکم شرع سے آگاہ کر دینا چاہیئے تاخیر کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی سمجھ سے درست جان کر کچھ کر بیٹھے اور وہ واقع میں شریعت کے خلاف ہو تو گناہ کا مرتکب ہوگا، اور ممکن ہے اسی دوران اس کا انتقال ہو جائے تو توبہ بھی نہ کر سکے گا۔ اس لئے آپ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ نفس حکم جلد از جلد لکھ کر بھیج دیا جائے اس کے باوجود جہاں ضرورت محسوس کرتے ہیں وہاں جواب تحقیقی لکھتے ہیں اور تحقیق فرماتے ہیں تو تحقیق کا حق ادا کرتے ہیں۔

دو فرضوں کے اجتماع کی صورت میں عمل اہم پر ہوگا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے تقریر میں یہ کہا کہ حضور ﷺ نے اگر گناہ کو پسند کیا تو وہ نیکی ہو گئی ہے جیسے مثال پیش کیا کہ خودکشی کرنی حرام ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ' نے اپنے پاؤں کا انگوٹھا اس سوراخ پر رکھ دیا جس کو سانپ نے آپ کے آنے سے قبل تیار رکھا تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، کے بارے میں بھی پیش کیا کہ نماز کا ترک کرنا حرام ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گناہ کیا مگر اس کو حضور ﷺ نے پسند کیا تو وہ نیکی ہو گئی۔

اس کے جواب میں حضرت نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ تحقیق، تنقیح اور تطبیق سب کا نمونہ ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ فتوے کے الفاظ یہ ہیں:

" یہ جملہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اگر گناہ کو پسند فرمائیں تو وہ نیکی ہو جائے کلمۂ کفر ہے وہ ذات گرامی جو گناہوں کو مٹانے کے لیے تشریف لائی تھی گناہ کو کیسے پسند کرسکتی ہے؟ زید پر توبہ و تجدید ایمان اور اگر بیوی رکھتا ہے تو تجدید نکاح بھی لازم ہے۔ جو واقعات اس نے پیش کئے ہیں ان میں گناہ کو پسند کرنا نہیں بلکہ فرض اور ایک عبادت کو پسند کرنا ہے۔ غارِ ثور میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر بیک وقت دو فرض عائد ہوئے تھے ایک حضور ﷺ کی حفاظت دوسرے اپنی جان کی حفاظت ان میں ذات نبوی ﷺ کی حفاظت اہم تھی اور قاعدہ ہے کہ جب بیک وقت دو فرض عائد ہوں اور دونوں کی ادائیگی ممکن نہ ہو تو اہم کو ترجیح دی جائے گی اور ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی حفاظت اپنی جان سے اہم ہے۔ لہٰذا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سوراخ میں انگوٹھا رکھ کر اور سانپ کے سر مارنے پر بھی نہ ہٹا کر فرضِ اہم کو ادا فرمایا اور حفاظتِ ذاتِ نبوی کو مقدم رکھا یہ بہترین عبادت ہے بلکہ عبادتوں کی جان ہے اسے گناہ وہی کہے گا جو کج فہم، جاہل، علمِ دین سے بے بہرہ ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ غزوۂ احد میں بعض صحابہ نے اپنے سینہ کو حضور ﷺ کے لیے سپر بنا دیا جو تیر حضور کی طرف آتا اسے اپنے سینہ پر لیتے اسے کون جاہل خودکشی کہے گا کون کج فہم گناہ کہے گا۔ حضور ﷺ کی حفاظت میں اپنی جان خطرہ میں ڈالنی حضور پر اپنی جان نثار کرنی اہم الفرائض و افضل العبادات ہے حضور نے اگر اسے پسند فرمایا تو گناہ کو نہیں بلکہ افضل العبادات اور اہم الفرائض کو پسند فرمایا اسی طرح حضور ﷺ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو پر سر اقدس رکھ کر آرام فرما رہے تھے اور نماز عصر کا وقت نکلا جا رہا تھا تو مولیٰ علی رضی اللہ عنہ پر دو فرض عائد تھے ایک نماز عصر کی ادائیگی دوسرے حضور ﷺ کی اطاعت یہ دوسرا فرض پہلے سے زیادہ اہم تھا کہ تمام عبادات کی اصل طاعت حضور ہے یہاں تک کہ اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور حضور ﷺ بلائیں تو حالت نماز میں حاضر خدمت ہونا فرض ہے اور اگر نہیں حاضر ہوگا نماز پڑھتا رہے گا۔ سخت گنہگار ہوگا ارشاد ربانی ہے یا ایھا الذین امنوا استجیبوا لِلّٰہِ و للرسول اذا دعا کم. اس آیت کا شان نزول ہی یہ ہے کہ ایک صحابی نماز پڑھ رہے تھے حضور نے انہیں آواز دی وہ فوراً نہیں حاضر ہوئے نماز پوری کی اور پھر حاضر ہوئے حضور نے جب دریافت فرمایا تو نماز پڑھنے کا عذر بیان کیا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ علما فرماتے ہیں کہ اگر حالت نماز میں حضور ﷺ کسی کو بلائیں اور وہ حاضر خدمت ہو تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی وہ حالت نماز ہی میں رہے گا تو جبکہ نماز شروع کرنے کے بعد عین حالت نماز میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت فرض ہے اور حاضری بارگاہ عبادت اور نماز پڑھنے کی وجہ سے ادنیٰ تاخیر حرام و گناہ تو جو ابھی نماز نہ شروع کئے ہو تو اس پر اطاعتِ حضور کس درجہ فرض ہوگی اور ترک اطاعت کس درجہ قبیح و گناہ! اطاعت حضور میں اگر نماز کا وقت نکل جائے تو یہ

گناہ نہیں بلکہ بہترین عبادت ہے اور اہم فرض کی ادائیگی اسکو گناہ کہنے والا عبادت اور فرض کو گناہ کہہ رہا ہے غرض کہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ پر دو فرض عائد تھے انہوں نے ان میں جو اہم تھا بلکہ روح فرض تھا یعنی اطاعت حضور اس کو ادا کیا لہٰذا اس وقت نماز چھوڑنا قطعاً گناہ نہیں ہوا بلکہ بہترین عبادت ہوا حضور ﷺ نے اسے پسند فرمایا تو یہ گناہ کا پسند فرمانا نہیں بلکہ عبادت کو پسند فرمانا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ (بیاض فتاویٰ شریفیہ ص ۱۴۱ تا ص ۴۴، مسئلہ ۲۷)

متعارض دلائل میں تطبیق

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی مسئلے کے دلائل کے درمیان تعارض واقع ہو جاتا ہے مگر وہ تعارض محض بادی النظر میں ہوتا ہے حقیقت کے لحاظ سے ان کے مابین کوئی منافات نہیں ہوتی کیونکہ ہر ایک کا محمل الگ الگ ہوتا ہے اور ہر دلیل دوسرے کے مفہوم کی مؤید ہوتی ہے اسی کے بیان کو تطبیق کہا جاتا ہے مگر اس دقیق فرق کا ادراک نہایت مشکل اور اہم کام ہے اور اس کی حقیقت تک رسائی محض اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے ہوتی ہے۔

اس تعارض کی کئی صورتیں ہیں :

(۱) آیات قرآنیہ کا تعارض آیات قرآنیہ سے۔
(۲) آیات قرآنیہ کا تعارض احادیث نبویہ سے۔
(۳) احادیث کا تعارض احادیث سے۔
(۴) فقہی اصول و فروع کا تعارض فقہی اصول و فروع سے۔

حضرت نائب مفتی اعظم ہند دام ظلہٗ العالی نے بفضلہٖ تعالیٰ تعارض کی ان ساری صورتوں میں تطبیق کے جواہر قوم کو عطا کیے ہیں جن کی تفصیل فتاویٰ شریفیہ اور نزہۃ القاری وغیرہ میں موجود ہے، ہم یہاں بطور نمونہ ایک دو مثالوں پر اکتفا کریں گے۔

(۱) تقلید ائمہ کیا تکمیل دین کے منافی ہے : ایک صاحب نے حضرت مفتی صاحب قبلہ کی خدمت میں یہ سوال کیا:

"جو کام آنحضرت ﷺ، صحابۂ کرام و تابعین کے زمانے میں نہ ہوا ہو، بعد کے لوگ اس کام کو دینی امر سمجھ کر کریں تو آیت "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ" کے خلاف ہے کہ نہیں، جیسا کہ تقلید ائمہ اربعہ۔؟"

اس کے جواب میں حضرت ارقام فرماتے ہیں :

"بہت سے ایسا کام ہیں جو قرون ثلثہ یعنی حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام اور تابعین کے زمانے میں نہیں تھے، بعد میں ایجاد ہوئے لیکن وہ مستحسن اور باعثِ اجر و ثواب ہیں اور یہ خود حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ مسلم شریف میں جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا :

مَنْ سَنَّ فِی الْإِسْلَامِ سُنَّةً حسنةً فلهُ أجرها، و اَجرُ مَنْ عَمِلَ بِها من بعدُ ، مِن غير أن ينقص مِن

اجورھم شیٔ۔ جو شخص اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے گا اسے اس کا ثواب ملے گا، اور جتنے لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں گے سب کے برابر ایجاد کرنے والے کو ثواب ملے گا، بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے (مسلم شریف جلد اوّل ص ۳۲۷ و جلد ثانی ص ۳۴۱)

اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ (قیامت تک) اچھے طریقے کی ایجاد مستحسن و باعث اجر و ثواب ہے اور تقلید ائمۂ اربعہ بھی یقیناً اچھا طریقہ (سنتِ حسنہ) ہے کہ اس پر ساری دنیا کے مسلمانوں کا اجماع ہے۔

اس حدیث کو پیش کر کے حضرت مفتی صاحب قبلہ نے یہ ذہن دیا ہے کہ اگر تقلید ائمہ تکمیل دین کے منافی ہے تو کیا حضور ﷺ نے خلاف دین کام کی تعلیم و ترغیب دی ہے، اس طور پر تو حدیث اور قرآن کی آیۂ مذکورہ میں تعارض لازم آئے گا۔ پھر حضرت نے تطبیق یوں فرمائی، رقمطراز ہیں:

"یہ ایجاد آیۂ کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے منافی نہیں، اس لئے کہ اس سے مراد اصول اور قواعد کلیہ کی تکمیل ہے، رہ گئے جزئیات، انکی تکمیل مراد نہیں، ہزار ہا جزئیات ایسے ہیں کہ قرآن و حدیث میں کہیں مذکور نہیں، علمائے مجتہدین نے انھیں قیاس سے بیان فرمایا۔ اور یہ ایسا جرم ہے کہ اس میں خود غیر مقلدین بھی مبتلا ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا:

"اِنَّ رسولَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلّم قُبِضَ ولم یُفَسِّرھا لنا (مشکوٰۃ ص ۲۴۶)

رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور سود کی تفسیر نہیں فرمائی۔ یعنی سود حرام قطعی ہے لیکن کون لین دین سود ہے، کون نہیں اسے مفصل نہیں بیان فرمایا، صرف چھ ۶ چیزوں کے بارے میں فرمایا کہ ان میں سود ہے، سونا، چاندی، کھجور، جو، گیہوں، نمک۔ ان کے علاوہ سیکڑوں چیزیں جن کی خرید و فروخت ہوتی ہے ان میں سے کس میں سود ہے، کس میں نہیں یہ بیان نہیں فرمایا۔" (رجسٹر فتاویٰ شریفیہ نمبر ۱۲/۷ الف)

(۲) دار الحرب میں جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟ نیپال کے سید مخدوم شاہ نقشبندی نے یہ استفتا کیا:

"تین مسجدیں اس شہر میں موجود ہیں اور بلا خوف و خطر نماز جمعہ و عیدین ادا کی جاتی ہیں، عالم دین بیرون ملک کے آکر امامت بھی کرتے ہیں، امید تو نہیں کہ عالم دین ہو کر خلاف شرع کام کریں گے۔ ہمیں جو اشتباہ ہوا ہے وہ یہ کہ یہ "اسلامی مصر" نہیں، تو کیا یہ مسئلہ بہار شریعت کا:

> "جہاں اسلامی سلطنت نہ ہو تو وہاں جو سب سے بڑا فقیہ سنی صحیح العقیدہ ہو، احکام شرعیہ جاری کرنے میں سلطان اسلام کے قائم مقام ہے لہٰذا وہی جمعہ قائم کرے، بغیر اس کی اجازت کے نہیں ہو سکتا"۔
> (بہار شریعت ص ۹۵ ج ۴)

جمعہ یہاں درست قرار دینے میں مدد نہیں پہونچا سکتا، جبکہ تعامل مسلمین کا بھی یہی تقاضا ہے تعامل

مسلمین کے متعلق شامی کی عبارت بھی نقل کی ہے وَكُلُّ مصرٍ فيه والٍ مِن جهتهم يجوزلهٗ اِقامة الجُمعَة ، ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين ۔(ص۵۴۰،۵۴۱)

یہاں جمعہ وعیدین تو بہر حال مسلمین کے ساتھ عالم لوگ پڑھتے آئے ہیں اور پڑھتے بھی ہیں، اب یہ جو اشتباہ ہمیں ہوا ہے اس کو رفع کیسے کیا جائے، آیا احتیاطی ظہر پڑھ کے گناہ سے بچیں، یا شریک جمعہ نہ ہو کر؟

اس کے جواب میں حضرت نے اوّلاً نیپال وغیرہ ممالک کا حکم بیان فرمایا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ ذہن بھی دیا ہے کہ بہار شریعت وشامی کی عبارتوں کا صحیح محمل تلاش کیا جانا چاہیے، آپ فرماتے ہیں :

> ”اس مسئلے میں مسلسل غور وخوض کر رہا ہوں، یہ مسئلہ صرف نیپال ہی کا نہیں، اب تو عالمگیر مسئلہ بن چکا ہے، امریکہ، برطانیہ وغیرہ کثیر ممالک کے لیے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہاں جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟
>
> علمائے احناف اس پر متفق ہیں کہ دار الحرب میں جمعہ صحیح نہیں جمعہ خاص ہے دار الاسلام کے ساتھ، وہ ممالک جہاں کبھی اسلامی حکومت قائم نہیں ہو سکی وہ دار الحرب ہی ہیں اگر چہ وہاں شعائر اسلام کی ادائیگی کی مکمل آزادی ہو، اس تقدیر پر نیپال، برطانیہ، امریکہ وغیرہ دار الحرب ہیں۔“

جب علمائے حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ دار الحرب میں جمعہ صحیح نہیں تو یہ اس امر کا متقاضی ہے کہ شامی اور بہار شریعت کی عبارتوں کی کوئی مناسب توجیہ کی جائے ورنہ تعارض لازم آئے گا۔ اس لیے حضرت فرماتے ہیں :

> ”آپ نے بہار شریعت کی جو عبارت نقل کی اس سے، اور شامی کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں کفار کا تسلط ہو وہاں بھی جمعہ صحیح ہے۔ بظاہر ان دونوں مسئلوں میں تعارض ہے۔
>
> اس کے دفع کی یہ صورت میرے ذہن میں آئی کہ بہار شریعت اور شامی کی ان عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ جس ملک پر اسلامی حکومت تھی اور وہ ملک اب کفار کے قبضہ میں چلا گیا وہاں جمعہ صحیح ہے اس لیے کہ وہ دار الاسلام ہی ہے، میرا کام صرف یہ ہے کہ کتب مذہب میں جو کچھ لکھا ہے اسے صحیح طور پر نقل کروں، وہی خدمت انجام دے رہا ہوں۔“

اس کے بعد آپ نے بقیہ امور کا جواب دیا ہے۔ یہاں ہمارا مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ یہاں عبارتوں میں بظاہر تعارض تھا، حضرت نے ایک مناسب توجیہ فرما کر سب کے مابین تطبیق فرمادی۔

نو پیدا مسائل : آئے دن نت نئے مسائل ایسے پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کا حکم صریح کتب مذہب میں موجود

نہیں اور اہل اسلام کو ان کے حکم شرعی کی ضرورت ہوتی ہے ایسے مسائل کے حل کے لیے مذہب کے اصول اور نظائر کا سہارا لیا جاتا ہے جو بجائے خود بہت ہی مشکل کام ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کا حکم کسی لفظ عام کے ضمن میں موجود ہوتا ہے تو فقیہ اسی لفظ عام سے استخراج حکم کرتا ہے اور یہ بھی بہت ہی دقیق امر ہے۔ حضرت کے فتاویٰ میں ایسے مسائل کی بھی خاصی تعداد موجود ہے ہم یہاں ان کا ایک انتخاب پیش کرتے ہیں۔

(۱) **گھڑی کی چین کا مسئلہ** : گھڑی دھات کی چین کے ساتھ پہنی جائے یا نہیں۔؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔

سیدی حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کا فتویٰ یہ ہے کہ ناجائز ہے اور تقریباً یہی موقف عامہ علمائے اہل سنت کا بھی ہے لیکن اس کے برخلاف حضرت نائب مفتی اعظم ہند دام ظلہ العالی جواز کا موقف اختیار کرتے ہیں آپ کے مجموعہ فتاویٰ میں اس نوع کے کثیر فتاویٰ موجود ہیں، ایک آپ بھی ملاحظہ فرمائیں، رقمطراز ہیں :

”دھات کی چین گھڑی کے ساتھ باندھنا علما کے مابین مختلف فیہ ہے بہت سے علمائے کرام اس کو ناجائز و حرام کہتے ہیں ایسی صورت میں اسے پہن کر نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہوگی۔

لیکن اس خادم نے بہت غور و فکر کیا، اور کافی تلاش کیا، مگر اب تک اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آئی اور اصل اشیا میں اباحت ہے اس لیے خادم یہ حکم دیتا ہے کہ اسے باندھنا جائز ہے اور اسے باندھ کر نماز پڑھنی بلا کراہت درست ہے۔

بعض لوگ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا حوالہ دیتے ہیں کہ انھوں نے اسے ناجائز فرمایا ہے جیسا کہ الملفوظ اور احکام شریعت میں ہے۔

لیکن الطیب الوجیز میں اعلیٰ حضرت نے یہ فرمایا :

”پس بچنا ہی بہتر ہے۔“ او کما قال۔

الملفوظ کا جو حال ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں، اس میں سیکڑوں غلطیاں اب تک مل چکی ہیں، احکام شریعت ایک میلاد خواں کی جمع کردہ ہے، یہ دونوں کتابیں اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد چھپی ہیں اس لیے اس میں غلطی کا امکان بعید نہیں ہے اسی وجہ سے خادم اسی پر فتویٰ دیتا ہے۔

علاوہ ازیں اسٹیل کی یہ چین جو اب کلائی پر باندھی جاتی ہے، اعلیٰ حضرت کے زمانے میں نہیں تھی، اعلیٰحضرت کے زمانے میں جتنی گھڑیوں میں چین لگائی جاتی تھی اسی کے بارے میں ان تینوں کتابوں میں حکم ہے، اسی کے بارے میں احکام شریعت میں بھی ہے۔ اس لیے اس کے ناجائز ہونے پر اعلیٰ حضرت کی کسی کتاب کا حوالہ دینا بے محل ہے۔

اب بات وہیں پہونچی کہ اصل اشیا میں اباحت اور اس چین کے ناجائز ہونے پر کوئی دلیل شرعی نہیں، اس

لیے یہ جائز ہے مگر چونکہ اختلافِ علما سے بچنا اولیٰ ہے اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ اسے نہ استعمال کیا جائے۔"
(رجسٹر فتاویٰ شریفیہ ص ۶۱۳)

۲۔ جی، پی، ایف کا حکم آپ فرماتے ہیں:

"جی، پی، ایف کے نام سے جمع شدہ رقم پر گورنمنٹ جو زائد رقم دیتی ہے اس کا لینا بلاشبہ جائز ہے۔ یہ سود نہیں گورنمنٹ یا فیکٹری کا عطیہ ہے جو حسنِ کارکردگی کے صلے میں دیتی ہے، یا ازکار رفتہ ہو جانے کی وجہ سے ازراہِ ترحم دیتی ہے۔" (رجسٹر فتاویٰ شریفیہ ص ۷۵۵)

۳۔ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا حکم : اس سلسلے میں آپ سے یہ سوال ہوا:

"ہندہ کی سہیلی نے اپنے شوہر کی منی لے کر ٹیوب کے ذریعہ ہندہ کے رحم میں ڈلوادیا اور اس کو بچہ پیدا ہو گیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ (ا) ہندہ کا رحم میں غیر کی منی ڈلوانا اور اس کی سہیلی کا یہ تعاون کرنا شرعاً کیسا ہے، (ب) جو اولاد ہو گی شرعاً اس کی حیثیت ولد الزنا کی ہے یا ولد الحرام کی؟

اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں؛

"یہ انتہائی بے حیائی اور سخت حرام ہے کہ کسی مرد کی منی ٹیوب میں لے کر دوسری عورت کے رحم میں داخل کیا جائے۔

اولاً : بلاضرورت شرعیہ عورت کا اپنی شرمگاہ میں سوائے اپنے شوہر کے آلۂ تناسل کے کسی چیز کو داخل کرنا حرام و گناہ ہے۔

ثانیاً : کسی عورت کو بھی یہ جائز نہیں کہ کسی عورت کی شرم گاہ کو بلاضرورت شرعیہ دیکھے یا چھوئے۔ اور ٹیوب استعمال کرنے کا عام طریقہ یہی ہے کہ دوسرا کوئی مرد یا عورت استعمال کرتی ہے۔

اور اگر بالفرض عورت نے خود وہ ٹیوب استعمال کرلیا ہو تو بھی پہلی وجہ حرمت اپنی جگہ باقی ہے۔ یہ عورت، اس کی سہیلی اور سہیلی کا شوہر تینوں گنہگار ہوئے۔"

(ا۔ب) یہ اولا ثابت النسب ہو گی اور اس کی ماں جائے گی جس کی زوجیت میں یہ عورت ہے حدیث میں فرمایا گیا:

اَلولدُ للفراش وللعاھر الحجر۔ (رجسٹر فتاویٰ شریفیہ۔ وماہنامہ اشرفیہ، ماہ جولائی ۱۹۹۱ھ ص ۹، ۱۰)

اس مسئلے میں نسب کا مسئلہ اہم ہے جس کا جواب آپ نے حدیث پاک سے دیا۔

۴۔ مادہ جانوروں میں ٹیوب کے ذریعہ انتقال منی : سوال یہ ہے کہ:

"ٹیوب کے ذریعہ مادہ جانوروں کے رحم میں مادۂ منویہ ڈال کر اولاد پیدا کی جاتی ہے شرعاً یہ فعل کیسا ہے

جب کہ سائنسی ترقی نے عملاً اس کو کر دکھلایا ہے؟

آپ فرماتے ہیں:

یہ بھی غیر فطری فعل ہے اور نر کو خلقی حق سے محروم کرنا ہے اس لیے اس کی بھی اجازت نہیں ہونی چاہیے، اس سے جو بچہ پیدا ہو گا وہ مادہ کی نسل سے مانا جائے گا۔ حلت و حرمت کے وہی احکام ہوں گے جو اس کی ماں کے ہیں۔ در مختار میں ہے یحلُّ اکلُ ذئبٍ وَلَدَتهُ شاۃٌ۔ (حوالہ مذکورہ)

۵۔ پندرہ اگست، اور ۲۶ر جنوری منانا: اس سلسلے کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"۱۵ر اگست جائز طریقہ سے منانے میں کوئی حرج نہیں کہ اس کا مطلب ہوتا ہے "انگریزوں سے آزادی ملنے کی خوشی" فی نفسہ اس میں شرعاً کوئی خرابی نہیں۔ رہ گیا ۲۶ر جنوری۔ یہ منانا جائز نہیں یہ دن اس یادگار میں منایا جاتا ہے کہ کانگریس نے اپنا دستور بنا کر اسی تاریخ سے نافذ کیا ہے اس لیے اس دن کے منانے کا مطلب یہ ہے کہ کانگریس کے اس دستور کو ہم شرعی طور پر صحیح مانتے ہیں حالانکہ وہ شرعی طور پر صحیح نہیں۔"

(رجسٹر فتاویٰ شریفیہ ص ۸۰، ۷ الف ۴)

۶۔ لاؤڈ اسپیکر کا مسئلہ: ہندوستان میں لاؤڈ اسپیکر آتے ہی یہ مسئلہ علمائے کرام کے درمیان موضوع بحث بن گیا کہ "نماز میں اس کا استعمال جائز ہے یا نا جائز۔؟ نماز میں اس کی خدمات حاصل کرنے سے نماز فاسد ہو گی، یا صحیح" اس کی بنیاد اس بات پر رکھی گئی کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ جو آواز سنی جاتی ہے وہ امام کی اصلی آواز ہے یا نقلی۔ یہ مسئلہ طبیعات کا تھا، اس لیے علمانے ماہرینِ طبیعات کی طرف رجوع کیا ان کی تحقیقات میں بھی اختلاف ہو گیا، کوئی کہتا تھا کہ آواز تو اصلی ہے مگر پہلے سے بلند ہو کر سنائی دیتی ہے سائنسدانوں کے اس اختلاف کی وجہ سے علمائے کرام کے درمیان بھی اختلاف ہو گیا کسی نے کہا لاؤڈ اسپیکر سے مسموع آواز پر اقتدا درست ہے، نماز صحیح ہو گی جیسے مبلغ اسلام حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، کسی نے جائز خلاف اولیٰ کہا جیسے حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ، کسی نے مکروہ کہا جیسے حضرت مفتی احمد یار خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ، کسی نے فاسد بتایا جیسے حضرت مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ۔

اس مسئلے کی نزاکت کا اندازہ آپ اس سے لگائیں کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ "آپ یہاں موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی میں زیادہ پائیے گا۔"

اس سے حضرت کی شانِ تفقہ عیاں ہوتی ہے لیکن ایسے جلیل القدر فقیہ کو بھی اس مسئلے میں فکری انقلاب

سے دوچار ہونا پڑا، آپ کے اس سلسلے میں دو متضاد فتوے ہیں ایک میں نماز کو جائز کہا ہے اور ایک میں فاسد۔ پھر ان دونوں میں کون مقدم ہے اور کون متاخر، یہ بھی مختلف فیہ ہے۔

حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے فقہ کا مقام یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے آپ کو پورے ہندوستان کا قاضی مقرر فرمایا تھا لیکن خود آپ کے فتووں میں بھی اختلاف تھا، ایک روایت کے مطابق آپ کا پہلا فتویٰ جواز کا تھا، دوسرا عدم جواز کا۔ اور ایک روایت کے مطابق آپ نے ابتداءً یہ فتویٰ صادر فرمایا تھا کہ۔ لاؤڈ اسپیکر سے مسموع آواز اگر بولنے والے کی ہے تو اس پر اقتدا صحیح ہے اور اگر اس کی آواز نہیں تو اقتدا صحیح نہیں۔

حضرت حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک فتوے میں تحریر فرمایا کہ مجھے اس کی تحقیق نہیں احتیاط احتراز میں ہے۔

حضرت مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ نے تردد پر مبنی دلیل کے پیش نظر ناجائز فرما کر یہ تمنا ظاہر کی لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا۔

مزید اس کی نزاکت کا اندازہ کرنا ہو تو حضرت محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ پڑھئے۔ فرماتے ہیں:

• "ہمارے اکابر علما نے نماز میں اس (لاؤڈ اسپیکر) کے لگانے کو پسند نہیں کیا۔ ☆ بلکہ بعض علما نے صراحۃً فرمایا کہ اس کا نماز میں لگانا درست نہیں۔ ☆ اور بعض نے فرمایا مفسد نماز ہے۔ ☆ بعض نے فرمایا ہر گز نہ لگایا جائے ☆ بعض نے فرمایا اس کا نماز میں لگانا بدعت سیئہ ہے۔ ☆ اور بعض نے فرمایا کہ نماز تو نماز، اذان و خطبہ میں بھی اس کا استعمال نہ کیا جائے۔ ان وجوہ کی بنا پر احتیاط اسی میں ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کا نماز میں ہر گز استعمال نہ کیا جائے۔

(ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ پاکستان ص ۱۲، شمارہ شعبان ۱۴۱۵ھ بحوالہ انوار شریعت)

ان حقائق سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ مسئلہ علمائے کرام کے لیے بڑا ہی غامض و دقیق مسئلہ بن گیا تھا، اسی لیے ان کے مابین اس کے حکم شرعی کے سلسلے میں طرح طرح سے اختلافات رونما ہوئے۔ ایسے مسئلے میں کوئی قول محقق و منقح پیش کرنا یقیناً بڑی بات ہے۔ حضرت نائب مفتیٔ اعظم ہند دام ظلہ العالی بھی اس مسئلے کی تحقیق و تنقیح کے سلسلے میں کچھ دنوں تک پریشان رہے پھر بار بار غور و خوض کے نتیجے میں ایک محکم رائے پر جم گئے آپ کا یہ غور و خوض متعارض دلائل میں تطبیق اور حکم شرعی کے استنباط کا نمونہ ہے۔ آپ اس مسئلہ غامضہ کی تحقیق کی راہ میں کن مراحل سے گزرے اسے خود آپ کی ہی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں:

"ابتدا میں بہت سے علما نے لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو صدائے بازگشت مان کر فساد نماز کا حکم دیا تھا، دلیل یہ تھی کہ صدائے بازگشت سے آیت سجدہ سن کر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا، جس کی علت غنیہ میں یہ بیان فرمائی" لانہا مُحاکاۃ لیست بقراءۃِ۔

لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آتا تھا کہ یہ صدائے بازگشت ہے اس سلسلے میں پاکستان کے کچھ حضرات نے بہت سے ماہرین صوتیات سے استفسار کیا تھا جس میں یورپ کے بھی بہت سے ماہرین تھے، ان لوگوں نے یہ بتایا تھا کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز متکلم کی آواز نہیں، لاؤڈ اسپیکر کی مشین متکلم کی آواز سے دھکا کھا کر اسی کے مماثل دوسری آواز پیدا کرتی ہے مگر یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

پھر پاکستان کے کچھ لوگوں نے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں بہت سے ماہرین صوتیات کی یہ تحقیق درج تھی کہ "وہ عین آواز متکلم ہے جس کو ایمپلی فائر قوی کر کے باہر پھینکتا ہے۔" یہ بات مجھے لگتی معلوم ہوتی تھی۔

اس وقت تک "الکشف شافیا" کا مطالعہ میں نے نہیں کیا تھا، پھر جب الکشف شافیا کا مطالعہ کیا تو دوسرے قول کی تائید اس سے نکلی کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گراموفون کی آواز کو عین آواز متکلم مانا ہے اور صدائے بازگشت کو بھی۔

پھر میں متردد رہا کہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز صحیح ہے، یا نہیں؟ پاکستان کے بہت سے علما جواز کے قائل تھے۔ اور ہندوستان کے بھی کچھ علما خصوصا مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف کے کچھ مدرسین بھی جواز کے قائل تھے۔

ان کا استدلال یہ تھا کہ۔ یہ صدائے بازگشت ہے اور صدائے بازگشت کو اعلیٰ حضرت نے عین آواز متکلم مانا ہے تو پھر نماز کے فاسد ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس لیے کہ مقتدیوں کی تحریمہ صحیح ہے اور نماز ان کی صحیح طور پر شروع ہوئی ہے۔

بہت غور و خوض کے بعد ان سب کا حل میں نے یہ نکالا کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز صدائے بازگشت ہرگز نہیں۔ صدائے بازگشت کے لیے ضروری ہے کہ آواز کسی چیز سے ٹکرا کر واپس ہو اور لاؤڈ اسپیکر میں آواز پلٹتی نہیں بلکہ لاؤڈ اسپیکر آواز کو پورے طور پر اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور ایمپلی فائر اس میں اپنی پوری قوت سے اثر ڈال کر ہارن کی طرف پھینکتا ہے، لیکن صدائے بازگشت میں بربنائے اختلاف اقوال دو صورتوں میں سے ایک ہوتی ہے۔

اوّل : یہ کہ متکلم کی آواز ٹکرا کر ختم ہو جاتی ہے اور ٹکرانے کے بعد نیا صوتی سلسلہ تموج پیدا ہوتا ہے۔

دوسرے : یہ کہ آواز ٹکرا کر کچھ دیر ساکن ہو کر پلٹتی ہے اور خارج کی قوت اس میں اثر انداز ہو جاتی ہے تو اس کا حکم من کلّ الوجوہ عین آواز متکلم کا نہیں اور حسبِ تصریح صاحبِ غنیۃ و دیگر فقہا محاکات ہے، قرأت نہیں۔ تو جب لاؤڈ اسپیکر میں بہ نسبت صدائے بازگشت کے خارج کا اثر کئی گنا زیادہ ہے۔ کیونکہ متکلم کا سلسلہ تموج مائکروفون پر جا کر ختم ہو گیا، اور آواز بجلی کے حوالہ ہو گئی، بجلی نے ایمپلی فائر میں پہونچایا، ایمپلی فائر نے اپنی قوت بھر اس میں اثر ڈالا، جس سے وہ قوی ہوئی، اس کے بعد اس کو ہارن تک پہونچایا، اور ہارن نے پھر اس کو ہوا میں پہونچا دیا۔

غرضیکہ صدائے بازگشت میں آواز کا محل ہوا ہی رہی اور یہاں محل تین درجے تک بدل گیا۔ تو اس کو

بدرجہ اولیٰ محاکات ہونا چاہئیے، اور قرأت نہیں ہونا چاہئیے، اور اس پر اقتدا سے نماز فاسد ہونی چاہئیے۔

رہ گئی یہ بات کہ۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تحقیق یہ ہے کہ عین آواز متکلم ہے۔ اور فقہانے فرمایا کہ یہ محاکات ہے، قرأت نہیں...... ان دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ وہ حقیقۃً عین آواز متکلم ہے اور حکماً محاکات" انتھی۔

اس تفصیل سے یہ عیاں ہو کر سامنے آیا کہ مسئلہ لاؤڈاسپیکر بڑا دقیق و غامض مسئلہ ہے جس میں فقہائے کرام کے درمیان شدید اختلاف ہے اور یہ بھی کہ اس طرح کے مسئلے میں تحقیق و تنقیح کیسے کی جانی چاہئیے حضرت دام ظلہ العالی نے غور و فکر کے جو مراحل بیان کئے ہیں ان سے آپ کی دقت نظر، حسن تفحص اور قدرتِ استنباط کا اندازہ ہوتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ نو پیدا مسئلے میں کامل تحقیق کے بعد ہی حکم صادر کرنا چاہئیے۔ اس تحقیق کے بعد حضرت نے لاؤڈاسپیکر پر نماز کے عدم جواز کے کثیر فتاویٰ صادر کیے جو فتاویٰ شریفیہ میں کثیر مقامات پر ابھی تک بکھرے ہوئے ہیں۔

انجکشن مفسد صوم ہے یا نہیں : اس سلسلے میں خود فرماتے ہیں :

بلرام پور میں زمانۂ قیام کے دوران انجکشن کے مفسد صوم نہ ہونے کے بارے میں ایک فتویٰ لکھا تھا۔

ہمارے علما کا یہ فتویٰ ہے کہ انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، البتہ روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا مکروہ ہے مگر اسکی توجیہ و تفصیل کسی صاحب نے نہیں کی تھی، میں نے اس کو بہت تفصیل سے لکھا جو پہلے "المیزان" پھر "پاسبان" میں چھپا۔

اس کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ مطلقاً دوا یا غذا یا پانی کا جسم میں جانا مفسدِ صوم نہیں، ہر شخص جانتا ہے کہ آدمی جب نہاتا ہے تو مسامات کے ذریعہ پانی جسم میں داخل ہوتا ہے۔ فقہانے تصریح فرمائی ہے کہ۔ "سر کے زخم میں دوا ڈالی اور وہ دماغ تک نہیں پہونچی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔" مدار کار اس پر ہے کہ دوا کسی منفذ کے ذریعہ پیٹ یا دماغ تک پہونچے، اور جو دوا یا غذا مسامات کے ذریعہ پہونچے وہ مُفسدِ نہیں۔

پھر علم تشریح کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ انجکشن خواہ گوشت کا ہو یا رگ کا۔ دماغ یا پیٹ تک منفذ کے ذریعہ نہیں پہونچتا، بلکہ درمیان میں مسامات حائل ہو جاتے ہیں۔ گوشت کے انجکشن میں تو ظاہر ہے کہ دوا مسامات ہی میں داخل ہوتی ہے۔ رگ کے انجکشن میں بظاہر ایسا ضرور ہے کہ ابتداءً دوا رگ میں داخل ہوئی جو یقیناً منفذ ہے لیکن پیٹ یا دماغ تک پہونچنے میں مسامات حائل ہو جاتے ہیں اور ذریعہ صرف مسامات ہی رہ جاتے ہیں اس لیے انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

کراہت کا سبب یہ ہے کہ انجکشن کی ہر دوا میں اسپرٹ یا الکحل ہوتی ہے، جو شراب ہے روزہ کی حالت میں

جسم کے اندر شراب داخل کرنا یقیناً مکروہ ہے۔

پھول کا سہرا پہننا جائز، یا ناجائز؟

ایک شادی کے سلسلے میں مندرجہ ذیل مسئلہ در پیش ہے ازراہِ کرم جوابِ استفتا بحوالہ سند وضاحت کے ساتھ مرحمت فرمائیں تو بندہ شکر گزار ہوگا۔ زید کی لڑکی ہے اور عمر کا لڑکا، زید کہتا ہے کہ پھول کا سہرا و مقنہ سر پر باندھ کر نوشہ نہ آوے کیونکہ یہ ناجائز و حرام ہے اور بدعت ہے البتہ اگر پھول کا سہرا ہاتھ میں ہو تو حرج نہیں۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا سر پر پھول کا سہرا باندھنا ناجائز و حرام اور بدعت ہے یا نہیں، مقنہ کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب...... خالص پھول کا سہرا بلاشبہ جائز ہے خواہ سر پر باندھے گلے میں لٹکائے ہاتھ میں رکھیں یہ رسوم دنیویہ میں سے ایک رسم ہے جس کی ممانعت شریعت مطہر سے ثابت نہیں تو مثل اور تمام عادات و رسوم مباح کے مباح رہے گا شرع شریف کا قاعدہ کلیہ ہے کہ جس چیز کو مولیٰ عزوجل اور اسکے رسول اچھا بتائیں وہ اچھی چیز ہے اور جسے برا فرمائیں وہ بری ہے جس سے سکوت فرمائیں وہ اباحتِ اصلیہ پر ہے کہ اسکے فعل و ترک میں نہ ثواب نہ عقاب۔ حدیث میں ہے۔ ماسکت عنه فهو معفو عنه ہدایہ میں ہے الاباحة اصل علامہ شامی نے تحریر سے نقل فرمایا المختار بان الاصل الاباحة اس قاعدۂ کلیہ کے تحت جو اسے ناجائز و حرام بتاتا ہے وہ اس کی دلیل لائے اسکو جائز کہنے والا اصل کے ساتھ متمسک ہے اگر چیزوں کے حلال ہونے کیلئے نص شرعی درکار ہے تو زمانۂ حال کے بہت سے کھانے، پینے، کپڑے سامان کے مباح ہونے پر کون سی نص ہے پھول کے سہرے کو ناجائز بتانے والے شیروانی، چوڑے پانچہ کے پائجامہ وغیرہ کے جواز پر دلیل لائیں یا اپنی عادت کے مطابق ان کو بھی ناجائز کہیں شادی کے موقعہ پر زیب و زینت زمانۂ رسالت سے مروّج ہے پھولوں کا سہرا بھی زینت ہی ہے اور ایسی زینت جو شارع علیہ السلام کو بھی محبوب و مرغوب ہے۔ حدیث میں ہے حبب الی من دنیاکم النساء والطیب وجعلت قرة عینی فی الصلوٰة دوسری حدیث میں ہے من عرض علیه ریحان فلا یرده فانه خفیف المحمل وطیب الریح . دوسری حدیث میں ہے ان النبی صلی الله علیه وسلم کان لایرد الطیب ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خوشبو محبوب تھی۔ جسمیں پھول بھی داخل ہے اور حضور ﷺ نے پھول رد کرنے سے منع فرمایا ہے اور عادت کریمہ بھی یہی تھی کہ اگر کوئی پھول پیش کرتا ہو تو رد نہ فرماتے اس اطلاق میں شادی کے موقع پر سہرے کا پھول بھی داخل ہے سہرے میں یہی بات تو زائد ہے کہ اسے دھاگے میں پرو لیا جاتا ہے دھاگے میں پرونے کی وجہ سے حرمت کہاں سے ٹپک پڑی ہاں وہ سہرا جسمیں نگی ہونا جائز ہے۔ کیونکہ نگی کا سہرا اور پھول غیر مسلموں کا شعار ہے اسمیں ان کے ساتھ تشبہ ہے اسلئے ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۲ (بیاض فتاویٰ شریفیہ ص ۳۵)

حالاتِ زمانہ کی رعایت

شریعت کے بہت سے احکام ایسے ہیں جو حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے فتاویٰ رضویہ جلد اوّل میں اس تبدیلی کے محرکات میں چھ اسباب کو شمار کیا ہے جو یہ ہیں :

ضرورت، عرف، تعامل، حرج، دینی ضروری مصلحت کی تحصیل، فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ۔

(رسالہ اجلی الاعلام)

"حرج کے عموم میں حاجت و عموم بلویٰ بھی داخل ہے۔

حضرت کے فتاویٰ میں ایسے کثیر فتاویٰ ہیں جن میں اسباب ستہ کی بنا پر احکام میں تبدیلی کی گئی ہے۔ چند نظائر ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مانع حمل تدابیر : عام حالات میں حمل ضائع کرنا، کرانا جائز نہیں، لیکن آپ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں :

"ضرورت شرعیہ کے وقت حمل ضائع کرایا جاسکتا ہے۔ ضرورت شرعیہ کی تفصیل یہ ہے کہ حمل سے حاملہ کی جان جانے کا ظن غالب ہے، یا ایسا بیمار پڑ جانے کا اندیشہ ہے کہ ازالہ مرض دشوار ہو، وبس۔

چونکہ اس پر تجربہ شاہد ہے کہ کسی جگہ کا تین بار سے زائد آپریشن نہیں ہو سکتا اس لیے اگر ایسی کوئی عورت ہو جسے بغیر آپریشن کے بچہ نہ پیدا ہوتا ہو تو وہ عورت یا اس کا شوہر مانع حمل تدابیر اختیار کر سکتا ہے حتی کہ اگر حمل رہ جائے تو اسقاط بھی کرا سکتا ہے۔

اسی طرح جو عورتیں بہت کمزور ہوں کہ ایام حمل میں بالکل ہی از کار رفتہ ہو جایا کرتی ہوں، یا فرائض و واجبات کی ادائیگی نہ کر پاتی ہوں تو ان کے لیے بھی اس کی اجازت ہے۔" (رجسٹر فتاویٰ شریفیہ ص ۸۱۳ الف[۴])

۲۔ دیہات میں جمعہ کا قیام : ظاہر الروایہ میں ہے کہ جمعہ صحیح ہونے کے لیے اسلامی شہر ہونا شرط ہے اور شہر سے مراد وہی آبادی ہے جو آج بھی عرف عام میں شہر سمجھی جاتی ہے۔ البتہ شرعی نقطۂ نظر سے اس کے شہر ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہاں کوئی حاکم بھی رہتا ہو جو فصل مقدمات پر قادر ہو۔ اسی پر عرصۂ دراز سے فقہائے کرام فتاویٰ صادر کرتے رہے اور ساتھ ہی اس پر عمل پیرا رہے حتی کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے کثیر فتاویٰ بھی اسی روایت پر مبنی ہیں لیکن آج کے زمانے میں دیہاتوں میں قیام جمعہ اور اس میں عوام و خواص کے ابتلائے عام کی وجہ سے آپ نے نادر الروایہ پر فتویٰ دیا جس کے مطابق ہمارے عرف کے لحاظ سے کثیر دیہاتوں میں جمعہ صحیح ہے، آپ کے ایسے فتاویٰ کثیر ہیں جو ایک زمانے سے جاری ہو رہے ہیں۔

۳۔ انگریزی لباس میں نماز : قاضی ریاض عالم نے گجرات سے یہ سوال بھیجا کہ :

"اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انگریزی لباس میں نماز کو مکروہ کہا ہے آج کل عام طور سے یہاں گجرات میں پینٹ، شرٹ پہنا جاتا ہے، پینٹ کے انگریزی لباس ہونے میں تو شک نہیں، لیکن اکثر آدمی پائجامہ یا لنگی کے ساتھ شرٹ پہن کر نماز پڑھتے ہیں اور مکروہ نہیں جانتے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مروجہ شرٹ انگریزی لباس ہے یا نہیں، اسے پہن کر نماز مکروہ ہوگی یا نہیں، اگر مکروہ ہوگی تو تحریمی یا تنزیہی۔"

اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں :

"مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے جب یہ فتویٰ دیا تھا اُس وقت انگریزی لباس کا حکم یہی تھا کہ اسے پہننا جائز نہیں تھا، اس لیے اسے پہن کر نماز مکروہ تحریمی ہوتی تھی، اس لیے کہ اس وقت وہ لباس انگریزوں کا شعار تھا، ہندوستان میں وہی لوگ اسے پہنتے تھے جو انگریزیت زدہ تھے۔ مسلمان اسے پہننا سخت معیوب جانتے تھے اور اب یہ بات نہیں، انگریز یہاں سے چلے گئے اور یہ لباس ہر طبقے کے ہندوستانی پہننے لگے، حتی کہ چپراسی اور بھنگی تک، اب یہ انگریز یا کسی کافر قوم کا شعار نہ رہا، سب کا لباس ہو گیا اس لیے اسے پہننا جائز و گناہ نہیں، اور اسے پہن کر نماز پڑھنا گناہ نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ مسلمانوں کو اس لباس سے احتراز کرنا چاہیے کہ اب بھی یہ صالحین کا لباس نہیں مگر اسے پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔" (رجسٹر فتاویٰ شریفیہ ص ۶۶۲ الف)

اس فتوے کی اہمیت کا اندازہ آپ کو یوں ہوگا کہ دو سال پہلے ایک مولانا صاحب نے مبارکپور اور گورکھپور وغیرہ میں فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے یہی مسئلہ بیان کر دیا اور لوگوں میں کھلبلی مچ گئی کہ کثیر مسلمان جو پینٹ شرٹ میں نماز پڑھتے ہیں ان سب کی نمازیں اب تک مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہوتی رہیں۔ حوالہ مولانا نے صحیح دیا تھا مگر مسئلہ غلط بتا دیا تھا کیونکہ جس علت کی بنیاد پر اعلیٰ حضرت نے وہ مسئلہ تحریر فرمایا تھا آج کے زمانے میں وہ علت مفقود ہو چکی ہے پھر وہ حکم دینا کیونکر صحیح ہوگا، ایسی صورت میں مسلمانوں کا اضطراب ایک فطری امر تھا اسی لئے رسم المفتی کے آداب سے فقہا نے یہ بات بھی بیان فرمائی کہ مفتی کو اہل زمانہ کے حال اور عرف سے باخبر ہونا چاہیے اور جو عرف و حال سے بے خبر رہ کر فتوے دے وہ جاہل ہے "مَن لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل"۔ حضرت دام ظلہ العالی کا یہ فتویٰ اہل زمانہ کے حال سے واقفیت کا کھلا آئینہ دار ہے۔

۴۔ الکحل آمیز دواؤں کا استعمال : الکحل شراب ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں لیکن بوجہ عموم بلویٰ آپ نے تقریباً ۱۳ رسال پہلے اس کے جواز کا فتویٰ دیا، پھر یہ مسئلہ مجلس شرعی میں زیر بحث آیا اور باتفاق یہی فیصلہ یہاں سے بھی صادر ہوا۔

بدمذہبوں کے دلائل پر گرفت : بدمذہب اپنے موقف کے ثبوت میں جو دلائل پیش کرتے ہیں کبھی کبھی وہ انھیں بہت قوی اور لاجواب سمجھ کر اہل سنت و جماعت کے دارالافتا میں بھیجتے ہیں تاکہ دھونس جما سکیں۔ حضرت نائب مفتی اعظم دام ظلہ العالی کی خدمت میں بھی ایسے بہت سے سوالات آئے، آپ نے ان کے دلائل پر جو گرفت فرمائی وہ قابل ستائش ہے، اس کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

(ا۔۲) آپ سے سوال ہوا :

"غیر مقلدین۔ مولوی محمد صادق سیالکوٹی اور مولوی ثناءاللہ امرتسری اور اپنے دوسرے علما کے حوالہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ "نماز تراویح" اور "قیام اللیل" یعنی تہجد دراصل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں............ تہجد مع وتر رمضان میں نماز تراویح بن گئی۔

قیام اللیل باجماعت مسجد میں منسوخ ہے سوائے تین دن کے۔"

اس کے جواب میں آپ ارقام فرماتے ہیں :

"یہ غیر مقلدین کی زبردستی ہے کہ نماز تراویح اور تہجد کو ایک ہی چیز بتاتے ہیں، تراویح کے لیے حدیث میں "مَن قَامَ رَمَضَانَ" کا لفظ آیا ہے "مَن قَامَ اللَّيْلَ فِي رَمَضان" نہیں آیا ہے۔ یعنی یہ آیا ہے کہ :

"جو رمضان میں قیام کرے"............ یہ نہیں آیا ہے کہ :

"جو رمضان میں قیام لیل کرے"............ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قیامِ رمضان (تراویح) الگ چیز ہے اور قیامِ لیل الگ چیز۔

اور یہ کہنا کہ۔ اس کا باجماعت مسجد میں پڑھنا منسوخ ہے۔ پہلے سے بھی بڑی زبردستی ہے۔

حضور علیہ السلام نے تین دن کے بعد جماعت کے ساتھ تراویح ترک کرنے کی وجہ خود ارشاد فرمائی "خشیت أن يفترض عليكم" میں باہر (جماعت تراویح کے لیے) اس اندیشے سے نہیں نکلا کہ کہیں تم پر فرض نہ کر دی جائے۔ تو اس اندیشے سے ترک (جماعت) کہ کہیں فرض نہ ہو جائے دلیلِ نسخ نہیں البتہ جماعت کی تاکید میں تخفیف کی دلیل ہے ورنہ لازم آئے گا کہ خلفاے ثلثہ۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی۔ اور تمام صحابہ کرام منسوخ کو رائج کر کے گمراہ ہوئے۔ (رجسٹر فتاویٰ شریفیہ ص ۱۹۳ الف)

مولوی ثناء اللہ وغیرہ نے قیام اللیل اور تراویح کو ایک قرار دے کر اپنے عوام کے قلوب پر "اجتہاد" کا جو سکہ جمایا تھا اسے حضرت نائب مفتیٔ اعظم نے "قام اللیل" اور "قام رمضان" کے فرق کو واضح کر کے ھباءً منثورا بنادیا جس سے غیر مقلدوں کے دعویٔ اجتہاد کی حیثیت بھی عیاں ہو گئی۔ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے تین روز تراویح کی جماعت قائم فرمائی، پھر اس کے فرض ہو جانے کے اندیشہ سے ترک فرمادیا اس کو مجتہدان جدید نے دلیل نسخ قرار دیا، حضرت نائب مفتیٔ اعظم نے اپنی مختصر سی گرفت سے یہاں بھی ان کے اجتہاد کی عمارت مسمار فرمادی۔ گرفت کا حاصل یہ ہے کہ حضرات خلفائے ثلثہ اور حضرات صحابۂ کرام نے جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھی حالانکہ منسوخ پر عمل ناجائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا ترکِ جماعت دلیل نسخ نہیں، بلکہ دلیلِ تخفیف ہے۔

۳۔ غیر مقلدین کے پاس ۸ رکعت تراویح کو ثابت کرنے کے لیے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث چوٹی کی حیثیت رکھتی ہے جس کو وہ یوں پیش کرتے ہیں کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ رمضان شریف اور غیر رمضان میں ۱۱ رکعت پڑھتے تھے۔ یعنی حضور نے یہی ۱۱ رکعتیں تہجد (جس میں تین رکعت وتر شامل ہیں) تراویح کے نام سے رمضان میں صرف تین دن (جماعت سے) پڑھائی۔

دوسری حدیث یہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نے ہم کو رمضان میں ۸ رکعت تراویح پڑھائی پھر وتر۔ (ابن خزیمہ وابن حبان)

اس کے بعد حضرت جابر کی ایک حدیث اور منقول ہے۔

(تلخیص از صلاۃ الرسول۔ و۔ اہل حدیث کا مذہب)

اس کے جواب میں حضرت نائب مفتیٔ اعظم فرماتے ہیں:

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث تراویح کے بارے میں ہے ہی نہیں، وہ تو تہجد کے بارے میں ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "ما کان یزیدُ فی رمضانَ ولا فی غیر ھا علیٰ إحدی عشرة رکعة" حضور اقدس ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں ۱۱ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

کیا تراویح رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں بھی پڑھی جاتی ہے؟

علاوہ ازیں حضور اقدس ﷺ کچھ دیر سونے کے بعد یہ نمازیں پڑھتے تھے، اسی حدیث کے اخیر میں ہے: أتنام، قبل أن توتر؟ کیا وتر پڑھنے سے پہلے حضور سو جاتے ہیں؟ غیر مقلدین کو خود تسلیم ہے کہ سونے کے بعد جو نماز پڑھی جائے وہ تہجد ہے، یہ ان لوگوں کا عمل بالحدیث ہے کہ عبادت سے جان بچانے کے لیے احادیث میں تحریف

معنوی کرتے ہیں۔

پھر غیر مقلدین سے پوچھئے کہ۔ اس حدیث میں تصریح ہے کہ حضور اقدس ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے: ثُمَّ یُصَلِّی ثَلٰثًا ــــــــ پھر تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

تو غیر مقلدین اگر اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں تو وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہیں؟

پھر اگر حدیث نماز تراویح کے بارے میں ہے اور حضرت عمر نے آٹھ کے بجائے بیس ۲۰ رکعت پڑھنے کا حکم دیا تو حضرت اُمّ المومنین نے اعتراض کیوں نہیں کیا، ان کے حجرۂ مبارکہ کے متصل بیس رکعت تراویح ان کی زندگی بھر ہوتی رہی اور وہ خاموش رہیں، کیا یہ کسی مسلمان کے سمجھ میں آنے کی بات ہے؟ ان کا حال تو یہ تھا کہ ذرا بھی کوئی بات خلاف دیکھتے تو تنبیہ فرماتے، احادیث میں اس کے متعدد قصے موجود ہیں۔

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ تراویح میں جماعت منسوخ ہے۔ اور حضرت ام المومنین باجماعت تراویح پڑھا کرتی تھیں، مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ ام المومنین نے ایک کو غلام کو مُدبّر بنایا، رمضان میں وہ ان کی امامت کرتا، یہ بخاری میں بھی ہے۔

کتاب الآثار میں حضرت امام محمد نے روایت کیا کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عورتوں کی امامت فرماتیں اور ان کے بیچ میں کھڑی ہوتیں۔

رہ گئیں حضرت جابر کی دونوں حدیثیں۔ ان دونوں حدیثوں پر ہمیں یہی کہنا ہے کہ اگر یہ دونوں حدیثیں تراویح ہی کے بارے میں ہے تو حضرت جابر نے اس وقت اعتراض کیوں نہیں کیا جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس رکعت تراویح پڑھنے کا حکم دیا، کتنے حیرت کی بات ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ میں ہی رہتے تھے، ان کی موجودگی میں برسہا برس بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھی گئی اور انھوں نے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا، یہ قرینہ ہے کہ یہ رکعتیں تراویح کے بارے میں نہیں۔

پھر سب سے حیرت ناک معاملہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ اس روایت کے بموجب حضور اقدس ﷺ کے عہد میں آٹھ رکعت تراویح پڑھائی، اور خود انہیں کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا، وہ چپ چاپ زندگی بھر بیس رکعت تراویح پڑھاتے رہے، ایک بار بھی یہ نہیں کہا میں حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں آٹھ رکعت پڑھایا کرتا تھا۔ کیا کسی عاقل کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ صحابی رسول ایسی مداہنت کریں گے۔؟ (رجسٹر فتاویٰ شریفیہ ص ۱۹۳ الف [۸])

حضرت شارح بخاری دام ظلہ العالی کی ان تنقیدات و مواخذات سے یہ بات عیاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ غیر مقلدین حدیث پڑھتے ہیں مگر سمجھتے نہیں، پھر بھی ہیں مجتہد۔

۴۔ شاستری نگر جے پور کے ایک صاحب نے یہ سوال کیا

وعن جابر بن سمرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان بلا لا كان يرقب خروج النبى صلى الله عليه وسلم فاول مايراه يشرع فى الإقامة قبل أن يراه غالب الناس ثم إذا رأوه قاموا فلا يقوم فى مقامه حتى تعتدل صفوفهم قلت ويشهدلهٗ مارواه عبدالرزاق عن بن جريح عن ابن شهاب ان الناس كانوا ساعة يقول الموذن الله اكبر يقومون الىٰ الصلوٰة فلا ياتى النبى صلى الله عليه وسلم مقامه حى تعتدل الصفوف ٥١ (بذل المجهود شرح ابوداؤد ج١ص٣٠٧)

(ترجمہ) بیشک بلال انتظار کرتے تھے نبی علیہ کے نکلنے کا لہذا جیسے ہی حضور کو دیکھتے اقامت شروع کر دیتے ہیں اس سے پہلے کہ اکثر لوگ آپ کو دیکھتے جب لوگ حضور کو دیکھ لیتے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضور اپنے مقام (مصلیٰ) پر نہیں کھڑے ہوتے یہاں تک کہ ان کی صفیں سیدھی کر دی جاتیں اور اس کی شہادت اس سے بھی ہوتی ہے جیسے عبدالرزاق نے ابن جریح سے انھوں نے شہاب سے نقل کی ہے کہ لوگ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن اللہ اکبر کہتا تھا نماز کے لیے پس نہیں آتے تھے نبی علیہ اپنے مقام پر (مصلے) یہاں تک کہ صفیں سیدھی کر دی جاتی تھیں"

حضرت انس ابن مالک نے روایت بیان کی کہ حضور علیہ نے فرمایا کہ "جس نے میرے حکم سے اور فرمان سے انکار کیا وہ میرا نہیں۔" (میرا امتی نہیں) بخاری شریف ج۲ص۷۵۷

اس کا جواب آپ نے تحریر فرمایا

پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے حضرت جابر بن سمرہ کی حدیث نقل کرنے میں فحش غلطی کی ہے آپ نے لکھا ہے عن جابر بن سمرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان بلالا كان يرقب (الحدیث) یہ حدیث مسلم شریف کی ہے اس میں بھی "قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" نہیں۔ اور بذل المجہود میں بھی نہیں۔ اس میں معنوی سقم یہ ہوا کہ ان بلالا کان یرقب پوری حدیث حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے آپ نے قال قال رسول اللہ کہہ کر حضور اقدس علیہ کا قول بنادیا جس سے حدیث کا پورا مضمون خبط ہو گیا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ آپ میں بددیانتی بھی ہے کہ جو رسول اللہ علیہ کا ارشاد نہیں ہے اسے رسول اللہ علیہ کا ارشاد بنا دیا جس کی وجہ سے آپ نے اپنا ٹھکانہ جہنم بنالیا جیسا کہ حدیث متواتر میں ہے۔

"من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار" یہ بددیانتی اور جہالت اسکے باوجود مجتہد بن کر

حدیث سے حکم شرعی نکالنے بیٹھ گئے۔

۵۔ قیامت کے دن زمین سے آفتاب کی دوری

الملفوظ حصہ چہارم ص ۵۷ میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا یہ ارشاد منقول ہے :

"آفتاب قیامت کے دن سوا میل پر آجائے گا"

اس پر مغربی بنگال کے ایک دیوبندی عالم نے یہ اعتراض کیا کہ حدیث میں "ایک میل" ہے، پھر اعلیٰ حضرت نے "سوا میل" کیوں تحریر کیا؟

مولانا غلام صمدانی، مرشد آباد، بنگال نے یہ اعتراض نقل کر کے حضرت کی خدمت میں بھیجا، اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اس دیوبندی عالم نے اسے چیلنج کیا ہے۔ حضرت نائب مفتیٔ اعظم ہند دام ظلہ العالی نے اپنے جواب میں پہلے یہ بتایا کہ اس باب میں روایات مختلف ہیں، پھر میل کی تشریح میں بھی کثیر اختلاف ہے اس کے بعد آپ نے دیوبندی مولوی کی اُس دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھا جہاں سے اس کے دماغ میں اعتراض کا یہ سودا سمایا تھا، آپ یہ بحث اب حضرت کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں :

"اس بارے میں روایات مختلف ہیں، مسلم شریف اور مسند امام احمد بن حنبل جلد پنجم میں "قدرَ میلٍ" ہے اور ترمذی و مسند امام احمد جلد ششم میں "قدرِ میل، اَو میلَین" ہے، اخیر کی دونوں کتابوں کی روایتوں میں بلاشک "قدرَ میل" فرمایا، یا دو ۲ میل اور پہلی روایتوں میں بلاشک "قدر میل" ہے کہ سورج قیامت کے دن ایک میل کی مقدار پر ہوگا۔

حدیث میں اس "میل" سے مراد وہ میل ہے جو اُس عہد میں رائج تھا، یہ میل کتنا بڑا تھا اس میں روایات مختلف آئی ہیں۔"

اس کے بعد حضرت نے میل کی مقدار کے سلسلے میں علمائے اسلام کے آٹھ اقوال نقل فرمائے ہیں، پھر نواں ۹ قول جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا مختار ہے ان الفاظ میں بیان فرمایا :

"امام ابن الہمام نے فتح القدیر میں فرمایا کہ میل چار ۴۰۰۰ ہزار ہاتھ کا ہے اور ہر ہاتھ ۲۴ انگل، اور ہر انگل چھ ۶ جو کے برابر، اور ہر جو خچر کے چھ بال کے برابر۔ یہ مقدار چھتیس انچ کے انگریزی گز سے نصف گز ہے، اس کا حاصل یہ ہوا کہ شرعی میل انگریزی گز سے دو ہزار گز کا ہوا، اور یہ میل جو اب رائج ہے سترہ سو ساٹھ ۱۷۶۰ گز کا ہوتا ہے اس کے مطابق شرعی میل موجودہ میل سے تقریباً سوا میل کا ہوگا۔ الملفوظ میں میل سے مراد اِس وقت کا رائج میل ہے، اس میل سے شرعی میل سوا میل کے لگ بھگ ہوا، اس لیے فرمایا کہ "سوا میل کے فاصلہ پر ہوگا" (رجسٹر ص ۶۵۴ الف)

ہے۔ اس کے بعد حضرت نے اس پر دوسری حیثیت سے بحث کی ہے اور دیوبندی مولوی کی اچھی طرح خبر لی ہے۔

اس فتوے کا حاصل یہ ہوا کہ عہد رسالت کے رائج میل کو دیوبندی مولوی نے اس زمانے کا رائج میل سمجھ لیا، کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ شرعی میل جب اس زمانے کے میل سے تقریباً سوا میل ہے تو اس کا ترجمہ اردو زبان میں آج ایک میل کے لفظ سے غلط ہوگا لیکن دیوبندی سمجھ کا کیا علاج۔

(۶) مسجدِ نبوی میں ذکر بالجہر

ایک وہابی مولوی نے ایک رسالہ میں فتاویٰ شامی حصہ پنجم ص ۳۵۰ کا حوالہ دے کر ایک حدیث نقل کی ہے وہ یہ ہے۔ انه حرام لماصح عن ابن مسعود رضی اللّٰه تعالیٰ انه اخرج جماعة من المسجد یهللون و یصلون علی النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم جهرا وقال لهم ما اراکم الامبتدعین ۔ اس حدیث سے وہ مسجد میں صلوٰۃ و سلام بلند آواز سے پڑھنے کو ناجائز لکھتے ہیں لہٰذا عرض یہ ہے کہ اس حدیث کا جواب شارحین حدیث کیا دیتے ہیں وضاحت سے بیان فرمادیں۔

حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی نے اس کا یہ جواب لکھوایا:

ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی میں بلند آواز سے ذکر کرنے والوں کو نکالا ہے مسجد نبوی ہی کے ایک گوشے میں حضور اقدس ﷺ رونق افروز ہیں حضور ﷺ کے مواجہہ میں آواز بلند کرنا مطلقاً منع ہے۔ ارشاد ہے۔ لاترفعوا اَصواتکم فوق صوت النبی ولا تجهر واله بالقول کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون۔ نبی کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو۔ اور ان سے بلند آواز میں بات مت کرو۔ جیسے تم آپس میں بلند آواز سے بات کرتے ہو۔ ورنہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں گے۔ اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی۔ علما نے فرمایا کہ جس طرح حضور اقدس ﷺ کی حیات ظاہری میں حضور کے سامنے آواز بلند کرنا منع ہے اسی طرح بعد وصال بھی حضور اقدس ﷺ کے مواجہہ میں آواز بلند کرنا منع ہے۔ علما نے لکھا ہے حیات ظاہری اور بعد وصال میں کوئی فرق نہیں۔ چونکہ یہ لوگ مسجد نبوی کے اندر حضور اقدس ﷺ کے مواجہہ اقدس میں بلند آواز سے تہلیل اور درود و سلام پڑھ رہے تھے اس لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسجد اقدس سے نکلوالیا۔ اس اندھے وہابی کو یہ تو نظر آیا کہ یہ لوگ درود و سلام پڑھ رہے تھے مگر پہلے کا جملہ نظر نہ آیا کہ اسی حدیث میں ہے۔ یہللونَ۔ یعنی لا الہ الا اللہ پڑھ رہے تھے درود و سلام پڑھنا تو وہابیوں کے نزدیک موت کے برابر ہے کیا کسی وہابی میں یہ ہمت ہے کہ وہ یہ کہدے کہ کلمۂ طیبہ بھی مسجد میں بلند آواز سے پڑھنا ممنوع ہے جب کہ علمانے فرمایا ہے کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے۔

مُسکِت اور الزامی جواب : عصر حاضر کے فرقِ باطلہ علمائے اہل سنّت کے باطل شکن دلائل کی تاب نہ لاکر مسلک حق پر نئے نئے طرز سے اعتراضات کرنے اور حق کی حقانیت کو مشکوک کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے خیال میں اپنے اعتراضات کو لاجواب تصور کرتے ہیں۔ اس طرح کے بہت سے اعتراضات استفتا کی شکل میں غیر مقلدوں، دیوبندیوں اور دوسرے باطل پرستوں نے حضرت نائب مفتیٔ اعظم ہند کی خدمت میں ارسال کیے۔ ان کے اعتراضات بظاہر بہت اہم محسوس ہوتے ہیں لیکن حضرت کا جواب پڑھ کر عیاں ہو جاتا ہے کہ وہ اعتراضات نہایت لچر اور بے محل ہیں اس کے چند نظایر پیش کیے جاتے ہیں۔

ایک غیر مقلد نے آپ سے یہ سوالات کیے :

(۱) "ائمہ اربعہ کا ذکر یا ان کے نام قرآن کی کسی آیت، یا کسی حدیث میں ہے کہ نہیں، اگر ہے تو وہ آیتِ شریفہ یا وہ حدیث شریف لکھ دیجئے۔"

غیر مقلد کی منشا اس سوال سے ہے کہ جواب یقیناً نفی میں ہوگا، تو عوام اہل سنّت کو وہی فتویٰ دکھا کر یوں بہکانا ممکن ہوگا کہ جب ان اماموں کا ذکر قرآن شریف میں نہیں تو ان کی تقلید کیوں کی جاتی ہے اس حیثیت سے یہ سوال بہت خطرناک ہے۔

پھر وہ پوچھتا ہے :

(۲) چاروں خلفا افضل ہیں، یا ائمۂ اربعہ۔؟ اگر چاروں خلفا افضل ہیں تو ان کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی۔ اور چاروں ائمہ کی کیوں کی جاتی ہے؟

اس میں غیر مقلد کی چال یہ ہے کہ جواب یقیناً یہی ہوگا کہ چاروں خلفا افضل ہیں پھر عوام کو یہ باور کرانا آسان ہوگا کہ جب ایسے افضل حضرات قابل تقلید نہیں ہیں تو ائمۂ اربعہ کو قابل تقلید ماننا کیونکر جائز ہوگا کیا اس سے ان کا مقام خلفا کے مقام سے اونچا نہیں ہو جائے گا؟ عوام کو گمراہ کرنے کے لیے یہ حربہ بھی خطرناک ہے۔

پھر وہ یہ سوال قائم کرتا ہے :

(۳) چاروں خلفا کی تقلید منع ہے کہ نہیں۔؟ اگر چاروں خلفا کی تقلید منع ہے تو اماموں کی بھی تقلید منع ہونی چاہیے اور خلفا کی تقلید منع نہیں ہے تو پھر ائمہ کی تقلید کیسے کی گئی؟"

یہ اعتراضات صرف عوام کے لیے پریشان کن نہیں، بلکہ دیوبند کے مدعیان علم و دانش کے لیے بھی پریشان کن ہیں۔ چنانچہ سائل آیۂ کریمہ **لاتلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون** کے ذریعہ ہدایت کر کے لکھتا ہے کہ :

علمائے دین بِلّغوا عَنّی ولو آیۃً کے تحت اپنا فریضہ انجام دیں اور یہ لکھ دینا کہ فلاں فلاں کتاب منگا کر دیکھ

لو مناسب نہیں ہے جیسا کہ دیوبند کے مفتی صاحب نے یہی لکھ کر دامن بچالیا ہے۔ کسی بھی شرعی سوال پر عالم دین کا خاموش رہنا عوام کو گمراہ کرنے کے مترادف ہے۔

غیر مقلد کے اس نوٹ سے ایک طرف تو یہ معلوم ہوا کہ مفتیٔ دیوبند کے لیے یہ سوالات پریشان کن تھے، ساتھ ہی یہ بھی اندازہ ہوا کہ غیر مقلد ان سوالات کو لاینحل سمجھتے تھے، لیکن حضرت شارح بخاری ان سوالات سے قطعاً پریشان نہ ہوئے بلکہ اُن کا تشفی بخش و مُسکِت جواب دیا، جواب گو مختصر ہے لیکن اس سے غیر مقلدیت کی فتنہ گری کی رگ کٹ جاتی ہے اب جواب ملاحظہ فرمائیں، آپ رقمطراز ہیں:

"قرآن مجید میں جس طرح چاروں ائمہ کا نام بنام ذکر نہیں اسی طرح چاروں خلفا میں سے بھی کسی کا نام مذکور نہیں۔

رہ گئیں احادیث، تو احادیث سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ میرے بعد آنے والے ابو بکر و عمر کی اقتدا کرو۔ حضرت عثمان حضرت علی اور حضرت امام حسین کی اقتدا کا حکم کسی حدیث میں نہیں۔

ہاں ایک حدیث میں یہ ہے کہ "خلفائے راشدین کی سنت کی پابندی کرو۔" لیکن یہ خلفائے راشدین کون کون ہیں ان کا نام کسی حدیث میں مذکور نہیں، لامحالہ اس سلسلے میں علما کے قول پر اعتماد ہوگا اور وہ غیر مقلدین کے نزدیک حرام، تو پھر اس کا فیصلہ کیسے ہوگا کہ خلفائے راشدین کون کون ہیں۔

پھر خلفائے راشدین چار پانچ ہیں، ان کے مابین خود بہت سے مسائل میں اختلاف ہے اب ان میں سے کس کی تقلید کی جائے گی؟

اگر غیر مقلدین یہ کہیں کہ ان میں جو سب سے افضل ہیں یعنی حضرت ابو بکر صدیق ان کی تقلید کی جائے...... تو ان سے پوچھئے کہ شریعت کے سارے احکام تو جانے دیجئے کیا نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج ان چاروں فرائض کے سلسلے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاویٰ، ارشادات اتنے مکمل ہیں کہ اُن کے مطابق ان چاروں فرائض کو کماحقہ 'ادا کیا جاسکے۔

صرف انھیں ایک کی بات نہیں چاروں، پانچوں خلفائے راشدین سے مجموعی طور پر ان کے فتاویٰ، ارشادات مکمل طور پر آج موجود نہیں کہ ان کے مطابق کوئی عمل کر سکے۔

پھر اگر یہ ضروری کہ افضل کی تقلید کی جائے تو سوال یہ ہے کہ ائمہ اربعہ افضل ہیں یا آج کل کے غیر مقلد مولوی؟ (رجسٹر فتاویٰ شریفیہ ص ۱۲/۷، الف)

یہ جوابات اس قدر مُسکِت ہیں کہ غیر مقلد دوبارہ پھر کچھ نہ بول سکا۔ اب اس کے بعد اسی غیر مقلد کے چند سوالات پھر ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

(۴) پہلی صدی کے لوگ مقلد تھے یا غیر مقلد؟

اس سوال سے غیر مقلد کا مقصود یہ ہے کہ جب خیر القرون کے لوگ تقلید نہیں کرتے تو ہمیں اسی کی پیروی کرنی چاہیئے۔

حضرت اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"پہلی صدی میں مجتہدین بکثرت تھے، اس صدی میں صحابہ کرام بھی بکثرت باحیات تھے، مجتہدین اپنے اجتہاد پر عمل کرتے تھے، مجتہد کو تقلید جائز نہیں۔ اور اس صدی میں جو لوگ مجتہد نہیں تھے وہ مجتہدین کی تقلید کرتے تھے۔"

غیر مقلد کی آرزو خاک میں مل گئی۔

(۵) "کوئی ایسی کتاب دنیا میں ہے جو امام ابو حنیفہ نے خود لکھا ہو۔؟"

اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا:

"یہ سوال کوئی مشرک، یہودی، عیسائی کر سکتا ہے کہ کیا دنیا میں ایسی کوئی کتاب ہے جو رسول اللہ ﷺ نے خود لکھی ہے؟ اس کا جواب نفی میں ہوگا۔ جو جواب اس کا ہر کلمہ پڑھنے والا دے گا وہی جو اب ہم حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے دیں گے۔

ویسے صحیح یہ ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں ہم اس پر سر دست بحث نہیں کرتے۔

(۶) چاروں خلیفہ مجتہد تھے یا نہیں؟...... اگر مجتہد تھے تو ان کی تقلید کیوں چھوڑی جاتی ہے؟...... جواب یہ ہے:

چاروں خلفاے راشدین مجتہد تھے مگر چونکہ ان کے تمام فتاویٰ و ارشادات محفوظ نہیں رہے، چند ارشادات و فتاویٰ محفوظ رہ سکے اس لیے ان کی تقلید نہیں کی جاتی۔ کیونکہ اس صورت میں مثلاً نماز پڑھنی ہے تو نماز ہی کے کچھ حصہ پر کسی ایک خلیفہ کے قول پر عمل ہوگا، اور جس حصہ میں ان سے کچھ مروی نہیں تو دوسرے خلیفہ کے قول پر عمل ہوگا، بلکہ ایسا بھی کرنا پڑے گا کہ نماز ہی میں کچھ باتیں ایسی ہیں کہ خلفاے راشدین میں سے کسی سے مروی نہیں تو لامحالہ اس میں ان چاروں خلفا کے علاوہ کسی اور صحابی یا تابعی وغیرہ کے قول پر عمل کرنا پڑے گا تو یہ خلفاے راشدین کی تقلید نہ ہوئی۔ پھر خلفاے راشدین کے مابین جن مسائل میں اختلاف ہے وہاں ایک بے پڑھا لکھا انسان کوئی فیصلہ نہ کر پائے گا۔"

(رجسٹر فتاویٰ شریفیہ ص ۱۲۷، الف)

فتویٰ سوال کے مطابق ہونا چاہیئے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس میں اس بات کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ سائل اگر اپنی چالبازی کے ذریعہ اس سے کوئی ناجائز فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ ایسا کوئی ناجائز فائدہ نہ حاصل کر سکے۔

الحمد للہ حضرت نائب مفتیٔ اعظم ہند دام ظلہ العالی کے یہ فتاویٰ اس اصول کے عین مطابق ہیں کہ سائل حضرت کے جواب سے مقلدین کو راہِ حق سے بھٹکا نہیں سکتا، اور ساتھ ہی ساتھ خاموش بھی ہو گیا۔

احکامِ شرعیہ کے اسرار و حِکَم

شریعت کے احکام اسرار و حِکَم سے بھرے پڑے ہیں یہ الگ بات ہے کہ ہماری عقل ان کا ادراک نہ کر سکے اس موضوع پر خاتم المحققین حضرت علامہ و مولانا نقی علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ (والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان) کی ایک اہم تصنیف ہے "جواھر البیان فی اسرار الارکان" حضرت نائب مفتیٔ اعظم ہند دام ظلہ العالی نے اپنے بہت سے فتاویٰ میں اسرار و حکم پر روشنی ڈالی ہے مثال کے طور پر چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

(۱) فضیلتِ رمضان

جواہر نگر کشمیر کے خورشید خان نے آپ سے دریافت کیا:

"رمضان شریف میں ایک مسلمان دن بھر کھانا، پینا اور دنیاوی عیش و عشرت سب کچھ چھوڑ دیتا ہے اور عبادت میں اور مہینوں سے زیادہ مصروف رہتا ہے، اس مہینے میں دن بھر اتنی محنت شاقہ اور نفسانی خواہشات کو چھوڑنے کے بعد شریعت نے اس پر پنجگانہ نماز کے بعد مزید تراویح پڑھنے کا حکم دیا ہے جس سے وہ راحت کے بجائے رات گئے تک جسمانی مشقت میں پڑتا ہے حالاں کہ انصاف کا تقاضا ہے کہ دن بھر روزہ رکھنے کے بعد ایک روزہ دار کو کچھ آرام ملنا چاہیے، شریعت کی روشنی میں اس کا کیا فلسفہ ہے؟"

اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا:

"جس طرح دنیا میں دنیوی کاروبار کرنے کے کچھ خاص موسم ہیں کہ اس موسم میں جتنی زیادہ محنت کی جائے اتنا ہی زیادہ نفع ہوتا ہے اسی طرح مذہبی کاموں کے لیے بھی اللہ عزوجل نے کچھ ایام، کچھ مہینے ایسے مقرر کیے ہیں کہ ان میں جتنی زیادہ محنت و مشقت کی جائے ثواب زیادہ ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ ایسا ہی ہے حدیث صحیح میں فرمایا کہ اس مہینے میں ایک فرض کا ثواب دوسرے دنوں کے ستر ۷۰ فرضوں کے برابر ہے اور اس مہینے میں نفل کا ثواب دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر۔ اس لیے اللہ عزوجل نے تراویح مشروع فرمائی کہ نفس پر تھوڑی سی مشقت کے بعد بندہ اجر عظیم کا مستحق ہو۔

رہ گیا روزہ کی وجہ سے تھکان کا عذر۔ یہ نفس کا دھوکہ ہے کیا ایک تاجر افطار کے بعد دوکان بند کر کے سوتا ہے، کیا انسان اپنا کاروبار بند کر دیتا ہے؟ نفس کو جتنا ہی آرام دو انسان کو کاہل بناتا جائے گا، اور جتنا ہی کام میں لگائے رکھو انسان چاق و چوبند رہے گا، پھر تراویح فرض نہیں سنت مؤکدہ ہے جس کے ترک کا وبال فرض سے کم ہے۔"

(رجسٹر فتاویٰ شریفیہ نمبر ۹۳ الف)

(۲) قاتل قصور وار کیونکر ہے؟

تقدیر کا مسئلہ فی الواقع قدرت کا ایک سرّ مخفی ہے جس کی حقیقت تک رسائی عقول انسانی کی دسترس سے باہر ہے تاہم حضرت نائب مفتی اعظم دام ظلہ العالی نے مثالوں کے ذریعہ اسے فہم سے قریب کر دیا ہے۔

مبارک پور کے ایک صاحب محمد یٰسین اشرفی نے آپ سے دریافت کیا:

"کیا ایک انسان دوسرے انسان کی جان لے سکتا ہے، اگر نہیں تو کیسے ایک انسان دوسرے انسان کو قتل کر دیتا ہے، گولی مار دیتا ہے۔ اور اگر یہی مرضیٔ الٰہی ہوتی ہے تو خون کرنے والا کیوں مجرم قرار پاتا ہے؟"

اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں:

"اس کا تعلق مسئلہ تقدیر سے ہے اور یہ مسئلہ اتنا دقیق ہے کہ ماو شما کیا، حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس میں بحث کرنے اور غور وخوض کرنے سے خود حضور اقدس ﷺ نے منع فرمایا۔

ایک انسان اکثر اپنے سے زیادہ ذہین اور چالاک انسانوں کی بات کو سمجھ نہیں پاتا۔ جواہر لال نہرو نے اپنی خود نوشت کہانی میں لکھا ہے کہ گاندھی جی کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتی تھیں، پہلے ہم لوگ بحث کرتے تھے مگر وہ جو کچھ کہتے وہی صحیح نکلتا، اسلئے بعد میں ہم لوگ بلا چون وچرا ان کی باتوں کو ماننے لگے اگر چہ وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔

خود آپ اپنے وجود پر غور کیجئے، کیا آپ کی سمجھ میں سب کچھ آرہا ہے؟۔ غذاؤں کا ہضم ہونا، ہضم ہو کر جزو بدن بننا، بیماری، صحت، موت، زیست، غربت وافلاس، کاروبار کی ترقی وتنزلی کا سارا نظام عقلوں سے باہر ہے ان سب کو آپ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، اور مسئلۂ تقدیر پر جو قدرت کے رازوں میں سے ایک سربستہ راز ہے اس کو سمجھنے کے لیے کوشاں ہیں۔ اس معاملے میں عوام کے لیے صرف یہی حکم ہے کہ وہ ایمان رکھیں کہ تقدیر حق ہے۔" (رجسٹر فتاویٰ شریفیہ نمبر ۷، ۲۷، الف ۲)

اس وضاحت سے مسئلۂ تقدیر کے اسرار وغوامض تو نہیں منکشف ہوئے تاہم ایک دوسری حیثیت سے فہم کے قریب ہو جاتا ہے اور وہ عقل کے نزدیک بالکل نامانوس نہیں رہ جاتا۔ پھر آپ نے مسئلۂ تقدیر کی شرعی حیثیت کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

تھوڑی سی توضیح اس مسئلے کی یہ ہے کہ اللہ عزوجل اپنے علم ازلی، قدیم سے یہ جانتا تھا کہ فلاں شخص کی موت کا یہ ذریعہ ہے، اسی کے مطابق لوحِ محفوظ میں لکھوا دیا، اس میں رد وبدل نہیں ہو سکتا۔ ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قاتل کو حکم دیا ہے کہ ایسا کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ فلاں کے قتل کرنے سے مرے گا اسی کے مطابق

لکھا، اور اسی کے مطابق ہوا۔ دُنیوی سزا کا دار و مدار ظاہر پر ہے ظاہر میں چونکہ قاتل نے جرم کیا ہے اس لیے اس کی سزا اسے ملنی چاہیئے ورنہ لوگوں کی عافیت تنگ ہو جائے اور فساد و خونریزی عام ہو جائے۔"

(رجسٹر فتاویٰ شریفیہ نمبر ۲۷ الف ۲، ۳)

(۳) پوتے کی وراثت

رانچی کے این ایس ایڈوکیٹ صاحب نے آپ کی خدمت میں یہ استفتا کیا: "اسلامی رو سے بیٹے کی موجودگی میں پوتے میراث سے محروم رہتے ہیں اگرچہ وہ دوسرے بیٹے کے بطن سے ہوں، اور اگرچہ وہ چھوٹے کام کاج کر کے کمانے کے لائق نہ ہوں، عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان بے سہارے بچوں کو جو یتیم، لاوارث ہوں، ضرور میراث ملے، بلکہ زائد ملے تاکہ وہ برباد نہ ہوں، خلاف عقل اسلام کا قانون کیوں ہے، اس کی وجہ بتایئے۔"

اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں:

"میراث کے جملہ جزئیات کی ایک بنیاد ہے جو عین تقاضائے عقل کے مطابق ہے وہ بنیاد۔ ضرورت، احتیاج، یتیمی، تنگدستی، مجبوری نہیں وہ بنیاد "رشتہ" ہے اور مختلف درجوں کے رشتوں کی موجودگی میں "قریب سے قریب تر" ہے۔

اگر وراثت کی بنیاد محتاجی، یتیمی، تنگ دستی، مجبوری مانی جائے تو لازم کہ فارغ البال بیٹے کی موجودگی میں تنگ دست، اپاہج، یا یتیم پڑوسی ترکہ پائے، بیٹا نہ پائے۔ اور اگر دونوں کو مخلوط بنیاد ٹھہرائیں تو لازم کہ فارغ البال بیٹے کی موجودگی میں تنگ دست، اپاہج، یا یتیم بھائی میراث پائے، بیٹا نہ پائے۔

اگر صرف "رشتہ" کو بنیاد قرار دیں، ضرورت اور مجبوری نہ شامل کریں جب بھی تو چاہیئے کہ بیٹا بھی پائے، بھائی بھی پائے اور چچا بھی پائے، وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ تمام دنیا کے عقلا اور لطف یہ کہ یہی عقلا جو بیٹے کی موجودگی میں پوتے کو میراث دینے پر مصر ہیں۔ بیٹے کی موجودگی میں بھائی اور چچا کو میراث نہیں دیتے حالانکہ رشتہ تینوں جگہ ہے، بلکہ سب کا اتفاق ہے کہ بیٹے کی موجودگی میں بھائی، اور بھائی کی موجودگی میں چچا میراث سے کچھ نہیں پائے گا۔

تو معلوم ہوا کہ وراثت کی بنیاد صرف رشتہ نہیں، بلکہ "رشتہ اَقرب فالاَقرب" کی ترتیب ہے یہاں تک سارے عقلا متفق ہیں۔

تو جب وراثت کی بنیاد "رشتہ اَقرب فالاَقرب" ہے، یعنی قریب تر رشتہ دار کے ہوتے ہوئے اس کی بہ نسبت دور کا رشتہ دار خواہ وہ کتنا ہی ضرورت مند ہو، خواہ وہ کتنا ہی مجبور ہو، اگرچہ دودھ پیتا یتیم ہو میراث کا حقدار نہیں اور یہی عقل کا تقاضا ہے تو اب فیصلہ آسان ہے کہ بیٹے کی بہ نسبت پوتا رشتہ میں ضرور دور ہے، اور بیٹا بہ نسبت پوتے کے ضرور قریب تر ہے، اس لیے بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم رہتا ہے اگرچہ وہ کتنا ہی کم سن ہو،

اگرچہ وہ یتیم ہو، اگرچہ وہ مجبور ہو، اس لیے کہ بنیاد یتیمی نہیں، رشتہ ہے، وہ بھی قریب سے قریب تر کی ترتیب کے ساتھ ہے۔

غور کیجئے۔ بھائی اور پوتے ایک درجہ کے ہیں، پوتا بیٹے کی اولاد ہے، اور بھائی باپ کی۔ دونوں کے درمیان یہ بات مشترک ہے کہ بیچ میں ایک پیڑھی حائل ہے، پھر کیوں بھائی کی میراث بھائی نہ پائے اور دادا کی میراث پوتا پائے ؟ وجہ فرق بتانا پڑے گا۔

اور اگر یہ کہیں کہ پوتا اس کا جز ہے، بھائی اس کا جز نہیں، بلکہ یہ جس کا جز ہے وہ اس کا جز ہے۔ تو بتایئے کہ نواسا اور نواسی تو اس کے جز کے جز ہیں اور بقیہ وہی صورت ہے جو پوتے میں ہے پھر چاہیئے کہ نواسے اور نواسی کو بھی میراث ملے مگر اس کو نہ تو کوئی کہتا ہے، اور نہ کوئی قانون ہے، آخر کیوں؟ گھوم پھر کر وہیں آنا پڑے گا کہ چونکہ وراثت کی بنیاد "رشتہ اقرب فالاقرب" کی ترتیب ہے اس لیے نواسہ اور نواسی میراث نہیں پائیں گے پھر یہی قاعدہ پوتے اور پوتی میں کیوں از کار رفتہ ہے ؟"

اس تفصیل سے یہ امر واضح ہو کر سامنے آگیا کہ مرحوم بیٹے کی اولاد دادا کے ترکے کی حقدار کیوں نہیں ہے، اور اس میں کیا حکمت ہے۔ تاہم پوتوں کو بھی تو زندگی گزارنے کا حق ہے، اسلام نے ان کا کیا انتظام کیا ہے ؟

اس سلسلے میں اسی فتوے کے اخیر میں حضرت ممدوح رقمطراز ہیں :

"یتیمی، بے چارگی، ضرورت احتیاج کا علاج وراثت کے استحقاق کے علاوہ شریعت نے کچھ اور رکھا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دادا اپنے پوتوں کو اپنی زندگی ہی میں جو چاہے دے دے، یا وصیت کر جائے۔ تہائی ترکے تک وصیّت کا اس کو حق ہے۔ دادا جب جانتا ہے کہ میرے ترکے میں سے پوتوں کو کچھ نہیں ملے گا اور وہ چاہتا ہے کہ ان کو ملے تو زندگی میں دینے سے کس نے روکا تھا، وصیّت کرنے سے کس نے منع کیا ہے ؟

(ماہنامہ پاسبان الہ آباد مئی ۱۹۷۹ء)

خلاصہ یہ کہ ایک حکمت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اگرچہ پوتوں کو دادا کی میراث میں حقدار نہیں بنایا، لیکن انھیں بے سہارا بھی نہیں چھوڑا۔ دادا چاہے تو ان کو بہت کچھ دے سکتا ہے۔

(۴) بیٹا اور بیٹی کا حصہ مساوی کیوں نہیں ؟

ایڈوکیٹ صاحب نے پوتوں کی میراث والے مسئلے سے مطمئن ہو کر اسی نوع کا ایک دوسرا سوال کیا، وہ لکھتے ہیں :

"جب وراثت کی بنیاد "رشتہ قریب سے قریب تر" ہے تو چاہیئے کہ بیٹا اور بیٹی کو برابر حصہ ملے حالانکہ بیٹی کو بیٹے کا آدھا حصہ ملتا ہے، اس کی وجہ صرف یہی ہے تاکہ وہ دوسرے خاندان کی فرد ہے۔ اسی طرح نواسا بھی چونکہ دوسرے خاندان کا فرد ہے اس لیے میراث سے محروم رہے گا اور پوتا چونکہ دادا ہی کے خاندان کا فرد ہے اس لیے اس

کو ملنا چاہیے امید ہے، کہ اس شبہے کو بھی آپ حل کر دیں گے۔"

اس کے جواب میں حضرت نائب مفتیٔ اعظم نے فرمایا:

"شریعت نے بیٹی کو بالکلیہ محروم نہیں کیا ہے، باپ کی میراث میں سے حصہ دیا ہے، اگر دوسرے خاندان کا فرد ہونا وراثت سے محرومی کا سبب کلی ہوتا تو شادی شدہ بیٹی کو کچھ نہ ملتا مگر اس کو بھی ملتا ہے، یہ دلیل ہے کہ رشتہ بترتیب اقرب فالاقرب وراثت کے استحقاق کی غیر متزلزل بنیاد ہے۔ اس پر دوسرے خاندان کا فرد ہونا بھی اثر انداز نہیں، ورنہ بیٹی کو کچھ نہ ملتا اور بہن کو بھی کچھ نہ ملتا، شادی شدہ ہوتی یا نہ ہوتی۔ آخر غیر شادی شدہ لڑکی اور بہن آج نہیں تو کل بالیقین دوسرے خاندان کی فرد ہو گی۔

اب رہ جاتی ہے یہ بات کہ پھر بیٹی اور بہن کو بیٹے اور بھائی کا آدھا کیوں ملتا ہے جب کہ رشتہ قربت میں ایک درجے کا ہے؟

اس کا سبب یہ ہے کہ مرد پر اپنے اہل و عیال کی مکمل ذمہ داری ہوتی ہے اور عورت پر کسی کے اخراجات کا بار نہیں ہوتا، بلکہ اس کے سارے اخراجات اس کے شوہر کے سر ہوتے ہیں اس لیے مرد کو عورت سے زیادہ ملنا لازم ہے۔" (ماہنامہ پاسبان الہ آباد۔ مئی ۱۹۷۹ء)

(۵) مجتہد کے استدلال سے حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے

ایک فتویٰ کے ضمن میں اس امر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"محدثین نے تصریح کی ہے کہ اہل علم کے عمل سے حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے۔ مرقاۃ جلد ثانی ص ۱۰۲ پر ہے۔" قال النووی! واسنادہ ضعیف نقلہ میرک فکان الترمذی یرید تقویۃ الحدیث بعمل اھل العلم"۔ علامہ نووی نے فرمایا اس کی سند ضعیف ہے اس کو میرک نے نقل کیا۔ اس قول سے امام ترمذی کی مراد یہ ہے کہ اہل علم کے عمل سے حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے۔ اھ

اسی طرح مجتہد کسی حدیث سے استدلال کر لے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ردالمحتار میں ہے" ان المجتھد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا لہ کما فی التحریر وغیرہ"۔ کسی حدیث سے مجتہد کا استدلال اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ تحریر وغیرہ میں ہے" اھ

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث جب ضعیف ہے تو مجتہد کے استدلال کی وجہ سے وہ قوی کیسے ہو جاتی ہے، آخر راوی کا ضعف کیوں کر دور ہو گا؟

اس کی وضاحت حضرت ممدوح نے ان الفاظ میں فرمائی، رقمطراز ہیں!

"اس میں راز یہ ہے کہ حدیث میں سند کی وجہ سے جو ضعف ہوتا ہے وہ راوی کے مجروح ہونے کی وجہ سے

ہوتا ہے۔ کسی حدیث کے ضعیف کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس مخصوص سند سے ضعیف ہے اور ایک حدیث کئی کئی سندوں کے ساتھ مروی ہوتی ہے مجتہد نے جب اس حدیث کو دلیل بنایا تو یہ اس پر قرینہ ہے کہ اسے ایسی سند کے ساتھ ملی ہے جس میں کوئی ضعف نہیں۔

اس کا بھی امکان ہے کہ جس راوی کی وجہ سے حدیث کو ضعیف کہا گیا ہے وہ بعد کا ہو اور مجتہد جس نے اس حدیث کو دلیل بنایا وہ پہلے کا ہے تو بالکل ظاہر ہے کہ اسے یہ حدیث اس مجروح راوی کے توسط کے بغیر ملی ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ فرمایا "اِذَا صَحَّ الحدیث فھو مذھبی" تو اس کا امکان ہی نہیں کہ وہ کسی ضعیف حدیث کو مذہب بنائیں۔ (رجسٹر فتاویٰ شریفیہ نمبر ۹۳ الف)

(۶) جانوروں کی قربانی کا راز

ایک ایڈوکیٹ صاحب نے جانوروں کے ذبح اور قربانی کو نظام قدرت کے خلاف اور رحمت کے منافی قرار دیا، ان کے الفاظ یہ ہیں :

> کہا جاتا ہے کہ اسلام گوشت خوری کی اجازت دیتا ہے کیا سچ مچ ایسا ہے، کیا پیغمبر حضرت محمد ﷺ "قدرتی نظام" کو بگاڑنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔؟
>
> عید الاضحیٰ ایک ایسا تیوہار ہے جس میں قربانی کرنا لازم بتایا جاتا ہے، کیا سچ مچ ایسا ہی ہے۔ جس قرآن کے ذریعہ خدا ہمیں محبت، پیار، دَیا، رحم دلی کا سندیش دیتا ہے اور ہر جاندار سے رحم و پیار سے پیش آنے کی تاکید کرتا ہے کیا اسی قرآن کے ذریعہ خدا ہمیں کسی جاندار کے قتل کی اجازت بھی دے سکتا ہے؟

(اخبار دشا سنکیت ۱۵/ و ۲۱/ مارچ ۱۹۹۹ء)

ایک صاحب نے اخبار سے یہ اقتباس نقل کر کے اس کا جواب معلوم کرنے کی درخواست کی، جس کا جواب حضرت نے یہ دیا۔

"یہ کہنا کہ اسلام گوشت کھانے کی اجازت نہیں دیتا آفتاب کو جھٹلانے کے برابر ہے، اسلام علیٰ رُؤس الاشہاد ڈنکے کی چوٹ پر حلال و طیب جانوروں کو اللہ کے نام پر ذبح کر کے کھانے کی اجازت دیتا ہے۔ اور اسے نظامِ قدرت کے خلاف سمجھنا جہالت ہے بلکہ نظامِ قدرت سے آنکھیں بند کر لینا ہے۔

مثال کے طور پر آپ صرف ایک تقابل ملاحظہ کریں۔

کتا حرام ہے اور ایک کتیا چار۴ چار۴، چھ۶ چھ۶ بچے دیتی ہے، اسے کوئی نہیں کھاتا، ان کے اعداد شمار جمع کیجئے۔ دوسری طرف بکری حلال ہے اور صرف ہندوستان میں لاکھوں بکریاں روز ذبح ہوتی ہیں جب کہ بکری زیادہ سے

زیادہ دو بچے دیتی ہے۔ بہت کم ایسی بکریاں ہیں جو تین بچے دیتی ہوں اس کے باوجود بکریوں کے اعداد وشمار جمع کیجئے تو کتوں سے سیکڑوں گنا زیادہ ہیں۔ ان بے عقلوں سے کوئی پوچھے، یہ کیسا نظامِ قدرت ہے کہ جن جانوروں کو کوئی کھاتا نہیں، جن کی مادہ بچے بھی زیادہ دیتی ہیں وہ تعداد میں چند ہیں، لیکن جن جانوروں کو کھایا جاتا ہے۔ جن کی مادہ بچے بھی نسبۃً کم دیتی ہیں، ان کی تعداد گھٹتی نہیں اور قدرت کے غیر معلوم نظام کے مطابق ان کی کثیر تعداد موجود رہتی ہے۔

جانوروں کو ذبح کر کے کھانا، ظلم نہیں، ان پر رحم ہے یقیناً ذبح میں تکلیف ہوتی ہے مگر وہ تکلیف چند سکنڈ کی ہے اگر جانوروں کو ذبح نہ کیا جائے، چھوڑ دیا جائے تو وہ کس اذیت کے ساتھ اپنی زندگی کے دن پورے کریں گے، یہ سوچنے کی بات ہے، بیمار ہو گئے تو کتنی تکلیف اٹھائیں گے؟ ہاتھ پیر ٹوٹ گئے، آنکھیں چلی گئیں تو ان کے لیے سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں کہ ایک جگہ پڑے پڑے، بھوکے پیاسے، گھٹ گھٹ کر، تڑپ تڑپ کر دم توڑیں۔ ان مسلسل تکلیفوں اور اذیتوں کے مقابلے میں ذبح میں چند سکنڈ کی تکلیف کیا حیثیت رکھتی ہے۔

بخلاف انسان۔ انسان چونکہ سمجھدار ہے۔ بولنے پر قادر ہے، اس کا خاندان ہے، کنبہ ہے، علاج کے لیے ڈاکٹر ہیں، دوا ہے، معذوری ہونے کے بعد خدمت کے لیے بیٹے پوتے وغیرہ ہیں۔ لیکن غریب جانوروں کا کون پُرسانِ حال ہے۔

میں نے خود ایک ایسی گائے کا حال دیکھا جس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے تھے، نہ اُٹھ سکتی تھی، نہ چل سکتی تھی، اسے کتے نوچ رہے تھے، اور کتے ہٹ جائیں تو کوے اس کے زخم کو نوچتے، سوچئے اس گائے کا کیا حال ہوگا۔؟

جو گائیں دودھ دینے کے لائق نہیں رہتیں ان کو گوشالاؤں سے بھی باہر نکال دیا جاتا ہے۔ بلکہ بعض خفیہ رپورٹ کے مطابق سستے دام پر گوشت خوروں کے ہاتھ بیچ دیا جاتا ہے۔"

(رجسٹر فتاویٰ شریفیہ وماہنامہ اشرفیہ شمارہ جون ۱۹۹۹ء ص ۵ تا ۸)

ایڈوکیٹ نے ذبح کو نظام قدرت میں بگاڑ پیدا کرنے کا عمل قرار دیا تھا، اور اسے بے رحمی بتائی تھی جو لوگوں کے فکر و دماغ میں اسلام سے نفرت پیدا کرنے کی سعی تھی اور آزاد خیال مسلم طبقہ اس سے گمراہ ہو سکتا تھا لیکن حضرت نائب مفتیٔ اعظم دام ظلہٗ العالی نے اس مسئلے کی ایسی شاندار توجیہ فرمائی جس نے اسلام کے نظامِ ذبح سے معاندانہ الزامات کو دور کر کے یہ عیاں کر دیا کہ یہ نظام عین مقتضائے رحمت و حکمت ہے اور قدرت کا نظام بقائے نسل کا متقاضی ہے اور بقا کا راز یہاں اسی فنا (ذبح) میں مضمر ہے۔

بارگاہِ رسالت میں فروگذاشت پر جلال

حضرت نائب مفتیٔ اعظم ہند دام ظلہٗ العالی بارگاہِ رسالت کے ادب کا اس درجہ خیال فرماتے ہیں کہ کسی سے

اس سلسلے میں کوئی فروگذاشت ہو گئی تو فور اُجلال طاری ہو جاتا ہے اس کے کثیر شواہد آپ کے فتاویٰ میں ہیں، ایک شہادت یہاں آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ سے دریافت کیا گیا :

زید ایک سنی صحیح العقیدہ عالم ہے اس نے ایک دن اپنی تقریر کے دوران "ربنا وابعث فیھم رسولاً" کو موضوع بنا کر اس پر روشنی ڈالی اور کہا کہ درود ابراہیمی اللّٰھم صلِ علی محمد کما صلّیتَ علیٰ ابراھیم و علیٰ آلِ ابراھیم الخ۔ میں حضور علیہ السلام مشبہ ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مشبہ بہ ہیں اور مشبہ بہ مشبہ سے افضل ہوتا ہے جیسے زید شیر کی طرح ہے یقیناً زید شیر سے زیادہ بہادر ہے۔ نیز نُبُوَّت سے اُبُوَّت افضل ہوتی ہے اس سے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضلیت ثابت ہوتی ہے۔ اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں۔

کسی نبی کو حضور اقدس ﷺ سے افضل بتانا گمراہی اور بد دینی ہے اس قائل نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو حضور اقدس ﷺ سے مطلقاً افضل نہیں کہا ہے۔ اس لیے گمراہ بد دین نہیں ہوا۔ اور اس نے جو یہ کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بعض حیثیت سے حضور اقدس ﷺ سے افضل ہیں یہ اس کی جہالت ہے اور دلیل میں جو اس نے کما صلّیتَ علی ابراہیم۔ پیش کیا یہ پہلے سے بھی بڑی جہالت ہے اور یہ کہنا کہ مشبہ بہ کا مشبہ سے افضل ہونا ضروری ہے۔ یہ ان دونوں جہالتوں سے بڑھ کر جہالت اور ثبوت میں جو مثال پیش کی ہے وہ خود اس کا رد۔ یہ جو کہا جایا ہے کہ زید شیر کے مثل ہے۔ اس سے کوئی عاقل یہ نہیں سمجھتا کہ شیر انسان سے افضل ہے اور نہ واقعہ ایسا ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے شیر سے بدرجہا افضل تشبیہ میں ضروری صرف یہ ہے کہ وجہ شبہ کا مشبہ بہ میں پایا جانا مشہور و معروف ہو اور یہی اس مثال میں پایا جا رہا ہے انسان بزدل بھی ہوتا ہے اور بہادر بھی اور شیر بہر حال بہادر ہوتا ہے اور شیر کا بہادر ہونا ہر شخص کو معلوم ہے کما صلیّت علی ابراہیم میں بھی یہی بات ہے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عظمت و تقدس عرب میں مشہور و معروف تھا ان پر اللہ عزوجل کے بے پایاں فضل و کرم کو تمام اہل عرب بلکہ دوسرے لوگ بھی جانتے تھے۔ تشبیہ کیلئے اتنی بات کافی ہے خود مفتی احمد یار خاں صاحب نے یہی لکھا ہے "عام علما یہ فرماتے ہیں کہ یہاں محض شہرت کی وجہ سے تشبیہ دی گئی۔"

(رجسٹر فتاویٰ شریفیہ نمبر ۳۵ ۷ الف)

آپ کی طرف علما کا رجوع :

آپ کے فتاوی کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ کثیر علماے کرام نے آپ کی طرف مسائل کے سلسلہ میں رجوع کیا، اور مستفید ہوئے۔ اس نوع کا بھی ایک سوال و جواب ملاحظہ کیجئے :

جامعہ اسلامیہ روناہی ضلع فیض آباد کے صدر المدرسین حضرت مولانا نعمان خاں صاحب مصباحی دام ظلہ، نے آپ سے یہ استفسار کیا :

"آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ :
"حضور اقدس ﷺ مجلس میلاد، یا قبر میں ہر وقت تشریف فرما ہیں۔ تشریف لانے کا سوال تو اس وقت ہوتا ہے جب پہلے سے جلوہ فرما نہ ہوتے۔"

اس سلسلے میں مجھے یہ دریافت کرنا ہے کہ ہر وقت قبر میں اور مجلس میلاد میں تشریف فرما ہونے کا کیا مطلب ہے، اگر مراد یہ ہے کہ اپنے جسم اقدس کے ساتھ تشریف فرما ہوتے ہیں تو اس کا ثبوت کیا ہے۔ شیخ دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو دائم و باقی اور حاضر و ناظر لکھا ہے تو کیا اس کا یہی مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر جگہ جسم اقدس کے ساتھ حاضر ہیں۔ اگر شیخ کی عبارت کا یہی مقصد ہے تو شیخ ہی کی دوسری عبارت کا مطلب بھی بیان فرمادیں۔

اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۱۱۵ میں ہے :

فیقولان : ما کُنتَ تقولُ فی ھٰذا الرَّجل ؟ اشارت بہ "ھٰذا" بہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ،یا از جہت شہرت امر و حضور اوست در اذھانِ ما اگرچہ غائب است، یا احضارِ ذاتِ شریف وے در عیانِ بایں طریق کہ در قبر مثالے از حضرت وے صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر می ساختہ باشند۔ الخ

یہ سوال رجب ۱۴۰۰ھ میں آیا تھا۔ اُس وقت حضرت دام ظلہ العالی آنکھوں کی تکلیف کی وجہ سے مطالعہ نہیں فرماتے تھے، پھر بھی اپنی یادداشت پر جو جواب املا کرایا وہ لائق ستائش ہے۔ جواب کے الفاظ یہ ہیں :

"اشعۃ اللمعات اس وقت یہاں موجود نہیں آپ نے جتنی عبارت نقل کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ میت کے سامنے حضور اقدس ﷺ کا جسم مثالی ظاہر کیا جاتا ہے، یا ظاہر ہوتا ہے۔ اس سے بظاہر یہی متبادر ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ جسم مثالی کے ساتھ حاضر و ناظر ہیں۔

لیکن جو کچھ میں نے عرض کیا تھا یہ اس کے منافی نہیں۔ دونوں میں تطابق یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ سارے عالم میں حاضر و ناظر ہیں اور جب چاہتے ہیں، جس پر چاہتے ہیں اپنے جسمِ مثالی کے ساتھ ظہور فرماتے ہیں۔

اب رہ گیا یہ کہ۔ حضور ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے سے کیا مراد ہے ؟۔ "حضورِ جسمانی" کے ساتھ، یا "حضور روحانی" کے ساتھ یا یہ کہ حضور ﷺ کا نور سارے عالم میں پھیلا ہوا ہے اور حضور کا جسم اقدس مع روحِ مبارک قبر انور میں ہی رونق افروز ہوتا ہے ؟

اس بارے میں علما کا کوئی منقح فیصلہ میری نظر سے نہیں گزرا، علما کے کلمات سے تینوں باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔
علامہ فاسی مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات میں فرماتے ہیں :

لأنہٗ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روح العالم ، روح الأکوان لولاہ لذھبت و تلاشت.

"لأنَّهٗ" کی ضمیر کا مرجع "ذاتِ اقدس" ہے اور ذات "روح مع الجسم" کا نام ہے اس لیے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ذاتِ اقدس (روح مع الجسم) سارے عالم کو محیط اور عالم کے ذرّے ذرّے میں ساری ہے۔ مُلّا علی قاری نے غالباً شرح شفاء میں فرمایا :

لِأنَّ روحَهٗ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلّم حاضرة فی بیوت جمیع أهل الإسلام یہ اس پر نص ہے کہ حضور کا حاضر وناظر ہونا "حضور روحانی" کے ساتھ خاص ہے۔

علامہ احمد خطیب قسطلانی وغیرہ نے بعض علما سے نقل فرمایا ہے ۔

کالشمس فی وسط السَّماءِ وضوء ها یغشی البلاد مشارقا ومغاربا

یہ اس بات پر نص ہے کہ حضور کا وجود با جود قبر انور میں ہوتا ہے البتہ حضور کی ضو سارے عالم میں پھیلی ہوتی ہے۔

ان تینوں میں کون راجح اور کون مرجوح ہے۔؟ اس کا فیصلہ بہت دشوار ہے، ہر ایک کے مؤید دلائل ہیں۔

خادم کا ذوق یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ حضور اقدس ﷺ حاضر وناظر ہیں اور کیفیت مجہول ہے۔ اس کی مثال رُویتِ باری تعالیٰ کا مسئلہ ہے کہ اس پر ایمان ہے کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل کا دیدار ہوگا۔ مگر کیفیت نامعلوم ہے، اسی طرح یہاں بھی اعتقاد رکھا جائے، یہی سب سے اسلم طریقہ ہے۔

اور حضرت شیخ کے فرمانے کے مطابق یہ بھی مان لیا جائے کہ جب کسی کو زیارت ہوتی ہے، خواہ دنیا میں، خواہ قبر میں تو جسمِ مثالی کے ساتھ ہوتی ہے۔ (رجسٹر فتاویٰ شریفیہ ، الف ۲۶۵)

"متعارض دلائل میں تطبیق" کے زیر عنوان دار الحرب میں جمعہ کی صحت وعدم صحت کا مسئلہ بھی ایک عالم کا پیش کردہ ہے اور وہ بھی اہم ہے۔

سوال : پاسبان کا حالیہ شمارہ مجریہ مئی ۷۳ ۱۹ء میں باب الافتاء کے تحت "نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال" کے متعلق حضور والا کا تحریر فرمودہ جواب نظر سے گذرا جو بہت ہی مفصل ہے۔ اگرچہ اس ناچیز نے بھی کبھی حکم جواز دینے کی جرأت نہیں کی ہے اور ہمیشہ یہی کہا ہے، "وما علینا الا اتباع المفتی الاعظم" تاہم حضور والا کے مقدمات محل نظر ہیں، حضور والا نے لاؤڈ اسپیکر کی آواز کے متعلق تین قول کا ذکر فرمایا ہے۔ (۱) عین آواز متکلم (۲) صدائے بازگشت (۳) مشابہ آواز متکلم۔ عند المحققین دوم اوّل کی طرف راجع ہے۔ چنانچہ امام احمد رضا قدس سرہ نے "الکشف شافیا" میں صدا کے متعلق علما کے اختلاف کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا ہے۔ بہر حال کچھ بھی سہی اتنا یقینی ہے کہ آواز وہی آواز متکلم ہے مگر شرع مطہر نے اس کے سننے سے سجدہ واجب نہ فرمایا قول ثانی پر یہ کہنا ہوگا کہ سماع میں ایجاب سجدہ کیلئے اس تموج اوّل سے وقوع سماع لازم ہے اور قول اوّل پر یہ قید بڑھانی واجب ہوگی کہ وہ تموج محض اس طاقت کا سلسلہ ہو جو تحریک گلو وزبان نے پیدا کی تھی پلٹنے میں وہ تنہا نہ رہی بلکہ تصادم کی قوت دافعہ شریک

ہو گئی۔ ہاں ہم چاہیں تو اس آواز متکلم کی تقسیم اپنے عرف میں بلا واسطہ بالواسطہ کہہ کر کر سکتے ہیں مگر یہ واسطہ واسطۂ محض ہو گا جس کی طرف فعل کی نسبت نہیں ہو گی۔ چنانچہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ شہادت کا ہو جانا اس پر شاہد عدل ہے۔ لہٰذا لاؤڈ اسپیکر سے امام کی تکبیرات انتقالیہ کو سن کر رکوع و سجود کرنے سے نماز فاسد نہ ہونی چاہئے۔ پھر رہا یہ کہ سجدۂ تلاوت کیوں واجب نہیں تو اس کا جواب الکشف شافیا کے حوالے سے مذکور ہو چکا اور اگر یہ کہا جائے کہ جن اسباب کی بنا پر سجدہ واجب نہیں ہوتا انہیں اسباب کی بنا پر نماز بھی نہ ہو گی اس کا ثبوت بذمۂ قائل۔ مگر اتنی بات یاد رہے کہ نماز کا قیاس سجدہ پر درست نہ ہو گا کہ سجدہ کے لیے وقوع سماع علت وجوب ہے اور مقتدی کے رکوع و سجود کے لیے علت وجوب نہیں۔ فافترقا اور رہا یہ کہ تلقن من الخارج ہے تو مسلم نہیں کہ واسطہ ہوا اس آواز میں بھی موجود ہے جسے ہم ابھی بلا واسطہ کہہ چکے ہیں اور اگر تلقن من الخارج مان لیا بھی جائے تو شکل اول کا کبریٰ کلیہ نہیں۔ ”لان نفس التلقن لیس بمفسد“(حاشیہ ھدایہ) اور یہ عین آواز ہونے پر ہی موقوف نہیں مشابہ آواز ہونے کی صورت میں بھی یہی گفتگو ہو گی کہ کلیۂ کبریٰ مفقود چنانچہ مشتبہ قبلہ کو عین حالت نماز میں کسی کا بتا دینا اس کو قوی کر دیتا ہے۔ اسی طرح اس تلقین من الخارج کو اس تلقین من الخارج پر قیاس کرنا جسے فقہا نے مفسد صلوٰۃ قرار دیا ہے۔ درست نہیں کیونکہ قیاس کے لیے مساوات شرط ہے جو یہاں مفقود انسان مکلف دخولِ صلوٰۃ کی صلاحیت رکھتے ہوئے داخل نہیں اور تلقین کر رہا ہے اور لاؤڈ اسپیکر ایک بے جان و بے روح آلہ جو دخول کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ فافترقا۔

پھر یہ بھی کہ ان دنوں یہ بلا اس قدر عام ہے کہ جس سے بچنا از بس مشکل ہو کر رہ گیا ہے خود اس ناچیز کو کئی بار ایسے مواقع پیش آئے مگر بحمد للہ کہ ہمیشہ امام کے قریب کی صف میں جگہ ملی مثلاً ہمارے یہاں کشن گنج میں اپنی ایک ہی مسجد ہے جہاں جمعہ و عیدین لاؤڈ اسپیکر پر ہوتے ہیں جس کا روکنا اختیار میں نہیں مدتوں سے یہی حال ہے ایسی صورت میں یا تو اب جمعہ و عیدین چھوڑ دیئے جائیں اور عدم جواز کا فتویٰ دیکر خلق کثیر کی نمازوں کو باطل قرار دے کر انہیں فاسق قرار دیا جائے یا اور کوئی صورت اختیار کی جائے جیسا ارشاد ہو ورنہ شامی میں تو ارشاد ہے **فیہ حرج عظیم لانہ یلزم منہ تاثیم الامۃ وفیھا ھو ارفق باھل ھذا الزمان لئلا یقعوا فی الفسق والعصیان اھ!**

یہ سوال جناب مولانا مفتی مطیع الرحمٰن صاحب رضوی مضطر کا ہے۔ جو اپنے فن میں خصوصی شہرت رکھتے ہیں فقہ و فتاویٰ و خلافیات سے گہرا لگاؤ ہے ظاہر سی بات ہے کہ انھوں نے اپنی یہ الجھن دور کرنے کی پوری کوشش کی ہو گی، نہ دور ہو سکی تو حضرت نائب مفتیٔ اعظم ہند دام ظلہ العالی کی طرف رجوع فرمایا، اس کا جواب جناب مفتی صاحب ہی کے پاس محفوظ ہونا چاہئے حضرت کی کاپی میں جواب پورا منقول نہیں۔

علما کی لغزشوں پر ہدایت

۱۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا میں نے تم کو طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا۔ اور اس نے یہ بتایا کہ میری نیت ایک ہی طلاق دینے کی تھی تین طلاق دینے کی نہ تھی۔ اس پر ایک مفتی صاحب نے جواب یہ ارشاد فرمایا کہ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ اس کی نیت تاکید تھی اس لیے صرف ایک طلاق پڑی پھر یہی سوال میرے پاس آیا تو میں نے ان کی خدمت میں گذارش کی کہ کلام سے تاکید یا تاسیس کی نیت شئی دیگر ہے اور تین طلاق دے کر ایک ہی کی نیت لکھنا شئی دیگر ہے۔ اس لیے سائل کے اس کہنے سے کہ میری نیت ایک طلاق کی تھی یہ سمجھنا کہ اس کی نیت تاکید تھی درست نہیں لہٰذا حکم یہی ہوگا کہ اس کی بیوی پر تین طلاقیں پڑ گئیں جیسا کہ الاشباہ والنظائر پھر درمختار وغیرہ میں ہے کہ التاسیس اولی من التاکید۔ اور اگر شوہر کی نیت تاکید کی بھی تھی تو بھی حکم یہ ہوگا کہ دیانۃً ایک ہوگی اور قضا تین اور عورت حکم قضا پر عمل کرنے کی مامور ہے۔ فتح القدیر میں ہے المرأۃ کالقاضی۔

۲۔ ایک شخص نے تقریر میں کہا کہ قیامت کے دن عوام اللہ عزوجل کے حضور حساب دینے جائیں گے اور انبیاے کرام و اولیاے عظام حساب لینے جائیں گے۔ ایک مفتی صاحب سے استفتا ہوا انہوں نے قائل کے کافر ہونے کا حکم دیا پھر کچھ عرصے کے بعد اس کا تذکرہ میرے سامنے ہوا میں نے عرض کیا قائل کو مطلقا کافر کہنا صحیح نہیں حساب لینے کا ایک مطلب عرف عام میں مزدوری لینے کا بھی ہوتا ہے عام طور پر لوگ بولتے ہیں میں حساب لینے جارہا ہوں میرا حساب مل گیا۔ میرا حساب کچھ باقی ہے۔ ان معنوں میں اس کی مراد اجرت و مزدوری ہوتی ہے اور کبھی بقایا مراد ہوتا ہے۔

تو اس جملے کی تاویل یہ ہو سکتی ہے محبوبان بارگاہِ قیامت کے دن اللہ عزوجل کے حضور اپنے اعمال حسنہ کی جزا لینے جائیں گے۔ اس لیے قائل کافر نہیں۔

البتہ ایسے جملے بولنے سے احتراز واجب ہے۔ اور قائل کو اس کلمے سے رجوع بھی لازم ہے۔

۳۔ مسئلہ : المرسل جناب حکیم محمود الحسن صاحب مدرسہ اصلاح المسلمین موضع سرائے ارجن بنارس

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شوہر اور بیوی نکاح کے وقت عقیدہ سنی المذہب حنفی المشرب تھے بعد نکاح شوہر یا بیوی یعنی دونوں میں سے ایک وہابی یا رافضی یا مرزائی وغیرہ فرقۂ ضالہ میں سے ہوگئے۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح باطل ہوا یا نہیں از روے مذہب اسلام ان دونوں کا کیا حکم ہے، جواب عنایت فرمائیں مولاے کریم آپ کو اجر عطا فرمائے گا؟ المستفتی حاجی محمد شمس الدین مقام بجرڈیہہ بنارس۔

الجواب ! مرزائی، رافضی اور وہابی دیوبندی اپنے عقائد باطلہ اور کفریات خبیثہ کی بنا پر بحکم شرع کافر مرتد

ہیں۔ انکے عقائد اور کفر تک پہونچ جانے کی وجہ سے علمائے اہل سنت نے کفر کے فتوے دیئے ہیں۔ لہٰذا وہ سنی مرد و عورت جو وقت نکاح عقیدۃً سنّی تھے اور بعد میں دونوں یا ایک مرزائی یا رافضی، تبرائی یا وہابی ہو گیا جن پر کفر کے فتوے دیئے گئے ہیں ان کا نکاح باطل ہو جائے گا۔ در مختار میں ہے مَایکونُ کفر تفاقاً یبطل العمل والنکاح واولا دہ وَلَدُ زنا۔ —————— بہار شریعت مصنفہ مولانا مولوی حکیم ابو العلا محمد امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں مذکور ہے کہ "زن و شوہر میں سے معاذ اللہ کوئی مرتد ہو گیا تو نکاح ٹوٹ گیا اور یہ فسخ ہے طلاق نہیں عورت موطورہ ہے تو بہر حال مہر پورا لے سکتی ہے اور غیر موطورہ ہے تو اگر عورت مرتد ہو گئی تو کچھ نہ پائے گی اور شوہر مرتد ہوا تو نصف مہر لے سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مہر مولانا خادم رسول صاحب،

خادم رسول قادری

کتبہ خادم رسول قادری عفی عنہ صدر المدرسین مدرسہ حمیدیہ رضویہ بنارس

الجواب صحیح واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب فقط ابراہیم رضا عفی عنہ

اس باب میں یہی فتویٰ حضرت مولانا مفتی افضل حسین صاحب مرحوم سابق مفتی مدرسہ منظر بریلی شریف نے بھی دیا تھا۔

یہ جوابات اصل مذہب حنفی کے مطابق تھے لیکن فقہائے بلخ نے بعد میں حالات زمانہ کو سامنے رکھ کر روایتِ نادرہ پر فتویٰ دیا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ والرضوان نے بھی کثیر فتاویٰ مشائخ بلخ کی اتباع میں ارتداد زن سے عدم فسخ نکاح کے صادر کیے اس حیثیت سے درج بالا فتاویٰ زمانہ کے مقتضیات کے مطابق نہ تھے جب یہ فتاویٰ حضرت شارح بخاری کی بارگاہ میں پیش کیے گئے تو آپ نے حضرات مفتیان کرام کی لغزش پر تنبیہ فرماتے ہوئے ایک مفصل فتویٰ تحریر فرمایا، آپ بھی اسے ملاحظہ فرمائیں۔

الجواب : مرد اگر مرتد ہوا اور اسلام پیش کرنے کے بعد قبول اسلام سے انکار کیا تو بالاتفاق تمام فقہا کے نزدیک اس کا نکاح فسخ ہو گیا لیکن اگر عورت مرتد ہوئی تو اس کا نکاح فسخ ہونے اور نہ ہونے میں فقہا کا اختلاف ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ نکاح فسخ ہو گیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ اصحاب فتویٰ نے دونوں پر فتویٰ دیا ہے صاحب در مختار اور رد المحتار نے فسخ نکاح کو اختیار فرمایا ہے اور صدر الشریعہ قدس سرہٗ العزیز نے بھی بہار شریعت میں اسی کو اختیار کیا مگر مشائخ بلخ اور بعض مشائخ سمرقند اور علامہ دبوسی و امام صفار نے عدم فسخ نکاح کو اختیار فرمایا ہے۔ اور امام ابن ہمام صاحب فتح القدیر و صاحب نہر نے بھی اسی کو اختیار کیا۔ امام اہل سنت مجدد دین و ملت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اس پر فتویٰ دیا شامی باب احکام المرتدین میں ہے۔ قال فی الفتح وافتی الدبوسی

والصفار و بعض اهل سمر قند بعدم وقوع الفرقة بالردة رد عليه اور خانیہ میں ہے وردة المرأة واباء ها لايكون طلاقا و تقعُ الفرقه عند عامة العلماء بردتها زجرا و تيسيرا لا سيّما التى تقع فى الكفر ثم تنكر قال فى النهر والافتاء بهذا اولىٰ من الافتاء بِمَا فى النوادر۔ علامہ شامی زجراً لها کے تحت فرماتے ہیں۔ عبارة البحر حسماً لباب المعصية والحيلة للخلاص منه قال فى البحر کے تحت فرماتے ہیں عبارتہ

لا يخفى ان الافتاء بما اختاره بعض ائمة بلخ اولى من الافتاء بما فى النوادر ولقد شاهد نامن المشاق فى تجديدها فضلا عن جبرها بالضرب ونحوها مالا يعد ولا يحد وقد كان بعض مشائخنا من العلماء العجم ابتلى بامرأة تقع فيما يوجب الكفر كثيرا ثم و عن التجديد تابى ومن القواعد المشقة تجلب التسير والله الميسر لكل عسير. ان عبارات کا حاصل یہ ہوا کہ عورتیں چونکہ ناقصات العقل والدین ہوتی ہیں اس لیے ان کی زبان پر کلمات کفر اکثر جاری ہو جاتے ہیں اور تجدید نکاح کرنا ان کی سمجھ میں نہیں آتا لہٰذا اس کے لیے وہ راضی نہیں ہوتیں یا وہ مرد سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے ردت کو بہانہ بنا لیتی ہیں چنانچہ صاحب نہر نے اپنے ایک استاذ کا واقعہ نقل فرمایا کہ ان کے نکاح میں ایک ایسی عورت تھی جو اکثر کفر کی مرتکب ہو جاتی اور تجدید نکاح سے انکار کرتی لہٰذا عورت کے ردت سے نکاح فسخ ہونے پر فتویٰ دینے میں مشقت ہے مشائخ بلخ نے جیسے اختیار فرمایا کہ عورت کی ردت سے فرقت نہیں واقع ہوتی اسی پر فتویٰ دینا بہتر ہے۔ اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ کا حال دیکھ کر اسی پر فتویٰ دیا کہ اس زمانہ میں ہوا و ہوس غالب، خوف خدا غائب ہے کہ نہ حلال کی خواہش ہے نہ حرام سے نفرت اپنی خواہشات نفسانیہ کی تکمیل کے لیے عورتیں ہر نا کردنی کر لیتی ہیں حتی کہ بغیر طلاق کے غیروں کے وہاں رہنے لگتی ہیں دکھاوے کو نکاح کا ڈھونگ رچا لیتی ہیں حد ہے کہ دار الافتا میں آئے دن یہ سوال آتا ہے کہ فلاں نے غیر مطلقہ سے نکاح کر لیا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ تو ان بے باک عورتوں سے کیا بعید جو عمر بھر زنا کی لعنت میں مبتلا رہتی ہیں کہ نکاح سے باہر آنے کے لیے کلمہ کفر زبان پر جاری کر لیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ لہٰذا اس فتنہ کی روک تھام کے لیے ضروری ہے کہ اسی قول پر فتویٰ دیا جائے کہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا تاکہ کفر بکنے کی عورتوں کو جرأت و جسارت نہ ہو اور نکاح سے باہر آنے کے لیے ردت کو بہانہ نہ بنا سکیں۔

فتاویٰ رضویہ جلد اوّل میں فرماتے ہیں ۔ من ذالك إفتائى مرارا بعدم انفساح نكاح امرأة مسلم بارتدادها لما رأيت من تجاسر هن مبادرة الى قطع العصمة مع عدم امكان استرقا قهن فى بلادنا ولا ضر بهن وجرهن على الاسلام كما بينته في السير من فتاوينا و كم لهٗ من نظير۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عورت اگر مرتد ہو جائے تو علما فسخ نکاح کا فتویٰ دیتے ہیں وہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کو مار پیٹ کر اسلام میں مجبور کیا جائے گا۔ اسلام لانے کے بعد شوہر اوّل ہی سے نکاح کرنے پر مجبور کی جائے گی جیسا کہ در مختار میں ہے۔ ولیس

وغیرهم مشواعلى الظاهر ولكن حكمها على تجديد النكاح للمرتدة بغير زوجها ، شامی میں ہے مع الزوج و نضرب خمسة و خمسين سوطاً و اختاره قاضى خان للفتوىٰ اھ درمختار میں ہے والمرتدة تحبس ابدا ولا تجالس ولا تواكل حتى تسلم اھ اور اگر اسلام نہیں لائے گی تو اسے باندی بنالیا جائے گا وہ اگرچہ دار الاسلام ہی میں کیوں نہ ہو۔ ایک قول کی بنا پر وہ شوہر ہی کی باندی ہو گی۔ اور ایک قول کی بنا پر مسلمانوں کے لیے فے ہو گی بادشاہ اسلام اس کو چاہے آزاد کر دے یا بیچ دے درمختار میں ہے عن الاسلام تسترق ولوفى دارالاسلام ولو افتى به حسما تقصد حيات السبى لاباس به و تكون قنة للزوج للاستيلا د و فى الفتح انها فى للمسلمين فيشتريها من الامام اويهبها له لومصرفا اعلیحضرت فرماتے ہیں اس زمانے میں نہ باندی بنایا جاسکتا ہے نہ زدو کوب یا قید کر کے اسلام پر مجبور کیا جاسکتا ہے نہ اسلام لانے کے بعد۔

اختلافی مسائل میں اعتدال کی روش

کانپور کے ایک صاحب نے آپ سے یہ سوال کیا کہ مزامیر حرام ہیں حرام کا مرتکب پکا فاسق فاجر ہے۔ حرمت کے ثبوت میں انھوں نے بخاری شریف کی ایک حدیث ہدایہ، فوائد الفوائد اور مکتوبات شیخ یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات پیش کی ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

”اب غور کیجئے کہ مزامیر مطلقاً حرام ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے حلال ہیں اس کے باوجود ان کی خلافت واجازت باقی رہنا کیا معنی؟“

جواب میں حضرت نائب مفتئ اعظم نے پہلے عدل کے تقاضے کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کی ہے، پھر انہیں اس بات کی طرف متوجہ کیا ہے کہ کچھوچھہ شریف کے علما مزامیر کے ساتھ قوالی سنتے تھے جیسے شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ، ان کے فرزند ارجمند محبوب المشائخ حضرت مولانا احمد اشرف صاحب رحمہ اللہ اور یہ بات حضرت مجدد اعظم کے علم میں تھی اس کے باوجود ان دونوں بزرگوں کی اعلیٰ حضرت غایت درجہ تعظیم وتکریم فرماتے تھے۔ اعلیٰ حضرت کی عادت کریمہ تھی کہ وہ کسی فاسق کی تعظیم نہیں کرتے تھے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے کبھی غفلت نہیں برتتے تھے۔ آپ اس رخ پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔

اس کے بعد آپ نے سائل کی خطا اور اس مسئلے کی حقیقت پر یوں روشنی ڈالی ہے، فرماتے ہیں:

”بات یہ ہے کہ جب کسی مسئلے میں خود علمائے اہل سنت میں اختلاف ہو تو یہ درست نہیں کہ ایک دوسرے کو فاسق کہیں، یہاں یہی معاملہ ہے حضرات کچھوچھہ مقدسہ ہمارے معتمد علمائے اہل سنت ہیں وہ مزامیر کے ساتھ قوالی کو جائز کہتے ہیں۔ ان کا فرمانا یہ ہے کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے ان الملاهي كلها حرام۔ ”ملاہی“ اُن آلات کو کہتے ہیں جو لہو ولعب کے ہوں اس کی بنا پر ان کا کہنا ہے کہ بطور لہو ولعب مزامیر سننا حرام ہے لیکن اگر کسی مقصد صحیح کے

لیے سنا جائے جو عند الشرع مطلوب ہو تو جائز ہے۔ اگر چہ ان کا یہ کہنا اس لیے صحیح نہیں کہ احادیث کریمہ میں مزامیر اور معازف کو مطلقاً حرام فرمایا ہے، اور کسی معنی میں تخصیص عقل سے جائز نہیں مگر مجوزین بھی معتمد علما میں سے ہیں اور وہ بتاویل اس کو جائز کہتے ہیں اس لیے ان کی تفسیق جائز نہیں، البتہ ان کے قول کا رد کیا جائے گا، بناءً علیہ جو سنی علما اور مشائخ مزامیر کے ساتھ قوالیاں سنتے ہیں ان کو فاسق کہنا درست نہیں۔ (رجسٹر فتاویٰ شریفیہ نمبر ۱۸۴ الف)

چاند پر انسان کا پہونچنا شرعاً ممکن ہے یا نہیں۔؟ اس سلسلے میں حضرت صدر العلما شارح بخاری مولانا غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نائب مفتی اعظم ہند کے مابین اختلاف واقع ہو گیا۔ اس پس منظر میں حضرت نائب مفتی اعظم نے یہ تحریر فرمایا:

"یہ لابدی امر ہے کہ جب ایک ہی موضوع پر دو مختلف رائیں قائم کی جائیں گی تو اپنے اپنے استدلال میں کسی نہ کسی نقطے پر تصادم لازم ہے اور یہی ہوا۔ صحیح النظر میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ "چاند کا پہلے آسمان میں ہونا علمائے شریعت کے نزدیک متفق علیہ ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔"

یہ واقعہ کے بالکل خلاف ہے، صریح خلاف۔ میں نے اس غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے یہی میرا وہ جرم ہے جس کی سزا میں "صحیح المسلک" کے تلخ و ترش شیریں کلمات طیبات سے نوازا گیا ہوں۔

~ سر بندہ ات سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ورنہ کسی غیر قطعی مسئلے میں اختلاف ایسی چیز نہیں کہ اگر کوئی نیاز مند انجانے میں یا جان بوجھ کر بھی اختلاف رائے کی جرأت کرے تو اس پر اتنا غیظ و غضب فرمایا جائے۔ حضرت علامہ صادی نے تو اس قسم کے اختلافات کو رحمت بتایا ہے۔ فرماتے ہیں:

التفریق المذموم انما ھو فی العقائد لا فی الفروع فانہ رحمۃ للعباد (ج۱ص ۱۵۲)

"اختلاف مذموم صرف وہ ہے جو عقائد میں ہے فروع میں مذموم نہیں، یہ بندوں کے لیے رحمت ہے۔" اور یہی مشہور و معروف حدیث "اِختِلافُ اُمتی رَحمَۃٌ" کے ظاہر عموم کا منطوق ہے۔

عہد صحابہ سے لے کر آج تک ہر طبقہ، ہر قرن میں اس کی مثالیں ملیں گی کہ اکابر نے اکابر سے، اصاغر نے اکابر سے اختلاف رائے کیا۔ قدیم امثلہ کو جانے دیجئے اس عہد کی چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

صدر الافاضل، فخر الاماثل حضرت مولانا الحاج شاہ نعیم الدین صاحب قدس سرہٗ نے بعض مسائل میں امام اہلسنّت اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کا اختلاف کیا ہے، مثلاً قنوت نازلہ میں دعائے قنوت قبل رکوع ہے یا بعد رکوع؟ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا فتویٰ ہے کہ قبل رکوع اور حضرت صدر الافاضل کا فتویٰ ہے کہ بعد رکوع اور خود حضرت والا نے بھی اس مسئلے میں اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے بجائے حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے اتباع کی وجہ سے حضرت

صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ مبارکہ "التحقیق الکامل" پر اعتراضات کی ایک لمبی فہرست بھیجی تھی معلوم نہیں اب یاد بھی ہے یا نہیں۔ میں نے حضور والا سے اختلاف رائے کیا تو یہ بھی حضور والا کی ایک طرح کی اتباع ہے، اپنی ہی سنت کے عامل پر یہ چشم عنایت کیا معنی؟

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا فتویٰ ہے کہ سیپ کا چونا کھانا حرام ہے (فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۱۰۷) مگر علماے بہار سیپ کا چونا کھانا حلال جانتے ہیں، کھاتے ہیں، بعض حضرات نے اس کی حلت کا فتویٰ بھی تحریر فرمایا ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا فتویٰ ہے کہ مزامیر کے ساتھ قوالی مطلقاً ناجائز ہے مگر ہمارے اکابر اہلسنت کا ایک طبقہ اسے جائز جانتا ہے اور نہ صرف جائز جانتا ہے بلکہ سلوک میں مُمد و معاون جان کر اسے سنتا بھی ہے اور سناتا بھی ہے۔

مگر یہ سب اختلافات کبھی بھی آپس میں سب و شتم اور اس ذوق کی تسکین کا باعث نہ ہوئے جو حضور والا کے "صحیح المسلک" میں جگہ جگہ جھلک رہا ہے بلکہ تمام امت شاہد ہے کہ اس قسم کے اختلافات کے باوجود آپس میں محبت و مودت بلکہ عقیدت کے روابط ہمیشہ باقی رہے ہیں، اور انشاءاللہ تعالیٰ باقی رہیں گے۔

ہاں اگر اختلاف رائے بلا دلیل محض نفسانیت کی بنا پر ہو تو البتہ یہ مذموم و لائق ملامت ہے اس مسئلے میں میرا حضور والا کی ذاتی تحقیق سے اختلاف بلا دلیل اتباع نفس کی وجہ سے ہے یا دلیل شرعی کی روشنی میں اتباع حق کی وجہ سے؟ اس کا اندازہ ہر اس شخص کو ہو گیا ہے جس نے دونوں فریق کی تحریریں پڑھی ہیں۔"

(اسلام اور چاند کا سفر ص ۸ تا ۱۰ ملخصاً)

خودستائی، یا تحدیث نعمت

خودستائی عام طور سے مذموم سمجھی جاتی ہے اور واقعہ بھی یہی ہے لیکن اگر یہی خودستائی "تحدیث نعمتِ الٰہیہ" کے طور پر ہو تو جائز و درست ہے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی ایک نعت کے مقطع میں اپنے وصف کمال کا اظہار نعمت خداوندی کے اظہار کے لیے کیا ہے لیکن بعض حضرات نے یہ خیال کر کے کہ یہ تو خودستائی ہے یہ سمجھا کہ شاید وہ مقطع اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا نہیں، بلکہ داغ دہلوی نے عقیدت کی بنیاد پر یہ

مقطع اپنی طرف سے جوڑ دیا ہے مگر یہ محتاج ثبوت ہے، یہاں دو طرفہ الجھن ہے، مقطع اعلیٰ حضرت کا مانئے تو خود ستائی ہے داغ دہلوی کا مانئیے تو ثبوت درکار ہے۔ اس لیے پیلی بھیت کے قاری امانت رسول صاحب دام مجدھم نے آپ سے یہ سوال کیا:

"سرکار اعلیٰ حضرت کی لکھی ہوئی نعت پاک جس کا مطلع ہے:

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

اس کا مقطع ہے۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دئے ہیں

یہ مقطع اعلیٰ حضرت کا ہے یا جناب داغ دہلوی کا۔؟"

اس کے جواب میں آپ رقم طراز ہیں:

"اس خصوص میں میں نے سرکار مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، یا مولانا حسنین رضا خاں صاحب مرحوم، بلکہ حضرت حجۃ الاسلام و حضرت صدر الشریعہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے کچھ نہیں سنا ہے، اور مجھے اس کا یقین ہے کہ یہ مقطع بھی سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا فرمودہ ہے۔

یہ سخت عیب ہے کہ کوئی شاعر دوسرے کا کلام اپنے کلام میں اس طرح شامل کرلے کہ ہر پڑھنے والا یہی سمجھے کہ اسی کا کلام ہے۔ اور یہ عذر کہ گاڑی کا وقت تنگ ہو گیا تھا اس لیے مقطع نہیں لکھوایا آپ خود غور کریں کیسا ہے۔ اتنی لمبی نعت لکھوانے میں گاڑی کا وقت تنگ نہیں ہوا، اور ایک شعر لکھوانے میں گاڑی کا وقت تنگ ہو گیا۔ یہ روایت بتواتر ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نظم بھی اسی طرح کہہ لیتے تھے جیسے نثر۔

اس روایت پر ایک اشکال یہ بھی ہے کہ ۱۸۵۷ء کے حادثہ کے بعد داغ دہلی رہتے ہی نہیں تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی ولادت باسعادت ۱۸۵۷ء سے تین چار سال پہلے ہوئی ہے اور حضرت حسن میاں رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت اعلیٰ حضرت کے بعد ہے پھر دہلی جانے کا قصہ کیسے درست ہوگا۔

راوی کتنا ہی ثقہ متدیّن ہو جب اس کی روایت کا کوئی جز خلاف واقع ہو تو ساری روایت مجروح ہو جاتی ہے۔

بہر حال مجھے اذعان ہے کہ یہ مقطع داغ کا نہیں، بلکہ خود اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا فرمودہ ہے اور بطور تحدیث نعمت ہے جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر کے سامنے فرمایا تھا اِنّی حفیظٌ علیمٌ اور جیسا کہ خود حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَنا سیّدُ ولدا دم ولا فخر۔ محبوبان بارگاہ کبھی کبھی اپنے فضل وکمال کے اظہار کے لیے مامور ہوتے ہیں۔"

(رجسٹر فتاویٰ شریفیہ نمبر ۶۳۳ الف)

اس فتوے میں حضرت نائب مفتیٔ اعظم نے بڑی صفائی و دیانت داری کے ساتھ واضح فرمادیا کہ یہ مصرعہ داغ دہلوی کا نہیں ہے کہ نہ روایت موجود، نہ درایت شاہد۔

پھر ساتھ ہی اس کی بھی وضاحت فرمادی کہ یہ تحدیث نعمت ہے جس کا جواز کتاب وسنّت سے ثابت ہے۔

(مزاح لطیف)

کبھی کبھی جب انبساط میں ہوتے ہیں تو فتوے میں بھی مزاح لطیف کا پہلو اختیار فرماتے ہیں ایک دفعہ ایک صاحب بریلی شریف میں آئے اور یہ سوال پیش کیا کہ دو بھائیوں میں لڑائی ہوئی ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا اور سر الگ ہو گیا رونا دھونا مچ گیا اسی اثنا میں ایک فقیر آیا اس نے پوچھا کہ کیا بات ہے تو انہوں نے قصہ بتایا اس نے دونوں کے سر جوڑ کر زندہ کر دیا مگر سر بدل گیے اب کیا کیا جائے۔؟

ظاہر ہے کہ یہ کوئی واقعہ نہیں تھا علما کی آزمائش کے لیے کسی نے بنایا تھا:

حضرت نے قلم برداشتہ اس کا یہ جواب لکھا "اس فقیر کو پھر پکڑا جائے اور ان دونوں کا سر قلم کیا جائے اور صحیح طور پر جوڑوالیا جائے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ وہ صاحب غصے میں تھے جب میں نے جواب لکھا، پوچھا کیا جواب دیا میں نے بتایا تو وہ اچھل گئے اور غصے میں انجانے طور پر گالیاں دینے لگے انہوں نے کہا کہ فلاں ہے جو کہتا ہے کہ بریلی میں اب علم نہیں رہا اعلیٰ حضرت تک تھا اب ختم ہو گیا اس پر ہماری اس شخص سے بحث ہو گئی تو اس نے یہ سوال دیا میں لے جا کر اس کے سر پر پٹکوں گا کہ بڑے مولوی صاحب (حضرت مفتیٔ اعظم ہند) کی بات تو بہت اونچی ہے۔ ان کے شاگرد نے دو منٹ میں یہ جواب لکھ دیا وہ گئے تین دن کے بعد پھر آئے اور اصل سائل کو گالی دے کر کہا کہ اب وہ یہ کہتا ہے کہ "فقیر غائب ہو گیا، مل نہیں رہا ہے" اب حضرت نے اصل جواب لکھا:

"موت سے نکاح ختم ہو گیا عدت گذرنے کے بعد نکاح کر دیا جائے۔"

فتوے سے رجوع

فتویٰ نویسی کے دوران ایسے بھی حالات سامنے آتے ہیں کہ مفتی نے پوری تحقیق و جستجو سے ایک رائے قائم کی اور اسی کے مطابق فتویٰ صادر کر دیا، بعد میں اس کی رائے بدل گئی تو وہ پہلے قول سے رجوع کر کے دوسرے قول کو اختیار کر لیتا ہے کتب فقہ میں اس کے نظائر کثیر ہیں، حضرت نائب مفتیٔ اعظم ہند دام ظلہٗ العالی کو بھی اس طرح کے حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے اور آپ نے کئی ایک سابق فتاوی سے رجوع کر کے دوسرا فتویٰ صادر فرمایا

ہے۔

مثلاً:

☆ٹی وی دیکھنے کا مسئلہ۔ پہلے آپ مشروط طور پر جواز کے قائل تھے اور اب آپ کا موقف عدم جواز کا ہے۔

☆ کمیشن پر زکوۃ و صدقات کی وصولی کا مسئلہ پہلے آپ نے ایک تفصیلی فتویٰ عدم جواز کا تحریر کیا تھا۔ اور اب آپ جواز کا حکم صادر کرتے ہیں۔

☆اوجھڑی کا مسئلہ: اس کے بارے میں آپ خود تحریر فرماتے ہیں:

قربانی اور عقیقہ کی اوجھڑی کے بارے میں جو کچھ میں نے لکھا تھا وہ اپنے ذہنی استخراج سے لکھا تھا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے ارشاد کے بعد میرے استخراج کی کوئی حیثیت نہیں میں اپنے فتویٰ کے اس حصہ سے رجوع کرتا ہوں کہ آنتیں اور اوجھڑی کافر کو نہ دی جائیں میں نے حکم کی بنیاد جس چیز کو بنایا تھا یہاں کے کافروں کو ہدیہ جائز نہیں۔ وہ اب بھی باقی ہے لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ارشاد میری سمجھ میں آئے یا نہ آئے وہی میرا فتویٰ ہے یہ میری سمجھ کی کوتاہی ہے کہ میں اس کی لِم نہیں سمجھ پایا۔

فتویٰ نویسی کے سلسلہ میں آپ کے چند ارشادات

حضرت دام ظلہٗ العالی ایک کہنہ مشق، اور عظیم مفتی ہیں اس حیثیت سے آپ کے ارشادات تجربے پر مبنی اور بہت ہی مفید ہیں۔ طلبہ مشق فتویٰ نویسی کیسے کریں اس سلسلے میں آپ فرماتے ہیں :

☆ مشق کے لیے پہلی بنیادی بات یہ ہے کہ طالب علم بہار شریعت کا بالترتیب و بالاستیعاب مطالعہ کرے۔ بہار شریعت میں جس کتاب کا حوالہ ہو اس کو بھی دیکھے، پھر جو کتب فقہ میسّر ہوں، خصوصاً ردّالمحتار، فتاویٰ عالمگیری، بحر الرائق، غنیۃ، بدائع الصنائع، وغیرہ۔ ان میں بھی اس مسئلے کو دیکھ لے۔

اگر مختلف اقوال ہوں تو وہ خود سوچ کر کوشش کرے کہ وجہ ترجیح معلوم کرے، ورنہ اپنے شیخ کی طرف رجوع کرے، اس کو ٹالے نہیں۔ یہ فتویٰ نویسی کی خشتِ اوّل ہے۔

اسی کے ساتھ فتاویٰ رضویہ میں بھی، تلاش کرے کہ وہ مسئلہ ہے، یا نہیں، اور اس کو بغور پڑھے، بلکہ بہار شریعت کے بعد سب سے پہلے فتاویٰ رضویہ ہی کو دیکھے یا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے وہ رسائل جن میں یہ مسئلہ مذکور ہو اس کو دیکھے۔

☆ فتاویٰ لکھنے میں کن امور کا لحاظ ضروری ہے اس کے بارے میں فرماتے ہیں :

فتویٰ نویسی کے لیے پہلی بات یہ ہے کہ سوال کو بغور پڑھے سائل کے لہجہ سے یہ پہچاننے کی کوشش کرے

کہ یہ حکم شرعی معلوم کرنے کے لیے پوچھ رہا ہے یا آزمانے کے لیے پوچھ رہا ہے یا یہ سوال مناظرانہ ہے؟ یہ کام بہت مشکل ہے لیکن کوشش کرنے سے اس میں مہارت ہو جاتی ہے پھر سائل جس قسم کا ہو اسی اعتبار سے اس کو جواب دینا چاہیے۔ مقلد سائل مخلص ہے حکم شرعی معلوم کرنا چاہتا ہے تو بہت عمدگی کے ساتھ تحقیقی جواب دیا جائے اور اگر وہ سوال کسی اشکال کے سلسلے میں ہے تو اس اشکال کو ضرور حل کیا جائے۔

بقیہ سائل کے لیے الزامی جواب کافی ہے۔

☆اصلاح حاصل کرنے میں کس امر کا لحاظ کرے؟ فرماتے ہیں:

جب اپنے استاذ کے یہاں جواب سنائے اور وہ کوئی اصلاح فرمائیں تو اس کو بغور سنے اور تسلی نہ ہو تو ان سے دوبارہ سوال کرے اور اگر کسی وجہ سے جلال آجائے تو حسنِ تدبیر سے ان کے جلال کو جمال سے بدلنے کی کوشش کرے یا یوں کسی اور مناسب وقت پر چھوڑ دے۔ مگر وجہ ضرور معلوم کرلے، اصلاح کے وقت وہ جو کچھ فرمائیں اس کو بغور سنے۔

☆کم از کم پوری شامی عالمگیری غنیۃ اور بحر الرائق فتح القدیر کا مطالعہ ضرور کرے اور مطالعہ کرتے وقت ایک سادہ کاپی رکھ لے جس میں اہم مسائل کو مع صفحہ نوٹ کرے کاپی اگر ابواب کی ترتیب سے رکھے تو آسانی ہوگی؛

مطالعہ کے وقت اہم مسائل و مباحث کو آنکھ بند کر کے پانچ چھ مرتبہ ذہن میں بٹھالے کتب فقہ کے علاوہ کنزالایمان مع خزائن العرفان روزانہ کم از کم نصف پارہ کا مطالعہ کرلیا کرے آیات کے کلمات کریمہ کے جو ترجمے کنز الایمان میں ہیں ان کو ذہن میں بٹھائے اور حضرت مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے جو افادہ فرمایا ہے اس پر غور کرے کہ افادہ کی ضرورت کیا ہے۔

مزید براں تفسیرات احمدیہ، مدراک، صاوی، خازن کا بھی مطالعہ کرے شروح حدیث میں اشعۃ اللمعات، مرقات، اور فتح الباری، عینی عمدۃ القاری کی ان احادیث وشروح کا ضرور مطالعہ کرے جن کا تعلق عقائد واعمال سے ہو اگر پوری مطالعہ کرے تو کیا کہنا۔

عقائد میں، شرح عقائد، المعتمد المستند اور اعلیٰ حضرت کے تمام رسائل کا مطالعہ کرے۔

باب سوم

آپ کے تلامذہ

آپ کے تلامذہ کی تعداد تو بہت زیادہ ہے لیکن ہم یہاں صرف ان تلامذہ کے ذکر پر اکتفا کریں گے جنھوں نے آپ کی بارگاہ میں رہ کر فتویٰ نویسی سیکھی۔

فن فتویٰ نویسی اہم فنون سے ہے جو تقریر، تدریس، تالیف اور تصنیف سب سے مشکل ہے، اور سوئے اتفاق کہ لوگوں کی نگاہ میں اس کی اہمیت اور وقعت بھی بہت کم ہے حتی کہ جن حضرات کو اس کی اہمیت سمجھنی چاہیئے وہ بھی اسے خاطر میں نہیں لاتے یہی وجہ ہے کہ ایک مقرر، یا مدرس کو جو مراعات حاصل ہوتی ہیں خالص مفتی کو وہ مراعات نہیں مل پاتیں، بلکہ ایسے کتنے واقعات ہیں کہ فتویٰ کسی کے خلاف پڑ گیا تو وہ دشمن بن گیا، وہ مسائل جن کے بارے میں قرآن وحدیث کے نصوص صحیحہ موجود ہیں مثلاً سود، وغیرہ ایسے مسئلے بھی آج لوگ قبول نہیں کر پاتے کیونکہ اس سے ان کے کاروبار پر اثر پڑتا ہے، پھر ان میں بہت سے لوگ مخالف ہو جاتے ہیں، حتی کہ ناحق الزام تراشی بھی شروع کر دیتے ہیں۔ یہ وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر علما، طلبہ اس مبارک فن کی طرف توجہ کرنے سے کتراتے ہیں اور آج اس شعبہ میں قحط الرجال پڑا ہوا ہے اس لیے اس فن کے طلبہ کی تعداد دو چند بھی ہو تو بہت ہے تاہم یہ حضرت کا فیضان علم ہے کہ آپ کی بارگاہ سے دو چند نہیں، بلکہ کثیر علما نے فتویٰ نویسی سیکھی مگر ہم یہاں سب کا نام نہیں پیش کر سکیں گے، دار العلوم اشرفیہ میں اس وقت جو علما آپ کے ماتحت رہ کر فتویٰ نویسی کا کام کرتے ہیں اور آپ سے ہر گام پر استفادہ کرتے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) جناب مولانا مفتی محمد معراج القادری صاحب مصباحی، فیض آبادی

(۲) جناب مولانا مفتی محمد نسیم صاحب مصباحی فیض آبادی

(۳) جناب مولانا مفتی بدر عالم صاحب قادری مصباحی فیض آبادی

(۴) جناب مولانا مفتی جمال مصطفیٰ صاحب قادری مصباحی نبیرۂ حضور صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ

(۵) جناب مولانا مفتی ارشاد احمد صاحب قادری مصباحی، سہسرام

(۶) اور ایک طالب علم کی حیثیت سے راقم الحروف محمد نظام الدین رضوی مصباحی ضلع کوشی نگر۔

ہم سبھی لوگوں نے فتویٰ نویسی اس طور پر سیکھی کہ سوال پڑھ کر حضرت کو سناتے اور حضرت اس کا جواب املا

کراتے، املا کے دوران حوالہ کے لیے فقہی عبارتوں کی تلاش کبھی املانویس کرتے ہیں، کبھی خود حضرت، اس دوران الگ سے کچھ مسائل کا جواب اپنے طور پر بھی لکھ کر سناتے اور اصلاح لیتے ہیں۔ جب حضرت کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اب یہ خود سے فتویٰ لکھ سکیں گے تو املانویسی بند کر کے اپنے طور سے فتوے لکھنے کا کام سپرد فرماتے ہیں، پھر اس کی اصلاح کر کے اپنی تصدیق کے ساتھ جواب جاری کرتے ہیں۔

فتوے کی اصلاح کا کام بہت مشکل ہوتا ہے، خود میرا اپنا حال یہ ہے کہ سوال بار بار بغور پڑھتا ہوں، پھر مطالعہ کر کے اس کا جواب لکھتا ہوں۔ لکھنے کے بعد ایک بار پھر سوال وجواب پر نظر ثانی کرتا ہوں، ان مراحل سے گزر کر پھر اصلاح کے لیے حضرت کو سناتا ہوں، حضرت پورا سوال وجواب بہت غور سے حاضر دماغی کے ساتھ سنتے اور اصلاح فرماتے ہیں، کبھی کبھی فرماتے ہیں کہ سائل نے ایک بات یہ بھی دریافت کی ہے اس کا جواب نہیں ہوا ہے، میرے ہزاروں فتاویٰ ہیں اور حضرت کی ہزاروں قیمتی اصلاحات، نہ سب یاد ہیں، نہ سب کو اس وقت پیش کر سکتا ہوں ایک دو تازہ اصلاحات کے نمونے ملاحظہ فرمائیں:

ایک جلیل القدر عالم دین نے یہ سوال بھیجا کہ:

دس آدمی مل کر اس طرح کام کرتے ہیں جسے وہ بسّی کہتے ہیں کہ ہر ماہ میں دس ہزار روپے جمع کرتے ہیں جب ایک لاکھ روپے ہو جاتے ہیں تو وہ لوگ اس رقم پر آپس میں بولی بولتے ہیں مثلاً زید نے کہا نوے ہزار، بکر نے کہا اسی ہزار، خالد نے کہا پچھتر ہزار، تو پچھتر ہزار پر بولی ختم ہو گئی، خالد نے ایک لاکھ میں سے پچھتر ہزار لے لیا، باقی پچیس ہزار کو ڈھائی ڈھائی ہزار سب نے بانٹ لیا اس طرح وہ دس آدمی ہر ماہ کرتے ہیں تو یہ جائز ہے، یا نہیں؟

ابتداءً میں نے اس کا جواب یہ لکھا کہ یہ معاملہ جائز ہے، اور اس کی توجیہ بھی کی حضرت کو سنایا تو آپ نے اسے غور طلب قرار دیا، اب میں نے دوبارہ غور کیا تو محسوس ہوا کہ جواب غلط ہے، پھر اسے بدل کر دوسرا جواب عدم جواز کا اس وثوق کے ساتھ لکھا کہ ان شاء اللہ اب صحیح یہی ہے اس دفعہ حضرت نے بھی اتفاق فرما لیا۔

ایک سوال ایک ماہ پہلے یہ آیا کہ:

"ہندہ کے چچا نے یہ قسم کھائی کہ حضور علیہ السلام چلے آویں اور ایک طرف جنت ہو اور ایک طرف دوزخ۔ پھر حکم فرماویں کہ "تم لوگ رخصتی کر دو، ہم جنت میں داخل کر دیں گے۔" تو ہم لوگ دوزخ میں جانا گوارا کریں گے لیکن رخصتی نہیں کریں گے، اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟"

ہندہ کے چچا کا یہ کلام کفر ہے یا نہیں؟ میں اس میں متردد ہو گیا کیونکہ دلائل دونوں طرح کے تھے۔

کفر کی دلیل فتاویٰ عالمگیری کی یہ عبارت تھی:

"رجلٌ أراد أن یضرب عبدہٗ فقال لہٗ رجل : لا تضرِبْہٗ .

فقال: "اگر محمد مصطفیٰ گوید مزن نہ ہلم" یلزمہ الکفر۔"

کفر نہ ہونے کی دلیل کئی احادیث نبویہ تھیں مثلاً مسجد نبوی کی توسیع کے لیے زمین کی ضرورت تھی مالکِ زمین سے سرکار نے فرمایا اسے بیچ دو میں اس کے عوض تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوں۔ یونہی بیر رومہ کے مالک سے آپ نے فرمایا، بیچ دو، ان حضرات نے انکار کر دیا ۔ پھر بھی وہ حضرات مسلمان ہی رہے۔ دونوں دلیلوں میں غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ ان حدیثوں میں سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا حکم برائے ترغیب ہے جس کی دلیل جنت کی ضمانت ہے اس لیے وہاں بیع سے انکار کفر نہیں، جب کہ فتاویٰ عالمگیری میں ترغیب کا کوئی قرینہ نہیں اس لیے وہ امر برائے وجوب و لزوم ہوگا، نہ کہ برائے ترغیب و ندب۔ لہٰذا یہاں انکار کفر ہوگا۔ اس نتیجے کی روشنی میں مسئلہ دائرہ کا حکم میرے لیے آسان ہو گیا کہ وہ کفر نہیں کیونکہ یہاں بھی جنت کی ضمانت ہے تو امر برائے ترغیب و ندب ہوا۔ میں نے یہی جواب لکھ کر حضرت کو سنایا تو فرمانے لگے یہ جملہ کفر ہے پھر سے غور کر لو۔ میں کبھی بھی فتویٰ نویسی میں جلدی بازی نہیں کرتا، اور جب تک تبادلۂ خیال، بحث و مباحثہ اور مزید غور و فکر کے ذریعہ اطمینان کامل نہیں حاصل ہو جاتا تحقیق و غور و فکر سے نہیں اکتاتا، اس لیے میں نے از سر نو سوال پڑھا، جواب میں غور کیا، تو اب تو اس نتیجے پر پہونچا کہ حدیث کے واقعات میں اور اس سوال کے واقعہ میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ اپنی زمین یا کنواں بیچنا مالک پر لازم نہیں، جب کہ بیوی پر اپنے شوہر کی اطاعت اور اس کے ساتھ معاشرت واجب ہے لہٰذا یہاں سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا حکم برائے وجوب ہی ہوگا گو ساتھ میں ترغیب بھی ہو، اور حدیث میں صرف برائے براغیب ہوگا۔ اب اطمینان کے ساتھ میں نے قائل پر حکم کو صادر کر کے توبہ و تجدیدِ ایمان کا حکم دیا۔

غور فرمایئے سوال بظاہر کس قدر آسان ہے لیکن فتویٰ نویسی کے نقطۂ نظر سے کس قدر مشکل۔ اور جو سوالات واقعی مشکل ہوتے ہیں ان کی تو بات ہی جدا ہے۔

یہ حضرت نائب مفتیٔ اعظم ہند دام ظلہٗ العالی کی اصلاحات کے دو نمونے ہیں جن سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فقہ میں آپ کی نظر کتنی دقیق ہے۔

مفتی پر یہ لازم ہوتا ہے کہ نقول مذہبی پر سختی کے ساتھ قائم رہ کر اسی کے مطابق فتوے لکھے، لیکن ساتھ ہی حالات زمانہ کی رعایت عرف و عادات ناس سے واقفیت اور صورت مسئلہ کی تبدیلی پر بھی نظر رکھنی ضروری ہوتی ہے میں اس باب میں جامد محض تھا مگر اب جامد نہیں، یہ تبدیلی مکمل طور پر حضرت دام ظلہٗ العالی کی اصلاح و تربیت کا فیض ہے، جدید مسائل میں عصری اسلوب پر میری جو بھی تصانیف ہیں وہ اسی فکری پیداوار کی دین ہیں ورنہ کہاں وہ جمود اور کہاں یہ شعور۔

میرا مقصود یہ نہیں کہ میں حضرت کے تلامذہ کے ذریعہ حضرت کا تعارف کراؤں، حضرت کا صحیح تعارف

حضرت کے اہم علمی کارنامے ہیں، آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، آپ کی بلند خیالی اور فکری گہرائی و گیرائی ہے، البتہ یہ مشہور ہے کہ ”درخت اپنے پھل کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے“ اس لیے تکمیل باب کے طور پر میں نے آپ کے تلامذہ کا بھی تذکرہ کیا کہ ان کے کارناموں سے حضرت کی علمی شخصیت کا کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہوگا۔

ع یہ قصہ لطیف ابھی ناتمام ہے

درج ذیل علمائے کرام نے بھی آپ کی بارگاہ سے فتویٰ نویسی سیکھی

☆ جناب مولانا مفتی محمد شفیق احمد صاحب، مدرسہ افضل المدارس، الہ آباد

☆ جناب مولانا محمود صاحب مصباحی، جامعہ قادریہ، پلاموں

☆ جناب مولانا معین الدین صاحب مصباحی، جامعہ اشرف کچھوچھہ

☆ جناب مولانا محمود صاحب مصباحی نیپالی، دارالعلوم محبوب یزدانی، بسکھاری ضلع امبیڈکر نگر

☆ جناب مولانا زبیر احمد صاحب مصباحی۔ کرناٹک

☆ جناب مولانا ریاض احمد صاحب مصباحی

☆ جناب مولانا مظفر صاحب گیا

☆☆☆☆

مولانا آل مصطفیٰ مصباحی
استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ قصبہ گھوسی ضلع مئو

شارح بخاری کی فقہی بصیرت

"فقہ و فتاویٰ" میں رسوخ و مہارت اور بصیرت مولیٰ عزوجل کی عظیم نعمت اور اسکی جانب سے خیر و بھلائی کا فیضان ہے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

من یرد اللہ بہ خیرًا یفقھہ فی الدین (بخاری) جسکے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا کرتا ہے۔اور ایسا ہی شخص دراصل عالم دین بھی ہے اور وارث نبی بھی۔ مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں۔

"علم دین فقہ و حدیث ہے، منطق و فلسفہ کے جاننے والے علما نہیں۔ یہ امور متعلق بہ فقہ ہیں۔ تو جو فقہ میں زیادہ ہے وہی بڑا عالم دین ہے، اگرچہ دوسر احدیث و تفسیر سے زیادہ اشتغال رکھتا ہو، پھر بھی عالم دین نہ ہوگا۔"

(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۵۷۲)

حضرت صدر الشریعہ اور حضرت مفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ والرضوان کے چمنستان علم و فقہ کی نکہت جانفزا سے اپنے مشام جاں کو معطر کرنے والوں میں ایک نام حضرت فقیہ عصر شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی مدظلہ العالی کا بھی آتا ہے۔ جو اپنے علمی و فقہی خدمات کے آئینے میں بلاشبہ عالم دین بھی ہیں اور فقیہ بھی ہیں۔

ماضی قریب اور عصر حاضر میں اگر آپ فقہ و فتاویٰ کی انفرادی خدمات کا جائزہ لیں گے۔ تو حضرت فقیہ عصر کی ذات منفرد نظر آئے گی۔ اگر نگاہ غور سے جائزہ لیا جائے تو تمام ابواب فقہ سے متعلق متقدمین و متاخرین فقہا کی تحقیقات و تدقیقات کو اردو زبان میں منتقل کرنے کا سہرا، مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ اور ان کے بعض اخلاف و تلامذہ کے بعد حضرت فقیہ عصر کے سر بندھتا ہے۔

میرا یہ ریمارک کسی خارجی یا داخلی جذبہ کے تحت نہیں بلکہ اپنی معلومات کے مطابق حقیقت پسندی کا رہین منت ہے اور جس پر آپ کے "فقہ و فتاوی" کا وہ تحریری ذخیرہ شاہد عدل ہے۔ جو تقریباً ساٹھ ہزار فتاویٰ، حواشی فتاویٰ امجدیہ اول دوم، ہندو پاک کے مختلف سنی رسائل و جرائد میں ان کے اہم مطبوعہ فتاوی اور فقہی افادات نیز نزھۃ القاری شرح بخاری، ایصال ثواب، مقالات امجدی، منصفانہ جائزہ، وغیرہ کتب و رسائل میں جگہ جگہ فقہی مباحث و مسائل کی شکل میں دیکھا اور پڑھا جا سکتا ہے۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ فقہ و فتاویٰ کی شکل میں علوم شریعت کی تہذیب و اشاعت کا جو بیڑا سالہا سال سے

۱

انھوں نے اپنے کاندھے پر اٹھار کھا ہے۔ وہ ان کے کارنامہاے حیات کا ایسا زریں باب ہے۔ جس نے انہیں اب ایک تاریخ ساز اور عصر آفریں شخصیت کا مالک بنادیا ہے۔

قارئین کو ان کے فتاویٰ اور فقہی افادات میں کتاب وسنت کے نصوص بھی ملیں گے اور مستند ائمہ فقہ اور شہرۂ آفاق علماو فقہا کا سرمایۂ علم ویقین بھی ملے گا۔ جسے پڑھنے کے بعد ان کی فقہی بصیرت نکھر کر سامنے آجائے گی۔

میری نظر میں حضرت فقیہ عصر کی فقہی خصوصیات کا اجمالی خاکہ کچھ اس طرح ہے۔

☆ جملہ ابواب فقہ پر گہری نظر۔

☆ جزئیات کا استحضار۔

☆ پیش آمدہ مسئلہ پر متعلقہ جزئیات، ونصوص کو منطبق کرنے کا ملکہ۔

☆ نوپید مسائل میں علت منصوصہ کے اجرا، نصوص کی دلالت اور کتب فقہ کے نظائر سے حکم شرعی کا اثبات۔

☆ استفتوں کے جواب لکھنے اور لکھوانے میں برجستگی۔

☆ شقوق واقعیہ اور محتملہ کا احاطہ۔

اب ہم ذیل میں فقیہ عصر کی مذکورہ خصوصیات کے شواہد نقل کررہے ہیں۔ لیکن ان کے فتاویٰ کے نمونے پیش کرنے سے قبل اپنے ان مشاہداتی امور کا تذکرہ و تجزیہ پیش کریں گے۔ جو فقیہ عصر کے جودت فکر ونظر، تدقیق و تحقیق اور فقہی باریکیوں کا پتہ دیتے ہیں۔

اب میں اپنا مشاہدہ پیش کرتا ہوں۔ ۱۹۸۹ء کی بات ہے میں جب جماعت ثامنہ (دورۂ حدیث) کا طالب علم تھا۔ حضرت فقیہ عصر کی خصوصی عنایات شامل حال تھیں۔ میں خالی گھنٹیوں میں دار الافتا چلا جاتا اور استفتے لیکر جواب لکھتا حضرت سنتے اور اصلاح فرماتے تھے۔ بسا اوقات اکثر سطریں کاٹ دیتے۔ جبکہ میں بظاہر صحیح لکھتا تھا۔ پھر وجہ بھی ذکر فرماتے کہ فتویٰ نویسی کا انداز یوں ہونا چاہیے۔ اکثر تائیدی عبارتیں زبانی لکھواتے۔ پھر جب فراغت کے بعد حضور محدث کبیر ممتاز الفقہا حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ العالی کی عنایتوں سے پھر دوبارہ مشق افتا کیلئے جامعہ اشرفیہ حاضر ہوا تو حضرت فقیہ عصر نے مشق افتا کے علاوہ کم از کم ایک گھنٹہ فتاوی کے املا کی ذمہ داری بھی سونپ دی۔ جو مشق افتا کے لئے بہت مفید ہے۔

اب فتاویٰ املا کرتے وقت کا حال سنئے۔۔ میں پہلے استفتا پڑھکر سنا دیتا۔ حضرت بلا تکلف جواب لکھواتے۔ کبھی کبھی چند سوالات میں ایک ساتھ سنا دیتا۔ سب کا جواب حسب ترتیب لکھواتے اور بہت کم ایسا ہوتا کہ دوبارہ کسی سوال کو پڑھنے کا حکم دیں۔ کبھی ایک سوال میں کئی کئی شقیں ہوتی تھیں۔ ایک ہی بار سوال سن کر تمام شقوں کا جواب لکھواتے۔ کبھی تفصیلی اور کبھی اجمالی اکثر استفتوں میں تائیدی عبارتیں زبانی لکھواتے۔ اگر کسی استفتا کے جواب

میں فقہی عبارت دیکھنی ہو تو مجھ سے فرماتے فلاں کتاب نکالو۔ اس میں اس مفہوم کی عبارت تلاش کرو۔ میں تلاش کرتا بسا اوقات تاخیر ہوتی تو خود سے کتاب لے کر فوراً عبارت نکال کر بتاتے اور لکھواتے تھے۔ ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اہم سے اہم فتاویٰ تحریر کراتے وقت بھی مسودہ ہرگز نہیں لکھواتے ہیں۔ بلکہ جو لکھواتے، برجستہ لکھواتے ہیں۔ اور وہی مسودہ مبیضہ ہوتا ہے۔ اور یہ سب سلسلے آج بھی اسی طرح ہیں۔ رد وہابیہ پر جب کوئی فتویٰ تحریر کراتے ہیں۔ تو ایسا معلوم ہوتا کہ دیوبندیوں کی کفری عبارتیں اور دیوبندی علما کی تاویلات یہ سب آپ کو زبانی یاد ہیں۔ پھر ائمہ تفسیر وحدیث وفقہ کے ارشادات سے بدمذہبوں کے اقوال کفریہ کا شدید رد وابطال فرماتے ہیں۔

ایک بار کا واقعہ ہے، جس سال راقم الحروف حضرت فقیہ عصر کے پاس افتا کی ٹریننگ لے رہا تھا۔ محب محترم مولانا زاہد علی سلامی بھی مشق افتا فرما رہے تھے دارالافتا میں ایک استفتا آیا۔ جو دیوبندیوں کے عقائد سے متعلق تھا میں اور حضرت مولانا زاہد علی سلامی صاحب نے یہ مشورہ کیا کہ یہ استفتا حضرت کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ چنانچہ میں نے املا کرتے وقت وہ استفتا حضرت کو سنایا۔ اس میں سائل نے پوچھا تھا کہ ایک صلح کلی والے مفتی صاحب نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث سے دیوبندیوں کے مسلمان ہونے پر استدلال کیا ہے۔

حدیث کا خلاصہ یہ ہے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ہم لوگوں کو قوم جہینہ سے مقابلہ کیلئے بھیجا ہم نے ان لوگوں سے جنگ کی اور انھیں شکست دی۔ انہیں میں کا ایک شخص وہ تھا کہ جب میں نے اس پر قابو پالیا۔ تو اس نے لا الہ الا اللہ کہا۔ میں نے اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ جب یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہونچی۔ تو آپ نے فرمایا اے اسامہ تو نے اس شخص کو قتل کر دیا جب کہ اس نے لا الہ الا اللہ پڑھا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے جان کے خوف سے پڑھا تھا۔ فرمایا ”ھلا شققت قلبہ“ کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا۔ اس صلح کلی مفتی کا دوسرا استدلال بقول امام غزالی یہ ارشاد تھا۔ ”جہاں تک ہو سکے اہل قبلہ کی تکفیر سے اپنی زبان روکو۔“

مفتی صلح کلی پھلواری کے فتویٰ کے رد میں آپ نے برجستہ مجھے طویل فتویٰ املا کرایا۔ جو تقریباً پانچ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے کچھ اقتباسات پڑھئے اور حضرت فقیہ عصر کی علمی جلالت اور فقہی مہارت کا اندازہ لگائیے اور لطف اٹھائیے۔

”آپ نے جس فتویٰ کی نشاندہی کی ہے۔ وہ کئی وجہ سے صحیح نہیں۔ اول حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث یہاں بالکل بے محل نقل کی ہے۔ اس لئے کہ سوال دیوبندیوں اور مودودیوں اور تبلیغیوں کے بارے میں ہے۔ دیوبندی اور مودودی کلمہ پڑھتے ہوئے، اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے ضروریات دین کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل اور حضور اقدس ﷺ کی توہین کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ کافر ہیں۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جس کافر کو قتل کیا تھا وہ پہلے کھلا ہوا کافر و مشرک تھا۔ اس نے کلمۂ طیبہ

پڑھا جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے کلمہ پڑھنے کے بعد قتل ہونے تک نہ ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کیا، اور نہ اللہ عزوجل کی توہین کی، اور نہ حضور اقدس ﷺ کی گستاخی کی۔ اور نہ اس سے کوئی اور کفر صادر ہوا۔ اس لئے وہ مسلمان ہی رہا اب اسے قتل کرنا درست نہیں تھا۔ حضرت اسامہ نے جو معذرت کی اس کا حاصل یہ ہے کہ اس نے دل سے کلمہ نہ پڑھا تھا۔ جان بچانے کیلئے پڑھا تھا۔ اس پر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ اس نے دل سے کلمہ نہیں پڑھا تھا۔ صرف جان بچانے کیلئے پڑھا تھا۔ تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا۔ اس کو دیوبندیوں کے کفر سے کیا علاقہ۔ دیوبندیوں نے علانیہ اپنی کتابوں میں کفری عبارتیں لکھیں، چھاپیں۔ اور آج تک اس پر اڑے ہوئے ہیں کہ وہ حق ہیں۔ کیا مفتی صاحب اس مقتول کا بھی کوئی کفر بتا سکتے ہیں جو کلمہ پڑھنے کے بعد اس نے کیا ہو۔ اگر نہیں ہرگز نہیں تو دیوبندیوں کو کفر سے بچانے کے لئے اس حدیث کو پیش کرنے سے کیا فائدہ؟

دوسرے یہ کہ ہو سکتا ہے یہ مفتی صاحب اپنے بعض بزرگوں کی طرح یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ جو لا الہ الا اللہ پڑھے وہ مسلمان ہے۔ اگرچہ ضروریات دین میں سے کچھ کو حق نہ مانے۔ تو پھر لازم ہے کہ رافضیوں کو مسلمان جانیں۔ اور ان کے پیچھے بھی نماز کو صحیح کہیں۔ اس لئے کہ رافضی بھی لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں۔ جیسے اس مقتول نے پڑھا تھا۔ مفتی صاحب نے اپنے دیوبندی بزرگوں کے کفر پر پردہ ڈالنے کیلئے حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی قدس سرہٗ کا ارشاد نقل کر دیا۔ مگر یہ نہ سمجھ سکے کہ یہ خود ان کے قول کا رد ہے۔ خود ان مفتی صاحب نے حضرت امام غزالی کے ارشاد کا جو ترجمہ کیا ہے وہ یہ ہے۔ میری نصیحت ہے کہ "جہاں تک ہو سکے اہل قبلہ کی تکفیر سے اپنی زبان روکو۔" اس میں دو لفظ قابل غور ہیں۔ ایک اہل قبلہ، دوسرے یہ کہ جہاں تک ہو سکے زبان روکو کا کیا مطلب۔ افسوس یہ ہے کہ المنقذ من الضلال" یہاں نہیں ورنہ ہم اسی سے مفتی صاحب کو سمجھا دیتے کہ ان دونوں کا کیا مطلب ہے۔ پہلے آپ اہل قبلہ کا معنی سمجھئے۔ حضرت ملا علی قاری "شرح فقہ اکبر" میں لکھتے ہیں۔ پھر جان لے کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین کے حق ہونے پر متفق ہوں۔ جیسے عالم کا حادث ہونا، اور اجساد کا حشر اور تمام کلیات و جزئیات کا باری تعالیٰ کو علم اور جو اہم مسائل میں سے اس کے مثل ہیں۔ پس جو شخص عمر بھر طاعت و عبادت پر پابندی کرے اور ساتھ ہی ساتھ عالم کے قدیم ہونے اور حشر کے نہ ہونے اور اللہ عزوجل کے لیے جزئیات کا علم نہ ہونے کا اعتقاد رکھے وہ اہل قبلہ سے نہیں۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ اہل قبلہ وہ ہے جو تمام ضروریات دین کو حق مانے ضروریات دین میں سے کسی کا انکار نہ کرے اور اگر کوئی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے بڑا پکا نمازی اور دیندار بنتا ہے اور ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرتا ہے تو وہ اہل قبلہ نہیں۔ دیوبندی مودودی ضروریات دین کا بھی انکار کرتے ہیں، اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کی توہین بھی کرتے ہیں۔ اس لئے وہ اہل قبلہ سے نہیں۔ اور جب اہل قبلہ سے

نہیں۔ تو حضرت امام غزالی کے اس ارشاد سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہونچے گا۔ اس لئے جب وہ اہل قبلہ سے نہیں تو انہیں کافر کہنا اہل قبلہ کو کافر کہنا نہیں۔ اسی شرح فقہ اکبر میں مذکورہ بالا عبارات کے بعد ہے۔ وان المراد بعدم تکفیر اهل القبلة عند اهل السنة انه لا یکفر مالم یوجد شئی من امارات الکفر وعلاماته ولم یصدر منه شئی من موجباته۔ اہل قبلہ کی عدم تکفیر سے مراد اہل سنّت کے نزدیک یہ ہے کہ جب تک اسمیں کفر کی نشانیاں اور علامتیں نہ پائی جائیں اور کفر واجب کرنے والی کوئی چیز نہ صادر ہو تو وہ کافر نہیں۔ اس کا صاف صریح مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اپنے آپ کو اہل قبلہ کہتا ہو۔ مگر اس میں کفر کی نشانیوں علامتوں میں سے کچھ پایا جاتا ہو۔ یا اس سے کوئی کفر صادر ہوا ہو تو وہ کافر ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ مگر قشقہ لگاتا ہے یا زنار باندھتا ہے تو وہ ضرور کافر ہے۔

ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ بلکہ بزعم خویش مسلمانوں کا ہادی بنتا ہے اور رہنما بنتا ہے مگر یہ کہتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ خاتم الانبیا بمعنی آخر الانبیا نہیں۔ وہ یہ کہتا ہے شیطان کے علم کی وسعت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ حضور اقدس ﷺ کے علم کی وسعت ثابت نہیں۔ حضور اقدس ﷺ کیلئے وسعت علم ماننا شرک ہے۔ تو وہ ضرور کافر ہے۔ .... (ماخوذ از فتویٰ قلمی)

مذکورہ بالا اقتباسات میں احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا منظر ملاحظہ فرمایئے۔ اور حضرت فقیہ عصر کی جودتِ فکر کی داد دیجئے۔

(۲) چرم قربانی کو مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں اس سوال کا جواب آج آسان ہے۔ کیونکہ ہمارے سامنے دو عظیم مجموعہ فتاویٰ موجود ہیں۔ ایک فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم اور دوسرے فتاویٰ امجدیہ جلد سوم۔ لیکن حضرت فقیہ عصر نے جس زمانے میں یہ فتویٰ تحریر فرمایا تھا۔ نہ تو فتاویٰ رضویہ کی آٹھویں جلد شائع ہوئی تھی۔ نہ ہی فتاویٰ امجدیہ کی تیسری جلد۔ بہت سے لوگ اس مسئلے میں تذبذب کے شکار تھے۔

دیوبندیوں کے اشتہارات، میں یہ مسئلہ شائع ہوتا تھا۔ کہ قربانی کی کھال اور اس کی رقم کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔ مسجد میں اس کا استعمال جائز نہیں۔ .... میری طالب علمی کا زمانہ تھا۔ ماہنامہ استقامت کانپور میں حضرت فقیہ عصر کا ایک فتویٰ شائع ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

چرم قربانی کا صدقہ کرنا واجب نہیں بلکہ خود اپنے صرف میں بھی لاسکتا ہے۔ یا اسے کسی باقی رہنے والی چیز سے بھی بدل سکتا ہے۔ یونہی اسے ہر نیک کام میں بھی صرف کر سکتا ہے خواہ مسجد کو دے یا کسی اور نیک کام میں لگائے۔ حدیث پاک میں فرمایا۔ کلوا وادخروا انتجروا۔ عالمگیری میں ہے ویتصدق بجلدها اویعمل منه نحو غربال الخ۔

ہاں اگر اپنے لئے باقی نہ رہنے والی چیز کے بدلے میں بیچ کیا ہے۔ تو اب اس ثمن کا تصدق واجب اور یہ ثمن مسجد میں صرف نہیں ہو سکتا یہ ملک خبیث ہے "ماخوذ از فتویٰ مطبوعہ"

ہمارے علاقہ اعظم نگر کے مولانا صاحب استقامت ڈائجسٹ لے کر آئے۔ اور کہا کہ اس فتوے میں چرم قربانی کا مصرف مسجد کو بھی بتایا گیا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے۔ میں کوئی واضح جواب نہ دے سکا۔ بہر حال یہ عرض کرنا ہے کہ جن احکام کو آپ نے وہ بھی غیر معروف احکام کو کتب فقہ سے متخرج فرمایا بعد کی تحقیقات نے اسے صحیح ثابت کر دکھایا۔

(۳) ایک بار دیہات میں نماز جمعہ سے متعلق صرف حضرت فقیہ عصر سے علامہ شامی کی اس عبارت کا تذکرہ کیا جس میں انہوں نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی روایت نادرہ کی ترجیحات کا ذکر فرمایا ہے۔ میں نے کہا علامہ شامی کے بیان کے مطابق، ابو شجاع نے اس تعریف کو احسن بتایا اور لوالجیہ میں اسے صحیح کہا۔ متن وقایہ، متن مختار اور شرح مختار میں اس قول کو اپنایا۔" آپ نے سنتے ہی فوراً ارشاد فرمایا "یہ ابو شجاع نہیں ابن شجاع ہے۔ میں نے کہا شامی میں ابو شجاع ہی لکھا ہے۔ فرمایا اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ نے ابن شجاع کہا ہے۔ چنانچہ پھر میں نے جد الممتار حاشیہ رد المحتار حاشیہ در المختار کا مذکورہ مقام نکال کر دیکھا تو امام احمد رضا کا یہ ارشاد ملا۔ الاظہر ابن شجاع جلد اوّل۔

بات بظاہر معمولی سی ہے۔ مگر جب عمیق فکر کے ساتھ اس کی تہوں کا جائزہ لیجئے تو اقوال و جزئیات کے استحضار کی کھلی ہوئی دلیل نظر آئے گی۔

ملاوٹ والے ڈالڈا گھی کا مسئلہ : ۱۴۰۰ھ میں آپ سے سوال ہوا کہ لوگوں سے سنا جاتا ہے کہ ڈالڈا گھی میں سور کی چربی کی ملاوٹ ہے۔ اسے استعمال کیا جائے یا نہیں۔ آپ نے اس سوال کا جواب جس جامعیت کے ساتھ اصول افتا کو مد نظر رکھتے ہوئے دیا ہے۔ وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"اگر بطریق شرعی یہ ثابت ہو جائے کہ ڈالڈا میں حرام یا ناپاک چربی ملائی جاتی ہے تو یقیناً بلاشبہ ڈالڈا کھانا حرام قطعی۔ بلکہ اگر یہی ثابت ہو جائے کہ حلال بطریق شرعی مذبوح جانور کی چربی ڈالتے ہیں جب بھی ڈالڈا کا کھانا جائز نہ ہو گا۔ اس لئے کہ مذبوح حلال جانور کا گوشت یا چربی اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی مسلمانوں کی نظر سے اوجھل ہو جائے اور کسی کافر کے قبضے میں چلی جائے تو اس کا کھانا حرام ہے۔ ظاہر ہے کہ چربی بذریعہ ٹرک یا بذریعہ ریل گاڑی کارخانوں میں جاتی ہے۔ پھر کارخانوں میں جانے کے بعد وہ کارخانے کے ملازمین کے قبضے میں جاتی ہے۔ گودام میں رکھی جاتی ہے۔ ان مراحل میں وہ ضرور بالضرور مسلمانوں کی نظر سے اوجھل ہو کر صرف کفار کے قبضے میں رہتی ہے اس لئے ان چربیوں کا بھی کھانا حرام اور طریق شرعی سے

ثبوت کی تین صورتیں ہیں۔

اوّل : یہ کہ ڈالڈا کے فارمولا میں حرام یا ناپاک چربی کی آمیزش یا اس کے خاص اجزائے ترکیبیہ میں سے ہو۔ یا کسی کیمیائی عمل کیلئے اس کا اختلاط ضروری ہو۔ دوسرے خبر متواتر۔ تیسرے کسی ایک مسلمان عادل کی خبر۔ چوتھی صورت یہ بھی ہے کہ کسی مسلمان نے یہ بیان کیا کہ میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ ڈالڈا میں چربی ضرور ملائی جاتی ہے۔ اس خبر پر اگر کسی کا دل جمے کہ یہ سچ ہے تو یہ بھی شخص ڈالڈا کو ہرگز ہرگز نہ کھائے۔ اگرچہ یہ مسلمان مستور یا فاسق ہو۔ البتہ جب یہ خبر پھیل چکی کہ ڈالڈا میں چربی ملائی جاتی ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ اسے ہرگز ہرگز نہ کھائے۔

ارباب افتا جانتے ہیں کہ کسی نئے مسئلہ کے متعلق جب صریح جزئیات نہ ہوں تو ایسے موقع پر مسئلہ کا حل خاصا دشوار ہو جاتا ہے۔ دلالۃ النص یا اجرائے علت منصوصہ کے ذریعہ مسئلہ کا حل تلاش کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ حضرت فقیہ عصر کا ناخن علم و تحقیق ایسی گتھیوں کو سلجھا دیا کرتا ہے۔ اب نمونہ کے طور پر ایک مختصر سا فتویٰ ملاحظہ فرمایئے۔ آپ سے سوال ہوا کہ ...... اس زمانے میں حکومت وقت نے جو آمدنی پر ٹیکس لگایا ہے اس میں ایک حد تک چھوٹ ہے۔ اس کے بعد ٹیکس شروع ہو جاتا ہے۔ تاجر انکم ٹیکس بچانے کیلئے وکیل کرتے ہیں۔ حکومت کو جو حساب بتلائے جاتے ہیں وہ صحیح نہیں ہوتے اگر تاجر حساب صحیح بتائے تو اس پر از حد ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اس لئے راہِ فرار اختیار کرنے کیلئے غلط حساب بتلانا پڑتا ہے۔ اور حکومت ان کو صحیح تسلیم کرتی ہے۔ اگر صحیح حساب بتلائے جائیں اور رشوت نہ دی جائے تو حساب غلط مانا جاتا ہے۔ اور حساب غلط بتلا کر رشوت دیدیں تو حساب صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ سب کرنا حکومت وقت کے ساتھ دھوکہ دہی ہے۔ اس قسم کے حساب پیش کرنے کے بعد آخرت میں مواخذہ ہوگا یا نہیں۔ حضرت فقیہ عصر نے اس کا جو فکر انگیز جواب تحریر فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ...... اپنے مال کو بچانے کیلئے انکم ٹیکس سے مذکورہ بالا حیلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یوں ہی اپنا مال بچانے کیلئے رشوت دینا گناہ نہیں۔ بلکہ یہ حقیقت میں رشوت ہی نہیں۔ شامی میں ہے "ما يدفع لدفع من المدفوع اليه على نفسه او ماله حلال للدافع حرام على الآخذ لان رفع الضرر عن المسلم واجب" البتہ لینے والا ضرور گنہگار ہوگا۔

اذان قبر سے متعلق چند اہم سوالات: ایذان الاجر میں امام احمد رضا قدس سرہ نے اذان قبر کا ثبوت دلائل قاہرہ سے دیا ہے۔ لیکن ایک چالاک اور ذہین سائل نے اس سے ہٹ کر چند اہم سوالات آپ کے پاس بھیجے۔ جو بظاہر واقعی پریشان کن سوالات تھے۔ مگر فقیہ عصر نے ان کا جو جواب دیا وہ ان کی بالغ نظری، ژرف نگاہی، فقہی مہارت و ممارست کی بین دلیل ہے۔ سوال یہ کیا گیا۔

(۱) اذان طواف سعی کی طرح امر توقیفی ہے۔ اس کے صرف دو محل ہیں۔ ایک نماز پنجگانہ وجمعہ دوسرے بچے کے کان میں علاوہ ازیں تیسری جگہ اذان کا کوئی شرعی ثبوت نہیں مل رہا ہے۔

(۳) اذان علی القبر مسکوت عنہ۔ کے حکم سے خارج ہے۔ کیونکہ کلمات اذان توقیفی ہیں۔ اسمیں شریعت کے مقرر کردہ محل سے تجاوز کرنا بدعت ہوگا۔ چنانچہ شیخ ابن ہمام صاحب فتح القدیر نے صفحہ نمبر ۱۶۸ میں عبارت هدایه الاذان سنة الخ کے تحت لکھا ہے ثبت متواترا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذن للصلوات الخمس والجمعة دون ماسواهامن الوتر والعیدین والکسوف والا ستسقاء وصلوٰة الجنازة والسنن والنوافل علامہ شامی نے صفحہ ایک سو ستاسی ۱۸۷ میں بحوالہ حاشیہ بحر للخیر الرملی لکھا۔ رأیت فی کتب الشافعیۃ العبارۃ کے تحت چند اور جگہوں میں جواز اذان کی اجازت فرمائی ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے۔ قیل عندانزال المیت القبر قیاسا علی اول خروجه للدنیا لکن رده ابن حجر فی شرح العباب آپ نے ان گتھیوں کو اس طرح سلجھایا۔ اجمالی جواب یہ ہے کہ اذان کے کلمات توضرور توقیفی ہیں۔ اس کے محل کے توقیفی ہونے کا دعویٰ ادّعاے محض ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ صاحب فتح القدیر نے جو فرمایا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ وپنجگانہ نمازوں کے علاوہ اور کسی نماز کے لئے مشروع نہیں...... دون ماسواها کا جو بیان انہوں نے تحریر فرمایا ہے اسے بغور پڑھیں۔ اگر اس عبارت کا مطلب یہ لیا جائے کہ جمعہ وپنجگانہ کے علاوہ کہیں اذان مشروع نہیں نہ کسی نماز کے لئے نہ کسی اور موقع پر تو لازم کہ نومولود کے کان میں ممنوع ہو۔ حالانکہ وہ بالاتفاق مشروع۔

پھر ہدایہ میں سنۃ دون ماسواها اسلئے دون ماسواها میں نفی ہوگی تو مسنون ہونے کی۔ اور عدم مسنونیت عدم مشروعیت کو مستلزم نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ مسنون نہ ہو مستحب ہو مباح ہو۔ اور یہ مسلم کہ عبارات قوم میں مفہوم مخالف معتبر بناءً علیہ درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں فرمایا۔

لایسن لغیرها من الصلوات والا فیندب للمولود وفی حاشیة البحر للخیر الرملی رأیت فی کتب الشافعیة انه قدیسن الأذان لغیر الصلوٰة کما فی اذن المولود والمهموم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقه من إنسان أوبهیمة وعندمزدحم االجیش وعندالحریق وقیل عند إنزال المیت القبر قیاسا علی أول خروجه للدنیا لکن رده ابن حجر فی شرح العباب وعندتغول الغیلان ای عند تمرد الجن لخبر صحیح فیه۔أقول ولا بعد فیه عندنا هـ أی لأن ماصح فیه الخبر بلا معارض فهو مذهب للمجتهد وإن لم ینص علیه إلی انّ قال علی انه فی فضائل الاعمال یجوز العمل بالحدیث الضعیف، وزاد ابن حجر فی التحفة الاذان والاقامة خلف المسافر قال المدنی وزاد فی شرعة الاسلام لمن ضل الطریق فی ارض قفر ای خالیة من الناس وقال الملا علی قاری فی شرح المشکوٰة قالو یسن للمهموم ان یامر غیره ان یوذن فی اذنه فانه یزیل الهم کذا عن علی رضی الله تعالیٰ عنه ونقل الاحادیث الواردة فی ذالك فراجعهٗ ...... درمختار اور شامی کی مذکورہ بالا عبارت سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے۔ اذان کا محل توقیفی نہیں۔

علما کے اس ارشاد لا یسن لغیرھا وغیرہ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ و پنجگانہ نمازوں کے علاوہ اور کسی نماز مثلاً عیدین، استسقا وغیرہ کیلئے مشروع نہیں۔ نماز کے علاوہ اور بہت سے مواقع ہیں جہاں اذان مستحب ہے۔ اذان صرف نماز ہی کے ساتھ خاص نہیں۔ نماز کے علاوہ دوسرے مواقع پر اذان کی مشروعیت احادیث سے ثابت ہے اسلئے یہ کہنا کہ اذان کا محل توقیفی ہے فریب دہی و دجل ہے۔

جب یہ ظاہر ہو گیا کہ اذان کے مواقع توقیفی نہیں صرف نماز اور نو مولود کے ساتھ خاص نہیں تو اسے دو جگہوں کے ساتھ خاص مان کر اور جگہ حرام و بدعت بتانا شریعت پر افترا اور احادیث کو جھٹلانا ہے علما کو بد عتی بنانا ہے۔

رہ گیا علامہ ابن حجر مکی کا اذان قبر کو رد کرنا یہ البتہ قابل لحاظ ہے۔ مگر یہ ان کی ذاتی رائے ہے۔ انہیں کی نقل سے ثابت کہ دیگر علما اسے سنّت بتاتے ہیں۔ اب یہاں ایک پہلو یہ ہو سکتا ہے کہ ابن حجر مکی کا رد سنت ہونے سے متعلق ہے۔ یعنی یہ ان کو تسلیم نہیں کہ اذان قبر سنّت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بجائے سنّت کے مستحب مانتے ہوں۔

دوسرے یہ کہ اس سے تو یہ ثابت ہو گیا کہ بعض علما اذان قبر کو سنت مانتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ ابن حجر اس سے متفق نہیں۔ تو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہوا اس صورت میں فیصلہ دلائل کی قوت پر ہو گا اور دلائل شرعیہ اذان قبر کے مستحب ہونے کے قوی ہیں۔ اسلئے ترجیح اسی کو ہو گی انہیں علامہ ابن حجر سے مرقات شرح مشکوٰۃ میں منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

وخرج بها الأذان الذي يسن لغير الصلوٰة كالأذان فى أذن المولود اليمنى والإقامة فى اليسرى ويسن أيضاعند الهم وسوء الخلق۔ جب یہی علامہ اذان کو نماز کے ساتھ خاص نہیں مانتے نماز کے علاوہ مولود، مہموم وغیرہ کے لئے مسنون مانتے ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان جگہوں پر مشروع اور جگہوں پر ممنوع وجہ فرق کوئی نہیں تو جیسے مولود، مہموم وغیرہ کے کان میں مسنون تو قبر پر مسنون نہیں تو کم از کم مستحب ضرور ہوئی۔

"فقہ و فتاویٰ" میں غیر معمولی مہارت و بصیرت ہی کی بنا پر لاینحل اور متنازع فیہ مسائل میں اہل علم حضرات فقیہ عصر کی طرف رجوع کر کے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ راقم الحروف کی نظر میں مختلف مواقع کی ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ دو مفتیوں نے کسی مسئلہ کے تعلق سے الگ الگ حکم بیان کیا۔ پھر حضرت فقیہ عصر کی طرف رجوع کر کے صحیح فیصلہ لیا گیا۔ نمونہ کے طور پر طلاق کے ایک مختلف فیہ مسئلہ کا محاکمہ ملاحظہ فرمائیے۔

سوال۔ سہرسہ بہار سے کیا گیا ہے سوال کا بنیادی پہلو یہ ہے کہ علاقہ سمری بختیارپور ضلع سہرسہ بہار میں جو کوئی اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے بالعموم بجائے لفظ طلاق لفظ "جواب دینا" استعمال کرتا ہے۔ اس سلسلے میں مفتیانِ کرام کی آرا مختلف ہیں۔

(ا) "جواب" کا لفظ الفاظ کنایہ میں سے ہے اس لئے کہ "جواب" کا لفظ جہاں طلاق کے معنی میں مستعمل ہو وہاں تو کنایہ میں سے ہو گا اور اگر اس لفظ کا استعمال طلاق کیلئے نہ ہو تو یہ لفظ الفاظ طلاق میں سے نہ ہو گا۔ تنویر الابصار میں

ہے" الکنایۃ مالم یوضع لہ واحتملہ وغیرہ"۔ اور اردو میں لفظ جواب کی یہی پوزیشن ہے کہ وضع کیا گیا ہے دوسرے معنی کیلئے لیکن اس کو طلاق کیلئے بولتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ الفاظ طلاق کیلئے خاص ہو گیا ہے۔

(۲) لفظ جواب جہاں کے عرف میں طلاق کیلئے مستعمل ہے وہاں لفظ صریح میں اس کا شمار ہوگا اس لئے کہ عرف قاضی ہے۔

... مفتیانِ کرام لفظ جواب کے تعلق سے صریح یا کنایہ کا فیصلہ کرنے میں مختلف ہیں۔ اب حضرت فقیہ عصر کے محاکے کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے۔

لفظ جواب اپنے اصل معنی کے اعتبار سے صریح نہیں لیکن اگر وہاں کے محاورے میں طلاق کے الفاظ صریحہ سے سمجھا جاتا ہے کہ عورت کی نسبت اس کے کہنے سے طلاق ہی مفہوم ہوتی ہے۔ تو یہ طلاق صریح کے الفاظ سے ہے۔ اور یہی مدار کار ہے۔ کون لفظ طلاق صریح کا ہے۔ کون کنایہ کا اس کی بنیاد یہی ہے کہ جو لفظ ایسا ہو کہ جب اسے عورت کی طرف نسبت کیا جائے تو اس سے طلاق ہی سمجھا جائے تو صریح ہوگا۔

اور اگر اس لفظ کے عورت کی جانب نسبت کرنے سے کبھی طلاق سمجھا جاتا ہو کبھی اور کوئی معنی تو کنایہ ہے تنویر الابصار کی اس عبارت الکنایۃ مالم یوضع لہ احتملہ وغیرہ کا بھی حاصل یہی ہے۔ وضع کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) وضع لغوی (۲) وضع شرعی (۳) وضع عرفی۔ پھر وضع شرعی کی دو قسمیں ہیں۔ عرف عام کی وضع ہو یا عرف خاص کی اس عبارت میں وضع عام ہے۔ اب اگر کوئی لفظ ایسا ہے کہ اس کے لغوی معنی طلاق کے نہیں مگر عرف عام یا عرف خاص میں طلاق ہی کیلئے بولا جاتا ہے۔ تو اس پر یہ صادق ہوگا کہ یہ طلاق کیلئے وضع کیا گیا ہے۔ اس لئے اگر کوئی لفظ عرف عام یا عرف خاص عورت کی طرف نسبت کرنے کے بعد اس سے طلاق ہی سمجھا جاتا ہو تو وہ طلاق صریح کا لفظ ہوگا۔

عرف مختلف ہو سکتا ہے۔ اور جس دیار میں طلاق کیلئے مستعمل نہ ہو وہاں طلاق کے الفاظ صریحہ سے جاننا غلط ہوگا۔ مگر یہ فیصلہ کرنا کہ کہاں اور کس عرف میں کون لفظ طلاق صریح کیلئے ہے۔ بہت مشکل ہے۔ کسی لفظ کا طلاق کیلئے اکثر استعمال کیا جانا اسے صریح نہیں بنادے گا۔ میں نے نکاح ختم کردیا، میں نے چھٹی دی۔ میں نے آزاد کردیا طلاق کیلئے اکثر استعمال ہوتے ہیں مگر یہ سب کنایات سے ہیں۔ لفظ" جواب دیا" کا حال ہمارے عرف میں یہی ہے کہ عورت کی طرف نسبت کر کے دوسرے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ مثلاً زوجین میں جھگڑا ہوا کسی نے شوہر سے پوچھا کیا ہوا۔ شوہر نے بیان کیا میری بیوی نے مجھے یہ کہا۔ میں نے اس کو جواب دیا۔ یہاں کوئی بھی طلاق نہیں سمجھتا۔ بلکہ جواب کا لغوی معنی سمجھتا ہے۔ اسی لئے جواب دیا طلاق کے کنایات میں سے ہے۔" (ماخوذ از فتاویٰ قلمی ملخصا)

فقیہ اعظم ہند صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی علیہ الرحمہ کا مجموعہ فتاویٰ "فتاویٰ امجدیہ" اپنے اختصار و جامعیت کے اعتبار سے فتاویٰ رضویہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ فتاویٰ امجدیہ کی جلد اول و دوم پر جو حواشی ہیں۔ وہ فقیہ

عصر علامہ مفتی شریف الحق امجدی مد ظلہٗ العالی کے ہیں۔ دیگر کتابوں پر حاشیہ لکھنا ایک حد تک آسان ہے۔ لیکن فتاویٰ پر حواشی تحریر کرنا کتنا مشکل کام ہے، یہ وہی محسوس کر سکتے ہیں جو اس راہ کے شناور ہیں۔ راقم الحروف کا خود ذاتی تجربہ ہے۔ اسی فتاویٰ امجدیہ سوم و چہارم پرحواشی تحریر کرنے میں کتنی محنت اور دقت نظر سے کام لینے کی ضرورت پڑی، اس کا مجھے احساس ہے۔ دراصل مروجہ فتاویٰ پیش آمدہ مسائل کا جواب ہوتے ہیں۔ اصول افتا میں جہاں ایک طرف اصل مذہب سے عدول نہ کرنے کی سخت ہدایت ہوتی ہے۔ وہیں عصری حالات کو بھی مد نظر رکھنے کی تاکید ہوتی ہے۔ **لایجوز العدول عن المذہب** کا درس بھی دیا جاتا ہے اور **من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل** کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ ایک مفتی کو بڑی گہرائی و گیرائی کے ساتھ اسباب ستہ (ضرورت، دفع حرج، عرف، تعامل، کسی فساد موجود یا مظنون بہ ظن غالب کا ازالہ، دینی ضروری مصلحت کی تحصیل) کے تحقق و عدم تحقیق کا جائزہ بھی لینا پڑتا ہے۔ حضرت فقیہ عصر نے جو فتاویٰ اور حواشی تحریر فرمائے ہیں۔ ان میں افتا کے یہ اصولی جلوے آپ کو جگہ جگہ نظر آئیں گے۔ ہم یہاں صرف ایک نمونہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو فتاویٰ امجدیہ جلد دوم کے مطبوعہ حاشیہ سے ماخوذ ہے۔

جنون کی وجہ سے فسخِ نکاح کا مسئلہ : ”اصل مذہب کے اعتبار سے جنون کی بنا پر نکاح فسخ نہیں کیا جاسکتا۔“ فتویٰ کے اِس متن کے جزئیات نقل کرنے کے بعد حضرت فقیہ عصر حاشیہ میں اپنی تحقیق انیق یوں پیش فرماتے ہیں۔

اقول : ہمارا اصل مذہب یہی ہے کہ جنون، جذام، برص، وغیرہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں۔ یہی امام اعظم امام ابی یوسف رحمہما اللہ کا مذہب ہے۔ یہی مختار مفتیٰ بہ من حیث الدلیل قوی ہے۔ اس لئے کہ نکاح سے جو مقصود ہے اسمیں ان بیماریوں سے خلل واقع نہیں ہوتا۔ شوہر ان بیماریوں کے باوجود اس پر قادر ہے کہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ عورت کو ان بیماریوں کی وجہ سے گھن آتی ہے وہ شوہر سے نفرت کرتی ہے تو محض نفرت اور گھن کی بنیاد پر فسخ نکاح کا حکم دینا فتنۂ عظیم کا دروازہ کھولنا ہے۔ فسخ نکاح کی بنیاد عورت کی نفرت یا گھن قرار نہیں دی جاسکتی۔ بنیاد وہی ہے ادائیگی حق پر عدم قدرت جیسا کہ عنین اور مجبوب میں ہے اس لئے ان بیماریوں کی وجہ سے عورت کو حق فسخ نہیں دیا جاسکتا۔ مگر عالمگیری میں ہے۔

قال محمد ان کان الجنون حادثا یُوجّله سنة کا لعنة ثم یخیر المرأة بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان مطبقا فهو کا لجب وبه ناخذ کما فی الحاوی القدسی ص ۱۳۴ آخر باب عنین، مجیدی

فتاویٰ رضویہ میں ہے ہمارے علما میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ شوہر کے جنون کی حالت میں جانب خیار گئے۔ اور حاوی قدسی میں حسب عادت بر خلاف عامۂ متون و شروح و فتاویٰ اس کی نسبت ”بہ ناخذ“ لکھ دیا۔ جیسا کہ اس سے

عالمگیریہ میں منقول ہوا۔ فقیر کے فتاویٰ میں بالتفصیل واضح کر دیا گیا ہے کہ ماخوذ بہ مختار و معتمد واجب التعویل مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ ہے بایں ہمہ اگر جنون حادث ہے پیش از نکاح شوہر مجنون نہ تھا۔ بعد کو پیدا ہوا اور حالت ضرورت بلا مکر و فریب و پیرویِ نفس سچی سچی واقعی تحقق ہے تو قول امام محمد پر عمل ممکن مگر قول امام محمد یہ نہیں کہ شوہر کو جنون ہو جائے تو عورت بطور خود اس سے فرقت کر کے دوسرے سے نکاح کرے یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ عورت حاکم شرع کے حضور دعویٰ کرے وہ ثبوت جنون لے کر روزِ نالش سے ایک سال کامل کی مہلت دے اگر اس مدت میں شوہر اچھا ہو گیا فبہا (اب تفریق نہیں ہو سکتی یہ عورت اس کی بیوی رہے گی) اور اگر (شوہر) اچھا نہ ہوا اور عورت نے بعد انقضاے سال پھر دعوی نہ کیا۔ تو وہ بدستور اس کی زوجہ ہے اور اگر پھر رجوع لائی اور حاکم کو ثابت ہوا کہ شوہر ہنوز مجنون ہے تو اب وہ عورت کو اختیار دے گا کہ چاہے اپنے شوہر کو اختیار کرے یا اپنے نفس کو۔ اور اگر عورت نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا یا بغیر کچھ کہے چلی گئی یا کھڑی ہو گئی یا کسی نے اٹھا دیا یا حاکم خود اٹھ کھڑا ہوا تو اب عورت کو اصلاً اختیار نہ رہا وہ بدستور ہمیشہ اس مجنون کی زوجہ رہے گی اور اگر مجلس بدلنے سے پہلے عورت نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو اب حاکم تفریق کریگا۔ اس روز سے عورت طلاق کی عدت میں بیٹھے۔ بعدہ، جس سے چاہے نکاح کرے یہ اس صورت میں ہے کہ قاضی کو جنون ثابت ہوا اور اس کا مطبق ہونا ثابت نہ ہو۔ (بلکہ حادث ہونا ثابت ہو) اور اگر حاکم کو ثابت ہو جائے کہ واقعی مدتہاے دراز گذر گئیں کہ یہ شخص مجنون ہے اور آرام نہیں ہوتا جنون اس کا مطبق یعنی ملازم اور ممتد ہے تو اب سال کی مہلت نہ دے گا بلکہ فی الفور عورت کو حکم دے گا اختیار دے گا کہ چاہے شوہر کو اختیار کرے یا اپنے نفس کو بہر حال یہ تفریق بے حکم حاکم شرع نہیں ہو سکتی۔

اس قسم کی بہت سی مثالیں حضرت فقیہ عصر کے فتاوی و حواشی میں آپ کو ملیں گی جو ان کے جودت فکر و وسعت نظر اور فقہ و فتاویٰ میں رسوخ و مہارت کی بین دلیل ہیں۔

ضرورت ہے کہ "جشن تکمیل شرح بخاری" کے بعد سب سے زیادہ توجہ ان کے مجموعہ فتاویٰ کو زیورِ طبع سے آراستہ کرنے کی طرف مبذول کیا جائے تاکہ ایک بڑا علمی و فقہی ذخیرہ سامنے آئے اور آنے والی نسل بے شمار مسائل میں بآسانی احکام شرع کا پتہ لگا سکے مولیٰ تعالیٰ ان کے علمی و فقہی فیضان کو عام سے عام تر کرے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

☆☆☆☆☆

مولانا مفتی محمد نسیم مصباحی
استاذ و نائب مفتی جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ۔ یوپی

فقیہ اعظم ہند کی فتویٰ نویسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ وَ نُصَلّی علیٰ رسُولہٖ الکریم

ہر مسلمان کو شریعت کے اصول کے مطابق زندگی گزارنا ضروری ہے ان اصول سے نابلد رہ کر کوئی شخص شریعت کے دائرے میں زندگی نہیں گذار سکتا۔ اور یہ بھی مسلمات سے ہے کہ ہر شخص اپنی ضروریات زندگی کے مطابق مسائل کتب شرعیہ سے نکالنے پر قادر نہیں۔ اس لئے اس علم کے ماہرین کی طرف رجوع کرنا لازمی امر ہے۔ لیکن فتویٰ دینا دینی خدمات میں سب سے اہم اور پیچیدہ اور تمام علوم سے زیادہ مشکل ہے۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں۔

محدث ہونا علم کا پہلا زینہ ہے اور مفتی ہونا اخیر منزل ہے۔

اس لئے ایک مفتی کو بہت سارے علوم وفنون کا جامع ہونا ضروری ہے۔

سیدی سندی استاذی الکریم فقیہ اعظم ہند حضور شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مد ظلہٗ العالی اس دور میں ہندوپاک میں میدانِ افتا کے مرجع اعظم ہیں۔ صرف بر صغیر ہی نہیں بلکہ یورپ افریقہ وامریکہ سے یومیہ آپ کی بارگاہ میں درجنوں استفتے آتے ہیں مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ حرمین طیبین سے بھی آپ کی خدمت میں سوالات آتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو مفتی اپنی فنی مہارت اور طرز افتا میں اعلیٰ کمال کی بنا پر فتویٰ کا اتنا بڑا مرجع ہو وہ کس قدر مصروف ہوگا۔ لہٰذا سائل کے حال کے اعتبار سے اسے کہیں تفصیل واطناب سے کام لینا ہوگا اور کسی موقع پر ایجاز واختصار ہی کافی ہوگا اس بنا پر آپ کے فتاویٰ اجمالی بھی ہوتے ہیں اور تفصیل بھی۔

فتویٰ نویسی : جب سوالات کی کثرت ہو جاتی ہے تو آپ حسب موقع مختصر جواب لکھواتے ہیں اور جب کسی مخالف کا مسلک اہلسنت پر اعتراض ہوتا ہے تو اس کا جواب بہت تفصیلی لکھواتے ہیں بعض جوابات اتنے تفصیلی ہوتے ہیں کہ وہ ایک مستقل رسالہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ حضرت شارح بخاری مد ظلہٗ العالی جب کسی مخالف کا رد لکھتے ہیں۔ تو آپ کے قلم کی جولانیت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔

1

حضرت فقیہ اعظم ہند مد ظلہٗ العالی چند سالوں سے خود فتاویٰ بہت کم لکھتے ہیں۔ بلکہ اکثر اِملا کرواتے ہیں۔
اس خادم کو دس سال سے حضور والا کی خدمت میں رہ کر استفادہ کا شرف حاصل ہے۔
سوالات آپ کو پڑھ کر سنا دیئے جاتے ہیں سوال ختم ہوتے ہی فوراً جوابات لکھوانا شروع فرماتے ہیں حضور شارح بخاری کی فکر اتنی تیز ہے کہ ابھی ایک جملہ تام نہیں ہوتا کہ دوسرا جملہ ارشاد فرماتے ہیں تیز املا کرنے والے کا قلم تھک جاتا ہے مگر درمیان میں اسے وقفہ کی مہلت نہیں ملتی۔
حضور فقیہ اعظم ہند کا حافظہ اتنا قوی ہے کہ طویل سے طویل استفتا ایک بار سن لیتے ہیں پھر اسے دوبارہ سننے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بعض استفتے میں متعدد شخصوں کے نام ہوتے ہیں مگر جب جواب لکھتے ہیں تو لکھنے والے حیرت زدہ رہ جاتے ہیں کہ سوال کا کوئی گوشہ جواب سے تشنہ بھی نہیں ہوتا اور ناموں کی ترتیب میں کوئی فرق بھی نہیں آتا۔ اور جب کبھی وقت ختم ہو جانے کی وجہ سے جواب مکمل نہیں ہوتا تو دوسرے روز اس سوال کا جواب لکھوانے کیلئے نہ تو سوال دوبارہ پڑھواتے ہیں اور نہ ہی جواب۔ بلکہ فرماتے ہیں کہ جواب کا آخری جملہ پڑھئے۔ پھر اسی برق رفتاری سے جواب کا املا کراتے ہیں جیسے سارا سوال ابھی پڑھ کر سنا دیا گیا ہو جب کہ خود میرا حال یہ ہے کہ جواب کے طویل ہو جانے یا دوسرے دن املا کرنے کی وجہ سے پورا سوال یاد نہیں رہ جاتا مگر جب دوبارہ سوال و جواب پڑھتا ہوں سوال کا کوئی گوشہ باقی نہیں رہتا تو بلا ساختہ اس آیت کا ورد کر لیتا ہوں۔ ذالك فضلُ اللّٰه يُوتيه مَن يشاء۔
حضور فقیہ اعظم ہند کے فتاویٰ آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ وجزئیات فقہیہ سے مزین ہوتے ہیں اور یادداشت کا یہ عالم ہے کہ بیشتر آیت کریمہ واحادیث اور تقریباً سبھی فقہی جزئیات زبانی لکھواتے ہیں۔ فتویٰ کا املا کرتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف آپ کے سینے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی شان فقاہت من جانب اللہ ودیعت کی ہوئی ہے تو دوسری طرف آپ کے ذہن ثاقب میں تنویر الابصار، در مختار، ردالمحتار، عالمگیری، غنیۃ، خانیہ، فتح القدیر، بحر الرائق، وغیرہا کتب فقہیہ کے جزئیات کا بحر تلاطم خیز ہے۔
مسائل کے حفظ واستحضار کا یہ عالم ہے کہ کبھی کبھی ایک نشست میں ۱۵/۱۵ استفتے کے جوابات لکھوادیتے ہیں۔
املا کرانا خود لکھنے سے بہت مشکل فن ہے ہر شخص اس پر قادر نہیں لیکن حضرت فقیہ اعظم ہند کبھی املا کرانے سے نہیں اکتاتے آپ کی اکثر تصانیف اور نزہۃ القاری کی تقریباً چار جلدیں آپ کے املا ہی کا نتیجہ ہیں۔
فتویٰ لکھنے کے لئے بیدار مغزی، ذہانت، فطانت، معاملہ فہمی، تبحر علمی اور رسم المفتی کی ضرورت پڑتی ہے حضرت فقیہ اعظم ہند کے فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت کے فتاویٰ میں ان تمام امور کی رعایت ہوتی ہے جو ایک ماہر تجربہ کار مفتی کے لئے ہونا چاہئے۔
بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ اپنے دور کے مشہور ترین عالم کے پاس حل کے لئے پیش ہوئے تو جواب

دینے میں ان کے قلم سے لغزش ہو گئی یا انھوں نے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا لیکن جب حضرت فقیہ اعظم ہند مد ظلہ العالی کی بارگاہ میں پیش ہوئے تو آپ نے برجستہ ایسا جواب لکھوایا جس سے اپنے مطمئن ہوگئے اور غیر لاجواب ہو گئے۔

اس موقع سے میں ایک نظیر ھدیہ ناظرین کرتا ہوں جو حضرت فقیہ اعظم ہند قبلہ کے حفظ واستحضار اور آپ کی برجستگی پر شاہد عدل ہے ملاحظہ فرمائیں۔

زید نے اپنی بیوی سے کہا "میں نے تیرا نکاح فسخ کیا" اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ بر تقدیر اول طلاق رجعی ہوئی یا طلاق بائن؟

سائل نے مختلف مفتیان کرام سے رابطہ کیا ایک بہت بڑے عالم نے اس کا جواب دیا کہ اس سے ایک "طلاق رجعی" واقع ہوئی۔

یہ استفتا جب حضرت فقیہ اعظم ہند قبلہ کی بارگاہ میں پہونچا تو آپ نے برجستہ اس کا جواب یہ تحریر فرمایا۔

"یہ طلاق کنائی کے کلمات سے ہے اگر شوہر نے بہ نیت طلاق کہا ہے تو ایک طلاق بائن پڑ گئی ورنہ طلاق واقع نہ ہوئی۔"

اب ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ دونوں جوابوں میں سے کون سا جواب صحیح ہے اس سلسلہ میں ہم در مختار کا جزئیہ نذر قارئین کرتے ہیں اس جزئیہ کی روشنی میں فیصلہ ہمیں اور آپ کو کرنا ہے کہ حضرت فقیہ اعظم ہند قبلہ کے وسعت مطالعہ اور استیعاب جزئیات کی کیا شان ہے۔ جزئیہ ملاحظہ فرمائیں اور چشم بصیرت سے غور کریں۔

در مختار میں ہے۔

اذهبى الىٰ جهنم يقع ان نوىٰ خلاصة ، و كذا اذهبىٰ عنى وافلحى وفسخت النكاح۔

(جلد ثالث ص ۳۱۴)

جب حضرت فقیہ اعظم ہند قبلہ کا یہ فتویٰ اُن عالم کی خدمت میں پیش ہوا تو انھوں نے حضرت سے کہا کہ آپ نے کیسے یہ لکھ دیا کہ یہ طلاق کنائی کا جملہ ہے جبکہ فسخ نکاح اور طلاق لازم ملزوم ہیں۔ اس پر حضرت فقیہ اعظم ہند نے فرمایا۔

> بہار شریعت و فتاویٰ رضویہ شامی عالمگیری وغیرہ میں یہی لکھا ہے کہ نکاح فسخ کیا طلاق کنائی کا جملہ ہے۔ اور فسخ نکاح و طلاق لازم ملزوم نہیں۔ ایسی بہت سی صورتیں ہیں کہ بغیر طلاق کے بھی نکاح فسخ ہو جاتا ہے جیسے مصاہرت اور ردّت سے۔

حضرت فقیہ اعظم ہند قبلہ کا جواب سنکر وہ عالم مطمئن ہو گئے اور اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا۔ حضرت فقیہ

اعظم ہند انتہائی ذہین، فطین، نکتہ رس، دقیق بیں محقق ہیں جہاں لوگوں کی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں وہاں آپ مسکراتے ہوئے لاینحل مسائل کو اس طرح حل فرمادیتے ہیں کہ جیسے کوئی اشکال تھا ہی نہیں۔

ایک بار بریلی شریف میں اپنی مشقی بزم میں ایک طالبعلم نے یہ بیان کیا حضور اقدس ﷺ اگر گناہ پسند فرمالیں تو وہ گناہ گناہ نہیں رہتا عبادت ہو جاتا ہے۔ دلیل میں اس نے کہا کہ منزل صہبا پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز عصر چھوڑ دی نماز چھوڑنا گناہ ہے مگر جب حضور نے اسے پسند فرمالیا تو یہ عبادت ہو گئی۔

اس پر کچھ طلبا کو اعتراض ہوا اور انہوں نے دیگر علما کی طرف رجوع کیا یہ تو سارے علما نے فرمایا کہ یہ بات بہت سخت ہے کہ حضور گناہ پسند فرمائیں، لیکن اس گتھی کو کوئی سلجھا نہ سکا کہ نماز چھوڑنا یقیناً گناہ ہے اور حضرت علی نے نماز چھوڑی اور اسے حضور نے پسند فرمایا ان تینوں باتوں میں سے کوئی انکار نہیں کر سکتا تھا لیکن یہ بھی کسی کے لئے قابل تسلیم نہیں تھا کہ حضور اقدس ﷺ نے گناہ کو پسند فرمایا۔ اُن دنوں حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ بریلی شریف میں تشریف فرما نہ تھے اخیر میں معاملہ حضرت فقیہ اعظم ہند قبلہ کی خدمت میں بطور استفتا پیش ہوا۔ آپ نے جواب تحریر فرمایا۔

یہ کہنا کہ حضور اقدس ﷺ نے گناہ پسند فرمایا کلمۂ کفر ہے جس نے کہا وہ توبہ، تجدید ایمان و نکاح کرے۔ اور قائل کو سخت دھوکہ لگا منزل صہبا پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ انھوں نے حضور کی نیند پر نماز عصر کو قربان کر دیا تھا مگر اس وقت حضرت علی کا نماز کا قضا کرنا کوئی گناہ نہیں تھا، بات یہ ہے کہ جب دو فرض بیک وقت متوجہ ہوں تو حکم یہ ہے کہ ان میں جو سب سے اہم ہو اسے ادا کرنا فرض ہے دوسرے کو چھوڑ دیا جائے گا۔ منزل صہبا پر امیر المومنین مولیٰ المسلمین پر بیک وقت دو فرض عائد تھے (۱) اطاعت رسول (۲) نماز عصر کی ادائیگی۔ ان دونوں فرائض میں اہم اطاعت رسول ہے اسی لئے حضرت علی نے اسی کو اختیار فرمایا، یہ گناہ کا ارتکاب نہیں ہوا بلکہ فرائض میں جو اہم تھا اسکی ادائیگی ہوئی۔ نماز اور اطاعت رسول میں اہم اطاعت رسول ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے جو بخاری وغیرہ میں مروی ہے۔ حضرت سعید بن معلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھ رہے تھے اسی اثناء میں حضور اقدس ﷺ نے ان کو پکارا انھوں نے کوئی جواب نہ دیا نماز پوری کر کے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور معذرت کی کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم نے اللہ عزوجل کا یہ فرمان نہیں سنا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اسْتَجِیْبُوا للّٰہِ وللرَّسُوْلِ اذا دَعَا کُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ

(سورہ انفال آیت : ۲۴)

اے ایمان والو اللہ اور رسول کے بلاوے پر حاضر ہو، جب رسول تمھیں اس چیز کے

لیے بلائیں جو تمھیں زندگی بخشے گی۔

اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ہے۔

ناظرین غور فرمائیں کہ جس مسئلہ کی گتھی سلجھانے میں بہت سے علما پریشان تھے حضرت فقیہ اعظم ہند قبلہ نے کس متانت و سنجیدگی کے ساتھ اپنی خداداد تبحر علمی سے حل فرمادیا۔

پاکستان بننے کے بعد ہزارہا ہزار مسلمان ہندوستان چھوڑ کر پاکستان چلے گئے حکومت کے قانون کے مطابق حکومت کے محکمۂ کسٹوڈیم نے تارکینِ وطن کے مکانات و جائداد پر قبضہ کرلیا اور قبضہ کرکے اسے نیلام کرنے لگے بریلی شریف میں استفتا آیا کہ یہ نیلامی خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اور خریدنے کے بعد خریداروں کی مِلک ہوگی کہ نہیں ایک مفتی صاحب نے جو بزعم خویش اپنے آپ کو دنیا کا سب سے بڑا مفتی سمجھتے تھے انھوں نے فتویٰ دیا کہ یہ نیلامی خریدنا جائز نہیں اور یہ سب جائداد اصل مالکوں کی ملک ہی پر باقی ہے دلیل یہ دی کہ ترکِ وطن کے بعد مسلمانوں کی املاک پر کفار اگر پورے طور سے قبضہ کرلیں تو انکی ملک ضرور ہو جاتا ہے مگر صرف قبضہ ہی سے مِلک نہیں ہو جاتا ہے مِلک ہونے کیلئے دار الحرب میں اس کو محفوظ کرلینا شرط ہے اس پر کتب فقہ کی کئی کتابوں سے جزئیات نقل کردیئے اور چونکہ ہندوستان دار الحرب نہیں دار الاسلام ہے تو یہاں یہ شرط مفقود ہوئی اور املاک سے تارکین وطن کی نہ ملکیت ختم ہوئی اور نہ حکومت کی ملکیت ثابت ہوئی اس لئے حکومت کا اسے نیلام کرنا غلط اور خریداروں کا خریدنا باطل۔

اس فتوے کی روشنی میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ مسلمانوں کی جائداد مسلمان خرید نہیں سکتے تھے ساری جائدادیں اونے پونے ہندو خریدتے یا حکومت کی تحویل میں رہتے اس فتوے کی وجہ سے مسلمانوں میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی شہر بریلی کے بہت سے تارکینِ وطن کی جائدادوں کو ان کے قریبی رشتہ داروں نے خرید اتھا وہ سخت پریشان تھے یہ فتویٰ جب تاجدار اہلِ سنّت حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش ہوا حضرت مفتی اعظم ہند نے سائلین کو حضرت مفتی صاحب قبلہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت مفتی صاحب کے سامنے ایک ایک کرکے سائلین نے تقریباً ایک گھنٹے تک اس فتوے کے انجام و عواقب پر تقریریں کیں۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ بغور سنتے رہے پھر حضرت فقیہ اعظم ہند قبلہ نے جواب لکھا۔

> یہ صحیح ہے کہ کفار کے قبضے کے بعد اِحراز فی دار الحرب قبضے کی شرط ہے اور ہندوستان دار الاسلام ہے اس لئے یہاں احراز، دار الحراب میں احراز نہیں کہلایا جائے گا۔ ان عبارات کے ظاہر کے اعتبار سے یہ فتویٰ اپنی جگہ درست ہے مگر فقہی بصیرت رکھنے والے پر مخفی نہیں کہ احراز فی دار الحرب کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ جب تک وہ جائداد یا مال دار الحرب میں محفوظ

نہیں رہ جاتا کفار کا قبضہ معرضِ زوال کے ہے ہو سکتا ہے کہ حملہ کر کے مسلمان پھر چھین لیں اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ فرض کیجئے کفار نے مسلمانوں کا سب مال لوٹ لیا لیکن ابھی اپنے مُلک واپس نہیں ہوئے تو اس کی امید ہے مجاہدین اسلام پھر حملہ کر کے کفار کو شکست دیدیں اور کفار کے ہاتھوں سے اپنے اموال بھی چھین لیں لیکن دار الحرب میں پہونچ جانے کے بعد اس کا خطرہ کم رہتا ہے اس تقریر کی روشنی میں اس قید کا حاصل یہ نکلا کہ مسلمانوں کے مال پر حربی کا فر اس طرح قبضہ کرلیں کہ ان سے واپس لینا سخت متعذر ہو اور اگر اس میں وہ مالکانہ تصرف کریں تو اصل مالک کوئی مزاحمت نہ کر سکیں اور یہ بات ہندوستان میں تارکینِ وطن کے اموال پر صادق ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے اس لئے کسٹوڈیم کا قبضہ اِس ملک میں احراز فی دار الحرب کے حکم میں ہو گا اور کسٹوڈیم کے قبضے کے بعد حکومت کی مِلک ثابت ہو جائے گی اس لئے ان کا نیلام کرنا درست اور خریدنا صحیح۔ بلکہ لیاقت اور نہرو کے معاہدے کی رو سے دونوں ملکوں کے تارکین کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے اپنے ملکوں میں جو انھوں نے مکانات و جائدادیں چھوڑی ہیں اس کا ثبوت فراہم کر کے کلیم داخل کریں تو انھیں اپنی چھوڑی ہوئی جائداد کے مساوی جہاں وہ ہیں وہاں جائداد مل جائے گی اور اس معاہدے پر عمل در آمد دونوں ملکوں میں ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے اس سے ایک طرح ظاہر ہے کہ اصل مالک کسٹوڈیم کے قبضے اور ملکیت پر راضی ہیں اس تفصیل کی روشنی میں فتویٰ مذکور کا ضعف واضح اور ظاہر ہے۔ حاصل یہ نکلا کر تارکین وطن کی جائدادوں پر جب کسٹوڈیم نے قبضہ کرلیا تو اس کی ملکیت ثابت ہو گئی اور یہ اِحراز فی دار الحرب کے حکم میں ہو گیا اور اس کا نیلام کرنا صحیح اور مسلمانوں کا خریدنا درست۔

جب یہ فتویٰ حضور مفتیٔ اعظم ہند قدس سرہٗ کو سنایا تو ابتداءً حضرت مفتیٔ اعظم ہند قدس سرہٗ نے سخت تنقید فرمائیں مگر بعد میں تصدیق فرمادی۔

اس قسم کی باتیں بریلی کے قیام کے زمانے میں بہت سی ہوئیں۔

حضرت فقیہ اعظم ہند مدظلہٗ العالی کے فتاویٰ میں بیشمار ایسے علمی جواہر پارے موجود ہیں جنھیں حاصل کرنے کے لئے بہت سے ارباب علم و دانش نے اپنی توانائیاں صرف کیں مگر مقصد تک نہ پہونچ سکے اس کے بر خلاف حضرت فقیہ اعظم ہند قبلہ نے تفقہ کے بحر ناپید اکنار میں غوطہ زنی کر کے اس کے تمام دُرّہائے بیش بہا کو قوم کے سامنے پیش کئے آپ کی علمی کاوش دیکھکر سب کی عقلیں دنگ ہو گئیں اور بے ساختہ بول پڑے ؎

تو نے کئے حل عقدۂ مبہم نائب مفتیٔ اعظم ہند

حضور فقیہ اعظم ہند کی فن افتاو تفقہ میں عبقریت کے مزید شواہد ملاحظہ فرمایئے۔ ایک مقرر نے اپنی تقریر میں کہا کہ قیامت کے دن عام لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں حساب دینے جائیں گے۔ اور انبیا و اولیا حساب لینے جائیں گے۔ ایک بہت مشہور مستند محقق مفتی صاحب سے سوال ہوا تو انہوں نے حکم فرمایا کہ اس کا قائل کافر ہے۔ پھر یہی سوال حضور فقیہ اعظم ہند مد ظلہ العالی کی بارگاہ میں پیش ہوا تو آپ نے تحریر فرمایا۔

عرف عام میں حساب لینے کا ایک معنی مزدوری لینے کا بھی آتا ہے مزدور بولتے ہیں کہ ہم حساب لینے جا رہے ہیں ہمارا حساب وصول ہو گیا۔ اس تقدیر پر کلام مذکور کا معنی یہ ہوا کہ انبیاے کرام اور اولیاے عظام بارگاہ خداوندی میں اپنے اعمال حسنہ کا ثواب حاصل کرنے جائیں گے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس قسم کے قول سے احتراز کرنا چاہیئے خصوصاً عوام کے سامنے۔

ناظرین غور فرمائیں کہ حضرت فقیہ اعظم ہند مد ظلہ العالی نے رسم المفتی کی بھرپور رعایت کرتے ہوئے کس دقیقہ بینی اور نکتہ سنجی و حاضر دماغی سے جواب تحریر فرمایا۔ فقہ کا ایک بہت مشہور جزئیہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی ایسا کلمہ کہا جس کا ظاہری مفہوم کفر ہے لیکن اگر اس قول کی تاویل ممکن ہو اگرچہ بعید ہی سہی تو جب تک قائل کی نیت معلوم نہ ہو تو مفتی پر واجب ہے کہ ایسے قائل کی تکفیر نہ کرے۔ اور ایسے قول کے قائل کی تکفیر روا نہیں بلکہ خطا ہے۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے۔

لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامه علی محمل حسن او کان فی کفره خلاف ولو کان ذالك روایة ضعیفة وفی الدرر و غیرها اذا کان فی المسئلة وجوه توجب الکفر و واحد یمنعه فعلی المفتی المیل لمایمعنه (جلد ۴ ص ۲۳۰)

اس لئے حضرت فقیہ اعظم ہند قبلہ نے قائل کی تکفیر نہ فرمائی مگر چونکہ اس کا ایک پہلو کفر کا بھی تھا اس لئے قائل کی فہمائش فرمائی۔

فقہاے کرام نے اگرچہ لاکھوں جزئیات کی تصریح فرمادی ہے پھر بھی حوادث محدود نہیں نت نئے سیکڑوں واقعات ایسے رونما ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے بارے میں کوئی جزئیہ کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ فقیہ اپنی بالغ نظری، نکتہ سنجی، دقیقہ بینی کی بدولت۔ تائید ایزدی سے صحیح حکم اخذ کر لیتا ہے آیئے اس خصوص میں بھی حضور فقیہ اعظم ہند کے اشہب قلم کی جلوہ گری دیکھئے۔

ایک سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ ایک بھینس ایسی ہے جس کی پیدائشی دو لر نہیں ہے اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

حضور فقیہ اعظم ہند اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

یہاں دار الافتاء میں موجود فقہ کی تمام کتابوں میں دیکھا گیا مگر خاص اس کا جزئیہ کسی میں نہیں ملا۔ بزازیہ، عالمگیری، اور رد المحتار میں خلاصہ سے ہے۔

وفی الشاۃ والمعزاذالم تکن لھما احدی حلمتیہ خِلقةً اَو ذھبت باٰفةٍ وبقیت واحدۃ لم تجزوفی الابل والبقران ذھبت واحدۃ تجوز وان ذھبت اثنتان لایجوز۔

بکری اور بھیڑ کی دولروں میں سے ایک پیدائشی نہ ہوں یا کسی وجہ سے چلی گئی ہوں یا ایک رہ گئی تو جائز نہیں۔ اونٹ اور گائے میں اگر ایک چلی گئی تو جائز ہے دو چلی گئیں تو جائز نہیں۔

بھیڑ اور بکری میں تعمیم فرمائی خواہ پیدائشی ایک لر نہ ہو یا پیدائشی دولر تھے ایک کر مثلاً کاٹ لی گئی اس کی قربانی جائز نہیں، پیدائشی طور پر دو تھن نہ ہوں اس کا حکم مذکور نہیں لیکن خادم فقہ جانتا ہے کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس گائے اور اونٹ کے پیدائشی دولر نہ ہوں اس کی قربانی جائز نہ ہوگی اس لئے کہ بھیڑ اور بکری کی صرف دو لر ہوتی ہیں اور گائے بھینس اونٹ کی چار لر۔ اس جزئیہ سے سمجھ میں آیا کہ مدار کار نصف پر ہے جس کا نصف تھن نہ ہو اس کی قربانی جائز نہیں تو جس کا نصف تھن کاٹنے کی وجہ سے مثلاً قربانی جائز نہیں تو سرے سے اگر تھن موجود ہی نہ ہو تو بدرجہ اولیٰ قربانی صحیح نہ ہوگی اس کی نظیر یہ مسئلہ ہے کہ جس جانور کا ایک تہائی سے زیادہ کان کٹا ہو اس کی قربانی جائز نہیں جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا "ولا الشرقاء" اسی طرح اس جانور کی بھی قربانی جائز نہیں جس کے دونوں یا ایک کان پیدائشی نہ ہوں حدیث میں صرف کان کٹے کا حکم مذکور تھا اور جس کے پیدائشی کان نہ ہوں اس کا حکم مذکور نہیں تھا، فقہا کرام نے کان کٹے پر اس کو قیاس فرمایا ہدایہ میں ہے السکاء وھی اللتی لااذن لھاخِلقه لاتجوز لان مقطوعة اکثر الاذن اذا کان لایجوز فعدیم الاذن اولیٰ"۔ جس جانور کے پیدائشی کان نہ ہو اس کی قربانی جائز نہیں اس لئے کہ جب اس جانور کی قربانی صحیح نہیں جس کا اکثر کان کٹا ہو تو جس کا کان ہی نہ ہو بدرجۂ اولیٰ اسکی قربانی صحیح نہیں۔ دوسری وجہ ناجائز ہونے کی یہ ہے کہ سارے فقہا نے تصریح فرمائی ہے کہ جس جانور میں زیادہ عیب ہو اسکی قربانی صحیح نہیں اور تھوڑا عیب ہو تو بھی اس کی قربانی مکروہ ہے ہر شخص جانتا ہے کہ گائے بھینس میں دولر کا پیدائشی طور پر نہ ہونا زیادہ عیب ہے اس لئے اس کی قربانی صحیح نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ناظرین! غور فرمائیں کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا کوئی صریح جزئیہ کسی کتاب میں نہیں مگر حضرت فقیہ اعظم ہند مد ظلہ العالی نے اپنی فقہی بصیرت اور اخاذ طبع سے حدیث اور فقہی جزئیات سے اس کا حکم استنباط فرمایا۔

حضور مفتی صاحب قبلہ پر مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ و فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ و مفتی اعظم قدس سرھما کا ایسا فیضان ہے کہ مشکل ترین مسائل جب حضرت کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں تو حضرت کا قلم ان کے جوابات دینے سے کبھی عاجز نہیں رہتا۔ حضرت کے فتاویٰ کے رجسٹر پڑھتے جائیے۔ آپ کے جوابات

میں حضرت مجدد اعظم قدس سرہ کے تفقہ کا عکس جمیل دکھائی پڑتا ہے آپ کے فتاویٰ جملہ ابواب فقہ پر مشتمل ہیں کہیں عبارات فقیہ کی توضیح ہے تو کہیں دو مختلف اقوال میں ترجیح ہے تو کہیں دو متعارض جزئیات کے درمیان تطبیق ہے۔ کہیں بدمذہبوں کی شاطرانہ چال اور اہلسنت پر بے جا اعتراض کا دنداں شکن جواب ہے۔ تنقیح عبارت کا جلوہ دیکھنا ہو تو مندرجہ ذیل سوال اور اس کا جواب ملاحظہ کریں۔

حضرت کی بارگاہ میں ایک استفتا پیش ہوا کہ بہار شریعت میں ہے کہ قرآن مجید سننا تلاوت کرنے سے افضل ہے (حصہ سوم صفحہ ۱۰۴) حضرت علامہ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ الرحمۃ غنیہ میں فرماتے ہیں کہ استماع القران افضل من تلاوتہ"

ان عبارات کی روشنی میں زید کہتا ہے کہ تراویح میں قرآن مجید پڑھانے والے حافظ کو ثواب کم ملتا ہے اور سننے والے کو ثواب زیادہ ملتا ہے اور بکر کہتا ہے کہ پڑھنے والا دوہرے ثواب کا حقدار ہے (۱) پڑھنے کا اور (۲) سننے کا۔ جبکہ سننے والے کو فقط سننے کا ثواب ملتا ہے۔ ان دونوں عبارتوں کا صحیح مفہوم کیا ہے حضرت مفتی صاحب قبلہ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

بہار شریعت اور غنیہ میں جو کچھ ہے اس کا محل خارج صلاۃ تلاوت ہے۔ بہار شریعت میں یہ مسئلہ اس عنوان کے تحت ہے۔ "مسائل قرأت بیرونِ نماز" اور غنیہ میں بھی یہ مسئلہ "القراۃ خارج الصلاۃ" کے تحت ہے اس لئے کسی بھی نماز کی قرأت کو اس پر قیاس کرنا درست نہیں علاوہ ازیں تلاوت سے قرآن مجید سننے کے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تلاوت کرنا مستحب ہے اور جب کہیں قرآن عظیم پڑھا جائے تو حاضرین پر اس کا سننا فرض، اور فرض کا ثواب بہر حال نفل سے زیادہ ہے اس لئے یہ بیرون صلاۃ کے ساتھ خاص ہے اس لئے کہ نماز میں مقتدیوں پر اگرچہ سکوت و استماع فرض ہے تو یہ خاص قرآن مجید سننے کے لئے نہیں بلکہ نماز کی ماہیت میں داخل ہے اسی لئے سری نمازوں میں بھی مقتدیوں کو خاموش رہنا فرض ہے۔ بلکہ چار رکعت والے فرائض میں اگر اخیر کی دونوں رکعت میں امام سورۂ فاتحہ نہ پڑھے بلکہ تسبیح پر اکتفاء کرے جب بھی مقتدیوں کو چپ رہنا واجب ہے۔ امام نماز میں جو بھی قرأت کرے گا وہ حالت قیام میں کرے گا اور قیام فرض تو امام بھی قرأت کے وقت فرض ہی ادا کر رہا ہے تو مقتدی جب فرض میں مشغول ہے اور امام بھی فرض میں مشغول ہے تو سننے والے مقتدی کا ثواب پڑھنے والے امام سے زیادہ کیونکر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ترجیح اقوال: فقہی مہارت کا ایک اہم عنصر یہ ہے کہ جہاں فقہا کے متعارض اقوال یا ایک ہی فقیہ کے دو متعارض قولوں میں تطبیق کی کوئی صورت نظر نہ آئے وہاں ایک مفتی کا کمال یہ ہے کہ اسے راجح و مرجوح کا علم صحیح اور اصح کے درمیان امتیاز ہو سکے۔ حضرت فقیہ اعظم ہند کی ذات بابرکات میں یہ عنصر بدرجہ اتم موجود ہے۔ ثبوت کے لئے

ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت فقیہ اعظم ہند قبلہ کی خدمت میں استفتاء پیش ہوا کہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۵۵ پر اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا ہے کہ الصاق کعبین سنت ہے اور الملفوظ میں اس کے خلاف ہے۔ حصہ چہارم صفحہ ۵۷ پر ہے۔

عرض درمختار کبیری، صغیری وغیرہ میں لکھا ہے کہ رکوع میں دونوں ٹخنوں کو ملانا سنت ہے۔

ارشاد۔ لم یثبت۔ کہیں ثابت نہیں، دس بارہ کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے اور سب کا منتہیٰ زاہدی ہے۔

فتاویٰ رضویہ کے اِس فتویٰ اور الملفوظ کی اس عبارت میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟ الملفوظ اور فتاویٰ رضویہ کے محولہ فتویٰ کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں فتاویٰ رضویہ کا یہ فتویٰ پہلے کا ہے سوال کی تاریخ ۹؍رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ ہے اور الملفوظ کا ارشاد ۱۳۳۸ھ کا ہے اس لئے معتبر و معتمد یہی ہے جو الملفوظ میں ہے۔ نیز فتاویٰ امجدیہ میں حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ بہار شریعت میں درمختار کے حوالے سے میں نے الصاق کعبین کو سنن میں شمار کیا تھا مگر اعلیٰحضرت قبلہ نے اسے نکال دیا۔ اور بہار شریعت حصہ سوم کی تصحیح ۱۲؍شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ کی ہے اسلئے راجح وہ ہے جو الملفوظ میں ہے اور جو حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ نے فرمایا۔

(۲) دوسری نظیر

حضرت مفتی صاحب قبلہ کی بارگاہ میں بہار شریعت کے متعارض مسئلے کے بارے میں استفتا پیش ہوا۔ بہار شریعت حصہ ششم ص ۱۶۵ پر ہدی کے بیان میں ہے۔ تمتع اور قران کی قربانی دسویں سے پہلے نہیں ہو سکتی اور دسویں کے بعد کی ہو جائے گی مگر دم لازم ہے کہ تاخیر جائز نہیں۔ اور بہار شریعت ہی میں۔ قران کے بیان میں ص ۱۱۸ پر ہے۔ اس (قران کی قربانی) کا وقت دسویں ذی الحجہ فجر طلوع ہونے سے بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے۔ ان دونوں میں کون صحیح ہے؟ بعض علما نے فرمایا کہ پہلا حکم اس قربانی کے جانور کے لئے ہے جو قارن یا متمتع اپنے ساتھ لایا ہو کیا یہ صحیح ہے؟

اس کے جواب میں حضرت فقیہ اعظم ہند تحریر فرماتے ہیں۔

قران کے بیان میں ص ۱۱۸ پر جو تحریر ہے وہی صحیح ہے اور ص ۱۶۵ پر ہدی۔ کے بیان میں جو کچھ ہے وہ تسامح ہے اور اس تسامح کی بنیاد عالمگیری کی عبارت میں مذکور یوم النحر ہے کہ فرمایا **لا یجوز ذبح هدی المتعة والقران الافی یوم النحر کذافی الهدایة حتی لوذبح قبله لایجوزاجماعاً وبعده کان تارکاً للواجب عند الامام فیلزمه دم** (۱؍۱۳۳) ہدایہ میں ہے **ولا یجوز ذبح هدی التطوع والمتعة والقران الافی یوم النحر** (جلد اوّل ص ۲۸۰) اور یوم النحر سے عام تبادر ذہنی دسویں ذی الحجہ کی طرف ہوتا ہے لیکن ان عبارات میں یوم نحر سے مراد ایام نحر کے تینوں دن ہیں۔ کنزالدقائق میں تھا۔ **وخص ذبح هدی المتعة والقران بیوم النحر فقط**

۔اس کے تحت البحر الرائق میں ہے اراد المصنف بیوم النحر وقته . وهو الایام الثلثة . واراد بالاختصاص الاختصاص من حیث الوجوب علی قول ابی حنیفة والالوذبح بعد ایام النحر اجزاہٗ الّا انه تارك للواجب۔ تمتع اور قران کی قربانی کا ذبح کرنا صرف یوم نحر کے ساتھ خاص ہے۔یوم نحر سے مراد وقت نحر ہے اور وہ تینوں دن ہیں اور اختصاص سے مراد یہ ہے کہ انہیں تینوں دن میں واجب ہے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی بناء پر ورنہ اگر ایام نحر کے بعد ذبح کیا تو کافی ہے مگر وہ واجب کا تارک ہوا (جلد ۳ ص ۷۷) اسی طرح تنویر الابصار میں تھا۔

ویتعین یوم النحر لذبح المتعة والقران۔ تمتع اور قران کے ذبح کے لئے یوم نحر متعین ہے اس کی شرح میں در مختار میں فرمایا۔ ای وقته وهو الایام الثلثة ۔یوم نحر سے مراد اس کا وقت ہے یعنی قربانی کے تینوں دن۔فقط کے تحت فرمایا ولم یجز قبله بل بعده۔ یعنی یہ قربانی ایام نحر ہی میں ہونی ضرور ہے اس کے پہلے جائز نہیں ہے ہاں اس کے بعد ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد کئی جزئیات نقل فرما کر اخیر میں ارشاد فرماتے ہیں

حاصل یہ نکلا کہ متون میں جو فرمایا کہ قران اور تمتع کی قربانی کا وقت صرف یوم نحر ہی ہے اس سے مراد خاص دسویں ذی الحجہ نہیں بلکہ قربانی کے تینوں دن مراد ہیں۔اسی کے مطابق ص ۱۱۸ پر تحریر فرمایا کہ اس کا وقت دسویں ذی الحجہ فجر طلوع ہونے سے بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے۔اور یہ حکم دونوں قسم کے جانوروں کو عام ہے۔ خواہ قارن اور متمتع اپنے گھر اپنے ساتھ جانوروں لایا ہو یا منیٰ میں خریدا ہو تینوں قسم کے جانوروں کی قربانی دسویں ذی الحجہ سے لیکر بارہویں ذی الحجہ تک ہو سکتی ہے اس میں کسی کے لئے دسویں ذی الحجہ متعین نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) تیسری نظیر

بمبئی سے ایک استفتاء حضور مفتی صاحب قبلہ کی بارگاہ میں پیش ہوا کہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ کو زید نے اپنے شجرہ میں قیوم اور قیوم زماں اور قیوم ثانی لکھا ہے اور اعتقاد کے ساتھ کہتا بھی ہے معلوم کرنے پر مکتوبات مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا حوالہ دیتا ہے جبکہ عمرو کسی غیر خدا کو قیوم اول، قیوم ثانی، قیوم زماں کہنے والوں کو کافر ٹھہراتا ہے اور حوالہ میں فتاویٰ رضویہ کو پیش کرتا ہے۔ کس کا قول صحیح ہے۔

حضرت فقیہ اعظم ہند مد ظلہ العالی فتاویٰ رضویہ اور مکتوبات مجدد الف ثانی کے مابین تعارض کو کس حسین انداز میں دفع فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ مکتوبات میں ایسا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ مکتوبات علوم ظاہری اور باطنی کا خزینہ ہے لیکن

خود حضرت مجدد صاحب قدس سرہ نے دفتر سوم مکتوب بست و یکم میں تحریر فرمایا ہے این فقیر ایں ہمہ دفاتر در بیان علوم واسرار ایں طائفہ علیہ نوشتہ است ظاہر اً بخاطر شریف شما قرار یافتہ است کہ از روئے صحو خالص نوشتہ است بے مزج سکر حاشاو کلا۔اس فقیر نے ان تمام دفاتر کو اس طائفہ علیہ کے علوم واسرار کے بیان میں لکھا ہے بظاہر تمھارے دل میں قرار پایا ہے کہ بلا آمیزش سکر، خالص صحو کی رو سے لکھا ہے ایسا ہر گز نہیں۔اس عبارت سے ظاہر ہے کہ مکتوبات شریف میں بہت سی باتوں میں سکر کی آمیزش ہے اور عارفان حق عالم سکر میں جو کچھ فرمائیں اگر وہ شریعت کے خلاف ہے تو قابل قبول نہیں اس لئے مکتوبات کے ارشادات کو پہلے شریعت کی کسوٹی پر جانچ لیا جائے اور شریعت کی کسوٹی ایک حنفی کے لئے فقہاے احناف کے ارشادات ہیں ہم پر ان کی تقلید واجب ہے جب فقہا کرام نے غیر خدا کو قیوم کہنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتاب مجمع الانھر میں ہے اذا اطلق علی المخلوق من الاسماء المختصة بالخالق جلا و علا نحو القدوس والقیوم والرحمن وغیرھا یکفر۔تو ترجیح اسی کو ہے۔جو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔اس لئے کسی غیر خدا کو قیوم زماں کہنے سے احتراز واجب ہے۔

ناظرین !آپ حضرات نے ملاحظہ فرمالیا کہ حضرت شارح بخاری مد ظلہ العالی تفقہ کی ایسی بلند منزل پر فائز ہیں کہ جس علمی اشکال میں لوگ الجھ کر رہ جاتے ہیں اس کو آپ چٹکیوں میں حل فرمادیتے ہیں۔

یہ حقیقت میں ذہانت و فطانت کے ساتھ ساتھ کثرت مطالعہ اور استحضار و تیقظ ذہنی کی دلیل ہے۔

ردباطل: وہابی دیوبندی اپنے باطل نظریات کی پردہ پوشی اور اپنے اوپر علماے اہلسنت کے کفری فتوے کی طرف سے عوام کا ذہن ہٹانے کے لئے کذب و افتراء و بہتان کے نئے نئے شگوفے چھوڑتے رہتے ہیں اور مجدد اعظم کی عظمت کو گھٹانے کے لئے ان پر بے جا اعتراض کرتے رہے ہیں۔ لیکن جب ان کے اعتراضات حضرت فقیہ اعظم ہند مد ظلہ العالی کی بارگاہ میں پہونچتے ہیں تو آپ ایسا دندان شکن جواب دیتے ہیں جس سے ایوان باطل میں زلزلہ آجاتا ہے اور اہلسنت کی آنکھیں ٹھنڈی اور انکے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں۔فرق باطلہ کے رد میں حضرت کے کئی ہزار فتاویٰ ہیں جسمیں سے دو ایک ہدیہ ناظرین کر رہا ہوں۔ تفصیل کے لئے تحقیقات حصہ اوّل دوم کا مطالعہ کریں۔

سعودیہ عربیہ سے ایک سوال آیا کہ سعودیہ کے دارالسلطنت ریاض سے ایک اخبار بنام "اردو نیوز" نکلتا ہے اس میں فاتحہ سے متعلق سوال کے جواب میں فاتحہ خوانی کو ناجائز و حرام لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی کو ایک بھی واضح دلیل ملے تو پیش کرے۔اور عید میلاد النبی کو بدعت اور خرافات قرار دیتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سب غیر مسلموں کے ملک میں رہنے سے اور ان کے تہوار سے میل کھاتا ہوا رواج ہے اس کے جواب میں حضرت شارح بخاری رقم طراز ہیں۔

اصل جواب سے پہلے چند باتیں ذہن نشین کرلیں۔سعودی عرب کے حکمراں اور وہاں کے قاضی، مدرس

وغیرہ سب کے سب وہابی نجدی عقیدے کے ہیں۔ وہابیوں نجدیوں کا عقیدہ مذہب اہلسنت وجماعت سے الگ ہے جیسے شیعہ قادیانیوں کا مذہب الگ ہے۔ پھر نجدیوں کے چند عقائد کو بیان کرکے اس کا رد تحریر فرماکر ارشاد فرماتے ہیں۔ رہ گیا فاتحہ ومیلادالنبی کا معاملہ تو وہابیوں کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ یہ چیزیں حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں نہیں تھیں اس لیے بدعت، حرام اور شرک ہیں یہ ان کا فریب ہے مسلم شریف میں حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا۔ من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ یکون لہ اجرھا واجر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اجور ھم شئی۔ جو اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کرے اس کو ایجاد کرنے کا ثواب ملے گا اور اس کے بعد جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے سب کے برابر اسے ثواب ملے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی طریقہ پہلے سے نہیں اور وہ اچھا ہے تو جو اس اچھے طریقے کو ایجاد کرے گا اسے اس کا بھی ثواب ملے گا اور اس پر سب عمل کرنے والوں کے برابر اس کو ثواب ملے گا۔ اس لئے کسی کام کے جائز و ناجائز ہونے کا مدار اس پر نہیں کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں ہوتا تھا یا نہیں بلکہ اس کا مدار اس پر ہے کہ وہ چیز فی نفسہ اچھی ہے یا بُری؟ اگر اچھی ہے تو حدیث مذکور کی روشنی میں اس کا کرنا ثواب ہے۔ اور اس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا کہ فاتحہ کرنا بھی اچھی چیز ہے اور عید میلادالنبی ﷺ منانا بھی اچھی چیز ہے۔ فاتحہ کی اصل ایصال ثواب ہے۔

یہ تو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور عید میلادالنبی کی اصل اللہ کی نعمت پر خوشی منانا ہے جس کا حکم خود قرآن مجید میں ہے ارشاد ہے قل بفضل اللّٰہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا۔

فرمادو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی مناؤ۔ اللہ کا سب سے بڑا فضل اور اس کی رحمت حضور اقدس ﷺ ہیں۔ پھر مسلم شریف کی حدیث سے عید میلادالنبی کے جواز کو ثابت فرمایا۔ اخیر میں ایک مثال سے مسئلے کو اور زیادہ واضح فرمایا۔ تحریر فرماتے ہیں۔

ایک مسلمان روزانہ بعد نماز فجر بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ ثواب کا کام ہے حالانکہ یہ کہیں ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام نماز فجر کے بعد بیٹھ کر قرآن مجید دیکھ کر تلاوت کرتے تھے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ ثواب کا کام کیسے ہوا؟ جبکہ نہ رسول اللہ ﷺ نے کیا، نہ صحابہ نے کیا۔ اس کا جواب صرف یہی ہے کہ چونکہ یہ کام اچھا ہے اگرچہ کہیں یہ حکم نہیں کہ نماز فجر کے بعد بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرو پھر بھی یہ ثواب ہے اسی طرح فاتحہ، عید میلادالنبی ﷺ بھی جائز و مستحسن ہے۔ یہ پورا فتویٰ انہتر سطروں پر مشتمل ہے جسے میں نے اختصار کے ساتھ یہاں نقل کیا ہے ناظرین غور فرمائیں۔ حضرت فقیہ اعظم ہند نے دیوبندیوں کے اعتراض کا کیسا دندان شکن جواب دیا ہے۔

اور اخیر میں معارضہ قائم کرکے انھیں کیسا لاجواب کردیا ہے، اور ان کے باطل نظریات وعقائد کی بخیہ

ادھیڑ کر ان سے قطع تعلق اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ سوال تو صرف فاتحہ و عید میلاد النبی کے جواز و عدم جواز کے بارے میں تھا مگر حضرت فقیہ اعظم ہند قبلہ نے نفس جواب پر اکتفا نہ فرما کر ان کے باطل عقائد کی تردید بھی کی یہ آپ کا بالکل حکیمانہ اسلوب ہے جیسے ایک حکیم کے پاس چند امراض میں مبتلا کوئی مریض پہونچ کر کسی ایک مرض کی دوا چاہتا ہے اگر وہ حکیم حاذق ہو تو صرف اس مرض کی دوا نہیں دے گا جس کی دوا مریض نے طلب کی ہے بلکہ اس کے تمام امراض کی دوا دے گا اسی طرح حضور فقیہ اعظم ہند قبلہ نے اصل سوال کا جواب بھی لکھوایا اور نجدیوں کے عقائد سے عوام کو روشناس کرا کر اس کی تردید کر کے ان سے دور رہنے کا حکم دیا بلا شبہ آپ روحانی حکیم ہیں۔ اس کی نظیر خود حدیث میں موجود ہے۔ ایک صحابی نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ہم سمندر کا سفر کرتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑا پانی رکھتے ہیں اگر اسی پانی سے وضو کر لیں تو ہم پیاسے رہ جائیں گے کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں ارشاد فرمایا ھو الطھور ماء ہٗ والحِلّ میتتہٗ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کی مری ہوئی مچھلی حلال¹ ہے (موطاء امام احمد ص ۶۸) دیکھئے سوال صرف سمندر کے پانی کے بارے میں تھا مگر حضور اقدس ﷺ نے نفس سوال کا جواب ارشاد فرما کر سمندر کی مری ہوئی مچھلی کا حکم بھی بتا دیا کیونکہ جب سمندر کے پانی کا حکم مسائل پر واضح نہیں تھی۔ تو اسکی مری ہوئی مچھلی کا حکم بھی مخفی رہا ہو گا اسی طرح حضرت فقیہ اعظم نے اصل جواب دیگر مزید اور باتوں کا افادہ فرمایا۔

کشمیر سے ایک صاحب نے یہاں استفتاء بھیجا کہ ایک دیوبندی کہتا ہے کہ امام کا اطلاق صرف اور صرف اربعہ پر ہی آتا ہے اسلئے اعلیٰحضرت کو "امام" نہیں کہہ سکتے۔ اور مجدد اعظم امام احمد رضا کو اعلیٰحضرت کیوں کہا جاتا ہے جب کہ حضور پُر نور شافع یوم النشور کو "آنخضرت" ہی کہا جاتا ہے۔ لہٰذا آنخضرت اور "اعلیٰحضرت" کی صحیح وضاحت کیجئے بلحاظ آنخضرت کے امام احمد رضا قدس سرہٗ کو "اعلیٰحضرت" کہنا شرعاً جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟

آپ ان دونوں سوالوں کے جواب میں رقم طراز ہیں۔

"امام کا اطلاق ائمہ اربعہ کے ساتھ خاص نہیں، ہزار ہا ہزار علما کے ساتھ لفظ امام سلفاً و خلفاً استعمال ہوا ہے اور ہو رہا ہے مثلاً امام حسن، امام حسین، امام حسن بصری، امام ابن سیرین، امام ابو منصور ماتریدی، امام ابو الحسن اشعری، امام غزالی، امام رازی، وغیرہم رضی اللہ عنہم خود دیوبندی اپنی جماعت کے ایک مولوی عبد الشکور کاکوروی خارجی کو

---

¹پانی کی گرمی یا سردی سے مچھلی مر گئی یا مچھلی کو ڈورے میں باندھ کر پانی میں ڈال دیا اور مچھلی مر گئی یا جال میں پھنس کر مر گئی یا پانی میں کوئی ایسی چیز ڈال دی جس سے مچھلیاں مر گئیں اور یہ معلوم ہے کہ اس چیز کے ڈالنے سے مریں یا گھڑے میں مچھلی پکڑ کر ڈال دی اور اس میں پانی تھوڑا تھا اس وجہ سے یا جگہ کی تنگی کی وجہ سے مر گئی ان سب صورتوں میں وہ مری ہوئی مچھلی حلال ہے۔ اور جو مچھلی بغیر مارے اپنے آپ مر کر پانی کی سطح پر الٹ گئی وہ حرام ہے۔ (در مختار رد المحتار ص ۱۹۵ جلد اوّل)

امام اہلسنت لکھتے ہیں۔ مجدد اعظم اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے امام کہنے پر مخالفین کا اعتراض اسی قبیل سے ہے کہ اہلسنت کو الجھادو تاکہ ہمارے اکابر کے کفریات سے جان بچے۔

پہلے سوال کا ایسا الزامی جواب ارشاد فرمایا جس سے دیوبندیوں کے اعتراض کی قلعی کھل گئی اور اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہٗ پر امام کے اطلاق کا درست ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ دوسرے سوال کا جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

مجدد اعظم اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کو "اعلیٰحضرت" کہنا بلا شبہ جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں نہ صرف جائز بلکہ مستحسن بھی ہے۔ اعلیٰحضرت کا لفظ خطاب ہے القاب اور خطاب میں حقیقی و لغوی معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ ادنیٰ سی مناسبت سے کسی کو دیدئے جاتے ہیں۔ مثلاً حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا خطاب صدیق اکبر ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا فاروق اعظم، اور حضرت ابو حنیفہ کا لقب امام اعظم۔ حالانکہ لغوی معنی کے اعتبار سے حقیقت میں صدیق اکبر، فاروق اعظم، امام اعظم، صرف حضور اقدس ﷺ ہیں اگر ان خطابات میں حقیقی معنی کا لحاظ کیا جائے تو کفر لازم آئے گا اس لئے صدیق اکبر کا مطلب یہ ہو گا کہ حضور اقدس سے بڑے صدیق ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو فاروق اعظم کہنے کا مطلب یہ ہو گا کہ حضور اقدس ﷺ سے بھی بڑے فاروق ہیں اور سیدنا امام ابو حنیفہ کو "امام اعظم" کہنے کا مطلب یہ ہو گا کہ حضور اقدس سے بھی بڑے امام ہیں، مخالفین سے پوچھئے کہ حضرت ابو بکر کو صدیق اکبر اور حضرت عمر کو فاروق اعظم اور حضرت امام ابو حنیفہ کو امام اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کہہ کر اپنی منطق کے اعتبار سے یہ کہاں گئے اور ان کا ٹھکانہ کہاں ہوا؟ لا محالہ یہ کہنا پڑے گا کہ چونکہ یہ تینوں کلمات ان تینوں بزرگوں کے خطاب ہیں لقب ہیں اس لئے ان میں معنی حقیقی لغوی کا اعتبار نہیں، یہ کسی اہم مناسبت کیوجہ سے ان لوگوں کے خطابات تجویز کئے گئے ہیں اسی طرح اعلیٰحضرت چونکہ ایک لقب اور خطاب ہے اس لئے اس کے حقیقی لغوی معنی کا اعتبار نہیں، اور یہ کہنا بلا شبہ درست ہے اور صرف ہم سنیوں ہی کے یہاں نہیں دوسروں کے یہاں بھی ہے۔

> سلطان محی الدین اورنگ زیب اپنے والد شاہجہاں کو ہمیشہ اعلیٰحضرت لکھتے اور کہتے رہے رقعات عالمگیری اٹھا کر دیکھو۔ دکن میں نواب کو عوام و خواص حتی کہ علما و مشائخ اعلیٰحضرت کہتے اور لکھتے رہے۔ نیز دیوبندی جماعت کے بانی رشید احمد گنگوہی اور قاسم نانوتوی اپنے پیر حاجی امداد اللہ صاحب کو ہمیشہ اعلیٰحضرت لکھتے اور کہتے رہے۔ تذکرۃ الرشید اٹھا کر دیکھئے۔ اب ان سے پوچھو ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حقیقت میں یہ سوال بھی مسئلہ تکفیر سے جان بچانے کیلئے مخالفین کرتے ہیں۔

ناظرین غور فرمائیں کہ حضرت فقیہ اعظم ہند نے مجدد اعظم کو "اعلیٰحضرت" کہنے پر کیسا تحقیقی والزامی جواب دیا جس سے خطابات مسؤلہ کا جواز اظہر من الشمس ہو گیا لیکن دیوبندیوں کو ان کے گھر تک پہونچانے کے

لئے مزید ارشاد فرماتے ہیں۔

غور کیجئے اگر اس بناء پر کہ رسول اللہ ﷺ کو آں حضرت کہا جاتا ہے اور مجدد اعظم کو "اعلیٰحضرت" کہہ دیا جائے تو لازم آیا کہ دیوبندیوں کے مذہب کے مطابق کہ رسول اللہ ﷺ سے افضل بتادیا۔ پہلے اس کا جواب دیوبندی دیں کہ انھوں نے ہم سے پہلے اپنے پیر کو اعلیٰحضرت کہا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق لازم آیا کہ دیوبندیوں کے عقیدے میں حاجی امداد اللہ حضور اقدس ﷺ سے افضل ہیں پھر بات کریں۔ دوسرے یہ کہ بقول مخالفین اعلیٰحضرت کسی کو کہنے سے لازم آتا ہے کہ اسے رسول اللہ ﷺ سے افضل جانا تو کسی کو "حضرت" کہنے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ برابری لازم آئے گی سارے مخالفین اپنے مولویوں اور پیروں کو رسول اللہ ﷺ کے برابر جانتے اور مانتے ہیں اب ان سے پوچھو کہ تم نے تیرہویں صدی کے ٹکے ٹکے پر بکنے والے اپنے مولویوں کو اور پیروں کو حضرت کہہ کر رسول اللہ ﷺ کے برابر بنایا تو تم مسلمان رہے یا کافر؟۔

مقالہ طویل ہو گیا اس لئے اسی پر اکتفا کر رہا ہوں۔ ورنہ حضور فقیہ اعظم ہند کے فتاویٰ میں ایسی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ ساٹھ ہزار (۶۰۰۰۰) سے زائد آپ کے فتاویٰ ہو چکے ہیں جن میں چوبیس، پچیس ہزار بریلی شریف میں رہ گئے اور بلرام پور کے زمانے کے فتاویٰ کا پتہ نہیں لگ رہا ہے۔ رہ گئے مبارکپور کے فتاویٰ تو یہ فل اسکیپ سائز کے اکتیس (۳۱) رجسٹر میں دس ہزار (۱۰۰۰۰) صفحات میں محفوظ ہیں۔ ان کی ترتیب کا کام جاری ہے خدا کرے کہ وہ ساعت سعید جلد آجائے جب ہم ان کو قوم کے سامنے کتابی شکل میں پیش کر سکیں۔

☆☆☆☆☆

من فتاوى الشيخ المباركة

الأستاذ نفيس أحمد المصباحي
عضو هيئة التدريس بالجامعة الأشرفيه مبارك پور

إن فضيلة العلامة المفتى محمد شريف الحق الأمجدى ـ حفظه الله تعالىٰ ـ

رئيس قسم الإفتاء بالجامعة الأشرفية بمباركفور من أكبر وأشهر رجال الفتوىٰ فى شبه القارة الهندية، إنّه شرع فى الإفتاء منذأن تخرّج وقرأفاتحة الفراغ علىٰ أيدى أساتذته الكبار، ومازال يمارس هٰذا العمل المبارك الميمون إلىٰ يومنا هٰذا وهوابن إحدىٰ وثمانين سنة ، إنّه تدرّب عليه تحت إشراف كبار المفتين ورجال الفتوى وعباقرة الإسلام كصدر الشريعه العلامة محمد أمجد على الأعظمى والعلامة الشيخ محمد مصطفىٰ رضاخان القادرى البريلوى المفتى الأعظم بالهند. رحمهما الله وبذل فى هٰذا السبيل جهوداجبّارة ومساعى حثيثة حتى طار صيته فى الآفاق وأصبح محطّ الأنظار فى شتى ربوع المعمورة ، فياتى إليه الأسئلة من شتى مناطق الهند وخارجها.

ومنها السؤال التالى الذى وجّه إليه من بلدالله الحرام مكة المكرمة فأجاب عليه الشيخ إجابة واضحة مفصلة مقنعة ، نصّه فيمايلى :

حضرة صاحب الفضيلة المفتى العلّامة محمد شريف الحق الأمجدى ـ حفظه الله ـ رئيس قسم الإفتاء بالجامعة الأشرفية. بمباركفور ، أعظم جراه

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

بعد فإنّى أرجوأن تكونوا بفضل الله تعالىٰ فى صحّة جيّدة وهناء موفور، إنكم لاتعرفوننى ولكنّى أعرفكم معرفة جيّدة . أنا من أهل مكةالمكرمة ومن مريدى حضرة الشيخ الأكبرالعلامة محمد مصطفىٰ رضا خان القادرى البريلوى المفتى الأعظم بالهند ـ رحمه الله تعالىٰ ـ و من تلاميذ صاحب الفضيلة العلّامة السيد محمد المغربى ـ حفظه الله ـ ونرجو من فضيلتكم الجواب علىٰ سوال وهو كمايلى :

إن امرأة من حُجاج إفريقيا فى هٰذه السنة وقعت هٰهنا فى اضطراب شديد وقلق بالغ. و من

قصّتها أنّها جاء ت إلیٰ مکة المکرمة بالطائرة الأولیٰ للحجاج، حسب ذالك کانت الطائرة الراجعة بها إلیٰ وطنها بإفریقیا فی المرحلة الأولیٰ فی ۱٤/ذی الحجة،ولکن من سوء حظّها أنها حاضت عاشرا من الشهر المذکور ، و من عادتها أنها تحیض فی کل شهر خمسة أیّام ، وکان زوجها معها فبذل أقصیٰ جهود ه لتبدیل تذکرتها وإجازة رجوعها بطائرة فی مابعدولکن لم تثمرجهوده،فسأل المعلّم عن حکم هٰذه الصورة فأجاب :" لهاأن تطوف فی حال الحیض ، ولاحرج فیه فإنها معذورة". ثم سألتُ بعض علماء مکة عن حکمها ، فقالوا : "علیها أن تمکث ثم تطوف بعد أن تطهر من حیضها ثم ترجع إلی الوطن ." ولکن زوجها لایستطیع أن یشتری تذکر تین جدید تین لنفسه ولزوجهفرجعت إلیٰ وطنها بإفریقیة بعد الطواف فی حالة الحیض عملا بما قال معلّمها.یمکن أن تقع امرأة أخریٰ فی المستقبل فی مثل هٰذه الظروف الشدیدة الحرجة فالمسئول من سماحتکم أن ماذاتفعل؟إنّ طواف الزیارة من أرکان الحج،ولاحج بغیره،وهو لایکون إلّا فی المسجد الحرام ولا یجوز للمرأة أن تدخله وهی حائض . فإن لم تحصل لها إجازة الرجوع بطائرة أخری. ولم تستطع علیٰ اشتراء تذکرة جدیدة ترجع بها فیما بعد فهل یجوز لها الطواف فی تلك الحال ؟ وهل تأثم بالطواف أم لا؟ وهل تجب علیها الکفارة من دم وغیره أم لا؟

عبدالله

محلّة الجیاد ، مکة المکرمة.

الـــــجـــــواب :

بسم اللّٰه الرحمٰن الرّحیم

حامداً و مصلّیا و مسلّما

أما بعد فأخذتنی حیرة شدیدة بأنّ علماء مکّة لم یحلّوا هٰذه المسئلة ، والأمرهامّ خطیر. فإن قال لها عالم أن تطوفی و أنتِ حائض، ولا حرج فیه کماقال المعلّم فهوآثم لأنّ الحائض لایجوز لهاالدخول فی مسجد فضلاً عن المسجد الحرام،وکذا القول لامرأة أن تدخل المسجد وهی حائض من المآثم عند الشریعة الإسلامیة البیضاء . ولکن الفقهاء-رحمهم اللّٰه-حلّوا کل قضیة وإن کانت فی غایة الصعوبة والإشکال ، فقالوا : یقول لها أحد من العلماء إن طافت امرأة حائض أثمت وعلیها أن تذبح بدنة ولکن صحّ طوافها وتتأدی فریضة الطواف.

ففی ردّالمحتار علی الدرّ المختار :

"نقل بعض المحشّين عن منسك ابن امير حاج لوهمَّ الركبُ على القفول ولم تطهرفاستفتت هل تطوف أم لا ؟ قالوا يقال لها يحلّ لكِ دخول المسجد ، وإن دخلتِ وطفتِ أثمتِ وصحّ طوافكِ ، وعليك ذبح بدنة ،وهٰذه مسئلة كثيرة الوقوع يتحيّر فيها النساء .اهـ" (ج/۲،ص/۱۸٤ طبعة بيروت) فعلىٰ هٰذه المرأة التى ذكر تم قصتها أن تذبح بدنة وهو كفّارة وتتوب إلى الله تعالىٰ لدخولها المسجد الحرام وطوافها حائضاً . و يجب ذبح هٰذه البدنة فى الحرم فإن تذبح فى وطنها لاتخرج عن الكفارة ،ولكن ليس عليها أن تأتى مكة و تذبح نفسها تلك البدنة بل يجوزلهاأن توكّل أحداً من سكّا نها يذبحها عنها فى الحرم ،وعلى المعلّم الذى قال لها "طُوفى ، ولاحرج فيه فإنكِ معذورة" أن يتوب فأخبروه بهٰذا الحكم الشرعى إن لم يكن لكم فيه حرج .

والله تعالىٰ أعلم

كتبه محمد شريف الحق الأمجدى

(رئيس قسم الإفتاء)

بالجامعة الأشرفية

مبارك فور، أعظم جراه

☆☆☆☆☆

مولانا حضور احمد منظری ٹانڈوی ایم. اے
صدر المدرسین دار العلوم غوث الوریٰ، باڑوزی اول شاہجہانپور (یوپی)

شارح بخاری اپنے ایک فتویٰ کے آئینے میں

ڈاکٹر اقبال کا ایک بہت ہی مشہور شعر ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آج کل سوانح نگار ارباب قلم ہر کس و ناکس پر یہ شعر چسپاں کر دیتے ہیں۔ اور بسا اوقات تو ایسوں کو اس شعر کا مصداق ٹھہرا دیتے ہیں جو کسی بھی پہلو اور زاویۂ نگاہ سے اس شعر کا مصداق نہیں ہوتے۔ جب کبھی بے موقع و بے محل اس شعر کا استعمال کیا جاتا ہوگا تو یقیناً روحِ اقبال تڑپ جاتی ہوگی۔ خود سوانح نگار کا دل بھی ایسا غیر منطقی کام انجام دیتے وقت اس کو ضرور ملامت کرتا ہوگا۔ لیکن صاحب ''نزہت القاری'' حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی مد ظلہ العالی کو ڈاکٹر اقبال کے مذکورہ بالا شعر کا مصداق ٹھہراتے ہوئے میرا ضمیر کلی طور پر مطمئن ہے۔ مجھے نہ اپنے دل کی ملامت کا خوف ہے اور نہ ہی اصحاب فضل و کمال کی تضحیک کا ڈر دامن گیر ہے۔ کیوں کہ ایسا کرتے ہوئے میرے پاس دلائل و براہین اور حقائق و شواہد کی تائید موجود ہے۔

کسی شخصیت کو پرکھنے، اس کے حسن و قبح اور عیب و ہنر کو جانچنے کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ اس کی تصنیفات و تالیفات ہوتی ہیں۔ یہ کتابیں ہی دراصل مصنف کے علم و فضل، فکر و دانش، تفکر و تدبر، اخلاق و عادات، تہذیب و ثقافت کا آئینہ دار ہوتی ہیں۔ عربی کا مقولہ ہے الاناءُ یترشح بما فیہ یعنی برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔ اسی طرح نوک قلم سے وہی خیالات و افکار ظہور پذیر ہوتے ہیں آدمی جن کا حامل ہوتا ہے۔ اس امر مسلم کی روشنی میں ہم پر لازم ہے کہ ہم مفتی صاحب قبلہ کی شخصیت و عبقریت، آپ کے علمی فضل و کمال، فقہی بصیرت اور آپ کے عہد کی دینی، تہذیبی اور ثقافتی احوال و کوائف سے روشناسی و آگہی کے لئے آپ کی معرکۃ الآرا تصنیفات و تالیفات کی طرف رجوع کریں۔

اشرف السیر، تحقیقات، اسلام اور چاند کا سفر، مقالات امجدی اور نو جلدوں پر مشتمل بخاری شریف کی مکمل شرح "نزہۃ القاری" معلومات عقلیہ و نقلیہ سے لبریز، حقائق و معارف سے معمور، زبان و بیان کے محاسن سے مزین حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی کی وہ معرکۃ الآرا اور مایۂ ناز علمی و تحقیقی کتابیں ہیں جو آپ کی عبقریت کے ثبوت میں اور آپ کے مندرجہ بالا شعر کا مصداق ہونے کے ثبوت میں شاہد عدل ہیں۔

عصر حاضر میں حضرت مفتی صاحب کی شخصیت عالم اسلام و سنیت کے لئے، ناموس رسالت کے تحفظ کے لئے، احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے، قوم مسلم کی علمی و دینی و مذہبی میدان میں صحیح سمت میں رہنمائی کے لئے ایک مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ نے تقریباً ساٹھ برس مختلف مرکزی مدارس اور دانش کدوں میں افتا و تدریس کی مسند پر فائز رہ کر جو علمی و مذہبی اور دینی و اصلاحی خدمت انجام دی ہے وہ کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی۔ اگر آپ کے فتاویٰ مرتب کر کے شائع کردیئے جائیں تو وہ کئی جلدوں پر مشتمل ہوں گے اور جن سے ارباب فتوی تا قیام قیامت مستفیض ہوتے رہیں گے۔

میرے علم اور مشاہدے کے مطابق حضرت مفتی صاحب قبلہ حضور صدر الشریعت حضرت علامہ امجد علی علیہ الرحمۃ والرضوان کے ان مفتخر، ممتاز اور جید تلامذہ میں سے ایک ہیں جنھوں نے اپنے عظیم المرتبت استاذ کے علم و معرفت کے سمندر سے سیراب ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ علوم نقلیہ و عقلیہ میں یکساں دستگاہ کامل رکھتے ہیں۔ فقہ، حدیث، تفسیر، نحو، صرف، ادب، معانی، منطق، فلسفہ اور عقائد و علم کلام میں آپ کو کمال مہارت حاصل ہے۔ بالخصوص حدیث و فقہ و مناظرہ میں تو آپ عصر حاضر میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ "نزہۃ القاری" آپ کی حدیث دانی میں مہارت تامہ پر شاہد عدل ہے۔ فقہی بصیرت کا اندازہ آپ کے فتاویٰ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ مناظرہ کے میدان بھی آپ نے سر کیے ہیں جن کا ریکارڈ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ میرے وطن مالوف ٹانڈہ میں اہل قرآن کا ایک چھوٹا سا گروپ پیدا ہوگیا۔ یہ تقریباً آٹھ دس سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اس گروہ نے اطاعت رسول کا انکار کر کے ایک زبردست فتنہ کا بیج بو دیا تھا۔ اس فتنہ کے سد باب کے لئے کچھ خوش عقیدہ لوگوں نے ایک جلسے کا اہتمام کیا۔ جس میں مقرر خصوصی کے طور پر حضرت مفتی صاحب کو دعوت دی گئی۔ حضرت نے دعوت قبول فرمائی اور تشریف لاکر اہل قرآن کے رد اور اطاعت رسول کی شرعی حیثیت پر مناظرانہ و محققانہ انداز میں ناقابل تردید دلائل و براہین کے ساتھ ایسی ولولہ انگیز اور باطل سوز تقریر فرمائی کہ اہل قرآن پھر سر

اٹھانے کی تاب نہ لاسکے۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ کو میں نے چند بار دیکھا ہے۔ کبھی گھوسی میں، کبھی مبارکپور میں، کبھی اپنے وطن مالوف ٹانڈہ میں۔ آپ سے ان موقعوں پر گفتگو کرنے اور آپ کی علمی گفتگو سننے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ آپ کی اخلاقی حیثیت اور کردار کی خوبیوں پر تو کما حقہ، وہی لوگ اظہار خیال کر سکتے ہیں جنھوں نے آپ کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ آپ کی درسگاہ میں زانوئے تلمذ تہ کیا ہے اور جو سفر و حضرت میں آپ کے ساتھ رہے ہیں۔ لیکن چند بار کی ملاقاتوں سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ حضرت مفتی صاحب ایک با اخلاق، بامروت اور دردمند انسان بھی ہیں۔ آپ کے اندر جلال بھی ہے اور جمال بھی، شگفتہ مزاجی، اور ظرافت تو آپ کی فطرت ثانیہ ہے۔ اپنوں کے لئے پرنیاں ہیں تو غیروں کے لئے فولاد۔ احباب کی محفل ہے تو زبان سے پھول جھڑ رہے ہیں اور اگر گستاخان رسول کا سامنا ہے پھر مانند برق تپاں۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ یوں تو جامع اوصاف اور ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ اور آپ کی شخصیت کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی جاسکتی ہے۔ فی الوقت میں صرف آپ کی شخصیت کے ایک نہایت روشن پہلو پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں اور وہ آپ کی زبردست قوت حافظہ، استحضار علمی اور تفقہ فی الدین ہے۔

یہ غالباً سترہ سال قبل کا واقعہ ہے میرے وطن مالوف ٹانڈہ میں ایک دیوبندی، مناظر اور گستاخ رسول کا انتقال ہو گیا کہ جس کی نماز جنازہ میں چند ذمہ دار سنی حضرات بھی شامل ہو گئے۔ سنی علمانے اس کا نوٹس لیتے ہوئے ایک استفتا تیار کیا اور مختلف دار الافتا کو بھیجا ہر جگہ سے یہی جواب آیا کہ جو لوگ اس کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے وہ تائب ہوں، تجدید ایمان کریں اور بیوی رکھتے ہوں تو تجدید نکاح بھی کریں۔ اس شرعی حکم سے علمانے مذکورہ حضرات کو مطلع کیا جس پر ان لوگوں نے زبردست ہنگامہ کیا۔ چونکہ وہ بااثر تھے اس لئے بہت سے لوگ ان کی ہمنوائی بھی کرنے لگے اور بیچارے علما حق گوئی کے جرم میں مطعون ٹھہرائے جانے لگے۔ اس صورت حال پر علمانے غور کیا اور طے پایا کہ چند سوالات پر مشتمل ایک استفتا مرتب کیا جائے اور حضرت مفتی شریف الحق صاحب قبلہ اس کا مدلل جواب تحریر فرمادیں۔ ایسا جواب جس میں تفصیل کے ساتھ اکابر دیوبند کے کفری عقائد کا ذکر ہو اور یہ کہ دیوبندیت کی تعریف کیا ہے؟ تاکہ عامۃ المسلمین ہدایت پاسکیں۔ اور گمراہی و ضلالت کا کسی حد تک خاتمہ ہو جائے۔ چنانچہ علماء کرام کے حکم پر استفتا لے کر مین محب گرامی مولینا

مختار احمد صاحب صابری ٹانڈوی کی معیت میں آپ کی خدمت میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ حاضر ہوا۔ مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ حضرت نے آنے کا مقصد دریافت کیا۔ ہم لوگوں نے تفصیل کے ساتھ پورے حالات بیان کئے۔ حضرت باوجودیکہ صبح سے لے کر دوپہر تک افتا کا کام انجام دینے کے باعث بے حد تھکے ہوئے تھے۔ یہ آرام کا وقت تھا۔ مگر آپ نے آرام کی مطلق پروا نہ کی بلکہ فوراً ہی فتویٰ لکھوانے کے لئے تیار ہوگئے۔

آپ نے املا کے لئے حضرت مولٰینا مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ کو طلب فرمایا۔ آپ بھی قلم کاغذ لے کر بیٹھ گئے۔ حضرت شارح بخاری کی زبان سے جوابات نکلنے لگے اور مفتی نظام الدین صاحب انھیں تحریر فرمانے لگے۔ تقریباً ڈھائی تین گھنٹے مسلسل یہ عمل جاری رہا اور جب جوابات صفحۂ قرطاس پر آگئے تو ہم لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ تقریباً چھ صفحات پر مشتمل یہ فتویٰ کوئی سطحی نہیں بلکہ حوالہ جات اور اصل کفری عبارات اور فقہی جزئیات پر مشتمل ایک نہایت ہی مدلل، مفصل اور ایمان افروز و باطل سوز فتویٰ ہے۔ قارئین کو یہ جان کر یقیناً تعجب ہوگا کہ یہ پورا فتویٰ حضرت نے بغیر کسی کتاب کی مدد سے تحریر کروایا اور پورے فتویٰ میں کہیں کوئی قطع و برید بھی نہیں ہوئی۔ نپے تلے جملے، معیاری زبان، طرز بیان اچھوتا اور انداز استدلال لائق تعریف۔ اگرچہ اس واقعہ کو ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے مگر آپ کا یہ استحضار علمی، ایک کرامت کے طور پر آج بھی ذہن و دماغ پر چھایا ہوا ہے۔ یہ فتویٰ چونکہ بہت ہی اہم، تاریخی اور مدلل و مکمل ہے اس لئے مضمون کے ہمراہ اس مبارک فتویٰ کو بھی منسلک کر رہا ہوں (۱)۔

الاستفتاء

مکرم و محترم عالی جناب مفتی صاحب قبلہ دار الافتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

آپ نے فتویٰ نمبر ۱۳۵۳ میں تحریر فرمایا ہے کہ ”تمام دیوبندی خصوصاً نور محمدی ٹانڈوی توہین الوہیت و رسالت کرنے کی وجہ سے بلاشبہ کافر و مرتد ہیں۔ اس کی یا کسی دیوبندی کی نماز جنازہ پڑھنی دعاے مغفرت کرنی بربنائے مذہب صحیح کفر ہے“۔

اب چند امور دریافت طلب ہیں:

(۱) کیا مطلقاً تمام دیوبندی کافر ہیں؟ نیز یہ کہ دیوبندی کسے کہتے ہیں؟

---

(۱) تاکہ اشاعت پذیر ہو کر عوام الناس کے لئے ہدایت کا ذریعہ بن سکے

(۲) جو حضرات خود کو دیو بندی کہتے ہیں لیکن علمائے دیو بند کی کفری عبارتوں سے واقف نہیں ہیں کیا ایسے حضرات بھی کافر و مرتد ہیں، اور ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھنی کفر ہے؟

(۳) اگر زید کسی دیو بندی مناظر عالم کی نماز جنازہ اس کے عقائد باطلہ سے عدم واقفیت کی بنا پر پڑھ لے کیا یہ بھی کفر ہے اور اس صورت میں بھی اس پر توبہ، تجدید ایمان و نکاح لازم ہے؟

(۴) بکر کہتا ہے کہ زید دیو بندی مناظر عالم کی نماز جنازہ پڑھ کر کافر نہیں ہوا۔ ثبوت میں کہتا ہے کہ اگر کسی مسلمان سے ننانوے غلطیاں ایسی ہو جائیں جس سے کفر کا شائبہ ہو اور ایک کام ایسا ہو جس سے اسے مومن کہا جاسکے تو اس کو کافر مت کہو۔ اسی ایک کام کی وجہ سے اسے کافر نہیں قرار دیا جاسکتا۔ بکر کے اس قول کا کیا جواب ہے؟

بینوا توجروا

فیاض ٹانڈوی، ٹانڈہ فیض آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱): دیو بندی حقیقت میں وہ ہے جو مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی خلیل احمد انبیٹھی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی کی کفری عبارتوں پر مطلع ہوتے ہوئے بھی انھیں اپنا امام و پیشوا جانے، یا کم از کم مسلمان ہی جانے اس لئے کہ ان لوگوں کی ان کفری عبارتوں میں حضور اقدس ﷺ کی صریح توہین ہے اور شان الوہیت میں کھلی ہوئی گستاخی ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی نے حفظ الایمان ص:۸ پر لکھا ہے: ”پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد کل علوم غیبیہ ہیں یا بعض؟ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون، بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے“۔ پھر چند سطر بعد لکھا: ”اگر تمام علوم غیبیہ مراد ہیں تو عقلاً، نقلاً باطل“۔ اس عبارت میں مولوی اشرف علی تھانوی نے حضور اقدس ﷺ کے علم پاک کو ہر کس و ناکس، حتی کہ بچوں، پاگلوں، اور انتہائی حقیر و ذلیل چیزوں تمام حیوانات و بہائم کے علم سے تشبیہ دی، یا ان کے برابر کیا، ”ایسا“ تشبیہ کے لئے مانیں تو تشبیہ ہوئی جیسا کہ مولوی حسین احمد نے لکھا کہ ”ایسا“ کلمہ تشبیہ ہے اور اگر ”اتنا“ و ”اس قدر“ کے معنی میں مانیں جیسا کہ مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگوی نے توضیح البیان میں لکھا تو برابری ہوئی۔ مولوی خلیل احمد انبیٹھی نے براہین قاطعہ ص:۵۱ پر لکھا: ”الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کے

لئے خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے کہ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کے وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے"۔ اس عبارت میں انبیٹھی نے شیطان اور ملک الموت کے لئے زمین کا علم محیط مانا اور حضور اقدس ﷺ کے لئے شرک کہا اور اخیر میں بالکل جڑ صاف کر دی۔ صاف لکھ دیا کہ "شیطان اور ملک الموت کے علم کی وسعت نص یعنی قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور حضور اقدس ﷺ کے وسعت علم کا مطلق انکار کرتے ہوئے کہا کہ حضور اقدس ﷺ کے لئے وسعت علم کا ثبوت کس نص قطعی سے ہے؟ جس کا حاصل یہ نکلا کہ حضور اقدس ﷺ کے لئے وسعت علم کے لئے کوئی نص قطعی نہیں بعد میں فیصلہ کر دیا کہ حضور اقدس ﷺ کے لئے وسعت علم ماننا شرک ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ انبیٹھی کا عقیدہ یہ ہے کہ شیطان کا علم حضور اقدس ﷺ سے زائد ہے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی نے براہین قاطعہ کی تصدیق کی ہے اس لئے ان بزرگ کا بھی یہی عقیدہ ہوا۔ مولوی قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس ص ۳ پر حضور اقدس سید عالم ﷺ کے "خاتم الانبیا" بمعنی "آخر الانبیا" ہونے کو چودہ طریقوں سے باطل کیا اور ص ۱۴ اور ص ۲۸ پر یہ لکھا: "بلکہ بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے" .... "بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی میں بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا"۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ نانوتوی صاحب حضور اقدس ﷺ کو "خاتم الانبیا" بمعنی "آخر الانبیا" نہیں مانتے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے ایک دستخطی مہری فتوے میں لکھ دیا: "وقوع کذب کے معنی درست ہوگئے" .... "ایسے کو تضلیل و تفسیق سے مامون کرنا چاہئے"۔ یعنی جو یہ کہے کہ "خدا جھوٹ بول چکا" وہ گمراہ بھی نہیں، فاسق بھی نہیں۔ اور مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ جو بھی شان الوہیت و رسالت میں ادنیٰ سی گستاخی کرے وہ کافر ہے۔ امام قاضی عیاض نے "شفا شریف" میں، علامہ ابن عابدین شامی نے "ردالمحتار" میں نقل فرمایا: "اجمع المسلمون علیٰ اَن شاتمہ کافر، من شک فی کفرہ و عذابہ کفر" [مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص نبی ﷺ کی توہین کرے وہ کافر ہے ایسا کہ جو اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے وہ بھی کافر]۔ اسی بنا پر یہ چاروں تو کافر ہیں ہی ان کے علاوہ جو بھی ان چاروں کے ان کفریات مذکورہ بالا میں سے کسی ایک پر قطعی، یقینی، حتمی طور پر مطلع ہو اور انھیں مسلمان جانے کافر نہ کہے تو وہ بھی کافر ہے اور یہی علمائے عرب و عجم، حل و حرم، ہند و سندھ کا متفقہ فتویٰ ہے جو

حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ میں بار بار چھپ چکا ہے۔ اب یوبندی وہ ہے جو ان چاروں کے مذکورہ بالا کفریات پر قطعی، یقینی طور پر مطلع ہو پھر بھی ان چاروں کو، یا ان چاروں میں سے کسی ایک کو اپنا پیشوا مانے، یا کم از کم ان کو مسلمان جانے، کافر نہ کہے ایسے ہی لوگوں کی نماز جنازہ پڑھنی یا دعاے مغفرت کرنی بربناے مذہب صحیح کفر ہے اور یوبندی سے میری مراد "فتویٰ الف ۱۳۵۳" میں ایسا ہی شخص ہے بلکہ علماے اہل سنت جب دیوبندی بولتے ہیں تو ان کی مراد یوبندی سے ایسا ہی شخص ہوتا ہے۔ رہ گئے وہ لوگ جو ان چاروں کے ان چاروں کفریات میں سے کسی پر مطلع نہیں یا انھیں قطعی یقینی اطلاع نہیں وہ صرف دیوبندی مولویوں کی ظاہری اسلامی صورت، ان کی نماز، روزوں کو دیکھ کر انھیں عالم، مولینا، جانتے ہیں، ان کو اپنا مذہبی پیشوا مانتے ہیں، معمولات اہل سنت کو بدعت و حرام جانتے ہیں وہ حقیقت میں دیوبندی نہیں اور ان کا یہ حکم نہیں اگرچہ وہ اپنے آپ کو دیوبندی کہتے ہیں اور دوسرے لوگ بھی ان کو دیوبندی کہتے ہوں جیسے قادیانی ہیں کہ حقیقت میں "ختم نبوت کا انکار" کرنے کی وجہ سے کافر ہیں۔ مگر عرف عام میں بے پڑھے لکھے لوگ گورنمنٹ کے کاغذات میں ان کو مسلمان کہتے اور لکھتے ہیں۔ عوام کا عرف مدارِ حکم نہیں، حکم کا دارومدار حقیقی معنی پر ہے اس لئے ایسا شخص جو اپنے آپ کو دیوبندی کہتا ہو، لوگ بھی اس کو دیوبندی کہتے ہوں وہ ان چاروں علماے دیوبند کو اپنا مقتدا اور پیشوا بھی مانتا ہو حتی کہ اہل سنت کو بدعتی بھی کہتا ہو مگر ان چاروں کے مذکورہ بالا کفریات پر مطلع نہیں تو وہ حقیقت میں دیوبندی نہیں اس کا یہ حکم نہیں کہ یہ شخص کافر ہو یا اس کی نماز جنازہ پڑھنی کفر ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) یوبندی مردہ جو حقیقی معنوں میں دیوبندی ہو بقول سائل مناظر بھی ہو مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص اس کے عقائد کفریہ سے باخبر نہ ہو اگر واقعی کوئی ایسے دیوبندی کے عقائد کفریہ سے باخبر نہ ہو اور اس کی نماز جنازہ پڑھ لے تو اس پر توبہ، و تجدید ایمان و نکاح کا حکم نہ ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) بکر نے یہ غلط کہا صحیح اور حق یہ ہے کہ مومن ہونے کے لئے تمام ضروریات دین پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور ضروریات دین میں سے ایک کا بھی انکار کرنے والا کافر ہے قادیانی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اکثر ضروریات دین کو حق مانتے ہیں مگر چند ضروریات کے انکار کی وجہ سے وہ کافر ہین۔ مثلاً وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ قرآن حق ہے، تمام انبیا اور فرشتے حق ہیں، قیامت حق ہے، جنت دوذخ حق ہیں، اللہ عزوجل ایک وحدہ لاشریک لہٗ ہے، ہر عیب و نقص سے پاک ہے تمام فرشتے حق ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کلمہ بھی پڑھتے ہیں، نماز بھی پڑھتے ہیں، روزہ بھی رکھتے ہیں مگر چند ضروریات

دین کے انکار کرنے کی وجہ سے وہ کافر ہوگئے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں "خاتم الانبیا" کے معنی "آخرالانبیا" نہیں اسی وجہ سے وہ حضور اقدس علیہ ﷺ کے بعد جدید نبی ہونے کو واقع مانتے ہیں اور غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں اگرچہ ظلی و بروزی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والتسلیم کی خصوصاً اور تمام انبیا کی عموماً توہین کرتے ہیں اسی بنا پر یہ کافر ہیں۔ دیکھئے قادیانیوں میں سو ہی نہیں چند کو چھوڑ کر بقیہ تمام باتیں اسلام کی ہیں مگر وہ بالاتفاق کافر ہیں۔ اسلام کی سیکڑوں باتیں ان کے کام نہ آئیں چند کفریات کی وجہ سے کافر ہوگئے۔ بکر کی باتیں اگر مان لی جائے تو پھر امان اٹھ جائے جس کا جی چاہے اللہ عزوجل کو گالی دے، رسول کی توہین کرے اور صرف اس وجہ سے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، لوگ اسے مسلمان کہتے ہیں اور اس میں ایک بات اسلام کی ہے اس کو کافر نہیں کہیں گے۔ مثلاً وہ کہے میں اللہ کو تو مانتا ہوں وحدہ لاشریک لہ مانتا ہوں، رسول کو مانتا ہوں اور یہ سب باتیں اسلام کی ہیں۔ اللہ ورسول کو گالی دیتا ہوں تو کیا ہوا۔ اللہ، رسول کو مانتا تو ہوں کیا بکر ایسے شخص کو بھی کافر نہیں کہے گا کہ اس میں صرف ایک دو باتیں کفر کی ہیں بقیہ سب اسلام کی ہیں جب کہ وہ اتنا فراخ دل ہے کہ ننانوے باتیں کفر کی ہوتے ہوئے صرف ایک بات اسلام کی دیکھ کر مسلمان کہتا ہے۔ بکر سے پوچھئے وہ ایسے شخص کو کیا کہے گا؟ قادیانی کو کیا کہتا ہے؟ حضرت ملا علی قاری شرح فقہ اکبر ص ۱۸۹ پر لکھتے ہیں: ان المراد باہل القبلۃ الذین اتفقوا علی ماھو من ضروریات الدین فمن واظب طول عمرہ علی الطاعات، والعبادات مع اعتقاد قدم العالم، او نفی الحشر او نفی علمہ سبحانہ بالجزئیات لایکون من اہل القبلۃ وان المرا بعدم تکفیر احد من اہل القبلۃ انہ لایکفر مالم یوجد شئ من امارات الکفر وعلامتہ ولم یصدر عنہ شئ من موجباتہ" [اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین کے ماننے میں ہمارے ساتھ متفق ہیں تو جو شخص عمر بھر طاعات و عبادات پر پابندی کرے اگر اس کا اعتقاد یہ ہو کہ عالم قدیم ہے یا یہ اعتقاد ہو کہ قیامت نہیں آئے گی یا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کو نہیں جانتا وہ اہل قبلہ سے نہیں ہوگا۔ اور اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے سے اہل سنت کی مراد یہ ہے کہ جب تک کفر کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی اس مین نہ پائی جائے کافر بنانے والی چیزوں میں سے کوئی چیز اس سے صادر نہ ہو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی اہل قبلہ سے کفر کی کوئی علامت، یا نشانی پائی جائے جیسے بت کو سجدہ کرنا، جنیو باندھنا، صلیب لٹکانا، یا اس نے کوئی ایسی بات کہی جو کفر ہے تو وہ ضرور کافر ہے اگرچہ ننانوے نہیں ننانوے ہزار بات اسلام کی ہوں۔ شاید بکر کو دھوکہ لگا مسئلہ اصل میں یوں ہے کہ اگر کسی نے کوئی ایسی بات کہی، یا کوئی ایسا کام کیا جس کے سو پہلو ہوں، اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے سو بات نہیں بات صرف ایک ہے اور اس میں

پہلو سو ہیں جن سو پہلوؤں میں سے ننانوے پہلو کفر کے ہیں اور صرف ایک پہلو اسلام کا۔ اگر چہ وہ اسلام کا ایک پہلو خفی ہو۔ اس ایک ایسی بات کہنے والے کے بارے مین محققین، متکلمین و فقہا یہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کو کافر نہ کہا جائے گا جس کی طرف ہم نے خود اپنے سابق فتویٰ میں اشارہ کر دیا ہے۔ ہم نے در مختار کی اور درر کی عبارت لکھی ہے "اذا کان فی المسئلة و جوہٌ توجب الکفر و واحدٌ یمنعهٗ فعلی المفتی المیل إلی مایمنعه" اگر کسی بات میں مختلف پہلو ہوں اور ایک پہلو ایسا ہو جو کفر نہیں اور قائل کی نیت معلوم نہ ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ اسی معنی کا لحاظ کرے اور ایسے قائل کی تکفیر نہ کرے۔ دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے کسی شخص میں ننانوے باتیں کفر کی ہوں اور ایک بات اسلام کی۔ کہاں یہ، اور کہاں یہ حکم شرعی کہ کسی کی ایک بات میں ننانوے پہلو کفر کے ہوں اور ایک بات اسلام کی، دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے مگر یہ حکم شرعی دیوبندیوں کو کچھ نفع نہ دیگا دیوبندیوں کے مذکورہ بالا چاروں پیشواؤں کی مذکورہ بالا کفری عبارتوں میں کوئی پہلو اسلام کا نہیں کفری معنی میں متعین ہیں اس لئے ان کا کافر ہونا بھی متعین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

مولانا غلام نبی مصباحی
جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی

شارح بخاری اور تربیت افتا

حضرت شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم القدسیہ اپنے وقت کی عہد ساز شخصیت ہیں۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے آپ کی وابستگی آپ کے زمانہ شعوری ہی سے ہے۔ کیونکہ اس جامعہ کے سرپرست حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ آپ کے خاندانی بزرگ ہیں۔ حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ کی سرپرستی ہی میں ۱۰؍ شوال المکرم ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء کو آپ بغرض تعلیم دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور میں تشریف لائے۔ آٹھ سال تک حضور حافظ ملت قدس سرہ کی آغوش تربیت میں رہنے کے بعد بریلی شریف تشریف لے گئے۔ اور محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رضوی قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر دورۂ حدیث مکمل کیا۔ اور سند فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد تقریباً چالیس سال مختلف اداروں میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیں۔

لیکن آپ کے تمام علمی اوصاف میں تفقہ آپ کا سب سے عظیم وصف ہے۔ اور یہی آپ کی سب سے عظیم امتیازی خصوصیت بھی ہے۔

فتویٰ نویسی کی مشق آپ نے حضور صدرالشریعہ بدرالطریقہ، اور حضور مفتی اعظم ہند کی خدمت میں رہ کر کی۔ صدرالشریعہ کی خدمت میں تقریباً چودہ مہینے شعبان ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء سے لے کر شوال ۱۳۶۷ھ اگست ۱۹۴۸ء تک اس فن شریف کی مشق کی۔ آپ فتاویٰ لکھتے بھی اور صدرالشریعہ کا کار افتاء میں تعاون بھی کرتے، حوالے کی عبارت نکالنا، املا کرنا، آپ کا خاص کام تھا۔ جس سے کسی چیز کی تحقیق کرنے کا سلیقہ پیدا ہوا۔ حضرت صدرالشریعہ کا رسالہ مبارکہ ''التحقیق الکامل فی حکم قنوت النوازل'' میں آپ کو حضرت صدرالشریعہ کی بھرپور خدمت کی سعادت حاصل ہے۔ حضرت صدرالشریعہ خود تحریر فرماتے ہیں۔

''بحمدہ تعالیٰ قنوت نازلہ کا یہ مسئلہ اور اس کے پہلے قنوت بصورت نازلہ قبل رکوع ہونے کا مسئلہ یہ دونوں مل کر ایک رسالہ کی قدر ہو گئے۔ اس کا نام ''التحقیق الکامل فی حکم قنوت النوازل'' رکھا گیا۔ فقیر اپنی جسمانی کمزوریوں اور خصوصیت کے ساتھ ضعف بصر کی مجبوریوں سے اس قابل نہیں کہ وہ محقق و مدلل فتویٰ تحریر کر سکے مگر محض اللہ عزوجل کا فضل و کرم تھا جو ایسا فتویٰ ایسی حالت میں اس نے تحریر کرا دیا۔ اس فتویٰ کی تحریر میں عزیزی مولوی محمد

شریف الحق سلمہ سے بہت مدد ملی اللہ تعالیٰ اس عاجز کی سعی کو قبول فرمائے اور اس سے مسلمانوں کو فائدہ و نفع پہونچائے۔ آمین۔" (فتاویٰ امجدیہ اول ص:۲۳۲)

اس کے بعد بریلی شریف کے زمانہ تدریس میں تقریباً گیارہ سال ۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۷ء حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر اس فن میں کمال پیدا کیا۔ اور تقریباً ۲۵۰۰۰/ (پچیس ہزار) فتاویٰ بریلی شریف میں تحریر فرمائے۔ جس میں سے تقریباً ۲۰/ ہزار پر حضور مفتی اعظم ہند کی تصدیق ہے۔

۱۹۷۶ء میں سیدی الکریم استاذ العلماء جلالۃ العلم حضور حافظ ملت کا جب وصال پر ملال ہوا تو جامعہ اشرفیہ یتیم ہو گیا۔ ایک عجیب سا خلا تھا۔ ایک عجیب سا اضمحلال طاری تھا۔ ارباب حل و عقد نے اس کمی کے احساس کو کم کرنے کے لئے۔ آغوش حافظ ملت کے ہی پروردہ۔ نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم القدسیہ کی بھاری بھرکم شخصیت کی خدمات حاصل کرنے کا عزم مصمم کر لیا۔ حضرت شارح بخاری ذوالحجہ ۱۳۹۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۶ء میں الجامعۃ الاشرفیہ میں صدر مفتی کی حیثیت سے تشریف لائے۔ آپ کے آنے سے الجامعۃ الاشرفیہ کے دار الافتاء کو بہت وسعت ہوئی اور آج حضرت ہی کے دم اقدس سے اسے عالمی شہرت واعتبار حاصل ہے۔

حضور شارح بخاری کے فتاویٰ کی تعداد کیا ہے کسی کو نہیں معلوم زیادہ تر آپ کی فرصت کے اوقات بھی سوال وجواب اور دینی تربیت ہی میں صرف ہوتے ہیں روزانہ زبانی طور پر مسائل آپ سے عوام وخواص معلوم کرتے رہتے ہیں لیکن کسی نے اس کو قلمبند کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی ورنہ ہمارے پاس دینی معلومات کا ایک شاندار ذخیرہ ہوتا۔

تحریری فتاویٰ کا حال بھی تقریباً ایسا ہی ہے کیونکہ ہمارے پاس آپ کے فتاویٰ کی جو نقول ہیں وہ ۱۳۹۶ھ سے شروع ہوتی ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند اور حضرت صدر الشریعہ قدس سرہما العزیز کے دور میں آپ نے منصب افتاء پر جو کچھ کارنامے انجام دیئے ہیں ان کا کوئی ریکارڈ یا اور دیگر جگہوں پر جو فتاویٰ دیئے گئے ہیں ان کا بھی کوئی ریکارڈ محفوظ نہیں رکھا گیا۔ جب کہ حضور شارح بخاری کے فتاویٰ حسب ضرورت مختصر بھی ہیں اور طویل بھی بعض بعض فتاویٰ کئی کئی صفحات پر مشتمل ہیں جنھیں ایک رسالہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔

حضور شارح بخاری کا مقام فقہ میں کتنا بلند ہے اس کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا کہ مشائخ اہل سنت حضرت کے فتاویٰ پر بغیر پڑھے تصدیق فرما دیا کرتے تھے۔ بھلا ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آپ کو فقہ کے جمیع ابواب کے کثیر جزئیات تفصیلی دلائل کے ساتھ مستحضر ہیں جیسا کہ حضرت علامہ یاسین اختر مصباحی، مدظلہ العالی رقم طراز ہیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کی تعلیمی مرکزیت اور ملک وبیرون ملک میں اس کے بڑھتے اور پھیلتے ہوئے اثرات وتعلقات کی وجہ سے آنے والے سوالات اور فقہ وافتاء میں شارح بخاری کے نائب مفتی اعظم ہونے کے سبب شعبہ افتاء اور حضرت کی ذات دور حاضر میں بے مثال مرجعیت کی حامل ہے۔ جدید مسائل کے حل کے لئے قائم ہونے والی مجلس شرعی کے سرپرست بھی حضور شارح بخاری ہی ہیں جہاں اس وقت پورے ملک میں حضور کے فتاویٰ کو سب سے زیادہ اعتماد واعتبار اور وقار حاصل ہے۔ حضور شارح بخاری کے فتاویٰ حسب ضرورت مفصلا یا مجملا آیات واحادیث وارشادات واقوال صحابہ وتابعین ومجتہدین سے مزین ہوتے ہیں۔ جا بجا معتمد کتب فقہیہ کے حوالوں سے مسائل شرعیہ محقق ومنقح ہوتے ہیں۔ سائل ومستفتی کے معیار اور اس کے تیور پر ہر فتویٰ اور ہر جواب میں گہری نظر ہوتی ہے مصالح شرعیہ ہر لمحہ سامنے ہوتے ہیں۔ کہیں محاکمہ ہوتا ہے۔ کہیں تطبیق ہوتی ہے، کہیں تنبیہ وہدایت ہوتی ہے۔ اور سطر سطر میں آداب رسم افتاء کی رعایت بھی ہوتی ہے۔

حضور شارح بخاری کو خصوصیات وامتیازات اور فقہ وافتاء میں نصف صدی کی مشق وممارست وتجربہ ومہارت ونظر دقیق وفکر عمیق ونیابت حضور مفتی اعظم نے پندرہویں صدی ہجری کے ربع اول اور بیسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں مرجع الفتاویٰ کے منصب رفیع پر فائز کر دیا ہے۔ (شارح بخاری ص:۲۵)

حضور شارح بخاری بسا اوقات فرمایا کرتے ہیں کہ فتاویٰ نویسی کا کام بہت مشکل کام ہے مگر آدمی اپنی محنت وکوشش کو جاری رکھتا ہے اور فقہ کی کتابوں میں اسے جب کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنی مسائل شرعیہ کے استخراج پر جب عبور حاصل کر لیتا ہے تو اسے کچھ سہولیات فراہم ہو جاتی ہیں۔ لیکن یہ اتنا آسان کام نہیں۔ خدا جانے آج کل ہمارے علمائے کرام اتنے کاہل اور سست کیوں ہو گئے ہیں کہ انھیں فتاویٰ نویسی سے دلچسپی ہی نہیں اور اگر کسی کو ہے بھی تو اگر انھیں سمجھاؤں تو یہ ماحول نہیں ہے ورنہ ایک زمانہ تھا کہ حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ جب ہمیں فتاویٰ نویسی کا کام سکھایا کرتے تھے تو کبھی کبھی سخت برہم بھی ہو جایا کرتے تھے جس طرح سختی اور نرمی سے حضرت نے آداب افتاء ورسم مفتی سکھلایا ہے اگر آج اس حساب سے مستقبل میں ہونے والے مفتیان کرام کو سکھاؤں تو شاید باید کوئی اس بار عظیم کو برداشت کر سکے۔

حضرت شارح بخاری یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ نہایت حسرت کے ساتھ اپنے اس قلق کا اظہار کر رہا ہوں کہ ہماری درسگاہوں میں اب افتاء کے کام کی فنی تربیت کا کوئی انتظام نہیں جس کے نتیجے میں افتا کے کام کے لئے اس دور میں صحیح آدمی کا ملنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ ہمارے دینی مدارس کے منتظمین اس اہم ترین شعبے کی طرف اپنی خصوصی توجہ مبذول فرمائیں۔ خدا کا شکر ہے کہ بے عملی اور دین سے دوری کے باوجود احکام شرع کے سلسلے میں آج بھی ہمارے معاشرے میں فتوؤں کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اس کے ساتھ یہ محسوس کرنا

بھی ضروری ہے کہ یہ دور دینی جذبہ اخلاص کے فقدان کا دور ہے اس لئے جب تک افتاء کی فنی صلاحیت کو معاشی آسودگی کے ساتھ جوڑا نہیں جائے گا طلبہ کے اندر اس کی طلب کے جذبہ شوق پیدا نہیں ہوگا۔ مفتیوں کی پیداوار میں کمی کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے یہاں افتاء کے اہم ترین کام کو بالکل طفیلی اور ذیلی بنادیا گیا ہے۔ اور اسی حیثیت سے اس کا بدل خدمت بھی متعین کیا جاتا ہے۔ حالانکہ افتاء کے کام کرنے والوں کو نئے نئے مسائل میں علم وفن اور فکر وقیاس کے جن مشکل مراحل سے گذرنا پڑتا ہے اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اس سے منسلک ہیں اگر افتاء وتدریس کی شایان شان قدر دانی کی جائے تو ہمیں یقین ہے کہ دونوں طبقوں میں غیر معمولی اضافہ ہو جائے گا۔

حضور شارح بخاری اپنے علم وفضل زہد وتقویٰ، صبر وقناعت، سادگی وبے نفسی اور تواضع وخاکساری میں بھی ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ اساتذۂ اشرفیہ، وفرزندان اشرفیہ کے دل میں آپ کی بے پناہ عقیدت واحترام ہے۔ دقیق علمی مسائل کو عام فہم بنانا آپ کا ادنیٰ وصف ہے۔ آپ سارے علوم وفنون میں کمال مہارت اور اپنے اقران پر فوقیت کے باوجود اس قدر سادہ اور منکسرانہ زندگی گذارتے ہیں کہ نئے آدمی کو اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے کہ آپ کوئی عالم ہیں۔ علم ظاہر کے کوہ گراں ہونے کے ساتھ ساتھ فقر وعرفاں اور غنائے نفس کے بھی آپ ایک ایسے عظیم پیکر ہیں جس کی مثال آج بہت مشکل سے ملے گی۔ جب آپ متبسم رہتے ہیں تو اس انداز سے فتاویٰ املا کراتے ہیں جیسے کوئی شفیق باپ اپنے چھوٹے اور کم سمجھ بچوں سے گفتگو اور سوال کرتا ہے۔ مشکل سے مشکل عبارت ومسائل آپ نہایت آسانی سے حل فرمادیتے ہیں۔

کتب بینی سے علم میں تدریجی ارتقاء ہوتا ہے۔ علم کی جلا کے لئے کتب بینی لازم ہے۔ گویا ترقی علم اور کتب بینی میں ملازمہ ہے۔ جس کا مطالعہ جس قدر وسیع ہوگا اس کی علمی صلاحیت میں اسی قدر نکھار ہوگا۔ اس لئے کہ مطالعہ سے متون وحواشی نیز متعلقات عبارت پر گہری نظر ہو جاتی ہے۔ جس سے مبحث کے سارے عقدہائے لاینحل حل ہو جاتے ہیں۔

کسی بھی علمی درسگاہ کو فروغ دینے کے لئے صرف روپے پیسے ہی کافی نہیں ہوتے بلکہ اس کے علاوہ تعلیمی امور انجام دینے کے لئے ایسی لائق شخصیت اور صلاح کار بھی ضروری ہوتے ہیں جو انہماک اور توجہ کے ساتھ مقررہ نصاب تعلیم کے سانچہ میں طلبہ کو ڈھال دیں۔ اور ان کے اخلاق واطوار کی اس طرح اصلاح کریں کہ قوم وملت کے لئے مفید ہو سکیں۔

ہندوستان میں اسلامی مدارس اور دینی اداروں کی کمی نہیں۔ بعض اپنی جگہ کچھ تاریخی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ دارالعلوم اشرفیہ ان درسگاہوں کے سرخیل کی حیثیت رکھتا ہے جس نے اپنے فرزندوں کے ذریعہ صالح

معاشرہ کی تربیت اور وفادار فرزندان وطن پیدا کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ علمی میدان میں ہندو بیرون ہند کے مسلمانوں سے اپنا لوہا منوالیا ہے۔ یہ اس کی اعلیٰ کارکردگی کا بین ثبوت ہے۔ یوں تو مدرسہ ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء سے کسی نہ کسی عالم کی سرکردگی میں برابر چلتا ہی رہا۔ مگر جب سے سیدی الکریم حضور شارح بخاری دامت برکاتہم القدسیہ نے ناظم تعلیمات کا عہدہ قبول فرمایا ہے الجامعۃ الاشرفیہ میں ایک الگ ہی نکھار نظر آتا ہے۔ نہایت جانفشانی اور دلجمعی سے کام کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ دار العلوم اشرفیہ نے نہایت لمبی مسافت مختصر عرصہ میں طے کرلی جس کا اعتراف معائنوں سے ہو سکتا ہے۔

بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ الجامعۃ الاشرفیہ کے عروج وارتقا کے لئے حضور شارح بخاری کی سعی بلیغ کا خاصا دخل ہے۔

دار العلوم اشرفیہ مبارکپور کے وقار وعظمت اور اس کی ترقی میں آپ کی عرق ریزی وجانکاہی، حسن انتظام وتدبیر اور بے لوث خدمات کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ آپ نے اپنی زندگی کے بیشتر اوقات اس کے لئے نذر کردیئے ہیں۔ اور الجامعۃ الاشرفیہ کی ہندو بیرون ہند بلکہ تمام عالم میں شہرت آپ ہی کی دین ہے۔ نیز علم اور تعلیم کے میدان میں آپ کے بیش بہا نظریات وافکار سے قوم کو روشناس کرانا۔ فارغین اور متعلقین اشرفیہ کے لئے سبق آموز کارنامہ ہے۔

انتظامی امور۔ علمی تفوق کے ساتھ ساتھ تنظیمی صلاحتیں کم نظر آتی ہیں۔ تنظیمی ذہن فقیہانہ افکار سے ہم آہنگ نہیں ہو پاتا اور آج کل اسکولوں میں پولیٹکل سائنس کے عنوان سے باقاعدہ اس کا شعبہ ہی الگ کردیا گیا ہے۔ ترقی کی ہر منزل افکار ونظریات کے درمیان دوری پیدا کرتی ہے۔ اس وجہ سے موجودہ دور میں عموماً ہر شعبہ الگ الگ ہو گیا۔

لیکن خداوند قدوس کی قدرت وعنایت ہی ہے کہ وہ شخص واحد میں بھی جمعیت کی چاشنی پیدا فرمادیتا ہے۔ اور فردی تشخص کو انجمن بنادیتا ہے۔

حضور شارح بخاری کی ذات بھی بہت کچھ اسی طرح کی ہے کہ فرد میں انجمن کا کردار ودیعت کیا گیا ہے۔ اور آپ تنہا ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ ہیں۔ انتظامی امور میں آپ کو کتنا تجربہ اور کیسی مہارت ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ حضرت علامہ الحاج الشاہ عزیز ملت صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، اور اراکین ادارہ آپ پر مکمل اعتماد رکھتے ہیں۔ اور آپ کے مشورے کے بغیر کوئی اہم معاملہ طے نہیں ہوتا اسی لئے اشرفیہ کا سارا نظم ونسق اور اصلاح وتربیت آپ ہی کے سپرد ہے۔

تنظیمی خوبیاں تعلیمی نظم ونسق میں آپ کو کمال حاصل ہے۔ اساتذہ کرام کے درمیان کوئی اختلاف، شکر

رنجی اور بدمزگی پیدا نہیں ہونے دیتے ہیں۔ جہاں کم از کم اتنا میں پورے دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ۔

حضور شارح بخاری کی وہ ذات ہے جن کی بدولت اساتذہ کرام کا کوئی اختلاف طلبہ کی نظروں تک نہیں پہنچ پاتا۔ اراکین ادارہ میں رواداری۔ عالی ظرفی، مفاد ادارہ کے لئے ذاتی جذبات وخواہشات کی قربانی، باہمی شکوہ شکایات اور نمایاں اختلاف اور غیظ وغضب سے کنارہ کشی کی روایات پوری طرح برقرار ہیں۔

باب ہفتم

تیری ہر تصنیف کا دفتر، تیری ہر تحقیق کا جوہر
کر گیا قیمتِ لعل و گہر کم نائبِ مفتی اعظم ہند

تصنیفات

علم و فضل و طاعت و تقویٰ کا اک مینار ہے — اے فقیہ عصر! تو اک مرکز انوار ہے
تیرے ہوتے اہل سنت پر کھلے کس کی زباں — فتنۂ اشرار کو روکے تو وہ دیوار ہے
رزمگاہِ حق و باطل کی فضائیں ہیں گواہ — یوں مروڑا آج تک شل پنجۂ اشرار ہے
سید و سرور کو یا رب میرے! عمر خضر دے — اب بھی لاینحل مسائل کا پڑا انبار ہے

(بدر القادری)

ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد مجددی

کراچی (پاکستان)

اشرف السیر میری نظر میں

آپ کی صورت پاک! جس کا جمال دیکھتے ہوئے بھی کسی نے نہ دیکھا...... آپ کی سیرت پاک! جس جیسا پیدا ہی نہ ہوا اور نہ پیدا ہو...... اس عظمت وجلالت کے باوجود آپ نے رہنے کے لئے ایک چھوٹا سا حجرہ منتخب فرمایا، پہننے کے لئے سادہ کپڑے کا ایک جوڑا، کھانے کے لئے بناچھنا جو کا آٹا یا کھجور۔ اور جدوجہد کے لئے سارے عالم کو منتخب فرمایا...... جس کا سیرت نگار آپ کا پروردگار'...... تیرہ سال جاں سپاری' دس سال جاں بازی...... وہ بھی اللہ کے لئے یہ بھی اللہ کے لئے' یہ بھی اللہ کے لئے اپنے لئے کچھ نہیں...... ظاہری فقر کے باوجود آپ عالم پر چھائے ہوئے ہیں...... شاہوں سے سوا سطوت سلطان مدینہ...... ہم پر عالم چھایا ہوا ہے...... ہمارا تکیہ اسباب پر ہے' آپ کا تکیہ مسبب الاسباب پر تھا (صلی اللہ علیہ وسلم)...... ہمارے احوال کوئی لکھنے والا نہیں' آپ کی ایک ایک ادا محفوظ کر دی گئی...... آپ کی صورت وسیرت' آپ کے شمائل وخصائل' آپ کے اقوال واعمال' آپ کے فضائل وکمالات' آپ کے فیصلے' آپ کے غزوات' آپ کے معجزات' آپ کے تبرکات' آپ کے رفقا کے حالات' وہ بستیاں جن کو آپ نے اپنے قدوم مبارکہ سے نوازا' آپ کے شہر مقدس کے احوال ومقامات' غرض جو کچھ آپ کی حیات طیبہ سے متعلق تھا سب کچھ کتابوں میں محفوظ کر دیا گیا...... آپ کے ذکر واذکار تشریف آوری سے پہلے ہی اتنے ہوئے کہ آپ جانے پہچانے ہو گئے...... اور اب ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جو جاری ہے اور جاری رہے گا (انشاء اللہ تعالیٰ) آپ پر اتنا لکھا گیا کہ کسی پر نہ لکھا گیا...... آپ کی اتنی تعریف کی گئی کہ کسی کی نہ کی گئی...... آپ بہت بلند ہیں، سب انسانوں، فرشتوں اور انبیا ورسل سے بلند...... بے شک آپ ''محمد'' ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)...... پروفیسر مارگولیوس نے لکھا تھا کہ آپ کے سیرت نگاروں میں شامل ہونا بڑی سعادت ہے بیشک عظیم سعادت ہے...... پھر اس کی سیرت کون لکھے جس کا ادراک بھی انسان کے لئے ممکن نہیں...... آپ نے فرمایا' میری حقیقت کو میرے پروردگار کے سوا کسی نے نہ جانا''...... تو آپ کی سیرت پر کوئی کیا لکھے؟...... ہم وہی لکھ سکتے ہیں جو نظر آتا ہے' جو نظر نہیں آتا وہ کس طرح لکھیں؟...... ہماری رسائی صرف ظاہری اقوال واعمال واحوال تک ہے...... وہ

رسائی بھی نارسائی ہے...... آپ کے باطنی احوال واذواق وکیفیات، اور وہ کمالات جو علم وعمل سے ماورا ہیں اور وہ کمالات جو مقام محبوبیت سے مخصوص ہیں' وہ لکھیں تو کس طرح لکھیں؟...... سیرت نگار شخصیت کو اپنی نظر سے دیکھتا ہے' وہ نظر کہاں سے لائے کہ آپ کا حسن وجمال دیکھے؟...... ہم نے 'جہان عالم' کی بھی سیر نہ کی 'جہان حیات' کی ہم کو کیا خبر؟...... آپ کی سیرت پر کوئی کیا لکھے کہ آپ اشیا کی حقیقتوں سے واقف ہیں...... ہم بے خبروں کی باتیں پڑھتے ہیں اور اسی پر سر دھنتے ہیں ہم باخبروں سے بے خبر ہیں...... کاش باخبروں سے باخبر ہوتے!

حضور انور ﷺ کی سیرت کے مآخذ میں قرآن حکیم' احادیث شریفہ' صحف سماویہ' آثار صحابہ وغیرہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ سب سے اہم مآخذ قرآن حکیم ہے۔ دشمنان اسلام اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ عرصہ ہوا ڈاکٹر منگانا نے ایک گمراہ کن مقالہ لکھا تھا شبلی نے اس کا مسکت جواب دیا مگر دور جدید کے ایک فرانسیسی فاضل مارلیس بکائے نے قرآن حکیم کے حرف حرف کو سچا پایا اور سچا کہا...... حضور انور ﷺ کی ذات پر مغربی قلم کاروں نے بہت کیچڑ اچھالی (معاذ اللہ)' تھامس کارلائل نے اس کا مسکت جواب دیا اور دور جدید کے قلم کار ایچ. ہارٹ کو سارے انسانوں کے سرتاج آپ ہی نظر آئے...... حضور انور ﷺ کی سیرت پاک زندہ وتابندہ ہے۔ آپ کی زندگی بتارہی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں...... بہت آئے' چلے گئے' ان کے آثار باقی نہ رہے' ان کے احوال سے کوئی باخبر نہیں' اس لئے کہ اب جو آنے والا آیا سارے عالم میں اسی کا سکہ چلے گا...... اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حفاظت کا ذمہ لیا گویا سیرت مصطفیٰ ﷺ کی حفاظت کا ذمہ لیا...... اب جس کو اللہ رکھے اس کو کون مٹا سکتا ہے؟...... مٹانے والے مٹ رہے ہیں' وہ نہ مٹا ہے' نہ مٹے گا...... سیرت پاک پر ان گنت کتابیں لکھی جارہی ہیں' نعت کے مجموعوں پر مجموعے شائع ہو رہے ہیں' اللہ اکبر!......

حضور انور ﷺ کی سیرت کا امتیاز ہے کہ تاریخ گواہی دے رہی ہے' شجر وحجر اور سماوسمک گواہی دیتے رہتے ہیں، سب کچھ سامنے ہے' آپ کی حیات طیبہ کا کوئی گوشہ آنکھوں سے اوجھل نہیں اور جو کچھ سامنے ہے' وہ سب کے لئے کافی ہے...... قول ہی قول نہیں بلکہ عمل ہی عمل ہے......

حضور انور ﷺ کے سیرت نگاروں میں امام ازہری' موسیٰ بن عقبہ' محمد بن اسحاق' ابن ہشام' ابن سعد' ابن عبدالبر' امام قسطلانی وغیرہ شامل ہیں۔ آپ کے دیکھنے اور ملنے والوں میں تقریباً تیرہ ہزار اشخاص کے نام اور حالات محفوظ کئے گئے اس وقت جب کہ تصنیف وتالیف کی ابتدا تھی۔ اردو میں سیرت نگاروں میں شبلی اور سلیمان ندوی کا نام بہت مشہور ہے...... کچھ باتیں دل سے کہی جاتی ہیں، کچھ دماغ سے اور کچھ منہ

سے...... ان دونوں کے ہاں دل کی باتیں نہیں اور سیرت نگاری کے لئے دل چاہئے...... حال ہی میں لاہور سے ۷ جلدوں میں ایک اور سیرت ضیاء النبی شائع ہوئی ہے، جس میں دل کی جھلکیاں ملتی ہیں...... محترم و مکرم علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مد ظلہ العالی اہل سنت و جماعت میں مشہور و معروف ہیں اور علما و فقہا میں محبوب و ممتاز، یادگار سلف ہیں اور افتخار خلف ہیں...... آپ کی تالیف 'اشرف السیر' (جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہو گی) کی پہلی جلد کا نصف اول شائع ہوا جو ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے، یہ حصہ تقریباً ۱۳۸۸ھ میں لکھا گیا...... اس میں حضور انور ﷺ کا نسب نامہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سفر مصر، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مکہ مکرمہ میں آباد ہونا، چاہ زمزم، سنت ابراہیمی کی تجدید، قبل اعلان نبوت خوارق عادت کا ظہور، خورشید رسالت کا طلوع، ایام رضاعت، مکہ مکرمہ کو واپسی اور گمشدگی، حضرت عبد المطلب کی وفات، آبائے کرام کے اسلام وغیرہ پر فاضلانہ بحث کی گئی...... زبان سادہ و سلیس ہے اور دل پذیر ہے اور مشککین کے شبہات ازالہ کیا گیا ہے اور اعتراضات کے معقول و مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔

اصل میں اشرف السیر کی وجہ تالیف ہی یہ ہے کہ سیرت پاک سے متعلق مغرب کے ظالمانہ اور جاہلانہ اور مشرق کے مرعوبانہ اور معذرت خواہانہ طرز عمل کو زیر بحث لایا جائے چنانچہ علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مد ظلہ العالی نے سیرت پاک کے بنیادی سیرت نگاروں محمد بن اسحاق (۱۵۱ھ / ۷۶۸ء) محمد بن عمر الواقدی (۲۰۷ھ / ۸۲۲ء) ابن سعد (م ۲۳۰ھ / ۸۴۴ء) وغیرہ پر فن تاریخ و حدیث اور سیرت کے حوالے سے مخالفین کے اعتراضات کے علمی جوابات دیئے ہیں...... مغربی قلم کاروں نے سیرت پاک پر اظہار خیال کیا ہے مگر بین السطور میں کچھ نہ کچھ لکھا ضرور ہے جس کا ازالہ ضروری ہے۔

عالمی سازش یہ ہے حضور انور ﷺ کی ذات و فضائل و کمالات اور آپ کے دامن سے وابستہ جتنے بھی حضرات ہیں ان کو زیر بحث لا کر جوانوں کو ان سے بددل کیا جائے...... اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے گذشتہ صدی اور اس صدی میں نئے نئے فرقے پیدا کئے گئے اور پیدا کئے جا رہے ہیں، ان کو اموال و اسلحہ سے برابر مدد دی جاری ہے اور اہل سنت و جماعت کے خلاف صف آرا کیا جا رہا ہے...... اسلامی حکومتوں پر دباؤ ڈال کر عشاق رسول ﷺ اور وابستگان دامن اولیا رحمہم اللہ تعالیٰ کو اہم عہدوں سے ہٹایا جا رہا ہے...... یہ وقت بیداری و ہشیاری کا ہے، نئی حکمت عملی وضع کر کے حکمت و دانائی سے قلمی و عملی جہاد کی ضرورت ہے...... **وابتغوا الیہ الوسیلة وجاھدوا فی سبیلہ!**...... سنت مصطفیٰ اور سیرت مصطفیٰ **(علی صاحبہا الصلوٰة والسلام)** اپنانے کے لئے عالم گیر تحریک چلانی چاہئے کہ یہی صراط مستقیم ہے، سنت کے جتنا قریب آتے جائیں گے، فساد مٹتے جائیں گے، ہم ایک دوسرے کے نزدیک آتے چلے جائیں گے...... مستحب اپنی

جگہ مستحب ہے، مباح اپنی جگہ مباح ہے مگر سنت کی بات بہت ہی بلند ہے...... اسلاف کرام کی عظمت کا راز اتباع سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ہے

ع۔ بمصطفیٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست

مولیٰ تعالیٰ 'اشرف السیر' کو جذبۂ اتباع و اطاعت کے لئے مہمیز بنائے، شکوک و شبہات کی بدلیاں چھٹ جائیں، یقین کا چاند نکل آئے، محبت رسول ﷺ کی چاندنی پھیل جائے۔ متابعت و اطاعت حبیب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بہار آجائے۔ پھر خیال بھی دیوانہ ہو جائے، نظر بھی دیوانی ہو جائے، دل بھی دیوانہ ہو جائے...... آمین اللھم آمین!

☆☆☆

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب مصباحی بستوی
نائب ناظم جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڈھ، یو. پی

اشک رواں پر ایک طائرانہ نظر

ہلال و صلیب کی جنگ نئی نہیں، بلکہ اس کا سلسلہ جناب ختم المرسلین ﷺ کے زمانۂ مسعود سے ہی چلا آرہا ہے، اور حالات و مشاہدات اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ آویزش مستقبل میں جاری رہے گی۔ ہندوستان جو صدہا منتشر اور متفرق ریاستوں پر مشتمل ایک غیر مستحکم خطہ تھا وہ مسلمانوں کی قیادت میں ایک وسیع، مضبوط اور مستحکم ملک کی حیثیت سے عالمی نقشہ پر ابھرا اور مسلمان حکمرانوں کے حسن انتظام کی وجہ سے جنت کہلانے لگا۔

مگر اس الم ناک حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ۱۸۵۷ء سے اس عظیم ملک پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے توسط سے انگریز قوم کا پورے طور پر قبضہ ہو گیا۔ اس غیر ملکی استعمار کے قبضہ دلانے میں ہندوستان کے کن لوگوں کی خفیہ سازشوں اور در پردہ ساز باز کا گہرا تعلق تھا۔ اس بات سے یہاں کوئی بحث نہیں، مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں جب مسیحی قوم نے اپنا تسلط جمالیا اور ان کا پرچم لال قلعہ پر بھی لہرانے لگا تو اس ملک میں مسلمانوں کی عظمت قصۂ پارینہ بن گئی۔ غیور مسلمانوں کو اس طرح بے دست و پا کیا گیا کہ ان کے اندر انگریزوں کے خیال کے مطابق مزاحمت کی قوت بھی باقی نہیں رہی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی قیادت حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ نے کی مگر منافقین کی ریشہ دوانیوں اور آزادی کے متوالوں کے خلاف انگریزوں سے ان کی ساز باز نے صلیبی اقتدار کو پوری طرح اپنا پنجۂ استبداد اس ملک پر گاڑ دینے کا موقعہ فراہم کر دیا اس طرح انگریز پورے نوّے سال تک جی بھر کے یہاں کے قدرتی وسائل کو لوٹتا رہا اور ہندوستانیوں کی تذلیل کرتا رہا۔

اگر چہ ہندوستانیوں کے دل میں انگریزوں کے خلاف نفرت کا شعلہ بھڑکتا رہا، مگر حالات ناموافق اور وسائل معدوم تھے اس لئے انگریزوں کی غلامی کا خاتمہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ اتفاق سے دنیا

میں جنگ عظیم کا شعلہ بھڑک اٹھا جس کے نتیجہ میں برطانیہ کی قوت کمزور ہو گئی اور اس کے لئے اپنے مقبوضات پر قبضہ رکھنا دشوار ہو گیا۔ یہی بنیادی سبب تھا جس کی وجہ سے برطانیہ نے آزادی ہند کا مطالبہ کرنے والوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے اور ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ تسلیم کر لیا۔

اب یہ اہم سوال تمام مسلمانوں کے سامنے سوالیہ نشان بن کر آگیا کہ جب انگریز ہندوستان چھوڑ کر چلا جائے گا تو اس وسیع ملک پر حکمرانی کس کی ہو گی۔ بعض لوگوں کی فکر یہ تھی کہ انگریز اس ملک کی زمام اقتدار اس قوم کو سونپ دے گا جس سے اس نے تخت و تاج چھینا تھا۔ مگر صلیبی یہ کیسے گوارہ کرتا کہ اتنا وسیع ملک فرزندان توحید کے حوالہ کر دے۔ ادھر انتقال اختیارات کے مسئلہ پر اختلافات کے پہاڑ کھڑے ہو گئے، ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کانگریس متحدہ ہندوستان پر جمہوری نظام کے نفاذ کا اعلان کرنے لگی، جس میں پارلیمنٹ کے ممبران کی اکثریت سیاہ و سپید کی مالک ہو گی، اور اکثریت کا ہر فیصلہ نافذ العمل ہو گا، دوسری سیاسی جماعت مسلم لیگ جو برگشتہ کانگریسیوں پر مشتمل تھی اس نے بہت سے مطالبات کی منزل سے گذر کر ایک علیحدہ ملک کا مطالبہ مسلمانوں کے لئے رکھا، اور مسلمان قوم کے سامنے ان خطرات کو بیان کر کے جو جمہوری نظام میں فرزندان اسلام کو پیش آنے والے تھے، عام اور ان پڑھ مسلمانوں کے ساتھ مسلم لیگ نے تعلیم یافتہ مسلمانوں اور علما کی غالب اکثریت کو متاثر کر لیا۔

انگریزوں کے ہندوستان سے رخت سفر باندھنے کے بعد ملک کے طول و عرض میں بسنے والے مسلمانوں پر جو قیامت برپا ہونے والی تھی اس کو ان ارباب بصیرت نے روز روشن کی طرح محسوس کر لیا جنھیں اللہ نے فراست مومنانہ اور قلب مصفی کی دولت سے مالا مال کیا تھا، ان حضرات نے جو خطرہ محسوس کیا، اور جس تباہی کے اندیشہ کا اظہار کیا اس سے بھی زیادہ ہولناک ماحول ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کے بعد مسلمانوں کے سامنے آیا، اور آج تک اس میں یوماً فیوماً اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔

ان حضرات نے بجا طور پر یہ محسوس کر لیا تھا کہ اگر پورے برصغیر پر جمہوری نظام قائم ہوا، اور متحدہ جمہوری آزاد ہندوستان وجود میں آیا تو اہل کفر کی بالا دستی اہل اسلام پر بالکل واضح طور پر ہو جائے گی اور مسلمان بالکل بے دست و پا ہو کر رہ جائے گا۔ اور اگر ملک مسلمان اور غیر مسلم کی بنیاد پر تقسیم کیا گیا تو جو خطہ بنام مسلم الگ ہو گا وہاں کے مسلمان بظاہر پر امن ماحول میں اپنی زندگی گذار سکیں گے۔ لیکن اس سے پانچ گنا بڑے علاقہ کے مسلمانوں کو بھینٹ چڑھا دینا ہو گا۔ اس وسیع علاقہ میں نہ تو کوئی خانقاہ محفوظ رہے گی نہ کوئی مسجد، اسلامی ثقافت کو مشرکین تباہ کرنے میں کوئی دریغ

محسوس نہ کریں گے (جیسا کہ آج مشاہدہ میں آرہا ہے) ہزاروں مسجدوں، مدرسوں، خانقاہوں اور اسلامی ثقافت کے مراکز کے ساتھ ساتھ کروروں مسلمان ایک ایسے خطرہ سے دوچار ہو جائیں گے جس میں ان کا وجود ہی دشوار ہو جائے گا، ظاہر ہے کہ اسلامی فکر کے حامل مذہبی رہنما اس تباہی پر اپنی مہر تصدیق ہرگز ثبت نہیں کر سکتے تھے، لیکن مطالبہ پاکستان کی کشش نے بیشتر صاحبان جبہ ودستار، ومسند نشینان خانقاہ کو اس طرح اپنا گرویدہ بنالیا تھا کہ اس کے خلاف کسی کے اندر آواز بلند کرنے کی جرأت ہو ہی نہیں پارہی تھی۔

ایسے پر خطر ماحول میں ہمیں وہ مرد مجاہد نظر آتا ہے جس نے تمام خطرات اور پر تشدد مخالفت، اپنوں کی زبردست ناراضگی اور غیروں کی ہمت شکن بغاوت کی پرواہ کئے بغیر کلمہ حق کو بلند کر کے اسلاف کی یاد تازہ کردیا۔ وہ مرد مجاہد جس نے فراست مومنانہ، جرأت مردانہ اور عزم محکم کا مظاہرہ کرتے ہوئے متحدہ جمہوری ہندستان اور ایک الگ مسلمانوں کے چھوٹے سے ملک کے وجود کو سواد اعظم کے لئے سم قاتل اور زہر ہلاہل سمجھا اور اس کے خلاف صدائے حق بلند کی وہ ذات گرامی شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی مد ظلہ العالی کی ہے جنھوں نے اس پر آشوب ماحول میں جب کہ لوگ عقل و دانائی سے خالی ہو کر نعروں کے سیلاب میں تنکے کی طرح بہہ رہے تھے۔ حضرت موصوف نے پوری جرأت کے ساتھ کتاب ''اشک رواں'' ترتیب دے کر ملت کی عظیم خدمت انجام دی۔ کتاب ''اشک رواں'' جو ۱۹۴۶ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ اس کے مطالبہ کے بعد واضح طور پر یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ حضرت شارح بخاری علم حدیث، علم تفسیر، علم فقہ اور دیگر علوم میں یگانۂ روزگار ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی بصیرت اور قوموں کے مستقبل کو سمجھنے میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ''اشک رواں'' کے مطالعہ سے کانگریس اور مسلم لیگ کا چہرہ بے نقاب ہو کر سامنے آجاتا ہے اور متحدہ ہندوستان آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہونے کے بعد توحید پرستوں کے لئے ایک مقتل بن جائے گا یہ بات پوشیدہ نہیں رہ جاتی ہے۔ (جیسا کہ آج ہمارے اور آپ کے مشاہدے میں آرہا ہے)۔

حضرت موصوف نے ۱۹۴۶ء میں اپنی کتاب ''اشک رواں'' میں مستقبل کے تعلق سے مسلمانوں کے لئے جن خطرات کا اندیشہ ظاہر کیا تھا باون سال (۵۲) کے عرصہ میں ایک ایک کر کے سب سامنے آچکے ہیں اور اب کوئی ایک بات بھی باقی نہیں رہ گئی ہے۔ انتہائی قابل غور بات تو یہ ہے کہ حضرت نے آنے والے طوفان کی جو پیشن گوئی فرمائی اور جس ترتیب سے اسے بیان کیا اسی

ترتیب سے یکے بعد دیگرے وہ خطرات قوم مسلم کے سامنے آئے جنھیں آج مسلمان جھیل رہا ہے۔ سچ ہے۔

ع۔ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

مذکورہ دعوی کی تائید او تصدیق کے لئے حضرت نے جن خطرات کا اندیشہ جس ترتیب سے ظاہر کیا تھا اسی ترتیب سے وہ خطرات سامنے آئے ہمیں کتاب "اشک رواں" کے مندرجات کا اختصار کے ساتھ جائزہ لینا ہوگا:

(۱) مسلمانوں کو نگلنے کے لئے اس وقت دو اژدھے منھ کھولے دوڑے پھر رہے ہیں۔ ہر ایک اس فکر میں ہے کہ مسلمانوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر ان کو لقمہ تر بنالیا جائے ایک کانگریس دوسری مسلم لیگ۔ (اشک رواں ص:۳)

(۲) کانگریس مسلمانوں کے تشخص کو ختم کر کے انھیں ہندوازم میں مدغم کر دینا چاہتی ہے۔ (مسلم لیگ کا دعوی) اشک رواں ص:۴۔

(۳) کانگریس کے تسلط سے بچنے کے لئے مسلم لیگ کی ممبری ضروری ہے۔ (مسلم لیگ کا دعوی) اشک رواں ص:۵۔

(۴) اسلام نے ہندستان میں اونچ نیچ اور ذات برادری کے دیرینہ اختلاف کی بنیادوں کو ڈھادیا۔ اور جب تک ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت تھی ہندؤوں کے اندر یہ ہمت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کسی اقدام کی اعلانیہ یا خفیہ جرأت کرتے، مگر انگریزوں کے تسلط کے بعد جب مسلمان بے دست وپا ہو گئے تو ان کو انتقام لینے کا اچھا موقع ہاتھ لگا اور وہ رام راج قائم کرنے کا خواب دیکھنے لگے۔ (اشک رواں، ص:۱۰)

(۵) رات دن کے غور وخوض کے بعد یہ طے ہوا کہ عوام ان کانگریسیوں سے بالکل متنفر ہیں اب ان کو کانگریس کی طرف کسی قیمت پر بلایا جائے ہرگز نہ آئیں گے بلکہ الٹے بلانے والے کی شامت آجائے گی۔ اس لئے یہ طے ہوا کہ اب کانگریس کے مقابلہ کا ڈھونگ رچاؤ اور کانگریس نے مسلمانوں پر جو مظالم توڑے ہیں ان سے انتقام کی ہوا چلاؤ۔ (اس طرح مسلم لیگ کا قیام ہوا)۔ اشک رواں، ص:۲۰

(۶) مسلم لیگ کے مقاصد

(الف) ہندوستان میں آزاد حکومت قائم کی جائے، جس کے ذریعہ مسلمان، ہندو، مجوسی، نصرانی، یہودی، سکھ تمام باشندگان ہند کثرت رائے سے ہندوستان میں حکمرانی اور فرماں روائی کریں۔

(ب) ہندوستان میں جس قدر کفار و مشرکین ہیں ان سب کا مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کرایا جائے۔

(اشک رواں، صفحہ:۵۶)

(۷) کانگریس کے دستور اساسی کی ترتیب ہندو مسلم نام نہاد مسلم لیڈروں کے متفقہ غور و فکر سے ہوئی اور مسلم لیگ کا دستور اساسی کانگریس سے ہی سیکھ کر نام نہاد مسلمانوں نے مرتب کیا۔ مفہوم دونوں جگہ ایک ہے۔

سن لو اور غور سے سن لو کہ لیگ اور کانگریس ایک ہی مسمی کے دو نام ہیں، ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ (اشک رواں، ص:۵۶)

اس وقت جب کہ دنیاے اسلام کے خلاف تمام قومیں منظم ہو کر اور اسلام و مسلمین کے مقابل نبرد آزما ہونے کے لئے بڑی تیزی سے صف آرا ہوتی جا رہی ہیں شدید ضرورت تھی کہ مسلمانان اہل سنت جلد سے جلد منظم ہو کر دشمنوں کے صف آرا ہونے سے پہلے ہی ان کو درہم برہم کر دیتے۔ دشمنوں میں قوت پیدا ہونے سے پہلے ہی ان کو ختم کر ڈالتے۔ مسلمانوں کی تنظیم کوئی مشکل نہیں۔ ان کو تو آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ نے وھی الجماعۃ فرمایا ہے، ان کا خدا بھی ایک ہے، ان کا رسول بھی ایک۔ ان کا حرم پاک بھی ایک ہے، قرآن بھی ایک۔ پھر یہ کیا مشکل ہے کہ وہ بھی ایک ہی ہوں، ان کے دل بھی ایک ہی ہوں، ان کی آواز بھی ایک ہی ہوے ملت کی ایک توجہ کی ضرورت ہے پھر تمام اسلامی دنیا کا ایک ہو جانا کوئی دشوار نہیں۔

تنظیم مسلمین کی بنیاد اور اس کے اغراض و مقاصد

اس قسم کی تنظیم چونکہ اسلامی تنظیم ہو گی اور اس کا مقصد حفاظت و اشاعت اسلام ہی ہو گی اس لئے ان کے اراکین کو یہ زحمت گوارہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ ان کا کوئی نیا دستور اساسی بنائیں۔ اپنے لئے نیا شارع عمل منتخب کریں۔ ان کا دستور اساسی قرآن، احادیث نبویہ و اجماع مسلمین، و قیاس ائمہ مجتہدین کافی ہے۔ اس کا شارعِ عمل

اسلاف کرام کے آثار وانی ہیں۔ اور اگر مسلمانوں نے اس کے خلاف اور کوئی نیا دستور اساسی بنایا اور کوئی دوسرا شارع عمل اپنے دماغوں سے چنا تو یقین کریں کہ بہک گئے اور یقیناً بہک گئے۔ اگر قدم آگے بڑھائیں گے تو بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے ڈھلکتے جائیں گے۔ ترقی کرنے کے بجائے منزل کے گڈھوں میں گر پڑیں گے۔ ان کے فیصلوں کا دار ومدار کثرت رائے پر نہیں ہونا چاہئے بلکہ قرآن وحدیث کی تائید پر۔ ان کورزولیشن پاس کرتے وقت اپنی دماغی قوت کی ضرورت نہیں بلکہ قرآن وحدیث کی روشنی کی۔ ناظم وصدر کے احکام کا احترام کرنے کے بجائے اللہ ورسول کے احکام کا احترام کرنا فرض ہوگا۔ اس قسم کی جو تنظیم ہوگی وہ واقعی تنظیم ہوگی۔ اور اس قسم کی تحریک وآواز کو تمام قوم قبول کرنے کے لئے والہانہ طور پر دوڑے گی۔ پھر نہ کسی قسم کے نفاق کا خوف ہوگا اور نہ اختلاف کا، اور نہ کسی مخالفت کا ڈر ہوگا۔ کیونکہ یہی جماعت وھی الجماعۃ ہے اور اسی جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ اشک رواں، ص: ۹۰

آپ حضرات نے حضرت موصوف کی کتاب "اشک رواں" کے مندرجات کا خلاصہ ملاحظہ کرلیا۔ اس کتاب کی اشاعت ۱۹۴۶ء کے پر آشوب دور میں ہوئی جس کے مندرجات مستقبل کی مکمل تصور کشی کے لئے کافی تھے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ اکابر علما وخواص نے اس پر توجہ نہیں دی اور "اشک رواں" بے آب وگیاہ صحرا میں جذب ہو کر رہ گیا۔

اس کتاب میں حضرت موصوف نے جن خطرات کا اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ سب کے سب ایک ایک کر کے ہمارے سامنے آچکے ہیں، اور بر صغیر کا مسلمان جن اندوہناک حالات سے دوچار ہے اس کا سد باب کرنے کے لئے آج بھی تیار نہیں ہے اس کے لئے جو آسانی اور سہل ترکیب اشک رواں کے ذریعہ پیش کی گئی تھی اس پر عمل کرنے کو تیار نہیں۔

کتاب اشک رواں میں درج یہ دعوی کہ کانگریس اور مسلم لیگ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں آفتاب نصف النہار سے زیادہ روشن ہو کر پوری دنیا سے اپنی صداقت کا اعتراف کروا چکا ہے۔ اور دونوں جماعتوں کے ذمہ داروں نے اپنے اپنے ملک میں جمہوری نظام اور سب کے ساتھ عدل وانصاف کا دعوی وعدہ کر کے دونوں کو ایک مسمی کے دو نام ہونے کی تصدیق کر دی ہے۔ مگر ۱۹۴۷ء کے ہولناک واقعات بڑی تعداد میں انتقال مکانی اور کشت وخون کے ساتھ عورتوں کی بے آبروئی، بچوں کی یتیمی ان دعووں اور وعدوں کو جھوٹا ثابت کرتی ہے۔

عام طور سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اشک رواں کے فاضل مصنف جب تقسیم ملک کی بھی مخالفت کرتے ہیں اور متحدہ جمہوری ہندوستان جس میں اکثریت کی فرماں روائی اور مشترک پارلیمنٹ کا حکم حرف آخر ہو اسے بھی مسترد کرتے ہیں تو پھر وہ مسلمانوں کے لئے کون سالائحہ عمل پیش فرمارہے ہیں۔ جسے قوم مسلم اپنا کر باوقار زندگی بسر کرنے کا راستہ پاسکے۔ مذکورہ سوال بہت اہم ہے اور کسی حال میں اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس موقعہ پر میں ایک بار پھر آپ کو زحمت دوں گا کہ کتاب "اشک رواں" کا صفحہ (۸۹-۹۰) کا بغور مطالعہ فرمائیں۔

فاضل مصنف کی یہی رائے تو ہے کہ مسلمان اپنا رہبر اصول (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) اجماع امت (۴) قیاس مجتہد کو قرار دے کر اپنی جدو جہد کو آگے بڑھائیں، اپنی صفوں میں کسی طرح کا انتشار نہ پیدا ہونے دے۔ متحد ہو کر اپنے مقاصد کی تحصیل کے لئے آگے بڑھے اور برصغیر میں مسلمانوں کو دست نگر نہ ہونے دے۔

فاضل مصنف نے توحید پرستوں کی صفوں میں انتشار کے خاتمہ کے لئے جس دردمندانہ انداز میں اپیل کی ہے اس سے ہر مسلمان کو متاثر ہونا چاہئے تھا۔ مگر ہائے افسوس کہ مسلمانوں کی اکثریت نے اس کے خلاف عمل کر کے اپنی تباہی کو خود ہی دعوت دیدی۔

متحد ہونے کے بجائے آپس میں اس طرح دست و گریباں ہوئے کہ ہندوستان کی تاریخ میں ایسا تصادم کبھی مسلمان قوم میں نظر ہی نہیں آتا۔ ایک طبقہ جمعیۃ علماء ہند کے پرچم کے نیچے جمع ہو کر کفر کی بالاستی اور کافروں پر مکمل اعتماد کا یقین دلانے لگا اور حکمراں انگریز کے سامنے یہ دعوی پیش کیا کہ مسلمانوں کی اکثریت ہمارے ساتھ ہے لہٰذا مسلمانوں کے مستقبل کے تعلق سے ہماری ہی بات تسلیم کی جائے۔ مسلمانوں کے لئے الگ وطن کی ضرورت نہیں ہم ہندستانیوں کیساتھ شیر و شکر کی طرح رہیں گے اور ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اور اپنی قوت سے ہم ہندوؤں کے ہر حکم پر گردن اطاعت خم کرتے رہیں گے۔

دوسرا طبقہ مسلم لیگ کے پرچم کے تلے جمع ہو کر نعرہ لگانے لگا "سینے پر گولی کھائیں پاکستان بنائیں گے" دونوں حلقوں میں اتنا شدید اختلاف ہوا کہ اگر مرید مسلم لیگی ہے اور پیر کانگریسی (جمعیۃ العلما) تو مرید نے اپنے پیر سے ترک تعلق کر کے شجرہ واپس کر دینے کو فخر کی بات سمجھا۔ اور اگر مرید جمعیۃ العلما کا ہے اور پیر مسلم لیگی تو اس نے بھی پیر کو چھوڑ کر اپنی انا کی تسکین کا سامان پیدا کیا۔

کیا کوئی ذی ہوش اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ اگر برصغیر کے تمام مسلمانوں نے مذکورہ

اصول اربعہ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس مجتہد کی پیروی کرتے ہوئے متحد ہو کر اپنی لڑائی لڑی ہوتی تو ہر گز اس زبوں حالی کا شکار نہ ہوتے جس سے آج دوچار ہیں۔

غیر مسلموں نے مسلمانوں کے اس اختلاف کا پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی ترکیبوں سے مسلمانوں کے متحدہ وجود کو تین حصوں میں بانٹ کر ان کی توانائی تقریباً ختم کر دیا۔

استصواب رائے مسلمانوں سے صرف اس بات پر کرایا گیا کہ برصغیر کا مسلمان تقسیم وطن چاہتا ہے یا نہیں۔

اس موقع پر کوئی تیسرا سوال کیا ہی نہیں گیا۔ میں کہتا ہوں کہ تیسرے متبادل کے بارے میں بھی پوچھا جانا چاہئے تھا۔ لیکن مسیحی قوم جو حکمرانی کی خیرات دینے والی تھی وہ اس کو کیسے گوارہ کرتی کہ برصغیر کا مسلمان باعزت مستقبل کا حامل ہو جائے وہ تو ہر حال میں قوم مسلم کی تباہی کی خواہاں تھی۔ اس لئے اس نے تقسیم یا عدم تقسیم پر ریفرنڈم کرایا۔ یقین جانئے اس ریفرنڈم کی صورت میں بھی اگر مسلمانوں کے اتحاد کا مظاہرہ ہو گیا ہوتا اور سارے مسلمان متحد ہو کر ایک ہی بات کہے ہوتے تو ہندستان کی تقدیر کے مالک یہی بنتے۔ یہی حضرت علامہ مولینا مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی مدظلہ العالی چاہتے تھے اور یہ وہ پختہ رائے ہے جسے صبح قیامت تک تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

☆☆☆

مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب مضطر رضوی
الجامعۃ الرضویہ۔ پٹنہ بہار

شارح بخاری اپنی تصنیف "منصفانہ جائزہ" کی روشنی میں

جانشین امام احمد رضا حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فیض بکراں سے مستفیض ہو کر نائب مفتیٔ اعظم کا خطاب حاصل کرنے کے بعد شمالی ہند کی سب سے بڑی درسگاہ "الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور" کے شعبۂ افتا میں منصب صدارت کو زینت بخشنے والے شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی مد ظلہ العالی کی ذات کوئی محتاج تعارف نہیں ؟ کہ ان کا تعارف کرایا جائے۔...... میدان افتا کے وہ شہسوار ہیں اور تدریس، خطابت مناظرہ نیز تصنیف و تالیف میں بھی انہیں مقام امتیاز حاصل ہے۔ اشک رواں، ایصال ثواب، اشرف السیر، اسلام اور چاند کا سفر، فتنوں کی سرزمین کون، تحقیقات، منصفانہ جائزہ، آپ کی معروف تصنیفات ہیں، اور تقریباً پانچ ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی نو جلدوں میں "نزہۃ القاری" تو بخاری شریف کی وہ شرح ہے جس کی نظیر دنیائے اردو میں موجود ہی نہیں۔

میں اپنی عدیم الفرصتی کی بنا پر صرف ایک کتاب "منصفانہ جائزہ" کے حوالہ سے حضرت کے انداز استدلال کی چند جھلکیاں پیش کر رہا ہوں۔

یہ ایک حقیقت واقعہ ہے کہ بنام اسلام "دیوبندی فرقہ" انیسویں صدی عیسوی کی پیداوار ہے۔ جس کے بانی قاری طیب صاحب کے دادا مولانا قاسم نانوتوی ہیں اور ان کے شریک کار مولانا رشید احمد گنگوہی، دیوبندی علماء سے چھپاتے ہیں اور عام مسلمانوں کے سامنے اس کا انکار کرتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب مد ظلہ العالی دیوبندی علما کے اس انکار کا جواب دیتے ہوئے اس حقیقت واقعہ کا اثبات کن دلائل اور کس انداز سے کرتے ہیں ملاحظہ کیجئے، مفتی صاحب فرماتے ہیں۔

(ا) الف ۔ مولانا قاسم نانوتوی کے سوانح نگار مولانا مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے۔

"نظریہ عدم تقلید کے امام الائمہ اس وقت جوان تھے جبکہ دیوبندی تحریک کے بانی (مولانا نانوتوی) ابھی بارہ ساڑھے بارہ برس کی عمر سے متجاوز نہ ہوئے تھے۔ (سوانح قاسمی ج ا ص ۲۱۹)

قاری طیب صاحب نے لکھا ہے۔

"حقیقی سوانح عمری یہ ہے کہ انہوں نے اپنے علم لدنی اور وہبی علوم سے جس حکمت کی بنیاد ڈالی وہ کیا ہے، کن اصولوں پر مبنی ہے، دار العلوم کی اس معنوی اور علمی تاسیس میں جو کام ہوا وہ یقیناً بلا شرکت غیر کے تھا، جس کا نام دیوبندیت ہے۔(خاتمہ سوانح قاسمی چوتھی جلد کی تمہید ص۱۷۶۔۱۷۷)

ان دونوں عبارتوں کا صریح مطلب ہوا کہ نانوتوی صاحب ایک نئی تحریک کے بانی ہیں اور انہوں نے ایک نئی حکمت کی بنیاد ڈالی ہے۔ یہ تحریک دیوبندی تحریک ہے۔ اور یہ حکمت دیوبندیت ہے۔ بانی ہونا، بنیاد ڈالنا اسی وقت صحیح ہوگا جبکہ وہ پہلے سے نہ ہو۔

(۲) [تبلیغی جماعت کے سابق حضرت جی] مولوی زکریا نے (اپنے ماننے والوں کو) ہدایت کی ہے۔

"ہمارے اکابر حضرت گنگوہی حضرت نانوتوی نے جو دین قائم کیا تھا اس کو مضبوطی سے تھام لو۔ اب قاسم و رشید پیدا ہونے سے رہے، بس ان کی اتباع میں لگ جاؤ۔ (صحبتے با اولیا ص۱۲۶)

دین قائم کرنے کا جملہ بتا رہا ہے کہ جو دین ان لوگوں نے قائم کیا، وہ پہلے سے قائم نہ تھا۔ جس کا صریح مطلب یہ ہوا کہ نانوتوی اور گنگوہی صاحبان نے ایک نیا دین قائم کیا۔

(منصفانہ جائزہ ص ۷ ۔۴)

اس عبارت میں جو زور استدلال اور مطالعہ و معلومات کی وسعت ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔

اس نو قائم دیوبندی دین کے بانی مولانا قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب "تحذیر الناس" میں لکھا ہے۔

"عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔

"حسام الحرمین" میں اس کی ترجمانی ان لفظوں میں کی گئی ہے۔

وانما یتخیل العوام انہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم االنبیین بمعنی آخر النبیین مع انہ لا فضل فیہ اصلا عند اھل الفھم الی

آخر ماذکرمن الهذیانات

اس پر علمائے دیوبند کو اعتراض ہے کہ "تحذیر الناس" میں بالذات فضیلت کی نفی تھی، مطلق فضیلت کی نفی نہیں، اور حسام الحرمین میں "لا فضل فیہ اصلا" کہہ کر مطلق فضیلت کی نفی دکھائی گئی ہے۔ جو خیانت کے مرادف ہے۔ "تحذیر الناس" کی عبارت یہیں پر ختم ہو گئی ہوتی تو علمائے دیوبند کا یہ اعتراض بجا ہوتا، مگر اس میں اس عبارت کے بعد یہ بھی ہے۔

پھر مقام مدح میں "ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہئے اور اس مقام کو مقام مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے۔

مگر میں جانتا ہوں کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارہ نہ ہوگی کہ اس میں ایک تو خدا کی جانب زیادہ گوئی کا وہم ہے۔

آخر اس وصف میں اور قد و قامت و شکل و رنگ و حسب و نسب و سکونت وغیرہ اوصاف میں جن کو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں کیا فرق ہے جو اس کو ذکر کیا اوروں کو ذکر نہ کیا۔

دوسرے رسول اللہ ﷺ کی جانب نقصان قدر کا احتمال ہے کیونکہ اہل کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال بیان کیا کرتے ہیں۔ اعتبار نہ ہو تو تاریخوں کو دیکھ لیجئے۔

باقی یہ احتمال کے یہ دین آخری دین تھا اس لئے سد باب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے جو کل کو جھوٹے دعوے کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے البتہ فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے۔

پر جملہ "ماکان محمد ابا احد من رجالکم" اور جملہ "ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" میں کیا تناسب تھا جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا، اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار دیا۔

اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی بے ربطی بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں۔ اگر سد باب مذکور منظور ہی تھا تو اس کیلئے اور بیسوں موقعے تھے۔ (تحذیر الناس ص ۳-۴)

پوری عبارت کی روشنی میں متعین ہو جاتا ہے کہ مولانا قاسم نانوتوی نے آغاز تو بالذات فضیلت کی نفی ہی سے کیا۔ مگر جب ترقی پر آئے تو مطلق فضیلت کی بھی نفی کر دی۔ جیسا کہ حضور مفتی اعظم ہند نے "الموت الاحمر" میں واضح کر دیا ہے۔ اور خود مفتی صاحب مدظلہ نے بھی اس واضح کو واضح تر کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

لیکن کسی کو اب بھی شبہہ ہو۔یا وہ ضد اور ہٹ دھرمی ہی پر اتر آئے تو اس کا علاج حضرت مفتی صاحب نے جس احسن طریقے پر کیا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ مصنف اپنی مراد کما حقہ سمجھتا ہے نانوتوی صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں اپنے ایک معتمد خصوصی کو لکھا ہے۔

معنی خاتم النبیین در نظر ظاہر پرستاں ہمیں باشد کہ زمانہ نبوی آخر است از زمانہ گذشتہ باز نبی دیگر نخواہد آید مگر می دانی کہ ایں سخنے است کہ مدحی است دراں نہ ذمے (قاسم العلوم ص ۵۵ مکتوب اول بنام مولوی فاضل)

ترجمہ: خاتم النبیین کا معنی سطحی نظر والوں کے نزدیک تو یہی ہے کہ زمانہ نبوی ﷺ گذشتہ انبیا کے زمانہ سے آخر کا ہے اور اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ یہ ایسی بات ہے کہ اس میں خاتم النبیین ﷺ کی نہ تو کوئی تعریف ہے اور نہ کوئی برائی۔ (انوار النجوم ترجمہ قاسم العلوم ص ۵۵)

ناظرین انصاف کریں یہاں بات گھر کے اندر ہو رہی ہے تو اپنے معتمد کے یہاں صاف صاف لکھ دیا کہ "مدحی است نہ دراں ذمے" کہ اس میں نہ کوئی مدح ہے نہ کوئی ذم۔ یہاں بالذات کی قید اڑادی ہے اس سے ظاہر ہو گیا کہ تحذیر الناس میں بالذات کی قید صرف دھوکے کی ٹٹی ہے۔ ان کا اصل عقیدہ یہی ہے کہ آخری نبی ہونے میں کوئی مدح، کوئی فضیلت نہیں۔ اب بھی اگر نانوتوی صاحب کے نیاز منداس پر مصر ہیں کہ "حسام الحرمین" میں بالذات کی قید نہ ذکر کرنا خیانت ہے تو انہیں کہنا پڑے گا کہ نانوتوی صاحب خود اس خیانت کے مرتکب ہیں۔

(منصفانہ جائزہ ص ۷۳)

یہاں بھی زور استدلال، وسعت مطالعہ اور معلومات کی جو فراوانی ہے وہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ اسی مقام پر حضرت مفتی صاحب کے انداز استدلال اور طرز تحریر کا ایک اور رخ ملاحظہ کیجئے فرماتے ہیں۔

"تحذیر الناس" میں نانوتوی صاحب نے خاتم النبیین کا معنی آخری نبی بتانے والوں کو عوام، نادان، بے فہم کہا، مکتوب میں ظاہر پرست سطحی نظر رکھنے والے۔ جب کہ خاتم النبیین کا یہی معنی خود حضور اقدس ﷺ نے بتایا، صحابہ نے بتایا، تابعین نے بتایا، حتی کہ پوری امت نے بتایا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود حضور اقدس ﷺ اور تمام صحابہ کل تابعین اور پوری امت عوام، کم فہم، نادان، ظاہر پرست، سطحی نظر رکھنے والی ہے۔

کیا حضور اقدس ﷺ کو عوام، کم فہم، نادان، ظاہر پرست کہنے کے باوجود نانوتوی صاحب کا ایمان سلامت رہا۔

مولانا قاسم نانوتوی کے نزدیک نبی خاتمی مرتبت ﷺ کے آخری نبی ہونے میں کوئی فضیلت نہیں۔ اس لئے قرآن کے الفاظ "خاتم النبیین" کے معنی "آخری نبی" سمجھنے کو انہوں نے سطحی نظر رکھنے والے ظاہر پرست، کم فہم، نادانوں کا خیال کہا۔ پھر اس کا معنی خود ان کے نزدیک کیا ہے؟ تو لکھتے ہیں۔

آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں سو آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض اور ان کی نبوت آپ کا فیض ہے۔ پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں۔

پھر لکھتے ہیں۔

غرض اختتام بایں معنی تجویز کیا جائے تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا۔ بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔

مزید لکھتے ہیں۔

اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔

یہ عبارتیں صاف، صریح اور متعین ہیں کہ مولانا قاسم نانوتوی کے عقیدے میں حضور نبی کریم ﷺ آخری نبی نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک حضور ﷺ کے بعد بھی نبی پیدا ہو سکتا ہے مگر علمائے دیوبند، بعض کم پڑھے لکھے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کیلئے کہتے ہیں کہ اس میں لفظ "فرض" ہے اس لئے مولانا نانوتوی کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ حالانکہ "باقی رہتا ہے، فرق نہ آئے گا اور تجویز کیا جائے" کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں فرض سے مراد "فرض ممکن" اور "تجویز عقلی" ہے۔ "فرض محض" نہیں...... پھر بھی حضرت مفتی صاحب مد ظلہ نے اس اصول پر کہ اپنی عبارت کا جو معنی متکلم بتا سکتا ہے دوسرا نہیں بتا سکتا، مولانا نانوتوی ہی کے ایک مکتوب سے جو استدلال فرمایا ہے وہ دیدنی ہے۔ لکھتے ہیں۔

نانوتوی صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں اپنے معتمد خصوصی کو دل کا رازیوں لکھا۔

ومی دانی کہ بعد از ارتفاع کلام ربانی ازیں جہاں فانی آمدن قیامت تقدیر یافتہ ورنہ بشرط بقاے عالم آں وقت اگر نبی دیگری می آید مضائقہ نبود۔

ترجمہ: اور تم جانتے ہو کہ کلام ربانی قرآن مجید کے اس دار فانی سے اٹھ جانے کے بعد قیامت کا آنا مقدر ہو چکا ہے ورنہ بشرط بقائے عالم اس وقت اگر دوسرا نبی آجائے تو مضائقہ نہیں۔

(قاسم العلوم مکتوب اول بنام مولوی فاضل ص ۵۶)

یعنی جب قرآن مجید دنیا سے اٹھالیا جائے اس وقت فوراً قیامت نہ آئے تو دوسرا نبی آسکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نانوتوی صاحب حضور اقدس ﷺ کو صرف اس وقت تک خاتم النبیین جانتے ہیں۔ جب تک قرآن مجید دنیا میں باقی رہے۔ اور جب اٹھا لیا جائے تو خاتم النبیین نہیں۔ اس کے بعد بھی دنیا باقی رہے تو دوسرا نبی آسکتا ہے کوئی مضائقہ نہیں۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ قرآن مجید دنیا سے اٹھاتے ہی فوراً بلا تاخیر قیامت آئے گی یا کچھ وقفے کے بعد؟ اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ قیامت کچھ وقفے کے بعد آئے گی، تو اس وقفے میں بقول نانوتوی صاحب نبی آسکتا ہے۔ اس سلسلے میں ہم دیوبندیوں کے مسلم الثبوت حکیم الامت جناب تھانوی صاحب کی تحقیق ذکر کر رہے ہیں۔ ناظرین اسے پڑھیں اور سر دھنیں۔ مقبول بہشتی زیور حصہ ہفتم ص ۷ ۴ پر ہے۔

جب سب مسلمان مر جائیں گے اس وقت کافر حبشیوں کا ساری دنیا میں عمل دخل ہو گا۔ قرآن شریف دلوں سے اور کاغذوں سے اٹھ جائے گا۔ اور کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا۔ (الی ان قال) اور اس وقت دنیا کو بڑی ترقی ہو گی۔ تین چار سال اسی حال سے گزریں گے کہ دفعۃً جمعہ کے دن محرم کی دسویں تاریخ صبح کے وقت سب لوگ اپنے اپنے کام میں لگے ہوں گے کہ صور پھونک دیا جائے گا۔

نانوتوی صاحب نے اپنے معتمد خصوصی سے ایک راز نہانی کہا کہ دنیا سے قرآن مجید کے اٹھ جانے کے بعد اگر دنیا باقی رہے گی تو دوسرا نبی آسکتا ہے۔ تھانوی صاحب نے بتا دیا کہ دنیا سے قرآن مجید اٹھ جانے کے بعد بھی تین چار سال دنیا باقی رہے گی۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ ان تین چار سال میں دسرا نبی آسکتا ہے۔

کہاں ہیں دیوبندیوں کے شیخ الاسلام ٹانڈوی صاحب اور مایہ ناز مناظرین چاندپوری اور سنبھلی صاحبان۔ اب بتائیں کہ آپ لوگوں نے تو یہ دعویٰ کیا تھا کہ نانوتوی صاحب کا عقیدہ

یہ ہے کہ جو شخص حضور اکرم ﷺ کے بعد کسی نبی کے آنے کو جائز مانے وہ کافر ہے۔ دیکھئے نانوتوی صاحب کو جس پر مکمل اعتماد تھا کہ یہ راز نہاں فاش نہیں کرے گا اسے کیسے بتادیا کہ میرا اصل عقیدہ یہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ آخر الانبیا نہیں۔ حضور کے بعد کوئی نبی آجائے تو کوئی حرج نہیں۔ البتہ چونکہ اس وقت میں قرآن مجید مخل ہے۔ کوئی نبوت کا دعویٰ کرے گا تو لوگ قرآن کی آیت کریمہ "خاتم النبیین" سے اس کا جھوٹ ثابت کردیں گے۔ بس قرآن کے اٹھنے کا انتظار کرو جب قرآن اٹھ جائے گا تو نبی آسکتا ہے مگر کوئی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکے گا۔ اس پر جو بندش تھی قرآن کی وجہ سے تھی، جب قرآن ہی نہ ہوگا تو بندش کیسی؟

(منصفانہ جائزہ ۷۷۔۷۸)

مولانا رشید احمد گنگوہی نے اپنے ایک دستخطی و مہری فتویٰ میں لکھ دیا کہ خداوند قدوس کیلئے وقوع کذب کے معنی درست ہوگئے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے جھوٹ کا صدور ہوگیا۔ وہ جھوٹ بول چکا۔

مولانا رشید احمد گنگوہی کا یہ فتویٰ جب ماہ ربیع الآخر ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں میرٹھ سے چھپ کر شائع ہوا تو پورے ملک میں تہلکہ مچ گیا۔ مولانا نذیر احمد خاں رام پوری ثم احمد آبادی نے کفر کا فتویٰ صادر فرمایا، جو ۱۳۰۹ھ میں مطبع خیر المطابع میں چھپا۔ ایک اور رسالہ "صیانۃ الناس" مطبع حدیقۃ العلوم میرٹھ سے شائع ہوا۔ پھر ایک اور رد ۱۳۱۸ھ میں مطبع گلزار حسنی بمبئی سے اور ۱۳۲۰ھ میں "تحفہ حنفیہ" پٹنہ سے چھپ کر شائع ہوا۔

مگر اب علماء دیوبند کہہ رہے کہ گنگوہی صاحب نے "وقوع کذب کے معنی درست ہوگئے" پر مشتمل کوئی فتویٰ نہیں لکھا تھا، وہ تو محض امکان کے قائل تھے۔ جیسا کہ ان کا مجموعہ فتاویٰ رشیدیہ سے واضح ہے۔ اس پر حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ نے کیسی مضبوط گرفت کی ہے اور کس عمدہ طریقے سے ثابت فرمایا ہے کہ وہ فتویٰ گنگوہی صاحب ہی کا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ لکھتے ہیں۔

گنگوہی صاحب نے خود ایک کتابچہ لکھا جس کا نام "تقدیس القدیر" ہے، جسے انہوں نے حسبِ عادت اپنے ایک شاگرد مولوی محمد حسین مراد آبادی کے نام سے چھپوایا ہے، اس کے ص ۷۸ پر ہے۔

جواز وقوعی میں بحث ہے۔

پھر ص ۷۹ پر ہے۔

گفتگو جواز وقوعی میں ہے نہ کہ جواز امکانی میں

جواز وقوعی کا مطلب یہ ہے جس کا واقع ہونا جائز ہو، اس کا نہ عقلاً استحالہ ہو اور نہ شرعاً،

وہ نہ محال بالذات ہو نہ محال بالغیر، اس کے مقابل جواز امکانی ذکر کر کے اس معنی کو قطعی طور پر متعین کر دیا ہے۔ تو اب "تقدیس القدیر" کی اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ عزوجل بالفعل جھوٹ بول دے تو کوئی حرج نہیں، اس سے ظاہر ہو گیا کہ اگر کوئی یہ کہدے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول چکا، کافر ہونا بڑی بات ہے وہ اہل سنت سے بھی خارج نہ ہوگا یہی اس مہری و دستخطی فتویٰ میں ہے۔ پھر گنگوہی صاحب کے نیاز مندوں کا یہ کہنا کہ انہوں نے اس فتویٰ سے انکار کیا تبری کی ہے، صداقت سے کتنا دور ہے اسے بتانے کی ضرورت نہیں۔ (منصفانہ جائزہ ص ۱۵۱)

☆☆☆☆☆

مولانا محمد مسلم رضوی
جنتاہاٹ، بائسی، پورنیہ، بہار

منصفانہ جائزہ پر ایک نظر

گلہ جفائے وفا نما جو حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

کتاب "منصفانہ جائزہ" لکھنے کا داعیہ شارح بخاری کے دل میں یوں پیدا ہوا کہ دیوبندیوں کے نقیب اعظم مولوی منظور سنبھلی نے اپنے اکابر کی کفری باتوں کی توجیہ میں ایک رسالہ لکھا۔ جس کا نام پہلے انھوں نے "معرکۃ القلم" رکھا۔ بعد میں کچھ ترمیم کے بعد "فیصلہ کن مناظرہ" کے نام سے شائع کیا۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنے اکابر کی کفری عبارتوں کی توجیہ میں دیوبندی مناظرین، مصنفین نے جو کچھ اس وقت تک کہا تھا یا لکھا تھا ان سب کا نچوڑ اس میں جمع کر دیا ہے۔ نیز سنبھلی صاحب نے اپنی تیسری دھوکا دہی سے کچھ ایسی باتیں بھی تحریر کی ہیں جن سے ناواقف عوام غلط فہمی کے شکار ہو سکتے ہیں۔

نیز دیوبندیوں کی تکفیر کے سلسلے میں علمائے اہل سنت کے کم وبیش پچاسوں رسائل ہیں مگر سب مناظرانہ رنگ میں ہیں۔ ان میں سے بعض کا سمجھنا اس زمانے کے علما کے لئے مشکل ہے۔ نیز دیوبندیوں کے تلخ وترش کے جواب میں ترکی بہ ترکی جوابات بھی ہیں۔

بہت سے سنجیدہ اور غیر جانب دار لوگ اس کا مطالبہ کرتے تھے کہ کوئی ایسی کتاب ہونی چاہیئے جس میں سلیس عام فہم الفاظ میں افہام و تفہیم کے لہجے میں دیوبندی اکابر کی کفری عبارتوں کے وجوہ کفر کو بیان کیا گیا ہو۔

ان دونوں باتوں نے بالآخر حضرت شارح بخاری کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ منصفانہ جائزہ لکھیں۔ اللہ عزوجل کا شکر ہے کہ حضرت شارح بخاری نے اس کتاب کو پندرہ دن میں تصنیف فرمایا: جب کہ مدرسے کے پورے اوقات میں صرف فتاویٰ کا کام کرتے تھے۔

اس کتاب کو پڑھ کر ایک متعصب دیوبندی نے کہا کہ منصفانہ جائزہ سے زیادہ خطرناک ہمارے رد میں اب تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔

ہمارے علما کی تردیدی کتابوں کے بارے میں عام طور پر یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ ان کا لہجہ بہت تلخ ہوتا

ہے۔ اس کتاب میں حضرت شارح بخاری نے اس کا بھرپور خیال رکھا ہے کہ نہ تو لہجہ بہت تلخ ہو اور نہ ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن کو لوگ کہہ سکیں کہ بازاری ہیں۔

طرز تحریر ایسا دلنشین و دلچسپ ہے کہ میں نے جب اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا تو جب تک پوری پڑھ نہ لی سکون نہ ملا۔ پھر ایسا بھی نہیں کہ حضرت شارح بخاری نے شان رسالت میں گستاخی کرنے والوں کو چھوڑا ہو۔ ایسے ایسے طنز لطیف ہیں جو ادبی شاہکار ہونے کے ساتھ مخالفین کے جگر سے پار ہو جانے والے تیر ہیں۔

مسئلہ تکفیر کے سلسلے میں دیوبندی جماعت کے افراد اور ان کے حامی صلح کلی، مودودی، غیر مقلدین، جو کچھ بھی کہہ سکتے تھے ان سب کے ایسے ٹھوس اور دل میں اتر جانے والے جوابات ہیں کہ اس کے بعد مخالف کو مجال دم زدن باقی نہیں رہتی۔

اب آیئے! اس کتاب کے چند نکات کی تھوڑی سی سیر کر لیجئے۔

ا۔ مسئلہ تکفیر پر پہلا سوال یہ اٹھتا ہے کہ دیوبندی جماعت کے یہ اکابر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں عالم بنتے ہیں اسلامی صورت رکھتے ہیں کلمہ پڑھتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، شریعت کے بظاہر بہت پابند نظر آتے ہیں قرآن واحادیث کی تعلیم و تدریس کے لئے ان کے بڑے بڑے عالیشان مدارس ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پھر یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی توہینیں کی ہیں اور ضروریات دین کا انکار کیا ہے۔

اس کا ایک جواب تو سامنے کا ہے کہ رافضی، قادیانی، وغیرہ کا بھی یہی حال ہے پھر دیوبندی جماعت کے علما انھیں کافر کیوں کہتے ہیں۔ سیدھی بات ہے ان کی کتابیں موجود ہیں چھپی ہوئی ہیں جن میں یہ کفری عبارتیں تحریر ہیں جس کا جی چاہے دیکھ لے اور فیصلہ کرلے۔

لیکن حضرت شارح بخاری نے اس سے ہٹ کر دیوبندی جماعت کے اکابر کی سوانح عمریاں پڑھ پڑھ کر اور اس وقت ہندوستان کی جو سیاسی حالت تھی اس کو سامنے رکھ کر اصل وہ وجہ کھوج نکالی ہے جس نے اکابر دیوبند کو اہانت رسول کرنے پر ابھارا۔

اس کے لئے شارح بخاری نے پہلے ایک مقدمہ لکھا ہے یہ مقدمہ خود اتنا وقیع ہے کہ کوئی شخص، عناد، تعصب اور ہٹ دھرمی سے ہٹ کر اس مقدمہ کو بغور پڑھ لے گا تو اس پر واضح ہو جائے گا کہ دیوبندی جماعت حقیقت میں انگریزوں کا ففت کالم اور سی، آئی، اے ہے۔

آیئے! مقدمے کے چند اقتباسات پڑھئے

شارح بخاری نے دیوبندی جماعت کے مسلم الثبوت امام مولوی اسمٰعیل دہلوی اور ان کے پیر سید احمد رائے بریلوی صاحب کے تعارف میں ثابت کیا ہے کہ۔ یہ دونوں سو فیصدی انگریزوں کے آلہ کار تھے۔ خالی الذہن ہو کر مندرجہ ذیل اقتباسات اپنے ذہن میں جمایئے۔

الف: مولوی اسمٰعیل دہلوی اور ان کے رائے صاحب ایسے وقت میں جب کہ انگریز پورے طور سے ہندوستان پر قابض ہو چکا تھا۔ اور اخیر مغل تاجدار انگریزوں کا وظیفہ خوار بن چکا تھا۔ ہندوستان کے غیور مسلمان اپنی عظمت رفتہ کھو جانے کی وجہ سے اور انگریزوں کی غلامی کے سبب پیچ و تاب کھا رہے تھے اور رات دن اس فکر میں تھے کہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ ہمارا سابقہ جاہ و جلال واپس آجائے اور انگریزوں کی غلامی سے نجات ملے یہی چنگاری رفتہ رفتہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں کوہ آتش فشاں بن کر پھوٹ پڑی۔

اس ماحول میں مولوی اسمٰعیل اور ان کے پیر رائے صاحب سکھوں سے جہاد کے نام پر انگریزوں کی عملداری میں فوجی تنظیم قائم کر رہے تھے اور انگریزوں کی طرف سے انھیں کھلی آزادی تھی۔ یہ تنظیم دلی سے اٹھی اور ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں گشت کرتے ہوئے کلکتہ پہونچی۔ مگر انگریز اسے خاموشی سے برداشت کرتے رہے بلکہ راز درون خانہ یہ ہے کہ اس کی حوصلہ افزائی ہی نہیں بلکہ امداد کرتے رہے۔ بالآخر کلکتہ میں بھرے مجمع میں یہ سوال کر ہی دیا گیا کہ آپ لوگ انگریزوں سے جہاد کیوں نہیں کرتے مولوی اسمٰعیل دہلوی نے جواب دیا کہ انگریزوں سے جہاد کرنا جائز نہیں۔ بلکہ اگر کوئی انگریزوں پر حملہ کرے تو انگریزوں کی حمایت میں اسے لڑنا فرض ہے۔ اور جب یہ مجاہدین کا قافلہ بذریعہ کشتی سمندری راستے سے سکھوں سے جہاد کا پروپیگنڈہ کرتے ہوئے صوبہ سرحد کی طرف بڑھا تو ایک انگریز آفیسر ان سب مجاہدین کے لئے کھانا تیار کر کے لایا وہ غریب تین دن تک ان کا انتظار کرتے رہے۔

پھر دنیا حیرت میں رہ گئی کہ سکھوں سے جہاد کرنے کا پروپیگنڈا کرنے والوں نے سب سے پہلے یار محمد خان حاکم یاغستان سے جہاد کیا۔

ب: جب ۱۸۵۷ء میں مجاہدین آزادی انگریزوں کی غلامی سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے سر سے کفن باندھ کر میدان میں نکل پڑے تو دیوبندی جماعت کے بانیان نانوتوی و گنگوہی صاحبان نے اپنی رحم دل گورنمنٹ برطانیہ کی حمایت میں باقاعدہ جنگ کی۔

ج: جب مدرسہ دیوبند قائم ہوا تو انگریزوں نے اس مدرسے کو ان شاندار الفاظ میں سارٹیفیکٹ دیا۔

"یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد و معاون سرکار اور ہمدردایان سرکار ہے"

د: انگریزوں نے سب سے پہلے تقویۃ الایمان کو ہندوستان میں اور اس کا انگریزی ترجمہ کر کے یورپ میں چھاپا۔

ہ: انگریزوں نے ان گستاخان رسول کے چھ چھ سو روپیئے ماہانہ وظائف مقرر کیئے۔

مذکورہ بالا حوالہ جات اس بات کے ناقابل انکار ثبوت ہیں کہ دیوبندی برادری انگریزی سامراج کی پیداوار اور ان کا آلہ کار تھی ان کی خوشنودی کے لئے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لئے انگریزوں نے اپنے ان پروردگان نعمت سے بھرپور کام لیا اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ بغداد اور پوری دنیائے اسلام کو تباہ و برباد کرنے والے محقق طوسی، ابن ارقمی بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے کلمہ پڑھتے تھے۔

نادر شاہ درانی کے ہاتھوں دلی میں قتل عام کرانے والا سعادۃ الملک بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا کلمہ پڑھتا تھا۔ ہر تاریخ داں جانتا ہے کہ جعفر اور صادق کسی ہندو یا انگریز کا نام نہیں کلمہ پڑھنے والوں اپنے آپ کو مسلمان کہنے والوں کا نام ہے۔ جنھوں نے اپنی چال بازیوں سے، میسور میں سلطان ٹیپو اور بنگال میں نواب مرشد آباد کو تباہ و برباد کر کے انگریزی سامراج قائم کیا۔ پھر اس میں کون سی تعجب کی بات ہے کہ دہلی کے اسماعیل صاحب اور دیوبند کے نانوتوی و گنگوہی صاحبان نے بھی انگریزوں کی شہہ پر ان کے آلہ کار ہو کر ایسی ایسی ناکردنیاں کیں جس کی وجہ سے ہندوستان میں مسلمانوں کا شیرازہ درہم برہم ہو گیا۔

اب آیئے! سنبھلی صاحب کی چکھیریوں اور حضرت شارح بخاری کے شیرانہ حملوں کا ایک نظارہ کیجئے۔

نانوتوی صاحب کی تحذیر الناس کی کفری عبارت یہ ہے۔

اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہو گا کہ تقدم یا تأخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔۔۔ پھر مقام مدح میں "ولکن رسول الله و خاتم النبيين" فرمانا اس صورت میں کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہیئے اور اس مقام کو مقام مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تأخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے"۔

پھر اسی کتاب میں صفحہ ۱۴ پر ہے:

"اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا

ہے"۔

پھر صفحہ ۲۸/ پر ہے:

"اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔"

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے حسام الحرمین میں تحذیر الناس کی اس طول طویل عبارت کا اختصار یہ کیا۔

"اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو بلکہ اگر بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔ عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن کہ تقدم یا تأخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں"۔

اس پر سنبھلی صاحب غصہ میں آپے سے باہر ہو کر اپنے مذہب کا خاص سارا وظیفہ دہرا ڈالا۔ اسے دجل کہا، فریب کہا اور غیظ و غضب کی وجہ ان تین باتوں کو قرار دیا۔

اول: ص:۱۴ اور ص:۲۸/ کی عبارت پہلے لکھی اور ص:۳/ کی بعد میں۔

دوم: ص:۱۴/ اور ص:۲۸/ کی عبارتوں کو آپس میں توڑ پھوڑ کر اس طرح خلط ملط کر دیا ہے کہ ایک معلوم ہو رہی ہیں۔ بیچ میں ڈیس تک نہیں لگایا۔

سوم: تحذیر الناس میں تھا بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ بالذات حذف کر کے یہ لکھدیا۔ کچھ فضیلت نہیں۔ اب آیئے! حضرت شارح بخاری کے خامہ حق رقم کی جولانی دیکھئے پہلے کے جواب میں ارشاد فرمایا:

بندہ نواز غصہ تھوکئے حقائق کا سامنا کیجئے۔ یہ تینوں عبارتیں تین مستقل کفر ہیں۔ ان کو علیحدہ علیحدہ لکھو تو کفر کتاب کی ترتیب سے لکھو تو کفر اور ترتیب بدل کر لکھو تو کفر۔۔ یہ کہنا کہ

"اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔"

مستقل کفر ہے۔ کیوں کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے آخر الانبیا ہونے کا انکار۔ ہے۔ اور یہ کہنا کہ۔

اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔"

مستقل کفر۔ کیوں کہ یہ بھی آخر الانبیا ہونے کا انکار ہے۔

اور یہ کہنا کہ۔

"عوام کے خیال میں آپ کا خاتم النبیین ہونا بمعنی آخر النبیین ہے حالانکہ اہل فہم کے نزدیک اس میں کچھ فضیلت نہیں۔"

یہ بھی مستقل کفر۔ کیونکہ خاتم النبیین بمعنی آخری النبیین ہونا حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اعلی درجہ کے ان فضائل میں سے ہے جن میں اور کوئی حضور کا شریک نہیں۔ اللہ عزوجل نے جسے مقام مدح میں ذکر فرمایا اور خود حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اسے اپنے کمالات میں بیان فرمایا پوری امت عہد صحابہ سے لے کر آج تک اسے اعلی درجہ کی فضیلت جانتی اور مانتی ہے اور مدح کے طور پر ذکر کرتی ہے۔ چند مستقل چیزوں کی ترتیب کے بدلنے سے ان کے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا مثلاً نانوتوی صاحب کے نیاز مند ولید نے کہا۔ عوام کا خیال ہے اللہ عزوجل کے واحد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ اس میں کوئی فضیلت نہیں، فضیلت یہ ہے کہ وہ معبود بالذات ہو۔ اس معنی کے لحاظ سے اگر اللہ کے علاوہ چند اور معبود مان لئے جائیں تو اللہ کی وحدانیت میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔

اس پر ایک مسلمان نے کہا اے ولید تو کافر مرتد ہو گیا توبہ کر کلمہ پڑھ کر پھر سے مسلمان ہو ولید نے نہیں مانا تو اس مسلمان نے استفتا مرتب کیا۔۔۔ ولید نے یہ کہا ہے اگر اللہ کے علاوہ چند اور معبود مان لئے جائیں تو اللہ کی وحدانیت میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ یہ عوام کا خیال ہے کہ اللہ کے واحد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ اس میں کچھ فضیلت نہیں۔ ہر انصاف پسند بتائے کیا یہ دجل ہے؟ اس کو دجل وفریب وہی کہے گا جو خود دجال فریب کار ہو گا۔

اس کے بعد شارح بخاری نے ایک بہت فیصلہ کن بات تحریر فرمائی ہے جو ہر سنجیدہ متین آدمی کو اپیل کرے گی وہ یہ کہ کوئی صاحب یہ بتادیں کہ حسام الحرمین میں جو ترتیب مذکور ہے اس میں اور تحذیر الناس میں جو ترتیب ہے ترتیب کے بدلنے سے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ پھر تحذیر الناس کی صفائی میں اس کو ذکر کرنے سے کیا فائدہ سوائے اس کے کہ نانوتوی صاحب کے ہمدردوں کو بحث کرنے کے لئے کچھ موقع مل جائے گا۔

دوسری وجہ۔۔کا جواب:

سنبھلی صاحب نے اس کو بہت رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا ہے انھوں نے لکھا کہ دو مسند الیہ کے مسند کو ایک مسند قرار دیں تو جس بات کو چاہیں کفر بنالیں مثلاً ارشاد ہے: ان الابرار لفی نعیم. بے شک نیک لوگ نعمت میں ہیں۔ دوسری آیت ہے: "ان الفجار لفی جحیم" بے شک بدکار جہنم میں ہیں۔

اب اگر کوئی شخص ان دونوں آیتوں کے مسند الیہ کو باقی رکھ کر کسی ایک کے مسند کو ذکر کرے تو صریح کفر

ہے۔ مثلاً کوئی یوں پڑھے۔ ان الابرار و ان الفجار لفی نعیم۔ تو بھی کفر یوں ہی اگر کوئی یوں پڑھے: ان الابرار والفجار لفی جحیم" تو بھی کفر۔

اسی طرح تحذیر الناس کی ص: ۱۴ر کی عبارت کا مسند اور تھا اور ص: ۲۸ کی عبارت کا مسند اور تھا اور حسام الحرمین میں ایک کے مسند کو دونوں کے مسند الیہ کے ساتھ چپکا دیا ہے۔

یہ فریب اتنا رنگین ہے کہ اس پر بڑے بڑے چکر آجاتے ہیں۔ اب آیئے شارح بخاری کی بارگاہ میں حضرت نے علمی خیانت اور بد دیانتی کا ایسا پردہ چاک کیا ہے کہ صرف سنبھلی ہی نہیں پوری دیوبندیت سر بازار رسوا ہو گئی ہے۔

تحریر فرماتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ دو مختلف جگہوں کی ایسی عبارتوں کو جن کے معنی مختلف ہوں اس طرح ایک کرنا کہ معنی بدل جائے ضرور دجل ہے فریب ہے (حضرت نے مذکورہ بالا دونوں آیتوں کو ذکر فرمایا ان آیتوں میں دونوں کے مسند مغائر تھے ایک لفی نعیم ہے اور ایک کا لفی جحیم۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ نعیم کی جگہ جحیم اور جحیم کی جگہ نعیم ذکر کرنا بہت بڑی غلطی ہے اور کفر ہے۔ کیوں کہ دو باتوں میں سے ایک بات لازم آئے گی کہ نیک لوگ بدکاروں کی طرح جہنم میں ہوں گے اگر لفی نعیم چھوڑ کر صرف لفی جحیم ذکر کیا جائے۔ یا پھر لازم آئے گا کہ بدکار بھی نعمت میں ہوں اگر لفی جحیم حذف کر کے لفی نعیم کہا جائے۔

لیکن اگر، دو مختلف جگہ کی عبارتوں کو حذف کر کے کچھ اس طرح ملا دیا جائے کہ معنی میں بھی تفاوت نہ ہو تو نہ دجل ہے نہ فریب بلکہ لمبی عبارت کے مختصر کرنے کا یہی طریقہ ہے، مثلاً سورۂ حج میں فرمایا:" فالذین آمنوا وعملوا الصلحت فی جنت النعیم. جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ نعمت والے باغوں میں رہیں گے۔

اور سورہ ملک میں ہے:

ان الذین یخشون ربهم بالغیب لهم مغفرة واجر کبیر۔ جو لوگ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور بھاری اجر ہے۔

اب کوئی یہ کہتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ جو لوگ مومن اور صالح ہیں اور جو لوگ اللہ عزوجل سے ڈرتے ہیں ان سب کے لئے بخشش اور بھاری اجر ہے۔

تو کیا یہ کلمہ کفر ہے۔ ہر گز نہیں۔ کوئی دین دار اسے کلمہ کفر کہہ سکتا ہے۔ حالانکہ یہاں بھی بقول آپ کے پہلے کا مسند حذف کر کے صرف دوسری آیت کا مسند ذکر کیا گیا ہے۔

چلئے! اپنی بول چال کی مثال لیجئے۔ ولید نے کہا اگر اللہ عز و جل کے علاوہ ہزاروں معبود ہوں بلکہ لات و جبل رام و کرشن خدا ہوں تو بھی وحدانیت الٰہی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ تو کون ایماندار خدا ترس ہے جو اسے خیانت فریب و دجل کہے گا۔ حسام الحرمین میں یہی دوسری صورت ہے اس لئے اسے دجل فریب کہنا خود دجل فریب ہے۔ ناظرین ملاحظہ کریں ص: ۱۴ر کی عبارت یہ ہے بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ اور ص: ۲۸ر کی عبارت یہ ہے۔ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ ایک کا مسند ہے آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ دوسرے کا مسند ہے خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔ اب ہر شخص سوچے کہ ان دونوں میں معنی کے اعتبار سے کیا فرق ہے۔ خاتم بدستور باقی رہتا ہے۔ اور خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔ دونوں کے معنی ایک ہیں۔ خاتمیت محمدی کے باقی رہنے کو لازم ہے کہ خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔ اور خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں آنے کو لازم ہے خاتم کا بدستور باقی رہنا۔ تو پہلا جملہ کہو خواہ دوسرا معنی ایک ہی ہے تو اب اگر حسام الحرمین میں اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے دونوں میں سے صرف ایک کے مسند کو ذکر کیا تو یہ نہ تغیر نہ تبدیل ہے نہ دجل ہے نہ خیانت ہے نہ فریب ہے ہاں دیوبندی لغت کی بات دوسری ہے۔

منصفانہ جائزہ چونکہ افہام و تفہیم کے مقصد سے لکھی گئی ہے اس لئے شارح بخاری نے پہلے سنبھلی صاحب کے عالی دماغ کی پیداوار دیوبندی، چک پھیری، کے اندر چھپے ہوئے فریب کا پردہ چاک فرمایا: اور اب اس کے بعد ایک ماہر مناظر کی طرح پوری دیوبندی برادری کو گھر تک پہنچانے کے لئے خود سنبھلی اور نانوتوی صاحبان کی وہ تلخیص پیش فرمائی جو ان دونوں نے خود کی ہے جس میں ص: ۱۴ر اور ص: ۲۸ر کی عبارتوں کے مسند الیہ الگ الگ اور دونوں کا مسند ایک ہے۔

وہی بزرگ جو حسام الحرمین کے اختصار کو دیدہ دلیری جال سازی کہہ رہے ہیں اسی دیدہ دلیری اور جال سازی کا ارتکاب اسی رسالہ میں کر چکے ہیں ملاحظہ کیجئے فیصلہ کن مناظرہ ص: ۹۴ر ص: ۱۴ر ص: ۲۸ر کی دونوں عبارتوں کو توڑ پھوڑ کر خود لکھتے ہیں۔

یہ ایسی خاتمیت ہے کہ اگر بفرض آپ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد کوئی نبی ہو تب بھی آپ کی اس خاتمیت میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

شارح بخاری پھر پلٹ کر ایسا بھرپور وار کرتے ہیں کہ دیوبندیت کی رگ تو رگ کھال تک باقی نہ رہی۔ فرماتے ہیں:

خود تحذیر الناس کے مصنف نے تحذیر الناس کے ص: ۱۴ر حاشیہ میں ان دونوں عبارتوں کا اختصار یہ کیا

ہے، یعنی اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں یا بالفرض آپ کے بعد بھی کوئی نبی فرض کیا جائے تو بھی خاتمیت محمدی میں فرق نہ آئے گا۔

ناظرین دیکھیں یہ بعینہٖ وہی عبارت ہے جو حسام الحرمین میں ہے، سنبھلی صاحب تو جہاں جانا تھا جا چکے اگر وہ زندہ ہوتے تو میں ان سے پوچھتا کہ جان من جانان من جب آپ کے حجۃ الاسلام نے خود بقول آپ کے دیدہ دلیری جعل سازی کر کے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے تو آپ کو چاہیئے کہ پہلے ان کی قبر پر جا کر جوتے برساتے، یہ سب کچھ آپ نے کیا کیا؟

تیسری وجہ کا جواب۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تحذیر الناس میں ہے کہ اس میں بالذات کچھ فضیلت نہیں اور حسام الحرمین میں بالذات کی قید اڑا کر یہ لکھ دیا کچھ فضیلت نہیں۔ اس پر سنبھلی صاحب اتنے موڈ میں آگئے ہیں۔ کہ معلوم ہوتا ہے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت پا گئے ہیں۔ اسی کے مطابق اس موقع پر حضرت شارح بخاری کے اشہب قلم کی جولانی قابل دید ہے۔ اور ان کے خنجر خوں خوار برق بار کی روانی اپنے شباب پر ہے۔ اس پر حضرت نے صفحات کے صفحات لکھے، جس کا جی چاہے منصفانہ جائزہ ص:۷۱ تا ۸۰ر کا مطالعہ کرلے۔ اس کے پڑھنے کے بعد آپ کو حضرت شارح بخاری کی نابالغ نظری دقیق سنجی، وسعت مطالعہ کی ایک ایسی جھلک نظر آئیگی کہ بڑا سے بڑا محقق بھی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ ناظرین منصفانہ جائزہ کے اس حصہ کو ضرور پڑھیں اس سے ایک طرف مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی مجددانہ شان کی عظمت سامنے آئے گی دوسری طرف حضرت شارح بخاری پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا وہ خصوصی باطنی کرم بھی نظروں کے سامنے آجائے گا جو سب کا حصہ نہیں۔ ان سب مباحث کا خلاصہ یہ ہے۔

تحذیر الناس کی ابتدا میں بالذات کی قید دھوکے کی ٹٹی داشتہ بکار آید نانوتوی صاحب کے بطور پہلے ہی کھڑی کرلی ہے کہ منہ چھپانے کو ایک جگہ ہے۔ ورنہ نانوتوی صاحب کا عقیدہ یہی ہے کہ آخری نبی ہونے میں قطعاً کوئی فضیلت نہیں نہ بالذات نہ بالعرض اس لئے کہ مذکورہ بالا عبارت کے بعد متصلاً لکھا۔

پھر مقام مدح میں ولکن رسول الله وخاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہئے اور اس کو مقام مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تأخر زمان صحیح ہو سکتی ہے۔

ہر شخص اس عبارت پر غور کرے کہ اس عبارت میں نانوتوی صاحب صاف صاف فرما رہے ہیں کہ اگر خاتم النبیین کو آخر النبیین کے معنی میں مانا جائے تو مقام مدح میں اس کا ذکر کرنا صحیح نہیں۔ دوسری خاص بات یہ لکھی کہ اگر اس آیت کو مقام مدح نہ مانیں تو خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین کہنا درست ہوگا اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نانوتوی

صاحب اور ان کی اتباع میں سارے دیوبندی دوسرے انبیاے کرام کی نبوت کو بالعرض مانتے ہیں ان کی نبوت کو بالذات ماننے سے انکار کرتے ہیں پھر بھی قرآن مجید اور احادیث کریمہ اقوال علما میں ان انبیائے کرام کی نبوت کو مقام مدح میں ذکر کیا گیااور ذکر کیا جاتا ہے اور خود دیوبندی بھی دوسرے انبیاے کرام کی نبوت کو قابل مدح کہتے ہیں اور مانتے ہیں تواگر نانوتوی صاحب اور دیوبندی جماعت آخری الانبیا ہونے میں بالذات نہیں بالعرض فضیلت مانتی تو ان کا یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا تھا۔ پھر مقام مدح میں ولکن رسول الله وخاتم النبیین فرمانا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نانوتوی صاحب اور سارے دیوبندیوں کا عقیدہ یہی ہے کہ آخری نبی ہونے میں نہ بالذات فضیلت ہے اور نہ بالعرض کچھ فضیلت ہے اور عبارت مذکورہ میں بالذات کی قید دھوکے کی ٹٹی اور منہ چھپانے کے لئے آڑ کے طور پر لکھی گئی ہے۔ شارح بخاری نے ۱۸/ وجوہ سے ثابت کیا ہے کہ نانوتوی صاحب اور دیوبندیوں کا عقیدہ یہی ہے کہ آخری نبی ہونے میں کوئی فضیلت نہیں۔ کیوں کہ انھوں نے شروع ہی میں اسے عوام اور کم فہم لوگوں کا خیال بتایااسے بیہودہ گوئی کہااسے حضور کے مرتبہ میں نقص کہااسے حسب نسب شکل وصورت جیسے اوصاف میں شمار کیا جن کو فضیلت میں کچھ دخل نہیں اس سے قرآن مجید میں بے ربطی لازم آئے گی وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے حسام الحرمین میں جو فرمایا گیا کہ نانوتوی صاحب نے یہ کہا کہ آخری نبی ہونے میں کچھ فضیلت نہیں یہ الزام اپنی جگہ پر درست ہے۔

اس خصوص میں حضرت شارح بخاری کی وسعت مطالعہ اور تتبع اور تلاش کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اخیر میں شارح بخاری نے نانوتوی صاحب کے ایک خانگی اعتراف کو ڈھونڈ نکالا جو انھوں نے اپنے ایک بہت خصوصی معتمد کو اپنا ہمراز سمجھ کر خود بیان کیا ہے یہ نانوتوی صاحب کے ایسے خاص تلمیذ ہیں جنہیں نانوتوی صاحب بکثرت مٹھائیاں کھلایا کرتے تھے۔

ناظرین اسے بھی ملاحظہ کریں۔ نانوتوی صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا:

"معنی خاتم النبیین در نظر ظاہر پرستاں ہمیں باشد کہ بہ زمانہ نبوی آخر ست از زمانہ گذشتہ باز نبی دیگر نخواہد آید۔ مگر می دانی کہ این سخنے است کہ نہ مدحیست دراں نہ ذمے۔"

ترجمہ خاتم النبیین کا معنی سطحی نظر والوں کے نزدیک تو یہی ہے کہ زمانہ نبوی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم گذشتہ انبیاء کے زمانہ سے آخر کا ہے اور اب کوئی نبی نہیں آئے گا مگر آپ جانتے ہیں کہ یہ ایسی بات ہے کہ اس میں نہ تو کوئی تعریف ہے نہ کوئی برائی۔

اس اعتراف درون خانہ کے بعد کس میں ہمت ہے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ نانوتوی صاحب آخر الانبیا ہونے میں صرف بالذات فضیلت کو نہیں مانتے، مگر بالعرض و بالواسطہ فضیلت مانتے ہیں۔ ناظرین غور کریں۔ نہ مدحیست

دراں، مدحے کی یا، تنکیر کے لئے ہے اور نکرہ تحت نفی عموم واستغراق کا افادہ کرتا ہے تو اس کا مطلب صریح متعین یہ ہوا کہ اس میں کسی قسم کی کوئی فضیلت نہیں نہ بالذات نہ بالعرض اب کسے منہ ہے کہ وہ کہہ سکے کہ نانوتوی صاحب بالذات فضیلت کے منکر ہیں مطلقاً فضیلت کے منکر نہیں۔

منصفانہ جائزہ اکابر دیوبند کی بقیہ کفری عبارتوں پر ایسے ہی محققانہ بحثیں ہیں کہ جن کے بعد کسی کو شک وشبہ نہیں رہ جاتا یہ سب عبارتیں صریح متعین ایسے ہی کفر ہیں جیسے یہ کہنا کہ اللہ موجود نہیں۔

ان سب کو اس مختصر میں بیان کرنا دشوار ہے ناظرین اصل کتاب کا مطالعہ کریں ہم نے صرف نمونۃً صرف تحذیر الناس کی عبارت کی چند ابحاث ذکر کر دی ہیں تاکہ اہل علم دیکھیں اس دور انحطاط میں بھی ہم میں ایک ایسا محقق ہے جو ہم سب کے لئے سرمایہ افتخار ہے۔ چند اور خصوصیتیں، مسئلہ تکفیر پر دیوبندی اور ان کے علاتی اخیافی برادران غیر مقلد، مودودی، صلح کلی، یہ کہتے ہیں کہ ان عبارتوں پر صرف مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اعتراض کیا ہے اور کفر کا فتویٰ دیا ہے ان مصنفین کے معاصرین نے کچھ نہیں کہا ہے اس کے ازالے کے لئے حضرت شارح بخاری نے ان کفری عبارتوں پر معاصرین علمائے اہل سنت نے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے علاوہ جو مواخذہ کئے اور اس کا جو رد عمل ظاہر ہوا ہے ان سب کو بڑی جامعیت مگر اختصار کے ساتھ ذکر فرمادیا ہے مثلاً، نانوتوی صاحب کی کفری عبارت پر معاصرین کا کیا رد عمل ہوا اس کا ایک نظارہ کرتے چلیں۔

تحذیر الناس جہاں بھی پہونچی وہاں کے علمائے نے اس سے بیزاری ظاہر کی اس کا زبانی بھی اور تحریری بھی رد کیا۔ (تحذیر الناس کے رد میں چھ کتابیں اب تک علم میں آچکی ہیں) تحذیر الناس سے پوری امت بیزار رہی اس کو تھانوی صاحب نے ان الفاظ میں بیان کیا۔ جس وقت مولانا نانوتوی صاحب نے تحذیر الناس لکھی کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا کے ساتھ موافقت نہیں کی بجز مولانا عبدالحئی کے۔

نانوتوی صاحب خود علمائے کے اعتراض رد عمل سے اتنا خوف زدہ تھے کہ چھپے پھرتے تھے ایک بار رام پور سے گذر ہوا تو ایک معمولی سرائے میں وہ بھی اوپر کی چھت پر ایک کمرہ لیا اور اپنا نام بدل کر لکھوایا دیوبندی جماعت کا داستان گو اوراح ثلثہ میں لکھتا ہے:

اپنے کو ایک ملازم کی حیثیت سے ظاہر کیا اس لئے کہ خفیہ پہنچیں جب رام پور پہنچے حضرت نے اپنا نام خورشید حسن تاریخی نام بتایا اور لکھا دیا۔ اور نہایت ہی غیر معروف سرائے میں مقیم ہوئے اس میں بھی ایک کمرہ چھت پر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ تحذیر الناس کے خلاف اہل بدعات میں ایک شور برپا تھا۔ مولانا کی تکفیر تک ہو رہی تھی۔ حضرت کی غرض اس اخفاء سے یہی تھی کہ میرے علانیہ پہنچنے سے اس بارے میں جھگڑے اور بحثیں نہ کھڑی ہو جائیں۔"

اب شارح بخاری فرماتے ہیں تھانوی صاحب ایک تجربہ کار گرم سرد چشیدہ بزرگ تھے انھوں نے تحذیر الناس کے خلاف پورے ملک میں جو شورش تھی اسے بہت ہلکے انداز میں یوں بیان کیا۔ ملک میں کسی نے موافقت نہیں کی۔ مگر ارواح ثلثہ کے داستان گو نے جو ایک سیدھا سادھا دیہاتی انسان تھا پوری بات کہدی۔ ایک شور برپا تھا۔ مولانا کی تکفیر تک ہو رہی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اسے اہل بدعات کی طرف منسوب کیا۔ مگر تھانوی صاحب نے پورے ملک سے تعبیر کیا۔ اب اس کی دو ہی توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو یہ کہئے کہ پورا ملک اہل بدعات تھا یا یہ کہئے کہ تحذیر الناس کے کفری مضمون کے خلاف کچھ کہنا ہی دیوبندی مذہب میں بدعت ہے۔ رہ گئی مولانا عبد الحئی کی موافقت تو پتہ نہیں یہ کون مولانا عبد الحئی ہیں اور کس کتاب میں کیا موافقت کی ہے۔ ہو سکتا ہے یہ مولانا عبد الحئی اپ ٹوڈیٹ دیوبندی علی میاں ندوی کے والد مولانا عبد الحئی رائے صاحب ہوں۔ اس تنقید کو پڑھنے کے بعد میں بہت دیر تک جھومتا رہا۔ اس وقت میں حضرت مفتی صاحب کے حضور حاضر نہیں تھا ورنہ صرف ان کے قلم اور ہاتھوں ہی کو نہیں ان کے قدموں کو بوسہ دیتا ان کے نعلین کی خاک کو سرمہ بناتا۔

بتانا یہ ہے کہ اسی طرح براہین قاطعہ، حفظ الایمان، فتویٰ گنگوہی کے خلاف پورے ملک میں ایک ہنگامہ کھڑا ہوا۔ اور یہ ہنگامہ کھڑا کرنے والے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے نہ تو رشتہ دار تھے نہ استاذ بھائی نہ پیر بھائی مثلاً براہین قاطعہ کے خلاف، ریاست، بہاول پور، میں تاریخی مناظرہ ہوا جس میں اہل سنت کے مناظر حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے اور فیصل شیخ المشائخ حضرت غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ انھوں نے اس مناظرے کے سلسلے میں اپنا فیصلہ یہ دیا:

”یہ خلیل احمد انبیٹھی وغیرہ وہابی ہیں اور اہل سنت سے خارج ہیں۔ مولوی خلیل احمد بھاول پور میں ریاست کے مدرسے میں ملازم تھے اس فیصلہ کے بعد نکال دیئے گئے۔ ان کفری عبارتوں کے خلاف ان کے معاصر پورے ملک کے علمائے اہل سنت نے جو نوٹس لیا وہ اس بات کی دلیل ہے کہ پورا ہندوستان علمائے دیوبند کی ان کفری عبارتوں کی وجہ سے ان سے بیزار تھا۔ پھر یہ کہنا کہ صرف اعلیٰ حضرت ہی نے اس پر اعتراض کیا اور کفر کا فتویٰ دیا یہ دیوبندی برادری کا وہ جھوٹ ہے جس کی وجہ سے وہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی لعنت کے مستحق ہیں۔

اس کتاب میں ایک بہت خصوصی پیراگراف یہ ہے کہ دیوبندی اپنے اکابر کی بڑائی بیان کرنے میں کتنے ہی جھوٹ کے فنکے اڑائیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اسلام کے صحیح عقائد اور احکام سے بھی واقف نہیں تھے۔ اسی وجہ سے ان سے قدم قدم پر غلطیاں ہوتی تھیں کفر بک جاتے تھے اس کا ان کو شعور بھی نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ یوں کہیئے کہ وہ بالقصد کفر بکا کرتے تھے اکابر دیوبند کی بڑی بڑی غلطیاں دیکھنا ہو تو نزہۃ القاری شرح بخاری کا مطالعہ کریں۔ اس کو پڑھنے کے بعد آپ حیرت میں پڑ جائیں گے یا اللہ یہ اونچی اونچی دکانیں اور یہ پھیکے پھیکے ہی نہیں گلے سڑے پکوان

منصفانہ جائزہ میں دیوبندی اکابر کے ایسے اقوال کی نشاندہی کی گئی ہے جس پر خود دیوبندی جماعت کے ذمہ دار علما مفتیوں نے ان پر کافر زندیق ملحد ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔(۲۰) دیوبندی مفتیوں نے اپنے سارے اکابر پر اس قسم کے فتوے دیئے ہیں مولوی اسماعیل دہلوی قاسم نانوتوی قاری طیب کوئی بھی نہیں بچاہے۔اب ناظرین سے اپیل ہے کہ وہ سوچیں کہ جب دیوبندی اکابر کا حال یہ ہے کہ وہ ایسے ایسے کفریات بکتے ہیں جن پر ان کے نیاز مند ہی نہیں ملازمین تک کفر کے فتوے دے چکے ہیں تو اگر ان کے کچھ کفریات پر علمائے اہل سنت نے ان کو کافر کہا تو کیوں خفا ہوتے ہیں۔ خفا ہونا ہے تو اپنے اکابر سے خفا ہوں کہ وہ کیوں کفریات بکتے ہیں۔

پھر ناظرین سوچیں کہ جو لوگ اتنے جاہل ہیں یا نڈر ہیں جنہیں کفر اور اسلام میں تمیز نہیں اور آئے دن کفریات بکتے رہتے ہیں تو ان کو کافر کہنے میں کیا جھجک جب کہ ان کے نیاز مندوں اور ملازمین تک نے ان کو کافر کہا۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے دیوبندی اکابر کی کفری عبارتوں پر جو حکم شرعی لگایا تھا اس کی توثیق کے لئے اپنے اس فتوے کو علمائے حرمین طیبین کی خدمات عالیہ میں پیش کیا جس پر حرمین طیبین کے سر برآوردہ معتمد ۳۳ علمائے کرام نے اس کی تصدیق فرمائی۔ جسے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے حسام الحرمین کے نام سے چھپا دیا۔ حسام الحرمین کے چھپنے کے بعد دیوبندی بہت سٹ پٹائے اس کو بے اثر کرنے کے لئے پہلے یہ پروپگینڈا کیا کہ چونکہ علمائے حرمین طیبین اردو نہیں جانتے تھے اس لئے انہوں نے دیوبندیوں کی تکفیر کر دی۔اس پر شارح بخاری نے منصفانہ جائزہ میں ان کی سخت دارو گیر کی ہے۔فرماتے ہیں:

اولا : ان علما میں شیخ الدلائل استاذ العلما حضرت مولانا عبد الحق مہاجر مکی تفسیر اکلیل کے مصنف شاگرد مولانا کریم اللہ صاحب مہاجر بھی ہیں، انہوں نے کیسے تصدیق کر دی جو اردو جانتے تھے۔

حسام الحرمین میں ان کی بھی تصدیق موجود ہے۔

ثانیا: اس سال مکہ معظمہ میں انبیٹھی صاحب (جناب مولوی خلیل احمد) اور کچھ ریاست کے وہابی وزرا بھی تھے۔اس کی اطلاع بھی ملی اور انہوں نے اپنی صفائی کی بھرپور کوشش بھی کی۔ مگر علمائے مکہ نے قبول نہیں فرمایا۔جب رئیس العلما حضرت مولانا صالح کمال "علی پاشا شریف مکہ کے دربار میں دولت مکیہ سنانے تشریف لے گئے تو اسی اثنا میں آپ نے شریف علی پاشا سے خلیل احمد انبیٹھوی کے عقائد باطلہ اور ان کی کتاب براہین قاطعہ کا بھی ذکر کر دیا تھا۔ خلیل احمد انبیٹھوی کو خبر ہوئی تو آپ کے پاس کچھ اشرفیاں نذرانہ لے کر پہنچے اور عرض کی کہ حضرت! آپ مجھ پر کیوں ناراض ہیں؟ حضرت مولانا نے فرمایا کیا تم خلیل احمد ہو بولے جی ہاں۔ میرا نام خلیل احمد ہے۔

آپ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے تم نے براہین قاطعہ میں وہ شنیع باتیں کیسی لکھیں میں تو تجھے زندیق لکھ چکا ہوں۔

مولوی انبیٹھی صاحب نے مولانا صالح کمال صاحب سے کہا کہ حضرت جو باتیں میری طرف منسوب کی گئی ہیں وہ میری کتاب میں نہیں ہیں لوگوں نے مجھ پر افترا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا تمہاری کتاب چھپ کر شائع ہو چکی ہے وہ میرے پاس بھی موجود ہے۔ جب خلیل احمد نے دیکھا اب بھانڈا پھوٹنے والا ہے تو انبیٹھوی صاحب رات ہی میں جدہ بھاگ گئے۔

اس واقعہ سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ علمائے مکہ معظمہ انبیٹھی اور گنگوہی صاحبان اور ان کی براہین قاطعہ سے بہت پہلے سے واقف تھے نیز اس سے بھی واقف تھے اس کتاب میں ان لوگوں نے کفریات وضلالات لکھے ہیں۔

۲۔ علمائے حرمین طیبین کفری اور گمراہ کن عبارتوں کی بنا پر حسام الحرمین کی تصدیق سے ۱۷ سال پہلے اس کے مؤلف اور مصدق کو زندیق لکھ چکے تھے۔

۳۔ براہین قاطعہ ان حضرات کے پاس موجود تھی۔

۴۔ ان حضرات نے چاہا کہ انبیٹھی صاحب کے روبرو ان کے کفریات وضلالات کو پیش کر کے انہیں قائل کر کے توبہ کرائی جائے۔

۵۔ اس وقت تک انبیٹھی صاحب کے پاس براہین قاطعہ کی کفری عبارتوں کی کوئی ایسی تاویل و توجیہ ذہن میں نہ تھی جسے پیش کر کے وہ اپنی صفائی دے سکتے۔

۶۔ مکہ معظمہ میں ان حضرات کے علم میں ایسے مترجم تھے کہ اردو کا عربی میں ترجمہ کر سکتے تھے۔ اگر انہیں حسام الحرمین کے مضامین کے بارے میں شبہہ ہوتا تو ان مترجمین سے ترجمہ کرا کر کے تحقیق کر سکتے تھے۔ مگر چوں کہ تحقیق کے تمام مراحل ۱۷ سال پہلے طے ہو چکے تھے اس لئے اب اس کی ضرورت ہی نہ تھی۔

ثالثا: کسی کے کافر ہونے کا فتوی ایسا ہلکا نہیں کہ اجلہ علمائے کرام بلا تحقیق صرف کسی کی خوشامد و چاپلوسی سے متاثر ہو کر کسی کے کافر ہونے کا فتوی دے دیں گے۔ وہ بھی نام بنام۔

رابعا: اب آیئے مدینہ طیبہ یہاں صاحب الشہاب الثاقب دیوبندیوں کے (ابن تیمیہ) شیخ الاسلام پہلے سے انگریزوں کی طرف سے مقررہ ڈیوٹی پر موجود تھے۔ اور جیسا کہ ان کا دعوی ہے کہ میں نے مناظرے کے لئے چیلنج بھی دیا لکھتے ہیں۔

اگر حقیقتاً اعلان حق مقصود تھا تو ہم نے جب مجدد صاحب سے گفتگو طلب کی تھی تو کیوں فرار کیا تھا۔ اور کیوں کہا تھا کہ اپنے استاذوں کو بلاؤ تم ہمارے قرین نہیں ہو۔

صاحب الشہاب الثاقب کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ انہیں اس کا علم ہو چکا تھا۔ کہ ہمارے اکابر کی تکفیر کے فتوے پر علمائے مدینہ طیبہ تصدیقیں فرمارہے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ تکفیر کے وجوہ چار ہیں اب گزارش ہے کہ آپ بہت پہلے سے مدینہ طیبہ میں انگریزوں کی طرف سے لگائی ہوئی مخصوص ڈیوٹی پر متعین تھے۔ اور بقول خود مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے تھے۔ تو لازم کہ آپ کے تعلقات علمائے مدینہ طیبہ سے یقیناً تھے۔ آپ نے اپنے اکابر کی صفائی میں جی جان سے پوری کوشش کی آپ کامیاب نہ ہوسکے اور ایک پردیسی جو چند دن کے لئے حاضر ہوا تھا وہ غالب تھا اس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ علمائے مدینہ طیبہ نے طرفین کے بیانات سن کر الزام اور صفائی پر مطلع ہو کر پوری تحقیق کے بعد آپ کے اکابر کی تکفیر کا فتوی دیا ہے۔

اس سب کا حاصل یہ ہوا کہ علمائے حرمین طیبین نے اساطین دیوبندیت کی تکفیر انجانے اور نادانی میں نہیں کی ہے بلکہ پوری تحقیق اور اطمینان کے بعد کی ہے بلکہ ان میں سے بہت سے حضرات ان دیوبندی بزرگوں کے کفری اقوال پر بہت پہلے سے مطلع تھے اس لئے ماننا پڑے گا کہ انہوں نے حسام الحرمین کی تصدیق پوری تحقیق و تفتیش کے بعد کی ہے۔

کذب باری کا فتوی

دیوبندیوں کی کفری عبارتوں کے کفریات کی توضیح اور دیوبندیوں کے صفائی کی تردید ہمارے اکابر نے کما حقہ کردی ہے کہ اس کے بعد ان کے کفریات کے قطعی یقینی کفر ہونے میں ایک منصف کو ذرہ برابر شک نہیں رہتا لیکن وہ تحریر اپنے اہل فرزانہ کے مطابق ہیں اور مناظرانہ رنگ میں بہت مغلق ہیں اس سلسلے میں حبر امت مسند وقت حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ کے رسائل دیوبندیوں کی تابوت میں اخیر کیل ہیں مثلاً ''ادخال السنان، وقعات السنان، الموت الاحمر وغیرہ'' الموت الاحمر اتنی مغلق ہے کہ اس کی ایک عبارت پر شارح بخاری اور حضرت مجاہد ملت قدس سرہ کے مابین دو گھنٹے تک گفتگو ہوئی کہ اس کا صحیح مطلب کیا ہے ہمارے اکابر کا اس اغلاق سے مقصود یہ تھا کہ دیوبندی اپنی غباوت و جہالت سے اس کا صحیح مطلب سمجھ نہیں پائیں گے۔ تو جواب الجواب میں ان کی خوب درگت بنائی جائے گی۔

حضرت شارح بخاری نے ان سب مضامین کو منصفانہ جائزہ میں بہت سلیس عام فہم پیرائے میں بیان فرمادیا ہے۔ تاکہ سب کی سمجھ میں آجائے۔ لیکن اس کے باوجود ہر بحث میں حضرت شارح بخاری نے اپنی ایسی تحقیقات

بھی تحریر فرمائی ہیں جو اپنی جگہ پر بہت اہم اور بنیادی ہیں جس سے دیو بندیوں کا شیش محل چکنا چور ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کی کچھ نظیریں پہلے گزر چکی ہیں اور ایک نظیر اور ملاحظہ کریں۔

گنگوہی صاحب نے ایک فتوی دیا جو منصفانہ جائزہ میں ۱۳۲، ۱۳۳ پر بعینہ مذکور ہے جس میں گنگوہی صاحب نے تحریر فرمایا ہے "وقوع کذب کے معنی درست ہو گئے" اس قائل کو کافر کہنا تو بڑی بات ہے اس کو بدعتی ضال بھی کہنا نہیں چاہئے اس کو کوئی سخت کلمہ بھی نہ کہنا چاہئے۔ یہ گنگوہی صاحب کا ایسا صریح یقینی قطعی متعین کفر ہے جس میں دیو بندی جماعت کے کسی لال بجھکڑ کو کسی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ملی۔ گنگوہی صاحب کے مرنے کے بعد ان کے نیاز مند کہتے ہیں: یہ ان کا فتوی نہیں ان پر افترا ہے۔ خود مولانا احمد رضا خاں صاحب نے رویت ہلال کے سلسلہ میں خط معتبر نہ ہونے پر لکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خط خط کے مشابہ ہوتا ہے مہر مہر کے مشابہ ہوتی ہے تو جب ایک فرعی حکم رویت ہلال کے سلسلہ میں خط معتبر نہیں تو کفر و اسلام جیسے معاملہ میں صرف خط کا کیا اعتبار ہو گا۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے دیو بندیوں کے اس فریب کا پردا چاک کرنے کی طرف اب تک کسی کی توجہ نہ ہوئی۔ آیئے اس سلسلہ میں حضرت شارح بخاری کی محققانہ ژرف نگاہی کا نظارہ کیجئے۔ لکھتے ہیں:

"پوری دنیا کے مسلمانوں کا اس پر تعامل ہے کہ وہ بذریعہ ڈاک مفتی صاحبان کے پاس سوالات بھیجتے ہیں اور مفتی صاحبان اس کا جواب لکھ کر اپنی دستخط اور مہر کر کے بذریعہ ڈاک ہی مسائل کو واپس کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ یہ انہیں مفتی صاحب کا فتوی ہے جن کی اس میں مہر اور دستخط ہیں اور یہ اعتماد جس طرح عبادات معاملات کے سلسلہ میں ہوتا ہے اسی طرح اعتقادیات میں ہوتا ہے۔ حتی کہ اگر کسی کے بارے میں کفر کا فتوی ہوتا ہے تو مسلمان اس مفتی کے فتوے کے مطابق اسے کافر مانتے ہیں۔ اور اس کے مطابق اس کے ساتھ کافروں جیسا برتاؤ کرتے ہیں۔"

بذریعہ ڈاک آئے ہوئے فتاوی ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ دستی حاصل کئے ہوئے فتاوی کی بھی یہی حیثیت ہے۔ کہ مفتی کے دستخط اور مہر پر اعتماد کر کے اسے قابل عمل جانتے ہیں آج تک کسی نے بھی کسی مفتی کے فتوے کو یہ کہہ کے رد نہیں کیا ہے کہ اس دستخط اور مہر کا کیا اعتبار، الخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم اور نہ آج تک کسی کے فتوے کے بارے میں ثبوت کے لئے گواہان شرعی بقدر نصاب طلب کیا گیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ خط مفتی حجت ہے اور اگر گنگوہی صاحب کے نیاز مند نہ مانیں تو لازم ہے کہ دار العلوم دیو بند اور دیو بندی مولویوں کے سارے فتاوی لغو اور مہمل ہو جائیں ردی اور لاشی محض ہو جائیں۔ دیو بندیوں کو لازم ہے کہ اعلان عام کر دیں کہ اب ہمارے یہاں بذریعہ ڈاک سوالات نہ بھیجے جائیں اور نہ کوئی دستی سوال لے کر اکیلے آئے جس کو فتوی لینا ہو وہ عادل بقدر نصاب گواہوں کے ساتھ آئے اور اپنے ان گواہوں کے روبرو تکذیب باری کا فتوی

ر کور گنگوہی صاحب کا نہیں اس کی دلیل میں دیوبندی یہ بھی کہتے ہیں کہ فتاوی مذکورہ کے برخلاف فتاوی رشیدیہ میں گنگوہی صاحب کا فتوی موجود ہے۔

اس کے رد میں حضرت شارح بخاری نے جو کچھ فرمایا ہے وہ حضرت کے کشف مطالعہ اور تحقیق و تنقیح کا شاہکار ہے۔ شارح بخاری نے اس پر تین طرح گرفت کی ہے۔

اول: فتاوی رشیدیہ محفوظ نہیں اس میں بہت سے فتاوی نکال دیئے گئے جو پہلے سے چھپے تھے مثلا پہلی بار کے چھپے ہوئے مجموعہ میں جو افضل المطابع مراد آباد سے چھپا تھا اس کی جلد سوم صفحہ ۱۵۰ پر ہے سوال گائے کی اوجھڑی اور کپورے وخصیے کھانے درست ہیں یا نہیں جواب درست ہیں مگر بعد کے تمام نسخوں میں کپورے کھانے کو بدل کر کھیری کھانی کر دیا ہے مثل مشہور ہے چور بھاگتا ہے نشان قدم چھوڑتا جاتا ہے سوال میں تبدیلی کر دی مگر جواب کی عبارت درست نہیں کی کپورے جیسے ہے اس کے جواب میں یہ لکھا درست ہیں لیکن کھیری واحد ہے اس کے جواب میں بجائے ہیں کے ہے ہونا چاہئے تو جب کہ دیوبندیوں نے فتاوی رشیدیہ میں آپریشن کر کے کپورے (خصیے) نکال کر خصی کر دیا ہے اس کا کیا اعتبار۔

دوم: اگر گنگوہی صاحب کے فتاوی میں تعارض نہ ہوتا تو اس نکتہ پر غور کی گنجائش تھی لیکن فتاوی رشیدیہ کا حال یہ ہے کہ اس میں تعارض کا شمار کرنا کارے دارد حضرت شارح بخاری نے تھوڑی توجہ کے بعد بیس تعارض کو ذکر فرمایا ہے جو منصفانہ جائزہ کے صفحہ: ۱۴۷ میں مذکور ہیں یہ تعارض فتاوی رشیدیہ کے مطبوع موجود نسخوں میں ہے تو اگر کسی غیر مطبوع فتوی کا تعارض مطبوع سے ہو جائے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے مثل مشہور ہے دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔

سوم: شعوری یا غیر شعوری طور پر خود گنگوہی صاحب نے بعد میں تسلیم کر لیا ہے کہ مسئلہ امکان کذب میں ہمارا موقف امکان و قوعی ہے یعنی ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر وہ سبوح قدوس واقعی جھوٹ بول دے تو کوئی شرعی عقلی خرابی پیدا نہیں ہو گی گنگوہی صاحب نے ایک کتابچہ لکھا جس کا نام تقدیس القدیر ہے جس کو انہوں نے حسب عادت اپنے ایک شاگرد مولوی محمد حسین کے نام سے چھپوائی ہے اس کے صفحہ ۷۸ پر ہے:

"جواز و قوعی میں بحث ہے۔"

پھر صفحہ ۷۹ پر ہے:

''گفتگو جواز و قوعی میں ہے نہ جواز امکانی میں۔''

اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ واقعی اللہ تعالی جھوٹا ہے تو گنگوہی مذہب کے مطابق صحیح ہے۔

ہم نے منصفانہ جائزہ پر اپنی وسعت اور سمجھ کے مطابق یہ مختصر سا تبصرہ لکھ دیا ہے اسی سے ہر شخص اندازہ لگا لے گا کہ منصفانہ جائزہ مسئلہ تکفیر کے سلسلہ میں تابوت کی آخری کیل ہی نہیں بلکہ اس کے دفن کے مرادف ہے اور یہی وجہ ہے کہ منصفانہ جائزہ کو چھپے ہوئے گیارہ سال ہو چکے ہیں اس کے پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں پہلی بار کے مطبوعہ کا ایک ایک نسخہ تمام دیو بندی مراکز میں بھیجا جا چکا ہے۔ خود سنبھلی صاحب کی خدمت میں بھیجا جا چکا ہے مگر اب تک کہیں کسی سے جواب کی کوئی خبر نہیں اور نہ قیامت تک کوئی دیو بندی اس کا جواب لکھ سکتا ہے۔

کیوں نہیں بولتے صبح کے طیور
کیا شفق نے کھلا دیئے سیندور

منصفانہ جائزہ جہاں ایک طرف علمی تحقیقی کتاب ہے اسی طرح اردو ادب میں بھی شاہکار ہے اس کے سیکڑوں جملے اعلی ادب اور طنز ملیح کے ایسے نادر نمونے ہیں کہ بڑے بڑے طنز نگار ادیب انگشت بدنداں ہیں۔ جی تو یہ چاہ رہا تھا کہ اس کے کچھ نمونے ہدیہ ناظرین کروں لیکن اس خاص نمبر کے کار پرداز صاحبان نے سخت تاکید کر دی ہے کہ مضمون پچیس صفحات سے زائد نہ ہو اس لیے حضرت شارح بخاری کی خدمت میں یہ شعر نذر کرتے ہوئے رخصت ہو رہا ہوں۔

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گل چیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

مولانا صدر الوری قادری مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڈھ

اسلام اور چاند کا سفر - ایک مطالعہ

عمدۃ المحققین سند المدققین فقیہ النفس شارح بخاری حضرت علامہ الحاج مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم القدسیہ صدر شعبہ افتاو ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ یوپی جہاں علوم دینیہ اور فقاہت و درایت میں اپنی مثال آپ ہیں وہیں علوم جدیدہ ہیئت و فلکیات میں بھی ایک مہر تاباں کی حیثیت سے فلک تحقیق و تدقیق میں جگمگا رہے ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں امریکن خلابازوں نے جب یہ دعوی کیا کہ ان کا اپالو چاند تک پہنچ گیا ہے۔ اس وقت پوری دنیا میں کہرام مچ گیا سارا عالم حیرت میں مبتلا ہو گیا۔ خود علمائے اسلام اس بارے میں مختلف الرائے ہو گئے۔ ان کا ایک بڑا طبقہ اس خبر کو کذب و فریب بتا کر چاند تک انسان کی رسائی کو ناممکن اور محال بتا رہا تھا۔ بلکہ کچھ ایسے متقشف حضرات تھے جو اس کو کفر سمجھ رہے تھے۔ اس موضوع پر ان کے علمی شاہکار بھی منظر عام پر آئے چنانچہ شارح بخاری صدر العلما بدر الفضلا حضرت علامہ سید غلام جیلانی صاحب میر ٹھی علیہ الرحمہ کے دو رسالے معرض وجود میں آئے:

۱- صحیح النظر
۲- صحیح المسلک

ان دو رسالوں میں قبلہ میر ٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ثابت کیا کہ چاند تک کسی بھی انسان کی رسائی ممکن نہیں۔ امریکہ و روس کے خلابازوں نے چاند پر پہنچنے کی خبر جو پھیلا رکھی ہے وہ سرتاپا جھوٹ اور فریب ہے۔

مگر جن باتوں کا تعلق مشاہدہ سے ہو انھیں محض جھوٹ اور فریب کہہ کر ٹال دینا یکسر نظر انداز کر دینا۔ اس سے ہم اپنے مریدین معتقدین کو تو مطمئن کر سکتے ہیں مگر اہل تحقیق کا طبقہ ہرگز اس سے اطمینان کی سانس نہیں لے سکتا بلکہ وہ اپنی عادت کے مطابق ان میں غور فکر کرے گا ہر طرف نگاہ دوڑائے گا۔ اگر اس کی تحقیق میں ان باتوں کی حقانیت ثابت ہو گی اور شرعی نقطہ نظر سے بھی ان

باتوں کے ماننے میں کوئی نقص و عیب نہ ہوگا تو انھیں تسلیم کر لینے میں اسے کوئی ہتک نہ ہوگی۔ اور اس کے معیار تحقیق پر وہ باتیں نہ اتریں تو ان باتوں کے آگے وہ سر تسلیم خم نہیں کر سکتا یا شرعی اعتبار سے ان پر کوئی نقص لازم آیا تو بھی ان باتوں کی طرف وہ ہرگز التفات نہیں کر سکتا۔

زیر تحریر مسئلہ میں معاملہ کچھ ایسا ہی ہوا کہ امریکیوں نے جب یہ خبر پوری دنیا میں پھیلادی کہ ان کا اپالو چاند تک پہنچ گیا ہے تو محقق عصر شارح بخاری مد ظلہ العالی نے اسلام اور علم ہیئت کے اصول پر اس خبر کا تحقیقی جائزہ لیا کہ چاند تک کسی انسان کی رسائی ممکن ہے یا نہیں؟ میدان تحقیق میں آپ نے اپنی فکر دوڑائی قدیم اہل ہیئت کے اصول کو سامنے رکھا موجودہ اہل یورپ کے رجحانات کا جائزہ لیا۔ پھر آیات قرآنیہ اور ان کی تفاسیر کی روشنی میں اسلامی معیار پر اس خبر کو پرکھا تو آپ اس نتیجہ تک پہنچے کہ چاند تک کسی بھی انسان کی رسائی ممکن ہے۔ اس میں کوئی شرعی استحالہ نہیں۔ اور اس موضوع پر آپ نے مستقل ایک رسالہ تصنیف فرمایا جو "اسلام اور چاند کا سفر" کے نام سے برصغیر میں معروف و مشہور اور مقبول خاص و عام ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ حضرت شارح بخاری مد ظلہ العالی نے اس رسالہ کو اس ذات گرامی کی خدمت میں نذر کیا جن کے فیوض و برکات اور جن کے علمی آبشار یعنی ازہر ہند الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڈھ سے آج پورا عالم اسلام اپنی تشنگی بجھا رہا ہے اور جن کی روحانیت آج بھی الجامعۃ الاشرفیہ کے اساتذہ، طلبہ، ارا کین اور اہل سنت کے دیگر افراد پر سایہ فگن ہے میری مراد جلالۃ العلم استاذ العلما حضور حافظ ملت علامہ شاہ مفتی عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ والرضوان ہیں۔ حضور شارح بخاری رقمطراز ہیں:

انتساب

اپنے گہوارہ تعلیم و تربیت "دار العلوم اشرفیہ" کی نشاۃ ثانیہ اور عظیم عمارت کے سنگ بنیاد رکھنے کی اس مبارک تقریب پر میں اپنی حقیر تالیف

"اسلام اور چاند کا سفر"

استاذی، سیدی، سندی استاذ العلما تاج العرفا جلالۃ العلم حافظ ملت حضرت مولانا الحاج الشیخ حافظ عبد العزیز صاحب قبلہ دام ظلہم العالی کی خدمت میں نذر کرتے ہوئے غنائے عثمانی فقر حیدری کے وارثین "مبارکپور" کے ان باحوصلہ اولوالعزم ملت کے دیوانوں کے نام معنون کرتا ہوں جن کے ایثار و قربانی خلوص دللّٰہیت اور انفاق فی سبیل اللہ کے عدیم المثال کردار نے کروڑوں مسلمانان اہل سنت کے دھڑکتے ہوئے

دلوں کی تکمیل کا سامان پیدا کر دیا۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

محمد شریف الحق امجدی

جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور، گونڈہ (یوپی)

۵/ دسمبر ۱۹۷۱ء

رسالہ "اسلام اور چاند کا سفر" جب معرض وجود میں آیا اس وقت شارح بخاری مد ظلہ انوار القرآن بلرامپور میں شیخ الحدیث تھے مگر جامعہ اشرفیہ سے الفت حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان سے عقیدت، اہل مبارکپور کی محبت آپ کی رگوں میں ایسی گردش کر رہی تھی کہ اس کتاب کو جامعہ اشرفیہ کی فلک بوس عمارت کے سنگ بنیاد رکھنے پر فلک تعلیم وتربیت کے مہ تاباں تک سیر کر کے اس کی بارگاہ میں نذر کیا جس کی چاندنی سے پورا خطہ اشرفیہ بقعہ نور بنا رہتا ہے اور اہل مبارکپور سے معنون کیا جو موجودہ دور میں اخلاص وایثار میں اپنی مثال آپ ہیں۔

اس رسالہ کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے وہ رسالہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی عقیدت اور محبت سے سرشار ہو کر تصنیف فرمایا چنانچہ پہلے ایڈیشن میں کتابت کی غلطی سے جلالۃ العلم حافظ ملت علیہ الرحمہ کے بارے میں دام ظلہ العالی کی جگہ دامت ظلہ العالی شائع ہو گیا جس پر قبلہ میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ نے صحیح المسلک میں جو تمسخرانہ انداز میں یہ ریمارک لگایا:

> اپنے استاذ دوم جناب مولانا حافظ عبد العزیز صاحب شیخ الحدیث دار العلوم اشرفیہ مبارکپور کی خدمت میں اس کتاب کو بطور نذر پیش کیا ہے ان کے حق میں (دامت ظلہ العالی) لکھ کر ان کے ظل عاطفت کو جامۂ انوثیت پہنا دیا۔ اب یہ فیصلہ ناظرین پر ہے کہ اس کو مدح بما یشبہ الذم کے قبیل سے کہا جا سکتا ہے یا نہیں"۔

تو حضرت شارح بخاری مد ظلہ العالی کی عقیدت جوش میں آئی اور اس تقدس مآب شخصیت کے بارے میں ان دلخراش جملوں سے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا جس کے نتیجے میں محبت میں ڈوب کر یہ تحریر فرمایا:

> "میرے اوپر جو عنایتیں ہوئی ہیں اس کا نہ جواب دینا ہے نہ دوں گا اور نہ وہ میرے لئے کسی تکلیف کا باعث ہے البتہ جہاں جہاں جلالۃ العلم استاذ العلما حضور حافظ ملت دامت برکاتہم العالیہ پر طعن کیا گیا ہے، وہ میرے لئے ضرور انتہائی تکلیف دہ واذیت ناک ہے ان کی عدالت میں مجرم تھا، تو میں تھا اس کی سزا مجھے ملنی چاہئے تھی اور

میرے سرکار نے سزا دینے میں کوئی کسر نہیں رکھی۔ مگر میرے جرم پر حضور حافظ ملت دامت برکاتہم القدسیہ کو مورد طعن بنانا، ان کو غیظ و غضب کا نشانہ ٹھہرانا کبھی بھی کسی منصف کے نزدیک لائق ستائش کام نہیں۔ کس قدر تکلیف دہ بات ہے کہ کاتب نے دام ظلہ العالی میں دامت لکھ دیا۔ اس پر یہ تحریر فرمایا۔ اپنے استاذ دوم جناب مولٰینا حافظ عبد العزیز صاحب شیخ الحدیث دار العلوم اشرفیہ مبارکپور کی خدمت میں اس کتاب کو بطور نذر پیش کیا ہے ان کے حق میں دامت ظلہ العالی لکھ کر ان کے ظل عافیت کو جامہ انوثیت پہنا دیا۔ اب یہ فیصلہ ناظرین پر ہے کہ اس کو مدح بمایشبہ الذم کے قبیل سے کہا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اتنی اونچی مسند سے ایسی بات

ایں چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم "

(ص ۱۰-۱۱)

یہ تھی جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے حضرت شارح بخاری کی عقیدت جو ایک ایک سطر سے نمایاں ہے۔ اب آیئے تحریر کے اپالو سے فلکیات کی سیر کریں اور شارح بخاری کی ضیاپاش تحریروں سے اندازہ لگائیں کہ چاند تک انسان کی رسائی کیسے ممکن ہے۔ پھر حضرت میر ٹھی صاحب علیہ الرحمہ سے شارح بخاری کے جو باادب معروضات ہیں ان کا جائزہ لیا جائے۔ اس کے بعد یہ فیصلہ ہمیں اور آپ کو کرنا ہے کہ حضرت میر ٹھی صاحب علیہ الرحمہ سے شارح بخاری کا اختلاف نفسانیت پر مبنی ہے یا اخلاص وللہیت پر؟ بہر حال یہ گفتگو ابھی ہم کچھ دیر کے لئے ملتوی رکھتے ہیں۔ بر وقت اصل مسئلہ پر روشنی ڈالنے کے لئے بطور تمہید فلکیات کی کچھ باتیں نذر قارئین کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

فلکیات کے مختلف ادوار

چاند، سورج، ستارے کیا ہیں؟ ان کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ ان کا حجم کتنا بڑا ہے؟ رفتار کیسی ہے؟ ان کا محل وقوع کیا ہے؟ آسمان میں ہیں یا آسمان کے نیچے؟ ان کے درمیان فاصلہ کتنا ہے؟ ان کا طلوع و غروب کیسے ہوتا ہے؟ پھر آسمان کا کوئی مستقل وجود ہے؟ یا یہ نیلگوں قبہ فضا کا خلا ہے جس میں سورج کی نیلی لہریں ہوا کے ذروں میں منعکس ہو کر ہمیں نظر آتی ہیں۔ پھر انھیں سب باتوں کے تناظر میں چاند تک کسی انسان کی رسائی ممکن ہے یا نہیں؟ غرضیکہ فلکیات کا یہ علم اتنا قدیم

ترین اور ابتدا میں اتنا مخفی اور پوشیدہ تھا کہ پہلے یہ علم "بابل و نینوا" میں پھیلا پھر اس کے بعد ایران، ہندوستان اور چین کے پجاریوں نے لیا۔ پھر پانچویں صدی قبل مسیح میں یہ علم کسی طرح یونان پہنچا اور یونان کے فلاسفہ اور نجومیوں نے اس میں کافی انہاک برتا اور فلکیات سے متعلق طرح طرح کے سوالات قائم کئے۔ مثلاً چاند، سورج، ستارے کہاں ہیں؟ یہ کیسے وجود میں آئے یہ کیسے چمک رہے ہیں؟ کیسے فضا میں قائم ہیں ان کی جسامت کیا ہے یہ زمین سے کتنے فاصلے پر ہیں؟ یہ حرکت کیوں کرتے نظر آتے ہیں؟ ان سوالات کو ہر دور میں حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ یونان میں سب سے پہلے فیثاغورث اور اس کے شاگردوں نے افلاک کے متعلق یہ نظریہ قائم کیا کہ چاند، سورج، ستارے ایک ایک جرم میں جڑے ہوئے ہیں اور یہ اجرام ایک ہی مرکز پر حرکت کرتے ہیں۔ فیثاغورث کے بعد ارسطو نے اسی نظریہ کی تائید کی۔ ارسطو کے بعد ایرخس پیدا ہوا جو عہد قدیم کا سب سے بڑا ہیئت داں مانا جاتا ہے۔ اس نے فیثاغورث کے قائم کردہ نظریات کی تائید بھی کی۔ مزید معلومات کا اضافہ کیا۔ ایرخس کے بعد مصر میں ایک بہت بڑا ماہر ہیئت پیدا ہوا جس کا نام بطلیموس ہے، اس نے نظریہ افلاک کی تشکیل یہ کی:

> "بیچ میں زمین ہے زمین کے اوپر پانی، پانی کے اوپر ہوا، ہوا کے اوپر نار اور ان سب کے اوپر نو آسمان سارے عالم کو محیط ہیں۔ زمین کا مرکز سب آسمانوں کا مرکز ہے۔ اسی مرکز کے گرد سب آسمان حرکت کرتے ہیں۔ مگر زمیں خود ساکن ہے۔ اس میں کسی قسم کی کوئی حرکت نہیں"۔

ساتھ ہی بطلیموس نے ستاروں کی شناخت کے لئے رصد گاہیں بنائی جہاں سے ستاروں کا مشاہدہ کیا ان کے احوال و کوائف معلوم کئے ان کے جسم اور ان کی حرکتوں کا انکشاف کیا حتیٰ کہ اس موضوع پر اس نے ایک مستقل کتاب تالیف کی جس کا نام مجسطی ہے۔

اس کتاب کے معرض وجود میں آنے کے بعد فلکیات کے سلسلے میں لوگ دو جماعتوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک جماعت نے نجومیوں کا طریقہ اپنایا اور انھوں نے جو کرے بنائے رصد گاہوں کے ذریعہ فلک البروج کے ستاروں کا جو انکشاف کیا اور ان کی جو شکلیں بنائیں بالخصوص بطلیموس نے مجسطی میں جن ستاروں کا ذکر کیا۔ غرضیکہ قدیم نجومیوں کے نظریات و خیالات پر اعتماد کیا اور جو کچھ مجسطی میں انھیں ملا اس کی تائید ہی نہیں بلکہ اس میں مزید معلومات کا اضافہ بھی کیا مثلاً بطلیموس نے جس تاریخ میں ستاروں کی رصد کی تھی اس وقت ستاروں کی حرکت کیا تھی اور بعد کے منجمین نے جب رصد کیا

تو ستاروں کی حرکتیں اتنی ہی رہیں یا ان میں کچھ زیادتی بھی ہوئی، اس قسم کے بعض نئے گوشے بھی اجاگر کیے۔ صوفی عبد الرحمن بن عمر متوفی ۳۷۶ھ اپنی مایۂ ناز کتاب "صور الکواکب" میں رقمطراز ہیں:

إنی رأیت کثیرا من الناس یخوضون فی طلب معرفة الکواکب الثابته و مواقعها من الفلك وصورها وجدتهم علی فرقتین احدا هما تسلك طریقة المنجمین ومعولها علیٰ کرات مصورة من عمل من لم یعرف الکواکب بأعیانها وإنما عولوا علیٰ ماوجد فی الکتب من أطوالها و عروضها فرسموها فی الکرة من غیر معرفة بصوابها من خطأها و ادعی مؤلفوها انهم قد رصدوها و عرفوا مواضعها و انما عمدوا إلی الکواکب المشهورة التی یعرفها کثیر من الخاص والعام وهذه الکواکب هی التی ذکر بطلیموس أنه رصدها بأطوالها و عروضها وأثبتها فی کتابه المعروف بالمجسطی ثم عمدوا بعد ذلك إلی الکواکب الثابته الأخر التی أثبتها بطلیموس فی الجدول من کتابه فزادوا علیٰ کل واحد منها مقدار ماوجدوا من حرکات هذه الکوکب فی المدة التی بین رصدهم، وتاریخ بطلیموس من السنین (ص ۱-۲) مطبع عثمانیه حیدر آباد.

بیشک میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ وہ ثابت ستاروں اور آسمان میں ان کے محل وقوع اور ان کی صورتوں کے بارے میں غور و خوض کرتے ہیں۔ میں نے انھیں دو جماعتوں میں پایا ایک جماعت تو نجومیوں کا طریقہ اپناتی ہے اور ان کا اعتماد ان کروں پر ہے جو بنائے ہوئے ہیں جنھیں خود ستاروں کا علم نہیں بس انھوں نے اسی پر بھروسہ کرلیا جو ان کتابوں کے طول و عرض میں انھیں ملا تو کرہ میں ستاروں کی صورتیں بنالیں بغیر یہ جانے ہوئے کیا صحیح ہے کیا غلط ہے ان کتابوں کے مولفوں کا یہ دعویٰ ہے کہ انھوں نے ستاروں کی رصد کی ہے ان کی جائے وقوع کو پہچان لیا ہے حالانکہ انھوں نے صرف ان مشہور ستاروں کا رخ کیا ہے جنھیں بہت سے عوام و خواص جانتے ہیں۔ یہ ستارے وہی ہیں جن کے بارے میں بطلیموس نے ذکر کیا ہے کہ اس نے ان ستاروں کے طول و عرض کی رصد کی ہے اور اپنی کتاب مجسطی میں انھیں ثابت رکھا ہے پھر اس کے بعد انھوں نے دوسرے ان ستاروں کا رخ کیا جنھیں ان میں ہر ایک پر اس کی مقدار میں اضافہ کیا جو انھیں ان ستاروں کی حرکتیں اس مدت میں ملیں جو ان کی رصد اور بطلیموس کی تاریخ کے درمیان ہے۔

اسی کے ساتھ ہی دوسری جماعت وہ ہے جس نے قدیم نجومیوں کے رجحانات کو پس پشت ڈال کر عرب کا نظریہ اپنایا۔ پچھتروں اور منازل قمر کے حالات کے سلسلے میں عربوں نے جو اپنے خیالات ظاہر کیے اور جو اصول و ضوابط وضع کیے انھیں ذہن و فکر میں بسایا ان کی

اتباع میں کوئی کسر باقی نہ رکھی ہر طرح سے اپنے کو ان کا پابند بنایا چنانچہ عربوں کے نظریات کے مطابق ابو حنیفہ دینوری متوفی ۲۸۳ھ کی کتاب کامل ترین اور کافی شہرت کی حامل ہوئی صوفی عبد الرحمٰن رقمطراز ہیں:

واما لفرقة الأخرى فإنها سلكت طريقة العرب فى معرفة الأنواء و منازل القمر و معولهم على ما وجدوه فى الكتب المؤلفة فى هذا المعنى و جدنا فى الأنواء كتبا كثيرة أتمها وأكملها فى فنه كتاب أبى حنيفة الدينورى.

(صور الكوكب ص ۷)

رہی دوسری جماعت تو اس نے پچھتروں اور منازل قمر کی معرفت میں عربوں کا طریقہ اپنایا ان کا اعتماد اس فن میں تالیف شدہ ان کتابوں پر تھا جو انھیں مل سکیں پچھتروں کے بارے میں یوں تو ہمیں بہت سی کتابیں ملیں۔ مگر اس فن میں سب سے کامل ترین کتاب ابو حنیفہ دینوری کی ہے۔

ان تمام جامعیت اور تمامیت کے باوجود یہ کتاب کچھ زیادہ مقبول نہ ہو سکی کیونکہ اس میں بہت سی خامیاں تھیں جن پر ہر طالب علم ہیئت و نجوم کی نگاہ پڑ گئی صوفی عبد الرحمٰن ابو حنیفہ دینوری اور اس کی کتاب کا اجمالی تعارف کراتے ہوئے فرماتے ہیں:

كل من عرف من الفرقتين إحدى الطريقتين لم يعرف الأخرى وألف فى كتابه أشياء من غير الفن الذى أخذفيه نادى بها على نفسه بالخطأ وخفة البضاعة فيه منهم أبو حنيفة.

(صور الكواكب ص ۸)

دونوں جماعتوں میں سے جس نے بھی ایک طریقہ جانا اسے دوسرا طریقہ معلوم نہ ہوا اور اس نے اپنی کتاب میں اس فن کے علاوہ کی بات لکھ دی جسے شروع کیا اس سے خود اپنے اوپر خطا اور اس میں قلت علم کا اعلان کر دیا انھیں میں سے ابو حنیفہ دینوری بھی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عام طور پر صرف اہل عجم ہی نہیں بلکہ اہل عرب کے دلوں میں بھی بطلیموس ہی کی کتاب رچ بس گئی۔ اس کے خلاف ایک لفظ بھی کہنا سننا گوارہ نہیں کرتے بلکہ اس نے مجسطی میں جو کچھ باتیں بیان کی اور افلاک و نجوم کے بارے میں جو انکشافات کئے ان کی تحقیق و تفتیش کے لئے خود ممالک اسلامیہ میں بہترین قسم کی رصد گاہیں قائم ہوئیں۔ نئے قسم کے آلات فراہم کئے گئے اور نئی زیچیں مرتب کی گئیں۔ حضرت شارح بخاری مد ظلہ العالی ممالک اسلامیہ اور سلاطین اسلام میں بطلیموس کے نظریات اور اس کی کتاب مجسطی کی قبولیت اور فن ہیئت کے مسلمانوں کے شغف کا تذکرہ

کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ہارون رشید کے عہد میں المجسطی کا پہلا عربی ترجمہ ہوا اور جب اعتزال پسند مامون کا دور آیا تو اس نے اپنی توجہ اس طرف مبذول کر دی جس کے نتیجہ میں محمد بن موسی خوارزمی نے سدھانت کا نیا ترجمہ کیا۔ توضیح کے لئے اس پر حواشی کا اضافہ کیا اور اس کے دور میں حجاج بن مطر نے المجسطی کا دوسرا ترجمہ کیا جو پہلے ترجمہ کے مقابل بہت اچھا تھا۔

بغداد میں ان علوم و فنون کی تعلیم و تعلم کے لئے بیت الحکمۃ کا قیام ہوا۔ اسی کے تحت باب شمسیہ کے قریب ایک اعلیٰ درجہ کی رصدگاہ قائم ہوئی، جس میں دنیا کے بہترین آلات رصدیہ موجود تھے۔ جندی میں اس سے پہلے ایک رصدگاہ قائم ہو چکی تھی۔ موسیٰ بن شاکر کے تینوں بیٹوں کی بغداد ہی میں الگ الگ رصدگاہیں تھیں اس کے علاوہ دمشق کے باہر جبل قاسیون پر بھی ایک رصدگاہ تھی۔

ان رصدگاہوں سے مجسطی کی بیان کردہ باتوں کی چھان بین ہوئی اور اپنے مشاہدوں کی بنا پر سندھند کے طرز پر نئی زیچیں مرتب کی گئیں۔ مامون ہی کے زمانے میں زمین کے محیط کی مساحت معلوم کرنے کا خیال اٹھا۔ مامون کے اشارے سے بنو موسیٰ اور دوسرے ماہرین نے قطب شمالی سے اندازہ کر کے اصول حساب کی مدد سے بتایا کہ زمین کا محیط ۲۴۰۰۰ اور قطر ۶۵۰۰ میل ہے یہ اگرچہ صحیح نہیں مگر صحیح سے اس قدر قریب کہ ابتدائی کاوش میں اتنا بتا دینا بھی لائق صد ستائش ہے اور جب مسلمانوں کو فلکیات کا چسکہ پڑ گیا تو انھوں نے بطلیموس کی تقلید جامد نہیں کی بلکہ اپنے تجربے و مشاہدے سے نئی معلومات حاصل کیں اور اس فن میں مزید اضافے کئے۔ اگرچہ مسلمانوں کی سلطنتوں میں تغیر و تبدل عروج و زوال ہوتا رہا مگر یہ فن سدا بہار رہا۔

(اسلام اور چاند کا سفر ص ۲۰-۲۱)

جیسا کہ گزر چکا بطلیموس نے اپنے نظریہ افلاک میں عالم کا مرکز زمین کو بتایا اور یہ نظریہ اتنا ترقی کر چکا تھا کہ اہل عرب ہی نہیں بلکہ سولہویں صدی عیسوی تک اہل یورپ کو بھی تسلیم کرنا پڑا تھا۔ اس کے خلاف مجال دم زدن نہ تھی کہ ۱۵۴۳ء میں پولینڈ کے مشہور نجومی کوپرنکس نے بطلیموس کے خلاف ایک دوسرا نظریہ قائم کیا کہ عالم کا مرکز زمین نہیں بلکہ سورج ہے۔ مگر یہ نظریہ کوپرنکس کا کوئی اختراعی نہ تھا بلکہ بطلیموس سے پہلے ارسٹاکس نے یہی نظریہ اپنایا تھا۔ جسے بطلیموس نے کالعدم

قرار دیا تھا۔ مگر کوپر نکس نے اسی نظریہ کو دوبارہ زندہ کیا اور سترہویں صدی میں اطالیہ کے گلیلو نے اس کی بہت سے الجھی ہوئی گتھیاں سلجھائیں مزید معلومات فراہم کیں شارح بخاری اس نظریہ کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"بطلیموس کا نظریہ ترقی کرتے کرتے اپنے اوج کمال کو پہنچ چکا تھا اس کی ایک ایک نوک پلک درست کی جاچکی تھی اور یہ نظریہ فنی حیثیت سے بھی اتنا آگے بڑھ چکا تھا کہ اس میں کسی اضافہ کا سوال ہی نہیں تھا اور پوری دنیا اس کے آگے سر تسلیم خم کئے ہوئے تھی۔ عربوں کا سارا سرمایہ ترجمہ ہو کر لاطینی اور یورپ کی دوسری ترقی یافتہ زبانوں میں منتقل ہوتا رہا اور اہل یورپ کو بھی سولہویں صدی تک اسے تسلیم ہی کرنا پڑتا تھا کہ اچانک ۱۵۴۳ء میں پولینڈ کے مشہور منجم کوپر نکس نے بطلیموس کے نظریہ کے خلاف دوسرا نظریہ پیش کیا کہ عالم کا مرکز زمین نہیں بلکہ سورج ہے اور دیگر سیاروں کی طرح زمین بھی سورج کے گرد حرکت کرتی رہتی ہے۔

یہ نظریہ کوپر نکس کا اختراعی نہیں۔ اس سے سینکڑوں سال پہلے بلکہ بطلیموس سے بھی پہلے ارسٹاکس اور دو ایک دوسرے یونانی فلسفیوں کا بھی یہی خیال تھا۔ لیکن بطلیموس نے اپنے زور بیان اور استدلالات سے اس نظریہ کو نسیاً منسیا کر دیا تھا۔ کوپر نکس نے اس نظریہ کو جسے نظام شمسی کہا جاتا ہے دوبارہ زندہ کیا۔ اس کے بعد جرمن کے کپلر نے اور اطالیہ کے گلیلو نے سترہویں صدی میں اس نظریہ کے تاریک گوشے اجاگر کئے اور اس کی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھایا۔ کپلر نے سورج کے گرد سیاروں کی گردش کے اصول مدون کئے اور یہ ثابت کیا کہ یہ گردش کروی نہیں۔

گلیلو ہی نے اپنے دوربین کی مدد سے اس نظریہ کو اور مستحکم کرنے کی کوشش کی۔ گلیلو ہی نے اپنے دوربین کی مدد سے سورج کے دھبے، چاند کے پہاڑ، مشتری کے چاند، زحل کے حلقے، زہرہ کی مختلف ہیئتیں، کہکشاں کی گرد میں ان گنت ستارے دیکھے۔

(اسلام اور چاند کا سفر ص ۲۵)

گلیلو کے بعد برطانیہ میں ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام نیوٹن تھا اس نے کائنات میں کشش ثقل دریافت کی اور یہ ثابت کیا کہ سارا نظام کائنات کشش ثقل ہی پر مبنی ہے بلکہ ستاروں کی گردش کے جو

قاعدے وضع ہوئے وہ بھی کشش ثقل ہی کی بنا پر منطبق ہیں۔ اس کے بعد ولیم ہرشل نے بڑی بڑی دوربینیں بنائیں جن کی مدد سے سات سیاروں (زحل، مریخ، عطارد، شمس، مشتری، زہرہ، قمر) کے علاوہ ایک آٹھواں سیارہ یورے نس دریافت کیا۔ اس کے بعد ہی ایک اور سیارہ نپ ٹیون دیکھا گیا۔ اس طرح سیاروں کی تعداد نو ہو گئی۔

حکمائے یونان کا نظریہ

ہزاروں برس سے جو پوری دنیا کا عقیدہ رہا ہے وہ یہ ہے کہ پورا نظام کائنات تیرہ کروں پر مشتمل ہے ان میں ہر ایک کرہ دوسرے کرے سے پیاز کے چھلکے کی طرح ملا ہوا ہے۔ ان تیرہ کروں میں نو آسمان ہیں جن کی ترتیب یہ ہے:

۱- فلک اطلس	۵- فلک مریخ
۲- فلک ثوابت	۶- فلک شمس
۳- فلک زحل	۷- فلک زہرہ
۴- فلک مشتری	۸- فلک عطارد

ان نو کرات افلاک کے بعد عناصر کے چار کرے ہیں ان کی ترتیب یہ ہے:

۱- کرۂ نار	۳- کرۂ ماء
۲- کرۂ ہوا	۴- کرۂ ارض

موجودہ اہل یورپ کا نظریہ

اہل یونان کے اس نظریہ کے بعد موجودہ اہل یورپ کا بھی نظریہ شارح بخاری کی ہی زبان میں ملاحظہ فرمایئے:

> ہزار ہا سال کے بطلیموسی نظریہ کو موجودہ سائنسدانوں نے پاش پاش کر کے رکھ دیا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ آسمان کا کوئی وجود نہیں۔ ہم جو نیلگوں قبہ دیکھ رہے ہیں یہ کوئی جرم نہیں۔ بلکہ فضا کا خلا ہے سورج کی کرنیں قوس و قزح کے رنگ میں مرکب ہیں۔ سورج سے ان سب رنگوں کی شعاعیں لہروں کی شکل میں جدا ہو کر زمین کی طرف آتی ہیں۔ درمیان میں کرۂ ہوا ہے۔ سرخ رنگ کی لہریں کرۂ ہوا کو پار کر کے سیدھی زمین پر پہنچتی ہیں۔ مگر نیلی لہریں ہوا کے ذروں سے متصادم ہو کر ٹوٹ جاتی

ہیں اور فضا میں منتشر ہو جاتی ہیں۔ یہی سورج کی نیلی لہریں ہوا کے ذروں میں منعکس ہو کر ہمیں نظر آتی ہیں اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے سر پر نیلا شامیانہ تنا ہوا ہے اگر درمیان میں کرہ ہوا نہ ہوتا تو ہم کو فضا بالکل سیاہ نظر آتی جیسا کہ چاند سے نظر آتی ہے۔ اس لئے کہ چاند پر ہوا کا وجود نہیں............ ان کی دریافت کے مطابق کائنات کا نظام یہ ہے:

بیچ میں سورج ہے۔ سورج کے تین کروڑ ساٹھ لاکھ میل کے فاصلہ پر عطارد ہے۔ اسے ہندی میں بدھ فارسی میں دبیر فلک کہتے ہیں۔ اس کے بعد زہرہ ہے جو سورج سے چھ کروڑ ستر لاکھ میل کی دوری پر ہے۔ اس کے بعد یہ زمین ہے۔ اس کا فاصلہ سورج سے نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ پھر مریخ ہے یہ سورج سے چودہ کروڑ میل کی دوری پر اوسطاً رہتا ہے۔ اس کے بعد مشتری ہے اس کی مسافت سورج سے اڑتالیس کروڑ میل سے کچھ زیادہ ہے۔ یہ پانچ ستارے بغیر دوربین کی مدد کے آنکھ سے بھی نظر آتے ہیں۔ ان کے بعد یورینس ہے یہ سورج سے ایک ارب اٹھہتر لاکھ میل دور ہے۔ اس کے بعد نپ ٹیون ہے یہ سورج سے دو ارب اسی لاکھ میل کی دوری پر ہے۔ سب سے اخیر میں پلوٹو ہے یہ سورج سے تقریباً تین ارب میل کے فاصلہ پر ہے۔

(ص ۳۹-۴۰)

پھر تلخیص کے طور پر شارح بخاری نے خلاصۂ ابحاث میں ان کا مذہب یہ تحریر فرمایا:

چاند و سورج جملہ ستارے فضا میں ہیں ان کے مذہب کی رو سے انسان کا چاند پر پہنچنا ممکن ہے بلکہ انسان چاند پر پہنچ گیا۔

(ص ۷۳)

اسلامی نقطۂ نظر

اہل یونان اور موجودہ اہل یورپ کے نظریہ کے بعد اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت یہ فرمائی کہ چاند سورج ستارے آسمان کے نیچے ہیں یہی جمہور مفسرین کا قول ہے۔ اس بنیاد پر خلائی جہاز یا دوسرے ذرائع سے چاند پر کسی بھی انسان کا پہنچنا ممکن ہے ارشاد ربانی ہے:

﴿کل فی فلک یسبحون﴾ (چاند سورج ستارے) ہر ایک، ایک گھیرے میں تیر رہے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں فلک سے کیا مراد ہے۔ اس سلسلے میں شارح بخاری نے تفسیر خازن سے پانچ اقوال نقل فرمائے (۱) مدار (۲) مطلق گولائی (۳) آسمان (۴) چکی کی گولائی (۵) موج مکفوف۔

پھر علامہ ابو البرکات نسفی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد سے یہ ثابت کیا کہ اگر چہ حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کا قول یہی ہے کہ فلک سے آسمان مراد ہے مگر جمہور مفسرین کا قول یہی ہے کہ فلک سے مراد موج مکفوف ہی ہے جو آسمان کے نیچے ہے اسی میں چاند سورج ستارے چلتے ہیں۔ تفسیر نسفی میں ہے:

عن ابن عباس أن المراد بالفلك السماء والجمهور على أن الفلك موج مكفوف تحت السماء تجرى فيه الشمس والقمر والنجوم. (سورہ انبیا) ابن عباس سے مروی ہے کہ فلک سے مراد آسمان ہے اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ فلک سے مراد موج مکفوف ہے جو آسمان کے نیچے ہے۔ جس میں سوج اور چاند اور ستارے چلتے ہیں۔

اب رہا یہ شبہ کہ آیت کریمہ میں فلک سے آسمان اول مراد ہے تو اس شبہ کا ازالہ چار طریقہ سے فرمایا جن کی تفصیل یہ ہے:

۱- خازن نے "دون السماء" کہا ہے۔ "دون" کے معنی علاوہ کے بھی ہیں اور قریب کے بھی۔ ان دونوں میں سے جو معنی بھی مراد لیں موج مکفوف آسمان اول کے مغائر ہی ہو گی۔ پہلے پر تو بالکل ظاہر ہے دوسرے معنی پر یوں کہ ہر قریب ماقرب منہ کے مغایر ہوتا ہے۔

۲- علامہ نسفی نے اسے "تحت السماء" فرمایا:

۳- اگر موج مکفوف سے آسمان اول مراد ہوتا تو پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما اور جمہور کے مذہب میں کیا تفاوت تھا کہ دونوں کو دو مذہب گنایا۔

۴- صاحب مدارک اور خازن کے قول میں تو موج مکفوف وارد ہونے کی وجہ سے یہ بحث ہو سکتی ہے کہ یہ آسمان ہے یا کچھ اور۔ لیکن تفسیر در منثور میں حسان بن عطیہ اور ابن زید نے اس احتمال کو سرے سے ختم ہی کر دیا۔ اس میں "فی فلك بين السماء والارض" صریح طور پر مذکور ہے فرماتے ہیں:

اخرج ابن ابی حاتم وابوحاتم و ابوالشيخ عن حسان بن عطية قال الشمس والقمر والنجوم مسخرة فى فلك بين السماء والارض. أخرج ابن جرير عن ابن زيد رضى الله تعالىٰ عنه فى قوله كل فى فلك يسحون قال الفلك الذى بين السماء والارض من مجارى النجوم والشمس والقمر. (ص ۳۱۵)

حسان بن عطیہ نے کہا کہ سورج اور چاند اور ستارے آسمان اور زمین کے درمیان ایک گھیرے میں مسخر ہیں۔ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد باری ﴿کل فی فلك یسجون﴾ کی تفسیر میں فرمایا اس گھیرے میں جو آسمان و زمین کے درمیان ہے جو ستاروں اور سورج چاند کی رہ گزر ہے۔

پھر فتح الباری سے علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا:

النجوم معلقة بالقناديل من السماء الدنيا تعليق القناديل فی المساجد. (ج ٤ ص ٦٨٦)

تفسیر کبیر سے حضرت عطار ضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا:

وذالك أنها فی قناديل معلقة بين السماء والارض بسلاسل من النور وتلك السلاسل فی أيدی الملائكه فاذا مات من فی السماء والارض تساقطت تلك السلاسل من أيدی الملائكه. (ج ٨ ص ٣٣٨)

ستارے زمین و آسمان کے درمیان نورانی زنجیروں میں لٹکی ہوئی قندیلوں کے اندر ہیں اور یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں جب زمین و آسمان والے سب مرجائیں گے تو یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں سے گر پڑیں گی۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ چاند سورج آسمان میں ہیں یا آسمان کے نیچے اس بارے میں دونوں قسم کے اقوال ہیں پھر وثوق کے ساتھ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ چاند سورج آسمان کے نیچے ہیں۔ لہٰذا خلائی جہاز کے ذریعہ چاند تک کسی بھی انسان کا پہنچنا ممکن ہے۔ تو شارح بخاری مدظلہ العالی نے خود مانعین حضرات ہی کے مقدمات مسلمہ سے یہ ثابت کر دکھایا کہ اگرچہ اس بارے میں دونوں قسم کے اقوال ہیں مگر راجح یہی ہے کہ چاند سورج ستارے آسمان کے نیچے ہیں لہٰذا چاند تک رسائی کسی بھی انسان کی ممکن ہے۔ اب مانعین حضرات کے مقدماتِ مسلّمہ سے چاند سورج ستاروں کے آسمان کے نیچے ہونے کی ترجیح کس طرح ہوتی ہے۔ اس کے لئے میں بغیر حذف و تغییر کے شارح بخاری کا اقتباس ہدیہ ناظرین کرتا ہوں:

"۱- جو لوگ چاند و سورج وغیرہ کو آسمانوں میں مانتے ہیں۔ وہ اس پر متفق ہیں کہ سورج چوتھے آسمان میں ہے۔ تفسیر مدارک میں ہے: أجمعوا على أن الشمس فی الرابعة. ان لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ سورج چوتھے آسمان میں ہے۔

۲- زمین سے چوتھے آسمان کا فاصلہ مانعین کے نزدیک چار ہزار برس کی راہ ہے یہ اس تفصیل سے کہ زمین سے آسمان اول کا فاصلہ پانچ سو برس کی راہ، پھر آسمان کا دَل

پانچ سو برس کی راہ۔ اسی تفصیل کے ساتھ ہر آسمان کا دل اور فاصلہ ہے۔ اس تقدیر پر آسمان چہارم فاصلہ چار ہزار برس کی مسافت ہے۔

۳- یہ پانچ سو برس کی مسافت میلوں سے کتنی ہے اس بارے میں نہ حدیث میں کچھ ہے نہ شارحین نے کچھ لکھا ہے۔ شارحین نے صرف یہ فرمایا کہ مسافت بعید مراد ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ تیز رفتار گھوڑا پانچ سو برس میں شب و روز چل کر جتنی مسافت طے کرے وہ مراد ہے۔ مگر یہ بھی مبہم ہے۔ البتہ حکما خواہ قدیم ہوں خواہ جدید اہل یونان ہوں یا اہل یورپ اس پر متفق ہیں کہ زمین کی سطح سے سورج کا فاصلہ نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ یہ فاصلہ ہمارے علما کو بھی تسلیم ہے۔

۴- حدیث سے ثابت ہوا کہ فلک چہارم جس میں یہ لوگ سورج مانتے ہیں سطح زمین سے چار ہزار برس کی راہ ہے اور حکما اور علما کا یہ متفقہ امر ہے کہ سورج سطح زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ تو ثابت ہو گیا کہ چار ہزار برس کی راہ میلوں سے نو کروڑ تیس لاکھ میل ہوئی۔ اسے جب آٹھ پر تقسیم کیے تو ۱۱۶۲۵۰۰۰ ہوئے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ آسمان اول کا مقعر (زیریں سطح) زمین سے ۱۱۶۲۵۰۰۰ میل ہے۔

۵- اس کے باوجود کہ چاند کا فاصلہ زمین سے گھٹتا بڑھتا ہے۔ مگر ڈھائی لاکھ میل سے زائد کبھی نہیں ہوتا۔ اب ثابت ہو گیا کہ چاند آسمان اول میں نہیں بلکہ اس سے ۱۱۳۷۵۰۰۰ نیچے ہے۔ اسی طرح اگر چاند آسمان اول میں مانیں (جیسا کہ چاند و سورج کو آسمان میں ماننے والوں کا اجماع ہے) تو یہ لازم آئے گا کہ سورج آسمان میں نہ ہو بلکہ ساتویں آسمان کے اوپر کہیں اور ہو کیونکہ جب چاند کو آسمان اول میں مانیں گے اور چاند زمین سے ڈھائی لاکھ میل سے زائد کی دوری پر نہیں تو اس کا حاصل یہ ہوا کہ زمین سے پہلے آسمان کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ ڈھائی لاکھ میل ہے۔

اور جب ان حضرات کو یہ بھی مسلم ہے کہ زمین و آسمان کے مابین جتنا فاصلہ ہے اتنا ہی ہر آسمان کا دل اور دو آسمانوں کے مابین کا فاصلہ بھی ہے تو اس سے لازم آیا کہ ہر آسمان کا دل ڈھائی لاکھ میل ہے اور درمیانی فاصلہ بھی ڈھائی لاکھ میل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر آسمان کا دل اور درمیانی فاصلہ مل کر کل پانچ لاکھ میل ہوا۔ اس طرح لازم کہ سورج ساتویں آسمان کے اوپر کہیں اور ہو۔

اور یہ بھی ان کے مسلمات کے خلاف ہے۔ غرض کہ زمین سے چاند و سورج کا جو فاصلہ ہے وہ اس پر قاطع ہے کہ نہ چاند آسمان میں ہے نہ سورج۔ اگر ان میں سے ایک کو آسمان میں مانتے ہیں تو دوسرے کو آسمان کے نیچے یا آسمان کے اوپر ہونا لازم آتا ہے۔ اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ نہ چاند آسمان میں ہے نہ سورج بلکہ دونوں آسمان کے نیچے ہیں جیسا کہ جمہور مفسرین فرماتے ہیں۔ رہ گئے ستارے تو ان کے بارے میں خود سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

ان النجوم قناديل معلقة بين السماء والارض بسلاسل من نور بأيدى الملئكه. ستارے زمین و آسمان کے درمیان فرشتوں کے ہاتھوں میں نورانی زنجیروں سے لٹکی ہوئی قندیلیں ہیں۔

اس نص صریح کے ہوتے ہوئے اب اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ کوئی یہ کہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ ستارے آسمانوں میں ہیں۔ اس لئے جمہور مفسرین کا یہ قول کہ آیہ مذکورہ میں فلک سے مراد آسمان کے نیچے کی فضا ہے راجح ہے۔"

(ص ۶۱، ۶۲، ۶۳)

اس طرح نصوص صریحہ سے حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی نے یہ ثابت فرمایا کہ چاند سورج ستارے آسمان کے نیچے موج مکفوف میں ہیں۔ لہٰذا خلائی جہاز کے ذریعہ کوئی بھی انسان چاند تک پہنچ سکتا ہے اس میں شرعاً کوئی استحالہ نہیں ہے۔

پھر اس موقعہ سے جو شبہات عام طور سے پیش کئے جاتے ہیں ان کے بھی انتہائی دلنشیں انداز میں ایمان افروز جواب دیئے جن کا سلسلہ ص ۶۴ سے ص ۷۴ تک دراز ہے۔ انھیں یہاں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں۔ ناظرین سے گزارش ہے کہ از خود ان کا مطالعہ کریں۔

اخیر میں ایک مخفی گوشہ پر ضروری تنبیہ بھی فرمائی اس کا حاصل یہ ہے کہ حکمائے یونان کا نظریہ یہ ہے کہ زمین چاند سورج سیارے ثوابت سب ساکن ہیں۔ وہ آسمان جس میں یہ مرکوز ہیں حرکت کرتے ہیں۔ حرکت آسمانی کی وجہ سے ان میں بھی حرکت عرضی پائی جاتی ہے۔

اہل یورپ یہ کہتے ہیں کہ آسمان کا کوئی وجود ہی نہیں اس لئے ان کی حرکت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ زمین اور دیگر سیارے حرکت کرتے ہیں۔

جب کہ اسلامی نقطہ نظر ان دونوں نظریات کے خلاف ہے کیونکہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے صراحتاً یہ ثابت ہے کہ چاند سورج ستارے قطعی طور پر حرکت کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

﴿کل فی فلك یسبحون﴾ (چاند سورج ستارے) سب ایک گھیرے میں تیر رہے ہیں۔

خاص سورج کے لئے اس طرح ارشاد ہوا:

﴿والشمس تجری لمستقر لها﴾ سورج اپنے مستقر کی طرف چلتا ہے۔

اور چاند کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿والقمر قدرناه منازل حتی عاد کالعرجون القدیم﴾ اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر فرمادی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح لوٹ آیا۔

مذکورہ تینوں آیات کریمہ سے یہ ثابت ہوا کہ چاند سورج ستارے حرکت کرتے ہیں۔ یونہی زمین اور آسمان کے بارے میں شرعی نقطہ نظر یہ ہے کہ ان دونوں میں کوئی حرکت نہیں بلکہ دونوں ساکن ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إن الله یمسك السموات والارض ان تزولا ولئن زالتا إن أمسکهما من أحد من بعده﴾ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ جنبش نہ کریں اور اگر وہ ہٹ جائیں تو انھیں کون روکے اللہ کے سوا۔

ظاہر ہے کہ حرکت جنبش ہی کا نام ہے اس لئے اس آیت کریمہ سے صراحتاً معلوم ہوا کہ زمین و آسمان دونوں ساکن ہیں ان میں کسی قسم کی کوئی حرکت نہیں۔ زمین و آسمان کے ساکن ہونے پر اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا خاں قدس سرہ العزیز نے مستقل رسالے تصنیف فرمائے۔ ایک ﴿نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان﴾ دوسرا ''فوز مبین در رد حرکت زمین''۔ ان دونوں رسالوں میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے دلائل نقلیہ و عقلیہ سے یہ ثابت فرمادیا ہے کہ زمین و آسمان دونوں ساکن ہیں۔ ان میں کوئی حرکت نہیں۔ جسے مطالعہ کا شوق ہو وہ ان رسالوں کی طرف رجوع کرے۔

باادب معروضات

پھر ص ۸۲ سے ص ۱۲۸ تک صدر العلما حضرت علامہ سید غلام جیلانی صاحب قبلہ میرٹھی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حضرت شارح بخاری کے کچھ نیاز مندانہ معروضات ہیں جنھیں شارح بخاری نے انتہائی ادب کے ساتھ پیش فرمایا۔ باوجود اس کے حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ کا لہجہ بعض مقامات میں تند و ترش ہے۔ مگر شارح بخاری نے اس پر بھی ادب و احترام کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

چنانچہ شارح بخاری کو اپنے استاذ میر ٹھی صاحب علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں اپنی باتیں پیش کرنی ہوئیں تو آغاز کلام میں یوں تحریر کیا:

باادب معرضات

بملاحظۂ عالیہ صدر العلما بدر الفضلا سیدی و استاذی مولٰینا شاہ سید غلام جیلانی صاحب قبلہ میر ٹھی مدظلہ العالی وفیضہ الجاری شارح بخاری۔

ز چشم آستیں بردار گوہر را تماشا کن

کفش بردار

امجدی (ص ۸۱)

ناظرین غور فرمائیں کہ کتنے شاندار الفاظ میں شارح بخاری نے اپنے استاذ گرامی سے عرض معروضات کی۔ کیا یہ الفاظ اس بات کی غمازی نہیں کرتے کہ اپنے استاذ سے شارح بخاری کا اختلاف کسی نفسانیت کی بنا پر نہیں بلکہ خلوص وللٰہیت پر مبنی ہے۔

پھر جب شارح بخاری نے تخاطب کیا تو حضرت میر ٹھی صاحب علیہ الرحمہ کے کلمات کو لفظ ''ارشاد'' سے تعبیر فرمایا جب کہ اپنی بات لفظ ''عرض'' سے پیش کی اور حضرت میر ٹھی صاحب علیہ الرحمہ کو کہیں لفظ سرکار سے یاد کیا تو کہیں لفظ حضور والا سے اور پوری کتاب میں کہیں بھی ایسا لفظ نہ ملے گا جس سے کسی بھی طرح اپنے استاذ کے دامن تقدس پر گستاخی کا دھبہ لگایا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آج شارح بخاری کی حیثیت پورے برصغیر میں ایک مرجع اعظم کی ہو گئی ہے کیونکہ ایک شاگرد کو استاذ کا فیض اسی صورت میں مل سکتا ہے جب اس کے دل میں استاذ کی عقیدت ہو۔ شارح بخاری کو بلاشبہ اپنی نیاز مندی کی وجہ سے اپنے اساتذہ وشیوخ کا فیض ملا ہے اور ابھی ان پر فیضان کی بارش ہو رہی ہے۔ افادۂ ناظرین کے لئے حضرت شارح بخاری کے سلسلہ معروضات کی صرف ایک کڑی ہدیہ ناظرین کرتا ہوں:

ارشاد نمبر ۱۴

بہتان سوم جو سب بہتانوں میں جلی ہے وہ یہ ہے کہ ٹائٹل پیج پر جلی حروف میں تحریر کر دیا ''ارشادات صحابہ کرام و تابعین عظام وائمہ مفسرین سے اس کا ثبوت کہ چاند پر پہنچنا ممکن ہے'' از ابتدا تا انتہا پوری کتاب کھنگال ڈالئے کسی صحابی کا کسی تابعی کا

کسی مفسر کا یہ قول نہ مل سکے گا کہ چاند پر پہنچنا شرعاً ممکن ہے۔ تو پھر یہ افترا نہیں تو کیا ہے۔ کذب خالص نہیں تو کیا ہے۔ دروغ بافی نہیں تو کیا ہے۔ غلط بیانی نہیں تو کیا ہے۔ لاف زنی نہیں تو کیا ہے۔ فریب کاری نہیں تو کیا ہے۔ صحابہ کرام کا تابعین کا مفسرین کا نام لے کر مسلمانوں کی تضلیل کر رہے ہو۔ دشمنان اسلام کے منصوبوں کی تصدیق پر مسلمانوں کو آمادہ کر رہے ہو۔ انتہی بلفظہ ملخصا۔

عرض: اگر میری عرض ملاحظہ فرماتے وقت اسی درجے کا جلال ہو تو حضور! اسے اس وقت ہرگز نہ ملاحظہ فرمائیں۔ جب مزاج مبارک معتدل ہو جائے تو ملاحظہ فرمائیں۔ ان شاء المولی تعالیٰ حضور والا کو ان کلمات طیبات پر خود افسوس ہوگا۔ سرکار والا جاہ نے صحیح النظر میں ابتداء ہی تحریر فرمایا ہے:

یہ (چاند پر پہنچنے کی) خبر ایسی ہی ہے جیسے زمانہ گذشتہ میں ایک اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ لندن میں ایک کتے نے انٹرس پاس کیا ہے بلکہ اس سے بدتر کہ وہ مذہب اسلام کے خلاف نہ تھی۔ اور یہ حدیث کے مخالف۔ احکام مجتہدین کے مخالف۔ ارشادات علمائے کرام کے مخالف۔

صحیح النظر تو صحیح النظر صحیح المسلک تک از اول تا آخر از ابتدا تا انتہا ایک ایک سطر ایک ایک حرف ایک ایک نقطہ پڑھ ڈالئے کہیں ایک حدیث تو کیا نصف و ربع بھی مذکور نہیں ہے کہ چاند پر پہنچنا محال عادی ہے۔ احکام مجتہدین تو احکام مجتہدین کسی ایک مجتہد کا یہ حکم مذکور نہیں کہ چاند پر پہنچنا محال عادی ہے اور جب ایک حدیث اس مضمون کی نہیں۔ ایک مجتہد کا حکم اس مضمون کا نہیں ایک عالم کا ارشاد اس مضمون کا نہیں۔ تو پھر آگے حد ادب۔

اور اگر سرکار یہ فرمائیں اس کا یہ مطلب کہاں کہ حدیث یا احکام مجتہدین ارشادات علما کا یہ مضمون صریح ہے کہ چاند پر پہنچنا محال عادی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی حدیث ہے ایسے احکام ہیں ایسے ارشادات علما ہیں جن سے لزوماً یہ مستفاد ہوتا ہے کہ چاند پر پہنچنا محال عادی ہے۔ تو پھر اس کفش بردار کو بھی اجازت دیجئے کہ وہ سرکار والا جاہ ہی کے الفاظ مبارکہ میں عرض کرے کہ میرے اس جملہ کا "ارشادات صحابہ کرام و تابعین عظام و ائمہ مفسرین سے اس کا ثبوت کہ چاند پر پہنچنا شرعاً ممکن ہے"۔ یہ مطلب نہیں کہ صحابۂ کرام تابعینِ عظام نے ائمۂ مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ چاند پر پہنچنا شرعاً ممکن ہے۔ بلکہ اس کا بھی وہی مطلب

ہے جو صحیح النظر کے ان کلمات کا ہے۔ یعنی یہ کہ صحابہ کرام تابعین عظام ائمہ مفسرین کے ارشادات سے لزومایہ ثابت ہے کہ چاند پر پہنچنا شرعاً ممکن ہے۔

اگر ''چاند کے سفر'' سے حضور والا کو اطمینان نہ ہوا ہو تو اب عرض نمبر ۱۰، نمبر ۱۱ کا مطالعہ فرمالیں۔ اطمینان ہو جائے گا۔ حضور والا کو اطمینان ہو یا نہ ہو یہ حضور والا کی مرضی پر ہے۔ مجھے میرے ان استفسارات کا جواب مرحمت فرمائیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ ارشاد ہے یا نہیں کہ چاند و سورج اور ستارے آسمان کے گرد گھومتے ہیں۔

حضرت ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ ارشاد ہے یا نہیں کہ چاند و سورج کے چہرے آسمانوں کی طرف ہیں۔

حضرت ابن عباس حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ ارشاد ہے یا نہیں کہ ستارے زمین و آسمان کے مابین معلق ہیں۔

یہ تینوں حضرات صحابی ہیں یا نہیں۔ انھیں صحابہ کرام کہنا درست ہے یا نہیں۔

حسان بن عطیہ کا یہ قول ہے یا نہیں کہ یہ چاند و سورج اور ستارے موج مکفوف میں آسمان کے نیچے ہیں۔

حضرت عطا کا یہ قول ہے یا نہیں کہ ستارے آسمان و زمین کے مابین معلق ہیں۔

یہ دونوں اجلہ تابعین میں سے ہیں یا نہیں۔ جو لوگ چاند کو آسمان کے نیچے مانتے ہیں ان کے قول کی بنا پر چاند پر پہنچنے پر کیا عقلی یا شرعی استحالہ ہے وہ بیان فرمائیں۔ اگر کوئی استحالہ ہے تو اسے صحیح النظر و صحیح المسلک میں کیوں نہیں بیان فرمایا۔ اس استحالہ سے صرف نظر فرما کر کیوں خاتم الحفاظ علامہ سیوطی پر عارف باللہ علامہ صاوی پر صاحب کشاف زمخشری پر خلاف واقعہ الزام لگایا۔ اس نیاز مند کے سر دسیوں بے بنیاد فرضی افترا تھوپے اس کی وجہ ظاہر فرمائیں۔

حضور والا نے ارشاد فرمایا کہ صحابہ کا تابعین کا مفسرین کا نام لے کر مسلمانوں کی تضلیل کر رہے ہو۔ اور آگے ہے یہ گمراہ کن تالیف ہی رہ گئی تھی۔ افادہ فرمائیں کیا یہ قول کہ انسان کا چاند پر پہنچنا شرعاً ممکن ہے گمراہی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اگرچہ حضور والا سے جو روایت ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ مگر جب حضور والا فرمادیں گے کہ ہاں یہ

قول گمرہی ہے تو وہ لائق اعتماد ہوگا۔ اس لئے فرمائیں کہ اس قول کا کیا حکم ہے کہ چاند و سورج اور ستارے آسمانوں کے نیچے ہیں۔ یہ گمرہی ہے یا کچھ اور؟ اگر گمرہی نہیں تو فرمائیں جب چاند کے آسمان کے نیچے ہونے کو لازم ہے کہ چاند پر پہنچنا ممکن ہے تو جو قول گمرہی کو مستلزم وہ قول خود گمرہی ہے یا نہیں؟ اور حضور والا نے یہ فرمایا دشمنان اسلام کے منصوبوں کی تصدیق پر مسلمانوں کو آمادہ کرتے ہو۔

حضور والا: کیا عرض کروں حضور والا ایک گوشہ میں خلوت نشین ہیں دربار کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے صرف وہی نیاز مند حاضر ہوتے ہیں۔ جو صرف جی حضور بجا ارشاد فرمایا، جانتے ہیں۔ اپنا رعب و جلال کم فرمائیں۔ باہر نکلیں اور ہر طبقہ کے لوگوں سے ملیں تو معلوم ہوگا کہ چاند کے سفر کی اشاعت سے پہلے بلکہ میرے ابتدائی مضمون سے بھی پہلے دنیا کے اکثر مسلمانوں نے مان لیا ہے کہ چاند پر پہنچنا ممکن ہے۔ میں یا حضور لاکھ کہیں محال عادی ہے کہنے والے گمراہ ہیں۔ انھیں پرواہ نہیں۔ پس اگر یہ قول کہ چاند پر پہنچنا شرعاً ممکن ہے، گمراہی ہے تو آج کے موجودہ مسلمانوں کا سواد اعظم گمراہ ہو چکا۔ اب معاملہ یہ ہے کہ۔

واعظ برس رہا ہے پیئے جا رہا ہوں میں

(ص ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵)

یہ سلسلہ معروضات کی ایک کڑی ہے اس سے ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی نے استاذ کامل حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ کا کتنا پاس و لحاظ کیا۔ یقیناً آپ کا یہ انداز تخاطب عہد حاضر کے تلامذہ کے لئے نمونہ عبرت ہے۔ بہر حال رسالہ "اسلام اور چاند کا سفر" کے مطالعہ سے یہ عیاں ہے کہ علوم نقلیہ میں حضرت شارح بخاری کی مہارت، دقت نظر، وسعت مطالعہ ذکاوت و درایت جہاں سب کے نزدیک مسلم الثبوت ہے وہیں علوم عقلیہ و دیگر علوم جدیدہ کے مسائل پر بھی آپ کی گرفت مضبوط ہے۔ مولیٰ تعالیٰ حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی کی عمر میں برکتیں نازل فرمائے اور آپ کا سایہ دراز فرمائے۔ آمین یارب العالمین بحق الحبیب سید المرسلین ﷺ۔

☆☆☆

مولانا محمد اختر حسین قادری خلیل آبادی
دارالعلوم علیمیہ جمد اشاہی

فتنوں کی سرزمین کون؟ بخدیا عراق-ایک تجزیہ

اس عالم ورنگ بو میں بے شمار ایسے افراد منصۂ شہود پر جلوہ فگن ہوئے جن کے علم و حکمت کی عطر بیزی سے پورا عالم اسلام مشکبار ہے، ان کی زندگی کا لمحہ لمحہ درخشندہ و تابندہ ہے اور ان کی درخشیدگی عالم پر محیط ہے۔

مگر راقم السطور اپنی دانست کے مطابق یہ تحریر کر رہا ہے کہ ان فیروز مند شخصیتوں کی زندگی اور ان کی خدمات جلیلہ کو عالم میں یا تو ارباب زبان و قلم نے پیش ہی نہیں کیا یا کیا تو مگر ان ہستیوں کے دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر جانے کے بعد کیا، اس نہج سے جب ہم شارح بخاری فقیہ الہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب قبلہ مد ظلہ، العالی کی عظیم ذات پر نظر ڈالتے ہیں تو آپ منفرد و ممتاز نظر آتے ہیں۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء.

شارح بخاری علوم و معارف کا نیر تاباں

حضرت شارح بخاری کی ہمہ جہت شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں وہ کو نسا میدان ہے جس میں اس بطل جلیل نے اپنا اشہب قلم تیز گام نہ کیا ہو فضل و کمال کا وہ ایک ایسا شفاف آئینہ ہے جس میں علم و حکمت کے ہزاروں جلوے نظر آتے ہیں، وسعت، فکر، دقت نظر، تبحر علمی، شان تفقہ، ندرت استدلال نرالا اسلوب تحقیق و تدقیق، ذہانت و فطانت کا پیکر، علوم و معارف کا گنجینہ، بحث و مناظرہ، احقاق حق و ابطال باطل میں بے مثال غرضیکہ بے شمار فضائل و کمالات کا عطر مجموعہ ہے وہ ذات جسے شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب کے نام سے جانا جاتا ہے۔

پیش نظر مضمون میں شارح بخاری کا ہمہ جہت تعارف مقصود نہیں، نہ یہ اپنے بس کا کام، یہاں تو راقم بس یہ دکھانا چاہیگا کہ اہل سنت کا یہ در نایاب، شریعت مصطفویہ کا مہر درخشاں، اور علوم و معارف کا نیر تاباں صدر الشریعۃ علامہ امجد علی اعظمی قدس سرہ (م ۱۹۴۸ء) کے فیضان تفقہ، حبر امت محقق

وقت مفتی اعظم ہند علامہ مصطفےٰ رضا بریلوی قدس سرہ (م ۱۹۸۱ء) کے چشمۂ تحقیق و تدقیق اور برکات تفقہ و افتاء سے سرشار جلالۃ العلم حافظ ملت علامہ عبد العزیز مراد آبادی قدس سرہ (م ۱۹۷۶ء) کے میکدہ علم و حکمت سے مخمور جب تحقیق و تفتیش کی طرف رخ کرتا ہے تو گلستان تحقیق میں انکشافات و تحقیقات کے کیسے کیسے خوش نما پھول کھلتے ہیں اور جب ایوان باطل پر برق باری کرتا ہے تو مزعومات باطلہ کے تاج محل کھنڈرات میں بدلتے نظر آتے ہیں۔

خطبہ نجد اور حدیث رسول

تاریخ اسلام کا ورق ورق شاہد ہے کہ بے شمار طاغوتی طاقتوں نے اسلامی معتقدات و نظریات کے خلاف محاذ آرائی کی اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی ہزار طرح سے منصوبہ بندی اور نور خدا کو اپنے ذلیل منھ کی پھونکوں سے بجھانے کی ناکام کوشش کی، ان باطل فرقوں میں سے کچھ تو پیدا ہوتے ہی فنا کی آغوش میں چلے گئے مگر کچھ جماعتیں کسی نہ کسی صورت سے دیمک کی مانند اسلامی اقدار و تعلیمات کو کھاتی رہیں اور تاہنوز ان کی تخریب کاری کا ناپاک سلسلہ جاری ہے۔

انہیں شیطانی قوموں اور فتنوں میں سے ایک عظیم فتنہ وہابیت ہے جو اپنے زنبیل مکر و فریب میں تو ہب کے اژدہوں کے لئے جہان میں تماشہ دکھاتی پھر رہی ہے، جس سے ہر قلب مومن زخمی اور پریشان ہے، اس عظیم فتنے کے رونما ہونے کی خبر مخبر صادق رسول کائنات علیہ نے آج سے چودہ سو سال پیشتر دے دی تھی اور صرف رونما ہونے کی ہی نہیں بلکہ فتنوں کی اس سر زمین کا بھی تعین فرمادیا تھا جہاں سے یہ کوہ آتش فشاں پھوٹنے والا تھا چنانچہ بخاری شریف میں ہے:

هناك الزلازل والفتن و بها يطلع قرن الشيطان — وہاں (نجد میں) زلزلے اور فتنے ہیں اور وہاں سے شیطان کے پیرو نکلیں گے۔ صحیح البخاری ج ۱، ص ۱۰۵۱

وہابیوں کی چیرہ دستی

سرکار دو عالم علیہ کی اس غیبی خبر کا بارہویں صدی، ہجری کے بعد ظہور ہوا اور نجد میں قرن الشیطان بنام وہابی جماعت رونما ہوئی جس کا بانی محمد بن عبد الوہاب نجدی ہے جس وقت اس جماعت کی پیدائش ہوئی اسی وقت بے شمار علمائے اسلام اس کی سرکوبی کے لئے میدان عمل میں اتر آئے اور اس کے فاسد خیالات و نظریات کی قرآن و سنت کی روشنی میں تردید بلیغ فرما کر اس کی گستاخانہ ذہنیت سے عالم اسلام کو آگاہ کیا، پھر کیا تھا عامۃ المسلمین اس باطل تحریک

اور گمراہ جماعت کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھنے اور اس سے اجتناب کرنے لگے مگر جب نجدی ریال پر پلنے والے غیر مقلد مولویوں اور ایجنٹوں نے مسلمانوں کا یہ رد عمل دیکھا تو دجل و فریب کا جال پھیلانا شروع کر دیا اور عوام الناس کو یہ باور کرانے میں لگ گئے کہ رسول کائنات علیہ السلام نے جس جگہ سے قرن الشیطان کے طلوع ہونے کی خبر دی تھی وہ نجد کا وہ حصہ نہیں ہے، جہاں بانی وہابیت ابن عبدالوہاب نجدی پیدا ہوا تھا بلکہ وہ ملک عراق ہے، جہاں سے ہر صدی میں کسی نہ کسی شکل میں فتنے وقوع پذیر ہوتے رہے ہیں اپنے اس باطل مزعومہ کی تائید میں انہوں نے جو جو گل کھلائے وہ سب قابل دید ہیں مگر حیرت واستعجاب میں ڈوبنے کی جگہ ہے کہ خود کو اہل حدیث کہلانے والے دسیہ کاروں نے احادیث نبویہ میں بھی تحریف کرنے کی جسارت کر ڈالی اور چند نجدی سکوں کے عوض اپنا دین وایمان داؤں پر لگا دیا اور قوم کو گمراہ کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

شارح بخاری میدان عمل میں

اس طوفان بلاخیز کے خلاف ایک عالم ربانی اور اسلام کے غیور مجاہد کی جانب سے جو رد عمل ہونا چاہئے اس کے پیش نظر حضرت شارح بخاری نے ان گندم نما جو فروش دین وایمان پر شب خون مارنے والے مولویوں کی چیرہ دستیوں کا پردہ چاک کرنے کے لئے قدم آگے بڑھایا، اور ان کے بے سروپا نظریات و تحقیقات کا علمی و شرعی محاسبہ کیا، اور نادر روزگار علمی شاہکار بنام فتنوں کی سر زمین کون؟ نجد یا عراق لکھ کر ان ہوس پرستوں کی خرافات کو ہباء، منثورا کر دیا، سچ کہا ہے:

تیرے ہوتے اہلسنت پر کھلے کس کی زباں — فتنۂ اشرار کو روکے تو وہ دیوار ہے
رزمگاہ حق و باطل کی فضائیں ہیں گواہ — یوں مروڑا آج تک شل پنجہ اشرار ہے

اس وقت راقم کی میز پر شارح بخاری کی وہ مایہ ناز علمی و تحقیقی کتاب موجود ہے اس کے کل ایک سو چار (۱۰۴) صفحات ہیں اور ہر صفحہ علم و فن اور تحقیق و جستجو کا منہ بولتا ثبوت ہے، حوالوں کی گرفت، زبان کی سادگی اور تحریر کی شستگی اور شائستگی ہر جگہ موجود ہے، طرز نگارش عام فہم اور دلنشیں ہے پوری کتاب تحقیق و تدقیق کا سیل رواں ہے اور دلائل کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے کتاب کے چند اقتباسات پیش کرنے کی کوشش کروں گا جس سے شارح بخاری کے تبحر علمی اور علوم وفنون پر دستگاہ کامل؛ کی ایک جھلک ضرور سامنے نظر آجائے گی، اور یہ بات واضح ہو جائیگی کہ فرق باطلہ کی تردید و بیخ کنی کا جو نرالا اسلوب اور تحقیقی انداز شارح بخاری کے یہاں ہے۔ عصر حاضر میں اور جگہ بمشکل مل سکے گا۔

حضرت شارح بخاری اور مرکز فتن کی تحقیق

صوبہ نجد کے متعلق دانائے غیوب و شہادات ﷺ کا ارشاد گرامی پڑھ چکے ہیں کہ نجد سے شیطان کے پیرو نکلیں گے اور علمائے اسلام کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ حدیث میں وارد لفظ نجد سے عرب کا وہ صوبہ مراد ہے جو اس وقت نجد کے نام سے مشہور تھا اور وہاں سے جس قرن الشیطان کے خروج کی پیشین گوئی کی گئی ہے وہ جماعت وہابیہ ہے، اسطرح یہ بات مثل آفتاب روشن ہو جاتی ہے کہ فتنوں کا مرکز نجد ہے اور وہاں کے فتنوں میں سے ایک خطرناک فتنہ وہابیت و نجدیت ہے۔

نجدی وہابی اپنے آپ کو اس حدیث کے حکم سے بچانے کے لئے بلکہ یوں کہا جائے کہ احناف سے بغض و عناد اور اپنی شقاوت قلبی کی بنا پر تحریف حدیث کا ارتکاب کر کے غضب خدا اور رسول اپنے سر لے رہے ہیں، کیونکہ وہ حدیث میں وارد لفظ نجد سے عراق مراد لیتے ہیں، اور فتنوں کا مرکز نجد کے بجائے ملک عراق کو قرار دیتے ہیں، حضرت شارح بخاری اس حدیث پاک کو نقل کر کے ایسے مستحکم و مضبوط دلائل و شواہد سے وہابیوں کے قول فاسد کی تردید بلیغ فرما کر عقل و نقل، روایت و درایت، سیاق و سباق، دلالت و قرینہ اور تصریحات علماو محققین کے آئینے میں مرکز فتن کی تحقیق فرماتے ہیں کہ ہر انصاف پسند اور غیر متعصب قاری بے چوں وچرا اس کو تسلیم کرتا ہوا آتا ہے اور مخالف و معاند کو مجال دم زدن نہیں رہ جاتی ہے آپ رقم طراز ہیں:

توضیح مدعا

اس حدیث میں نجد سے مراد سرزمین عرب کا مشرقی صوبہ ہے جس کی تھوڑی شمال مشرقی سرحد عراق سے متصل ہے یہ علاقہ حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں بھی نجد کہلاتا تھا اور آج بھی نجد کہلاتا ہے، نجد کے لغوی معنی اونچی زمین کے ہیں چونکہ یہ حصہ بہ نسبت مغربی کے جسے تہامہ کہتے ہیں اونچا ہے اس لئے اس کا نام نجد پڑا ہے۔

عہد رسالت سے لے کر آج تک کبھی بھی نجد بول کر عراق مراد نہیں لیا گیا ہے۔ اور نجد سے عراق مراد لینا بالکل ایسا ہی ہے کوئی شخص نجد سے بھوپال یا دہلی مراد لے۔
(فتنوں کی سرزمین کون؟ ص ۱۱)

دلائل وشواہد

شارح بخاری نے اپنے اس مدعا پر کہ نجد سے عراق مراد نہیں بلکہ صوبہ نجد ہی مراد ہے اور حدیث پاک کا روئے سخن صوبہ نجد ہی کی طرف ہے، ایسے دلائل وشواہد جمع کر دیئے ہیں کہ دشمن چاروں شانے چت ہو جاتا ہے، اوراس کے خیالوں کے محلات میں زلزلہ آجاتاہے آپ تحریر فرماتے ہیں:

(۱) نجد عہد رسالت میں بھی عرب کے اس مخصوص خطے کا نام تھا اس پر جغرافیہ اور حدیث وسیر کی کتابیں دلیل ہیں (پھر آگے لکھتے ہیں) نجد اور عراق اس عہد میں دو الگ الگ ملک تھے۔

اسی لئے نجد کی میقات اور ہے اور عراق کی میقات اور نجد کی میقات قرن المنازل ہے اور عراق کی میقات ذات عرق ہے، جب نجد عہد رسالت میں عرب کے ایک مخصوص خطے کا نام تھا اور عراق جس میں کوفہ وبصرہ، بغداد ہیں یہ الگ ملک تھا تو نجد بول کر عراق مراد لینا کسی طرح درست نہیں۔ (کتاب مذکور ص ۱۲)

نجدیوں نے حدیث پاک میں وارد لفظ نجد کے متعلق یہ موشگافی اور سخن سازی کی ہے کہ نجد سے اسکا لغوی معنی مراد ہے۔ یعنی بلند زمین پر چونکہ عراق ہے اس لئے حدیث میں موضوع سخن عراق ہی ہے اس تحریف معنوی کارد کرتے ہوئے شارح بخاری لکھتے ہیں:

(۲) اسی طرح نجد بول کر اس کا لغوی معنی بھی مراد لینا صحیح نہیں اس لئے کہ قرآن وحدیث میں ان کے الفاظ کریمہ کے وہی معنی مراد ہوتے ہیں جو عرف عام میں شائع وذائع ہوں جب نجد عرب کے ایک مخصوص خطہ کا نام تھا اور یہ معنی سب کو معلوم تھا تو یہی معنی مراد ہوگا دوسرا اور کوئی معنی مراد لینا تحریف معنوی ہے، (کتاب مذکور ص ۱۲)

مندرجہ بالا دلیل میں شارح بخاری نے عرف کے ذریعہ اثبات مدعا فرماکر نجدیوں کا علمی جنازہ نکالا ہے، اور اب آیئے ملاحظہ کریں کہ شارح بخاری نے کس عمدہ قرینے سے ان کے فاسد نظریہ کی بیخ کنی فرمائی ہے۔ ارقام فرماتے ہیں۔

(۳) اس حدیث میں بالاتفاق شام اور یمن سے مخصوص ملک مراد ہیں ان کے لغوی معنی مراد نہیں، یہ اس پر قرینہ قویہ ہے کہ نجد سے بھی مخصوص ملک مراد ہوگا نہ کہ لغوی معنی۔ (حوالہ مذکورہ)

شارح بخاری کی جودت طبع، فکر رسا اور دقیقہ سنجی پر قلم کو بھی فخر ہوتا ہے کہ آپ نے کس کس اسلوب وزراویے سے تحقیق فرماکر حق تحقیق ادا کیا ہے، کہیں تو مخالف کے کلام کو رد کرکے اپنا نظریہ ثابت کیا ہے اور کہیں اس کی بات کو تسلیم کرکے علی سبیل التنزل گفتگو فرمائی ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

(۴) نجد کے لغوی معنی بھی مراد لیں تو بھی ملک نجد متعین ہے اس لئے کہ ملک نجد بہ نسبت تہامہ کے بلند ہے اور عراق کے بنسبت بھی۔ (کتاب مذکور ص ۱۳)

تاریخ وسیرت کی کتابوں پر نظر عمیق رکھنے اور روح حدیث تک پہونچنے کا اعلیٰ نمونہ شارح بخاری کی ذات گرامی ہے، ذیل میں آپ کے طرز استدلال کو پڑھئے اور قلب وجگر کو شادکام کیجئے رقمطراز ہیں:

(۵) اس حدیث میں قالوا وفی نجدنا یارسول اللہ، اس کی دلیل ہے کہ یہ عرض کرنے والے مسلمان صحابی تھے جو نجد کے باشندے تھے عہد رسالت میں عراق کا کوئی باشندہ ایمان سے مشرف نہیں ہوا تھا البتہ نجد کے کچھ خوش بخت انسان ضرور مشرف باسلام ہو چکے تھے یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ نجد سے مراد عراق نہیں بلکہ عرب کا یہ مشرقی صوبہ ہے جس کے کچھ باشندے مشرف باسلام ہو چکے تھے۔

(حوالہ مذکورہ)

آنے والی دلیل میں حدیث پاک کے کلمات کو نحوی ترکیب کے سانچے میں رکھ کر اس خوش اسلوبی سے اثبات مدعا کیا ہے کہ عقل سلیم اور ذوق تحقیق بھی مچل کر جھوم اٹھتا ہے۔ آئیے آپ بھی اس کیف بار جلوے سے محظوظ ہولیں۔ شارح بخاری فرماتے ہیں:

اس حدیث میں یہ فرمایا گیا۔ ھناک الزلازل والفتن، اس کا ترجمہ کچھ لوگ یہ کرتے ہیں کہ وہاں زلزلے اور فتنے ہونگے، کیا عرض کروں ان لوگوں کو یہ بھی پتہ نہیں کہ یہ مبتدااور خبر کی ترکیب ہے جیسے زید قائم۔ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ زید کھڑا ہے اسی طرح ھناك الزلازل والفتن کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ وہاں زلزلے اور فتنے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرمارہے ہیں کہ اس وقت وہاں زلزلے اور فتنے ہیں۔ ان زلزلے اور فتنے سے مجوسیت، نصرانیت وغیرہ مراد نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ اس وقت پورا ملک شام نصرانی تھا اس کے باوجود وہاں برکت کے لئے دعا فرمائی۔

اس سے مراد وہ شورشیں ہیں جو حضور اقدس ﷺ اور اسلام کے خلاف اہل نجد

نے مچار کھی تھی حدیث وسیرت کی کتابیں پڑھنے والوں پر مخفی نہیں کہ بدوی قبائل
میں اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کے خلاف سب سے زیادہ جن لوگوں نے بار بار
کوششیں کیں وہ اہل نجد تھے دوسرے قبائل میں یہ بات نہ تھی۔

ان اقتباسات سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث وسیرت کے ذخیروں پر نظر عمیق اور شارع علیہ السلام کے ارشادات کے مزاج اور روح تک رسائی کا ذوق سلیم رکھنے میں حضرت شارح بخاری کی ذات یگانۂ عصر ہے دقت نظر، وسعت مطالعہ، اصابت رائے، اور فکر رسا کا حظ وافر رب العلمین نے انہیں عطا فرمایا ہے، قانونی دقیقہ سنجی ژرف نگاہی بالغ نظری کے ساتھ اعدائے اسلام کی طرف سے آئے ہوئے چیلینجوں کا متانت و سنجید گی کے ساتھ دندان شکن جواب دینے میں شارح بخاری اپنی مثال آپ ہیں:

تیری شان عالمانہ نے یہ ثابت کر دیا
تجھ کو ہے زیبا قیادت حاملان فقہ کی

شارح بخاری اور ازالہ شکوک واوہام!

اپنے کسی نظریئے کو دلائل و براہین کی زنجیروں میں جکڑ دینا ہی اس کے مستحکم و مضبوط ہو جانے کے لئے کافی ہو تا ہے تاہم حق تحقیق کماحقہ اسی وقت ادا ہو تا ہے۔جب کسی بھی طرح سے اس نظریئے کے ارد گرد شکوک و شبہات کی آنچ تک نہ آنے پائے ورا گر بالفرض بظاہر کچھ شکوک حاشیہ خیال پر ابھر رہے ہوں تو تسلی بخش اور دل پذیر اسلوب میں متانت و سنجید گی کے ساتھ ان کا ازالہ بہر حال ضروری ہو جاتا ہے بصورت دیگر اس نظریئے کی پذیرائی ممکن ہے عقیدت کیشوں میں ہو جائے مگر آج کی سائنٹفک دنیا میں ارباب دانش و بینش اسے نہ قبول کر سکیں گے نتیجتاً وہ نظریہ اضغاث احلام کی فہرست میں شامل کر دیا جائے گا۔

شارح بخاری کی شخصیت کو اگر اس تناظر میں دیکھا جائے یقیناً اس کا اعتراف کرنا ہی پڑیگا کہ آپ شکوک و شبہات کی دیواروں کو منہدم کرنے میں ید طولی رکھتے ہیں بلکہ عصر حاضر میں منفرد ویگانہ ہیں، آپ کے جوابات کو پڑھ کر مثل آفتاب واضح ہو جاتا ہے کہ مخالفین کے شکوک و شبہات تار عنکبوت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے ہیں بطور نمونہ چند اقتباس ذوق مطالعہ کی تسکین کے لئے حاضر ہیں۔

آپ نجد کے متعلق حدیث وسیرت اور جغرافیہ کی کتب معتبرہ کے حوالوں سے مزین دستاویز ملاحظہ کر چکے ہیں، ساتھ ہی نجدی ایجنٹوں کی سخن سازیاں اور اس پر شارح بخاری کی علمی گرفت اور ان کی تحقیقات انیقہ سے بھی محظوظ ہوتے آئے ہیں اسی سلسلے میں نجدیوں نے ایک اور چابکدستی دکھائی ہے اور کچھ حدیثوں سے بھی اپنے غلط

نظریہ کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، راقم ان میں سے ایک حدیث درج کرتا ہے:

عن عبد الله بن عمر قال رایت رسول الله ﷺ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ
یشیر الی المشرق فقال ان الفتنة ھھنا ان الفتنة من کو میں نے دیکھا مشرق کی طرف اشارہ کر کے فرمارہے ہیں فتنہ وہاں ہے
حیث یطلع قرن الشیطن. فتنہ وہاں ہے جہاں سے قرن شیطان طلوع ہوگا۔ ج ۱ ص ۴۶۳

مندرجہ بالا حدیث میں قرن شیطان کے طلوع ہونے کی جگہ کو مشرق سے تعبیر کیا گیا ہے، نجدیوں نے اس حدیث کا سہارا لیتے ہوئے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ مشرق کی جانب چونکہ عراق پڑتا ہے اس لئے مرکز فتنہ عراق ہے۔

شارح بخاری نے اس طرح کی تمام حدیثوں کو نقل فرما کر نجدیوں کی سخن سازی اور اوہام پرستی کے پردوں کو شاہراہ عام پر چاک چاک کر ڈالا ہے اور اپنے رہوار قلم کو مہمیز لگا کے ان کے لشکر تخیلات میں اس برق رفتاری سے دوڑایا ہے کہ ان کے پرخچے اڑ گئے ہیں، آیئے موصوف کے قلم تحقیق کی جولانی ملاحظ کیجئے لکھتے ہیں:

ان احادیث میں مشرق سے مراد نجد ہی ہے اور کوئی دوسرا علاقہ نہیں اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

دلیل اول (۱) مدینہ طیبہ سے مشرق نجد ہے نہ کہ عراق۔ عراق شمال کی طرف ہٹا ہوا مشرق اور شمال کے کونے پر ہے، نقشہ منسلک ہے۔ ہر شخص اس کو دیکھ کر اطمنان کر سکتا ہے۔

شارح بخاری کی دقت نظر کا کمال دیکھئے کہ اپنے اس دعوئ کو خود مخالف ہی کی تحریر سے ثابت فرما کر اس کے لئے جائے رفتن نہ پائے ماندن کا ماحول بنا دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

اور یہ خود مئوی صاحب کو تسلیم ہے لکھتے ہیں عراق کا محل وقوع مدینہ منورہ سے شمال مشرق کی جانب ہے۔ ص ۱۷

دلیل دوم: بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ منبر کے پہلو میں کھڑے ہو کر مشرق کی طرف منہ کر کے اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مبارکہ کے پاس کھڑے ہو کر مشرق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ فتنہ ادہر ہے جہاں سے شیطان کے پیرو نکلیں گے۔

منبر اقدس سے ایک خط مستقیم کھینچیں جو حجرہ عائشہ سے گزرتا ہوا پورب کی طرف چلا جائے تو یہ خط سیدھے نجد پر گزرے گا۔ اس لئے متعین ہے کہ اس سے

مراد نجد ہی ہے۔

دلیل سوم: حضرت عقبہ اور حضرت حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے ''فی ربیعۃ و مضر'' ربیعہ اور مضر اس عہد میں نجد میں رہتے تھے نہ کہ عراق میں جیسا کہ ربیعہ کے بارے میں خود ایک نجدی مصنف کی تصریح گزری اور خود مئوی صاحب کی ربیعہ اور مضر کے بارے میں تصریح آرہی ہے۔

دلیل چہارم: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے ''راس الکفر نحو المشرق'' کفر کی جڑ مشرق کی طرف ہے یہ جڑ مسیلمہ کذاب تھا جو نجد کے علاقہ عیینہ میں پیدا ہوا تھا۔

دلیل پنجم: حضرت عقبہ اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں قرنا الشیطان ہے۔ تثنیہ کے ساتھ یعنی شیطان کے دو پیرو نکلیں گے ایک تو سب کو معلوم ہے کہ مسیلمہ کذاب تھا اور دوسرا مسیلمہ کذاب کا ہم وطن ابن عبد الوہاب ہے اور یہ دونوں نجد ہی میں پیدا ہوئے تھے۔

دلیل ششم: اس حدیث میں یہ بھی تخصیص ہے کہ شیطان کے دونوں پیرو ربیعہ اور مضر میں ہوں گے۔ مسیلمہ کذاب بھی مضر ہی سے تھا۔ اور ابن عبد الوہاب بھی مضر ہی سے تھا۔

دلیل ہفتم: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث اللھم بارك لنا فی شامنا کو امام احمد۔ نے اپنی مسند میں ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

وقال رجل و فی مشرقنا یا رسول الله فقال رسول الله ﷺ هناك یطلع قرن الشیطان و بها تسعة اعشار الشر.	ایک صاحب نے عرض کیا اور ہمارے مشرق میں یا رسول اللہ ﷺ تو فرمایا وہاں شیطان کے پیرو نکلیں گے وہاں ۹/۱۰ شر ہے۔

ایک روایت دوسری کی تفسیر ہوتی ہے۔ اس روایت میں مشرقنا ہے اور عام مشہور و معروف روایتوں میں وفی نجدنا ہے یہ دلیل ہے کہ مشرق سے مراد نجد ہی ہے نہ کہ عراق۔

شارح بخاری نے بخاری شریف کی ایک حدیث نقل فرمائی ہے جس میں ایک مذہب کے خروج کی خبر ہے او

اس کی علامت سر منڈانا بتایا گیا ہے۔ حدیث پاک پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

دلیل ششم: نجدیوں سے پہلے جتنے بدمذہب پیدا ہوئے ان میں کسی کی بھی علامت سر منڈانا نہیں تھی البتہ نجدیوں نے ضرور سر منڈانے کو اپنا شعار بنا رکھا اس لئے یہ حدیث اس پر نص ہے کہ اس میں جن لوگوں کا ذکر ہے وہ نجدی ہی ہیں۔

کتاب مذکور از ۲۱ تا ۲۴۔

اس مضمون کو ابتداء سے لے کر یہاں تک اگر آپ نے بغور ملاحظہ فرمالیا ہے تو بہر حال آپ کو اس کا اعتراف کرنا ہی پڑیگا کہ شارح بخاری مختلف علوم و فنون اور اس کے متعلقات پر وسیع اور گہری نگاہ رکھتے ہیں اور جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں دلائل و براہین کے انبار لگا دیتے ہیں۔ وہ کسی مسئلہ پر طائرانہ نظر ڈالنے کے بجائے بحث اور تحقیق کی انتہا تک پہونچتے ہیں مسائل کی تنقیح و تحقیق اور تفصیل پر آتے ہیں تو دریا کی روانی سمندر کی وسعت کا نقشہ نظر آتا ہے۔

اس سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

شارح بخاری اور تعقبات

شارح بخاری کے تعلق سے یہ عنوان خاصا دلچسپ ہے اگر بالاستیعاب مطالعہ کے بعد ان کے تمام تعقبات کو ضبط تحریر میں لایا جائے تو عظیم دفتر تیار ہو جائے سر دست مئوی صاحب پر ان کے ایک تعقب کو بطور نمونہ پیش کر رہا ہوں "قیاس کن زگلستاں من بہار مرا" ابھی پڑھ چکے ہیں کہ بعض حدیثوں میں بجائے نجد کے مشرق کا لفظ وارد ہے اس کی مکمل تحقیق اس طور پر گزر چکی ہے کہ مزید اس پر کچھ تحریر کرنے کی اصلاً حاجت نہیں مگر شارح بخاری نے مئوی صاحب کی کچھ نادر تحقیقات پیش کر کے ان کا علمی جنازہ نکالا ہے تھوڑا اس سے بھی محظوظ ہو لیں مئوی صاحب نے لکھا ہے:

تو پھر یہ عین ممکن ہے کہ آپ نے موسم سرما (سردی کے موسم) میں پیشنگوئی کی ہو اس لئے کہ موسم سرما میں سورج شمال مشرق کی سمت سے طلوع ہوتا ہے اور موسم گرما میں جنوب مشرق سے اسی خاص معنی کے اعتبار سے اسے حدیث شتائی بھی کہا جا سکتا ہے۔ کتاب مذکور ص ۱۰۲۔

مئوی صاحب کی اس اعجوبہ روزگار تحقیق پر محاسبہ فرماتے ہوئے شارح بخاری رقمطراز ہیں:

اولاً جس شخص کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ غزوہء تبوک موسم سرما میں ہوا تھا کہ موسم گرما میں اس کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ کبھی قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتا ہے اور اگر کرتا ہے تو رب تالی القرآن والقرآن یلعنه.

بہت سے قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں پر قرآن لعنت کرتا ہے کا مصداق ہے یہ بزرگ کسی مدرسے سے فارغ التحصیل ہیں اگر وہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو انہیں نظر آتا کہ قرآن مجید میں غزوہء تبوک ہی کے بارے میں ہے:

۱-فرح المخلفون بمقعد هم خلف رسول الله ۔اس پر خوش ہوئے کہ وہ رسول اللہ و کرهو ان یجاهدو باموالهم و انفسهم فی۔ کے پیچھے بیٹھ رہے اور انہیں گوارہ نہ ہوا سبیل الله وقالو لا تنفرو فی الحر۔ کہ اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں بڑھیں اور کہا کہ اس گرمی میں نہ نکلو۔

۲-تمام مدارس عربیہ میں پڑھائی جانے والی تفسیر کی مشہور کتاب تفسیر جلالین میں ہے فرح المخلفون من تبوك تبوک سے رہ جانے والے خوش ہوئے۔

۳-آپ ہی کے ایک غیر مقلد بزرگ فتح محمد جالندھری صاحب نے اس آیت کے ترجمے میں لکھا ہے جو لوگ (غزوۂ تبوک میں) پیچھے رہ گئے۔

مگر اس بات پر تعجب کی بات نہیں، آپ معذرت کر سکتے ہیں کہ ہم اہل حدیث ہیں اہل قرآن نہیں کہ قرآن پڑھیں اور قرآن مانیں۔ تو لیجئے حدیث میں ہے وہ بھی بخاری کی حدیث میں۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہما نے فرمایا غزاها رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حر شدید رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک کے لئے سخت گرمی میں نکلے تھے۔

لیکن آپ لوگوں کو سوائے چند اختلافی حدیثوں کے اور کسی حدیث سے غرض کیا کہ یہ معلومات ہوں۔

ثانیاً۔اس سے دلچسپ یہ ہے کہ موسم سرما میں سورج شمال مشرق سے نکلتا ہے الخ اللہ اللہ یہ مبلغ علم اور دعوئ اجتہاد ایک بے پڑھا لکھا دیہاتی بھی جانتا ہے کہ موسم سرما میں سورج مشرق کے جنوبی حصے سے نکلتا ہے اور موسم گرما میں مشرق کے شمالی حصے سے جس پر مشاہدہ شاہد ہے جو لوگ اپنی غرض فاسد حاصل کرنے کے لئے مشاہدے

کے خلاف بھی دعوی کر سکتے ہیں ان سے احادیث کی تحریف معنوی کی کیا شکایت ہم یہ حسن ظن رکھتے ہیں کہ یہ کاتب نے الٹ پھیر کر دیا ہے مگر اخیر میں جو لکھا کہ یہ حدیث شتائی ہے۔ اس نے مہر کر دی کہ یہ آنجناب کی تحقیق انیق ہے کاتب بیچارے کی قابلیت کا کرشمہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے کلمات میں تحریف کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ یہی سزا دیتا ہے۔ (کتاب مذکور راز ص ۱۰۲/۱۰۴)

حضرت شارح بخاری نے مئوی صاحب کے علم و فضل کا جس تحقیقی انداز سے جنازہ نکالا ہے وہ تمام غیر مقلدین کے لئے تازیانہ عبرت ہے۔ اے کاش! ان کور چشموں اور کوتاہ فہموں کو اپنے مبلغ علم کا کچھ احساس ہوتا تو اس طرح کی تحریر منظر عالم پر لانے کی جسارت نہ کرتے اور نہ پھر کسی کو ان کی حماقتوں کا پردہ فاش کرنے کا موقع ملتا۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

☆☆☆

مولانا حافظ عبدالوحید مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

اثبات ایصال ثواب ایک جائزہ

شارح بخاری تلمیذ صدر الشریعہ نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ الحاج مفتی محمد شریف الحق صاحب دام ظلہٗ کی ہمہ جہت و گوناگوں خوبیوں کی مالک شخصیت اہل ہند کے لئے قطعاً محتاج تعارف نہیں۔ کیونکہ تقریر ہو یا مناظرہ تدریس ہو یا خطابت، تصنیف و تالیف ہو یا فتویٰ نویسی ہرفن اور ہر میدان میں انہوں نے اپنی خداداد ذہانت و فطانت، بالغ نظری و نکتہ بینی اور دوراندیشی کا لوہا منوالیا ہے۔ اکابر و معاصر اور اصاغر سبھی ان کے علم و فضل کے معترف اور مداح ہیں اور عوام میں ان کے علم و فضل کا ایسا شہرہ ہے کہ جو حضرات ان سے آشنا ہیں تو ان کے ذہن و فکر ان کے کمالات علمیہ و عملیہ سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جس طرح حاتم طائی کا نام سنتے ہی تبادر ذہنی اس کے جود و سخا کی طرف ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت کا نام سنتے ہی تبادر ذہنی ان کے علم و فضل کی طرف ہوتا ہے۔ ایک دو نہیں سینکڑوں افراد سے سنا کہ جب بھی احباب و اغیار کی مجلس میں ان کا ذکر چھڑا تو برملا یہی سننے کو ملا، کہ وہ تو علوم و معارف کے گنجینہ اور تحقیق و تدقیق کے کوہ گراں ہیں۔ انہوں نے تو اپنے علم کا اعتراف اپنے اور بیگانے سبھی سے کرالیا۔ میں اپنے اس دعویٰ کے لئے ایک نہیں دسیوں شواہد پیش کر سکتا ہوں۔ لیکن چونکہ مجھے اپنے اس مقالہ میں اس کا اثبات مقصود نہیں، البتہ بات آگئی ہے تو قدرے وضاحت بھی ضروری ہے۔

۱۔ پوری دنیائے سنیت کا سب سے زیادہ مشہور و معروف اور عظیم ادارہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور جو اپنی علمی دینی اور ملی خدمات کی بنیاد پر پوری جماعت اہل سنّت میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور پوری سنّی برادری کی عزت و وقار کی علامت بن گیا ہے۔ جس میں ہزاروں تشنگان علوم نبویہ اپنی اپنی علمی تشنگی بجھاتے ہیں۔ دوسرے مدارس میں جب ان کی تعلیم کی تکمیل ہو جاتی ہے تو اسی مرکزی ادارہ کی طرف شد رحال کرتے ہیں کہ مزید علمی سیرابی اب وہیں کے اساتذہ سے ہو سکے گی۔ اس عظیم الشان مرکزی ادارہ کیلئے بھی حضرت شارح بخاری کی شخصیت لاینحل مسائل کی گتھیاں سلجھانے کیلئے سامانِ تسکین ہے۔ نیز آئے دن ہندوستان کے مختلف صوبوں کے علمائے کرام پریشان کن مسائل کے حل کیلئے آپ کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہیں۔

۲۔ مسلک اہلسنت پر جب کوئی خارجی یا داخلی حملہ ہوتا ہے اور لوگوں کی زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں تو آپ ہی زبان و قلم سے اس محاذ کو سنبھال کر اس فتنہ کو فرو کرتے ہیں۔

۳۔ جب بد مذہبوں کی دسیسہ کاریاں حد سے زیادہ بڑھنے لگتی ہیں اور مناظرہ کا چیلنج دیا جاتا ہے۔ عوام وخواص اہلسنت مجبور و پریشانی اور کسمپرسی کے عالم میں ہوتے ہیں۔ تو جواب کے لئے حضرت شارح بخاری ہی کی شخصیت مرکز توجہ وامید ہوتی ہے۔

حضرت شارح بخاری جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو اس پر کچھ نہیں بہت کچھ جواہرات بکھیرتے چلے جاتے ہیں۔ اور جب تک اس مسئلہ کو روز روشن کی طرح ثابت و واضح نہیں فرمادیتے اس سے اپنی توجہ نہیں پھیرتے۔ آپ کی تصنیفات میں اسلام اور چاند کا سفر، مقالات امجدی، منصفانہ جائزہ تحقیقات، اشرف السیر اور نزہتہ القاری شرح بخاری اس کا بین اور منہ بولتا ثبوت ہیں کہ انھوں نے جس عنوان پر قلم اٹھایا اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

حضرت شارح بخاری کی گوناگوں خصوصیات میں سے ایک خصوصیت حب رضا و مسلک رضا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی رضویت پر کوئی حملہ ہوتے دیکھتے ہیں۔ تو ان کی غیرت وحمیت اس کو برداشت نہیں کرپاتی اور وہ قرطاس و قلم سنبھال کر ایک جانباز اور سچے محب اعلیٰحضرت بن کر باغیوں کے مقابل سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔ اور جب تک باغیوں کے بخئیے ادھیڑ کر نہیں رکھ دیتے آپ کی غیرت علمی اور مسلک اعلیٰ حضرت سے محبت چین سے بیٹھنے نہیں دیتی۔ اور کیوں نہ ہو کہ اعلیٰحضرت کا یہ شیدائی ومحب ہمہ وقت ان کے علم و فضل کا گن گانے والا، زبان و قلم علم و عمل سے ان کے مسلک و حق کو عام کرنیوالا ان کے مشن کو فروغ دینے کیلئے شب و روز جدو جہد کرنے والا، ان کے لکھے ہوئے خطوط و نقوش کو لوگوں کے ذہن و فکر میں بسانے والا، حضور مفتی اعظم ہند کے علم و فضل، تقویٰ و پرہیزگاری اور مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر و اشاعت، خدمت خلق، مخلوق خدا کی فیض رسانی اور ان کی خداداد علمی صلاحیتوں کو اغیار واحباب کی مجلس محفل میں اظہار و بیان کرنے والا جو ہمیشہ ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہے۔ ایسا محب وشیدائی و بہی خواہ یہ کب برداشت کرسکتا ہے کہ مسلک اعلیٰحضرت پر کوئی ضرب لگائی جائے اور وہ خاموش تماشائی بن کر اس کا نظارہ کرتا رہے۔ میرے ان جملوں کی تائید و تصدیق آپ کی تصانیف اور فتاوی سے ہوتی ہے۔

میں نے یہ چند باتیں مقالہ کے لئے بطور تمہید اور کتاب اثبات ایصال ثواب کی وجہ تالیف کی تقریب کے لئے عرض کیں۔ چونکہ میرے مقالے کا عنوان شارح بخاری اور اثبات ایصال ثواب ہے۔ اس لئے عرض پرداز ہوں کہ۔

حضرت شارح بخاری کی یہ کتاب اگرچہ ایک مقامی استفتا کا جواب ہے۔ لیکن درحقیقت یہ کتاب منکرین ایصال ثواب کے لئے ایک مدلل ومسکت دندان شکن ناقابل جواب رسالہ ہے۔ حضرت شارح بخاری نے اس میں ترکی بہ ترکی جواب دے کر ساتھ ہی ان پر الزامی اور عقلی سوالوں کی بوچھار کرکے ان کو ان کے انجام تک پہونچادیا ہے حضرت کی یہ کتاب ۷۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ متعدد علمائے کرام نے اس موضوع پر ضخیم ضخیم کتابیں

لکھیں ہیں جو اپنی جگہ پر بہت مفید اور کار آمد ہیں اور حضرت کی یہ تصنیف اگرچہ صفحات کے اعتبار سے بہت کم معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ابحاث و مسائل کے مطالعہ کے بعد ہر قاری بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ حضرت نے کوزہ میں سمندر کو سمو دیا ہے۔ نہایت ہی عمدہ اور تحقیقی مباحث علمیہ سے مسئلہ ایصال ثواب کو خوب واضح فرمادیا ہے۔

منکرین ایصال ثواب کو چیلنج کرتے ہوئے اور ان کے اقوال باطلہ پر کلام کرتے ہوئے اور ان کے من گھڑت معنی کو غلط و فاسد بتاتے ہوئے قرآن کی دس آیت کریمہ سے معارضہ پیش کیا اور ۲۳/ احادیث کریمہ سے ایصال ثواب کو ثابت فرمایا اور یہ بھی مبرھن فرمایا کہ ایصال ثواب عہد رسالت و صحابہ کرام میں بھی رائج تھا۔

یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ ایصال ثواب کا مسئلہ اہل سنت کا اجماعی ہے البتہ معتزلہ و خوارج جو دو گمراہ فرقے ہیں وہ اس کے منکر ہیں۔ اب نہ معتزلہ رہے نہ خوارج مگر ان کی گمراہ کن باتوں کو لیکر ایک مقامی شخص نے ایصال ثواب کے مسئلہ پر شور و غوغا اور سیدھے سادھے لوگوں کو بہکانا اور ورغلانا شروع کر دیا اور یکسر ایصال ثواب کا انکار کر کے معتزلہ و خوارج کی نیابت کا کام انجام دے کر خود بھی قعر ضلالت میں گرا اور دوسروں کو گرانے کی بے جا کوشش کی جب مسئلہ نے طول پکڑا تو حضرت مفتی صاحب دامت بر کاتہم القدسیہ کی بارگاہ میں استفتا پیش ہوا جس کے رد میں یہ رسالہ اثبات ایصال ثواب وجود میں آیا۔ ایصال ثواب کے رائج طریقوں پر ہندوستان گیر اختلاف ہے۔ مثلاً عرس، تیجہ، دسواں، چالیسواں، برسی وغیرہ یہ سب ایصال ثواب کے مختلف طریقے ہیں۔ مگر وہابیوں کی تمام شاخیں اس کی منکر ہیں۔ اس لئے اس رسالہ میں فتوی کے علاوہ بطور ضمیمہ ایک محققانہ بحث کا اضافہ ہے جس ایصال ثواب کا اثبات اور مسئلے کی وضاحت خوب سے خوب تر ہو گئی ہے۔ نیز مسئلہ ایسا واضح اور مدلل ہو گیا ہے کہ کسی منصف کو انکار کی گنجائش نہیں۔ مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب اس کتاب کے تعلق سے لکھتے ہیں۔ ”گویا یہ کتاب انکار ایصال ثواب میں پیش کردہ تمام قدیم و جدید دلائل کا مکمل جواب بھی ہے اور ایصال ثواب کے اثبات پر قرآن و حدیث اور اقوال ائمہ کی روشنی میں تحقیقی دلائل کا ایک بہترین مجموعہ بھی۔“ ایصال ثواب کے مروجہ طریقوں کے بارے میں وہابی اور دیوبندی یہ کہتے ہیں چونکہ یہ امور خیر القرون میں نہ تھے اس لئے حرام و بدعت و ضلالت ہیں۔ لہٰذا ان امور کے مرتکبین ناجائز و حرام فعل کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوں گے۔ حضرت شارح بخاری اس پر ایراد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ اس کا پہلا الزامی جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ نے یا تابعین نے یا تبع تابعین نے یا ائمہ مجتہدین نے ان چیزوں سے منع کیا اگر منع کیا ہو تو ثبوت لاؤ اور اگر منع نہیں کیا اور صحیح یہی ہے کہ منع نہیں کیا تو بقول آپ لوگوں کے یہ منع کرنا بھی بدعت ہوا جہنم میں لے جانے والا ہوا، اس لئے سوال مذکور سے ظاہر ہو گیا کہ جو کام کبھی ان حضرات نے نہ کیا ہو وہ بدعت ہے اور منع کرنا بھی یقیناً ایک کام ہے۔ اور ان حضرات نے نہیں کیا تو یہ بھی بدعت ہوا، شارح بخاری کا یہ ایراد خالص عقلی اور الزامی ہے لیکن در حقیقت یہ سوال جو

در حقیقت جواب بھی ہے۔ اور قائلین ایصال ثواب کے لئے دلیل بھی اور قرآن وحدیث کے مطابق بھی۔ اب اس کی تشریح ملاحظہ فرمائیے۔ آپ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

قرآن مقدس میں فرمان باری ہے هو الذی خلق لكم مافی الارض جميعا، لہذا۔ جبتک دلیل سے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ فلاں چیز ناجائز و حرام ہے اس کے اباحت وجواز میں کوئی کلام نہیں، جس طرح فقہا فرماتے ہیں کہ اصل اشیاء میں طہارت (پاکی) ہے جب تک دلیل سے زوال طہارت اور طریان نجاست کا علم نہ ہو توشئی کو پاک قرار دیا جائے گا۔ یونہی ایصال ثواب اصل میں جائز و مباح اور باعث ثواب ہے۔ کیونکہ کسی دلیل سے یہ ثابت نہیں کہ ان کا کرنا ناجائز و حرام ہے۔ حضرت شارح بخاری پھر مزید ایراد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ آپ لوگ بھی اپنے ہر جلسہ کا افتتاح قرآن پاک کی تلاوت اور نعت سے کرتے ہیں کیا حضور اقدس ﷺ یا صحابہ کرام یا تابعین و تبع تابعین وائمہ مجتہدین بھی اپنی تقریروں، خطبوں سے پہلے قرآن مجید کی تلاوت اور نعت شریف پڑھتے تھے؟ اس کا جواب بھی سوائے نہیں کے اور کچھ نہیں ہو سکتا پھر اپنے ہی قاعدہ سے آپ لوگ بدعت کا ارتکاب کر کے کیا ہوئے اس کا جواب آپ لوگ دیں۔

”آپ لوگوں کے مدارس میں قاعدہ بغدادی سے لیکر بخاری شریف تک جتنی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ سوائے قرآن مجید کے ان کتابوں کو حضور اقدس ﷺ نے پڑھا، یا پڑھایا صحابہ کرام نے پڑھا، یا پڑھایا، تابعین تبع تابعین ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے پڑھا یا پڑھایا اس کا جواب بھی یقیناً یہی ہے کہ نہیں۔ اس لئے کہ ان میں سب سے قدیم کتاب بخاری شریف ہے جو کہ تیسری صدی میں لکھی گئی بقیہ کتابیں بعد کی ہیں۔ جب ان حضرات میں سے کسی نے ان کتابوں میں سے کسی ایک کو نہیں پڑھا، یا پڑھایا تو بقول آپ کے ان کا پڑھنا پڑھانا بدعت ہے۔“

شارح بخاری کا ایوان وہابیت پر یہ دوسرا زوردار دھماکہ ہے جس سے ان کی چولیں ہل گئیں ہیں ابھی تک پہلے ہی دھماکہ کے جھٹکے محسوس کر رہے تھے اور جواب نہ بن پڑ رہا تھا کہ علی الفور پھر شدید حملہ ہو گیا۔ یہ نہایت ہی عمدہ طریقہ استدلال ہے۔ کیونکہ ابھی تک سنّی حضرات اثبات ایصال ثواب کے لئے بہت کچھ حوالے اور ثبوت، قرآن کی آیتیں اور احادیث پیش کر چکے۔ اور سب کے جواب میں بس ایک ہی رٹ، یہ آیت زندوں کے لئے ہے مردوں کے لئے نہیں یہ حدیث صحیح نہیں، یہ حدیث ضعیف ہے۔ اب ہمکو ثبوت نہیں فراہم کرنا ہے ثبوت تم پیش کرو حوالہ تم لاؤ، ثبوت و حوالہ کے صحت و غلط کا فیصلہ ہم کریں گے اور جس سے تمہارے معمولات جائز و مستحسن قرار پائیں گے ان ہی دلیلوں سے ہمارے معمولات کا بھی ثبوت اور جواز ثابت ہو جائے گا۔ فما هو جوابكم فهو جوابنا، واقعۃً یہ طریقہ بسا اوقات بڑا کارگر ثابت ہوتا ہے کہ آپ قرآن وحدیث کا حوالہ اور کتب کا خلاصہ پیش کرتے رہئے مگر آپ کی ایک نہ سنے گا اور نہ ہی خاموش ہوگا بلکہ بک بک کرتا رہے گا لیکن ایسے وقت میں (دِنَّاھُمْ

کما دانوا۔ جیسے کو تیسا) پر عمل بہتر ہوتا ہے۔

اب اس ایراد کا علمی تجزیہ و تشریح بھی ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ دام ظلہ العالی نے یہ فرمایا کہ جب بخاری وغیرہ کا درس حضور ﷺ یا صحابہ نے نہیں دیا۔ تو۔ تم لوگ پھر کیوں اس کو پڑھتے پڑھاتے ہو۔ وہابی اس کے جواب میں یہی کہتے ہیں۔ چونکہ۔ علم حاصل کرنا ضرورت دینی ہے مگر رہی صحابہ کی بات تو وہ حضرات بے نیاز تھے چونکہ ان کو رسول اکرم کی صحبت و زمانہ ملا۔ براہ راست ان کے سینۂ بے کینہ سے انہوں نے علوم و معارف کا گنجینہ حاصل کیا۔ اور جب کسی مسئلہ میں کوئی پیچیدگی محسوس ہوتی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اس کو دور کر لیتے۔ .... ہمکو حضور کا زمانۂ مبارکہ میسر نہ ہو سکا۔ لیکن آپ کے فرامین مبارکہ دین اور تمام علوم کا سرچشمہ ہیں۔ اس لئے پڑھتے پڑھاتے ہیں۔

سبحان اللہ اس جواب سے تو ہمارا ہی مدعا ثابت ہوا۔ یہی بات تو ہم اہل سنت و جماعت صدیوں سے کہتے چلے آرہے ہیں۔ لیکن کوئی سننے اور ماننے کو تیار کہاں، بس بدعت بدعت کی رٹ لگائے ہوئے ہیں خواہ بدعت کے معنی و مفہوم اقسام و احکام سے واقفیت ہو کہ نہ ہو۔ ملاحظہ کیجئے حضرت امام بخاری کی صحیح بخاری ج ۲/ ص ۷۴۵ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی باب جمع قرآن میں تحریر فرماتے ہیں۔

”ان زيد بن ثابت قال ارسل الیٰ ابو بكر مقتل اهل اليمامة واذا عمر بن الخطاب عنده قال ابوبكر ان عمرا تانی فقال ان القتل قد استحر يوم اليمامة بقراءة القرآن وانی اخشى ان استحر القتل بالقراءة فی بالمواطن فيذهب كثير من القرآن وانی اری ان تامر بجمع القرآن فقلت لعمر كيف تفعل شيئا لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم قال عمر هذا والله خير فلم يزل عمر يراجعنی حتى شرح الله صدری لذلك ورأيت فی ذالك الذی رأى عمر فقال زيد قال ابوبكر انك شاب عاقل لانتهمك وقد كنت تكتب الوحی لرسول الله صلى الله عليه وسلم فتتبع القرآن فاجمعه فوالله لو كلفونی نقل جبل من الجبال ما كان اثقل علی مما امرنی به من جمع القرآن قلت كيف تفعلون شيأ لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم قال هو والله خير فلم يزل ابوبكر يراجعنی حتى شرح الله صدری للذی شرح له صدر ابی بكر وعمر فتتبعت القرآن اجمعه من العسب واللخاف و صدور الرجال . ووجدت اٰخر سورة التوبة مع ابی خزيمة الانصاری لما اجدها مع احد غيره لقد جاء كم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حتى خاتمة براءة فكانت الصحف عند ابی بكر حتى

توفاہ اللہ ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصة بنت عمر ....(بخاری ج ۲)

ترجمہ : یعنی جب جنگ یمامہ میں بہت سے صحابہ حاملان قرآن شہید ہوئے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ یمامہ میں بہت سے حفاظ شہید ہو گئے ہیں اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر یوں ہی لڑائیوں میں حفاظ شہید ہوتے رہے تو قرآن کا بہت سا حصہ جاتا رہے گا۔ میری رائے ہے کہ آپ قرآن شریف جمع کرنے اور ایک جگہ رکھنے کا حکم دیدیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ نے تو یہ کام نہیں کیا تم کیونکر کرو گے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگرچہ اللہ کے رسول نے نہ کیا مگر خدا کی قسم کام تو بہتر ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق فرماتے ہیں پھر عمر مجھ سے اس سلسلہ میں بحث کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا اور میری رائے عمر کی رائے سے موافق ہو گئی پھر حضرت ابو بکر صدیق نے زید کو بلایا اور قرآن جمع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم جوان عقلمند شخص ہو ہم تم کو متہم نہیں جانتے اور تم رسول اللہ ﷺ کے وقت قرآن شریف لکھا کرتے تھے تم قرآن شریف کو تلاش کرو اور جمع کرو حضرت زید کہتے ہیں کہ بخدا وہ اگر پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتے تو مجھ پر اتنا گراں اور دشوار نہ ہوتا جس قدر ان کا یہ حکم قرآن شریف کا جمع کرنا مجھے شاق گذرا، میں نے کہا کہ آپ دونوں وہ کام کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا حضرت ابو بکر نے فرمایا بخدا وہ کام بہتر ہے پھر ہمیشہ مجھ سے ابو بکر بحث کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میرا سینہ اللہ نے کھول دیا جس کے لئے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھولا تھا، پس میں نے قرآن شریف تلاش کرنا شروع کیا اور اس کو جمع کرنے لگا، کھجور کی شاخوں اور باریک سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے، اور آخر سورۂ توبہ یعنی لقد جاءکم رسول من انفسکم آخر تک کو فقط ابو خزیمہ انصاری کے پاس پایا ان کے سوا اور کہیں نہ پاسکا، تو یہ قرآن شریف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا ان کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا پھر ان کے وصال کے بعد حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا۔

اس حدیث مبارک نے مسلمانوں کو ذہن و فکر دیا کہ اگر کوئی کام سرکار دو عالم ﷺ نے نہ کیا ہو تو اس کو یہ کہہ کر نہیں چھوڑ دیا جائے گا کہ رسول اللہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ وہ کام کیسا ہے کار خیر ہے یا شر، اگر کار خیر ہے تو اگرچہ حضور یا صحابہ نے اور تابعین نے نہ کیا ہو لیکن اس کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جیسا کہ جمع

قرآن شریف اس کی واضح مثال ہے۔

اس کی تاویل وجواب میں مولوی رشید احمد گنگوہی نے یہ منطقیانہ و فلسفیانہ نکتہ آفرینی کی ہے کہ احداث فی الدین حرام و بدعت ہے اور احداث للدین جائز و مستحسن ہے۔ لہٰذا۔ جمع قرآن یا تعلیم بخاری وغیرہ۔ احداث للدین کی وجہ سے جائز و مستحسن اور مراسم و معمولات اہل سنت احداث فی الدین کی وجہ سے ناجائز و حرام اور بدعت ہیں۔

حضرت شارح بخاری اس پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ حدیث صحیح کارد ہے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا...... من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من بعده من غيران ينقص من اجورهم شئى ومن سن فى الاسلام سنة سيئة كان عليه وزرها وزرمن عمل بها من بعده من غيران ينقص من اوزارهم شئى...... ناظرین غور کیجئے۔ حدیث میں فی الاسلام کا لفظ ہے للاسلام کا نہیں اس لئے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وہ احداث فی الدین بدعت و ضلالت و حرام ہے جو برا ہے رہ گیا وہ احداث فی الدین جو حسنہ ہو اچھا ہو وہ اس حدیث کی رو سے موجب ثواب ہے۔ اس لئے گنگوہی صاحب کا یہ کہنا کہ احداث فی الدین حرام و بدعت ہے اس حدیث کارد ہے۔

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری ج ۹ ص ۹ باب جمع القرآن میں جمع قرآن کی حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

وقدسول بعض الرفضة انه يتوجه الاعتراض على ابى بكر مما فعله من جمع القرآن فى المصحف فقال كيف جازان يفعل شيئالم يفعله الرسول ﷺ ، والجواب انه لم يفعل ذلك الا بطريق الاجتهاد السائغ الناشى عن النصح منه لله ولرسوله ولكتابه ولائمة المسلمين ولعامتهم

ترجمہ : رافضیوں کو شیطان نے بہکایا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر جمع قرآن کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں کہ کیونکر انہیں جائز ہوا کہ وہ ایسا کام کریں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا اور اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے یہ فعل اپنے اجتہاد سے کیا جس کا منشاء اللہ اور رسول اور اسکی کتاب امت اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ ایصال ثواب کا جو مخصوص طریقہ رائج ہے وہ تو حضور ﷺ سے ثابت نہیں لہٰذا اس کا کرنا کیونکر جائز ہوگا۔ تو اس کا جواب وہی ہے جو وہابی دیتے ہیں کہ صحابہ کرام کو بخاری وغیرہ پڑھنے کی ضرورت نہ تھی وہی ہمارا جواب ہے

اور ایصال ثواب کے یہ تمام طریقے احادیث و قرآن سے ثابت وماخوذ ہیں۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۰۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال الشیخ محی الدین بن العربی انه بلغنی عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال من قال لا اله الا الله سبعین الفاغفر الله تعالیٰ له ومن قیل له غفرله ایضا فقد ذکرت تهلیلة بالعدد المروی من غیر ان انوی لاحد بالخصوص فحضرت طعاماً مع بعض الاصحاب فیهم شاب مشهور با لکشف فاذاهو فی اثناء الاکل اظهر البکاء فسالتهٗ عن السبب فقال اریٰ امی فی العذاب فوهبت فی باطنی ثواب التهلیلة المذکورة لها فضحك فقال انی اراها الان فی حسن المآب فقال الشیخ فعرفت صحة الحدیث بصحة کشفه وصحة کشفه بصحة الحدیث۔

ترجمہ: شیخ محی الدین بن عربی نے فرمایا کہ مجھے حضور اقدس ﷺ سے حدیث پہونچی ہے کہ جو شخص ستر ہزار بار لا الہ الا اللہ کہے یا جس کے لئے پڑھا جائے۔ اس کی مغفرت ہو جائیگی میں نے لا الہ الا اللہ اتنی بار پڑھا ہے اور اس میں کسی کے لئے خاص نیت نہ کی تھی اپنے بعض دوستوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیا ان میں ایک نوجوان کے کشف کا شہرہ تھا وہ کھانا کھاتے کھاتے رونے لگا میں نے سبب پوچھا کہا اپنی ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا فوراً وہ جوان ہنسنے لگا اور کہا کہ میں اپنی ماں کو اچھی جگہ دیکھتا ہوں۔ امام محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں تو میں نے حدیث کی صحت اس نوجوان کے صحت کشف اور اس کے کشف کی صحت کو حدیث کی صحت کے ذریعہ پہچانا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ بانی مدرسہ دیوبندی مولوی قاسم نانوتوی نے بھی لکھا ہے یہ واقعہ ان لوگوں کے لئے عبرت ہے جو کہ دیوبندی ہیں اور مولوی قاسم نانوتوی کے معتقد کہلاتے ہیں اور ایصال ثواب کے منکر ہیں۔ مولوی قاسم رقمطراز ہیں۔

حضرت جنید بغدادی کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہو گیا آپ نے سبب پوچھا برائے مکاشفہ اس نے کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں حضرت جنید بغدادی نے ایک لاکھ یا پچتر ہزار بار کبھی کلمہ پڑھا تھا تو یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے۔ اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ دی بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ نوجوان ہشاش بشاش ہے آپ نے پھر پوچھا اس نے عرض کیا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں۔........ (تحذیر الناس ص ۵۶)

"احکام شرع دو قسم کے ہیں۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ شریعت نے ہمیں جن جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کی وضع ہیئت، ارکان، ارکان کے مابین ترتیب وغیرہ معین فرمادیئے گئے ہیں۔ جیسے نماز، اس لئے ان امور کی ادائیگی صرف انھیں وضع وہیئت وارکان کے ساتھ لازم وضروری ہے۔ اس میں کوئی بھی تبدیلی ضرور بدعت وحرام وگناہ ہے۔ مثلاً کوئی نماز میں ایک رکوع کے بجائے دو رکوع اور دو سجدے کے بجائے ایک سجدہ کرے، یا سجدہ پہلے کرے اور رکوع بعد میں، تو نماز نہ ہوگی............ پھر ان کی دو قسمیں ہیں۔ فرائض و نوافل۔ فرائض کے لئے اوقات مقررہ ہیں، ان اوقات سے پہلے ادا کرینگے ادا نہ ہوں گے ان اوقات کے بعد کریں گے قضا ہوگی۔ نوافل کے لئے کوئی وقت مقررہ نہیں جب تک کہ کسی خاص وقت کے بارے میں ممانعت نہ ہو ادا کرنا صحیح اور موجب اجر ہے، کسی وقت بھی کوئی نوافل پڑھے وہ درست ہے اور عبادت ہے اگرچہ اس وقت نفل پڑھنا اسلاف سے منقول نہ ہوں۔

دوسری قسم وہ مامورات ہیں جن کے کیلئے نہ کوئی وضع مقرر ہے، نہ ہیئت نہ وقت جیسے قرآن مجید کی تلاوت ،درود وسلام، علم دین کی تعلیم و تعلم، ان کا حکم یہ ہے کہ جس وقت جس ہیئت اور وضع کے ساتھ کیا جائے حکم الہی کی تعمیل اور موجب اجر ہوگا۔ اسے اصول فقہ میں مطلق کہتے ہیں۔ اور مطلق کا حکم یہ ہے کہ اس کے جس فرد کو ادا کیا جائے مامور بہ کی ادائیگی ہوگی۔ مثلاً اللہ عزوجل نے فرمایا واتل مااوحی الیک (ترجمہ) تمہاری جانب جو وحی کی گئی ہے اسکی تلاوت کرو۔ تلاوت کی کوئی وضع کوئی وقت کوئی طریقہ مقرر نہ فرمایا یعنی یہ نہیں حکم دیا کہ بیٹھ کر تلاوت کرو یا کھڑے ہوکر۔ بلند آواز سے کرو یا آہستہ سے، دن میں کرو یا رات میں نماز سے پہلے کرو یا بعد میں۔ تو بندے کو اختیار ہے جس وقت میں جس طریقے سے بھی تلاوت کرے گا وہ اسی حکم الہی کی تعمیل ہوگی اور موجب ثواب، ہاں جن مخصوص اوقات وحالات میں ممانعت ہے۔ مثلاً حالت جنابت میں وہ مستثنیٰ ہیں گے، اب اگر کوئی بزرگ کسی وقت کسی طریقے سے تلاوت کو حرام وگناہ کہیں گے، تو ان کو ثابت کرنا ہوگا کہ اس طریقے یا اسوقت تلاوت منع ہے۔ اس لئے اگر کوئی فجر کے بعد مثلاً بیٹھ کر تلاوت کرتا ہے تو وہ ضرور حکم خداوندی کی تعمیل کر رہا ہے اور ثواب کا مستحق ہے۔"

حضرت شارح بخاری کی عبارت آپ نے ملاحظہ فرمائی کیا ہی عمدہ اور نفیس توضیح ہے۔ یعنی بہت سے احکام ایسے ہیں کہ جنکے کرنے کا تو حکم دیا گیا۔ لیکن وضع اور ہیئت وغیرہ کی تعیین قرآن میں نہیں بیان فرمائی گئی جیسے کہ فرمانِ الٰہی ہے۔

"یا ایھا الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیماً"

اے ایمان والو نبی اکرم ﷺ پر صلاۃ اور خوب سلام بھیجو

لہٰذا اب بچنے کے بھی دو ہی طریقے ہیں ایک تو یہ کہ کہہ دو کہ ہم اس کو قرآن کی آیت نہیں مانتے۔ اس

جواب کی صورت میں ہم تم سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔ اس لئے انکار قرآن کی وجہ سے کافر ہو جاؤ گے، اور احکام اسلام کا مکلف مسلمان ہی ہوتا ہے نہ کہ کافر۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یہ حکم خداوندی ہے لیکن اس میں سلام بھیجنے کا مطلق حکم ہے، لہٰذا ہر حال میں نبی پر صلاۃ وسلام بھیجا جاسکتا ہے۔ خواہ بیٹھکر ہو یا کھڑے ہو کر یہ اپنی اپنی قسمت ہے کہ اہل سنت وجماعت کے لوگ انتہائی مؤدبانہ انداز میں کھڑے ہو کر نبی کی بارگاہ میں سلام کی ڈالیاں نچھاور کرتے اور کوئی بیٹھ کر ہی پڑھنے کو اپنی طرف سے ضروری سمجھتا ہے کھڑے ہو کر پڑھنے کے اہتمام کی تو وجہ ہے کہ زیادہ قرین ادب ہے۔ مگر بیٹھ کر پڑھنے کے التزام کا کوئی معنی نہیں۔

اور اگر کوئی ان ماموراتِ کیلئے جو مطلق ہیں یہ ضروری قرار دے کہ ان کا خاص طریقہ ان کی خاص وضع ان کا خاص وقت بھی شارع سے منقول ہونا ضروری ہے، اور ان کی ادائیگی صرف اسی خاص وضع وطریقے و وقت میں جائز ہوگی بقیہ طریقوں میں حرام وبدعت ہے۔ اس لئے چونکہ تیسرے دن، دسویں دن، چالیسویں دن، سال پورا ہونے پر اسلاف سے منقول نہیں۔ اس لئے یہ بھی بدعت اور حرام ہے، تو ایسے مجتہد حضرات سے ہمارا سوال یہ ہے کہ اب آپ بتائیے کہ ہم ایصال ثواب کس طرح کریں کس وقت کریں آپ جو بھی طریقہ اور وقت بتائیں آپ کے ایجاد کردہ اصول کی بنیاد ضروری ہوگا کہ آپ اس کا ثبوت دیں کہ اسلاف نے اس طریقے سے اس وقت ایصال ثواب کیا ہے۔ اگر نہ دے سکیں گے تو پھر خود ہی بتائیں کہ اپنے بتائے طریقے اور وقت کیلئے اپنا ہی قاعدہ کیوں ٹوٹ گیا ہے۔ مثلاً آپ نے کہا کہ دفن کے بعد فوراً کریں تو اسلاف سے ثبوت لائیے۔ اگر آپ کہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت کے بجائے دس عدد تقویۃ الایمان خرید کر مسجدوں میں رکھدیں تو اسلاف سے اسکا ثبوت لاؤ، اور ہم کہہ دیتے ہیں کہ قیامت تک اس کا ثبوت نہ لاسکو گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو احکام مطلق ہیں ان پر عمل کرنا ہی آپ کے نزدیک حرام وبدعت ہے۔

اس لئے چارونا چار منکرین کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو امور مطلق ہیں ان کو جس جائز ہیئت و وضع کے ساتھ کیا جائے وہ حکم خداوندی کی تعمیل ہوگی۔ اگرچہ وہ وضع اور ہیئت منقول نہ ہو۔ اس لئے کہ اصول فقہ میں تصریح ہے۔ حکم المطلق الاتی بای فرد کان آت للما موربہ۔ مطلق کا حکم یہ ہے کہ اس کے جس فرد کو بھی کوئی ادا کردے۔ مامور ادا کے فرد کا ادا کرنے والا ہوگا۔ اس کیلئے خاص وضع کا مطالبہ جہالت ہے

جب آپ کو تسلیم ہے کہ ایصال ثواب مشروع ہے اور اس کی وضع اور ہیئت اور وقت مقرر نہیں تو ہم جس ہیئت اور وضع کے ساتھ جس وقت بھی کریں وہ مشروع ہی ہوگا۔ حرام وبدعت نہ ہوگا۔

☆☆☆☆☆

باب ہشتم

وصف میں اس کا بیاں، کیوں نہ کروں اے شکیل
وصف کا ہے مستحق، واصفِ خیر الانام

خراج عقیدت

☆ ☆

اللہ تجھ کو رکھے باغ رضا کے مالی
کرتی ہے تیری مدحت خوش ہو کے ڈالی ڈالی
کی باغ فقہ و فن کیا خوب آبیاری
اے شارح بخاری

مضطر یہ تذکرہ ہے دنیائے فکروفن میں
علما کی محفلوں میں شعرا کی انجمن میں
یہ نزھۃِ چمن ہے یا آبشارِ جاری
اے شاری بخاری

(مضطر اعظمی)

مولاناڈاکٹر فضل الرحمٰن شررؔ مصباحی
پرنسپل کوٹھی طبیہ کالج، نئی دہلی

نزهة القاری
شرح
صحيح البخاری

۱ ہرچہ در عمدہ[1] و درباری[2] و ساری[3] دیدم — جوہر آں ہمہ در نزہت[4] قاری دیدم

۲ وہ چہ آئینہ صفت نزہت قاری دیدم — کہ در و جلوۂ صد حسن بخاری دیدم

۳ چوں نظر بر ورق نزہت قاری کردم — لمعہ از درر[5] و ضوء دراری[6] دیدم

۴ بے نیاز آمدم از زینت[7] و تیسیر[8] و فیوض[9] — مغز آں جملہ دریں شرح بخاری دیدم

۵ ہمچوں گلہائے تر اوراق گل نزہت را — ناز پروردۂ فراش بہاری دیدم

۶ جلوۂ قدرت حق دیدم و شاداں گشتم — چوں دراں مسئلہ رویت باری دیدم

۷ توئی آں بحر غطمطم کہ زسیل فیضت — از کراں تابہ کراں چشمۂ جاری دیدم

۸ مفتی شرع بسے دیدم و بس منفعلم — چوں ترا دیدم و چوں نزہت قاری دیدم

۹ امجدی[له] رضوی ، برکاتی ہم
فیض ایں نسبت ہر سہ ز تو جاری دیدم

۱ عمدة القاری
۲ فتح الباری
۳ ارشاد الساری
٤ نزهت القاری
٥ اللرر المنتشره فی الاحادیث المشتهره
٦ ضؤ اللرلری
۷ زینة القاری
۸ تیسیر القاری
۹ فیوض الباری

له ایں مصراع بتوجہ تمام می باید خواند

☆☆☆

محمد عثمان اوج اعظمی
استاذ دارالعلوم اہلسنّت اشرفیہ ضیاء العلوم، خیر آباد، مئو

منقبت بزبان فارسی

طفیل مصطفےٰ تائید خواہم فضلِ باری را
کہ رانم وصف برلب شارحِ متنِ بخاری را

بشکلِ نزہتُ القاری بہ باغِ علم گلکاری
چہ خوشخبری فرستدایہ فصلِ بہاری را

چوں خوانم نزہتِ قاری رود از دل گرانباری
نہ بینم نسخۂ دیگر چناں شرحِ بخاری را

حقیقت آشنا داند کہ حق چوں آشکار آید
گروہِ اہلِ باطل شیوہ سازد فتنہ کاری را

حضر باشد گہے یا پیشِ ہنگامِ سفر باشد
زدستِ خود نہ دادی دامنِ پرہیزگاری را

بجا گویم تُرا گر من امیرِ کارواں گویم
کہ تو ورزیدۂ معمول خود طاعت شعاری را

یقیناً قلعۂ اوہامِ باطل منہدم کردی
بوسد اوجؔ دست و خامۂ سرعت نگاری را

☆☆☆

مولانا ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی مصباحی
رکن مجلس شوریٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

نائب مفتی اعظم ہند

تو ہے مکرم تو ہے معظم نائب مفتی اعظم ہند — وقت کا تو ہے مفتی اعظم نائب مفتی اعظم ہند
شرح بخاری آئینہ ہے تیری علمی عظمت کا — تو نے کیے حل عقدۂ مبہم نائب مفتی اعظم ہند
تیری ہر تقریر مدلل تیری ہر تحریر مکمل — تیری ہر تفسیر ہے محکم نائب مفتی اعظم ہند
ہر فن پر ہے تجھ کو قدرت تو ہے سراپا علم و حکمت — تیری فقاہت امر مسلم نائب مفتی اعظم ہند
تیرے علمی شہکاروں سے بیش بہا فن پاروں سے — فیض ملے گا سب کو پیہم نائب مفتی اعظم ہند
ٹھوکریں ہر ہر گام پہ کھا کے تیری ہر تحقیق کے آگے — اہل علم کریں گے سر خم نائب مفتی اعظم ہند
ہمت کر کے اہل باطل آئے ہیں جب بھی تیرے مقابل — کھو بیٹھے وہ اپنے دم خم نائب مفتی اعظم ہند
تیرے سایۂ لطف و کرم کو جاہ و حشم کو علم و حکم کو — رب کرے افزوں ہر پل ہر دم نائب مفتی اعظم ہند
تو ہے نقیب اہل سنت تو ہے نشان راہ شریعت — تیری حقیقت سمجھیں کیا ہم نائب مفتی اعظم ہند
آل رسول پاک کی برکت پائیں گے ہم ارباب عقیدت — مٹ جائے گا دل سے ہر غم نائب مفتی اعظم ہند
جشن شرح بخاری کا یہ نورانی ماحول تو دیکھو — مل گیا صدقۂ نور مجسم نائب مفتی اعظم ہند
اعلیٰ حضرت، صدر شریعت، مفتی اعظم، حافظ ملت — تو ان سب کے وصف کا سنگم نائب مفتی اعظم ہند
تیری علمی شان جلالت، فقہی بصیرت، درسی مہارت — لہراتی ہے ہر سو پرچم نائب مفتی اعظم ہند
تیری شفقت، تیری محبت چھوٹوں پہ یوں لطف و عنایت — جیسے گلوں پر قطرۂ شبنم نائب مفتی اعظم ہند
وقت کے سارے علما فقہا، اہل حکمت اہل تقویٰ — کرتے ہیں تجھ کو خود پہ مقدم نائب مفتی اعظم ہند
تیری ہر تصنیف کا دفتر، تیری ہر تحقیق کا جوہر — کر گیا قیمت لعل و گہر کم نائب مفتی اعظم ہند
دیکھ کے تیری نزہت قاری دل پر ہے اک کیف سا طاری — ہے یہ روح کے زخم کا مرہم نائب مفتی اعظم ہند
شرح بخاری کے صدقے میں تجھ پہ خدا کے فضل و کرم سے — ہوگی نگاہ رحمت عالم نائب مفتی اعظم ہند
ہم ہیں دعا گو رب العزت بخشے عمر میں تیری برکت — فیض رہے ترا جاری ہر دم نائب مفتی اعظم ہند

ہے یہ شکیل اک زندہ حقیقت مانتے ہیں سب اہل بصیرت
تجھ میں ہے شان مفتی اعظم، نائب مفتی اعظم ہند

☆☆☆

مولانا ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی مصباحی
رکن مجلس شوریٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پو

مفتی عالی مقام

شارحِ قولِ نبی مفتی عالی مقام
ہے تری دیدہ وری لائق صد احترام

عہد میں اپنے ہے تو علم و خرد کا امام
بخشا ہے اللہ نے تجھ کو یہ اعلیٰ مقام

شرح بخاری کا جب تو نے کیا اہتمام
اور بھی کرنے لگے قدر تیری خاص و عام

کر نہیں سکتا کبھی شکوہ کوئی تشنہ کام
آ کے تری بزم میں ہوتے ہیں سب شاد کام

فقہ کا ہو مسئلہ یا کوئی مسلک کی بات
فیصلہ کن ہر جگہ ہوتا ہے تیرا کلام

جس رہ تحقیق میں بڑھ نہیں پاتے قدم
اس رہ مشکل میں بھی کتنا ہے تو تیز گام

عظمتِ شان نبی گھٹنے نہ پائے کبھی
بس اسی اک فکر میں رہتا ہے تو صبح و شام

حق کی حمایت میں تو جب ہوا گرمِ سخن
درہم و برہم ہوا کفر کا باطل نظام

خیمۂ کفار سے اٹھتا ہے شورِ فغاں
جب کبھی شمشیر حق کرتا ہے تو بے نیام

وصف میں اس کا بیاں کیوں نہ کروں اے شکیل
وصف کا ہے مستحق واصفِ خیر الانام

قطعہ

تیرے علمی کارنامے بخشیں گے تجھ کو دوام
آب زریں سے لکھے گا کل مورخ تیرا نام

تو نے نسل نو کو بخشا ہے شعور علم و فن
ہے تری ذات گرامی لائق صد احترام

☆☆☆

مولانا ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی مصباحی
رکن مجلس شوریٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

نقطہ نقطہ کر رہا ہے مشکباری واہ......واہ......

روح پرور کتنی ہے شرح بخاری واہ واہ
دیکھ کر اک کیف سا ہوتا ہے طاری واہ واہ

کھل اٹھے ہیں پھول علم وفن کے ہر ہر صفحے پر
نقطہ نقطہ کر رہا ہے مشکباری واہ واہ

نزہت قاری کی ہر تحقیق، ہر تشریح پر
دل کی گہرائی سے کہہ اٹھتے ہیں قاری واہ واہ

مسلک حنفی کے مستحکم دلائل دیکھ کر
بڑھ گئی ہے نجدیوں کی بے قراری واہ واہ

نزہت قاری کے استدلال کی شمشیر نے
اہل باطل پر لگائی ضرب کاری واہ واہ

کیوں نہ آنکھوں سے لگائیں عاشقان مصطفیٰ
نزہت القاری ہے ان کو جاں سے پیاری واہ واہ

اس گلِ خوبی کا فیضان کرم ہے اے شکیلؔ
چل رہی ہے علم کی باد بہاری واہ واہ

☆☆☆

مولانا ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی مصباحی
رکن مجلس شوریٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

مدحیہ قطعات

جشن تکمیلِ شرح بخاری ہے یہ — حق میں شارح کے انعام باری ہے یہ
ہم بھی شامل ہیں اس محفل پاک میں — مرحبا خوش نصیبی ہماری ہے یہ

نزہت القاری نشاط و کیف کا ساماں ہے — جان و دل اس کے حسیں اسلوب پہ قربان ہے
ہے حدیث پاک کی یہ شرحِ دل آرا شکیل — اس کی قدر و منزلت ایمان کی پہچان ہے

زندہ باد اے کاروان سنیت کے پاسباں — زندہ باد اے علم دین مصطفیٰ کے نکتہ داں
زندہ باد اے مسلک احمد رضا کے ترجماں — زندہ باد اے مفتی اعظم کے فن کے رازداں

نزہت القاری ہے تیرے فکر و فن کا آئینہ — حسن تفہیمات و اسلوب سخن کا آئینہ
اس میں تشریحات فرمان رسالت کے ہیں پھول — ہے یہ الفاظ و معانی کے چمن کا آئینہ

تیری ہر تصنیف علم و فن کا اک شہکار ہے — تیرے کاغذ کی سیاہی مطلع انوار ہے
ان مسائل کو کیا ہے تونے آسانی سے حل — جن مسائل کی وضاحت واقعی دشوار ہے

اب پڑھا لینا بخاری کا بہت آسان ہے — درسگاہوں پر ترا کتنا بڑا احسان ہے
لکھی ہے شرح بخاری تونے اس انداز سے — دیکھ کر علما کا طبقہ بھی جسے حیران ہے

☆☆☆

حضرت مولانا مفتی محمد اسلم بستوی
شیخ الحدیث انوار القرآن بلرام پور

ذات شارح بخاری

وہ موج علم ہے اور عبقری ہے ذات اس کی
فنِ حدیث میں بے مثل ہیں صفات اس کی
معاصرین میں اونچی رہی ہے بات اس کی
کہ دے رہی ہیں شہادت بھی شش جہات اس کی

بلند اس نے کیا ہے صداقتوں کا علم
رہِ وفا میں ہمیشہ سے ہے وہ برق قدم
وہ بیقرار کہ رگ رگ میں جس کی قوم کا غم
کہ رزمگاہ میں تیغ دو دم ہے اس کا قلم

فقیہِ عصر بھی ہے وہ فقیہِ اعظم بھی
بفیضِ حضرت نعمان سب سے اعلم بھی

وہ جس کے نام سے لرزاں ہیں سب حریف الحق
وہی مناظر اعظم ہے بس شریف الحق

رموز حکمت و دانش کا آبشار ہے وہ
جہان شرح و معانی کا تاجدار ہے وہ
جو شہرِ علمِ شریعت کا شہر یار ہے وہ
عظیم راہِ طریقت کا شہ سوار ہے وہ

زمینِ شورہ کو شاداب وہ بناتا ہے
وہ ریگزار میں فصلِ وفا اگاتا ہے
پیامِ حق ہی وہ صبح و مسا سناتا ہے
وہ منکروں کو جھلک عشق کی دکھاتا ہے

جہاں میں آج وہ اہل جہاں کا مرجع ہے
وہ ذاتِ خیر ہے برکات اس کا منبع ہے

وہ ایک نقش، محبت کی جو علامت ہے
ہے ایک نقطہ، مگر جوہر شرافت ہے

وہ بزم مسلک رضوی کا سربراہ بھی ہے
جمال ”صدر شریعہ“ کی جلوہ گاہ بھی ہے
”جلال علم“ کی شوکت بھری نگاہ بھی ہے
وہ انکسار کا پیکر ہے، کج کلاہ بھی ہے

جہان علم میں ہر لمحہ فیض جاری ہے
سروں پہ قوم کے احسان انکا بھاری ہے
یہ اسکے گلشنِ ایماں کی تازہ کاری ہے
وجود نزہت قاری بھی فیضِ باری ہے

معاندین شریعت کا ہے عظیم حریف
سراپا عز و شرف اسم بھی ہے اس کا شریف

دیا ہے مرد مجاہد نے اک نیا پرچم
سپاہ اہل سنن سربلند ہیں اسلم

☆☆☆

مولانا بدر القادری مصباحی
اسلامک اکیڈمی ہالینڈ

فقیہ العصر علامہ امجدی

علم و فضل و طاعت و تقویٰ کا اک مینار ہے
اے فقیہ عصر! تو اک مرکز انوار ہے
تجھ میں خو اور بو شبِ دوشیں کے میخواروں کی ہے
صالحین اسلاف کا تو جامع اطوار ہے
ہے تفقہ نسلِ "خیرالدین" کی میراث میں
دیکھ آ! مفتی شَریف الحق کو گر انکار ہے
تیرے ہوتے اہل سنت پر کھلے کس کی زباں
فتنۂ اَشرار کو روکے تو وہ دیوار ہے
رزمگاہِ حق و باطل کی فضائیں ہیں گواہ
یوں مروڑا آج تک اس پنجہ اشراز ہے
سید و سرور کو یارب میرے! عمر خضر دے
اب بھی لاینحل مسائل کا پڑا انبار ہے
یا خدا! نور بصیرت ان کا آنکھوں سے ملا
بہر تحقیقات نور چشم انھیں درکار ہے
نزہۃ القاری تعالی اللہ ہے کیا بستان علم
امجدی کی عبقریت کا حسین شہکار ہے
ناز ہے گھوسی کو تو اس خاک کا فرزند ہے
تیرے دم سے روئے تاباں شرع کا خرسند ہے

☆☆☆

مولانا بدر القادری مصباحی
اسلامک اکیڈمی ہالینڈ

نزہۃ القاری

نور و برکات نزہۃ القاری علم و نفحات نزہۃ القاری
سرمدی جام ارغوان حیات روحی نغمات نزہۃ القاری
شرح و توضیح قول پیغمبر پیاری سوغات نزہۃ القاری
علم و تحقیق و فن کا گنجینہ سچی حق بات نزہۃ القاری
خلد کے تازہ تر درختوں کے میٹھے ثمرات نزہۃ القاری
شرح ارشاد شارع اسلام رفع خدشات نزہۃ القاری
ترجمانِ وحیِ ربانی تیری ہر بات نزہۃ القاری
شک شکن ہیں تیرے سبھی ابواب دفعِ شبہات نزہۃ القاری
ہوگئے شیخ امجدی زندہ لکھ کے دن رات نزہۃ القاری
زیر شرح سنن نکھر آئے نوری جذبات نزہۃ القاری
حامیِ مذہبِ مہذب ہیں کل روایات نزہۃ القاری
قاطعِ بدعت و ضلالت ہیں سب روایات نزہۃ القاری
مسلک اہل حق چمک اٹھا آئی لمعات نزہۃ القاری

بدر سے لاکھوں فرد شاداں ہیں
پا کے سوغات نزہۃ القاری

☆☆☆

مولانا بدر القادری مصباحی
اسلامک اکیڈمی، ہالینڈ

شارح بخاری
اور
نزہۃ القاری

تجھ کو شیخ امجدی مبارک ہو — شرح متن بخاری کی تکمیل
تو ہے اپنی فضاؤں کا شاہین — کار عظمت نصیب مرد جلیل

تم سے قدرت کو کام لینا تھا — خوش نصیبی نے چن لیا تم کو
شیخ احمد رضا و امجد نے — بخشا روحانی حوصلہ تم کو

ہوئی تکمیل نزہۃ القاری — کیسا مولا کا فضل تام ہوا
حافظِ دیں کے شامیانے تلے — ایک یہ بھی عظیم کام ہوا

گیارہ علما جلو میں حاضر تھے — متوجہ تھی رحمتِ باری
ماہِ رمضاں کی گیارہویں شب میں — ہوئی تکمیلِ نزہۃ القاری

اہل گھوسی کو یہ ملا اعزاز — امجدی ان کا پیش امام ہوا
جسکے ہاتھوں بہ فیض غوث و رضا — شرح قول نبی کا کام ہوا

علم ہے معرفت ہے حکمت ہے — نور ہے روشنی ہے رحمت ہے
قدر دانِ علوم سے پوچھو — نزہۃ القاری ان کی دولت ہے

فضل باری ہے نزہۃ القاری — فیض جاری ہے نزہۃ القاری
رضوی تشریح ہے بخاری کی — خیر ساری ہے نزہۃ القاری

☆☆☆

محمد عثمان اوجؔ اعظمی
استاذ دارالعلوم اہلسنت اشرفیہ ضیاء العلوم، خیر آباد، مئو

منقبت

علم میں قابل، فقہ میں کامل، مفتی دوراں زندہ باد — برق برائے خرمن باطل مفتی دوراں زندہ باد
نزہت قاری شرح بخاری نجد کی ہر تصنیف پہ بھاری — نجدی کیا ہوں تیرے مقابل مفتی دوراں زندہ باد
اعلیٰ تو، تحریر بھی عالی جس میں علم و فن کے لآلی — گوہر یکتا جو ہر قابل مفتی دوراں زندہ باد
درس بخاری آساں ہوگا، پڑھ کر تازہ ایماں ہوگا — روح کو ہوگی راحت حاصل مفتی دوراں زندہ باد
شرع کی حد میں تیرا قدم ہے، تو بیشک سلطان قلم ہے — سہل بنادی فقہ کی مشکل مفتی دوراں زندہ باد
اہل سنن کو ناز ہے تجھ پر، افشاء دیں کا راز ہے تجھ پر — رہبر علما، مشعل منزل، مفتی دوراں زندہ باد
صبح و مسا اسلام کی خدمت، پیش نظر احکام شریعت — مشغلۂ دیں زیست کا حاصل مفتی دوراں زندہ باد
آکے ہوئے جب بزم میں حاضر، کانپ اٹھے باطل کے مناظر — پیش کئے وہ تو نے دلائل، مفتی دوراں زندہ باد
قوم کے حال زار سے غمگیں مسلم کے کردار سے غمگیں — آنکھیں نم، رنجور ترا دل، مفتی دوراں زندہ باد
جتنے بھی ہیں تیرے نائب، سب ہیں دیں کی رائے میں صائب — بھرتا ہے دامن ہر سائل، مفتی دوراں زندہ باد
سب پر یکساں چشم کرم ہے، جاری تیرا فیض اتم ہے — زینت خلوت، رونق محفل، مفتی دوراں زندہ باد
قادری، رضوی، مصطفوی تو، امجدی اور عزیزی بھی تو — برکاتی برکات کا حامل، مفتی دوراں زندہ باد
شاد ہے روح مفتی اعظم، حافظ ملت خلد میں خرّم — تیرا سفینہ ہے لب ساحل، مفتی دوراں زندہ باد
نور کی کڑیاں شجرہ تیرا، عرب و عجم میں شہرہ تیرا — آل نبی کی آل سے واصل، مفتی دوراں زندہ باد
گنج حقائق تیرا فتویٰ، اور مثالی تیرا تقویٰ — کہتے یہی ہیں عالم و فاضل، مفتی دوراں زندہ باد
تیری ہر تصنیف اٹل ہے، باطل کے ماتھے پہ بل ہے — کون نہیں جو اس کا قائل، مفتی دوراں زندہ باد
عابد و زاہد تیرا گھرانا، اطیب و اکمل شانہ بشانہ — روشن ہے تیرا مستقبل، مفتی دوراں زندہ باد
قوم کو دی جو شرح بخاری، عاقبت اپنی تو نے سنواری — روز جزا ہو خلد میں داخل مفتی دوراں زندہ باد
تجھ پہ نگاہ شاہ رسالت، تیری مدد من جانب قدرت — رحمت تیرے حال میں شامل، مفتی دوراں زندہ باد
لگتی ہے جب بھی مجلس شرعی، چھڑتی ہے بحث اصلی و فرعی — کرتا ہے تو تشریح مسائل، مفتی دوراں زندہ باد
اونچا تیرے علم کا پایہ، کیا لکھے اوج بے مایہ — فکر مگر ہے مدح پر مائل، مفتی دوراں زندہ باد

☆☆☆

قطعہ

شارحِ متنِ بخاری حضرتِ مفتی شریف
ماحیِ باطل عقائد، حامیِ دین حنیف

نزہت القاری میں کی وہ موشگافی آپ نے
فیض پائے جس سے اہل علم کی طبعِ نظیف

قطعہ

نزہت القاری سے فیضِ علم جاری واہ واہ
کشت زارِ علم کی یہ آبیاری واہ واہ

علم کا فیضان یہ معجز نگاری کا کمال
امجدی نے دی ہر ایک نجدی کو خواری واہ واہ

☆☆☆

علامہ خلیق احمد اعظمی
شیخ الحدیث حنفیہ غوثیہ بجرڈیہہ، بنارس

منقبت

منفرد مفتی شریف الحق ہیں اپنے کام میں
مفتی اعظم ہیں بیشک مذہب اسلام میں

نشر دیں احیاے سنت اور شرح دین بھی
مشغلہ ان کا یہی ہے روز صبح و شام میں

ہے عیاں جن سے کمال بوحنیفہ دہر میں
جلوہ افگن ہے تفقہ جن کا ہند و شام میں

وہ مناظر وہ محدث وہ ہیں مفتی شان کے
ہیں بہت بالغ نظر وہ فقہ کے اَحکام میں

اس قدر ہیبت ہے ان کی دشمنان دین پر
مبتلا نجدی رہیں گے حشر تک سر سام میں

سر بلندی کو ہے بس شرح بخاری آپ کی
ہے کوئی ان سا کہاں اب زُمرۂ اَعلام میں

نقل مذہب کام ہے پر شان ہے اتنی عظیم
دست بستہ رہتے ہیں شاہ و گدا اکرام میں

جانشین بوحنیفہ، مظہر شامی ہیں وہ
پر توِ احمد رضا ہیں دین کے اِحکام میں

حضرت مفتی شریف الحق ہمارے عہد کے
ہیں شبیہ بوالعلی ملت کے استحکام میں

مظہر صدرالشریعہ مفتی اہل سنن
ہیں سدا کوشاں فروغ دعوت اسلام میں

ہیں جلال مفتی اعظم وقار بوالعلی
ہند کے ہیں بوحنیفہ دین کے پیغام میں

حافظ ملت مجاہد دین کی برہان ہیں
امجدی مظہر ہیں ان کے دعوت اسلام میں

ہیں طریقت میں جمال مصطفےٰ حیدر حسن
پاگئے ہیں مستیاں غوث الوریٰ کے جام میں

واقعی محبوب رب العالمیں ہوجائے گا
جو کرے گا خدمتِ دیں پر فتن ایام میں

ہوگئی مقبول تیری مدح عالم میں خلیقؔ
مچ گئی ہلچل وہ دیکھو قلعۂ اوہام میں

☆☆☆

علامہ خلیق احمد اعظمی
شیخ الحدیث حنفیہ غوثیہ، بجرڈیہہ، بنارس

منقبت

تو ہے شان مجدد اعظم ماشاراللہ ماشاراللہ
تو ہے شان محدث اعظم ماشاراللہ ماشاراللہ

تو ہے مقدس تو ہے معظم تو ہے مؤقر تو ہے مکرم
تو ہے نشان صدر معظم ماشاراللہ ماشاراللہ

تو ہے نشان صدر افاضل تو ہے نشان مفتی اعظم
وقت کا تو ہے مفتی اعظم ماشاراللہ ماشاراللہ

صدرِ شریعت، مفتیِ اعظم، شیرِ سنت، حافظِ ملت
سب کا تو ہے مظہرِ اعظم ماشاراللہ ماشاراللہ

اہل شریعت اہل طریقت اہل عقیدت اہل بصیرت
کہتے ہیں سب مفتی اعظم ماشاراللہ ماشاراللہ

شان افتا ماشاراللہ صدقے میں محبوب خدا کے
فقہ کا تو ہے مرجع اعظم ماشاراللہ ماشاراللہ

اشرفیہ کے علما فضلا مجلس شرعی کے سب شرکا
رکھتے ہیں سب خود پہ مقدم ماشاراللہ ماشاراللہ

درس کے ماہر علم کے پختہ شیخ شریعت علامہ بھی
ذات کو سمجھیں تری مکرم ماشاراللہ ماشاراللہ

دیکھ کے یہ تالیف معظم ماشاراللہ ماشاراللہ
کہنے لگے سب شارح اعظم سبحان اللہ ماشاراللہ

اپنی زباں کی سب شرحوں میں نزھۃ قاری سب سے اعلیٰ
کرلیں گے سب دیکھ کے سر خم ماشاءاللہ ماشاءاللہ

شرح معانی نکتہ سنجی حسن بیانی رفع تعارض
حسن تطابق کامل محکم ماشاءاللہ ماشاءاللہ

کشمیری اور گنگوہی پر تو نے کیا ہے ایسا تعقب
کر ڈالا ہے ان کو بیدم ماشاءاللہ ماشاءاللہ

تیری علمی دھمک سے نجدی رہتے ہیں سب سہمے سہمے
کھو بیٹھے ہیں اپنے دم خم ماشاءاللہ ماشاءاللہ

دل میں خلیقؔ ہے اتنی تمنا چھوٹ رہی ہو جب یہ دنیا
نزع کے وقت ہو لب پہ پیہم ماشاءاللہ ماشاءاللہ

☆☆☆

استاذ الشعراء عالیجناب مضطر اعظمی
قصبہ گھوسی، مئو

منقبت

سب دیکھتے ہیں لے کر ہاتھوں میں باری باری
کاغذ پہ شکل تو نے کیا دین کی اتاری
ایمان والے تیری تحریر پر ہیں واری
اے شارحِ بخاری

نور نبی کا پرتو ہر لفظ کی جبیں پر
انوار کی ہے بارش دل کی سیہ زمیں پر
ظلمت پہ کیا لگائی ہے تو نے ضرب کاری
اے شارح بخاری

چلتا ہے ساتھ لے کر تو سنیت کا پرچم
بڑھ بڑھ کے اہل ایماں کرتے ہیں خیر مقدم
مداح پیچھے پیچھے آگے تری سواری
اے شارح بخاری

صیاد ڈھونڈتے تھے تیر و کمان لے کر
سہمے ہوئے تھے طائر سب اپنی جان لے کر
پاتے ہی تیری آہٹ بھاگے سبھی شکاری
اے شارح بخاری

لہرا رہا ہے پرچم ہر سمت سنیت کا
اندازہ لگ چکا ہے باطل کو حیثیت کا
دنیائے نجدیت میں ایک زلزلہ ہے طاری
اے شارح بخاری

تحسین کی صدائیں آتی ہیں شش جہت سے
رستا ہے خون اب تک زخم وہابیت سے

اعدائے مصطفیٰ کو ایسی سنان ماری
اے شارح بخاری

جاری ترے لبوں پر دین خدا کی باتیں
پہنچا رہا ہے گھر گھر تو مصطفیٰ کی باتیں
رفعت ہے آسماں کی یا تیری خاکساری
اے شارح بخاری

سنت کے موتیوں سے مملو ہے تیرا دامن
ہے دل کا گوشہ گوشہ یاد خدا کا مسکن
ہونٹوں پہ مصطفیٰ کی ہے بات پیاری پیاری
اے شارح بخاری

دست ہنر میں لے کر فکر و قلم کا شانہ
وہ کر دکھایا جس سے حیرت میں ہے زمانہ
ہاں زلف فقہ تونے اس شان سے سنواری
اے شارح بخاری

اللہ تجھ کو رکھے باغ رضا کے مالی
کرتی ہے تیری مدحت خوش ہو کے ڈالی ڈالی
کی باغ فقہ و فن کی کیا خوب آبیاری
اے شارح بخاری

ہاں مصطفیٰ رضا سے جو کچھ بھی تونے پایا
عشاق مصطفیٰ میں دل کھول کر لٹایا
صد آفریں یہ تیرا احساس ذمہ داری
اے شارح بخاری

مضطر یہ تذکرہ ہے دنیائے فکر و فن میں
علما کی محفلوں میں شعرا کی انجمن میں
ہے اک کتاب لاکھوں اہل قلم پہ بھاری
اے شارح بخاری

☆☆☆

شاعر اہل سنت نثار احمد کریمی
قصبہ گھوسی ضلع مئو-یوپی

منقبت

نائب مفتی اعظم اے فقیہ ذی وقار ہے زمانے میں تیری علمی فضیلت آشکار
ترے فتوے ہیں کہ ایمان ویقیں کے شاہکار جلوۂ تحریر ہے یا کوثر و زمزم کی دھار

کھولدے دل پر بصیرت کے جو دروہ باب تو
گلشن دین نبی کا ہے گل نایاب تو

ایک تنہا ذات تیری غیرت صد انجمن جو دلوں کو مطمئن کر دے وہ انداز سخن
کوئی سیکھے تجھ سے آکر حق بیانی کا چلن تجھ کو آتا ہی نہیں ہے مصلحت کوشی کا فن

بھیڑ میں لاکھوں دلائل کی ترے لفظوں کی تیغ
شہ رگ باطل پہ چلتی ہے ہمیشہ بے دریغ

حکمت و دانش کا پیکر صاحب علم و کمال پر کشش چہرے پہ علم دیں کی برکت کا جمال
"نزہۃ القاری" کی صورت میں یہ کار بے مثال دے گیا تاریخ کے ماتھے کو نقش لازوال

ہو نگے سب آسودہ فکر و فن کی اس جاگیر سے
بھر دیا ہے علم کا دامن گل تحریر سے

ہے بجا گر عرش پر ہے اہل سنت کا دماغ فکر و فن کا یہ حسیں گلشن ہے یا حکمت کا باغ
دیدیا ہے ساری دنیا کو حقیقت کا سراغ بجھ رہے ہیں نجدیت کے قصر میں سارے چراغ

علم دین مصطفےٰ کی ضو ترے سینے میں ہے
جلوۂ حق تیری تحریروں کے آئینے میں ہے

اے چراغ علم تیری ضو فشانی خوب ہے
"شرح فرمان نبی" تیری زبانی خوب ہے
خوب ہے تیرا تکلم حق بیانی خوب ہے
مسلک احمد رضا کی ترجمانی خوب ہے
حضرت صدر شریعت کے سپاہی زندہ باد
تونے پائی دین حق کی سربراہی زندہ باد
کاروان اہل حق کا قافلہ سالار تو
وقت کے ارباب علم و فن کا ہے سردار تو
بالیقیں سینے میں رکھتا ہے دل بیدار تو
دشمنان دین حق کے واسطے تلوار تو
ساری دنیا میں مچی ہے دھوم تیرے نام کی
تو امانت ہے یقیناً عالم اسلام کی
نیزۂ احمد رضا سے ہے اگر سینوں میں غار
شہ رگِ باطل پہ رکھ دی تونے بھی خنجر کی دھار
ہے وہابیت پریشاں نجدیت ہے بے قرار
کیوں نہ ہوں ہم اہل سنت تیری عظمت پر نثار
نائب مفتی اعظم جان سنیت ہے تو
رحمۃ للعٰلمیں کا داعیِ رحمت ہے تو

☆☆☆

مولانا محمد امجد علی قادری
استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، مئو

شارح بخاری نزہۃ القاری کی روشنی میں

دفتر شرح و معانی خوشنما تحریر ہے
نزہۃ القاری بخاری کی حسیں تفسیر ہے

سادگی میں بانکپن عنوان پُر تاثیر ہے
اہل دانش کے لئے تحقیق کی تصویر ہے

عالموں کے واسطے یہ کیمیا سے کم نہیں
طالبان علم نبوی کے لئے اکسیر ہے

ہر ورق میں جابجا تعبیرِ نو ہے جلوہ گر
ہر سطر احقاق حق کی بولتی تصویر ہے

بارگاہ انبیا و اولیا کی شان میں
با ادب تیرا قلم اے صاحب توقیر ہے

شارحِ ارشادِ نبوی تیری شرح لاجواب
قوم کے پاکیزہ خوابوں کی حسیں تعبیر ہے

جابجا پُر کیف منظر پُرکشش اسلوب میں
فصل گل کا رنگ یا مہتاب کی تنویر ہے

خدمت تدریس وافتا کے وسیع میدان میں
مرد حُر اوج ثریا پر تیری تقدیر ہے

لفظ و معنی کا تلاطم ہے قطار اندر قطار
جو بھی ہے وہ سب ترے فتراک کا نخچیر ہے

دشمنوں کے واسطے نزہت ترا زور قلم
گردنوں کا طوق ہے یا پاؤں کی زنجیر ہے

کہہ رہے ہیں آج تک سب تیری منزل کے نشاں
کوہ کُن تو ہے تری تصنیف جوئے شیر ہے

دیکھ کر موزوں شریعت میں تیری فکر و نظر
شادماں احباب ہیں دشمن تیرا دل گیر ہے

مرشد برحق تیری پیرانہ سالی کا وقار
مرحبا صد لائق تحسین با توقیر ہے

حامی سنت فقیہ عصر تیری ہر دلیل
پاسدار حق ہے باطل کے لئے شمشیر ہے

یوں تو سب فن کار ہیں تصنیف میں امجدؔ مگر
شارح متن بخاری فن کا عالم گیر ہے

☆☆☆

مولانا شمشاد احمد شمشادؔ مصباحی
استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

منقبت

جہاں میں ہر طرف شہرہ ہے تیرے علم و حکمت کا
دلوں پر آج تک بیٹھا ہے سکہ تیری شوکت کا

بڑی مدت سے تو مرکز بنا ہے قوم و ملت کا
اصاغر کی عقیدت کا اکابر کی عنایت کا

بڑا ہی معتبر عالم سمجھ کر پیر و مرشد نے
اٹھا کر رکھ دیا ہے تاج تیرے سر پہ عزت کا

ترے ہی دم قدم سے جامعہ کی ساری رونق ہے
تری کوشش سے اب شاداب ہے یہ باغ جنت کا

حصار علم و فن کا تو محافظ اور نگہباں ہے
تری اک ذات سے گھٹتا ہے دم ظلم و جہالت کا

ہلا کر رکھ دیا زور بیاں سے تونے باطل کو
مخالف مانتا ہے آج بھی لوہا خطابت کا

ہزاروں علم و فن کا منبع و مخزن ہے یہ نزہتؔ
حدیث و فقہ کا، تفسیر کا، نحو و بلاغت کا

بڑا ہی منصفانہ جائزہ لیتے ہیں غیروں کا
کہیں تب جاکے رکھتے ہیں یہ موقف اہل سنت کا

اڑادی نجدیت کی دھجیاں طیبہ میں جاکر بھی
بھلا کیوں خوف کھاتا شیر نر یہ اعلیٰ حضرت کا

ہزاروں تشنگان علم کی بجھتی رہیں پیاسیں
برستا ہے تو بن کر آج تک بادل سخاوت کا

ترا موقف اٹل باتیں بھی تیری حرفِ آخر ہیں
زباں نے کہہ دیا جو کچھ بنا وہ قول حجت کا

ہزاروں انجمن روشن ہیں علم و فن کی دنیا میں
کبھی ڈوبے نہ ایسا چاند ہے تو علم و حکمت کا

وہ بن کر آفتابِ علم و فن چمکا زمانے میں
جسے کچھ مل گیا موقع مرے حضرت کی خدمت کا

یہی ہے التجا شمشادؔ کی حضرت کی خدمت میں
اسے بھی دیدیا جائے ذرا سا وقت فرصت کا

☆☆☆

مولانا شمشاد احمد شمشاد مصباحی
استاذ جامعہ امجدیہ قصبہ گھوسی، مئو

منقبت

اللہ اللہ نزہۃ القاری کی کیا ہی شان ہے

مختلف علم و حکم کا منبع و مخزن ہے یہ
لفظ و معنی کا حسین و خوبرو کندن ہے یہ
فکر و فن کے موتیوں کا بے بہا معدن ہے یہ
اہل ایماں کے لئے یہ مثل روح و جان ہے
اللہ اللہ نزہۃ القاری کی کیا ہی شان ہے

شرح فرمان رسالت کی حسیں تصویر ہے
مسلک احناف کی یہ باوزن تحریر ہے
نجدیوں کے واسطے یہ فکر کی شمشیر ہے
ہر طرف رونق ہے اس کی ہر جگہ لمعان ہے
اللہ اللہ نزہۃ القاری کی کیا ہی شان ہے

صاحبان فکر و فن کی مشکلیں اب دور ہیں
طالبان حق کے دل سے ظلمتیں کافور ہیں
باغیان مصطفےٰ بھی دل سے اب رنجور ہیں
ہر نظر عاشق ہے اس پر ہر بشر قربان ہے
اللہ اللہ نزہۃ القاری کی کیا ہی شان ہے

فقہ حنفی کی مؤید اور مرجح یہ کتاب
مختلف اقوال میں تطبیق اور روشن جواب
غیر مبہم فکر اس کی اور معنی بے حجاب
کس قدر پُر نور، روشن، شاہد و برہان ہے
اللہ اللہ نزہۃ القاری کی کیا ہی شان ہے

نزہۃ القاری پہ عاشق آج ہیں اہل زمن
عصر حاضر کے غزالی رازی و رومی مگن
اس کا اک اک پھول اے شمشاد ہے رشک چمن
حق و باطل میں جو کھینچے خط وہی فرقان ہے
اللہ اللہ نزہۃ القاری کی کیا ہی شان ہے

☆☆☆

مولانا مجاہد حسین رضوی مصباحی
استاذ دار العلوم غریب نواز الہ آباد

منقبت

ناز ہو جس پہ شرافت کو شرف ایسا ہو
ظل اوصافِ شہنشاہِ نجف ایسا ہو

نرغۂ اہل ضلالت میں بھی اکھڑیں نہ قدم
حق کے میدان میں شمشیر بکف ایسا ہو

وار کرتے ہی عدو کا ہو کلیجہ چھلنی
تیر انداز بھی ایسا ہو ہدف ایسا ہو

جس کی تحقیق کا ہم عصر بھی لوہا مانیں
آئے اسلاف کی آواز خلف ایسا ہو

کہنہ سالی میں وہ ہمت کہ جواں رشک کریں
سنت سید عالم سے شغف ایسا ہو

تکملہ شرح بخاری کا مبارک ہو حضور!
ہر سفر آپ کا منزل کی طرف ایسا ہو

دیکھ کر ”نزھت قاری“ کو حسنؔ بول پڑا
علم و فن کے جو ہوں گوہر تو صدف ایسا ہو

☆☆☆

مولانا محمد صدیق صاحب نوری
پرنسپل اشاعت الاسلام، بڑھنی بازار سدھارتھ نگر

منقبت

یہ فیض حضرت صدر شریعت ہے زمانے میں
جو چمن امجدی کے گل کی رنگت ہے زمانے میں

بریلی کی زمیں کے مفتی اعظم کا صدقہ ہے
زمیں سے آسماں تک آج شہرت ہے زمانے میں

وہ جن کی ذات با برکات کو کلک رضا کہیئے
انھیں کی ذات فخر قوم وملت ہے زمانے میں

تمہاری ذات اقدس اے فقیہ ملت بیضا
نقیب و پاسبان اہلسنّت ہے زمانے میں

فدائے مسلک احمد رضا کو ناز ہے تجھ پر
تو ناشر رضویت کا درحقیقت ہے زمانے میں

صف باطل میں نام حضرت مفتی شریف الحق
نشان خوف و ہیبت اور دہشت ہے زمانے میں

چراغ مسند تحقیق و افتا کا کرشمہ ہے
جو ہر جانب شعاع علم و حکمت ہے زمانے میں

تمہارے در کے خوشہ چیں ہیں اب اکناف عالم میں
حقیقت میں یہ فیض اعلیٰ حضرت ہے زمانے میں

چلو سلجھالیں پیچیدہ مسائل کو بآسانی
ابھی زندہ فقیہ دین و ملت ہے زمانے میں

زمانہ آج ان کو مفتی اعظم اگر کہہ دے
تو کچھ بیجا نہیں حسن عقیدت ہے زمانے میں

بشکل ''نزہت القاری'' بخاری کی شرح نورؔی
حدیث وفقہ کی انمول دولت ہے زمانے میں

☆☆☆

مولانا محمد مرتضیٰ نعیمی مصباحی
پچپڑوا، ضلع بلرام پور، یوپی

بموقعہ جشن استقبالیہ فقیہ اعظم ہند حضرت شارح بخاری دامت برکاتہم القدسیہ
بوقت واپسی سفر ممالک افریقہ وایشیا

مرحبا رہبر ورہنما آگیا کشتی قوم کا ناخدا آگیا

چل دئے تھے کہاں گلستاں چھوڑ کر
سینچ کر خون سے آشیاں چھوڑ کر
سب کی آنکھوں میں اشک رواں چھوڑ کر
کر کے تبلیغ حق پیشوا آگیا

تونے تاریخ کا باب روشن کیا
عمر بھر دیں کا سیراب گلشن کیا
حق کی خاطر فدائے تونے تن من کیا
سب کہیں جانشین رضا آگیا

چشمہ علم و حکمت ہے تجھ سے رواں
قوم کا درد ہے تیرے دل میں نہاں
تو ہی عالم میں ہے سنیوں کا نشاں
بن کے ہر ایک دل کی صدا آگیا

باغِ فردوس کا تو نگہبان ہے
جس کی خاطر تری زیست قربان ہے
جس کی ہر شاخ پہ تیرا احسان ہے
لے کے اک مژدۂ جانفزا آگیا

تیرے قربان سیاح عرب و عجم
خوش نصیبی ترے چومتی ہے قدم
تونے اونچا کیا سنیت کا علم
بن کے تو قوم کا مقتدا آگیا

☆☆☆

عالی جناب حاجی مقبول احمد صاحب

دھرارہ، بجرڈیہہ، بنارس

منقبت

باخدا ہے خوب سیرت مفتی صاحب آپ کی
ہے جہاں میں اس سے شہرت مفتی صاحب آپ کی

فیض سے امجد علی کے ہند و پاکستان میں
ہر جگہ ہوتی ہے عزت مفتی صاحب آپ کی

چاند پہ جانا ہے ممکن یہ کہا جب آپ نے
بات تھی بالکل حقیقت مفتی صاحب آپ کی

کر دیا شرح بخاری جب مکمل آپ نے
ہوگئی ہر سمت مدحت مفتی صاحب آپ کی

آپ کو دربار اقدس کی زیارت ہوگئی
مرحبا ہے خوب قسمت مفتی صاحب آپ کی

چاہنے والے ترے دامن سے ہی لپٹے رہیں
حشر میں ہو ایسی عظمت مفتی صاحب آپ کی

ہم غلامان نبی کو آج کے اس دور میں
پڑتی رہتی ہے ضرورت مفتی صاحب آپ کی

روز محشر بھی اسی صورت ملے عز و شرف
جو یہاں ہے شان و شوکت مفتی صاحب آپ کی

دیوبندی، قادیانی یا وہابی رافضی
چھا گئی ہے سب پہ ہیبت مفتی صاحب آپ کی

گر وہابی چھیڑ دے تو پھر نہ چھوڑیں اس کو آپ
ہے یہی ہم کو نصیحت مفتی صاحب آپ کی

ہیں مجاہد آپ بیشک مذہب اسلام کے
جا بجا دیکھی ہے ہمت مفتی صاحب آپ کی

اشرف و اختر علی فرزند کے ہیں پیر آپ
چاہئے ان کو ہدایت مفتی صاحب آپ کی

میرے ان اشعار کو مقبول کرلے گا خدا
ہو اگر نظر عنایت مفتی صاحب آپ کی

☆☆☆

بابِ نہم

تیرے علمی کارنامے بخشیں گے تجھ کو دوام
آبِ زرّیں سے لکھے گا کل مُورّخ تیرا نام

تو نے نسلِ نو کو بخشا ہے شعورِ علم و فن
ہے تری ذاتِ گرامی لائقِ صد احترام

غیر اردو مضامین

کاروان اہلِ حق کا قافلہ سالار تو | وقت کے ارباب علم و فن کا ہے سردار تو
بالیقیں سینے میں رکھتا ہے دلِ بیدار تو | دشمنانِ دینِ حق کے واسطے تلوار تو

ساری دنیا میں مچی ہے دھوم تیرے نام کی
تو امانت ہے یقیناً عالمِ اسلام کی

(نثار کریمی)

الأستاذ نفيس أحمد المصباحي البارہ بنكوي

من أعضاء هيئة التدريس بالجامعة الأشرفية ،

مبارك فور، مديرية أعظم جراه

نظرة على حياة العلامة الشيخ الأمجدي

و مآثره العلمية و خدماته الدينية

حينما نلقي نظرة عابرة على الشخصيات البارزة ذوي الخطر والشان، و نستعرض رجال العلم والفن الذائع صيتهم في كل صقع و مكان، نجد كثيرا منهم تشرق شمس فضلهم و علمهم في شتى ربوع المعمورة بكل مالها من العظمة والشان، و أنهم بسطوا نفوذهم و أرسوا دعائمهم في قلوب الناس رجالا و نساء، صغارا و كبارا، و صاروا حديث المحافل والنوادي حتى بدأ خلق الله تعالى يشير إليهم بالبنان

و لكن حينما ندرس سيرهم دراسة غائرة عميقة و نطالع أوضاعهم و ظروفهم مطالعة جادة رزينة يتجلى لنا أنهم على قسمين. الأول : منهم الذين ورثوا هذه الشهرة والوجاهة والوسامة والوجادة عن آبائهم فبنوا مباني عظمتهم و شانهم على أسس متينة متوارثة كابرا عن كابر و أبا عن جد فطار صيتهم في الآفاق،و نالوا تجاوبا و قبولا في جميع الأوساط.

والثاني منهم من ليست لهم صلة نسبية بأسرة شهيرة و لم يكن أحد من آبائهم احتل مكانة مرموقة و منزلة سامية عند الناس،من العوام والخواص، و لكنهم بذلوا جهودا حثيثة مشكورة و مساعي مكثفة محمودة في مجال العلم والدين،و قاموا بأعمال مجيدة ذهبية و مآثر علمية دينية و مفاخر قلمية و لسانية و بطولات إصلاحية دعوية، لا تنسى

في تاريخ الهند الإسلاميّ أبد الدهر، و تحت تأثير هـذه الصفـات النبيلـة والأوصـاف الجليلـة طار ذكرهم في الآفاق، وأصبحوا محـط الأنظـار.

غير خاف على كل من له أدنى إلمام بالفـهم والفراسـة والعـدل والإنصـاف أن بـين القسمين المذكورين فرقا بعيدا و بونا شاسعا. فإن رجـال القسـم الأول شـهرتهم و وجاهتـهم وراثية، لاتمُتّ إلى الكسب والأخذ بأي صلة، و رجـال القسـم الثـاني شـهرتهم و عظمتـهم مكتسبة غير متوارثة، و بينهما بعد المشرقين كـالفرق بـين المـال المتـوارث التليـد و المـال المكتسب الطريف.

إن شخصية فقيه العصر، شـارح صحيـح البخـاري فضيلـة العلامـة المفـتي محمـد شريف الحق الأمجدي-حفظه الله تعالى - من القسم الثاني فإنـه نصـب رايـة شوكتـه و أبهتـه في كل مجال من مجـالات التصنيـف والتـاليف، والوعـظ والخطابـة، والبحـث والتحقيـق، والفقه والإفتاء، والتفسير والحديـث، والجـدل والمنـاظرة، والتدريـس والإصـلاح، و تـرك آثارا ملموسة في كل ميدان،وبذل جهودا جبارة متواصلـة منـذ شبابـه حـتى الآن لإحقـاق الحق و إبطال الباطل، و إحياء السنة و إماتة البدعـة، و نشـر العلـم الديـني النـافع،و محـوا الجهالة والأمية، و إصلاح المسلمين و تربية رجال العلـم والديـن. يعـترف بأوصافـه الجليلـة هذه،الأجانبُ والأعداءُ فضلا عن الأحبـاء والأصدقـاء.

"والفضل ما شهدت به الأعداء"

ولادته و نسبه :

تولد فضيلة الشيخ العلامة محمد شريف الحـق الأمجـدي - حفظـه الله تعـالى - سـنة أربعين و ثلث مأة وألف من الميلاد في بلدة غوسي "Ghosi" مديرية أعظـم جـراه مـن ولايـة أترا برديش بالهند و يتصل نسبه بالعلامة خير الديـن رحمـه الله بـأربع وسـائط. و هـو مـن العلماء الأجلة الربانيين ذوي الكشوف والكرامات، و من فيوضـه الروحانيـة أنـه يتواجـد في نسله منذ عهده حتى الآن، العلماءُ والفضلاءُ ذووالجلالـة والشـان، منـهم شـارح صحيـح

البخاري فضيلة الشيخ الأمجدي و هو الآن مرجع الفتاوى لأهل السنة والجماعة في شتى بقاع العالم، و موئل العلماء و رجال العلم والأدب في شبه القارة الهندية.

و شجرة نسبه فيما يلي :

" محمد شريف الحق الأمجدي بن عبد الصمد بن ثناء الله بن لعل محمد بن مولانا خير الدين."

فنشأ و ترعرع في وطنه، و كانت تبدو علائم العلو والسمو والكمال والنبوغ والذكاء علي وجهه،تشعر بأنه سوف يكون له شان عظيم و خطر جسيم.

تعليمه و تربيته :

قرأ القرآن المجيد و أخذ التعليم الإبتدائي في مكتب بوطنه "غوسي" و قرأ الكتابين غلستان و بوستان للشيخ مصلح الدين السعدي الشيرازي- رحمه الله تعالى - على الطبيب أحمد علي أخي صدر الشريعة العلامة محمد أمجد علي القادري الأعظمي بكل رغبة و نشاط، ثم ارتحل إلى مبارك فور ليأخذ العلوم والفنون على المستوى العالي،والتحق في 10 شوال سنة 1353 هـ / 1934م بدار العلوم الأشرفية التي كان شرفها جلالة العلم أستاذ العلماء العلامة الشاه عبد العزيز المحدث المراد آبادي الملقب بحافظ الملة والدين، بقدومه الميمون قبل سنة،و هو من العلماء الربانيين الذين جمعوا الشريعة إلى الطريقة، والظاهر إلى الباطن، والعلم إلى العمل، و فازوا بالقدح المعلى في العلم والفضل والكرامة والشرف والورع والتقوى، و بآثارهم القوية يحولون المصير، و يغيرون المسير، و يجعلون الطين لجينا والخزف جوهرا. --- فأقام الشيخ الأمجدي- حفظه الله - في حضرته العالية ثمانية أعوام، و حصل تحت إشرافه على التعليم البدائي للفارسية والعربية إلى التعليم العالي، ثم غادر دار العلوم الأشرفية والتحق بالمدرسة العربية الإسلامية ببلدة ميرتمه فتلمذ هناك على صدر العلماء العلامة السيد غلام جيلاني الميرتهي و خير الأذكياء العلامة غلام يزداني الأعظمي- رحمهما الله تعالى- و أقام هناك حوالي سبعة أو ثمانية أشهر. ثم حضر في غرة

شوال سنة 1361هـ المصادفة لسنة 1942م في جناب الشيخ العلامة أبي الفضل سردار أحمد المحدث الأعظم بباكستان بالمدرسة مظهر إسلام ببلدة بريلي الشريفة، وقرأ عليه الصحاح الستة حرفا حرفا، حتى تخرج على يده المباركة في 15 من شهر شعبان سنة 1362 الهجرية المصادفة لسنة 1943 الميلادية بعد أن نهل من ينبوعه الصافي العذب، و روى غليله، و شفى عليله حتى بدت حمرة العلوم في أظفاره، و أصبح عالما جليلا، و فقيها عبقريا، بارعا في العلوم النقلية والعقلية المتداولة الشائعة في الزمان، بين رجال العلم والفن ذوي الخطر والشان. ولذا نال شهادة خاصة من حضرة الشيخ العلامة الشاه محمد مصطفى رضا خان القادري النوري البريلوي المفتي الأعظم بالهند مع شهادة عامة للمدرسة مظهر إسلام، وقام بالتوقيع عليها عدةُ العلماء الأعلام كصدر الشريعة الشيخ العلامة الشاه أبي العلاء أمجد علي الأعظمي و حافظ الملة العلامة الشاه عبد العزيز المحدث المراد آبادي والعلامة الشاه محمد سردار أحمد المحدث الباكستاني.

و تدرب على الإفتاء على صدر الشريعة العلامة أمجد علي الأعظمي - رحمه الله- فوق سنة، ثم مارس عمل الإفتاء و كتابة الأجوبة الشرعية للأسئلة الآتية تحت إشراف حضرة العلامة المفتي الأعظم بالهند- رحمه الله تعالى- حوالي إحدى عشرة سنة.

أساتذته : إن الشيخ الأمجدي - حفظه الله تعالى - تلمذ على عباقرة العلوم الإسلامية و عمالقة العلم والأدب و نوابغ الفن والصناعة، إليكم أسمائهم:

1- صدر الشريعة العلامة الشاه محمد أمجد علي الأعظمي - رحمه الله تعالى - صاحب "بهار شريعة" (سبعة عشر جزءا) في اللغة الأردية و محشي شرح معاني الآثار للإمام أبي جعفر أحمد بن محمد الطحاوي في اللغة العربية.

2- المفتي الأعظم بالهند العلامة الشاه محمد مصطفى رضا خان القادرى البريلوي خلفُ الإمام الأكبر، مجدد القرن الرابع عشر أعلى الحضرة العلامة الشاه محمد أحمد رضا خان القادري البركاتيّ البريلوي و نجلُه الأصغر، مصنفُ الكتب الكثيرة الممتعة من الفتاوى المصطفوية (ثلاث مجلدات) وغيرها.

3- و حافظ الملة والدين، أستاذ العلماء أبو الفيض العلامة الشاه عبد العزيز المحدث المراد آبادي مؤسس الجامعة الأشرفية بمبارك فور مديرية أعظم جراه بالهند الشمالية و مصنف معارف الحديث والمصباح الجديد و إرشاد القرآن وغيرها من التصانيف الجليلة النافعة.

4- الشيخ العلامة محمد سردار أحمد القادري الجشتي المحدث الأعظم بباكستان و مؤسس دار العلوم مظهر إسلام ببريلي الشريف بالهند والجامعة الرضوية مظهر إسلام بفيصل آباد بباكستان و صاحب الكتب النافعة القيمة.

5- خير الأذكياء الشيخ العلامة غلام يزداني الأعظمي شيخ الحديث بدار العلوم مظهر إسلام ببريلي الشريفة.

6- صدر العلماء العلامة الشاه غلام جيلاني الميرتهي، صاحب بشير القاري شرح صحيح البخاري وغيرها من التصانيف العلمية.

7- شيخ المعقولات العلامة محمد سليمان الباغلفوري.

8- الشيخ العلامة السيد شمس الحق المبارك فوري البارع باللغة الفارسية و آدابها.

9- العلامة الشيخ محمد ثناء الله المحدث المئوي.

10- الشيخ غلام محي الدين البلياوى ــــ رحمهم الله تعالي رحمة واسعة.

والجدير بالذكر أن الشيخ الأمجدي و إن تلمذ على الشيوخ الأعلام و العلماء النحارير المذكور أسمائهم فيما أعلاه، و لكن الذي استفادمنه أكثر الإستفادة وعلأمن غيره الفياض، و ارتوى من عينه الثرة الصافية هو شخصية جلالة العلم حافظ الملة والدين العلامة الشاه عبد العزيز المحدث المراد آبادي -رحمه الله تعالى- فهو الذي بلغ به أوج الثريا في العلم و الفضل والكمال بتوجيهاته القيمة المتواصلة و دلالاته الغالية المستمرة

حتي وصل به إلى مكان عالٍ مرموق، وصعد بـه إلى قمة العلوم والفنون، والبر والخير والبركة والسعادة.

على كرسي التدريس :

التدريس والتعليم من أهم وسائل إحياء العلوم والفنون و نشر الدين والسنة، فنظرا إلى هذه الحقيقة الناصعة والواقع الهام تولى الشيخ الأمجدي – حفظه الله ورعاه – منصب التدريس بعد ما فرغ من كسب العلوم الظاهرة الآلية والنبوغ فيها والإطلاع عليها والإطمينان إليها فأقبل عليه إقبالا كاملا و عكف عليه عكوفا تاما، و انقطع إليه كل الإنقطاع فادي هذه المسئولية الكبرى و الفريضة الجليلة بكل ما لديه من لباقة و مهارة و صلاحية و لياقة، حوالي خمس و ثلاثين سنة، و درس خلال هذه المدة كتب العلوم النقلية و العقلية كلها غير مرة، دفع شبهات الطلاب الأذكياء و أزال شكوكهم، و جعلهم مقتنعين مرتا حي البال مطمئنين كاملا من كل ناحية بأجوبته العلمية المقنعة، وأزاح الستار عن الدقائق و الغوا مض المكنونة و أوضح الرموز والحقائق المستورة، و من أهم خصائص تدريسه أنه كان يتناول أصعب المباحث العلمية و أعضل القضايا الفقهية و أدق المسائل الأدبية بشرح عجيب و تحليل دقيق، و يلقيها في روع الطلبة بمهارة تامة و براعة كاملة حتى يتخيلوها من البديهيات الأولية والحال أنها في قمة الصعوبة و غاية الدقة.

شغل الشيخ منصب التدريس في شتى المدارس العربية الإسلامية، و نشر هناك درر العلوم و الحكم الثمينة و جواهرها الغالية . دونكم أسمائها.

1- المدرسة بحر العلوم ببلدة منو (Mau) أترا برديش-

2- جامعة شمس العلوم ببلدة غوسي (Ghosi) مديرية أعظم جراه، أترا برديش-

3- المدرسة خير الإسلام جبلا (Japla) مديرية فلامو، ولاية بيهار-

4- المدرسة الحنفية، مالي غاؤن (Malay Gavon)، مهاراشترا -

5- مدرسة فضل رحمانية، بجبروا (Pachperva) مديريـــة غونـــده –

6- الجامعة العربية أنوار العلوم، بلرام فور، مديرية غونـــده، أتـــرا برديـــش-

7- مدرسة عين العلوم، غيوال بيغه، مديرية غيا (Gaya) ولايـــة بيـــهار-

8- دار العلوم نداء حق، جلال فور، مديرية فيض آبـــاد، أتـــرا برديـــش-

9- دار العلوم مظهر إسلام بريلي الشريفة، أتـــرا برديـــش--

تلاميذه الراشـــدون :

قد تلمذ على العلامة الأمجدي – حفظه الله تعـــالى و نفـــع بعلومـــه عمـــوم الخلـــق – كثيرٌ من طلاب العلوم النبوية لايكاد ياتيِ عليهم العـــدو الحصـــر. و لكـــن أسمـــاء المشـــهورين منهم كما يلي، أكثرهم الآن يعدون من العلماء الأجلـــة البـــارزين :

1- العلامة خواجه مظفر حسين الرضـــوي –

2- المفتي مجيب أشرف الأعظمـــي –

3- المفتي القاضي عبد الرحيم البســـتوي

4- مولانا الشيخ قمر الدين الأشـــرفي الأعظمـــي-

5- الشيخ حفيظ الله الأعظمـــي

6- الشيخ محمد كوثر خان النعيمـــي

7- الشيخ سلطان أحمـــد الأدروي

8- الشيخ محمد إمام الدين المصطفـــوي

9- الشيخ رحمة الله البلرام فـــوري

10- المفتي شفيق أحمد الشريفـــي

11- الشيخ غلام رباني الفـــائق

12- الشيخ محمد عمر البـــهرائصي

13- الشيخ فروغ أحمد الأعظمى

١٤- الأستاذ الدكتور شكيل أحمد الأعظمي ، و من أساتذة الجامعة الأشرفية الشيخ المفتي محمد نظام الدين الرضوي، و مولانا عبد الحق الرضوي و المفتي بدر عالم المصباحي و المفتي معراج أحمد القادري و مولانا المفتي محمد نسيم المصباحي.

الفقه و الإفتاء :

من الأمور المتقررة التي اتفقت عليها كلمة أهل العلم والفهم والذكاء أنه لا يكفي لتحرير الفتاوى النبوغ والكمال في العلوم الإسلامية فقط، بل لا بد له من التلمذ على مفت ماهر و فقيه بارع والتدريب لديه إلى مدة مديدة بجنب مطالعته الواسعة و دراسته المستفيضة والإطلاع التام على كتب الفقه والفتاوى،فهو بهذا الخصوص يشبه علم الطب إلى حد كبير فإنه أيضا لا يحصل إلا بالممارسة والتمرن على طبيب حاذق نطاسي خبير بالشئون الطبية.

و من المعلوم لكم أن لصدر الشريعة العلامة الشيخ أمجد على الأعظمي والمفتي الأعظم بالهند الشيخ محمد مصطفى رضا خان تلميذَيِ الإمام الأكبر العلامة الشيخ أحمد رضا خان القادري البريلوي - رحمهم الله - شانا رفيعا و منزلة سامية و مكانة مرموقة في مجال الفقه والإفتاء رغم تبحرهما في العلوم الإسلامية والفنون الدينية، و الشيخ الأمجدي -حفظه الله - تعلم تحرير الفتاوى من صدر الشريعة أكثر من سنة،و لازم المفتي الأعظم نحو إحدى عشرة سنة في بريلي الشريفة،و تدرب عليه، حتى صار عيبة نصحه و موضع ثقته و ظل جلاله و مرأة جماله وصورة كماله.ـــو من الحقائق التاريخية المصادفة أن أول فتوى كتبها أعلى الحضرة الإمام أحمد رضا خان القادري و خلفه المفتي الأعظم الشيخ مصطفى رضا النوري البريلوي - رحمهما الله تعالى - تتعلق بباب الرضاعة، و من حسن المصادفة أن تلميذه و نائبه الشيخ العلامة الأمجدي أيضا كتب أول فتوى في باب الرضاعة.

أما عدد فتاواه التي حررها خلال إقامته ببريلي الشريفة فيبلغ خمسا و عشرين ألف فتوى، و علاوة على ذلك أجاب شفويا عن الأسئلة التي وجهت إلى حضرته العالية من العوام والخواص و هي لا تعد و لا تحصى . و بعد ما غادر بريلي إستمر على الإفتاء أينما حل و ذهب كمدرس و أستاذ.

و لكن حينما تفضل بالجامعة الأشرفية، مبارك فور في شهر ذي الحجة سنة 1396 الهجرية الموافقة لشهر ديسمبر سنة 1976 الميلادية انقطع إلى قسم الإفتاء و تولى منصب رئاسته، و يفتي الآن عدة المفتين الأفاضل تحت إشرافه و عنايته فيصلح الشيخ فتاواهم و ينقحها و يصدقها، و يملي الفتاوى بنفسه بداهة و إرتجالا.

و له فيه أسلوب جيد طريف في غاية القوة والصحة، تتزين فتاواه بالآيات القرآنية والأحاديث النبوية و بأقوال الصحابة والتابعين و الأئمة المجتهدين حسب ما تمس إليها الحاجة، و تقتضي الأحوال والظروف، يكتب المسائل الشرعية منقحة محققة بذكر مراجع فقهية و مصادر معتمدة و من عادته أنه لا يحرر الفتوى حتى يفهم غاية السائل و مرامه، و يطمئن إلى منشود المستفتي و مراده. يراعي المصالح الشرعية كل حين و آن، قد يقوم بالمحاكمة، و التطبيق و التوفيق بين المسائل و العبارات الفقهية المتعارضة و أقوال الفقهاء المتضاربة، و قد يرد على دخل مقدر، و قد ينبه على الأخطاء الشائعة، قد يقوم بالزجر و المنع عن الباطل و الأمور الخرافية، و الإرشاد إلى الأمور الحقة الراشدة، تراه يراعي رسم المفتي و أصول الإفتاء في كل سطر من فتاواه، و من أهم خصائصه الإختصار والإيجاز ، و الإستيعاب والجامعية، و سهولة في بلاغة و بلاغة في سهولة، و إيضاح المشكلة و إظهار المسئلة، والبعد عن الإيجاز المخل والإطناب الممل، و النفور من الصناعة اللفظية، و الغوامض اللغوية فيكون في فتاواه قناعة تامة لكل سائل، و غنى واف عن الرجوع إلى قول قائل.

و لهذه الخصائص البارزة والميزات الظاهرة، والنظر الدقيق والفكر العميق، و تجاربه المستمرة الطويلة المستغرقة ظرف نصف قرن و احتلاله منصب نيابة المفتي الأعظم

بالهند طار ذكره في الآفاق، و اشتهر في البلاد، و عرفه القاصي والداني، فأصبح مرجع الفتاوى، و حصل له القبول والإقبال حتى انتهت إليه رئاسة الحنفية في أواخر القرن العشرين الميلادي و أوائل القرن الخامس عشر الهجري، و أقبل عليه العامة والخاصة حتى أصبح سند المحققين، و عمدة المدققين، و رأس العلماء الكاملين و حجة رجال الفقه والمفتين – جعل الله سعيه مشكورا، و متع المسلمين بطول حياته.

البيعة والخلافة :

كان الشيخ الأمجدي يتمنى أن يحصّل النسبة الروحانية والفيوض الربانية بتوطيد العلاقات والأواصر بشيخ رباني جليل، و مرشد كامل ليس له مثيل، فإن تحصيل الفيوض الربانية والعلوم الروحانية بدون نظرة الشيخ الكامل النافذة الكيمياوية عسير جدا، و نظرة الشيخ الكامل بدون النسبة الباطنة القوية لا تحمل التاثير المطلوب، التاثير الذي يزكي قلب الإنسان، و يقربه إلى الرحمن، و يدحر عنه الشيطان، فبايع صدر الشريعة و بدر الطريقة الشيخ العلامة محمد أمجد علي القادري الرضوي الأعظمي – رحمه الله تعالى – بدون ترغيب و تشويق لمجرد الميل الروحاني والرغبة القلبية حينما كان تفضل بقدومه الميمون بدار العلوم الأشرفية بمبارك فور للمشاركة في حفلة المدرسة السنوية بسنة 1359هـ فهو من مريديه السابقين الأولين، و مسترشديه الصادقين.

و منحه المفتي الأعظم القادري النوري إجازة السلسلة القادرية البركاتية مع إجازة سلاسل القرآن والحديث و أولياء الله المسطورة في "النور والبهاء" للإمام السيد أبي الحسين أحمد النوري المارهروي ، في السابع عشر من رمضان سنة 1381هـ، و أيضا شرفه بإجازة جميع السلاسل المذكورة في "الإجازات المتينة لعلماء بكة والمدينة" للإمام أحمد رضا القادري البريلوي – رحمه الله – و ذلك في شهر شوال سنة 1383 الهجرية .

و كذالك أعطاه أحسن العلماء العلامة السيد الشاه مصطفى حيدر حسن – رحمه الله تعالى – إجازة جميع سلاسل أسرته البركاتية الكريمة الجديدة بمارهره المقدسة

بمناسبة العرس القاسمي سنة 1404 الهجرية بغير طلب عن رضا نفسه، و لف العمامة على رأسه.

و قبل ذلك كله حصل له إجازة السلسة القادرية الرضوية من شيخه و مرشده صدر الشريعة الأعظمي – رحمه الله – في شوال سنة 1367 الهجرية الموافقة لسنة 1948 الميلادية بمناسبة رحلته الميمونة إلى الحرمين الشريفين للحج والزيارة بمحطة شاه غنج، مديرية جون فور (Jaun Pur) فامتلأت خزينة قلبه بهذه العطايا القدسية و المواهب الروحية والثروات المعنوية، و أصبح ملتقى هذه المياه والبحار، و نقطة تلاقي الطرق والأنهار.

الخلفاء والمريدون :

و لكن رغم الإجازات المذكورة ما أدخل الشيخ في زمرة أتباعه و مريديه إلا عددا قليلا من الراغبين المتشوقين، أما عدد خلفائه ففي غاية القلة، نذكر منهم البعض فيما يلي :

1- العلامة الشيخ عبد الحكيم أختر الشاه جهان فوري ثم اللاهوري، صاحب الكتب العلمية الكثيرة – رحمه الله رحمة واسعة –

2- الشيخ شفيق أحمد الشريفي

3- الشيخ خليق أحمد الأعظمي

4- الشيخ رجب علي البلرام فوري

5- مولانا الحافظ عبد الحق الرضوي

6- مولانا طيش محمد الشريفي

7- المفتي بدر عالم المصباحي

8- المفتي محمد نسيم المصباحي

9- مولانا الحافظ حميد الحق الأعظمي ابن الشيخ الأمجدي

10- مولانا بشير أحمد القادري البركـــاتي

11- مولانا محب الله الشريفـــي

تبحـره العلمـي :

إن الشيخ الأمجدي - حفظه الله تعالى - بذل أقصى جـــهوده في سـبيل أخـذ العلـوم والفنون من عباقرة العلوم ، و جهابذة الفنون، و فطـاحل اللغـة و آدابهـا، و طـالع الكتب مطالعة عميقة واعية فظل بحرا طمطاما و حبرا قمقاما، و أحرز قصــب السباق علـى أقرانـه في جميع نواحي العلوم، رزقه الله تعالى فهما ثاقبا و نظرا فاحصـا و عقـلا واعيـا، إنـه متبحـر في كل علم و فن، فما ترك بابا من العلم إلا طرقــه، ولا وجـد واديـا إلا دخلـه، و لا نبعـا صافيا إلا استقاه، و من آيات تبحره في العلوم أنه يحـل القضايـا المعقـدة والمسـائل العويصـة التي تحتار فيها أرباب العقول والأذهان، و رجال العلم والعرفـان بغايـة مـن السـهولة إلى أن يرى أنه لم يكن فيها إشكال و لا تعقيد، و هذا من سماته البارزة التي يعرفـه كـل مـن حضـر مجالسه العلمية، أو جربه بطرق أخرى علمية. ذلك فضل الله يؤتيـه مـن يشـاء .

علـى منـبر الخطابـة :

إن تأثير الخطابة و نفوذها في قلوب الناس من المسـلمات لـدي أهـل كـل عصـر و منطقة، و أمة و لغة، و أن لقوة اللسان و تاثير البيان حظـا كبـيرا و شانـا عظيمـا في إثـارة عزائم الناس الفاترة و استنهاض هممهم النائمة كمـا روي عنـه صلـى الله عليـه و سـلم إن من الشعر لحكمة، و إن من البيان لسحرا . و لـذا يتجلـى لنـا بعـد مطالعـة تـاريخ العـالم الحربي و السياسي ان قياصرة القـوة والحكومـة و أكاسـرة الحـرب السياسـية أسـتخدموا الأسلحة الحادة الماضية للخطابة والبيان رغـم الإعـداد التـام والتوفـير الكـامل للأسـلحة الحديدية القاطعة لهيج عواطف جنودهم ضد الأعداء . و كـذا يسـتعملها الدعـاة و المبلغـون في دعوة الناس إلى سبيل الحق والصواب منذ فجر الدعـوة إلى عصرنـا هـذا.

لقد فضل الله تعالى على الشيخ الأمجدي فضلا عظيما و رزقه قدرة كاملة على الخطابة والمحاضرة، تكون خطابته سيالة سلسالة، متجلجلة رنانة، نافذة المفعولة، بالغة التاثير. و مما يزيد في تاثيرها منزلة الشيخ في نفوس السامعين، و قوة عارضته، و سطوع حجته و نبرات صوته، و حسن إلقائه، و محكم إشارته، و هنا تبرز قوة المعاني والألفاظ، و قوة الحجة والبرهان، و قوة العقل الخصيب. زبدة القول أنه توجد في خطابه جميع ميزات الأسلوب الخطابي و خصائصه.

و من أهم خصائصه أنه حينما يخطب حول عنوان ديني أو علمي يؤدي حقه، و يلقي الأضواء على جميع مناحيه، و يكثر الإستدلال بالكتاب و السنة، و يقوم بالإستشهاد بأقوال الصحابة والتابعين، و كتب العلماء المعتمدين، حتى تتضح المسئلة كالشمس في رابعة النهار، بإزاحة ما لصق به من نقع و غبار، و إذا يرد بخطابه على أعداء الدين والمبتدعين الخرافيين يرى كأنه أسد يزأر، و فهد يهجم، و مدفعية تزمجر، و كل ذلك في غاية الوضوح والسهولة بحيث يفهم القاصي والداني، والعالم والجاهل، والصغير والكبير، و قد سمعته يخطب غير مرة على عناوين شتى و مواضيع مختلفة.

تكون خطباته لتبليغ الدين، و نشر السنة، و إحقاق الحق، و إبطال الباطل، والأمر بالمعروف، والنهي عن المنكر في شتى مناطق الهند و خارجها، وإنها قد تركت في الناس آثار جيدة حسنة حتى تاب كثير منهم عن الغي والضلال، و اعتنقوا الحق والصواب.

زيارته للحرمين الشريفين :

يتمنى كل من يعتنق الإسلام و يؤمن بكلمته أن يسعد بالحج و زيارة الحرمين الشريفين. حصل للشيخ الأمجدي – حفظه الله – شرف زيارة بيت الله الحرام و روضة حبيبه – صلى الله عليه و سلم – عدة مرات، فحج أول مرة في شهر ذي الحجة سنة 1405 الهجرية المصادفة لشهر ستمبر سنة 1985 الميلادية، رافقه في هذه الرحلة المباركة

حضرة الشيخ السيد الشاه آل رسول حسنين النظمي البركاتي المارهروي ابن سيد العلماء الشيخ العلامة السيد آل مصطفى المارهروي، و مولانا خليل أحمد خان الشافعي والقاري تراب علي الرضوي.

الحجيج يتكاثرون متوافرون كل سنة، و لهم عواطف شتى، و دوافع مختلفة، و أحاسيس متنوعة، بعضهم يقضون فترة الإقامة بالحرمين كأنهم في سفر من أسفار التجارة، و بعضهم كأنهم في بلد من بلاد التفرج والسياحة و بعضهم يغلبه الفرح والسرور، و بعضهم ينغمر في الخوف و بعضهم يحيط به الحنين إلى كل موضع وطئته أقدام الرسول، و بعضهم يغشاه الشعور بإحترام كل ذرة من الربوع المقدسة والأراضي المنورة. و يأخذ كل ما يتطلبه الأدب والإجلال، و طهارة الارض و قداسة المكان، فيرى غاضا بصره، مرتعدا جسده، خاشعة جوارحه .

و في هذه الأوضاع والأحوال تطمح قلوبنا إلى معرفة ما صحب الشيخ الأمجدي من العواطف و ما رافقه من الأحاسيس و ما أحاط به من الظروف فنجده يذكر – أدام الله ظله علينا.

وصلنا إلى مكة المكرمة مرتعدين مرتعشين، خائفين مذعورين بعد صلوة الفجر مباشرة، فتوضأنا و أتينا المسجد الحرام، حينما لاح لنا بيت الله الحرام ما تما لكنا أنفسنا،و انطلقت الصرخة منا لغاية الفرح والسرور، و ترقرقت الدموع في العيون، و جعلنا نبكي بكاء شديدا، و نسينا أنفسنا، و مازلنا قائمين في هذه الحال إلى وقت طويل، أقمنا بمكة تسعة أيام، ثم ارتحلنا إلى مدينة الرسول – صلى الله تعالى عليه و سلم – فأتيناها فلما رفعت عيني رأيت القبة الخضراء ماثلة أمام العيون بكل عظمة و شان، و روعة و جمال، ففقدت الرشد والوعي، و مازلت قائما ساكتا زمانا، و جسمي مرتعش، فلما عاد الرشد والصواب صليت على النبي الكريم، و سلمت عليه مكتوف اليدين بغاية من التبجيل والتكريم.

أقام الشيخ في المدينة المنورة – على صاحبها الصلوة، والسلام – عشرة أيام، و ما انفك يحضر جناب الرسول الكريم – صلى الله عليه و سلم – خلال هذه الفترة بعد كل صلوة مباشرة، و يصلي و يسلم عليه، و يسأله الإستغفار لنفسه، و يزور جنة البقيع كل يوم، و كذالك زار جبل أحد و مسجد قباء و مسجد القبلتين، و حضر خمس مساجد في ميدان غزوة الخندق، و مسجد غمامة و غيرها من المقدسات الإسلامية هناك. ثم توجه إلى مكة المكرمة ثانيا و زار المقامات المقدسة هناك و أدي مناسك الحج.

إلتقى الشيخ الأمجدي – مد الله ظله – خلال قيامه بالحرمين الشريفين كثيرا من علماء أهل السنة والجماعة و مشائخهم كالشيخ العلامة فضل الرحمن القادري المدني، و تاج الشريعة فقيه الإسلام العلامة الشاه أختر رضا خان القادري الأزهري البريلوي – أدام الله ظلالهما – والأستاذ إفتخار أحمد القادري المصباحي – حفظه الله – وغيرهم .

ثم حج حجته الثانية سنة 1418 الهجرية الموافقة سنة 1997 الميلادية، واعتمر عمرتين، أولهما سنة 1997 الميلادية و ثانيتهما في شهر رمضان المبارك سنة 1418 هـ / يناير سنة 1998 م .

قال الشيخ – حفظه الله – بعد الرجوع إلى وطنه و هو يعلّق على الأوضاع الإجتماعية والظروف الخلقية للحكومة النجدية السعودية :

"وصلت تجار بنا العملية بعد رؤية الحرمين الشريفين و أعمال رجال الحكومة السعودية النجدية إلى أنه لا ذنب و لا جريمة عندهم إلا لمس المقابر والأضرحة والمقامات المقدسة و تقبيلها، حتى أن حلق اللحية و رؤية الأفلام السنيمائية العارية و وضع التلفاز، و رؤية المشاهد السنيمائية الماجنة الخليعة المفسدة للأخلاق على شاشاتها في البيوت بواسطة "دش أنتينا" و سماع الأغاني الغرامية المثيرة المهيجة على رؤوس الأشهاد، و رسم الصور الحيوانية، و بيعها و شرائها ليست بجريمة أصلا. فأسئل أعوان الحكومة النجدية و نصرائها و عملائها هل تجوز هذه الأمور المذكورة في

الشريعة الإسلاميّة؟ و ما رأيت هناك من هتك حرمة القرآن الكريم و إساءة الأدب إليه بأيدي الوهابيين النجديين ليس له مثال في أي ربوع المعمورة- أعاذنا الله من هذه الأعمال القبيحة.

(شارح البخاري، للعلامة يس أختر المصباحي، ص : 39)

الرد والمناظرة :

كان أسد السنة العلامة هداية رسول القادري البركاتي الرام فوري ثم اللكنوي و مناظر أهل السنة العلامة حشمت علي اللكنوي ثم الفيلي بيتي و مجاهد الملة العلامة الشاه محمد حبيب الرحمن القادري الأريسوي والعلامة المفتي الشاه محمد أجمل السنبلي - رحمهم الله تعالى - فرسان ميدان المناظرة في الزمان الماضي، و هم من كبار علماء أهل السنة و قادة الفكر الإسلامي و عباقرة العلوم و الفنون، لهم رغبة زائدة إلى هذا الفن، و ملكة تامة و يد طولى في هذا الموضوع، لكن شارح صحيح البخاري فضيلة العلامة المفتي محمد شريف الحق الأمجدي و رئيس القلم الكاتب الإسلامي الكبير سماحة العلامة أرشد القادري - حفظهما الله تعالى - من ورثتهم و حملة لوائهم الحق في هذا الزمان.

قد اشترك العلامة الأمجدي - أدام الله ظله - كثيرا من حفلات المناظرة، و قام بتحطيم الباطل و رجاله و أعداء أهل السنة و الجماعة بذكائه و فطانته، و قوة علمه وسعة دراسته، و حضور بديهته و ارتجاله في الجواب، و ذلك باعتبارات شتى، فتارة عاون المناظر الإسلامي و سانده، و تارة أدى مسؤولية الرئاسة، و تارة ناظر بنفسه، و تارة رد على عقائد الخصم الباطلة وأفكاره الفاسدة و مفاهيمه الكاسدة أشد الرد في حفلة الفتح، فمزقها تمزيقا و دمرها تدميرا، و رفع رؤوس أهل السنة والجماعة اعتزازا و افتخارا، و ذلك حين لاذ الخصم بالهرب و الفرار و لم يجترئ بالمقاومة والمناظرة.

إنه أدى دورا حاسما نشيطا في المناظرات فيما يلي من المواضع :

1. رانے فور، مديرية لكيم فور كيري (Lakheempur Khiri) اترا برديش.

2. باندو جترا، مديرية فلامـو ولايـة بيـهار

3. بن كاؤن ، (Babhangaun)، مديرية بسـتي، أتـرا برديـش.

4. سيتا فـور، أتـرا برديـش

5. جريا (Jhariya)، مديرية دهنبـاد، ولايـة بيـهار

6. كتـك (Katak)، ولايـة أريسـه

7. بجرديهه (Bajardiha)، بنـارس، أتـرا برديـش

8. سعدى مدن فور، مديرية فتح فـور، أتـرا برديـش

9. بلـدة بدايـون (Badayoon)

و هذا من البراهين القاطعة والحجج الساطعة على تبحـره التـام في العلـم، و ملكتـه الراسخة والإطلاع الكامل علـى أصـول المنـاظرة و شؤونهـا اللازمـة، و دراسـة الكتـب الإسلامية والتاريخية الواسعة المستفيضة، و معرفتـه الشاملـة للأوضـاع والظـروف، و نظـره الدقيق في مكائد الخصم و مواضع ضعفه، وإتصافه بما يتحتم على منـاظر خبير محنّك أفّاق من الشروط والمواصفات، و ذلك فضل الله يوتيه مـن يشـاء.

الكتابـة والتصنيـف :

رغم القيام بأعباء التدريس والإفتاء المثقلـة، والعنايـة بشؤونهـا الهامـة أدى الشيـخ الأمجدي - دام ظله - حقوق القرطاس والقلم أيضـا و بـرز إلى ميـدان التحريـر والتـاليف، والكتابة والتصنيف، و مر بهذا الوادي الشائك المليء بالتحديـات والأخطـار متكلـلا بـالفوز والنجاح، يحيط زمن كتابته و تصنيفه بنصف قرن، إنه كتـب مقـالات هامـة و كتبـا قيمـة حول عناوين علمية فقهية تاريخية بقلمه السيال البـارع الفنـان، فـأنقذ النـاس عـن براثـن الأفكار الضالـة، والمفـاهيم الخاطئـة، و عـرض عليـهم العقـائد الإسـلامية الصحيحـة، والنظريات الحقة القويمة، يتجلى في كتاباتـه و عباراتـه لـون أفكـار الإمـام الأكـبر علامـة الزمان و عبقري الشان الشيخ أحمد رضا خان القادري الـبريلوي - رحمـه الله تعـالى - مجـدد

القرن الرابع عشر الهجريّ، يقصد بها تأييد الحق و تدعيمه، و إبطال الباطل و تزييفه، فله فيها أسلوب خاص مميز يمتاز به عن أقرانه، وحينما يرد على المذاهب الباطلة والمسالك المنحرفة والمشارب الطاغية تبلغ كتاباته أوج القوة والكمال، و غاية الشدة والصلابة، حتى يرى أنها عذاب من عذاب الله عليها.

قد طبعت مقالاتها القيمة و كلماته العلمية في مجلات الهند الأردية المختلفة من دبدبه سكندري رام فور، و نوري كرن بريلي، و پاسبان إله آباد، و جام كوثر كلكته، و استقامت كان فور، و أشرفية مبارك فور، رفاقت بتنه (Patna)، و حجاز جديد دهلي،وغيرها، و نالت تجاوبا و قبولا من العوام والخواص، و قدروها تقديرا. و لاتزال تطبع نخبة فتاواه في مجلة "أشرفية" مبارك فور بطريق متواصل مستمر حسب ما تمس الحاجة إليها، و تتطلبها الأوضاع والظروف.

مؤلفاته القيمة :

صنف الشيخ الأمجدي - دامت بركاتهم - عدة كتب يبلغ عددها سبع عشر كتابا، أكثرها مطبوعة مقبولة، و هي كما تلي :

١. نزهة القاري شرح صحيح البخاري : و هو شرح علمي قيم متوسط للجامع الصحيح لأمير المؤمنين في الحديث الإمام أبي عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري - رحمه الله - في اللغة الأردية، له تسع مجلدات، يحتوي كل منها على مئآت صفحة، مجموعها يبلغ خمسا و خمسين و ثلاث مأت و أربعة آلاف صفحة بالقطع الكبير، في بداية المجلد الأول مقدمة علمية تاريخية جامعة بسيطة تشتمل على أهمية الحديث، و تاريخ كتابته في القرون المشهود لها بالخير، والرغبة إلى حفظه في القرون الثلاثة الأولى، و قوة ذاكرة العرب و حفظهم ، و المصطلحات الحديثية، و كيفية الإستدلال بالأحاديث، و طرق تقوية الضعاف، و طبقات كتب الأحاديث، و أقسام الكتب الحديثية، و ترجمة الإمام البخاري - رحمه الله تعالى - المفصلة، والتعريف بكتابه "صحيح البخاري" و شروحه مثل

فتح الباري و عمدة القاري وغيرهما، و ترجمة الإمام الأعظم أبي حنيفة نعمان بن ثابت الكوفي - رضي الله عنه - ، و تراجم أقرانه المشهورين، وغيرها من العناوين المختارة الهامة، و هي تجدر بأن تطبع على حدة ككتاب مستقل.

يقوم الشيخ الأمجدي - حفظه الله - فيه أولا بالترجمة الصحيحة السلسة الواضحة إلى اللغة الأردية للاحاديث الشريفة ثم يذكر مفاهيمها و معانيها، و اختلاف الأئمة المجتهدين و طرق إستدلالهم بها بالوجوه الشرعية والأصول الفقهية المعتبرة ثم يضعف الضعيف و يرجح الراجح مع ذكر العلل والوجوه، يأتي بتراجم الصحابة الذين رويت عنهم و غيرهم من بعض الرواة حسب ما تمس إليها الحاجة، و قد يتكلم على المتون والأسانيد، و يستند فيه إلى أقوال الأئمة المحدثين و رجال الجرح والتعديل - رحمهم الله تعالى - والكتاب مجلداته كلها مطبوعة متداولة، ورزق له من القبول ما لم يرزق لشرح آخر في اللسان الأردي.

2- **أشرف السير** : و هو كتاب جامع علمي حول السيرة النبوية - على صاحبها ألف ألف تحية - في اللغة الأردية، و من قصته أن الشيخ - أدام الله تعالى ظله - طالع في أول شبابه "سيرة النبي" للشيخ الشبلي النعماني مؤسس دار المصنفين بأعظم جراه فرأى أنه وقعت له فيها زلات علمية و عثرات قلمية في مباحث السيرة النبوية الكثيرة فإنه أنكر كثيرا من المعجزات النبوية بمجرد أنها لم تطابق مستواه العقلي الخاص و معياره الفكري المصطنع، و كذا انتقد كثيرا من أئمة السير والمغازي، و رد عليهم ردا شديدا فنشأ في نفسه دوافع دفعته إلى تاليف كتاب علمي تحقيقي ضخم كبير يحتوي على مباحث السيرة الصحيحة و مواقفها الصادقة و حقائقها الواقعية و وقائعها الحقة مع الإشارة إلى أخطائه التاريخية و عثراته العلمية،والرد على أفكاره الزائفة و معتقداته الفاسدة، فشرع في تاليفه حينما تولى منصب التدريس في الجامعة العربية أنوار العلوم ببلرام فور، فرسم أولا خطته الرئيسية الشاملة، ثم كتب في البداية مقدمة علمية جامعة ذكر فيها أصول السير والمغازي التي لايجوز صرف النظر عنها لأي كاتب في السيرة النبوية مستدلا بعبارات أئمة

هذا الفن، ثم اشتغل بكتابة مباحث السيرة حتى انتهى إلى قصة الهجرة النبوية إلى المدينة المنورة، و لكن اعترت سبيله بعض العراقيل، فلم يوفق لإتمامه إلى الآن، لعل الله يحدث بعد ذالك أمرا. والمجلد الأول نصفه طبع أولا سنة 1968 الميلادية كحلقة أولى، و هو يشتمل على ثماني و عشرين و مأة صفحة بالقطع المتوسط، و ما طبع من جزء الكتاب يشعر بأنه لو تم تاليفه لحصل له القبول في جميع الأوساط العامة والخاصة مثل نزهة القاري المذكور أعلاه. وفقه الله تعالى لإتمامه.

أسلوبه نموذج أعلى و مثال أسمى للأدب الأردي، أصبح به على جانب عظيم من الخطورة والأهمية والعظمة والفخامة، واستحق أن يقدر تقديرا أدبيا.

3- **حاشية الفتاوى الأمجدية** الفتاوى الأمجدية مجموع فتاوى صدر الشريعة العلامة المفتي محمد أمجد علي الرضوي الأعظمي - رحمه الله - و هو من أساتذة الشيخ الأمجدي - حفظه الله - في الإفتاء و شيخه الروحاني، و مرشده في الطريقة، لها أربع مجلدات مطبوعة فطبع المجلد الأول من دائرة المعارف الأمجدية - غوسي - أعظم جراه تحت إشراف الشيخ عبد المنان الكليمي المصباحي أستاذ المدرسة شمس العلوم بغوسي سابقا سنة 1979م والمجلد الثاني سنة 1983م، فكتب الشيخ الأمجدي - أدام الله ظله - الحاشية على المجلدين بطلب الشيخ الكليمي و إلحاحه، فالمجلد الأول من الفتاوى المذكورة أعلاه يبلغ عدد صفحاته 425 صفحة والمجلد الثاني منها 388 صفحة. لهذه الحواشي مكانة مرموقة و درجة سامية و قيمة هامة من الناحية العلمية والفقهية في الأوساط العلمية، واعترف العلماء والفقهاء بأهميتها و جامعيتها، لها أسلوب علمي واضح رزين مع سطوع البيان و رصانة الحجج و سهولة العبارات و حسن تقرير المسائل في العقول والأذهان، والله الموفق ، و هو المستعان.

4- **مقالات الشيخ الأمجدي** : هذا الكتاب مجموع بعض مقالات الشيخ الهامة كما يظهر باسمه، و قد ذكرت أن للشيخ رغبة تامة إلى الكتابة والتصنيف منذ أن بلغ رشده فما زال يكتب المقالات على شتى العناوين حسب ما تدعو الضرورة، و تتطلب الأوضاع

والظروف، و طبعت في المجلات العلمية والأدبية والدينية العديدة، و طبعها الأخ الكريم المولوي وحيد الحق الأعظمي بن الشيخ الأمجدي مقتبسا منها باسم "مقالات الشيخ الأمجدي" و هي على عناوين مختلفة تالية :

1- إن رسول الله شارع يضع القوانين

2- نظرة على خلافة معاوية و يزيد

3- القول الفيصل في معنى "أول جيش من أمتي يغزون مدينة قيصر"

4- مكانة تقليد الأئمة في الشريعة الإسلامية

5- بناء الفكر الإسلامي الجديد

6- أرض القدس و سيطرة اليهود عليها

7- شرح آية نزلت في اليهود

8- الرحلة الفضائية في ضوء الإسلام

9- رؤية الأهلة و علم التوقيت

10- تلزم أربعة مآثم للإفطار و صلوة عيد الفطر على نبأ الراديو

11- الجواب عن شبهة بعض المعاندين في ذاكرة الإمام الأكبر العلامة الشيخ أحمد رضا خان القادري البريلوي - رحمه الله تعالى -

5- **الرحلة إلى القمر في الإسلام (اسلام اور چاند كاسفر)** : صدر للشيخ كتاب علمي جيد سنة 1971 الميلادية باسم "الرحلة إلى القمر في الإسلام " و نال الإعجاب والتقدير في جميع الأوساط، و أثار ضجة كبيرة في الدوائر العلمية كما أحدث رواد الفضاء من أمريكا و روسيا زلزلة عظيمة في العالم كله بادعاء أن سفينتاهم الفضائيتان "أبالو" (Apalo) و "لونا" (Lona) وقد وصلتا إلى القمر فكان جمع كبير من علماء الإسلام يقول أنه كذب بحت و كيد محض قطعيا فإنه لايمكن شرعا لأحد من الناس لا سيما الكفار الوصول إلى القمر و من يصدقه فهو من الغواة الضالين، يجب عليه أن يتوب عنه، و يجدد إيمانه. و على العكس من ذلك يقول غيرهم من العلماء إنه يمكن لعامة

الناس حتى الكفار، و لا بأس بتصديق و دعواهم شرعا. و كان يدعى جماعة منهم أنه تتواحد البشارة في القرآن الكريم بوصول الناس إليه، و يستدلون عليه حسب زعمهم و ذوقهم.

ذهب المصنف العلام إلى أنه لا استحالة فيه شرعا و لا عقلا، و لكنه لا يصدق و لا يكذب ما قال رواد الفضاء من أمريكا و روسيا. و قد طبع الكتاب غير مرة تحت عناية دائرة البركات بغوسي، أعظم جراه، و يحتوي على 128 صفحة بقطع 8\23*36 قد قام الشيخ – دام ظله – فيه بتحقيق المسألة بالبراهين والحجج، و ألقى الضوء على جوانبها المختلفة، كل من يطالع الكتاب يعترف حتما أن المصنف العلام له نظرة عميقة و معرفة تامة في علوم الفلسفة القديمة والجديدة و علوم الهيئة و الفلكيات كما أن له قد ما راسخة و يدا طولى في علوم القرآن والحديث و التفسير وغيره من العلوم الدينية.

6- إستعراض منصف في الخلافات بين أهل السنة والوهابية الديوبندية (منصفانه جائزه) :

تحدث المصنف العلام فيه عن الأمور الخلافية الأصلية بين أهل السنة والجماعة والفرقة الديابنة، و قدم عبارات "تحذير الناس" لقاسم النانوتوي مؤسس دار العلوم بديوبند و "البراهين القاطعة" للشيخ رشيد أحمد الكنكوهي المطبوع باسم تلميذه خليل أحمد الأنبيتهوي، و "حفظ الإيمان" للشيخ أشرف على التهانوي، وانتقد عليها انتقادا علميا منصفا، و أثبت بالدلائل الساطعة والشواهد العلمية والتاريخية أن تلك العبارات كفرية. صدر الكتاب غير مرة من دائرة البركات بغوسي، أعظم جراه و هو يحتوي على 152 صفحة بقطع 8\23*36، إنه غرز مسمارا أخيرا في تابوت الديوبندية، و قضى عليها علميا، و لذا رزق له من القبول ما لم يرزق لكتاب آخر حول القضايا الخلافية بين السنيين والديو بنديين في شبه القارة الهندية.

7- التحقيقات : قد طبع إعلان ملصق على الجدار بالقطع الكبير من مكتب قسم الدعوة والتبليغ بدار العلوم الديو بندية حول عنوان "العقائد الباطلة الرضاخانية في

ضوء أقوالهم"، و ذلك سنة 1390هـ / 1971م، وتجه التهم فيه إلى علماء أهل السنة والجماعة و قادهم بذكر بعض العبارات من كتبهم بحذف و تغيير و تحريف، فكتب الشيخ – حفظه الله تعالى – هذا الكتاب ردا عليه و وجه الخطاب فيه إلى القاري محمد طيب الديوبندي مدير دار العلوم الديو بندية آنذاك الذي طبع الإعلان المذكور أعلاه تحت إشرافه و تأييده، و هو رد قاطع محكم لم يجترئ أحد منهم على رده إلى الآن قد طبع الكتاب ثلاث طبعات، الأولى منها سنة 1971م، والثانية سنة 1976م، والثالثة سنة 1999م

٨- **عبرات سائلة** (اشكِ رواں) : هذا كتاب شبه سياسي ألفه الشيخ – دام ظله – حين كان الصراع السياسي بين حزب الرابطة الإسلامية (Muslim League) و حزب المؤتمر الوطني الهندي (Indian National Congress) بلغ قمته الأخيرة قبل استقلال الهند عن براثن الإنكليز الغاشمة، أما المؤتمر الوطني الهندي فكان عدوا مبينا للمسلمين بلا مرية، و أما حزب الرابطة الإسلامية فكان يدعى تمثيل المسلمين و قيادهم و لكن محاولاته السياسية و جهوده الدبلوماسية لم تكن لنصح المسلمين و سعادهم،و صالحهم و رفاهيتهم، بل كانت سياسته انتهازية، فرد الشيخ العلام – أدام الله تعالى ظله – في هذا الكتاب عليهما أشد الرد، و لفت عناياهم و أنظارهم إلى ما تفطن بأنظاره الثاقبة من المساوي والمفاسد، والخسائر والمضرات بتقسيم الوطن إلى الهند وباكستان ثم توزيع باكستان إلى باكستان الغربي والشرقي. كل من له أدنى إلمام بالتاريخ الهندي يعلم جيدا كم لحق المسلمين من الخسران والإجحاف، و أصيب بهم من الضرر والأذى عند ما انفجرت الإشتباكات والاضطرابات الطائفية في المناطق الدانية إلى الحدود الشرقية والغربية من شتى ولايات الهند، و كم ضاع من النفس والنفيس بأيدي الهندوس المتطرفين وطوائف السيخ المشاغبين و كل ما حدث قد كتبه الشيخ فيه قبل ظهوره بسنوات عديدة.و ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء.

٩- أيهما أرض الفتن، النجد أم العراق ؟ (فتنون كى سرزمين كون نجد يا عراق) : كتب بعض علماء المملكة العربية السعودية و سماسرها الوهابيين في بلدة "مئو"

(Mau) عدة كتب ضد الحكومة العراقية سنة 1992 الميلادية عند ما نشبت الحرب الزبون بين دولة العراق والولايات المتحدة الأميريكية لأجل هجوم العراق على الكويت، فطعنوا فيها على شخصية إمام الأئمة كاشف الغمة سيدنا الإمام أبي حنيفة نعمان بن ثابت الكوفي و شيخ الشيوخ غوث الأغوات سيدنا الشيخ عبد القادر الجيلاني مؤسس السلسلة العلية القادرية - رضي الله تعالى عنهما- و قالوا إن المشار بكلمة "هنالك" في قول النبي صلى الله تعالى عليه و سلم - "هنالك الزلازل والفتن، و بها يطلع قرن الشياطين." إلى أرض العراق لا غير، فكتب الشيخ - مد ظله العالي - هذا الكتاب، و شدد الإنكار عليهم، و نفى فكرهم هذا الفاسد، و أثبت أن المشار بكلمة "هنالك" إلى النجد لا العراق، فأرض الزلازل أو الفتن هو النجد لا العراق، و أيد موقفه هذا بالدلائل التاريخية والشواهد الجغرافية. قد طبع من دائرة البركات بغوسي، مديرية أعظم جراه سنة 1999م، يحتوي على صفحة 104 بقطع 8\23*36.

10- إثبات إيصال الثواب : وجه بعض منكري وصول الثواب إلى الموتى سؤالا إلى حضرته العالية فكتب هذا الكتاب ردا عليهم، و أثبت بآيات القرآن و الأحاديث النبوية و أقوال أئمة الدين و العلماء المسلمين أن دعاء المؤمن لغيره من المسلمين و استغفاره له و إيصال الثواب إليه جائز و مفيد له. و ذكر فيه قول الشيخ العلامة صدر الدين أبي عبد الله الدمشقي صاحب كتاب "رحمة الأمة في اختلاف الأئمة".

"أجمعوا على أن الإستغفار والدعاء والصدقة والحج والعتق ينفع الميت، و يصل إليه ثوابه".

و أيضا نقل قول ابن تيمية عن تفسير روح البيان للشيخ العلامة إسماعيل الحقي و حاشية العلامة الصاوي علي تفسير الجلالين :

"قال الشيخ تقي الدين أبو العباس : من اعتقد أن الإنسان لا ينفع إلا بعمله فقد خرق الإجماع".

و قد صدرت له طبعات عديدة من دائرة البركات بغوسي، و هو يشتمل على سبع و سبعين صفحة بقطع 8\23*36. و هو محاولة ناجحة ميمونة حول العنوان المذكور.

11- السراج الكامل : هذه رسالة في شرح بعض أقاويل صدر الأفاضل فخر الأماثل العلامة نعيم الدين المراد آبادي مصنف تفسير خزائن العرفان على ترجمة القرآن المسماة بكنز الإيمان للإمام العلامة الشاه أحمد رضا خان القادري البريلوي مجدد القرن الرابع عشر الهجري – عليهما الرحمة –

12- المفتي الأعظم بالهند في ضوء فضله و كماله (مفتي أعظم اپنے فضل و كمال كے آئينے ميں) : هذه رسالة تحدث فيها عن مآثر المفتي الأعظم بالهند العلامة الشيخ محمد مصطفى رضا خان القادري البريلوي نجل الإمام الهمام العلامة أحمد رضا خان القادري البريلوي – رحمهما الله – العلمية و جهوده الدعوية والإصلاحية، و محاولاته الدينية النافعة و عن بعض نواحي الفضل والكمال والورع والتقوى والزهد والإنابة إلى الله، و عن بعض صفاته النبيلة و خصائصه الجليلة التي تميزه بين علماء الزمان، و تفوقه على الأقران، كما هو ظاهر من اسم الكتاب. و قد طبع من مجمع الرضا (Raza Academy) بمبائي بمناسبة الإحتفال المئوي للمفتي الأعظم بالهند رحمه الله، و هو يحتوي على صفحة 48 بقطع 8\23*36.

13- الفتاوى الشريفية : و هو مجموعة فتاوى الشيخ الأمجدي – حفظه الله – التي كتبها خلال قيامه بالجامعة الأشرفية بمبارك فور، مديرية أعظم جراه، و هو أكبر تصانيفه حجما و نفعا، قد بلغ عدد فتاواه إلى الآن ستين ألف فتوى،و هي الآن على بساط الترتيب والتبويب سوف تطبع إن شاء الله تعالى و هي تحتوي على ستين ألف صفحة على أوراق الحجم الكبير، فيها فتاوى عامة و هامة، حتى يقول من يطالعها "كم ترك الأولون للآخرين" و هي تحفة غالية للعوام والخواص، و خزينة قيمة للمفتين، و رجال العلم والدين. جعل الله سعيه مشكورا.

14- تقرير المناظرَة في بنارس (رودادِ مناظرهٔ بنارس)

15- أين يؤذن للخطبة (أذان خطبه كهاں هو)

16- : (تنقيد بر محل) : رتب هذين الكتابين المتأخر ذكرهما الشيخ الأستاذ عبد الحق الرضوي عضو هيئة التدريس بالجامعة الأشرفية بمبارك فور و تلميذ الشيخ الأمجدي - حفظهما الله - في ضوء إفادات الشيخ العلمية القيمة، و حقق فيهما أن الأذان للصلوات كلها حتى الجمعة يسن خارج المسجد، و أيد موقفه من هذا بالحديث الذي أخرجه الإمام أبو داؤد في سننه و بعبارات الفقهاء والعلماء. قد طبعا من دائرة البركات بغوسي، مديرية أعظم جراه بحلة قشيبة و حروف فصيحة. و هما قول فصل محكم في هذه المسألة.

17- مسألة التكفير و الإمام أحمد رضا : تحدث الشيخ الأمجدي فيه عن قضية التكفير مفصلا، و ألقى الأضواء على شتى مناحيها اللازمة الهامة، و بين سبب تكفير الإمام الهمام الشيخ العلامة أحمد رضا خان القادري الحنفي البريلوي - قدس سره- أعيان الوهابية الديو بندية من رشيد أحمد الكنكوهي و قاسم النانوتوي و خليل أحمد الأنبيتهوي و أشرف على التهانوي مع ذكر عباراتهم الكفرية و معتقداتهم الخرافية. طبع من دائرة البركات بكريم الدين، بلدة غوسي، بمديرية مئو. و هو يحتوي على٤٨ صفحة بقطع 8\23*36، يجدر بالمطالعة والدراسة.

لأجل هذه المآثر العلمية والخدمات التاليفية يتألق الشيخ - مد الله تعالى ظله - في كبد سماء العلم والفضل والإرشاد والهداية والإصلاح و البلاغ شمسا بازغة يستضئ العالم من نورها و ضياءها و إشراقها و بهائها.

صلاته بأعيان العلماء والمشائخ :

كانت صلاته بأعيان العلماء والمشائخ و طيدة، و علاقاته بهم وثيقة، فكانوا يكرمونه،ويشجعونه، و يستنهضون هممه على مآثره الذهبية و أعماله المجيدة، و يدعونه بالمناسبات الهامة، و هذا كله كان لأجل ما قام الشيخ من خدمات لسانية و قلمية، و إصلاحية و دعوية لاتنسى في تاريخ الهند الإسلامي أبد الدهر. إليكم أسماء المشهورين منهم :

1- حضرة صدر الشريعة الشيخ العلامة محمد أمجد علي الأعظمي ________

2- حضرة الشيخ العلامة محمد مصطفى رضا خان القادري النوري البريلوي، المفتي الأعظم بالهند .

3- حضرة الشيخ العلامة السيد محمد المحدث الأعظم بالهند .

4- حضرة جلالة العلم حافظ الملة الشيخ العلامة عبد العزيز المحدث المراد آبادي، مؤسس الجامعة الأشرفية، بمبارك فور، مديرية أعظم جراه .

5- حضرة الشيخ العلامة سردار أحمد اللائل فوري، المحدث الأعظم بباكستان، مؤسس الجامعة الرضوية مظهر إسلام بلائل فور، مديرية فيصل آباد باكستان.

.6- حضرة مجاهد الملة الشيخ العلامة محمد حبيب الرحمن الأريسوي .

7- حضرة سيد العلماء الشيخ العلامة السيد آل مصطفى، متولى سجادة المشائخ البركاتية بمارهره المقدسة (Marhara)، مديرية إيته، أترا برديش.

8- حضرة أحسن العلماء الشيخ العلامة السيد مصطفى حيدر حسن البركاتي المارهروي وكيل سجادة المشائخ البركاتية، بمارهره.

هيئته و حليته :

إن الشيخ – حفظه الله – ربعة من الرجال، قمحى اللون، يلبس العمامة في غالب الأحيان، إلا إذا اشتد الحر فيلبس القلنسوة على رأسه فقط و هو يتزى بزي إسلامي،

يلبس ثيابا فاخرة نظيفة، يحب النظافة والأناقة في كل شئ، مقتصد في الأمور، متوسط بين الإفراط والتفريط، طارح التكلف، قد أرسل النفس على سجيتها، وقور، مهيب الوجه، نوراني الطلعة، رفيع الصوت، يري فيه رائيه جلال العلم و جمال الشيم و ثبوت الجنان، يتكلم في أغلب الأحيان عن المسائل العلمية والقضايا الدينية، يدعو إلى طاعة الله و رسوله.

أخلاقه و صفاته :

إن الشيخ الأمجدي - أدام الله ظله - من أجل علماء الهند و أصلحهم، قد جمع مع علمه الواسع، الكرم والجود، والعقل الحصيف والفكر الدقيق، والذين رأوه رأوا رجلا بحر للعلم و جبلا للإستقامة، عظيما في أعين الناس، يقضي نهاره معلما للناس، واعظاهم، حلالا لمشاكلهم، مفتيا في قضاياهم، يقرأ القرآن والحديث والكتب الدينية، و يتدبر معانيها، و يستنتج منها الأحكام، يعبد الله، ويخدم الشريعة، و لايختلط بالناس إلا قليلا حينما تمس الحاجة إليهم، قوى الإرادة، مضاء العزيمة، صادق القول، وفى بالعهد، محافظ على الوعد، لاتعرف همته الكسل و لا الملل، كثير الإشتغال بما ينفع الإسلام والمسلمين، شديد الغيرة على الدين، قوى الدفاع عن العقيدة الإسلامية الصحيحة و حرمات الدين، و هو غاية في ذكاء الحس و دقة الشعور، يتبع السنة المطهرة، و يقتفى آثار الصالحين، و هو من الذين قويت بدينهم شوكة الإسلام و عزت، و ارتفعت بأعمالهم رأية الإسلام و رفرفت، و اشتدت كلمة الحق واعتلت، و أوقاته موزعة مضبوطة يحافظ عليها صيفا و شتاء.

مجلسه :

تقع حجرة الشيخ الأمجدي - حفظه الله - في أقصى الجناح الجنوبي من الطابق الأول في المبنى الدراسي الرئيسي بالجامعة الأشرفية بمبارك فور، يقوم مجلسه كل يوم بين

صلوة العصر والمغرب في الصالة التي أمامها، يحضره أكثر من يقيمون فيه من أساتذة الجامعة، أوّلاً يضيفهم الشيخ بالشأى و غيره بصورة مستمرة و هو يرأس المجلس، ثم تستمر الإفادة والإستفادة نحو ساعة أو أكثر حتى يؤذن للمغرب فيتبادلون فيه الآراء والأحاديث، و يتداولون شتى القضايا والمسائل، والأمور والشؤون، والأوضاع والظروف، والوقائع والحوادث، والقصص والحكايات بالبحث والمناقشة، و يتحدثون عن الأحداث الداخلية والكوارث الخارجية، والحقائق العلمية والدقائق الفكرية، فيتسابقون إلى التعبير عن آرائهم و أفكارهم حول العناوين المختلفة والمواضيع الشتى، ولا يفوتون كل ما أتيح لهم من الفرصة بهذا الصدد.

والشيخ – أدام الله ظله – تارة يذكر شؤون الجامعة الدراسية و نظامها الداخلي، و تارة يتحدث عن إصلاح شؤونها الداخلية و الدراسية، وطرق رقيها و ازدهارها و توسيع نطاقها على الصعيد العالمي، و قد يجري ذكر من قاموا بمساعدتها بالتبرعات المالية من سكان مبارك فور و غيرهم من المسلمين القاطنين في شتى ربوع العالم و قد يقص أحوال علماء أهل السنة و مشائخهم بذكر مناقبهم و فضائلهم، قد يحل مسائل الكتب الدراسية والعلمية المعقدة والقضايا الفكرية المعضلة، و قد يزيح الستار عن مكائد أعيان الفرق الباطلة من الوهابية والديو بندية والرافضة والجماعة الإسلامية، و يذكر عقائدها الفاسدة و أفكارها الزائفة و آراءها الخرافية، و يرد عليها رد اعلميا مقنعا شديدا، و قد يوجه إليه اعتراض علمي فيجيب عليه إجابة شافية تبعث الطمأنينة، و قد يظهر حزنه و أسفه على الأوضاع السيئة والأحوال الرديئة للمسلمين في شتى ربوع المعمورة، و جمود العالم الإسلامي و قلة اكتراثه . و حينما يكون طبعه نشيطا و مزاجه خفيفا يطرف طرائف علمية،و يُسمِع فكاهات أدبية و أحاديث ظرائفة فتفور فوارات ضحك و قهقهة، و تكون أحاديثه نزهة للأذهان و فاكهة للجلساء بحيث لا يملون، و لا يضيقون.

خصائصه البارزة :

إن الشيخ الأمجدي - حفظه الله تعالى - يتصف بالصفات الممتازة والخصائص البارزة التي تفردت بها شخصيته الكريمة في هذا العصر و هي كما يلي :

1- يفوق في الغيرة الدينية والحماسة الإسلامية والشعور بالمسئولية الشرعية أقرانه من العلماء و قادة الفكر الإسلامي حتى أن أحدا حينما يهجم على الدين الحنيف و الشريعة الإسلامية الغراء أو يشن الغارة على أحد من أكابر الملة و أعيان الدين، و ينال من عرضه يضطرب أشد الاضطراب، و أصبح لا يهدأ له بال و لا يقر له قرار فلا يدخر أي جهد ممكن في الذود عن حماه، و يبذل النفس والنفيس في سبيله و يرد عليه كتابة و مشافهة حتى المستطاع.

2- له مهارة كاملة في العلوم و خبرة تامة في الفنون حتى إذا أراد الكتابة أو الخطابة حول عنوان من العناوين الهامة يحيط بجميع جوانبه اللازمة في أسرع وقت ممكن، و يلقي الضوء عليها كاملا حتى يكشف الحجاب عن وجهه، و يتجلى كالشمس في رابعة النهار.

3- له تضلع كامل في الجزئيات الفقهية، و نظر عميق في الأوضاع والظروف، و اطلاع واسع على طبائع السائلين و نفسياتهم، و وقوف تام على خداع بعض المستفتين و دهائهم، و خبرة متينة في جميع نواحي الإفتاء التي تمس إليها الحاجة لكل من يتقلد هذا المنصب الهام العظيم حتى أنه يملي الفتاوى ارتجالا و بداهة منذ من طويل، يحسبها كل من يقرأها و يراها أجوبة لائقة تلائم الأسئلة و أهداف السائلين كل الملائمة، تشعر بأنها وليدة قلم فقيه بارع و مفت محنك أو نتيجة دراسة عميقة و مطالعة غائرة و إعداد تام و جهد بالغ.

4- له خبرة طويلة و نظر فاحص في أحوال الأمة و أوضاع المدارس والمؤسسات، و يشرف المسؤولين عنها بتوجيهاته القيمة و هداياته الغالية، و يحل مشاكلها المعقدة و مصاعبها العويصة في ضوء خبراته الطويلة و تجاربه المحكمة و نظراته الثاقبة.

5- له ملكة راسخة في شؤون الإصلاح والتربية، و يد بيضاء في الأمور التوجيهية والتصحيحية، و يقوم بإصلاح أصحابه المتصلين به و ذويه المتعلقين به بطرق حكيمة و أساليب جيدة بصفة مستمرة .

6- إنه فريد أوانه و وحيد زمانه في جودة الكتابة و سرعة التصنيف و حسن التفهيم و روعة تقرير المعنى في العقول والأذهان، إضافة إلى تجاربه الطويلة في المجالات المختلفة من التدريس والتعليم، والقضاء والإفتاء، والدعوة والإرشاد، والخطابة والمحاضرة.

تلقيبه بالفقيه الاعظم بالهند : لأجل هذه الخصائص البارزة والمآثر العلمية الفذة اقترح بعض رجال العلم و عباقرة الفن تلقيبه بالفقيه الأعظم بالهند، وعلى رأسهم سعادة الدكتور فضل الرحمن شرر المصباحي عميد كلية الطبيب أجمل خان بدلهي. و أيده بعض أعيان علماء الهند كفضيلة العلامة أرشد القادري المصباحي مؤسس جامعة حضرة نظام الدين أولياء بدلهي الجديدة، و سماحة العلامة يٰسٓ أختر المصباحي مؤسس دار القلم بدلهي الجديدة، و حضرة المفتي محمد ميان ثمر الدهلوي، و غيرهم من العلماء الكثيرة و قادة الأمة الأسلامية حتى أعلن سعادة الدكتور الشيخ محمد أمين البركاتي المارهروي – حفظه الله – متولى سجادة المشائخ البركاتية بمارهره المطهرة في حشد كبير بمناسبة العرس القاسمي بمارهره المقدسة بتاريخ 20 / رجب سنة 1420 هـ فأيده الحاضرون بنعراتهم القوية و هتا فاتهم المحمومة.

ثناء رجال العلم و قادة الفكر الإسلامي عليه :

قد أثنى كثير من أهل العلم و قادة الفكر الإسلامي و الشيوخ الأجلاء و نوابغ الكتاب والمؤلفين على الشيخ العلامة الأمجدي – دام ظله – ثناءا بالغا. و ذكروا أوصافه

الحميدة و خصاله الكريمة، واتفقت كلمتهم على وصفه بالعلم الجم والبصيرة الدينية و صلابته في الدين.

• فقد ذكره برهان الملة العلامة المفتي الشيخ برهان الحق القادري الرضوي الجبل فوري أحد تلامذة الإمام الأكبر أعلى الحضرة العلامة الشيخ أحمد رضا القادري البركاتي البريلوي مجدد القرن الرابع عشر الهجري - رحمهما الله تعالى - بالأوصاف الجليلة والألقاب الفخيمة حينما أرسل - رحمه الله - رسالة إلى الشيخ الأمجدي - حفظه الله - و هي مؤرخة بتاريخ 12/ ربيع الآخر سنة 1396 هـ المصادف 2/ ابريل سنة 1977م حيث قال :

"إلى محبنا المحترم، نائب المفتي الأعظم بالهند مولانا المفتي شريف الحق المؤقر - دام مجدكم، و زاد عزكم - السلام عليكم و رحمة الله و بركاته."

و كتب في رسالة أخرى و هو مريض بعد مطالعة كتابين للشيخ بعثهما إليه و هي مؤرخة بتاريخ 10/ رمضان المبارك سنة 1492هـ :

"إلى حضرة عالى المنقبة مولانا المفتي محمد شريف الحق المؤقر -زاد شرفه و دام مجده - السلام عليكم و رحمة الله و بركاته.

طالعت كتابكم "التحقيقات لدفع التلبيسات" كاملا على فراش المرض لقد قطّعتم أولئك (الديابنة) الخبثاء بسكاكينهم أجود التقطيع، و جمعتم فيه مواد كثيرة، فالحمد لله على ذلك، إنكم قمتم بتوفير الدلائل والشواهد من كتبهم بطراز جيد حلو طريف تاخذ بمجامع القلوب.و كذا تشرفت بمطالعة كتاب سيادتكم "أشرف السير".

• واعترف بمآثره الجليلة و صفاته النبيلة مجاهد الملة العلامة الشيخ محمد حبيب الرحمن الأريسوي - رحمه الله - و هو من أكابر العلماء وجها بذة الفضلاء بالهند في

القرن العشرين الميلادي – حينما أصيب الشيخ الأمجدي بمرض العين و ذهب للتداوي إلى بلدة إله آباد و لاقاه والتمس منه أن يدعوله بالشفاء فقال مجاهد الملة داعيا له و هو قائم:

"أللهم أعد إليه الصحة والعافية، و ألبسه ثوب السلامة والشفاء فإنه يخدم الدين بخدماته الجليلة من التدريس و الإفتاء والخطابة والرد على المبتدعين بالتصنيف والتاليف. فاحفظ بصارته في عينيه ليخدم الدين كذلك ، وامنح عينيه بصر عيني."

(شارح البخاري، للعلامة يُسين أختر المصباحي ص : 64)

• قال مرة حضرة سيد العلماء العلامة الشيخ آل مصطفى البركاتي المارهروي متولى سجادة المشائخ البركاتية بمارهره المقدسة و أحد المشائخ والمربين المشهورين بالهند :

"لقد قال أعلى الحضرة الإمام أحمد رضا خان القادري البريلوي في صدر الشريعة (العلامة أمجد علي القادري الرضوي الأعظمي) لتجدون ما يسمى بالتفقه في المولوي أمجد علي أكثر من العلماء الحاضرين." و لكني الآن أقول لتجدون التفقه في المفتي شريف الحق المؤقر أكثر من العلماء الموجودين إلا بعض مشايخنا الأكابر و علمائنا النحارير. "[1] (المصدر السابق، ء : 66)

• و قال أحسن العلماء العلامة الشيخ السيد مصطفى حيدر حسن البركاتي المارهروي – رحمه الله – متولي سجادة المشايخ البركاتية بمارهرة الشريفة، غير مرة في مناسبات شتى :

" ينبغي أن يختار ثلاثة رجال بعد تجربة طويلة و اختبار تام، أحدهم المفتي، و ثانيهم المحامي، و ثالثهم الطبيب. محامينا فلان، و طبيبنا

[1] – أشار به إلى حضرة المفتي الأعظم بالهند العلامة الشيخ محمد مصطفى رضا النوري البريلوى، و حافظ الملة العلامة الشيخ عبد العزيز المحدث المراد آبادي مؤسس الجامعة الأشرفية بمبارك فور، و هما كانا على قيد الحياة آن ذاك. ١٢ نفيس أحمد المصباحي.

فلان، و أما مفتينا فالمفتي محمد شريف الحق المؤقر، و هو مفتي الزاوية البركاتية، و هو مفت بركاتي." (المصدر السابق، ص : 67)

• و قال الكاتب الإسلامي الشهير رئيس القلم فضيلة العلامة الشيخ أرشد القادري – حفظه الله – مؤسس جامعة نظام الدين بدهلي الجديدة في رسالة بعث بها إلى الشيخ الأمجدي بتاريخ 28/ مايو سنة 1980م حينما كان أصابه مرض شديد مبرح و لزم الفراش ثم أخذت صحته تعود إليه رويدا رويدا :

"سرني أن علمت أحوالكم، ألبسكم الله لباس الصحة كاملا عاجلا بحق أحباءه الصادقين و أولياءه الصالحين فإنكم آخر حلقة من سلسلة الأكابر، حفظكم الله و رعاكم."

• و كتب فضيلة العلامة الشيخ محمد حسن على القادري الرضوي مؤسس مجلس أنوار الرضا بميلسي (Malsi) بباكستان في رسالة

"حضرة المفتي في الشريعة، صاحب الدرجة المفيضة، الفقيه الأفخم العلامة المفتي محمد شريف الحق الأمجدي المؤقر – مد ظلكم –

السلام عليكم و رحمة الله و بركاته ---------- رزقكم الله حياة خضرية مع تمام الصحة والعافية و مد ظلكم السامي على أهل السنة والجماعة – آمين – كان سيدي الكريم شيخي الفخيم حضرة العلامة الشيخ محمد سردار أحمد المحدث الأعظم بباكستان و سيدنا الأكرم حضرة العلامة الشيخ المفتي الأعظم بالهند – قدس سرهما – يجيبان عن الأسئلة على الفور حينما أوجهها إلى جنابهما العالي، و أما الآن فشخصيتكم الكريمة مجموعة ساداتنا الفخام حضرة صدر الشريعة و المفتي الأعظم بالهند والمحدث الأعظم بباكستان و حافظ الملة – رحمهم الله تعالى – و لذا أوجه الأسئلة إلى سيادتكم الكريمة."

• كتب الشيخ محمد منشا تابش القصوري من أعضاء هيئة التدريس بالجامعة النظامية بلاهور، بباكستان في رسالة أرسلها إليه بتاريخ 23/ جمادى الأولى سنة 1397هـ المصادف 12/ مايو سنة 1977م :

"أستاذ العلماء فضيلة العلامة المفتي محمد شريف الحق الأمجدي المؤقر دامت فيوضكم   السلام عليكم و رحمة الله و بركاته.

إنكم بقية سلفنا الصالحين . أمد الله تعالى ظلكم على أهل السنة والجماعة إلى مدة طويلة . آمين بجاه رحمة للعالمين صلى الله تعالى عليه و سلم."

• أصدرت مؤسسة "الميزان، بمبائي" عددا خاصا لمجلتها عن شخصية سيدنا الإمام أحمد رضا القادري البريلوي – رحمه الله – و مآثره العلمية و خدماته الجليلة، فوقعت بعض الأخطاء فيها فكتب فضيلة الشيخ الأمجدي – حفظه الله – كتابا إلى العلامة الشيخ محمد مدني الأشرفي نجل المحدث الأعظم بالهند و مشرف المجلة و رئيسها منبّهاً عليها و ملفتاً نظره و عنايته إليها، فبعث الشيخ رئيس المجلة إليه برسالة يشكر له و يعترف بمكانته العالية و منزلته السامية و هي مؤرخة بتاريخ 23/ نوفمبر سنة 1978م ، إليكم نصها :

"تيقنوا بأن من نبهني على خطر عظيم في المستقبل هو شخصيتكم الكريمة و حدها، إنكم راعيتم ما ولاكم الله من المنصب العلمي الديني و ما منحكم من المنزلة الرفيعة السامية كل المراعاة، و قمتم بالنصح الديني الشرعي خير قيام فأشكركم عليه شكرا جزيلا، رزقكم الله تعالى طول البقاء و دوام الصحة و سمو المقام والقبول التام، فإنكم مصداق صحيح لحديث "العلماء ورثة الأنبياء" و مفخرة لنا و لجميع الأمة والأنام، و تستحقون كل التقدير والإحترام، وأنا أحتاج إلى أدعيتكم على الدوام."

• و قال خير الأذكياء و نخبة الأتقياء شيخنا الكريم سماحة العلامة محمد أحمد المصباحي – حفظه الله و رعاه – رئيس قسم التفسير واللغة العربية و آدابها بالجامعة الأشرفية بمبارك فور :

" إني أرى في شخصية الشيخ الأمجدي الكريمة أوصافا جليلة بصفة خاصة. إنه يفوق في الغيرة الدينية والحماسة الإسلامية والشعور بالمسئولية الشرعية أقرانه من العلماء و قادة الفكر الإسلامي حتى أن أحدا من أعداء الإسلام لما يهجم على الدين الحنيف والشريعة الإسلامية الغراء، أويشنّ الغارة على السلف الصالحين و أئمة الدين، يضطرب أشد الإضطراب، و أصبح لا يهدأ له بال، و لا يقرله قرار، فلا يدخر أي جهد ممكن في الذود عن حماهم كتابة و مشافهة – إنه فريد أوانه و وحيد زمانه في جودة الكتابة و سرعة التصنيف و حسن التفهيم و روعة تقرير المعنى في العقول والأذهان إضافة إلى تجاربه الطويلة في المجالات المختلفة من التدريس والتعليم، والقضاء والإفتاء، والدعوة والإرشاد، والخطابة والمحاضرة."

(شارح البخاري، ص : 10)

• كتب الشاعر الإسلامي الشهير سعادة الدكتور شكيل أحمد الأعظمي عضو الهيئة الإستشارية للجامعة الأشرفية بمبارك فور، مديرية أعظم جراه في رسالة بعث بها إلى حضرة الأستاذ عبد الحق الرضوي أحد أساتذة الجامعة الأشرفية و أحبّ تلاميذ الشيخ الأمجدي – حفظه الله – بتاريخ 20/ أغسطس سنة 1999هـ :

"لقد تزايد و تقوى شعوري بالكمالات العلمية لأستاذ الأساتذة و شيخنا الجليل حضرة العلامة المفتي محمد شريف الحق الأمجدي شارح صحيح البخاري – أدام الله تعالى ظله السامي – إنه عالم جليل و محدث خبير و فقيه بارع و متكلم مُحتك و مناظر ماهر و عبقري فذّو باحث إسلامي كبير يندر نظيره في عصرنا هذا."

و أختم كلامي على بيت فيما يلـــي

ليس على الله بمستنكر

أن يجمع العالم في واحد

هذه عجالة ألقيت فيها الأضوء على بعض جوانب حياتــه و مــآثره و خدماتــه، و مــا توفيقي إلا بالله، و هو حسبي و نعم الوكيل. و أنا الفقـــير إلى رحمـــة الله تعـــالى

نفيس أحمد المصباحي الباره بنكـــوي

عضو هيئة التدريس بالجامعة الأشرفيـــة

بمبارك فور، مديرية أعظم جـــراه

An Unprishable Name in the Islamic World

Shareh Bukhari Hazrat Maulana Alhaj Mufti Shariful Haque Damat Barkatahu Qudussia is one of greatest pupil of Huzoor Hafize Millat R.A. the founder of Aljamiatul Ashrafia (Proposed Arabic University) of Mubarakpur since his childhood Mufti Sahib was a wise studious student. He ceived Islamic Education from Darul-Uloom Ahle-Sunnat Madrsa Ashrafia Misbahul-Uloom Mubarakpur.

He is a great writer and orator of Islamic subjects. He has written several books on Islamic Subjects and inmumerable Fatawaz. He has a very deep knowledge in Hadith, Fiquh, Mantiq and philosphy of Islam.

He taught these subjects in various schools as a shaikhul Hadith and served to write Fatwaz.

Now he is serving in Aljamiatul Ashrafia as a head of the department of Darul-Ifta from more than 8 years. He is a Nazim-e-talimat of the Jamia. He is performing his duties at his best. He has attracted many well wisher of Jamiato take part in the constructions of the buildings of it.

His Sharhe Bukhari is a great contribution in the Islamic world. He not only travelled in nook and corner of India but abroad also to preach Islam. He will never be for gotten for the services of Islam done by him at present in age of the eight years he written books and Fatwaz sixteen hours daily.

He is man of action and not only talk. He does what he says. He-pleases every body by his kindly charming nature. He is staunch follower of the principles of Imam Ahmad Raza Khan Sahib Fazile-Brellve. He is a great devotee of Huzoor Hafize-Millat. His love for the prophet of Islam (P.B.N.) him knows no bound.

The followers of Ahle-Sunnat-v-Jamat are proud of him.

Aftab Ahmad Khan, Head of the depart of English

SHARIH-E-BUKHARI Adistinguished Personality of Islam

By - Dr. Mohd. Zubair Siddiqui
M.B.B.S., M.S. (Gen. Surgery)
Medical Officer Incharge
Government Hospital, Mubarakpur

My self got transferred to Govt. Hospital Mubarakpur in February 1997. At the end of year my child was four years old. I hadk een desire to do "Bishmillah Khani" of my child by a high level Islamic cleric. Since the Ashrafia University has a central position in Bareilvy (Hanfi) sect. So I began questioning to all those people who meet me. After some time I came to know that Mufti Shareeful Haque Amzadi also known as Sarih-E-Bukhari has a great personality and position in sunni muslim sect. So I decided to meet for the purpose which I have mentioned earlier with many doubts in my mind such as whether he will be agree or not and what will be the way by which I can meet him etc.

One day I went to his residence which is situated within the campus of Ashrafia University after the Namaz of Asar.

I was astonished to see that he meet me very gently and politely and was ready to full fill my purpose.It was my first holy meet with him which impressed me a lot. After that I used to visit his residence of and on after the Namaz of Asar. As the time was passing, I came closer and closer to him. So I got a auspicious chance to go through the various aspect of his life such as personality, behaviour, knowledge and character.

Manner of his expression :- After reading the various books written by Sharih - E - Bukhari (Interpretator of Bukhari) I came to the conclusion that, he has a unique and striking manner of expression of his view and ideas. The matter written by him directly strikes the soul of reader.

His Patience and Tolerance :-Since Sharih-E-Bukhari (Inter pretator of Bukhari) is Mufti in Ashrafia University Mubarakpur Azamgarh so his work to issue fatwa on various questions raised by people. Many time it happens that people present their questions before many muftees and result comes in the form of different answers contradicting to each other. It is in my knowledge that many time such situations come in to existence. In such condition I found that other muftees raise the flag of revolt against Sharih-E-Bukhari and start writting against him in various magzine and pomphlets.In all these adverse and exciting situations, I found Sharih-E-Bukhari as a embodiment of patience and tolerence.I never heard him divulging any sort of harsh words to any body.

His Spirit of Sacrifice :- Since Sharih-E-Bukhari is well known personality, so he is known through out India and Pakistan and most part of world. This is why many muslims residing in foreign countries, invite the Sharih-E-Bukhari for attending functions and programes.

And it is also customary tradition that they pay some bulk of money in dollar to their guest which in turn has large value in Indian currency. Yet Sharih-E-Bukhari is not very prosperous, inspite of this he never indulged him self in such type of foreign tour. Once I asked Sarih-E-Bukhari, why do you not attend the programmes of foreign country ? He answered me that foreign tour has financial charm but harm is that one who indulges in it can not perform creative and constructive work in religious field as it require a lot of time.

Above situation clearly indicates that Sarih-E-Bukhari is always fond of choosing relegious work and benifit of Akhirat rather than economic benifit of mortal world.

In 1999 Sharih-E-Bukhari (Inter pretator of Bukhari) was called to attend the religious programme in Kareli Allahabad. After programme, respon-

sible peoples gave him the sum of five thousands rupees. But after receiving it, he donated this amount to the islamic Madarsa of same locality. This is another examplewhich clearly shows that Sarih-E-Bukhari wants to see Islamic school flourishing rather than his own prosperity.

So we can say that Sarih-E-Bukhari is a person free from temptation and living picture of contentment.

A Toiling Personality :- Sharih-E-Bukhari is about 80 years old and he is physically weak. Inspite of his extreme old age and physical weakness he perform very hard labour According to routine, he goes Darul Iftah (Where fatwas are written) at about 7 A.M. and remains there up to 12 o'clock. After that he takes his lunch and after a short period of rest, he again starts the work of Darul Iftah which ends about 5 P.M.. Again after the Namaz of Magrib, he starts his other constructive work as writting book and interpretation of Bukhari Shareef etc. which lasts up to 11-12 o'clock night. This is his routine of life astonishing even younger peoples. Some time due to this hard work, he feels prostation and weakness which hinders his work. In these situation he takes some sort of injection (Anabolic Steroids) but never compromises with work which he cintinuously performs.

Another aspect of his life is that he is suffering from hypertention and ischaemic heart desease (I.H.D.) and he suffered few attack of Angina pectoris proved by E.C.G. . He is continuously on medication for above mentioned diseases. Inspite of this there is no change in his daily routine and hard work,though doctors advise him for larger amount of rest and lesser amount of work. But he always believe in sancity of work.

Story does not ends here Sharih-E-Bukhari is also suffering from Glaucoma in both of his eyes for which he has under gone operation and since that he is continuously taking medicine in the form of tablets and eye drops,Due to Glaucoma his eye sight is much reduced, but there is no

change is his, reading and writting activities. When books are printed in small and fine letters which creates problem for him to read, he often uses hand lens for reading the books. Above mentioned situations teach us a lession that one should see only his target and march forward to achieve his goal without taking care of interfering object.

Propagating the Islam is a sunnah and bearing the difficulties and problems in this path is another Sunnah.

Inspite of all those problems to proceed forward is also a Sunnah.

All these sunnah can be seen in life of Sarih-E-Bukhari.

His knowledge about modern science :- Modern space science clearly elaborates about the situation of sun and moon in space and there distance from earth. Being a muslim I believe in the existence of seven layers of sky (आसमान)

My self and every Muslim's having the knowledge of modern science have a interpretation that all the stars, planets and sattelites are situated under the first layer of sky.

Suddenly I came to know that a group of muslim cleric, believe that moon is situated in the first sky and sun is situated in fourth sky.

First sky is guarded by Angels, this is why it is impossible to reach the moon and declaration made by Russians or Americans to reach the moon was fake and no body should beleive this news.

I was very astonished to hear all these matters as it was against my belief. Mean while I read the book Islam Our Chand ka Safar (Islam and journly to moon) written by Sharih-E-Bukhari.

In his book he proved very accurately and scientifically with the help of Islamic and scientific knowledge that all the space bodies including Moon and Sun are situated under the first layer of Sky. So it is possible to

reach the moon and there is no relegious problem in it. After reading the book "Islam and journey to moon" every body will draw the conclusion that Sharih-E-Bukhari not only has deep Islamic knowledge but also has deep knowledge about modern science and space science here I am quoting a paragraph from his book "Islam and journey to moon" from page 39 to 40 about recent space theory.

موجودہ اہل یورپ کا نظریہ

ہزار ہا سال کے بطلیموسی نظریہ کو موجودہ سائنسدانوں نے پاش پاش کر کے رکھ دیا ہے۔ انکا کہنا یہ ہے کہ آسمان کا کوئی وجود نہیں جو نیلگوں قبہ دیکھ رہے ہیں یہ کوئی جرم نہیں بلکہ فضا کا خلا ہے سورج کی کرنیں قوس قزح کے رنگ سے مرکب ہیں سورج سے ان سب رنگوں کی شعاعیں لہروں کی شکل میں جدا ہو کر زمین کی طرف آتی ہیں درمیان میں کرۂ ھوا ہے سرخ رنگ کی لہریں کرۂ ہوا کو پار کر کے سیدھی زمین پر پہونچتی ہیں مگر نیلی لہر میں ہوا کے ذروں سے متصادم ہو کر ٹوٹ جاتی ہیں اور فضا میں منتشر ہو جاتی ہیں یہی سورج کی نیل لہریں ہوا کے ذروں میں منعکس ہو کر ہمیں نظر آتی ہیں اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے سر پر نیلا شامیانہ تنا ہوا ہے اگر درمیان میں کرۂ ہوا نہ ہوتا تو ہم کو فضاء بالکل سیاہ نظر آتی جیسا کہ چاند سے نظر آتی ہے اسلئے کہ چاند پر ہوا کا وجود نہیں پہلے گذر گیا کہ اس نظریئے کے سب سے بڑے علمبردار کیلر اور گلیلو گزرے ہیں انکا کہنا یہ ہے کہ عالم کا مرکز زمین نہیں بلکہ سورج ہے زمین اور دیگر سیارے سب سورج کے گرد چکر کاٹتے ہیں زمین ساکن نہیں متحرک ہے اس کی دو حرکتیں ہیں ایک یومیہ جو پچھم سے پورب ہوتی ہے اسکے نتیجے میں دن رات پیدا ہوتے ہیں یہ حرکت متدیرہ ہے اور چوبیس گھنٹے میں پوری ہوتی ہے دوسری حرکت سالانہ ہے جو سورج کے چاروں طرف ہوتی ہے یہ اہلیجی ہے اور یہ تین سو پینسٹھ دن اور تقریباً پونے چھ گھنٹے میں پوری ہوتی ہے۔ اس حرکت کی وجہ سے جاڑا گرمی، ربیع، خریف کے موسم بدلتے رہتے ہیں چاند سیارہ ضرور ہے مگر وہ زمین کے گرد حرکت کرتے ہیں اسکا مرکز زمین ہی ہے انکی دریافت کے مطابق کائنات کا یہ نظام ہے۔ بیچ میں سورج ہے سورج سے تین کروڑ ساٹھ لاکھ میل کے فاصلہ پر عطارد ہے اسے ہندی میں (بدھا) فارسی میں (دبیر فلک) انگریزی میں (Mercury) کہتے ہیں اسکے بعد زہرہ ہے جو سورج سے چھ کروڑ ستر لاکھ میل کی دوری پر ہے اسکے بعد یہ زمین ہے اسکا فاصلہ سورج سے نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے پھر مریخ ہے یہ سورج سے چودہ کروڑ میل کی دوری پر اوسطاً رہتا ہے اسکے بعد مشتری ہے اسکی مسافت سورج سے اڑتالیس کروڑ سے کچھ زیادہ

ہے یہ پانچ ستارے بغیر دوربین کی مدد کے آنکھ سے بھی نظر آتے ہیں۔ انکے یورکے نس ہے یہ سورج سے ایک ارب
اٹھتر لاکھ میل کی دوری پر ہے سب سے آخر میں پلوٹو ہے یہ سورج سے تقریباً تین ارب میل کے فاصلہ پہ ہے۔

Translation :-

Modern space science has broken down the thousands year old unani and other space theory. They say that there is no sky. What so ever blue colour we are seeing over head is not a object but blue coloured space. Sun light consist of spectrum of various colour which travel from sun to earth in the form of wave. Most of the red spectrum of sun light reaches the earth while blue (colour) spectrum of light get scattered by air molcule surrounding the earth. It is scattered blue (light) fraction of sun light which gives the impression of blue sky over head. If there is no air in between the Sun & Earth then whole space will be of black colour as it is seen from moon where there is no air,so whole of space looks black. Galleleo is the supporter of this theory. He said that centre of our solar system is not the earth but sun. Earth is not stationary but moving round the sun having two types of movement.

In its first variety it is moving round its own axis from west to east resulting the change of day and night. This type of movement is completed in 24 hours.

In second variety, it revolves round the sun and completes its movement in 364 day and 5¾ hours. Second varity of movement is responsible for change in weather such as summer, winter and rainy seasons.

Moon is sattelite which revolves around the earth as its centre of movement is earth.

According to this school of thought sun is centre of our solar system. Nearest to the sun there is a planet named mercury which is three

crores and sixty lacs mile away from the sun. After mercury is another planet Venus which is six crores and seventy lacs mile away from the sun. After it is our earth which is nine crores and thirty lacs mile away from sun.

After it is mars which is fortee crores mile away from sun. After it is jupitor which is fourty eight crores miles away from sun. These five planets can be seen without telescope.

After jupiter is uranus which is one Arab and seventy eight lacs mile away from sun. After it is Neptune which is two Arabs eight lacs mile away from the Sun.

At the last is pluto which is about three Arabs mile away from sun.

Another quotation from same book indicating his knowledge about light year is as follow.

نوری سال : نوری سال کا مطلب وہ مسافت ہے جسے روشنی ایک سال میں طے کرے۔ روشنی ایک سکنڈ میں ۱۸۶۴۲۰ میل طے کرتی ہے اس حساب سے روشنی ایک سال میں ۵۶۵۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ میل کا سفر کرے گی"

Translation :- The term "Light Year" denotes the distance travelled by light in one year. Light travels 186420 mile per second. On the basis of this light travells 5650000000000 (565 × 10^{10} mile in year. Another paragraph quoted here shows his knowledge about galaxy .

کہکشاں :۔ چنانچہ کہکشاں کے بارے میں انکا یہی کہنا ہے کہ یہ لاتعداد ستاروں کا مجموعہ ہے۔ جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں بلکہ انکے مابین پچاس پچاس بلکہ سو سو سال نوری کا فاصلہ ہے مگر کہکشاں اتنی دور ہے کہ ہمیں یہی دکھائی دیتا ہے کہ یہ ستاروں کا مجموعہ نہیں کوئی بادل ہے۔

Translation :- Their thought about Galaxy is that it is the accumulation of uncountable stars which are placed at a distance of 50-100 light year with each others Galaxy is at such a distance away that it looks like clouds rather than accumulation of stars.

۷

Now I am quoting some paragraphs here showing Islamic view written in his book.

آیت :۔ کُلٌّ فِی فَلَکٍ یَّسبحونَ ہ

ترجمہ :۔ (چاند سورج ستارے) ہر ایک گھیرے میں پیر رہے ہیں۔

Translation :- Each and every space body (Moon, Star etc.) is moving in its own circle.

Another quotation from same book page No. 59

حضرت سلمان فارسی رضہ اللہ تعالیٰ عنہ نے ستاروں کے بارے میں فرمایا :۔

ستارے اس طرح قندیلوں میں پہلے آسمان لٹکے ہوئے ہیں جیسے مسجدوں میں قندیلیں ہوتی ہیں۔

Hazrat Salman Farsi (Allah (God) bless him) has said about start that.

Translation :- Stars are hanging in quindeel from first sky just like quindeel of Mosque.

Another quotation from page 63 showing the extract of book.

شرعاً چاند پر پہونچنا ممکن ہے :

جب جمہور مفسرین کے قول مختار کی بنا پر چاند آسمان میں نہیں آسمان کے نیچے ہے تو چاند پر کسی بھی انسان کا خواہ وہ کافر ہو خواہ مسلمان خلائی کشتی یا کسی اور مناسب چیز کے ذریعہ پہونچنا ممکن اس میں کسی قسم کا کوئی شرعی استحالہ یا قباحت نہیں۔

Translation :- When great majority of inter pretators proved that Moon is not in the first sky but much below it.

So the man can reach the moon irrespective of matter whe-ther he is muslim or non muslim, by space craft or other means. This why there is no relegious dispute in this matter.

His knowledge about Geography :- Most of Muslims know that paigamber-E-Islam has said that Nazd (Name of a place situated in Saudi Arabia) is the land of dispute and illfaith. It is also true that leader of Wahabi and Deobandi sect known as Ibne Abdul Wahab was born in Nazd and

from there he started his wrong and new sect.

Unfortunately the Mullas of Wahabi sect began to say that it is not the Nazd but Iraq which is the land of dispute and illfaith. They also started quoting fake proofs to prove there opinion .

Against there opinion, Sharih-E-Bukhari has written a book named as "Fitne ki Jameen Kaun Nazd ya- Iraq" (Which is the land of dispute - Nazd or Iraq) In his book, he has proved that it is the Nazd which is land of dispute by utilizing his knowledge of Shariat and Geography. Any body who will read this book will be admirer of Sharih-E-Bukhari about his knowledge in Geography.

So It is a crystal fact that Sharih-E-Bukhari is a learnet person not only in relegious field but other fields also.

Sarih-E-Bukhari as a research Scholahr :- His book Islam and journey to Moon and which is the land of dispute Nazd or Iraq has prooved that he is not only Mufti but also a research scholar. But it is not the end of story. Sharih-E-Bukhari has the knowledge of modern medical science also. For example I am quoting a pragraph from his fatwa about "Injection and Roza (Fast)

اس کی تفصیل یہ ہے گوشت والے انجکشن کے جسم کے مختلف حصوں میں پہونچنے کی کیفیت یہ ہیکہ گوشت کے اندر بکثرت باریک باریک خلا ہوتے ہیں جنہیں مسامات کہا جاتا ہے ان میں ہر وقت خون بھرا رہتا ہے یہ خون اگرچہ خالص نہیں ہوتا بلکہ دیگر اخلاط کے ساتھ ممزوج ہوتا ہے مگر غلبہ خون ہی کا ہوتا ہے اسلئے ہم نے اسے خون ہی کہا جب یہ انجکشن لگتا ہے تو پچکاری کے دباؤ سے دوا جبر ان مسامات میں گھس کر خون میں مل جاتی ہے خون کہیں بھی ٹھہرتا نہیں بلکہ ہر وقت گردش کرتا رہتا ہے اسلئے یہ دوا خون کے ساتھ گردش کرتے کرتے وہاں پہونچ جاتی ہے جہاں اسے کام کرنا ہے چوں کہ دوا میں ایسی قوت ہوتی ہے کہ وہ مخصوص جگہ اثر انداز ہو اسلئے وہیں اثر ڈالتی ہے۔

Translation :- The details of intramuscular injection is that there are a net work of coppilaries and venules in muscular issue filled with deoxygen-

ated blood.

When the intramuscular injection is given, the medicine get diffused in cappilaries and venules and from there they come into circulation and get asses to whole body and makes action on their target organ.

Another paragraph within the same fatwa which shows his knowledge about blood circulation within human body is as follows.

الغرض جملہ اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ رگوں سے خون براہ راست دل میں جاتا ہے اور دل ہی کے ذریعہ پھیپھڑوں میں جاتا ہے براہ راست پھیپھڑے میں نہیں جاتا۔ اور نہ ایسا ہے کہ بغیر پھیپھڑوں میں گئے دل ہی سے واپس ہوتا ہے پھیپھڑے میں ضرور جاتا ہے اور پھیپھڑوں میں صاف ہو کر پھر دل میں آتا ہے اور دل سے پھر پورے جسم میں جاتا ہے۔

Translation :- The blood from veins directly goes to the heart and from heart it is pumped in to lungs. The venous blood neigther goes to the lungs directly nor it is pumped to body by passing the lungs. Necessarily it goes to lungs and after oxygenation again returns to heart from where it is pumped to whole body.

Allama Mufti Shariful Haque Saheb

[A Prominent Interpreter of Bokhari Sharif]

By - Faiz M. Ansari
Lecturer in English
M. P. Inter College, Mubarakpur
Azamgarh, U. P.

Introduction -

His Birth -

Hazrat Allama Mufti Shariful Haque Sb. was born in 1921 in the sacred soil of a small village named Karimuddinpur. It is located at Ghosi, a famous town and Olma producing area of Mau district. He belongs to the prestigious family of Sadrus-Shariah, Maulana Amjad ali Azmi. He is associated with the dynasty of Khairuddin Mian, a great Alim and spiritual hermit of his time. Since his time up to now five generations have passed and every generation has produced great Alims and hermits. Mufti Shariful Haque Saheb belongs to the fifth generation of Mian Ji. As a matter of fact, Mufti Saheb is the worthy son of a worthy family. He passed his childhood days in the religious atmosphere of Karimuddinpur.

His Education -

He was sent to a local Maktab for his early education. After completing his primary education in Karimuddinpur he was admitted to the Jamia Ashrafia, Mubarakpur, Azamgarh in 1934 for his further education where he reeceived higher education in Persian along with Arabic language. He stud-

ied important books like tirmizi Sharif, Sadra and Hadis there. Due to certain reasons he left Jamia Mubarakpur and Joined the Jamia Arabia Meerut where he studied important books Shams Bazegha, Shrah-e-Jami, Hashia Abdul Ghafur etc. under the kind care and able supervision of Hazrat Maulana Ghulam Jilani. He also learnt 'Khayale Qazi Mubarak' etc. from Hazrat Maulana Ghulam Yazdani. Hardly seven or eight months he stayed at Meerut and left it for Madarsa Mazhar-e-Islam, Bareilly and completed his Daura-e-Hadis in Bibi ji ki Masjid under the efficient guidance of Mohaddis-e-Azam Pakistan, Hazrat Maulana Sardar Ahmad Sahab.

In this way, after the completion of his education he was awarded with the Dastar-e-Fazilat by the pious hands of Sadrus-Shariah, Hazrat Mufti-e-Azam Hind and Hazrat Sadrul Fazil. He learnt Fatwa Navisi from Sadrus Shariah and Mufti-e-Azam Hind. Besides traditional Madarsa education fromdifferent Alims, he also imbibed deep and profound spiritual inspiration from a great spiritual hermit Hafiz Abdul Aziz, the founder of the Jamia Ashrafia, Mubarakpur, Azamgarh. Now he himself is regarded as a great saint and has become a perennial source of inspiration for others.

Diffrent Aspects of His Personality -

(i) As a Man -

Hazrat Mufti Sahab is an aged, sober religious man with reserved temperament. He is a perfect, thorough and straigh-for-word gentleman. He talks less but when he is in the company of his intimate friends and companions, he is aften found frank and openhearted with his cheerful and humorous bent of mind and he frequently cracks such literary jokes which

please his circle of friends very much. It is his routine to spend his spare time after the namaz of Asar with his companions in a light mood. At that time he seems to be a different Jolly man from what he uses to be in his Darul-Ifla as an impressive and sober man. Indeed, he is a man of dynamic personality with different phases of life.

(ii) As a Distinguished Teacher and Learned Mufti -

He got himself appointed in different Madarsas and taught complete Darse-Nezami and hardest books on different branches of knowledge with full command and complete confidence and mastery over the subject. He also taught Daura-i-Hadis for a number of years together.

Now after leaving the teaching work he has been serving as a great and learned Mufti in the Darul-Ifta, Jamia Ashrafia, Mubarakpur for the last twenty two years. Apparently he has given up his teaching work, but still teachers and students of Jamia and outsiders also are seen discussing difficult questions and entangled problems with him and they are benefitted and satisfied with the help and guidance of Mufti Sahab. Thus, his teaching work is still indirectly going on.

(iii) As an Intelligent Man with Fertile Mind -

Mufti Sahab is a gigantic personality with brilliant and fertile mind. He has deep insight into the matter. He shows the sharp wisdom and quick power of discretion in solving the most complicated problems (Masail) in the twinkling of an eye, He is an impartial critic and debator with fearless mind. He appears before us as a great researcher in the domain of religion.

(iv) His Knowledge About Scientific Facts.-

He is not only well-vesed in the knowledge of Arabic, Persian, Logic, philosophy and Fatwa Navisi but he also possesses the profound and fundamental knowledge of scientific facts. Here is a glaring example of his knowledge of science. When the news of the ascent of American Apollo to the Moon came into light. Some of the religious authorities denied this fact and considered this act of ascent as a heretic act. But Mufti Sahab did not reveal his views in haste and hurry. He deeply pondered over it and gave this informative judgement that it is possible to reach the moon from religious point of view. According to him the planets like the Sun, the moon and the Stars are not the heavenly bodies but they are found under the heaven (sky). Had they been associated with the sky, it would have been impossible to reach the moon. This was, of course, a convincing plea which satisfied everyone. In this connection he wrote a book "Islam and the Journey to the Moon" in which he gave scientific and Islamic proofs to refute the objections raised by different persons regarding the Ascent to the moon. This shows his spirit of research in the field of science also.

(v) As A Versatile Genius -

Mufti Sahab is not only an elevated and upto the mark Alim and Mufti, but he is also a great author, scholar, thinker, preacher, debator, interpreter of Bukhari Sharif and researcher with scientific and logical out look. On the one hand he is a veteran teacher but on the other hand he is a learned and genius Mufti. He wrote 25 thousand Fatvas at Bareilly which are lost now but sixty thousand Fatvas havebeen written in the later period of his life. Thus he has his wise, pungent and piercing approach to different

areas of knowledge.

(vi) His Students, Disciples and Caliphs -

There is a long row of his students. It is rather very difficult to enumerate their number. But some of them can be mentioned here. Janab Allama Khwaja Muzaffar Husain, Janab Allama Rahmat Husain, Allama Mujeeb Ashraf Sahab, Janab Maulana Mufti Nizamuddin Sahab, Mufti Jamia Ashrafia Mubarakpur, Maulana Abdul Haq Khan, Maulana Mohd. Naseem Sahab Misbahi Tandvi, Mufti Jamia Ashrafia, Mubarakpur, Azamgarh and so on and so forth.

But he has a limited number of Khalifas (religious representatives) and Mureedeen as he lacks time at his disposal for this act of appointing Khalifas and making mureedeen (disciples).

(vii) His works -

Mufti Sahab has written a number of books on religious topics and Islamic Theology. Ashraf-us-Sair, Nuzhatul Quari, Asbat-e-Isale-Sawab are some of those books. He had been contributing his essays to different religious magazines since the days of his student life. His simple informative and critical writing have been published in many important and well renowned magazines like pasbaan, Noori Kiran, Jame-Kausar, Mahnama-e-Heja-ze-Jadid etc. He has also completed nine volumes of Sharah-e-Bukhari.

(viii) His Language and Style -

He always expresses his ideas and thoughts in a simple, easy, decorated and prestigious language. The readers go through his lines with ease,

felicity and lightness. They do not feel any sort of tax or burden on their mind while reading his writings.

His manner and matter both are very influential and appealing. He knows the art how to express and what to express. His has full control and complete command over his style. In fact, his style of writing is simple but very brief, pithy, concise and to the point.

My Impressions About his Splendid and Holy Personality

I have personally met Mufti Sahab at his room. Out-wardly he seems to be a strict man, but inwardly he is a meek and polite person. In my personal meeting with him, I found him a simple-hearted and tender-hearted man. His meeting with me was full of affection and sympathy. He seemed to be an embodiment of humility. Indeed, humility is the jewel of humanity. Therefore he seemed to me to be an ideal religious man with decency, decorum, gentleness and kindness.

It is a matter of great pride and good luck that Maulana Abdul Hafeez, the sarbarahe Ala of Al-Jamiatul Ashrafia and Mr. Sarfraz Ahmad, the Nazim of the Jamia enjoy the great fortune of having the valuable and precious services of Mufti Sahab and Allama Ziaul Mustafa Sahab, the sadrul Modarresin, for the welfare and development of Sunni Sect and Jamia itself.

May God bless Mufti Sahab with good health and long life for the service of the religion. My good wishes are always with him. I pray to my Almighty, Sincerest and most Merciful God to be kind to Mufti Sahab. Amen !

Khuda Hafiz

शारेहे बुखारी – एक महान व्यक्तित्व

मास्टर कैसर जावेद (प्रवक्ता अंग्रेजी)

आप ने अल्जामेअतुल अशरफिया मुबारकपुर का नाम तो सुना होगा । जी हाँ, भारतवर्ष के हृदय कहे जाने वाले राज्य उत्तर प्रदेश के पूर्वान्चल में आजमगढ़ जनपद के प्रमुख व्यवसायिक नगर ''मुबारकपुर'' में लगभग पचास एकड़ भू भाग पर कई भव्य इमारतों में संचालित सुन्नी समुदाय की यह शिक्षण संस्था अपनी उच्च कोटि की शिक्षा एवं अनुशासन व्यवस्था के कारण समूचे विश्व के विद्या प्रेमियों के आकर्षण का केन्द्र बनी हुई है । अगर आप इस संस्था में कभी जायें तो मुख्य द्वार से जैसे ही प्रवेश करेंगे सामने इस विश्व–व्यापी शिक्षण संस्था की सेन्ट्रल बिल्डिंग नजर आयेगी । सेन्ट्रल बिल्डिंग में दाखिल होते ही सामने ''अजीजी हाल'' में इस संस्था का इफ्ता प्रभाग (वह प्रभाग जहां देश विदेश के मुसलमानों द्वारा पूछे जाने वाले धार्मिक व सामाजिक प्रश्नों के उत्तर कुरान व हदीस की रोशनी में दिये जाते हैं) कार्यरत नज़र आयेगा जिसमें मसनदे सदारत (अध्यक्ष पद) पर आसीन ८१ वर्षीय एक नूरानी चेहरे वाले बृद्धि व्यक्ति पर आप की नज़र स्वतः ठहर जायेगी । जो कोई साधारण व्यक्ति नहीं बल्कि वह महान हस्ती है जिसको इस्लामी दुनिया ''फकीहे अस्र, शारहे बुखारी हज़रत अल्लामा मुफ्ती अल्हाज मुहम्मद शरीफुल हक अमजदी'' के नाम से जानती है ।

सादा जीवन व्यतीत करने वाले उच्च विचारों के मालिक हज़रत मुफ्ती साहब किब्ला का जन्म आजमगढ़ के जनपद के घोसी कस्बे के एक आदर्श परिवार में हुआ । बाल्यकाल से ही पारिवारिक माहौल कुछ इस तरह का था कि ज्ञानार्जन में रुचि स्वाभाविक रूप से बढ़ती चली गई और इस महान उद्देश्य की पूर्ति के लिये दूर दूर के सफर भी किये फलतः अपने समय के विश्व विख्यात इस्लामी विद्वानों के सम्पर्क में रह कर ज्ञान अर्जित करने का अवसर प्राप्त हुआ और आप ने विद्या प्राप्ति में कोई कसर न उठा रखी और आज उस महान कृत्य का सेहरा भी आप के सर बँधा कि ''शारेहे बुखारी'' की उपाधि के अधिकारी बने ।

वैसे तो आपका पैतृक निवास घोसी ''मदीनतुल उलेमा'' (विद्वानों का नगर) कहा जाता है जहाँ ''सदरुश्शरीयह हजरत मौलाना अमजद अली रहमतुल्लाह अलैह'' (लेखक बहारे शरीअत) व

हजरत मौलाना अब्दुल मुस्तफा आज़मी अलैहिर्रहमा जैसे विद्वान पैदा हुये हैं और वर्तमान में मदीनतुल उलेमा (घोसी) के पारम्परिक गौरव को कायम रखने का श्रेय हज़रत मुफ्ती साहब किबला को है जिन्होंने अपना जीवन इस्लाम एवं मुस्लिम समाज के लिये समर्पित कर दिया है । आप एक तरफ अपने गुरुओं (हुजूर हाफिजे मिल्लत अलैहिर्रहमा, हुजूर मुफ्ती ए आजम हिन्द अलैहिर्रहमा वगैरह) के मार्ग पर चलते हुये इस्लाम की जड़ों को खोदने वाले नाम नेहाद मुसलमानों की पहचान कराते हुये नज़र आते हैं, तो दूसरी तरफ जब भी आवश्यकता होती है स्वयं मैदान में निकल कर अपने लेखों, वैक्तव्यों द्वारा मुसलमानों के समक्ष हक और बातिल (सत्य और असत्य) का अन्तर भी स्पष्ट करते दिखायी देते हैं । जब भी कोई इस्लाम दुश्मन इस धरती पर कहीं भी इस्लाम धर्म का मुखौटा ओढ कर गलत विचार द्वारा मुस्लिम समाज को गुमराह करने का प्रयत्न करता है तो आप फौरन अपना कलम उठाते हैं और बातिल (असत्य) की धज्जियां बिखेर कर कुरआन और हदीस के अनुसार सही विचार धारा प्रस्तुत करके मुस्लिम समाज का सही मार्ग दर्शन करते हैं। यद्यपि ८१ वर्ष की अवस्था में शारीरिक रूप से कमजोर हो चुके हैं मगर आप के हौसले आज भी अल्हमदुलिल्लाह उसी तरह जवान हैं जैसे कि बीते हुये दिनों में हुआ करते थे । मैं यह बात अकीदत और मोहब्बत के जोश मे नहीं बल्कि वाकेआत (घटना चक्र) की रौशनी में कह रहा हू । अभी लगभग साल भर पहले की बात है। कि राजस्थान में बासनी के निकटवर्ती कस्बे में किसी वहाबी गैर मुकल्लिद मौलवी ने मामूलाते अहले सुन्नत (चादर, नियाज, फातेहा वगैरह) और सुन्नी सम्प्रदाय के इमाम आला हजरत मौलाना अहमद रंजा खाँ बरेलवी रहमतुल्लाह अलैह की शान में अपशब्द कहे । जैसे ही आपको इसका पता चला आप अपने प्रिय शिष्य मौलाना अब्दुल हक खाँ रिज़वी (उस्ताद अलजामेअतुल अशरफिया) को साथ लेकर सफर की तकलीफों की परवाह किये बगैर पनद्रह सौ मील की दूरी तय करके बासनी राजस्थान पहुंच गये और पूरे दो घन्टे तक कुरान व हदीस की रौशनी में वह शानदार तकारीर फरमाई कि वहाबियत के महल की बुनियादें हिल गईं ।

आपने सन् १९४३ में शिक्षा पूरी करने के बाद मुस्लिम समाज की विभिन्न क्षेत्रों में जो सेवायें की हैं, न तो इस संक्षिप्त लेख में उनका वर्णन सम्भव है और न मेरे अन्दर वह क्षमता ही है कि आप की धार्मिक सामाजिक, शैक्षिक सेवाओं को शब्दों का रूप दे सकूँ । आप ने जो भी पुस्तकें या लेख लिखे हैं अगर उनके नामों व शीर्षकों को ध्यान से पढ़ा जाये तो वे नाम व शीर्षक स्वयं में किसी न

किसी ज्वलन्त समस्या की तरफ इशारा करते हुये नजर आते हैं और इसबात की वास्तविकता के द्योतक हैं कि हज़रत मुफ्ती साहब देश विदेश की ज्वलन्त समस्याओं पर कितनी समयानुकूल दृष्टि डालते हैं और अपने लेखों द्वारा मुस्लिम समाज ही नहीं वरन विश्व समुदाय का सही मार्ग दर्शन करते हैं । उदाहरणार्थ उनकी चन्द पुस्तकों के नाम ये हैं –

(१) इस्लाम और चाँद का सफर

(२) इसबाते इसाले सवाब

(३) फितनों की सरज़मीन कौन (ईराक या नज्द)

(४) इमाम अहमद रजा और मसलये तकफीर

(५) सुन्नी देवबन्दी इख्तेलाफात का मुन्सिफाना जायज़ा

(६) तहकीकात (दो पाट)

(७) अशरफुस्सैर

(८) मकालात शरह बुखारी (दो पाट)

आपके महान व्यक्तित्व में आदर्श चारित्रिक विशेषताओं का पूर्ण समावेश मिलता है । आप के महान चरित्र की एक छोटी सी विशेषता मैं अपने पाठकों के समक्ष प्रस्तुत करना चाहूंगा कि आप अपने छोटों को किस प्रकार प्यार भरे अन्दाज में समझा कर उनकी कमियों को दूर करने का प्रयत्न करते हैं – इस का अनुभव कुछ वर्षों पूर्व मुझे स्वयं हुआ जबकि मैं अल्जामेयतुल अशरफिया में बिल्कुल नया था और अंग्रेजी शिक्षा और माहौल को छोड़ कर आया था और दुर्भाग्य कहिये कि मैं अन्य अंग्रेजी छात्रों की भांति दाढ़ी जैसी सुन्नत से दूर था । हुआ यूं कि एक दिन संस्था के अध्यापकों की आवश्यक बैठक हजरत सरबराहे आला साहब के कियामगाह में चल रही थी । बैठक समाप्ति के बाद जब सभी अध्यापकगण जाने लग तो हजरत मुफ्ती साहब ने मेरा नाम लेकर कहा "मास्टर कैसर साहब ! ज़रा रुक जायेंगे ।" मैं यह सुनते ही घबरा गया कि या अल्लाह मुझ से कौन सी भूल हो गई है । खैर दिल को मजबूत करके हजरत के सामने बैठ गया । जब सभी अध्यापकगण कमरे के बाहर चले गये तो हजरत तन्हाई में मुझ से धीमे स्वर में बोले – "मास्टर साहब अब आप हमारी जमाअत (अध्यापक वर्ग) में आ गये हैं, ज़रा इसका भी............ इतना कह कर हज़रत ने अपना हाथ अपनी दाढ़ी पर फेरा । मैं हजरत की इस बात और उनके प्यार भरे अन्दाज

के सामने लाजवाब हो गया और मैंने फौरन इरादा कर लिया कि आज से हजरत के आदेश का पूर्ण रूपेण पालन करूंगा । अल्हम्दुलिल्लाह उस दिन के बाद कभी भी मैंने दाढ़ी न मुड़वाई । यह हज़रत मुफ्ती साहब के व्यक्तित्व का ही करिश्मा है कि आज मेरे चेहरे पर पैगम्बरे आजम सल्लल. लाहो अलैहि व सल्लम की मोहब्बत की निशानी मौजूद है । आप को अल्लाह तआला ने ऐसी योग्यताओं व क्षमताओं से भरपूर व्यक्तित्व का मालिक बनाया है कि मैं उन्हें शब्दों की चहरदीवारी में कैद करना उचित नहीं समझता । वह भी ऐसी स्थिति में जबकि उनके सम्पर्क में आये हुये हजारों हजार इन्सान स्वयं उनका गुणगान कर रहे हैं ।

किसी भी महान व्यक्ति के पीछे कोई न कोई ऐसा महान कार्य जरूर होता है जो उसे जिन्दा रखने के लिये पर्याप्त हो । मगर हजरत मुफ्ती साहब ने अपने जीवन में दीन व सुन्नियत की रक्षा करने एवं सामाजिक घटनाओं को इस्लामी परिपेक्ष्य में प्रस्तुत करने के साथ–साथ हदीस की सबसे मुस्तनद सही किताब "बुखारी शरीफ" की शरह (व्याख्या) "नुज़हतुल कारी" को लिख कर इस्लामी साहित्य को अपना बहुमूल्य योगदान दिया है वह स्वयं ही आपकी महानता की कहानी युग युग तक दोहराता रहेगा । आप जब सन १९७६ में अल्जामेयतुल अशरफिया से सम्बद्ध हुये तो आप को "इफ्ता प्रभाग" का मसनदे सदारत अता किया गया (अध्यक्ष पद पर आसीन किया गया) और ऐसा प्रतीत हुआ कि हुजूर हाफिजे मिल्लत की रूहे मुबारक उन्हें आवाज दे रही हो कि "शरीफुल हक तुम मेरे अरमानों की दुनिया (अल्जामे अतुल अशरफिया) में चले आओ यहीं रह कर तुम्हें दीन का बहुत बड़ा कार्य करना है । वाकेयात (घटनायें) इसी तथ्य की तरफ इशारा करते हैं जैसा कि अक्टूबर सन् १९८२ में आपने इस्लाम धर्म में कुरआने पाक के बाद इस धरती पर सबसे पवित्र व सही समझी जाने वाली हदीस की किताब "बुखारी शरीफ" का उर्दू अनुवाद लिखने का बीड़ा उठाया और सोलह वर्षों के अथक प्रयास के बाद नौ जिल्दों (हिस्सों) में पूरी बुखारी शरीफ की शरह लिखने का गौरव अर्जित किया । हजरत मुफ्ती साहब ने बुखारी शरीफ की शरह (व्याख्या) लिख कर जहा एक तरफ आने वाली पीढ़ियों पर एहसान किया है, वहीं दूसरी तरफ मसलके हनफी को कुरान व हदीस से सही साबित करते हुये उन गुमराहों के मुंह हमेशा के लिये बन्द कर दिये जो आये दिन कुरान व हदीस की मनमानी व्याख्या करके मसलके हनफी पर कीचड़ उछालते हैं तथा मुसलमानों को गुमराह करने का प्रयत्न करते हैं ।

जहां तक नुजहतुल कारी की भाषा एवं शैली का प्रश्न है तो मैंने भी इसकी प्रथम व द्वितीय जिल्द का सरसरी तौर पर अध्ययन किया है । अध्ययन के बाद मैं इस नतीजे पर पहुंचा हूं कि नुजहतुल कारी की भाषा अत्यन्त सरल है और शैली भी इतनी रोचक है कि पाठक प्रथम दृष्टि में ही तथ्य को समझ सके । अध्ययन के समय कहीं भी भाषा व शैली की जटिलता नज़र नहीं आती । उर्दू साहित्य से रुचि रखने वाला कम पढ़ा लिखा आदमी भी नुजहतुल कारी को पढ़ कर हदीसे पाक का अर्थ, उसकी व्याख्या को सहज ही समझ सकता है । नुजहतुल कारी की एक विशेषता यह भी है कि अध्ययन के समय ऐसा प्रतीत होता है कि इतिहास के पन्ने स्वतः ही पलटते जाते हैं और इस्लाम की महान हस्तियों के चेहरे उनका व्यक्तित्व भी आंखों के सामने आता जाता है ।

निःसन्देह हजरत मुफ्ती साहब ने "नुजहतुल कारी" लिख कर अपने पैतृक निवास मदीनतुल उलेमा के पारम्परिक गौरव को कायम रखने में सफल रहे हैं और हुजूरे हाफिजे मिल्लत की छत्र छाया में बैठ कर अपने पीर व मुर्शिद हजरत सदरुश्शरीयह मौलाना अमजद अली साहब रह० का अनुसरण करते हुये अपने अमजदी का होने का पूरा पूरा हक अदा कर दिया है ।

'શારેહે બુખારી' એટલે

★ ઈલ્મનો મહાન પહાડ ★

રજૂકર્તા :– **પટેલ શબ્બીર અલી રઝવી દયાદરવી**
(મુબલ્લિગે સુન્ની દાવતે ઈસ્લામી)

હું એવું કહું તો ખોટુ નહીં જ હશે કે ગુજરાતી મોટા ભાગની અવામ વિશ્વના તો ઠીક પણ હિંદુસ્તાનના જ ભૂતકાળના તથા હાલના મહાન મહાન સુન્ની ઉલમાથી, તેમની ખિદમતોથી લગભગ નાવાકેફ છે. અમુક મુકર્રિરો તથા અમુક પીર મુર્શિદોનાં નામો સિવાય દીન તથા સુન્નિયતની ખિદમતમાં જેમણે પોતાની જિંદગીઓ વકફ કરી દીધી, કશીય દુનિયવી લાલચ વિના તંગદસ્તીમાં રહીને પણ કેવળ અને કેવળ દીનને ખાતર પૂરી જિંદગી કુર્બાન કરનારા મહાન ઉલમાથી તથા તેમનાં મહાન કારનામાઓથી જાણે આપણે નાવાકેફ છીએ. આપણા માટે જરૂરી જ નહીં બલ્કે અનિવાર્ય છે કે સુન્ની મહાન હસ્તીઓ, ઈલ્મના પહાડો કયા કયા છે ? તેનાથી વાકેફ થઈએ, તેમની શું કુર્બાનીઓ રહી ? શું કારકિર્દી તેમની રહી ? તેનાથી વાકેફ થઈશું તો તેમના આદેશો તથા તેમની લખેલી કિતાબો પ્રતિ આકર્ષણ જાગશે અને એક ઈલ્મી ઝૌક શોક પેદા થશે જેનાથી દીનમાં મજબૂતી પેદા થશે અને મહાન ઉલમાના હાલાતથી વાકેફ હોઈશું તો એક અનેરી મસ્લકે હક્ક પ્રતિ ખુમારી ઉદ્દ્ભવશે.

મારા ઉસ્તાદે મોહતરમ જેમણે મને ઉર્દૂની તાલીમ આપી અને ઉર્દૂના ગુજરાતી અનુવાદ પ્રતિ સમજ આપીને પ્રોત્સાહિત કર્યો, તે પાકીઝા ઈલ્મ તકવા–પરહેઝગારીવાળી હસ્તી ખલીફાએ મુફતીએ આ'ઝમ હઝરત અલ્લામા મૌલાના કારી મુહંમદ અબુલ કલામ રઝવી સાહબ (હાલ યુ. કે. લેસ્ટર) અકસર 'હાફિઝે મિલ્લત' હઝરત અલ્લામા શાહ અબ્દુલ અઝીઝ મુહદ્દિષે મુરાદાબાદી (અલૈહિર્રહ્મહ)ની પ્રશંસા કર્યા કરતા કે લગભગ ૪૦ વરસ સુધી 'જામેઆ અશરફિયા મિસ્બાહુલ ઉલૂમ–મુબારકપુર'માં એક સ્થાને બેસી આપ તલબાને ઈલ્મથી નવાઝતા રહ્યા અને અતિશય તકવા પરહેઝગારીવાળાં હતા, આપ વલીએ કામિલ, આરિફ બિલ્લાહ અને દરવેશ સિફત ઈન્સાન હતા. આ'લા હઝરત ઈમામ અહમદ રઝા મુહદ્દિષે બરેલ્વી (અલૈહિર્રહ્મહ)ના નકશે કદમ પર ચાલીને આપે સુન્નિયતની એ ખિદમત કરી કે આજે વિશ્વભરમાં તમે સુન્નીઓની કોઈ ઉષ્માવાળી તેહરીક જોશો તો તેમાં કોઈ ન કોઈ 'મિસ્બાહી' જરૂર ત્યાં જોવા મળશે, અથવા તેમનો ફયૂઝયાફ્તા જોવા મળશે. હઝરત મોહદ્દિષે કબીર હઝરત અલ્લામા ઝિયાઉલ મુસ્તફા, હઝરત મૌલાના મુફતી નિઝામુદ્દીન મિસ્બાહી, બેહરુલ ઉલૂમ હઝરત મૌલાના અબ્દુલ મન્નાન સાહબ (ઘોસી), હઝરત મૌલાના બદરુલ કાદરી (હોલેન્ડ), હઝરત મૌલાના યાસીન અખ્તર મિસ્બાહી, હઝરત મૌલાના મુહંમદ અહમદ મિસ્બાહી, મુફક્કિરે ઈસ્લામ હઝરત અલ્લામા કમરુઝ્ઝમાં ખાં આઝમી વગેરેની કિતાબો કે બયાનો જે વાંચનાર–સાંભળનારના મુર્દા દિલને જીવંત કરી આપે છે, એ પણ એ જ બારગાહનાં તર્બિયતયાફ્તા છે.

ફકીહે અસ્ર, શારેહે બુખારી હઝરત અલ્લામા મૌલાના મુફ્તી મુહંમદ શરીફુલ હક્ક સાહબ (મદઝિલ્લહુલ્ આલી) પણ હાફિઝે મિલ્લત (અલૈહિર્રહ્મહ)થી ઈલ્મી રૂહાની તર્બિયત પામેલ છે. આજે વિશાળ, ઘટાદાર, સાયાદાર અને અઢળક ઈલ્મી ફળોથી લચી પડેલ વૃક્ષના રૂપમાં 'શારેહે બુખારી' આપણી સમક્ષ છે, અલ્હમ્દુલિલ્લાહ ! 'હાફિઝે મિલ્લત' ઉપરાંત તેમને છોડમાંથી આ ઈલ્મના વટવૃક્ષની કક્ષાએ પહોંચાડવા ઈલ્મી રૂહાની રીતે સિંચન કરનારી, સમારનારી કઈ કઈ મહાન હસ્તીઓ હતી તે

પણ જોઈ લો :–

૧. સદરુશ્શરીઅહ્ હઝરત મૌલાના હકીમ મુહંમદ અમજદઅલી આઝમી, લેખક–બહારે શરીઅત, ખલીફએ આ'લા હઝરત ઈમામ અહમદ રઝા બરેલ્વી, માજી સદર મુદર્રિસીન દારુલ ઉલૂમ મુઈનિયહ્ ઉષ્માનિયહ્ દરગાહે મુઅલ્લા અજમેર શરીફ.

૨. મુફતીએ આ'ઝમે હિંદ હઝરત મૌલાના મુસ્તફા રઝા કાદરી બરકાતી, ખલફે અસગર આ'લા હઝરત ઈમામ અહમદ રઝા કાદરી બરકાતી બરેલ્વી.

૩. મુહદ્દિષે આ'ઝમ પાકિસ્તાન હઝરત મૌલાના મુહંમદ સરદાર અહમદ કાદરી રઝવી.

૪. સદરુલ ઉલમા હઝરત મૌલાના સૈયદ ગુલામ જીલાની મેરઠી.

૫. ખયરુલ અઝકિય્યા મૌલાના ગુલામ યઝદાની આ'ઝમી.

૬. શૈખુલ મઅ્કૂલાત મૌલાના મુહંમદ સુલૈમાન ભાગલપૂરી.

ઉપરાંત અન્ય મહાન હસ્તીઓએ આપનામાં ઈલ્મનું સિંચન કર્યું. જેણે કેવળ દીનો સુન્નિયતની ખિદમત કાજે આવી મહાન હસ્તીઓથી ઈલ્મ હાંસલ કર્યો હોય તેમાંથી ઈલ્મના ફુવારા કેમ ન વછૂટે ! જે લોકો 'માહનામા અશરફિયા' દર મહિને વાંચતા હશે તેમાં સતત આપના ફત્વાઓનો અભ્યાસ કરતા જ હશે. જેમાં વિવિધ ગુંચવણભર્યા કોયડાઓનાં હલ કુર્આન, હદીષ, અકવાલથી આપ ફર્માવી રહ્યા છે. એ ઉપરાંત આપની તેકહીકપૂર્ણ (સંશોધનાત્મક) સામગ્રીપૂર્ણ કિતાબો ઈલ્મના મોતીઓ લૂંટાવી રહી છે. આપની મહાન કૃતિ 'નુઝહતુલ્ કારી શરહે બુખારી' જે બુખારી શરીફની હદીષોની શરહ (સમજુતી) આપતી નવ ભાગમાં વહેંચાયેલી છે, આ કિતાબની ખૂબીઓ માટે તો પૂરી કિતાબ લખવી પડે. આ ઉપરાંત શારેહે બુખારીએ વિવિધ કિતાબો આપણને ભેટ ધરી છે, જેમ કે :–

"અશ્રફુસ્સેયર દર સીરતે ખૈરુલ્ બશર, હાશિયા ફતાવાએ અમજદિયા, ઈસ્લામ ઔર ચાંદકા સફર, સુન્ની દેવબંદી ઈખ્તેલાફકા મુન્સિફાના જાઈઝા, મકાલાતે અમજદી, તહકીકાત, અષ્બાતે ઈસાલે ષવાબ, ફિત્નોંકી સરઝમીન કૌન ? નજદ યા ઈરાક ?!, ઈમામ અહમદ રઝા ઔર મસ્અલાએ તકફીર, અઝાને ખુત્બા કહાં હો ? વગેરે." ઉપરાંત અસંખ્ય ઈલ્મસભર લેખો આપે લખેલા છે જેનાથી ઈસ્લામ વિરૂધ્ધ, સુન્નિયત વિરૂધ્ધ ઉઠેલા વાંધાઓના જવાબો બન્યા છે. જેમ કે :–

"મુહંમદુર્રસૂલુલ્લાહ ! (સલ્લલ્લાહુ અલૈહિ વસલ્લમ) કાનૂન જાણનાર કે કાનૂન ઘડનાર ?, હઝરત ઈસ્માઈલ (અલૈહિસ્સલામ)ની વિલાદત તથા જન્મની જગા, યહૂદીના બારામાં એક આયતનો ખુલાસો, કાંકરી મારવાના સમયોમાં તબદીલી, રૂયતે હિલાલ અને તૌકીત, શરઈ ઈદ અને ઉર્ફી ઈદ, મા'મૂલાતે અહલે સુન્નત, ઉલમાએ દેવબંદ ઔર મસ્અલાએ તકફીર.....વગેરે."

જેઓ આ કિતાબો–લેખોનો અભ્યાસ કરે છે તેઓ તેમાં ઈલ્મની ફસ્લે બહાર (વસંત) ખીલેલી મહસૂસ કરે છે, દિલમાં ઈમાની રોશની ઝગમગી ઉઠે છે અને દીન માટે કુર્બાનીની એક સ્પિરટ જાગી ઉઠે છે અને વધુ ને વધુ ઈલ્મ પામવાની તલબ જાગી ઉઠે છે. અંતમાં આ ટૂંકા લેખમાં સર્વ વાતોની ચર્ચા તો શકય નથી પણ આપના ઈલ્મની ચાસણીની લિજ્જત અનુભવવા માટે આપની કિતાબ 'ઈસ્લામ ઔર ચાંદકા સફર'ના મુદ્દાઓની થોડીક ચર્ચા જોઈ લઈએ.

ઈ. સ. ૧૯૭૨ની સાલમાં અમેરિકાએ એપોલો–૧૧ નામના અવકાશ યાનને ચંદ્ર પર ઉતાર્યું અને

તેના ત્રણ અવકાશયાત્રીઓ પ્રથમવાર ચંદ્ર પર ઉતર્યાની જાહેરાત કરી ત્યારે વિશ્વભરમાં હલચલ મચી ગઈ હતી. મઝહબી ઉલમાનો એક મોટો તબકો આ સમાચારને જૂઠ, ધોકો ઠરાવીને ચંદ્ર પર માનવના ઉતરાણને અશકય અને તે સમાચારને સમર્થન કરનારને ગુમરાહ જણાવી રહ્યો હતો, જ્યારે બીજો તબકો ચંદ્ર પર માનવના ઉતરાણને શકય સમજી રહ્યો હતો અને ત્રીજો તબકો એવું કહી રહ્યો હતો કે ચંદ્ર પર માનવ ઉતરાણની બશારત કુર્આને હકીમમાં મૌજૂદ છે.

શારેહે બુખારીની માન્યતા એ હતી કે અમેરિકા તથા રશિયાના અવકાશયાત્રીઓ ચંદ્ર પર પહોંચ્યા કે નહીં? અને તેમનો દાવો સાચો છે કે ખોટો? તેનું સમર્થન કરવું કે તેને જૂઠલાવવું એ અલગ મસ્અલો છે, અને 'ચંદ્ર પર માનવના ઉતરાણની શકયતા' એ એનાથી એક અલગ ચર્ચાનો વિષય છે. મારી દ્રષ્ટિએ ચંદ્ર પર માનવ ઉતરાણ શકય છે, શરીઅતની રૂએ તથા બૌધ્ધિક રીતે તેમાં કાંઈ જ અજુગતુ નથી.

૧૨૮ પેજીસ પર ફેલાયેલી આપની "ઈસ્લામ ઔર ચાંદકા સફર" કિતાબના અભ્યાસ પછી દરેક વિચારકે એ માનવું જ પડશે કે શારેહે બુખારીની ગહરી નજર જેવી રીતે કુર્આન તથા હદીષ અને તેની તફસીર તથા તશ્રીહ પર છે; એવી જ રીતે પ્રાચીન તથા અર્વાચીન ફિલોસોફી અને અવકાશ શાસ્ત્રના ખગોળ શાસ્ત્રના પાયાના નિયમો તથા માન્યતાઓ પણ આપની પકડ હેઠળ છે.

ખગોળ શાસ્ત્રના સંબંધે પ્રાચીન તથા અર્વાચીન યૂનાની માન્યતાઓ, ત્યાર બાદના મુસ્લિમ સત્તાકાળ તથા અબ્બાસી ખિલાફતકાળ વગેરેમાં અવકાશ શાસ્ત્રનો ઈતિહાસ, યૂનાની હાકિમોના વિવિધ તબકા, યૂરોપના અવકાશ જ્ઞાનીઓ અને ચંદ્ર, સૂર્ય તથા તારાઓ વિશે તેમનાં સંશોધનો તથા માન્યતાઓ એ કિતાબના પેજ–૧૫ થી પેજ–૫૬ સુધી જણાવેલ છે. પછી પેજ–૫૬ થી ૬૪ સુધી મુફસ્સિરોની માન્યતાઓ અને તેના પછીના ૭૨ પેજો સુધી કેટલીક તફસીરો અને તેના પર લાગુ પડતી કેટલીક શંકાઓ અને તેના જવાબો લખેલા છે. પેજ–૬૩ થી ૭૭ સુધી ચર્ચાઓનો ખુલાસો છે. પછી પેજ–૮૧ થી ૧૨૮ સુધી શારેહે બુખારીના સંશોધનથી મતભેદોનો ઉલ્લેખ અને તેના પર કેટલીક નિયાઝમંદાના (આજીજીપૂર્ણ) ગુઝારિશો છે. આ નિયાઝમંદી એટલા માટે છે કે તે ગુઝારિશોનું સંબોધન સદરુલ ઉલમા હઝરત મૌલાના સૈયદ ગુલામ જીલાની અલીગઢી મેરઠી (રહ્મતુલ્લાહિ અલૈહ)ની પ્રતિ છે, જેઓ શારેહે બુખારીના જલીલુલ્ કદર ઉસ્તાદેગિરામી છે.

ચંદ્ર આસ્માનમાં છે કે આસ્માન નીચે એના બારામાં સંક્ષિપ્તમાં નિમ્નલિખિત વિવિધ માન્યતાઓ જાણી લીધા પછી એ પરિણામ સુધી પહોંચવું સરળ થઈ જશે કે ચંદ્ર પર માણસનું પહોંચવું શકય છે કે નહીં ?

બત્લીમૂસ વગેરે પ્રાચીન યૂનાની તત્વચિંતકો કહે છે કે ચંદ્ર પ્રથમ આસ્માનમાં છે. આસ્માનને ફાડવું શકય નથી એટલા માટે એમાં પ્રવેશવા માટે કોઈ કાણુ કે દરવાજો નથી જેથી ચંદ્ર પર માનવનું પહોંચવું શકય નથી. ગેલેલિયો વગેરે અર્વાચીન તત્વચિંતકો કહે છે કે ચંદ્ર, સૂરજ તથા સર્વ તારાઓ વાતાવરણમાં છે, આસ્માનનું કોઈઅસ્તિત્વ નથી, એટલા માટે ચંદ્ર પર માનવનું પહોંચવું શકય છે.

જમહૂર મુફસ્સિરો ફર્માવે છે કે ચંદ્ર, સૂરજ તથા તારાઓ આસ્માન નીચે છે. જમહૂરના આ કૌલના આધારે અવકાશયાન અથવા એ પ્રકારના ઝરીયાઓ થકી ચંદ્ર પર કોઈ માનવનું પહોંચવું શરીઅતની રૂએ જાઈઝ છે.

ઈર્શાદે બારી તઆલા છે كل فى فلك يسبحون.

અર્થ :–"દરેક એક ઘેરાવમાં (ચકમાં) તરી રહેલ છે." આ આયતે કરીમામાં 'ફલક'થી શું મુરાદ છે

એના વિશે તફસીરે ખાઝિનમાં પાંચ કથનો નકલ કરવામાં આવે છે : (૧) મદાર (૨) મુત્લક ગોલાઈ (૩) આસ્માન (૪) ચક્કીની ગોળાઈ (૫) મૌજે મકફૂફ.

તફસીરે નસફીમાં છે : (અર્થ) :– ઈબ્ને અબ્બાસથી મરવી છે કે 'ફલક'થી મુરાદ આસ્માન છે અને જમહૂરનો મઝહબ એ છે કે ફલકથી મુરાદ મૌજે મકફૂફ છે જે આસ્માનની નીચે છે જેમાં સૂરજ, ચંદ્ર તથા તારાઓ ફરે છે.

અલ્લામા ઈબ્ને હજર અસ્કલાની 'ફત્હુલ બારી' અને અલ્લામા અયની 'ઉમ્દતુલ કારી'માં હઝરત અબ્દુલ્લાહ ઈબ્ને અબ્બાસની આ તફસીર ઉપરોક્ત આયત હેઠળ નકલ કરે છે, (અર્થ) : સર્વ (ચંદ્ર, સૂરજ, તારાઓ) આસ્માનની આસપાસ ઘુમે છે.

મૌજે મકફૂફથી મુરાદ પહેલુ આસ્માન નથી. તફસીરે દુર્રે મન્થૂરમાં છે :– (અર્થ) : હસ્સાન ઈબ્ને આતેય્યહએ કહ્યું કે સૂરજ, ચાંદ અને સિતારાઓ આસ્માન તથા જમીન વચ્ચે એક ચક્રમાં ફીટ થયેલા છે. ઈબ્ને ઝયદ (રદિયલ્લાહુ અન્હૂ)એ كل في فلك يسبحون. ની તફસીરમાં ફરમાવ્યું : આ ચક્રમાં જે આસ્માન તથા જમીન વચ્ચે છે જે તારાઓ તથા સૂરજ અને ચંદ્રને પસાર થવાનો માર્ગ છે.

હઝરત સલ્માન ફારસીનો આ કૌલ 'ફત્હુલ બારી શરહે બુખારી'માં નકલ થયેલ છે, (અર્થ) :– તારાઓ એવી રીતે કંદીલોમાં પ્રથમ આસ્માન સાથે લટકેલા છે જેવી રીતે મસ્જિદોમાં કંદીલો હોય છે.

'તફસીરે કબીર'માં હઝરત અતાઅ્ તાબઈ મશહૂર મુફસ્સિરનો આ કૌલ નકલ થયેલ છે, (અર્થ) : તારાઓ જમીન તથા આસ્માનની વચ્ચે નૂરાની જંઝીરોમાં લટકેલી કંદીલોમાં છે અને આ જંઝીરો ફરિશ્તાઓના હાથોમાં છે. જ્યારે જમીન તથા આસ્માનવાળા સૌ મૃત્યુ પામશે ત્યારે આ જંઝીરો ફરિશ્તાઓના હાથોમાંથી પડી જશે.

ખગોળ શાસ્ત્રની રૂએ ચંદ્ર, સૂરજ તથા તારાઓની વિગતો, એકબીજાથી તેમનું અંતર....વગેરેનું પણ આ કિતાબમાં તેહકીકપૂર્ણ વર્ણન છે. ઉપસ્થિત થનારા કેટલાક વાંધાઓ તથા શંકાઓનુ નિવારણ પણ કરી આપ્યું છે. શારેહે બુખારીની આ કિતાબ પોતાના વિષયોમાં એક મહાન ખૂબીપૂર્ણ સંશોધનાત્મક કારનામુ છે. (બહવાલા શારેહે બુખારી, અઝ–યાસીન અખ્તર મિસ્બાહી)

કેટલાક દુનિયવી ઈલ્મમાં થોડુક ભણેલા માણસો ઘમંડમાં રહીને આલિમોને હલકી નજરે જોતા હોય છે કે એઓ નમાઝ–રોઝા વગેરેના મસાઈલ સિવાય શું જાણે ?! પણ તેઓ પણ જ્યારે આવા ઈલ્મના મહાન પહાડ સમા ઉલમાની કિતાબો વાંચે તો તેઓ પણ પોતાને મામૂલી સમજવા લાગે છે.

★★★★

سرکار مفتی اعظم ہند کا شارح بخاری پر خصوصی فیضانِ کرم کا

ایک روح پرور منظر

حضرت شارح بخاری دامت برکاتھم القدسیہ نزھۃ القاری شرح بخاری کے اختتام پر رقم طراز ہیں ——

"اخیر میں حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ کی طرز پر ایک ایسی حدیث تحریر کرتا ہوں، جو مسندِ وقت، حبر امت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان صاحب مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے میری درخواست پر اپنی زبانِ فیض ترجمان سے سند متصل کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔"

حدیث حَدَّثَنِیْ شَیْخِیْ وَمُرْشِدِیْ مُسْنَدُ الْوَقْتِ مُصْطَفیٰ رَضَا اَلْقَادِرِیُ اَلْمُفْتِی الْاَعْظَمُ بِالْهِنْدِفِیْ دَارِهٖ بِبَرِیْلِی۔ قَالَ حَدَّثَنِیْ مُجَدِّدُ الْوَقْتِ اعلیٰ الحَضْرَةِ مَوْلَانَا الشَّاہ اَحْمد رَضَا خان القادری قُدِّسَ سِرُّهٗ قَالَ حَدَّثَنِی وَالِدِیْ عُمْدَةُ الْمُحَقِّقِیْنَ مَوْلَانَا نَقِی عَلِی خَان اَلْبَرَیْلَوِی (اِلٰی اَنْ قَالَ) حَدَّثَنِیْ اَبُوالْعَیَّاشِ بَحْرُ الْعُلُوم عَبْدُالْعَلِیْ اَلْفِرَنْجِی مَحَلِّیْ بِسَنَدِهٖ الْمَذْکُوْرِ فِی الدُّرِ الْمَنْظُوْمِ فِی اَسَانِیْدِ بَحْرِالْعُلُوْمِ (اِلٰی اَنْ قَالَ) حَدَّثَنِیْ سَنَدُ الْحُفَّاظِ شِہَابُ الدِّیْنِ اَبُوالْفَضْلِ اَحْمَدُ بْنُ عَلِی بْنِ حَجَرِ الْعَسْقَلَانِیْ بِسَنَدِهٖ الْمَذْکُوْرِ فِیْ اٰخِرِ فَتْحِ الْبَارِیْ اِلَی الْاِمَامِ اَبِیْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَحْمَدَ بْنِ شُعَیْبِ النَّسَائِی اَنْبَانَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ هُوَ الصَّغَانِیْ

مسند وقت حبرامت مصطفیٰ رضا خاں صاحب مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گھر میں مجھ سے حدیث بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ مجدد وقت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ نے مجھ سے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ میرے والد عمدۃ المحققین مولانا نقی علی خان صاحب نے مجھ سے حدیث بیان کی انہوں نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا کہ ابوالعیاش بحرالعلوم مولانا عبدالعلی لکھنوی فرنگی محلی نے اپنی اس سند کے ساتھ جو الدرالمنظوم فی اسانید بحرالعلوم میں مذکور ہے۔ جو سند الحفاظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی تک پہنچتی ہے۔ حدیث بیان کی انہوں نے اپنی اس سند کے ساتھ جو فتح الباری کے اخیر میں درج ہے جو ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی تک پہنچتی ہے۔ حدیث بیان کی

حَدَّثَنَا اَبُومُسْلِمٍ مَنْصُوْرُ بْنُ سَلْمَةَ الْخُزَاعِیُّ حَدَّثَنَا خَلاَّدُ بْنُ سُلَیْمَانَ هُوَ الْحَضْرَمِیُّ عَنْ خَالِدِ بْنِ اَبِی عِمْرَانَ

کہ ہمیں محمد بن اسحاق صغانی نے خبر دی ہے کہ ہم سے ابو مسلم منصور بن سلمہ خزاعی نے حدیث بیان کی کہ ہم سے خلاّد بن سلیمان

عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ مَجْلِساً

حضرمی نے حدیث بیان کی وہ خالد بن ابو عمران سے روایت کرتے ہیں وہ عروہ سے روایت کرتے ہیں وہ ام المومنین حضرت عائشہ

اَوْ صَلّیٰ تَکَلَّمَ بِکَلِمَاتٍ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَالِكَ فَقَالَ اِنْ تَکَلَّمَ بِکَلاَمٍ خَیْراً کَانَ طَابِعاً عَلَیْهِ یَعْنِی خَاتِماً عَلَیْهِ اِلیٰ

رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مجلس میں بیٹھتے یا نماز پڑھتے تو کچھ کلمات

یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَاِنْ تَکَلَّمَ بِغَیْرِ ذَالِكَ کَانَتْ کَفَّارَةً لَهٗ سُبْحٰنَكَ اَللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْكَ۔

پڑھتے تھے میں نے حضور سے ان کلمات کو پوچھا تو فرمایا کہ اگر کوئی اچھی بات کی جائے گی اور یہ کلمات پڑھ لئے جائیں تو قیامت تک اس پر مہر ہو جائے گی اور اگر خیر کے علاوہ کچھ اور بات کہی جائے تو اس کے لئے کفارہ ہو جائیں گے۔ اے اللہ ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں ہر اس چیز سے جو تیری شان کے لائق نہیں اور تیری حمد کرتے ہیں۔ سوائے تیرے اور کوئی معبود نہیں اور ہم تجھ سے بخشش چاہتے ہیں اور تیری طرف رجوع ہوتے ہیں۔

انتہیٰ

والحمدلولیه و الصلوٰة و السلام علی حبیبهٖ الذی لا ینطق عن الهویٰ ان هو الا وحی یوحیٰ و علیٰ اٰلهٖ و صحبهٖ من تمسك بهم نجیٰ و فاز بالحسنیٰ و علیٰ ابنه و وارثه غوث الوریٰ محی الدین عبدالقادر الجیلانی قدس سرهٗ و علیٰ وارثهٖ المجدد الاعظم اعلیٰ الحضرة الامام احمد رضا خان البریلوی قدس الله سرهٗ برحمته وهو ارحم الراحمین۔

●●●

فقیہ الہند شارح بخاری مدظلہ العالی کی اہم تصانیف

نزہۃ القاری

اصح کتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف کی نہایت جامع مفید شرح جو تمام عربی فارسی شروح کا عطر مجموعہ ہے۔ عوام، خواص، علماء، طلبہ، واعظین، مستفیدین کے لئے لاجواب تحفہ۔ کتابت طباعت نہایت اعلیٰ جلد زریں، خوب صورت، مضبوط، خوشنما۔ سائز ۲۰×۳۰/۸

جلد اول	صفحات ۵۵۹	از ابتداء	تا	کتاب الوضوء
” ثانی	” ۴۸۸	از کتاب الوضوء	تا	ختم کتاب الصلوٰۃ
” ثالث	” ۵۵۶	از مواقیت الصلوٰۃ	تا	جنائز
” رابع	” ۵۲۰	از کتاب الجنائز	تا	کتاب المناسک
” خامس	” ۵۲۸	از کتاب الصوم	تا	کتاب الھبہ
” سادس	” ۶۱۸	از کتاب الشہادۃ	تا	کتاب الانبیاء
” سابع	” ۶۴۸	از کتاب المناقب	تا	کتاب التفسیر
” ثامن	” ۴۱۶	از کتاب فضائل القرآن	تا	کتاب الدعوات
” تاسع	” ۳۵۶	از کتاب الرقاق	تا	ختم بخاری

اشرف السیر

فن سیرت پر تحقیقی مقدمہ کے ساتھ غار حرا تک کے واقعات پر مشتمل ایک تاریخی دستاویز۔ صفحات قیمت

مقالات شارح بخاری

شارح بخاری کے اہم موضوع پر مضامین و مقالات کا حسین گلدستہ۔ تین حصوں میں۔ سائز ۲۳×۳۶/۱۶

اسلام اور چاند کا سفر

از روئے شرع چاند پر پہنچنا ممکن ہے یا نہیں؟ چاند سورج ستارے کہاں ہیں۔ شارح بخاری کی تحقیقات کا خزینہ۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۲۸ قیمت۔

اثبات ایصال ثواب

اس موضوع پر شارح بخاری نے اس کتاب میں ایک نئے انداز سے بحث کی ہے میلاد و قیام نیاز و فاتحہ کے سلسلہ میں جو لوگ کسی شک و شبہے میں ہوں ان کے اطمینان کلی کی دستاویز۔ سائز ۲۳×۳۶/۱۶ صفحات ۸۰ قیمت

فتنوں کی سرزمین

نجد و عراق کا ایک گراں قدر تاریخی و دینی اور سیاسی جائزہ۔

امام احمد رضا اور مسئلہ تکفیر

از شارح بخاری:۔ اپنے موضوع پر علم و تحقیق کا قابل مطالعہ ذخیرہ

منصفانہ جائزہ

سنی و دیوبندی اختلافات پر شارح بخاری کی فیصلہ کن ابحاث کا مرقع۔ سائز ۲۳×۳۶/۱۶

تحقیقات

معاندین اہلسنت کے کچھ اعتراضات کے مدلل جوابات۔ دو حصوں میں۔ سائز ۲۳×۳۶/۱۶

اذان خطبہ کہاں ہو

اس موضوع پر شارح بخاری کے تلمیذ رشید مولانا حافظ عبد الحق صاحب کا محققانہ رسالہ۔ اذان خطبہ کہاں ہو؟ پر پھلواری کے بعض پیروں نے بہت ریزکی تھی۔ اس کا بھرپور رد اس کتاب میں ہے۔ سائز ۲۳×۳۶/۱۶

تنقید برمحل

جناب مولانا حافظ عبد الحق صاحب زیدہ مجدہٗ کے اشہب قلم کی جولانی دماغ کی نکتہ آفرینی مطالعہ کی فراوانی کا منظر دیکھنا ہو تو اس کا ضرور مطالعہ کریں۔ سائز ۲۳×۳۶/۱۶

شارح بخاری

از:۔ مولانا لیسٰین اختر مصباحی۔ مولانا موصوف کے باوقار انداز قلم سے شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دام ظلہ کے حالات و خدمات پر مشتمل ایک مختصر اور جامع تعارف۔ صفحات ۲۷۵۔ ۲۳×۳۶/۱۶

دائرۃ البرکات، کریم الدین پور، قصبہ گھوسی، ضلع مئو (یوپی، انڈیا)